تفسیر

فی ظلال القرآن

(اردو)

جلد چہارم

سید قطب شہید

اسلامی اکادمی
۱۷-اے اردو بازار لاہور پاکستان

Marfat.com

تفسیر

فی ظلال القرآن

(اردو)

جلد چہارم

سید قطب شہیدؒ

ترجمہ

پروفیسر میاں منظور احمد صاحب

اسلامی اکادمی

۱۷- اردو بازار لاہور

Marfat.com

۲

(اردو ترجمہ بحق ناشر محفوظ ہے۔)

نام کتاب :	تفسیر فی ظلال القرآن اردو
مصنف :	سید قطب شہیدؒ
مترجم :	پروفیسر میاں منظور احمد ایم اے
جلد :	چہارم
کتابت :	محبوب احمد
طابع :	ابو مزمل
مطبع :	زاہد بشیر پرنٹنگ پریس
ناشر :	اسلامی اکادمی لاہور (پاکستان)
تاریخ اشاعت :	اگست ۱۹۸۹ء
تعداد :	ایک ہزار
ہدیہ :	روپے

سرٹیفکیٹ

میں نے تفسیر فی ظلال القرآن اردو کو بغور پڑھا ہے اس میں کسی قسم کی کوئی غلطی نہیں ہے اور انجمن حمایت الاسلام لاہور کے مطابق بالکل درست ہے۔

محمد رمضان
چاہ میراں لاہور رجسٹرڈ پروف ریڈر
حکومت پاکستان

Marfat.com

عرضِ ناشر

اب تک سیّد قطب شہیدؒ کی کئی کتابوں کا اُردو ترجمہ ہو چکا ہے۔ خواہش تھی کہ تفسیر "فی ظلال القرآن" کا اُردو ترجمہ شائع ہو۔ الحمدللہ! "اسلامی اکادمی لاہور" کو سارے ملک میں یہ امتیازی مقام حاصل ہوا ہے کہ مفکرِ اسلام سیّد قطب شہیدؒ کی تفسیرؒ فی ظلال القرآن" کا اُردو ترجمہ پیش کر رہی ہے۔ سیّد قطب شہیدؒ کی ذات تعارف کی محتاج نہیں ہے۔ سیّد صاحب کی تحریر میں تحریکِ اسلامی کی تڑپ اور قرونِ اولیٰ کی جھلک نظر آتی ہے۔ اس تفسیر میں نہ روایات کا انبار ہے نہ فقہی موشگافیاں نہ کلامی بحثیں ہیں اور نہ صرف و نحو اور لغت کے بوجھل مباحث۔ یہ ایک طویل مطالعہ کے بعد کے وہ تأثرات ہیں جو ایک مردِ مومن کے قلب پر مرتسم ہوتے ہیں۔ یہ صحیح معنیٰ میں ایک تحریکی تفسیر ہے اور اس کا مقصد دعید قرآن فہمی کا شعور اجاگر کرنا ہے۔ اس قسم کی کتاب لفظی ترجمے کی متحمل نہیں ہوسکتی، اسی لیے اس میں ترجمانی کا اسلوب اپنایا گیا ہے اور کوشش کی گئی ہے کہ سیّد قطب شہیدؒ کے افکار بغیر دھندلائے اور کجلائے اپنی اصل روح اور دلکش تعبیر کے ساتھ قاری تک پہنچائے جائیں۔

سیّد صاحب کی تفسیرؒ فی ظلال القرآن" دس جلدوں پر مشتمل ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے سات جلدوں کا ترجمہ ہو چکا ہے کتابت اور طباعت کے مرحلے میں ہیں۔ باقی تین جلدوں کا اُردو ترجمہ ہو رہا ہے۔ ہماری اوّلین کوشش ہے کہ آپ کی خدمت میں تفسیر فی ظلال القرآن کی بقایا جلدیں بہت جلد پیش کریں۔

انور طاہر صاحب کا بے حد ممنون ہوں جنہوں نے اپنی مصروفیت کے باوجود ان جلدوں کی تصیح و ترتیب کی ہے۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء۔

امید ہے کہ آپ خود بھی تفسیر" فی ظلال القرآن" اُردو خریدیں گے اور اپنے حلقۂ احباب میں اس کا تعارف کرائیں گے۔ آپ کا یہ ہی تعاون میرے لیے کافی ہوگا۔

اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے تفسیرؒ فی ظلال القرآن" کا اُردو ترجمہ مکمل شائع کرنے کی توفیق عطا بخشے۔ آمین ثم آمین۔

ابومومن

Marfat.com

سید قطب شہیدؒ ——— ایک تعارف

مفکرِ اسلام سید قطب شہیدؒ ۱۹۰۶ء میں مصر کے ایک گاؤں موشا میں پیدا ہوئے آپ کے والد کا نام حاجی ابراہیم قطب تھا۔ اور آپ کے اجداد جزیرہ نمائے عرب سے آکر بالائی مصر میں آباد ہوئے تھے۔

سید قطبؒ کی ابتدائی تعلیم گاؤں کے سادہ ماحول میں ہوئی اور آپ نے اپنی والدہ محترمہ کی دلی آرزو کے مطابق بچپن میں قرآن حفظ کر لیا۔ حفظِ قرآن کے بعد آپکے والدین قاہرہ کی ایک بستی حلوان میں آکر آباد ہو گئے اور اس طرح سیدؒ کی تعلیمی ترقی کی راہیں کھل گئیں۔ اور سیدؒ "تجہیزیہ دار العلوم" میں داخل ہو گئے۔ اور ۱۹۲۹ء میں یہاں سے فارغ ہو کر قاہرہ یونیورسٹی میں داخلہ لیا۔ ۱۹۳۳ء میں قاہرہ یونیورسٹی سے بی۔اے ایجوکیشن کیا۔ اور اپنی اعلیٰ صلاحیتوں کی بنا پر یہیں پروفیسر متعین ہو گئے، کچھ عرصے بعد آپ انسپکٹر آف سکولز مقرر کر دیئے گئے، اسی دوران وزارتِ تعلیم کی جانب سے جدید طریقہ ہائے تعلیم و تربیت کے مطالعے کے لیے امریکہ بھیج دیئے گئے وہاں سے ۱۹۵۱ء میں واپسی ہوئی۔

مغربی تہذیب کے گہرے مطالعے نے سید کے ذہن میں یہ حقیقت جاگزیں کر دی کہ تہذیبِ مغرب بانجھ ہو چکی ہے اور اب اسلام ہی انسانیت کے لیے واحد راہِ نجات ہے۔ چنانچہ سفرِ امریکہ کے بعد انہوں نے اخوان المسلمون میں دلچسپی لینا شروع کی اور اپنی پوری زندگی خدمتِ اسلام کیلئے وقف کر دی۔

مارچ ۱۹۵۳ء میں مصر کے معاشرتی بہبود کے مرکز نے سید کو معاشرتی فلاح کانفرنس میں شرکت کیلئے دمشق بھیجا۔ جہاں انہوں نے متعدد لیکچر دیئے جن میں سے التربية الخلقية كوسيلة لتحقيق التكافل الاجتماعی (اخلاقی تربیت اجتماعی کفالت کو بروئے کار لانے کا ایک ذریعہ ہے۔) علمی حلقوں میں خوب سراہا گیا۔

۱۹۵۴ء میں اخوان المسلمون پر پابندی لگا دی گئی اور سیدؒ پابندِ سلاسل کر دیئے گئے۔ آپ مسلسل دس سال تک قید و بند کی صعوبات برداشت کرتے رہے۔ اور اس عرصے میں اپنی تفسیر "فی ظلال القرآن" کی تالیف میں مصروف رہے۔ اگست ۱۹۶۴ء میں رہا ہو کر اگست ۱۹۶۵ء میں دوبارہ گرفتار ہو گئے اور ۲۹ راگست ۱۹۶۶ء کو تختۂ دار پر لٹکا دیئے گئے۔ فاناللہ والیہ المشتکیٰ۔

سید قطب شہیدؒ کی متعدد بیش بہا تصانیف ہیں جن میں "تفسیر فی ظلال القرآن" علمی دُنیا میں کسی بھی تعارف کا محتاج نہیں۔ سید صاحبؒ نے نہایت دلنشین اور خوبصورت ادبی انداز میں معانی قرآن مجید کی توضیح کی ہے اور ان واردات کو بیان کیا ہے، جو ایک طویل مطالعے اور تدبر فی القرآن کے نتیجے میں سامنے آئے ہیں، بلاشبہ اس تفسیر کا لفظ لفظ دعوت اور ادب کا شاہکار ہے۔ ضرورت تھی کہ اُردو دان طبقہ بھی اس عظیم تفسیر سے روشناس ہو۔ الحمدللہ اس بے مثل تفسیر کو اُردو قالب میں پیش کرنے کا شرفِ اولیت "اسلامی اکادمی" کو حاصل ہوا ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ یہ تفسیر دس جلدوں میں پیش کی جائے گی۔

قارئینِ کرام! سے استدعا ہے کہ وہ اس کارِ سعادت کے مکمل ہونے کی دُعا کریں۔ (آمین ثم آمین)

——— ابو مومن منصور احمدؒ

Marfat.com

فہرست مضامین تفسیر فی ظلال القرآن جلد چہارم

عنوانات	صفحہ نمبر
پارہ نمبر ۱۰	
تمہید	۱۱
آیات بینات : ۴۱ : ۵۴	۱۳
غنائم کو پہلے روک کر پھر کیوں بانٹا گیا	۱۶
اموال غنیمت کی تقسیم کے احکام	۱۷
یوم الفرقان	۲۱
میدان جنگ کا نقشہ	۲۵
اسباب نصرت الٰہی	۳۰
اللہ اور رسول کی اطاعت کا مطلب	۳۳
تکبر اور ریاکاری سے باز رہو	۳۴
شیطانی وسوسہ اور اس کے نتائج	۳۵
میدانِ بدر میں قدرت الٰہی	۳۹
آیات بینات : ۵۵ تا ۷۵	۴۲
بدترین جانور	۴۷
کفار و منافقین سے سلوک کے مراحل	۴۹
کافروں کو شر الدواب کیوں فرمایا	۵۱
حسب استطاعت قوت تیار کرو	۵۴
راہِ حق میں انفاق مال کا حکم	۵۵
مصالحت کے احکام	۵۷
شکست خوردہ ذہنیت اور تحریف قرآن	۵۹
صلح اور خدا پر توکل	۶۱
قتال کی ترغیب اور فقہ کا غلبے سے کیا تعلق	۶۴

عنوانات	صفحہ نمبر
قیدیوں کے بعض احکام	۶۵
قیدیوں کے ساتھ اسلام اور غیر اسلام کا رویہ	۶۹
اسلام اور بین الاقوامی تعلقات	۷۱
اسلامی ولا کی بنیاد کیا تھی ؟	۷۶
اسلامی وجود کی پہلی تعمیر کے خاص احکام	۸۰
سورۂ توبہ	
سیاق و سباق اور شان نزول	۸۵
سورۂ توبہ کے بنیادی مضامین	۱۰۷
سورۂ توبہ کے شروع میں بسم اللہ کیوں نہیں؟	۱۱۵
آیات بینات : ۱ تا ۲۸	۱۱۶
مسلمانوں اور غیر مسلموں میں تعلقات	۱۲۱
قریش کا اسلام سے اختلاف اتفاقی نہ تھا	۱۲۲
سید رشید رضا اور استاذ محمد عزہ کی آراء	۱۲۴
الجہاد فی الاسلام	۱۳۱
اعلان برات	۱۳۶
توبہ کی گنجائش موجود ہے	۱۴۰
مخصوص حالات کا استثناء	۱۴۱
عہد شکنوں کے بارے میں	۱۴۶
ایک اشکال کا جواب	۱۴۷
مشرکوں کو قسم اور ذمہ داری کا لحاظ نہیں	۱۴۹
تم بد عہدوں سے قتال کیوں نہیں کرتے۔	۱۵۴
ایمان کے بغیر عمل صالح بے وزن ہیں	۱۵۸
ایمان، ہجرت اور جہاد کے فضائل	۱۶۰

Marfat.com

عنوانات	صفحہ نمبر
مومن جماعت کی امتیازی صفات	۱۶۰
- اللہ پر ہی بھروسہ رکھو اور کثرت وقلت	۱۶۳
مشرک نجس ہیں، انہیں مسجدِ حرام کے قریب نہ آنے دو!	۱۶۶
آیات بینات: ۲۹ تا ۳۵	۱۶۷
مسلم معاشرہ اور اہلِ کتاب سے تعلقات	۱۶۸
مستشرقین کے خبیث الزام کا ردّ	۱۷۰
اہلِ کتاب سے قتال اور جزیہ کے احکام	۱۸۴
حرام خوری اور جزیہ کی حکمت	۱۸۶
اہلِ کتاب مشرکوں کی راہ پر	۱۸۹
کتبِ مقدسہ کی حقیقت	۱۹۰
اہلِ کتاب کا ایک اور انحراف	۱۹۴
مقصد دین کیا ہے؟	۱۹۹
احبار و رہبان کی دنیا پرستی اور حرام خوری	۲۰۱
اہلِ کتاب پر شدید حملہ درکار تھا	۲۰۴
غلبہ دین کی شرط	۲۰۷
آیات بینات: ۳۶ تا ۳۷	۲۰۸
نسی جاہلیت کی رسم ہے	〃
زمانے کی تحدید	۲۱۰
آیات بینات: ۳۸ تا ۴۱	۲۱۳
جہاد پر لبیک کہو	〃
ایک تاریخی واقعہ سے سبق حاصل کرو	۲۱۶
آیات بینات: ۴۲ تا ۹۳	۲۱۸
جن لوگوں پر ضعف طاری ہوا تھا	۲۲۸
منافق اور ان کی بہانہ سازیاں	۲۳۱
منافقوں کے طبقات اور خصوصیات	۲۳۶
صدقات کی تقسیم	۲۳۸
نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت دینے والے منافق	۲۴۱
منافقین کی مزید صفات	۲۴۴
پہلی معذب قوموں کے احوال	۲۴۷
مومنوں کی صفات	۲۴۸
کفار اور منافقین سے جہاد کرو	۲۵۰
کلمہ کفر، اسلام کے بعد کفر	۲۵۱
منافقوں کے بارے میں	۲۵۳
ایمان اور نفاق کا فرق	۲۶۱
پارہ ۱۱	
سیاق وسباق	۲۶۷
آیات بینات: ۹۴ تا ۹۶	۲۷۲
منافقوں کی مزید صفات	۲۷۴
آیات بینات: ۹۷ تا ۱۱۰	۲۷۷
اعراب کفر ونفاق میں شدید ترین	۲۸۱
بدوی مومن اور مسلم معاشرہ کی تقسیم	۲۸۴
مسجد ضرار اور ہر زمانے کی مسجد ضرار	۲۹۸
آیات بینات: ۱۱۱ تا ۱۲۹	۳۰۱
اجمالی تفسیر	۳۰۵
- مومنوں کی اللہ سے بیع وشرا اور جہاد	۳۱۰
- کتب سماویہ میں اللہ کا برحق وعدہ	۳۱۴
جہاد، ایمانی صفات کا آئینہ ہے	۳۱۵
اسلام ایک ملت اور کفر دوسری	۳۱۸
فضل ورحمتِ خداوندی توبہ کا نزول	۳۲۲
تنگی کی گھڑی - غزوۂ تبوک	۳۲۳
کعب بن مالک کا واقعہ	۳۳۰
اس واقعہ کی عبرتیں	۳۳۵
توبہ اور صدق کا حکم	۳۳۸
متخلفین پر شدید خفیہ چوٹ	۳۳۹

Marfat.com

عنوانات	صفحہ نمبر
تفسیر آیات ۱۲۲ (سلسلہ قرابت)	۳۴۰
آج تدوین فقہ تقاضائے احوال کے مطابق ہوگی	۳۴۲
اسلام کی تحریک جہاد اور اس کے احکام	۳۴۳
مستشرقین اور ملحدین کا واویلا	۳۴۵
غلظت اور تقویٰ کا حکم	۳۵۰
آیات الٰہی سے منافقین کا مذاق	۳۵۳
آخری دو آیات	۳۵۵
سورۂ یونس	
تمہید اور موضوع	۳۵۷
شانِ نزول	۳۶۸
پوری سورت کا مضمون متصل ہے	۳۷۰
سورت کا بنیادی مضمون	۳۷۲
آیات بینات: ۱ تا ۲۵	۳۷۷
مجمل تفسیر	۳۸۲
حروف مقطعات	۳۸۴
کیا یہ حیرانی کی بات ہے	۳۸۵
کیا سائنس سے وحی کا اثبات ممکن ہے	۳۸۶
ربوبیت، عقیدے کا سب سے بڑا معاملہ	۳۸۸
الوہیت، ربوبیت، عبادت اور جاہلیت	۳۹۲
بعث، خلق کا تتمہ ہے	۳۹۳
کائناتی دلائل	۳۹۴
الحاد کس چیز سے بچنا چاہتا ہے	۳۹۷
مشرکوں کی تحدی کا جواب	۳۹۹
ایک انسانی کمزوری	۴۰۰
نامناسب اور ناممکن مطالبے اور ان کا جواب	۴۰۲

عنوانات	صفحہ نمبر
اصل دین توحید ہے	۴۰۵
انسانی فطرت کا ایک عجیب پہلو	۴۰۶
سرکشی کا وبال سرکش پر ہے	۴۰۹
دنیوی زندگی کی قیمت	۴۱۰
آیات بینات: ۲۶ تا ۷۰	۴۱۱
جزا کے قواعد	۴۱۸
"عابد و معبود" ٹکرا جائیں گے	۴۱۹
آفاق و انفس کے دلائل توحید	۴۲۰
کیا تمہارے شریکوں کا کوئی حصہ ہے؟	۴۲۳
قرآن مجید کو اللہ کے سوا اور کوئی نہیں بنا سکتا	۴۲۶
قرآن کے وجوہِ اعجاز	۴۲۸
بے بنیاد تکذیب اور فسادی	۴۳۰
اللہ ظالم نہیں انسان ہی ظالم ہے	۴۳۲
میدان قیامت کا نقشہ	۴۳۲
ہر امت کے لیے ایک مدت مقرر ہے	۴۳۳
دلائل قدرت الٰہی اور قرآن مجید کی بعض صفات	۴۳۸
جاہلیت کی خود ساختہ تحلیل و تحریم	۴۵۲
اللہ کے دوست خوف اور غم سے بری ہیں	۴۵۵
مظاہر قدرت سے استدلال	۴۵۸
آیات بینات: ۷۱ تا ۱۰۳	۴۶۲
رسولوں کی تکذیب کا انجام اور قوم یونسؑ کی طرف ایک اشارہ	۴۶۷
آیات الٰہی کے انکار کا باعث	۴۷۲
مکذبین کے لیے اللہ کی سنت	۴۸۰
آسمان و زمین پر نظر ڈالو	۴۸۵
آیات بینات: ۱۰۴ تا ۱۰۹	۴۸۷
آخری فیصلہ اور عقیدہ توحید	۴۸۹

عنوانات — صفحہ نمبر

سورہ ہود

عنوان	صفحہ
یہ ساری سورت مکی ہے	۴۹۲
شانِ نزول	۴۹۲
سورت کے بنیادی مضامین	۴۹۴
دلالت قصص انبیاء علیہم السلام	۴۹۸
سورہ یونس اور ہود کی مشابہت	۴۹۹
سورت کے مختلف موثرات	۵۰۴
آیات بینات: ۱ تا ۵	۵۰۸
اسلامی نظام کے قواعد	۵۱۰
متاع حسن کہاں ہے	۵۱۳

بارہواں پارہ

عنوان	صفحہ
آیات بینات: ۱ تا ۲۴	۵۱۷
کائنات کے رزق کی ذمہ داری	۵۲۱
نصوص قرآن اور سائنسی نظریات	۵۲۳
انسان کی تلون مزاجی	۵۲۶
رسالت کی قدر سے جاہل لوگ	۵۲۷
قرآن کا چیلنج	۵۲۸
قرآن کی شہادت اور ایک گواہ کی گواہی۔	۵۳۲
ایک اشکال کا جواب	۵۳۵
فقرے بچ نہ سکیں گے	۵۳۷
آیات بینات: ۲۵ تا ۴۹	۵۳۹
اس سورت کے قصوں کے خصائص	۵۴۳
نوح علیہ السلام کا واقعہ	۵۴۴
کفار کے شبہات و الزامات	۵۴۵
نوح علیہ السلام کا علم و حوصلہ	۵۴۸
قرآنی سیاق کا ایک عجیب و غریب التفات	۵۵۱

Marfat.com

عنوانات	صفحہ نمبر
قرآنی قصوں کے مقاصد	۵۵۶
جاہلیت اور شرک کیونکر پیدا ہوئے	۵۵۸
اسلامی معاشرے کے بنیادی اصول	۵۶۷
آیات بینات : ۵۰ تا ۶۸	۵۷۵
ہود علیہ السلام کا واقعہ	۵۷۸
توبہ و استغفار کا بارش کے نزول سے کیا تعلق ہے ؟	۵۸۰
ہود علیہ السلام کا چیلنج	۵۸۲
پیشانی پکڑنے کا مطلب	۵۸۴
دعوت توحید کا اولین تقاضا	۵۸۵
جحود آیات سے کیا مراد ہے ؟	۵۸۸
حضرت صالح علیہ السلام کا واقعہ	۵۹۵
ثمود اور قریش میں مشابہت	۵۹۷
آیات بینات : ۶۹ تا ۸۳	۶۰۰
ابراہیم علیہ السلام کے لیے بشارت	۶۰۲
لوط علیہ السلام کا واقعہ	۶۰۵
آیات بینات : ۸۴ تا ۹۵	۶۰۹
شعیب علیہ السلام کا واقعہ اور ایک اہم بات۔ عقیدہ اور انسانی معاملات۔	۶۱۱
نماز کا عقیدے اور مالی معاملات سے تعلق	۶۱۴
نئی جاہلیت اہل مدین کی جاہلیت سے شدید تر ہے	۶۱۶
شعیب علیہ السلام کی غیرت حق	۶۱۹
آیات بینات: ۹۶ تا ۹۹	۶۲۱
آیات کریمات : ۱۰۰ تا ۱۲۳	۶۲۲
سورۂ ہود کے واقعات کے نتائج	۶۲۵
باطل معبود کسی کام نہ آئے	۶۲۸
تاخیر عذاب کا سبب	۶۳۰
اللہ کے حکم پر استقامت	۶۳۲
ہدایت و ضلالت اور مشیت الٰہی	۶۳۵
انبیاء علیہم السلام کے واقعات بیان کرنے کی غرض	۶۳۶

Marfat.com

صفحہ نمبر	عنوانات
۶۳۷	اس سورت کی آخری نصیحت۔ عبادت اللہ کی کرو
۶۳۹	عبادت کا مطلب
۶۴۸	اس سورت کے قصوں کی روشنی میں عقیدہ اسلام کا تحریکی پہلو
	سورۂ یوسف
۶۵۸	زمانۂ نزول
۶۶۰	سورۂ یوسف ایک پیغام تسلی ہے
۶۶۱	اس سورت کی خصوصیت، شخصیات اور قصہ کی ادائیگی میں اسلامی اثرات۔
۶۸۰	اس قصہ کی تاریخی اور فنی حیثیت
۶۸۶	عبرت اور قدر و قیمت
۶۹۰	قصہ یوسف علیہ السلام کے نتائج
۶۹۳	اس سورت میں خصائص الوہیت کا بیان
۶۹۴	آیات کریمات: ۱ تا ۲۰
۶۹۷	یوسف علیہ السلام کا خواب اور باپ کی نصیحت
۶۹۸	رؤیا، احلام اور ان کی تعبیر
۷۰۰	یوسف علیہ السلام کے ساتھیوں کا مشورہ اور دھوکہ دہی۔
۷۰۶	آیات بینات: ۲۱ تا ۳۴
۷۰۹	تمکین فی الارض اور حکمت و علم
۷۱۰	دوسرا ابتلاء جو پہلے سے شدید تر تھا
۷۱۳	معاذ اللہ
۷۱۹	یوسف علیہ السلام کی دعا اور قید
۷۲۰	آیات کریمات: ۳۵ تا ۵۲
۷۲۵	دو قیدیوں کا خواب اور تبلیغ توحید
۷۲۹	حکم و اقتدار صرف اللہ کا ہے
۷۳۲	خوابوں کی تعبیر اور شاہی خواب
۷۳۵	یوسف علیہ السلام سے تعبیر پوچھی گئی
۷۳۶	شاہی دعوت اور یوسف علیہ السلام کا انکار
۷۳۸	یوسف علیہ السلام کی پاکدامنی کی شہادت

Marfat.com

بقیہ سورۃ الانفال

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

پارہ ۱۰

تمہید

سورۃ الانفال کے بنیادی مضامین پر کچھ گفتگو اس سورۃ کی ابتداء میں ہو چکی ہے۔ سورۃ کا جو حصہ گزر چکا اسے ہم سورہ کا شطرِ اول، اور جواب شروع ہوتا ہے، اسے شطرِ ثانی کہہ سکتے ہیں۔ دونوں حصوں کے مضامین میں بہت مماثلت پائی جاتی ہے، اس کا مطلب یہ نہیں اس باقی حصے میں پہلے ہی مضامین کی تکرار ہے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ دونوں حصوں کے مضامین اور موضوعات ایک جیسے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ یوں کہیئے کہ پہلا حصہ اس کا دورِ اول تھا اور یہ حصہ دورِ ثانی ہے ربطِ مضامین کے لیے ہم پہلے دَور کے مضامین پر ایک سرسری نگاہ ڈالنا چاہتے ہیں۔

مضامین شطرِ اوّل

پہلا حصہ اس مضمون سے شروع ہوا تھا کہ انفال کے بارے میں سوال ہوا تھا۔ لوگوں کا انفال میں کچھ اختلاف تھا، کیونکہ ابھی ان کا حکم نازل نہ ہوا تھا۔ جنگ بدر پہلا موقع تھا کہ مالِ غنیمت حاصل ہوا، اور اس کے احکام کی ضرورت پڑی بالکل ابتداء میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ انفال اللہ اور اس کے رسول ؐ کے ہیں، تم ان میں تنازع مت کرو، بلکہ ان سے یکسر ہاتھ دھولو، اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور حقیقتِ ایمان جو بیان کی جارہی ہے۔ اس کی بلندی کو حاصل کرو، پھر بتایا کہ جس فتح کے مالِ غنیمت میں تمہارا اختلاف ہے یہ اللہ کی تقدیر و تدبیر سے ہوئی، تم تو بے سروسامان تھے، تمہارا اس میں بس معمولی سا ہی ہاتھ ہے۔ معرکۂ بدر کے مواقع و مشاہد کو دیکھو، اس کے مواقف پر غور کرو تو پتہ چلے گا کہ سب کچھ اللہ عزوجل کے فضل و کرم اور قدرت و تدبیر کا نتیجہ تھا۔ تدبیر اس کی تھی، مدد اس کی تھی، ارادہ اس کا تھا۔ مسلمان تو صرف تقدیرِ الٰہی کا ظاہری پردہ بنے ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی نصرت و معیت سے یہ عظیم فتح تم کو ملی، اللہ تعالیٰ نے تم کو ثابت قدم رکھا، تمہارے دشمنوں کو ذلیل و رسوا کیا۔ پھر اللہ و رسول ؐ کی خیانت سے منع فرمایا اور اموال و اولاد کے فتنے سے متنبہ کیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ آپ کافروں کو ان کے انجام سے خبردار کریں، اگر وہ ایمان لے آئیں تو ان کا ایمان مقبول ہے، اور دل کا حال اللہ کے سپرد کرو۔ مومنوں کو حکم ملا کہ اگر کافر باز نہ آئیں تو ان کی سرکوبی اور فتنہ انگیزی کو ختم کرنے کے لیے قتال کرو، اور اللہ کے دین کو بالفعل دنیا میں قائم کرو۔

پارہ نمبر ۱۰　جلد چہارم

شطرِ دوم کے مضامین

دوسرے حصے کے مضامین کا بھی تقریباً یہی انداز ہے۔ یہ حصہ مالِ غنیمت کے متعلق اللہ کے حکم سے شروع ہوتا ہے۔ پہلے شطر میں اس فیصلہ کو اللہ و رسولؐ پر چھوڑا گیا تھا اور یہاں حکم بتایا گیا ہے۔ پھر ایمان باللہ کا حکم دیا اور اس تعلیم پر ایمان لانے کا حکم دیا جو "یوم الفرقان" میں نازل ہوئی تھی۔ یوم الفرقان وہ تھا جس میں کافر و مومن آپس میں بھڑتے تھے۔ پھر اس قتال میں اللہ کی تدبیر و تقدیر بتائی جن کا نتیجہ یہ مالِ غنیمت تھا۔ اور معرکے کے مشاہد کا بیان ہے جس میں اللہ کی تقدیر و تدبیر واضح ہو کر سامنے آئی۔ اور یہ بھی واضح ہوا کہ مومن تو محض تقدیرِ الٰہی کا ایک آلہ کار اور اس کی تدبیر کا ایک پردہ تھے۔ معاملہ تو سارا اس کے ہاتھ میں تھا اور اسی نے اس کو نمٹایا۔ پھر انہیں حکم دیا کہ جب بھی کافروں سے بھڑو تو یہ تدابیر اختیار کرو:

"ثابت قدمی، کثرت سے ذکرِ الٰہی، اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت، تنازع سے گریز کرو۔ ورنہ تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور بزدل ہو جاؤ گے، صبر کرنا، جہاد میں ریاکاری اور تکبر و غرور سے پرہیز کرنا۔ کافروں کے انجام سے عبرت حاصل کرو جو تکبر و غرور سے شہوت و ریاکاری کے ساتھ نکلے تھے اور اللہ کی راہ سے روکتے تھے، وہ شیطان کے دھوکے کا شکار ہو گئے تھے، صرف اللہ پر توکل کرو جو مدد پر قادر ہے اور اپنی تقدیر و تدبیر میں حکیم ہے۔"

پھر ایمانداروں کو یہ دکھایا ہے کہ کافروں اور مکذبوں کے متعلق اللہ کی سنت کیا ہے۔ فرشتے کافروں کے منہ اور پشت پر ضرب لگاتے ہیں اور بڑی تذلیل سے ان کی جان نکالتے ہیں۔ پہلے حصے میں یہ فرمایا تھا کہ فرشتوں نے کس طرح میدانِ جنگ میں مومنوں کی نصرت کی تھی۔ پھر پہلے حصے کی مانند کافروں کی عہد شکنی بتا کر صلح و جنگ میں ان کے ساتھ معاملے کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ صلح و جنگ کے احکام بعض تو ابتدائی ہیں اور ان کی تکمیل سورۂ توبہ میں ہوئی ہے اور بعض انتہائی اور آخری ہیں۔ یہاں تک کہ موضوعات و مضامین پہلے حصے کے مضامین و موضوعات کے ساتھ بہت مشابہ ہیں۔

دوسرے حصے کے اختتامی اور تکمیلی احکام

سورت کے اختتام پر بعض اور احکام دیئے ہیں جو پہلے احکام کے ساتھ متصل ہیں اور ان کی تکمیل کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے احسان اور فضل و کرم کا بیان، ان کی تالیفِ قلب کا احسان جو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور احسان کے بغیر ناممکن تھی۔ اللہ تعالیٰ مومنوں کے لیے کافی ہے اور ان کی حمایت کرے گا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ مومنوں کو قتال پر ابھاریں۔ اگر مومن کامل الایمان ہوں گے تو اپنے سے دس گنا دشمن پر غالب آئیں گے۔ اگر ان کا ایمان اتنا پختہ نہ ہو گا تو انہیں کم از کم اپنے سے دگنے کافروں پر ضرور غالب آنا چاہیئے۔ صبر و ثبات سے یہ عین ممکن ہے۔

قبولِ فدیہ پر عتاب

یہ اس سورت کا ایک عظیم مضمون ہے، جس میں بہت بڑی عبرت پوشیدہ ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ مسلمانوں

Marfat.com

نے اُسارائے بدر سے فدیہ قبول کر لیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ فیصلہ اس صورت میں ہونا چاہیئے تھا جب کہ زمین میں اچھی طرح خونریزی ہو چکی ہوتی۔ چونکہ ایسا کرنے سے پہلے ہی انہوں نے قبولیتِ فدیہ کا فیصلہ کیا تھا، اس لیے عتاب آیا کہ تم نے ایسا کیوں کیا؟ مگر چونکہ اس بارے میں پہلے کوئی حکم نہ اترا تھا۔ لہٰذا صرف عتاب پر اکتفاء کیا گیا۔ اس معاملے میں اکثریت کا فیصلہ یہی تھا کہ بدر کے قیدیوں سے فدیہ لے کر انہیں رہا کر دیا جائے۔ چونکہ بظاہر اس میں رشتہ داری اور خون کا معاملہ بھی آتا تھا کہ بدر کے قیدی ان کے رشتہ دار تھے۔ لہٰذا اس فیصلے کو بحال تو رکھا گیا مگر اس پر عتاب نازل ہوا۔ فرمایا کہ چاہیئے یہ تھا کہ دشمن کی شوکت کو بالکل توڑ دو، اور اس وقت تک فدیہ قبول نہ کرو جب تک کہ تمہاری سلطنت مستقر نہ ہو جائے اور حکومت پختہ نہ ہو جائے۔ اس حکم نے مختلف مراحل اور متعدد احوال میں تحریکِ اسلامی کے طرز و طریقے کی حد بندی کی۔ اس سے پتہ چلا کہ اسلامی منہج میں کافی لچک ہے اور وہ مختلف احوال و واقعات میں اُن پر فٹ آجاتا ہے، اس سلسلے میں قیدیوں کے ساتھ برتاؤ کا طریقہ بھی بتایا گیا، کہ ان کے دلوں میں ایمان کو محبوب بنانے کے ذرائع و وسائل اختیار کیے جائیں اور اسے ان کے دلوں میں مزین کیا جائے۔ قیدیوں سے کہا گیا کہ دوبارہ خیانت مت کرنا، اس صورت میں تمہیں اس کا خمیازہ بھگتنا ہوگا۔ اور جس طرح پہلی بار اللہ تعالےٰ نے تمہیں گرفتار کرایا، دوبارہ بھی کرا دے گا۔

اسلامی جماعت کے افراد کے باہمی احکام

سورت کے اواخر میں اسلامی جماعت کے اندرونی و بیرونی احکام دیئے گئے ہیں۔ کہ جو افراد جماعت کے اندر ہوں، ان میں فرد کے .... اور جماعت کے کیا احکام ہیں؟ پھر جو جماعتیں اسلام میں داخل ہوں ان کے احکام کیا ہیں؟ جب کہ وہ دارالاسلام میں نہ رہتے ہوں۔ اور معیّن احوال میں اسلامی جماعت کے کفار کے ساتھ کیا معاملات و احکام ہیں؟ اور ایک عام عقیدے اور قانون کے طور پر کیا احکام ہیں، اس سے پتہ چل گیا کہ اسلام میں جماعت کے کیا احکام ہیں، امت مسلمہ کے واقعی و خارجی معاملات کیونکر طے ہوں گے؟ اسلامی وجود کا قاعدہ تحریکی اجتماع ہے۔ اس دین میں عقیدہ اور تحریک اور اسلامی جماعت کا واقعی اور فعلی وجود جدا جدا نہیں ہیں۔

اس مختصر تمہید کے بعد اب ہم آیات قرآنی کا تفصیلی جائزہ لیں گے۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ
وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰكِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ اِنْ كُنْتُمْ
اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَاۤ اَنْزَلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا یَوْمَ الْفُرْقَانِ یَوْمَ الْتَقَی
الْجَمْعٰنِ وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۴۱﴾ اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْیَا
وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰی وَالرَّكْبُ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَلَوْ تَوَاعَدْتُّمْ
لَاخْتَلَفْتُمْ فِی الْمِیْعٰدِ وَلٰكِنْ لِّیَقْضِیَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا

Marfat.com

لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ ۗ وَاِنَّ
اللّٰهَ لَسَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۴۲﴾ اِذْ يُرِيْكَهُمُ اللّٰهُ فِيْ مَنَامِكَ قَلِيْلًا ۗ وَلَوْ
اَرٰىكَهُمْ كَثِيْرًا لَّفَشِلْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ
سَلَّمَ ۗ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۴۳﴾ وَاِذْ يُرِيْكُمُوْهُمْ اِذِ الْتَقَيْتُمْ
فِيْٓ اَعْيُنِكُمْ قَلِيْلًا وَّيُقَلِّلُكُمْ فِيْٓ اَعْيُنِهِمْ لِيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا
كَانَ مَفْعُوْلًا ۗ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۴۴﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا
اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۴۵﴾
وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ
وَاصْبِرُوْا ۗ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۴۶﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ
خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَّرِئَآءَ النَّاسِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ
سَبِيْلِ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿۴۷﴾ وَاِذْ زَيَّنَ لَهُمُ
الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ
وَاِنِّيْ جَارٌ لَّكُمْ ۚ فَلَمَّا تَرَآءَتِ الْفِئَتٰنِ نَكَصَ عَلٰى عَقِبَيْهِ وَقَالَ
اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكُمْ اِنِّيْٓ اَرٰى مَا لَا تَرَوْنَ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ ۗ وَاللّٰهُ
شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۴۸﴾ اِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ
مَّرَضٌ غَرَّ هٰٓؤُلَآءِ دِيْنُهُمْ ۗ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ
عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۴۹﴾ وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ كَفَرُوا ۙ الْمَلٰٓئِكَةُ
يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ ۚ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿۵۰﴾ ذٰلِكَ
بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۵۱﴾ كَدَاْبِ
اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۗ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاَخَذَهُمُ

Marfat.com

اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝۵۲ ذٰلِكَ بِاَنَّ
اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰي قَوْمٍ حَتّٰي يُغَيِّرُوْا مَا
بِاَنْفُسِهِمْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝۵۳ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَ
الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ
وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ ۚ وَكُلٌّ كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ۝۵۴

(ترجمہ) اور جان لو کہ جو کچھ تم بطورِ مالِ غنیمت حاصل کرو تو اس کا پانچواں حصہ اللہ اور رسول ؐ کا اور قرابتداروں کا اور یتیموں کا اور مسکینوں کا ہے، اگر تم ایمان لائے ہو اللہ پر اور اس حکم پر جو اتارا ہم نے اپنے بندے پر فیصلے کے دن، جس دن کہ دو فریق بھڑ رہے تھے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے (۴۱) جب تم ورے کنارے پر تھے اور وہ پرلے کنارے پر تھے اور سوار تم سے نچلی طرف تھے، اور اگر تم باہم وعدہ کرتے تو تم میعاد میں اختلاف کرتے، مگر تا کہ اللہ اس امر کا فیصلہ کر دے جو ہونے ہی والا تھا، تا کہ ہلاک ہو جو ہلاک ہو دلیل کے ساتھ اور زندہ رہے جو زندہ رہے دلیل سے اور بلاشبہ اللہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے (۴۲) جب کہ اللہ تجھ کو ان کی تعداد تیرے خواب میں کم دکھاتا تھا، اور اگر تجھ کو ان کی تعداد زیادہ دکھاتا تو تم سست پڑ جاتے اور اس امر میں اختلاف کرتے، لیکن اللہ نے سلامت رکھا۔ بلاشبہ وہ دلوں کی بات خوب جاننے والا ہے (۴۳) اور جب اللہ ان کی تعداد تم کو اس وقت کم دکھا رہا تھا۔ جب کہ تم بھڑ گئے، اور تمہیں ان کی آنکھوں میں کم دکھاتا تھا، تا کہ فیصلہ کرے، اللہ ایک امر کا جو ہونے والا تھا، اور اللہ ہی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں سب کام، (۴۴) اے ایمان والو! جب تم مدمقابل ہو کسی جماعت کے تو جم جاؤ اور اللہ کو بہت یاد کرو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ (۴۵) اور اللہ کی اور اس کے رسول ؐ کی بات مانو اور جھگڑا مت کرو، ورنہ تم سست ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔ اور صبر کرو، بلاشبہ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے (۴۶) اور مت ہو جاؤ ان کی طرح جو نکلے اپنے گھروں سے اکڑتے ہوئے اور ریاکاری کے ساتھ اور وہ روکتے تھے اللہ کی راہ سے، اور اللہ ان کے اعمال کو گھیرنے والا تھا (۴۷) اور جب خوبصورت بنایا شیطان نے ان کے لیے ان کے کاموں کو، اور اس نے کہا: کوئی غالب نہیں تمہارے لیے آج کے دن اور میں تمہارا ساتھی ہوں، پھر جب آمنے سامنے ہوئے دونوں فریق تو وہ اپنی ایڑیوں پر الٹا گھوم گیا اور کہنے لگا کہ میں تم سے بیزار ہوں میں دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھتے، بلاشبہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں اور اللہ سخت سزا دینے والا ہے (۴۸) جب کہتے تھے منافق اور وہ جن کے دلوں میں بیماری ہے کہ

Marfat.com

دھوکہ دیا ان لوگوں کو ان کے دین نے، اور جو اللہ پر بھروسہ کرے تو بلاشبہ اللہ غالب ہے دانا ہے (۴۹) اور اگر تو دیکھے جب کہ قبض کرتے ہیں کافروں کو فرشتے وہ ضربیں لگاتے ہیں ان کے چہروں پر اور ان کی پیٹھوں پر اور کہتے ہیں کہ چکھو تم جلنے کا عذاب (۵۰) یہ اس سبب سے ہے جو کچھ تمہارے ہاتھوں نے آگے بھیجا اور یہ کہ اللہ نہیں ہے بندوں پر ظلم کرنے والا (۵۱) جس طرح حال تھا آلِ فرعون کا اور ان لوگوں کا جو ان سے پہلے تھے انہوں نے انکار کیا اللہ کی آیات کا تو اللہ نے ان کو ان کے گناہوں میں پکڑ لیا۔ بلاشبہ اللہ قوی ہے سخت سزا دینے والا ہے (۵۲) یہ اس لیے ہے کہ اللہ نہیں ہے تبدیل کرنے والا کسی نعمت کو جو وہ کسی قوم پر کرے، حتیٰ کہ وہ بدل دیں جو ان کے دلوں میں ہے، اور یہ کہ اللہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے۔ (۵۳) آلِ فرعون کے حال کی مانند اور ان کی مانند جو ان سے پہلے تھے۔ تکذیب کی انہوں نے اپنے رب کی آیات کی تو اللہ نے ان کو ہلاک کر دیا ان کے گناہوں کے باعث، اور ہم نے غرق کر دیا آلِ فرعون کو اور وہ سب ظالم تھے (۵۴)۔

تمہیدی گفتگو

نویں پارے کے آخر میں جو احکام قتال شروع ہوئے تھے، یہ آیات انہی کے ساتھ متصل ہیں۔ وہاں فرمایا ہے کہ:

"کہو ان لوگوں سے جو کافر ہیں کہ اگر وہ باز آجائیں تو جو گزر چکا وہ انہیں معاف کر دیا جائے گا اور اگر وہ لوٹیں گے تو پہلوں کا طریقہ گزر چکا ہے۔ اور ان کے ساتھ اس وقت تک لڑو کہ فتنہ نہ رہے اور احکام سارے اللہ کے غالب آجائیں۔ پھر اگر وہ باز آجائیں تو اللہ ان کے اعمال کو خوب دیکھ رہا ہے۔ اور اگر وہ منہ پھیر لیں تو یاد رکھو کہ اللہ ہی تمہارا کارساز ہے، بہت اچھا کارساز اور بہت اچھا مددگار۔"

غنائم کو پہلے روک کر پھر کیوں بانٹا گیا؟

سو ان آیات میں قتال کی غرض و غایت اور ہدف یہ فرمایا گیا ہے کہ:

"حتیٰ کہ نہ رہے فتنہ اور ہو جائے دین سارے کا سارا اللہ کے لیے"

پس اس قتال میں اللہ نے مسلمانوں کی مدد فرمائی، انہیں فتح ملی اور مالِ غنیمت حاصل ہوا اب ان آیات کی ابتداء میں انہی غنائم کے احکام بیان ہوئے ہیں۔ یہ احکام کیوں بیان ہوئے ہیں، حالانکہ جہاد کی غرض کو تو نص کے ساتھ محدود کر دی گئی تھی کہ وہ ہے، اللہ کی خاطر پوری پوری کوشش کرنا، ان مقاصد کی خاطر اللہ کی دعوت، اس کے دین اور اس کے بیان کردہ منہجِ حیات کے ساتھ خاص ہیں۔ [illegible] نتیجے میں جو مالِ غنیمت حاصل ہوتا ہے اس کا قطعی فیصلہ ہو چکا تھا کہ وہ مال اللہ [illegible]

Marfat.com

کا نہیں ہے۔ مجاہدوں کی نیتوں کو اور زیادہ پاک صاف اور خالص کرنے کی خاطر یہ دنیوی مال اُن سے لے لیا گیا تاکہ وہ جو کچھ کریں صرف اللہ کی خاطر کریں۔ ان سب باتوں کے باوجود عملی و واقعاتی حقیقت یہ تھی کہ مال غنیمت بھی حاصل ہوا تھا اور اسے حاصل کرنے والے مجاہدین بھی موجود تھے۔ پس ضروری تھا کہ اس مال کے احکام واضح کئے جائیں اور جہاد و قتال کے احکام کی ایسی تنظیم کر دی جائے جو ہمیشہ کے لیے قائم و دائم رہے۔ لڑنے والوں نے اللہ کی راہ میں اپنی جانوں اور مالوں کے ساتھ جہاد کیا تھا۔ وہ بخوشی بطور رضا کار اس عظیم کام کے لیے آئے تھے، خود بھی خرچ کیا اور دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دی، انہوں نے اپنے اُوپر اور دیگر مجاہدین پر مال خرچ کیا تھا، یہ ان کا خلوص تھا جو انہیں اتنی دور تک پوری تیاری نہ ہونے کے باوجود لے آیا تھا۔

پھر انہیں ان کے صبر و ثبات، خلوص اور شدید مشقت کے بعد میدانِ جنگ سے مالِ غنیمت ملا، اللہ تعالیٰ نے پہلے تو ان کے دلوں کو اور زیادہ پاک کرنے کی خاطر مالِ غنیمت اپنے اور اپنے رسولؐ کے لیے خاص کر لیا۔ تاکہ مومنوں کے دلوں میں کوئی دنیوی چیز کھٹکے اب جب کہ مال غنیمت ملنے کی صورت میں ان کا یہی عقیدہ ہو کہ یہ ہمارا مال نہیں بلکہ اللہ و رسولؐ کا ہے اور اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل و کرم سے یہ ہم کو دے رہا ہے۔ اس میں خلوص و نیک نیتی کے علاوہ یہ فائدہ بھی ہوا کہ مومنوں کی واقعی اور عملی ضرورتیں پوری ہو گئیں، اور نہایت خاموش اور پاک فضاء میں ہوئیں جس میں کوئی کشمکش اور تنازع وغیرہ نہ رہا تھا۔

اللہ تعالیٰ بندوں کی طبیعت کو خوب جانتا ہے اور اس متوازن اور کامل طریقے کے ساتھ ان سے معاملہ کرتا ہے مگر انسانی طبائع کی ہر چیز کا لحاظ رکھا جاتا ہے اور ان کی واقعاتی و عملی ضروریات بھی پوری ہو جائیں۔ اور اس کے ساتھ ساتھ ضمیروں کا فساد اور معاشرے کا فساد بھی پیدا نہ ہو۔

اموال غنیمت کی تقسیم کے احکام

اب اس جزو (۱۰) کی پہلی آیت میں فرمایا ہے کہ:

"اور تم جان لو کہ جو چیز تم بطورِ مالِ غنیمت حاصل کرو تو اس کا ۵/۱ حصہ اللہ اور اس کے رسولؐ کا اور قرابت داروں کا اور یتیموں کا اور مسکینوں کا اور مسافروں کا ہے۔ اگر تم ایمان لائے ہو اللہ پر اور ان احکام پر جو ہم نے اتارے اپنے بندے پر فیصلے کے دن، جس دن کہ دو فریق بھڑے تھے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے"

ماثور روایات اور فقہی آراء میں ان چیزوں کے اندر بہت اختلاف ہے کہ:

أ۔ غنائم کا مدلول کیا ہے؟

ب۔ انفال کا مدلول کیا ہے؟ کیا وہ ایک چیز ہیں یا دو مختلف چیزیں ہیں؟

ج۔ چار حصے مجاہدین کو دینے کے بعد جو خمس ۵/۱ بچتا ہے اس کی تقسیم کیونکر ہو؟

د۔ وہ خمس الخمس جو اللہ کا ہے آیا وہ مستقل الگ خمس ہے یا وہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والا خمس ہے؟

ھ۔ وہ خمس الخمس جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے، آیا وہ آپ کی ذاتِ اقدس کے ساتھ مخصوص تھا یا آپ کے بعد ہر امام (آپ کے جانشین خلیفہ اور حاکم) کو منتقل ہو گا؟

د - وہ خمس الخمس جو ذوی القربیٰ کا ہے، کیا یہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کی مانند بنی ہاشم اور بنی عبد المطلب کے اور احبابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت میں باقی ہے۔ یا یہ امام کی طرف راجع ہے کہ وہ اس میں تصرف کرے گا!

ہ - آیا یہ اخماس متعین ہیں خمس خمس کو تقسیم کیا جائے گا یا اس میں تصرف کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بعد کے خلفاء کے لیے چھوڑا جاتا ہے؟ ان کے علاوہ اور بھی کئی فرعی اختلاف ہیں۔

ان فقہی تفریعات کو ان کے خاص مباحث میں ہی تلاش کیا جائے، ہم اپنے اس قاعدے کے مطابق جو ہم نے "فی ظلال القرآن" میں اختیار کر رکھا ہے، ان اختلافات میں دخل نہ دیں گے۔ یہ تو ایک عام بات ہوئی، اور خاصیات یہ ہے کہ غنائم کا معاملہ آج دراصل درپیش ہی نہیں ہے۔ کیونکہ اس وقت یہ سوال زیرِ غور یا زیرِ بحث نہیں ہے۔ ہمارے سامنے کوئی مسلم حکومت مسلم امامت، مسلم امت موجود نہیں ہے جو جہاد فی سبیل اللہ کا فریضہ انجام دے رہی ہو، پھر اس کے ہاتھ کچھ غنائم آئیں جن میں وہ تصرف کرنے کی محتاج ہو، زمانہ پھر پھر کر اسی مقام پر جا پہنچا ہے۔ جہاں اس دین کے آنے کے وقت میں تھا۔ لوگ اسی جاہلیت کی طرف لوٹ گئے ہیں جس پر اس دور میں تھے انہوں نے اللہ کے ساتھ کچھ اور معبود بنا لئے ہیں۔ جو ان کی زندگی کے لیے قوانین و شرائع بناتے ہیں اور ان میں تصرف کرتے ہیں۔ اب یہ دین پھر انہی سیڑھیوں پر کھڑا ہے کہ وہ نئے سرے سے انسانیت کو اس میں داخل ہونے کی دعوت دے۔ لا الٰہ الا اللہ محمدٌ رسول اللہ کی طرف بلائے۔ اس طرف نئے سرے سے دعوت دے کر الوہیت حاکمیت اور تسلط کو صرف اللہ کے ساتھ خاص کرو۔ اور اس سلسلے میں جو حکم و قانون لینا ہو وہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لو۔ ایک مسلم قیادت کے جھنڈے تلے جمع ہو جاؤ۔ جو انسانی زندگی میں نئے سرے سے اس دین کو لانے کی جدوجہد کرتی ہو۔ اور اپنی تمام ولاء اس مسلم قیادت اور اس مسلم جماعت کے لیے وقف کر دو۔ اور یہ ولاء جاہلی جماعتوں اور قیادتوں سے چھین کر واپس اسلام کو دے دو۔

اس وقت کیا قضیہ درپیش ہے؟

پس توحید و رسالت پر ایمان کا یہ قضیہ ہے جو عملی و واقعی زندگی میں اس وقت درپیش ہے، ابتدائی طور پر اس کے سوا کوئی اور قضیہ درپیش نہیں ہے۔ غنائم کا سوال خارج از بحث ہے۔ کیونکہ اس وقت کہیں جہاد فی سبیل اللہ ہی نہیں ہے۔ بلکہ یہاں پر کوئی ایک تنظیم ہی نہیں، نہ داخلی معاملات میں اور نہ خارجی تعلقات کے سلسلے میں، اور اس کا سبب بالکل واضح ہے، وہ یہ کہ یہاں کوئی اسلامی معاشرہ ہی نہیں جس کا کوئی مستقل وجود ہو، اور وہ اس بات کا محتاج ہو کہ داخلی و خارجی معاملات میں دین کی راہنمائی حاصل کرے۔ دین اسلام ایک واقعاتی و عملی دین ہے۔ وہ فرضی معاملات سے بحث نہیں کرتا جو کہ بالفعل قائم نہیں۔ اور جب درحقیقت کوئی اسلامی معاشرہ قائم نہیں۔ اسلامی جہاد قائم نہیں۔ غنائم کا سوال خارج از بحث ہے تو پھر فرضی چیزوں پر بحث سے کیا حاصل؟ دینِ اسلامی اس قسم کی فرضی باتوں میں نہیں الجھتا۔

اس سے اس کا قیمتی وقت ضائع ہو گا۔ اسے دوسرے ضروری کام درپیش ہیں۔ مثلاً یہ کہ وہ اپنے آپ کو دنیا میں، انسانوں کی عملی زندگی میں کیونکر بروئے کار لائے؟ خاص کر مسلم کہلانے والوں کی واقعی زندگی میں دین

Marfat.com

کیونکر داخل ہو؟ نظری احکام اور فقہی و تحقیقی باتوں میں وقت گزارنا فارغ لوگوں کا کام ہے۔ حالانکہ ان کا اصل کام یہ تھا کہ اسلام کو زندگی میں برپا کرنے کی تدابیر سوچیں۔ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی دعوت دیں۔ پہلے خود اس دعوت میں داخل ہوں اور پھر اوروں کو اسی طرح اس میں داخل کریں جس طرح پہلی مرتبہ لوگ خود داخل ہوئے تھے اور پھر دوسروں کو اس میں داخل کیا تھا۔ اس سے ایک متحرک جماعت، مسلم قیادت اور ایک خاص ولا روجود میں آئے۔ یہ جماعت جاہلی معاشروں، جاہلی جماعتوں، جاہلی قوانین و ضوابط ہر چیز سے الگ ہو۔ اس کا اپنا ایک مستقل وجود ہو۔ پھر اللہ تعالیٰ اس جماعت اور اس کی قوم کے درمیان برحق فیصلہ کرے۔ اس وقت اور صرف اسی وقت وہ جماعت اور معاشرہ اپنے داخلی و خارجی معاملات و تعلقات کے لیے قوانین و ضوابط کا محتاج ہوگا۔ اس حقیقی و واقعی احساس کے پیش نظر ہم ان تفصیلی احکام اور فقہی اختلافات میں داخل نہیں ہوتے۔ پہلے ایک اسلامی تحریک برپا کرنا مدنظر ہے جو ایک اسلامی قیادت کے ماتحت کام کرے۔ وہ جہاد فی سبیل اللہ کا فریضہ انجام دے، غنائم حاصل ہوں اور ان کی تقسیم کا سوال پیش نظر ہو۔ پھر ان چیزوں پر غور کرنا صحیح ہوگا۔

غنائم کا حکم عام

یہ نص قرآنی (سورۃ الانفال آیت ۴۱) جس عام حکم کو متضمن ہے وہ یہ ہے کہ:

"تم جان لو کہ جو چیز تم بطور غنیمت حاصل کرو تو اس کا پانچواں حصہ اللہ کے لیے اور رسولؐ کے لیے اور قرابت داروں، یتامیٰ، مساکین اور مسافروں کے لیے ہے۔"

کہ مال غنیمت کا ۴/۵ تو مقاتلین مجاہدین کا ہے۔ باقی ۱/۵ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تصرف میں اور آنجنابؐ کے بعد ان مسلم احکام کے تصرف میں دیا گیا ہے۔ جو اللہ کی شریعت پر قائم ہوں اور اللہ کی راہ میں جہاد کریں۔ پس یہ ہے اصل حکم اور بیت المال کا ۱/۵ بھی پانچ مصارف میں خرچ ہوگا: رسول اللہ[۱] صلی اللہ علیہ وسلم کا حصہ، قرابتداروں[۲] کا حصہ، یتامیٰ[۳] کا حصہ، مساکین[۴] کا حصہ اور مسافروں[۵] کا حصہ اور اس حکم کی یہی تشریح کافی ہے۔

ایمان کے تقاضے

اس کے بعد آیت کا آخری حصہ جو بات کہتا ہے، وہ ایک دائمی حکم ہے کہ:

"اگر تم ایمان لائے ہو اللہ پر اور اس پر جو ہم نے اتارا اپنے بندے پر فیصلے کے دن، جس دن کہ دو فریق بھڑے تھے۔ اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔"

ایمان کی بعض علامتیں ہیں جو اسی پر دلالت کرتی ہیں۔ اہل بدر جو نہایت بلند مسلم تھے، اللہ تعالیٰ ان کے اعتراف ایمان کو بھی اس بات سے معلق کرتا ہے کہ وہ اللہ کے اس قانون کو تسلیم کریں جو آیت کے پہلے حصے میں گزرا ہے۔ یہ اس کے نزدیک ان کے ایمان باللہ کی شرط ہے۔ یعنی اگر وہ اللہ کے اس مقرر کردہ ضابطے اور قرآنی حکم کو مانتے ہیں تو وہ اللہ پر اور اس کی نازل کردہ کتاب پر ایمان لانے والے ہیں۔ گویا ان کے ایمان کا مدلول اس اعلان پر منحصر ہے کہ وہ قانون خداوندی کو تسلیم کریں۔

Marfat.com

قرآن کے نزدیک ایمان کا مدلول یہی ہے

مسلمانوں میں جب فرقوں، مذاہب اور تاویلات کا ظہور ہوا تو مدلولِ ایمان کو کچھ کا کچھ بنا دیا گیا، حالانکہ قرآن کے نزدیک ایمان کا مدلول بالکل واضح ہے جس میں کوئی تاویل اور لچک نہیں پائی جاتی۔ فقہی مذاہب اور تاویلاتی فرقہ بندیاں جدل و مناظرے اور ذہنی منطقی فروض کا نتیجہ تھیں۔ ان مذہبی و سیاسی فرقہ بندیوں کے باعث لوگ تہمت طرازی اور اس کا جواب دینے میں مصروف ہو گئے۔ تکفیر کا فتنہ اٹھایا گیا۔ ایک دوسرے کو فرعی اختلاف کے باعث تو کافر ضرور کہا گیا مگر جن معصیتوں پر کتاب و سنت میں کفر کا اطلاق ہوا ہے انہیں برداشت کر لیا گیا کفر بازی اور تکفیر کا جواب دین کے بسیط، سادے اور واضح اصول پر مبنی نہ رہا۔ بلکہ اغراض پرستی، ہوائے نفس، مخالفت اور مخاصمت اس کے اسباب ٹھہرے۔ فروعات پر تکفیر کا فتنہ اسی فرقہ پرستی اور فروعات کو اصول قرار دینے کا نتیجہ تھا۔ اس وقت تشدد و تغلیظ اور تحرج کے فتنے پیدا ہوئے۔ یہ دینی غلو و مبالغہ تھا۔ جس کے کچھ تاریخی اسباب تھے۔ اللہ کا دین تو بڑا صاف اور سادہ تھا۔ جس میں نہ تو اتنی لچک ہے کہ اصول کو ہاتھ سے چھوڑ دیا جائے نہ اس میں یہ غلو اور مبالغہ آمیزی تھی حدیث کے الفاظ ہیں کہ:

"ایمان آرزو پروری کا نام نہیں ہے بلکہ وہ حقیقت ہے جو دل میں قرار پذیر ہو اور عمل اس کی تصدیق کرے۔"

مگر اس کے قیام کے لیے ضروری ہے کہ قانونِ خداوندی کو قبول کیا جائے اور عملی زندگی میں اس کا اظہار ہو۔ اور کفر کیا ہے؟ قانونِ خداوندی کو ترک کرنا، اللہ کے نازل کردہ فیصلوں کے خلاف فیصلہ کرنا اور خدائی قانون کے علاوہ کسی اور سے فیصلہ چاہنا، خواہ کسی چھوٹی بات میں ہو یا بڑی بات میں۔ یہ بالکل صریح، حتمی، سادہ اور واضح احکام ہیں۔ ان کے علاوہ جو کچھ ہے وہ فرقہ وارانہ تاویلات اور مذہبی مناقشات کا نتیجہ ہے۔ اللہ کے صریح اور حتمی اور واضح فیصلوں کی ایک مثال یہ آیت ہے:

"اور تم جان لو کہ جو چیز تم کو بطورِ غنیمت ملے تو اس کا خمس اللہ اور اس کے رسولؐ کے لیے، اور قرابت داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے۔ اگر تم اللہ پر ایمان لائے ہو اور ان احکام پر جو ہم نے اپنے بندے پر فیصلے کے دن اتارے، جس دن دو فریق آمنے سامنے ہوئے۔"

اور ایمانی حقیقت اور اس کی حدود کو وہ تمام واضح اور سادہ تقریرات ظاہر کرتی ہیں جو کتاب اللہ میں موجود ہیں۔

انفال کے بارے میں تقاضائے ایمان

اللہ تعالیٰ نے پہلے پہل تو اسی سورۃ انفال میں مالِ غنیمت کو میدانِ معرکہ میں قتال کرنے والوں کے ہاتھوں سے نکال لیا اور اللہ و رسولؐ کے سپرد کر دیا تھا۔ تاکہ جہاد و قتال کی ساری بات اللہ و رسولؐ کے لیے خالص ہو جائے اور مجاہدین زمینی اسباب و ملابسات سے بالکل مجرّد اور پاک صاف ہو جائیں، اپنے اوامر کو، امرِ غنیمت سمیت اللہ و رسولؐ کے سپرد کر دیں، اللہ جو ان کا رب ہے اور رسولؐ جو ان کا قائد ہے۔ اور وہ میدانِ معرکہ

میں ہر طرف سے، ہر لالچ سے، ہر زمینی فائدے سے خالی الذہن ہو کر اتریں۔ یہ جہاد و قتال فی سبیل اللہ ہے۔ اللہ کے جھنڈے تلے ہے، اس میں اللہ ہی کی اطاعت ہونی لازم ہے۔ وہ اللہ کو اپنی ارواح پر، اپنے اموال پہ اور ہر امر پہ بلا اعتراض اور بے غرض ہو کر حاکم بنالیں۔ پس یہ ایمان اور اس کا صحیح تقاضا ہے اور اسی لیے سورت کی ابتداء میں مال غنیمت کو مجاہدوں کے ہاتھوں سے نکالتے وقت اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"تم سے انفال کے بارے میں سوال کرتے ہیں، تم کہو کہ انفال اللہ اور اس کے رسولؐ کے لیے ہیں۔ پس تم اللہ سے ڈرو اور باہم اصلاح کرو، اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو اگر تم ایماندار ہو۔"

حتیٰ کہ جب وہ امر اللہ کے آگے جھک گئے، اس کے فیصلے پر راضی ہو گئے۔ مدلول ایمان ان کے اندر مستقر ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف توجہ فرمائی تاکہ غنیمت کا ۴/۵ ان کی طرف لوٹا دے۔ اور غنیمت کا خمس (۱/۵) بدستور اللہ و رسولؐ کے تصرف میں رہنے دیا گیا تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسلم جماعت میں جن کے نفقات کے کفیل تھے۔ یعنی قرابت دار، یتامیٰ، مساکین اور مسافر، ان پر یہ خمس خرچ کیا جائے۔ ایمانداروں کے دلوں سے پہلے یہ خیال خارج کیا گیا کہ جہاد و قتال اور راہ حق میں جان و مال کی قربانی کے باعث وہ غنیمتوں کے حق دار ہیں، وجہ یہ تھی کہ ان کا قتال، فتح اور انفاق فی سبیل اللہ تھا۔ جس میں کوئی ذاتی غرض کارفرما نہ تھی۔ اگر وہ غنیمت کے حق دار ہیں تو صرف اس لیے کہ اللہ تعالیٰ انہیں یہ عطا کر دے، ورنہ ذاتی حق ان کا اس میں کوئی نہیں جس طرح کہ میدان جنگ میں قتال کا معاملہ بھی اللہ کی تقدیر و تدبیر کے ساتھ تھا۔ اور ان الفاظ میں کہ: ان کنتم آمنتم الخ یہ اظہار ہے کہ اس امر جدید کے سامنے جھک جانا ہی ایمان ہے، یہی ایمان کی شرط ہے اور یہی اس کا مقتضیٰ ہے۔

رسول اللہؐ کے لیے عبدیت کا وصف

اس آیت میں یہ فرماتے ہوئے کہ ہم نے یوم الفرقان میں جو کچھ اپنے بندے پر اتارا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے عَبْدِنَا کا لفظ اختیار فرمایا ہے۔ یہ لفظ ایک خاص اشارہ کرتا ہے اور وہ یہ کہ ایمان کی حقیقت ہی "اللہ کے لیے عبدیت" ہے۔ اور پھر اس کے ساتھ ہی انسان کا یہ ایک اعلیٰ ترین مقام ہے جس پر وہ اس وقت فائز ہوتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ اس کی تکریم کرے۔ یہ مقام وہ ہے جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حقیقت سے فائز کیا گیا کہ آپ اللہ کی طرف سے نمائندہ ہو کر اس کے احکام بندوں کو پہنچاتے ہیں۔ انزلنا علی عبدنا میں یہی معنی پوشیدہ ہے، پھر مقام عبدیت معراج انسانیت ہے۔ سبحان الذی اسریٰ بعبدہٖ الخ اور یہی مطلب ہے اس حدیث کا۔ جس میں آنحضورؐ نے نماز کو مومن کی معراج فرمایا ہے: الصلوٰۃ معراج المومنین، اور جب آنحضورؐ کو لوگوں نے نماز سے روکا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وانہ لما قام عبد اللہ یدعوہ کادوا یکونون علیہ لبدًا۔ واقعاتی و عملی زندگی میں بھی عبدیت کا ایک اعلیٰ و ارفع مقام ہے۔

Marfat.com

یا خدا کا بندہ یا ہوائے نفس کا بندہ!

اللہ وحدہٗ کی عبودیت ہی وہ مقام ہے جو ہوائے نفس کی عبودیت سے بچاتا ہے بندوں کی عبودیت سے بچاتا ہے۔ بندہ اُسی وقت اپنا مقام بلند حاصل کرتا ہے، جب وہ نفس کی عبودیت اور غیر اللہ کی عبودیت سے انکار کرے۔ جو لوگ اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ کی عبودیت سے گریز کرتے ہیں وہ خود کر دوسری نہایت گھٹیا بندگیوں کی قربانی کے بکرے بن جاتے ہیں، اپنی شہوات، ہوائے نفس، خیالات کے بندے بن جاتے ہیں اللہ تعالیٰ نے دوسری تمام انواع میں سے نوعِ انسانی کو جو ارادہ واختیار وشعور بخشتا ہے یہ لوگ اسے مفقود کر دیتے ہیں، وہ جانور، بلکہ گھٹیا ترین جانور بن جاتے ہیں، وہ چارپایوں سے گئے گزرے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو احسنِ تقویم میں پیدا کیا تھا مگر وہ اسفل السافلین میں گر جاتے ہیں ؎

یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات!

یہ لوگ جو اللہ کی بندگی سے گریز کرتے ہیں، یہ اپنے جیسے بندوں کی بندگی میں پڑ جاتے ہیں۔ اپنی زندگی کو ان کی خواہشات کے مطابق گزارتے ہیں ان کی زندگیوں میں ایسے نظریات کارفرما ہو جاتے ہیں جو جہالت، نقص اور ہوائے نفس کے ماتحت ہوتے ہیں۔ وہ اپنے وقت کی نام نہاد حتمیات کے بندے بن جاتے ہیں، مثلاً تاریخ کی حتمیت، اقتصادی حتمیت اور دوسری وہ حتمیات جن کو اس لیے بنایا گیا ہے کہ انسان کی معزز پیشانی کو مٹی میں رگڑیں۔

یوم الفرقان

یہاں پر، آگے بڑھنے سے پہلے، ہمیں یہ بھی دیکھنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنگ بدر کو یوم الفرقان (فیصلہ کا دن) کیوں قرار دیا ہے؟ اس کا باعث یہ ہے کہ یہ جنگ اللہ تعالیٰ کی ہدایت، تدبیر، تقدیر، مدد اور قیادت کے باعث جیتی گئی۔ لہٰذا یہ کئی لحاظ سے فرقان تھی، حق وباطل کے درمیان فرقان تھی، مگر حق کا معنی صرف وہ اجمالی نہیں جو بالعموم سمجھا جاتا ہے۔ حق سے مراد اللہ تعالیٰ کا اصلی اور پورا حق ہے، جس پر کائنات قائم ہے، چیزوں اور زندوں کی فطرت اس پر قائم ہے۔ وہ حق جو الوہیت، اقتدار، تدبیر اور تقدیر کو صرف ایک اللہ وحدہٗ کے لیے خاص کرتا ہے، ساری کائنات میں اسی کی عبودیت وبندگی جاری وساری ہے، ان سب چیزوں میں وہ متفرد ہے، اس کا کوئی شریک وسہیم نہیں، یہ حق اس باطل پر غالب آیا جو اس وقت کھوٹا اور جھوٹا ہونے کے باوجود ساری زمین پر محیط تھا، وہ اصلی اور صحیح حق پر چھایا ہوا تھا، اس باطل نے زمین میں بہت سے طاغوت بنا رکھے تھے۔ جو اللہ کے بندوں کی زندگی میں اپنی ہوائے نفس کے مطابق تصرف کرتے تھے۔ پس یہ وہ اصلی حق تھا جو اس بیان کردہ باطل پر جنگِ بدر میں غالب آیا۔ اس حق نے اللہ وحدہٗ کی بندگی، اس کا اقتدار وتسلط اور اُسی کی الوہیت قائم کی ادھر وہ حقِ کبیر تھا اور ادھر یہ کھوٹا باطل تھا، جن میں جنگِ بدر کے دن فیصلہ ہوا کہ کون سچا ہے اور کون جھوٹا، یہ حق انسانی ضمائر وشعور وادراک پر چھا گیا، اس نے اپنی عبادت وعبودیت منوائی۔ انسانی زندگی کے ہر گوشے کو اس حق پر قائم کیا اور اُس باطل سے اس کی جان چھڑائی۔

۲۹۶۱۳

Marfat.com

جنگ بدر اسلامی تحریک کے دو عہدوں میں فرقان ثابت ہوئی۔ صبر و مصابرت کا عہد اور قوت و حرکت کا عہد اسلام اس حقیقت سے غالب آیا کہ وہ زندگی کا ایک جدید تصور ہے، انسانی وجود کے لیے ایک نیا راستہ ہے، انسانی جماعت بندی کا ایک جدید ضابطہ ہے، سلطنت و حکومت کی ایک نئی شکل ہے جو ہر لحاظ سے گزشتہ جاہلیت سے جداگانہ اور اس سے ممتاز ہے۔ یہ انسانی آزادی کا ایک جدید اعلان ہے جو اللہ وحدہٗ کی عبادت و عبودیت پر زور دیتا ہے۔

وہ یہ کہتا ہے کہ حاکمیت صرف اللہ وحدہٗ کے لیے ہے۔ اس نے کائناتِ ارضی کے ہر طاغوت کو مقابلے کا چیلنج دیا ہے اور ان کی حاکمیت و الوہیت کا انکار کر کے اُسے مٹایا ہے۔ اس حقیقت سے اسلام ایک تحریک ہے، ایک قوت ہے، ایک اقدام ہے۔ یہ ضمائر میں مخفی نہیں رہ سکتا۔ اس کے لیے ظہور و عروج ضروری ہے۔ یہ اپنے ماننے والوں کے دلوں میں محض ایک عقیدۂ مجردہ بن کر نہیں رہ سکتا تھا۔ بلکہ اسے زندگی کے ہر شعبے میں داخل ہونا لازم تھا، یہ دنیا میں ایک جدید عقیدہ، ایک جدید نظریہ، ایک جدید نظام حیات، ایک جدید سلطنت، ایک جدید اقتصاد بن کر رہنا چاہتا تھا، یہ اپنے راستے کی ہر مادی و روحانی رکاوٹ کو دور کرنا چاہتا تھا، پہلے اپنے ماننے والوں کی زندگیوں میں اور پھر ساری انسانیت کی زندگیوں میں ایک مثبت انقلاب برپا کرنا چاہتا تھا۔

تاریخ بشریت کا فرقان

جنگ بدر تاریخ بشریت میں ایک زبردست فرقان بن کر نمودار ہوئی، نظامِ اسلام کے قیام سے پہلے کی بشریت بعد کی بشریت سے بالکل مختلف اور جداگانہ تھی۔ یہ عقیدہ و تصور اور یہ عملِ انفرادی و اجتماعی انسان کے لئے ایک نئی پیدائش کی حیثیت رکھتے تھے، قوانین بدل گئے، اشیاء کی قدر و قیمت بدل گئی، سوچنے کے انداز بدل گئے، زندگی کے اطوار اور اخلاق کے ادوار تبدیل ہو گئے۔ یہ تبدیلی صرف مسلمانوں کی ملکیت نہ رہی بلکہ آگے بڑھ کر اس نے ساری انسانیت کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ صیہونی یہودی اور صلیبی عیسائی اس حقیقت کو مانیں یا نہ مانیں، یہ ہے ایک تاریخی حقیقت کہ جنگِ بدر نے انسانیت پر بحیثیت مجموعی اثر ڈالا ہے۔ دشمنانِ اسلام نے خود اسلام سے بہت کچھ سیکھا، اب گو وہ انکار کرتے ہیں اور درمیان سے اسلام اور مسلمانوں کے ربط کو نکال کر اپنا جوڑ براہِ راست سلطنت روما کے ساتھ لگاتے ہیں۔ مگر وہ اندر سے جانتے ہیں کہ اسلامی انقلاب کے اثرات کو پوری کوشش کے باوجود تاریخ بشریت سے کھرچا نہیں جا سکتا۔ ان لوگوں نے اپنی سیاسی، اقتصادی، اخلاقی اور علمی تبدیلیوں کا سبق اسلام سے لیا تھا۔ ان کے بعد معتدل مزاج لوگوں نے اسے دبے لفظوں میں تسلیم بھی کیا ہے۔

فتح و شکست کے عوامل میں انقلاب

جنگِ بدر فتح و شکست کے اسباب و علل میں ایک عظیم تبدیلی لائی۔ فتح و نصرت کے تمام ظاہری اسباب مشرک فوج کے پاس تھے اور شکست و ہزیمت کے تمام ظاہری اسباب مسلم لشکر میں۔ مگر نتیجہ بالکل انسانی

Marfat.com

اندازوں کے برعکس نکلا۔ مسلمانوں کی حالت اس قدر پتلی تھی کہ بعض دل کے مریضوں نے کہا تھا غَرَّ هٰؤُلَآءِ دِيْنُهُمْ۔ "ان لوگوں کو ان کے دین نے دھوکا دیا ہے۔"

اللہ تعالیٰ کا ارادہ یہی تھا کہ معرکہ اس نہج پر اور اسی اندازے سے چلے، یہ مشرک کثرت اور مومن قلت کا معرکہ تھا۔ اللہ تعالیٰ اسباب فتح و ہزیمت کو یکسر بدل دینا چاہتا تھا، تاکہ عقیدے کی قوت کثرت کی قوت پر غالب آئے۔ بے سروسامانی سازوسامان کی کثرت کو مٹائے۔ صالح عقیدہ خالی خولی اسلحہ کی قوت کا مقابلہ کرکے اسے شکست دے۔ وہ چاہتا تھا کہ برحق عقیدے والے جہاد کریں اور باطل کے ساتھ معرکہ جنگ کی گہرائی میں گھس جائیں۔ یہ انتظار نہ کریں کہ ظاہری مادی قوت مساوی ہونی چاہیئے۔ ان کے پاس ترازو کے پلڑے کو اپنے حق میں جھکانے کے لیے ایک اور قوت ہے، اور یہ صرف کہنے کی بات نہیں، بلکہ واقعات کی حقیقت بھی ہے۔ اور سرکی آنکھوں نے یہی دیکھا ہے۔

احقاق حق اور ابطال باطل

جنگ بدر ایک اور حیثیت سے بھی فرقان تھی، جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے سورۂ انفال کے اوائل میں یوں فرمایا ہے:۔

"اور جب اللہ تم سے دو گروہوں میں سے ایک کا وعدہ کرتا تھا، کہ وہ تمہیں ملے گا اور تم پسند کرتے تھے کہ تم کو وہ گروہ ملے جو کاٹنے والا نہ ہو، اور اللہ چاہتا تھا کہ اپنے کلمات کے ساتھ حق کو حق کر دکھائے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے تاکہ حق کو حق ثابت کر دے اور باطل کو باطل کر دکھائے، اگرچہ مجرم ناپسند کریں۔"

مسلمانوں میں سے جو لوگ معرکۂ بدر کی طرف نکلے تھے وہ شروع میں صرف ابوسفیان کے قافلے کی خاطر نکلے تھے تاکہ قافلے کو حاصل کیا جائے۔ مگر اللہ نے ان کے ارادے کے برخلاف چاہا، اس نے چاہا کہ قافلہ ابی سفیان (غیر ذات الشوکہ) بچ کر نکل جائے اور ابوجہل کے لشکر سے (ذات الشوکہ) ان کی مڈبھیڑ ہو جائے اور معرکۂ قتل و قتال برپا ہو، کچھ لوگوں کو قید بھی کیا جائے اور صرف قافلہ اور غنیمت اور آرام دہ سفر نہ ہو، اور اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا کہ اس نے ایسا اس لیے کیا کہ:

"حق کو حق اور باطل کو باطل ثابت کر دے۔"

احقاقِ حق اور ابطالِ باطل محض نظری چیز نہیں

اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ایک عظیم حقیقت کو بیان کرتا ہے، وہ یہ کہ انسانی معاشرے میں احقاقِ حق اور ابطال باطل محض نظری بیان سے نہیں ہو سکتا۔ کہ محض نظری دلائل سے حق کو حق اور باطل کو باطل ثابت کر دیا جائے۔ اور یہ کام صرف نظری اعتقاد سے بھی نہیں ہو سکتا کہ فلاں چیز حق ہے اور فلاں باطل ہے۔ حق کا حق ہونا ثابت نہیں ہو سکتا اور عملاً اور واقعات کی دنیا میں اس کا وجود نہیں پایا جا سکتا، اور باطل نہیں مٹتا اور انسانوں کی دنیا سے نہیں جاتا مگر اس طور پر کہ باطل کا تسلط مٹایا جائے اور حق کا تسلط عملاً اور فعلاً قائم ہو جائے۔ اور یہ کام پورا نہیں ہو سکتا، مگر

Marfat.com

اس طور پر کہ حق کا لشکر غالب اور عملاً فتح یاب ہو۔ اور باطل کا لشکر مٹے اور شکست کھائے، اس سے یہ نتیجہ برآمد ہوا کہ اسلام ایک عملی تحریک کا نام ہے نہ کہ معرفت و جدل کا ایک محض نظریہ۔ یا محض ایک سلبی اعتقاد۔ اور بدر میں حق واقعتہً حق ثابت ہوا، اور باطل عملاً اور واقعتہً شکست خوردہ نکلا۔ اور یہ عملی نصرت و فتح کا ایک عملی مظاہرہ تھا اور حق و باطل کے درمیان ایک واقعی فرقان تھا جس کو اللہ تعالیٰ نے یوں بیان فرمایا ہے کہ معرکہ کے پیچھے یہی غرض تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گھر سے باہر نکالنے کا یہی مقصد تھا، اور قافلہ جو غیر ذات الشوکتہ تھا اس کے بچ نکلنے میں یہی راز پنہاں تھا، اور لشکر جو ذات الشوکتہ تھا اس کے ساتھ مڈبھیڑ ہونے میں یہی مقصد پیشِ نظر تھا۔

معرکۂ بدر خود اسلام کی ذات میں فرقان تھا

اور یہ سب کچھ دین اسلام کی ذات میں بھی فرقان تھا، تاکہ اس کے ساتھ اس طرز حیات کی طبیعت و فطرت واضح ہو جائے اور مسلمانوں کے احساس میں اس کی حقیقت کھل کر سامنے آجائے۔ اور یہ ایک ایسا فرقان ہے جس کی ضرورت کو آج ہم محسوس کرتے ہیں، جب کہ دین کے مفہومات میں اس دور میں بہت لچک پیدا ہو گئی ہے، مسلم کہلانے والے بھی اس کی صحیح حقیقت سے بے خبر ہو چکے ہیں، حالت تو یہ ہے کہ بعض داعیان اسلام کے اندر بھی اتنی لچک پیدا ہو گئی ہے جو اس دین کے حقیقی مفہوم کے قطعی خلاف ہے۔ پس جنگ بدر ان مختلف اعتبارات میں یوم الفرقان تھی۔ اور:

"اللہ ہر شئے پر قادر ہے"

یہ قدرت جنگِ بدر میں کھل کر سامنے آئی جب کہ ہر چیز مسلمانوں کے خلاف تھی مگر پھر بھی اللہ نے فتح دی۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس میں شک و شبہ اور جھگڑے کا احتمال نہیں ہے۔ اس واقعہ کی تفسیر صرف اسی حیثیت میں ہو سکتی ہے کہ اس میں قدرتِ الٰہی کو کارفرما مانا جائے: واللہ علی کل شیئ قدیر۔

میدانِ جنگ کا نقشہ

آیات ۴۱ ——— ۴۴ میں اللہ تعالیٰ نے میدانِ جنگ کا نقشہ اور اس کے مناظر بڑے عجیب انداز میں پیش فرمائے ہیں۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ جنگ ہمارے سامنے فعلاً ہو رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس جنگ کے سلسلے میں جو تدبیر فرمائی اس کا ذکر فرمایا جاتا ہے، حتیٰ کہ انسان اس جنگ کے واقعات و حوادث میں اللہ تعالیٰ کے دستِ قدرت کو گویا کارفرما دیکھ رہا ہے اور اس تدبیر کا نتیجہ و مقصد بھی بیان کیا گیا ہے۔ فرمایا ہے:

"جب تم ورے کنارے پر تھے اور وہ پرلے کنارے پر، اور قافلہ تم سے نیچے تھا، اور اگر تم باہم وعدہ کرتے تو اس کے نبھانے کی مدت میں اختلاف کرتے۔ مگر یہ اس لئے تھا کہ اللہ تعالیٰ ایک امر کا فیصلہ کرے۔ جو ہو کر رہنے والا تھا۔ تاکہ جسے مرنا ہو وہ کھلی دلیل سے مرے اور جسے زندہ رہنا ہو وہ کھلی دلیل سے زندہ رہے اور بلاشبہ اللہ ضرور سننے والا جاننے

Marfat.com

والا ہے۔ جب کہ اللہ تعالیٰ تجھ کو ان کی تعداد خواب میں کم دکھا رہا تھا۔ اور اگر وہ ان کی تعداد تجھ کو زیادہ دکھاتا تو تم سست پڑ جاتے اور معاملے میں جھگڑا کرتے۔ لیکن اللہ نے بچا لیا بلاشبہ وہ دلوں کے بھید کو خوب جانتا ہے اور جب کہ آمنے سامنے ہونے کے وقت تم کو اللہ ان کی تعداد کم دکھاتا تھا اور تمہیں ان کی آنکھوں میں کم دکھاتا تھا، تاکہ اللہ ایک امر کا فیصلہ کرے، جو ہو کر رہنے والا تھا۔ اور سب معاملات اسی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں۔"

فریقین کی پوزیشن

ان آیات میں فریقین کی پوزیشنیں بالکل آنکھوں کے سامنے ظاہر ہو رہی ہیں اور ان میں یہ شہادت موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مخفی تدبیر اس سارے معاملے میں کارفرما تھی۔ اللہ کا ہاتھ یوں معلوم ہوتا ہے کہ صاف نظر آ رہا ہے جب کہ وہ اس فریق کو یہاں کھڑا کر رہا ہے اور اُس کو وہاں اور قافلہ ان دونوں سے دُور چلا گیا ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خواب میں جو کلمات وارد ہوئے ہیں، یوں نظر آتا ہے کہ وہ اللہ کی تدبیر کو صاف بتا رہے ہیں۔ ہر فریق کو دوسرے کی نگاہ میں کم دکھایا گیا تاکہ اللہ کی مرضی پوری ہو، اور ہر فریق جی لگا کر لڑے ہر فریق دوسرے کو کم جان کر اس پر پل پڑے، یہ نقشہ جو کھینچا گیا ہے، یہ صرف قرآنی طرزِ ادا کا معجزہ ہے، کوئی جنرل، کوئی ماہر جنگ جو یہ نقشہ نہیں کھینچ سکتا تھا۔ صرف قرآن ہی ان مشاہد و مناظر کی تصویر کھینچ سکتا تھا، ایک زندہ تصویر، زندہ تصویر کا زندہ نظارہ، زندہ نظاروں کی زندہ تعبیر! اور پھر یہ سب کچھ چند الفاظ میں سمو دیا گیا ہے۔ اوپر ہم جنگ بدر کے واقعات کے بیان میں اس پر گفتگو کر چکے ہیں کہ مسلمان جب مدینہ سے نکلے تو مدینہ کی قریبی وادی کے ادھر والے کنارے پر اُترے۔ ابوجہل کی قیادت میں آنے والا قریش کا لشکر وادی کی دوسری طرف مدینہ سے دور اُترا۔ دونوں فریقوں کے درمیان ایک ٹیلہ تھا، اونچی جگہ تھی، جو دونوں کو جدا کرتی تھی، ادھر ابوسفیان تجارتی قافلے کو لے کر ساحلِ سمندر کی راہ پر ہو لیا تھا۔ جو دونوں فریقوں سے بعید تھی۔

دونوں لشکر ایک دوسرے کی پوزیشن اور محلِ وقوع سے بے خبر تھے۔ اللہ تعالیٰ اُسی بلند جگہ کے دونوں طرف ایک خاص مقصد کے لیے جمع کیا تھا جس کو وہ پورا کرنا چاہتا تھا۔ یہاں وہ ایک دوسرے کے مدِمقابل بن کر یوں پڑے تھے کہ اگر فرض کیا جائے کہ وقت سے پہلے دونوں کا یہاں آ اترنے کا معاہدہ تھا، تب بھی وہ اتنے نظم و ضبط سے اور اتنی تیاری سے یہاں پر نہ آتے۔ یہ محض تدبیرِ الٰہی کا کرشمہ تھا۔ اسی چیز کو اللہ تعالیٰ نے یوں بیان فرمایا ہے:

"جب تم ورے کنارے پر تھے (یعنی وادی کے ورے کنارے پر) اور وہ پرلے کنارے پر تھے۔ اور قافلہ تم سے نیچے تھا۔ اور اگر فرض کرو کہ تم لوگ باہم وعدہ بھی کر چکے ہوتے تو میعاد میں اختلاف کرتے، لیکن یہ اس لیے تھا کہ اللہ تعالیٰ ایک امر کا فیصلہ کرے جو ہو کر رہنے والا تھا۔"

اس نظم و ضبط کے ساتھ وعدے کے بغیر دونوں لشکروں کی ملاقات اللہ کے ہاں ایک طے شدہ امر تھا

Marfat.com

جس کو اللہ تعالیٰ علم واقعات میں ظاہر کرنا چاہتا تھا۔ اس کے لیے وہ یہ مخفی اور لطیف تدبیر کر رہا تھا اور تم کو اس کے عالم واقعہ میں ظاہر کرنے کا آلہ بنا رہا تھا اور اس کام کے لیے تمام ضروری اسباب و ظروف مہیا فرما رہا تھا۔

اس غیر متوقع جنگ کا مقصد کیا تھا؟

جس مقصد کے لیے یہ تمام سامان کئے گئے، اسباب و ظروف مہیا کئے گئے، وہ مقصد یہ تھا کہ:
"تا کہ جس کو ہلاک ہونا ہو وہ کھلی دلیل سے ہلاک ہو اور جس کو زندہ رہنا ہو وہ کھلی دلیل سے زندہ رہے"

ہلاکت کا معنیٰ جسمانی موت بھی ہے اور روحانی موت یعنی کفر و شرک بھی۔ کیونکہ اصل موت وہی ہے اسی طرح حیات سے مراد جسمانی زندگی بھی ہے اور روحانی زندگی یعنی ایمان بھی۔ جو واقعی اصلی اور حقیقی زندگی ہے اور اس آیت میں موت و حیات سے دوسرا معنیٰ مراد ہونا ظاہر تر ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ایک مقام پر فرمایا ہے:

"کیا جو مردہ تھا پھر ہم نے اس کو زندہ کیا اور اس کو روشنی دی جس کو لوگوں میں لئے پھرتا ہے اس شخص کی مانند ہو سکتا ہے جو اندھیروں میں ہے، ان سے نہیں نکل سکتا"

پس اس آیت میں بھی کفر کی تعبیر موت سے فرمائی ہے اور ایمان کو حیات فرمایا ہے۔ اسلام کی نظر میں کفر و ایمان کی حقیقت واقعی موت و حیات ہے۔ اس کو ہم سورۃ الانعام میں اس آیت کی تفسیر میں بیان کر چکے ہیں۔

کفر و ایمان کو موت و حیات کیوں فرمایا گیا ہے؟

ہم نے موت و حیات کے مدلول میں اس معنی کو ترجیح دی ہے کہ ان سے مراد کفر و ایمان ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنگ بدر کو یوم الفرقان فرمایا ہے۔ اس کے ذریعے سے حق و باطل میں فرق و امتیاز کر دیا گیا تھا۔ لہٰذا جو اس کے بعد بھی کفر کرے وہ شبہ کے ساتھ بلکہ اس کے بغیر کرتا ہے۔ کھلی دلیل سے کفر کرتا ہے گویا کہ کھلی دلیل سے اس کی ہلاکت واقع ہو جاتی ہے۔ اور جو اس کے بعد جو ایمان کی روش اختیار کرتا ہے وہ کھلی دلیل سے کرتا ہے جس میں کوئی حق نہیں رہا۔ معرکۂ بدر نے موت و حیات اور کفر و ایمان کا کھلا فیصلہ کر دیا ہے ؎

تجھ سے میں کیا بیان کروں سرِ مقامِ مرگ و عشق ۔۔۔ عشق ہے موتِ باشرف مرگ حیاتِ بے شرف!

معرکۂ بدر بیّنہ کیونکر ہے؟

اللہ تعالیٰ نے اس جنگ کو موت و حیات (کفر و ایمان) ہر دو کے لیے بیّنہ قرار دیا ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ اس میں جو اسباب و ظروف اور نتائج تھے وہ ایک ناقابلِ انکار واضح دلیل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ واقعہ ناقابلِ انکار دلالت پیش کرتا ہے کہ اس کی تدبیر انسانی تدبیر سے ماوراء تھی۔ اس میں جو قوت استعمال

Marfat.com

ہوئی وہ بشری قوتوں سے پرے تھی۔ یہ واقعہ ثابت کرتا ہے کہ اس دین کا ایک رب ہے جو ارباب دین کے خلوص، جہاد، صبر و ثبات کے وقت ان کی خود سرپرستی فرماتا ہے۔ اگر صرف مادی ساز و سامان اور ظاہری قوت پر انحصار ہوتا تو مشرک شکست نہ کھاتے جن کے پاس ساز و سامان اور اسلحہ اور ہر ضروری چیز کے ڈھیر تھے۔ اور مسلم جماعت کم تعداد سے کم ساز و سامان اور برائے نام تیاری کے باوجود اتنی عظیم فتح حاصل نہ کر سکتے۔ مشرکوں کو یہ بات خود بھی تسلیم تھی۔ جب وہ بدر کی طرف جا رہے تھے اور ان کے ایک حلیف نے انہیں مالی و جانی امداد کی پیشکش کی تو ان کا کہنا یہ تھا کہ:

"واللہ اگر ہماری جنگ انسانوں کے ساتھ ہے تو ہم ان سے کسی طرح کمزور نہیں، لیکن اگر جنگ اللہ کے ساتھ ہے۔ (جیسا کہ انہیں محمد رسول اللہ صادق و امین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا) تو پھر اللہ کا مقابلہ کون کر سکتا ہے؟"

اور جب کافر اس کے بعد بھی کفر کی ہلاکت میں ہی رہے تو صاف بات ہے کہ وہ کھلی دلیل کے ساتھ ہلاک ہو رہے تھے۔ اس آیت:

"تاکہ جو ہلاک ہو وہ کھلی دلیل سے ہلاک ہو اور جو زندہ رہے وہ کھلی دلیل کے ساتھ زندہ رہے۔"

سے جو معنی بظاہر سمجھ میں آتا ہے وہ یہی ہے جو بیان ہوا، مگر اس کے بعد ایک اور اشارہ بھی باقی ہے۔

وہ یہ ہے کہ حق کے لشکر اور باطل کے لشکر میں معرکے کا واقع ہونا، واقعی اور عملی دنیا میں سلطان حق کا بلند ہونا اور وہ پہلے قلب و ضمیر کی دنیا میں بلند ہو چکا تھا، یہ سب چیزیں حق کو دلوں اور آنکھوں پر واضح اور روشن کرنے میں مددگار تھیں۔ اور عقول و نفوس کے شکوک و شبہات کو زائل کر دیتی تھیں۔ اس فتح و نصرت سے معاملہ واضح اور روشن ہو گیا۔ اب کفر میں ہلاک ہونے والے کے لیے کوئی شک و شبہ نہیں رہ جاتا تھا۔ کیونکہ حق واضح اور غالب ہو چکا تھا۔ اسی طرح زندگی یعنی ایمان چاہنے والے کے لیے بھی اس میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں رہ سکتا تھا کہ یہی وہ حق ہے جس کا مددگار خود اللہ تعالیٰ ہے، اور وہ طاغیوں کی مدد نہیں فرماتا۔

قوت کی تیاری کا حکم کیوں ہے؟

سورۃ انفال کی تعریف میں ہم نے اس سے پہلے نویں جزء میں لکھا ہے کہ جہاد اس لیے ضروری ہے تاکہ شر و طغیان کی قوتوں کو توڑا جائے اور طاغیوں کے تسلط کو دور کیا جائے۔ اللہ کا جھنڈا بلند کیا جائے اور اللہ کی سلطنت کو بالفعل قائم کیا جائے۔ یہ چیزیں حق کو واضح کرنے میں مددگار ہوتی ہیں:

"تاکہ ہلاک ہونے والا دلیل کی موت مرے اور زندہ رہنے والا دلیل کی زندگی اختیار کرے۔"

اسی طرح اس سے یہ بات بھی سمجھ میں آ سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسی سورت میں یہ کیوں فرمایا ہے:

Marfat.com

"اور ان کے لیے جس قدر ہو سکے قوت تیار کرو اور گھوڑے پالو تاکہ اس تیاری کے ساتھ تم اللہ کے دشمن اور اپنے دشمن کو ڈرا سکو"

پس قوت تیار کرنا اور ڈرانا دلوں میں حق کی وضاحت کے لیے مددگار ہوتا ہے۔ جو دل صرف قوت کی زبان سمجھتے ہیں وہ اس کے بغیر بیدار نہیں ہو سکتے، اور بات ان میں داخل نہیں ہو سکتی۔ ورنہ دراصل تو قوت اللہ کے ہاتھ میں ہے جیسا کہ اس نے خود فرمایا ہے کہ:

"اور بلاشبہ اللہ سمیع و علیم ہے"

فریقِ حق یا فریقِ باطل کا قول اس پر ہرگز پوشیدہ نہیں، اقوال و افعال کے ماسوا بھی جو کچھ ان کے دلوں میں مخفی ہے وہ اسے خوب جانتا ہے۔ اس کی تدبیر و تقدیر اس اطلاع کے عین مطابق اور مناسب ہوتی ہے۔ جو اس کو ظواہر و بواطن میں حاصل ہے۔

میدانِ معرکہ میں اللہ کی مخفی تدبیر

آیت ۴۳ میں فرمایا ہے کہ:

"اور جب اللہ تجھ کو ان کی تعداد خواب میں کم دکھا رہا تھا اور اگر تجھ کو ان کی تعداد کثیر دکھاتا تو تم سست پڑ جاتے اور اس معاملے میں اختلاف کرنے لگتے، مگر اللہ نے تمہیں بچا لیا، بلاشبہ وہ دلوں کے بھید خوب جانتا ہے"

یعنی یہ اللہ کی مخفی تدبیر تھی کہ اس نے خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی تعداد کم دکھائی۔ ان کی کوئی قوت اور وزن نہ تھا، تاکہ آپ اپنا خواب اصحابؓ کو بتائیں اور وہ بشارت پائیں۔ اور معرکہ کے میدان میں گھس جانے پر پوری دلیری کے ساتھ آمادہ ہو جائیں۔ کیونکہ مسلمانوں کی جانی و مالی قوت بہت کم تھی۔ وہ اچھی طرح تیاری کیے بغیر ہی گھروں سے باہر آ گئے تھے، مدِنظر صرف قافلہ تھا، اور اس کے لیے کچھ زیادہ تیاری کی ضرورت بھی نہ تھی۔ اگر انہیں کافروں کی اصل تعداد اور تیاری کا علم ہو جاتا تو ممکن ہے ان کے دلوں میں ضعف پیدا ہو جاتا جو ایک فطری امر تھا۔ اور پھر اس صورت میں ان میں اختلاف اور نزاع پیدا ہو جاتے۔ ایک فریق لڑنے کی رائے دیتا اور دوسرا اس کے خلاف کہتا، نتیجہ اس صورت میں یہی ہوتا کہ وہ دل کی پوری لگن اور رضا و اطمینان کے ساتھ نہ لڑ سکتے۔ یہ صورتِ احوال ایک لشکر کے لیے بڑی خوفناک ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ سینوں کے راز جانتا ہے اس نے مسلمانوں کو بزدلی اور نزاع سے محفوظ رکھا، یہ اس کی مہربانی اور فضل و کرم تھا کہ میدانِ جنگ میں کسی کمزوری کا امن سے اظہار نہ ہونے دیا۔

یہ خواب سچا کیونکر تھا؟

یہاں پر ایک بڑا نازک سوال پیدا ہوتا ہے کہ دراصل تو کافروں کی تعداد اور تیاری زیادہ تھی مگر اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت و حکمت سے آپ کو کم دکھائی تو یہ خواب سچا کیونکر ہوا۔ یہ تو خلافِ واقعہ تھا! اس کا جواب یہ ہے کہ تعداد کی کثرت کے باوجود کافر لشکر میں واقعی کمزوری تھی۔ ان میں ایمان کا فقدان تھا۔ اور جب یہ ہے تو عملِ صالح کا سوال خارج از بحث ہے۔ سرداروں کے دل یکجا نہ تھے۔ ایسا لشکر میدان معرکہ میں کسی مقصد میں

Marfat.com

کامیاب نہیں ہو سکتا۔ پس جسمانی طور پر زیادہ ہونے کے باوجود وہ روحانی اور اخلاقی نقطۂ نظر سے بہت تھوڑے تھے۔ لہٰذا خواب بالکل سچا اور واقعہ کے عین مطابق تھا۔ مشرکین مکہ کا وزن اور قیمت میدانِ جنگ میں بہت کم تھی۔ ان کے دل کسی بلند مقصد سے بالکل خالی تھے۔ ان میں ایمان نہ تھا، پس بظاہر تو وہ کثیر تھے مگر فی الحقیقت بہت کم تھے۔ یہی حقیقت تھی جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھائی تھی اور اس سے قلیل التعداد بے سروسامان مسلم جماعت کے دلوں میں اطمینان پیدا کیا تھا۔ یہ تعداد اور اسلحہ وغیرہ میں کم مگر ایمانی حقیقت صرف انہی کے پاس تھے لہٰذا وہ اسی حیثیت سے کثیر تھے۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی ایک حکمت تھی مبادا مسلمانوں کے دلوں میں کفار کی کثرتِ تعداد یا کثرتِ سامانِ جنگ سے کوئی کمزوری پیدا ہو۔

میدانِ جنگ میں فریقین کا ایک دوسرے کو دیکھنا

جب فریقین آمنے سامنے ہوئے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی رؤیائے صادقہ لوگوں نے اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھی۔ جانبین ایک دوسرے کو بہت کم دیکھتے تھے، مومن تو اس خواب کے نتیجے میں جو شب گذشتہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھایا گیا تھا اور کافر مسلمانوں کو کم اس لیے دیکھ رہے تھے کہ مومن فی الحقیقت تعداد اور سامانِ جنگ میں بہت کم تھے:

"اور جب اللہ تم کو کافروں کی تعداد دکھاتا تھا، جب تم آمنے سامنے ہوئے تھے کہ وہ کم ہیں، اور تم کو ان کی آنکھوں میں کم دکھا رہا تھا۔ تاکہ اللہ تعالیٰ پورا کرے ایک امر جو ہو کر رہنے والا تھا۔ اور سب معاملات اللہ ہی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں۔"

اللہ تعالیٰ کی اس تدبیر نے فریقین کو جنگ پر ابھارا۔ ایمان دار اپنے دشمنوں کو کم دیکھ رہے تھے کیونکہ وہ اُن کو حقیقت کی آنکھ سے دیکھ رہے تھے، اور مشرک ایمانداروں کو کم دیکھ رہے تھے، یعنی ظاہری آنکھوں سے اور واقعی اس حیثیت سے مومن کم ہی تھے۔ ان دونوں فریقوں نے جن دو حقیقتوں سے ایک دوسرے کو دیکھا، اس کے پیچھے سے تدبیرِ الٰہی نے کام کیا اور فیصلہ اس کی تدبیر و تقدیر کے مطابق ہوا۔ معاملات کا انجام تو اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے، اس میں تو کسی اور کا کوئی دخل نہیں۔

اسبابِ نصرتِ الٰہی

لقو را انسان

جب یہ حقیقت ہے کہ تدبیر ہے تو اللہ کی، مدد ہے تو اللہ کی طرف سے، نصرت عددی کثرت پر موقوف نہیں اور مادی ساز و سامان ہی معرکے کا فیصلہ کرنے والی چیز نہیں، پس مومنوں کو لازم ہے کہ کفار و مشرکین سے لڑتے وقت ثابت قدم رہیں۔ جنگ کے لیے حقیقی ساز و سامانِ نصرت و فتح مہیا کریں۔ وہ اسباب تیار کریں جو صاحبِ تدبیر و تقدیر خدا کے ساتھ ان کو واصل کرے، کیونکہ حقیقی معاونت اور مدد صرف اسی کی ہے۔ وہی صاحبِ قوت و سلطنت ہے۔ انہیں شکست کے ان اسباب سے پرہیز لازم ہے جن کے باعث کفارِ مکہ کو اتنی تعداد اور اس قدر سامان ہونے کے باوجود ذلت آمیز شکست ہوئی، پس ان کو غرور تکبر سے، شیطانی دھوکے فریب سے بچنا لازم ہے۔ اور ان میں صرف اللہ وحدہٗ پر بھروسہ کرنا لازم ہے۔

Marfat.com

کیونکہ عزیز و حکیم وہی ہے۔ اس مضمون کو آیات ۴۵ ——— ۴۹ میں یوں بیان فرمایا گیا ہے:

"اے ایمان والو! جب تم کافروں سے لڑو تو ثابت قدم رہو اور اللہ کو کثرت سے یاد کرو، تاکہ تم فلاح پاؤ اور اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرو اور باہم نزاع مت کرو، ورنہ کمزور پڑ جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور صبر کرو، بلاشبہ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ اور ان لوگوں کی طرح مت ہو جاؤ جو اپنے گھروں سے اکڑتے ہوئے اور لوگوں کو دکھاتے ہوئے نکلے اور وہ اللہ کی راہ روک رہے تھے، اور اللہ ان کے اعمال کو گھیرنے والا تھا، اور جب خوبصورت بنا دیا ان کے لئے شیطان نے ان کے اعمال کو اور بولا: آج انسانوں میں سے کوئی تم پر غالب نہیں آسکتا اور میں تمہارا ساتھی ہوں، مگر جب دونوں فریق آمنے سامنے ہوئے تو وہ اپنی ایڑیوں پر گھوم گیا اور بولا: میں تم سے بَری ہوں میں دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھتے میں اللہ سے ڈرتا ہوں اور اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔ جب کہہ رہے تھے منافق اور وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری تھی، کہ ان لوگوں کو ان کے دین نے دھوکا دیا ہے، حالانکہ جو اللہ پر بھروسہ کرے تو اللہ تعالیٰ غالب ہے دانا ہے۔"

ان چند جملوں میں بہت سے معانی اور اشارات جمع ہو گئے ہیں۔ ان میں بنیادی احکام ہیں، ارشادات ہیں تصویریں اور نظارے ہیں، اور معرکہ کے کچھ مناظر یوں ہیں گویا وہ زندہ واقعات ہیں۔ ان آیات میں ضمیریں، راز، دلی خواطر اور شعور کھل کر سامنے آتے ہیں۔ چند الفاظ میں سب کچھ سما گیا ہے، حالانکہ مضمون ان فقرات سے کئی گنا الفاظ و فقرات کا محتاج تھا، مگر انسانی تعبیر سے یہ تصویر کشی ناممکن تھی۔

فتح و نصرت کے حقیقی عوامل

آیات ۴۵ ——— ۴۷ میں حقیقی عوامل نصرت و فتح یہ بیان ہوئے ہیں:

آ۔ ثابت قدمی۔
ب۔ ذکر الٰہی کی کثرت۔
ج۔ خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرنا۔
د۔ باہمی تنازع و اختلاف سے بچنا۔
ھ۔ صبر کرنا۔
و۔ غرور و تکبر سے پرہیز کرنا۔
ز۔ راہِ حق پر قائم رہنا۔
و۔ ریاکاری سے بچنا۔

جہاں تک ثابت قدمی کا تعلق ہے یہ مدد کے راستے کی ابتداء ہے، فریقین میں سے جو زیادہ ثابت قدم ہوگا وہی غالب تر ہوگا۔ ایمانداروں کو کیا معلوم کہ انہیں جو عناء و مشقت اٹھانی پڑتی ہے دشمنوں کو اس سے زیادہ اٹھانی پڑتی ہے۔ دشمن کا الم بھی مسلمانوں کی مانند ہے۔ مگر مومن جس جزاء و رضاء کے متوقع ہیں کافر اس سے محروم

Marfat.com

ہیں۔ اس لحاظ سے مومنوں کا پلڑا بھاری ہے۔ اللہ سے امید رکھنے میں بڑا اطمینان اور اُس کی مدد کی توقع ہے کافر اس سے محروم ہیں۔ قدم جمنا دل کے جماؤ پر مبنی ہے اور دل کا جماؤ ایمان پر منحصر ہے۔

ایمانداروں کو ذرا مضبوطی ہمت وحوصلے اور ثبات کی ضرورت ہے، کافروں کے قدم انشاء اللہ تعالیٰ اکھڑ جائیں گے۔ مومن کے قدم کی مضبوطی اس ایمان پر مبنی ہے کہ اسے یا شہادت ملے گی یا نصرت الٰہی، یا شہید بنے گا یا غازی، پس وہ دونوں حالتوں میں کامیاب ہے۔ دشمن کے سامنے اگلی کوئی زندگی نہیں، شہادت کی موت اور اس کی عظمت کا کوئی عقیدہ نہیں۔ لہٰذا وہ اتنی جرأت اور ثابت قدمی نہیں دکھا سکتا کہ مومن کے مقدر میں ہے۔

جہاں تک کثرت ذکر اللہ کا سوال ہے، سو ذکر اللہ تو مومن کی زندگی کا ایک بڑا جزو ہے مگر دشمن سے ٹکرانے کے وقت اس کے لیے یہ ایک دائمی ترغیب وتوجیہ ہے۔ مومن جماعت کو اس سے بہت سکون و اطمینان ملتا ہے۔

ذکر اللہ مومن کے لیے ایک تاریخی حقیقت ہے

الا بذکر اللہ تطمئن القلوب۔ صرف ایک عقیدے کی بات نہیں بلکہ ایک تاریخی حقیقت ہے مومنوں نے ہمیشہ مشکلات ومصائب میں ذکر اللہ کا سہارا لیا ہے۔ فرعون کے جادوگروں کے دل جب اچانک ایک دست ایمانی روشنی سے منور ہوگئے تو فرعون نے انہیں ڈانٹا اور شدید سزاؤں کی دھمکی دی۔ ان کا جواب تھا:

> "اور تو ہم سے کیا صرف اس بات کا انتقام لینا چاہتا ہے کہ جب آیات خداوندی ہمارے سامنے آئیں تو ہم ان پر ایمان لے آئے؟ اے ہمارے رب ہم پر صبر انڈیل دے اور ہمارا خاتمہ اسلام پر فرما۔"

جب طالوت کا مومن قلیل التعداد لشکر جالوت کے کثیر التعداد لشکر کے روبرو ہوا تو مومنوں نے دعا کی:۔

> "اے ہمارے رب ہم پر صبر انڈیل دے اور ہمارے قدموں کو جما دے اور کافر قوم کے خلاف ہماری مدد فرما۔"

اور قرآن نے کئی مومن جماعتوں کی ایک مجمل دعاء نقل کی ہے اور ان کے متعلق فرمایا ہے:

> "اور کتنے نبی تھے جن کے ساتھ ہو کر بہت سے رب والے لڑے، اللہ کی راہ میں آنے والی مصیبتوں نے ان میں کمزوری اور ضعف اور شکن پیدا نہ کی اور اللہ صابروں سے محبت کرتا ہے اور ان کا قول یہی تھا کہ انہوں نے کہا: اے ہمارے رب ہمارے لیے ہمارے گناہ بخش دے اور ہماری زیادتیوں سے درگزر کر، اور ہمارے پاؤں کو جما دے اور کافر قوم کے خلاف ہماری مدد کر۔"

مومن جماعت کا دشمن کی جنگ کے وقت ہمیشہ یہی حال رہا ہے۔ جنگ احد میں مسلمان بعض اپنے لوگوں کی

غلطی سے زخمی ہوگئے تھے اور کئی لوگ شہید ہو گئے تھے۔ مگر دوسرے دن جب ان کو باہر آنے کے لیے بلایا گیا تو انہوں نے کہا کہ ہمارے لیے اللہ کافی ہے اور وہی بہتر کارساز ہے۔ یہ بات کچھ منافقوں وغیرہم کے جواب میں تھی جنہوں نے کہا تھا کہ لوگوں کی بڑی جماعت تمہارے خلاف جمع ہے تم ان سے ڈر جاؤ۔ ایمانداروں کا ایمان اور بھی مضبوط ہو گیا اور بولے: حسبنا اللہ ونعم الوکیل۔

دشمن کے سامنے مومن جماعت کا ذکرِ خداوندی ہمت سے کام کرتا ہے۔ یہ ایک ایسی قوت کے ساتھ اتصال ہے جو کبھی مغلوب نہیں ہو سکتی اور یہ اس اللہ پر اعتماد ہے جو اپنے دوستوں کی مدد کرتا ہے۔ اور اس کے ساتھ یہ حقیقتِ معرکہ، اس کے اسباب ومقاصد کا استحضار ہے۔ پس یہ اللہ کا معرکہ ہے تاکہ زمین میں اس کی الوہیت کو قائم کیا جائے۔ یہ ان طاغوتوں کو راہ سے ہٹاتا ہے جنہوں نے اللہ کی الوہیت کو غصب کر رکھا ہے۔ یہ ایک ایسا معرکہ ہے جو فقط ایک اللہ کے کلمہ کو بلند کرنے کا اعلان اور ذریعہ ہے۔ غلبے کے لیے نہیں۔ مالِ غنیمت کے لیے نہیں، شخصی سربلندی کے لیے نہیں، قومی سربلندی کی خاطر نہیں، پھر یہ اس واجب کی تاکید ہے کہ سب سے مشکل اور تنگ گھڑی میں اللہ کو یاد رکھا جائے۔ سب سے تنگ موقع پر اس سے لو لگائی جائے میدانِ جنگ میں یہ سب چیزیں بہت اہم ہیں اور یہ ربانی تعلیم انہیں ثابت کرتی ہے۔

خدا اور رسولؐ کی اطاعت کا مطلب

اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کا حکم اس لیے دیا گیا ہے کہ اہلِ ایمان شروع میں جب میدانِ جنگ میں داخل ہوں تو اللہ کے سامنے جھکے ہوئے ہوں، اس طرح کے نزاع کے وہ اسباب مٹ جاتے ہیں جن کے باعث یہ حکمِ اطاعت دیا گیا ہے، فرمایا ہے:

"اور نزاع مت کرو ورنہ کھوکھلے ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔"

لوگوں میں تنازع ہوتا ہی اس وقت ہے جب کہ قیادت اور توجیہہ کی جہات الگ الگ ہو جائیں اور خواہش نفس کا اتباع شروع ہو جائے، اور یہی ہوا و ہوس آراء وافکار کا رُخ متعین کرے۔ پس جب لوگ اللہ اور اس کے رسولؐ کے آگے جھک جائیں گے تو ان کے باہمی نزاع کا پہلا بڑا سبب ختم ہو جائے گا، اگرچہ پیش آمدہ مسئلہ میں نقطہ ہائے نظر مختلف کیوں نہ ہوں، نزاع پیدا کرنے والی چیز نقطہ ہائے نظر کا اختلاف نہیں ہے۔ بلکہ وہ ہوائے نفس ہے جو ہر نقطۂ نظر والے کو اپنی رائے پر اصرار کرنے کا حکم دیتی ہے، اگرچہ واضح ہو جائے کہ حق دوسری رائے میں ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ آدمی اپنی ذات کو ترازو کے ایک پلڑے میں رکھ دیتا ہے اور حق کو دوسرے پلڑے میں، وہ ابتداءً ترجیحِ فطرت کو مدِنظر رکھ لیتا ہے، اور اس خود غرضی کا علاج یہ خدا و رسولؐ کی اطاعت کا حکم ہے یہ نظم و ضبط کا سوال ہے جس کا میدانِ جنگ میں پایا جانا ناگزیر ہے۔ یہ میدان میں سب سے اونچی قیادت کی اطاعت ہے۔ اسی سے سپہ سالار کی اطاعت پھوٹتی ہے۔ پس یہ خدا و رسولؐ کی اطاعت دراصل گہری قلبی اطاعت ہے۔ محض نظم و ضبط کی اطاعت نہیں جو ہر لشکر میں ہوتی ہے خدا اور رسولؐ کے لئے نہ لڑنے والوں میں بھی ہوتی ہے۔ اسلامی لشکر کی ولاء قیادت اللہ کی ولاء پر منحصر ہے۔ پس دونوں اطاعتوں میں بہت ہی بڑا فاصلہ موجود ہے۔

صبر کا ناگزیر ہونا

جہاں تک صبر کے حکم کا سوال ہے، سو یہ ایک ایسی صفت ہے جس کا وجود میدانِ جنگ میں داخل ہونے کے لیے لابدی ہے۔ جو نسا میدان بھی ہو، جہاد بالنفس کا میدان ہو یا میدانِ قتال ہو، فرمایا ہے:

"اور صبر کرو بیشک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔"

اور صبر کرنے والوں کے لیے یہ جو اللہ کی معیت ہے یہی غلبے اور فتح و نصرت کی ضمانت ہے۔

تکبّر اور ریاکاری سے باز رہو

اب یہاں پر آخری تعلیم باقی رہ گئی ہے:

"اور ان لوگوں کی مانند مت ہو جاؤ جو اپنے گھروں سے اکڑتے ہوئے اور لوگوں کے دکھاوے کے لیے نکلے اور وہ اللہ کی راہ سے روکتے تھے، اور اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو گھیرنے والا ہے۔"

مومن جماعت کے لیے یہ تعلیم نہایت ضروری تھی اور ہمیشہ باقی رہے گی کہ قتال کے لیے غرور و تکبّر کے ساتھ اپنی قوت پر فخر و غرور کرتے ہوئے، اللہ کی دی ہوئی قوت کو اس کے ارادے اور حکم کے خلاف استعمال کرتے ہوئے باہر مت نکلو، مومن جماعت کا قتال کے لیے نکلنا فی سبیل اللہ ہے اور یہ چیزیں فی سبیل اللہ نہیں بلکہ فی سبیل النفس والشیطان ہیں۔ مومن جماعت اللہ کی الوہیت کو حیاتِ انسانی میں نافذ کرنے کو جاتی ہے، اور یہ تکبّر و غرور اور ریاکاری اللہ کی الوہیت کے خلاف ہیں، وہ بندوں پر صرف اللہ کی عبودیت کو قائم کرنے جاتی ہے اور یہ اکڑ فوں، تکبّر و ریاکاری نفس کی عبودیت ہے، جن طاغوتوں نے اللہ کا حق بندوں کو اپنا بندہ بنا کر چھینا ہے، یہ جماعت انہیں چھیننے کے لیے جاتی ہے، اور یہ خود طاغوت نہیں بن سکتی، خود بندوں کے لیے خدا نہیں بن سکتی، بلکہ خدا کی بندگی کے اندر ہی رہتی ہے۔ جو طاغوت حاکمیت کو اختیار کر کے زمین میں اپنی الوہیت کا اعلان کرتے ہیں یہ جماعت انہیں ختم کرتی ہے، یہ زمین میں انسان کی انسان سے اور ہر ایک کی عبودیت سے آزادی کے لیے گھر سے نکلتی ہے۔ غیر اللہ کی عبودیت انسان کو ذلیل کر دیتی ہے اور اس کی عزت کو ختم کر دیتی ہے، لہٰذا یہ جماعت انسانوں کی حرمتوں، کرامتوں اور آزادیوں کی حمایت کے لیے نکلتی ہے، انسانوں پر بلند ہونے، انہیں اپنا بندہ بنانے اور قوت کی نعمت پر اکڑنے کے لیے نہیں نکلتی، وہ میدانِ جنگ ہر ایک ذاتی غرض سے خالی ہو کر جاتی ہے۔ وہ غلبہ اور نصرت و فتح ذاتی فوائد کے لیے نہیں بلکہ اللہ کی اطاعت پر لبیک کہنے کے لیے چاہتی ہے۔ پس غرور و تکبّر اور ریاکاری اور اللہ کی راہ سے روکنے کے لیے گھروں سے نکلنا جو قریش سے سرزد ہوا تھا، وہ مومن جماعت کی آنکھوں کے سامنے تھا۔ اور پھر اس کا انجام بھی ان کے سامنے موجود تھا۔

فخر و غرور اور ریاکاری اور خدا تعالیٰ کی راہ سے روکنے کا نتیجہ ذلت و خواری، ناکامی اور ٹکڑے ٹکڑے ہو جانا تھا، جیسے وہ خود دیکھ رہے تھے، پس اس آیت کے ایک ایک لفظ کو اور ان کے نتائج کو مسلم جماعت

نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ اور کفار کا تکبر و غرور، ریاکاری اور اللہ کی راہ سے روکنا ابو جہل کے اس قول سے ظاہر تھا، جب کہ ابو سفیان کا ایلچی اس کے پاس آیا۔ اور ابو سفیان قافلے سمیت ساحل سمندر کی راہ پر جا کر بچ چکا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ اب وہ لشکر کو لے کر واپس لوٹ آئے کیونکہ اب اسے محمدؐ و اصحابِ محمدؐ سے قتال کی ضرورت نہیں رہی۔ اور قریش اپنے ساتھ گانے والیاں اور آلات موسیقی لے کر آئے تھے، کہ گائیں گے اور اونٹ ذبح کریں گے اور راستے کی ہر منزل پر سکہ بٹھاتے جائیں گے۔ پس ابو جہل نے جواب دیا: نہیں! واللہ ہم واپس نہ آئیں گے، حتیٰ کہ بدر میں اتریں گے، تین دن رہیں گے، اونٹ ذبح کریں گے، کھانا کھلائیں گے، شراب پئیں گے اور گانے والیاں گائیں گی۔ نتیجہ یہ ہو گا کہ عرب ہم سے ہمیشہ ڈریں گے

جب ابو جہل کا جواب لے کر ایلچی ابو سفیان کے پاس واپس گیا تو اس نے کہا: ہائے میری قوم! یہ عمرو بن ہشام کا یعنی ابو جہل کا کام ہے۔ وہ لوگوں کو واپس لے جانا اس لیے ناپسند کرتا ہے کہ وہ ان کا رئیس ہے اور سرکش ہے۔ اور سرکشی باعث نقص و نحوست ہے اگر محمدؐ نے لشکر پر فتح پائی تو ہم ذلیل ہو جائیں گے! اور ابو سفیان کی فراست صحیح نکلی، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لشکر کو فتح کر لیا اور مشرک غرور و تکبر کے باعث ذلیل ہو گئے۔ ان کی سرکشی، ریاکاری اور اللہ کی راہ سے روکنا انہیں لے ڈوبے، اور بدر ان کی پشت توڑنے والا ثابت ہوا۔

اور اسی لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ: واللہ بما یعملون محیط۔ ان کی کوئی چیز اس سے بچ نہیں سکتی۔ اور ان کی قوت اسے عاجز نہیں کر سکتی۔ اُس کا گھیراؤ اُن کے گرد ہے، وہ کہیں سے بچ کر حل نہیں سکتے۔

شیطانی وسوسہ اور اس کے نتائج

آیت ۴۸ میں فرمایا ہے کہ:

"اور جب شیطان نے ان کے اعمال ان کے لیے خوبصورت بنا دیئے اور بولا: آج کوئی انسان تم پر غالب آنے والا نہیں اور میں تمہارا ساتھی ہوں، پھر جب دونوں فریق آمنے سامنے ہوئے تو وہ اپنی ایڑیوں پر پھر گیا اور بولا: میں تم سے بری ہوں، میں وہ کچھ دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے میں اللہ سے ڈرتا ہوں اور اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔"

اس واقعہ کے متعلق اور اس آیت کے بارے میں کئی آثار مروی ہیں، لیکن مؤطا میں امام مالکؒ کی روایت کے سوا کوئی حدیث مرفوع اور مسند نہیں ہے، طلحہؓ بن عبیداللہ بن کریزؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابلیس کسی دن میں اتنا ذلیل، اتنا حقیر، اتنا پریشان اور اتنا غضب ناک نہیں ہوتا جتنا کہ عرفہ کے دن حج کے دن ۹ ذی الحجہ کو، ہوتا ہے، یہ اس لیے کہ وہ رحمت کا نزول اور بندوں کے گناہوں کی بخشش دیکھتا ہے۔

ہاں! یوم بدر میں وہ اس سے بھی زیادہ خوار و ذلیل و پریشان تھا، لوگوں نے کہا یا رسول اللہؐ! اس نے جنگ بدر کے دن کیا دیکھا تھا؟ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس نے جبریلؑ کو دیکھا تھا کہ وہ فرشتوں

Marfat.com

کو ادھر ادھر بکھیر رہا تھا ، ان کی جگہیں مقرر کر کے ڈیوٹیاں لگا رہا تھا) یہ حدیث منقطع ہے اور باقی آثار میں سے ایک ابن عباسؓ سے مروی ہے ، ایک عروۃؓ بن زبیر سے ، ایک قتادہؓ سے ، ایک الحسن سے ایک محمد بن کعبؓ قرظی سے۔

ابن عباسؓ کی روایت یوں ہے کہ انہوں نے کہا : ابلیس جنگ بدر میں شیطانوں کی فوج لے کر آیا ، اس کے ساتھ ایک علم بھی تھا۔ شیطان خود سراقہ بن مالک بن جعشم مدلجی کی صورت میں تھا (سراقہؓ بعد میں مسلمان ہوئے تھے) ابلیس نے مشرکوں سے کہا : آج تم پر کوئی غالب نہیں آ سکتا اور میں تمہارا ساتھی ہوں۔ جب لوگوں نے صف بندی کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مٹھی میں مٹی لے کر مشرکوں پر پھینک دی ، وہ پشت کی جانب کو بھاگے۔ جبریل ، ابلیس کی طرف گیا جس کا ہاتھ ایک مشرک شخص کے ہاتھ میں تھا۔ ابلیس نے اپنا ہاتھ چھڑا لیا اور اپنے گروہ سمیت پشت پھیر کر بھاگا۔ اس آدمی نے کہا کہ اے سراقہ (جو دراصل ابلیس تھا) ، تو تو کہتا تھا کہ تو ہمارا ساتھی ہے۔ وہ بولا کہ میں تمہارا ساتھی ہوں ، مگر پشت کی طرف سے تمہارا خیال رکھوں گا کہ کہیں تم پر کوئی مصیبت پیچھے سے نہ ٹوٹ پڑے۔ پس وہ تیزی سے نکل بھاگے۔

قتادہ کی روایت یوں ہے کہ : ہمیں بتایا گیا ہے کہ ابلیس نے جب جبریلؑ کو فرشتوں کی جماعت میں اترتے دیکھا تو وہ دشمن خدا بولا کہ میں فرشتوں کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ میں وہ کچھ دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھتے میں اللہ سے ڈرتا ہوں۔ مگر اس دشمن خدا نے جھوٹ بولا ، اسے خدا کا کوئی خوف نہ تھا ، بلکہ وہ جانتا تھا کہ یہاں مجھ میں اس میں قوت نہیں اور وہ بچ نہ سکے گا ، اور اس دشمن خدا کی اپنے دوستوں کے ساتھ یہی عادت ہے کہ حق و باطل کی جنگ کے وقت پشت پھیر کر بھاگ جاتا ہے۔ اور اپنے دوستوں کو مرنے اور رکٹنے اور ذلیل ہونے کے لیے چھوڑ جاتا ہے۔

مگر ہم اس تفسیر میں ان کی غیبی امور پر گفتگو نہیں کیا کرتے اور یہاں بھی نہ کریں گے۔ کیونکہ ان تفصیلات میں کوئی قرآنی نص یا کوئی متواتر حدیث نبوی وارد نہیں ہوئی۔ ہمارا موقف ان آثار و احادیث کے انکار کا نہیں ہے ، نہ ہم ان پر بحیثیت عقیدہ بحث کرتے ہیں ، کیونکہ عقیدہ نص قرآنی سے یا حدیث صحیح و متواتر سے ہی ثابت ہو سکتا ہے اور اس واقعہ میں قرآنی آیت صرف اتنا بتاتی ہے کہ شیطان نے مشرکوں کے اعمال کو مزین کیا اور انہیں اپنی مدد کا یقین دلا کر میدان جنگ میں آنے پر ابھارا۔ لیکن جب میدان معرکہ میں فریقین آمنے سامنے ہوئے تو وہ اپنی ایڑیوں پر پھر گیا اور کہنے لگا کہ میں وہ کچھ دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے۔ میں اللہ سے ڈرتا ہوں۔ یہ کہہ کر میدان میں انہیں اکیلے چھوڑ گیا اور اپنی راہ لی۔ شیطان کے ان اعمال کی کیفیت ہمارے نزدیک مجہول ہے ، یہ ہماری سمجھ سے بالاتر ہے ، جیسا شیطان خود ہے ویسے ہی اس کے کام ہیں۔ کیفیت پر ہم کوئی بات نہیں کہہ سکتے۔ اور ہم اس کی تاویل میں مفتی محمد عبدہ کے سکول کی راہ میں بھی اختیار نہیں کر سکتے کہ ہر چیز جو آنکھوں سے اوجھل ہے۔ اس کی مادی تاویل کر دی جائے۔

علامہ رشید رضا نے یہی کہا ہے کہ شیطان کا قول وسوسہ اندازی کی قسم سے تھا ، وہ خود کسی صورت میں کفار کے سامنے نہیں آیا تھا اور جن مفسرین نے کہا ہے کہ شیطان میدان معرکہ میں محسوس طور پر آیا تھا ، انہوں نے غلط کہا ہے ، مطلب یہ ہے کہ جب لڑائی ٹھن گئی تو شیطان کی وسوسہ اندازی ختم ہو گئی۔ شیطان ف

لشکر مشرکین کے لشکر میں گھسا ہوا تھا اور وسوسہ اندازی کر رہا تھا۔ اور ادھر مومن لشکر میں فرشتے مسلمانوں کو نیکی اور ثابت قدمی کا الہام کرتے تھے، جس سے ان کے دلوں کو ثابت قدمی اور مضبوطی حاصل ہوئی۔

پس سید رشید رضا کے نزدیک شیطان نے کافروں کو صرف وسوسہ ڈالا اور ملائکہ نے مسلمانوں کو ثابت قدمی اور مضبوطی کا الہام کیا۔ ان کے نزدیک یہ ایک روحانی معاملہ تھا نہ کہ حسی اور مادی۔ اسی طرح قرآن کی اس تصریح کے باوجود کہ فرشتوں نے باذن اللہ جنگ بدر میں قتال کیا تھا:

"ان کی گردنوں کے اوپر مارو اور ان کی ہر پور پر مارو۔"

اسی طرح ان کی طیراً ابابیل کی یہ تاویل بھی عجیب مضحکہ انگیز ہے کہ یہ چیچک کے جراثیم تھے (پارہ عم تفسیر شیخ محمد عبدہ)، یہ امور غیبی کی تاویل ہے جو مبالغے پر مبنی ہے اور بلاضرورت ہے۔ کیونکہ صریح الفاظ اس کے خلاف ہیں، اس کی اجازت نہیں دیتے۔

منافقوں اور دلوں کے مریضوں کی کارروائی

شیطان تو مشرکوں کو اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اشتعال دے رہا تھا، مگر منافق اور ضعفِ ایمان کے مریض مسلمانوں کو بزدل بنانے، ان کے دل میں خوف پیدا کرنے اور انہیں جہاد کے میدان میں جانے سے روکنے میں مصروف تھے۔ وہ کہتے تھے کہ ایمانداروں کا باہر نکلنا خودکشی کے مترادف ہے، لہٰذا انہیں اس سے باز رہنا چاہیے۔

اس سلسلے میں ارشادِ خداوندی ہے:

"جب کہ منافق اور دلوں کے بیمار کہتے تھے کہ ان لوگوں کو ان کے دین نے مغرور کر دیا ہے، حالانکہ جو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرے تو اللہ تعالیٰ غالب ہے دانا ہے۔"

منافق اور دلوں کے بیماروں کے متعلق کہا گیا ہے کہ یہ وہ لوگ تھے جو مکہ میں اسلام کی طرف مائل ہوئے تھے، مگر ان کا عقیدہ تا حال صحیح نہ تھا اور ان کا دل اسلام پر مطمئن نہ تھا۔ یہ بحالتِ اضطراب مشرک لشکر کے ساتھ آئے تھے اور مسلمانوں کی قلت اور مشرکوں کی کثرتِ تعداد دیکھ کر یہ باتیں کہہ رہے تھے، یہ لوگ نصرت اور فتح کے اسباب سے بے خبر تھے، ان کی نظر صرف ظاہر پر تھی، بصیرت نہ تھی ورنہ معاملات کی گہرائی میں اترتے تو یہ نہ کہتے۔ انہیں معلوم نہ تھا کہ عقیدے کے اندر کونسی پوشیدہ قوت ہوتی ہے، نہ انہیں اللہ پر بھروسے اور اعتماد کی طاقت کا علم تھا۔ عقیدہ جب کسی کو قوت بخشتا ہے تو اس کے نزدیک تعداد اور تیاری اور دنیوی ساز و سامان بے حقیقت ہو جاتے ہیں۔ اس عقیدہ کے معدوم ہونے کے باعث ان منافقوں اور دل کے بیماروں نے ظاہری اموال سے دھوکا کھایا اور مسلمانوں کو فریب خوردہ کہا حالانکہ فریب خوردہ وہ خود تھے۔ ان کے نزدیک مسلمان ہلاکت میں جا رہے تھے۔ حالانکہ وہ خود ہلاکت کے مارے ہوئے تھے۔

جہاں تک ظاہری مادیات کا تعلق ہے بظاہر اس کا تعلق ایماندار دلوں اور ایمان سے خالی دلوں کے

Marfat.com

ساتھ ایک جیسا ہوتا ہے۔ لیکن ان ظاہری اسباب و علل کی قدر و قیمت لگانے میں اور سمجھنے میں فریقین کا شدید اختلاف ہے۔ بے ایمان دل صرف ان اسباب کو دیکھتے ہیں اور ان کی نگاہ اس سے آگے نہیں جاتی۔ لیکن ایماندار دل ان ظاہری اسباب و علل کے پیچھے جو حقیقی و واقعی حقیقت ہے اسے دیکھتے ہیں۔ یہ حقیقت تمام قوتوں پر مشتمل ہوتی ہے اور ان کا صحیح موازنہ کرتی ہے۔ یہ جو فرمایا ہے کہ:

"اور جو اللہ پر توکل کرے گا تو اللہ غالب ہے حکمت والا ہے۔"

غالب ہے کہ اس پر کسی اور کا غلبہ نہیں، حکیم ہے کہ ہر کام حکمت کے ساتھ انجام دیتا ہے، اسے اپنے اوپر بھروسہ کرنے والوں کی مدد سے کوئی روک نہیں سکتا، سو یہ جو کچھ فرمایا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ مومن قلوب اس چیز کو پاتے ہیں کہ اس سے مطمئن ہو جاتے ہیں، اور ایمان سے خالی دلوں سے جو چیز پوشیدہ ہے مومن دلوں میں اس کا کوئی وزن نہیں ہے۔ اسی سے ایمان کا پلڑا جھک جاتا ہے اور نتیجہ پختہ ہو جاتا ہے اور ہر زمان و مکان میں آخری فیصلے کے وقت یہی فرق نکلتا ہے۔

ان کے دین نے ان کو مغرور کر دیا ہے!

یہ ایمانداروں کے بارے میں منافقوں اور دل کے بیماروں کا قول تھا، جو انہوں نے جنگ بدر کی طرف اہل ایمان کی مطابقت کے متعلق کہا تھا۔ اور آئندہ بھی جب کبھی اس قسم کا واقعہ پیش آیا کہ مسلم جماعت طاغوتی لشکروں کے مقابلے میں بے کھٹکے باہر نکل آنے میں ہمت و حوصلہ سے کام لیا تو منافقوں اور دل کے مریضوں نے یہی کہا: ایمانداروں کی بنیادی تیاری اور پہلا ساز و سامان تو فقط ان کا دین ہے۔ یہ عقیدے کی غیرت ہے جو اللہ کی الوہیت کی خاطر اور اس کی حرمتوں کی خاطر گھروں سے باہر نکل آتی ہے، اور یہ توکل علی اللہ ہے کہ وہ اپنے دوستوں کی بالضرور مدد فرمائے گا۔ منافقوں اور دل کے بیماروں کا کردار یہ ہے کہ وہ خوف و خطر اور جہاد و قتال کے موقع پر رک جاتے ہیں، جب کہ مسلم جماعت طاغوتی لشکروں اور مجمعوں سے زور آزمائی کرتی ہے۔

اس جرأت و بسالت کے باعث مومن ان منافقوں کے ٹھٹھے کا ہدف بنتے ہیں کہ: غر ھٰؤلاء دینھم۔ یعنی وہ یہ جانتے ہیں کہ مومنوں کی قوت کا اصل مرکز و منبع یہ دین حق ہے۔ مومن خطرات میں کود جاتے تھے۔ خطرے کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔ لہٰذا اس بزدل منافق جماعت کے دل میں ایماندار جماعت کی طرف سے تعجب بھی تھا اور دہشت بھی۔ وہ اپنی عقل و فکر کی حد تک اس کی کوئی تعبیر نہ کر سکتے تھے۔ وہ ساری زندگی کو ایمان و عقیدہ سمیت ایک تجارت سمجھتے تھے، اس تجارت میں اگر نفع نظر آتا تو اس کی طرف بڑھتے ورنہ پیچھے ہٹ جاتے تھے ؎

اگر خواہی سلامت بر کنار است

یہ ان لوگوں کے خیالات ہیں جو معاملات کو دینی بصیرت کے ساتھ نہیں دیکھتے، نہ نتائج کو ایمان کی ترازو سے تولتے ہیں۔ مومن کے نزدیک تو دین ایک نفع کا سودا ہے۔ جس کا نتیجہ فتح و نصرت یا شہادت و جنت ہے اور یہ دونوں چیزیں مومن کے نزدیک بہت اچھی ہیں۔ لہٰذا وہ کسی حال میں

Marfat.com

بھی خسارے میں نہیں، پھر جہاں تک قوت کا سوال ہے، تو قوتیں مختلف ہوتی ہیں اور پھر اللہ بھی سب ظاہری اسباب کے اوپر موجود ہے۔ یہی بات ہے جو منافقین کی سمجھ میں نہیں آتی۔

مومن کی ترازو ایمان کی ترازو ہے، وہ ہر چیز کو اسی ترازو سے تولتا ہے۔ اس کے نزدیک عقیدے اور ایمان میں زمان و مکان کا اختلاف کوئی فرق نہیں ڈالتا۔ وہ اللہ کے نورِ ہدایت سے دیکھتا ہے۔ اس کے پاس ایک دائمی زندہ معیار ہے۔ جس پر وہ جب ضرورت ہو کسی بھی چیز کو پرکھ سکتا ہے۔ بس اللہ مومن کے لیے کافی ہے کیونکہ وہ غالب ہے حکیم ہے۔

میدانِ بدر میں قدرتِ الٰہی کا داخل ہونا!

آیات ۵۰ ——— ۵۴ میں قرآن نے معرکے کے مناظر میں سے ایک منظر میں ملائکہ کی دخل اندازی کو ——— باذن اللہ ——— پیش کیا ہے۔ فرشتے اللہ کے حکم سے کفار کی تعذیب و تانیب میں شامل ہوتے ہیں۔ ان کی ارواح کو بہت بُرے طریقے سے قبض کرتے ہیں اور ان کو ذلت آمیز اذیت دیتے ہیں۔ یہ ان کی اکڑ اور تکبر و غرور کی سزا ہے اور یہ سنتِ الٰہی ہے جو ہمیشہ سے جاری ہے۔ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ آلِ فرعون اور ان سے پہلے کفار کا نام لیا ہے۔ فرمایا ہے:

"اور اگر تو دیکھے اس حالت کو جب کہ ملائکہ کافروں کی جان قبض کرتے ہیں، ان کے منہ اور پشت پر ضرب لگاتے ہیں۔ اور کہتے ہیں: جہنم کا عذاب چکھو۔ یہ تمہارے ہاتھوں کے کئے ہوئے اعمال کا نتیجہ ہے اور بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے۔ جیسا کہ حال تھا آلِ فرعون کا اور ان سے پہلے لوگوں کا، انہوں نے اللہ کی آیات کا انکار کیا تو اللہ نے ان کو ان کے گناہوں کے باعث پکڑ لیا، بلاشبہ اللہ قوی ہے، سخت سزا دینے والا ہے، یہ اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو انعام کسی قوم پر کیا ہو اُسے بدلنے والا نہیں، حتیٰ کہ وہ خود اپنی حالت کو بدل ڈالیں، اور بلاشبہ اللہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے۔ جیسا کہ حال تھا آلِ فرعون کا اور ان سے پہلوں کا، انہوں نے اپنے رب کی آیات کی تکذیب کی تو ہم نے ان کو ان کے گناہوں کے باعث ہلاک کر دیا، اور آلِ فرعون کو غرق کر دیا۔ اور وہ سب ظالم تھے۔"

ان آیات میں سے پہلی دو آیتیں جن میں فرشتوں کے ان کی جان نکالنے اور انہیں عذاب دینے کا ذکر ہے (آیت ۵۰ ——— ۵۱) ان میں میدان معرکہ میں فرشتوں کے شامل ہونے کا ذکر ہے۔ پہلے گزر چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا تھا۔

"پس گردنوں کے اُوپر ضرب لگاؤ اور ان کی ہر پور پر ضرب لگاؤ، یہ اس لیے ہوا کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسولؐ سے دشمنی کی، اور جو اللہ اور اس کے رسولؐ سے عداوت رکھے تو اللہ اس کو شدید سزا دینے والا ہے۔"

اب ہمیں یہ تو معلوم نہیں کہ فرشتوں کے مارنے کی کیفیت کیا ہے۔ مگر یہ جہالت ہمیں اس بات پر آمادہ

Marfat.com

نہیں کرتی کہ ہم اس نص کی تاویل کر کے اسے ظواہر سے پھیر دیں۔ کیونکہ یہاں پر فرشتوں کو مارنے کا حکم موجود ہے۔ اور فرشتوں کی شان یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ اللہ کے حکم کی نافرمانی نہیں کرتے اور وہی کرتے ہیں جس کا انہیں حکم ملا ہو۔ یہ معنیٰ تو اس صورت میں ہے جب کہ ان آیات کا حکم جنگ بدر سے متعلق سمجھا جائے۔ مگر یہ ہو سکتا ہے کہ ان میں ایک دائمی حالت بیان کی گئی ہے کہ جب بھی فرشتے کافروں کی جان نکالتے ہیں تو یہی صورت پیش آتی ہے، اور اس صورت میں ؛ لو تریٰ کا خطاب ہر شخص کے لیے ہے۔ جب کہ پہلی صورت میں خطاب خاص جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہے۔ اور قرآنی خطابات میں بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ مخاطب کوئی خاص شخص نہیں ہوتا، بلکہ ہر شخص ہوتا ہے۔

بہر حال اس آیت کا خطاب خاص ہو یا عام، اس کے پہلے حصے میں تو وہ ذلت و خواری بیان کی گئی ہے جو کفار و مشرکین کی ارواح کو جسم سے جدا کرتے وقت انہیں دی جاتی ہے۔ اور پھر قہر کا خطاب انہیں کی طرف پھر جاتا ہے کہ :

"اور تم جہنم کا عذاب چکھو!"

اور فرمایا کہ یہ تمہارے کیے کا بدلہ ہے۔ اللہ تعالیٰ بندوں پر ظلم و زیادتی نہیں کرتا۔ اور پھر جہنم کے عذاب کے متعلق یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس میں ان کو بعث و حساب کے بعد مبتلاء کیا جائے گا یا مرتے ہی وہ عذاب جہنم میں مبتلا ہو جاتے ہیں؟ یہ دونوں صورتیں ہو سکتی ہیں، اس سے کوئی چیز مانع نہیں ہے۔

اگلی آیات میں یہ فرمایا گیا ہے کہ یہ عذاب و تذلیل انہی کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ قدیم سے یہ صورت کفار و مشرکین کے ساتھ چلی آتی ہے۔ فرمایا :

"آلِ فرعون کی حالت کی مانند اور ان کی طرح جو ان سے پہلے تھے انہوں نے اللہ کی آیات کا انکار کیا تو اس نے انہیں ان کے گناہوں کے باعث گرفت میں لے لیا، بلاشبہ اللہ قوی ہے، سخت سزا دینے والا ہے۔"

یعنی بندوں کو ایسی حالت میں نہیں چھوڑ دیا گیا جس میں ان سے کوئی پوچھ گچھ نہ ہو، جو کچھ بدر کے دن ہوا یہ ایک سنتِ جاریہ اور اسوۂ ماضیہ ہے۔ کوئی شخص یا قوم اپنی قوت سے اللہ کو عاجز کرنے کی طاقت نہیں رکھتی۔ جب پیمانہ بھر جاتا ہے تو عذابِ الٰہی کا نزول ہوتا ہے۔ عذاب بلاوجہ نہیں آیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنی نعمتوں کی بارش کی، انہیں اپنا فضل بخشا، زمین میں ٹھکانا دیا اور حاکم بنایا۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ امتحان کی غرض سے عطا کرتا ہے، تاکہ پتہ چلے کہ بندے شکر کرتے ہیں یا انکار کرتے ہیں، انہوں نے کفر و ناشکری کی روش اختیار کی، اللہ کے دیئے پر سرکش اور باغی ہو گئے۔ انعامِ الٰہی کے باعث بدل گئے۔ طاغوت و جبار بن گئے، کفر و فجور کا اظہار کیا۔ پھر اللہ کی آیات ان کے پاس آئیں تو انہوں نے ان کا بھی انکار کر دیا۔ اس وقت وہ سنت اللہ کے مطابق اللہ کی گرفت میں آ گئے، اس وقت اللہ تعالیٰ نے نعمت و فضل کو عذاب و عتاب میں تبدیل کیا، اور انہیں جڑ سے مٹا دیا۔

نعمت کی ناشکری کا انجام ہمیشہ ایک سا ہوا ہے کہ :

"یہ اس لیے ہوا کہ اللہ تعالیٰ کسی نعمت کو کسی قوم پر تبدیل کرنے والا نہ تھا، جب تک کہ وہ

Marfat.com

خود اپنے آپ کو تبدیل نہ کر دیں۔ اور بلاشبہ اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔ آلِ فرعون کی حالت کی مانند اور ان کی مانند جو ان سے پہلے تھے، انہوں نے اپنے رب کی آیات کی تکذیب کی تو ہم نے ان کو ان کے گناہوں کے باعث ہلاک کر دیا اور ہم نے آلِ فرعون کو غرق کر دیا۔ اور وہ سب ظالم تھے۔"

اس سے معلوم ہوا کہ آلِ فرعون اور ان سے پہلے لوگوں کی ہلاکت اپنے رب کی آیات کی تکذیب کے بعد ہوئی تھی۔ اور ان کے کافر ہونے کے باوجود اللہ سبحانہ نے انہیں اس سے قبل ہلاک نہ کیا تھا۔ کیونکہ یہی اس کی سنت و رحمت ہے:

"اور نہیں ہم عذاب دینے والے جب تک کہ کوئی رسول نہ بھیج لیں۔"

اور یہاں پر ان کی تعبیر اس نے یہ فرمائی کہ وہ آلِ فرعون اور ان سے پہلے لوگ تھے۔ جنہوں نے آیات اللہ کی تکذیب کی اور اس جرم کی پاداش میں ہلاک کیے گئے۔ وہ جرم کیا تھا؟ وہ ظلم تھا۔ یہاں پر ظلم کا لفظ کفر و شرک کے معنی میں بولا گیا ہے۔ اور قرآن کا غالب استعمال یہی ہے:

"بے شک شرک ہی بہت بڑا ظلم ہے۔ (لقمان)

بندوں کے معاملے میں عدل کی کارفرمائی

اس آیت پر ذرا غور کریں تو معلوم ہوگا کہ بندوں کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ کا عدل کارفرما ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے:

"یہ اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو نعمت کسی قوم پر کی ہو اُسے وہ بدلنے والا نہیں جب تک کہ وہ خود ہی اپنے آپ کو بدل لیں۔"

یعنی بندے جب تک اپنے آپ کو عذاب کا مستحق نہ بنا لیں۔ اللہ کی عطا کردہ نعمت بدلی نہیں جاتی جب تک وہ لوگ اپنی نیتوں، اعمال و افعال اور رویے کو نہ بدل لیں۔ اللہ تعالیٰ خواہ مخواہ اپنی نعمت ان سے نہیں چھینتا۔ جب وہ اپنے احوال و اوضاع کو تبدیل کر لیں، نعمت کا شکریہ ادا نہ کریں۔ ناشکری کی روش اختیار کریں۔ پھر ملاءِ اعلیٰ میں یہ فیصلہ ہوتا ہے کہ اگر اس قوم کو زیر و زبر کر دیا جائے تو مناسب ہے۔ پس ایک طرف تو اللہ تعالیٰ اپنے عدل کو کارفرما رکھتا ہے، دوسری طرف انسانیت اور انسان کی تکریم کو مدِنظر رکھتا ہے۔ اس کا رویہ انسان کے لیے اسی حالت کے پیشِ نظر ہوتا ہے جو رویہ وہ نعمت الٰہی کے لیے اختیار کرتا ہے۔ اللہ کی تدبیر و تقدیر تو بے شک انسان پر کارفرما ہوتی ہے۔ مگر وہ انسانی زندگی میں اس واقعی عملی تغییر پر منحصر ہوتی ہے جو حضرتِ انسان اپنے دل، نیت اور سلوک و عمل میں کارفرما رکھتا ہے۔ انسان اگر شکر کا رویہ اختیار کرے تو رضائے الٰہی پیش از پیش ہوتی ہے، دوسری صورت میں جب وہ ناشکری، تکبر و غرور اور اکڑفوں کا اظہار کرے تو نتیجہ انہی کے مطابق نکلتا ہے۔

Marfat.com

حقیقتِ انسانی میں اسلامی تصور و عقیدہ

یہ عظیم حقیقت انسانی حقیقت کے بارے میں اسلامی تصور کی ایک جانب کو پیش کرتی ہے کہ وجود کائنات میں اللہ کی تقدیر کا تعلق انسان سے کیا ہے؟ اس کائنات کے ساتھ خود اس کا تعلق کیا ہے؟ اسی پر غور کرنے سے انسانی وجود کا اللہ کے ہاں مقام معلوم ہوتا ہے۔ وہ انسان کو اپنی میزان میں، اپنی تقدیر میں بہت بلند مرتبہ دیتا ہے۔ انسان کی فاعلیت خود اس کے اپنے وجود میں اور اپنے ماحول میں کارفرما رہتی ہے۔ غور کریں تو ثابت ہوتا ہے کہ انسان کو اس کائنات میں ایک ایجابی عنصر کی حیثیت حاصل ہے۔ مادی مذاہب انسان کی سلبی و منفی تعبیر کرتے ہیں۔ ان کے ہاں انسان کو اس کائنات میں ایجابی حیثیت حاصل نہیں، بلکہ ان کے نزدیک یہ بھی ———— بقول آئن سٹائن ———— اس عظیم کائنات میں ایک ذرۂ بے مقدار ہے، اس کا مقابلہ اس کائنات میں بے رحم، جبار، بے پناہ حتمیات کے ساتھ ہے۔ اقتصادی حتمیت، تاریخ کی حتمیت ترقی و تنزل کی حتمیت، ان میں انسان کا اپنا کوئی رول نہیں۔ وہ اس کے نزدیک مجبور محض ہے۔ یہ ہے ماضیٔ قریب کے عظیم سائنسدان کا مبلغ علم! جب صرف مادہ مدنظر ہو تو انسان اسی طرح ٹھوکر کھاتا ہے۔ وہ انسان کے عمل، اس کی سوچ، اس کی ذہانت کا اس کی تقدیر سے کوئی تعلق نہیں مانتا۔ حالانکہ ان آیات کا اعلان یہ ہے کہ اللہ بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں (۵۱) ظلاّم مبالغے کا صیغہ ہے، اللہ کی سب صفات صفاتِ کمال ہیں، لہٰذا خدا نخواستہ اگر اس میں ظلم ہوتا تو وہ بھی بدرجہ آخر ہوتا!

اب ہم تفسیر میں آگے بڑھتے ہیں۔

إِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِندَ اللَّهِ الَّذِينَ كَفَرُوا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٥٥﴾ الَّذِينَ عَاهَدتَّ
مِنْهُمْ ثُمَّ يَنقُضُونَ عَهْدَهُمْ فِي كُلِّ مَرَّةٍ وَهُمْ لَا يَتَّقُونَ ﴿٥٦﴾
فَإِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِم مَّنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ
يَذَّكَّرُونَ ﴿٥٧﴾ وَإِمَّا تَخَافَنَّ مِن قَوْمٍ خِيَانَةً فَانبِذْ إِلَيْهِمْ عَلَىٰ
سَوَاءٍ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْخَائِنِينَ ﴿٥٨﴾ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ
كَفَرُوا سَبَقُوا ۚ إِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُونَ ﴿٥٩﴾ وَأَعِدُّوا لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم
مِّن قُوَّةٍ وَمِن رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ
وَآخَرِينَ مِن دُونِهِمْ لَا تَعْلَمُونَهُمُ اللَّهُ يَعْلَمُهُمْ ۚ وَمَا تُنفِقُوا

مِنْ شَيْءٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنتُمْ لَا تُظْلَمُونَ ﴿٦٠﴾ وَ
إِن جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۚ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ
الْعَلِيمُ ﴿٦١﴾ وَإِن يُرِيدُوا أَن يَخْدَعُوكَ فَإِنَّ حَسْبَكَ اللَّهُ ۚ
هُوَ الَّذِي أَيَّدَكَ بِنَصْرِهِ وَبِالْمُؤْمِنِينَ ﴿٦٢﴾ وَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ ۚ
لَوْ أَنفَقْتَ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مَّا أَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ وَلَٰكِنَّ
اللَّهَ أَلَّفَ بَيْنَهُمْ ۚ إِنَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٦٣﴾ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللَّهُ
وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿٦٤﴾ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ
عَلَى الْقِتَالِ ۚ إِن يَكُن مِّنكُمْ عِشْرُونَ صَابِرُونَ يَغْلِبُوا مِائَتَيْنِ ۚ
وَإِن يَكُن مِّنكُم مِّائَةٌ يَغْلِبُوا أَلْفًا مِّنَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ
لَّا يَفْقَهُونَ ﴿٦٥﴾ الْآنَ خَفَّفَ اللَّهُ عَنكُمْ وَعَلِمَ أَنَّ فِيكُمْ ضَعْفًا ۚ
فَإِن يَكُن مِّنكُم مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَغْلِبُوا مِائَتَيْنِ ۚ وَإِن يَكُن
مِّنكُمْ أَلْفٌ يَغْلِبُوا أَلْفَيْنِ بِإِذْنِ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ ﴿٦٦﴾
مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَن يَكُونَ لَهُ أَسْرَىٰ حَتَّىٰ يُثْخِنَ فِي الْأَرْضِ ۚ
تُرِيدُونَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللَّهُ يُرِيدُ الْآخِرَةَ ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ
حَكِيمٌ ﴿٦٧﴾ لَّوْلَا كِتَابٌ مِّنَ اللَّهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيمَا أَخَذْتُمْ
عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿٦٨﴾ فَكُلُوا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلَالًا طَيِّبًا ۚ وَاتَّقُوا
اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٦٩﴾ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُل لِّمَن فِي
أَيْدِيكُم مِّنَ الْأَسْرَىٰ إِن يَعْلَمِ اللَّهُ فِي قُلُوبِكُمْ خَيْرًا يُؤْتِكُمْ
خَيْرًا مِّمَّا أُخِذَ مِنكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٧٠﴾ وَ

Marfat.com

اِنْ یُّرِیْدُوْا خِیَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ فَاَمْكَنَ مِنْهُمْ ؕ
وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ ﴿۷۱﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا
بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَالَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْۤا
اُولٰٓىِٕكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ ؕ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یُهَاجِرُوْا
مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَایَتِهِمْ مِّنْ شَیْءٍ حَتّٰى یُهَاجِرُوْا ۚ وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ
فِی الدِّیْنِ فَعَلَیْكُمُ النَّصْرُ اِلَّا عَلٰى قَوْمٍۭ بَیْنَكُمْ وَبَیْنَهُمْ
مِّیْثَاقٌ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ﴿۷۲﴾ وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ
اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ ؕ اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِی الْاَرْضِ وَفَسَادٌ
كَبِیْرٌ ﴿۷۳﴾ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ
وَالَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْۤا اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ
وَّرِزْقٌ كَرِیْمٌ ﴿۷۴﴾ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا
مَعَكُمْ فَاُولٰٓىِٕكَ مِنْكُمْ ؕ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ
فِیْ كِتٰبِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿۷۵﴾

(ترجمہ) بلاشبہ بدترین جانور اللہ کے نزدیک کافر ہیں جو ایمان نہیں لاتے (۵۵) جن سے آپ نے عہد کیے اور انہوں نے ہر بار اپنا عہد توڑ دیا اور وہ ڈرتے نہیں (۵۶) پس اگر تو ان کو جنگ میں پائے تو ان کے سبب سے ان کے پچھلوں کو بھگا دے شائد کہ وہ نصیحت پائیں (۵۷) اور اگر تجھے کسی قوم سے خیانت (بد عہدی) کا خوف ہو تو ان کے عہد کو ان کی طرف علی الاعلان پھینک دیں، بلاشبہ اللہ بد دیانتوں کو پسند نہیں کرتا (۵۸) اور نہ گمان کریں کافر کہ وہ آگے بڑھ گئے ہیں، بلاشبہ وہ تھکا نہیں سکتے (۵۹) اور تیار کرو ان کے لیے جو تم سے ہو سکے قوت اور گھوڑے پالنا، جس کے ساتھ تم اللہ کے دشمن اور اپنے دشمن کو ڈراؤ گے، اور کچھ ان کے سوا اور بھی ہیں، تم ان کو نہیں جانتے، اللہ انہیں جانتا ہے، اور جو چیز بھی تم راہِ خدا میں خرچ

Marfat.com

کرو گے وہ تمہیں پوری واپس مے گی اور تم پر ظلم نہیں کیا جائے گا (۶۰) اور اگر وہ صلح کے لیے جھکیں تو تو بھی اس کے لیے جھک جا اور اللہ پر ہی توکل کر، بلاشبہ وہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے (۶۱) اگر وہ تجھے دھوکا دینا چاہیں تو بلاشبہ تیرے لیے اللہ کافی ہے، وہی ہے وہ اللہ جس نے تیری مدد کی اپنی نصرت کے ساتھ اور مومنوں کے ساتھ (۶۲) اور ان کے دلوں میں الفت ڈالی، اگر تو جو کچھ زمین میں ہے سب خرچ کر دیتا تو بھی ان کے دلوں میں الفت نہ ڈال سکتا، لیکن اللہ نے ہی ان میں الفت ڈال دی، یقیناً وہ غالب ہے، دانا ہے (۶۳) اے نبی! کافی ہے تیرے لیے اور جو مومن تیرے مطیع ہیں اُن کے لیے اللہ (۶۴) اے نبی! آمادہ کرو مومنوں کو قتال کے لیے، اگر تم میں سے بیس صابر ہوں گے تو وہ دو سو پر غالب آئیں گے اور اگر تم میں سے ایک سو ہوں گے تو ہزار کافروں پر غالب آئیں گے کیونکہ وہ ناسمجھ لوگ ہیں (۶۵) اب اللہ نے تم سے تخفیف کر دی اور معلوم کر لیا کہ تمہارے اندر بڑی کمزوری ہے سو اب اگر تم میں سے ایک سو صابر ہو تو دو سو پر غالب آئیں گے اور اگر تم میں سے ایک ہزار ہوں تو وہ دو ہزار پر غالب آئیں گے اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے (۶۶) کسی نبی کا یہ کام نہیں کہ اُس کے قیدی ہوں حتیٰ کہ وہ زمین میں خوب خونریزی کر لے۔ تم چاہتے ہو دنیا کا سامان اور اللہ آخرت چاہتا ہے اور اللہ غالب ہے دانا ہے (۶۷) اگر نہ ہوتا اللہ کا پہلے سے لکھا ہوا تو تمہیں اس فدیے میں جو تم نے لیا ہے بڑا عذاب پہنچتا۔ (۶۸) پس کھاؤ جو تم کو غنیمت ملی حلال ہے، پاک ہے اور اللہ سے ڈرو۔ بلاشبہ اللہ بہت بخشنے والا بہت مہربان ہے (۶۹) اے نبی! کہو اُن سے جو تمہارے ہاتھوں میں قیدی ہیں، اگر اللہ تمہارے دل میں خیر کا علم ہو گا تو وہ تم کو اس سے بہتر دے گا جو تم سے لیا گیا اور تمہیں بخش دے گا اور اللہ غفور ہے رحیم ہے (۷۰) اور اگر وہ تجھ سے بدعہدی کا ارادہ کریں تو وہ اس سے پہلے اللہ سے بدعہدی کر چکے ہیں، سو اس نے ان کو قابو میں کر دیا، اور اللہ خوب جاننے والا دانا ہے (۷۱) بلاشبہ وہ لوگ جو ایمان لائے اور ہجرت کی اور جہاد کیا اپنے مالوں کے ساتھ اور جانوں کے ساتھ راہِ خدا میں، اور وہ لوگ جنہوں نے پناہ دی اور مدد کی، یہ سب ایک دوسرے کے ولی ہیں (ذمہ دار ہیں) اور جو ایمان لائے اور ہجرت نہ کی تمہارا ان کی ولایت میں کوئی حصہ نہیں جب تک کہ وہ ہجرت نہ کریں اور اگر وہ تم سے دین میں مدد مانگیں تو تم پر مدد لازم ہے سوائے اس قوم کے خلاف کہ تم میں اور اس میں عہد ہے اور اللہ تمہارے اعمال سے خوب آگاہ ہے (۷۲) اور جو کافر ہیں وہ ایک دوسرے کے ولی ہیں، اگر تم ایسا نہ کرو گے (یعنی نصرت) تو زمین میں فتنہ پڑے گا اور بڑا فساد ہو گا (۷۳) اور جو ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور جنہوں نے ٹھکانا دیا اور نصرت کی وہی ہیں مومن برحق، ان کے لیے مغفرت اور باعزت روزی ہے (۷۴) اور جو ایمان لائے بعد میں اور ہجرت کی اور تمہارے ساتھ ہو کر جہاد کیا تو وہ بھی تم میں سے ہیں۔ اور رشتہ دار بعض بعضوں سے اللہ کی کتاب میں قریب تر ہیں۔ یقیناً اللہ

ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔(۷۵)

تعارف

سورۂ انفال کا یہ آخری درس صلح اور جنگ میں مختلف اقوام کے ساتھ معاملہ کرنے کے قواعد پر مشتمل ہے۔ اس میں اسلامی معاشرے کی داخلی تنظیمات کا بیان ہے، اور پھر خارجی تنظیمات کے ساتھ اسلامی معاشرے کے تعلقات کی نوعیت کیا ہونی چاہیئے؟ مختلف احوال میں عہد و میثاق کے متعلق اسلام کا نظریہ کیا ہے؟ اسی طرح خون، جنس اور زمین کے تعلقات سے کیا مراد ہے؟ اور مسلمانوں کے یہ تعلقات دوسروں کے ساتھ کیسے ہونے چاہییں؟ بہت سے قواعد و احکام یہاں پر مذکور ہیں، جن میں سے بعض تو انتہائی ہیں۔ اور بعض ہنگامی ہیں جن کا تعلق پیش آمدہ احوال کے ساتھ تھا۔ اس کے بعد سورۂ توبہ کے انتہائی احکام کا ان پر اضافہ ہوا۔ سورۂ توبہ مدنی زندگی کے بالکل اواخر کی ہے۔

ان قواعد و احکام کا مجمل بیان

(۱) مسلم حکومت کے ساتھ معاہدہ کرکے توڑنے والے بدترین جانور ہیں۔ اس لیے مسلم حکومت کا فرض ہے کہ ایسے لوگوں کو عبرتناک سزا دے تاکہ کسی اور کو یہ جرأت نہ ہو سکے۔

(۲) جن معاہدوں سے عہد شکنی کا اندیشہ ہو، اسلامی قیادت کا فرض ہے کہ ان کے عہد کو برسرعام لغو قرار دے دے اور اس کے بعد ان پر حملہ کرکے انہیں دوسروں کے لیے عبرت کا سامان بنائے۔

(۳) اسلامی حکومت کا فرض ہے کہ ہر وقت پوری فوجی تیاری رکھے، ہر قسم کا ضروری سامان حسب استطاعت تیار کرے۔ باطل قوتیں جب کیل کانٹے سے لیس ہوں تو حق کی قوت کو اس سے غافل نہیں ہونا چاہیئے، بلکہ حق کی قوت کو ہی زمین کی اعلیٰ ترین قوت ہونا چاہیئے، تاکہ اعدائے اسلام اسے یا مسلمانوں کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکیں۔ باہر کے حملہ آوروں کو مسلم قوت سے ہر وقت خائف رہنا ضروری ہے اور یہ تب ہی ممکن ہے جب کہ مسلمانوں کی قوت دنیا بھر میں اعلیٰ ترین اور اوّل درجے کی ہو۔ اس صورت میں کفار اپنے ملک کی مسلم اقلیت کو نقصان پہنچانے سے گریز کریں گے۔ اسلامی دعوت کا راستہ روکنے کی جرأت نہ کریں گے۔

(۴) جب غیر مسلم صلح و صفائی اور معاہدہ کرنا چاہیں تو مسلمان بے کھٹکے ان سے معاہدہ کر لیں۔ اسلام امن و سلامتی کا دین ہے۔ اگر ان کفار کے دل میں کھوٹ ہو گا تو بھی پرواہ نہیں، اللہ تعالیٰ حافظ و ناصر ہے۔

(۵) جہاد مسلمانوں پر فرض ہے، اللہ تعالیٰ انہیں اپنے فضل سے ان کے اور اللہ کے دشمنوں پر فتح دے گا اگرچہ دشمن تعداد میں ان سے کئی گنا ہوں۔ ایک مسلم دس غیر مسلموں پر بھاری ہے اور جب مسلمان نہایت ضعیف الایمان ہوں تب بھی نسبت ایک اور دو کی ہے۔ کہ ایک مسلم دو دشمنوں کا مقابلہ کرے گا، اور اس کے سامنے سے ہرگز منہ نہ پھیرے گا۔ فریضۂ جہاد یہ تقاضا کرتا ہے کہ مسلمان تعداد اور ساز و سامان پر کبھی بھروسہ نہ کریں۔ نہ اس کا انتظار کریں کہ اتنی تعداد اور اتنا سامان ہو گا تو پھر فریضہ ادا ہو سکے گا۔ صرف بقدر استطاعت

Marfat.com

تیاری کرنا اور سامانِ جہاد تیار کرنا ان کا فرض ہے۔ آگے معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے۔ مسلمان میدان میں ثابت قدم رہیں، صبر کریں اور نتیجہ اللہ پر چھوڑ دیں۔ اس لئے کہ مادی قوتوں کے علاوہ ان کے پاس ایک اور قوت بھی ہے۔

(۶) اسلامی سلطنت کا پہلا کام طاغوت کی قوت کو توڑنا ہے۔ اور وہ اس طرح ہو گا کہ اس کی قوت کے تمام اسباب کو برباد کر دیا جائے۔ لڑنے والے دشمنوں کو قید کرنا اور پھر فدیہ لے کر چھوڑ دینا اس مقصد اور ہدف کی راہ میں رکاوٹ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رسولوں کو اور ان کے اتباع کو قیدی نہیں بنانے چاہئیں جب تک کہ دشمنوں کی اچھی طرح خونریزی نہ کرلیں اور دشمنوں کی قوت کو پوری طرح برباد نہ کر دیں۔ جب دشمن بے بس ہو جائے۔ کسی کام کا نہ رہے تو اس وقت اسے قیدی بنانا یا جذبہ لے کر چھوڑ دینا درست ہو گا۔ اس سے پہلے نہیں۔ بلکہ اسے میدانِ قتال میں خوب اچھی طرح سے بے بس کیا جائے۔

(۷) جس طرح دشمنوں کی خونریزی کے بعد انہیں قیدی بنانا اور ان کا جزیہ لینا جائز ہے، اسی طرح مسلمانوں پر دشمن سے حاصل شدہ مالِ غنیمت بھی حلال ہے (پہلی امتوں پر یہ حلال نہ تھا!)

(۸) دارالاسلام میں غیر مسلم قیدیوں کو اسلام کی ترغیب دی جائے، بدعہدی کے انجام سے ڈرایا جائے اور اگر انہیں فدیہ لیکر چھوڑا جا رہا ہو تو اللہ کا یہ وعدہ یاد دلایا جائے کہ اگر وہ نیک نیت ہوں گے تو اللہ تعالیٰ انہیں بہت کچھ دے گا۔

(۹) اسلامی معاشرے میں اجتماع کی بنیاد عقیدہ ہے مگر جہاں تک ولاء کا تعلق ہے اس کے لئے عقیدے کے ساتھ تحریک بھی لازم ہے۔ مہاجر اور انصار ایک دوسرے کے ولی ہیں، ایمان لا کر ہجرت نہ کرنے والے دارالاسلام کی اندرونی ولاء سے خارج ہیں، یعنی ان کی مدد نہیں کی جا سکتی اور ان کی کفالت ہم پر نہیں، جب تک کہ وہ دارالکفر کو چھوڑ دیں۔ ہاں! اگر غیر مسلم ان پر ظلم و ستم کریں گے تو مسلمانوں پر ان مسلمانوں کی مدد واجب ہو گی بشرطیکہ کسی معاہد قوم کے خلاف نہ ہو۔

(۱۰) یہ حقیقت کہ اسلامی معاشرے میں جماعت اور ولاء کی بنیاد عقیدہ ہے۔ اس بات سے نہیں روک سکتی کہ رشتہ داروں کے ساتھ نیک سلوک کیا جائے۔ اور جو معاملات خونی رشتوں پر مبنی ہیں وہ اسی طرح چلیں گے جیسے کہ ہر معاشرے میں جائز حدود کے اندر چلتے ہیں۔ جب عقیدہ کے ساتھ رشتہ بھی مل جائے تو ایسے لوگوں کا تعلق دوسروں کی نسبت اقرب ہو جائے گا۔ لیکن جہاں صرف رشتہ ہو، عقیدہ نہ ہو، وہاں اسلامی ولاء کا کوئی سوال نہیں ہے۔

اس درس میں یہی مبادی و قواعد ہیں جنہیں ہم نے مجمل طور پر بیان کیا ہے۔ ان سے اسلامی نظام کے داخلی و خارجی قواعد کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ اب ہم تفسیر کے ضمن میں انشاء اللہ ان کو تفصیل سے بیان کریں گے۔

بدترین جانور

آیات ۵۵ ـــــــ ۶۳ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"بے شک اللہ کے نزدیک بدترین جانور وہ کافر ہیں، سو وہ ایمان نہیں لاتے، جن سے تو نے معاہدہ کیا، پھر وہ اپنا عہد ہر بار توڑ دیتے ہیں اور ڈرتے نہیں۔ اگر تو انہیں جنگ میں پلئے تو شدید سزا دے کر ان کے پچھلوں کو بھی بھگا دے تاکہ وہ یاد رکھیں۔ اگر تجھے کسی قوم سے بد دیانتی کا خوف ہو تو ان کا معاہدہ سرِعام پھینک دو، اللہ بد دیانتوں کو پسند نہیں کرتا، اور کافر یہ نہ سمجھیں کہ وہ آگے گزر گئے ہیں، یقیناً وہ عاجز نہ کریں گے۔ اور ان کی خاطر حسبِ استطاعت قوت تیار رکھو اور گھوڑے پالو، اس کے ساتھ تم اللہ کے دشمنوں کو اور اپنے دشمنوں کو ڈراؤ گے اور ان کے سوا کچھ اور بھی ہیں جن کو تم نہیں جانتے، اللہ ان کو جانتا ہے اور تم جو کچھ اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے وہ تمہیں پورا واپس ملے گا اور تم پر ظلم نہ کیا جائے گا۔ اور اگر وہ صلح کے لیے جھکیں تو تو بھی اس کے لیے جھک جا، اور اللہ پر بھروسہ کر۔ یقیناً وہ سب کچھ سننے والا سب کچھ جاننے والا ہے، اور اگر وہ چاہیں کہ تجھ کو دھوکا دیں تو بلاشبہ اللہ تیرے لیے کافی ہے۔ وہ وہی ہے جس نے تیری تائید اپنی نصرت کے ساتھ اور ایمانداروں کے ساتھ کی اور ان کے دلوں میں الفت ڈالی، تو اگر زمین کا سب کچھ خرچ کر دیتا تو بھی ان میں الفت نہ ڈال سکتا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں الفت ڈال دی۔ یقیناً وہ غالب ہے دانا ہے۔"

غیر مسلموں کی مسلسل عہد شکنی غیر انسانی فعل ہے

ان آیات کا تعلق ان احوال کے ساتھ جو بالفعل ان کے نزول کے وقت مسلم جماعت میں قائم تھے۔ یہ مدینہ میں ایک مسلم دولت کی نشو و نما کا وقت تھا۔ ان حالات میں جن احکام کی ضرورت تھی وہ ان آیات میں مذکور ہیں۔ اسلامی معاشرے اور اس کے ارد گرد غیر اسلامی معاشروں میں جو خارجی تعلقات تھے ان کا ایک بنیادی قاعدہ ان آیات میں آیا ہے۔ بعد میں اس پر کچھ تکملوں اور تفصیلات کا ہی اضافہ ہوا تھا، اصل قاعدے اور قانون یہی تھے۔ اس قاعدے کا مطلب یہ ہے کہ اگر غیر مسلموں کے ساتھ عہد و پیمان کو ٹوٹنے سے بچایا جا سکے تو اسلامی حکومت اور غیر اسلامی حکومتوں اور معاشروں میں عہد و پیمان ہو سکتے ہیں، ان عہود و قوانین کو پورا پورا احترام ملنا چاہیئے۔ لیکن جب دوسرا فریق معاہدے کو اپنی بے ایمانی، بد عہدی، فریب اور دھوکا بازی کے لیے پردہ بنائے اور غیر معاہدانہ شریرانہ حرکات سے باز نہ رہے تو پھر مسلم قیادت کا فرض ہوگا کہ اس عہد و پیمان کو پھینک دے اور عہد کی عدم موجودگی کا اعلان کر دے اور مناسب وقت پر خائنوں اور غداروں پر چوٹ لگانے کا اختیار رکھنے میں آزاد ہو جائے۔ پھر یہ ضرب ایسی کارگر ہانی ضروری ہے کہ ہر وہ شخص اسے دیکھ کر کانپ جائے جو مسلم جماعت کو نقصان پہنچانے کا ارادہ رکھتا ہو، اور اس کے خلاف پوشیدہ یا علانیہ سازش کرنے کا داعیہ اس کے اندر ہو۔ جو لوگ عہد شکن نہ ہوں، مسلم حکومت کو نقصان نہ دیں، ان کی کسی حرکت سے ان کی شرارت کا پتہ نہ چلتا ہو، وہ اسلامی دعوت کے سامنے رکاوٹ کھڑی نہ کریں

Marfat.com

تو ان کے اس ظاہری میلان کو عہد و پیمان باندھنے کے لئے بنیاد بنایا جا سکتا ہے اور ان سے صلح و صفائی کا معاہدہ کیا جا سکتا ہے۔

جن حالات میں یہ آیات نازل ہوئی تھیں ان کا خلاصہ حافظ ابن قیم الجوزیہ نے زاد المعاد میں بیان کیا ہے اور وہ یہ ہے: "جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے تو آپ کے ساتھ کفار تین اقسام ہو گئیں۔ ایک قسم صلح کے معاہدے کرنے والوں کی تھی۔ ان سے یہ عہد ہوا کہ وہ آپ سے جنگ نہ کریں گے۔ آپ کے خلاف کسی کی مدد نہ کریں گے۔ اور آپ کے دشمنوں سے دوستی نہ کریں گے۔ ان کو کافر ہونے کے باوجود جان و مال کی امان دی گئی۔ دوسری قسم آپ سے جنگ کرنے والوں اور عداوت کا اظہار کرنے والوں کی تھی۔ تیسری قسم وہ تھی جنہوں نے نہ معاہدہ کیا نہ آپ سے جنگ کی۔ بلکہ اس انتظار میں رہے کہ آپ کا اور اعدائے اسلام کا انجام کیا ہوتا ہے۔ ان میں سے بعض وہ تھے جو دل سے آپ کی کامیابی اور غلبہ چاہتے تھے۔ اور بعض وہ تھے جو آپ کے دشمنوں کا غلبہ اور کامیابی چاہتے تھے۔ بعض وہ تھے جو بظاہر معاہدے میں آپ کے ساتھ شامل ہو گئے مگر اندر سے دشمنوں کے ساتھ ملے ہوئے تھے۔ ان کو منافق کہا جاتا تھا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے ہر فریق کے ساتھ اللہ کے حکم اور وحی کے مطابق معاملہ فرمایا"۔

آپ کے ساتھ معاہدہ صلح کرنے والوں اور مدینہ کے تین یہودی قبیلے: بنو قینقاع، بنو النضیر اور بنو قریظہ بھی تھے۔ اور اسی طرح مدینہ کے آس پاس بعض مشرک قبائل نے بھی آپ کے ساتھ معاہدے کئے تھے اور یہ بالکل ظاہر ہے کہ یہ حالات ہنگامی اور وقتی تھے۔ اسلامی حکومت کے لئے انتہائی اور آخری احکام و قوانین نہ تھے۔ بعد ازاں ان میں کچھ تغیر و تبدل بھی ہوا اور سورۃ البراۃ کے نزول پر آخری احکام اتر آئے۔ یہ تعلقات جن مراحل میں سے گزرے اس کا ذکر پارہ ہم میں ہو چکا ہے۔ مگر ہم اسے یہاں نقل کرنا مناسب سمجھتے ہیں۔ یہ امام ابن القیم کا بیان ہے۔ جس کو انہوں نے زاد المعاد کی خاص فصل میں درج کیا ہے۔

کفار و منافقین کے ساتھ آپ کے سلوک کے مراحل

آنجناب کی بعثت سے لے کر رحلت تک مختلف احوال و مراحل میں آپ کا جو اسوہ رہا وہ یہ تھا کہ پہلی وحی میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے خالق کے نام کے ذکر کا حکم دیا تھا۔ یہ نبوت کی ابتدا تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ اپنے دل میں پڑھیں۔ ابھی تبلیغ کا حکم نہ ملا تھا۔ پھر آپ پر یہ حکم اترا کہ:

"اے مدثر! اٹھ اور انذار کر"

پس اللہ تعالےٰ نے لفظ اقرأ کے ساتھ آپ کو نبی بنایا۔ اور سورۂ مدثر میں حکم تبلیغ دے کر آپ کو رسول بنایا۔ پھر آپ کو یہ حکم دیا گیا کہ اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرائیں۔ پھر آپ نے اپنی قوم کو ڈرایا اور پھر ان کے اردگرد کے عربوں کو ڈرایا۔ پھر سارے عرب کو انذار کیا۔ پھر تمام جہان والوں کو ڈرایا۔ ابتدائی نبوت کے تیرہ سال بعد تک آپ صرف دعوت کے ساتھ انذار کا فریضہ ادا کرتے رہے۔ نہ قتال تھا، نہ جزیہ، اور آپ کو ہاتھ روکنے، صبر اور درگزر کرنے کا حکم دیا جاتا رہا۔ پھر اللہ تعالےٰ نے آپ کو ہجرت کا حکم دیا اور قتال کی اجازت

Marfat.com

دی، پھر یہ حکم دیا کہ ان لوگوں کے ساتھ لڑیں جو آپؐ سے لڑتے تھے، اور جو الگ رہے اور قتال نہ کرے اس سے نہ لڑیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو مشرکوں کے ساتھ قتال کا حکم دیا حتیٰ کہ حکم سب اللہ ہی کا ہو جائے۔

جہاد کے حکم کے بعد آپؐ کے ساتھ کفار کی تین قسمیں تھیں:

ا۔ اہل صلح و معاہدہ۔

ب۔ اہل جنگ و قتال۔

ج۔ اہل ذمہ۔

پس اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ عہد اور صلح والوں کا عہد پورا کریں اور جب تک وہ عہد پر قائم رہیں آپؐ ان کا عہد نبھائیں۔ اور اگر ان سے خیانت کا اندیشہ ہو تو ان کا عہد واپس کر دیں اور ان سے اس وقت تک قتال نہ کریں جب تک کہ انہیں عہد کے ٹوٹ جانے کی خبر نہ دے دیں۔ اور عہد شکنوں کے ساتھ قتال کا حکم دیا۔ اور جب سورۂ براءۃ اتری تو اس میں ان تمام اقسام کا حال بتا دیا گیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو حکم دیا کہ اہل کتاب میں سے اپنے دشمنوں کے ساتھ اس وقت تک لڑیں جب تک کہ وہ یا اسلام میں داخل نہ ہو جائیں، ورنہ پھر جزیہ ادا کریں۔ اور اللہ نے آپؐ کو کفار اور منافقین کے ساتھ جہاد کرنے کا اور ان پر سختی کرنے کا حکم دیا۔ پس آپؐ نے کافروں کے ساتھ تلوار اور نیزے کے ساتھ جہاد کیا اور منافقین کے ساتھ دلیل اور زبان کے ساتھ جہاد کیا۔ اور اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو حکم دیا کہ کفار کے عہد و میثاق کو ان کی طرف پھینک دیں، اور اہل عہد کو اس سلسلے میں تین اقسام میں تقسیم فرمایا۔

پہلی قسم ان لوگوں کی تھی جنہوں نے عہد شکنی کی تھی اور آپؐ کے ساتھ اپنی بات پر قائم نہ رہے تھے۔ پس آپؐ نے ان سے جنگ کی اور ان پر غالب آ گئے۔

دوسری قسم ان لوگوں کی تھی جن کے ساتھ ایک مدت تک کا عہد تھا اور انہوں نے عہد شکنی نہ کی تھی نہ آپؐ کے کسی دشمن کی آپؐ کے خلاف مدد کی تھی، ان کے متعلق اللہ تعالیٰ کا حکم یہ تھا کہ ان کی مدت عہد تک ان کا عہد نبھایا جائے۔

تیسری قسم ان لوگوں کی تھی کہ نہ ان کے ساتھ عہد تھا، نہ انہوں نے آپؐ سے جنگ کی تھی، یا ان کا غیر معین مدت تک کے لیے عہد تھا، پس ان کے لیے یہ حکم دیا گیا کہ انہیں چار ماہ کی مہلت دی جائے جب وہ مدت گزر جائے تو پھر ان کے ساتھ قتال ہو گا پس عہد شکنوں سے آپؐ نے قتال کر کے انہیں قتل کر دیا، جن کا کوئی عہد نہ تھا، یا جن کا غیر معین عرصے کا معاہدہ تھا، انہیں چار ماہ کی مہلت دی گئی۔ عہد پورا کرنے والوں کے عہد کو پورا کرنے کا آپؐ کو حکم دیا گیا اور یہ سب لوگ اسلام لے آئے اور مدتِ معاہدہ تک کفر پر نہ رہے اور اہلِ ذمہ پر آپؐ نے جزیہ لگا دیا" الخ

سورۃ الانفال درمیانے درجے کے مرحلے کو بتاتی ہے

گزشتہ اچھی تلخیص کو دیکھنے، واقعات سیرۃ کی مراجعت کرنے، سورت کے نزول اور ان احکام کے متضمن آیات کے نزول کی تاریخ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ سورۂ انفال جس میں سے ہم اس وقت گزر رہے

Marfat.com

ہیں۔ اس درمیانی مرحلے کی نمائندگی کرتی ہے، جو مدنی زندگی کے ابتدائی حال اور سورۂ برات کے نزول کے بعد کے حال کے وسط میں واقع تھا۔ ان آیات کو ان اعتبارات کی روشنی میں دیکھنا ضروری ہے۔ باوجودیکہ یہ آیات بعض بنیادی قواعد بتاتی ہیں، تاہم یہ ان قواعد کی آخری اور کامل صورت نہیں ہے۔ آخری صورت ان کی سورۂ برأۃ نے بتائی تھی۔ اور ان کی عملی تطبیق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے آخری حصے میں ہوئی تھی۔ یہ جو کچھ بیان ہوا ہے اس کی روشنی میں ہم نصوص قرآنیہ کو دیکھیں گے۔

کافروں کو شر الدواب کیوں فرمایا گیا؟

آیت ۵۵ میں جو فرمایا گیا ہے کہ:

"بلاشبہ بدترین جانور اللہ کے نزدیک وہ لوگ ہیں جو کافر ہیں اور وہ ایمان نہیں لاتے۔ وہ لوگ جن سے تو نے معاہدہ کیا پھر وہ ہر بار اپنا عہد توڑ دیتے ہیں اور وہ ڈرتے نہیں"

اس میں لفظ دواب اگرچہ زمین پر چلنے والی سب مخلوق پر بولا جاتا ہے، اور اس لحاظ سے انسانوں کو بھی مشتمل ہے، مگر جب یہ لفظ آدمیوں پر بولا جائے تو ایک خاص معنیٰ دیتا ہے، یعنی وہ آدمی جس پر یہ بولا جائے وہ جانور ہے۔ پھر یہ آدمی جو دواب ہیں شر الدواب کہلاتے ہیں، یعنی زمین پر چلنے والی۔ رینگنے والی ساری مخلوق سے بدتر۔ اور یہ وہی ہیں جن کا کفر انہیں کسی حالت میں ایمان کی طرف نہیں آنے دیتا۔ بار بار عہد شکنی کرتے ہیں اور ایک بار بھی اللہ کا خوف نہیں کرتے۔ یہ خصلت بہائم میں بھی نہیں پائی جاتی، اس لیے کافر انسان ہوتے ہوئے جب جانوروں سے بدتر کام کرتے ہیں تو وہ جانوروں سے بدتر ہوئے۔

شر الدواب کون لوگ ہیں؟

اس بارے میں کئی روایات وارد ہوئی ہیں کہ شر الدواب سے مراد کون لوگ ہیں۔ بعض کی رو سے وہ بنی قریظہ ہیں۔ بعض کے مطابق بنو نضیر ہیں۔ بعض نے کہا کہ وہ بنو قینقاع ہیں۔ بعض یہ ہے کہ ان سے مراد مدینہ کے گرد و نواح کے مشرک ہیں، قرآنی نص اور تاریخی واقعات ہر دو میں یہ احتمال موجود ہے کہ ان سے مراد یہ سب لوگ ہیں۔ کیونکہ یہودیوں نے یکے بعد دیگرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیے ہوئے عہد توڑ ڈالے تھے، اور یہ بات بھی ثابت ہے کہ مشرک بھی عہد توڑتے رہے ہیں۔

اہم بات یہ ہے کہ ہمیں یہ معلوم رہے کہ یہ آیت جنگ سے پہلے کی اور اس کے بعد کی حالت کی خبر دیتی ہے، لیکن اس میں عہد شکنوں کی جو صفت بیان کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ انہوں نے بار بار عہد شکنی کی گویا عہد شکنی ان کی ایک ثابت شدہ صفت تھی۔ اس لیے فرمایا ہے کہ یہ لوگ کفر میں داخل ہو چکے ہیں، ایمان نہ لائیں گے، ان کی فطرت فاسد ہے، اس بنا پر اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ شر الدواب ہیں۔ عہد کی پابندی زبان کی پاسداری کرنا، ایک اعلیٰ انسانی صفت ہے، اور جو لوگ اس سے خالی ہیں وہ انسانیت سے عاری ہو چکے ہیں۔ وہ ہر اچھی انسانی صفت سے خالی ہیں، کسی قاعدے ضابطے کے پابند نہیں، جانوروں کی مانند مادر پدر آزاد ہیں، بلکہ جانور تو پھر بھی بعض فطری قواعد و ضوابط کے پابند ہیں اور یہ ان سے بھی آزاد ہیں

Marfat.com

پس اس طرح یہ بہائم سے بھی گئے گزرے ہیں۔

عہد شکنوں کی سزا کیا ہے؟

یہ لوگ جن کے عہد و پیمان پر کوئی بھروسہ نہیں کر سکتا، ان کی سزا یہ ہے کہ جس طرح انہوں نے دوسروں کو امن سے محروم کر دیا ہے، اسی طرح ان کو امن سے محروم کیا جائے۔ انہیں ڈرایا جائے، بھگایا جائے، انہیں وہ سزا دی جائے جو صرف ان کے لیے سزا نہ ہو بلکہ اوروں کے لیے بھی باعث عبرت و نکال ہو۔ ان جیسوں کو ان کی سزا سن کر جسم پر کپکپی طاری ہو جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل ایمان کو ایسے لوگوں کے متعلق یہ حکم دیا گیا ہے کہ انہیں ایسی سزا دیں۔

"میدان جنگ میں پا کر ان کی ایسی پٹائی کریں کہ ان کے پچھلوں تک کو عبرت حاصل ہو جائے۔" (آیت ۵۷)

اس آیت میں فشرد بھم من خلفھم کی تعبیر بہت عجیب ہے، یہ ایک خوفناک گرفت کی تصویر پیش کرتی ہے۔ اس سے ایک ہولناک رعب سامنے آتا ہے جسے سن کر ہی مجرم بھاگنے لگیں، پھر اس شخص کا کیا حال ہو گا جس پر یہ خوفناک عذاب نازل ہو گا! یہ ایک خوفناک ضرب ہے جس کے لگانے کا اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا تھا۔ یہ عہد شکنی پر ڈٹ جانے والوں کی سزا تھی، انہوں نے انسانیت کے ضوابط کو ترک کر دیا۔ مقصد اس کا یہ ہے کہ:

(۱) اسلامی معاشرے کو پر امن ماحول میسر آئے اور عہد شکنوں کی نت نئی عہد شکنیوں سے ان کا سکون درہم برہم نہ ہو۔

(۲) اسلامی معاشرے کے خلاف خروج کرنے والوں کو برباد کیا جائے اور اسلامی دریا کے بہاؤ کے سامنے بند باندھنے والا خواہ کوئی ہو، اس کی قوت کو تباہ کیا جائے تاکہ کوئی دوسرا اس قسم کی حرکت کے متعلق سوچ ہی نہ سکے۔

دین کی شان و شوکت اور رعب و داب ضروری ہے

مومن جماعت کے قلوب میں اسلام کی اس فطرت کا جاگزیں ہونا ضروری ہے کہ دین اسلام میں ہیبت، قوت، سطوت، اور طاغوتوں کے لیے زلزلہ افگن رعب کا ہونا سخت ضروری ہے۔ یہ اس لیے کہ اسلام جب زمین میں انسان کی آزادی کے لیے آگے بڑھنا چاہتا ہے تو کسی کو اس کے بہاؤ کے آگے کھڑا ہونے کی اجازت نہ ہونی چاہیے۔ لا الہ الا اللہ کا کلمہ جو محمد رسول اللہ نے پیش کیا اس کا یہی مطلب ہے۔ دین صرف زبانی دعوت و تبلیغ کا نام نہیں ہے، یہ ایک زندہ تحریک ہے جو کائنات میں انقلاب برپا کرنا چاہتی ہے۔ صرف زبانی دعوت و تبلیغ کو جو لوگ دین سمجھ بیٹھے ہیں وہ اسلام کی فطرت سے نابلد ہیں۔ یہ حکم جو بیان ہوا، اس کا تعلق عہد شکنی کی حالت کے ساتھ ہے۔ آگے دوسرا حکم ہے جس کا تعلق عہد شکنی کے اندیشے اور خوف کے ساتھ ہے۔

Marfat.com

عہد شکنی کے اندیشے کا علاج!

کسی قوم سے عہد شکنی کا اندیشہ اس وقت پیدا ہوتا ہے جب اُن سے کچھ علامات اور افعال سرزد ہوں جو ان کی بدنیتی اور بُرے ارادوں پر دلالت کریں اور خدشہ ہو کہ اب یہ عہد شکنی چاہتے ہیں۔ اس کا یہ علاج اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ:

"اور اگر تجھ کو کسی قوم سے خیانت کا خوف ہو تو ان کا عہد برسرِ عام ان پر دے مار، بلاشبہ اللہ بد دیانتوں کو پسند نہیں کرتا"

اسلام اس معاہدے کا قائل ہے جس کی حفاظت ہو، یہی سبب ہے کہ جب غیروں سے خیانت کا خوف ہو تو اس کا حکم ہے کہ معاہدہ برسرِ عام توڑا جائے، خیانت اور غداری نہ کی جائے، دھوکا اور فریب نہ دیا جائے۔ دوسروں سے خیانت کے خطرے کے وقت انہیں پکار کر ان کا عہد ان پر دے مارنا ہی دیانت و امانت کا تقاضا ہے۔ اور جب عہد کے اختتام کا اعلان کر دیا گیا تو اب فریقین کے درمیان سے امان اٹھ گئی۔ اس قسم کی تعلیمات سے اسلام بشریت کو شرف و استقامت کے آفاق میں بلند کرتا ہے اور امن و طمانیت کی چوٹیوں پر کھڑا کرتا ہے۔ وہ غفلت، فریب اور دھوکے سے دوسروں پر حملہ آور ہونے کی اجازت نہیں دیتا۔ اگر لڑنا ہے تو پہلے ان کا معاہدہ برسرِ عام ختم کرو تاکہ دشمن کسی غلط فہمی میں نہ رہیں۔ اور معاہد کا عہد توڑنے کی اجازت تب دیتا ہے، جب کہ اس سے پہلے غداری و خیانت کا اندیشہ ہو۔ ہاں جب عہد ٹوٹ گیا تو پھر الحرب خدعۃ کے مطابق دشمن کے خلاف ہر جائز تدبیر اختیار کی جاسکتی ہے، اس وقت اس سے فریب کرنا ایک جنگی تدبیر ہوگی۔ کیونکہ وہ پورا مستعد اور ہوشیار ہوگا۔ اسلام غلبے کی غرض سے غدر کی اجازت نہیں دیتا اس کے مقاصد بلند ہیں، جن کے حصول کے لیے وہ گھٹیا ذرائع اختیار کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ وہ خیانت کو ناپسند کرتا ہے اور عہد شکنوں کو حقیر جانتا ہے۔ اعلیٰ و ارفع مقاصد کے حصول کے لیے وہ عہد شکنی کو گوارا نہیں کرتا، نفسِ انسانی ایک اکائی و وحدت ہے جس کے اجزاء کو الگ الگ نہیں کیا جاسکتا۔ جب وہ اپنے لیے گھٹیا وسیلہ حلال بنالے تو یہ ممکن نہیں ہے کہ پھر اس کا مقصد بلند رہ سکے۔ مقصد کو وسیلے پر قربان کر دینا مسلم کا کام نہیں ہے۔ یہ بات اسلامی حس پر بہت عجیب و غریب اور بیگانہ ہے۔

اللہ خیانت کاروں کو ناپسند کرتا ہے

اُوپر جو کچھ بیان ہوا ہے اسی کے پیشِ نظر اسلام نے خیانت کو حرام ٹھہرایا ہے، اور اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ خیانت کاروں کو ناپسند کرتا ہے: ان اللہ لا یحب الخائنین۔ یہاں یہ بیان کرنا بھی ضروری ہے کہ جب یہ احکام نازل ہو رہے تھے تو انسانیت اس قسم کے قوانین و ضوابط سے بالکل نا آشنا تھی، جنگ کے فریقوں کا قانون جنگل کا قانون تھا۔ دوسرے لفظوں میں جسے غیر مقید قوت کا قانون کہا جاتا ہے، جب بھی کسی میں قدرت ہوتی تو وہ جو چاہتا کرتا۔ کوئی اسے روکنے والا اور کوئی قانون اسے باز رکھنے والا نہ تھا۔ ۱۸ ویں صدی عیسوی تک تمام جاہلی معاشروں میں یہی قانون کارفرما ہے۔ اس زمانے میں یورپ بین الاقوامی معاملات کے متعلق

صرف وہی کچھ جانتا تھا جو وہ عالم اسلامی کے ساتھ تعامل میں سیکھتا تھا۔ مگر وہ اس لمحے تک بھی اس بلندی تک نہیں پہنچا جہاں اسلام ہے۔ حتیٰ کہ بین الاقوامی قانون نامی چیز کو فطری طور پر جان لینے کے بعد بھی وہ پہلے کی مانند ہے۔ جو لوگ اسلام کے قانونی ارتقاء اور فنی طور پر قانون میں اس کی ترقی و تقدم پر حیران ہیں، انہیں اسلام اور زندگی کے تمام معاملات میں اسلام اور غیر اسلام کا مقابلہ کرنا چاہیئے تاکہ پتہ چلے واقعی حقیقت کیا ہے؟ وہ یہ ہے کہ اسلام ہر میدان میں بہت ارفع و اعلیٰ اور بہت آگے ہے۔

کافر یہ نہ سمجھیں کہ آگے نکل گئے ہیں!

آیت ۵۹ میں ارشادِ خداوندی ہے کہ:

"کافر یہ ہرگز نہ سمجھیں کہ سبقت لے گئے ہیں، وہ عاجز نہ کر سکیں گے"

غدر و خیانت انہیں سبقت کی فرصت مہیا نہ کرنے گی کیونکہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اکیلا نہیں چھوڑے گا۔ اور خائنوں کو ان کی خیانت کی خاطر موقع نہ دیئے رکھے گا۔ اللہ کی طلب کے وقت کافر عاجز ترین مخلوق ہو گی، اور وہ مسلمانوں کو عاجز کرنے کی طاقت بھی نہ رکھیں گے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کا مددگار ہو گا، جب جائز اور پاکیزہ وسائل والے لوگ اپنی نیت کو اللہ کے لیے خالص کر لیں تو انہیں یہ اطمینان رکھنا چاہیئے کہ خسیس وسائل والے ان پر غالب نہ آ جائیں گے۔ وجہ یہ ہے کہ وہ اللہ کی سنن کو زمین میں ثابت کرتے، اس کے کلمے کو لوگوں پر بلند کرتے اور اس کا نام لے کر آگے چلتے ہیں، وہ اس لیے جہاد کرتے ہیں کہ بندوں کو بندوں کی غلامی سے آزاد کرائیں اور ایک اللہ وحدہٗ کی غلامی کی طرف بلائیں۔ لیکن اسلام کامیابی کے لیے ضروری سامان اختیار کرنے کا حکم دیتا ہے، جو کہ مسلم جماعت کے احاطۂ اختیار میں ہو۔ وہ بلند آسمان کی طرف آنکھیں اٹھانے کا حکم نہیں دیتا جب تک کہ مضبوط زمین پر اس کے پاؤں جمانے کی جگہ نہ مل جائے۔ اور ان عملی اسباب کو اختیار کرنے کا حکم دیتا ہے۔ جن کی فطرت تائید کرتی ہے اور تجربے تصدیق کرتے ہیں، اگلی آیت کا حکم اسی سلسلے میں ہے:

حسب استطاعت قوت تیار کرو

"اور ان کے لیے اس قدر قوت تیار کرو جو تم سے ہو سکے، اور گھوڑے پالو، اس تیاری کے ساتھ تم اللہ کے دشمن کو اور اپنے دشمن کو ڈراؤ گے، اور ان کے علاوہ کچھ اور دشمن بھی ہیں، جنہیں تم نہیں جانتے مگر اللہ جانتا ہے۔ اور جو چیز بھی تم راہِ خدا میں خرچ کرو گے وہ تمہیں پوری دی جائے گی اور تمہاری حق تلفی نہ ہو گی" (آیت: ۶۰)

اس آیت کی رو سے اپنی طاقت کے مطابق تیاری کرنا بھی جہاد کی مانند فرض ہے، نص نے قوت کا لفظ بولا ہے۔ جو ہر قسم کی قوت پر مشتمل ہے۔ ہر زمانے میں جو چیز قوت ہو گی اسی کو تیار کرنے کا حکم ہے گھوڑوں کا ذکر اس لیے فرمایا گیا کہ نزولِ قرآن کے وقت میں یہی قوت رائج تھی۔ اگر ان کو کسی ایسی قوت کے اختیار کرنے کا حکم دیا جاتا جسے وہ جانتے نہ تھے۔ تو یہ چیز ان کے نزدیک مجہول ہوتی۔ لہٰذا قوت کی تیاری کے حکم

Marfat.com

کے ساتھ ؛ ومن رباط الخیل فرمایا گیا ہے۔ یہ عطف بتاتا ہے کہ جب اس چیز کی ضرورت ہو تو اسے تیار کیا جائے، ورنہ اصل چیز تو وہ وہی ہے جسے ؛ واعدوا لھم ما استطعتم من قوۃ میں فرمایا گیا ہے۔

قوت کی ضرورت کیوں ہے؟

اسلام کے پیش نظر ایک عظیم مقصد ہے کہ خدا کی زمین سے غیر خدا کی بندگی ختم کی جائے اور انسان کو انسان کی عبودیت سے نجات دلائی جائے، جباروں، فرعونوں اور شدادوں کے پاس ہر قسم کی قوت ہوتی ہے، جس سے وہ اسلام کی دعوت کا راستہ روکتے ہیں۔ پس یہ قوت اس عقیدے کو اختیار کرنے والوں کو دشمنوں کے حملوں سے بچانے کے لیے ہے تاکہ کوئی ان کو راہ حق سے نہ روکے، فتنے میں نہ ڈالے۔ تاریخ کے مختلف ادوار میں ایسا ہوا ہے کہ لوگوں کو اس دعوت کی طرف آنے سے روکا گیا اور وہ ڈر کے مارے اسے قبول نہ کر سکے۔ جنہوں نے قبول کیا، انہیں مبتلائے تعذیب کیا گیا۔ پس مسلم جماعت اور مسلم حکومت کے پاس اتنی قوت ہونی چاہیئے کہ کسی دشمن کو اسلام کی راہ روکنے کی جرات نہ ہو، دوسرا مقصد قوت کا یہ ہے کہ کوئی غیر مسلم طاقت دارالاسلام پر تعدی نہ کر سکے جو اس قوت کا مرکز ہے۔ تیسرا مقصد یہ ہے کہ اسلام کی نشر و اشاعت اور پھیلاؤ کے راستے میں کوئی حائل نہ ہو سکے، چوتھا مقصد یہ ہے کہ ان تمام قوتوں کو تہس نہس کیا جائے جو زمین میں اپنے لیے الوہیت کا درجہ حاصل کرنا چاہتی ہیں، اپنے قانون اور اپنا تسلط خدا کی آزاد مخلوق پر قائم کرنا چاہتی ہیں۔ اور ایک اللہ کی الوہیت اور حاکمیت کا اعتراف نہیں کرتیں۔

عملی زندگی کا عملی نظام

اسلام کسی "لاہوتی نظام" کا نام نہیں جس کا تعلق محض دلی عقیدے سے ہو اور بس۔ وہ ایک عملی و واقعی نظام ہے جو اس انسانی کائنات پر برپا ہونا چاہتا ہے۔ ایسا نظام صرف چند عباداتی شعائر پر اکتفا نہیں کر سکتا انسانی زندگی میں جو غیر الٰہی نظام قائم ہو چکے ہیں وہ انہیں تبدیل کرنا چاہتا ہے۔ لہٰذا وہ عملی و واقعی زندگی سے صرف نظر نہیں کر سکتا۔ اور یہ اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ قائم شدہ غیر اسلامی نظاموں کو برباد نہ کیا جائے ان کے ہاتھوں سے ہر قسم کی قوت نہ چھین لی جائے تاکہ وہ الٰہی نظام کی راہ میں رکاوٹ نہ ڈال سکیں۔ اس عظیم حقیقت کو بر سر عام صاف صاف لفظوں میں بیان کرنے سے کسی مسلم کو شرمانا یا جھجکنا روا نہیں کہ اس کا دین برحق ہے اور اسے ہر دین پر غالب کرنا میرا فریضہ ہے : لیظھرہ علی الدین کلہ ایک اللہ کی الوہیت کو عملاً قائم کرنا اور غیر اللہ کی الوہیت و حاکمیت کو یک سر مٹا دینا میرا مقصد حیات ہے، بندوں پر بندوں کی خدائی اور حاکمیت روا نہیں ہے۔ میرے سامنے کسی بندے کی خدائی کو قائم کرنا، کسی غیر الٰہی قانون کو چلانا کسی لیڈر کی سلطنت قائم کرنا، کسی طبقے یا جنس یا نسل یا رنگ کی فوقیت جمانا نہیں ہے۔ میرا مقصد انسانوں کو غلام بنا کر چند بڑوں کی کھیتیوں کے کھیت مزدور مہیا کرنا نہیں ہے۔ جیسا کہ روم میں ہوتا تھا میرا مقصد دوسروں کے مال کو ہتھیانا، ان کی دولت پر قبضہ کرنا، پیداوار اور ذرائع پیداوار کو چند غنڈوں کے ہاتھ میں دے

Marfat.com

دینا تاکہ وہ "تقسیم کنندہ" بن کر بیٹھ جائیں ، خود عیش کریں ، اور دوسروں کو فاقوں مار دیں ، جیسا کہ سوشلزم اور کمیونزم میں ہوتا ہے ۔

پس اس نص میں : واعدوا لھم ما استطعتم من قوۃ فرمایا گیا ہے ، یعنی قوت حاصل کرنے اور اس کے اسباب و آلات تیار کرنے میں تم اپنی انتہائی طاقت صرف کر دو ۔

قوت کے اغراض و مقاصد

اوپر قوت کی ضرورت پر کچھ گفتگو ہو چکی ہے اور اس ضمن میں اس کے مقاصد بھی مختصراً زیر بحث لائے گئے ہیں ، انہیں ایک مرتبہ دیکھ لیا جائے ۔ آیت زیر تفسیر میں قوت کے حصول کی اولین غرض جو بتائی گئی ہے ۔ وہ یہ ہے کہ :

"تم اس کے ساتھ اللہ کے دشمن اور اپنے دشمن کو ڈراؤ گے ، اور ان کے سوا کچھ اور لوگوں کو بھی ، جن کو تم نہیں جانتے ۔ اللہ ان کو جانتا ہے ۔"

اس کا مطلب یہ ہے کہ قوت کا حصول دشمنان خدا ، اعدائے اسلام ، اور اعدائے مسلمین کے دلوں میں رعب ڈالتا ہے تاکہ وہ مسلمانوں کو کمزور جان کر چھیڑ خانی کی جرات نہ کریں ۔ کچھ دشمن تو بالکل ظاہر ہیں جن کو مسلمان جانتے ہیں ، مگر کچھ وہ ہیں جن کو صرف اللہ جانتا ہے ۔ مسلمانوں کو حصول قوت کا مامور کیا گیا ہے ، اور اس بات کا کہ وہ اسباب قوت کو جمع کریں تاکہ زمین میں با عزت و اکرام رہیں ، ان کا رعب و جلال ہو اور دشمن ان سے ڈرنے والا ہو ۔ تاکہ اللہ کا حکم سربلند ہو اور تاکہ اطاعت و حکم اللہ ہی کا چلے ۔

راہ حق میں انفاق مال کا حکم

گزشتہ آیت کا آخری حصہ یہ ہے کہ :

"اور تم جو کچھ راہ خدا میں خرچ کرو گے وہ تمہیں پورا پورا دیا جائے گا اور تم پر ظلم نہ کیا جائے گا ۔"

چونکہ جہاد کی تیاری اور قوت کا مہیا کرنا بہت سامال چاہتا ہے ، اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے انفاق مال کے بہت سے احکام دیئے ہیں ، جن میں سے ایک حکم یہ ہے جو اوپر ابھی گزرا ۔ جنگ و جدل کی تیاری میں ہر حکومت و سلطنت بے حساب مال خرچ کرتی ہے مگر اسلام اور غیر اسلام میں فرق یہ ہے کہ اسلام کے نزدیک جہاد و قتال کی تیاری میں خرچ کیا جانے والا مال "فی سبیل اللہ" ہے ۔ یہ ہر قسم کے دنیوی و زمینی اغراض و اہداف سے جداگانہ ایک خالص اور پاکیزہ ہدف ہے ۔ اس میں کسی کی ذاتی ، گروہی ، لسانی ، علاقائی ، نسلی اور قومی غرض کارفرما نہیں ہوتی ، یہ صرف فی سبیل اللہ ہوتا ہے ، یعنی اللہ کے دین کی سرفرازی کی خاطر ، کلمۃ اللہ کی سربلندی کی خاطر ، اسلامی ، شخصی و قومی اور حکومتوں کی اپنی اغراض کی خاطر لڑی جانے والی جنگ کو فی سبیل اللہ تسلیم نہیں کرتا ۔ ہر وہ جنگ جو نئی منڈیوں کے حصول میں لڑی جائے ، جس کا مقصد دوسروں کو مقہور و مجبور کر کے اپنے آگے ذلیل کرنا ہو ، ایک ملک کو دوسرے پر ، ایک قوم کو دوسری پر ، ایک جنس

Marfat.com

کو دوسری پر یا ایک طبقے کو دوسرے پر سربلند کرنے کے لیے کوشش کرتا ہو، اسلام کی نظر میں فی سبیل اللہ نہیں ہے اور ایسی جنگ میں مال خرچ کرنا جائز نہیں ہے۔ اللہ کسی قوم کی دوسری پر، کسی وطن کی دوسرے پر، کسی شخص یا قوم کی دوسرے شخص یا قوم پر بالادستی نہیں چاہتا۔ وہ محض یہ چاہتا ہے کہ مسلمان اُس کی الوہیت و حاکمیت کو دنیا میں قائم کرنے کے لیے لڑیں اور اسی مقصد میں مال خرچ کریں، یہی انفاق فی سبیل اللہ ہے۔

مصالحت اور معاہدے کے احکام

ان نصوص میں تیسرا حکم یہ ہے کہ جو لوگ اسلامی حکومت کے ساتھ صلح اور معاہدہ کرنا چاہیں تو ان کا بڑھا ہوا ہاتھ جھٹکا نہ جائے، بلکہ اگر ان سے بظاہر خیانت و بدعہدی کا خدشہ نہ ہو تو ان سے صلح و صفائی کا معاہدہ کر لیا جائے۔ چنانچہ آیت: ۶۱ میں ہے کہ:

"اور اگر وہ صلح کی طرف جھکیں تو تُو بھی اس کے لیے جھک جا اور اللہ پر بھروسہ کر بے شک وہی سمیع و علیم ہے۔"

جنحوا کا مصدر جنوح ہے جو جناح سے نکلا ہے جس کا معنیٰ بازو ہے (یعنی پرندے کا بازو)۔ اس کے جھکانے سے مراد دلی عطوفت، شفقت، نرمی اور خلوص ہے۔ مطلب یہ کہ اگر صلح کی خواہش رکھنے والا فریق بظاہر نیک نیت نظر آئے تو اس کی بات مان لینے میں حرج نہیں۔ اسلام صلح و سلامتی کا دین ہے اس میں خواہ مخواہ کی ضد نہیں ہے۔ ہم نے اوپر جو اقتباس امام ابن القیم سے نقل کیا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس آیت کا حکم ان لوگوں کے لیے ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے الگ تھلگ رہے اور قتال نہیں کیا، صلح و صفائی کی طرف جھکے اور اسلامی دعوت اور اسلامی سلطنت کے ساتھ عداوت کا اظہار نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اس فریق کو چھوڑ دیا جائے، اس سے لڑائی نہ کی جائے اور ان کی معاہدے کی درخواست کو قبول کر لیا جائے۔ یہ سورۂ براءۃ کے نزول تک کے وقفے کا معاملہ تھا۔ اُس وقت جن لوگوں سے کوئی عہد و پیمان نہ تھا انہیں کچھ نہیں کہا جاتا تھا۔ بعد میں براءۃ نے ایسے لوگوں کے لیے چار ماہ کی مدت کا اعلان کر دیا تھا کہ انہیں اس قدر مہلت ہے۔ لیکن اس نص میں قدرے عموم پایا جاتا ہے اور اسی کے مطابق ۶ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین مکہ سے صلح حدیبیہ کی تھی۔

بعض فقہاء نے اس حکم کو آخری اور انتہائی جان کر کہا ہے کہ جنوح (جھکاؤ) سے مراد جزیہ ادا کرنے کی قبولیت ہے۔ مگر یہ بات تاریخی واقعات کے خلاف ہے۔ کیونکہ جزیہ کے احکام سورۂ براءۃ میں ۹ھ میں اترے تھے۔ جب کہ یہ آیت زیر تفسیر بدر کے بعد ۲ھ میں نازل ہوئی تھی۔ اس وقت تو جزیہ کے احکام موجود ہی نہ تھے۔ تواریخ نزول اور واقعات کی رو سے یہ بات صحیح نظر آتی ہے کہ اس آیت کے حکم کو انتہائی اور کامل نہ سمجھا جائے اور یہ حکم اس کے بعد سورۂ براۃ کے نزول سے تبدیل کیا گیا، آخری احکام یہ ٹھہرے تھے: اسلام کے معاملے میں لوگوں کی تین قسمیں تھیں:

(۱) برسرِ جنگ۔
(۲) مسلمین جو اللہ کی شریعت پر فیصلے کرتے تھے۔

(۳) اہل ذمہ جو جزیہ ادا کرتے ہیں۔ اور جب تک عہد پر قائم رہتے انہیں کچھ نہ کہا جاتا تھا۔
پس اسلامی جہاد کی تحریک کے یہ انتہائی احکام تھے۔ ان کے علاوہ اس ضمن کے سب احکام وقتی اور ہنگامی تھے۔ جنہیں بتقاضائے حالات واوقات قائم رکھا جاتا تھا اور پھر آخری احکام نے ان کو تبدیل کر دیا تھا۔ اور آخر میں یہ تین قسم کے احکام نازل ہوئے۔ مسلم اور مسند احمد کی ایک حدیث اس کی مزید وضاحت کرتی ہے۔ یزید بن خطیب اسلمی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی چھوٹے یا بڑے لشکر پر امیر بنا کر کسی کو بھیجتے تو اسے اپنی جان کے لیے تو اللہ کے خوف کی وصیت کرتے اور ساتھ والے مسلمانوں کے ساتھ اچھائی کا حکم دیتے تھے۔ اور فرماتے تھے:

"اللہ کا نام لے کر اللہ کی راہ میں جنگ کرو۔ ان سے قتال کرو جو اللہ سے کافر ہیں۔ جب تو مشرکوں میں سے اپنے دشمن سے ملے تو ان کو ان تین باتوں میں سے ایک کو ماننے کی دعوت دے۔ ان میں سے جو بات بھی وہ مان لیں اس کو ان سے قبول کرلے اور ان سے رک جا۔ ان کو اسلام کی طرف بلا، اگر وہ اسے مان لیں تو ان سے قبول کرلے اور رک جا۔ پھر ان کو دار الکفر سے دار المہاجرین کی طرف چلے آنے کی دعوت دے، اور ان کو بتا کہ اگر وہ ایسا کریں گے تو ان کے حق مہاجرین جیسے ہوں گے اور ان کے فرائض بھی مہاجرین جیسے ہوں گے۔ اگر وہ انکار کریں اور دار الکفر کو اختیار کریں تو انہیں بتا کہ وہ صحرائی مسلمانوں جیسے ہوں گے، ان پر اللہ کا وہ حکم جاری ہو گا جو اہل نداروں پر جاری ہوتا ہے۔ مگر فئ اور غنیمت میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہے، مگر اس صورت میں کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ مل کر جہاد کریں، پھر اگر وہ انکار کریں تو ان کو جزیہ دینے کی طرف دعوت دے، اگر وہ مان لیں تو قبول کرلے اور ان سے رک جا۔ اگر وہ انکار کریں تو اللہ سے مدد مانگ اور ان سے قتال کر۔"

اور مشکل اس حدیث میں ہجرت اور دار المہاجرین کا ذکر جزیہ کے ذکر کے ساتھ ہے، اور جزیہ نہیں فرض ہوا تھا۔ مگر فتح مکہ کے بعد اور فتح مکہ کے بعد ہجرت ختم تھی۔ (پہلی مسلم جماعت کی طرف قیاس کرتے ہوئے جو دار الاسلام میں پہنچ چکی تھی اور فتوحات کی نفیں اور استقرار پا لیا تھا) اور ثابت شدہ بات یہ ہے کہ جزیہ ۸ھ کے بعد فرض کیا گیا تھا۔ اور یہ عرب مشرکین سے نہیں لیا گیا، کیونکہ وہ نزول جزیہ سے قبل اسلام لے آئے تھے اور اس کے بعد ان جیسے مشرکوں یعنی مجوس سے قبول کیا گیا تھا، حالانکہ وہ شرک میں انہی جیسے تھے۔ لہٰذا احکام جزیہ اس وقت اترتے جب کہ جزیرہ عرب میں مشرکین ہوتے تو ان سے بھی قبول کیا جاتا جیسا کہ امام ابن القیم رح نے کہا ہے، اور یہی ابو حنیفہ رح کا قول ہے اور احمد رح کا ایک قول بھی یہی ہے، امام قرطبی رح نے بھی قول اوزاعی رح اور مالک رح سے روایت کیا ہے، اور دوسروں نے یہ قول ابو حنیفہ رح سے روایت کیا ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قول: وان جنحوا للسلم فاجنح لھا وتوکل علی اللہ انہ ھو السمیع العلیم۔ آخری اور مطلق حکم نہیں پیش کرتا بلکہ اس باب کے آخری مکمل احکام اس کے بعد سورہ براۃ میں نازل ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں صرف یہ حکم دیا تھا کہ اس فریق کا صلحنامہ اور معاہدہ قبول کرلیں جو آپ سے الگ تھلگ رہا تھا اور آپ سے اس نے قتال نہ کیا تھا۔ خواہ اس نے اس وقت تک آپ سے

Marfat.com

معاہدہ کیا جاتا یا نہ کیا جاتا۔ اور آنحضورؐ کفار اور اہل کتاب سے صلح و صفائی قبول کرتے رہے تھے۔ حتی کہ سورۃ براءۃ کے احکام نازل ہوئے، اس کے بعد آپؐ ہمیشہ یا اسلام یا جزیہ قبول کرتے رہے۔ اور یہ صلح و صفائی بھی کی حالت ہے۔ ان لوگوں سے قبول کی جاتی تھی جب تک کہ وہ لوگ اپنے عہد پر قائم رہتے، یا پھر قتال تھا اگر مسلمان اس کی استطاعت رکھتے تاکہ دین نظام اطاعت سارا اللہ کا ہو جائے۔

شکست خوردہ ذہنیتیں اور بیمار ارواح

میں نے اس بیان میں بعض باتیں موضوع سے ہٹ کر کہی ہیں، کیونکہ اسلامی جہاد پر بہت سے لکھنے والے روحانی و عقلی شکست سے دوچار ہوئے اور ان کی طرف سے ایک شبہ پیدا ہوا جس کا جواب دینا ضروری تھا۔ وہ دین کی حقیقت کو نہیں پا سکتے۔ وہ بے چارے دین پر بڑے شرمندہ ہیں کہ اس میں جہاد اور جزیے کا نام ہے جس کے باعث وہ بے چارے منہ چھپائے پھرتے ہیں۔ اور کسی غیر کے سامنے آنکھیں نہیں اٹھا سکتے۔ انہیں اس بات پر بڑا افسوس ہے کہ اسلام انسانوں کے سامنے یہ تین متبادل کیوں پیش کرتا ہے: اسلام، جزیہ، قتال۔ گویا ان کے نزدیک تعلیم یہ ہونی چاہیے تھی کہ: کفر و اسلام میں سے کوئی ایک، اسلام کی سرپرستی کے عوض مسلمانوں کی دائمی غلامی اور تنسیخ جہاد۔ یہ شکست خوردہ ذہنیت کے لوگ دیکھ رہے ہیں تمام جاہلی قوتیں اپنے پورے ساز و سامان کے ساتھ اسلام سے برسر جنگ ہیں۔ ان کی جنگ کسی وقت ختم نہیں ہوتی، انہوں نے سب و شتم، اتہامات، حقائق کی تبدیلی، غلط مفروضے قائم کر کے ان کی وجہ سے اسلام کی شدید مخالفت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہزارہا کذب و افتراء کا طومار، نت نئے جھوٹ گھڑنا اور اسلام کی تضحیک کرنا ان کا دن رات کا شعار ہے۔ پھر یہ "اسلام کے نئے خیر خواہ" یہ بھی دیکھتے ہیں کہ مسلمانوں پر زوال، شکست خوردگی، تشدد و افتراق طاری ہے۔ اس کے باوجود وہ نصوص کی گردن جھکا کر ان کی تاویلات میں لگے ہوئے ہیں اور عذر خواہانہ انداز میں اسلام کی صفائی پیش کرنے کے لیے اس کا چہرہ بگاڑ رہے ہیں۔ تاکہ وہ اعدائے اسلام کے نزدیک قابل قبول ہو سکے۔ شرم سے ڈوب مرنے کا مقام ہے۔

تحریف قرآن کی ایک افسوس ناک مثال

یہ ذہنی و روحانی بیمار وقتی اور مرحلی نصوص کو آخری اور انتہائی بنا ڈالتے ہیں۔ خاص حالات کے ساتھ مخصوص نصوص کو مطلق اور عام بنا دیتے ہیں۔ پھر جب انتہائی احکام کی نصوص سامنے آتی ہیں تو انہیں مخصوص حالات کے ساتھ مقید نصوص کے مطابق بناتے ہیں ان کی تاویل کر ڈالتے ہیں، یہ ساری محنت وہ اس لیے کرتے ہیں کہ یہ ثابت کر سکیں کہ اسلامی جہاد صرف مسلمانوں کے اشخاص کے دفاع کی خاطر ہے، اور دارالاسلام پر جب حملہ ہو جائے تو اس کی ضرورت ہے، اور اسلام معاہدہ پر لوٹنا پڑتا ہے۔ اور صلح و صفائی سے مراد فقط یہ ہے کہ دشمن دارالاسلام پر حملہ کرنے سے باز رہیں۔ اسلام ———— ان کے خیال میں ———— اپنی حدود کے اندر بند رہنا چاہتا ہے۔ اور اسے کسی اور کو تبلیغ کا حق نہیں، ہاں اگر کبھی وعظ و نصیحت ہو جائے، کوئی بیان نشر کر دیا جائے یا مقالہ لکھ دیا جائے تو حرج نہیں ہے۔ مادی قوت جو لوگوں پر تسلط جما چکی ہے، اسلام اسے

Marfat.com

نہیں چھیڑ سکتا جب تک وہ اسلام کو نہ چھیڑے، اسلام کو صرف دفاع کا حق حاصل ہے۔
یہ شکست خوردہ لوگ اگر حالات موجودہ کے احکام کو کتاب اللہ سے حاصل کرنے کی کوشش کرتے تو نصوص کی تاویل کئے بغیر بھی وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو سکتے تھے۔ نہیں قرآن سے وہ نصوص مل جاتیں جو موجودہ احوال و ظروف کے لیے ہیں۔ وہ اس کے مرحلہ وار احکام میں سے ہر زمانے کے مناسب احکام نکال سکتے تھے اور وہ کہہ سکتے تھے کہ اس قسم کے احوال میں قرآن نے یہ احکام دیئے تھے، مگر یہ دائمی احکام و تصرفات نہ تھے، بلکہ ضرورت کے مطابق احوال و واقعات کے احکام تھے۔

ضرورت کے اوقات میں مرحلہ وار احکام

(۱) ہجرت کے بعد آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ میں وارد ہوتے ہی مدینہ کے ماحول میں رہنے والے یہود و مشرکین کے ساتھ صلح و صفائی اور مدینہ کے مشترک دفاع کا معاہدہ قائم کیا۔ اس معاہدے کی رو سے مدینہ میں اعلیٰ تسلط رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا۔ قریش مکہ کے مقابلے میں مدینہ کے دفاع میں ان لوگوں کی شرکت کا عہد تھا۔ اور یہ کہ مدینہ پر حملہ آور کسی طاقت کا وہ ساتھ نہ دیں گے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت کے بغیر برسرجنگ مشرکوں کے ساتھ کوئی عہد و پیمان نہ کریں گے۔ آپ کو اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ حکم بھی دیا تھا کہ صلح کی طرف مائل ہونے والوں سے صلح قبول کر لیں، اگرچہ انہوں نے آپ کے ساتھ کوئی عہد نہ کیا ہو، جب تک وہ آپ سے نہ الجھیں، آپ بھی ان سے نہ الجھیں گے۔ پھر بعد میں یہ سب کچھ بدل گیا، جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے۔

(۲) جنگ خندق میں جب مدینہ پر مشرکوں کا ہجوم ہوا اور بنو قریظہ نے عہد توڑ دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور مسلمانوں کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہوا تو آپ نے عیینہ بن حصن فزاری اور حارث بن عوف مرّی کو جو غطفان کا رئیس تھا۔ (اور یہ لوگ حملہ آور فوج کے اہم اجزا تھے) اس کو مدینہ کے پھلوں کے ۳/۱ پر صلح کی پیشکش کا خیال ظاہر کیا، اس شرط پر کہ وہ لوگ اپنی اپنی قوم کو لے کر حملہ آوروں سے الگ ہو جائیں اور قریش کو تنہا چھوڑ دیں، یہ صرف ایک خیال تھا، فیصلہ نہیں تھا، وہ دونوں اس پر راضی ہو گئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سعدؓ بن معاذ اور سعدؓ بن عبادہ سے اس ضمن میں مشورہ فرمایا۔ یہ دونوں اوس و خزرج کے سردار تھے۔ ان دونوں نے کہا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا کام آپ خود اپنی رائے سے کرنا چاہتے ہیں یا کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے جس کو سن رہے ہیں؟ اگر دوسری بات ہے تو ہم کو سننا اور اطاعت کرنا ہے؟ یا یہ کام آپ ہماری خاطر کرنا چاہتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: یہ ایک ایسا کام ہے جس کو میں تمہارے لیے کرنا چاہتا ہوں کیونکہ تمام عرب تمہارے خلاف متحد ہو گئے ہیں، سعدؓ بن معاذ نے کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: واللہ ہم اور یہ قوم شرک پر تھی اور بت پرستی کرتے تھے، نہ اللہ کی عبادت کرتے تھے۔ اور اس حالت میں بھی انہوں نے کبھی یہ طمع نہ کی تھی کہ ہم سے کوئی پھل کبھی پا سکیں گے۔ ہاں! خرید کر کھانا یا بطور مہمان کھا لینا دوسری بات ہے۔ پس جب کہ اللہ نے ہم کو اسلام سے عزت بخشی ہے اور اس کی طرف ہدایت دی ہے اور آپ کے ذریعے سے معزز کیا ہے تو کیا ہم اپنے اموال انہیں دے ڈالیں، واللہ ہم انہیں تلوار کے سوا کچھ نہ دیں گے۔ حتیٰ کہ اللہ ہمارے اور ان کے درمیان

Marfat.com

فیصلہ کر دے۔ اس بات پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہو گئے اور فرمایا: تم کو وہی صورت سے گی۔ اور آپ نے عیینہ اور حارث سے فرمایا کہ واپس چلے جاؤ، ہمارے پاس تمہارے لیے تلوار کے سوا کچھ نہیں۔ پس یہ چیز جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سوچا تھا، یہ انتہائی اور آخری حکم نہ تھا، بلکہ پیش آمدہ ضرورت کا علاج تھا (اور اسے بھی فیصلہ کر کے قبول نہ فرمایا)

(۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین قریش کے ساتھ صلح حدیبیہ کا معاہدہ فرمایا، جب کہ قریش ابھی مشرک ہی تھے۔ صلح کی شرطوں پر مسلمان پہلے پہل راضی نہ تھے۔ شرط اس کی یہ تھی کہ آپ کے اور ان کے درمیان دس سال تک جنگ بند رہے گی اور لوگوں کو باہم امن و امان ہو گی۔ دوسری یہ کہ آپ اس سال واپس چلے جائیں، حتیٰ کہ جب اگلا سال ہو تو پھر آئیں اور مکہ میں تین دن ٹھہریں، مکہ میں داخلہ صرف ان ہتھیاروں میں ہو سکتا ہے جو اونٹ سوار کے پاس ہوتے ہیں۔ اور تلواریں نیاموں میں ہوں۔ جو مسلمان مشرکوں کے پاس آئے گا وہ اسے واپس نہ کریں گے اور جو مشرک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جائے گا ——— خواہ مسلم ہو کر ——— اسے واپس کرنا ہو گا۔ یہ شروط جو بظاہر خلاف نظر آتی تھیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی الٰہی سے انہیں قبول فرما لیا تھا، اللہ کی مرضی تھی کہ اس صلح کو ہی فتح بنا دے اور ہر زمانے میں مسلم قیادت کے لیے اس قسم کے حالات میں ایسی صلح و صفائی کی اجازت ہے۔

دین کا مزاج تحریکی ہے

اس دین کا تحریکی مزاج ہمیشہ واقعات کا مقابلہ مناسب پورے وسائل سے کرتا ہے۔ یہ ایک نرم تحریکی طریقہ ہے، مگر وہ مضبوط اور واضح بھی ہے۔ جو لوگ ہر قسم کے پیش آمدہ حالات میں دین کے اندر ہدایت و راہنمائی تلاش کریں گے وہ انہیں مل جائے گی۔ نصوص کی گردن کو تاویل کے لیے جھکانے کی ضرورت نہیں ہے۔ دین ان تاویلوں کا انکار کرتا ہے۔ ہر حالت میں جو بات مطلوب ہے وہ تقوائے الٰہی ہے۔ اور دین کو جاہلیت کے سامنے جھکانا بہت بڑا گناہ ہے۔ شکست خوردگی اور دفاع کا مقام اختیار کرنا غلط ہے یہ ایک چھا جانے والا حاکم دین ہے۔ واقعات کی تمام ضرورتوں کو بحمد اللہ پورا کرتا ہے۔

صلح کی طرف جھکو اور خدا پر توکل کرو

جب اللہ تعالیٰ نے عہد و پیمان کی طرف میلان رکھنے والوں سے صلح کرنے کا حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا تو ساتھ ہی توکل کا حکم دیا۔ جب مومن اپنا معاملہ اللہ پر چھوڑتے ہیں۔ اپنی طرف سے اپنا فرض ادا کر کے انجام اللہ کے سپرد کر دیتے ہیں تو ان کا اطمینانِ قلب پہلے کی نسبت بڑھ جاتا ہے، اس لیے حکم دیا ہے کہ:

"اگر وہ صلح کے لیے جھکیں تو تو بھی اس کے لیے جھک جا۔ اور اللہ پر توکل کر، بے شک وہ بہت سنتا بہت جانتا ہے"۔

تیرے لیے اللہ کافی ہے!

اگر کافر خیانت کا ارادہ کریں اور فریب کے ساتھ صلح و صفائی کے بہانے سے نقصان پہنچانا چاہیں تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان کے مکر و فریب سے مامون فرمایا ہے کہ اللہ آپ کے لیے کافی ہے اور آپ کا محافظ ہے۔ اُسی نے بدر میں اپنی نصرت کے ساتھ آپ کی تائید کی، مومنوں کے ساتھ آپ کی تائید کی۔ ان کے دلوں کو محبت و اخوتِ اسلامی پر جمع فرمایا۔ الفت و محبت کی بناء پر وہ ایک جماعت بن گئے۔ یہ کام سوائے اللہ قدیر و حکیم کے کوئی اور نہ کرسکتا تھا۔ فرماتا ہے:

"اور اگر وہ تجھ سے خیانت کرنا چاہیں تو بلاشبہ تیرے لیے اللہ کافی ہے۔ وہ وہی ہے جس نے تیری تائید اپنی نصرت کے ساتھ کی اور مومنوں کے ساتھ کی، اور ان کے دلوں میں الفت ڈالی، اگر تو خرچ کرتا جو کچھ زمین میں ہے سب کچھ تو تو ان کے دلوں میں الفت نہ ڈال سکتا، بلکہ اللہ نے ہی ان میں الفت ڈالی۔ بلاشبہ وہ غالب ہے حکیم ہے۔" (۶۲ ——— ۶۳)

اللہ تعالیٰ نے آپ کی نصرت فرمائی۔ مومنوں کے دلوں میں الفت ڈالی حالانکہ پہلے زمانہ جاہلیت میں ان کے قلوب جُدا جُدا تھے۔ اوس و خزرج کی لڑائیاں جن میں ان کی طاقت ضائع ہو رہی تھی، کس کو معلوم نہیں شریف لوگ پریشان ہو گئے تھے کہ کیا کیا جائے۔ ان کے باہمی اختلافات اور بدلہ در بدلہ، قصاص در قصاص اتنی تعداد اور مقدار میں تھے کہ اُن کی موجودگی میں کوئی الفت، اجتماع، محبت و مودّت ممکن ہی نہ تھی۔ اسی طرح مکہ والوں کے جاہلیت میں جو باہم اختلافات تھے وہ بھی انصار مدینہ (اوس و خزرج) سے کم نہ تھے۔ اسی طرح سارے جزیرۂ عرب کا حال تھا کہ ہر قبیلہ اور خاندان ایک دوسرے سے الگ تھا اور ہر وقت قتل و خونریزی کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ یہ تو صرف اخوتِ اسلامی کا فیض تھا، جس نے ان متحارب گروہوں کے سر آپس میں جوڑ دیئے تھے۔ یہ ایک معجزہ تھا، جسے اللہ کے سوا کوئی برپا نہیں کرسکتا تھا۔ یہ اسلامی عقیدہ تھا، جس نے لڑنے والوں کو بھائی بنا دیا۔ باہم متعارض لوگ ایک صف میں کھڑے ہو گئے، ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن گئی، جس میں کسی غیر مسلم کی انگلی نہ چبھ سکتی تھی۔ ان کی باہمی ہمدردی و خیر خواہی، محبت و الفت بے نظیر و بے مثال بن گئی۔ انسانی تاریخ نے ایسی متحد و متفق جماعت پیش نہیں کی۔ جیسی کہ اصحابِ کرام کی تھی۔

اسلامی اخوت کی بنیاد عقیدۂ توحید ہے

اسلامی عقیدہ انسانیت کو "حُبّ فی اللہ" کی ندا دیتا ہے، خلوص و اُلفت پیدا کرتا ہے۔ جب یہ اُلفت پیدا ہو جائے تو اس کا سبب اللہ کے سوا کسی کو معلوم نہیں ہوتا اور نہ اُس کے سوا کوئی اور یہ کام کرسکتا ہے۔ سنن ابی داؤد کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے بندوں میں سے بعض ایسے انسان بھی ہیں جو نبی نہیں، نہ شہید ہیں، مگر ان پر نبی اور شہید رشک کریں گے۔ حتیٰ کہ قیامت کے دن اللہ کے ہاں ان کا درجہ دیکھیں گے۔ لوگوں نے کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم!

Marfat.com

فرمائیے کہ وہ کون ہوں گے؟ فرمایا کہ وہ ایک قوم ہے جو آپس میں الٰہی محبت کے باعث محبت کرتی ہے۔ گو ان میں کوئی خونی رشتہ نہیں ہوتا، نہ ان میں باہم کوئی مالی لین دین ہوتا ہے۔ واللہ ان کے چہرے روشن ہوں گے اور وہ نور پر ہوں گے۔ جب اور لوگ ڈریں گے تو وہ نہ ڈریں گے اور جب اور لوگ غمگین ہوں گے تو وہ غمگین نہ ہوں گے۔

اور طبرانی کی روایت میں ہے کہ؛ مسلم جب اپنے مسلم بھائی سے ملے اور اس کا ہاتھ پکڑ لے تو ان کے گناہ یوں جھڑ جائیں گے۔ جس طرح آندھی کے دن سوکھے درخت کے پتے جھڑتے ہیں، اور ان کے گناہ گو سمندروں کی ریت کی مانند ہوں وہ معاف ہو جائیں گے۔

اور اس باب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سے اقوال ہیں، اور آپ کے اعمال بھی بتاتے ہیں کہ آنجناب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رسالت میں یہ عنصر بہت ثابت شدہ ہے، اور جو امت آپ نے ترتیب دی ہے وہ بھی شہادت دیتی ہے کہ یہ صرف مطلب سے خالی کلمات نہیں ہیں۔ اور یہ مثال انفرادی اعمال ہی نہیں، اس مضبوط بنیاد پر ایک عظیم واقعہ کی بنیاد پڑی، اور یہ بنیاد بھی اللہ نے ڈالی، جس کے سوا تالیف قلوب پر کوئی اور قادر نہیں ہے۔

اطمینان رکھو، خاطر جمع رکھو

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ کے ذریعے سے آپ کی امت کو اطمینان دلایا کہ فکر مت کرو۔ اللہ تمہارا ولی ہے اور وہ تمہارے لیے کافی ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ آپ مومنوں کو قتال پر آمادہ کریں، ایک مسلم اپنے اعلیٰ حالات پر دس کافروں پر اور ادنیٰ حالات میں دو کافروں پر بھاری ہے، چنانچہ آیات ۶۴ ——— ۶۶ میں فرمایا ہے:

"اے نبی! کافی ہے آپ کے لیے اور آپ کے پیچھے چلنے والوں ایمانداروں کے لیے اللہ تعالیٰ۔ اے نبی! آمادہ کرو ایمانداروں کو قتال پر، اگر تم میں بیس صابر ہوں گے تو دو سو پر غالب آئیں گے اور اگر تم میں سے ایک سو ہوں گے تو ایک ہزار کافروں پر غالب آئیں گے، کیونکہ وہ ایک بے سمجھ قوم ہے۔ اب اللہ نے تم سے تخفیف کر دی ہے۔ اور معلوم کر لیا ہے کہ تم میں کمزوری ہے، پس اگر تم میں ایک سو صبر کرنے والے ہوں گے تو دو سو پر غالب آئیں گے اور اگر تم میں سے ایک ہزار ہوں گے تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے دو ہزار پر غالب آئیں گے اور اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔"

انسانی فکر جب عزیز و قوی اللہ کی بے پناہ اور مطلق قوت کا خیال کرے، اور اس کے آگے انسان کی عاجز، کمزور اور دبلی پتلی قوت ہو تو دونوں کا کوئی مقابلہ ہی نہیں ہے، فرق بہت زیادہ ہے اور اس معرکے کا نتیجہ پہلے سے بتا دیا گیا ہے۔ نتیجہ اللہ کی ضمانت میں ہے اور یہی معنی ہے اللہ تعالیٰ کے اس قول کا: یا ایھا النبی حسبک اللہ ومن اتبعک من المؤمنین۔ اور اس سبب سے رسول اللہ صلی

Marfat.com

اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا ہے کہ ایمانداروں کو قتال پر آمادہ کریں۔

ایمانداروں کو قتال کی ترغیب دو!

پچھلی آیت سے اہل ایمان کا رواں رواں ایمان و سکون سے بھر چکا ہے۔ اور انہیں فتح و نصرت کا یقین کامل حاصل ہو چکا ہے۔ قلت تعداد و قلتِ ساز و سامان کی پرواہ نہیں ہے، کیونکہ ان کا قتال جس کے لیے ہے۔ وہی ان کا حافظ و حامی و ناصر ہے۔ کافر کے سامنے کوئی اعلیٰ و ارفع مقصد نہیں ہے جس کی خاطر وہ قتال کرے؛ بانهم قوم لا يفقهون وہ حقائق اشیاء اور حقائق کائنات سے بے خبر ہیں، ان کے سامنے فقط یہی چند روزہ دنیا ہے جو فانی اور عارضی ہے۔ وہ کسی اور زندگی کو نہیں جانتے، لہٰذا غیر فقیہ ہیں فقیہ وہ ہے جو حیات کی گہرائی میں پہنچے اور موت و حیات کے فلسفے کو سمجھے۔ مسلمان اس فلسفے کو باعلام اللہ تعالیٰ سمجھتے ہیں کہ اس عارضی زندگی کے اختتام پر حیات کا خاتمہ نہ ہوگا، بلکہ زندگی کا ایک نیا دروازہ کھلے گا۔ پس اس حقیقت سے ناآشنا ہونے کے باعث کافر بے سمجھ ہیں! یہ تعلیل بظاہر بڑی اچانک اور عجیب لگتی ہے مگر یہ بہت سچی اور گہری۔

فقہ کا غلبے سے کیا تعلق ہے؟

اللہ تعالیٰ نے یہ جو فرمایا ہے کہ مسلمان کم تعداد ہونے کے باوجود کافروں پر غالب آجائیں گے کیونکہ وہ بے سمجھ لوگ ہیں! بظاہر فقہ کا غلبہ سے کوئی تعلق نہیں معلوم ہوتا۔ لیکن یہ تعلق حقیقی ہے اور ان دونوں کا تعلق بہت قوی ہے، مومن جماعت اپنا مقصد، غایت، راستہ اور انجام پہچانتی ہے، وہ اندھا دھند نہیں مرتی، اس کے سامنے ایک عظیم مقصد ہے اور وہ ہے: قتال فی سبیل اللہ۔ وہ الوہیت و عبودیت کی حقیقت کو جانتی ہے، اسے یہ معلوم ہے کہ الوہیت بہرصورت غالب آکر رہے گی، اور عبودیت فقط ایک اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ کے لیے خاص ہے۔ وہ جانتی ہے کہ امت مسلمہ ہونے کے باعث اس کے فرائض کیا ہیں؛ اس کا فرض ہے کہ ایک اللہ کی عبادت کا نظام دنیا میں قائم کرے، اور جو جماعت یہ کام کرے گی اللہ میدان میں اس کی طرف ہوگا، اور جس کی طرف اللہ ہو وہ کبھی شکست نہیں کھاتا خواہ تعداد اور سامان میں کس قدر کم ہو۔ وہ زمین میں اللہ کی مملکت قائم کرنا چاہتی ہے جس کی بنیاد عدل ہے، یہ سب چیزیں "فقہ" ہیں جو مومن دل میں امن و سکون اور اطمینان ڈالتی ہیں۔ اس کے سینے میں نور، وثوق، یقین اور قوت بھرتی ہیں۔ مخالف کے پاس ان میں سے کوئی چیز نہیں ہے، ان کے دلوں کے دروازے بند ہیں اور بصیرتیں الٹی ہیں، ان کی قوت عاجز ہے، تنگی ہوئی ہے، خواہ تعداد اور اسلحہ میں وہ کتنے زائد ہوں، لہٰذا وہ بہرصورت "غیر فقیہ" ہیں۔

ایک اور دس کی اور ایک اور دو کی نسبت کا مطلب

صحیح اہل ایمان اور کفار کے درمیان اصل نسبت یہی ایک اور دس کی ہے۔ اور مسلمانوں کے ضعیف

ترین حالات میں یہ نسبت ایک اور دو کی ہو جاتی ہے۔ وجہ یہ کہ ہر مومن ایک درجے کا قوی الایمان اور قوی الجسد نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ:

"اب اللہ تعالیٰ نے تم سے تخفیف کر دی ہے اور اسے معلوم ہے کہ تم میں کمزوری ہے۔ پس اگر تم میں سو صابر ہوں گے تو دو سو پر غالب آئیں گے اور اگر تم میں سے ایک ہزار ہوں گے تو دو ہزار پر، اللہ کے اذن سے غالب آئیں گے۔ اور اللہ تعالےٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔"

(اس آیت میں کافروں کے متعلق "غیر فقیہ" کا لفظ نہیں آیا۔ کیونکہ دراصل یہ ایمانداروں کی اصلی حالت نہیں ہے۔ بلکہ ضعف کی حالت ہے!) بعض مفسرین و فقہاء نے اس آیت کا مطلب یہ لیا ہے کہ قوت کی حالت میں مومن ایک ہو تو دس کا مقابلہ کرے۔ اس لیے دس کے سامنے سے فرار جائز نہیں ہے اور ضعف کی حالت میں ایک مومن کو دو کے سامنے سے بھاگنا حرام ہے، مگر حقیقت یہ ہے کہ ان آیات میں تشریعی و فقہی احکام بیان نہیں ہو رہے، بلکہ اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان کو ترغیب دے رہا ہے کہ تم کو اتنی قوت پیدا کرنی چاہیئے کہ ایک اور دس کی نسبت ہو جائے۔ لیکن ضعیف ترین احوال میں بھی ایک اور دو کی نسبت سے کمی جائز نہیں۔

قیدیوں کے بعض احکام

جنگِ بدر میں ستر کافر قید ہو کر آئے تھے، جن کے متعلق بعض فیصلے ہوئے جن کی مناسبت سے اگلی آیات میں قیدیوں کے بعض احکام مذکور ہیں:

"کسی نبی کے لیے روا نہیں کہ اس کے قیدی ہوں حتیٰ کہ وہ زمین میں خونریزی کرے تم چاہتے ہو دنیا کا سامان اور اللہ آخرت چاہتا ہے اور اللہ غالب ہے دانا ہے۔ اگر نہ ہوتا لکھا ہوا اللہ کی طرف سے جو پہلے گزر چکا تو جو کچھ تم نے لیا اس پر تم کو بڑا عذاب پہنچتا، بس کھاؤ جو تم نے غنیمت لی ہے حلال پاکیزہ، اور اللہ سے ڈرو، بلاشبہ اللہ غفور ہے رحیم ہے۔ اے نبی! کہو ان لوگوں کو جو تمہارے ہاتھوں میں ہیں قیدیوں میں سے کہ اگر اللہ تمہارے دلوں میں بھلائی جانے گا تو تم کو اس سے بہتر دے گا، جو تم سے لیا گیا، اور تم کو بخشے گا، اور اللہ بہت بخشنے والا ہے بہت رحیم ہے۔ اور اگر وہ تجھ سے خیانت کرنا چاہیں گے تو اس سے پہلے بھی وہ اللہ تعالےٰ سے خیانت کر چکے ہیں، سو اس نے انہیں پکڑا دیا، اور اللہ بہت عالم ہے بہت دانا ہے۔" (۶۷ ——— ۷۱)

جنگِ بدر کے بعض واقعات کے بیان میں ابن اسحاق نے کہا ہے: "جب لوگوں نے کافروں کو قید کرنا شروع کیا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عریش (چھپر) میں تھے اور آپ کے دروازے پر سعدؓ بن معاذ تلوار لگائے کھڑے تھے، ان کے ساتھ انصار کے کچھ اور لوگ تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت اور چوکیداری کر رہے تھے۔ مبادا دشمن آپ پر پلٹ کر حملہ کرے، مجھ سے بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سعدؓ کے چہرے پر لوگوں کے فعل کے باعث ناپسندیدگی کے آثار دیکھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس

سے فرمایا: "واللہ اے سعدؓ! گویا تو لوگوں کے قتل کو ناپسند کرتا ہے؟ اس نے کہا: ہاں! واللہ یارسول اللہ یہ پہلی جنگ تھی جس کی مار اللہ نے مشرکوں پر ڈالی، لہٰذا خوب خونریزی کرنا میرے نزدیک لوگوں کو باقی رکھنے سے پسندیدہ تر ہے۔

مشورہ، فیصلہ اور نزول عتاب

امام احمدؒ نے ابن عباسؓ سے بحوالہ جناب عمر فاروق رضی اللہ عنہ روایت کی ہے کہ جب بدر کی جنگ ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کو شکست دی تو ان میں سے ستر قتل ہوئے اور ستر گرفتار ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر و عمر و علی رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا۔ ابوبکرؓ نے کہا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ لوگ چچا زاد، اہل خاندان اور بھائی ہیں۔ میرے خیال میں آپؐ ان سے فدیہ لے لیں، یہ فدیہ ہمارے لیے کفار کے خلاف باعثِ قوت بھی ہوگا، اور ہو سکتا ہے کہ اللہ ان کو ہدایت دے دے اور یہ ہمارے دست و بازو بن جائیں۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابن الخطابؓ! تمہاری کیا رائے ہے؟ حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ میں نے کہا: واللہ میری رائے ابوبکرؓ والی رائے نہیں ہے، بلکہ میں تو یہ رائے دیتا ہوں کہ فلاں شخص (جو حضرت عمرؓ کا رشتہ دار تھا) کو آپؐ میرے سپرد کریں تاکہ میں اس کی گردن اڑا دوں، اور علیؓ کے سپرد عقیلؓ کو کریں (عقیل بن ابی طالب جو ابھی کافر تھا اور قیدی تھا) تاکہ وہ اس کی گردن مارے۔ اور حمزہؓ کے سپرد فلاں اس کے بھائی کو کریں تاکہ وہ اس کی گردن اتارے، تاکہ اللہ تعالیٰ کو علم ہو جائے کہ ہمارے دلوں میں مشرکوں کے لیے کوئی نرمی نہیں ہے۔ یہ ان کے سردار، امام اور قائد ہیں۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ بات قبول فرمائی جو ابوبکرؓ نے کہی تھی اور میری بات کو قبول نہ فرمایا۔ اور ان سے فدیہ قبول فرما لیا۔ جب دوسرا دن ہوا تو حضرت عمرؓ نے کہا کہ میں صبح کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گیا تو آپؐ اور ابوبکرؓ کو دیکھا کہ رو رہے تھے۔ میں نے کہا: یارسول اللہؐ! آپؐ کو اور آپؐ کے ساتھی کو کیا چیز رلاتی ہے؟ اگر مجھے رونا آئے تو میں بھی رو دوں۔ ورنہ آپؐ کے رونے کے باعث مصنوعی رونا رو دوں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رونے کا باعث وہ عذاب ہے جو تیرے اصحاب پر فدیہ لینے کے باعث آنے والا تھا! مجھ پر تمہارا عذاب اس درخت سے [illegible] پیش کیا گیا۔ (یہ درخت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب تھا) اور اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری:

"کسی نبی کا یہ کام نہیں کہ اس کے لیے قیدی ہوں، حتیٰ کہ وہ زمین میں خونریزی کرے۔"

پس کھاؤ جو تم نے غنیمت لی۔ بطور حلال و طیب۔ پس اللہ نے غنائم کو ان کے لیے حلال کر دیا۔

(مسلم، ابوداؤد، ترمذی، ابن جریر، ابن مردویہ)

اور امام احمدؒ نے انسؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ بدر کے قیدیوں کے متعلق لوگوں سے مشورہ کیا، اور فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ان کو تمہارے قابو میں دے دیا ہے، پس عمرؓ بن الخطاب نے اٹھ کر کہا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی گردنیں مار دیجیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بات سنی ان سنی کر دی اور فرمایا: اے لوگو! اللہ نے ان پر تمہیں قابو دیا ہے اور کل تک یہ تمہارے بھائی تھے

Marfat.com

عمرؓ پھر کھڑے ہوئے اور کہا: یارسول اللہ ان کی گردنیں اڑوا دیجئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر بھی اس طرف توجہ نہ کی اور لوگوں سے پہلے جیسی بات فرمائی۔ اس پر ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ اٹھے اور کہا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے خیال میں بہتر یہ ہے کہ آپ انہیں معاف فرما دیں اور ان سے فدیہ قبول کریں۔ انسؓ نے کہا کہ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے پر جو پہلے غم تھا وہ جاتا رہا۔ آپؐ نے انہیں معاف کیا اور فدیہ قبول فرما لیا۔ انسؓ نے کہا کہ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری: لولا کتابٌ من اللہ سبق لمسکم فیما اخذتم عذاب عظیم۔

احمد، ترمذی اور الحاکم کی روایت ہے کہ عبداللہؓ (بن مسعود) نے کہا: جنگ بدر کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہاری قیدیوں کے متعلق کیا رائے ہے؟ ابوبکرؓ نے کہا: یارسول اللہ یہ آپؐ کی قوم ہے آپؐ کے اہل ہیں، انہیں زندہ رہنے دیں اور ان سے توبہ کرائیں شائد اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول فرما لے، اور عمرؓ نے کہا: یارسول اللہ! انہوں نے آپؐ کی تکذیب کی آپؐ کو مکہ سے نکالا، انہیں آگے لائیے اور ان کی گردنیں اڑا دیجئے۔ اور عبداللہؓ بن رواحہ نے کہا: آپؐ ایک بہت سے سوکھے ایندھن والی وادی میں ہیں۔ اس وادی میں آگ لگوائیں اور انہیں اس میں ڈال دیں۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے اور کوئی جواب نہ دیا۔ پھر اٹھ کر گھر چلے گئے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بارے میں بعض لوگوں کے دل دودھ سے بھی نرم کر دیتا ہے اور بعض کے دل اپنے دین کی خاطر پتھر سے بھی سخت کر دیتا ہے۔ اور اے ابوبکرؓ! تیری مثال ابراہیم علیہ السلام جیسی ہے، جس نے کہا تھا: 'جو میرے پیچھے چلا وہ میرا ہے اور جس نے میری نافرمانی کی تو تو غفور رحیم ہے'۔ اور اے ابوبکرؓ تیری مثال عیسیٰؑ کی طرح ہے جس نے کہا: اگر تو ان کو عذاب دے تو یہ تیرے بندے ہیں۔ اور اگر تو ان کو بخش دے تو تو ہی نہایت غالب ہے حکیم ہے'۔ اور تیری مثال اے عمرؓ! موسیٰ علیہ السلام جیسی ہے جس نے کہا: اے ہمارے رب ان کے اموال کو مٹا دے اور ان کے دلوں کو سخت کر دے، وہ اس وقت تک ایمان نہ لائیں گے جب تک کہ دردناک عذاب کو نہ دیکھ لیں گے'۔ اور اے عمرؓ! تیری مثال نوح علیہ السلام جیسی ہے جس نے کہا: 'اے میرے رب نہ چھوڑ زمین پر کافروں میں سے ایک بھی زندہ رہنے والا'۔ تم لوگ مفلس ہو لہٰذا ان میں سے کوئی بھی فدیے یا گردن اڑائی جانے کے بغیر جانے نہ پائے۔

ابن مسعودؓ نے کہا کہ میں نے کہا یارسول اللہ سوائے سہیل بن بیضاء کے، کیونکہ وہ اسلام کا ذکر کرتا ہے۔ یعنی مسلم ہو چکا ہے یا ہونا چاہتا ہے۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے۔ اس بیے اس دن سے بڑھ کر مجھے کبھی اس بات کا خوف نہیں ہوا کہ مجھ پر آسمان سے پتھر گر پڑیں گے، حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: 'سوائے سہیل بن بیضاء کے'۔

پھر اللہ تعالےٰ نے یہ آیت اتاری: ما کان لنبی ان یکون لہ اسری حتی یثخن فی الارض الی اخر الآیۃ

الحاکم نے اس حدیث کو صحیح الاسناد کہا ہے۔

Marfat.com

اثخان کی ضرورت کیوں تھی؟

اثخان جو مقصود تھا، اس سے مراد تھی اس قدر تقتیل ———— ٹکڑے اڑانا، بہت قتل کرنا، خوب خونریزی کرنا ———— تاکہ مشرکوں کی شوکت ضعیف اور مسلمانوں کی شوکت شدید ہو جائے اور جنگِ بدر میں گو کفار کی قوت وقتی طور پر ٹوٹ گئی تھی، مگر یہ مقصد پورا نہ ہوا تھا۔ لہٰذا پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے لیے مناسب تھا کہ قیدیوں کو زندہ نہ رکھتے اور ان کا فدیہ لے کر انہیں رہا نہ کرتے عتاب کا سبب یہی تھا، غزوہ بدر مسلمانوں اور مشرکوں کے درمیان پہلی جنگ تھی، مسلمان اس سے پہلے اور بعد میں بھی قلیل تھے اور مشرک تعداد میں کثیر تھے۔ لہٰذا مشرکوں کی تعداد کو کم کرنا، ان کے جنگی مردوں کو مٹانا، ان کی شوکت کو توڑنے کا سبب بنتا، ان کے غرور کے سر کو جھکاتا اور انہیں اس قابل نہ چھوڑتا کہ پھر مسلمانوں کے مقابلے کو نکلیں۔ اور یہ مقصد اس مال کے مقابلے میں بہت بڑا تھا جو فدیے میں حاصل ہوا تھا، گو انہیں اس کی بہت ضرورت تھی۔ اس کے علاوہ ایک اور عظیم مقصد بھی تھا جس کو مسلمانوں کے دل میں بٹھانا ضروری تھا، اور یہ وہی بات تھی جو مشورہ پیش کرتے وقت حضرت عمرؓ نے کہی تھی کہ ہم اپنے اعزہ کو قتل کریں تاکہ اللہ تعالیٰ پر ظاہر ہو جائے کہ ہمارے دلوں میں مشرکوں کے لیے کوئی نرم گوشہ نہیں ہے۔ ہمارے خیال میں انہی دو واضح اور ظاہر مقاصد کی خاطر اللہ سبحانہٗ نے مسلمانوں کے لیے فدیے کی قبولیت کو ناپسند فرمایا تھا، بلکہ قبولیت فدیہ سے پہلے مشرکوں کو قیدی بنانا ہی ناپسند فرمایا تھا۔ قرآنی نص کہتی ہے:

"کسی نبی کے لیے مناسب نہیں کہ زمین میں خونریزی کیے بغیر وہ قیدی بنائے"

اور یہی سبب تھا کہ اللہ تعالیٰ نے جنگِ بدر کے قیدیوں کے فدیے کی قبولیت کے سلسلے میں بطورِ تعریض فرمایا تھا: تریدون عرض الدنیا۔ یعنی انہیں قتل کرنے کے بجائے تم نے انہیں قیدی بنا لیا اور پھر فدیہ قبول کر کے انہیں آزاد کر دیا: واللہ یرید الآخرۃ۔ اور مسلمانوں کا فرض ہے کہ اللہ کے ارادے کو فوقیت دیں، جو اس کا ارادہ ہو اسی کو اختیار کریں، وہی بہتر ہے اور باقی رہنے والا ہے۔ اور آخرت یہ چاہتی ہے کہ اس کا طالب دنیوی سامان کے ارادے سے تجرد اختیار کرے: واللہ عزیز حکیم اس نے تمہارے لیے نصرت کو مقدر کیا اور تم کو اس پر قادر بنایا، اس کی حکمت یہ تھی کہ وہ کافروں کی جڑ کاٹنا چاہتا ہے:

"تاکہ حق کو حق ثابت کرے اور باطل کو مٹائے اگرچہ مجرم ناپسند کریں"

اور پھر فرمایا کہ:

"اگر اللہ کی طرف سے سابق لکھا ہوا نہ ہوتا تو جو کچھ تم نے لیا ہے اس میں تم کو بڑی سزا ملتی"

اور اللہ کا یہ فیصلہ پہلے سے ہو چکا تھا کہ وہ اہل بدر کے افعال کو مغفرت کر دے گا، لہٰذا فدیہ لینے کا جو عذابِ عظیم ہونے والا تھا وہ اللہ کی سابق قضاء کے باعث نہیں آیا اور اللہ نے انہیں اس سے بچا لیا

Marfat.com

غنائم کی حلت کا حکم

پھر اللہ تعالیٰ کا مزید فضل وکرم یہ ہوا کہ اس نے میدان جنگ کی غنیمتوں کو مسلمانوں پر حلال کر دیا۔ اور یہ فدیہ بھی انہی کا ایک حصہ ہے جس میں کہ انہیں عتاب ہوا تھا۔ اور مال غنیمت پہلی شریعتوں میں رسولوں کے اتباع پر حرام تھا۔ پس اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت و مغفرت کے ساتھ ساتھ انہیں تقویٰ کا حکم دیا ہے۔ یہ اس لیے کہ ان کے رب کے حضور میں ان میں توازن پیدا ہو جائے، مغفرت و رحمت انہیں مغرور نہ کر دے اور تقویٰ اور خوفِ الٰہی انہیں مایوس نہ کر دے۔

"پس کھاؤ جو تم نے مالِ غنیمت لیا ہے حلال و طیب اور اللہ سے ڈرو، بلاشبہ اللہ غفور ہے رحیم ہے۔"

قیدیوں کی دل جوئی

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے قیدیوں کے دلوں میں امید کی شعاعیں روشن کیں۔ انہیں ماضی سے بہتر مستقبل کو امید دلاتی ہے اور ظاہری و باطنی فوائد کا وعدہ فرمایا ہے:

"اے نبی! کہو ان قیدیوں سے جو تمہارے قبضے میں ہیں کہ اللہ تمہارے دلوں میں خیر جانے گا تو جو کچھ تم سے لیا گیا ہے، اس سے تمہیں بہتر دے دے گا اور تمہیں بخش دے گا۔ اور اللہ غفور رحیم ہے۔"

اس آیت میں جو خیر کا لفظ ہے اس کا مطلب معلق ہے اس شرط کے ساتھ کہ ان کے دل نور ایمان کے لیے کھل جائیں، اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ نے ان کے دلوں میں خیر کو پا لیا۔ اور خیر سے مراد ایمان ہے جو نام لینے ذکر کرنے اور تنصیص سے ماورا رہے، وہ سراسر خیر ہے، محض خیر ہے اور کوئی چیز خیر کہلانے کی مستحق نہیں ہے جب تک اس سے نہ نکلے اور اس پر قائم نہ ہو۔

قیدیوں کے ساتھ اسلام اور غیر اسلام کا رویہ

بڑے بڑے تہذیب و تمدن کے مدعی اور اخلاق کے معلم قیدیوں کے معاملے میں بالکل سنگ دل ہو جاتے ہیں۔ انہیں ذلیل کرتے ہیں، ان سے انتقام لیتے ہیں، انہیں ذہنی و جسمانی اذیت پہنچاتے ہیں، آج کل کے مہذب حکومتوں کے ہاں ایذا رسانی اور زبردستی اعتراف کرانے کے ایسے خطرناک، موذی، تکلیف دہ، سائنٹیفک آلات ہوتے ہیں کہ کوئی بڑے سے بڑا مضبوط انسان بھی ان کے سامنے ٹھہر نہیں سکتا۔ قیدیوں سے ان کے ممالک اور حکومتوں کے صحیح یا فرضی راز اگلوانے کے لیے ان پر تشدد کیا جاتا ہے، انہیں مارا پیٹا جاتا ہے، گالیاں دی جاتی ہیں، جسمانی اور ذہنی اذیتیں دی جاتی ہیں۔ اذیت دینے پر خاص قسم کے ظالم لوگ متعین ہوتے ہیں، جن کا کام ہی فقط ایذا رسانی ہے، اسلام نے قیدیوں کے ساتھ کبھی ذلت آمیز سلوک نہیں کیا نہ ان سے اعتراف کرانے کے لیے انہیں ناقابل بیان اذیتیں دی ہیں۔ وہ ان کے دلوں کو ضرور ٹٹولتا ہے، اگر خیر کا

مادہ نظر آئے تو ان کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ انہیں یرغمال بنا کر نہیں رکھتا، نہ ان سے جبری مشقت لیتا ہے جیسا کہ رومی کیا کرتے تھے اور جدید دور میں اس کی بدترین مثال سوویٹ روس کے جبری مشقت کے کیمپ ہیں جو سائیبریا کے برفانی علاقوں میں قائم کیئے گئے ہیں۔ اور بہت کم ہوا ہے کہ کوئی شخص وہاں سے زندہ واپس آگیا ہو۔

عباس رضؓ سے گفتگو اور نبوی معجزہ

سیرت و حدیث کی کتابوں میں زہری کی ایک روایت ہے جو اس نے ایک جماعت کے حوالے سے بیان کی ہے کہ جب قریش نے اپنے قیدیوں کا فدیہ بھیجا اور ہر قوم نے اپنا قیدی چھڑایا، تو عباسؓ نے کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں تو مسلم تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تیرے اسلام کو اللہ ہی خوب جانتا ہے، اگر تیری بات ٹھیک ہے تو اللہ تجھے جزاء دے گا، لیکن بظاہر تو تو ہمارے خلاف تھا، لہٰذا تو اپنا اور اپنے دو بھتیجوں کا فدیہ ادا کر۔ یعنی نوفل بن الحارث بن عبدالمطلب، اور عقیل بن ابی طالب بن عبدالمطلب کا۔ اور اپنے حلیف عتبہ بن عمرو کا جو بنی الحارث بن فہر میں سے ہے۔ عباسؓ نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ میرے پاس نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا: پھر وہ دولت کہاں ہے جس کو تو نے اور ام الفضل (عباسؓ کی بیوی) نے دفن کیا تھا؟ تو نے اس سے کہا تھا کہ اگر میں اپنے اس سفر میں مبتلائے مصیبت ہو جاؤں تو یہ مال جو میں نے دفن کیا ہے۔ یہ میرے بیٹے الفضل اور عبداللہ اور قثم کا ہے۔ عباسؓ نے کہا: واللہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں جانتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ یہ واقعہ ایسا تھا کہ جس کو میرے اور ام الفضل کے سوا کوئی نہ جانتا تھا۔ پس یا رسول اللہ جو آپ نے مجھ سے لیا ہے اس کا میرے بیے حساب کیجئے۔ یہ بیس اوقیہ اس مال میں سے ہے جو میرے پاس تھا، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں! وہ ایک چیز ہے جو اللہ نے ہم کو تجھ سے دلوائی ہے، پس عباسؓ نے اپنا، اپنے دو بھتیجوں کا اور اپنے حلیف کا بھی فدیہ ادا کیا۔ اس پر اللہ تعالےٰ نے یہ آیت اتاری:

"اے نبی! کہو ان قیدیوں سے جو تمہارے ہاتھوں میں ہیں کہ اللہ تعالیٰ اگر تمہارے دلوں میں خیر معلوم کرے گا تو تمہیں اس سے بہتر دے گا جو تم سے لیا گیا ہے اور تمہیں بخش دے گا اور اللہ بہت بخشنے والا ہے بہت رحم فرمانے والا ہے۔"

عباسؓ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو بیس اوقیہ کے بجائے اسلام کی حالت میں بیس غلام دیئے ان میں سے ہر ایک کے ہاتھ میں مال تھا جس سے وہ کاروبار کرتا تھا، اور اس کے ساتھ مجھے اللہ عزوجل کی مغفرت کی بھی امید ہے۔

خیانت کا انجام

اب ایک طرف تو اللہ تعالیٰ نے اوپر کی آیت میں قیدیوں کے سامنے چمکدار امید کی کھڑکی کھولی، دوسری طرف وہ ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خیانت کرنے سے خوف دلاتا ہے، جیسے کہ انہوں نے اس سے پہلے خیانت کی تھی۔ اور اس کا نتیجہ پالیا تھا۔ فرمایا:

"اور اگر وہ تجھ سے خیانت کا ارادہ کریں تو اس سے پہلے بھی وہ اللہ سے بد دیانتی کر چکے ہیں اور اس نے انہیں قابو میں کرا دیا، اور اللہ بہت عالم بہت حکمت والا ہے۔"

Marfat.com

ان کی پہلی خیانت ایک تو یہ تھی کہ انہوں نے اللہ کے ساتھ اوروں کو شریک ٹھہرایا، اس کی ربوبیت میں دوسروں کو حصہ دار بنایا۔ اس نے انسان کی فطرت سے عہد لیا تھا، مگر انہوں نے اس کے عہد کی خلاف ورزی کر کے خیانت کی۔ اب اگر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قابو میں ہونے کے باوجود، آپ کی رحمت و شفقت سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے آپ سے بددیانتی کریں گے تو اپنی بددیانتی کو اور اس کے نتیجے کو دیکھ لیں۔ اُسی نے تو انہیں قید میں ڈلوایا تھا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ کے دوستوں کو ان پر قابو دیا تھا۔ تو اللہ ان کے دلی بھیدوں کا علیم ہے اور انہیں سزا دینے میں حکیم ہے۔

آیت کی تفسیر میں امام ابن العربیؒ کا قول

تفسیر قرطبیؒ میں امام ابن العربیؒ کا قول مذکور ہے کہ قیدی مشرکوں میں سے بعض نے اسلام کا کلمہ پڑھ لیا مگر یہ دلی عقیدے کا اعتراف اور پختہ عزم نہ تھا۔ ان کا ارادہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں سے قریب ہو جائیں مگر مشرکوں سے بھی دور نہ جائیں۔ ہمارے علماء کا قول ہے کہ اگر کسی آدمی کے دل میں ایمان ہو اور زبان سے بھی اس کا اظہار کرے مگر اسلام قبول کرنے کا اس کا پختہ ارادہ ——— عزیمت ——— نہ ہو۔ تو وہ مومن نہ ہوگا اور اگر اس قسم کی بات کسی مومن سے ظاہر ہو تو وہ کافر ہوگا۔ ہاں وسوسہ ایسی چیز ہے جسے دفع کرنا اس کے لیے ممکن نہیں ہوتا، اللہ نے اسے معاف کر دیا ہے اور اسے ساقط کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ پر حقیقت واضح کر دی کہ :

"اور اگر وہ تم سے خیانت کا ارادہ کریں"

یعنی اگر ان کا یہ قولِ اسلام، کلمہ کا اقرار، خیانت و مکر ہے تو :

"وہ اس سے پہلے بھی خیانت کر چکے ہیں"

کہ انہوں نے کفر کیا، آپؐ کے خلاف تدبیر کی اور آپؐ سے قتال کیا۔ اور اگر ان کی یہ بات درست ہے ——— اور اللہ اسے جانتا ہے کہ ایسی ہے یا نہیں ——— تو اللہ ان سے اسکو قبول کرے گا اور جو کچھ ان کا خرچ ہوا ہے اس سے بہتر انہیں دے گا، اور ان کا گزشتہ کفر، مکر اور خیانت ان کو بخش دے گا۔

اسلام اور بین الاقوامی تعلقات

اس سورت کے اواخر میں اسلامی معاشرے کے اندرونی اور بیرونی تعلقات بیان فرمائے گئے ہیں۔ ان تعلقات کی تنظیم کے احکام ارشاد ہوئے ہیں۔ اس سے اسلامی معاشرے کی فطرت معلوم ہو سکتی ہے، اور وہ قاعدہ جس پر وہ قائم ہے اور جو قاعدہ اس سے آگے دوسروں تک چلتا ہے، یہ تعلقات خون، زمین، جنس، تاریخ زبان، اقتصاد، قرابت، وطنیت و قومیت اور اقتصادی مصالح کے تعلقات نہیں۔ بلکہ خالصتاً عقیدے کے تعلقات ہیں۔ اور پھر اس کے ماتحت قیادت و تنظیم اور تحریک کے تعلقات ہیں۔ دارالاسلام کی طرف ہجرت کرنے والے مہاجر مومن اپنی زمین اور اس کی ہر دلچسپی کو چھوڑ کر آئے تھے، اپنے مالوں اور جانوں سے راہِ خدا

Marfat.com

میں جہاد کرتے تھے۔ اور وہ لوگ جو انہیں پناہ دیتے تھے اور ان کی نصرت کرتے تھے اور ان کے عقیدے اور قیادت کے ماتحت ہوتے تھے، یہ سب لوگ ایک تحریک کے ارکان تھے اور باہم ایک دوسرے کے ولی تھے۔ جو ایمان دار ہجرت نہ کرتے تھے ان میں اور اسلامی جماعت میں ولایت کا تعلق نہیں ہے۔ کیونکہ وہ تا حال عقیدے کی خاطر مجرد نہ ہوئے تھے، اور ایک قیادت کے ماتحت نہ ہوئے تھے، نہ انہوں نے ایک تحریک وتنظیم کے قواعد وضوابط کو اپنایا تھا۔ پھر میراث وغیرہ کے معاملات میں اس اسلامی تحریکی مجمع میں خونی قرابت کو مصلحتاً ترجیح دی جاتی تھی۔ اور کافر اس طرح باہم ایک دوسرے کے ولی تھے۔ پس تعلقات وارتباطات میں یہی بنیادی، ربطی خطوط ہیں جو ان واضح وصریح نصوص میں آئے ہیں۔

آیات (۷۲ ——— ۷۵) میں فرمایا:

"بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اپنے مال وجان سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور وہ لوگ جنہوں نے انہیں پناہ دی اور ان کی نصرت کی وہ ایک دوسرے کے ولی (قلبی وعقیدہ کے دوست!) ہیں۔ اور جو ایمان تو لائے مگر ہجرت نہ کی، تمہیں ان کی ولایت سے کوئی واسطہ نہیں جب تک وہ ہجرت نہ کریں۔ اور اگر وہ تم سے دین میں مدد مانگیں تو تم پر ان کی مدد فرض ہے مگر اس قوم کے خلاف نہیں کہ تم میں اور ان میں عہد ہے۔ اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھنے والا ہے۔ اور جو لوگ کافر ہیں ان میں سے بعض بعضوں کے ولی دوست ہیں۔ اگر تم ایسا نہ کرو گے (یعنی ان کی مدد جو ایمان دار ہیں) تو زمین میں فتنہ اور بڑا فساد ہوگا، اور جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور جن لوگوں نے پناہ دی اور نصرت کی وہی برحق مومن ہیں، انہیں کے لیے مغفرت اور بڑا اجر ہے۔ اور جو اس کے بعد ایمان لائے اور ہجرت کی اور تمہارے ساتھ ہو کر جہاد کیا تو وہ تم ہی سے ہیں۔ اور قرابت داروں میں سے اللہ کی کتاب میں بعض بعضوں سے قریب تر ہیں، بلاشبہ اللہ ہر شئے کو خوب جاننے والا ہے۔"

ولایت اور ہجرت

اسلامی جماعت کی ابتداء سے جنگ بدر تک مسلم معاشرے میں مسلمانوں کے مابین ولایت، باہمی توارث کی اور دیتوں میں تکافل کی اور نصرت واخوت کی ولایت تھی جو خون، نسب اور قرابتوں کی قائم مقام تھی۔ حتیٰ کہ جب سلطنت وجود میں آگئی اور اللہ تعالیٰ نے اہل کو بدر میں یوم الفرقان کی فتح سے نوازا، تو ولایت ونصرت کو باقی رہی مگر اللہ تعالیٰ نے میراث اور دیتوں کے باہمی تکافل کو خونی قرابت کے حوالے کر دیا، جو مسلم جماعت کے اندر تھی۔ مگر وہ ہجرت جس کی طرف یہ آیت اشارہ کرتی ہے اور اسے اس ولایت کی شرط ٹھہراتی ہے ——— یعنی عام وخاص ولایت ——— اس سے مراد دارالشرک سے دارالاسلام کی طرف ہجرت ہے، حسب استطاعت۔ لیکن جو ہجرت کر سکتے ہوں اور نہ کریں کیونکہ مشرکوں کے ساتھ ان کی بعض مصلحتیں اور قرابتیں وابستہ ہیں، سو ان میں اور مسلم معاشرے میں کوئی ولایت نہیں ہے۔ یہی حال تھا بعض ان بدوؤں کا جو اسلام لائے تھے۔ مگر انہوں نے ہجرت نہیں کی تھی اور باعث اس

Marfat.com

کا اسی قسم کی چیز پر تھیں۔ یہی حال بعض مکہ والوں کا تھا جو ہجرت پر قادر تھے مگر انہوں نے ہجرت نہ کی تھی۔ مگر یہ لوگ اور وہ مذکورۂ بالا لوگ، اللہ تعالیٰ نے ان کے دین کی خاطر مدد طلب کرنے پر مسلمانوں پر واجب کیا ہے کہ ان کی مدد کریں۔ لیکن اس مدد کی بھی ایک شرط یہ ہے کہ مسلم معاشرے، حکومت و سلطنت میں اور ان لوگوں میں معاہدہ نہ ہو جن کے خلاف مدد مانگی جائے۔ سبب اس کا یہ ہے کہ عہد اور تحریکی ضروریات کا پاس سب سے پہلے ضروری ہے۔

ہمارے خیال میں یہ نصوص واحکام مسلم معاشرے کی فطرت وطبیعت پر، اس کے بنیادی اعتبارات پر، جن کا تعلق اس کی عضوی ترکیب اور اس کی بنیادی قدر و قیمت پر ہے۔ کافی دلالت کرتے ہیں، مگر یہ دلالت پوری طرح واضح نہیں ہوگی جب تک کہ ہم اس معاشرے کی تاریخی نشو و نما پر اور اس کے اصولی قواعد پر بات چیت نہ کرلیں۔ لہٰذا اب ہم اسی چیز کو بیان کرتے ہیں۔

اسلامی دعوت اور انسانیت کی تاریخ

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک پر اسلامی دعوت کا صرف آخری حصہ ظاہر ہوا تھا۔ جب کہ رسولوں کی قیادت میں اس دعوت کا سلسلہ کافی طویل ہے۔ بشری تاریخ میں اس دعوت کا صرف ایک مقصد رہا ہے اور وہ ہے، لوگوں کو ان کے الٰہ برحق و واحد کی پہچان کرانا، انہیں ان کے الٰہ حق کا بندہ بنانا اور مخلوق کی خدائی کو باطل ٹھہرانا۔ لوگ الوہیت کے مبدا اور وجود الٰہی کا کبھی انکار نہ کرتے تھے سوائے چند افراد کے جنہوں نے مختصر وقفوں میں اس کا انکار کیا۔ بات دراصل یہ تھی کہ لوگ اپنے رب برحق کی معرفت میں خطا کرتے تھے یا اللہ کے ساتھ اور معبودوں کو شریک کرتے تھے یا تو عقیدے کی صورت میں یا عبادت کی صورت میں اور یا پھر حاکمیت و اتباع کی صورت میں اور یہ سب شرک ہیں جو انسان کو اللہ کے دین سے خارج کر دیتے ہیں اللہ کا دین ہر رسول کے ہاتھ پر آیا، مگر زیادہ مدت گزر جانے سے لوگوں نے اس کا انکار کیا اور جاہلیت کی طرف لوٹ گئے اور دوسری بار شرک میں مبتلا ہو گئے۔ یہ شرک یا تو عقیدے اور عبادت میں تھا، یا اتباع اور حاکمیت میں، اور یا دونوں میں۔

(انسانی تاریخ کے مدار پر دعوت الی اللہ کی یہی تاریخ رہی ہے۔ اس دعوت کا مقصد اسلام ہے، یعنی بندوں کو ان کے رب کے سامنے جھکانا، اور ان کو بندوں کی عبادت سے نکال کر ربِّ واحد کی بندگی میں داخل کرنا۔ بندوں کو بندوں کے تسلط، حاکمیت، قانون، قیم و تقالید سے نکالنا اور اللہ کی سلطنت، قانون حاکمیت قوانین، اقدار و قیم اور تقالید و رسوم میں داخل کرنا۔ اس کام کا تعلق زندگی کے کسی ایک گوشے سے نہیں بلکہ تمام شعبوں سے ہے۔)

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر آنے والے اسلام کا مقصد بھی یہی تھا، اور آپ سے پہلے آنے والے رسولوں کا بھی یہی مقصد تھا، ساری کائنات میں اللہ کی حاکمیت کارفرما ہے؛ پس اس کا حکم رسولوں کو یہ تھا کہ انسانوں کی زندگی کے اختیاری حصے میں بھی اس حاکمیت کو جاری وساری کیا جائے۔ جو قانون ساری کائنات کا ہے وہی انسان کا ہو، انسان اس معاملے میں سارے وجود سے الگ تھلگ اور شاذ نہ رہے۔ انسانوں کی غیر ارادی

Marfat.com

زندگی، ان کی نشوونما، پیدائش و موت، صحت و مرض میں جو قانون کارفرما ہے وہ ان کی ارادی زندگی میں ہونا چاہیئے۔ انسان اپنی اجتماعی زندگی کے قوانین کو بدلنے پر قادر نہیں ہیں، اسی طرح انہیں اپنی ارادی واختیاری زندگی میں بھی شرائع الہیہ کو کارفرما کرنا چاہیئے۔ ان شرائع کی آخری صورت وہ ہے جسے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں۔

جاہلیت ہر دور میں ایک اجتماعی تحریک تھی

جو جاہلیت رسولوں کے پیغام اور خدائی شریعت کی ضد رہی ہے تاریخ انسانی کے مختلف وقفوں میں اس کا مقابلہ رسولوں سے ہوتا رہا ہے اور آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ہوئی۔ یہ جاہلیت کوئی نظریہ نہ تھا۔ بلکہ ہمیشہ ایک اجتماعی تحریک تھی۔ جس کا تعلق انسانی معاشروں اور ان کے اجتماع سے تھا۔ جاہلی قیادت ہمیشہ حیات کے اجتماعی گوشوں پر حکمران رہی ہے۔ جاہلی معاشرے اپنے تصورات، قدر و قیمت عادات و رسوم اور تقالید و عادات میں اسی جاہلیت اور اس کی قیادت کے تابع تھے پہلے بھی تھے اور آج بھی ہیں۔ ان معاشروں کے افراد مل جل کر باہمی تعاون و تفاخر اور وحدتِ مقاصد کے ساتھ جاہلیت کو ایک اجتماعی تحریک بناتے ہیں۔ تحریک کا مقابلہ تحریک ہی کر سکتی ہے، لہٰذا جاہلیت کا مقابلہ محض اسلامی نظریہ نہیں کر سکتا۔ جب تک کہ اسے تحریک نہ بنایا جائے۔ اگر وہ تحریک نہیں ہے تو جاہلیت پر غلبہ تو رہا ایک طرف وہ اس کا مقابلہ کرنے کی سکت بھی نہیں رکھے گی۔

اسلام کی اولین بنیاد

نظری حیثیت سے اس قاعدے کی تقریر یہ ہے کہ انسانی زندگی پوری کی پوری اللہ کی طرف لوٹے۔ زندگی کے شعبوں میں سے کسی شعبے میں لوگ اپنی طرف سے اس میں کوئی فیصلہ نہ کریں، کوئی جانب ان کے اپنے ارادے اور اختیار کے مطابق نہ چلے، بلکہ لابدی امر یہ ہے کہ وہ ہر بات میں اللہ کے فیصلے کی طرف لوٹیں۔ اور اللہ کا فیصلہ اور حکم صرف ایک مصدر سے معلوم ہو سکتا ہے اور وہ مصدر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کا لایا ہوا قانونِ الٰہی ہے۔ یہی مطلب ہے اسلام کے کلمہ کے دوسرے جزء یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی شہادت کا۔ یہی وہ نظری اساس ہے جس پر اسلام قائم ہوتا ہے اور انسانی زندگی کے لیے ایک کامل منہج فرد کی زندگی اور جماعت کی زندگی، ہر دو پر ہر جانب سے محیط ہے۔ زندگی کی تمام فروع اسی پر قائم ہیں۔ اسلامی حکومت کے داخلی و خارجی معاملات، بین الاقوامی قانون اور تعلقات اسی پر قائم ہوتے ہیں اسلامی معاشرے کے دوسرے غیر اسلامی معاشروں کے ساتھ تعلقات کی بنیاد یہی اساس ہے۔

اسلام ایک اعتقادی و عملی دین ہے

ایک مجرد نظریئے اور اسلام میں بہت فرق ہے۔ مجرد نظریہ انسانی زندگی کا ضابطہ پیش نہیں کرتا۔ وہ صرف ایک خالی خولی عقیدہ ہوتا ہے جس کے ساتھ صرف چند عبادتیں اور پوجا پاٹ کی رسوم ہوتی ہیں

Marfat.com

پھر وہ زندگی کے باقی حصے کھلے اور آزاد چھوڑ دیتا ہے، تاکہ اس نظریئے کے قائلین ان میں جاہلیت کے قواعد و ضوابط کو جاری کریں .... ایسے لوگوں کا وجود ——— چاہے وہ تعداد میں کتنے کثیر ہوں ——— ایک فعلی و عملی اسلامی وجود نہیں ہوتا۔ کیونکہ انسان چار و ناچار اپنی زندگی کے لیے قواعد و ضوابط اور قوانین کا محتاج ہوتا ہے۔

جب وہ زندگی کے قوانین جاہلیت سے حاصل کرے گا تو اس کا وجود اسلامی نہ رہے گا بلکہ جاہلی ہو جائے گا۔ یہ مجمع خواہ اپنے آپ کو "اسلامی" کہتا رہے بہرحال وہ ہوگا غیر اسلامی۔ کیونکہ اس کی زندگی جاہلی ہے۔ اس کے قواعد ضوابط اور قوانین جاہلی ہیں، اس کی سوچ، اس کے معاشرتی و معاشی و سیاسی اصول و ضوابط جاہلی ہیں۔ جب تک دل کے عقیدے کے ساتھ عمل و فعل کو انفراداً و اجتماعاً مسلم نہ بنایا جائے انسان انفرادی و اجتماعی طور پر مسلم نہیں ہو سکتا۔

اسلامی اور غیر اسلامی عقیدے کی جہتیں مختلف ہیں!

اسلامی اور غیر اسلامی عقیدے دو الگ الگ سمتوں اور جہتوں میں چلتے ہیں۔ دونوں کے لیے لازم ہے کہ اول قدم سے ہی اپنی منزلِ مقصود کی طرف بڑھیں اور پھر یہ دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ دونوں ایک دوسرے کو مٹانا اور ایک دوسرے پر غلبہ پانا چاہتے ہیں۔ جاہلی عقیدے کے لیے جاہلی قیادت ہوتی ہے اور اسلامی عقیدے کے لیے اسلامی قیادت جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس میں متمثل ہوتی تھی۔ لازم ہے۔ اسلامی قیادت کا ہدف یہ ہے کہ تمام انسانوں کو اللہ وحدہٗ کی الوہیت، ربوبیت اور قوامیت کی طرف لوٹائے۔ اس کی حاکمیت و سلطنت اور اسی کی شریعت کی بالادستی قائم کرے۔ اور یہ کہ ہر کلمہ گو، توحید و رسالت پر ایمان لانے والے کو جاہلی تحریک سے الگ کرے، اس قیادت سے دستبردار ہو اور دوسروں کو کرے جو جاہلی تحریک کی علمبردار ہو۔ خواہ یہ قیادت دین کے نام پر ہو۔ مثلاً کلیسا کی قیادت۔ بت خانوں اور پوجا گھروں کے مجاوروں کی قیادت۔ جاہلی قیادت کے ساتھی اور پرورد جادوگروں کی قیادت عرافوں، کاہنوں اور نجومیوں کی قیادت یا وہ سیاسی قیادت ہو یا اجتماعی و اقتصادی جیسی کہ قریش کی تھی۔ اور جاہلی تصورات و اعمال و تحریک و قیادت سے کامل دستبرداری اور بیزاری، اسلامی قیادت کا مطمعِ نظر ہے۔ اس چیز کا مسلم سے متحقق ہونا بالکل ابتداء میں جب کہ وہ جاہلیت سے نکل کر اسلام میں آئے، لابدی ہے۔ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا یہی تقاضا ہے، مسلم جماعت، قیادت اور معاشرہ اس کے بغیر وجود میں نہیں آ سکتے۔ انہیں محض زبانی کلمہ، خالی خولی نظریہ اور نام کا مذہب درکار نہیں ہے۔ خواہ اس کے افراد کی تعداد کتنی کثیر ہو۔ اسلامی جماعت کا مستقل ذاتی وجود اس کے بغیر ناممکن ہے۔ کہ اس کے افراد جاہلیت کی ہر شئے سے بیزار ہو کر اور جاہلی جماعت، قیادت اور معاشرے سے بیزار ہو کر، اس سے نکل کر آئیں اور سوچ سمجھ کر از سرِ نو کلمۂ شہادت ادا کریں، ان کی اپنی جماعت ہو، اپنی قیادت ہو اور اپنی تحریک ہو۔

Marfat.com

اسلام کیسے وجود میں آیا تھا؟

اسلام ایک مجمل نظری قاعدے سے شروع ہوا۔ یہ قاعدہ ایک تحریک اور جماعت اور معاشرے کا متقاضی تھا، چنانچہ شروع ہی سے یہ جماعت، تحریک اور اسلام کی قیادت وجود میں آگئی وہ جاہلی تحریک سے ہر لحاظ سے الگ تھلگ تھی، اس کی اپنی قیادت تھی، اپنے اصول تھے، اپنے طور طریقے تھے، اپنی عبادات و شعائر تھے، اور اب بھی عملاً و فعلاً جب اور جہاں کہیں اسلام وجود میں آئے گا، اسی طرح آئے گا، اس کی اپنی قیادت ہوگی، جو اسے جاہلی قیادت سے بالکل الگ کرکے ایک نیا فلسفہ، نیا علم، نئے قواعد و ضوابط اور نئے قوانین دے گی، ہم ان نصوص اور ان کے احکام کی تہہ میں اسی وقت اتریں گے جب کہ ہم اسلام کی نشاۃ ثانیہ اس کے فطری تقاضے اور اسرار، اسلام کی طبیعت و فطرت، اس کی تحریک اور اس کے احکام و ضوابط کو سمجھیں، جو نصوص و احکام سورۃ انفال کے اواخر میں وارد ہوئے ہیں۔ مسلم جماعت کے اندرونی و بیرونی رابطوں کو کما حقہ، صرف اسی وقت سمجھا جا سکتا ہے۔ جب کہ اس جماعت کے وجود، اس کے اجزائے ترکیبی، اس کی تحریک اور اس کے افراد کے حقوق و فرائض کو جان لیا جائے۔ ان تمہیدی سطور کے بعد اب ہم اس پوزیشن میں ہیں کہ قرآن کی ان نصوص کو اور ان احکام کو پڑھ لیں اور ان کا مطلب و تفسیر پیش کرسکیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے الانفال کی آیات ۷۲ : ۷۳ میں ارشاد فرمایا ہے:

"بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کیا، اور جن لوگوں نے ان کو ٹھکانا دیا اور مدد کی یہ لوگ ایک دوسرے کے ولی ہیں، اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت نہ کی تو تمہیں ان کی ولائت سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ جب تک کہ وہ ہجرت نہ کریں۔ اور اگر وہ تم سے دین میں مدد مانگیں تو تمہارے ذمہ ان کی مدد ہے۔ مگر اس قوم کے خلاف نہیں کہ تم میں اور انہیں معاہدہ ہے، اور اللہ تمہارے اعمال کو خوب دیکھنے والا ہے، اور جو کافر ہوئے ان میں سے بعض بعضوں کے ولی ہیں۔ اگر تم ایسا نہ کرو گے (جس کا حکم اوپر گزرا)، تو زمین میں بڑا فتنہ اور بڑا فساد ہوگا۔"

اسلامی ولاء کی بنیاد کیا تھی؟

وہ سب لوگ جنہوں نے مکہ میں لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہا تھا وہ اپنی برادری قبیلے اور خاندان کی ولاء سے الگ ہو گئے تھے، انہوں نے جاہلی قیادت کا جوا اپنی گردن سے نکال پھینکا تھا اور اپنی ولاء اور اپنی مہار محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کر دی تھی۔ ان کی وفاداری جاہلی قیادت سے ہٹ کر اس نئے اسلامی معاشرے کے لیے خاص ہوگئی تو جو شہادتِ توحید و رسالت پر قائم ہوا تھا۔ یہ امتیاز میدانِ جنگ میں آمنے سامنے ہونے سے بہت پہلے قائم ہو گیا تھا، اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس چھوٹے سے جدید معاشرے کے افراد میں عقدِ مواخات قائم کر دیا تھا، تاکہ جو نئے لوگ اس جدید جماعت میں شامل ہوں تو انہیں بیگانگی محسوس نہ ہو۔ سب افراد ایک ہی برادری اور ایک ہی معاشرے کے برابر برابر

Marfat.com

افراد بن جائیں جو اخوت اسلامی کے رشتے میں منسلک ہوں اس نئی جماعت میں عقیدہ اُسی قسم کے رابطے کا کام دیتا تھا جیسا کام کہ جاہلی معاشرے میں خون اور نسب کے رابطے دیتے تھے۔ جدید معاشرے کی ولاء قدیم جاہلی قیادت کی ولاء کی قائم مقام تھی پھر جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لیے دارالہجرت کو فتح کیا کیونکہ مدینہ میں ایک مسلم جماعت قائم ہو گئی تھی، تو سب مسلمانوں نے ولائے مطلق پہ اسلامی قیادت کی بیعت کر لی۔ اور شرط یہ تھی کہ پسند اور ناپسند، ہر موقع پر سمع واطاعت کریں گے اور جن چیزوں سے وہ اپنی اولاد، اموال، قوانین کی حفاظت و حمایت کرتے ہیں، ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بچائیں گے۔ مدینہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں مسلم حکومت قائم ہو گئی تو آپ آنجناب نے مہاجروں اور انصار میں عقد مواخات قائم فرمایا۔ یہ عقد عقیدہ کی بنیاد پر قائم تھا اور اس میں خون، رنگ نسل کی جگہ عقیدہ نے لے لی تھی۔ ایک عرصے تک وراثت، دیت اور تمام وہ معاملات جو نام ونسب اور خون پر قائم ہوتے ہیں، ان کی بنیاد فقط یہی عقیدہ رہا۔ اس وقت یہ حکم تھا کہ:

"بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا، اور وہ لوگ جنہوں نے ان کو ٹھکانا دیا اور ان کی مدد کی، یہ سب باہم ایک دوسرے کے ولی ہیں۔"

یہ ولاء، نصرت، وراثت، دیات وغیرہ ہر چیز میں تھی۔

شرائطِ ولاء میں سے ایک شرط پوری نہ کرنے والے

پھر کچھ لوگ ایسے پائے گئے جو بطورِ عقیدہ تو اسلام میں داخل ہو گئے تھے مگر فعلاً وہ اسلامی معاشرے میں آکر نہیں ملے تھے۔ وہ اسلام اور اسلامی شریعت کے وطن دارالاسلام میں نہ آئے تھے۔ پس ایسے لوگ خواہ مکہ میں تھے یا مدینہ کے ماحول میں، یعنی بدویانہ زندگی بسر کرنے والے۔ انہیں عملی طور پر اسلامی جماعت کا رکن تصور نہ کیا گیا اور انہیں ولایت اپنے پورے معانی کے ساتھ حاصل نہ ہوئی کیونکہ انہوں نے اس کی ایک اہم شرط کو پورا نہ کیا تھا، پس ان کے بارے میں یہ حکم نازل ہوا:

"اور جو لوگ ایمان لائے مگر انہوں نے ہجرت نہ کی، تمہیں ان کی ولایت سے کوئی سروکار نہیں۔ جب تک وہ ہجرت نہ کریں، اور اگر وہ دین میں تم سے مدد مانگیں تو تم پر ان کی مدد ضروری ہے، ہاں! کسی ایسی قوم کے خلاف نہیں کہ تم میں اور ان میں معاہدہ ہے۔"

پس یہ لوگ مسلم معاشرے کے عملی اجزاء شمار نہیں ہوئے۔ یہی سبب ہے کہ ولایت کی ایک اہم شرط ——— ہجرت ——— کے فقدان کے باعث یہ لوگ فعلاً اسلامی معاشرے سے دور رکھے گئے اور انہیں اسلامی ولاء نہ مل سکی۔ لیکن ان میں اور مسلمانوں میں عقیدے کا رابطہ موجود ہے جس کی موجودگی کے باعث بعض اسلامی ذمہ داریاں مشترک ہوں گی۔ پس جب یہ لوگ مسلمانوں کے ——— جو دارالاسلام کے باشندے ہوں گے ——— دین میں مدد مانگیں گے تو مسلمانوں پر ان کی مدد فرض ہوگی مگر شرط یہ ہے کہ یہ مدد کسی ایسی قوم کے خلاف نہ ہو جن کا مسلمانوں کے ساتھ معاہدہ ہے۔ پس یہاں پر دو حکم ہو گئے:

Marfat.com

د۔ ہجرت کر کے دارالاسلام میں نہ آنے والے لوگ اگر خالص دینی معاملات میں مسلمانوں سے مدد مانگیں تو ان کی مدد کی جائے گی۔

ب۔ مگر اس مدد کی شرط یہ ہے کہ وہ کسی معاہد قوم کے خلاف نہ ہو، کیونکہ عقیدے کا احترام و اہمیت اپنی جگہ مسلم ہے۔ مگر عہد و پیمان کی پابندی بھی ایک اسلامی فریضہ ہے جسے ہجرت کر کے نہ آنے والوں کی خاطر جھلایا نہیں جا سکتا۔

اور اللہ تعالیٰ جو عالم الغیب والشہادۃ ہے، تمہارے ہر قول و فعل کو جانتا، دیکھتا اور سنتا ہے۔ اسی کا یہ حکم ہے کہ عہد کی پابندی کو اپنا شعار بناؤ۔

جاہلی معاشرہ بھی ایک تحریک ولاء و تعاون ہے

آیت ۷۳ میں فرمایا ہے کہ:

"اور جو لوگ کافر ہیں وہ ایک دوسرے کے ولی ہیں"

اوپر گزر چکا ہے کہ جاہلی معاشرہ افراد کی مانند حرکت نہیں کرتا بلکہ وہ عضویاتی اجتماع کی مانند حرکت کرتا ہے۔ جس کے اعضاء و جوارح اس کے وجود کی فطرت و طبیعت اور تکوین سے اس معاشرے کو آگے دھکیلتے ہیں تاکہ وہ اس معاشرے کے وجود و کیان کو بچائیں۔ پس وہ طبعاً (اور حکماً) ایک دوسرے کے اولیاء (دلی خیر خواہ) ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام بھی جب اس کے مقابلے کو آتا ہے تو ایک اجتماعی تحریک، ایک متحرک معاشرے کی حیثیت سے آتا ہے۔ بلکہ اس معاشرے کے اعضاء و اجزاء میں جاہلی معاشرے کے افراد سے بڑھ کر تعاون، خیر خواہی، ہمدردی اور خیر سگالی ہوتی ہے۔ اگر ایسا نہ ہو گا تو جاہلی معاشرہ اسے کھا جائے گا، اس کے افراد کو مبتلائے فتنہ کرے گا۔ تحریک کا مقابلہ تو تحریک ہی کر سکتی ہے۔ اگر مؤخر الذکر طاقتور، زندہ، فعال تحریک نہ ہو گی تو مقدم الذکر اسے مٹا دے گی، ورنہ نتیجہ اس کے برعکس نکلے گا۔

اس آیت کی رو سے جاہلیت کا اسلام پر غلبہ بذات خود ایک فتنہ ہے۔ جب ایسا ہو گا ——— خدانخواستہ ——— تو دنیا میں بہت بڑا فساد مچے گا۔ وہ فساد کیا ہے؟ بندوں پر بندوں کی الوہیت کا تسلط، اللہ کی الوہیت کے خلاف بندوں کی سرکشی، اور یہ سب سے بڑا فساد ہے جو ہزار قسم کے فساد کی جڑ ہے، اسی چیز کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ:

"اگر تم ایسا نہ کرو گے تو زمین میں بہت بڑا فتنہ اور ایک کبیر (طویل و عریض) فساد واقع ہو گا"

اس خبرداری کے بعد اور کوئی انذار نہیں ہو سکتا، یہ بڑی واضح اور صاف تنبیہ ہے۔ جو مسلمان اپنے اجتماعی وجود کی بنیاد ایک متحرک، زندہ، قوی و جاندار تحریک کی صورت میں نہیں رکھتے، جن کی ولاء ایک ہو عقیدہ و عمل اور عقیدہ و ہدف ایک ہو، تو وہ اللہ کے ہاں اس غلطی کا خمیازہ بھگتنے کے ذمہ دار ہیں، اس سے صرف ان کی ذات ہی متاثر نہ ہو گی، بلکہ ساری امت اس کی ذمہ دار ٹھہرے گی۔

Marfat.com

برحق ایمان کون سا ہے؟

از روئے قرآن ایمان حق کی صورت فقط یہ ہے کہ:

"جو لوگ ایمان لائے، ہجرت کی اور فی سبیل اللہ جہاد کیا، اور جنہوں نے ان کو ٹھکانا دیا اور ان کی مدد کی یہی لوگ (دونوں قسم کے) برحق مومن ہیں جن کے لیے مغفرت اور با عزت روزی ہے۔"

پس ایمان کی حقیقی صورت فقط یہ ہے جو مذکورہ بالا دو صورتوں میں متمثل ہوتی ہے۔ دین کی حقیقی نشأت اور اس کا حقیقی وجود صرف اسی صورت میں نظر آ سکتا ہے نہ کہ کسی اور صورت میں۔ صرف ایک نظری قاعدے کے اعلان سے کوئی حقیقت وجود میں نہیں آ سکتی، نہ اُسے قبول کرنے سے انسانی زندگی میں کوئی فرق آتا ہے ——— جب کہ وہ محض ایک نظری قاعدہ ہو، دل کا عقیدہ نہ ہو ——— حتیٰ کہ صرف عباداتی شعائر کو بطور رسم و رواج ادا کرنے سے بھی کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ نہ انسانی زندگی میں کوئی تغیر و تبدل ہوتا ہے۔ اسلام ایک تحریکی دین ہے۔ جب تک ایک متحرک جماعت کی صورت میں جلوہ گر نہ ہو اس کا وجود ظاہر نہیں ہوتا، صرف عقیدے کی صورت میں اس کا وجود ایک محض حکمی وجود ہے۔ یعنی اس سے آدمی قانوناً دائرہ اسلام میں آ جاتا ہے، مگر ایمان حق کی صورت فقط اسی وقت اختیار کرتا ہے۔ جب کہ وہ ایک واقعاتی و تحریکی صورت اختیار کر کے سامنے آئے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں برحق مومنوں کے لیے "رزق کریم" کا وعدہ فرمایا ہے۔ رزق کا ذکر صرف جہاد و انفاق اور ایواء (ٹھکانا دینا)، و نصرت اور دیگر تمام تکالیف برداشت کرنے کے باعث ہوا ہے، اور مغفرت رزقِ کریم سے بالاتر چیز ہے۔ بلکہ مغفرت بھی دراصل رزقِ کریم ہی کا حصہ ہے بلکہ یہ رزقِ کریم میں سب سے زیادہ با عزت رزق ہے۔

بعد والے مومن بھی پہلوں میں شامل ہوئے

پہلے مہاجر مجاہدوں کے ساتھ وہ لوگ بھی مل جائیں گے جو بعد میں ایمان لائے، ہجرت کی اور جہاد کیا۔ ہاں سابقین اولین کا درجہ سب سے بلند تر ہے، بس یہ الحاق ولاء اور اسلامی معاشرے کا فرد بننے میں تھا۔ چنانچہ اس سلسلے میں فرمایا ہے:

"اور جو لوگ بعد میں ایمان لائے اور ہجرت کی اور تمہارے ساتھ مل کر جہاد کیا، تو وہ بھی تم میں سے ہیں۔"

ہجرت کی شرط صرف فتح مکہ تک رہی، فتح مکہ کے بعد سارا عرب اسلام اور اسلامی قیادت کے زیر نگیں آگیا تھا، اور سب لوگ اسلامی معاشرے میں ضم ہو گئے تھے، پس فتح مکہ کے بعد ہجرت (یعنی اس دور کی وہ ہجرت جو اس وقت زیر بحث تھی) ختم ہو گئی تھی۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "فتح کے بعد کوئی ہجرت نہیں بلکہ جہاد اور عمل باقی ہے (بخاریؒ کی روایت معلقہ ہے): بلکہ جہاد او نیت ہے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ مگر یہ حکم اسلام کی پہلی جولانی میں تھا۔ جب کہ اس نے تقریباً ۱۲ سو برس

حکومت کی، اس زمانے میں اسلامی قانون منقطع نہیں ہوا اور مسلم قیادت اللہ کی شریعت اور اس کے حکم پر قائم تھی۔ آج جب کہ زمین جاہلیت کی طرف لوٹ گئی ہے، دنیا میں انسانوں کی زندگی سے اللہ کا حکم اٹھ چکا ہے۔ ساری زمین میں حاکمیت اللہ عزوجل کے بجائے طاغوت کو حاصل ہوگئی ہے۔ اسلام نے لوگوں کو بندوں کی بندگی سے نکالا تھا، مگر وہ پھر اسی میں لوٹ گئے ہیں۔ اب اسلام کی ایک جدید جولانی شروع ہو گئی ہے جو پہلی جولانی کی مانند مختلف مراحل سے گزرے گی۔ کر انشاء اللہ تعالیٰ از سر نو دارالاسلام کے قیام اور ہجرت تک پہنچنے والی ہے اور اس کے بعد پہلی جولانی کی مانند ہجرت نہ رہے گی، مگر جہاد اور عمل باقی رہ جائے گا۔

اسلامی وجود کی پہلی تعمیر کے بعض خاص احکام

اسلامی وجود کی پہلی عمارت کے کچھ مخصوص احکام تھے، مخصوص تکالیف تھیں۔ مثلاً ولاء کی بنیاد خون کے بجائے عقیدے پر تھی، اور اپنے تمام تقاضوں اور احکام میں عقیدہ ہی اس کی بنیاد قرار پایا تھا، مثلاً وراثت وبت اور قرضوں وغیرہ کے احکام کی بنیاد خون نہ تھا، بلکہ عقیدہ تھا۔ دو دینی بھائیوں میں وراثت قائم ہوتی تھی، مگر جب اسلامی وجود پختہ حیثیت اختیار کر گیا، بدر کے یوم الفرقان نے احوال و ظروف بدل دیئے۔ تو اب اُن پہلے احکام کی ———— جو ہنگامی بنیاد پر تھے ———— ضرورت نہ رہی تھی۔ پس وراثت اور دیات وغیرہا کی بنیاد اب خونی رشتے پر رکھی گئی اور دارالاسلام کے اندر جدید صورتِ حالات کے باعث وراثت وغیرہا کو رشتہ پر منحصر کر دیا گیا۔ چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے:

"اور رشتہ دار اللہ کی کتاب میں ایک دوسرے سے قریب تر ہیں۔"

یہ نفسِ انسانی کے ایک فطری تقاضے کا جواب تھا۔ اسلام فطری تقاضوں کی نفی نہیں کرتا، بلکہ ان کو ایک مناسب حد پر رکھنے کا حکم دیتا ہے۔ فطری مشاعر و احساسات بہرحال فطری ہیں اور انہیں اپنا مقام ملنا چاہیئے۔ پہلے اگر یہ تقاضے کچھ دیر معطل رہے تو وہ ایک اعلیٰ تر مقصد کے لیے تھا اور اب وہ مقصد پورا ہو چکا تھا۔ ہنگامی احوال و احکام کو انتہائی اور آخری نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔ اسی لیے فرمایا ہے:

"بلاشبہ اللہ ہر چیز کو بہت خوب جانتا ہے۔"

وہ جو حکم جس حالت کے لیے دیتا ہے وہی انسب و ارفع ہوتا ہے۔

اسلام انسان کی انسانیت کو اجاگر کرنا چاہتا تھا!

اسلام نے جب ایک زندہ و فعال تحریک چلائی، ایک امتِ مسلمہ بنانے کی جد و جہد کی، اس مقصد کے لیے ایک نئی فعال اور متحرک قیادت تیار کرنے کی جد و جہد کی تو اس کے پیش نظر یہ تھا کہ انسان کو اس کی گم شدہ انسانیت واپس ملے۔ انسان کو درختوں، جانوروں اور انسان کا غلام بنا دیا گیا تھا۔ لہٰذا اس نے چاہا کہ اس کو اس غلامی سے چھڑایا جائے۔ انسان بعض صفات میں حیوانوں کے ساتھ شریک ہے۔ بلکہ بعض اور صفات میں وہ مادی کائنات کے ساتھ شریک ہے، نباتات اور جمادات میں بھی بعض ایسی صفات ہیں جو انسان میں پائی جاتی ہے۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ انسان حیوان ہے یا مثلاً وہ کوئی پودا یا درخت

Marfat.com

ہے ۔ یا مٹی کا تودہ اور پہاڑ ہے ۔ بعض صفات کے اشتراک سے یہ نتیجہ نہیں نکالا جا سکتا کہ ان صفات کے باعث انسان اپنے انسانی خصائص سے ہاتھ دھو بیٹھا ہے ۔ مگر افسوس کہ جدید دور کی علمی جہالت والے اسی پر اصرار کرتے ہیں ۔ حیوانات کے ساتھ بعض صفات کے اشتراک کا یہ مطلب نہیں ہو سکتا کہ انسان بالکل دوسرے حیوانوں کی مانند ایک حیوان ہے یا یہ کہ وہ بھی دیگر مادی اشیاء کی مانند ایک مادہ ہے ۔ پھر چیزیں کچھ خصائص ہوتے ہیں اور انسان میں بھی ہیں ، جو اس کے تفردات و امتیازات کی حیثیت سے اس کو دیگر اشیائے کائنات سے الگ کرتے ہیں ۔ اس علمی جہالت والوں نے بھی —————— جس کا ذکر اوپر کرگیا —————— آخر کار یہ اعتراف کر لیا ہے کہ انسان ایک مخصوص ، منفرد اور ممتاز وجود کا مالک ہے ۔ پس یہ خصائص جو انسان کو دیگر مخلوقات سے ممتاز کرتے ہیں ۔ اسلام ان کو جلا بخشتا ، ان کی نشوونما کرتا اور انہیں بلند کرتا ہے ۔ عقیدہ کا تعلق انہی خصائص و منفردات سے ہے جو انسان کا مابہ الامتیاز ہیں ۔ اور یہ عقیدہ ہی انسانی معاشرے میں متحرک اور زندہ تعلق کی حیثیت رکھتا ہے جس پر اسلام اپنی تحریک کی بنیاد رکھنا چاہتا ہے ۔

انسانی اجتماع کی بنیاد

اسلام نے انسان کی معاشرتی و اجتماعی زندگی کی بنیاد رنگ ، خون ، ذات برادری ، نسل ، زبان ، زمین و وطن ، جنس ، مادی مصالح کو نہیں ٹھہرایا ، کیونکہ ان سب چیزوں میں تو حیوان بھی انسان کے ساتھ شریک ہیں ۔ یہ چیزیں ریوڑ کے اجتماع کے اسباب و ذرائع ہیں ۔ ریوڑ جنگل میں اکٹھا رہتا ہے ، اکٹھا چرتا ہے ، ایک ہی باڑے میں رات گزارتا ہے ، باہمی افہام و تفاہم کے لیے اس کے افراد کچھ آوازیں نکالتے ہیں ۔ ان کے برخلاف عقیدہ ایک ایسی چیز ہے جو انسان کے وجود کی تفسیر کرتی ہے ۔ اس کے مقصدِ وجود کو سامنے لاتی ہے ۔ وجودِ کائنات کی تفسیر کرتی ہے ۔ بس یہی وہ چیز ہے جس پر انسانیت کے اجتماع و معاشرت کی بنیاد ہے ۔ اور یہ انسان کی بلندی اور اس کے شاہکارِ قدرت ہونے کا بھی احساس دلاتی ہے ۔ عقیدہ ہی یہ بتاتا ہے کہ انسان اور حیوان میں ، انسان اور نباتات و جمادات میں کیا فرق ہے ۔ اور یہ کہ وہ اس کو کس طرح دوسری مخلوق سے ممتاز کرتا ہے ۔

عقیدہ انسانی حریت کا ثبوت ہے

عقیدے ، فکر اور نہج کا واسطہ ایک آزاد واسطہ ہے جو انسانی فرد کے آزاد ارادے کا پھل ہے جہاں تک معاشرے کے تعلقات کا سوال ہے وہ تو اس پر فرض کیے گئے ہیں ۔ انسان نے ان کو خود اختیار نہیں کیا ، نہ اس کے ارادے کا ان میں دخل ہے ۔ وہ اپنے نسب کو بدلنے پر قادر نہیں ، نسل کی تبدیلی اس کے بس میں نہیں ، اسے جو رنگ بخشا گیا ہے بس وہی اس کا رنگ ہے ، اسے وہ تبدیل نہیں کر سکتا ۔ یہ تمام چیزیں اس کی پیدائش سے قبل اس کے لیے مقرر ہو چکی تھیں ، ان میں اس کے اختیار اور حیلے کا دخل نہیں ہے اسی طرح ایک معین زمین میں اس کی پیدائش ، اس کی وطنی اور پیدائشی زبان ، اس کا چند معین مصالح کے ساتھ

ربط، ایک خاص زمین میں اس کی موت، یہ سب چیزیں وہ ہیں جن کو تبدیل کرنا انسان کی طاقت سے باہر ہے۔ انسان کے آزاد ارادے کا میدان ان میں تنگ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام ان چیزوں کو انسانی معاشرے اور جماعت کی بنیاد نہیں بناتا۔ جہاں تک عقیدے، فکر، تصور اور مذہب کا سوال ہے، یہ ہمیشہ اور ہر وقت انسانی اختیار کے سامنے کھلے ہیں۔ اور انسان ان میں ہر لحظہ اپنے اختیار کا اعلان کر سکتا ہے، ان چیزوں پر جماعت اور معاشرے کی بنیاد رکھ سکتا ہے۔ زبان، جنس، رنگ، نسل، وطن اور مادی مصالح ذات، قبیلہ وغیرہا اس میں بالکل رکاوٹ نہیں بنتے۔

اسلامی معاشرہ سب انسانوں کے لیے ہے!

چونکہ اسلامی معاشرے کی بنیاد ان مصنوعی چیزوں پر نہیں ہے جن کا ذکر اوپر گزرا۔ لہٰذا اسلامی معاشرہ ہر انسان کے لیے کھلا ہے اس کے دروازے سے شرقی و غربی، زنگی و فرنگی، کالا اور گورا، سرخ اور زرد، عربی اور غیر عربی داخل ہو سکتا ہے۔ یہ معاشرہ تمام اجناس و انواع، اقوام و الوان اور ہر زبان اور نسل کا معاشرہ ہے۔ ان چیزوں کو اگر رکاوٹ بنا یا جائے تو یہ خالص حیوانیت ہو گی۔ اسلامی معاشرے کی کٹھالی میں ہر نسل، ہر زبان، ہر قوم، ہر طبقہ، ہر نسل، ہر جنس اور ہر زبان بولنے والے لوگ جمع ہو جاتے ہیں اور یہ معاشرہ ایک صحیح "انسانی معاشرہ" بنتا ہے۔ وطن یا نسل یا قوم کی طرف اس کی نسبت نہیں ہوتی۔ اس معاشرے میں ہر نسل اور ہر قوم کے لوگ جمع ہو سکتے ہیں، مثلاً عربی، فارسی، شامی، مصری، مغربی، ترکی، چینی، ہندی، رومانی، یونانی، انڈونیشی، افریکی (پاکستانی) وغیرہم۔ ان سب کے خصائص جب ایک جگہ جمع ہو جاتے ہیں تو ایک "بین الاقوامی قوم" بین المملکتی معاشرے وجود میں آتے ہیں۔ اس کا دائرہ سمندروں، پہاڑوں، دریاؤں، رنگ و نسل اور قوم کی حد بندیوں سے ماوراء ہے۔ یہ معاشرہ شرقی و غربی نہیں بلکہ صرف اسلامی ہوتا ہے۔ یہی اس کی پہچان ہے اور یہی امتیاز۔ ان سب کا اجتماع مساوات کی بنیاد پر ہے۔ تمام اجناس و انواع کی خوبیاں ایک جگہ جمع ہو جاتی ہیں اور ایک نہایت اعلیٰ و ارفع جماعت وجود میں آتی ہے۔ یہ سب لوگ اپنے تجربات، خوبیاں، رنگا رنگ کی ذہانتیں، قسم قسم کی مہارتیں اس جماعت میں لے آتے ہیں اور یہ جماعت واقعی ایک بلند انسانی جماعت بن جاتی ہے اگر مختلف لوگوں میں کچھ غلطیاں ہوں تو وہ انہیں باہم مل کر درست کرتے ہیں۔ اور اس طرح ان کی صحیح انسانیت اجاگر ہوتی ہے۔

رومی، برطانوی اور اشتراکی معاشرے

قدیم انسانی تاریخ میں مشہور ترین اجتماع اور معروف ترین معاشرہ رومی تھا۔ جس نے بالفعل متعدد اجناس و لغات اور مختلف رنگوں اور سرزمینوں کو جمع کیا تھا۔ لیکن یہ اجتماع انسانی ربط کی بناء پر نہ تھا اور اس کے پیچھے کوئی طاقت ور عقیدہ کارفرما نہ تھا۔ اس رومی شہنشاہی میں ایک طرف تو آقاؤں اور غلاموں کا امتیاز تھا، اور دوسری طرف تمام اجناس و اقوام پر رومی فوقیت و فضیلت کا تصور غالب تھا

گویا رومی حاکم تھے باقی سب لوگ محکوم، رومی آقا تھے۔ اور باقی سب غلام۔ یہی سبب ہے کہ اس معاشرے کے عملی نتائج مساوات کی بہ بلندی اور اونچ نیچ کی نفی کی صورت میں نہ نکلتے۔ اس کے برخلاف اسلامی معاشرے نے دنیا بھر کے انسانوں کو مساوات اور شرف و اکرام انسانی کا عملی درس دیا جسے شرق بعید، شرق اوسط اور مغرب اوسط و اقصیٰ تک کے تمام ممالک و اقوام نے اب تک نہیں بھلایا۔ اسی طرح جدید دور میں مثلاً برطانوی شہنشاہیت کا اجتماعی نظام رہا ہے مگر یہ بھی اپنے مورث اعلیٰ رومی سامراج کی مانند ایک قومی استقلالی سامراج تھا۔ جو انگریز قوم کی بڑائی اور فوقیت کی بنیاد پر قائم تھا، اور جو نوآبادیات اس شہنشاہی نے بنائی تھیں ان کا نوآبادیاتی نظام استحصال پر مبنی تھا۔

یہی حال یورپ اور دیگر سب شہنشاہیوں کا ہے، مثلاً ہسپانوی سامراج، پرتگالی سامراج، فرانسیسی سامراج، ان سب کی بنیاد، مقاصد اور نظام رومی و برطانوی سامراج سے مختلف نہیں ہے۔ جدید دور میں اشتراکیت نے ایک اور قسم کا معاشرہ قائم کرنے کا ارادہ اور اعلان کیا۔ جس میں جنس، قوم، رنگ، زمین، زبان اور وطن کی مغربی رکاوٹیں نہ تھیں، مگر یہ معاشرہ نفرت پر قائم ہے طبقاتی نفرت اس کی بنیاد ہے، اور اس کے پیش نظر انسانیت عامہ نہیں ہے۔ یہ طبقاتی امتیاز قدیم رومی معاشرے کا بھی ایک خصیصہ تھا۔ رومی معاشرہ طبقہ اشراف کے قاعدے پر اور اشتراکی معاشرہ برو نعاس کی دعا ایک مفلس و فقراء لوگ کے قاعدے کی بنیاد پر قائم ہو رہا ہے۔

حیوانی معاشرے

یہ سب حیوانی معاشرے ہیں جو انسان کی سب گھٹیا، حیوانی، حسین صفات کو ظاہر کرنا چاہتے ہیں۔ ان کی بنیاد ہی نفرت وحقارت پر ہے۔ مساوات اور انسانی شرف و کرامت کا ان میں دور دور تک نام و نشان نہیں ہے۔ یہی سبب ہے کہ ان حیوانی معاشروں نے انسان کو نفرت، حقارت، جنگ، قتل و غارت، استحصال، طبقاتی فوقیت کے تحفے پیش کیے ہیں ان سب کا مشترک نعرہ یا ــــ اگر نعرہ نہیں تو ــــ مقصد روٹی، مکان، اور جنس ہے، اور یہی حیوان کے ابتدائی و انتہائی مطالبات ہیں۔

فقط ایک انسانی معاشرہ

ساری تاریخ قدیم و جدید میں فقط ایک معاشرہ وہ ہے جسے صحیح معنوں میں "انسانی معاشرہ" کہا جا سکتا ہے۔ اور جس کی بنیاد انسانی خصائص پر ہے، اور وہ ہے اسلامی معاشرہ۔ یہی معاشرہ انسان کا خیر خواہ اور سچا دوست ہے باقی سب معاشرے نفرت انگیز ہیں۔ رنگ کو رنگ سے، نسل کو نسل سے، زمین کو دوسری سرزمین سے لڑاتے ہیں۔ اور زبان، طبقات یا دیگر حیوانی امتیازات پر معاشرے کی بنیاد رکھتے ہیں۔ یہ بات بڑی حیرت انگیز ہے کہ نفرتوں اور تعصبات کے ماتے انسان اسلامی معاشرے کو جمود و تعصب اور رجعت پسندی قرار دیں اور حیوانی خصائص پر قائم شدہ معاشروں کو ترقی یافتہ اور مہذب ٹھہرائیں۔ یہ سب تدابیر اس لیے ہیں کہ معاشرے کی بنیاد عقیدہ پر رکھنے سے انسانوں کو روکا جائے۔ لیکن اگر ایک اچھا خاصا گروہ ہر ملک میں ایسا نکل آئے جو واقعی

معاشرۂ انسانی کی بنیاد عقیدے کو بنانا چاہتا ہے تو کوئی عجب نہیں کہ کچھ عرصے کے بعد وہ اپنے مقاصد عالیہ میں کامیاب ہو جائے۔

وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰی اَمْرِهٖ۔

اِخْتِتَامِ تَفْسِیْرِ سُوْرَۃُ الْاَنْفَال

سورۃ التوبہ: مدنی ہے اور اس کی آیات: ۱۲۹ ہیں

زمانۂ نزول

یہ سورۃ مدنی ہے اور قرآن کے آخری نازل ہونے والے حصوں میں سے ہے (راجح تر روایت یہ ہے کہ سورۃ النفر آخری نازل شدہ سورۃ ہے) یہی سبب ہے کہ اس میں امتِ مسلمہ اور زمین کی دیگر اقوام و ملل کے باہمی تعلقات میں اس کے احکام آخری و انتہائی ہیں۔ اس سورت میں خود مسلم معاشرے کی تعریف اور حدود و قواعد اور قیم و مقامات بھی بتائے گئے ہیں۔ اس کے تمام گروہوں اور ہر طبقے کے اوضاع پر بات کی گئی ہے (طبقات سے مراد اشتراکی طبقات نہیں ہیں، بلکہ اس لفظ کا عام معنیٰ و مفہوم مدِ نظر ہے) ان تمام مضامین پر عملی و واقعاتی صحبت کو مدِ نظر رکھ کر گفتگو کی گئی ہے۔

اس سورت کا دیگر سُوَر سے تعلق!

مذکورہ بالا خصوصیت کے پیشِ نظر یہ سورت ایک خاص اہمیت کی حامل ہے، کیونکہ جب دیگر سُوَر میں مرحلاتی و ہنگامی احکام آئے ہیں، تو اس میں انتہائی و آخری احکام وارد ہیں۔ جب ہم اس سورت کے احکام کو پہلی سورتوں کے احکام کے ساتھ رکھ کر دیکھیں تو پتہ چلتا ہے کہ اسلام ایک عملی، آسان، نرم اور فطرت و طبیعتِ انسانی کے عین موافق و مناسب ہے۔ جب تک ہم اس مراجعت اور مقابلے کو مدِ نظر نہ رکھیں گے احکام و قواعد اور واقعات کی صورتیں گڈ مڈ ہو جائیں گی۔ یہی اضطراب اور گڑبڑ اس وقت پیش آتی ہے۔ جب کہ مرحلاتی و ہنگامی آیات و احکام کو آخری سمجھ لیا جائے اور پھر آخری احکام و آیات کو ان مرحلاتی آیات و احکام کے ساتھ متوافق و متوازن بنایا جائے، خاص کر اسلامی جہاد کے معاملے میں ایسا کرنے سے جہاد کا مطلب اور مقصد ہی نظروں سے اوجھل ہو جاتا ہے اور قرآنی آیات و احکام میں بے جا تاویل اور توڑ مروڑ کرنا پڑتی ہے۔ یہی حال اسلامی معاشرے کے دیگر معاشروں کے ساتھ تعلقات کا بھی ہے۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس تمہید میں اور پھر آیات قرآنی کی تفسیر میں اس کے ایضاح و بیان کی توفیق دے گا۔

شانِ نزول

جب اس سورت کی آیات کو ان کے موضوع کے لحاظ سے دیکھا جائے، اسبابِ نزول کی ماثور روایات کو دیکھا جائے اور سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعات کو پیشِ نظر رکھا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے

Marfat.com

کہ سورۂ توبہ ساری کی ساری ۹ھ میں اتری تھی۔ مگر یہ ایک ہی بار نہیں اتری تھی۔ گو ہم یقین و جزم سے نہیں کہہ سکتے کہ سورت کے مختلف ٹکڑے ۹ھ کے کن اوقات میں اترے تھے، لیکن اس بات کو ترجیح دینا ممکن ہے کہ اس کے نزول کے تین مرحلے تھے:

(۱) پہلا مرحلہ رجب ۹ھ کا تھا اور جنگ تبوک سے پہلے تھا۔

(۲) دوسرا مرحلہ جنگِ تبوک کی تیاری اور اس کے واقعات کا تھا۔

(۳) تیسرا مرحلہ جنگِ تبوک سے واپسی کے بعد کا تھا۔ مگر اس سورت کی پہلی ۲۸ آیات کا نزول ۹ھ کے اواخر میں ہوا تھا۔ یہ وقت موسم حج سے ذرا پہلے ذی القعدہ یا ذی الحجہ کا تھا، نزول کے اوقات کے بارے میں یہ جو کچھ بیان ہوا اس پر اطمینان ہو سکتا ہے کہ یہی لائق ترجیح ہے۔

مقطعِ اوّل کے مضامین

اس سورت کا پہلا ٹکڑا جو ایک سے لے کر آیت نمبر ۲۸ تک پھیلا ہوا ہے، اس میں جزیرۂ عرب کے مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان انتہائی تعلقات کا بیان ہے، اس حد بندی کے واقعاتی، تاریخی اور عقائدی اسباب کا بیان بھی ان آیات میں موجود ہے۔ طرز بیان نہایت مؤثر، صاف اور بے لاگ ہے۔ فرمایا گیا ہے کہ:

"اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف سے اظہارِ بیزاری ہے، ان مشرکوں کی طرف جن سے تم نے معاہدہ کیا تھا۔ سو تم زمین میں چار ماہ تک کھلے بندوں چلو پھرو اور جان لو کہ تم اللہ کو تھکانے والے نہیں ہو، اور یہ کہ اللہ کافروں کو ذلیل کرنے والا ہے، اور اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف سے سب لوگوں کو حج اکبر کے دن اعلانِ عام ہے کہ اللہ اور اس کا رسولؐ مشرکوں سے بری ہیں۔ پس اگر تم توبہ کرو تو تمہارے حق میں بہتر ہے، اور اگر تم منہ پھیر لو تو یاد رکھو کہ تم اللہ کو عاجز کرنے والے نہیں ہو۔ اور کافروں کو عذاب الیم کی بشارت دو، سوائے ان مشرک لوگوں کے جن سے تم نے معاہدہ کیا پھر انہوں نے اس میں کوئی نقص نہ ڈالا۔ اور تمہارے خلاف کسی کی مدد نہ کی، سو تم ان کا عہد ان کی مدتِ معاہدہ تک پورا کرو۔ یقیناً اللہ خوفِ خدا والوں کو پسند کرتا ہے۔ پھر جب محترم مہینے گزر جائیں تو مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کر ڈالو، اور انہیں پکڑو اور گھیرو اور ہر جگہ ان کی گھات میں بیٹھو۔ پھر اگر وہ توبہ کر لیں، نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں تو ان کی راہ چھوڑ دو، یقیناً اللہ غفور رحیم ہے۔ اور اگر کوئی مشرک تجھ سے پناہ مانگے تو اس کو پناہ دے دو حتیٰ کہ وہ اللہ کا کلام سن لے، پھر اس کو اس کے ٹھکانے پر پہنچا دو۔ یہ اس لیے کہ وہ بے علم لوگ ہیں۔"

"مشرکوں کا اللہ اور اس کے رسولؐ کے نزدیک کوئی عہد کس طرح ہو سکتا ہے، سوائے ان کے جن سے تم نے عہد کیا باحرمت مسجد کے قریب، سو جب تک وہ تمہارے لیے سیدھے رہیں تم بھی ان کے لیے سیدھے ہو، بلاشبہ اللہ متقین کو پسند کرتا ہے۔ کیسے؟ اور اگر وہ تم پر

غالب آجائیں تو تمہارے متعلق کسی قسم یا ذمہ داری کا لحاظ نہ کریں گے ۔ وہ اپنے منہ سے تم کو خوش کرتے ہیں ، مگر ان کے دل منکر ہیں ، اور ان میں سے اکثر فاسق ہیں ، انہوں نے اللہ کی آیات کے بدلے تھوڑا مول خریدا ۔ پھر اس کی راہ سے روکا ۔ بے شک ان کے اعمال بہت برے ہیں ۔ وہ کسی مومن کے متعلق کسی قسم یا ذمہ داری کا لحاظ نہیں کرتے اور وہی حد سے گزرنے والے ہیں ۔ پس اگر وہ توبہ کریں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں تو تمہارے دینی بھائی ہوں گے ۔ اور ہم جاننے والوں کے لیے آیات کو کھول کر بیان کرتے ہیں اور اگر عہد کے بعد وہ اپنی قسمیں توڑ دیں اور تمہارے دین میں طعن کریں تو تم کفر کے سرداروں سے قتال کرو ۔ بلاشبہ ان کی کوئی قسم نہیں ، تاکہ وہ باز آئیں ، تم اس قوم سے کیوں قتال نہیں کرتے ۔ جنہوں نے اپنی قسمیں توڑ دیں اور رسولؐ کو نکالنے کا ارادہ کیا اور انہوں نے پہلی مرتبہ تم سے خود قتال شروع کیا ۔ کیا تم اُن سے ڈرتے ہو ! پس اللہ اس کا زیادہ حق دار ہے کہ اس سے ڈرو ، اگر تم ایماندار ہو ، ان کے ساتھ قتال کرو ۔ ان کو اللہ تمہارے ہاتھوں سے عذاب دے گا اور ان کو رسوا کرے ، اور ان کے خلاف تمہاری مدد کرے گا اور مومن قوم کے دلوں کو شفا دے گا اور ان کے دلوں کا غصہ دور کرے گا اور اللہ جس کی چاہے گا توبہ قبول کرے گا اور اللہ خوب جاننے والا خوب دانا ہے ۔ کیا تم نے یہ گمان کیا کہ تم کو چھوڑ دیا جائے گا حالانکہ ابھی اللہ نے تم میں سے ان کو نہیں ظاہر کیا ۔ جو مجاہد ہیں اور جنہوں نے اللہ اور اس کے رسولؐ کے سوا اور مومنوں کے سوا کوئی دلی دوست نہیں بنایا ، اور اللہ تمہارے اعمال سے خوب خبردار ہے ۔“

”اے ایمان والو ! اپنے باپوں کو اور اپنے بھائیوں کو دلی خیر خواہ مت جانو اگر وہ کفر کو ایمان پر ترجیح دیں اور تم میں سے جو ان کے ساتھ دلی تعلق رکھے گا تو وہی لوگ ظالم ہیں ۔ تو کہہ کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارا خاندان اور جو مال تم نے جمع کیے اور جس تجارت کے نقصان سے تم ڈرتے ہو اور جن مکانوں کو تم پسند کرتے ہو ، اگر یہ سب تم اللہ سے ، اس کے رسولؐ سے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ پسند ہیں تو انتظار کرو حتیٰ کہ اللہ اپنا حکم لائے اور اللہ فاسق لوگوں کو راہ نہیں دیتا ۔“

”اے ایمان والو ! بے شک مشرک پلید ہیں سو وہ اس سال کے بعد حرمت مسجد کے قریب نہ آئیں اور اگر تم مفلسی سے ڈرتے ہو تو اللہ تم کو اپنے فضل سے غنی کر دے گا ، اگر چاہے گا ، بیشک اللہ بہت علم والا بہت حکمت والا ہے ۔“

یہ آیات جو ہم نے چُنی ہیں ان میں قرآنی اسلوب سے ظاہر ہے ، اور اس ٹکڑے کی تمام آیات سے واضح ہے اور مشرکوں کے خلاف جس قوت سے اور اصرار کے ساتھ قتال کا حکم اور سارے جز بے ہیں ان کے مقاطعہ کا حکم دیا گیا ہے ، اس سے پتہ چل جاتا ہے کہ مسلم جماعت کے کم از کم بعض افراد کے دلوں میں اُس وقت یہ انتہائی قدم اٹھانے سے گھٹن محسوس ہو رہی تھی ۔ اس کے بعض اسباب تھے جنہیں ہم اس تمہید میں اور پھر آگے چل کر تفسیر

آیات کے ضمن میں بیان کریں گے۔

مقطع ثانی کے مضامین

سورت کے دوسرے مقطع میں مسلم جماعت اور اہل کتاب کے درمیان تعلقات کی آخری حد بندی کی گئی ہے اور وہ تاریخی، عقائدی اور واقعاتی اسباب بتائے گئے ہیں۔ جو اس حد بندی کا باعث بنے تھے۔ اس میں اسلام کی طبیعت اور اس کی مستقل حقیقت بھی بیان کی گئی ہے۔ اور بتایا گیا ہے کہ اہل کتاب عقیدہ وعمل میں اللہ کے صحیح دین سے پھر گئے تھے۔ اب وہ منزل من اللہ دین پر نہ تھے جس کے باعث اہل کتاب کہلاتے تھے۔ دگو یا اب صرف برائے نام چونکہ وہ اس نام سے موسوم و مشہور ہو چکے تھے۔ لہٰذا ان کا یہ نام پکارا گیا۔ فرمایا گیا ہے:

"ان لوگوں سے قتال کرو جو اللہ پر اور پچھلے دن پر ایمان نہیں رکھتے اور نہ دینِ حق کو اختیار کرتے ہیں۔ اہل کتاب میں سے حتٰی کہ وہ جھک کر اپنے ہاتھ سے جزیہ ادا کریں۔"

"اور یہود نے کہا کہ عزیرؑ اللہ کا بیٹا ہے اور نصاریٰ نے کہا کہ مسیحؑ اللہ کا بیٹا ہے۔ یہ ان کے منہ کی باتیں ہیں، پہلے کافروں کے قول سے مشابہت اختیار کرتے ہیں، اللہ انہیں قتل کرے، کہاں پھرے جاتے ہیں! انہوں نے اپنے عالموں اور درویشوں کو اللہ سے ورے رب بنا لیا، اور مسیحؑ بن مریم کو، اور ان کو صرف یہ حکم دیا گیا تھا کہ خدائے واحد کی ہی عبادت کریں جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ ان کے شرک سے پاک ہے۔"

"وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کی روشنی کو اپنے منہ سے بجھا دیں، اور اللہ انکار کرتا ہے مگر اس بات کا کہ وہ اپنی روشنی کو پورا کرے گا اگرچہ کافر ناپسند کریں، وہ وہی ذات ہے جس نے اپنے رسولؐ کو ہدایت اور دینِ حق دے کر بھیجا تاکہ اس کو ہر دین پر غالب کر دے، اگرچہ مشرک برا مانیں۔"

"اے ایمان والو! یقیناً بہت سے عالم اور درویش لوگوں کے مال ناجائز طور پر کھاتے ہیں اور اللہ کی راہ سے روکتے ہیں، اور وہ لوگ جو سونے اور چاندی کو خزانہ بنا کر رکھتے ہیں، اور اس کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، پس تو ان کو دردناک سزا کی خوشخبری دیدے۔ جس دن اس کو جہنم کی آگ میں تپایا جائے گا پھر اس کے ساتھ ان کی پیشانیوں اور پہلوؤں اور پشتوں کو داغا جائے گا۔ کہا جائے گا کہ یہ ہے جو تم نے اپنے لیے خزانہ بنایا تھا، پس چکھو جو تم خزانہ بناتے تھے۔"

اس مقطع میں بھی اسلوب قرآنی سے ظاہر ہے کہ اس وقت اہل کتاب سے بالعموم یا ان کی اکثریت سے رُو در رُو ہونے میں بعض لوگوں کے دلوں میں تردد تھا۔ مقصد یہ تھا کہ مسلمان رومیوں کا اور ان کے شامی ہم مذہبوں کا مقابلہ کریں۔

اہلِ روم اور ان کے حلیفوں اور ماتحتوں کا اس زمانے میں لوگوں کے دلوں میں رُعب تھا، کیونکہ رومی

Marfat.com

بڑے جنگ جو تھے اور عرب میں ان کی بڑی شہرت تھی، لیکن یہ نص عام ہے اور ان سب لوگوں پر منطبق ہوتی ہے جن میں وہ اوصاف پائے جائیں، جو اس نص میں وارد ہیں۔ تفصیل انشاء اللہ عنقریب تفسیر کرتے وقت آئے گی۔

تیسرا مقطع جہاد سے جی چرانے والوں کے بیان میں ہے

اس مقطع میں ان لوگوں کی خبر لی گئی ہے۔ جن کو جہاد کی تیاری کا حکم ملا مگر وہ زمین گیر ہو گئے اور کسل مندی کا شکار ہو کر رہ گئے۔ یہ سب منافق نہ تھے جیسا کہ عنقریب معلوم ہو جائے گا، کچھ لوگ موسم کی خرابی، جہاد کی مشقت، جنگ کے مقام کی دوری، شاہ روم کے لشکر کی آمد کی افواہ، پھلوں کے پک جانے یا محض سستی اور آج کل آج کل کرتے رہنے کے باعث رہ گئے تھے۔ تفصیل انشاء اللہ اس کے مناسب مقام پر آئے گی۔ فرمایا ہے:

"اے ایمان والو! تمہیں کیا ہوا ہے کہ جب تمہیں کہا گیا: اللہ کی راہ میں نکلو تو زمین کا بوجھ بن کر رہ گئے! کیا تم آخرت کے بدلے میں دنیوی زندگی پر خوش ہو گئے ہو؟ پس آخرت کے مقابلے میں دنیوی زندگی کا سامان بہت قلیل ہے، اگر تم نہ نکلے تو اللہ تم کو دردناک سزا دے گا۔ اور تمہارے علاوہ کسی اور قوم کو تبدیل کر دے گا اور تم اس کا کوئی نقصان نہ کر سکو گے، اور اللہ ہر چیز پر بہت قادر ہے۔ اگر تم اس کی مدد نہ کرو گے تو اللہ نے اس کی مدد اس وقت بھی کی تھی جب کہ کافروں نے اس کو نکال دیا تھا، وہ دو میں سے دوسرا تھا۔ جب وہ دونوں غار میں تھے، جب وہ اپنے ساتھی سے کہتا تھا کہ: غمگین مت ہو بلاشبہ اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ پس اللہ نے اپنا سکون اس پر نازل فرمایا اور اس کی مدد ان لشکروں کے ساتھ کی جن کو تم نے نہ دیکھا، اور کافروں کی بات پست کر دی، اور اللہ کی بات ہی بلند تر ہے۔ اور اللہ غالب ہے دانا ہے۔ نکلو ہلکے اور بوجھل اور جہاد کرو اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو"

اس مقطع میں تانیب و تہدید اور بار بار کی تاکید سے یہ بات فرمائی گئی ہے کہ راہِ حق میں ہلکے اور بوجھل ہر حال میں باہر نکل آؤ۔ ایمانداروں کو بتایا گیا ہے کہ جب اللہ کا رسول صرف ایک ساتھی کے ساتھ اپنے وطن سے نکالا گیا تھا، غار میں فروکش تھا، تو اس کی مدد صرف اللہ عزوجل نے کی تھی نہ کہ کسی اور طاقت نے۔ ان آیات سے پتہ چلتا ہے کہ کچھ لوگوں میں نصرتِ حق کی طرف سے سستی پائی جا رہی تھی، جہاد کی مشقت ان کے مدنظر تھی، وہ بہت سی چیزوں کے ضیاع کے خوف سے کچھ پیچھے ہٹ رہے تھے، پس اس مقطع کی آیات کی تاکید و اصرار اور تذکیر و تہدید کی غرض یہ تھی کہ وقت پڑنے پر لوگوں کو جہاد سے جی نہ چرانا چاہیئے۔ اور یہ بھی نہ سمجھو کہ دین تم پر منحصر ہے بلکہ اللہ کا فضل جانو کہ وہ تم سے دین کا کام لے رہا ہے۔

چوتھا مقطع منافقین کی رسوائی کے باب میں

یہ ٹکڑا سورت کا طویل ترین حصہ ہے جو اس کے ½ سے زیادہ پر مشتمل ہے۔ اس کا موضوع منافقین کی رسوائی اور اسلامی معاشرے میں ان کا کردار ہے۔ ان کے عملی و نفسی احوال کا اس میں بیان ہے، غزوہ تبوک میں اس سے پہلے اور اس کے بعد ان کا موقف بتایا گیا ہے۔ ان کی نیتوں، حیلہ سازیوں، غدر تراشیوں اور فتنہ انگیزیوں کا بیان ہے۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مخلص مومنوں کو جو اذیت دی تھی، اس کا حال بتایا گیا ہے مسلمانوں کو ان کے مکر و فریب اور تدابیر سے خبردار کیا گیا ہے۔ مومنوں اور کافروں کے باہمی معاملات اور ان کے فرق و امتیاز کا بیان ہے۔ درحقیقت یہ ٹکڑا اس سورت کا پورا جسم ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے فتح مکہ سے کچھ دیر پہلے قریب تھا کہ نفاق مسلم معاشرے سے ناپید ہو جائے، مگر فتح کے بعد وہ پھر مسلم سوسائٹی میں نمودار ہو گیا۔ ارشادِ الٰہی ہے:

"اگر قریبی فائدہ ہوتا اور کم سفر ہوتا تو یہ تیرے پیچھے ساتھ جاتے۔ مگر ان پر مشقت دور کے سفر کی آپڑی۔ اور یہ ابھی قسمیں کھائیں گے۔ کہ واللہ اگر ہو سکتا تو ہم تمہارے ساتھ نکلتے یہ اپنے آپ کو ہلاک کر رہے ہیں۔ اور اللہ جانتا ہے کہ یہ جھوٹے ہیں۔"

"اور اگر ان کا خروج کا ارادہ ہوتا تو اس کے لیے تیاری کرتے، مگر اللہ نے ان کے اٹھنے کو ناپسند کیا اور انہیں بٹھا دیا اور کہا گیا کہ تم بیٹھنے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو۔ اگر وہ تمہارے اندر نکلتے تو تمہاری خرابی کا سامان ہی زیادہ کرتے، اور تمہارے درمیان فتنہ انگیزی کی خاطر افواہیں پھیلاتے، اور تم میں کچھ ان کے جاسوس ہیں اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔ انہوں نے اس سے پہلے بھی فتنہ ڈالنا چاہا تھا اور تیرے لیے معاملات کو الٹ دیا تھا حتیٰ کہ حق آگیا، اللہ کا حکم غالب ہو گیا، اور وہ ناپسند ہی کرتے رہے۔"

"اور ان میں بعض وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ مجھ کو اجازت دے دو اور فتنے میں نہ ڈالو، سن لو کہ وہ فتنہ میں تو گر ہی چکے ہیں اور بیشک جہنم کافروں پر محیط ہے، اگر تجھ کو اچھائی پہنچے تو انہیں بری لگے اور اگر تجھے مصیبت پہنچے تو کہتے ہیں: ہم نے اپنا انتظام پہلے ہی کر لیا تھا اور خوش خوش پیچھے کو مڑ جاتے ہیں۔"

"اور وہ اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ وہ تم میں سے ہیں، حالانکہ وہ تم میں سے نہیں ہیں، بلکہ وہ ایک ڈرپوک قوم ہے۔ اگر وہ کوئی پناہ گاہ یا غاریں یا چھپنے کی جگہ پائیں تو تگ ٹٹ اس کی طرف بھاگ جائیں گے۔"

"اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو صدقات کے بارے میں تجھ پر حرف گیری کرتے ہیں، اگر ان کو ان میں سے مل جائے تو خوش ہوتے ہیں اور اگر ان کو ان میں سے نہ ملے تو بھی وہ ناراض ہو جاتے ہیں۔ اور اگر وہ پسند کریں اس چیز کو جو اللہ نے انہیں دی اور اس کے رسول نے، اور کہتے کہ ہمارے لیے اللہ کافی ہے۔ عنقریب اللہ ہم کو اپنے فضل سے دے گا اور اس کا رسول بھی

بیشک ہم اللہ کی طرف رغبت رکھنے والے ہیں (تو اچھا ہوتا)۔"

"اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو نبیؐ کو دکھ دیتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ وہ کان کا کچا ہے، کہدو کہ وہ تمہارے لیے بھلائی کی بات سنتا ہے۔ اللہ پہ ایمان رکھتا ہے اور مومنوں کی بات مانتا ہے اور تم میں سے ایمانداروں کے لیے رحمت ہے۔ اور جو لوگ اللہ کے رسولؐ کو اذیت دیتے ہیں ان کے لیے دردناک سزا ہے۔"

"اور وہ تمہارے لیے قسمیں کھاتے ہیں تاکہ تمہیں خوش کریں۔ اور اللہ اور اس کا رسولؐ اس کا زیادہ حق دار ہے کہ اسے وہ خوش کریں اگر وہ مومن ہیں۔ کیا ان کو معلوم نہیں کہ جو اللہ اور اس کے رسولؐ سے عداوت رکھے گا تو اس کے لیے جہنم کی آگ ہے۔ وہ اس میں ہمیشہ رہے گا۔ وہی ہے بڑی رسوائی۔"

"منافق ڈرتے ہیں کہ مبادا ان پر کوئی سورت اتر آئے جو ان کو ان کے دلوں کی کیفیت بتائے۔ تو کہہ کہ تم ہنسی مزاح کرو بلاشبہ اللہ ظاہر کرنے والا ہے جس سے تم ڈرتے ہو اور اگر تو ان سے پوچھے تو کہیں گے کہ ہم تو ہنسی مذاق کرتے تھے، کہو کہ کیا تم اللہ سے اور اس کی آیات سے اور اس کے رسولؐ سے استہزاء کرتے ہو! عذر مت کرو۔ تم نے ایمان کے بعد کفر کیا ہے۔ اگر ہم تمہارے ایک گروہ کو معاف کریں گے تو دوسرے گروہ کو عذاب دیں گے کیونکہ وہ مجرم تھے۔"

"منافق مرد اور منافق عورتیں ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں۔ برائی کا حکم دیتے ہیں۔ نیکی سے روکتے ہیں۔ اور اپنے ہاتھ کھینچ لیتے ہیں، وہ اللہ کو بھول گئے تو اللہ انہیں بھول گیا۔ بیشک منافق ہی فاسق ہیں۔ اللہ نے منافق مردوں اور عورتوں سے وعدہ کیا ہے اور کفار سے جہنم کی آگ کا وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے، وہ ان کے لیے کافی ہے، اور اللہ نے ان پر لعنت کی اور ان کے لیے دائمی عذاب ہے۔"

"اے نبیؐ جہاد کر کافروں اور منافقوں سے اور ان پر شدت کر، اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ برا ٹھکانا ہے۔ وہ اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ انہوں نے نہیں کہا حالانکہ انہوں نے بلاشبہ کلمہ کفر کہا اور اپنے اسلام کے بعد کفر کیا اور ارادہ کیا جس میں کامیاب نہ ہو سکے۔ اور ان کی عداوت کا باعث یہ ہے کہ ان کو اللہ نے اپنے فضل سے غنی کیا اور اس کے رسولؐ نے پس اگر وہ توبہ کرلیں تو ان کے حق میں بہتر ہے اور اگر وہ منہ پھیریں تو اللہ ان کو دنیا و آخرت میں دردناک سزا دے گا، اور ان کے لیے زمین میں کوئی دوست اور کوئی مددگار نہ ہوگا۔"

"اور ان میں سے بعض وہ ہیں کہ انہوں نے عہد کیا تھا کہ اگر اللہ ہمیں اپنے فضل سے مال دے گا تو ضرور صدقہ دیں گے اور ضرور نیکوں میں سے ہو جائیں گے۔ پھر جب اللہ نے ان کو اپنے فضل سے مال دیا تو انہوں نے اس کے ساتھ بخل کیا اور منہ پھیر کر چلے گئے، پس ان کے دلوں میں قیامت تک نفاق ڈال دیا کیونکہ انہوں نے اللہ سے وعدہ خلافی کی تھی۔ اور

Marfat.com

اور اس لیے کہ وہ جھوٹ بولتے تھے"
"جو مومنوں میں سے بخوشی صدقہ دینے والوں پر طعن کرتے ہیں۔ اور ان لوگوں کو جو صرف اپنی محنت کی مزدوری ہی پاتے ہیں۔ پس یہ ان سے ٹھٹھا کرتے ہیں۔ اللہ ان کے ٹھٹھے کا جواب دے گا اور ان کے لیے دردناک سزا ہے، ان کے لیے استغفار کرو یا نہ کرو، اگر تم ان کے لیے ستر بار بھی استغفار کرو گے تو ان کو ہرگز نہ بخشے گا۔ یہ اس لیے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول ؐ کا انکار کیا اور اللہ فاسق لوگوں کو راہ نہیں دیتا"
"پیچھے رہ جانے والے اپنے رسول اللہ کے خلاف بیٹھے رہنے پر خوش ہو گئے اور اپنے مالوں اور جانوں سے راہِ خدا میں جہاد کرنے کو ناپسند کیا۔ اور کہا کہ : گرمی میں مت جاؤ۔ تو کہہ کہ جہنم کی آگ کی گرمی زیادہ شدید ہے۔ اگر یہ سمجھیں۔ پس یہ لوگ اپنے اعمال و افعال کی جزا میں کم ہنسیں اور زیادہ روئیں۔ پس اگر اللہ تجھ کو ان میں سے کسی گروہ کے پاس واپس لے جائے۔ پھر وہ تجھ سے نکلنے کا اذن مانگیں تو کہہ کہ تم کبھی میرے ساتھ ہرگز نہ نکلو گے اور میرے ساتھ ہو کر کسی دشمن سے ہرگز قتال نہ کرو گے، تم پہلی مرتبہ گھر بیٹھنے پر راضی ہو گئے تو تم بیٹھ جاؤ پیچھے رہنے والوں میں اور ان میں سے کسی مردے پر کبھی نماز نہ پڑھ اور نہ اس کی قبر پر کھڑا ہو انہوں نے اللہ اور اس کے رسول ؐ کا انکار کیا اور حالتِ فسق میں ان کی موت ہوئی اور ان کے مال اور اولاد تجھے اچھے نہ لگیں۔ اللہ ان کی وجہ سے دنیا میں ان کو عذاب دینا چاہتا ہے۔ اور ان کی جان حالتِ کفر میں نکلے گی"

ان آیات میں جو ایک طویل اور اندرونی احوال کھولنے والا حملہ وارد ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ منافقین نے اس دور میں مسلمانوں کی ایذاء رسانی، فتنہ انگیزی، دسیسہ کاری اور جھوٹ بولنے کی کتنی کوششیں کی تھیں۔ اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اس دوران میں اسلامی معاشرے کے اندر ابھی پختگی اور قوت نہیں آئی تھی۔ اللہ تعالیٰ کا یہ قول کہ :

"اور تمہارے اندر اُن کے جاسوس موجود ہیں!"

اس کو بالوضاحت بتاتا ہے اور منافقوں کی نماز جنازہ سے ممانعت اور اُن کے لیے عدم استغفار کا حکم بھی یہ واضح کرتا ہے۔ سبب اس عدمِ پختگی اور اندرونی کھوکھلے پن کا یہ تھا کہ فتح مکہ کے بعد کئی نئی جماعتیں اسلام میں داخل ہوئی تھیں، جن کے دلوں میں ابھی اسلام رچا نہ تھا۔ نہ اُن پر ابھی اسلامی مہر ثبت ہوئی تھی۔ ہم اس پر مزید کلام تفسیرِ آیات کے ضمن میں کریں گے، اور بتائیں گے کہ وہ کون سی مختلف النوع جماعتیں تھیں جو اس دور میں داخلِ اسلام ہوئی تھیں۔

پانچواں مقطع مسلم جماعت میں مختلف نوع کی ٹکڑیوں کے بیان میں

اس سورت میں مختلف اصناف کے مسلمانوں کا بیان ہے، جہاں ایک طرف مخلص مہاجرین و انصار تھے جو مسلم جماعت کی ریڑھ کی ہڈی تھے، وہاں کچھ اور جماعتیں بھی تھیں، ان تمام جماعتوں کا حال اختصار کے ساتھ قرآنی

نصوص بیان کرتی ہیں ۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور اہلِ ایمان کو ان کے ساتھ تعامل کے طریقے بتاتی ہیں۔ مختصراً یہ جماعتیں اس طور پر تھیں :

(۱) اعراب یعنی بدوی لوگ ، ان میں مخلص و منافق اور پکے ایمان کے لوگ پائے جاتے تھے ۔

(۲) مدینہ والے منافق جو شدید النفاق تھے ۔

(۳) اچھے برے سب قسم کے اعمال والے لوگ جن پر ابھی اسلامی رنگ پوری طرح نہیں چڑھا تھا ، اور تا حال اسلام کی کٹھالی میں تپائے نہیں گئے تھے ۔

(۴) ایک مجہول الحال گروہ بھی تھا جس کا حال ہمیں کما حقہٗ معلوم نہیں ۔

(۵) دین کے نام پر تخریب کی خاطر دین کے اندر رہنے والے اور مسلم کے نقب میں چھپے ہوئے تخریب کار ۔

اب ذرا ان کے بعض احوال سُنیے ، ارشادِ الٰہی ہے :

" بدوی کفر و نفاق میں بہت سخت ہیں اور اس لائق ہیں کہ اللہ نے اپنے رسولؐ پر جو کچھ اتارا ہے اس کی حدود کو نہ جانیں ، اور اللہ علیم و حکیم ہے ۔ اور بعض بدو انفاق کو تاوان جانتے ہیں اور تمہارے اوپر مصائب کے آنے کے منتظر رہتے ہیں ۔ انہی پر ہے برائی کا چکر اور اللہ بہت سنتا بہت جانتا ہے ۔ اور بعض اعرابی اللہ اور قیامت پر ایمان لاتے ہیں اور انفاق کو اللہ کے نزدیک قرب کا باعث اور رسولؐ کی دعاؤں کا سبب جانتے ہیں ۔ سن لو ! کہ وہ ان کے لیے باعثِ قربت ہے ۔ ابھی اللہ ان کو اپنی رحمت میں داخل کرے گا ۔ بیشک اللہ غفور ہے رحیم ہے ۔"

" اور مہاجرین اور انصار میں سے پہلے سبقت لے جانے والے ، اور جو لوگ نیکی کے ساتھ ان کے پیچھے آئے ۔ اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اس سے راضی ہوئے ، اور ان کے لیے باغ تیار کیے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں ۔ وہ ہمیشہ ہمیشہ انہی میں رہیں گے یہ بڑی کامیابی ہے ۔"

" اور تمہارے ماحول کے بعض بدو منافق ہیں ۔ اور بعض اہلِ مدینہ بھی نفاق پر قائم ہیں ۔ تو اُن کو نہیں جانتا ۔ ہم انہیں جانتے ہیں ۔ ہم ابھی ان کو دوبارہ عذاب دیں گے ، پھر ان کو ایک بڑے عذاب کی طرف لوٹایا جائے گا ۔"

" اور کچھ اور لوگ ہیں جنہوں نے اپنے گناہوں کا اعتراف کیا ہے انہوں نے نیک عمل کو برُے کے ساتھ ملایا ہے ۔ ہوسکتا ہے کہ اللہ ان کی توبہ قبول کرے بیشک اللہ غفور ہے رحیم ہے اُن کے مالوں میں سے صدقے لے جو ان کو پاک کرے اور تو ان کو اس کے ساتھ صاف کرے اور ان پر رحمت بھیج ، یقیناً تیری رحمت ان کے لیے باعثِ سکون ہے ، اور اللہ بہت سنتا بہت جانتا ہے ۔"

" اور کچھ اور لوگ ہیں جن کا معاملہ خدائی فیصلے کے لیے ملتوی کیا گیا ہے ۔ یا اللہ انہیں سزا دے اور یا ان کی توبہ قبول کرے ، اور اللہ بہت عالم بہت دانا ہے ۔"

" اور جن لوگوں نے ایک مسجد بنائی نقصان پہنچانے کو اور کفر کے لیے اور ایمانداروں میں

Marfat.com

تفریق کی خاطر اور گھات کا اڈا ان کے لیے جو اس سے قبل اللہ اور اس کے رسول سے لڑتے رہے۔ اور یہ ضرور قسمیں کھائیں گے کہ ہم نے تو صرف اچھائی کا ارادہ کیا تھا اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ بلا شبہ وہ جھوٹے ہیں۔ تو اس میں کبھی کھڑا نہ ہو، وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے دن سے تقویٰ پر رکھی گئی، وہ زیادہ حق دار ہے کہ تو اس میں کھڑا ہو۔ اس میں کچھ لوگ ہیں جو پاک ہونے کو پسند کرتے ہیں اور اللہ پاکیزگی اختیار کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔"

جیسا کہ اوپر بتایا گیا ہے۔ ان نصوص قرآنی سے ثابت ہو رہا ہے کہ فتح مکہ کے بعد مسلم معاشرے میں ایک دراڑ اور کھوکھلا پن پیدا ہو گیا تھا۔ اس کمزوری سے فتح سے قبل یہ معاشرہ پاک ہو چکا تھا یا قریب تھا کہ صاف ہو جائے۔ تفصیل آگے آئے گی۔

چھٹا مقطع جہاد کی بیعت اور اس کی فطرت و حدود میں

اس سورت کے چھٹے ٹکڑے میں جہاد فی سبیل اللہ پر امت اسلامیہ کی بیعت اور اس جہاد کی حدود اور طبیعت بیان ہوئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ اہل مدینہ اور اس کے ماحول والوں کا اس باب میں کیا فرض ہے، اور یہ کہ اس سے پیچھے ہٹنا، اپنے نفس کو رسول اللہ کی ذات سے زیادہ چاہنا جائز نہیں۔ اور یہ کہ مشرکوں اور منافقوں سے مسلمانوں کی جدائی واجب ہے۔ اس ضمن میں بعض مسلمانوں کا حال بیان ہوا ہے جو غفلت اور سستی کے باعث جنگ تبوک سے رہ گئے تھے۔ یہ مخلص تھے مگر خطا کار تھے۔ اس طرح نزول قرآن کے سامنے منافقین کا موقف بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری ہے:

"بلاشبہ اللہ نے مومنوں سے ان کی جانیں اور مال جنت دے کر خرید لیے ہیں۔ وہ اللہ کی راہ میں قتال کرتے ہیں پھر قتل کرتے ہیں، اور قتل ہوتے ہیں۔ اس کے ذمہ سچا وعدہ ہے، تورات اور انجیل اور قرآن میں۔ اور اللہ سے اپنے عہد کو کون زیادہ پورا کرنے والا ہے! پس تم خوش ہو جاؤ اس بیع پر جو تم نے اس کے ساتھ کی ہے، اور یہی ہے عظیم کامیابی"

"نبی کے لیے روا نہیں اور نہ ایمانداروں کے لیے کہ مشرکوں کے لیے استغفار کریں گو وہ ان کے قرابت دار ہوں۔ بعد اس کے کہ ان پر واضح ہو گیا کہ وہ جہنمی ہیں۔ اور ابراہیمؑ کا استغفار اپنے باپ کے لیے ایک وعدے کے باعث تھا جو اس نے اس کے ساتھ کیا تھا، پھر جب اس پر واضح ہو گیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو اس سے بیزار ہو گیا۔ بے شک ابراہیمؑ بہت عاجزی کرنے والا نہایت بردبار تھا۔"

"اللہ نے رجوع فرمایا نبیؐ پر اور ان مہاجرین و انصار پر جنہوں نے تنگی کی گھڑی میں اس کا اتباع کیا۔ بعد اس کے کہ قریب تھا ان میں سے ایک فریق کے دل ٹیڑھے ہو جائیں، پھر اللہ نے ان پر رجوع فرمایا۔ بلاشبہ وہ ان پر بڑا شفیق ہے رحیم ہے۔ اور ان تین شخصوں کی بھی توبہ قبول کی جن کا معاملہ موخر کیا گیا تھا حتیٰ کہ جب زمین کشادگی کے باوجود ان پر تنگ ہو گئی اور ان کے دل ان پر تنگ ہو گئے اور انہیں یقین ہو گیا کہ اللہ سے صرف اسی کی طرف پناہ گاہ ہے

Marfat.com

پھر اس نے ان کی طرف رجوع کیا تاکہ وہ توبہ کریں۔ بے شک اللہ ہی توقبول کرنے والا ہے رحیم ہے۔"

"اہلِ مدینہ کا اور ان کے ارد گرد کے دیہاتیوں کا یہ کام نہیں کہ رسول اللہ سے پیچھے رہیں، اور نہ اپنی جانوں کو اس کی جان پر ترجیح دیں۔ یہ اس لیے کہ انہیں پیاس، کوئی تکلیف یا بھوک جو خدا کی راہ میں پہنچے گی۔ اور جو سرزمین وہ لتاڑیں گے، جس کے باعث کفار کو غیظ و غضب آئے گا۔ اور دشمن سے وہ جو کچھ حاصل کریں گے تو اس سب کی وجہ سے ان کے لیے نیک عمل لکھے جائیں گے۔ بے شک اللہ نیکوکاروں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ اور وہ جو بھی چھوٹا بڑا خرچ کریں گے، اور جو وادی قطع کریں گے۔ ان کے لیے یہ لکھا گیا ہے کہ اللہ ان کے نیک اعمال کی جزاء دے گا، اور ایماندار سب تو میدان میں نہ جا سکتے تھے، پس ایسا کیوں نہ ہوا کہ ان کی ہر آبادی میں سے ایک گروہ باہر نکلتا تاکہ وہ دین کی فقاہت حاصل کریں اور واپسی پر اپنی قوم کو خبردار کریں تاکہ وہ بچ جائیں۔"

"اے ایمان والو! قتال کرو اپنے قریب والے کفار سے اور چاہیئے کہ وہ تم میں شدت پائیں۔ اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ بالضرور متقین کے ساتھ ہے۔"

"اور جب کوئی سورت اُتری تو انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ کیا کوئی تم کو دیکھ رہا ہے؟ پھر وہ چلے گئے۔ اللہ نے ان کے دل پھیر دیئے۔ کیونکہ وہ بے سمجھ لوگ ہیں۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات

سورت کا اختتام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض اوصاف کے بیان سے ہوا، اور حکم ملا کہ آپؐ اپنے رب کی طرف توجہ کریں، اس پر توکل کریں اور اسی کی کفالت کو کافی جانیں:

"بلاشبہ آیا تمہارے پاس ایک رسولؐ جو تم میں سے ہے، تمہاری تکلیف اس پر شاق گزرتی ہے، تم پر حریص ہے، مومنوں پر شفیق ہے، رحیم ہے۔ پھر اگر یہ لوگ منہ پھیر لیں تو کہو کہ مجھے اللہ کافی ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ میں نے اسی پر بھروسہ کیا اور وہ بڑے عرش کا رب ہے۔"

نزولِ سورت کے وقت مسلم معاشرے کا حال

اوپر ہم نے جو کچھ بیان کیا ہے وہ تفصیلی تفسیر سے قبل مسلم معاشرے کا اس وقت کا حال بیان کرنے کے لیئے تھا۔ مندرجہ بالا آیات و اقتباسات سے پتہ چل جاتا ہے کہ فتح مکہ کے بعد مسلم جماعت کی ترکیب و تکوین میں اس وقت کے خاص احوال کے باعث بعض کمزوریاں اور خلل پیدا ہو گئے تھے مثلاً جان و مال پر حرص، نفاق، ایمانی ضعف واجبات کی ادائیگی میں تردد، اسلامی و غیر اسلامی معاشرے کے باہمی تعلقات کی عدم وضاحت، عقیدہ کی بنیاد پر

Marfat.com

مومن و کافر میں پورا فاصلہ اور کامل امتیاز نہ ہوتا مگر یہ سب کچھ اس چیز سے متعارض نہ تھا کہ اسلامی معاشرے کی ریڑھ کی ہڈی یعنی مہاجرین و انصار صحیح و سلامت موجود تھے، بعد وہی دینی عمارت کی پہلی مضبوط بنیاد کا کام دیتے تھے۔ اوپر گزر چکا ہے کہ اس کا باعث کیا تھا؟ اس کا سبب یہ تھا کہ بہت سی رنگا رنگ کی جماعتیں فوج در فوج اسلام میں داخل ہو گئی تھیں۔ وہ ابھی اسلامی رنگ میں پوری طرح رنگی نہ تھیں، ان کی تہذیب و تربیت ابھی کامل نہ تھی۔ لیکن ضرورت ہے کہ قبل از فتح اور بعد از فتح کی تحریک اسلامی کے احوال کو بنظر غائر دیکھا جاتے، ہم مختصراً یہاں اسی چیز کو بیان کرتے ہیں۔

اسلامی اور جاہلی معاشروں کی کشمکش

لآ الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ جاہلیت کے خلاف ایک شدید چیلنج تھا، جاہلیت کی نمائندگی اس زمانے میں قریش کر رہے تھے۔ جب قرآن کا نزول شروع ہوا۔ ابتداً میں قریش نے اس کلمہ کا کوئی نوٹس نہ لیا، ان کے خیال میں یہ ایک بیگانہ سی آواز تھی جس کی قسمت میں اپنی موت آپ مر جانا تھا (معاذاللہ منہ)۔ انہیں یہ نہیں معلوم تھا کہ یہ غیر اللہ کے اقتدار، حکومت، قانون اور طرزِ حیات کے خلاف ایک شدید بغاوت ہے۔ قریش کا طوطی سارے عرب میں بولتا تھا، لہٰذا انہیں شروع شروع میں اس کی کوئی پرواہ نہ ہوئی۔ کچھ دیر بعد جب قریش کو اس نئی آواز کی حقیقت کا علم ہوا کہ یہ تو ایک شدید انقلاب کی دعوت ہے۔ تو انہوں نے اس کے خلاف جو کھلی لڑائی شروع کر دی۔ انہوں نے اپنے ترکش کا ہر تیر اس کے خلاف چلایا، ہر تدبیر، ہر مکر و فریب اور ہر سازش کی، ہر فتنہ اٹھایا اور ہر حیلہ اختیار کیا۔ جاہلیت کے لیے بھی ——— اسلام کی مانند ——— یہ ایک زندگی اور موت کا سوال تھا۔ دونوں میں سے جو بھی کامیاب ہو جاتا اس سے دوسرے کا وجود خطرے میں تھا۔ لہٰذا دونوں فریق اپنا اپنا زور لگا رہے تھے۔ فرق یہ تھا کہ اسلام کے پاس ابھی انقلابی دعوت کے سوا کچھ نہ تھا۔ جب کہ زندگی کے تمام شعبوں کا انتظام، معاشرت، معاش، سیاست، مذہب اور سب سے بڑھ کر یہ کہ کعبۃ اللہ اور اس کا در و بست بھی قریش کے ہاتھ میں تھا۔ جاہلیت ہمیشہ کی مانند، اس نئی دعوت کو اپنی موت کا سامان سمجھتی تھی، یہ دعوت ربوبیت، اقتدار، حاکمیت، الوہیت، قانون، اخلاق، سیاست غرض ہر چیز کو اللہ تعالیٰ کی ذات میں مرکوز قرار دیتی تھی، لہٰذا اس کا مطلب غیر اللہ کی موت تھا، بندوں کے لیے بندوں کی خدائی کا ختم ہونا تھا، نئی تحریک قدیم جاہلیت کے نزدیک ایک بغاوت و سرکشی کی تحریک تھی، جس طرح کہ پرانی جاہلیت اس جدید دعوت کے نزدیک بندوں کی بندوں کے لیے خدائی تھی جس کا مٹا دینا ناگزیر تھا تاکہ بندے آزاد فضا میں سانس لے سکیں۔

فتنہ و تعذیب

پس نتیجہ یہ ہوا کہ مسلم معاشرے کا ہر فرد فتنہ و تعذیب کا شکار رہو گیا، بہت سے واقعات میں قتل تک نوبت پہنچ گئی، اس وقت صرف وہ لوگ کلمۂ اسلام پڑھتے تھے جو یہ سمجھ لیتے کہ اس کا نتیجہ قتل اور موت بھی ہو سکتا ہے۔ اور اس سے کم تر فتنہ خاندان اور برادری کی طرف سے قطع تعلق، بھوک، جلاوطنی، پانی میں ڈبو کر مار دیا جاتا۔

Marfat.com

آگ میں جلایا جانا، جسم کے اعضاء کی قطع و برید ہو سکتا تھا۔ بہت سے لوگوں کو ان تعذیبات کا سامنا عملاً کرنا پڑا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک جفاکش، موت کے خوف سے بے نیاز، ترغیب و ترہیب سے لاپرواہ جماعت وجود میں آگئی جو اہل عرب میں سے جفاکشی میں سب سے زیادہ سخت، تحمل مصائب میں سب سے زیادہ دلیر تھی۔ بعض کمزور دل کے لوگ نئے سرے سے جاہلیت کی گود میں چلے گئے۔ مگر ان کی تعداد بہت کم تھی۔ یہ بات بالکل واضح تھی کہ جو لوگ جاہلیت سے اسلام کی طرف آتے تھے اور تعذیب و فتنے کا کانٹوں بھرا ڈراؤنا راستہ اختیار کرتے تھے وہ گنے چنے، ممتاز لوگ ہوتے تھے۔ جن کی نمونہ یکتا تھی۔

مہاجرین سابقین اور انصار اللہ کے برگزیدہ تھے۔

یوں اللہ تعالیٰ ان نادر و یکتا عناصر کو بطور مہاجرین اولین منتخب کیا۔ تاکہ وہ مکہ میں اسلام کی مضبوط بنیاد اور ریڑھ کی ہڈی بنیں۔ اور پھر مدینہ میں وہ اسلام کا مضبوط ترین عنصر ثابت ہوں۔ ان کے ساتھ انصار کے سابقین اولین مل گئے جو اگرچہ پہلے اس طرح تپائے نہیں گئے تھے جس طرح کہ مہاجرین تپائے گئے تھے، مگر ان کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیعت عقبہ نے یہ ثابت کر دیا تھا کہ ان کا عنصر اسلام کے عین مطابق تھا۔ اور اصیل تھا۔

ابن کثیر نے تفسیر میں محمد بن کعب قرظی وغیرہ سے روایت کی ہے کہ عقبہ کی رات کو عبداللہ بن رواحہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: آپ اپنے رب کے لیے اور اپنے لیے جو چاہیں شرط لگا لیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اپنے رب کے لیے یہ شرط لگاتا ہوں کہ تم صرف اسی کی عبادت کرو کسی چیز کو اس کا شریک نہ بناؤ۔ اور اپنے لیے میں یہ شرط لگاتا ہوں کہ تم ان سب چیزوں سے میرا دفاع کرو گے۔ جن سے تم اپنے نفوس و اموال کا دفاع کرتے ہو۔ انصار نے کہا: جب ہم ایسا کریں گے تو ہمیں کیا ملے گا؟ آپ نے فرمایا: جنت! انہوں نے کہا: یہ بیع تو بہت نفع آور ہے۔ نہ ہم اسے توڑیں گے نہ آپ سے توڑنے کا مطالبہ کریں گے۔

اسلام پر بیعت کوئی معمولی بات نہ تھی

پس یہ لوگ جو اپنی جانیں اور اموال دیکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کرتے تھے اور جنت کے سوا کسی جزا اور کسی فائدہ کے آرزومند نہ تھے۔ یہ جانتے تھے کہ یہ سودا بہت نفع آور ہے اور یہ بیعت کوئی معمولی معاملہ نہ تھا۔ انہیں یقین تھا کہ پہلے قریش اور پھر ان کے پیچھے سارا عرب ان کی مخالفت پر اٹھ کھڑا ہو گا۔ اور یہ کہ وہ اس درندہ جاہلیت کے ساتھ آرام و آسائش کے ساتھ زندہ نہ رہ سکیں گے۔ کیونکہ اس جاہلیت کی جڑیں اور ملتا ہیں ان کے اردگرد مدینہ میں اور پھر سارے عرب میں پھیلی ہوئی تھیں۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شدید مخالفت

حافظ ابن کثیر نے البدایۃ والنہایہ میں امام احمدؒ کی ایک روایت درج کی ہے کہ جابرؓ نے کہا: رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم دس سال مکہ میں عکاظ اور مجنہ کے میلوں میں لوگوں کی منازل تلاش کرتے رہتے تھے۔ اور حج کے ایام میں بھی لوگوں کے ڈیروں پر جا کر کہتے تھے کہ: کون ہے جو مجھے اپنے ہاں ٹھکانا دے؟ کون ہے جو میری مدد کرے؟ تاکہ میں اپنے رب کا پیغام پہنچاؤں اور اس کو جنت ملے گی۔ پس کوئی بھی آپؐ کو ٹھکانا دینے اور نصرت کرنے کو تیار نہ ہوتا۔ حتیٰ کہ آدمی یمن سے نکلتا یا مصر سے آتا تو اس کی قوم اور قرابت دار اس کو آکر کہتے، قریش کے لڑکے سے بچ کر رہنا، مبادا وہ تجھے فتنے میں ڈال دے۔ آپؐ ان کے ڈیروں میں چلتے پھرتے تو لوگ آپؐ کی طرف انگلیوں کے اشارے کرتے، حتیٰ کہ اللہ نے ہمیں یثرب سے بھیجا تو ہم نے آپؐ کو ٹھکانا دیا اور آپؐ کی تصدیق کی۔ پھر یوں ہوا کہ ہم میں سے کوئی آدمی گھر سے نکل کر جاتا اور آپؐ پر ایمان لاتا، آپؐ اسے قرآن پڑھاتے تو وہ اپنے ہاں واپس آتا اور لوگ اس کے اسلام کے باعث مسلم ہو جاتے۔ پھر تو انصار کے قبائل میں سے کوئی قبیلہ نہ رہا۔ جس میں علی الاعلان لوگ مسلم نہ ہوں۔ پھر انہوں نے مشورہ کیا اور جمع ہو کر کہا: ہم کب تک اللہ کے رسولؐ کو مکہ کے پہاڑوں میں پھرتے اور ٹھوکریں کھاتے رہنے دیں گے؟ پھر مدینہ سے ہم میں سے ستر آدمی حج کے زمانے میں آپؐ کے پاس حاضر ہوئے اور آپؐ سے وقت لیا کہ پہاڑ کی گھاٹی میں ہم سے ملیں۔ ہم ایک ایک دو دو کر کے آہستہ آہستہ وہاں پہنچ گئے اور آپؐ سے کہا: یا رسول اللہ! ہم کس شرط پر آپؐ کی بیعت کریں؟ فرمایا کہ تم مجھ سے سننے اور ماننے پر، خوشی اور ناخوشی میں، بیعت کرو، اور فراخی اور تنگی میں خرچ کرنے پر، اور نیکی کا حکم دینے اور برائی سے منع کرنے پر، اور اللہ کے دین میں حق کہنے پر اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا خوف نہ کرنے پر، اور اس بات پر کہ جب میں تمہارے پاس آؤں تو تم میرا دفاع کرو جس طرح کہ اپنی جانوں، ازواج و اولاد کا دفاع کرتے ہو اور تمہیں جنت ملے گی۔ پس ہم آپؐ کی طرف اٹھے اور اسعدؓ بن زرارہ نے آپؐ کا ہاتھ پکڑا ـــــــ" اور وہ جابرؓ کے علاوہ سب لوگوں سے چھوٹا تھا ـــــــ" اس نے کہا: ٹھہرو! اے یثرب والو! ہم نے اس کی طرف اپنے اونٹوں کے جگر اسی لئے پھاڑے ہیں کہ ہم اسے اللہ کا رسولؐ جانتے ہیں۔ اور آج اسے اپنے ہاں لے جانا سارے عرب کی دشمنی مول لینا ہے۔ اس میں تمہارے بہترین لوگ قتل ہوں گے اور تمہیں تلواریں کاٹیں گی۔ پس اگر تم ایسے لوگ ہو جو اس پر صبر کر سکو گے تو آپؐ کو لے لو اور تمہارا اجر اللہ کے ذمہ ہو گا۔ اور اگر تم ایسی قوم ہو جنہیں اپنی جانوں کا خوف ہے تو اس کو چھوڑ دو، اور اب ہی اس کو صاف ظاہر کر دو، کیونکہ اللہ کے ہاں تمہارا یہ عذر مقبول ہو گا۔ انہوں نے کہا: اے سعدؓ! تو ایک طرف ہو جا، واللہ ہم اس بیعت کو نہ چھوڑیں گے اور نہ یہ کبھی ہم سے بزور چھینی جا سکے گی۔ جابرؓ نے کہا کہ ہم نے آپؐ کی طرف جا کر آپؐ سے بیعت کی (یہ روایت بیہقی اور الحاکم نے بھی بیان کی ہے)۔

اس روایت سے واضح ہو جاتا ہے کہ انصار کو اس بیعت کی تکالیف و شدائد کا بخوبی و یقینی علم تھا۔ اور انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ ان تکالیف کی کوئی جزا دنیا میں نہ ملے گی۔ (یعنی اس وقت اس کا وعدہ نہیں کیا گیا تھا حتیٰ کہ نصرت و غلبہ کا بھی وعدہ نہیں ہوا، اس وقت صرف جنت کا وعدہ تھا۔ ان میں اسی وعدے پر یقین تھا اور جنت کی انہیں حرص تھی، یہی سبب ہے کہ انصار بھی ان مہاجرین اولین کے ساتھ شامل تھے جن کا حال یہی تھا۔ پس یہی مہاجر و انصار اسلامی معاشرے کی پہلی مضبوط بنیاد بنی تھی۔

Marfat.com

مدینہ میں نفاق کی ابتداء

لیکن مدنی جماعت اس پہلے خلوص اور پاکیزگی پر ہمیشہ باقی نہ رہ سکی، بہت سے لوگ، خاص کر عوام کے رئیس اور چوہدری اس بات پر مجبور ہوئے کہ لوگوں میں اپنی پوزیشن اور درجہ بچانے کی خاطر منافقانہ طور پر اسلام کا اظہار کر دیں۔ جب جنگ بدر ہوئی اور مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی تو ان کے رئیس عبداللہ ابن ابی ابن سلول نے کہا کہ: اب تو یہ معاملہ آگے بڑھ چلا ہے۔ اور اس نے اسلام کا ظاہری لبادہ اوڑھ کر اظہارِ اسلام کر دیا۔ اور یہ بھی ہوا کہ بہت سے لوگوں کو اسلامی سیلاب کی لہر اپنے ساتھ بہا کر لے گئی اور وہ عارضی و نمائشی طور پر مسلمان ہو گئے۔ یہ اصلی منافق نہ تھے، مگر صحیح طور پر اسلام کو بھی سمجھ سوچ کر انہوں نے قبول نہ کیا تھا، ایسے لوگوں کے جماعت میں گھس آنے سے ناپختگی اور دراڑیں پیدا ہوئیں، اور جماعت اپنے آپ کو پوری طرح سنبھال نہ سکی۔

تربیتی پروگرام

اسی زمانے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں ان نئے عناصر کو سنبھالنے اور ان کے دلوں میں صحیح اسلام کو داخل کرنے کا کام شروع ہوا، اور اس کے ساتھ ساتھ جماعتی بنیادوں کو مضبوط کرنے اور نئے عناصر کے باعث پیدا شدہ کمزوری کو دور کرنے کی جدوجہد شروع ہوئی۔ جب ہم مدنی سورتوں کو نزولی ترتیب سے دیکھیں تو پتہ چلتا ہے کہ نئے عناصر کو جماعت میں کھپانے اور انہیں پورا مسلم بنانے کے پے کتنے جتن کیے گئے تھے۔ اور باوجودیکہ قریش نے شدید مخالفت شروع کر رکھی تھی اور عربی قبائل کو اسلام سے دور رکھنے کی خاطر انہیں مسلمانوں کے خلاف بار بار ابھارتے اور کئی قسم کے تعصبات کو اور حرص کے تقاضوں کو اجاگر کرتے رہتے تھے۔ پھر بھی جدید عناصر کا اسلامی معاشرے میں ورود برابر جاری رہا۔ ادھر یہودی اسلام کی عداوت میں اپنا موروثی کردار ادا کرنے سے کبھی باز نہیں آئے۔ اور ہر وقت مسلمانوں کی ایذا رسانی اور مسلم جماعت کو بکھیرنے کی کوششوں میں لگے رہتے تھے۔ لہٰذا ضروری تھا کہ جماعتی نظم و نسق کا کام بھی ساتھ ساتھ چلے اور اس کے پے نت نئی تدبیریں عمل میں لائی جائیں، اس ساری جدوجہد کے باوجود وقفے وقفے سے کئی کمزوریاں، نفاق، تردد، لالچ وغیرہ بھی اپنا کام کرتے رہے۔ بعض لوگوں کو عقیدے میں ابھی تک شرحِ صدر حاصل نہ تھا۔ بعض لوگ ان حدود کو نہ سمجھ سکتے تھے جو اسلامی معاشرے کو غیر اسلامی معاشروں سے اور جاہلی تہذیب سے جدا کرتی ہیں۔ وہ رنگ و خون کے تعلقات کو عقیدے پر ترجیح دیتے رہتے تھے اور اس سے قسم قسم کی الجھنیں اسلامی جماعت میں رونما ہوتی تھیں۔ اس کی کئی مثالیں مدنی سورتوں سے پیش کی جا سکتی ہیں۔ مثلاً سورۂ انفال ۵ —— ۸ میں ہے کہ:

"جس طرح نکالا تجھ کو تیرے رب نے تیرے گھر سے حق کے ساتھ اور مومنوں کا ایک فریق ناپسند کر رہا تھا۔ وہ حق کے واضح ہو جانے کے بعد تیرے ساتھ جھگڑتے تھے۔ گویا کہ انہیں آنکھوں دیکھی موت کی طرف لے جایا جا رہا تھا۔ اور جب اللہ تمہارے ساتھ دو گروہوں میں سے ایک کا وعدہ کر رہا تھا کہ وہ تمہیں مل جائے گا۔ اور تم پسند کرتے تھے کہ تم کو وہ فریق ملے جس میں کانٹا نہ لگے۔ اور اللہ چاہتا تھا کہ حق کو اپنے کلمات کے ساتھ حق

Marfat.com

ثابت کر دے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے۔ تاکہ اپنے کلمات کے ساتھ حق کو حق ثابت کرے اور باطل کا ابطال کر دے۔ گو مجرم بُرا مانیں ۔"

سورۂ آل عمران ۷ : ۹ میں ہے کہ :

"وہ وہی خدا ہے جس نے تجھ پر کتاب اتاری جس کی کچھ آیتیں محکم ہیں۔ جو کتاب کا اصل مرکز ہیں۔ اور کچھ آیات متشابہات ہیں۔ پس جن کے دلوں میں کجی ہے وہ متشابہ آیات کے پیچھے فتنہ تلاش کرنے اور ان کی تاویل کرنے کی خاطر پڑ جاتے ہیں، اور ان کی تاویل اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ (یعنی ان آیات کا آخری نتیجہ اور ان کے مواعید کے پورا ہونے کا وقت) اور علم میں پختہ لوگ کہتے ہیں : ہم ان پر ایمان لائے، یہ سب ہمارے رب کی طرف ہیں۔ اور عقل والوں کے سوا کوئی نصیحت نہیں پاتا۔ وہ کہتے ہیں: اے ہمارے رب ہمیں ہدایت دینے کے بعد ہمارے دلوں کو کج نہ کر اور ہم کو اپنی طرف سے رحمت بخش، یقیناً تو ہی بہت بخشنے والا ہے، اے ہمارے رب بلاشبہ تو لوگوں کو اس دن کے لیے جمع کرنے والا ہے جس میں کوئی شک نہیں، یقیناً اللہ اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا ۔"

سورۂ الحشر ۱۱ : ۱۲ میں ہے کہ :

"کیا تو نے منافقوں کو نہیں دیکھا جو اپنے اہل کتاب میں سے کافر بھائیوں سے کہتے ہیں کہ : اگر تم کو نکالا گیا (مدینہ سے جلاوطن کیا گیا) تو ہم تمہارے ساتھ نکلیں گے اور تمہارے بارے میں کبھی کسی کی بات نہ مانیں گے۔ اور اگر تم سے قتال کیا گیا تو ضرور تمہاری مدد کریں گے، اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ یقیناً جھوٹے ہیں۔ اگر انہیں نکالا گیا تو یہ ان کے ساتھ نہ نکلیں گے اور اگر ان سے قتال کیا گیا تو یہ ان کی مدد نہ کریں گے۔ اور اگر مدد کریں گے بھی تو پشت پھیر کر بھاگ جائیں گے، اور پھر ان کی مدد نہ کی جائے گی۔ اللہ کی نسبت تو اے مسلمانو! تم ان کے دلوں میں زیادہ ڈراؤنے ہو، یہ اس لیے کہ وہ ایک بے سمجھ قوم ہے ۔"

سورۂ احزاب ۹ : ۱۴ میں ہے :

"اے ایمان والو! اپنے آپ پر اللہ کی نعمت کو یاد کرو جب کہ تم پر لشکر آ گئے تھے، پس ہم نے ان پر آندھی اور وہ لشکر بھیجے جن کو تم نے نہ دیکھا تھا، اور اللہ تمہارے کاموں کو دیکھتا تھا، جب وہ تم پر اوپر سے اور نیچے سے آئے، اور جب آنکھیں ٹیڑھی ہو گئیں، اور دل حلق میں آ پہنچے اور تم اللہ کے بارے میں کئی قسم کے گمان کرنے لگے۔ وہاں پر مومنوں کو آزمایا گیا اور سخت جھنجھوڑا گیا۔ اور جب منافق اور دل کے مریض کہتے تھے کہ اللہ نے اور اس کے رسول ؐ نے ہم سے جو وعدے کئے تھے۔ وہ فریب تھے۔ اور جب ان میں سے ایک فریق نے کہا : اے اہلِ یثرب! تمہارے لئے ٹھہرنے کا کوئی مقام نہیں لہٰذا واپس چلو۔ اور ان میں سے ایک فریق نبی ؐ سے اجازت مانگتا تھا، وہ کہتے تھے کہ ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں۔ اور وہ غیر محفوظ نہیں، یہ صرف فرار کرنا چاہتے تھے۔ اور اگر مدینہ کے اطراف سے ان پر

Marfat.com

لشکر داخل ہو جاتا۔ پھر ان سے فتنے کا سوال کیا جاتا تو وہ اس میں ملوث ہو جاتے، اور
وہاں پر کم ہی ٹھہرتے۔"
سورۂ نساء ۷۱ : ۷۳ میں ہے کہ:
"اے ایمان والو! اپنا بچاؤ ساتھ رکھو، پھر گروہ در گروہ یا سب اکٹھے جہاد کے لیئے نکلو
اور تم میں سے بعض دیر لگاتے ہیں، اگر تمہیں مصیبت پہنچے تو کہتے ہیں: اللہ کا مجھ پر احسان
ہے کہ میں ان کے ساتھ نہ تھا۔ اور اگر تمہیں اللہ کا فضل ملے تو وہ کہتے ہیں ——— گویا
کہ تم میں اور اس میں کوئی دوستی نہ ہو! ——— کاش کہ میں ان کے ساتھ ہوتا تاکہ
بڑی کامیابی پا لیتا۔"
سورۂ نساء ۷۷ : ۷۹ میں ہے کہ:
"کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن سے کہا گیا تھا کہ اپنے ہاتھ روکو اور نماز قائم کرو۔
اور زکوٰۃ دو۔ پھر جب ان پر قتال فرض کیا گیا تو ان میں سے ایک فریق لوگوں سے یوں ڈرنے
لگا جس طرح اللہ سے ڈرنا چاہیئے تھا۔ یا اس سے بھی شدید تر خوف، اور انہوں نے کہا: اے
ہمارے رب تو نے ہم پر قتال کیوں فرض کیا، تو نے ہم کو تھوڑی مدت تک مہلت کیوں نہ دی
کہو کہ دنیا کا سامان کم ہے اور خوفِ خدا والوں کے لیے آخرت بہت بہتر ہے۔ اور تم پر بالکل
ظلم نہ ہو گا۔ تم جہاں بھی ہو گے موت تمہیں پالے گی، خواہ تم مضبوط قلعوں میں ہو۔ اور اگر ان کو
اچھائی پہنچے تو کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے، اور اگر انہیں برائی پہنچے تو کہتے ہیں: یہ تیری
طرف سے ہے۔ کہو کہ یہ سب (دراصل تو) اللہ کی طرف سے ہے، سو ان لوگوں کو کیا ہوا ہے
کہ بات کو نہیں سمجھتے۔"
سورۂ محمدؐ آیت ۳۶ : ۳۸ میں ہے کہ:
"بلاشبہ دنیوی زندگی کھیل تماشا ہے اور اگر تم ایمان لاؤ اور خدا سے ڈرو تو وہ تمہیں تمہارے
اجر عطا کرے گا، اور تم سے تمہارے مال نہ مانگے گا، اگر وہ اصرار سے تم سے مانگے تو تم بخل
کرو گے اور تمہاری چھپی کوتاہیاں ظاہر کر دے گا۔ کیا تم وہ لوگ ہو جن کو اللہ کی راہ میں
خرچ کرنے کو بلایا جاتا ہے تو تم میں سے بعض بخل کرتے ہیں۔ اور جو بخل کرے گا وہ اپنے
آپ سے بخل کرے گا۔ اور اللہ ہی غنی ہے۔ اور تم محتاج ہو، اور اگر تم نے منہ پھیرا تو وہ
تمہارے علاوہ ایک اور قوم سے آئے گا، پھر وہ تمہاری مانند نہ ہوں گے۔"
سورۂ مجادلہ آیات ۱۴ : ۲۲ میں ہے کہ:
"کیا تو نے ان لوگوں کو دیکھا جن پر اللہ کا غضب ہوا، نہ وہ تم میں سے ہیں اور نہ تو ان میں سے،
اور وہ جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں حالانکہ وہ جانتے ہیں۔ اللہ نے ان کے لیے سخت عذاب تیار کیا
ہے، وہ بہت برے کام کرتے رہے تھے۔ انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا لیا، پھر اللہ
کی راہ سے روکا، پس ان کے لیے ذلیل کن عذاب ہے۔ ان کے مال اور ان کی اولاد اللہ کی

Marfat.com

طرف سے انہیں کوئی کام نہ دے گی۔ وہی جہنم والے ہیں جو اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ جس دن اللہ ان سب کو اٹھائے گا تو وہ اس کے سامنے قسمیں کھائیں گے، جیسے کہ تمہارے سامنے کھاتے ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ ان میں کچھ مول ہے، خبردار وہی جھوٹے ہیں شیطان ان پر غالب آگیا اور ان کو اللہ کی یاد بھلادی۔ وہی ہیں شیطان کا گروہ، سن لو کہ شیطان کا گروہ ہی خسارے پانے والے ہیں۔ بلاشبہ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے دشمنی رکھتے ہیں، وہ لوگ بہت ذلیل انسانوں میں سے ہیں۔ اللہ نے لکھ دیا ہے کہ میں اور میرے رسول ضرور غالب آئیں گے، بیشک اللہ قوی ہے غالب ہے۔ نہ پائے گا اس قوم کو جو ایمان لاتے ہیں اللہ پر اور پچھلے دن پر، کہ وہ محبت کرتے ہوں اللہ اور اس کے رسول سے دشمنی رکھنے والوں سے اگرچہ وہ ان کے باپ ہوں یا بیٹے ہوں یا بھائی ہوں یا اہلِ خاندان ہوں۔ یہی ہیں جن کے دل میں ایمان لکھا ہے اور ان کی مدد اپنی طرف سے روح القدس کے ساتھ کی ہے اور ان کو باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جلتی ہیں، وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے، اللہ ان سے راضی اور وہ اُس سے راضی۔ یہی ہے اللہ کا ہے، سن لو کہ اللہ کا گروہ ہی فلاح پانے والا ہے"

سورۃ المائدہ آیات ۵۱ : ۵۲ میں ہے :

"اے ایمان والو! یہود و نصاریٰ کو دلی دوست مت جانو وہ ایک دوسرے کے دلی دوست ہیں۔ اور تم میں سے جو ان کا دوست بنے گا وہ انہی میں کا ہے۔ بلاشبہ اللہ ظالم قوم کو راہ نہیں دیتا۔ پھر تو دیکھے گا کہ دلوں کے مریض جلدی سے ان کی طرف جاتے ہیں، کہتے ہیں کہ ہم کسی مصیبت کے آنے سے ڈرتے ہیں۔ سو ہو سکتا ہے کہ اللہ فتح لے آئے یا اپنی طرف سے کوئی اور امر لے آئے۔ پھر وہ اپنے پوشیدہ دلی خیالات پر نادم ہو جائیں۔ اور ایماندار کہیں: کیا یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ کی پکی قسمیں کھائی تھیں کہ وہ تمہارے ساتھ ہیں؟ ان کے اعمال ضائع ہو گئے، سو وہ خسارہ پانے والوں میں سے ہو گئے۔"

سورۃ ممتحنہ ۱ : ۴ میں ہے کہ:

"اے ایمان والو! میرے لیے اپنے دشمن کو دلی دوست مت بناؤ، تم ان کی طرف مودّت کے پیغام بھیجتے ہو حالانکہ انہوں نے اس حق کا انکار کیا جو تمہارے پاس آیا، وہ رسول کو اور تم کو اس جرم میں نکالتے ہیں کہ تم اللہ اپنے رب پر ایمان لائے ہو۔ اگر تم نکلے ہو میری راہ میں جہاد کی خاطر اور میری رضا چاہنے کے لیے، تم پوشیدہ طور پر ان کو مودّت کا پیغام بھیجتے ہو، حالانکہ میں جانتا ہوں جو تم نے مخفی کیا اور جو علانیہ کیا، اور جو تم میں سے ایسا کرے تو وہ سیدھی راہ سے بھٹک گیا، اگر وہ تمہیں پائیں تو تمہارے دشمن ہوں اور تمہاری طرف اپنے ہاتھ اور زبانیں برائی کے ساتھ پھیلائیں، اور وہ پسند کرتے ہیں کہ تم بھی کافر ہو تے، تمہارے رشتے اور اولاد تم کو قیامت کے دن ہرگز نفع نہ دیں گے اس دن وہ تم میں فاصلہ کر دے گا، اور اللہ تمہارے اعمال کو دیکھنے والا ہے۔ تمہارے لیے

Marfat.com

بہتر نمونہ ہے ابراہیمؑ اور ان کے ساتھیوں میں جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ ہم تم سے بیزار ہیں اور ان سے جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو۔ ہم نے تمہارا انکار کیا اور ہمارے تمہارے درمیان ہمیشہ کے لیے عداوت اور بغض واضح ہو گیا ہے حتیٰ کہ تم ایک اکیلے اللہ پر ایمان لاؤ، سوائے ابراہیمؑ کے اس قول کے جو اس نے اپنے باپ سے کہا کہ میں عنقریب تیرے لیے استغفار کروں گا اور اللہ کی طرف سے میں تیرے لیے کسی چیز کا مالک نہیں ہوں۔ اے ہمارے رب ہم نے تجھ پر بھروسہ کیا اور تیری طرف جھکے اور تیری ہی طرف واپسی ہے۔"

ہمارے لیے دس مختلف سورتوں سے یہ نمونے کافی ہیں۔ ان سے یہ پتہ چلتا ہے کہ مسلم معاشرے میں کیا دنیوی معاملات ظاہر ہوتے تھے، اور یہ ایک طبعی وحتمی نتیجہ تھا اس میں جدید عناصر کے پے در پے داخل ہوتے رہنے کا ان عناصر کو مسلم معاشرے کے اصل مرکز اور بنیاد کے ساتھ جوڑنے اور درست کرنے میں کچھ وقت لگتا تھا اور جد وجہد اور تربیت کی ضرورت ہوتی تھی۔ لیکن مدینہ کے مسلم معاشرے کی اصل بنیاد اور پہلا اعتماد چونکہ مہاجرین وانصار کی خالص ومخلص ومضبوط جماعت پر تھا۔ لہٰذا یہ معاشرہ فی الجملہ صحیح وسالم ہی رہتا تھا۔ اور وقتاً فوقتاً آنے والے جدید عناصر کے باعث، اور ان کے دنیوی خیالات اور اغراض کے باعث جو خلا پیدا ہو جاتا تھا گو اسے درست کرنے میں کچھ وقت لگتا تھا۔ مگر جماعت کی اصل ہیئت اور مرکزیت بعینہٖ برقرار رہتی تھی۔ ہاں! جماعت کو نت نئی مشکلات ومصائب ومسائل کا سامنا کرنا پڑتا تھا یہ عناصر آہستہ آہستہ اصل بنیادی جماعت کے ساتھ پوری طرح منسلک ہو جاتے تھے، ان کی صفائی ہوتی رہتی تھی۔ اور منافقوں اور قلبی مریضوں کی تعداد کم ہوتی رہتی تھی، یہی حال متردّدین کا تھا۔ اور ان کا جن کے قلوب میں اسلامی عقیدہ پوری طرح ابھی رچا نہ تھا۔

جب فتح مکہ کے قرب کا زمانہ آیا تو اس وقت اسلامی معاشرہ بہت منظم، بہت مرتب اور اپنے اصلی پہلے بنیادی طبقے ——— مہاجرین وانصار ——— کے ساتھ کامل طور پر جڑا ہوا تھا۔ اور اس وقت وہ ایک مثالی اسلامی جماعت کی حیثیت اختیار کر چکا تھا۔

مخلص مومنوں کی درجہ بندی

عقیدے کی تحریک نے اسلامی اجتماع میں کچھ امتیازی اقدار بھی پیدا کی تھیں، اور یہ ہر معاشرے میں ہر زمانے میں ہوتی ہیں۔ ایک ہی معاشرے کے افراد میں خلوص ومحبت، جدوجہد، مالی خدمات، جانی قربانی اور دیگر اسباب کے باعث فرق ہوتا ہے۔ گو وہ سارے ایک ہی سیسہ پلائی ہوئی دیوار کے اجزاء ہوتے ہیں۔ اسلام میں سبقت، ہجرت، تحریکی خدمات میں ہر شخص ایک جیسا نہیں ہو سکتا، پس ان میں امتیاز بعض خاص اعمال واوصاف کا تھا مثلاً:

(۱) اہلِ بدر دوسرے سے اپنے فضائل میں ممتاز تھے۔

(۲) مہاجرین اولین اور انصار اپنے اپنے خلوص اور محنت واسلامی خدمات کے باعث ممتاز تھے۔

(۳) حدیبیہ میں بیعۃ الرضوان میں شامل ہونے والے ممتاز تھے۔

Marfat.com

(۴) بیعت عقبہ کے لوگ ممتاز تھے۔

(۵) پھر فتح مکہ سے قبل مالی و جانی قربانیوں والے ایک عام صفت کی بناء پر ممتاز تھے۔

ان فضائل و علامات پر قرآن و سنت کی نصوص واضح طور پر گواہ ہیں۔ چنانچہ سورۃ توبہ آیت ۱۰۰ مہاجرین و انصار اور ان کے متبعین کی فضیلت یوں ظاہر کرتی ہے:

"اور مہاجرین و انصار میں سے پہلے سبقت سے جانے والوں اور نیکی کے ساتھ ان کے پیچھے جانے والوں سے اللہ راضی ہے اور وہ اللہ سے راضی ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے جنتیں تیار کی ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے، یہی عظیم کامیابی ہے۔"

صحیح بخاری کی ایک حدیث میں ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حاطبؓ بن ابی بلتعہ کو قتل کرنے کی اجازت مانگی۔ جب کہ حاطبؓ نے اہل مکہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فتح مکہ کے ارادے کی اطلاع دینا چاہی۔ خط تو پکڑا گیا مگر حاطبؓ کا یہ عذر قبول ہوا کہ میں نے مکہ والوں پر احسان کرنا چاہا تھا تاکہ وہ میرے بیوی بچوں کو گزند نہ پہنچائیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرؓ سے فرمایا: "شاید اللہ تعالیٰ نے اہل بدر کو جھانکا اور فرمایا: جو چاہو کرو۔ تمہارے لیے جنت واجب ہو چکی ہے۔"

سورۃ الفتح آیات ۱۸ : ۱۹ میں ہے کہ:

"اللہ ایمانداروں سے راضی ہو گیا جب کہ وہ تجھ سے درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے پس اس نے ان کے دلوں کی بات جان لی، ان پر سکون و اطمینان اتارا اور انہیں ایک قریب کی فتح عطا فرمائی۔ اور بہت سے اموال غنیمت جن کو وہ لیں گے، اور اللہ تعالےٰ غالب ہے، دانا ہے۔"

سورۃ الحدید آیت ۱۰ میں ہے:

"تم میں سے جنہوں نے فتح سے پہلے مال خرچ کیا اور قتال کیا، دوسرے ان کے برابر نہیں ہیں، وہ بڑے درجے والے ہیں۔ ان کی نسبت جنہوں نے فتح کے بعد مال خرچ کیا اور قتال کیا اور سب کے ساتھ اللہ نے اچھائی کا وعدہ کیا ہے۔ اور اللہ تمہارے اعمال سے خبردار ہے۔"

حافظ ابن القیمؒ نے زاد المعاد میں ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ خالدؓ بن الولید کا عبدالرحمٰنؓ بن عوف کے ساتھ کسی بات پر جھگڑا ہو گیا تو باوجودیکہ خالدؓ سیف اللہ تھے، مگر سامنے چونکہ وہ شخص تھا جو سابقین اولین میں سے تھا لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ٹھہر جا اے خالد! میرے اصحاب کو کچھ نہ کہہ، واللہ اگر تیرے پاس احد کے برابر بھی سونا ہو تا جسے تو اللہ کی راہ میں خرچ کرتا تو میرے اصحاب میں سے کسی کے پہلے پہر یا پچھلے پہر راہِ خدا میں نکلنے کو نہ پہنچتا۔ اور اس ارشاد میں اصحابی سے مراد یہی مہاجرین اولین سابقین کا طبقہ ہے۔

مگر مسلمانوں کے طبقات کی ایمانی اقدار کے باعث تمیز اس بات سے مانع نہ تھی کہ ایمانی درجات قریب قریب ہوں اور فتح مکہ سے قبل مدینہ میں ان کا تناسق و تناسب قائم ہو۔ ایمانی صف میں کوئی خلل نہ پڑے اور بہت سے ظاہری و باطنی اسباب و اختلافات کے باوجود وہ صف ایک مضبوط بنیاد بنی رہے۔ اس جماعت میں عقیدے

کا کوئی اختلاف نہ تھا۔

اسلامی صفوں میں جدید عناصر کا اضافہ

فتح مکہ ۸ھ کے موقع پر نہ صرف قریش بلکہ ان کے بعد ہوازن و ثقیف بھی اسلام کے مطیع ہو گئے۔ اور قریش کے بعد یہ دونوں قبائل عرب کی بڑی قوتوں میں شمار ہوتے تھے۔ فتح کے موقع پر یہ لوگ فوج در فوج اسلام میں داخل ہو گئے اور اسلامی معاشرے میں ایمانی درجات کی جماعت بندی میں اضافہ ہوا۔ ظاہر ہے کہ پہلے بھی درجہ اور مقام کے لحاظ سے سب لوگ ایک سطح پر نہ تھے۔ اور اب اس جدید اضافے کے بعد اختلاف درجات میں اور اضافہ ہوا۔ اسلام کے اندر آنے والوں میں کچھ دل سے ناپسند کرنے والے اور بظاہر اسلام لانے والے منافق بھی تھے۔ کچھ مؤلفۃ القلوب تھے جو اسلام کی حقیقت جانے بغیر اسلام لے آئے تھے اور صحیح مسلم بننے میں ابھی ان میں کچھ وقت درکار تھا۔ فتح مکہ تک عرب کی اعلیٰ قوت قریش ہی تھے اور وہی اسلام کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ تھے۔ دینی معاملات میں قریش ہی ریاست رکھتے تھے۔ بیت اللہ کا نظم و نسق انہی کے پاس تھا۔ اور مشرک ہونے کے باوجود اہل عرب سب سے بڑا دینی مرکز کعبۃ اللہ کو ہی سمجھتے تھے۔ اس کے علاوہ انہیں اقتصادی، سیاسی اور ادبی ریاست بھی حاصل تھی۔ جب تک قریش اسلام میں داخل نہیں ہوئے، وہ اسلام کے راستے میں بڑی رکاوٹ بنے رہے اور عامۃ الناس ایمان نہ لائے۔ فتح کے بعد قریش، ہوازن اور ثقیف اسلام لے آئے تو راستے کی رکاوٹ جاتی رہی۔ مدینہ کے تین طاقتور یہودی قبائل کا زور بھی ٹوٹ چکا تھا۔ بنو قینقاع جلاوطن ہو چکے تھے۔ اور ان کے بعد بنو نضیر بھی۔ بنو قریظہ کو جنگ خندق کے بعد مٹا دیا گیا تھا کیونکہ انہوں نے معاہدے کے باوجود جنگ خندق میں حملہ آوروں کی کھلی مدد کی تھی۔ ان کے بعد خیبر رہ گیا تھا جو ۷ھ میں کچھ بزور شمشیر اور کچھ صلح سے مطیع ہو چکا تھا۔ اب لوگ فوج در فوج اللہ کے دین میں داخل ہو چکے تھے۔ اور یہ سارا انقلاب تقریباً ایک سال ہی کے اندر واقع ہو گیا تھا۔

مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ کچھ مسائل بھی لایا تھا

جنگ بدر کے بعد مشرکین اور یہود نے اسلام کی عمارت کے اندر تخریب کاری کی غرض سے بہت سے لوگوں کو منافقانہ طور پر اسلامی جماعت میں داخل کر دیا تھا۔ اس کے بعد اور ضروری کاموں کے ساتھ اندرونی تطہیر و تربیت کا کام شروع ہوا اور اگر جماعت اندر سے مضبوط نہ ہو چکی ہوتی تو فتح کے بعد بہت سے نئے عناصر کا اسلام میں داخلہ جماعت کے لئے مضر ثابت ہوتا۔ وجہ یہ تھی کہ سب آنے والے ایک قسم کے نہ تھے، بلکہ جیسا کہ ہم اوپر بتا چکے ہیں، یہ مختلف النوع لوگ تھے، اور جماعت کی بنیاد چونکہ مضبوط ہو گئی تھی اور مہاجرین و انصار کا مخلص مضبوط عنصر جماعت پر چھایا ہوا تھا، اس لیے ہر جدید صورت احوال کا اس نئی جماعت نے بخوبی مقابلہ کیا۔ اس عنصر کے ہوتے ہوئے بیرونی لوگوں کے باہر سے مخالفت کرنے یا اسلام کے اندر آکر سازشیں کرنے کا کوئی خاص اثر نہ ہو سکتا تھا۔ عارضی طور پر بعض اضطرابات اور پریشانیاں وقوع میں آتی تھیں مگر جماعت کا اصل جسم مضبوط اور صحیح و سالم رہتا تھا۔

Marfat.com

جدید عناصر کا پہلا اثر

باہر سے نئے داخل ہونے والوں کا پہلا اثر جنگ حنین میں ظاہر ہوا تھا، جس کے متعلق اسی سورت توبہ میں آیا ہے کہ :

"اللہ نے بہت جگہوں پر تمہاری مدد کی تھی، اور جنگِ حنین میں بھی جب کہ تم کو اپنی کثرت بہت پسند آئی، مگر اس نے کوئی کام نہ دیا، زمین وسیع ہونے کے باوجود تم پر تنگ ہو گئی اور پھر تم منہ پھیر کر چلے گئے، پھر اللہ نے اپنی تسلی اپنے رسولؐ پر اور اہل ایمان پر اتاری۔ اور ایسے لشکر بھیجے جن کو تم نے نہ دیکھا۔ اور کافروں کو سزا دی اور کافروں کی یہی جزا ہے"

جنگِ حنین میں اس ظاہری و عارضی شکست کا باعث یہ تھا کہ دو ہزار طلقاء (آزاد کردہ نومسلم) جو فتح مکہ کے موقع پر اسلام لائے تھے وہ بھی ان دس ہزار مومن مجاہدوں کے ساتھ مکہ سے حنین کی طرف نکلے تھے، پس ان دو ہزار نو مسلموں کا وجود صف معرکہ میں عدم توازن کا باعث ہوا۔ یہ ابھی تربیت یافتہ نہ تھے، اسلام کا نیا نیا شوق تھا، کچھ دنیوی اغراض بھی پیش نظر تھیں۔ پس ۱۲ ہزار کا پورا لشکر اُن خالص و مخلص مہاجرین و انصار کا نہ تھا جو اسلام کی ریڑھ کی ہڈی تھے، اور جن کا کم و بیش بیس سال تک بار بار امتحان لیا جا چکا تھا اور وہ ہر طرح سے تربیت کی منزلوں میں سے گزر چکے تھے۔

دوسرا اثر

فتح مکہ کے وقت بہت سے جدید عناصر کا اسلام میں داخلہ دوسرا اثر جو لے کر آیا اس کا ظہور جنگِ تبوک میں ہوا تھا۔ شدہ میں جو لوگ تیزی سے اسلام لائے ہیں، ایمانی و عملی سطح کے لحاظ سے مہاجرین و انصار جیسے نہ تھے۔ اس کا اظہار سورۂ توبہ کی آیات سے ہوتا ہے، جن سے ہمیں مفصلاً پتہ چل جاتا ہے کہ جماعت میں اس وقت کس قسم کی اور کیا کمزوری تھی؟ انہی احوال کا نتیجہ تھا کہ فتح مکہ کے دو سال بعد جب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو عرب میں ارتداد پھیل گیا۔ مدینہ کا مضبوط بنیادی عنصر اس سے بالکل محفوظ رہا۔ مگر باہر کی آبادیاں اور صحرائی لوگ شدید طور پر متاثر ہوئے، اس کا مطلب یہ ہے کہ ان بے شمار نئے داخلِ اسلام ہونے والوں کی ایمانی پختگی و تربیت کے لیے فتح کے بعد کے دو سال کافی نہ تھے کہ ان کے دلوں میں حقیقتِ ایمانی جلوہ گر ہو سکتی، اس پر غور کریں تو ہمیں یہ حقیقت معلوم ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کاملہ نے ۱۳ سال تک مکہ میں مسلمانوں کی قلیل جماعت کو مصائب و آلام کی بھٹی میں ڈال کر انہیں پختہ کیوں کیا تھا؟ اس قلیل جماعت پر مشرک طاغوتوں کو ایذاء رسانی کے لیے کیوں مسلط کیا تھا؟ انہیں جان و مال اور عزت کے خطرات میں سے کیوں گزارا تھا؟

قلیل مسلم جماعت کی تربیت

اللہ تعالیٰ کو اس بات کا علم تھا کہ مصائب و آلام کی بھٹی میں تپانا اس قلیل جماعت کے لیے ضروری ہے

تاکہ یہ تربیت پاکر مسلم معاشرے کی اولین مضبوط بنیاد ثابت ہوں۔ اس کے بغیر ان میں وہ مضبوطی، صبر و ثبات، عزم و حوصلہ اور ہمت پیدا نہ ہو سکتی تھی جو اسلام کی خاطر درکار تھی۔ پس ان میں مار پیٹ، بھوک پیاس، شدید مخالفت، قطع تعلقات، قتل و غضب کی منزلوں میں سے گزارا گیا۔ یہ لوگ ان منازل میں سے گزر کر قلبی و ذہنی اور روحانی و جسمانی طور پر آنے والی ہر شدت و مصیبت کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔ مہاجرین اور سابقین فی الاسلام کی اس بنیادی خالص و مخلص اور ہر لحاظ سے مضبوط جماعت میں آگے چل کر انصار کی مخلص اور مالی و جانی قربانی کرنے والی جماعت کا بھی اضافہ ہو گیا۔ اب یہ ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن گئی۔ اور اس کے اتحاد و یک جہتی نے بدر کی فتح کا تحفہ اسلام کو دلوایا۔ بدر سے لے کر فتح مکہ تک کے دور میں اسلام کی یہی ریڑھ کی ہڈی تھی جو اسلام کی پاسبانی اور مصائب و آلام کے مقابلے میں اس کا دفاع کرنے والی ثابت ہوئی۔ اس سے ہمیں یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اسلامی تحریک پر کون سے ادوار آئے تھے، اور یہ علم ہمارے لیے ہر زمان و مکان میں اسلامی تحریک کی رہنمائی مہیا کرتا ہے۔ اس سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ اسلامی تحریک کے لیے سب سے پہلے سب سے زیادہ ضروری اور اہم بات یہ ہے کہ مخلص مومنوں کی ایک جماعت مہیا کی جائے، جو اسلام کی عظیم عمارت کے لیے مضبوط اور ناقابلِ شکست و ریخت بنیاد کا کام دے۔ اس جماعت کی کافی تربیت بھی ضروری ہے۔ اور عملی طور پر اس کا مشکل و ناموافق حالات میں سے گزرنا بھی لازم ہے تاکہ اس کی صلابت و شدت اور مضبوطی میں اضافہ ہوتا رہے اور ایک فوج کی مانند سرد و گرم زمانہ ان کو چکھایا جاتا رہے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی لازم ہے کہ اس بنیادی جماعت کے تیار ہونے تک تعداد میں اضافہ کرنے کی طرف زیادہ توجہ نہ کی جائے۔ پہلے بنیاد قائم اور مضبوط ہو تو پھر کسی اور چیز کو دیکھا جا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسلامی جماعت کی تربیت کی کفالت خود فرمائی تھی اسے طویل جدوجہد اور شدتوں میں سے گزارا تھا، نصرت میں دیر کی تھی، لوگوں کو اس کا راستہ روکنے دیا تھا حتیٰ کہ ان میں کافی صبر و ثبات پیدا ہو گیا تھا اور وہ اسلامی عمارت کی مضبوط بنیاد بننے کی صلاحیت سے مالا مال ہو گئے تھے۔

سورۂ توبہ کے رئیسی و بنیادی مضامین

اب وقت آگیا ہے کہ ہم سورۂ توبہ کے بنیادی و رئیسی مضامین پیش کریں خاص کر وہ آخری و انتہائی احکام جو اسلامی و غیر اسلامی معاشروں کے باہمی تعلقات کے سلسلے میں دیئے گئے تھے۔ یہی احکام دراصل اسلام کے تحریکی احکام و منازل ہیں۔ جن سے ہم اس دین کے ارتقاء کو سمجھ سکتے ہیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سورۂ الانفال کی تمہید میں علامہ امام الحافظ ابن القیم سے "الجہاد فی الاسلام" کے متعلق ہم جو کچھ نقل کر چکے ہیں، یہاں پر ایک مرتبہ پھر اسے پیش کر دیں۔

حافظ ابن قیمؒ کی کتاب کی اس فصل کا نام ہے: "کفار و منافقین کے ساتھ بعثت سے وفات تک آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سلوک" آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پر پہلی وحی یہ نازل ہوئی تھی کہ اپنے خالق رب کے نام سے پڑھو، اور یہ آنجنابؐ کی نبوت کی ابتداء تھی۔ اس وقت آپؐ کو اپنے جی میں پڑھنے کا حکم تھا، تبلیغ کا حکم ابھی نہ ملا تھا، پھر آپؐ پر یہ سورت اتاری گئی:

Marfat.com

"اے مدثر! اُٹھ اور خبردار کر۔"

پس نبوت اقراء کے حکم سے ملی اور رسالت یاایھا المدثر سے دی گئی۔ پھر حکم ملا کہ اپنے قریبی رشتہ داروں کو خبردار کریں۔ پھر آپ نے اپنی قوم کو خبردار کیا، اس کے بعد ارد گرد کے عربوں کو خبردار کیا، اس کے بعد تمام عرب کو خبردار کیا۔ پھر سب جہان والوں کو خبردار کیا۔ اپنی نبوت کے تیرہ سال بعد تک آپ صرف دعوت کے ساتھ خبردار کرتے رہے۔ اس وقت قتال اور جزیہ نہ تھا، اور ہاتھ روکنے، صبر کرنے اور درگزر کرنے کا حکم ملا تھا۔ پھر آپ کو ہجرت کا حکم ملا اور قتال کی اجازت ہوئی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ قتال کرنے والوں کے ساتھ قتال کریں اور الگ رہنے والوں اور قتال نہ کرنے والوں سے ہاتھ روکیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو مشرکوں سے قتال کا حکم دیا کہ دین (اطاعت) سب اللہ کا ہو جائے، پھر جہاد کے حکم کے بعد لوگ آپ کے ساتھ تین قسم کے تھے:

(۱) صلح و معاہدے والے۔

(۲) جنگ والے۔

(۳) اہل ذمہ۔

پس آپ کو یہ حکم ملا کہ عہد و صلح والوں کے عہد کو پورا کریں اور جب تک وہ عہد پر قائم رہیں ان کے ساتھ وفا کریں۔ اگر ان سے خیانت کا خوف ہو تو ان کے عہد کو ان کی طرف دے ماریں، اور جب تک ان میں عہد توڑ دینے کی اطلاع نہ پائیں اس وقت تک ان سے قتال نہ کریں، اور یہ حکم ملا کہ عہد شکنوں کے ساتھ قتال کریں۔

جب سورۃ براۃ نازل ہوئی اس میں ان تمام اقسام کے احکام نازل ہوئے، پس آپ کو حکم ملا کہ اہل کتاب میں سے اپنے دشمنوں سے قتال کریں، جب تک کہ وہ جزیہ نہ ادا کریں یا اسلام میں داخل نہ ہو جائیں، اور اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ حکم بھی دیا کہ کفار و منافقین کے ساتھ جہاد کریں اور ان پر سختی کریں۔ پس آپ نے کفار کے ساتھ تلوار اور نیزے سے جہاد کیا۔ اور منافقین کے ساتھ دلیل اور زبان کے ساتھ جہاد کیا، اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس سورت میں کفار کے عہدوں سے بیزاری اور ان کے معاہدوں کو پرے دے مارنے کا حکم دیا گیا، اور معاہدے والوں کی اس میں تین قسمیں بتائی گئیں، ایک قسم کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے آپ کو قتال کا حکم دیا، اور یہ وہ لوگ تھے جو عہد شکن تھے اور معاہدے اور زبان پر قائم نہ رہے تھے۔ پس اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان سے جنگ کا حکم دیا، اور آپ جنگ کر کے ان پر غالب آگئے، دوسری قسم کے لوگ وہ تھے جن سے کوئی معین مدت کا معاہدہ تھا جسے انہوں نے توڑا نہ تھا، اور آپ کے خلاف کسی کی مدد نہ کی تھی۔ آپ کو حکم ملا کہ ان کا عہد ان کی مدت تک پورا کریں، تیسری قسم ان لوگوں کی تھی، جن کے ساتھ آپ کا عہد نہ تھا، نہ انہوں نے آپ سے جنگ کی تھی۔ یا ان کا غیر معین عرصے کا عہد تھا، آپ کو حکم ملا کہ ان کو چار ماہ کی مہلت دیں۔ جب یہ وقت گزر جائے تو ان سے قتال کریں، پس آپ نے عہد شکنوں سے قتال کیا اور جن کا عہد نہ تھا یا مطلق عہد تھا ان کو چار ماہ کی مہلت دے دی، اور آپ کو حکم ملا کہ عہد پورا کرنے والوں کا عہد ان کی مقررہ مدت تک پورا کیا جائے پس یہ سب لوگ اسلام لے آئے اور مدتِ عہد تک اپنے کفر پہ قائم نہ رہے۔ اور اہلِ ذمہ پر آپ نے جزیہ مقرر کیا۔

پس سورۂ برأت کے نزول کے بعد کفار کا معاملہ آپ کے ساتھ تین اقسام پر آ ٹھہرا :

(۱) برسرِجنگ لوگ۔

(۲) عہد والے۔

(۳) اہل ذمہ۔

اور برسرِجنگ لوگ آپ سے ڈرتے تھے۔ اب تمام اہلِ زمین کی آپ کے بارے میں تین قسمیں ہوگئیں :

(۱) مطیع جو ایمان دار تھے۔

(۲) برسرِجنگ مگر دل سے خائف۔

اب جہاں تک منافقین کے متعلق آپ کی سیرت کا تعلق تھا وہ یہ تھا کہ آپ کو یہ حکم ملا کہ ان سے ان کے ظاہر اور علانیہ کو قبول کریں، اور ان کے باطن کو اللہ کے سپرد کریں، اور یہ کہ ان کے ساتھ علم اور دلیل کے ساتھ جہاد کریں اور ان سے اعراض کریں۔ اور پھر یہ کہ ان پر سختی کریں، اور یہ کہ قول بلیغ کے ساتھ ان کے دلوں تک پہنچائیں، اور آپ کو حکم دیا گیا کہ ان کی نمازِ جنازہ نہ پڑھیں۔ اور ان کی قبر پر کھڑے نہ ہوں دعا و استغفار کے لیے، اور آپ کو بتایا گیا کہ اگر آپ ان کے لیے استغفار کریں گے تو بھی اللہ تعالیٰ ان کو ہرگز نہ بخشے گا پس یہ تھی آپ کی سیرت کفار اور منافقین میں سے آپ کے دشمنوں کے ساتھ۔

اسلامی تحریک کی بنیادی علامات

جہاد اسلامی کے مراحل کے متعلق حافظ ابن القیمؒ کی یہ ایک اچھی تلخیص ہے جس سے اسلامی تحریک کی بنیادی اور گہری علامات واضح ہوتی ہیں۔ ان کو مفصل بیان نہیں کیا جا سکتا گو یہ اس لائق نہیں، کم از کم ان کی طرف مجمل اشارے کرنا ضروری ہے۔

پہلی علامت : پہلی علامت یہ ہے کہ اسلام ایک واقعاتی تحریک ہے۔ یہ جاہلی تحریک کا مقابلہ تصور و عقیدہ عملی تحریک، نظام زندگی، تمام شعبہ ہائے حیات کی صحیح رہنمائی کی صورت میں کرتی ہے۔ جاہلیت جس طرح زندگی کے تمام شعبوں پر چھائی ہوئی تھی۔ اسلام نے انسان کی ساری انفرادی و اجتماعی، سیاسی، معاشی معاشرتی، اخلاقی زندگی کا محیط نظام پیش کیا۔ اور یہ دو نظام انسانی زندگی کے نظام ہونے کی حیثیت سے ایک دوسرے کے بالکل ضد اور ردِ مقابل بن گئے۔ اسلام نے عقیدہ و تصور اور تبلیغ و دعوت کا ایک کامل نظام پیش کیا اور زبان و بیان، دلیل و حجت اور خلق و مروت کے ساتھ اسے برحق ثابت کیا، جس طرح جاہلیت نے زندگی کے ہر گوشے کو اپنے تابع کر لیا تھا۔ اسی طرح اسلام نے انسان کو اس کی ساری زندگی میں غیر اللہ کی غلامی سے نکالنے کا وسیع پروگرام پیش کیا، یہ پروگرام صرف بیان و زبان کی حد تک نہ تھا بلکہ زندگی کے ہر شعبے میں اس کے مناسب علاج کی صورت میں تھا۔

دوسری علامت : دوسری علامت یہ ہے کہ یہ ایک مرحلہ وار تحریک ہے۔ ہر مرحلے کے لیے اس کے پاس وسائل ہیں جو اس کے تقاضوں اور حاجات کو پورا کرتے ہیں، ہر مرحلہ اگلے مرحلے تک پہنچاتا ہے

Marfat.com

یہ تحریک ایک منجمد نظریے کی حیثیت نہیں رکھتی۔ جو لوگ اسلام کے مختلف مراحل اور ان کے تقاضوں کو مدنظر نہیں رکھتے وہ جہاد پر گفتگو کرتے ہوئے گڑبڑ کرتے ہیں۔ قرآنی نصوص ہر مرحلہ پر تحریک کی رہنمائی کرتی رہی ہیں۔ ان نصوص کو ان کے الگ الگ مراحل سے جدا کرکے اگر دیکھا جائے گا تو سوائے ژولیدگی و پیچیدگی کے کچھ ہاتھ نہ آئے گا، ابتدائی احکام انتہائی مراحل کے لیے نہیں تھے۔ اور انتہائی احکام ابتدائی مراحل کے لیے نہ تھے۔ یہ کہنا کہ اسلام کی تحریک جہاد صرف دفاع کے لیے ہے۔ اسلام کی غلط نمائندگی کرنا ہے، اسلام خدا کی ساری زمین سے تمام طاغوتوں اور طاغوتی طاقتوں کو مٹانا چاہتا ہے۔ تاکہ اللہ وحدہٗ کی بندگی کا نظام قائم ہو سکے وہ انسانوں کے لیے انسانوں کی بندگی کا بالکل روادار نہیں ہے۔

اسی طرح وہ عقیدے کی قبولیت یا عدم قبولیت میں جبر کا نہیں بلکہ رضا و اختیار کا قائل ہے۔ لیکن وہ چاہتا ہے کہ توحید کے عقیدے کو اختیار کرنے کی راہ میں حائل رکاوٹیں دور کر دی جائیں۔ جب یہ موانع دور ہو جائیں تو پھر وہ انسانوں کو آزاد مرضی اختیار کرنے کی اجازت دیتا ہے۔ جو لوگ اسی عقیدے کو نہ مانیں اور اس کی راہ میں کھڑے بھی نہ ہوں وہ انہیں ہر قسم کی حفاظت کا یقین دلاتا ہے۔

تیسری علامت : اسلام کا اصل بنیادی ہدف یہ ہے کہ لوگ اللہ کے لیے اپنی عبودیت کو خالص کر دیں اور بندوں کی ——— یعنی تمام مخلوقات کی ——— عبودیت سے باہر نکل جائیں۔ اسلام کی دامی تحریک اور اس کے لیے اختیار کیے جانے والے نئے نئے وسائل و ذرائع اس کو اپنے طے کردہ قواعد سے باہر نہیں نکالتے۔ اسلام نے اپنے اول روز سے ہی اپنے اصل بنیادی مقصد کو پیش نظر رکھا تھا، خواہ اس کا حکم یہ تھا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے قریبی رشتہ داروں کو خبردار کریں، خواہ یہ تھا کہ قریش سے خطاب کریں، خواہ یہ کہ تمام عربوں کو مخاطب بنائیں اور خواہ یہ کہ تمام جہان والوں کو مخاطب کریں۔

چوتھی علامت : اسلام کے مرحلہ وار جہادی پروگرام کی چوتھی علامت یہ ہے کہ مسلم معاشرے اور باقی سب غیر مسلم معاشروں کے مابین تعلقات کی قانونی حد بندی اور ضابطہ بندی کی جائے۔ اس کا ایک بہت اچھا خلاصہ ہم نے زاد المعاد سے نقل کر دیا ہے۔ اس ضابطہ بندی کی بنیاد یہ ہے کہ تمام جہان کا فرض اللہ کے سامنے گردن اطاعت کو جھکانا ہے۔ اور اس راستے میں حائل ہونے والی رکاوٹوں کو دور کرنا مسلمانوں کا فرض اولین ہے، جو رکاوٹ راستہ چھوڑنے سے انکار کرے اسے بزور ہٹانا، رکاوٹ پیدا کرنے والوں کو قتل کرنا یا جھکا دینا اسلامی مقاصد میں داخل ہے۔

اس سورت میں وارد اسلام کے آخری انتہائی احکام

گزشتہ سطور میں جو کچھ بیان کیا جا چکا ہے اس کی روشنی میں ہم یہ سمجھ سکتے ہیں کہ اس سورت میں وارد شدہ انتہائی اسلامی احکام یہ ہیں :

(۱) مشرکوں کے معاہدوں سے اللہ اور اس کے رسول کو بیزاری۔
(۲) متعین اوقات کے معاہدوں والوں کو مہلت دینا، بشرطیکہ ایسے لوگوں نے مسلمانوں سے عہد شکنی نہ کی ہو اور ان کے کسی دشمن کی مدد نہ کی ہو۔ یہ مہلت طے شدہ مدت تک تھی۔

Marfat.com

(۳) غیر متعین معاہدہ والوں کو چار ماہ کی مہلت دی گئی۔ بشرطیکہ انہوں نے مسلمانوں کا کوئی عہد نہ توڑا ہو اور ان کے کسی دشمن کی مدد نہ کی ہو۔

(۴) جن مشرکوں کا مسلمانوں کے ساتھ کوئی معاہدہ نہ تھا۔ ان میں بھی چار ماہ کی مہلت دی گئی۔

(۵) عہد شکنوں کے عہد ختم کر دیئے گئے اور انہیں بھی چار ماہ کی مہلت دی گئی کہ اس مدت میں انہیں ہر طرح سے امن وامان حاصل رہے گا۔ چار ماہ گزرنے کے بعد ان سے ہر وہ سلوک کیا جائے گا، جس کے عہد شکن لوگ مستحق ہوتے ہیں، مثلاً گرفتار کرنا، قتل کرنا، محاصرہ کرنا، ان کی گھات میں بیٹھنا وغیرہ۔

(۶) اہل کتاب دین مسیح سے انحراف کر چکے ہیں۔ ان کے متعلق یہ حکم ملا کہ یہ جب تک اپنے ہاتھ سے جھک کر جزیہ نہ دیں انہیں چھوڑا نہ جائے۔

(۷) منافقوں کے ساتھ کافروں کی مانند سختی کی جائے، ان کے مُردوں پر نماز نہ پڑھی جائے۔ ان کی قبروں پر دعائے مغفرت نہ کی جائے۔

(۸) یہ تمام احکام سورۂ توبہ سے پہلے نازل شدہ سورتوں کے احکام کے بجائے نازل ہوئے اور انہوں نے ان کی تکمیل و تعدیل کی ہے۔ پہلے احکام گزشتہ مراحل کے تھے۔ اور یہ احکام آخری وانتہائی ہیں۔

کیا پہلے مرحلاتی احکام منسوخ ہیں

گزشتہ بحث سے یہ خیال پیدا ہو سکتا ہے کہ شاید پہلے مرحلہ وار احکام منسوخ ہو گئے ہیں۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ دراصل پہلے اور پچھلے احکام کا تعلق مختلف مراحل واحوال کے ساتھ ہے، جب کبھی جس قسم کا مرحلہ در پیش ہوگا، اس وقت اسی قسم کا حکم نافذ کیا جائے گا، مختلف زمانوں، احوال اور امکنہ میں دیکھا جائے گا کہ یہاں اس موقع پر کون سا حکم مناسب ہے۔ مگر آخری احکام کو بہرحال ٹھکرایا نہیں جا سکتا۔ بلکہ کوشش یہ ہوگی کہ ایسے احوال وظروف برپا کئے جائیں جن میں ان انتہائی احکام پر عملدرآمد ہو سکے۔ سورۂ توبہ کے نزول کے وقت جو حالات تھے۔ بعد کی فتوحات کے ادوار میں بھی اس قسم کے حالات پیدا ہوئے تھے، اور ان حالات میں ان احکام پر عمل کیا گیا تھا جو ان کے لیے انسب تھے۔

شکست خوردہ ذہنیت

آج دنیا بھر میں ذہنی، اخلاقی، دینی، سیاسی، معاشی، ومعاشرتی نقطۂ نظر سے مسلمان زوال کا شکار ہیں۔ اس زوال میں اہل مغرب کی یلغار، مستشرقین کے مکر وفریب، صہیونیت وصلیبیت کے کذب و افتراء اور مغربی استعمار کی خاطر مشنری سرگرمیوں کا بھی بڑا عمل دخل ہے۔ یہ لوگ دنیا بھر میں فتنہ وفساد پھیلاتے ہیں اور اسلام کو کذب وافتراء کے ذریعے سے بدنام کرنے اور غیر مسلموں کو اس سے متنفر کرنے اور خود نام نہاد مغربی تہذیب وثقافت کے دلدادگان کو عیسائی یا نیم عیسائی بنانے کی سعی مذموم میں لگے رہتے ہیں۔ انہوں نے مسلمانوں کی نئی نسلوں کو دین سے بیزار اور اخلاق سے عاری کر دیا ہے۔ ان کی کوششوں سے مسلمانوں میں ایک "معذرت خواہ" طبقہ پیدا ہوا ہے جو بے چارہ مغرب واہل مغرب کے سامنے اس بات پر بہت شرمندہ ہے کہ اسلام میں

Marfat.com

جہاد و قتال جیسے احکام موجود ہیں، گویا کہ اہلِ مغرب سارے کے سارے حواریینِ مسیح پر مشتمل ہیں، جن کا اصول عدمِ تشدد ہے، ایک گال پر چپت لگانے والے کے سامنے دوسرا رخسار پیش کر دیتے ہیں۔ چغہ چھیننے والے کو کرتا خود پیش کر دیتے ہیں، ایک میل تک بیگار میں لے جانے والے کے ساتھ دوسرا میل از خود چلے جاتے ہیں۔

اسلامی جہاد کا مقصد

اسلامی جہاد کا ہدف یہ ہے کہ خدا کی زمین پر سے غیر اللہ کی خدائی کو ختم کر دیا جائے۔ اگر یہ ہدف کسی کو ناپسند ہے تو ہوا کرے، ہم کسی کی پسند یا ناپسند کے لیے اسلامی احکام میں ترمیم کے مجاز نہیں ہیں۔ اسلامی جہاد دنیا میں فقط ایک خدا کی عبادت و عبودیت کے نظام کو رائج کرنا چاہتا ہے۔ وہ ان تمام طاقتوں، تنظیموں تو توں اور اداروں کو مٹا دینا چاہتا ہے جو غیر اللہ کی عبودیت کو رائج کرنا چاہتے ہیں، پس شکست خوردہ ہونوں کا بعض آیات سے غلط استدلال خود فریبی اور عوام فریبی کے مترادف ہے۔

مثلاً ان کا یہ قول کہ: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"اور اگر وہ صلح کے لیے جھکیں تو تو بھی جھک جا اور اللہ پر توکل کر"

اور فرماتا ہے:

"اللہ تم کو نہیں روکتا، ان لوگوں سے جنہوں نے تم سے قتال نہ کیا اور تم کو تمہارے گھروں سے نہ نکالا، کہ ان کے ساتھ نیکی کرو، اور انصاف سے پیش آؤ۔"

اور فرماتا ہے:

"اور قتال کرو اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے جو تم سے قتال کرتے ہیں اور حد سے نہ گزرو۔ بے شک اللہ حد سے گزرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔"

اور وہ اہلِ کتاب کے متعلق فرماتا ہے:

"کہو کہ اے اہلِ کتاب آؤ ایک بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں۔ اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کریں اور ہم میں سے کوئی کسی کو اللہ سے ورے رب نہ بنائے۔ پس اگر وہ منہ پھیر لیں تو کہو کہ گواہ رہو ہم مسلم ہیں۔"

پس ان آیات سے پتہ چلا کہ اسلام صرف ان لوگوں کے ساتھ قتال کا حکم دیتا ہے۔ جو دار الاسلام والوں سے ان کے ملک کی حدود کے اندر قتال کریں یا باہر سے اسے ڈرائیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکوں کے ساتھ صلح حدیبیہ کا معاہدہ کیا تھا۔ اور اسی طرح مدینہ کے یہود و مشرکین کے ساتھ بھی معاہدہ کیا تھا، اور ان شکست خوردہ ذہنیت والوں کے شکست خوردہ تصور میں اس کا معنی یہ ہے کہ زمین کے اطراف میں دیگر انسانوں کے ساتھ اسلام کا کچھ لینا دینا نہیں ہے۔ وہ چاہے اللہ کے سوا جس کی عبادت کریں اور جب تک اسلام اپنی ملکی حدود کے اندر پُر امن ہے۔ اسے اس بات سے کوئی غرض نہیں کہ انسان دنیا کے اطراف و انحاء میں بے شک ایک

Marfat.com

دوسرے کو اللہ سے ورے رب بنا لیں۔ حالانکہ یہ خیال کرنا اسلام کے ساتھ اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ بدظنی ہے جو اس شکست خوردگی کا نتیجہ ہے۔ جو واقعات کے سامنے ان لوگوں کو ہوئی اور یہ اس کو قبول کر چکے ہیں۔ اور موجودہ دَور کی عالمی کافر و مشرک و ملحد طاقتوں کے سامنے وہ گردن جھکا کر شکست کا اعلان کر چکے ہیں۔ اگر وہ ان قوتوں کے آگے ذہنی و روحانی شکست کھانے کے بعد اس شکست کا منہ اسلام کی طرف نہ پھیرتے تب بھی معاملہ اتنا سنگین نہ تھا۔ ان کے اسلام سے دور ہو جانے کے باعث جو زوال ان پر پڑا وہ اگر اسے اسلام سے منسوب نہ کرتے تو بھی بات ذرا آسان رہتی۔ مگر وہ ایسا کرنے کو تیار نہیں اور اپنی شکست کو اسلام کے سر منڈھنے پر تُلے بیٹھے ہیں۔

پیش کردہ آیات کا صحیح مطلب

جن آیات کا سہارا لیا جاتا ہے یہ مرحلاتی آیات ہیں جو معین واقعات میں نازل ہوئی تھیں۔ اس قسم کا معین واقعہ امتِ مسلمہ کی زندگی میں جب بھی پیش آئے گا تو اس کا حکم یہی ہو گا جو ان آیات میں بیان فرمایا گیا ہے۔ خود یہ واقعات ہی بتاتے ہیں کہ ان آیات کا تعلق اس قسم کے مرحلوں کے ساتھ جن میں یہ واقعات پیش آئے تھے۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہر قسم کے احوال و ظروف پر انہیں چسپاں کیا جا سکتا ہے، یا یہ کہ ان کے احکام اس دین کے انتہائی احکام ہیں۔ بلکہ ان کا معنیٰ یہ ہے کہ امتِ مسلمہ اپنے احوال و ظروف کی تحسین کے پیچھے آگے روانہ ہوگی، راستے کی رکاوٹیں دور کرے گی۔ حتیٰ کہ آخرکار انتہائی احکام کو حالات پر منطبق کرے گی کیونکہ حالات ہمیشہ ایک جیسے نہیں رہتے۔ اور اسلام دینِ کامل ہے، اس کے پاس ہر قسم کے احوال کے لیے احکام موجود ہیں۔

مشرکین کے متعلق آخری احکام

مشرکین کے بارے میں آخری نازل ہونے والی آیات کا حکم یہ ہے کہ:

"اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف سے بیزاری کا اعلان ہے، ان مشرکوں کے لیے جن کے ساتھ تم نے معاہدہ کیا تھا۔ پس (ان سے کہو کہ) زمین میں چار ماہ چل پھر لو اور جان لو کہ تم اللہ کو تھکانے والے نہیں ہو۔ اور یہ کہ اللہ کافروں کو رسوا کرنے والا ہے۔ اور اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف سے لوگوں کے لیے اعلانِ عام ہے۔ حج اکبر کے دن (۱۰ ذی الحجہ کو) کہ اللہ اور اس کا رسولؐ مشرکوں سے بری ہے۔ پس اگر تم توبہ کر لو تو وہ تمہارے لیے بہتر ہے۔ اور اگر تم منہ پھیر لو تو جان لو کہ تم اللہ کو عاجز کرنے والے نہیں ہو، اور کافروں کو بشارت سنا دو دردناک عذاب کی۔ سوائے ان مشرکوں کے جن کے ساتھ تم نے معاہدہ کیا، پھر انہوں نے تم سے کوئی کمی نہ کی۔ اور تمہارے خلاف کسی کی مدد نہ کی، پس تم ان کا عہد ان کی مدت تک پورا کرو، بیشک اللہ ڈرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ پھر جب با حرمت مہینے گزر جائیں (یعنی وہ چار ماہ کی مدت جو دی گئی) تو مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کرو، اور ان کو پکڑو اور ان کو گھیرو، اور ان کے

لیے ہر گھات میں بیٹھو، پھر اگر وہ توبہ کریں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں تو ان کا راستہ چھوڑ دو، بلاشبہ اللہ بہت بخشنے والا ہے مہربان ہے، اور اگر کوئی مشرک تجھ سے پناہ مانگے تو تو اسے پناہ دیدے حتیٰ کہ وہ اللہ کا کلام سن لے پھر اس کو اس کے ٹھکانے پر پہنچا دے، یہ اس لیے کہ وہ ایک جاہل قوم ہے۔"

اہل کتاب کے متعلق آخری و انتہائی احکام

"جو لوگ اللہ پر ایمان نہیں لاتے اور نہ قیامت کے دن پر ایمان لاتے ہیں، اور اللہ اور اس کے رسولؐ کی حرام کردہ اشیاء کو حرام نہیں ٹھہراتے اور دینِ حق کو اختیار نہیں کرتے، ان لوگوں میں سے جنہیں کتاب دی گئی، حتیٰ کہ وہ ہاتھ سے جھک کر جزیہ ادا کریں۔"

بس یہود و نصاریٰ کے متعلق اسلام کا یہی آخری فیصلہ ہے۔ گو پہلے مراحل میں بعض خاص مواقع پر یا بعض خاص واقعات میں انہیں دوسرے مشرکوں اور کافروں پر بعض خاص معاملات میں ترجیح دی گئی ہے۔ اور انہیں ان کے پسندیدہ لقب "اہلِ کتاب" سے پکارا اور یاد فرمایا گیا ہے۔

مرحلاتی اور انتہائی احکام کا فرق و امتیاز

آج اگر مسلمان عملی اور اتفاقی لحاظ سے ان احکام پر عمل کرنے کے قابل نہیں تو وہ اس وقت اپنے خاص حالات کے باعث اس بات کے مکلف بھی نہیں کیونکہ:

"اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی وسعت سے بڑھ کر حکم نہیں دیتا۔"

اور ان کے لیے مرحلاتی احکام میں وسعت موجود ہے۔ وہ درجہ بدرجہ ان احکام پر عمل کرتے جائیں گے۔ حتیٰ کہ انتہائی احکام پر عمل کرنے اور انہیں نافذ کرنے کے قابل ہو جائیں۔ مگر ان کے لیے یہ جائز نہیں ہے، کہ وہ قرآنی نصوص کی گردنیں جھکائیں تاکہ انتہائی و آخری احکام کو مرحلاتی احکام کے موافق کر سکیں، اور ان کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنے موجودہ ضعف کو اللہ کے دینِ متین پر نہ لادیں، بلکہ اسے اپنی ہی نالائقی سمجھیں، اور ان کا یہ بھی فرض ہے کہ دینِ حق کو "صلح و صفائی" کا دین کہہ کر اسے شکست خوردہ، کمزور اور ہڈیوں کا ڈھانچہ نہ ثابت کریں۔ واقعی اسلام صلح و صفائی کا دین ہے۔ مگر اس کی صورت یہ نہیں کہ اعدائے دین کے سامنے اسے جھکایا جائے بلکہ اس شرط پر کہ ساری انسانیت کو غیر اللہ کی عبادت و عبودیت سے نکال کر فقط اللہ کی عبودیت کا نظام قائم کیا جائے۔ یہی سلامتی کی راہ ہے۔ اسی سے امن و سکون پیدا ہو سکتا ہے، یہ انسان کی بلندی اور سرافرازی کا دین ہے۔ انسان کے ساختہ پرداختہ مذہبوں، طریقوں، سیاسی نظاموں نے دنیا میں فساد مچایا ہے، فساد کو مٹانے کی صورت یہی ہے کہ غیر اللہ کی خدائی ختم کر دی جائے۔

انسانی مذاہب اور خدائی دین میں صلح نہیں ہو سکتی

جب کسی علاقے یا ملک میں یا خدانخواستہ ساری دنیا میں مصنوعی مذاہب ہوں، انسانوں کے

Marfat.com

ساختہ پرداختہ مذاہب ہوں تو ان میں سے ہر ایک اپنے آپ کو حق اور دوسروں کو باطل سمجھتے ہوئے بھی مل جل کر رہ سکتے ہیں۔ اپنی اپنی حدود کے اندر محدود ہو سکتے ہیں۔ لیکن جب خدائی مذہب اور دینِ حق بھی میدان میں موجود ہو تو وہ دوسروں کے ساتھ خلط ملط نہیں ہو سکتا، کچھ لو کچھ دو کے اصول کو اختیار نہیں کر سکتا اور کسی حد کا پابند نہیں رہ سکتا۔ اسے تو دنیا میں پھیلنا ہے، وسیع ہونا ہے۔ سب کو اپنی لپیٹ میں لینا ہے۔ لہٰذا اس کی غیر اللہ کے ساتھ اور غیر الٰہی مذاہب و مسالک کے ساتھ کوئی صلح نہیں ہو سکتی۔ وہ انسانی حد بندیوں کو قبول نہیں کر سکتا۔ اس کا تو مقصد ہی یہ ہے کہ انسان کو انسان کی غلامی سے نکالے پھر وہ انسانی حد بندیوں اور مصنوعی پابندیوں کو کیونکر مان سکتا ہے۔ پس جو شکست خوردہ لوگ اسلام کو دیگر مذاہب کی مانند اپنی یا کسی اور کی خود ساختہ حدود کا پابند بنانا چاہتے ہیں۔ وہ مسلم و مومن نہیں ہو سکتے۔ وہ اس حقیقتِ کبریٰ کو بھولے ہوئے ہیں کہ الٰہی دین اور غیر الٰہی انسانی مذاہب میں کیا فرق ہے۔

سورۂ توبہ کی ابتداء میں بسم اللہ کیوں نہیں؟

قرآن کی باقی سورتوں کی طرح سورۂ براءۃ کی ابتداء میں بسم اللہ نہیں لکھی گئی۔ مصحفِ عثمان رضی اللہ عنہ جو دنیا کے تمام مصاحف کا پیشرو اور نمونہ ہے، اس میں ایسا ہی ہے۔

حسبِ روایتِ ترمذی ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا باعث ہے کہ آپ نے سورۂ انفال کو جو مثانی میں سے ہے (یعنی اس کی آیات سو سے کم ہیں) اور سورۂ براءۃ کو جو مئین میں سے ہے (یعنی اس کی آیات سو سے زائد ہیں) باہم ملا دیا ہے۔ اور ان میں بسم اللہ نہیں لکھی؟ اور ان سورتوں کو آپ لوگوں نے سات لمبی سورتوں کے اندر رکھ دیا ہے۔ اس کا سبب کیا تھا؟ اس پر عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ کئی سورتیں نازل ہوتی رہتی تھیں جب کوئی آیت یا سورت اترتی تو آپ کسی کاتب کو بلاتے اور فرماتے: اس آیت کو فلاں فلاں سورت میں رکھو۔ اور سورۂ انفال پہلی مدنی سورتوں میں سے تھی۔ اور براءۃ قرآن کے آخری نازل ہونے والے حصوں میں سے تھی۔ اور ان دونوں کے مضامین باہم ملتے تھے اور مجھے خوف ہوا کہ شاید یہ اسی میں سے ہے۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے تشریف لے گئے اور ہمیں یہ نہ بتایا کہ یہ اس میں سے ہے، اس وجہ سے میں نے ان دونوں کو ملا دیا اور ان کے درمیان بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی سطر نہیں لکھی اور انہیں سات لمبی سورتوں میں رکھ دیا۔

آیات کی ترتیب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ہوتی تھی

دو سورتوں کو اس طرح باہم ملانے کے لیے یہ روایت ایک بہتر تفسیر پیش کرتی ہے۔ اور سورۂ براءۃ کی ابتداء میں بسم اللہ کی سطر نہ لکھنے کا سبب بتاتی ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آیات کو مختلف سورتوں میں رکھنا اور ان کی ترتیب کا کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ہوتا تھا، اور یہ کہ ایک ہی وقت میں کئی سورتوں کا نزول ہوتا رہتا تھا۔ جب کوئی آیت یا آیات اترتیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دین کی تحریکی حیثیت کے پیشِ نظر ان کو کسی سورت کے کسی خاص مقام پر رکھنے کا حکم دیتے تھے۔ اس طرح ہر سورت کی آیات، ان کی

مناسبت اور ترتیب بنتی جاتی تھی۔ اور ہم اس سے پہلے کئی بار بتا چکے ہیں کہ ہر سورت کی ایک خاص شخصیت ہے اور معین علامات ہیں جو اس شخصیت کو متعین کرتی ہیں، پھر ہر سورت کی فضاء اور احوال بھی معین ہے پھر اس سورت کے اندر ایسی تعبیرات ہوتی ہیں جو ان علامات کی تاکید کرتی ہیں، اس بات کو سمجھنے کے لیے ایک بار پھر حدیث ابن عباسؓ کو پڑھ لیجئے تو بات صاف ہو جائے گی و باللہ التوفیق۔

سورۃ التوبۃ مدنی ہے اور اس کی آیات : ۱۲۹ ہیں

بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝١ؕ
فَسِيْحُوْا فِى الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِى
اللّٰهِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مُخْزِى الْكٰفِرِيْنَ ۝٢ وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ
اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِىْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۙ۬ وَ
رَسُوْلُهٗ ؕ فَاِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ
غَيْرُ مُعْجِزِى اللّٰهِ ؕ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝٣ اِلَّا
الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْـًٔا وَّلَمْ
يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْٓا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ ؕ اِنَّ
اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝٤ فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ
حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ
كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا
سَبِيْلَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝٥ وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ
اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ؕ ذٰلِكَ
بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ ۝٦ كَيْفَ يَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِيْنَ عَهْدٌ عِنْدَ
اللّٰهِ وَعِنْدَ رَسُوْلِهٖٓ اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ

فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝٧
كَيْفَ وَاِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوْا فِيْكُمْ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ۭ
يُرْضُوْنَكُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ وَتَاْبٰى قُلُوْبُهُمْ ۚ وَاَكْثَرُهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝٨
اِشْتَرَوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ ۭ اِنَّهُمْ
سَاۗءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝٩ لَا يَرْقُبُوْنَ فِيْ مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ۭ
وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُعْتَدُوْنَ ۝١٠ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا
الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ ۭ وَنُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝١١
وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ
فَقَاتِلُوْٓا اَىِٕمَّةَ الْكُفْرِ ۙ اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ ۝١٢
اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَ
هُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۭ اَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ
اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝١٣ قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَ
يُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ ۝١٤ۙ
وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ ۭ وَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰي مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ
عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝١٥ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَكُوْا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ
جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَلَمْ يَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلَا رَسُوْلِهٖ وَلَا
الْمُؤْمِنِيْنَ وَلِيْجَةً ۭ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝١٦ مَا كَانَ
لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ ۭ
اُولٰۗىِٕكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ښ وَفِي النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ۝١٧ اِنَّمَا يَعْمُرُ
مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَ

Marfat.com

أَتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ إِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰٓى أُولٰٓئِكَ أَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ
الْمُهْتَدِيْنَ ﴿۱۸﴾ أَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ
كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجٰهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ لَا
يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۹﴾ اَلَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَ
أَنْفُسِهِمْ ۙ أَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿۲۰﴾
يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا
نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ ﴿۲۱﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ أَبَدًا ؕ إِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ أَجْرٌ
عَظِيْمٌ ﴿۲۲﴾ يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَآءَكُمْ وَإِخْوَانَكُمْ
أَوْلِيَآءَ إِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْإِيْمَانِ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَأُولٰٓئِكَ
هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۳﴾ قُلْ إِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَأَبْنَآؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَ
أَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَأَمْوَالُ ۨاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ
كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ
فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَأْتِيَ اللّٰهُ بِأَمْرِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ
الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۴﴾ لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ۙ وَّيَوْمَ
حُنَيْنٍ ۙ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْـًٔا وَّضَاقَتْ
عَلَيْكُمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ﴿۲۵﴾ ثُمَّ أَنْزَلَ
اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَأَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ
تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۶﴾
ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ

Marfat.com

رَّحِيْمٌ ﴿٢٧﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا ۚ وَاِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖٓ اِنْ شَآءَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿٢٨﴾

(ترجمہ) جن مشرکوں کے ساتھ تم نے معاہدہ کیا تھا۔ان کی طرف اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف سے اعلانِ بیزاری ہے (۱) پس پھرو تم زمین میں چار ماہ اور جان لو کہ تم اللہ کو عاجز کرنے والے نہیں ہو اور یہ کہ اللہ کافروں کو رسوا کرنے والا ہے (۲) اور اطلاع عام ہے اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف سے دس ذوالحج کے دن کو کہ اللہ اور اس کا رسولؐ مشرکوں سے بیزار ہیں۔پس اگر تم توبہ کرلو تو تمہارے لیے بہتر ہے اور اگر تم منہ پھیرو تو جان لو کہ تم اللہ کو عاجز کرنے والے نہیں ہو۔اور کافروں کو دردناک سزا کی خوشخبری دے دو۔(۳) سوائے ان لوگوں کے جن مشرکوں سے تم نے عہد کیا، پھر انہوں نے تم سے عہد نبھانے میں کمی نہ کی، اور تمہارے خلاف کسی کی مدد نہ کی پس تم ان کا عہد ان کی مدت تک پورا کرو۔بلاشبہ اللہ متقین کو پسند کرتا ہے (۴) پھر جب پابندی کے مہینے گزر جائیں تو مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کرو اور ان کو پکڑو اور گھیرو اور ہر جگہ ان کی گھات میں بیٹھو، پھر اگر وہ توبہ کریں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں تو ان کا راستہ چھوڑ دو۔بلاشبہ اللہ بہت بخشنے والا ہے بہت مہربان ہے۔(۵) اور اگر کوئی مشرک تجھ سے پناہ مانگے تو اس کو پناہ دے دے حتیٰ کہ وہ اللہ کا کلام سن لے، پھر اس کو اس کے ٹھکانے پر پہنچا دے یہ اس لیے کہ وہ ایک نادان قوم ہے۔(۶) اللہ اور اس کے رسولؐ کے نزدیک مشرکوں کا عہد کیسے ہو سکتا ہے؟ سوائے ان کے جن سے تم نے مسجدِ حرام کے پاس عہد کیا تھا، سو وہ جب تک تمہارے لیے سیدھے رہیں تو تم ان کے لیے سیدھے رہو، بلاشبہ اللہ متقین کو پسند کرتا ہے (۷) کیونکر عہد ہو سکتا ہے۔حالانکہ اگر وہ تم پر غالب آئیں تو تم میں کسی قسم یا ذمہ داری کا لحاظ نہ کریں گے۔وہ تم کو اپنے منہ سے راضی کرتے ہیں اور ان کے دل منکر ہیں۔اور ان میں سے زیادہ تر فاسق ہیں (۸) انہوں نے اللہ کی آیات کے بدلے تھوڑا مول حاصل کیا، پھر اس کی راہ سے روکا، بیشک وہ بہت برے عمل کرتے رہے ہیں (۹) وہ کسی مومن میں کسی قسم کا یا ذمہ داری کا لحاظ نہیں کرتے اور وہی حد سے گزرنے والے ہیں۔(۱۰) پھر اگر وہ توبہ کرلیں اور وہ نماز کو قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں تو وہ تمہارے دینی بھائی ہیں۔اور ہم جاننے والوں کے لیے آیات کو کھول کر بیان کرتے ہیں (۱۱) اور اگر وہ اپنی قسمیں اپنے عہد کے بعد توڑ دیں اور تمہارے دین میں طعن کریں تو تم کفر کے سرداروں کے ساتھ قتال کرو، بیشک ان کی کوئی قسم نہیں، تاکہ وہ باز آجائیں (۱۲) تم کیوں قتال نہیں کرتے

Marfat.com

اس قوم کے ساتھ جنہوں نے اپنی قسمیں توڑیں اور رسولؐ کو نکالنے کا ارادہ کیا، اور انہوں نے تم سے پہلے قتال میں ابتداء کی؟ کیا تم ان سے ڈرتے ہو؟ سو اللہ ہی اس کا زیادہ حق دار ہے کہ تم اس سے ڈرو اگر تم مومن ہو (۱۳) ان سے قتال کرو، اللہ ان کو تمہارے ہاتھوں سے سزا دے گا اور انہیں رسوا کرے گا اور ان کے خلاف تمہاری نصرت کرے گا۔ اور مومن قوم کے سینے ٹھنڈے کرے گا (۱۴) اور ان کے دلوں کا غصہ دور کرے گا اور اللہ جسے چاہے گا اس پر رجوع فرمائے گا اور اللہ بہت علم والا ہے بہت دانا ہے (۱۵) کیا تمہارا یہ گمان ہے کہ تم کو چھوڑ دیا جائے گا، اور ابھی تک اللہ نے ظاہر نہیں کیا ان کو جنہوں نے تم میں سے جہاد کیا اور اللہ کے اور اس کے رسولؐ کے سوا اور مومنوں کے سوا کسی کو اندرونی دوست نہیں بنایا، اور اللہ تمہارے اعمال سے آگاہ ہے (۱۶) مشرکوں کا کام نہیں کہ اللہ کی مسجدیں آباد کریں جب کہ وہ اپنے اوپر کفر کے گواہ ہیں، وہی ہیں جن کے اعمال ضائع ہو گئے اور وہ آگ میں ہمیشہ رہیں گے (۱۷) بلاشبہ اللہ کی مسجدوں کو وہ آباد کرتے ہیں جو اللہ پر ایمان لائے اور پچھلے دن پر، اور نماز قائم کی اور زکوٰۃ ادا کی اور اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈرے، سو عنقریب یہی لوگ ہدایت پانے والوں میں ہوں گے (۱۸) کیا تم نے حاجیوں کو پانی پلانا اور مسجد حرام کی تعمیر کرنا اس کے عمل کی مانند جان لیا ہے۔ جو اللہ پر ایمان لایا اور پچھلے دن پر اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا؟ یہ لوگ اللہ کے نزدیک برابر نہیں، اور اللہ ظالم قوم کو راہ نہیں دیتا (۱۹) وہ جو ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کیا ان کا درجہ اللہ کے ہاں زیادہ بڑا ہے، اور وہی لوگ کامیاب ہیں۔ (۲۰) ان کا رب ان کو اپنی رحمت اور رضامندی اور جنتوں کی بشارت دیتا ہے، ان کے لیے ان میں ہمیشہ کی نعمت ہو گی (۲۱) وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے یقیناً اللہ کے ہاں ہی عظیم اجر ہے (۲۲) اے ایمان والو! مت بناؤ اپنے باپوں اور بھائیوں کو دلی دوست اگر وہ کفر کو ایمان پر پسند کریں اور جو اُن سے تم میں سے دوستی رکھے گا تو وہی لوگ ظالم ہوں گے (۲۳) کہو کہ اگر ہیں تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارے خاندان اور تمہارے جمع کردہ مال اور تمہاری تجارت جس کے مندے سے تم ڈرتے ہو، اور مکان جن کو تم پسند کرتے ہو، یہ چیزیں اگر تم کو اللہ اور اس کے رسولؐ سے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ پسند ہیں تو تم انتظار کرو حتیٰ کہ اللہ اپنا حکم لے آئے، اور اللہ فاسق قوم کو راہ نہیں دیتا (۲۴) اللہ تمہاری مدد بہت سی جگہوں پر کر چکا ہے اور جنگِ حنین میں بھی جب کہ تمہاری کثرت تم کو پسند آئی۔ پھر وہ تمہارے کسی کام نہ آئی، اور تم پر زمین فراخ ہوتے کے باوجود تنگ ہو گئی پھر تم پشت پھیر کر چلے گئے (۲۵) پھر اللہ نے اپنا سکون اپنے رسولؐ پر اتارا اور ایمانداروں پر اور وہ لشکر اتارے جن کو تم نے نہ دیکھا، اور سزا دی ان کو جو کافر تھے اور یہی بدلہ ہے کافروں کا (۲۶) پھر اللہ توبہ قبول کرے گا اس کے بعد جس کی چاہے گا۔ اور اللہ بہت بخشنے والا بہت مہربان

ہے تم (۲۸) اے ایمان والو! بلاشبہ مشرک پلید ہیں، پس وہ اس سال کے بعد مسجد حرام کے قریب نہ آنے پائیں، اور اگر تمہیں مفلسی کا خوف ہے تو اللہ اگر چاہے گا تو تم کو اپنے فضل سے غنی کر دے گا۔ یقیناً اللہ بہت جاننے والا بہت حکمت والا ہے"(۲۸)

خلاصہ آیات

سورۂ توبہ کا یہ حصہ باقی حصوں کے بعد نازل ہوا تھا۔ اگرچہ ترتیب میں اس کو پہلے رکھا گیا ہے اور اس سے قبل اوپر گزر چکا ہے کہ سورتوں میں آیات کی ترتیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ہوتی تھی جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ایک توقیفی (طے شدہ) امر تھا (جس میں کسی کے اجتہاد وغیرہ کا دخل نہ تھا) ان آیات میں یہ مضامین آگئے ہیں:

(۱) اس وقت تک مسلمانوں اور مشرکوں کے درمیان جو عہد قائم تھے انہیں ختم کر دیا گیا، جن کے عہد مطلق تھے ان کی مدت چار ماہ مقرر کی گئی اسی طرح عہد شکنوں کی بھی یہی مدت تھی، اور جن کے عہد مقید تھے ان کی مدت وقتِ مقرر کے گزرنے تک تھی۔ بشرطیکہ انہوں نے مسلمانوں سے کبھی عہد شکنی نہ کی ہو اور ان کے خلاف کسی کی مدد نہ کی ہو۔ خلاصہ یہ کہ جزیرۂ عرب کے مشرکوں کے ساتھ عہد ختم کر دیئے گئے، اور آئندہ کے لیے اعلان کر دیا کہ مشرکوں سے کوئی عہد نہ کیا جائے گا، کیونکہ مشرکوں سے مطلقاً بیزاری و براءۃ کا اعلان کر دیا گیا اور کہا گیا کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے نزدیک مشرکوں کا کوئی عہد و پیمان نہیں ہے۔

(۲) آئندہ مشرکوں کو مسجد حرام میں طوافِ کعبہ کی اجازت نہ ہوگی، نہ انہیں تعمیر کی مختلف صورتوں میں سے کسی صورت کی اجازت دی جائے گی۔ ہاں! جن لوگوں کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مطلق عہد تھا تو وہ اپنے شرک پر قائم رہتے ہوئے بھی حدودِ حرم میں اور باحرمت مہینوں میں امن کے ساتھ رہ سکیں گے۔

مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان انتہائی تعلقات کی نوعیت

سیرت نبویؐ کے حوادث و واقعات کو جو شخص واقعاتی و تاریخی لحاظ سے جانچے گا، اسے اسلامی تحریک کے مقاصد و مراحل کا پورا پورا پتہ چل جائے گا۔ اور وہ بالیقین جان لے گا کہ اسلامی معاشرے اور غیر اسلامی (مشرک و اہلِ کتاب) معاشروں کے اندر یہ تعلقات جن کا اعلان ان آیات میں کیا گیا ہے۔ یہ اعلان بالکل اپنے فطری و مناسب وقت پر ہوا ہے۔ سبب اس کا یہ ہے کہ مرحلہ وار واقعاتی و عملی اور تجرباتی حیثیت سے یہ بات اظہر من الشمس ہو چکی تھی کہ دونوں قسم کے معاشروں میں اختلاف سطحی نہیں بلکہ گہرا اور حقیقی ہے جس کا تعلق عقائد و اعمال سے لے کر زندگی کے ہر شعبے کے ساتھ تھا۔ ان دونوں قسم کے معاشروں میں سیاسی، معاشی، معاشرتی، تنظیمی، انفرادی و اجتماعی دُوری تھی۔ اور ان تمام شعبوں کا اختلاف دراصل عقیدے اور تصور کے تضاد و اختلاف پر مبنی تھا۔ یہ دونوں نظامہائے حیات ہر ہر چیز، ہر اصول اور ہر فرع میں

Marfat.com

باہم مختلف تھے۔ ایک معاشرہ (اسلامی) اس اصول پر قائم تھا کہ بندوں کی عبادت و عبودیت کا حق دار فقط ایک اللہ وحدہٗ ہے۔ جس کا کوئی شریک و سہیم نہیں۔ دوسرے کی بنیاد بندوں کے لیے بندوں کی عبودیت پر تھی۔ پہلا معاشرہ خدائے واحد کا اور دوسرا بے شمار خداؤں، معبودوں اور ارباب متفرقہ کا قائل تھا، زندگی کے ہر قدم پر ان دونوں میں تصادم واقع ہوتا تھا۔ تصادم کا باعث یہ تھا کہ ان دونوں نظاموں کی راہیں مختلف تھیں اگر ایک کی طرف قدم اٹھاؤ تو وہ دوسرے کے خلاف پڑتا تھا، پس ان دونوں نظاموں کے جوہری اختلاف نے دونوں کے راستے، بلکہ راستے کا ہر ہر قدم جدا کر دیا۔

قریش کا اسلام سے اختلاف عارضی و اتفاقی نہ تھا۔

یہ کوئی محض عارضی و اتفاقی حادثہ نہ تھا کہ قریش نے مکہ میں لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی دعوت کے خلاف سخت معاندانہ رویہ اختیار کیا۔ نہ یہ کوئی اتفاقی بات تھی کہ قریش کا رویہ اسلام کے خلاف، جب کہ وہ مدینہ میں منتقل ہو چکا تھا۔ اتنا جنگجویانہ اور جارحانہ تھا، اس طرح یہود مدینہ کا اسلام کے خلاف اٹھ کھڑا ہونا کوئی اتفاقی واقعہ نہ تھا۔ اور یہ جو انہوں نے اسلام کے خلاف ایڑی چوٹی کا زور لگایا، تمام مشرک عرب قبائل کو اس کے خلاف بھڑکایا۔ شرک و بت پرستی کو اسلام سے بہتر ٹھہرایا، بدر کے مشرک مقتولوں کے مرثیے لکھے اور انہیں پڑھ پڑھ کر عرب قبائل میں مسلمانوں کے خلاف آگ لگائی، اور جنگ خندق میں، بزعم خویش، اسلام کی جڑیں کھودنے سے گریز نہ کیا۔ یہ سب کچھ یہودیوں کا اہل کتاب ہونے کے دعوے کے ساتھ ساتھ، کوئی محض اتفاقی حادثہ نہ تھا۔ اسلام کی نوپید مدنی حکومت غیر مسلموں کے دلوں کا کانٹا بن گئی تھی اور وہ یہ بات ہرگز برداشت نہ کر سکتے تھے کہ اسلام پھلے پھولے اور ایک نومولود سلطنت اس کے احکام کے مطابق دنیا میں کام کرے۔ اسی طرح نصارائے یمن و شام جو اسلام کی راہ کی رکاوٹ بن کر اٹھ کھڑے ہوئے تھے اور اب تک دنیا کے ہر گوشے اور زمین کے ہر کونے میں وہ اسلام کے خلاف ہر قسم کی طاقت استعمال کر رہے ہیں، یہ بھی دو مختلف و متضاد نظامہائے حیات کا باہمی تصادم تھا، ایک فطری اختلاف تھا۔ اسلام کفر کو اور کفر اسلام کو ٹھنڈے پیٹوں برداشت نہیں کر سکتا اور دونوں ایک دوسرے کے خلاف ہر قسم کی طاقت استعمال کرتے ہیں۔ اسلام فطرۃً ایک غلبہ چاہنے والا دین ہے۔ وہ زندہ نہیں رہ سکتا جب تک اس کا قانون و نظام نافذ نہ ہو، اس کے بے شمار احکام حکومت و سلطنت پر موقوف ہیں، حکومت ہاتھ میں نہ ہو تو وہ محض ایک جوگیانہ، سادھوآنہ اور راہبانہ نظام رہ جاتا ہے جو اور کچھ ہو تو ہو مگر اسلام نہیں ہوتا۔ فطری طور پر اسلام اور غیر اسلام میں تعارض و تضاد پایا جاتا ہے ایک کا غلبہ دوسرے کے لیے ناقابل برداشت ہے۔ تاریخی لحاظ سے بھی یہ ایک حتمی تجربہ ہے کہ ان میں سے ایک نظام دوسرے کو کھا جاتا ہے اور اسے پیس ڈالنا چاہتا ہے۔ مکان و زمان ہر دو نے اس کی تائید کی ہے۔ اسلام غیر اسلامی مناہج کو مٹا ڈالنا چاہتا ہے، کیونکہ ان کا نظام غیر اللہ کی عبودیت پر مبنی ہے۔ اس کے برعکس غیر اسلامی نظام اسلام کو ایک لمحہ برداشت کرنے کو تیار نہیں ہیں کیونکہ ان کا ہر عقیدہ، ہر عمل اور ہر معاملہ اسلام کی ضد ہے۔ باہمی عداوت و اختلاف کے اور اسباب کو بھی گو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، مگر یہ محض قریبی اور مباشر اختلافات تھے جو اس وقت برپا ہو گئے تھے۔ اصل چیز وہی ہر دو نظاموں کا جوہری و بنیادی اختلاف ہے

Marfat.com

امام بغوی نے اپنی تفسیر میں بیان کیا ہے کہ:
جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنگ تبوک کے لیے مدینہ سے باہر تشریف لے گئے تو منافقوں نے سنڈ بد مخالفانہ افواہیں پھیلائیں اور مشرکوں نے اپنے عہد توڑنے شروع کر دیئے تو اللہ تعالیٰ نے سورۃ براءۃ کی یہ آیات نازل فرمائیں جن میں عہد شکنوں کو اور دوسرے لوگوں کو چار ماہ کی مہلت دی تھی۔

چار ماہ کی مہلت کا سبب

امام طبری نے سورہ برأت کی پہلی آیات کی تفسیر میں کئی اقوال ذکر کرنے کے بعد فرمایا ہے کہ: ان اقوال میں سے درستی کے قریب تر قول ان لوگوں کا ہے جنہوں نے یہ کہا ہے کہ: اللہ تعالیٰ نے اہلِ عہد مشرکوں کے لیے جو مدت مقرر کی ہے اور انہیں یہ کہہ کر سیاحت کی اجازت دی ہے کہ: تم زمین میں چار ماہ تک چل پھر لو یہ ان لوگوں کی مدت ہے جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف دشمنانِ اسلام کی مدد کی تھی اور وقتِ مقررہ سے پہلے اپنا عہد توڑ دیا تھا۔ جن لوگوں نے عہد نہیں توڑا اور آپؐ کے خلاف کسی دشمن کی مدد نہیں کی تو اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کا عہد نبھانے کا حکم دیا تھا چنانچہ فرمایا ہے:
"سوائے ان مشرکوں کے جنہوں نے تم سے وفائے عہد میں کمی نہ کی اور تمہارے برخلاف کسی کی مدد نہیں کی تو تم ان کا عہد ان کی مدت تک پورا کرو۔ اللہ تعالیٰ متقین کو پسند فرماتا ہے"
اور امام طبری نے اپنی سند کے ساتھ مجاہد سے روایت کی ہے کہ: "جن مشرکوں سے تم نے عہد کیا تھا۔ ان کی طرف اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے براءۃ ہے" اس سے مراد اہلِ عہد ہیں، بنی مدلج اور وہ عرب جن کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عہد کیا تھا، اور جن کے عہد پہلے سے چلے آتے تھے۔
مجاہدؒ نے کہا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تبوک سے فارغ ہو کر تشریف لائے اور حج کا ارادہ کیا، مگر پھر فرمایا کہ: بعض مشرک بیت اللہ کے پاس آ کر عریاں طواف کریں گے، لہٰذا جب تک یہ کام ختم نہ ہو جائے میں حج نہیں کرنا چاہتا۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرات ابوبکرؓ و علیؓ کو بھیجا وہ ذی المجاز کے میلے میں لوگوں کے اندر جا کر پھرے، اور ان کی ان جگہوں میں گئے جہاں وہ خرید و فروخت کرتے تھے، اور سارے موسم حج میں پھرتے رہے اور اہلِ عہد کو بتایا کہ ان کو چار ماہ تک امن ہے۔ پس یہی وہ با حرمت مہینے تھے جو متواتر یکے بعد دیگرے ختم ہونے والے تھے جو ۲۰ ذوالحجہ سے لے کر ۱۰ ربیع الآخر تک ختم ہوتے تھے، اس کے بعد ان کا کوئی عہد نہ رہتا تھا۔ اور اللہ تعالیٰ نے سب لوگوں کو بتا دیا کہ وہ اگر ایمان نہ لائیں گے تو پھر ان سے قتال کیا جائے گا۔ اس وقت سب لوگ ایمان لے آئے اور کسی نے چار ماہ کی مہلت نہ گزاری (مگر جو عہد کرنے والے عہد شکن نہ تھے ان کا عہد ان کی مدتِ مقررہ تک تھا! مجاہد کے قول میں اجمال ہے)۔
پس یہ قریبی اسباب بھی گو آخری اقدام کے اسباب میں سے تھے، مگر یہ ایک لمبے سلسلے کی کڑیوں میں سے تھے، اور سب سے بڑا سبب وہی تھا جو اوپر بیان ہوا ہے کہ اب یہ دونوں نظامہائے حیات اپنے تضاد اور تعارض کے باعث اکٹھے نہ رہ سکتے تھے۔ اگر پہلے رہ چکے تھے تو وہ ایک عارضی اضطراری حالت تھی۔ اصلی اور جوہری سبب یہی تھا۔

Marfat.com

سید رشید رضا مصری مرحوم کی رائے !

سید رشید رضا مرحوم نے گو اصل بنیادی اور جوہری سبب نہیں بتایا ، مگر طویل حلقہ ہائے اسباب کو ابتداء دعوت سے بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ تفسیر المنار میں ہے کہ : وہ قطعی مشہور بات جس میں اختلاف نہیں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین کو اسلام دے کر بھیجا جس کے ساتھ دین کو کامل کیا اور آپ کا سب سے بڑا معجزہ اس قرآن کو ٹھہرایا جو انسان کو بہت سی وجوہ کے ساتھ عاجز کرنے والا ہے ، جن کی کلیات کو ہم نے تفسیر ج اول صفحہ ۱۹۰ - ۲۲۸ تک بیان کیا ہے۔ اور اس کی طرف دعوت کی بنیاد کو عقلی و نقلی اور علمی براہین پر قائم کیا جو قانع کرنے والی اور لازمی طور پر حق ثابت کرنے والی تھیں۔ اور اس بات سے روکا کہ دین میں جبر کیا جائے اور طاقت کے ساتھ اسے منوایا جائے جیسا کہ ہم نے تفسیر المنار میں (ج ۳ صفحہ ۴۰) بیان کیا ہے۔ مشرکوں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقابلہ کیا۔ اور ایمانداروں کو تعذیب کے ساتھ اور زبردستی دین سے ہٹانے کی خاطر فتنے میں ڈالا اور آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کو لوگوں تک اللہ کی بات پہنچانے سے روکا۔ آپ پر ایمان لانے والوں میں کوئی بھی کسی حلیف یا رشتہ دار کی پناہ دہی کے بغیر قتل و تعذیب سے محفوظ نہ تھا۔ ان میں سے کئی لوگ بار بار ہجرت کر گئے۔ پھر کفار نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شدید اذیت پہنچائی ، حتیٰ کہ آخر کار ان کا مشورہ ہوا کہ آپ کو ہمیشہ کے لیے محبوس کر دیں یا زبردستی ملک سے نکال دیں یا علانیہ قتل کر دیں یہ سارا مشورہ دار الندوہ میں ہوا ، آخری رائے یہ تھی کہ آپ کو قتل کیا جائے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہجرت کا حکم دیا جیسا کہ ہم تفسیر المنار (ج ۹ صفحہ ۶۵۰) میں بیان کیا ہے۔ مدینہ منورہ میں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے آپ کو انصار اللہ کی جماعت مل گئی ، جو اللہ و رسول سے محبت کرتی تھی اور ہجرت کر کے آنے والوں کی خدمتگذار تھی۔ آپ کے علاوہ آپ کے اصحابؓ کی جماعت نے ہجرت میں آپ کی ہم نوا ہو گئی۔ انصار نے آپ کو اپنے آپ پر ترجیح دی۔ اس وقت آپ کی حالت مشرکین کے ساتھ اس زمانے کی حالت اور عرف عام کے مطابق " برسر جنگ " کی تھی۔ آپ نے مدینہ اور اس کے گرد و نواح کے یہود و مشرکین کے ساتھ صلح و تعاون کا معاہدہ کیا مگر یہود نے خیانت اور وعدہ شکنی کی اور مشرکوں کی مدد کی اور جب بھی انہوں نے حملہ کیا یہ قریش کے ساتھ ہو کر مسلمانوں سے لڑے۔

آپ نے مشرکین قریش کے ساتھ صلح و امان پر معاہدہ کیا جو دس سال کے لیے تھا۔ اور اس میں آپ نے نہایت نرمی بلکہ دب کر صلح کرنے کا ثبوت دیا ، حالانکہ اس وقت ضعف و ذلت کا نہیں بلکہ قوت و عزت کا دور تھا۔ لیکن پھر بھی آپ نے سلامتی کی محبت میں اور اس لیے کیا کہ دین کی نشر و اشاعت دلیل و برہان سے کریں۔ بنو خزاعہ آپ کے معاہدے میں داخل ہوئے جیسے کہ بنو بکر قریش کے معاہدے میں شامل ہوئے ، پھر قریش کے ساتھیوں نے خزاعہ پر زیادتی کی اور قریش نے ہتھیاروں کے ساتھ ان کی مدد کی اور اپنا عہد توڑ ڈالا ، یہ قریش کے ساتھ برسر جنگ ہونے کی حالت کی واپسی تھی اور فتح مکہ کا باعث تھا۔ فتح مکہ سے شرک کی شان و شوکت کو مٹا دیا۔ اور مشرکوں کو ذلیل کر دیا ، لیکن وہ پھر بھی اپنی قوت کے مطابق آپ سے برسر جنگ رہے ان کی قوت و ضعف دونوں حالتوں سے پتہ چل گیا کہ ان کا عہد و پیمان بیکار ہے ، اور وہ اسے ہر وقت توڑ

Marfat.com

سکتے ہیں جیسا کہ اسی سورت میں عنقریب آئے گا کہ :

"اللہ کے نزدیک اور اس کے رسول ؐ کے نزدیک مشرکوں کا عہد کیونکر ہو سکتا ہے ......

پس تم کفر کے سرداروں سے قتال کرو ان کی قسموں کا کوئی اعتبار نہیں، تاکہ وہ باز آئیں ۔

ایمان سے مراد عہود ہیں، مطلب یہ کہ ان کا عہد و پیمان بالکل کچھ نہیں ہے ۔ اور مسلمان ان کے ساتھ معاہدات کی بناء پر نہیں رہ سکتے۔ یہ ممکن نہیں کہ عہد کی بناء پر دونوں فریق امن و سلامتی سے رہیں، اور مشرک اپنے شرک و کفر پر قائم رہیں، ان سے پہلے اہل کتاب غداری اور عہد شکنی کر چکے ہیں ۔ حالانکہ وہ اس بات کے زیادہ حق دار تھے کہ اہل کتاب ہونے کی بناء پر عہد و پیمان کا پاس اور لحاظ کریں ۔

یہی وہ شرعی اصل ہے جس پر ان احکام کی بنیاد رکھی گئی ہے جو کہ اس سورت میں آ رہے ہیں کہ : ان کے مطلق عہد و پیمان ختم کر دیئے جائیں۔ جو لوگ عہد شکن نہیں ان کے موقت عہد و پیمان پورے کیے جائیں بشرطیکہ فریق ثانی بھی وفا کا ثبوت دے اور حکمت اس کی یہ تھی کہ جزیرہ عرب سے شرک کے بقایا مٹائے جائیں اور عرب کو قوت کے ساتھ مسلمانوں کے لیے خاص کر دیا جائے اور ان کے ساتھ اس اصول کو مدنظر رکھا جائے کہ :

"جو تم سے لڑتے ہیں تم فی سبیل اللہ ان سے قتال کرو "

اور یہ کہ :

"اگر وہ صلح کی طرف جھکیں تو تو بھی اس کی طرف جھک جا ۔

جمہور نے کہا ہے کہ اس آیت کا حکم آیت سیف کے ساتھ منسوخ ہو گیا تھا، اور دوسرا سبب یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کے عہد و پیمان توڑنے کا حکم دیا تھا ۔

(نوٹ) : یہاں یہ تنبیہ ضروری ہے کہ استاد شیخ محمد عبدہ کا مدرسہ فکر ایک ایسے فلسفے سے متاثر تھا جو اسلام سے کوئی واسطہ نہیں رکھتا، یعنی ڈیکارٹ کا فلسفہ، اور اس تاثر کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ سکول عقل اور عقلیت کو ہی مرکز بناتا ہے اور اسے اس کے اصل مقام سے عقیدہ کے مسائل میں زیادہ اہمیت دیتا ہے ۔ لہٰذا یہ ضروری ہے کہ جب عقلی و علمی براہین کی بات کی جائے تو ان کے ساتھ ساتھ فطری بدیہی براہین کا بھی اضافہ کیا جائے اور جہاں جہاں عقل و ذہن کا سوال درپیش ہو وہاں ان بدیہی فطری براہین کو بھی اہمیت دی جائے ۔ جہاں تک حجت و برہان کا تعلق ہے۔ یہ صحیح ہے کہ اسلامی تحریک کا اصل قاعدہ یہی ہے کہ عقیدے کو دلیل و حجت سے پھیلایا جائے۔ لیکن یہ یاد رکھنا بھی ضروری ہے کہ آج کل جو یہ کہا جاتا ہے کہ اسلامی جہاد فقط دفاعی ہے ۔ اور صلح و صفائی ہر حال میں واجب ہے ، یہ غلط ہے ۔ اسی طرح سید رشید مرحوم نے یہ جو لکھا ہے کہ اسلام اور غیر اسلام کا باہم بلا مناقشہ زندہ رہنا ممکن نہیں ہے ۔ یہ تو بالکل درست ہے مگر آگے چل کر جو انہوں نے لکھا ہے کہ فریقین میں معاہدات صلح برقرار رہ سکتے ہیں، جب تک کہ مسلمانوں پر دارالاسلام کے اندر حملہ نہ ہو ، یہ بات درست نہیں ہے ۔

استدراک

سید رشید رضا مرحوم کا گزشتہ اقتباس اور اس پر ہماری مختصر اشاراتی تنبیہ اور اس کے بعد

Marfat.com

تفسیر المنار کے مندرجات بتاتے ہیں کہ عہد و پیمان کے توڑنے کے سلسلے میں اصل سبب یہی تھا کہ مشرکین اور دوسرے غیر مسلم مثلاً یہود در اصل جزیرۃ عرب میں اسلام کو بالکل برداشت نہ کرتے تھے اور ہر وقت اسلام اور اہل اسلام کے ساتھ لڑنے کے بہانے تلاش کرتے رہتے تھے۔ مگر مؤلف نے اس سبب کا اس کی اصل جڑ تک پہنچا نہیں کیا اور نہ اس کی گہرائی اور احاطہ کو دیکھا ہے۔ اصل بات فقط یہ ہے کہ اسلام کا منہج اور کفر و شرک اور یہودیت کے مناہج کسی چیز میں بھی باہم مل نہیں سکتے۔ دونوں کا اختلاف بنیادی اور نہایت گہرا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ یہ دونوں قسم کے معاشرے زیادہ دیر تک باہم زندہ .... نہیں رہ سکتے۔ بدیر یا سویر کشمکش کا ہونا ناگزیر ہے۔

استاذ محمد عزہ دروزہ کی رائے

ایک اور معاصر مصنف محمد عزہ دروزہ کی رائے کا ذکر بھی خالی از فائدہ و دلچسپی نہیں ہے۔ انہوں نے اپنی کتاب "التفسیر الحدیث" میں سورۃ توبہ کی تفسیر کے سلسلے میں ایک ایسی رائے اختیار کی ہے جو بہت عجیب ہے اور ہمارے اوپر بیان کردہ حقیقت سے بعید تر ہے۔ ان کی رائے میں سورۃ توبہ کی آخری نئی نصوص کے نزول کا باعث فقط یہ تھا کہ بعض مشرکوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیے ہوئے اپنے وعدوں کو توڑا تھا ورنہ جن لوگوں نے وعدے نہیں توڑے تھے، خواہ وہ معاہدے وقت کے پابند ہوں یا مطلق۔ یہ سورت ان کی محافظت کے لیے نازل ہوئی تھی۔ اور یہ کہ ان کے معاہدوں کا وقت گزر جانے کے بعد ان کے ساتھ نئے معاہدے کیے جا سکتے تھے۔ حتیٰ کہ عہد شکنوں کے ساتھ بھی از سر نو معاہدے کیے جا سکتے تھے، اور یہ کہ مرحلاتی آیات ان عمومی آیات کو مقید کرتی ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ استاد دروزہ نے اصلی اور بنیادی سبب کو چھوا تک نہیں۔ اور وہ بھی جدید دور کے اہل کتاب اور ملحدین کے بوجھ تلے دبے ہوئے خیالات کے پابند ہیں، اور ان کی ذہنیت میں اس شکست کے واضح آثار ہیں جو آج کل کے بعض مسلم مصنفین کے خیالات میں پائی جاتی ہے، یہ لوگ غیر مسلموں کے پروپیگنڈے سے شدید متاثر ہیں اور کہتے ہیں کہ اسلام تو "صلح و صفائی اور امن و آشتی" کا دین ہے۔ اور اپنی حدود کے اندر سب کے ساتھ امن و سلامتی کے ساتھ رہنا چاہتا ہے، اور جب کبھی کہیں صلح و صفائی کا معاہدہ ممکن ہو، اس سے تجاوز نہیں کرتا۔ چنانچہ اس سلسلے میں وہ آیات: الا الذین عاھدتم من المشرکین .... فاذا انسلخ الاشھر الحرم فاقتلوا المشرکین الخ کے متعلق لکھتے ہیں کہ: "ان آیات میں اور ان کے ماقبل میں مدنی عہد کے اواخر میں سیرت نبویہ کی بعض صورتیں نظر آتی ہیں۔ ان سے پتہ چلتا ہے کہ فتح مکہ کے بعد بھی مسلمانوں اور مشرکوں کے درمیان کچھ معاہدے تھے جو ممکن ہے پہلے سے چلے آتے ہوں۔ اور بعض مشرکوں نے عہد کی پابندی کی تھی اور بعض نے اسے توڑا تھا یا ان سے غدر اور نقض عہد کی علامات ظاہر ہوئی تھیں۔

اور جیسا کہ ہم نے پہلے بتایا ہے، مفسرین ان دو آیات میں سے دوسری کو آیت سیف کہتے ہیں۔ (یعنی: فاذا انسلخ الاشھر الحرم الخ) اور اسے پہلی ان تمام آیات کا ناسخ مانتے ہیں جو مشرکوں کے ساتھ تسامح

اور تساہل اور صلح و اعراض کا اور انہیں مہلت دینے کا حکم دیتی ہے۔ اور ان کے ساتھ مطلق قتال کا حکم دیتی ہے۔ بعض نے ان لوگوں کا استثناء کیا ہے جن کے ساتھ معاہدہ تھا۔ بعض نے ان کو مستثنیٰ نہیں کیا اور ان کے خیال میں اس آیت کے نزول کے بعد ان سے اسلام کے سوا کچھ مقبول نہیں، اور ہم نے بتایا ہے کہ ان آراء کے اندر غلو ہے اور یہ قرآنی آیات کے خلاف ہیں جو ان محکم احکام کو مشتمل ہیں کہ غیر اعداء سے قتال نہ کیا جائے اور صلح صفائی والوں کے ساتھ نیکی اور انصاف کیا جائے۔ اس آیت کے متعلق مفسرین نے قدیم اہل تاویل کی روایات و اقوال کو بیان کیا ہے۔

چنانچہ ابن کثیر نے ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ اس آیت نے نبیؐ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا تھا کہ معاہدوں پر بھی تلوار چلائیں حتیٰ کہ وہ اسلام میں داخل ہو جائیں۔ اور ان کے عہد و میثاق کو توڑنے کا اعلان کر دیں، اور اسی مفسر نے سفیان بن عیینہ کا ایک عجیب قول نقل کیا ہے کہ اس نے ان آیات کو کچھ دوسری آیات کے ساتھ جمع کیا ہے۔ اور ان سب آیات کو اسیاف (تلواریں) کہا ہے۔ اس کا قول ہے کہ نبیؐ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے علیؓ بن ابی طالب کو لوگوں کے سامنے حج اکبر کے دن یہ آیتیں پڑھنے کا حکم دے کر بھیجا تھا۔ ان میں سے ایک تو یہی آیت تھی: فاذا انسلخ الاشہر الحرم الخ اور اس کا نام اس نے "مشرکین عرب میں تلوار" رکھا ہے۔ اور ایک آیت اہل کتاب میں تلوار کے بارے میں تھی جو یہ ہے:

"قتال کرو ان لوگوں سے جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان نہیں لاتے اور اللہ و رسولؐ کے حرام کیے کو حرام نہیں کہتے اور دینِ حق کو اختیار نہیں کرتے، اہل کتاب میں سے۔ حتیٰ کہ وہ جھک کر اپنے ہاتھ سے جزیہ ادا کریں۔" (التوبہ: ۲۹)

اور ایک سیف منافقین پر تھی جو سورۂ توبہ کی آیت نمبر ۷۳ ہے کہ:

"اے نبی! جہاد کر کافروں سے اور منافقوں سے اور ان پر شدت کر اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے جو بہت بُرا ٹھکانا ہے۔"

اور ایک سیف باغیوں کے خلاف ہے جو سورۂ الحجرات کی آیت: ۹ میں ہے کہ:

"اور اگر مومنوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں صلح کراؤ، اور اگر ان میں سے ایک دوسرے پر زیادتی کرے تو اس کے ساتھ قتال کرو، جب تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی طرف نہ پھر آئے۔"

اور یہ عجیب بات ہے کہ امام طبریؒ کا مذہب یہ ہے کہ یہ آیت: فاذا انسلخ الاشہر الحرم الخ مطلق ہے۔ اور اس میں معاہد و غیر معاہد سب داخل ہیں۔ باوجودیکہ اس نے سورۂ ممتحنہ کی آیت: ۸ کو محکم کہا ہے اور یہ کہ مسلمانوں کے ساتھ صلح و صفائی اور عہد و پیمان کا مسلک اختیار کرنے والوں کے ساتھ نیکی و انصاف کرنے سے اللہ تعالیٰ نے نہیں روکا۔ خواہ یہ لوگ کسی بھی مسلک اور مذہب و ملت کے ہوں! اور ہو سکتا ہے کہ یہ غیر معاہد ہوں!

"اور اس سب کچھ کے باوجود یہ آیت: فاذا انسلخ الاشہر الحرم الخ اپنے عام مطلب اور سیاق کے لحاظ سے اُن معاہد مشرکوں کے قتال کے متعلق ہے جو عہد شکن ہوں۔ اور اسے آیتِ سیف کہنا اور

ہر مشرک و کافر کو مشتمل جاننا ایک ایسی بات ہے جو آیت سے نہیں نکلتی۔ اور اسی طرح اس کو ان تمام آیات کا ناسخ بتانا بھی تکلف ہی ہے، جو سب محکم نظر آتی ہیں، مثلاً دین اور دعوت میں جبر و اکراہ کا نہ ہونا، دعوت کو حکمت اور موعظت سے پھیلانا۔ اگر جدال کرنا پڑے تو احسن طریقے سے کرنا، اور نیکی اور عدل پروری کا حکم، کہ جو لوگ مسلمانوں کو ان کے گھروں سے نہیں نکالتے، ان سے قتال نہیں کرتے، ان کے ساتھ نیکی اور عدل کیا جائے، اور مسجدِ حرام کے پاس عہد کرنے والے مشرکوں کے عہد پر قائم رہنا جب تک کہ وہ قائم رہیں"

"ان دو آیات میں جو احکام ہیں ان کے بیان کے سلسلے میں دو مسئلے پیش آتے ہیں، پہلا یہ کہ پہلی آیت کا یہ استثناء: الا الذین عاهدتم من المشركين الخ اس استثناء کی مدتِ عہد اس کی محدود و مقرر مدت بیان فرمائی گئی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ ایسے مشرکوں کا عہدِ محدود جب گزر جائے تو کیا یہ لوگ بھی خدا اور رسولؐ کی برأت کا محل ہوں گے اور ان سے قتال کیا جائے گا؟ مفسرین اس کا جواب اثبات میں دیتے ہیں۔ لیکن ہم نے اس ضمن میں کوئی پختہ حدیث نہیں پائی، اور ہمارے خیال میں مفسرین کا کلام صحیح ہو۔ پر توقف کا محل ہوگا جب کہ اس سے مراد اطلاق لیا جائے اور یہ کہ یہ امر توضیح کا متحمل ہو سکتا ہے۔ پس عہد کرنے والے یا تو مسلمانوں کے دشمن ہوں گے (یعنی عہد سے قبل) اور ان کے درمیان قتال واقع ہو چکا ہوگا، پھر مسلمانوں نے ان سے عہد کیا، جیسا کہ قریش کا معاملہ تھا کہ انہوں نے حرب و ضرب کے بعد حدیبیہ کے مقام پر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صلح کی تھی۔ یا پھر یہ ہوگا کہ ان کی مسلمانوں کے ساتھ کوئی جنگ نہ ہوئی ہوگی اور انہوں نے خود مسلمانوں کے ساتھ عہد و مصالحت کی رغبت کی ہوگی، اور سورۂ نساء کی یہ آیت: الا الذين يصلون الى قوم بينكم وبينهم ميثاق، او جاءوكم حصرت صدورهم ان يقاتلوكم او يقاتلوا قومهم ولو شاء الله لسلطهم عليكم فلقاتلوكم۔ فان اعتزلوكم فلم يقاتلوكم والقوا اليكم السلم فما جعل الله لكم عليهم سبيلاً (النساء: ۹۰)

اس آیت میں بھی ہمارے عقیدے کے مطابق اسی قسم کی واقعی حالت کا بیان ہے جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے اور اس کی بعض مثالیں سیرت کی روایات میں بھی موجود ہیں۔ جیسا کہ ابن سعد نے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کنانہ کے بنی ضمر کے ساتھ عہد کیا تھا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ان سے جنگ نہ کریں گے اور وہ آپؐ سے نہیں لڑیں گے، آپؐ کے خلاف وہ کسی کی کثرت کا سبب نہ بنیں گے اور آپؐ کے خلاف کسی دشمن کی اعانت نہ کریں گے اور آپؐ نے اس معاہدے کو لکھوایا تھا، اور اس آیت میں، اور دوسری آیات میں بھی، تجدیدِ عہد یا عہد کی مدت بڑھانے کی کوئی ممانعت نہیں آئی، اور نہ دوسروں کے ساتھ ہی اس کی ممانعت ہے، جب کہ انہیں اس کی رغبت ہو۔ بشرطیکہ ان سے عہد شکنی اور غدر کی نیت نہ ظاہر ہوئی ہو، اور مسلمانوں پر یہ واجب نہیں کہ اس عہد کو توڑیں۔ کیونکہ ان کو صرف ان لوگوں کے قتال کا حکم ملا ہے۔ جو ان سے لڑیں اور تعدی کریں، خواہ اس کی کوئی بھی صورت ہو، اور کچھ آیات کے بعد آنے والی آیت میں اور اس آیت میں جو مسلمانوں کو صراحۃً مشرکوں کے ساتھ اپنے کیے ہوئے معاہدوں پر استقامت کا حکم ہے۔ جب تک کہ وہ لوگ بھی استقامت اختیار کریں، ان آیات میں ان شاء اللہ ہمارے قول کا قرینہ موجود ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

"رہا دوسرا مسئلہ، سو وہ وہ ہے جس کو دوسری آیت کا آخری فقرہ ظاہر کرتا ہے کہ مشرکوں کا راستہ کھلا چھوڑ دیا جائے اور ان سے ہاتھ روکا جائے۔ بشرطیکہ وہ شرک سے توبہ کریں، نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں۔ اس مسئلہ میں ہمیں جو بات بظاہر نظر آتی ہے، وہ یہ ہے کہ مشرکین اپنا عہد توڑنے کے بعد، اور مسلمانوں کے ان سے قتال کرنے کے بعد دوبارہ عہد کا حق کھو بیٹھے تھے، اور اب یہ مسلمانوں کا حق بن گیا تھا کہ ان پر وہ شرط لگائیں جو ان کے لیے امن وسلامتی کی ضامن ہو، اور وہ ہے ان کی شرک سے توبہ اور اسلام میں داخل ہونا اور اس کے مالی اور عباداتی فرائض کو ادا کرنا اور یہ بات زبردستی دین میں داخل کرنے کے تحت میں نہیں آتی، علاوہ ازیں یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ شرک انسانیت کے انحطاط کی مثال پیش کرتا ہے اور اس کے عقائد وافکار اتنے گھٹیا ہیں جو کہ عقل ومنطق اور حق کے خلاف ہیں اور اسلام جس میں داخلے کی شرط ان پر عائد کی گئی ہے۔ وہ ان کو اس سخافت اور مخالفتِ عقل وفکر بچاتا ہے اور انہیں انسانی کمال تک بلند کرنے کی ضمانت دیتا ہے، بلحاظِ عقل بھی اور بلحاظِ اخلاق وعبادت وعقیدہ وعمل بھی۔ اس کے باوجود ہم اس آیت میں اس کی ممانعت بھی نہیں پاتے کہ اگر مسلمانوں کی مصلحت کا تقاضا ان لوگوں کے ساتھ ازسرِ نو معاہدہ کرنا ہو تو یہ ممنوع ہے، ہو سکتا ہے کہ مسلمان لڑنے کی طاقت بھی نہ رکھتے ہوں یا انہیں قوت کے ساتھ جھکانے کی بھی ان میں طاقت نہ ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(یہاں پر استاد عزہ دروزہ کا کلام ختم ہوا۔)

یہ فقرات جو ہم نے مؤلف کی تفسیر سے بطور اقتباس چنے ہیں، وہ ظاہر کرتے ہیں کہ وہ ابتداء سے ہی اس بات کی طرف توجہ نہیں کرتا کہ اسلام کو انسانیت کی بندوں کے ہاتھوں عبودیت وتذلیل کو ختم کرنے اور اس کے اداروں کو ملیامیٹ کرنے کا حق حاصل ہے۔ نہ یہ حق ہے کہ وہ دنیا میں فقط اللہ وحدہٗ کی عبودیت کا نظام قائم کرے ——— جہاں کہیں بھی ایسا کرنا ممکن ہو! ——— اس بات سے قطع نظر کہ اس پر اس کی حدود کے اندر زیادتی ہو یا نہ ہو! مصنف اس بنیاد کو سرے سے تسلیم نہیں کرتا، حالانکہ یہی وہ مدار ہے جس پر "الجہاد فی سبیل اللہ" کی بنیاد قائم ہے، کیونکہ اس کے بغیر اسے یہ حق نہیں ملتا کہ مقصد کی راہ سے رکاوٹوں اور گڑھوں کو دور کرے، نہ اسے یہ حق ملتا ہے کہ دنیا میں نیکی کو پھیلائے اور برائی کو مٹائے، ہتھیار مہیا کرے اور وہ تمام ضروری آلات اور سازوسامان تیار کرے جس کی اسی راہ میں ضرورت ہے۔ گویا:

اعدوا لھم ما استطعتم الخ کی آیت خدانخواستہ ایک ہوائی حکم تھا جس کا اظہار اس مادی جہان میں کرنا ضروری نہیں۔

اسی طرح اس کی اپنی عبارات سے یہ معلوم ہوتا ہے مؤلف دین اسلام کی تحریکی حیثیت کو دل جگہ نہیں دیتا۔ وہ انتہائی احکام کو مرحلاتی اور عارضی احکام کے تابع کر دیتا ہے۔ وہ یہ نہیں سوچتا کہ اس طرح تو لازم آئے گا کہ تحریکِ اسلامی پر وہ فطری مرحلے نہیں گزرے جن کا گزرنا ہر تحریک پر، بالخصوص اسلامی تحریک پر لابدی اور ضروری ہے۔ ہم اوپر بتا چکے ہیں کہ مرحلاتی احکام منسوخ نہیں ہیں۔ بلکہ دنیا میں اسلامی تحریک پر جب کبھی اور جہاں کہیں اس قسم کے حالات آئیں جو اسلامی تحریک پر مرحلہ وار گزرے تھے تو ان حالات کے احکام وہ ہیں جن کا ذکر مرحلاتی احکام کی آیات میں ہے۔ لیکن جب مسلمانوں کے حالات وہ ہوں جن ذکر آخری احکام والی آیات میں ہے، تو پھر آخری وانتہائی احکام پر عمل کرنا واجب ہوگا، ضرورت اس امر کی ہے کہ اسلام کی تحریکی حیثیت کو بخوبی سمجھا جائے

Marfat.com

اور اس کے مرحلوں پر غور کیا جائے۔

اسلامی تحریک کے تاریخی و واقعاتی تقاضے!

سیرتِ نبویؐ کے حوادث و واقعات پر غور کرنے والا، تاکہ ان کے اندر سے اسلام کی تحریکی حیثیت کو جانچے اور خود اس تحریک کی ذات، اس کے مراحل و مقاصد کو جانچے، وہ اس نتیجے پر پہنچے گا کہ اسلامی معاشرے اور مشرک معاشرے کے درمیان، اور اسی طرح اسلامی معاشرے اور یہود کے درمیان وہ قدم اٹھانے کا وقت آچکا تھا جس کو اس سورت میں بیان کیا گیا ہے۔ اس کے لیے زمین تیار تھی، احوال مہیا تھے، لہٰذا یہ قدم جو اٹھایا گیا اس کی حیثیت ایک فطری اقدام کی تھی، ایک طرف تو مسلم معاشرہ تھا جو الوہیت، ربوبیت، حاکمیت اور قانون سازی کو اللہ تعالیٰ کی ذات سے کرتا اور اسی میں مرتکز مانتا تھا۔ اور دوسری طرف جاہلیت تھی جو ان تمام چیزوں کو غیر اللہ کے لیے خاص مانتی تھی، یا ان میں اللہ کے ساتھ دوسروں کو شریک مانتی تھی، ان دونوں معاشروں کے ساتھ ساتھ چلنے سے بطورِ تجربہ یہ قانون عملاً ثابت ہو گیا کہ ان دو متضاد معاشروں میں پنجہ آزمائی اور کشتی ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد یہی بتاتا ہے:

"اور اگر اللہ بعض لوگوں کو بعض کے ذریعے سے ہٹاتا نہ رہتا تو یہودی عبادت گاہیں، عیسائی گرجے راہبوں کی کٹیائیں اور مسجدیں ڈھا دی جاتیں، جن میں اللہ تعالیٰ کا بہت ذکر کیا جاتا ہے" (الحج: ۴۰)

اور ایک اور آیت میں ہے کہ:

"اور اگر اللہ بعض لوگوں کو بعض کے ساتھ دفع نہ کرتا رہتا تو زمین میں فساد برپا ہو جاتا۔" (البقرہ: ۲۵۱)

اس حتمی قانون کے دو نتیجے!

اس قطعی و حتمی قانون کے دو نتائج بالکل ظاہر و باہر تھے:

(۱) پہلا یہ کہ اسلام قدم بقدم، مرحلہ در مرحلہ، ایک جنگ کے بعد دوسری جنگ کی طرف آگے کو بڑھتا تاکہ اپنے گرد و نواح کی سرزمین میں اللہ کے نظام کی نشر و اشاعت کرے، اللہ کا حکم ایک سرزمین کے بعد دوسری میں اور ایک قبیلے کے بعد دوسرے کو پہنچائے، اور آخر کار اپنا پیغام تمام انسانوں تک پہنچائے اور اس اعلان عام کی راہ میں کھڑی ہونے والی رکاوٹوں کو دور کرے اور سب بنی نوع انسان تک اس کا پیغام لے جائے۔ حتیٰ کہ مکہ فتح ہو گیا اور اسلام کے پھیلاؤ کی راہ میں سب سے بڑی روک کی شان و شوکت برباد ہو گئی۔

اسلامی سیلاب کی راہ میں قریش کے بعد سب سے بڑی قوت طائف میں ہوازن و ثقیف کی تھی، اللہ کے فضل سے یہ بھی گھٹنے ٹیک گئی۔ اب اسلام ایک ایسی قوت بن چکا تھا کہ جس سے دشمن ڈرتے تھے، اور اب یہ قوت جزیرۃ عرب میں انتہائی قدم اٹھانے کو تیار تھی، تاکہ اللہ کی زمین اب آہستہ آہستہ اس کے لیے مطیع ہوتی جائے۔ فتنہ مٹ جائے اور دین اللہ ہی کا غالب آجائے۔

(۲) دوسرا یہ کہ مسلمانوں نے غیر مسلم معاشروں اور حکومتوں کے ساتھ جو عہد باندھے تھے اور حسب ضرورت ان عہود کا سلسلہ دور تک پھیلا ہوا تھا، ان معاشروں نے یکے بعد دیگرے وہ عہد توڑے، جب بھی کوئی فرصت ملی کوئی بہانہ ہاتھ آیا، جب بھی اسلامی حکومت پر کوئی سخت وقت آیا جس سے اس کو خطرہ لاحق ہوا۔ یا جب بھی عہد شکنوں نے دیکھا کہ عہد شکنی سے ان کو فائدہ ہوگا، انہوں نے جھٹ آنکھیں بدل لیں۔ مشرکین سے پہلے یہودی بھی بار بار عہد شکنی کر چکے تھے۔ اس سے یہ پتہ چلا کہ ان قوموں نے یہ عہد دراصل مکر و فریب سے کیے تھے۔ اور ان عہود میں ان کی دلی رغبت اور دیانت شامل نہ تھی۔ الا ماشاء اللہ۔ جوں جوں جاہلی معاشروں کو اسلام ترقی کرتا دکھائی دیتا رہا وہ بار بار جل بھن کر عہد شکنی کرتے رہے، تاکہ اسلام اور اہل اسلام کو نقصان پہنچائیں۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ دو قسم کے معاشرے پہلو بہ پہلو صلح و صفائی کے ساتھ زندہ نہیں رہ سکتے تھے۔ کفر اس بات کو برداشت نہ کر سکا کہ اسلام جاہلیت کو مٹائے، غیر اللہ کی عبادت کا ستیاناس کرے، جاہلی نظام کو ہس ڈالے اور لوگوں کو ایک اللہ کی عبادت و عبودیت کے نظام میں منسلک کرے، اس دوسرے واضح نتیجے اور اس کی علت کو اللہ عزوجل نے یوں بیان فرمایا ہے:

"یہ تم سے برابر لڑتے رہیں گے۔ حتیٰ کہ اگر تمہیں دین سے پھیر سکیں تو ایسا کر ڈالیں" (البقرہ: ۲۱۷)

اور ایک اور آیت میں یہود کے بارے میں فرمایا ہے کہ:

"بہت سے اہل کتاب نے پسند کیا کہ وہ تمہیں تمہارے ایمان کے بعد کافر بنا دیں اپنی طرف سے از راہ حسد، حالانکہ ان پر حق واضح ہو گیا ہے" (البقرہ: ۱۰۹)

اور انہی کے بارے میں فرمایا ہے کہ:

"اور تجھ سے یہود و نصاریٰ ہرگز خوش نہ ہوں گے، جب تک کہ تو ان کے طریقے کی پیروی نہ کرے" (البقرہ: ۱۲۰)

پس اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں قطعی اور واضح انداز میں فرمایا ہے کہ اسلام کے خلاف جاہلیت کی تمام جماعتوں کا ہدف ایک تھا اور وہ اس پر شدید طور پر مصر تھے، اس میں کسی زمان و مکان کی تحدید نہیں فرمائی گئی۔

الجہاد فی الاسلام کی حقیقت

اسلامی جہاد کی حقیقت کو اس وقت تک نہیں سمجھا جا سکتا جب تک کہ اس ضمنی قانون کو نہ سمجھا جائے، جو اسلامی معاشرے اور غیر اسلامی یعنی جاہلی معاشروں میں حد فاصل کا کام دیتا ہے، اور ان نتائج کو نہ سمجھا جائے جو اس سے پیدا ہوتے ہیں۔ نہ ان اختلافات اور جنگوں کے اسباب سمجھے جا سکتے ہیں جو جاہلی معاشروں اور اسلامی معاشرے کے اندر برپا ہوئے تھے۔ اسی طرح اولین مجاہدین کو ابھارنے والے اسباب، اسلامی فتوحات کے راز اور چودہ سو سالہ یہودی و صلیبی جنگوں کا مطلب سمجھ میں آسکتا ہے جو ان لوگوں نے اسلام کے خلاف بپا کر رکھی ہیں۔

مسلمان اگرچہ برائے نام مسلم رہ گئے ہیں، پھر بھی غیروں کی طرف سے ان کے خلاف جو کچھ ہوتا ہے وہ اس لیے ہوتا ہے کہ وہ مسلم ہیں۔ جدید دور میں کمیونزم اور سوشلزم کی یلغار نے ہر جگہ اسلام کو مٹانے کی کوشش

Marfat.com

کی ہے۔ اس کو روس، چین، یوگو سلاویہ، البانیہ، حبشہ میں دیکھا جا سکتا ہے۔ پھر تمام غیر اسلامی طاقتوں نے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جو کچھ کیا ہے اسے ہندوستان، کشمیر، دکن، زنجبار، قبرص، کینیا، جنوبی افریقہ اور ولایات متحدہ امریکہ میں دیکھا جا سکتا ہے۔ (پچھلے چند سالوں میں افغانستان میں کمیونسٹ روس نے جو کچھ کیا ہے وہ ساری دنیا پر عیاں ہے) یہ جو کچھ کیا گیا ہے یہ ان ظالمانہ کارروائیوں کے علاوہ ہے جو دنیا بھر کے مسلم ممالک میں اسلامی طاقتوں جماعتوں اور تنظیموں کے خلاف کیا گیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اشتراکیت، صیہونیت اور صلیبیت اسلام اور مسلمانوں کے خلاف متحدہ محاذ بنا چکی ہیں اسلام کے خلاف کیمونزم اور سرمایہ داری ایک ہی صف میں کھڑے ہو جاتے ہیں، ایک دوسرے کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھاتے ہیں یہ سب کچھ جب دیکھا جائے تو اسلامی جہاد کی ضرورت و اہمیت، اس کے اسباب و وقائع اور نتائج کا سمجھنا دشوار نہیں رہتا۔ جن دو نتائج کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے انہیں پڑھ کر معلوم کیا جا سکتا ہے کہ فتح مکہ کے بعد اور سورۂ توبہ کے نزول سے کچھ پہلے ایسے حالات پیدا ہو چکے تھے جن سے وہ آخری قدم اٹھانا ضروری ہو گیا تھا جو اسلام نے مشرکین اور اہل کتاب کے خلاف سورۂ توبہ میں اٹھایا۔

اسلامی معاشرے میں بعض مختلف الخیال لوگ

لیکن گزشتہ بیان کا مطلب یہ نہیں کہ جس طرح صورت حال اسلامی قیادت پر واضح تھی، اسی طرح معاشرے کے تمام طبقوں اور درجوں پر بھی واضح ہو چکی تھی۔ نہیں، بلکہ کچھ نو مسلم، مولفۃ القلوب، ضعیف الایمان اور منافق لوگ اس حقیقت کی تہہ تک نہیں پہنچے تھے۔ مسلم جماعت میں بعض بہت اچھے مسلمانوں کی بھی یہ رائے تھی کہ تمام مشرکوں کے معاہدے یک لخت طاق پر نہ رکھ دیئے جائیں تو بہتر ہو گا، اس کی کچھ تفصیل اوپر گزر چکی ہے اور سورۂ انفال کی آیت: ۵۸ کی تفسیر میں بھی اس پر کافی گفتگو ہو چکی ہے:

"اور اگر تمہیں کسی سے خیانت کا ڈر ہو تو ان کا عہد علی الاعلان انہیں واپس کر دو۔ بلاشبہ اللہ خیانت کاروں سے پیار نہیں رکھتا"

اور ان کے علاوہ دوسروں کے عہد کا چار ماہ کے بعد ختم ہو جانا، یا مقررشدہ مدت کے بعد ———— اگر وہ عہد شکن نہ ہوں ———— ہو سکتا تھا کہ انہیں اپنے عہد کے خلاف نظر آتا، مگر اللہ تعالیٰ اس امر مالوف سے بھی ایک بڑے امر کا ارادہ رکھتا تھا، اور جہاں تک معاملات پہنچ گئے تھے اس سے بھی آگے کچھ اور چاہتا تھا۔

اسی طرح مسلم جماعت میں ایسے لوگ بھی تھے، اور شاید ان میں سے بعض بہت معزز لوگ تھے، جو یہ سمجھتے تھے کہ عامۃ مشرکین کے ساتھ قتال کی ضرورت نہیں ہے، ہو سکتا ہے کہ وہ اسلام کی طرف مائل ہو جائیں خاص کر جب کہ اسلام جزیرۂ عرب میں غالب آچکا تھا، اور ادھر ادھر بعض افراد یا غیر موثر جماعتیں اس سے باہر تھیں جن سے اس وقت کوئی خطرہ نہ تھا۔ بلکہ ان سے توقع تھی کہ زود یا بدیر یہ اسلام کے سائے میں آجائیں گے۔ نیز یہ فریق اپنے اعزہ و اقرباء کے لڑنے میں بھی گھٹن محسوس کرتا تھا۔ اور ان لوگوں کے ساتھ بھی نہیں لڑنا چاہتا تھا جن کے ساتھ ان کے قسم قسم کے اجتماعی اور اقتصادی تعلقات وابستہ تھے۔

Marfat.com

اور پھر یہ امید بھی تھی کہ اگر ان کے ساتھ یہ سخت سلوک نہ ہو تو امید ہے کہ وہ اسلام میں داخل ہو جائیں گے مگر اللہ تعالیٰ کا ارادہ تھا کہ اسلامی جماعت بندی کی بنیاد صرف عقیدے پر ہو۔ اور جزیرۃ العرب اسلام کے لیے خاص ہو جائے اور اس کا ایک قابلِ اعتماد بنیادی مقام قرار پائے کیونکہ رومی اسلام کے برخلاف مشوروں میں معروف تھے جیسا کہ آگے آرہا ہے۔

تجارتی کساد بازاری کے خدشات

مسلم جماعت میں بعض بہت اچھے لوگ یہ سمجھتے تھے کہ مشرکوں کے خلاف قتالِ عام کی صورت میں ہمارے اقتصادی اور تجارتی تعلقات ختم ہو جائیں گے اور اس کے باعث ہمیں بہت زیادہ نقصان ہوگا اور اس کا اثر موسم حج پر پڑے گا۔ بالخصوص اس لیے کہ اعلان کر دیا گیا تھا کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے اور مشرکوں کو مساجد اللہ کی تعمیر اور خدمت کی اجازت نہیں ہے۔ وہ سمجھتے تھے کہ ان مقاصد کو صلح و صفائی کے آہستہ رو طریقوں سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ ان تمام مصلحتوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے چاہتا تھا کہ اسلامی جماعت اور معاشرے کا باہم ملانے والا ذریعہ فقط عقیدہ ہو جو مومن قلوب میں دیگر تمام ذرائع سے زیادہ اور اولین حیثیت رکھتا ہو۔ قرابت داری اور دوستی، منافع اور مصالح ثانوی چیزیں رہ جائیں جنہیں بوقتِ ضرورت قربان کیا جا سکے۔ اللہ تعالیٰ ان میں یہ عقیدہ بھی پختہ کرنا چاہتا تھا کہ رزاق فقط اللہ تعالیٰ کی ذاتِ واحد ہے۔ اور جن چیزوں کی طرف تمہارا دھیان ہے یہ محض ظاہری اسباب ہیں اور اسباب ان کے علاوہ اور بھی ہو سکتے ہیں، صرف یہی نہیں۔

ضعیف الایمان، متردّد اور منافق

اسلامی جماعت کے اندر اس وقت وہ لوگ بھی موجود تھے جو ایک فوری واقعہ اور سبب کے باعث اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہو گئے تھے، مگر تاحال وہ اسلامی رنگ میں رنگے نہیں تھے۔ یہ بعض کمزور ایمان کے لوگ، مؤلفۃ القلوب، متردّد اور منافق لوگ تھے۔ یہ لوگ واقعی مادی نقصانات کے خدشوں میں مبتلا تھے کہ اگر مشرکین کے ساتھ قتالِ عام کا اعلان ہوا تو ہمیں بہت سے معاشی، تجارتی اور معاشرتی نقصانات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ جان و مال کی قربانی دینی پڑے گی، اقرباء اور دوستوں کو چھوڑنا پڑے گا، ان کے قلوب میں ان خدشات کا کوئی جواب نہ تھا۔ وہ اسلام کا غلبہ، فتح کی رونق اور لوگوں کی چہل پہل دیکھ کر اسلام میں آ داخل ہوئے تھے، ان کی نظر میں کسی مشقت کے بغیر یہ ایک نفع آور سودا تھا۔ بالفاظِ دیگر وہ اسلام کی تکالیف اور مشقتوں سے سروکار نہ رکھتے تھے۔ مگر اللہ تعالیٰ دلوں کی صفائی اور مسلم صف کی چھانٹی چاہتا تھا، اس کا تو مسلمانوں سے یہ ارشاد ہے کہ:

"کیا تمہارا خیال یہ ہے کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے، حالانکہ ابھی تک اللہ نے تم میں سے مجاہدوں کو اللہ، اس کے رسولؐ اور ایمانداروں کے سوا کسی کو دلی دوست نہ بنانے والوں کو ظاہر نہیں کیا اور اللہ تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔"

فتح مکہ کے بعد مخلوط مسلم معاشرے میں ان مختلف خیالات و میلانات کا تقاضا یہ ہوا کہ وہ متصل طویل بیان نازل ہو جو مختلف اسالیب بیان اور اشارات کا حامل ہے تاکہ دلوں کے اندرونی خیالات کا مداوا کیا جائے۔ اور مسلم صف کے اندر جو خلل اور کھوکھلا پن پیدا ہو گیا تھا اسے دور کیا جائے، شکوک و شبہات کو دور کیا جائے، حتیٰ کہ جو شبہات بعض مخلص مسلمانوں کے دلوں میں پیدا ہو رہے تھے ان کا قلع قمع کیا جائے اس کا یہ تقاضا تھا کہ سورۃ کو اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف سے مشرکوں سے برارت کے اعلان عام کے ساتھ شروع کیا جائے۔ اور اس برارت کو مکرر لایا جائے۔ حتیٰ کہ کسی مومن کے دل میں ایسی قوم کے ساتھ کوئی تعلق باقی نہ رہ جائے جس سے کہ اللہ اور اس کا رسولؐ بری ہو چکے ہوں۔ چنانچہ پہلی آیت میں فرمایا گیا کہ :

"اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف سے برارۃ ہے ان مشرکوں کی طرف جن سے تم نے معاہدے کیے تھے"

اور تیسری آیت میں فرمایا ہے کہ :

"اور اعلان عام ہے اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف حج اکبر کے دن (۱۰ ذی الحجہ کو) کہ اللہ اور اس کا رسولؐ مشرکوں سے بری ہیں"

اور اس کا یہ تقاضا بھی تھا ایمانداروں کے دلوں کو اطمینان دلایا جائے اور مشرکوں کو خوف دلایا جائے کہ اللہ تعالیٰ کافروں کو ذلیل کرنے والا ہے۔ اور منہ پھیرنے والے اللہ کو تھکانے والے نہیں ہیں اور اس کے عذاب سے بچ نہ سکیں گے۔ فرمایا :

"پس تم زمین میں چار ماہ تک چل پھر لو اور جان لو کہ تم اللہ کو تھکانے والے نہیں ہو اور بلاشبہ اللہ کافروں کو رسوا کرنے والا ہے"

"پس اگر تم توبہ کر لو تو تمہارے لیے بہتر ہے اور اگر تم منہ پھیر لو تو جان لو کہ تم اللہ کو عاجز کرنے والے نہیں ہو، اور کافروں کو .... عذاب الیم کی بشارت دے دو"

اور اس کا یہ تقاضا بھی تھا کہ اس بات کی برائی بیان کی جائے کہ مشرک اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک بدعہد ہیں۔ سوائے ان لوگوں کے جو عہد پر قائم رہے، سو ان کے عہد کی مدت پوری کی جائے گی، ایمانداروں کو یہ تذکیر بھی کی گئی کہ مشرک ان کے بارے میں کسی عہد کا پاس نہیں کرتے اور قدرت پا کر کسی بُرے فعل سے بھی نہیں جھجکتے۔ ان کا کفر و کذب اس موودت سے ظاہر ہے۔ جو وہ احیاناً مسلمانوں کی قوت کے سبب سے ظاہر کرتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا ہے :

"مشرکوں کا کوئی عہد اللہ کے نزدیک اور اس کے رسولؐ کے نزدیک کیونکر ہو سکتا ہے؟ سوائے ان لوگوں کے جن سے تم نے مسجد حرام کے پاس عہد کیا، سو جب تک وہ تمہارے لیے سیدھے رہیں، تم ان کے ساتھ سیدھے رہو، بلاشبہ اللہ متقین کو پسند کرتا ہے۔ تم کیونکر ان پر اعتماد کر سکتے ہو، حالانکہ اگر وہ تم پر غالب آئیں تو تمہارے متعلق کسی قسم اور ذمہ داری کا لحاظ نہ کریں گے۔ وہ تم کو اپنے منہ سے راضی کرنا چاہتے ہیں۔ اور ان کے دل انکار کرتے ہیں۔ اور ان میں سے اکثر فاسق ہیں۔ انہوں نے اللہ کی آیات کے بدلے تھوڑا

مول خریدا، پس انہوں نے اس کی راہ سے روکا، بیشک وہ جو کچھ کرتے تھے وہ بہت بُرا ہے وہ کسی مومن کے متعلق کسی قسم اور ذمہ داری کا لحاظ نہ کریں گے اور وہی لوگ حد سے گزرنے والے ہیں۔ (۹ ــــــــ ۱۰)

اور اس کا یہ تقاضا بھی تھا کہ مسلمانوں کے دلوں میں تلخ یادیں اُبھاری جائیں اور غیظ و غضب اور انتقام اور دلوں کو ٹھنڈا کرنے کے جذبات پیدا کیے جائیں جو ان کے دشمنوں، اللہ کے دشمنوں اور اللہ کے دین کے دشمنوں کے خلاف ہوں۔ اس سلسلے میں فرمایا ہے کہ:

"تم ان لوگوں سے کیوں قتال نہیں کرتے ہو، جنہوں نے اپنی قسمیں توڑیں اور رسول کو نکالنے کا ارادہ کیا اور تم پر پہل کی، کیا تم ان سے ڈرتے ہو؟ پس اللہ ہی اس کا زیادہ حق دار ہے کہ تم اس سے ڈرو اگر تم مومن ہو، تم ان سے قتال کرو، اللہ ان کو تمہارے ہاتھوں سے سزا دے گا اور انہیں رسوا کرے گا، اور ان کے خلاف تمہاری مدد کرے گا اور مومنوں کے دل ٹھنڈے کرے گا اور ان کا غیظ دور کرے گا اور جسے چاہے گا توبہ کی توفیق دے گا، اور اللہ خوب جاننے والا ہے بہت دانا ہے۔" (۱۳ ــــــــ ۱۵)

کامل امتیاز اور جدائی

اور اس امر کا تقاضا یہ تھا کہ عقیدے کی بنیاد پر کامل امتیاز قائم ہو اور قرابت و مصلحت دونوں کے جذبات کا مقابلہ کیا جائے، اور ان میں اور اللہ، اس کے رسول اور خدا کی راہ میں جہاد میں انتخاب کا حکم دیا جائے اور یہ کہ مسلمانوں کو دوراہے پہ لا کر کھڑا کیا جائے۔ چنانچہ فرمایا گیا ہے:

"اے ایمان والو! اپنے باپوں اور اپنے بھائیوں کو دلی دوست مت بناؤ، اگر وہ کفر کو ایمان پر پسند کریں۔ اور تم میں سے جو ان کا ساتھ دے گا تو وہی لوگ ظالم ہوں گے کہو کہ اگر تمہارے باپ، تمہارے بیٹے، تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارے خاندان، اور جو مال تم نے جمع کیے ہیں، اور جس تجارت میں مندے کا تمہیں خوف ہے، اور مکانات جنہیں تم پسند کرتے ہو، تم کو اللہ سے اور اس کے رسول سے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ عزیز ہیں تو تم انتظار کرو حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم لائے، اور اللہ فاسق لوگوں کو راہ نہیں دیتا۔"

نصرتِ الٰہی کی تذکیر

اور اس کا تقاضا یہ بھی تھا کہ ان میں بہت سی جگہوں پر اللہ کی نصرت کی تذکیر کی جائے، اور قریب ترین موقع جنگِ حنین کا تھا جس میں ان کو شکست ہوئی تھی تو اللہ کے سوا ان کی کسی نے مدد نہ کی۔ اس نے اپنے لشکر سے ان کی مدد کی اور اپنے رسول کو ثابت قدم رکھا۔ فرمایا:

"اللہ نے بہت سی جگہوں پر تمہاری مدد کی ہے اور جنگِ حنین میں بھی، جب کہ تمہاری

Marfat.com

کثرت نے تم کو بہت خوش کیا مگر وہ تمہارے کسی کام نہ آئی - اور زمین فراخ ہونے کے باوجود تم پر تنگ ہو گئی، پھر تم منہ پھیر کر بھاگ نکلے - پھر اللہ تعالیٰ نے اپنا سکون اپنے رسولؐ پر اور ایمانداروں پر نازل فرمایا، اور وہ لشکر اتارے جن کو تم نے نہ دیکھا اور کافروں کو عذاب دیا اور کفر کرنے والوں کی یہی جزا ہے۔

رزق اللہ کے سپرد ہے

اور اس کا آخری تقاضا یہ تھا کہ اس نے مسلمانوں کو رزق کی جانب سے اطمینان دلایا - وہ اس ضمن میں موسم کے مندے اور تجارت کے تعطل سے ڈرتے تھے - اور انہیں یہ یاد دلایا کہ رزق اللہ کی مشیت پر موقوف ہے نہ کہ ان کے گمان کے مطابق ان ظاہری اسباب کے ساتھ - فرمایا:

"اے ایمان والو! بلاشبہ مشرک پلید ہیں - لہٰذا وہ اس سال کے بعد مسجدِ حرام کے قریب نہ آنے پائیں، اور اگر تم کو مفلسی کا ڈر ہے تو اگر اللہ نے چاہا تو وہ تم کو اپنے فضل سے غنی کر دے گا - بلاشبہ اللہ بہت عالم بہت دانا ہے"

خلاصۂ مضمون بالا

یہ سب تاکیدات و تقریرات اور یہ اشارات و ترغیبات جیسا کہ اوپر بیان ہوا، فتح مکہ کے بعد والے مسلم معاشرے کی حالت بتاتی ہیں - اس وقت نئے عناصر مسلم جماعت میں داخل ہو چکے تھے - ان نئی افواج کے اندر آنے سے بہت تیز وسعت پیدا ہوئی، مگر یہ افواج اسلامی رنگ میں رنگی ہوئی نہ تھیں، اگر مدینہ کی مسلم جماعت طویل عرصے اور طویل تربیت سے مضبوطی، خلوص اور روشنی کے مقام تک نہ پہنچ چکا ہوتا تو یہ نئے مظاہر اسلام کے وجود کے لیے ایک عظیم خطرہ بن سکتے تھے - اب اتنے پر اکتفا کرنے کے بعد ہم تفصیلی تفسیر کی طرف توجہ کرتے ہیں - پہلی چھ آیات کا ترجمہ یہ ہے:

اعلانِ برارت!

"اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کی طرف سے ان لوگوں کی طرف برارۃ کا اعلان ہے جن سے تم نے معاہدہ کیا تھا، پس تم زمین میں چار ماہ تک چل پھر لو اور جان لو کہ تم اللہ کو عاجز کرنے والے نہیں ہو اور بلاشبہ اللہ کافروں کو رسوا کرنے والا ہے، اور اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف سے لوگوں کی طرف حجِ اکبر کے دن (۱۰ ذی الحجہ کو) اعلانِ عام ہے کہ اللہ اور اس کا رسولؐ مشرکوں سے بری ہیں - پس اگر تم توبہ کرو تو وہ تمہارے لیے بہتر ہے اور اگر تم نے منہ پھیرا تو جان لو کہ تم اللہ کو عاجز کرنے والے نہیں ہو، اور کافروں کو دردناک سزا کی بشارت دے دو سوائے ان لوگوں کے جن مشرکوں سے تم نے معاہدہ کیا، پھر انہوں نے تم سے کچھ کمی نہ کی اور تمہارے خلاف کسی کی مدد نہ کی تو ان کا عہد اس کی مدت پورا کرو۔

Marfat.com

بلاشبہ اللہ متقین کو پسند کرتا ہے۔ پھر جب پابندی کے مہینے گزر جائیں تو مشرکوں کو قتل کر دو جہاں بھی انہیں پاؤ، اور ان کو پکڑو اور گھیرو اور ہر گھات میں ان کے لیے بیٹھو پھر اگر وہ توبہ کریں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں تو ان کا راستہ چھوڑ دو۔ بیشک اللہ غفور ہے رحیم ہے۔ اور اگر کوئی مشرک تم سے پناہ مانگے تو اسے پناہ دے دو۔ حتیٰ کہ وہ اللہ کا کلام سن لے۔ پھر اس کو اس کے ٹھکانے پر پہنچا دے۔ یہ اس لیے کہ وہ ایک نادان قوم ہے۔"

خلاصۂ آیات

یہ آیات اور ان کے بعد آیت ۲۸ تک کی آیات ان دو معاشروں کے درمیان تعلقات کی حد بندی کے لیے نازل ہوئی تھیں:

ل۔ اسلامی معاشرہ جس کا وجود مدینہ منورہ میں اور جزیرۂ عرب میں بالعموم قائم ہو چکا تھا۔

ب۔ مشرکوں اور دیگر غیر مسلموں کی جماعتیں جو اسلام میں داخل نہ ہوئی تھیں، ان میں سے بعض عہد شکن تھے۔ جنہوں نے جنگ تبوک کے موقعہ پر عہد توڑے تھے۔ کیونکہ ان کے خیال میں اہل روم مسلمانوں پر ———— معاذ اللہ ———— غالب آنے والے تھے، اسلام کو مٹانے والے یا یا کم از کم اس کی شوکت کو ضعیف کرنے والے تھے، اور اس طرح مسلمانوں کا زور ———— بزعم ایشان ———— ٹوٹنے والا تھا، اور بعض نے مسلمانوں کے ساتھ عہد نہ کیا تھا، لہٰذا وہ عہد شکن نہ تھے۔ اور بعض وہ تھے جن کا محدود یا غیر محدود عہد تھا، اور انہوں نے اس کو توڑا نہ تھا۔ نہ مسلمانوں کے خلاف ان کے کسی دشمن کی مدد کی تھی۔ پس ان سب فریقوں کے بارے میں تعلقات کی آخری حد بندی ان آیات سے کی گئی۔ اس پر کچھ گفتگو اس سے قبل بھی ہو چکی ہے۔ ان آیات کا اسلوب بیان اور طرز ادا ایک اعلانِ عام کی حیثیت رکھتا ہے۔ ان کا اسلوب اور تعبیر ان کے موضوع اور اس کی فضا کے عین مطابق ہے۔ جیسا کہ تعبیر کے بارے میں قرآن کا طریقہ ہے۔

حدیث و سیرت کی روایات

اس اعلان اور اس کے متعلقات کے بارے میں کئی روایات وارد ہوتی ہیں، ان میں سے صحیح تر اور اس زمانے اور ماحول کے حالات کے قریب تر ابن جریر طبری کی روایت ہے۔ ہم اس کے وہ حصے نقل کرتے ہیں جو ہمارے موضوع کے متعلق ہیں اور تحقیق سے صحیح معلوم ہوتے ہیں۔ مجاہدؒ کی روایت میں ہے کہ برارۃ کی پہلی آیت کے متعلق عہد کرنے والے مشرکوں کے متعلق ہے، ان میں سے بنی مدلج تھے اور دیگر بہت سے عرب، مجاہد نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تبوک سے فارغ ہو کر واپس ہوئے تو آپؐ نے حج کا ارادہ فرمایا، پھر فرمایا کہ مشرک بیت اللہ کا طواف عریاں ہو کر کریں گے اور میں اس وقت تک نہیں جاؤں گا جب تک کہ یہ کام ختم نہ ہو جائے۔ پس آپؐ نے ابوبکر و علی رضی اللہ عنہما کو بھیجا جو ذی المجاز کے میلے اور مشرکوں

Marfat.com

کے دیگر تجارتی مراکز میں گھومے اور سب کو بتایا کہ معاہدین کا عہد چار ماہ تک قائم ہے، یعنی ذی الحجہ کے آخر سے لے کر ربیع الآخر کی دس تاریخ تک، پھر ان کا کوئی عہد نہ ہوگا، اور ایمانداروں کے سوا باقی سب کے لیے اعلانِ قتال تھا۔ سو سب لوگ ایمان لے آئے اور چار ماہ کی مدت سے کسی نے بحالتِ شرک فائدہ نہ اٹھایا۔

ابن جریر طبری نے مدت کی حد بندی، اس کی ابتداء و انتہاء اور مقصد بیان کرنے کے بعد کہا ہے کہ: ان سب میں سے اُن لوگوں کا قول صحیح تر ہے۔ جنہوں نے کہا ہے کہ: چار ماہ کی مہلت کا تعلق ان لوگوں سے تھا جنہوں نے اپنا عہد توڑ ڈالا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف دوسروں کی مدد کی تھی، جن لوگوں نے عہد نہیں توڑا تھا اور آپ کے خلاف کسی کی مدد نہ کی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کا عہد پورا کرنے کا حکم دیا تھا چنانچہ: الا الذین عاھدتم الخ میں یہی فرمایا گیا ہے (آیت : ۴)

اگر کوئی شخص یہ گمان کرے کہ سورۂ توبہ کی آیت : ۵ : فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم ہمارے قول کے خلاف پر دلالت کرتی ہے، کیونکہ اس کا مطلب یہ نظر آتا ہے کہ پابندی کے مہینے گزر جانے کے بعد مسلمانوں پر ہر مشرک کو قتل کر دینا فرض ہے۔ تو اس کا یہ خیال غلط ہے۔ اگلی آیت ہمارے قول کی تصدیق اور اُس کے خیال کا ردّ کرتی ہے: ہر عہد والے مشرک کے قتل کا حکم نہ تھا اور نہ ان لوگوں کا جن آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی عہد نہ تھا۔ وہ آیت یہ ہے کہ:

"سوائے ان لوگوں کے جن سے تم نے مسجد حرام کے قریب عہد کیا تھا، پس وہ جب تک اس پر قائم رہیں تم بھی قائم رہو (آیت : ۷)

یعنی جن لوگوں نے عہد نہیں توڑا، نہ تمہارے دشمن کی مدد کی ان کا عہد پورا کرو۔ (خواہ وہ کتنی مدت کا ہو۔)

بہت سی احادیث کا مضمون ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علیؓ کو معاہدوں کے متعلق اعلان کرنے کے لیے بھیجا تو ان کے اعلان میں یہ بھی تھا کہ:

"جن لوگوں کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عہد ہے، وہ مدتِ عہد تک نبھایا جائے گا۔"

پس یہ ہمارے قول کی بڑی واضح دلیل ہے ہر قوم کے عہد کے ختم کرنے کا اعلان نہیں کرایا گیا تھا۔ بلکہ صرف عہد شکنوں اور دشمنوں کی مدد کرنے والوں کا عہد ختم کیا گیا تھا۔

ابن جریرؒ نے ایک اور جگہ معاہدوں کے بارے میں روایات پر کلام کرتے ہوئے کہا ہے کہ:

"ان احادیث نے اور ان کی نظیروں نے ہمارے قول کی صحت پر دلالت کی ہے کہ جن لوگوں کا عہد ایک مدت تک تھا اور انہوں نے عہد شکنی نہ کی تھی، نہ اعدائے اسلام کی مدد کی تھی تو اللہ تعالیٰ ان کے عہد کو پورا کرنے کا حکم دیا تھا۔ قرآن کے ظواہر اور احادیث کا یہی مضمون ہے۔"

بعض ضعیف روایات اور وہ احادیث جن کے وضع کرنے کا باعث حضرت علیؓ اور معاویہؓ کے طرفداروں کی سیاسی رقابت تھی، یا وہ شیعہ اور اہلِ سنت کی چپقلش کا نتیجہ تھیں، ان کو اگر ہم چھوڑ دیں تو یہ کہنا بالکل درست ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرضیتِ حج کے سال اس ناپسندیدگی کی بناء پر حج نہیں

کیا کہ مشرک کعبہ کا طواف ننگے ہو کر کرتے تھے۔ اور آپؐ نے اس سال ابوبکر رضی اللہ عنہ کو امیر حج بنا کر بھیجا تھا پھر اس کے بعد سورۃ توبہ کی ابتدائی آیات اتریں جن میں دے کر آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو بھیجا تا کہ حج کے موقعہ پر ان آیات کا اعلان کریں۔

امام ترمذی نے اپنی جامع میں حضرت علیؓ کی ایک روایت درج کی ہے کہ: جب سورۃ براءت اتری تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے چار چیزوں کا حکم دے کر بھیجا: کوئی ننگا کعبۃ اللہ کا طواف نہ کرے اس سال کے بعد کوئی مشرک بیت اللہ کے قریب نہ بھٹکے، جن لوگوں کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کوئی محدود و موقت عہد ہو تو وہ عہد قائم ہے۔ اور یہ کہ جنت میں مسلم جان کے سوا کوئی داخل نہ ہو گا۔ اور یہ حدیث اس باب کی صحیح ترین روایت ہے۔

پہلی آیت کی تفسیر

پہلی آیت میں فرمایا گیا ہے کہ:

"اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف سے ان مشرکوں سے بیزاری کا اعلان ہے جن سے تم نے معاہدہ کیا تھا۔"

یہ اعلانِ عام اس بلند تاثیر کے ساتھ اس وقت کے مسلمانوں اور مشرکوں کے درمیان سارے جزیرۂ عرب میں براءت اور بیزاری کا اعلان عام ہے، کیونکہ جن معاہدوں کی طرف اس میں اشارہ ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور مشرکین کے درمیان ہی تھے۔ یہ اعلان مشرکوں کے متعلق ہر مسلمان کے موقف کو واضح کرتا ہے۔ اور اس کے بعد کسی مومن کے دل میں کوئی واپسی کا خیال یا تردد باقی نہیں رہتا۔

چار ماہ کی مہلت

دوسری آیت میں فرمایا گیا ہے کہ:

"پس تم زمین میں چار ماہ تک چل پھر لو اور جان لو کہ تم اللہ کو تھکانے والے نہیں ہو، اور اللہ کافروں کو رسوا کرنے والا ہے۔"

یعنی مشرکوں کو اپنے کام کاج، حسابات، معاملات وغیرہا کے لیے چار ماہ کی مہلت دی گئی انہیں غفلت میں نہیں پکڑا گیا۔ اگر ان کا کوئی عہد ہے تو انہیں اس کے اختتام تک امن و امان ہے۔ یہاں تک کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایمانداروں سمیت جنگ تبوک کے لیے باہر تشریف لے گئے تھے، تو جن کافروں نے اس موقع کو غنیمت جان کر حیلے بہانے سے عہد توڑ دیئے اور کہا کہ آنجنابؐ یا آپؐ کے ساتھی اب صحیح و سلامت گھروں کو واپس نہ آئیں گے، بلکہ رومیوں کے قیدی بن جائیں گے۔ اور ان کی یہ عہد شکنی ایک طویل عہد کے بعد ہوتی تھی۔ اور بار بار کے تجربوں نے واضح کر دیا تھا کہ مشرکوں کے عہد پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا، اور یہ یقین ہو گیا تھا کہ وہ لوگ مسلمانوں سے بہر صورت قتال کریں گے، حتیٰ کہ اگر ان سے ہو سکے، تو مسلمانوں کو ان کے دین سے ہٹا دیں گے اور پھر یہ حکم اس زمانے میں دیا گیا جب کہ سب انسان جنگل کے قانون

Marfat.com

کے سوا کسی اور قانون کو نہ جانتے پہچانتے تھے۔ مختلف قوموں اور معاشروں کے اندر یہی چیز کارفرما تھی کہ اگر قوت ہو تو جنگ چھیڑی جائے اور اگر ایسا نہ ہو سکے تو پھر خاموشی اختیار کی جاتی تھی۔ جنگ ہمیشہ اعلان اور آگاہی کے بغیر ہوتی تھی۔ کسی عہد کی پابندی کا سوال نہ تھا۔ پس جنگ پر قدرت ہو اور اس کا موقع میسر آجائے تو جنگ چھیڑنا جائز بلکہ ضروری تھا۔ یہ صرف اسلام تھا جس نے قاعدے، قانون، ضابطے اور جنگ و صلح کے آداب بتائے تھے۔ لہٰذا مشرکوں کو یک لخت نہیں پکڑا گیا، بلکہ انہیں مہلت دی گئی تاکہ وہ فیصلہ کر سکیں کہ انہیں کیا کرنا ہے۔

مگر اس مہلت کے ساتھ ساتھ ان کے دلوں میں زلزلہ افگنی کی گئی ہے کہ وہ اپنی جولت پھرت اور تیاری میں اللہ کو ہرگز عاجز نہ کر سکیں گے، بھاگ کر بچ نہ سکیں گے۔ اپنے مقدر و محتوم انجام سے ضرور دوچار ہو کر رہیں گے۔ اور اللہ تعالیٰ ضرور انہیں رسوائی سے دوچار کرے گا۔

اللہ اور اس کے رسول ؐ کی طرف سے حتمی اعلان بیزاری

تیسری آیت میں فرمایا گیا ہے کہ:

"اور اللہ اور اس کے رسول ؐ کی طرف سے لوگوں کی طرف حج اکبر کے دن اعلان ہے کہ اللہ اور اس کا رسول ؐ مشرکوں سے بری ہیں، پس اگر تم توبہ کر لو تو وہ تمہارے لیے بہتر ہے اور اگر تم پھر جاؤ تو جان لو کہ تم اللہ کو عاجز کرنے والے نہیں ہو، اور کافروں کو عذاب الیم کی بشارت سنا دو"

یوم الحج الاکبر کے متعلق روایات میں اختلاف ہے کہ آیا وہ یوم عرفہ ہے یا یوم النحر۔ اور صحیح تر روایت یہی ہے کہ وہ یوم النحر ہے۔ اور اذان کا معنیٰ بلاغ ہے یعنی اعلان واطلاع اور اس آیت کے حکم کے مطابق اس سال موسم حج میں یہ اعلان یوم النحر میں کیا گیا، عہد شکن مشرکوں سے اعلانِ براءت کیا گیا اور عہد نبھانے والوں کا استثناء کیا گیا۔ اور استثناء تو بعد میں آیا ہے۔ پہلے بطور اصول اعلانِ براءت ہی کیا گیا، اس کا سبب یہ تھا کہ اہل ایمان اور کافروں کے درمیان تعلقات کی انتہائی صورت یہی تھی۔ اور استثناء تو خاص خاص صورتوں کا تھا، مثلاً ایک مقررہ مدت تک معاہدے والے جنہوں نے عہد شکنی نہ کی تھی۔ وعلیٰ ہذا القیاس۔

توبہ کی گنجائش موجود ہے

مطلق براءت کے اعلان کے باوجود ہدایت کی ترغیب اور ضلالت سے ترہیب کی صورتیں رکھی گئیں۔ چنانچہ اس آیت: ۳ کے آخر میں فرمایا گیا ہے:

"پس اگر تم توبہ کر لو تو وہ تمہارے لیے بہتر ہے، اور اگر تم منہ پھیر لو تو جان لو کہ تم اللہ کو عاجز کرنے والے نہیں ہو، اور کافروں کو دردناک سزا کی خوشخبری سنا دو"

اس ترغیب و ترہیب سے صاف نظر آتا ہے کہ اسلام کے نظام ہدایت میں سب سے پہلی اہمیت ہدایت کو حاصل ہے۔ چنانچہ وہ مشرکوں کو یہ مہلت محض اس لیے نہیں دیتا کہ اچانک حملہ کرنا چاہتا تھا اور غفلت میں

Marfat.com

نہیں پکڑنا چاہتا تھا، بلکہ وہ لوگوں کو تدبر و تفکر کا موقع دے رہا تھا۔ اس وقت کی سیاست یہی تھی کہ عہد و معاہدہ طاق پر لکھ دیا جاتا تھا۔ اور اچانک حملہ کیا جاتا تھا (آج کل بھی عہد شکنی کے لیے بہانے تراشے جاتے ہیں۔ عہد شکنی ہر زمانے کی جاہلیت کا شعار رہا ہے)

مسلم جماعت کی تسلی و اطمینان

پھر اس آیت میں مسلم جماعت کے لیے اطمینان کا سامان بھی موجود ہے، تاکہ بعض کے قلوب میں جو خوف و تردد تھا وہ دور ہو جائے اور انہیں اس بات پر اطمینان ہو جائے کہ یہ تو اللہ کا ایک فیصلہ شدہ معاملہ ہے۔ جس میں کمی بیشی کا امکان نہیں کہ کافر اللہ کو تھکا نہیں سکتے۔ اس تسلی کا بڑا فائدہ یہ تھا کہ مسلمانوں کو یکسوئی حاصل ہو جائے اور وہ دل کی پوری آمادگی کے ساتھ اپنے ضروری فرائض میں لگ جائیں۔

مخصوص حالات کا استثناء

عام قاعدے کے بیان کے بعد مخصوص احوال و ظروف کے لیے استثناء بیان فرمایا گیا۔ اچھے قاعدے اور قانون میں اس قسم کے خاص احوال کے لیے استثناء ہوتے ہیں۔ اور ان کو اس قاعدے کے بہتر اور کامل ہونے کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ یہ استثناء جن لوگوں کے لیے آیا ہے۔ صحیح تر روایت کے مطابق یہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حریف بنو بکر میں سے کچھ لوگ تھے۔ جو حدیبیہ کی صلح میں مشرکوں کے ساتھ شامل ہو گئے تھے۔ اور اس طرح وہ معاہدۂ حدیبیہ میں شامل ہوئے تھے۔ ان کا نسب نامہ یوں آیا ہے: بنو خزیمہ بن عامر، جو بنی بکر بن کنانہ میں سے تھے۔ ان کے بارے میں آیت: ۴ کا ارشاد یوں ہے:

"سوائے ان مشرکوں کے جن سے تم نے عہد کیا، پھر انہوں نے اسے نبھانے میں کوئی کمی نہ کی۔ اور تمہارے خلاف کسی کی مدد نہ کی، پس ان کا عہد تم ان کی مقررہ مدت تک پورا کرو، بلاشبہ اللہ متقین کو پسند کرتا ہے۔"

یہ لوگ بنو بکر کے ساتھ عہد شکنی میں شامل نہ ہوئے تھے، اور نہ انہوں نے بنو خزاعہ پر تعدی کی تھی۔ جس طرح کہ بنو بکر کے باقی قبیلے نے کی تھی۔ خزاعہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیف تھے۔ اور اس عہد شکنی میں قریش بھی بنو بکر کی پشت و پناہ اور ان کے مددگار تھے، یہی واقعہ فتح مکہ کا سبب بنا تھا۔

پس یہ بنو خزیمہ اپنے عہد پر باقی رہے اور شرک پر بھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہاں یہ حکم دیا گیا ہے کہ جب تک وہ لوگ عہد پر قائم رہیں، آپ بھی اپنا عہد نبھائیں۔ اس کی تائید محمد بن عباد بن جعفر کی روایت سے ہوتی ہے۔ جو اُس نے سُدّی سے نقل کی ہے کہ: یہ بنو ضمرہ اور بنو لحیان ہیں جو بنی کنانہ کے دو قبیلے تھے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ: بنو مدلج اور خزاعہ کا عہد تھا۔ جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

"تم ان کا عہد ان کی مدت تک پورا کرو۔"

مگر وہ کہتا ہے کہ بنو خزاعہ فتح کے بعد اسلام میں داخل ہو گئے تھے، اور یہ حکم ان مشرکوں کے ساتھ خاص ہے جو مسلم نہ ہوئے تھے۔ اس کی تائید آیت: ۷ میں آتی ہے کہ:

Marfat.com

"کیونکر ہو سکتا ہے مشرکوں کا کوئی عہد اللہ اور اس کے رسول کے ہاں، سوا ان لوگوں کے جن سے تم نے مسجد حرام کے پاس عہد باندھا تھا۔ پس جب تک وہ تمہارے لیے سیدھے رہیں تم ان کے لیے سیدھے رہو۔ بلاشبہ اللہ متقین کو پسند کرتا ہے۔"

پس یہ قبیلے وہ تھے جنہوں نے کنانہ میں سے مسجد حرام کے پاس صلح حدیبیہ میں عہد کیا تھا پھر مسلمانوں کا کوئی نقصان نہ کیا اور ان کے کسی دشمن کی مدد نہ کی۔ پس استثناء میں اوّل و آخر یہی مراد ہیں جیسی کہ قدیم مفسرین کی رائے ہے۔ شیخ سید رشید رضا نے بھی یہی قول اختیار کیا ہے۔ استاذ عزہ دروزہ کا خیال یہ ہے کہ مسجد حرام کے پاس معاہدہ کرنے والے ان دو قبائل کے علاوہ اور لوگ تھے، پہلا استثناء کسی اور کے لیے ہے۔ اور اس سے مراد یہ لوگ نہیں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ عزہ دروزہ مسلمانوں اور مشرکوں کے درمیان دائمی معاہدوں کے جواز کا قائل تھا۔ لہٰذا اس نے اس ارشاد: **فما استقاموا لکم فاستقیموا لھم** سے یہ استدلال مؤید کرنے کی سعی کی ہے۔ مگر جیسا کہ ہم نے بارہا کہا ہے یہ بات اسلامی مؤقف کی فطرت سے، اسلامی نظام کی فطرت سے اور دین کی فطرت سے بہت بعید ہے۔

وفاداری بشرطِ استواری!

اسلام نے ان وعدہ وفا لوگوں کے ساتھ پوری وفا کی اور انہیں چار ماہ کی مہلت نہیں دی، بلکہ ان کی مہلت ان کی مدت تک تھی۔ جب کہ دوسرے کافروں کو چار ماہ کی مہلت دی گئی تھی، کیونکہ انہوں نے وعدہ وفائی میں کمی نہ کی تھی، اور نہ کسی مسلمانوں کے دشمن کی مدد کی تھی۔ حالانکہ اس وقت اسلام کے لیے بطور ایک تحریک کے ضروری تھا کہ اپنے مرکز یعنی جزیرۂ عرب کو شرک سے پاک کر دے اور اس کو اپنا ایک پُرامن مرکز اور بنیاد بنائے۔ جزیرہ کی حدود پر دشمنانِ اسلام نے اسلام کا خطرہ بھانپ لیا تھا، اور اس پر نقل و حرکت شروع کر دی تھی، جیسا کہ غزوۂ تبوک کے اسباب سے عیاں ہے۔ اس سے پہلے غزوۂ موتہ میں بھی اس کا ثبوت مل گیا تھا، علاوہ ازیں یمن میں رومیوں اور فارسیوں کا اس امر کا اتفاق ہو چکا تھا کہ دونوں مل کر اس نئے دین کے خلاف کارروائی کریں گے۔

استثناء کا نتیجہ!

جیسا کہ حافظ ابن القیمؒ نے کہا ہے، یہ لوگ جن کو اللہ تعالیٰ نے مستثنیٰ کیا تھا اور ان کے عہد کو پورا کرنے کا حکم دیا تھا، اسلام میں داخل ہو گئے، اور ان کے عہد کو مدت گزرنے سے پہلے ہی یہ واقعہ پیش آگیا۔ بلکہ وہ لوگ جو عہد توڑتے رہے تھے اور ان کے علاوہ دوسرے لوگ بھی داخل اسلام ہو گئے تھے۔ اللہ عالم الغیب والشہادۃ جو خود اس دعوت کا نگران تھا، جانتا تھا کہ اب آخری ضرب لگانے کا وقت آچکا تھا اور زمین اس کے لیے تیار تھی اسے یہ بھی معلوم تھا کہ اس اعلان کا نتیجہ کیا ہوگا، چنانچہ عین مناسب وقت پر جب یہ آپریشن کیا گیا تو سب حالات اسلام کے حق میں استوار ہو گئے۔

Marfat.com

وعدہ وفائی

اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں وفائے عہد کو اللہ کے تقویٰ کے ساتھ معلق فرمایا ہے :

"پس ان کا عہد ان کی مدت تک پورا کرو ، بیشک اللہ متقین کو پسند کرتا ہے۔"

گویا بالفاظِ دیگر وعدہ وفائی ایک عبادت ہے جسے اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے۔ اسلام میں اخلاق کی بنیاد یہی تقویٰ ہے۔ نفع اور مصلحت پیشِ نظر نہیں رکھی گئی ، بلکہ خوفِ خدا کو بنیاد ٹھہرایا گیا ہے۔ اسی طرح عہد کی بنیاد عرفِ عام اور اصطلاح کو نہیں بتایا گیا جو دم بدم بدلتے رہتے ہیں۔ مسلمان اس کو تقویٰ اور عبادت سمجھ کر اختیار کرتا اور ادا کرتا ہے۔ اسلام کے نزدیک اخلاق کی ضرورت زندگی کے ہر شعبے میں ہر وقت رہتی ہے۔ اخلاق کی بنیاد یہی تقویٰ ہے۔ بلکہ قرآن نے تو تقریباً ہر امر و نہی کے ساتھ ساتھ اخلاق حسنہ کا حکم بھی دیا ہے۔ اور اس کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ اس میں بندوں کا بھلا اور ان کے حق کی ادائگی ہے۔ اور دین کے نزدیک حق العباد نہایت ضروری ، بلکہ بعض حالات میں حق اللہ سے بھی مقدم ہوتا ہے۔ برارت کے حکم کے بعد اور اس کی تفصیل بتا کر ، اور وعدہ وفائی کرنے والوں کا استثناء کر کے ان لوگوں کے متعلق مسلمانوں کے رویے کی وضاحت فرمائی گئی ہے جو عہد شکن تھے اور ان کو چار ماہ کی مدت کی مہلت دی گئی تھی۔

پابندی کے چار ماہ گزرنے کے بعد کیا کیا جائے ؟

فرمایا ہے کہ :

"پس جب حُرمت کے مہینے گزر جائیں تو مشرکوں کو جہاں پاؤ ان کو قتل کرو اور ان کو پکڑ لو اور ان کو گھیر لو اور ان کے لیے ہر گھات میں بیٹھو۔ پس اگر وہ توبہ کریں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں تو ان کا راستہ چھوڑ دو ، بلاشبہ اللہ تعالےٰ غفور رحیم ہے۔" (آیت : ۵)

اس بارے میں اقوال مختلف ہیں کہ یہاں پر اللہ تعالیٰ کے اس قول "الاشہر الحرم" سے کیا مراد ہے آیا یہ اصطلاحی حرمت کے مہینے ہیں یعنی : ذوالقعدہ ، ذوالحجہ ، محرم اور رجب اور اس بناء پر ۱۰ ذی الحجہ کو اس براءت کا اعلان کرنے کے بعد ذوالحجہ کا بقیہ یعنی ۲۰ دن اور محرم یعنی ۳۰ دن ، کل پچاس دن باقی رہ گئے تھے ، یا یہ چار مہینے یوم النحر سے شروع ہوتے تھے اور ان کی انتہاء ۲۰/ ربیع الآخر تھی۔ یا پہلی مدت عہد شکنوں کے لیے تھی اور یہ دوسری مدت ان کے لیے تھی جن کا کوئی عہد نہ تھا یا ان کا عہد تھا مگر غیر موقت تھا!

ہمارے نزدیک صحیح تر یہ ہے کہ یہاں اشہر حرم سے مراد اصطلاحی حُرمت کے مہینے نہیں ہیں ، بلکہ چونکہ اس موقع پر ان مہینوں میں قتال کو حرام فرمایا گیا۔ لہٰذا ان کو الاشہر الحرم فرمایا گیا تاکہ اس مرحلے میں مشرکوں کو کھلے بندوں چار ماہ تک چلنے پھرنے کی آزادی رہے۔ پس یہ وصف کے لحاظ سے حُرمت کے مہینے تھے،

Marfat.com

اصطلاحی نہ تھے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو اس آیت میں :

"پس چلو پھر و تم زمین میں چار ماہ تک"

خود ہی چار ماہ کی مہلت عطا فرمائی تو لازماً ان مہینوں کا شمار اس مہلت کے عطا کرنے کے وقت سے ہو گا۔ اور یہی چیز اعلانِ براءت کی طبیعت سے متفق ہے۔ اور چونکہ مشرکوں کو کافی مدت کی مہلت دے دی گئی تھی جس میں وہ اپنے حال اور مستقبل کا فیصلہ کر سکتے تھے اور اپنے گزشتہ کردار پر بھی بخوبی غور کر سکتے تھے۔ لہٰذا اس مدت کے گزر جانے پر ان کی پکڑ دھکڑ اور قتل وغیرہ غدر کی تعریف میں نہیں آتا غدر میں بے وفائی، بدعہدی اور فریب ہوتا ہے جو یہاں بالکل نہیں ہے، اور پھر اس انداز سے غرض یہ نہ تھی کہ انہیں جڑ سے مٹانا مدِنظر تھا۔ بلکہ اب بھی توبہ اور رجوع کی گنجائش رکھ دی گئی۔

توبہ کا دروازہ ابھی کھلا ہے

فرمایا :

"پس اگر وہ توبہ کر لیں اور نماز ادا کریں اور زکوٰۃ دیں تو ان کا راستہ کھلا چھوڑ دو، یقیناً اللہ غفور ہے رحیم ہے۔" (آیت : ۵)

بائیس ۲۲ برس کی مدت گزر چکی تھی کہ انہیں اسلام کی دعوت دی جا چکی تھی اور حق واضح ہو چکا تھا۔ انہوں نے مسلمانوں کو اذیتیں پہنچائیں، دین سے پھیرنے کی کوششیں کیں، ان کے ساتھ جنگ کی، سارے عرب کو اور یہود کو ان کے خلاف اکسایا، مگر دین نے اور اللہ کے رسولؐ نے پھر بھی ان کے ساتھ نرم دلی اور شفقت کا رویہ رکھا۔ یہ ایک طویل تاریخ ہے۔ اس سب کچھ کے باوجود اسلام ان کے لیے اپنی آغوش کھول دیتا ہے بازو پھیلا دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر ناگفتہ بہ ظلم و ستم توڑے جانے کے باوجود یہ اعلان کیا کہ ابھی توبہ کا وقت باقی ہے۔ اگر وہ اسلام کے سامنے جھک جائیں، اس کے فرائض کو ادا کریں تو در گزر کیا جائے گا اور انہیں کچھ نہ کہا جائے گا، کیونکہ کوئی توبہ کرنے والا اللہ کے دروازے سے مایوس نہیں لوٹتا۔

اس آیت میں فقہی اور کلامی گفتگو کی گئی ہے، مگر حق یہ ہے کہ آیت کے سامنے جزیرۂ عرب کے اس وقت کے احوال تھے اس وقت مشرکوں میں سے جو بھی اسلام قبول کرتا، نماز اور زکوٰۃ کا پابند ہو جاتا تو اسے صحیح اور پورا مسلمان سمجھا جاتا تھا، دیگر فرائض اپنے اپنے اوقات پر اس پر فرض ہوتے تھے، مثلاً صیام اور حج۔ اور توبہ سے مراد یہاں کلمۂ توحید و رسالت کا اعلان و اقرار ہے۔

اسلام دین ہدایت ہے نہ کہ دین ابادت

گزشتہ بیان سے یہ واضح ہو گیا کہ اسلام کے پیشِ نظر مشرکوں کو جڑ سے مٹانا نہیں بلکہ انہیں راہِ حق کی ہدایت دینا ہے، جو شخص ہدایت کی طرف جھک جائے، خواہ وہ کتنا بڑا پاپی اور دشمن کیوں نہ ہو، اسے معاف کر دیا جائے گا۔ کفار و مشرکین اسلام کے سائے میں امن و اطمینان کی زندگی بسر کر سکتے ہیں بشرطیکہ ان کا کسی جاہلی طاقت سے تعلق یا ساز باز نہ ہو۔ انہیں پورے تمدنی، اخلاقی، مذہبی، سیاسی اور معاشرتی

Marfat.com

حقوق دیئے جائیں گے۔ دارالاسلام ان کے لیے واقعی امن و سلامتی کا گھر ہوگا۔ پناہ لے کر اگر دشمن بھی آجائے تو اسے اسلام کی تبلیغ کرکے کھلا چھوڑ دیا جائے گا، اور وہ اگر چاہے تو اسے اس کے گھر تک بھی پہنچا دیا جائے گا اللہ تعالیٰ کا اس سلسلے میں یہ ارشاد ہے کہ:

"اگر کوئی مشرک تجھ سے پناہ مانگے تو تو اُسے پناہ دے دے حتیٰ کہ وہ اللہ کا کلام سُن لے، پھر تو اس کو اس کی جائے امن تک پہنچا دے۔ یہ اس لیے کہ وہ جاہل لوگ ہیں۔"

اس سے انسانی قلوب پر اسلام کی عرص معلوم ہوئی کہ وہ ہر ایک کو راہِ حق دکھانا چاہتا ہے۔ لہٰذا اس آیت کی رُو سے دارالاسلام میں امان لے کر آنے والے مشرکوں کو امان دینا واجب ہے کیونکہ اس حالت میں مشرکوں کا اجتماع اور اسلام کے خلاف ان کی جنگ اور سازشوں کا خطرہ نہیں ہوتا، پس انہیں قرآن کو سننے اور دین کی معرفت حاصل کرنے کی مہلت دی جانی چاہیئے۔ ہوسکتا ہے اسلام کے لیے ان کے دل کھل جائیں، اور اگر ایسا نہ بھی ہو تو مسلمانوں پر واجب ہے کہ ان مشرکوں کو ان کے وطن تک بحفاظت پہنچا دیں۔

دارالاسلام کے اندر ان کی یہ امان اور پھر بحفاظت واپسی ایک بہت بلند اور عظیم حکم ہے۔ یہ اخلاق کی ایک بلند چوٹی ہے۔ اسلام میں ایسی بلند چوٹیاں بہت سی ہیں۔ اور یہ ان میں سے ایک ہے۔ دشمن کو پناہ دینا، اسے بحفاظت تمام رکھنا اور پھر بحالت شرک ہی واپس اُس کے وطن تک پہنچا دینا، بڑی ہمت اور حوصلے اور بلند اخلاق کا کام ہے۔ اس ایک حکم سے ہی معلوم ہوسکتا ہے کہ اسلام کی راہ تباہی اور بربادی کی راہ نہیں ہے بلکہ ہدایت کی راہ ہے۔ اور اس کا مقصد یہ ہے کہ اسلام کی خاطر اس کا ایک بنیادی قاعدہ پُرامن بنایا جائے۔ وہ لوگ نہایت جاہل یا متعصب ہیں۔ جو اسلام کو جبر و اکراہ کا دین خیال کرتے ہیں۔ اور وہ متجددین جو اسلام کا نام نہاد دفاع کرتے ہوئے جہاد کے معانی و مقاصد ہی سے مُنکر ہو جاتے ہیں، ان لوگوں کو اسلام کی اس بلند چوٹی کا ذرا معائنہ کرنا چاہیئے کہ،

"اور اگر کوئی مشرک تم سے پناہ مانگے تو اس کو پناہ دے دو تاکہ وہ اللہ کا کلام سُن لے پھر اس کو اس کی جائے امن تک پہنچا دو۔ یہ اس لیے کہ وہ ایک جاہل قوم ہے۔"

معلوم ہوا کہ نہ جاننے والوں کے لیے یہ دین اعلام (دکھانا، بتانا) ہے اور پناہ مانگنے والوں کے لیے پناہ گاہ ہے، حتیٰ کہ اس کے خلاف مسلح جنگ کرنے والوں کے لیے بھی اور عناد رکھنے والوں کے لیے بھی، اور وہ مسلح جنگ کا حکم اس وقت دیتا ہے، جب کہ مادی قوتیں اس کی راہ میں حائل ہوں، اسے آگے بڑھنے سے روکیں۔ اس کا پیغام کائنات کے لیے رحمت و ہدایت ہے اور راستہ روکنے والے انسانیت کو اپنا غلام بنانا چاہتے ہیں۔ غیر اللہ کی عبودیت کو منوانا اور اس کی عبادت کروانا چاہتے ہیں۔ اس رکاوٹ کو دُور کرنا اور تبلیغ حق کی راہ کو صاف کرنا ضروری ہے۔ جب راستہ صاف ہوجائے تو وہ مشرک و کافر افراد کو کچھ نہیں کہتا۔ بلکہ انہیں آزاد چھوڑ دیتا ہے کہ اگر چاہیں تو اسلام لے آئیں اور نہ چاہیں تو اپنے آبائی مذہب پر رہیں۔ صرف یہی شرط ہے کہ اسلام کی راہ میں رکاوٹ کھڑی نہ کریں۔ اب یہ بالکل واضح ہے کہ اس میں کوئی جبر و تشدد اور زبردستی نہیں ہے۔ انسانوں کے بنائے ہوئے ادارے اسی روشنی اور ترقی کے دور میں بھی

Marfat.com

کی مخالفت کو معاف کرنے اور اس کی جان و مال کی حفاظت کی ضمانت دینے پر آمادہ نہیں ہیں۔ اشتراکیت کی مثال ہمارے سامنے ہے، یہ جبر و تشدد کا ایک انتہائی ظالمانہ نظام ہے۔ جو مزدور کسان کے نام سے انسانوں پر مسلط کیا جاتا ہے۔ اس میں کسی کی سوچ کی آزادی بھی باقی نہیں رہتی۔ اس کی ایک اور واضح مثال یہودیت ہے جو انسانیت کے چہرے کا عنک ہے اور اس کی بنیادی نفرت و عداوت اور تعصب پر رکھی گئی ہے اسلام پر اتہام لگانے والے ذرا اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھیں، اور اسلام کا نام نہاد دفاع کرنے والے بھی دفاع کے نام سے اس کی تحریف کرنے سے باز آجائیں۔

عہد شکنوں کے بارے میں!

آیات ۷ ——— ۱۲ میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ:

"اللہ اور اس کے رسول ؐ کے نزدیک مشرکوں کا کوئی عہد کیونکر صحیح ہو سکتا ہے؟ سوائے ان لوگوں کے جن سے تم نے مسجد حرام کے پاس عہد کیا، سو جب تک وہ اس پر مستقیم رہیں تم بھی ان کے لیے درست رہو، بے شک اللہ متقین کو پسند کرتا ہے۔ مشرکوں کا عہد کیونکر ہو سکتا ہے حالانکہ اگر وہ تم پر غالب آجائیں، تو وہ تم میں کسی قسم اور ذمہ داری کا لحاظ نہ کریں گے۔ وہ تم کو اپنے منہ کی باتوں سے خوش کرتے ہیں مگر ان کے دل منکر ہیں۔ اور ان میں سے اکثر فاسق ہیں، انہوں نے اللہ کی آیات کو کم قیمت پر فروخت کیا اور اللہ کی راہ سے روکا، بیشک ان کے اعمال بہت بُرے ہیں۔ وہ کسی مومن کے متعلق قسم یا ذمہ داری کا بالکل لحاظ نہیں کرتے اور وہی حد سے گزرنے والے ہیں، پھر اگر وہ توبہ کریں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں تو تمہارے دینی بھائی ہیں، اور ہم جاننے والوں کے لیے آیات کو کھولتے ہیں۔ اور اگر وہ اپنے عہد کے بعد اپنی قسموں کو توڑ دیں اور تمہارے دین پر طعن کریں تو کفر کے سرداروں سے لڑو، ان کی کوئی قسم نہیں ہے، شاید کہ وہ باز آئیں۔"

گزشتہ آیات کے مجموعے میں جزیرۂ عرب کے اندر مسلم جماعت اور باقی مشرکوں کے درمیان تعلقات کے انتہائی احکام بیان کیے جا چکے ہیں، ان آیات کا خلاصہ یہ ہے کہ سب مشرکوں کے ساتھ صلح و معاہدے کی حالت انتہا کو پہنچ گئی تھی۔ بعض کو چار ماہ کی مہلت دی گئی اور بعض کے معاہدے ان کی مدتِ معاہدہ تک قائم رکھے گئے، ان احکام کے بعد معاملہ دو حالتوں تک جا پہنچتا ہے:

(۱) توبہ، اقامتِ صلوٰۃ اور ادائے زکوٰۃ۔

(۲) قتال، محاصرہ، پکڑ دھکڑ اور گھات لگانا۔

یہ احکام دینے کے بعد آیاتِ زیرِ نظر میں اللہ تعالیٰ نے بطورِ استفہامِ انکاری یہ فرمایا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ؐ کے نزدیک مشرکوں کا عہد کوئی چیز نہیں، نہ ہو سکتا ہے، چنانچہ آیت: ۷ کا یہی مطلب ہے، اور چونکہ اس استفہامِ انکاری سے یہ سمجھا جا سکتا تھا کہ شاید آیات کے پہلے مجموعے میں جو وعدہ وفائی کرنے والوں اور مسلمانوں کے خلاف کسی دشمن کی مدد نہ کرنے والوں کے عہد کو پورا کرنے کا حکم تھا وہ ان اگلی آیات

Marfat.com

کے ساتھ منسوخ ہو گیا ہے۔ لہٰذا اس قسم کی غلط فہمی کے ازالے کے لیے فرمایا گیا ہے:

"سوائے ان لوگوں کے جن کے ساتھ تم نے مسجد حرام کے پاس معاہدہ کیا تھا، پس جب تک وہ تمہارے لیے درست رہیں تم ان کے لیے درست رہو (یعنی ان کا عہد نبھاؤ) بیشک اللہ متقین کو پسند کرتا ہے۔"

اور ان آیات میں ایک مزید بیان اور بھی ہے کہ پہلی آیات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جنہوں نے ماضی میں عہد نہیں توڑا، ان کا معاہدہ نبھایا جائے، اور ان آیات میں یہ فرمایا گیا ہے کہ وہ لوگ مستقبل میں بھی اگر عدہ وفائی کی صفت پر قائم رہیں تو ان کے معاہدے قائم رکھے جائیں۔ یہ حکم ان معاملات میں بہت زیادہ باریک بینی پر مبنی ہے، اور اس سے ایک تفسیری مسئلہ بھی حل ہوتا ہے کہ قطعی منطوقات (صریح و واضح) آیات کے معانی کو کسی آیت کے ضمنی مفہوم پر ترجیح ہوتی ہے۔

ان آیات کی وضاحتوں کی غرض کیا ہے؟

قارئین کو یاد ہو گا کہ ہم نے اس سورۃ کے مقدمہ میں اور سورۃ البرارۃ کی ان پہلی آیات کے مقدمہ میں ان حالات وظواہر کا ذکر کیا تھا۔ جو اس وقت مسلم معاشرے میں برپا تھے۔ جب کہ یہ سورۃ اتاری جا رہی تھی اور مشرکین کے بارے میں انتہائی قدم اٹھایا جا رہا تھا، پس بعض لوگوں کے دلوں میں جو تنگی، گھٹن اور تردد پایا جاتا تھا اسے دُور کرنے کے لیے سورۃ برارت نے انہیں مشرکوں کا دلی حال، ان کے مخفی ارادے اور مسلمانوں کے خلاف ان کی نیتیں بتائیں کہ وہ تمہارے متعلق اپنے قلوب میں کوئی نرم گوشہ نہیں رکھتے۔ کسی عہد اور ذمہ داری کا پاس نہیں کرتے۔ ان کے سینے تمہارے بغض و عداوت سے پُر ہیں۔ کسی معاہدے کی پابندی نہیں کرتے، جب بھی موقع پاتے ہیں تمہیں نقصان پہنچانے میں کوئی کمی نہیں کرتے۔ ان کی صلح و صفائی کی صرف ایک صورت باقی ہے کہ وہ توبہ کریں، داخل اسلام ہو جائیں۔ پھر ان کے حقوق و فرائض بالکل مسلمانوں جیسے ہوں گے۔ چنانچہ فرمایا ہے کہ:

"اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک مشرکوں کا کوئی عہد کیونکر ہو سکتا ہے؟"

یعنی جب وہ خالص عبودیتِ الٰہی کا اعتراف نہیں کرتے، اللہ تعالیٰ کے رسول ؐ کی رسالت پر ایمان نہیں لاتے، تو اللہ اور اس کے رسولؐ کے نزدیک ان کے کسی عہد و پیمان کی کیا قیمت ہو سکتی ہے؟ وہ اپنے جیسے بندوں کا نہیں بلکہ خالقِ کائنات اور رازقِ کائنات کا انکار کرتے ہیں۔ لہٰذا ان کے کسی عہد و پیمان کی کیا قیمت رہ جاتی ہے؟ اس استفہامِ انکاری نے اس کیفیت کی طرف متوجہ کیا ہے کہ یہ کوئی محض اتفاق کی بات نہیں ہے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ان مشرکوں کے نزدیک عہد و پیمان ابتداء سے ہی کوئی شئے نہیں۔

ایک اشکال کا جواب:

اُوپر کے بیان پر ایک شبہ یہ وارد ہوتا ہے کہ مشرکوں کے عملاً بعض معاہدے موجود تھے اور ان میں سے بعض کو کچھ شرطوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے نبھانے کا حکم بھی دیا ہے، اور جب مدینہ میں سلطنتِ اسلام کی ابتداء ہوئی تھی تو اس وقت بھی بعض معاہدے کیئے گئے تھے۔ یہود کے ساتھ بھی اور مشرکوں کے ساتھ بھی، اور ۶ھ میں مشرکوں کے

Marfat.com

ساتھ صلح حدیبیہ کا معاہدہ قائم کیا گیا تھا، اور قرآنی سورتوں نے ان معاہدوں کو جائز قرار دیا تھا۔ گویہ بھی حکم دیا تھا کہ اگر کسی غیر مسلم معاہدے سے خیانت کا خوف ہو تو اس کے ساتھ عہد کو علی الاعلان ختم کر دیا جائے۔ پس ان معاہدوں کے باوجود اللہ تعالیٰ نے زیر نظر آیات میں یہ کیوں فرمایا کہ مشرکوں کا کوئی عہد و پیمان نہیں ہے؟ اور اس انکار سے قبل ان پہلے معاہدوں کو کیوں جائز ٹھہرایا گیا؟

اگر غور کیا جائے تو ہم نے جو کچھ سورۂ انفال کے مقدمہ میں اور اس سورۂ براءۃ کے مقدمہ میں بیان کر دیا ہے، اس میں اس شبہے کا جواب موجود ہے۔ وہ معاہدات اپنے اپنے وقتوں میں پیش آمدہ حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے کیے گئے تھے اور اس وقت ان حالات کی مکافات اسی صورت میں ہو سکتی تھی۔ مگر آخری اور انتہائی حکم یہی ہے کہ مشرکوں کا اللہ اور اس کے رسولؐ کے نزدیک کوئی عہد نہیں ہے۔ وہ عہد و پیمان پہلے مرحلوں کے لیے تھے، اسلامی تحریک کو کئی مرحلوں میں سے گزرنا، مگر اس کا مقصد اور ہدف پہلے دن سے یہی تھا کہ زمین میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہ رہے اور دین و عبادت صرف ایک اللہ کی ہو۔ اسلام نے اپنے اس ہدف کا اعلان پہلے دن سے ہی کر دیا تھا اور کسی کو دھوکے میں نہ رکھا۔ پس مسلمانوں کو گو مشرکوں اور یہود کے عہد و پیمان کی اجازت دی گئی مگر اس ہدف کو ہر مرحلے پر پیش نظر رکھا گیا، اور ابتدائی مرحلے جس نتیجے تک پہنچنے والے تھے وہ یہی تھا جس کا اعلان آیاتِ زیرِ تفسیر میں ہوا ہے۔ وہ مرحلاتی معاہدے خود مشرکوں کی طرف سے وقت کی قید سے مقید تھے۔ خود تحریک اسلامی کا اقتضاء یہ تھا کہ مشرک ان معاہدوں کی پرواہ نہ کریں اور ان کو بار بار، یکے بعد دیگرے توڑتے رہیں، بات صرف موقع محل کی تھی، وہ جب بھی موقع پاتے معاہدہ توڑ دیتے تھے۔ یہود نے سب معاہدے توڑے، مشرکوں نے صلح حدیبیہ کو برملا توڑا۔ اللہ تعالیٰ تو مسلمانوں سے ابتداء میں ہی فرما چکا تھا کہ:

"وہ لوگ برابر تم سے قتال کرتے رہیں گے، حتیٰ کہ اگر ان کے بس میں ہو تو تم کو تمہارے دین سے پھیر دیں"

یہ ارشاد دائمی تھا، کسی ایک زمانے کے ساتھ مختص نہ تھا۔

اور اسلام چونکہ صلح و صفائی کا دین ہے، اس لیے اس سب کچھ کے باوجود اس نے مسلمانوں کے ساتھ عہد شکنی نہ کرنے والوں کے معاہدوں کو ان کی مدت تک پورا کرنے کا حکم دیا بشرطیکہ وہ غیر مسلم اپنے معاہدوں کے پابند رہیں یہ جو فرمایا گیا کہ: فما استقاموا لکم فاستقیموا لھم اس کا یہی مطلب تھا، اور یہ لوگ جن کے ساتھ مسجدِ حرام کے پاس معاہدہ کیے جانے کا ذکر ان آیات میں ہے، یہ وہی ہیں جن کا ذکر اوپر کی آیات میں کیا گیا تھا کہ:

"انہوں نے عہد نبھانے میں کمی نہ کی اور تمہارے کسی دشمن کی مدد نہ کی، پس ان کے عہد کو ان کی مدت تک پورا کرو"

بعض جدید مفسرین کا خیال ان کے متعلق درست نہیں ہے۔ صحیح یہی ہے کہ یہ ایک گروہ تھا جس کا ذکر پہلے تو براءۃ کے عموم و اطلاق کی مناسبت سے کیا گیا اور ان کو اس سے مستثنیٰ کیا گیا۔ دوسری مرتبہ ان کا ذکر اس ضمن میں آیا کہ مشرکوں کے عہد کی نفی کی گئی کہ یہ ان کے عقیدے کے خلاف ہے، کیونکہ وہ خدا و رسولؐ کو نہیں مانتے، تو ان کا ذکر اس وہم کو دور کرنے کے لیے ہوا کہ مبادا کوئی پہلے حکم کو منسوخ سمجھ لے۔ اور تقویٰ اور اللہ کی محبت کا ذکر ان دونوں جگہوں میں کیا گیا تاکہ بتایا جائے کہ دونوں جگہ مضمون ایک ہے، اور دوسری نص پہلی کی شرائط کی تکمیل کرتی ہے

Marfat.com

پہلی میں ان لوگوں کے ماضی میں عہد پر قائم رہنے کا ذکر ہے اور دوسری میں مستقبل میں وعدہ وفائی کا بیان ہے۔ دونوں آیتوں کو غور سے باہم ملانے سے یہی معنی نکلتا ہے۔

مشرکوں کو کسی قسم اور ذمہ داری کا لحاظ نہیں

آیات: (۸ ـــــــ ۱۰) میں فرمایا ہے کہ:

"کیونکر ان کا عہد ہو سکتا ہے حالانکہ اگر وہ تم پر غالب آجائیں تو تمہارے متعلق کسی قسم یا ذمہ داری کا لحاظ نہ کریں گے، وہ تم کو اپنے منہ سے راضی کرتے ہیں اور ان کے دل منکر ہیں اور ان میں سے زیادہ تر فاسق ہیں، انہوں نے اللہ کی آیات کے ساتھ تھوڑا مول خریدا، ان کے اعمال بہت بُرے ہیں، وہ کسی مومن کے ساتھ کسی قسم کا اور ذمہ داری کا لحاظ نہیں کرتے۔ اور وہی حد سے گزرنے والے ہیں۔"

مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں کا معاہدہ اس وقت منعقد ہوتا ہے۔ جب کہ یہ عاجز ہوں۔ اور تم پر غلبہ نہ پاسکیں اگر خدانخواستہ یہ تم پر غالب آجائیں تو پھر یہ کسی عہد یا قسم کا لحاظ نہ کریں گے۔ تم پر زیادتی اور ظلم و ستم کرنے میں ہے کوئی حرج محسوس نہ کریں گے، ان کے دلوں میں تمہارے خلاف شدید بُغض ہے اور تم پر زیادتی کرنے میں کسی حد یا قسم یا عہد کا لحاظ نہیں رکھتے۔ عہد شکنی سے صرف اس وقت باز رہتے ہیں، جب وہ ایسا نہ کرسکیں، ان کا عجز انہیں اس سے باز رکھتا ہے نہ کہ شرافت و اخلاق، وہ تمہارے غلبے کے وقت چاپلوسی اور خوشامد کرکے تم کو خوش کرتے ہیں۔ مگر ان کے دلوں میں بُغض و عداوت کی بھٹی جل رہی ہے۔ اس کا سبب ان کا فسق ہے۔ انہوں نے اللہ کے دین اور اس کی آیات پر دنیا کو ترجیح دی، انہیں یہ ڈر تھا کہ اسلام لانے کے باعث ذاتی اور دنیوی منافع حاصل نہ ہوسکیں گے یا اسلام ان کے اموال کو راہِ خدا میں خرچ کرنے کا حکم دے گا، پس وہ یہ سوچ کر اسلام سے پیچھے ہٹ گئے، اس سے خود بھی رکے اور دوسروں کو بھی روکا۔ یہ ان کے بُرے افعال ہیں جنہوں نے ان کو عہد شکنی اور بے لحاظی جیسی برائیوں پر آمادہ کیا ہے۔ ان کے دلوں میں ہر مسلم کے خلاف بُغض ہے، وہ اپنے بُغض و انتقام کو ہر مومن کے خلاف بروئے کار لاتے ہیں۔ یہ بُغض صرف ایمان کے باعث ہے جسے وہ برداشت نہیں کرتے۔ تاریخ نے یہی سبق دیا ہے، کہ ہر دور کے مسلم و مومن انسانوں کے خلاف دشمنوں کا یہی رویہ رہا ہے۔ فرعون نے جب جادوگروں کے اعلانِ ایمان پر سٹپٹا کر انہیں موت کی دھمکیاں دیں تو ان کا قول یہ تھا کہ:

"تو ہم سے عداوت اس لیے رکھتا ہے کہ اللہ کی آیات جب ہمارے پاس آئیں تو ہم ان پر ایمان لے آئے۔"

اور اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کے حکم سے اہلِ کتاب کو یہ فرمایا تھا کہ:

"اے اہلِ کتاب! تم ہم سے صرف اس لیے عداوت رکھتے ہو کہ ہم اللہ پر ایمان لائے۔"

اور اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو خندقوں میں ڈال کر جلانے والوں کے لیے فرمایا:

"اور ان کی دشمنی ان کے ساتھ صرف اسی لیے تھی کہ وہ اللہ غالب و لائقِ تعریف پر ایمان لائے تھے۔"

اور یہی وہ چیز ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں فرمایا ہے کہ:

Marfat.com

"وہ کسی ایماندار کے بارے میں کسی قسم اور کسی ذمہ داری کا لحاظ نہیں کرتے اور وہی ظالم ہیں۔"
(آیت : ۱۰)

گویا ان میں ظلم کی صفت بنیادی ہے، وہ ان کے ایمان کو ناپسندیدگی کے نقطے سے شروع ہوئی ہے۔ اور اس کے مقابلے میں آکھڑے ہونے پر ختم ہوتی ہے۔ اس لیے وہ ایمانداروں کے نقصان کے منتظر ہیں۔ ان کے ساتھ کیے گئے کسی عہد اور قسم کا لحاظ نہیں کرتے اگر وہ مومنوں پر غلبہ پالیں، یا ان کی طرف سے مطمئن ہو جائیں۔ تو پوری قوت سے ان کے خلاف ہر قسم کی حرکت کریں گے۔

مومنوں کا فرض کیا ہے؟

مشرکوں کی اس صورتِ حال کا مقابلہ کرنے کے لیے مومنوں کا فرض کیا ہے؟ اس کا جواب آیات ۱۱ : ۱۲ میں یوں دیا گیا ہے کہ :

"پس اگر وہ توبہ کریں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں تو وہ تمہارے دینی بھائی ہیں، اور ہم آیات کو مومن قوم کے لیے کھول کر بیان کرتے ہیں۔ اور اگر وہ اپنے عہد کے بعد اپنی قسموں کو توڑ دیں اور تمہارے دین پر طعن کریں تو سردارانِ کفر کے ساتھ لڑو، بیشک ان کی کوئی قسم نہیں ہے، تاکہ وہ باز آئیں۔"

مطلب یہ کہ مسلمانوں کا مقابلہ ان دشمنوں کے ساتھ ہے جو ان کی گھات میں رہتے ہیں، یہ ایسے دشمن ہیں کہ مسلمانوں کو دھوکے سے مارنے سے باز نہیں رہتے۔ مسلمانوں کے لیے ان میں کوئی رحم اور شفقت نہیں، ہاں! جب وہ عاجز ہوں لہذا ایسا نہ کر سکیں تو امرِ آخر ہے۔ کوئی باندھا ہوا عہد، کوئی ضروری ذمہ داری، مذمت کا کوئی خوف، رشتہ داری کا کوئی خیال انہیں اس سے باز نہیں رکھتا۔ ایک لمبی تاریخ یہ سب کچھ بتاتی ہے، وہ اس سے کبھی نہیں ہٹے۔ اگر کسی مجبوری سے باز رہے ہیں۔ تو اس کے دور ہونے کے بعد پھر ان کا وہی حال ہو گیا ہے۔

پس ایک طرف یہ طویل تاریخ ہے۔ دوسری طرف یہ حقیقت ہے کہ اسلام اور کفر میں معرکہ دراصل عقیدے اور بنیاد کا ہے۔ اللہ کا دین لوگوں کو ہر غیر اللہ کی عبودیت و عبادت سے چھڑانا چاہتا ہے اور جاہلی دین لوگوں کو غیر اللہ کی پوجا اور غلامی میں ڈالنا چاہتے ہیں۔ پس یہ ایک بنیادی اختلاف ہے۔ پس اختلاف صرف دو صورتوں میں سے ایک صورت میں مٹ سکتا ہے :

(۱) یا تو یہ مشرک اور لوگوں کی مانند داخلِ اسلام ہو جائیں، نماز اور زکوٰۃ کے پابند ہو جائیں، مسلمانوں کے دینی بھائی بن جائیں اور باہمی اختلاف عقیدہ و عمل ختم ہو جائے۔

(۲) اگر وہ اپنی پہلی روش سے باز نہ آئیں، اپنے عہد و پیمان توڑ دیں۔ دینِ اسلام پر طعن توڑیں تو ان بدبختوں کے ساتھ مسلمان قتال کریں شائد اس نئی صورتِ احوال سے ان کا دماغ کچھ درست ہو سکے۔ اسلامی معاشرے کی قوت اور جہاد میں اس کا غلبہ بہت سے ٹیڑھے دلوں کو اسلام کی طرف پھیرتا ہے اور اس وقت کج دماغ لوگوں کا دماغ درست سوچنے لگتا ہے، کیونکہ ایسے لوگ صرف قوت کی زبان سمجھتے ہیں۔

Marfat.com

عبرت و موعظت!

اس میں شک نہیں کہ ان آیات کا تعلق اُن خاص حالات سے تھا جو ان کے نزول کے وقت جزیرۂ عرب میں موجود تھے۔ جہاں تک اسلام کے مقابلے میں مشرکین کے موقف کا تعلق ہے وہ تو بہرحال مشرک تھے اور ان کا موقف ان آیات سے اور سیرت نبویہؐ کے واقعات سے معلوم ہو جاتا ہے، لیکن یہود و نصاریٰ کا موقف بھی اپنی شدت و خباثت کے اعتبار سے اس سے کم نہ تھا، بلکہ تاریخی واقعات نے ثابت کیا ہے کہ شدت میں کچھ زیادہ ہی تھا۔ اور اُوپر کی آیات میں مشرکوں کے متعلق فرمایا گیا ہے:

"کس طرح؟ اور اگر وہ تم پر غالب آئیں تو تمہارے بارے میں کسی قسم اور ذمہ داری کا لحاظ نہ کریں گے۔ وہ اپنے منہ سے تمہیں راضی کرتے ہیں، مگر ان کے دل منکر ہیں اور ان میں سے اکثر فاسق ہیں۔ انہوں نے اللہ کی آیات کے بدلے تھوڑا مول خریدا اور اللہ کا راستہ روکا، ان کے اعمال بہت بُرے رہے ہیں۔ وہ کسی مومن کے متعلق کسی قسم اور ذمہ داری کا پاس نہیں رکھتے اور وہی ظالم ہیں۔"

مسلمانوں کے متعلق مشرکوں اور یہود و نصاریٰ کا موقف

مشرکوں اور اہل کتاب کا یہ دائمی موقف تھا جس کو ان آیات میں بیان فرمایا گیا ہے۔ اہل کتاب کے متعلق تو گفتگو سورت کے دوسرے مقطع میں آئے گی، اور مشرکوں کا یہی طرزِ عمل ان کی ساری تاریخ میں مسلمانوں کے بارے میں ثابت ہوتا ہے۔ اسلام صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے ساتھ شروع نہیں ہوا، بلکہ درحقیقت یہ آخری رسالت تھی۔ جس پر اس کی تکمیل ہوئی ہے۔ مشرکوں کا موقف ہر دَور میں اسلام کے متعلق یہی رہا ہے جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دَور میں تھا۔

جب ہم اس روشنی میں دیکھیں تو معرکے کے فاصلے بہت بڑھ جاتے ہیں۔ اور اس معرکے کی تاریخ بالکل بشریت کی ابتدائی تاریخ سے شروع ہوتی ہے۔ مشرکوں کا موقف نوحؑ، ہودؑ، صالحؑ، ابراہیمؑ، شعیبؑ، موسیٰؑ اور عیسیٰؑ اور ان پر ایمان لانے والوں کے متعلق ان کے ادوار میں یہی رہا ہے، پھر مشرکوں کا سلوک محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنوں کے ساتھ بھی وہی تھا، وہ جب بھی غلبہ یا موقع پاتے رہے، کسی قسم یا ذمہ داری کا لحاظ نہ کرتے تھے۔ پھر جو کچھ تاتاریوں کے ہاتھوں مسلمانوں پر گزری اور جس قدر مسلمانوں کی تباہی و بربادی ہوئی وہ بھی کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے۔ پھر آج ۱۴ صدیوں کے بعد مشرک، ملحد اور اعدائے اسلام مسلمانوں کے ساتھ ہر ملک اور ہر علاقے میں کیا کچھ نہیں کر رہے؟ قرآنی ابدی نص نے جو کچھ فرما دیا وہ بالکل درست ہے، وہ مسلمانوں کے معاملے میں کسی قسم یا ذمہ داری کا لحاظ کرنے کو تیار نہیں ہیں۔

Marfat.com

المیۂ بغداد اور تاتاری مشرکوں کا مسلمانوں سے سلوک !

بغداد کے خونین حادثے میں تاتاریوں نے مسلمانوں پر جو مظالم ڈھائے انہیں تاریخ نے محفوظ رکھا ہے۔ ابن کثیرؒ نے البدایہ والنہایہ میں ۶۵۶ھ کے واقعات کے سلسلے میں جو کچھ لکھا ہے اس میں سے کچھ مختصر اقتباس پیش کیے جاتے ہیں :

"انہوں نے شہر میں داخل ہو کر مردوں، عورتوں، بچوں، بوڑھوں، جوانوں اور نوجوانوں کا قتل عام کیا۔ بہت سے لوگ کنوؤں میں اتر گئے اور کچھ مقاماتِ رفع حاجت میں چھپ گئے، کچھ گندگی کے ڈھیروں اور نالیوں میں داخل ہو گئے اور کئی دن تک وہیں چھپے رہے۔ بہت سے لوگ سراؤں میں چھپ جاتے تھے۔ مگر تاتاری دروازے توڑ کر یا آگ جلا کر اندر داخل ہوتے، لوگ مکانوں کی چھتوں پر چڑھ جاتے تھے اور تاتاری وہیں انہیں قتل کرتے تھے۔ حتیٰ کہ خون سے بھرے ہوئے پرنالے گلیوں میں بہتے تھے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ یہی حال جامع مسجدوں، عام مساجد اور مدارس کا تھا۔ بغداد کی آبادی میں سوائے یہود و نصاریٰ کے یا ان کے ہاں پناہ لینے والوں کے کوئی نہ بچا۔ کچھ لوگ رافضی وزیر ابن علقمی کے ہاں پناہ گزیں ہوئے۔ کچھ تاجروں نے بے پناہ مال و دولت خرچ کر کے جان بچائی۔ بغداد جو سب سے زیادہ بارونق اور آباد شہر تھا، ایک کھنڈر میں تبدیل ہو گیا۔ بہت تھوڑے لوگوں کے سوا کوئی نہ بچا، اور وہ بھی خوف و ذلت اور بھوک اور قلت میں تھے، یہود و نصاریٰ جو مسلمانوں کی ذمہ داری اور عہد و پیمان میں تھے۔ ان کے بچنے کا باعث یہ تھا کہ انہوں نے تاتاریوں سے خط و کتابت کر کے انہیں بلایا تھا اور اسلام اور مسلمانوں کی بربادی میں ان کی مدد کی تھی، انہوں نے بغداد کی بربادی اور مسلمانوں کے قتل عام میں عملی حصہ لیا تھا۔ حالانکہ اس حادثے سے قبل وہ مسلمانوں کی امان اور ذمہ داری میں اطمینان کی زندگی بسر کر رہے تھے۔

مقتولوں کی تعداد

بغداد کے اندر اس حادثہ میں قتل ہونے والوں کی تعداد میں لوگوں کا اختلاف ہے۔ بعض نے چھ لاکھ بتائی ہے بعض نے دس لاکھ، بعض نے بیس لاکھ۔ فانا للہ وانا الیہ راجعون۔ تاتاری اواخر محرم میں بغداد میں داخل ہوئے اور چالیس دن تک وہاں کے باشندوں کا قتل عام کرتے رہے، اور خلیفہ مستعصم باللہ امیر المومنین کا قتل ۱۴/ صفر بروز بدھ ہوا، اور اس کی قبر کا نشان مٹا دیا گیا اور اس کی عمر اس وقت ۴۶ برس ۴ ماہ تھی، اور اس کی مدتِ خلافت ۱۵ سال ۶ ماہ اور کچھ دن تھی۔ اس کا بڑا بیٹا ابو العباس احمد بھی اس کے ساتھ ہی مارا گیا اور وہ اس وقت ۲۵ سال کا تھا۔ پھر اس کا درمیانہ لڑکا ابو الفضل عبد الرحمٰن قتل ہوا جس کی عمر ۲۳ سال تھی۔ اس کا چھوٹا لڑکا مبارک اور اس کی تین بہنیں فاطمہ، خدیجہ اور مریم یہ سب لوگ قید کر لیئے گئے اور دار الخلافہ کا استاد شیخ محی الدین یوسف ابن الشیخ محی الدین ابن الجوزی بھی قتل ہوا، جو کہ وزیر کا دشمن تھا، اور اس کے تینوں بیٹے عبد اللہ، عبد الرحمٰن اور عبد الکریم بھی قتل کیئے گئے۔ اور سلطنت کے اکابر ایک ایک کر کے قتل کیئے گئے۔ مثلاً مجاہد الدین ایبک اور شہاب الدین سلیمان شاہ وغیرہما۔ بنی عباس میں سے کسی شخص کو اس کی عورتوں اور اولاد سمیت بلایا جاتا تھا

Marfat.com

اور قبرستان میں سے جا کر انہیں بکریوں کی مانند ذبح کر دیا جاتا تھا، اور اس کی بیٹیوں اور خواتین خانہ میں سے دل پسند عورتیں قید کر لی جاتی تھیں۔ خلیفہ کا استاد صدر الدین علی بن نیار، خطباء، ائمہ مساجد، قاری اور علماء سب قتل کر دیئے گئے اور بغداد میں کئی ماہ تک جمعہ اور جماعتیں معطل رہیں، اذان تک نہ ہوتی تھی۔

وبائیں اور امان

جب تقدیر کا فیصلہ بروئے کار آ چکا اور چالیس دن گزر گئے تو بغداد کھنڈروں کا ڈھیر تھا، اس میں کوئی شاذ و نادر ہی آدمی باقی تھا۔ راستوں پر مُردوں کے ڈھیر لگے تھے۔ اوپر بارش ہوگئی اور ان کی شکلیں بگڑ گئیں، شہر میں ہر طرف بدبو پھیل گئی۔ ہوا متغیر ہوگئی اور اس کے باعث وباء پھوٹ پڑی جس کا اثر شام تک پہنچ گیا۔ آب و ہوا کے فساد اور بدبو سے بہت سی مخلوق مرگئی، لوگوں پر بیک وقت گرانی، وباء، فنا، طاعون اور موت کی بلائیں ٹوٹ پڑیں، فانا للہ وانا الیہ راجعون۔

پھر بغداد میں امان کی منادی کی گئی تو لوگ نالیوں، قبروں اور رفع حاجت کی جگہوں سے یوں باہر نکلے گویا کہ وہ مُردے تھے، وہ ایک دوسرے کو پہچان نہ سکتے تھے، باپ بیٹے کو اور بیٹا باپ کو نہ پہچان سکا، بھائی بھائی کو بھول گیا، باہر آ کے طاعون پر وبا پڑی اور وہ بھی مقتولوں کے ساتھ جا ملے۔

جدید حوادث بھی قدیم سے کم نہیں

یہ تاریخی حوادث و واقعات ہیں، جن میں مشرکوں نے غالب آ کر مسلمانوں کو جڑ سے مٹانے کی کوشش کی۔ کسی قسم اور عہد و پیمان اور ذمہ داری کا لحاظ نہ کیا، لیکن یہ سب کچھ تاتاریوں کے ساتھ مخصوص نہ تھا، کفار و مشرکین کو جب بھی موقع ملا ہے انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ یہی سلوک کیا ہے۔ قدیم و جدید زمانے، ممالک سلطنت اور احوال و ظروف کا کوئی فرق نہیں۔ ہر زمان و مکان میں یہی کچھ ہوتا رہا ہے اور آج بھی یہی ہو رہا ہے یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ تاتاریوں کا واقعہ ماضی کے ظلمتِ شب میں گھرے ہوئے واقعات میں سے تھا نہیں بلکہ آج بھی ہندو پاکستان کی تاریخ ہمیں یہی سبق دے رہی ہے۔ جب قیام پاکستان کا اعلان ہوا تھا تو بت پرست ہنود کی طرف سے جو مظالم مسلمانوں پر توڑے گئے تھے وہ شناعت و بشاعت میں تاریخ کے کسی بھی غلیظ ترین واقعہ سے کم نہ تھے۔

سرزمینِ ہند پر ہندو بت پرستوں کے مظالم کی وجہ سے جو اٹی لاکھ مسلمان ہجرت کر کے پاکستان کی طرف آئے، ان میں سے فقط تیس لاکھ زندہ سلامت پاکستان پہنچے تھے۔ باقی پچاس لاکھ کو راستے میں ہی ختم کر دیا گیا۔ ہندو لیڈروں کی سرکردگی میں ان کی انگیخت پر ان پر حملے کیے گئے اور بار بار ان کا قتلِ عام کیا جاتا رہا۔ اور ان کی لاشیں درندوں اور جانوروں کے لیے چھوڑ دی گئیں۔ یہ حادثہ اگر تاتاریوں سے بدتر نہیں تو ان کے مظالم سے کم بھی نہیں تھا۔ حالت یہ تھی کہ پچاس ہزار ملازمین حکومتِ پاکستان کا قافلہ جو گاڑی پر آ رہا تھا، گاڑی راستے میں ایک سرنگ سے گزری تو جب باہر آئی تو کٹے ہوئے اعضاء اور گوشت اور خون کے سوا اس میں کچھ نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ کا قول کتنا برمحل اور درست ہے کہ:

" کس طرح ؟ اور اگر وہ تم پر غالب آجائیں تو وہ کسی قسم یا ذمہ داری کا لحاظ نہ کریں گے "

(ہندوستان میں گزشتہ چالیس سال کے اندر کم و بیش دس ہزار فساد ہو چکے ہیں اور ارباب حکومت اور ہندو لیڈروں کی ملی بھگت اور شہ پر مسلمانوں کو اس سرزمین سے بالکل مٹا دینے کی کوشش کی جا رہی ہے ۔)

اشتراکیت کے زہرہ گداز مظالم

کمیونسٹوں نے چین اور روس میں گزشتہ نصف صدی میں دو کروڑ ساٹھ لاکھ مسلمانوں کو صفحہ ہستی سے مٹا دیا ہے ۔ یعنی تقریباً ہر سال بیس لاکھ انسان ۔ جسم انسانی کو کپکپا دینے والے مظالم کے علاوہ ، قتل عام کا عمل برابر جاری ہے ۔ اس سال مسلم چینی ترکستان میں وہ حادثہ پیش آیا جو تاتاری مظالم کو مات کر دیتا ہے ۔ ایک مسلم لیڈر کو لایا گیا ۔ شارع عام میں اس کے لیے ایک گڑھا کھودا گیا ، اسے اس میں ڈالا گیا اور دوسرے مسلمانوں کو تعذیب کے نیچے مجبور کیا گیا کہ اس پر انسانی فضلات پھینک دیں ، تین دن تک یہ عمل جاری رہا حتیٰ کہ وہ شخص گڑھے میں مر گیا ، حکومت انسانی فضلات کو اجتماعی طور پر حاصل کر کے کھاد کے طور پر استعمال کرتی ہے ۔ یوگوسلاویہ جب سے کمیونسٹ ہوا ہے ، اس میں لاکھوں مسلمان قتل کی بھینٹ چڑھ چکے ہیں ، اور یہ سلسلہ اب تک جاری ہے ۔ مسلمانوں کو گوشت کوٹنے والی مشینوں کے اندر ڈالا جاتا ہے ۔ تاکہ دوسری طرف سے ان کے گوشت ، خون اور ہڈیاں کٹی ہوئی نکل جائیں ۔ اسی قسم کے مظالم کا سلسلہ کمیونسٹ اور بت پرست حکومتوں کے اندر جاری ہے ۔ اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد صادق آرہا ہے کہ وہ لوگ کسی مومن کے متعلق کسی قسم اور ذمہ داری کا لحاظ نہیں کرتے ۔ پس یہ جزیرۃ العرب میں کوئی نئی پیدا ہونے والی اتفاقی صورت حال نہ تھی ۔ نہ کوئی ہنگامی اور وقتی واقعات تھے

بغداد ہو یا بت پرست ہندوستان اور اس سے پہلے حجاز ہو یا عرب کا کوئی اور خطہ کفر و شرک کی فطرت ہمیشہ ہر ملک میں ایک رہی ہے ۔ پس ان آیات کا نزول اگرچہ عرب میں ہوا اور ایک پیش آمدہ صورت احوال کے متعلق ہوا ۔ لیکن حکم ان کا زمان و مکان سے بالاتر ہے ۔

تم بدعہدوں سے قتال کیوں نہیں کرتے ؟

آیت : ۱۳ ——— ۱۶ میں فرمایا گیا ہے :

" تم اس قوم سے قتال کیوں نہیں کرتے جنہوں نے اپنی قسمیں توڑیں ، رسول کے اخراج کا ارادہ کیا اور انہوں نے ہی تم پر پہل کی ؟ کیا تم ان سے ڈرتے ہو ؟ پس اللہ اس کا زیادہ حق دار ہے ۔ کہ تم اس سے ڈرو اگر تم مومن ہو ۔ ان سے قتال کرو ، اللہ ان کو تمہارے ہاتھوں سے عذاب دے گا ، انہیں رسوا کرے گا اور تم کو ان کے خلاف مدد دے گا ۔ اور مومن قوم کے دلوں کو ٹھنڈا کرے گا ، اور ان کے دلوں کا غصہ دور کرے گا ۔ اور اللہ جس کو چاہے گا اس کی توبہ

Marfat.com

قبول کرے گا۔ اور اللہ خوب جاننے والا ہے
چھوڑ دیا جائے گا۔ حالانکہ ابھی تک اللہ نے
جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول اور ایماندا
اللہ تمہارے اعمال سے خبردار ہے"۔

اس فقرے کا تعلق مسلم جماعت کے دلوں کی ا
فیصلہ کن قدم اٹھانے کے سلسلے میں تردد اور خوف تھا
۔ قتال وجدال اسلام سے آئیں۔ بعض کو جان و مال کی ق
مائل تھے اس لیے وہ کامیابی کا آسان تر راستہ اختیار کر

قرآنی نصوص نے ان حیلوں بہانوں کا جواب
جوش پیدا کر دیا ہے۔ وہ فرماتا ہے کہ مشرک عہد شک
نکہ سے نکالنے کا پختہ ارادہ کر چکے تھے۔ انہوں نے مدینہ
پھر یہ فرمایا کہ ان کی نخوت غیرت کو ابھارا ہے کہ کیا تم مش
کہ تم اللہ ہی سے ڈرو۔ پھر یہ کہہ کر ان میں شجاعت پیدا ک
گا۔ تم دشمنانِ خدا اور رسول کو سزا دینے میں تقدیر خداوند
ان سے انتقام لے کر تمہارا دل ٹھنڈا ہو گا۔ بعض مسلمانو
داخلِ اسلام ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اس کی ب
دن شاید وہ اسلام کی طرف جھکیں گے۔ آخر میں فرماتا ہے
آزمایا جائے گا۔

تاریخِ عہد شکنی

مسلمانوں کے ساتھ مشرکوں کی تاریخ عہد شکنی کی تا
واقعہ صلح حدیبیہ کے معاہدے کو توڑنے کا تھا۔ رسول ا
کے باوجود یہ صلح کر لی تھی کہ اس کی شرطیں مسلمانوں کے
وہی یہ سب کچھ کیا تھا۔ آپ نے اس عہد کی وفا کی۔ مگر م
توڑا۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخراج و قتا
کے حرم میں ہوا جس میں دشمن کو بھی امان دی جاتی تھی۔ ا
تھا۔ مگر انہوں نے اپنے مسلّم صادق و مصدوق محمد صلی اللہ
انہوں نے آپ کا مدینہ میں بھی پیچھا کیا اور ان پر بار بار حم
اُحد و خندق کے غزوات میں بھی وہی ابتداء کرنے والے
کے لیے جمع ہوئے۔ ان سب حقائق کا کیا تقاضا تھا؟ یہی

ہوں گے۔ حق کامل طور پر فتح پائے گا اور باطل شکست اٹھائے
کی فتح یابی بعض مشرکوں کو ایمان کی طرف لائے گی۔ وہ
لیں جائے گا کہ انسانی قوت کے علاوہ کوئی اور قوت ہے
مشاہدہ کریں گے۔ اس وقت مجاہد مومن اپنے جہاد
سمجھیں گے۔ ان جدید مومنوں کے باعث اسلام کو ایک

وہ عواقب کو خوب جانتا ہے۔ اعمال و حرکات کو اپنی
ب ظاہر ہو جائے تو بہت سے قلوب اس کے لیے
ک اس کی طرف متوجہ نہیں ہوتے، جب مسلم جماعت
ہے۔ کفر و شرک اس سے ڈرتا ہے اور وہ عزت و معیبت
عت کی تربیت پیش نظر تھی، تو اللہ تعالیٰ نے ان سے
یک چیز کا حکم دیا یعنی صبر کا۔ جب اس جماعت کی یہ
نے غلبہ عطا کیا اور جہاد و قتال پر ابھارا، یہ غلبہ و نصرت
ظہور کا پردہ بن رہی تھی۔

کہ اہلِ ایمان دل و جان اور جسمانی و روحانی قوتوں کے
ان کے سامنے ایک صف بن کر کھڑے ہو جائیں۔
دیا جائے، اور جن پردوں کے پیچھے کمزور عقیدے کے
لوں کے ساتھ کاروباری تعلقات رکھتے ہیں، اور جن
پر یا کسی اور مصلحت سے ان کا ساتھ دیتے ہیں، ان کو
ہو سکے، ضروری تھا کہ یہ سب پردے ہٹا دیئے جائیں
ق و امتیاز کی لکیر کھینچ دی جائے۔ دلوں کا کھوٹ
اور کاروباری تعلقات عقیدہ کی راہ میں حائل نہ ہو

گا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تم میں سے مجاہدوں
نوں کے سوا اوروں کو دلی دوست اور
ے اعمال سے بخوبی باخبر ہے"۔
تھا جو غیروں سے تعلقات رکھنا چاہتا تھا، اس کی

Marfat.com

خاطر دیواروں پر سے جھانکنا چاہتا تھا، معذرتیں کرتا تھا۔ جماعت کے خلاف بعض مصلحتوں کی خاطر دوسروں سے تعلقات رکھنا چاہتا تھا۔ جب فیصلہ کن انداز اختیار کیا گیا تو اس فرق کی راہیں بند ہو گئیں، پردوں کا اٹھ جانا، صفوں کے اندر وضاحت و صراحت ہو جانا، پردوں کا دور ہو جانا، اندرونی گرد کا باہر آ جانا جماعت اور عقیدے کی مصلحت میں تھا۔ تاکہ مسلم صف کو اپنے بیگانے کا علم ہو جائے، مخلص اور غیر مخلص میں فرق واضح ہو جائے۔ سب لوگوں، دونوں طرف کے لوگوں کو پہچان سکیں : واللہ خبیر بما تعملون کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کے ساتھ جو معاملہ کرتا ہے وہ ان کے فعل کی حقیقت اور رویے کی بناء پر کرتا ہے۔ اس کی سنت یہی ہے کہ ایمان و کفر کے مقابلے کے وقت امتیاز اور فیصلے کی خاطر، ہر ایک کی حقیقت کو ظاہر کر دیتا ہے۔

ایمان کے بغیر عمل صالح بے وزن ہے

آیت : ۱۷ تا ۲۲ کا ترجمہ :

"مشرکوں کو یہ زیبا نہیں کہ اللہ کی مسجدوں کو آباد کریں، درانحالیکہ وہ اپنے آپ پر کفر کی گواہی دیتے ہیں۔ ان کے اعمال بے کار گئے اور آگ میں وہ ہمیشہ رہیں گے، اللہ کی مسجدوں کو تو وہ آباد کرتے ہیں جو اللہ پر اور پچھلے دن پر ایمان لائیں، نماز قائم کریں، زکوٰۃ ادا کریں اور اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈریں، پس ہو سکتا ہے کہ عنقریب وہ ایمان یافتوں میں سے ہو جائیں۔ کیا تم نے حاجیوں کو پانی پلانا اور مسجد حرام کو تعمیر کرنا ان لوگوں کے عمل کے برابر کر دیا ہے جو اللہ پر ایمان، قیامت پر ایمان لائیں اور اللہ کی راہ میں جہاد کریں؟ اللہ کے نزدیک تو وہ برابر نہیں ہیں اور اللہ ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کیا، ان کا درجہ اللہ کے ہاں بہت بڑا ہے اور وہی لوگ کامیاب ہیں، ان کا رب ان کو اپنی رحمت اور رضامندی کی بشارت دیتا ہے، اور باغوں کی بشارت جن میں ان کے لیے ہمیشہ کی نعمتیں ہوں گی، وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، یقیناً اللہ ہی کے پاس بہت بڑا اجر ہے۔"

اللہ کے گھروں کو آباد کرنا خالصتہً اہل ایمان کا حق ہے

براءت اور اعلان کے بعد مشرکوں کے ساتھ قتال کرنے میں کوئی عذر اور دلیل باقی نہ رہی، یہ اس میں تردد رہا کہ اب وہ بیت اللہ کی زیارت اور خدمت سے محروم کر دیئے جائیں۔ حالانکہ زمانہ جاہلیت میں وہ یہ کام کرتے رہے تھے۔ اب قرآنی سیاق اس بات سے انکار کرتا ہے کہ کعبہ کی خدمت و تعمیر میں مشرکوں کا کوئی حق ہو۔ یہ اللہ کا گھر ہے۔ اور اس کی خدمت و تعمیر صرف وہی کریں گے جو اللہ پر خالص ایمان رکھتے ہیں، اس کے فرائض کو قائم کرتے ہیں۔ زمانہ جاہلیت تو بہرحال زمانہ جاہلیت ہی تھا، اس وقت کے رسم و رواج کسی چیز کی

Marfat.com

دلیل نہیں بن سکتے۔ اب مندرجہ ذیل آیات بعض مسلمانوں کے دلوں کی کھٹک کو دور کرنے کے لیے نازل ہوئیں:

"اور مشرکوں کا یہ حق نہیں کہ کعبہ کی تعمیر و خدمت کریں" الخ

مشرکوں کا بیت اللہ کی تعمیر و ترقی اور خدمت کرنا ایک فطری طور پر غلط امر ہے۔ اشیاء کی حقیقت وطبیعت کے خلاف ہے۔ یہ کیا مذاق ہے کہ گھر اللہ کا ہو اور خدمت و تعمیر اس کی غیر اللہ والے کریں؟ اس گھر میں تو صرف اللہ کا نام لیا جانا ضروری ہے، مشرکوں کا اس میں کیا کام؟ جن کے سینوں میں بت خانے ہیں۔ وہ اللہ کے گھر کی آبادی کیونکر کر سکتے ہیں؟ یہ تو صرف ان کا کام ہے جن کے دل توحید خالص سے آباد ہوں۔ جو اللہ کا کسی کو شریک نہ بنائیں، اپنے اوپر کافر ہونے کی شہادت نہ دیں۔ ان کے اعمال کافرانہ نہ ہوں، دین کی میزان میں بے وزن نہ ہوں۔ عمل کی بنیاد تو عقیدہ ہے۔ آخرت کے نقطۂ نظر سے صرف وہی اعمال مقبول ہیں جو اسلامی عقیدے کی صحیح بنیاد پر قائم ہوں۔ جب بنیاد نہ ہو تو عمارت کیسے بنے گی؟ عبادت عقیدے کی تعبیر ہے۔ اسی کو ظاہر کرتی ہے۔ جب عقیدہ صحیح نہیں تو عبادت کیونکر صحیح ہوگی؟ جب تک دل ایمانی عقیدے سے آباد نہ ہو، محض ایک دنیوی عمل کے طور پر بیت اللہ کی تعمیر و ترقی، مسجدیں بنانا، شعائر حج کی ادائی بیکار محض ہے۔ جس طرح عقیدے میں خلوص و تجرد لازم ہے، اسی طرح عبادت اور عمل میں بھی اللہ کے ہاں قبولیت کے لیے خلوص و تجرد ضروری ہے۔

خلوص و تجرد کی اہمیت

ان آیات میں یہ جو فرمایا ہے کہ:

"اللہ کی مسجدوں کو تو وہی آباد کرتے ہیں جو اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان لائیں۔ نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں اور اللہ کے سوا کسی اور سے نہ ڈریں"

اس میں ایمان باطن اور عمل ظاہر کی دو شرطوں کے بعد صرف ایک اللہ کی خشیت پر جو نص آئی ہے یہ ایک غیر لازم نص نہیں ہے۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کے شعور اور سلوک میں شرک کے ہر سائے سے خلاصی پانا ضروری ہے۔ اللہ کے سوا کسی اور کی خشیت ایک مخفی شرک ہے جس کی طرف اس نص نے اس مقام پر متنبہ فرمایا ہے تاکہ عقیدہ و عمل کا خلوص محض اللہ کے لیے ہو جائے، اور جب یہ خلوص متحقق ہو جائے تو مومن اس بات کے مستحق قرار پاتے ہیں کہ اللہ کی مسجدوں کو آباد اور تعمیر کریں اور اللہ سے یہ امید رکھیں کہ وہ ان کو ہدایت یافتہ قرار دے گا:

"پس قریب ہے کہ یہی لوگ ہدایت یافتہ قرار پائیں"

ہدایت کی سند ملنے کے درجات یہ ہیں کہ: پہلے دل متوجہ ہوتا ہے، پھر جوارح عمل کرتے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے توجہ فرماتا ہے۔ جس کا نتیجہ ہدایت یافتگی، وصول الی اللہ اور کامیابی ہوتا ہے

زمانۂ جاہلیت کے اعمال ایمان اور عمل صالح کے برابر نہیں ہیں

اللہ تعالیٰ کے گھروں کی تعمیر و خدمت کا یہی قاعدہ ہے۔ اعمال و شعائر اسی سے درست قرار پاتے ہیں کہ

Marfat.com

پہلے ایمان حاصل ہو پھر اعمالِ صالحہ کا وجود ہو۔ لہٰذا زمانۂ جاہلیت میں کفار نے جو کعبہ کی خدمت اور تعمیر کا کام کیا حاجیوں کو پانی پلایا، وہ خالصۃً لوجہ اللہ نہ تھا۔ ان کا عقیدہ باطل تھا، لہٰذا عمل بھی باطل تھے پس وہ لوگ توحید و رسالت پر ایمان لانے والوں کے برابر نہیں ہو سکتے، اس سلسلے میں فرمایا ہے:

"کیا تم نے حاجیوں کو پانی پلانے اور بیت اللہ کی ظاہری خدمت و تعمیر کو اللہ پر ایمان لانے والوں اور راہِ حق میں جہاد کرنے والوں کے برابر کر دیا ہے؟ یہ لوگ اللہ کے نزدیک برابر نہیں ہیں، اور اللہ ظالموں (مشرکوں) کو راہ نہیں دیتا"

اللہ کی میزان ہی میزانِ حق ہے اور اس کا فیصلہ ہی درست ہے۔ شرک و کفر سے تائب ہوئے بغیر کوئی شخص یا طبقہ یا جماعت ہدایت یافتہ کیونکر ہو سکتی ہے؟

ایمان، ہجرت اور جہاد کے فضائل

ایمان، ہجرت اور جہاد نہایت افضل اعمال ہیں، ان کے باعث رحمتِ الٰہی اور رضائے حق نازل ہوتی ہے جو اللہ کی طرف سے اجرِ عظیم ہے۔ اس لیے مومنوں، مہاجروں اور مجاہدوں کے برابر اور کوئی نہیں ہو سکتا فرمایا ہے:

"جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ جہاد کیا، ان کا درجہ اللہ کے ہاں عظیم تر ہے اور وہی کامیاب ہیں۔ ان کا رب ان کو اپنی رحمت اور رضامندی اور جنتوں کی بشارت دیتا ہے۔ جس میں ان کے لیے ہمیشہ کی نعمت ہوگی۔ وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ بلاشبہ اللہ ہی کے پاس بڑا اجر ہے"

ان آیتوں میں ایمانداروں، مہاجروں اور مجاہدوں کی فضیلت بیان فرمائی گئی ہے۔ یہاں پر تفضیل کا صیغہ: اعظم درجة عند الله۔ اس لیے نہیں ہے کہ دوسروں کا درجہ عظیم ہے اور ان مومنوں کا عظیم تر ہے۔ نہیں! بلکہ اس سے مراد مطلق تفضیل ہے، کیونکہ دوسروں کی صفت تو یہ ہے کہ:

"ان کے اعمال ضائع ہو گئے اور وہ ہمیشہ آگ میں رہیں گے"

پس باہمی مفاضلت کا کوئی سوال نہیں ہے۔

مومن جماعت کی اصلی اور امتیازی صفات

مومن جماعت کا شعور، تعلقات محبت اور دلی روابط صرف اللہ اور اس کے دین کے لیے خاص ہونے چاہئیں یہاں رشتے، قرابت، لذت و مصلحت کا کوئی سوال نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام بشری لذتوں اور محبتوں کو ترازو کے ایک پلڑے میں اور خدا و رسولؐ کی محبت اور جہاد فی سبیل اللہ کو دوسرے پلڑے میں رکھتا ہے۔ پھر اختیار مومنوں کو ہے کہ وہ اپنا وزن ایک پلڑے میں ڈالیں، ظاہر ہے کہ ان کا وزن ایمان کے پلڑے میں ہی ہوگا! فرماتا ہے کہ:

Marfat.com

"اے ایمان والو! اپنے باپوں اور بھائیوں کو دلی دوست نہ بناؤ، اگر وہ کفر کو ایمان پر ترجیح دیں۔ اور تم میں سے جو ان سے محبت کرے گا تو ایسے لوگ ہی ظالم ہیں۔ کہہ دو کہ اگر تمہارے باپ، اور تمہارے بیٹے، اور تمہارے بھائی، اور تمہاری بیویاں اور تمہارے خاندان، اور جو مال تم نے جمع کیے، اور جس تجارت کے نقصان سے تم ڈرتے ہو، اور جن مکانوں کو تم پسند کرتے ہو، اگر یہ چیزیں تم کو اللہ اور اس کے رسول سے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے پسندیدہ تر ہیں، تو انتظار کرو، جب تک کہ اللہ اپنا فیصلہ لے آئے اور اللہ فاسق قوم کو راہ نہیں دیتا۔" (آیات ۲۳ ——— ۲۴)

عقیدہ شریک کو برداشت نہیں کرتا

عقیدے کا مرکز دل ہے اور وہ دل میں اپنے کسی شریک کو بالکل برداشت نہیں کرتا، اس کا تقاضا یہ ہے کہ یا مجھے رکھو یا کسی اور کو۔ دونوں ایک جگہ نہیں رہ سکتے۔ عقیدہ قلبی خلوص کا طالب ہے مطلوب یہ نہیں ہے کہ مسلم اہل و عیال، خاندان، اولاد، مال و دولت، سازوسامان اور ہر لذت سے منقطع ہو جائے راہب بن جائے اور دنیا کی پاکیزہ چیزوں سے کنارہ کش ہو جائے۔ نہیں ہرگز نہیں، مطلب صرف یہ ہے کہ وہ دل کو عقیدۂ اسلام کے لیے مجرد اور خالص کرے، محبت اسی سے ہو، غلبہ اور حکومت اس پر عقیدے کی ہو، یہی اسے حرکت دے اور یہی اسے چلائے اور روکے۔ جب یہ بات پوری ہو جائے تو پھر اس کے لیے اس میں کوئی حرج نہیں کہ دنیا کی پاکیزہ چیزوں سے فائدہ اٹھائے، ہاں! جب ان میں سے کوئی چیز یا یہ سب عقیدے سے ٹکرا جائیں تو پھر انہیں یک لخت ایک طرف پھینک دے۔

دوراہا!

یہی وہ دوراہا ہے جس سے دو راستے پھوٹتے ہیں، ایک عقیدے کے غلبے کا راستہ اور دوسرا متاع دنیا کے غلبے کا راستہ۔ اگر اولیت عقیدے کو دی جائے تو یہ اسلام ہے اور اگر اولیت متاع دنیا کو دی جائے تو یہ کفر اور نفاق ہے۔ مرد مومن جب مطمئن ہو جائے کہ اُس کا دل اس کے عقیدے کے لیے مخلص ہے تو پھر وہ قریبی و بعیدی رشتوں سے تعلق رکھتا ہے، مال و دولت، سازوسامان، مکانات، دنیوی زینت اور پاکیزہ رزق سے متمتع کرتا ہے تو کوئی حرج نہیں۔ بشرطیکہ وسط کی راہ اختیار کی جائے، اسراف اور تکبر سے گریز کیا جائے۔ بلکہ ایسا مال و دولت مطلوب ہے اور اس سے تمتع کرنا مستحب ہے۔ تاکہ شکر خداوندی بجا لایا جا سکے۔

قلبی عقیدہ خونی و نسبی تعلقات کی بنیاد ہے

اللہ تعالیٰ کا ارشاد جو آیت ۲۳ میں ہے کہ:

"اے ایمان والو! اپنے باپوں اور اپنے بھائیوں کو، اگر وہ کفر کو ایمان پر ترجیح دیں

Marfat.com

تو دلی دوست اور خیر خواہ مت بناؤ۔ اور تم میں سے جو ان کو دلی خیر خواہ بنائے گا وہی لوگ ظالم ہوں گے۔"

اس ارشاد کا واضح مطلب اور نتیجہ یہ ہے کہ جب دل اور عقیدے کا رشتہ ٹوٹ جائے تو خون اور نسب کے تعلقات ٹوٹ جاتے ہیں۔ جب قرب الٰہی کی ولایت باطل ہو جائے تو خاندانی قرابت کی بنیاد ڈھے جاتی ہے۔ اولین ولایت اللہ کی ہے۔ جس میں ساری بشریت کا ارتباط ہوتا ہے، اگر وہ نہ رہے تو اس کے بعد کوئی ولایت باقی نہیں رہتی، رستی کٹ جاتی ہے اور کڑا ٹوٹ جاتا ہے۔ اس ظالم کے لفظ سے جو اس آیت میں ہے، مشرک مراد ہیں۔ پس اگر رشتہ دار اور قوم کفر کو ایمان پر ترجیح دیں تو ان کے ساتھ دلی رابطہ شرک ہے جو ایمان کے ساتھ متفق نہیں ہو سکتا۔

اصلی رابطہ عقیدے کا ہے یا کچھ اور؟

آیت: ۲۴ نے تو اس امر کا واضح فیصلہ کر دیا ہے کہ کس کی محبت تقاضائے ایمان ہے اور کس کی محبت اس کے خلاف ہے، فرمایا ہے:

"کہو کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارے خاندان اور وہ مال جو تم نے جمع کیے ہیں، اور جس تجارت میں خسارے کا تم کو اندیشہ ہے اور جن مکانوں کو تم پسند کرتے ہو۔ اگر یہ تم کو اللہ سے اور اس کے رسولؐ سے اور اللہ کی راہ میں جہاد سے محبوب تر ہیں تو انتظار کرو حتیٰ کہ اللہ اپنا حکم لے آئے۔ اور اللہ فاسق قوم کو راہ نہیں دیتا۔"

اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن نے صرف عقیدے کی توثیق و تاکید نہیں کی بلکہ خون، نسب، قرابت، اور ازدواجی تعلق کو ایک پلڑے میں رکھا اور عقیدے اور اس کے تقاضوں کو دوسرے پلڑے میں رکھا، اور اس کے ساتھ اموال، تجارت، مکانات جیسی مرغوب اور لذیذ چیزوں کو پہلے پلڑے میں رکھا اور خدا و رسولؐ کی محبت اور جہاد فی سبیل اللہ کی محبت کو دوسرے پلڑے میں ڈالا اور فرمایا کہ تم کو دنیوی لذائذ اور رشتے پیارے ہیں مگر خدا اور رسولؐ کو ان سے زیادہ محبوب بناؤ، تب مومن بنو گے۔ ایمان و عقیدے کے تمام تقاضے، جہاد کی سب مشکلات اور تکالیف ان سب کو، جب تک دنیوی لذائذ و محبوبات سے محبوب تر نہ جانو گے، ایماندار نہ بن سکو گے۔ ان احکام میں مشقت اور تکلیف ہے، مگر بہر حال یہ احکام یہی ہیں جو سامنے نظر آتے ہیں، اگر تم اس بات کو اہمیت نہیں دیتے تو فاسقوں کے انجام کو پہنچنے کے لیے تیار رہو!۔

مطالبہ افراد سے نہیں مسلم جماعت سے ہے!

تجرد کا یہ عظیم مطالبہ افراد سے نہیں ہے، بلکہ اس مطالبے کی مخاطب مسلم جماعت ہے، مسلم سلطنت اور حکومت ہے۔ عقیدے اور ایمان کے مقتضیات سے ارفع و اعلیٰ کوئی تعلق اور کوئی مصلحت نہیں ہے

Marfat.com

اللہ نے مومن جماعت کو یہ تکلیف یہ جان کر دی ہے کہ اس جماعت میں اس کو برداشت کرنے کی طاقت موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی طاقت سے بڑھ کر تکلیف نہیں دیتا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت ہے کہ اس نے انسانوں میں تجرد و احتمال کی یہ طاقت ودیعت کی ہے۔ اس کی لذت کا شعور و دیعت کیا ہے۔ یہ ایک ایسی لذت ہے کہ اس کے مقابلے میں کوئی دنیوی لذت نہیں رکھی جا سکتی۔ یہ قرب الٰہی اور اتصال باللہ کی لذت ہے۔ جس کے مقابلے میں ہر دوسری لذت ہیچ ہے۔

اللہ ہی مددگار ہے، اسی پر بھروسہ رکھو

آیات ۲۴ ——— ۲۷ میں کچھ پرانی یاد دہانیاں پیش کی گئی ہیں اور گزشتہ واقعات و فتوحات اور نصرتِ الٰہی کے مواقع یاد دلائے گئے ہیں۔ مثلاً جنگِ بدر جس میں نہ اتنی تعداد تھی نہ تیاری اور نہ ہتھیار تھے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے نوازا تھا۔ پھر جنگِ حنین کا ذکر فرمایا ہے جس میں بعض مسلمانوں کو کثرتِ تعداد پر ناز ہوا مگر وہ کثرت کسی کام نہ آئی، پھر اللہ کی مدد نے دستگیری فرمائی تو فتح ہوگئی۔ اس دن اصل لشکر کے ساتھ دو سو طلقاء (آزاد کردہ لوگ جو جنگی قیدی تھے۔ مگر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت نے انہیں آزاد کیا تھا) تھے۔ لشکر کی کثرت دیکھ کر بعض لوگوں کے دل کچھ لمحات کے لیے کثرتِ عدد اور کثرتِ اسلحہ و سازوسامان پر اترائے۔ اللہ کی طرف سے ذرا سی غفلت ہو گئی تو اس غفلت کی شامت میں سارا لشکر بکھر گیا۔ اس سے یہ ظاہر کرنا مد نظر تھا کہ مسلم کا بھروسہ تعداد پر نہیں فقط اللہ پر ہے۔ اللہ کی نصرت اگر وقت پر ساتھ چھوڑ دے تو ہر تیاری دھری کی دھری رہ جائے گی، اور جب وہ شاملِ حال ہو تو مسلمانوں کا کوئی دشمن کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ چنانچہ اس سلسلے میں فرمایا ہے:

"بلاشبہ اللہ نے بہت سی جگہوں میں تمہاری مدد فرمائی تھی اور جنگِ حنین میں بھی جب کہ تمہاری کثرت تمہیں اچھی لگی مگر وہ تمہارے کسی کام نہ آئی اور زمین فراخ ہونے کے باوجود تم پر تنگ ہوگئی۔ پھر تم پشت پھیر کر بھاگ گئے۔ پھر اللہ نے اپنا سکون اپنے رسول پر اور ایمان والوں پر اتارا اور وہ لشکر اتارے جن کو تم نے نہ دیکھا، اور کافروں کو عذاب دیا، اور کافروں کی یہی جزاء تھی۔ پھر اللہ اس کے بعد جسے چاہے گا توبہ کی توفیق دے گا اور اللہ بخشنے والا ہے مہربان ہے۔"

نصرتِ الٰہی کی کارفرمائی!

ہجرت کے بعد مدینہ میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پر کم و بیش پانچ درجن جنگیں کفار و مشرکین اور یہود کی طرف سے مسلط کی گئی تھیں۔ ان میں سے ایک دو کے سوا ہر جنگ میں بفضلِ خدا فتح ہوئی، نصرتِ الٰہی کا ظہور ہوا، اور اسلام کے غلبے کا ڈنکا بجا۔ اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں "بہت سے مواقع" کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ ان میں اللہ نے تمہاری مدد فرمائی تھی۔ جنگِ حنین میں بھی الٰہی نصرت نے دستگیری فرمائی، ورنہ دو ہزار جلد باز نو مسلم طلقاء کے پاؤں اکھڑ جانے کے باعث لشکر میں بھاگڑ مچ گئی تھی۔ واقعات یوں ہوئے تھے

کرشہ میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ اور اس کے سب امور و انتظامات سے فارغ ہوئے تو پتہ چلا کہ مالک بن عوف نصری رئیس ہوازن نے مسلمانوں کے خلاف معاندانہ کارروائی کے لیے ہوازن و ثقیف کے قبائل کو جمع کیا ہے۔ یہ بڑے لڑاکے تیرانداز لوگ تھے۔ انہوں نے بنی عمرو بن عامر اور بنو جشیم بنو سعد بن بکر۔ بعض بنی ہلال اور بنی عوف بن عامر کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا، اور وہ اپنے مال و اسباب اور عورتوں بچوں سمیت حنین کی وادی میں آ جمع ہوئے ان کا آنا ظاہر کرتا تھا کہ مرنے مارنے پر تلے ہوئے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ معلوم ہوا تو آپ دس ہزار مدنی اور قبائل عرب کے لشکر اور دو ہزار نومسلم طلقاء سمیت دشمن کی طرف بڑھے۔ مکہ اور طائف کے درمیان صبح کے اندھیرے میں جنگ حنین ہوئی ہوازن گھات لگا کر وادی کے گڑھوں میں چھپے ہوئے تھے۔ دو ہزار نومسلم جنگ اور مال غنیمت کے شوق میں آگے جا رہے تھے۔ ہوازن نے کمین گاہ سے نکل کر انہیں تیروں کی باڑھ پہ رکھ لیا اور تلواریں سونت لیں۔ اس یک لخت اور اچانک حملے نے مسلمانوں کو سخت پریشان کیا۔ نئی نومسلم بھاگ کھڑے ہوئے، مسلمانوں میں بھاگڑ مچ گئی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سفید خچر پر سوار تھے۔ جس کی دائیں رکاب کو عباسؓ نے اور بائیں کو ابوسفیانؓ بن حارث بن عبدالمطلب نومسلم نے تھام رکھا تھا۔ آپ خچر کو بار بار ایڑ لگا کر دشمن کی طرف لے جاتے مگر آپ کے چچا اور چچازاد سنبھال کر رکھتے اور آگے نہ بڑھنے دیتے تھے۔ آپ فرماتے تھے: "اللہ کے بندو! میری طرف آؤ میں رسول اللہ ہوں" اور یہ بھی فرماتے تھے کہ "یہ جھوٹ نہیں، میں نبی ہوں۔ میں عبدالمطلب کا پوتا ہوں۔" آپ کے گرد اصحابؓ میں سے یک صد کے قریب، اور ایک روایت میں اسی اصحاب ثابت قدم تھے۔ ان میں ابوبکرؓ، عمرؓ، عباسؓ، علیؓ، فضل بن عباسؓ، ابوسفیانؓ بن حارث، ایمن بن ام ایمنؓ اور اسامہؓ بن زید بھی تھے۔ پھر آپ نے اپنے چچا عباسؓ کو باآواز بلند پکارنے کا حکم دیا: "اے اصحاب شجرہ!" یعنی بیعت رضوان والے لوگو۔ عباس بہت بلند آواز تھے۔ انہوں نے پکار کر کہا: یا اصحاب السمرۃ، یا اصحاب سورۃ البقرۃ لوگوں نے لبیک لبیک کہتے ہوئے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آنا شروع کیا۔ جس کی سواری نے دیر لگائی وہ پیدل ہو کر دوڑتا ہوا آ گیا۔ جب آپ کے گرد کچھ لوگ اکٹھے ہو گئے، تو آپ نے انہیں شدید حملے کا حکم دیا۔ مشرکوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ مسلمانوں نے انہیں قتل اور گرفتار کرتے ہوئے ان کا پیچھا کیا۔ باقی لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس وقت پہنچے۔ جب کہ قیدی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب بندھے پڑے تھے۔

یہ پہلی جنگ تھی جس میں مسلمانوں کی تعداد ۱۲ ہزار تھی اور ان میں سے بعضوں کی زبان سے فخر و غرور کے کلمات نکل گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے تو انہیں شکست سے دوچار کیا، اسباب چاہے کچھ بھی تھے! پھر اس تھوڑی سی تعداد کو فتح بخشی جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جمع ہو گئی تھی۔ اس قرآنی نص نے اسی واقعہ کا ذکر کیا ہے۔

کثرتِ تعداد کسی کام نہ آئی

اسی سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ:

Marfat.com

"جب تمہاری کثرت نے تم کو فخر میں مبتلاء کر دیا مگر وہ تمہارے کسی کام نہ آئی اور زمین فراخ ہونے کے باوجود تم پر تنگ ہو گئی، پھر تم پشت پھیر کر بھاگ کھڑے ہوئے۔"

یعنی کثرت پر فخر جتانے کا نتیجہ روحانی شکست تھا، پھر زمین تم پر تنگ ہو گئی گو یا وہ فراخی کے باوجود تمہیں دبا رہی تھی، اور پھر حسی شکست واقع ہوئی، میدان سے روگردانی ہوئی۔ یہ سب کچھ اس لیے ہوا کہ تمہیں عملاً معلوم ہو جائے کہ فتح و شکست اللہ کی طرف سے ہے۔ اس کا مدار کثرت و قلت پر بالکل نہیں ہے، اللہ کے حکم سے کئی چھوٹے گروہ بڑی فوجوں پر غالب آ گئے تھے اور جب اللہ کی نصرت کا ہاتھ اٹھ گیا تو کثرتِ تعداد اور کثرتِ اسلحہ و مال و متاع بھی کسی کام نہیں۔

الٰہی سکون واطمینان سے احوال درست ہوئے

فرمایا ہے کہ:

"پھر اللہ نے اپنا سکون واطمینان اپنے رسول پر اور مومنوں پر اتارا۔"

گویا کہ "سکینہ" ایک چادر تھی جو اتاری گئی اور اس نے اڑے ہوئے دلوں کو ثابت و قائم کیا۔ اور خوف و حزن کا مداوا کیا۔ اور پھر:

"اور وہ لشکر اتارے جن کو تم نے نہ دیکھا۔"

لہٰذا ہم ان کی طبیعت و کیفیت سے بے خبر ہیں کیونکہ:

"تیرے رب کے لشکروں کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔"

اور پھر فرمایا کہ:

"اور کافروں کو عذاب دیا۔"

یعنی قتل، قید، لوٹ مار اور شکست کا عذاب:

"اور کافروں کی یہی جزاء تھی۔"

یعنی مومن اگر راہِ ایمان پر صحیح طور پر گامزن ہوں تو ان کے دشمنوں کی قسمت میں ذلت و رسوائی اور شکست و ریخت کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا۔ ہاں! توبہ کا دروازہ خطا کاروں کے لیے ہمیشہ کھلا ہے، جب بھی آ جائیں، ان کی گنجائش موجود ہے:

"پھر اللہ جس کو چاہے گا توبہ کی توفیق دے گا، اور اللہ غفور رحیم ہے۔"

کثرت و قلت کا مسئلہ حل کر دیا گیا ہے

جنگِ حنین جس کا ذکر یہاں پر اس لیے فرمایا گیا ہے کہ یہ بتایا جائے اللہ تعالیٰ سے تھوڑا سا انحراف بھی بعض اوقات سنگین نتائج پیدا کرتا ہے، خاص کر صحابہؓ جیسے اسلام کی صفِ اول کے لوگوں کے لیے تو یہ عملی تربیت نہایت ضروری تھی، وہ آئندہ ساری دنیا کا مقابلہ کرنے والے تھے لہٰذا ان کی تربیت میں بہت شدت روا رکھی گئی۔ اور انہیں سخت منزلوں اور خطرناک راہوں سے گزارا گیا۔ ان آیات نے کثرت و قلت کا سوال حل کیا ہے۔ کثرت

Marfat.com

بعض دفعہ شکست کا بنتی ہے۔ عقیدہ حقہ پر ثابت قدمی اور حق تعلیمات پر عمل کرنے والی جماعت قلیل بھی ہو تو فتحیاب ہوتی ہے۔ ایک یہ حقیقت بھی یہاں ثابت کی جا رہی کہ تربیت یافتہ جماعت کے اندر جب ایک تعداد غیر تربیت یافتہ نوواردوں کی آگھسے تو بعض دفعہ وہ نقصان کا باعث بنتی ہے، خاص کر میدان جنگ میں کچی نو مسلم ابھی اس پختگی تک نہ پہنچے تھے۔ جو ایک صحیح مومن جماعت کے اندر پائی جاتی ہے۔ اور جب ایک فوری واقعہ سے ان کے قدم متزلزل ہوئے تو وہ ساری فوج کی شکست کا سبب بن گئے۔ دنیا کا ہر عقیدہ ایک منتخب کم تعداد جماعت پر قائم ہوتا ہے۔ اس جھاگ پر نہیں جو کثرت مقدار کے باوجود چند لمحات میں اڑ جاتی ہے، کوڑا کرکٹ کثیر مقدار میں ہو تو بھی بے وزن اور بے کار ہے۔ اور اسے ہوا اڑا کرلے جاتی ہے۔

مشرک نجس ہیں اب انہیں مسجد حرام کے قریب نہ آنے دو!

آیت: ۲۸ میں فرمایا ہے:

"اے ایمان والو! بلاشبہ مشرک پلید ہیں، پس وہ اس سال کے بعد مسجد حرام کے قریب نہ آنے پائیں، اور اگر تمہیں افلاس کا خوف ہے تو اللہ اگر چاہے گا تو تمہیں اپنے فضل سے غنی کر دے گا۔ بلاشبہ اللہ خوب جاننے والا اور حکمت والا ہے۔"

نجاست سے مراد یہاں معنوی و روحانی یعنی عقیدے کی نجاست ہے جسے قرآنی تعبیر نے مجسم بنا کر پیش کیا ہے، گویا ان کی ماہیت و حقیقت میں نجاست ہے، پس وہ بیت اللہ کے متولی نہیں ہو سکتے، متولی ہونا کیا معنی وہ تو غلبے اور اقتدار کے ساتھ مسجد حرام کے قریب بھی نہیں پھٹک سکتے۔ کعبہ کی تولیت بھی ابراہیمی میراث ہے جس کے حق دار نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور مومن ہیں۔ رہی یہ بات کہ اس دور میں اہل مکہ کا اکثر کاروبار موسم حج میں ہوتا تھا اس موسم کا نفع وہ سارا سال کھاتے تھے (اور اب بھی ایسا ہی ہے کہ اہل مکہ کی رفاہیت کا مدارِ حج پر ہے!) لہٰذا اس حکم کے بعد ان کے دل میں خیال گزرا کہ اب یہ لوگ حج کو نہیں آئیں گے، تجارت نہ کریں گے اور ہم تنگدست ہو جائیں گے۔ علاوہ ازیں یہ خیال بھی تھا کہ جہاد کے اعلانِ عام سے رحلۃ الشتاء والصیف (سردی اور گرمی کے سفر) بند ہو جائے گی تو ہم کھائیں کہاں سے؟

یہ درست ہے کہ بظاہر یہ ایک واقعی بڑا نقصان تھا جس کا مسلمانوں کو سامنا کرنا پڑا، لیکن عقیدے کا تقاضا یہی تھا کہ اس عارضی نقصان کو نظر انداز کیا جائے، اور اللہ تعالیٰ نے ان کی روزی کی ذمہ داری لی، اور فرمایا کہ میں تمہیں اپنے فضل و کرم سے غنی کر دوں گا، اس کے اسباب اور احوال و ظروف پیدا ہو جائیں گے، اگر ایک دروازہ بند ہوگا تو کئی دروازے کھل جائیں گے چنانچہ عملاً ایسا ہی ہوا۔

خلوص و تجرد کی چوٹی!

امت مسلمہ کی راہ میں جو گھاٹیاں اور نشیب و فراز آئے تھے، الٰہی تربیت اور طویل جدوجہد نے ان میں سے گزرنا آسان بنا دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ اس امت کو خلوص و تجرد، عقیدے کی پختگی اور عقیدے کو ہر قسم کے دور و نزدیک رشتوں پر ترجیح دینے کے لیے تیار کر رہا تھا۔ وہ اس جماعت کو خلوص کی نہایت بلند چوٹی پر فائز کرنا چاہتا تھا، اس

کے لیے ایک طرف اوامر و نواہی اتارے گئے، دوسری طرف ایمان داروں کی اخلاقی و روحانی تربیت کی گئی۔ ان میں ایمان کی حقیقت اجاگر کی گئی اور جاہلیت کی ہر لوث اور آلائش سے دور کر دیا گیا۔ ان احکام کو جانے اور سمجھے بغیر کوئی انسان اسلام کی حقیقت کو نہیں جان سکتا

قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ
اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَلَا يَدِينُونَ دِينَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتٰبَ
حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَدٍ وَهُمْ صٰغِرُونَ ﴿۲۹﴾ وَقَالَتِ الْيَهُودُ
عُزَيْرُ ابْنُ اللَّهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللَّهِ ۖ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ
بِأَفْوَاهِهِمْ ۖ يُضَاهِئُونَ قَوْلَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَبْلُ ۚ قٰتَلَهُمُ
اللَّهُ ۚ أَنّٰى يُؤْفَكُونَ ﴿۳۰﴾ اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا
مِنْ دُونِ اللَّهِ وَالْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ ۚ وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا
إِلٰهًا وَاحِدًا ۚ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ ۚ سُبْحٰنَهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿۳۱﴾ يُرِيدُونَ
أَنْ يُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَيَأْبَى اللَّهُ إِلَّا أَنْ يُتِمَّ نُورَهُ
وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُونَ ﴿۳۲﴾ هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدٰى وَ
دِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ ﴿۳۳﴾
يٰأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ كَثِيرًا مِنَ الْأَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَأْكُلُونَ
أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبٰطِلِ وَيَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ ۗ وَالَّذِينَ
يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ
بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿۳۴﴾ يَوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ
وَجُنُوبُهُمْ وَظُهُورُهُمْ ۖ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِأَنْفُسِكُمْ فَذُوقُوا مَا كُنْتُمْ
تَكْنِزُونَ ﴿۳۵﴾

Marfat.com

اہل کتاب سے قتال کرو یہ مشرک ہو چکے ہیں!

آیات ۲۹ تا ۳۵ میں فرمایا گیا ہے:

"ان لوگوں سے قتال کرو جو اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان نہیں لائے اور نہ دین حق کو اختیار کرتے ہیں۔ یعنی اہل کتاب۔ حتیٰ کہ یہ جھک کر اپنے ہاتھ سے جزیہ ادا کریں (۲۹) اور یہود نے کہا کہ عزیرؑ اللہ کا بیٹا ہے، اور نصاریٰ نے کہا کہ مسیحؑ اللہ کا بیٹا ہے، یہ ان کے منہ کی باتیں ہیں، پہلے کافروں کے قول کی مشابہت کرتے ہیں، اللہ انہیں قتل کرے۔ کہاں پھرے جا رہے ہیں (۳۰) انہوں نے اپنے علماء اور زہاد کو اللہ سے ورے رب بنا لیا اور مسیح ابن مریمؑ کو بھی، حالانکہ ان کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ خدائے واحد کی ہی بندگی کریں جس کے سوا کوئی الٰہ نہیں، وہ پاک ہے ان کے شریکوں اور شرک سے (۳۱) وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے منہ کی پھونکوں سے بجھا دیں، اور اللہ انکار کرتا ہے مگر اس سے کہ اپنے نور کو پورا کرے گا، اگرچہ کافر ناپسند کریں (۳۲) وہ وہی خدا ہے جس نے اپنے رسولؐ کو ہدایت اور برحق دین دے کر بھیجا تاکہ اس کو سب دینوں پر غالب کر دے، اگرچہ کافر بُرا مانیں (۳۳) اے ایمان والو! یقیناً بہت سے علماء اور راہب لوگوں کے مال ناجائز طور پر کھا جاتے ہیں اور اللہ کی راہ سے روکتے ہیں۔ اور وہ لوگ جو خزانہ بنا رکھتے ہیں سونے اور چاندی کا اور انہیں اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے۔ تو تو ان کو دردناک سزا کی بشارت دیدے (۳۴) جس دن ان کو جہنم کی آگ میں تپایا جائے گا، پھر ان کے ساتھ ان کی پیشانیوں کو اور ان کے پہلوؤں کو اور ان کی پشتوں کو داغا جائے گا، کہا جائے گا کہ یہ ہے جس کو تم نے اپنے لیے جمع کیا تھا پس چکھو اس کو جسے تم خزانہ بنا کر رکھتے تھے" (۳۵)

مُسلم اجتماع اور اہل کتاب کے انتہائی تعلقات

اس سورت کا پہلا قطعہ مسلم جماعت اور جزیرۂ عرب کے مشرکین کے مابین تعلقات کی نوعیت بتاتا ہے جیسا کہ اوپر گزر چکا۔ سورہ توبہ کا یہ دوسرا قطعہ مسلم معاشرے اور اہل کتاب کے انتہائی تعلقات کی حد بندی کرتا ہے۔ یہودیوں کے ساتھ تو اسلام اور مسلمانوں کی بار بار چپقلش ہو چکی تھی، مگر یہ پہلا موقع ہے کہ نصاریٰ کو بھی یہود کے ساتھ شامل کر کے ان دونوں کو ایک ہی صف میں رکھا گیا ہے۔ مسلم معاشرے کے اہل کتاب کے ساتھ جو تعلقات اس سے قبل رہ چکے تھے ان میں بنیادی تبدیلیاں کی گئی ہیں، خاص کر نصاریٰ کے بارے میں۔

واضح تبدیلی

ان جدید احکام میں جو واضح تر تبدیلی نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ اہل کتاب چونکہ دین حق سے منحرف ہو چکے ہیں لہٰذا ان کے اس وقت تک قتال کرنا ضروری ہے۔ جب تک کہ وہ جھک کر عاجزی کے ساتھ اپنے ہاتھ سے

Marfat.com

جزیہ ادا نہ کریں۔ پس ان سے عہود اور صلح و صفائی کے احکام کی یہی واحد بنیاد ہے۔ یعنی جزیہ ادا کرنے کی بنیاد۔ جب وہ ایسا کریں گے تو ان کے لیے ذمی معاہد کے حقوق ثابت ہو جائیں گے۔ ان کی جان و مال، دین و مذہب، شخصی قانون عبادت گاہیں غرض سب کچھ محفوظ ہو جائے گا۔ اور ان میں اور مسلمانوں میں صلح و سلامتی کا عہد و عقد منعقد ہو جائے گا۔ ہاں! اگر وہ اسلام کو برحق دین جان کر اختیار کر لیں گے تو وہ مسلم شمار ہوں گے۔ مگر ان کو قبول اسلام پر مجبور نہ کیا جائے گا۔ جس طرح انہوں نے سپین میں اور دنیا کے اور بہت سے علاقوں میں ترغیب تحریص کے علاوہ جبر و اکراہ کو بھی مسلمانوں کے خلاف استعمال کیا اور انہیں جبراً عیسائی بنایا۔ تاریخ نے ان واقعات کو محفوظ رکھا ہے اور ان کے انکار کی قطعی گنجائش نہیں ہے۔ اسلام کا محکم اور برسر عام مشہور قاعدہ یہ ہے کہ: لا اکراہ فی الدین (دین اختیار کرنے پر جبر نہیں کیا جا سکتا) لیکن ان کے لیے ان کے دین پر قائم رہنے کی شرط جزیہ ہے اور مسلم معاشرے اور ان کے درمیان عہد پیمان کی یہی بنیاد ہے۔

اسلام اور جاہلی ادیان و مذاہب میں حتمی تعلق کی فطرت

اسلامی معاشرے اور اہل کتاب کے درمیان تعامل کی اس جدید تعدیل کو سمجھنا اس پر موقوف ہے کہ اسلام اور جاہلیت کی فطرت کو سمجھا جائے۔ اسلامی تحریک اور اس کے مختلف مراحل کو غور سے دیکھنے اور سمجھنے کی کوشش کی جائے۔ اس تحریک کے مختلف مراحل میں جو احکام و قواعد وضع کیے گئے تھے، وہ ان مراحل کے لیے ضروری تھے۔ اور جو وسائل اختیار کیے گئے تھے وہ بھی لابدی تھے۔ اللہ دین اور جاہلی ادیان کے درمیان حتمی تعلق کی فطرت یہ ہے کہ یہ دونوں باہم زندہ نہیں رہ سکتے۔ مگر خاص خاص اوضاع اور خاص خاص شرطوں کے ساتھ۔ اسلام انسان کے لیے عبادتِ خداوندی کی آزادی اور انسان کی انسان کے لیے غلامی کا منکر ہے۔ اس راستے میں جو رکاوٹ بھی آئے گی وہ اسے سلطنت کی قوت کے ساتھ، دیوانی و فوجداری قوانین کے ساتھ سطح زمین سے مٹا دینے کا داعی ہے۔ یہ کام صرف اس صورت میں ممکن ہے کہ خدا کا دین غالب ہو تا کہ وہ بندوں کو بندوں کی غلامی سے نکال سکے۔ یہ اسلام کا اعلانِ عام ہے۔ جاہلی ادیان اپنا دفاع چاہتے ہیں اور اس لیے سطح زمین سے اسلام کو مٹا دینے کے قائل ہیں۔ ان کو شرک و کفر کی کھلی چھٹی صرف اس صورت میں مل سکتی ہے۔

اسلامی تحریک کا مزاج

جاہلیتِ اسلام کے مقابلے میں اپنا دفاع کرنے کے لیے ہر قسم کے وسائل و ذرائع اختیار کرتی ہے۔ اور اسلام ایک تحریک ہونے کے ناطے سے اپنے مرحلہ وار تحریکی کام کو آگے بڑھاتا ہے اور ضروری ساز و سامان سے لیس ہو کر جاہلیت کا مقابلہ کرتا ہے۔ اس کی یہ دفاعی تحریک صرف دفاعی نہیں بلکہ اقدامی بھی ہے۔ اس تحریک کے لیے جو مرحلہ وار احکام اور انتہائی احکام دیے گئے ہیں۔ وہ اس کی شہادت دیتے ہیں کہ اس نے ہر مرحلے کا اس کے تقاضے کے مطابق اور پھر آخر کار انتہائی احکام دے کر اس تحریک کو قائم کیا ہے۔ اور یہ سورت چونکہ اس قطعہ میں اہل کتاب کے بارے میں مسلمانوں کے رویے کی تجدید و تحدید کر رہی تھی۔ لہٰذا اس نے اہل کتاب کی اصل حقیقت بتائی کہ وہ مشرک ہیں کافر ہیں، باطل پرست ہیں۔ اور یہ حکم جن وقائع و حقائق پر قائم ہے اس کی صراحت و وضاحت فرمائی

Marfat.com

ہے۔ عقائد ہوں یا معاملات واعمال، سب میں ان کے گزشتہ کافروں کی نقل اتارنے والے اور ان کے مشابہ ٹھہرایا ہے۔ چنانچہ ان نصوص میں یہ فرمایا گیا ہے کہ :

(۱) وہ اللہ پر اور قیامت پر ایمان نہیں رکھتے۔

(۲) وہ اللہ اور اس کے رسول ؐ کی حرام کردہ چیزوں کو حرام نہیں ٹھیراتے۔

(۳) وہ دینِ حق کو اختیار نہیں کرتے۔

(۴) یہود نے عزیرؑ کو اللہ کا بیٹا کہا اور نصاریٰ نے مسیحؑ کو ابن اللہ بنایا۔ یہ شرک انہیں اپنے پیش رَو یونانی مشرکوں سے ملا ہے۔ یا رومی مشرکوں سے یا ہندو بت پرستوں سے۔ عنقریب ہم مفصل طور بیان کریں گے کہ نصاریٰ کے عقائدِ تثلیث و ابنیت اور یہود کا ادعائے ابنیت گزشتہ بت پرست قوموں سے ماخوذ ہے، اور یہ نصرانی یا یہودی اصل سے نہیں ہے۔

(۵) انہوں نے اپنے علماء اور راہبوں کو اللہ سے ورے رب بنالیا، اور مسیحؑ کو بھی رب بنالیا، حالانکہ ان کو توحید خالص کا حکم دیا گیا تھا لہٰذا وہ مشرک ہیں۔

(۶) وہ اللہ کے دین حق سے برسرِ جنگ ہیں۔ اللہ کے نُور کو اپنے منہ کی پھونکوں سے بجھا دینا چاہتے ہیں لہٰذا وہ کافر ہیں۔

(۷) ان کے بہت سے عالم اور راہب لوگوں کے اموال ناجائز طور پر ہڑپ کر جاتے ہیں، اور اللہ کی راہ سے روکتے ہیں۔

اہل کتاب کے متعلق آخری احکام انہی گزشتہ بنیادوں پر قائم ہوئے

اہل کتاب کی حقیقت اور ان کے دین و عمل کی اصلیت جو ان آیات میں بیان ہوئی ہے۔ انہی پر وہ احکام مبنی ہیں جو ان کے بارے میں آخری و انتہائی احکام ہیں، اور انہی احکام پر مسلمانوں اور اہل کتاب کے درمیان تعلقات قائم ہوئے تھے، اور بظاہر اہل کتاب کی حقیقت کی یہ تقریر ان قرآنی تقریرات کے خلاف ہے، جو اس سے پہلے ان کے متعلق گزر چکی ہیں۔ اس لیے مستشرقین، مبشرین اور ان کے شاگردوں نے یہ کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قوت و قدرت حاصل کرکے اپنے اقوال و احکام کو بدل دیا تھا۔ معاذ اللہ منہ۔

دزمانہ حال کے مستشرق مانٹگمری نے تو اس موضوع پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی و مدنی زندگی میں تضاد ثابت کرنے کے لیے کئی کتابیں لکھی ہیں اور یہاں تک کہہ دیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معاذ اللہ مکہ میں نبی تھے مگر مدینہ میں بادشاہ بن گئے تھے۔ استغفر اللہ، نقلِ کفر کفر نباشد۔

مستشرقین کے خبیث الزام کا رد

قرآن کی مکی و مدنی تقریرات کو اہل کتاب کے متعلق اگر اس موضوع پر پیش نظر رکھیں تو معاملہ صاف ہو جاتا ہے۔ اہل کتاب کے انحرافی عقائد کا دونوں زندگیوں میں ابطال ہوتا رہا۔ اللہ کے صحیح دین کے ساتھ ان کے شرک و کفر کا بیان برابر ہوتا رہا۔ تبدیلیاں جو ہوئیں وہ ان کے ساتھ تعامل کے طریقے میں ہوئیں اور ہم کئی

Marfat.com

بار کہہ چکے ہیں کہ تعامل کے طریقے احوال وظروف کی تبدیلی کے پابند ہیں، جیسے حالات ہوں گے ویسا تعامل ہوگا پہلی بنیاد جس پر کہ احوال واوضاع مبنی ہیں یعنی اہل کتاب کے عقیدے اور عمل کی حقیقت۔ وہ ان کے خلاف الٰہی فیصلے میں پہلے دن سے موجود تھی۔ ہم اس بات کو بعض قرآنی دلائل و تقریرات سے ثابت کریں گے۔

مکہ میں مدینہ کی مانند اہل کتاب کی کوئی اجتماعی آبادی اور بستی نہ تھی۔ بعض افراد تھے جو معاشرے میں بکھرے ہوئے تھے۔ قرآن کا بیان ہے کہ انہوں نے اسلامی دعوت کو بخوشی تصدیق کے ساتھ قبول کر لیا۔ یہ لوگ لازماً اُن افراد میں سے تھے جو عقیدۂ توحید پر باقی تھے اور غالباً ان کے پاس سابقہ کتب منزلہ کا کوئی حصہ موجود تھا ان کے متعلق قرآن کا بیان ہے کہ:

(۱) جن لوگوں کو ہم نے اس سے پہلے کتاب دی تھی وہ اس پر ایمان لاتے ہیں اور جب وہ کتاب ان پر پڑھی جائے تو وہ کہتے ہیں کہ وہ برحق ہے۔ ہمارے رب کی طرف سے ہے۔ ہم اس سے قبل ہی مسلم تھے۔ (القصص ۵۲ ــــــ ۵۳)

(۲) کہو کہ تم اس پر ایمان لاؤ یا نہ لاؤ۔ جن لوگوں کو اس سے پہلے علم دیا گیا تھا جب وہ کتاب ان پر پڑھی جاتی ہے تو وہ ٹھوڑیوں پر سجدے میں گر جاتے ہیں اور کہتے ہیں: ہمارا رب پاک ہے۔ ہمارے رب کا وعدہ یقیناً کیا جانے والا ہے اور وہ ٹھوڑیوں پر گر جاتے ہیں۔ روتے ہیں، اور ان کی عاجزی بڑھ جاتی ہے۔ (الاسراء ۱۰۷ ــــــ ۱۰۹)

(۳) کہو کہ یہ بتاؤ اگر یہ اللہ کی طرف سے ہے اور تم نے اس کا انکار کیا، اور بنی اسرائیل میں سے ایک گواہ نے اسی کی مانند گواہی دی اور ایمان لایا اور تم اکڑ گئے۔ بے شک اللہ تعالے ظالم قوم کو راہ نہیں دیتا۔ (الاحقاف: ۱۰)

(۴) اور اسی طرح ہم نے تیری طرف کتاب اتاری، پس جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی وہ اس پر ایمان لاتے ہیں، اور ان لوگوں میں سے بھی کچھ اس پر ایمان لاتے ہیں، اور کافروں کے سوا ہماری آیات کا کوئی انکار نہیں کرتا۔ (العنکبوت: ۴۷)

(۵) کیا میں اللہ کے سوا کوئی اور فیصلہ کرنے والا تلاش کروں، اور جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی وہ جانتے ہیں کہ وہ تیرے رب کی طرف سے حق کے ساتھ اتاری گئی ہے۔ پس تو ہرگز شک کرنے والوں میں سے نہ ہو۔ (الانعام: ۱۱۴)

(۶) اور جن کو ہم نے کتاب دی وہ خوش ہوتے ہیں اس پر جو تیری طرف نازل کیا گیا، اور بعض جماعتوں کے افراد اس کے بعض کے منکر ہیں۔ کہو کہ مجھ کو یہی حکم ملا ہے کہ میں اللہ کی عبادت کروں اور اس کے ساتھ شرک نہ کروں میں اُسی کی طرف بلاتا ہوں اور میرا رجوع اُسی کی طرف ہے۔ (الرعد ۳۶)

مدنی سورتوں میں بھی بعض افراد کی استجابت کا ذکر موجود ہے اور بعض میں یہ صراحت بھی ہے کہ وہ نصاریٰ میں سے تھے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہودی اس موقف کے خلاف ایک دوسرا موقف اختیار کر چکے ہیں۔ جو ان کے بعض افراد نے مکہ میں اختیار کیا تھا۔ یہ اس وقت ہوا جب انہوں نے مدینہ میں اسلام کی قوت دیکھی اور خطرے کو بھانپا تھا۔

Marfat.com

(۷) اور بلاشبہ بعض اہل کتاب وہ ہیں جو اللہ پر ایمان لاتے ہیں اور اس پر جو تمہاری طرف اتارا گیا۔ اور اس پر جو ان کی طرف اتارا گیا، درانحالیکہ وہ اللہ کے حضور عاجز ہیں، اللہ کی آیات کے بدلے میں تھوڑا مول نہیں خریدتے وہی لوگ ہیں جن کے لیے ان کا اجر ہے ان کے رب کے پاس، بلاشبہ اللہ جلدی حساب لینے والا ہے۔ (آل عمران : ۱۹۹)

(۸) تو ایمانداروں کے لیے سخت ترین دشمن یہود اور مشرکوں کو پائے گا۔ اور تو مودت میں ان میں سے قریب تر نصاریٰ کو پائے گا۔ کیونکہ ان میں بعض عالم ہیں اور راہب ہیں اور وہ متکبر نہیں، اور جب انہوں نے وہ کلام سنا جو رسول ﷺ کی طرف اتارا گیا، تو دیکھے گا کہ ان کی آنکھیں آنسو بہاتی ہیں، اس لیے کہ انہوں نے حق کو پہچان لیا ہے۔ وہ کہتے ہیں : اے ہمارے رب! ہم ایمان لائے لہٰذا تو ہمیں گواہوں میں لکھ لے۔ اور ہمیں کیا رکاوٹ ہے کہ ہم اللہ پر اور اس حق پر ایمان لائیں جو ہمارے پاس آیا، حالانکہ ہم طمع رکھتے ہیں کہ ہمارا رب ہم کو نیک قوم میں داخل کر دے۔ اور ان کے قول کے باعث اللہ تعالےٰ نے ان کو باغ دیئے، جن کے نیچے نہریں چلتی ہیں۔ وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے، اور یہی جزا ہے نیکی کرنے والوں کی۔ (المائدہ ۸۲ ——— ۸۵)

اہل کتاب کی غالب اکثریت کا موقف اس کے خلاف تھا

یہ صرف چند افراد کا موقف تھا جو بیان ہوا۔ اہل کتاب کی غالب اکثریت کا موقف اسلام کے شدید خلاف تھا، خاص کر یہود کا موقف، انہوں نے جب مدینہ میں اسلام سے خطرہ محسوس کیا تو اسلام پر غارت ڈالتے رہے اور خبیث جنگ جاری رکھی۔ قرآن نے بہت سی نصوص میں بیان کیا ہے کہ وہ اسلام اور اہل اسلام کے خلاف تمام وسائل اختیار کرتے رہے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ اسلام دین برحق ہے مگر وہ اس میں داخل نہ ہوئے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو بشارتیں ان کی کتابوں میں تھیں ان کا بھی انہوں نے انکار کر دیا۔ حالانکہ ان میں سے پاکباز انسانوں نے علی الاعلان اس کا اعتراف کیا۔ قرآن ان منکروں کا انکار و جحود اور اہل کتاب کا تعصب و حق ناشناسی کھول کر بیان کرتا رہا، ان کی باطل پرستی، رشوت خوری، سود خوری کا ذکر قرآن کی واضح آیات میں وارد ہوا ہے۔ مکی قرآن بھی ان کے انحرافات سے خاموش نہیں ہے، مثلاً :

(۱) اور جب عیسیٰؑ روشن دلائل کے ساتھ آیا تو اس نے کہا کہ میں تمہارے پاس حکمت لے کر آیا ہوں۔ اور تاکہ تمہارے بعض اختلافات کو واضح کروں۔ سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ بیشک اللہ ہی میرا رب اور تمہارا رب ہے، پس تم اسی کی عبادت کرو۔ یہ سیدھا راستہ ہے۔ پس اختلاف کیا گروہوں نے ان میں سے۔ پس بڑا عذاب ہے ان کے لیے جنہوں نے شرک کیا، اس ایک دردناک دن کے عذاب سے۔ (الزخرف ۶۳ ——— ۶۵)

(۲) اور وہ جدا نہ ہوئے مگر علم کے آجانے کے بعد باہمی عداوت کے باعث، اور بیشک جن لوگوں کو کتاب کا وارث بنایا گیا، ان کے بعد وہ بہت گہرے شک میں ہیں (الشوریٰ : ۱۴)

(۳) اور جب ان سے کہا گیا کہ تم اس بستی میں ٹھہرو اور اس سے کھاؤ جہاں چاہو اور کہو توبہ، ہم تمہارے گناہ

Marfat.com

تم کو بخش دیں گے، اور نیکوکاروں کو مزید دیں گے۔ پس بدل دیا ان میں سے ظالموں نے وہ قول جو ان سے کہا گیا تو بھیجا ہم نے ان پر آسمانی عذاب کیونکہ وہ ظالم تھے۔ اور سوال کر ان سے اس بستی کے متعلق جو سمندر کے کنارے پر تھی۔ جب وہ سبت میں تعدی کرتے تھے، جب کہ ان کے پاس ان کی مچھلیاں ان کے سبت کے دن کثرت سے آتی تھیں اور جس دن سبت نہ ہوتا تو وہ نہ آتی تھیں۔ اسی طرح ہم ان کو آزماتے تھے ان کی نافرمانی کے باعث۔ (اعراف: ۱۶۱ ——— ۱۶۳)

(۴) اور جب تیرے رب نے بتا دیا کہ ان پر قیامت کے دن تک ان لوگوں کو بھیجے گا جو انہیں برا عذاب چکھائیں گے۔ بیشک تیرا رب جلدی حساب لینے والا ہے۔ بے شک وہ بہت بخشنے والا ہے رحیم ہے۔ (اعراف: ۱۶۷)

(۵) پھر ان کے بعد کچھ ناخلف پیدا ہوئے جو کتاب کے وارث ہوئے۔ اس دنیا کا سامان لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم کو بخش دیا جائے گا اور اگر پھر ان کے پاس اس قسم کا سامان آئے تو اسے لے لیں گے۔ کیا ان پر کتاب کا پختہ عہد نہیں لیا گیا کہ وہ اللہ پر حق کے سوا نہ کہیں گے؟ اور انہوں نے پڑھ لیا جو کچھ اس میں ہے اور پچھلا گھر بہتر ہے ان کے لیے جو ڈرتے ہیں، کیا تمہیں عقل نہیں ہے؟ (اعراف: ۱۶۹)

قرآن اہل کتاب کے عقیدہ و عمل کے بارے میں آخری بات پر مشتمل ہے۔ اس نے ان کے بارے میں بیان کیا ہے کہ انہوں نے بدترین وسائل اور قبیح ترین طریقے اس دین اور اہل دین کے خلاف اختیار کیے۔ یہ مضامین سورۃ البقرہ، آل عمران، النساء، المائدہ وغیرہا میں وارد ہوا ہے۔ اور ان سب کے بعد سورۃ توبہ میں ان کے متعلق انتہائی احکام آئے ہیں۔ ہم ان قرآنی تقریرات میں سے چند ایک پر اکتفاء کرتے ہیں:

(۱) کیا تم کو لالچ ہے کہ وہ تمہاری بات مان لیں گے، حالانکہ ان میں سے ایک فریق وہ تھا جو اللہ کا کلام سنتے تھے پھر اس کو سمجھ لینے کے بعد اس میں تبدیلی کرتے تھے اور جان بوجھ کر ایسا کرتے تھے اور جب وہ ایمانداروں سے ملتے تو کہتے کہ ہم ایمان لائے، اور جب ایک دوسرے سے تنہائی میں ملتے تو کہتے: کیا تم ان کو بتاتے ہو جو اللہ نے تم پر کھولا ہے۔ تاکہ اس کے ساتھ وہ تمہارے رب کے پاس جھگڑا کریں؟ کیا تم سمجھتے نہیں ہو؟ کیا یہ جانتے نہیں کہ بلاشبہ اللہ جانتا ہے جو کچھ وہ چھپاتے ہیں اور جو کچھ وہ ظاہر کرتے ہیں۔ اور ان میں سے بعض ان پڑھ ہیں، جو کتاب کو نہیں جانتے، لیکن چند خواہشات نفس کو جانتے ہیں اور وہ وہم و گمان میں مبتلاء ہیں، سو عذاب ہے ان کے لیے جو کتاب کو ہاتھوں سے لکھتے ہیں، پھر کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے تاکہ اس کے ساتھ تھوڑا سا مول خرید لیں۔ سو ان کے ہاتھوں کے لکھے سے ان کے لیے عذاب ہے اور ان کی کمائی کے باعث ان کے لیے عذاب ہے۔ (البقرہ ۷۵ ——— ۷۹)

(۲) اور بلاشبہ ہم نے موسیٰؑ کو کتاب دی اور اس کے پیچھے رسولوں کو بھیجا۔ اور ہم نے مریمؑ کے بیٹے عیسیٰؑ کو روشن دلائل دیئے اور اس کی تائید روح القدس کے ساتھ کی۔ سو کیا جب بھی تمہارے پاس کوئی رسول تمہاری خواہشات نفس کے خلاف تعلیم لایا تو تم نے تکبر کیا، پس ایک فریق کو تم نے جھٹلایا اور ایک فریق کو قتل کرتے تھے۔ اور انہوں نے کہا کہ ہمارے دل غلافوں میں ہیں۔ بلکہ اللہ نے ان کے کفر کے باعث انہیں ملعون کیا سو وہ کم ہی ایمان لاتے ہیں۔ اور

Marfat.com

جب ان کے پاس اللہ کی طرف سے ایک کتاب آئی جو ان کی کتاب کی تصدیق کرتی تھی، اور وہ اس سے پہلے کافروں پر فتح مانگتے تھے، پس جب ان کے پاس وہ کتاب آئی، جس کو وہ پہچانتے تھے۔ تو انہوں نے اس کا انکار کیا، ایسے کافروں پر اللہ کی لعنت ہے۔ بہت بُرا ہے وہ جس کے ساتھ انہوں نے اپنے آپ کو بیچا کہ انہوں نے اللہ کی نازل کردہ کتاب کا انکار کیا۔ اس عداوت میں کہ اللہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے اپنا فضل اتارے۔ سو وہ ناراضگی پر ناراضگی لے کر پھرے اور ایسے کافروں کے لیے ذلیل کن عذاب ہے، اور جب ان سے کہا گیا کہ اللہ کی اتاری ہوئی کتاب پر ایمان لاؤ۔ تو انہوں نے کہا کہ ہم ایمان لاتے ہیں اس کتاب پر جو ہم پر اتاری گئی، اور اس کے علاوہ کا وہ انکار کرتے ہیں حالانکہ وہ حق ہے۔ تصدیق کرنے والا اس چیز کا جو ان کے پاس ہے۔ کہو کہ پھر تم کیوں قتل کرتے تھے اللہ کے نبیوں کو اس سے قبل اگر تم مومن ہو؟ (البقرہ: ۸۷ —— ۹۱)

(۴) کہو اے اہل کتاب تم اللہ کی آیات کا انکار کیوں کرتے ہو؟ اور اللہ تمہارے اعمال پر گواہ ہے، کہو اے اہل کتاب تم ایمانداروں کو اللہ کی راہ سے کیوں روکتے ہو؟ تم اس میں کجی چاہتے ہو حالانکہ تم گواہ ہو۔ اور اللہ تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں ہے (۹۸ —— ۹۹)

(۵) کیا تو نے ان لوگوں کی طرف نہیں دیکھا، جن کو کتاب کا ایک حصہ ملا تھا۔ وہ بتوں پر اور شیطان پر ایمان لاتے ہیں اور کافروں کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ ایمانداروں کی نسبت زیادہ راہِ ہدایت پر ہیں، یہ وہی لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی، اور جس پر اللہ لعنت کرے تو تو ہرگز اس کا کوئی مددگار نہ پائے گا۔ (النساء ۵۱ —— ۵۲)

(۶) بلاشبہ وہ لوگ کافر ہو گئے ہیں، جنہوں نے کہا کہ اللہ وہ مسیح بن مریمؑ ہی ہے، حالانکہ مسیحؑ نے کہا تھا کہ اے بنی اسرائیل اللہ ہی کی عبادت کرو جو میرا رب اور تمہارا رب ہے۔ بلاشبہ جس نے اللہ کا شریک بنایا تو اللہ نے اس پر جنت کو حرام کر دیا اور اس کا ٹھکانا آگ ہے، اور ظالموں کا کوئی مددگار نہ ہو گا۔ بلاشبہ وہ لوگ کافر ہو گئے جنہوں نے کہا کہ بے شک اللہ تین میں سے تیسرا ہے۔ حالانکہ ایک اکیلے خدا کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، اور اگر وہ اپنے قول سے باز نہ آئے تو ان میں سے کافروں کو دردناک عذاب پہنچے گا۔ کیا یہ لوگ اللہ سے توبہ نہیں کرتے اور اس سے استغفار نہیں کرتے؟ اور اللہ بہت بخشنے والا ہے رحیم ہے۔ مسیح بن مریمؑ فقط ایک رسول ہی تھا، اس سے پہلے بھی کئی رسول گزرے تھے اور اس کی ماں نہایت صادق تھی، وہ دونوں کھانا کھاتے تھے۔ تو دیکھ ہم کس طرح ان کے لیے آیات کو کھولتے ہیں، پھر تو دیکھ کہ وہ کیونکر پھرے جاتے ہیں؟ (المائدہ: ۷۱ —— ۷۵)

ان آیات سے اور ان جیسی دیگر آیات سے جو مکی بھی ہیں اور مدنی بھی، اہل کتاب کا دینِ حق سے انحراف اور ان کی گمراہی اور عداوتِ رسولؐ کا راز معلوم ہو جاتا ہے آخری نازل ہونے والی سورۃ البراءۃ میں بھی یہی مضمون ہے۔ اس سے کچھ کمی بیشی یا تغیر نہیں ہوا۔ اور اللہ تعالیٰ نے جو ان کے انحراف، فسوق، شرک اور کفر کی نشاندہی کی تھی وہ کوئی نئی بات نہیں ہے، نہ اس میں ان کا کوئی جدید عقیدہ بیان کیا گیا ہے۔ یہ بھی پیش نظر رہنا ضروری ہے کہ اہلِ کتاب میں سے ایمان لانے والے گروہ کو اللہ تعالیٰ نے ہر جگہ سراہا ہے اور ان کی ہدایت و صلاحیت کی تعریف فرمائی ہے۔ ان آیات کو دیکھیے:

(۱) اور موسیٰؑ کی قوم میں سے ایک جماعت حق کی ہدایت پاتی اور اسی پر عمل کرتی ہے (اعراف: ۱۵۹)

(۲) اور اہل کتاب میں سے بعض وہ ہیں کہ اگر تو انہیں ایک ڈھیر امانت دے تو تجھے واپس ادا کرے گا، اور

Marfat.com

بعض وہ ہیں کہ اگر ان کو ایک دینار کی امانت دو تو وہ تمہیں واپس نہ دے گا، سوائے اس صورت کے کہ تو اس کے سر پر کھڑا رہے۔ یہ اس لیئے کہ انہوں نے کہا: اُمیّوں کے متعلق ہم پر کوئی گناہ نہیں۔ اور اللہ پر جان بوجھ کر جھوٹ بولتے ہیں۔ (اُمّی وہ طنزاً مسلمانوں کو کہتے ہیں اور اب گوئیم کا لفظ اس معنیٰ میں بولتے ہیں۔ ان کے عقیدے میں مسلمانوں کو دھوکا دینا، ان سے سود لینا، ان کی رقم مار جانا، ان کے خلاف جھوٹ بولنا جائز ہے)

(۲) ان پر ذلت چپکا دی گئی جہاں کہیں وہ پائے جائیں، مگر اللہ کی پناہ میں یا لوگوں کی پناہ میں۔ اور وہ اللہ کا غضب لے کر واپس ہوئے، اور ان پر مسکینی چپکا دی گئی۔ یہ اس لیئے کہ وہ اللہ کی آیات کا انکار کرتے تھے اور نبیوں کو ناحق قتل کرتے تھے، یہ اس لیے کہ وہ نافرمان تھے اور حد سے تجاوز کرتے تھے۔ سب برابر نہیں، اہل کتاب میں ایسے لوگ بھی ہیں جو حق پر قائم ہیں اور اللہ کی آیات کی تلاوت کرتے ہیں، رات کی گھڑیوں میں اور وہ سجدے کرتے ہیں۔ وہ اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لاتے ہیں اور نیکی کا حکم دیتے ہیں اور بُرائی سے روکتے ہیں اور بھلائیوں میں جلدی کرتے ہیں، اور وہی نیکوکاروں میں سے ہیں۔ اور وہ جو بھلائی کریں گے اس کی ناشکری نہ ہوگی۔ اور اللہ متقین کو خوب جانتا ہے (آلِ عمران: ۱۱۲ —— ۱۱۵)

یہ تو اہل کتاب کے عقائد و اعمال اور اخلاق کی بات تھی۔ جہاں تک عملاً تغیر و تبدل کا تعلق ہے وہ اہل کتاب کے ساتھ تعامل اور رویّے کا سوال ہے۔ وہ مختلف مرحلوں اور قرأت میں مختلف ہو سکتا تھا۔ بلکہ ہونا چاہیے تھا۔ اس سلسلے میں مرحلہ وار تبدیلی ضروری تھی اور اسی طرح ہوئی۔ ہر ہر واقعہ کو اس کے اصلی رنگ میں اور صحیح قدر و قیمت کے لحاظ سے لیا گیا، ایک تحریک کا یہی تقاضا تھا کہ وہ آگے بڑھتی رہے اور ہر قسم کے پیش آمدہ احوال و ظروف میں وقت اور ماحول کے تقاضے کے مطابق احکام دیتی رہے۔ چنانچہ ایک وقت وہ تھا جب یہ فرمایا گیا۔

(۱) اہلِ کتاب کے ساتھ صرف احسن طریقے سے مجادلہ کرو، سوائے ان میں سے ظالم لوگوں کے، اور کہو کہ ہم ایمان لائے، اس کتاب پر جو ہم پر اتاری گئی اور تم پر اتاری گئی، اور ہمارا اور تمہارا معبود ایک ہی ہے، اور ہم اس کے مطیع ہیں۔ (عنکبوت: ۴۶)

(۲) کہو کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس کتاب پر جو ہم پر اتاری گئی اور جو تعلیم ابراہیمؑ، اسماعیلؑ، اسحاقؑ، یعقوبؑ اور ان کی اولاد پر اتاری گئی، اور جو کچھ موسیٰؑ اور عیسیٰؑ اور دوسرے نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے دیا گیا ہم ان میں سے کسی میں تفریق نہیں کرتے اور ہم اُسی خدا کے مسلم ہیں، پس اگر وہ بھی ایمان لے آئیں جس طرح تم ایمان لائے ہو تو وہ ہدایت یافتہ ہو گئے اور اگر وہ منہ پھیر لیں تو بلاشبہ وہ دشمنی پر ہیں۔ پس عنقریب تجھ کو ان کی طرف سے اللہ کافی ہوگا، اور وہ سُننے والا جاننے والا ہے (البقرہ: ۱۳۶ —— ۱۳۷)

(۳) کہو کہ اے اہلِ کتاب آؤ ایک بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے، کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں اور ایک دوسرے کو اللہ سے ورے رب نہ بنائیں۔ پھر اگر وہ منہ پھیر لیں تو کہو: گواہ رہو کہ ہم مسلم ہیں (آلِ عمران: ۶۴)

(۴) بہت سے اہلِ کتاب نے پسند کیا کہ تم کو تمہارے ایمان کے بعد کافر بنا کر لوٹا ئیں، اپنی طرف سے حسد کے باعث، بعد اس کے کہ حق ان پر واضح ہو چکا ہے۔ سو تم معاف کرو اور درگزر کرو حتیٰ کہ اللہ اپنا حکم

Marfat.com

لے آئے ۔ بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے ۔ (البقرہ : ۱۰۹)

پھر اس آیت کے وعدے کے مطابق اللہ تعالیٰ اپنا حکم لے آیا ، کچھ حادثے واقع ہوئے اور احکام تبدیل ہوئے واقعاتی و عملی تحریک نے اپنی راہ طے کر لی اور یہ آخری و انتہائی احکام آ گئے جو ہم نے اس سورت میں دیکھے ہیں ۔

تغیر و تبدل کس چیز میں ہوا تھا ؟

قرآن کی نظر میں اہل کتاب کے فاسد عقائد ، شرک و کفر اور ان کی عقربی فطرت میں تبدیلی نہیں آئی بلکہ تبدیلی صرف اہل اسلام کے ان کے ساتھ تعامل میں آئی تھی ۔ اور قاعدہ تعامل کو مضبوط وہ اصول کرتے ہیں جن کا ذکر اوپر تمہیدی جملوں میں ہو چکا ہے ۔ ہم نے بتایا تھا کہ قواعد تعدیل و تغیر میں اصل چیز جو کارفرما ہے وہ یہ ہے کہ اسلامی معاشرے اور جاہلی معاشروں کے باہمی تعامل کو خوب اچھی طرح سے سمجھ لیا جائے ۔ اور پھر اسلامی تحریک کی طبیعت و فطرت کو جان لیا جائے کہ اس کا مقصد کیا ہے ؟ وہ یہ ہے کہ خدا کی زمین میں خدا کے احکام چلیں ۔ خدا کے بندے صرف خدا کے بندے ہوں ، غیر اللہ کے بندے نہ ہوں ۔

جب تک اسلامی تحریک اور اس کے متعدد و مختلف مراحل کو بغور نہ سمجھا جائے ، اس کے قواعد تعامل جو جاہلی معاشروں کے ساتھ ہیں ، ان کو گہرائی میں اتر کر نہ دیکھا جائے ، یہ مسئلہ پوری طرح سمجھ میں نہیں آ سکتا ۔ اسلام ایک زندہ تحریک ہے جو دنیا میں چلنے کے لیے برپا ہوئی تھی ، ہر انقلابی تحریک کو کئی منازل و مراحل میں سے گزرنا پڑتا ہے ۔ اور پھر جب وہ اپنی انتہائی منزل پر پہنچ جائے تو ظاہر ہے کہ اس کے سامنے اس وقت جو حالات ہوں گے ، یا متعدد منزلوں پر جو احوال تھے وہ ضروری نہیں کہ ایک جیسے ہی ہوں ، ہر منزل و مرحلے کے تقاضے مختلف ہوتے ہیں اور احکام میں ان کے مطابق تبدیلی ہوتی ہے ۔

موقف کی طبیعت و فطرت

مسلم معاشرے اور اہل کتاب کے درمیان موقف کی طبیعت کیا تھی ؟ اس پر دو طرح سے گفتگو ہو سکتی ہے ۔ ایک تو ثابت شدہ موضوع کے طور پر اور دوسرے تاریخی واقعات کی روشنی میں ، پہلے ہم اسی پہلی چیز پر گفتگو کرنا چاہتے ہیں کہ مسلم معاشرے میں اور اہل کتاب میں فرق و امتیاز کیا ہے ؟ ہر دو کے موقف میں کیا اختلاف ہے ؟ اس پر بحث اللہ تعالیٰ کے اٹل کلام کی روشنی میں کی جانی لازم ہے ، کیونکہ اس کے سامنے سے یا پیچھے سے باطل نہیں آ سکتا ۔ یہ ربانی تقریرات ہیں ۔ انسانی اجتہادات اور تخمینے نہیں ہیں ۔ اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کو کبھی تو انفراداً بیان فرمایا ہے اور کبھی مشرکین کے ساتھ ملا کر ۔ کیونکہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف مشرکوں اور یہود و نصاریٰ کا ہدف ایک ہے ۔ بعض دفعہ قرآن واقعاتی دلائل تاریخ سے یہ ثابت کرتا ہے کہ دونوں فریق اسلام کے خلاف متحد و متفق ہیں اور مسلمانوں کے خلاف ان کا موقف اور ہدف ایک ہے ۔

Marfat.com

اس موضوع پر قرآنی آیات

(۱) اہلِ کتاب مشرک کافر پسند نہیں کرتے کہ تم پر تمہارے رب کی طرف سے کوئی بھلائی نازل ہو سکے جائے۔ (البقرہ: ۱۰۵)

(۲) بہت سے اہلِ کتاب نے پسند کیا کہ تمہارے ایمان کے بعد تمہیں کافر بنا ڈالیں۔ ان کی عداوت کے باعث ان کا یہ ارادہ ہے۔ حالانکہ ان پر حق واضح ہو چکا ہے۔ (البقرہ: ۱۰۹)

(۳) اور تم سے یہود و نصاریٰ ہرگز خوش نہ ہوں گے۔ حتیٰ کہ تو ان کے طریقے کی پیروی کرے (البقرہ: ۱۲۰)

(۴) اہلِ کتاب میں سے ایک گروہ نے پسند کیا کہ وہ تمہیں گمراہ کر دیں (آلِ عمران: ۶۹)

(۵) اور اہلِ کتاب کے ایک گروہ نے کہا: جو کتاب مومنوں پر اتری ہے اس سے پہلے پہر ایمان لاؤ پچھلے پہر اس کا انکار کر دو تاکہ وہ بھی واپس لوٹ آئیں۔ اور صرف اس کی بات مانو جو تمہارے دین کے پیچھے چلے۔ (آلِ عمران: ۷۲ ——— ۷۳)

(۶) اے ایمان والو! اگر تم نے اہلِ کتاب کے ایک فریق کی اطاعت کی تو وہ تمہیں تمہارے ایمان کے بعد کافر بنا کر چھوڑ دیں گے۔ (آلِ عمران: ۱۰۰)

(۷) کیا تو نے ان لوگوں کی طرف نہیں دیکھا جن کو کتاب کا ایک حصہ ملا تھا، وہ گمراہی کو خریدتے ہیں۔ اور چاہتے ہیں کہ تم بھی راستے سے گمراہ ہو جاؤ، اور اللہ تمہارے دشمنوں کو خوب جانتا ہے۔ (النساء: ۴۴ ——— ۴۵)

(۸) کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو بتوں پر اور شیطان پر ایمان لاتے ہیں اور کافروں کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ مذہب میں مسلمانوں سے زیادہ ہدایت یافتہ ہیں۔ (النساء: ۵۱)

اس موضوع کے ان نمونوں میں ہی مسلمانوں کے بارے میں اہلِ کتاب کا موقف معلوم ہو سکتا ہے۔ وہ ازراہِ حسد و عداوت مسلمانوں کو کفار بنانا چاہتے تھے۔ ان کی انتہائی خواہش یہ ہے کہ مسلمانوں کو یہودی یا عیسائی بنا لیا جائے، جب تک ایسا نہ ہو ان کی مسلمانوں کے ساتھ کوئی صلح و صفائی نہیں ہے۔ وہ ازراہِ عداوت مشرکوں کے بت پرستانہ مذہب کو مسلمانوں کے دین سے بہتر جانتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ان آیات کو بھی بغور دیکھ لیجیے۔

(۹) وہ برابر تم سے قتال کرتے رہیں گے حتیٰ کہ اگر ان سے ہو سکے تو وہ تم کو تمہارے دین سے پھیر دیں۔ (البقرہ: ۲۱۷)

(۱۰) کافر چاہتے ہیں کہ تم اپنے ہتھیاروں اور سامان سے غافل ہو جاؤ تو وہ تم پر یک بارگی پل پڑیں۔ (النساء: ۱۰۲)

(۱۱) اور اگر وہ تمہیں پائیں تو تمہارے دشمن ہوں گے اور تمہاری طرف اپنے ہاتھ اور زبانیں برائی کے ساتھ دراز کریں گے اور پسند کریں گے کہ تم کافر ہو جاؤ (الممتحنہ: ۲)

(۱۲) اور اگر وہ تم پر قابو پالیں تو تمہارے بارے میں کسی قسم یا ذمہ داری کا پاس نہ کریں گے۔ (التوبہ: ۸)

(۱۳) وہ کسی مومن کے متعلق کسی قسم کا یا ذمہ داری کا لحاظ نہیں کرتے۔ (التوبہ: ۱۰)

Marfat.com

ان آیات میں مشرکوں کا موقف پیش کیا گیا ہے اور بعینہٖ یہی موقف مسلمانوں کے متعلق اہل کتاب کا ہے۔ بعض دفعہ تو آیات کے الفاظ بھی دونوں کے متعلق ایک جیسے ہوتے ہیں۔ گویا "الکفر ملۃ واحدۃ" کے مطابق مسلمانوں کے خلاف مشرکوں اور اہل کتاب کے موقف میں کوئی اختلاف نہیں ہے اور جب ہم یہ دیکھیں کہ ان دونوں فریقوں کے متعلق وارد ہونے والی قرآنی تقریریات انتہاء اور دوام کے صیغوں میں وارد ہیں تو ان سے یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ دائمی احکام ہیں۔ عارضی اور وقتی نہیں ہیں جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کے متعلق فرمایا ہے:

"وہ ہمیشہ تم سے قتال کرتے رہیں گے حتیٰ کہ اگر ان کا بس چلے تو تمہیں تمہارے دین سے ہی ہٹا دیں"

اور اہل کتاب کے متعلق فرمایا ہے:

"اور یہود و نصاریٰ تم سے کبھی راضی نہ ہوں گے۔ حتیٰ کہ تو ان کی ملت کا اتباع کرے"

پس یہ آیات بلا کسی تاویل کے مسلمانوں اور غیر مسلموں کے مابین دائمی تعلقات کو ظاہر کرتی ہیں۔ ان سے کوئی عارضی یا موقت حالت یا حکم مراد نہیں ہے۔

یہود و نصاریٰ کی اسلام دشمنی کی تاریخ پر جب ہم ایک اچٹتی نگاہ ڈالیں تو واضح ہو جائے گا کہ ان نصوص صریحہ وصادقہ کا اصل مطلب کیا ہے۔ ثابت ہو جائے گا کہ یہ آیات ایک تاریخی ثابت شدہ حقیقت کو بیان کرتی ہیں۔ یہ حالت دائمی ہے۔ عارضی نہیں ہے۔

قرآن مجید چند افراد یا چند قلیل جماعتوں کا حال بیان کرتا ہے، جنہوں نے صدقِ اسلام اور صدقِ رسولؐ کی شہادت دی اور پھر مسلمانوں کی جماعت میں شامل ہو گئے، ان چند انفرادی اور قلیل جماعتوں کے حالات کے علاوہ ہمیں تاریخ میں سوائے اہل کتاب کی عداوت و تعصب کے کچھ نظر نہیں آتا۔ انہوں نے ہمیشہ عناد، سازشیں، خفیہ تدبیروں، دائمی جنگ اور فتنوں کو اسلام اور مسلمانوں پر مسلط کیے رکھا۔ جہاں تک یہود کا حال ہے، ہجرتِ مدینہ کے بعد اوّل روز سے لے کر آج کے دن تک ان کی طرف سے اسلام کو مکر و فریب، عداوت، سازش اور جنگ کے سوا کچھ نہیں ملا۔ یہاں پر تفصیلات کا بیان ممکن نہیں ہے، مگر ہم کثیر میں سے بہت تھوڑے سے واقعات کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

یہود کی عداوتِ اسلام و مسلمین

یہودی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دینِ اسلام کے صدق کو جانتے پہچانتے تھے، اس کے باوجود انہوں نے مدینہ میں اسلام کا بدترین استقبال کیا اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا دہی اور عداوت میں ہر حد کو پامال کیا، ان کی دسیسہ کاریاں، جھوٹ کے پلندے، شبہات و اعتراضات، فتنے، منافقت، دشمنوں کی مدد کرنا، مشرکوں کو اسلام کے خلاف مدد اور شہ دینا تاریخ کا حصہ بن چکے ہیں۔ ان کا مکر و فریب رسوائے عالم ہے۔ جو انہوں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف استعمال کیا۔ جنگ احد، جنگ خندق، واقعہ بنی نضیر، واقعہ بنی قریظہ سب ان کی کارستانیوں کے نتائج تھے۔ تحویل قبلہ کے واقعہ پر انہوں نے اسلام کے خلاف طوفان

Marfat.com

اٹھائے۔ واقعہ افک ان کی سازش کا نتیجہ تھا۔ جس سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شدید دکھ ہوا۔ انہوں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کرنے کی بار بار سازش کی، اور جنگ خیبر کے بعد آپ کو زہر دلوایا، آپ کی رسالت میں شکوک و شبہات پیدا کیے حالانکہ وہ جانتے تھے کہ آپ رسول برحق ہیں۔ منافقوں کی جماعت انہی میں سے نکلی تھی۔ اور انہی کی سرپرستی میں کام کرتی تھی، ان کے اس قسم کے بد افعال کے متعلق قرآن کی سورۃ البقرہ، آل عمران، النساء، المائدہ، الحشر، النور، الاحزاب، التوبہ وغیرہا میں ان کا کچا چٹھا بیان کیا گیا۔

(۱) اور جب ان کے پاس اللہ کی ایک کتاب آئی جو ان کی کتاب کی تصدیق کرنے والی تھی، اور وہ اس سے پہلے کافروں پر فتح مانگتے تھے، جب ان کی جانی پہچانی چیز ان کے پاس آئی تو انہوں نے اس کا انکار کر دیا، سو ایسے کافروں پر اللہ کی لعنت بہت بری ہے، وہ چیز جس کے بدلے انہوں نے اپنے آپ کو بیچا کہ اللہ کی نازل کردہ کتاب کا انکار کیا، اس عداوت سے کہ اللہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے اپنا فضل نازل کرے۔ بس وہ دوہرا غضب لے کر پھرے اور کافروں کے لیے ذلیل کن عذاب ہے۔ (البقرہ: ۸۹ ـــــــ ۹۰)

(۲) اور جب ان کے پاس اللہ کی طرف سے ایک رسول آیا جو ان کی کتاب کی تصدیق کرنے والا تھا تو اہل کتاب میں سے ایک فریق نے اللہ کی کتاب کو اپنی پشت کے پیچھے پھینک دیا، گویا کہ وہ جانتے ہی نہ تھے۔ (البقرہ: ۱۰۱)

(۳) عنقریب احمق لوگ کہیں گے کہ ان کو ان کے اس قبلے سے کس نے پھیر دیا جس پر وہ تھے، کہو کہ اللہ ہی کے لیے ہے مشرق اور مغرب، وہ جسے چاہتا ہے سیدھی راہ کی ہدایت دیتا ہے۔ (البقرہ: ۱۴۲)

(۴) اے اہل کتاب! تم اللہ کی آیات کا کیوں انکار کرتے ہو؟ حالانکہ تم گواہ ہو۔ اے اہل کتاب تم حق کو باطل کے ساتھ کیوں ملاتے ہو؟ اور حق کو کیوں چھپاتے ہو حالانکہ تم جانتے ہو؟ (آل عمران: ۷۰ ـــــــ ۷۱)

(۵) اور اہل کتاب کے ایک گروہ نے کہا کہ جو کتاب مومنوں پر اتری ہے اس پر پہلے پہر ایمان لاؤ اور پچھلے پہر کافر ہو جاؤ، شاید وہ بھی لوٹ آئیں۔ (آل عمران: ۷۲)

(۶) اور ان میں سے ایک گروہ وہ ہے جو کتاب کے ساتھ اپنی زبانوں کو موڑتا ہے تاکہ تم اس کو کتاب میں سے جانو حالانکہ وہ کتاب میں سے نہیں ہے اور کہتے ہیں کہ وہ اللہ کی طرف سے ہے حالانکہ وہ اللہ کی طرف سے نہیں ہے۔ اور وہ اللہ پر جھوٹ کہتے ہیں حالانکہ وہ جانتے ہیں۔ (آل عمران: ۷۸)

(۷) کہو کہ اے اہل کتاب تم اللہ کی آیات کا انکار کیوں کرتے ہو؟ اور اللہ تمہارے اعمال کا گواہ ہے کہو اے اہل کتاب! تم اللہ کی راہ سے کیوں روکتے ہو ان لوگوں کو جو ایمان لائے؟ تم اس میں کجی تلاش کرتے ہو حالانکہ تم گواہ ہو۔ اور اللہ تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں ہے۔ (آل عمران: ۹۸ ـــــــ ۹۹)

(۸) تم سے اہل کتاب یہ سوال کرتے ہیں کہ تم ان سے ایک کتاب آسمان سے اتار دو۔ انہوں نے موسیٰ سے اس سے بھی بڑی بات کا مطالبہ کیا تھا۔ پس انہوں نے کہا کہ ہمیں روبرو اللہ کو دکھاؤ، بس ان کے ظلم کے باعث انہیں بجلی نے آ لیا۔ پھر انہوں نے روشن دلائل آ چکنے کے بعد بچھڑا بنا لیا۔ (النساء: ۱۵۳)

(۹) وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کی روشنی کو اپنے منہ سے بجھا دیں۔ اور اللہ اپنے نور کو پورا کرنا چاہتا ہے۔

Marfat.com

اگرچہ کافر برا مانیں۔(التوبہ : ۳۲)

عہد شکنی، عداوت، سازش

تاریخ گواہ ہے کہ یہودیوں نے بار بار عہد شکنی کی اور مسلمانوں کے خلاف ان کے دشمنوں کو بھڑکایا جس سے بنی قینقاع، بنی نضیر، بنی قریظہ اور خیبر کے واقعات پیش آئے۔ جنگِ احزاب میں بھی مسلمانوں کے خلاف مشرکوں کو بھڑکانے میں انہی کا ہاتھ تھا۔ پھر یہودی برابر سازشیں کرتے رہے اور خلیفۂ راشد عثمانؓ بن عفان کی شہادت میں انہیں کا ہاتھ تھا، ان کے خلاف فتنہ برپا کرنے والے اور لوگوں کو بھڑکانے والے یہی تھے۔

اس کے بعد علیؓ اور معاویہؓ کی جنگوں میں ان کا بڑا ہاتھ تھا، بلکہ فتنے کی جڑ یہی تھے۔ حدیث و تفسیر اور تاریخِ اسلام میں وضع کا فتنہ انہوں نے برپا کیا تھا بے شمار جعلی روایات گھڑی گئیں۔ جن کے باعث مسلمان فرقہ فرقہ ہو گئے۔ بغداد پر تاتاریوں کے حملے کی بنیاد رکھنے والے اور اس کے بے حالات استوار کرنے والے اسلامی خلافت کے ٹکڑے کرنے والے یہی لوگ تھے۔

یہود اور زمانہ حال

سطحِ زمین پر اہلِ اسلام کے خلاف ہر سازش اور ہر حادثے میں یہود کا ہاتھ رہا ہے۔ نشاۃِ ثانیۂ اسلام کی پیش رو جماعتوں کو تتر بتر کرنے میں اور انہیں مٹا ڈالنے میں یہود کا بڑا ہاتھ ہے۔ عالمِ اسلامی کے اطراف میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ہر سازش کے بانی یہی یہودی ہیں۔ اسرائیل کا ناسور عالمِ اسلام اور عالمِ عرب پر جو مصائب شب و روز ڈھا رہا ہے وہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے۔ لبنان میں جو کچھ ہوا اور ہو رہا ہے وہ عالم آشکار ہے۔

اسلام اور عیسائیت

اور جو کچھ بیان ہوا ہے وہ یہود کے بارے میں تھا۔ اب دوسرے فریق یعنی نصاریٰ کا حال سنیئے۔ روم اور فارس کے درمیان ظہورِ اسلام تک ہمیشہ صدیوں سے جنگ چلی آتی تھی۔ فارس بت پرست اور آتش پرست تھا مگر روم نے کئی بت پرستیوں کو ملا کر اور اس میں جدید گمراہیاں شامل کر کے ایک نیا مذہب بنایا جس کا نام مسیحیت رکھا، حالانکہ اس میں مسیح علیہ السلام کے صرف چند ہی کلمات تھے یا کچھ تاریخ تھی، باقی سب کچھ شرک اور کفر اور بت پرستی تھی۔ لیکن اسلام کے ظہور کے بعد رومیوں اور فارسیوں نے اپنے اختلافات بھلا دیئے پرانے بدلے فراموش کر دیئے، قدیم تاریخی عداوتیں اسلام کی عداوت کی خاطر فراموش کر دیں، وہ اکٹھے ہو گئے تاکہ اس "جدید دین" کا مقابلہ کر سکیں۔

رومیوں کی اشتعال انگیزی

رومیوں نے حارثؓ بن عمیر ازدی کو جو رومیوں کے گورنر کی طرف بصریٰ میں خطے کر گیا تھا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سفیر تھا، قتل کیا، اور اس کے بعد عرب کے شمال میں وہ اور ان کے ماتحت غسانی اسلامی دین پر ایک آخری ضرب لگانے کے لیے فوجیں جمع کرنے لگے۔ مسلمانوں کا قاعدہ یہ تھا کہ غیر مسلموں سفیروں کو امن دیتے اور ان کا احترام کرتے تھے، مگر نصرانیوں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سفیر کو قتل کر کے دین و مذہب اور اخلاق و سیاست کے مسلمہ اصول کی خلاف ورزی اور غداری کی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین امراء: زیدؓ بن حارثہ، جعفرؓ بن ابی طالب اور عبد اللہؓ بن رواحہ (یہ یکے بعد دیگرے امیر تھے) کو لشکر دے کر سفیر کا بدلہ لینے کے لیے بھیجا۔ اسے غزوہ موتہ کہا جاتا ہے۔ یہاں ایک لاکھ رومی اور ایک لاکھ ان کے ماتحت گورنروں کا عیسائی عربی لشکر ——— کل دو لاکھ ——— جمع تھا۔ مسلم لشکر صرف تین ہزار تھا، یہ جمادی الاولیٰ ۸ھ کا واقعہ ہے۔ یہاں غزوہ کی تفصیل مطلوب نہیں صرف نصاریٰ کی غداری اور عداوت دکھانی مدِ نظر ہے۔

غزوہ تبوک اور مابعد

پھر غزوہ تبوک پیش آیا جس کے گرد سورۂ توبہ کا زیادہ حصہ گھومتا ہے۔ اور اس کی تفصیل آگے آتی ہے۔ پھر اسامہؓ بن زید کا لشکر تیار ہوا جسے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے ذرا پہلے بھیجنے کی تیاری ہوئی تھی۔ یہ لشکر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے حادثے کے باعث روانہ نہ ہو سکا اور پھر خلیفہ راشد ابو بکر صدیقؓ نے اپنی خلافت میں پہلا کام یہی کیا تھا، پس لشکر کا مقصد رومی لشکروں کا مقابلہ کرنا تھا، جو اطرافِ عرب میں شام کی سرحد پر اسلام کے خلاف جمع تھے۔

صلیبی عداوت کی ہنڈیا اُبل پڑی

خلافتِ راشدہ کے ابتدائی واقعات میں جنگِ یرموک کو بہت اہمیت حاصل ہوئی، اہل اسلام کی تھوڑی سی فوج نے رومی شہنشاہی کی عظیم قوت کو پارہ پارہ کر دیا، اس سے صلیبی عداوت اور کینے کی ہنڈیا میں اُبال آگیا۔ پھر ایسا ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے مسلم مجاہدوں کے ہاتھوں رومی سلطنت کے شامی مصری، شمالی افریقی اور بحر ابیض کے جزائر کی نو آبادیوں کو بفضلِ خدا آزاد کرا لیا۔ پھر اندلس کی سرزمین میں مسلم فتوحات شروع ہوئیں اور وہاں ایک مضبوط مسلم سلطنت کے قیام کی بنیاد پڑ گئی، ان واقعات نے نصاریٰ کو پیچ و تاب کھانے اور اندر ہی اندر کڑھنے پر مجبور کر دیا۔

صلیبی جنگیں

تاریخ کی معروف صلیبی جنگیں صرف وہ نہ تھیں جن کو کلیسا نے اسلام کے خلاف برپا کیا تھا، بلکہ

یہ جنگیں اس سے بہت پہلے شروع ہو چکی تھیں۔ درحقیقت جس دن روم نے فارس سے اپنی عداوت کو بھلایا اور دونوں نے اپنے تیر اسلام اور اہل اسلام کی طرف سیدھے کیے تھے، اس دن سے ہی صلیبی جنگیں شروع ہو چکی تھیں، اس دن سے عیسائی جزیرۃ العرب کے جنوب میں اسلام کے خلاف فارسیوں کی مدد کرنے لگے تھے۔ اس کی صلیبی ذہنیت موتہ میں ظاہر ہوئی، پھر جنگ یرموک کے بعد کے واقعات میں نصاریٰ کمل کر دنیا بھر میں اسلام کے خلاف صف آرا ہو گئے۔ پھر صلیبیت کے ہاتھوں اندلس تباہ ہوا اور اس کی وحشت و بربریت نے اس سرزمین سے اسلام کا اور مسلمانوں کا نام و نشان جبراً مٹا دیا۔ یورپ میں ایک اسلامی مرکز تھا، صلیبیت اسے ایک لمحہ بھی برداشت نہ کر سکی۔ فتح و غلبہ کے بعد صلیبیوں نے لاکھوں مسلمانوں کا قتل عام کیا، انہیں جبراً عیسائی بنایا، ان کے جہازوں کو جن پر ان کو جلاوطن کیا گیا تھا، سمندر میں ڈبو دیا، ان جرائم کی مثال اس سے قبل کی تاریخ میں نہیں ملتی، یہ تو مغرب کا حال تھا، مشرق میں صلیبی جنگوں کے اندر جو ظلم و تشدد، بے حیائی، بے وفائی، عہد شکنی، مکر و فریب کار فرما ہوا، وہ بھی بے نظیر و بے مثال تھا۔

مسیحی مصنفین کی گواہی

ایک فرانسیسی عیسائی مصنف گستاؤ لیبان نے تمدن عرب نامی کتاب میں لکھا ہے کہ:

ریکارڈوس انگریزی نے پہلا کام یہ کیا کہ مسلمانوں کی لشکرگاہ کے سامنے تین ہزار قیدیوں کا قتل عام کیا، جنہوں نے اپنے آپ کو اس کے سپرد کیا تھا اور اس نے ان کی جان بخشی کا عہد کیا تھا۔ مگر یہ عہد برسر عام توڑا اور پھر قتل و نہب کا بازار گرم کیا۔ دوسری طرف شرافت کے پتلے صلاح الدین ایوبی کا یہ حال تھا کہ اس نے اپنی باری پر بیت المقدس کے عیسائیوں پر رحم کیا اور انہیں کوئی اذیت نہ دی، بلکہ فلپ اور شیر دل کو پھل، دوائیں اور دیگر ضروری اشیاء مہیا کرتا رہا جب کہ وہ دونوں بیمار تھے۔

ایک دوسرا عیسائی مصنف یوحنا نامی لکھتا ہے کہ: "صلیبیوں نے بیت المقدس پر اپنا سفر انتہائی برے طریقے سے شروع کیا۔ جن قلعوں پر وہ غالب آئے تھے ان میں مسلمانوں کا خون بہاتے تھے۔ وحشت اور سنگدلی کے انتہائی جنگلی مظاہرے کرتے تھے۔ پیٹ پھاڑ کر لوگوں کی انتڑیوں میں سکے تلاش کرتے تھے، مگر جب صلاح الدین نے بیت المقدس کو واپس لیا، تو صلیبیوں کو امان دی۔ اور ان سے کیے گئے سارے عہد پورے کیے۔ مسلمانوں نے اپنے دشمنوں پر بڑی سخاوت اور فیاضی کا مظاہرہ کیا حتیٰ کہ الملک العادل نے جو سلطان کا حقیقی بھائی تھا، قیدیوں میں سے ایک ہزار کو رہا کر دیا، اور تمام ارمنوں پر احسان کیا، پیٹر یارک کو اجازت دی کہ گرجا گھر میں صلیب سجائے اور اس کی تزئین و آرائش کرے۔ اور خواتین اور ملکہ کو اجازت دی گئی کہ وہ اپنے خاوندوں کی زیارت کریں۔

صلیبی جنگ ابھی جاری ہے!

تفصیل بیان کرنا ممکن نہیں مگر مختصراً یہ کہا جا سکتا ہے کہ صلیبیوں کی طرف سے ان کی صلیبی جنگ کبھی ختم

Marfat.com

نہیں ہوتی۔ تازہ واقعات زنجبار کے ہیں، جہاں مسلمانوں کو جڑ سے مٹا دیا گیا۔ بارہ ہزار کو قتل کیا گیا، باقی چار ہزار کو سمندر میں گرا کر ڈبو دیا گیا، اور جزیرے کو ان کے وجود سے خالی کر دیا گیا۔ جزیرہ قبرص میں مسلمانوں کی آبادی میں کھانے پینے کی اشیاء بند کر دی گئیں تاکہ مسلمان وہاں پر بھوک پیاس سے مر جائیں۔ اس سے پہلے ان کا قتل عام کیا گیا اور گھروں اور آبادیوں کو ان سے خالی کرا لیا گیا۔

اریٹیریا میں مسلمانوں پر بے پناہ مظالم ڈھائے گئے۔ کینیا کے صومالی مسلمان اپنے اصل صومالی مسلمانوں سے ملنا چاہتے تھے مگر ان دس لاکھ مسلمانوں پر بے پناہ تشدد کیا گیا۔ جنوبی سوڈان میں بھی مسلمانوں پر ظلم و ستم کا یہی عالم ہے[۱]

صلیبی عزائم کی ایک تصویر

مسٹر جارج براؤن نے "عرب ممالک میں عیسائیت کی تبلیغ الاستعمار" نامی کتاب سے ۱۹۴۴ء میں نقل کیا تھا کہ: ہمیں کئی قوموں سے ڈرایا جاتا تھا، لیکن تحقیق کے بعد یہ خوف باطل ثابت ہوا اس سے قبل ہمیں یہودی خطرے سے بھی ڈرایا جاتا تھا، زرد خطرے سے بھی اور اشتراکی خطرے سے بھی، مگر یہ سارے خوف فرضی ثابت ہوئے، ہم نے یہودیوں کو اپنا دوست پایا لہٰذا جس جس کو بھی یہودی تشدد کا نشانہ بننا پڑا وہ ہمارا شدید دشمن ہے۔ پھر ہم نے بالشویکوں (اشتراکیوں) کو اپنا حلیف پایا۔ زرد قوموں کا مقابلہ کرنے کے لیے بڑی بڑی جمہوریتیں ہیں، مگر ہمارے لیے اصل خطرہ اسلامی نظام میں پوشیدہ ہے، اس کی زندگی اور تبلیغ و وسعت میں ہے، یوروپی استعمار کے سامنے سب سے بڑی واحد دیوار یہی ہے! اس مسئلہ کی تفاصیل کے لیے ڈاکٹر مصطفیٰ خالدی کی کتاب: استعمار اور مشنری ازم، پروفیسر باقی اور محب الدین خطیب کی کتاب عالم اسلام پر غارت، اور ڈاکٹر محمد محمد حسین کی کتاب: جدید ادب میں وطنی رجحانات اور محمد قطب کی کتاب: کیا ہم مسلم ہیں؟ کا مطالعہ ضروری ہے۔

حالات کا فطری و طبعی تقاضاء

سورۂ توبہ میں جو آخری اور انتہائی احکام ہیں یہ دراصل ان تمام حقائق کے مجموعے کا تقاضا رہتے جن کا کچھ ذکر اوپر ہوا۔ یہ احکام کسی زمان و مکان کے پابند نہیں۔ نہ انہوں نے اپنے سے پہلے کے مرحلہ وار احکام واحوال

[۱] (متحدہ ہندوستان پر انگریز کے تسلط کے بعد جو کچھ مسلمانوں پر گزری اس کا ذکر شائد سید قطب مرحوم بھول گئے یا انہیں وہ واقعات نہیں پہنچے۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد مسلمانوں پر جو وحشیانہ مظالم کیے گئے وہ بیان کرنے اور لکھنے کی چیز نہیں ہیں۔ فلپائن میں مسلمانوں پر عیسائیوں کی طرف سے جو کچھ گزری اور اب تک گزر رہی ہے وہ بھی تاریخ کا ایک باب ہے۔ حبشہ اور کئی اور افریقی ممالک میں مسلمانوں کو جڑ سے مٹانے کی پوری سعی کی جارہی ہے۔ جو براعظم کسی زمانے میں ایک متحد ملک کی حیثیت رکھتا تھا، اب اس میں بیشمار چھوٹے چھوٹے ملک بنا دیئے گئے ہیں تاکہ ہر ملک میں مسلمانوں کی مصنوعی اقلیت قائم کی جائے اور ہر جگہ عیسائیوں کا تسلط قائم کیا جائے!)

کو منسوخ کیا تھا۔ اگر کبھی اس قسم کے مرحلہ وار حالات پیدا ہوں، جن میں وہ احکام دیئے گئے تھے تو ان احوال میں ان احکام پر عمل ضروری ہوگا۔

اگر ان تمام احکام کو ان کے اصل احوال وظروف میں دیکھا جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ یہ دراصل ایک تحریک پر گزرنے والے متعدد حالات کے احکام تھے، اور انتہائی احکام یہ تھے جو سورۂ براءۃ میں نازل کیے گئے۔ یہ احکام عرب کے خلاف رومی ارادوں اور ان کی فوجوں کے اجتماع کا نتیجہ تھے، رومی اسلام اور اہل اسلام کو مٹانا چاہتے تھے۔ سورۂ براءۃ کا اصل محور یہی جنگ تبوک ہے۔ مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ عیسائیوں کی یہ پہلی یا آخری حرکت تھی۔ دراصل یہ موجودہ عیسائیت کا تقاضا رہا ہے کہ اسلام اور اہل اسلام کو ختم کر دیا جائے۔ اس ذہنیت کو اگر سمجھ لیا جائے تو بات آسان ہو جاتی ہے۔ از روئے قرآن، جیسا کہ اس سے پہلے آیات کے ترجمے میں گذرا، عیسائیوں کا ہدف یہ ہے کہ مسلمانوں کو اگر ہو سکے تو اسلام سے مرتد کر دیا جائے۔ یہ ہدف مدارِ تاریخ میں ہمیشہ ان کے سامنے رہا ہے اور اب بھی ہے، اس لیے سورۂ براءۃ کے احکام دائمی ہیں۔ زمان ومکان کی قید سے ماوراء ہیں۔ مگر یہ احکام اسلامی تحریک کے آخری مرحلے کے احکام ہیں۔ اسلام کے فقہی احکام ہمیشہ اسلامی تحریک کی حرکت کے ساتھ رہے ہیں۔ مگر یہ احکام اسلامی تحریک کے آخری مرحلے کے احکام ہیں۔ اسلام کے فقہی احکام ہمیشہ اسلامی تحریک کی حرکت کے ساتھ رہے ہیں، یہ اس حرکت کے ساتھ ہی سمجھ میں آسکتے ہیں۔ جب اور جہاں یہ حرکت اسلامی طریقۂ کار کے مطابق ہوگی وہاں یہ مرحلہ ضرور پیش آئے گا، جس کے یہ احکام ہیں۔

اہل کتاب سے قتال اور جزیہ کے احکام!

آیت: ۲۹ ان دونوں احکام پر مشتمل ہے۔ فرمایا ہے کہ:

"ان لوگوں سے قتال کرو جو اللہ اور پچھلے دن پر ایمان نہیں لائے، اللہ اور اس کے رسولؐ کی حرام کردہ چیزوں کو حرام نہیں جانتے، دین حق کو اختیار نہیں کرتے، ان لوگوں میں سے جن کو کتاب دی گئی، حتیٰ کہ وہ جھک کر ہاتھ سے جزیہ ادا نہ کریں!"

یہ اور اس کے بعد کی آیات غزوۂ تبوک کی تمہید ہیں، جن میں رومی اور ان کے ماتحت غسانی عیسائی اسلام کے مدِمقابل ہوئے، اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ صفات جو اس آیت میں مذکور ہیں، ان لوگوں کی ہیں جن سے یہ جنگ مطلوب تھی، اور یہ صفات کوئی عارضی اور وقتی نہیں ہیں بلکہ ایک قوم کے اندر اس کے عقیدے کے مطابق پائی جانے والی صفات ہیں، ان صفات کو اس حیثیت سے بیان نہیں فرمایا گیا کہ یہ اہل کتاب کے ساتھ جنگ کی شرائط ہیں۔ بلکہ اس حیثیت سے بیان فرمایا گیا ہے کہ اس قوم میں عقیدہ اور واقعات کے لحاظ سے یہ صفات موجود ہیں۔ ہاں! یہ صفات ان کے ساتھ جنگ کے احکام کی وضاحت وصراحت بیان کرنے والی ہیں۔ یہ صفات یہ ہیں:

ا۔ وہ اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان نہیں رکھتے۔

ب۔ وہ اللہ ورسولؐ کی حرام کردہ چیزوں کو حرام نہیں کہتے۔

ج۔ وہ دین حق کو اختیار نہیں کرتے۔

Marfat.com

پھر اگلی آیات میں یہ فرمایا گیا ہے کہ ان کے خدا و قیامت پر ایمان نہ رکھنے کی کیفیت کیا ہے؟ خدا و رسولؐ کے حرام کو حرام نہ جاننے کی کیفیت کیا ہے؟ اور دین حق کو اختیار نہ کرنے کا مطلب کیا ہے۔

(۱) یہود نے عزیزؑ کو ابن اللہ کہا اور نصاریٰ نے مسیحؑ کو ابن اللہ کہا؟ اور یہ قول ان سے پہلے بت پرست مشرکوں کے قول کے مشابہ ہے۔ پس یہ اپنے خدا و قیامت پر ایمان نہ رکھنے میں انہی مشرکوں کی مانند ہیں (اس کی کچھ شرح آگے آتی ہے۔

(۲) انہوں نے اپنے احبار و رہبان کو اور مسیح بن مریمؑ کو خدا سے ورے رب بنا لیا ہے۔ یہ عقیدہ دین حق کے خلاف ہے۔ لہٰذا یہ لوگ دین حق کے لحاظ سے بے دین ہیں۔

(۳) یہ اللہ کے دین سے جنگ کرتے ہیں، اپنے منہ کی پھونکوں سے اللہ کے نور کو بجھانا چاہتے ہیں، یہ کام کوئی دین حق پر ایمان رکھنے والا نہیں کر سکتا۔

(۴) ان کے بہت سے راہب اور عالم لوگوں کے مال کو باطل طریقے سے کھا جاتے ہیں، گویا حرام خور ہیں اور حرام خور کا خدا و رسولؐ کے حلال و حرام پر ایمان نہیں ہوتا۔ رسولؐ چاہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوں یا ان کا کوئی مسلم رسول!

یہ تمام صفات شام و روم کے نصاریٰ میں موجود تھیں، اور جب سے ان کے مقدس مجمعوں نے دین مسیحؑ کو تبدیل کیا ہے تمام عیسائیوں کے یہی عقائد ہیں، انہوں نے مسیح علیہ السلام کو خدا کا بیٹا بنا لیا تھا۔ ایک خدا کے تین ٹکڑے کر دیئے ہیں۔ اور توحید کے بجائے تثلیث کے قائل ہو گئے ہیں۔ ان کے بے شمار فرقوں کے باہمی بے شمار اختلافات کے باوجود تثلیث پر سب کا ایمان ہے۔

اس آیت کا حکم مطلق اور عام ہے!

اس سے معلوم ہوا کہ اہل کتاب کے ساتھ تعامل میں یہ ایک مطلق اور عام حکم ہے۔ جن عیسائیوں میں یہ صفات ہیں جو عرب اور روم کے عیسائیوں میں تھیں ان پر یہ حکم منطبق ہوتا ہے۔ احادیث میں جو بچوں، عورتوں بوڑھوں، معذوروں، راہبوں کا استثناء ہے۔ یہ غیر محارب لوگوں کا استثناء ہے۔ اور ایسے لوگ کسی مذہب و ملت کے ہوں وہ حکم قتال سے مستثنیٰ ہوں گے۔ اور یہ عیسائی جن کا ذکر اوپر ہوا، انہیں نبوی اوامر و ارشادات نے مستثنیٰ نہیں فرمایا۔

مخالفت کی علت یہ نہیں کہ ان لوگوں سے بالفعل مسلمانوں پر ظلم و زیادتی نہیں ہوئی، بلکہ علت یہ ہے کہ یہ مستثنیٰ لوگ اعتداء کے قابل نہیں ہیں۔ اس قسم کی بات کہنا اسلام کی نمائندگی نہیں ہے کہ جس سے بھی بالفعل ظلم و تعدی نہ ہوئی ہو وہ احکام قتال سے مستثنیٰ ہو گا۔ نصاریٰ کا اعتداء تو ان کے عقیدے کی ابتداء سے ہی ثابت ہے وہ اللہ کی الوہیت پر تعدی کرتے ہیں، غیر اللہ کو خدائی اور ابنیت الٰہی کا مقام دیتے ہیں۔ اسلام جب توحید کے قیام کو نکلے گا تو مشرک لازماً مقابلہ کریں گے اور ان کا یہ دفاع ہی تعدی اور ظلم ہے، اس آیت سے پتہ چلا کہ جو شخص غیر اللہ کی ابنیت کا قائل ہے، خواہ وہ غیر اللہ کوئی نبی مرسل ہی کیوں نہ ہو، وہ اللہ پر ایمان نہیں رکھتا، دین حق کو نہیں مانتا، قیامت پر ایمان نہیں رکھتا۔ تمام مسیحی کلیسائی تصورات مثلاً تثلیث

Marfat.com

ابنیتِ مسیحؑ، اللہ کا تین اقانیم میں سے ایک ہونا، اللہ کا مسیحؑ میں مجسم ہونا، مسیحؑ کا صلیب پر مرنا اور پھر داخلِ جہنم ہونا (معاذ اللہ) بے دینی کے تصورات ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یہی فرمایا ہے کہ بے دینوں اور مشرک یہود و نصاریٰ سے جنگ کرو۔ اسی طرح اہلِ کتاب کا یہ عقیدہ کہ وہ سرے سے بخشے ہوئے ہیں۔ اگر دوزخ میں گئے بھی تو صرف چند روز کے لیے جائیں گے اور خدا کے بیٹے اور پیارے ہونے کی بناء پر ان کی صاف بخشش ہو جائے گی۔ اور یہ کہ وہ اللہ کا منتخب قبیلہ ہیں، عشائے ربانی کھا کر وہ مسیحؑ سے متحد ہو جاتے ہیں اور ان کا کوئی گناہ، گناہ نہیں رہتا۔ اور گناہ کے بخشے جانے کی فقط یہی ایک صورت ہے، یہ ایسے لوگ مومن باللہ اور دین دار اور قیامت پر ایمان لانے والے کیونکر ہو سکتے ہیں؟

حرام خوری

آیت: ۲۹ میں اہلِ کتاب کے کفر کی ایک علت یہ بیان ہوئی ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی حرام کردہ چیزوں کو حرام نہیں جانتے۔ ہو سکتا ہے کہ رسول سے مراد ان کی طرف آنے والا رسول ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس لفظ سے مراد جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس ہو، مطلب ایک ہی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ آئندہ آیات میں ان کی حرام خوری کا یہ معنیٰ بھی مذکور ہے، کہ وہ لوگوں کے اموال کو باطل طریقے سے کھا جاتے تھے، اور یہ چیز ہر رسول کی شریعت میں ہر دور میں حرام رہی ہے، اس کا ایک نمونہ ان کی سُود خوری ہے۔ اور کلیسا کے لوگ بخشش ناموں کی تجارت سے جو کمائی کرتے تھے وہ بھی حرام ہے۔ قرآن نے ان کی کمائی کو سُحت فرمایا ہے۔ سُحت میں ہر ناجائز طریقے سے حاصل کردہ مال داخل ہے۔ اللہ کے دین کا راستہ روکنا، ایمانداروں کو فتنے میں مبتلاء کرنا، خدا کے بندوں کو اپنا یا کسی اور کا بندہ بنانا، شریعتِ خداوندی کے سوا کسی اور قانون کو چلانا، یہ سب افعال شرک اور حرام محض ہیں۔ اسی طرح اس آیت نے فرمایا ہے کہ اہلِ کتاب دینِ حق کو اختیار نہیں کرتے ان کے تمام عقائد و اعمال غیر دین اللہ سے ہیں۔ وہ اسلام کو برحق جان کر بھی اس کے مٹانے کی تدابیر کرتے ہیں اللہ کے احکام کو چھوڑ کر غیروں کے احکام پر عمل کرتے ہیں۔ اقتدارِ الٰہی کے آگے نہیں بلکہ دوسروں کے اقتدار کے سامنے جھکتے ہیں۔ یہ سب چیزیں جس طرح نزولِ قرآن کے زمانے میں تھیں آج بھی ان میں موجود ہیں۔

جزیہ کی حکمت

اہلِ کتاب سے قتال نہ کرنے کی شرط یہ نہیں فرمائی گئی کہ وہ اسلام لے آئیں، بلکہ یہ کہ وہ اپنے ہاتھ سے جھک کر جزیہ ادا کریں۔ کسی کو جبراً اسلام میں داخل کرنا خلافِ امرِ الٰہی ہے: لا اکراہ فی الدین۔ قتال سے رُکنے کی شرط جزیہ اس لیے فرمائی گئی ہے کہ اہلِ کتاب اپنی مذکورہ صفات کی بناء پر عقیدے اور عمل کے لحاظ سے دینِ الٰہی کے خلاف اعلانِ جنگ کرنے والے ہیں، اسی طرح ان کا عقیدہ مسلم معاشرے کے خلاف اعلانِ جنگ ہے۔ الٰہی راستے اور جاہلیت کے راستے میں تصادم اور تعارض پایا جاتا ہے۔ یہ تعارض عقیدہ و عمل ہر دو میں ہے۔ اور تاریخ نے بھی اس حقیقت کو بتا دیا ہے کہ یہ لوگ واقعی اسلام اور مسلمانوں کے دشمن اور ان کا طریقہ اسلام کی ضد ہے۔ پس یہ دونوں منہج اکٹھے نہیں رہ سکتے، ایسا ہونا ناممکن ہے، اہلِ کتاب اسلام کی

راہ میں کھڑے ہیں تو ان سے صلح کیسے ہو سکتی ہے؟ اسلام اپنے وصف، عقیدے، اعمال و اخلاق ہر چیز اور ہر شعبے میں زمین میں صلح و صفائی اور سلامتی کا داعی ہے۔ صرف یہی دینِ حق ہے۔ لہٰذا اس کا حق ہے کہ دنیا میں قائم ہو، غالب آئے، اپنے راستے کی ہر مادی رکاوٹ دور کرے۔ انسان کو انسان کی بلکہ ہر غیر اللہ کی غلامی سے آزاد کرائے، ہر فرد کی عقیدے اور عمل کی آزادی کا اعلان کرے۔ کسی پر جبر و اکراہ کیے بغیر مادی رکاوٹوں کو راستے سے ہٹائے۔ اس کا طریقہ یہی ہو سکتا ہے کہ دینِ حق کی مسند پر قائم ہونے والے اقتدار کی قوت کو ختم کیا جائے۔ اس کی صورت یہ رکھی گئی ہے کہ لوگ اس کا عملی ثبوت جزیہ دے کر بہم پہنچائیں۔ اور یہ بھی اللہ کی رحمت کا ہی ایک تقاضا ہے کہ حکم قتال کو جزیہ کی ادائیگی تک روک دیا گیا، ورنہ یہ لوگ تو قتال ہی کے حقدار تھے۔ اس وقت عملاً انسان کی آزادی قائم ہو جاتی ہے۔ اور جب وہ آزاد ہو جاتے تو پھر اسلام کو قبول کرنے اور نہ کرنے کا اس کو اختیار ہے۔ اس پر جبر نہیں ہے۔ اگر اسے قبول نہ کرے تو جزیہ ادا کر کے اس بات کا ثبوت دے کر وہ اسلام کی راہ روکنے والوں میں سے نہیں ہے۔

جزیہ کے فوائد و مقاصد

(۱) جزیہ کا پہلا مقصد یہ ہے کہ ادا کرنے والا عملاً اس بات کا اعلان کرتا ہے کہ وہ اسلام کی راہ میں کوئی مادی رکاوٹ ڈالنے والا نہیں، نہ کسی رکاوٹ ڈالنے والے کا مددگار ہے۔

(۲) اسلام جو اسے جان، مال، عزت و آبرو اور حرمت کا تحفظ دیتا ہے وہ اس کے بدلے میں ان چیزوں کے دفاع میں کچھ مالی حصہ ڈالتا ہے۔

(۳) اسلامی بیت المال ہر اس شخص کا کفیل ہوتا ہے جو دارالاسلام میں عاجز و معذور ہو، پس ہر شہری کو اسی ادارے کی مضبوطی میں حصہ ڈالنا چاہیے۔ جزیہ جس کی مقدار برائے نام ہوتی ہے اسی حصہ داری کی علامت ہے۔

جزیہ سے مستثنیٰ لوگ

عاجز و معذور، دائم المرض، نہایت بوڑھے، بچے، عورتیں، مذہبی خادم اس جزیہ سے مستثنیٰ ہوتے ہیں اور وقت کی ضروریات کے لحاظ سے اس پر غور کرنے کی گنجائش موجود ہے کہ اور کون کون سے لوگ مستثنیٰ قرار دیئے جا سکتے ہیں۔ یہ ایک فقہی و اجتہادی مسئلہ ہے جس میں مجتہدین کے اجتہاد کی گنجائش موجود ہے۔ جب کبھی اس کا وقت آئے گا اور ضرورت داعی ہوگی تو اس پر غور کیا جا سکتا ہے۔

آج کی ضرورت!

جزیہ کا معاملہ آج تاریخی ہو چکا ہے، واقعی نہیں ہے۔ آج کے مسلمان جہاد نہیں کرتے، اس کا سبب یہ ہے کہ آج مسلمان نہیں پائے جاتے، آج جس بات کا علاج ضروری ہے وہ اسلام اور مسلمانوں کے وجود کا سوال ہے۔ اسلامی طریقہ ایک عملی جہاد کا طریقہ ہے، نہ کہ کوئی محض نظریاتی اور فرضی طریقہ۔ وہ ایسے فرضی فقہی نظریات سے

ماوراء ہے جو غیر عملی ہوں اور جن کی ضرورت نہ ہو۔ پہلے ایک اسلامی معاشرہ وجود میں آنا ضروری ہے اور جب ایسا ہوگا تو حالات ایسے پیدا ہو جائیں گے کہ ہر سوال کا جواب مہیا ہو سکے۔ آج ابتدائی نقطہ وہی ہونا چاہیے جو اسلامی رسالت کے دور میں تھا۔ زمین کے کسی حصے میں ایسے لوگ پائے جائیں جو دین حق کو اختیار کریں اور لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی صحیح عملی شہادت دیں۔ حاکمیت، اقتدار اور قانون سازی فقط اللہ تعالیٰ کی تسلیم کرلیں اور اپنی عملی و اتفاقی زندگی کو اس کے سپرد کر دیں۔ پھر وہ انسان کی آزادیٔ عام کا پیغام لے باہر چلیں۔ اس وقت یہ ضرورت پیش آئے گا۔ اور یہ سوال پیش ہوگا کہ اسلامی اور غیر اسلامی معاشروں میں تعلقات کی نوعیت کیا ہونی ضروری ہے۔ اور اس وقت جزیہ جیسے مسائل کا تصفیہ ضروری ہوگا، اور دیگر احکام و نواہی کی تیاری ضروری ہوگی۔ اس آیت کی تفسیر بحیثیت اصل اور مبدا رکے ہم نے اس لیے پیش کی ہے کہ اس کا تعلق اعتقادی مسئلہ کے ساتھ ہے۔ اس سے آگے فقہی مباحث و مذاہب ہمارے موضوع سے خارج ہیں۔

اہلِ کتاب گزشتہ مشرکوں کی راہ پر!

آیت: ۳۰ میں ارشاد خداوندی ہے:

"یہود نے کہا کہ عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور نصاریٰ نے کہا کہ مسیحؑ اللہ کا بیٹا ہے، یہ ان کے منہ کی باتیں ہیں، یہ پہلے گزرے ہوئے کافروں کے قول کی مشابہت کرتے ہیں، اللہ انہیں قتل کرے، کہاں پھیرے جاتے ہیں!"

جب اللہ تعالیٰ نے اہلِ کتاب کے ساتھ قتال کا حکم دیا اور اس کے رُکنے کی شرط یہ فرمائی کہ وہ جُھک کر اپنے ہاتھ سے جزیہ ادا کریں تو مدینہ کے اسلامی معاشرے میں بعض ضرورتوں کی بنا پر لازم تھا کہ اس حکم کی تاکید و تقویت کی جائے اور ان اسباب و عوامل کو ظاہر کیا جائے جو اس حکم کو ضروری ٹھیراتے تھے، اور بعض لوگوں کے دل و دماغ میں جو بعض شکوک و شبہات پیدا ہوتے تھے۔ بعض رکاوٹیں راہ میں حائل نظر آتی تھیں، ان کا ازالہ بھی ضروری تھا۔ خاص کر اس لیے کہ اس حکم کی اطاعت کا تقاضا یہ تھا کہ اطرافِ شام میں رومی سلطنت کا مقابلہ کیا جائے اسلام سے قبل رومیوں کا عربوں پر رُعب تھا اور وہ کافی عرصہ سے جزیرۂ عرب کے شمال پر قابض تھے اور بعض عرب قبائل ان کے مددگار رہتے۔ اور غسانی سلطنت ان کے اثر و نفوذ کے ماتحت تھی۔ اللہ تعالیٰ نے عربوں کو اسلام سے عزت بخشی تھی اور انہیں ایک قوم بنا دیا تھا۔ جو رومیوں اور فارس والوں کا مقابلہ کر سکتی تھی، اس سے پہلے وہ منتشر قبائل کی صورت میں تھے جو آپس میں لڑتے بھڑتے رہتے تھے، مگر ان کی یہ جرأت نہ تھی کہ روم و فارس کی باقاعدہ فوجوں اور منظم سلطنتوں کا مقابلہ کریں۔ وہ باہم لڑتے تھے، انتقام لیتے تھے، لوٹ مار کرتے تھے ایک دوسرے پر غارت ڈالتے تھے۔ مگر ان کے دلوں میں اہلِ روم کا رُعب و داب موجود تھا۔ اس سے قبل جنگ موتہ میں عربوں کا مقابلہ رومیوں سے ہو چکا تھا۔ لہٰذا جنگِ تبوک مسلمانوں کے لیے روم والوں کے ساتھ پہلی جنگ نہ تھی۔ اس میں کم و بیش ۲ لاکھ رومی فوج اور ان کے عرب مددگار جمع تھے۔ علاوہ ازیں اس غزوہ کا وقت بھی مسلمانوں کے لیے بہت آزمائش کا باعث تھا۔ شدید گرمی کا موسم تھا، سفر بہت دُور کا تھا، انصارِ مدینہ کے پھل پکے ہوئے تھے اور اب ان کے توڑنے کا وقت تھا۔ مزید برآں مسلمان یہ سمجھتے تھے کہ رومی اور ان کے عرب ساتھی اہلِ کتاب

Marfat.com

ہیں اور یہ چیز ایک محمک کا باعث تھی کہ ان کے ساتھ کیونکر لڑا جائے! یہ اسباب تھے جنہوں نے بہت دضاحتوں اور صراحتوں کی ضرورت پیدا کردی، شبہات کا ازالہ کیا گیا، جنگ کے معاملے کی اہمیت کو واضح کیا گیا، اور بتایا گیا کہ یہ ایک حتمی چیز ہے اور درمیان کی رکاوٹوں کو دُور کیا گیا۔

اس آیت نے بتایا ہے کہ ان اہل کتاب کا عقیدہ نہایت شدید گمراہی پر مبنی ہے اور اسی طرح کا ہے جیسا عقیدہ قدیم مشرکین عرب کا اور قدیم رومی مشرکوں اور دیگر کافر اقوام کا تھا۔ یہ لوگ اس صحیح عقیدے پر قائم نہیں ہوئے جو انہیں سچے نبیوں نے بتایا تھا اور ان کی کتابوں میں نازل ہوا تھا، اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ اہل کتاب نہیں ہیں برائے نام ہی اہل کتاب ہیں۔

یہود کے گمراہانہ عقیدے کے بیان کا باعث!

یہ بات باعثِ غور وفکر ہے کہ اس جگہ اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کا ذکر کیوں فرمایا اور ان کا یہ عقیدہ کیوں بیان کیا کہ وہ عزیرؑ کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں؟ حالانکہ ذکر اس وقت نصاریٰ کا تھا، اہل روم اور ان کے عرب حلیفوں کے سامنے یہود کا ذکر عجیب سا معلوم ہوتا ہے۔ ہمارے خیال میں اس کے دو اسباب ہیں۔

(۱) آیت قتال اور جزیہ کے حکم میں عام ہے۔ لہٰذا ضروری تھا کہ اہل کتاب کہلانے والے ہر دو فریقوں کی گمراہی واضح کی جائے اور دونوں فریقوں کا شرک وکفر بتایا جائے۔

(۲) پھر یہودی مدینہ سے اطرافِ شام کی طرف کوچ کرکے جا چکے تھے، اور یہ واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ آنے اور یہودیوں کی مسلسل عہد شکنی کے باعث ہوا تھا۔ بنو قینقاع اور بنو نضیر جلاوطن ہوکر اطرافِ شام کو جا چکے تھے اور ان کے ساتھ کچھ افراد بنی قریظہ کے بھی تھے۔ وہاں یہ یہودی اسلامی سیلاب کی راہ میں کھڑے تھے۔ اور بیش از بیش شیطنتوں اور شرارتوں کا اظہار کرتے تھے اس لیے ضروری تھا کہ عیسائیوں کے ساتھ ان کا ذکر بھی کیا جائے۔

ابنیتِ مسیحؑ اور ابنیت عزیرؑ

جب سے عیسائیت کو پولوس نے بگاڑا ہے اور اس میں شرکیہ عقائد داخل کیے ہیں، اور پھر عیسائیوں کے مقدس مجمعوں نے اس کی توثیق کی ہے، بلکہ اسے اور پیچیدہ اور فلسفیانہ سا بنا دیا ہے، اس وقت سے لے کر آج تک عیسائیت باضابطہ ابنیتِ مسیحؑ کے عقیدے کی حامل رہی ہے، اور اس کے تقریباً تمام فرقے خاص کر تین بڑے فرقے؛ کیتھولک، پروٹسٹنٹ اور آرتھوڈکس، ابنیتِ مسیحؑ کے عقیدے کے قائل رہے ہیں۔ جہاں تک یہود کے قول؛ عزیرؑ ابن اللہ کا تعلق ہے، وہ آج معروف نہیں ہے اور نہ یہود میں شائع ہے۔ یہود کی مدونہ کتب میں عزرا نامی ایک کتاب بھی ہے یہی عزیرؑ ہے۔ اس کتاب میں ہے کہ عزرا کاہن موسیٰ علیہ السلام کی تورات کا ماہر کاتب تھا، اور اس نے اپنے دل کو اللہ کی شریعت کی طلب میں لگا لیا تھا۔ لیکن یہود کے متعلق قرآن کا قول کہ وہ عزیرؑ کو ابن اللہ کہتے تھے، کم از کم یہودِ مدینہ کے متعلق اس بات کی دلیلِ قطعی ہے کہ ایسے لوگوں کا وجود اس وقت موجود تھا۔ قرآن نے یہود ونصاریٰ کے عمل و واقعات کے پیش نظر ہی ان سے یہ بات کی تھی۔ اگر خدانخواستہ یہ کوئی ہوائی بات ہوتی جس کا ثبوت نہ تھا تو یہودی ضرور

Marfat.com

اس کا شدید رد کرتے اور اسے اسلام اور اس کی کتاب مقدس کے خلاف بطور دلیل پیش کرتے، ایسا نہیں ہوا لیکن یہ ایک حقیقت ہے۔

یہود کا عقیدۂ ابنیتِ عزیرؑ

سید رشید رضا مصری مرحوم نے اپنی تفسیر المنار ص: ۳۷۸ - ۳۸۵ ج: ۱۰ میں حضرت عزیرؑ کے یہود کے ہاں مرتبے اور درجے کے متعلق ایک مفید بحث کی ہے وہ یہ ہے کہ: "یہودی انسائیکلوپیڈیا مطبوعہ: ۱۹۰۳ میں ہے کہ عزیرؑ کا زمانہ یہود کی ملی تاریخ کا موسم بہار تھا اس دور میں اس کے پھول کھلے اور خوشبو پھیلی تھی۔ اور وہ اس لائق ہے کہ اُسی کو شریعت کا ناشر کہا جائے، اگرچہ موسیٰؑ اسے نہ لایا ہوتا (تلمود ۲۱ ب) نگر موسیٰؑ کے بعد وہ بھلائی جا چکی تھی، مگر عزرا نے اسے از سر نو لکھایا اسے زندہ کیا، اور اگر بنی اسرائیل کے گناہ نہ ہوتے تو وہ اس کے دور میں معجزات دیکھ سکتے جس طرح کہ انہوں نے موسیٰؑ کے دور میں دیکھے تھے"۔

اور اس میں یہ بھی ہے کہ عزرا نے شریعت کو اشوری زبان میں لکھا تھا اور جن کلمات میں شک ہوتا ان پر نشان بنا دیتا تھا۔ اور یہودی تاریخ کی ابتداء اسی کے دور سے ہوتی ہے۔

ڈاکٹر جارج پوسٹ نے کتاب مقدس کی ڈکشنری میں کہا ہے: "عزرا (مدن) ایک یہودی کاہن تھا اور مشہور کاتب، جو "ارتحششتا" کے زمانے میں بابل میں رہتا تھا۔ اور اس نے اپنی بادشاہت کے ساتویں سال عزرا کو اجازت دی تھی کہ اپنے ساتھ یہود کی ایک بڑی تعداد کو یوروشلیم لے جائے۔ (تقریباً ۴۵۷ برس قبل مسیحؑ عزرا ۷:۷) اور سفر کی مدت چار ماہ تھی۔ آگے موصوف نے لکھا ہے کہ: "یہودیوں کے نزدیک عزرا کا مقابلہ موسیٰؑ اور الیاس کی مانند ہے اور وہ کہتے ہیں کہ اس نے "مجمع کبیر" کو بنیاد رکھا اور کتاب مقدس کے اسفار تالیف کیے، اور پرانی عبرانی زبان کے عوض کلدانی حروف داخل کیے تھے۔ اور اُسی نے ایام، عزرا اور نحمیا کی کتابیں مرتب کی تھیں"۔ اور ڈاکٹر یوسف مذکور نے کہا ہے کہ: "کتاب عزرا کی زبان صفحات ۴ - ۸ - ۶ - ۱۹ تک کلدانی ہے اس طرح صفحہ ۷ - ۱ - ۲۷ کی بھی، اور یہودی جب قید سے واپس آئے تو عبرانی سے زیادہ کلدانی زبان کو سمجھتے تھے"۔

کتب مقدسہ کی حقیقت

سید رشید رضا مرحوم فرماتے ہیں کہ: "میں کہتا ہوں کہ تمام قوموں کے مؤرخین کے نزدیک، حتیٰ کہ ان میں سے اہل کتاب کے نزدیک بھی یہ چیز مسلم ہے کہ جو تورات موسیٰؑ نے لکھی تھی۔ اور اس کو تابوت عہد میں یا اس کے کونے میں رکھا تھا، وہ سلیمان علیہ السلام کے دور سے پہلے ضائع ہو گئی تھی۔ کیونکہ سلیمانؑ کے عہد میں جب اُس صندوق کو کھولا گیا تو اس میں دو تختیوں کے سوا کچھ نہ تھا، جن پر دس وصیتیں لکھی ہوئی تھیں (شاید قرآن کا بیان کردہ تابوت سکینہ کا واقعہ بزمانۂ طالوت دراصل یہی تھا، جو قرآن نے بیان کیا اور یہودیوں نے اسے محرف کر کے سلیمانؑ کی طرف منسوب کر دیا ہے!) اس کا ثبوت کتاب ملوک اول میں یوں ہے: اور اسی عزرا نے کتب مقدسہ کو لکھا تھا، (یعنی تورات وغیرہ کو) قید کے بعد حروف کلدانیہ میں۔ عبرانی زبان کا بڑا حصہ یہودی بھول

Marfat.com

گئے تھے۔ اس کا کچھ بقایا کلدانی زبان میں مل جل گیا تھا۔ اور اہل کتاب کہتے ہیں کہ عزرا نے ان کتابوں کو بالکل اصلی صورت میں وحی سے یا الہام سے لکھا تھا اور یہ وہ دعویٰ ہے جس کو دوسرے لوگ نہیں مانتے، اور اس پر بے شمار اعتراضات ہیں جو اس مضمون کی متعلقہ کتب میں مذکور ہیں۔ حتیٰ کہ خود ان کی اپنی تالیفات میں۔ مثلاً ذخیرۃ الالباب للکاثولیک۔ اور یہ کتاب اصل میں فرانسیسی زبان میں تھی۔ اور اس مصنف نے فصل: ۱۱۔ ۱۲ ان اعتراضات کے بیان میں لکھیں جو اس مضمون پر ہوتے ہیں۔ کہ تورات کی پہلی پانچ کتابیں موسیٰ علیہ السلام کی نہیں ہیں۔ مثلاً یہ قول کہ:

سفر عزرا میں آیا ہے (۴ ف ۱۴ عدد ۲۱) "بخت نصر کے زمانے میں تمام مقدس کتابیں آگ سے جلادی گئی تھیں، وہاں لکھا ہے کہ: "آگ نے تیری شریعت کو باطل کردیا، پس کسی شخص کے لیے اس امر کا راستہ نہیں رہا کہ وہ تیرے کام کو پہچانے۔" مگر قرآن نے کہا ہے کہ کچھ بچ بھی گیا تھا، اور قرآن کا بیان ہی برحق ہے!) اور اس پر یہ اضافہ کیا جاتا ہے کہ عزرا نے روح القدس کی وحی سے از سر نو کتب مقدسہ کو تالیف کیا۔ جن کو آگ نے برباد کردیا تھا۔ اور اس کے معصر پانچ کاتبوں نے اس کی مدد کی تھی۔ اور اس لیے ہم دیکھتے ہیں کہ ترتولیانوس، مقدس امیرینادوس، مقدس ایرنیموس، مقدس یوحنا ذہبی اور مقدس باسلیوسی وغیرہم عزرا کو یہود کے معروف مقدس عہدناموں کی ترمیم کرنے والا کہتے ہیں۔" الخ

سید رشید رضا مرحوم اس کے بعد کہتے ہیں کہ: "ہم یہاں پر صرف اسی قدر کو کافی جانتے ہیں اور اس سے ہماری غرض دو چیزیں ہیں: ایک یہ کہ تمام اہل کتاب اپنے دین کی سندیں اور ان کتابوں کی اصل میں جو ان کے ہاں مقدس ہیں۔ عزیرؑ کے مرہون احسان ہیں۔

دوسری یہ کہ ان کے دین کی یہ سند نسیان زدہ اور کمزور سہاروں پر قائم ہے۔ یوروپ کے جدید آزاد خیال علماء کی یہی تحقیق ہے۔ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں عزرا کے ذکر کے بعد، اس کی کتاب عزرا کے مضمون کے اور نحمیاہ کی کتاب میں اس کی شریعت نویسی کے بارے میں آیا ہے کہ: "ان روایات سے متاخر روایات میں آیا ہے کہ عزرا نے صرف ان کی جلی ہوئی شریعت ہی از سر نو نہیں لکھی بلکہ ان تمام عبرانی کتابوں کو دوبارہ زندہ کیا۔ جو تلف ہو چکی تھیں، اور اس نے ستر کتابیں جو غیر قانونی ہیں ——— اپاکریفا ——— انہیں بھی دوبارہ لکھا تھا۔ پھر اس کا تعارف لکھنے والا کہتا ہے کہ: جب عزرا کی کتاب خاص کو بعد کے مؤرخین نے اپنی طرف سے اپنے قلموں سے لکھا تھا اور کسی اور چیز کا سہارا نہ لیا تھا تو اس زمانے کے کاتب یہ سمجھتے ہیں کہ عزرا کا لکھا ہوا مسودہ ان راویوں نے جھوٹ موٹ گھڑ لیا تھا۔" ص ۱۴ جلد ۹ طبع ۱۴ سن ۱۹۲۹ء)

ابن اللہ!

اور خلاصۂ کلام یہ ہے کہ یہودی ہمیشہ عزیرؑ کو بہت تقدیس کا مقام دیتے رہے ہیں۔ حتیٰ کہ ان میں سے بعض نے اس پر ابن اللہ کے لقب کا اطلاق کیا ہے اور ہمیں معلوم نہیں کہ اس پر اس لفظ کا اطلاق آیا عزت و تکریم کے لیے تھا، جیسے کہ اسرائیل پر اور داؤدؑ وغیرہما پر اس لفظ کا اطلاق کیا گیا، یا اس معنی کے لحاظ سے یہ لفظ بولا گیا

Marfat.com

جون کے فلسفی فیلو نے مراد لیا ہے۔ اور یہ عنقریب آئے گا، اور یہ فلسفہ ہندو مشرک بت پرستوں کے فلسفے قریب ہے، اور یہی نصاریٰ کے عقیدے کی اصل ہے اور قرآن نے یہود و نصاریٰ سے دو کا اپنے ان دو نبیوں کے بارے میں اس لفظ کا اطلاق حقیقی ابنیت کے طور پر لیا ہے اور کہا ہے کہ یہ قول ان سے پہلے مشرکوں کے قول کی مانند ہے، لہٰذا اس میں تردد کی گنجائش نہیں اور واقعی وہ اس قول سے ابنیت ہی مراد لیتے تھے! اور مفسرین اس بات پر متفق ہیں کہ یہ قول ان میں سے بعض کا ہے سب کا نہیں۔

یہ بعض یہودِ مدینہ کا قول تھا!

جن یہود کا یہ قول تھا وہ مدینہ میں رہتے تھے، جیسے کہ ان میں سے بعض کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ:

"اور یہود نے کہا کہ اللہ کا ہاتھ تنگ ہے، انہی کا ہاتھ باندھا گیا"

اور انہی لوگوں کے متعلق یہ ارشاد الٰہی ہے کہ:

"وہ لوگ کافر تھے جنہوں نے کہا کہ اللہ محتاج ہے اور ہم مالدار ہیں"

اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان سے قبل بھی بعض یہود کا یہ قول ہو مگر وہ ہم تک منقول نہیں ہوا۔ اور ابن اسحاق ابن جریر، ابن ابی حاتم اور ابو الشیخ اور ابن مردویہ نے ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سلام بن مشکم، نعمان بن اوفیٰ، ابو انس، شاس بن قیس اور مالک بن صیف (یہودی علماء و رؤساء) آئے اور انہوں نے کہا کہ ہم آپ کی پیروی کیسے کریں۔ جب کہ آپ نے ہمارا قبلہ ترک کر دیا ہے اور آپ یہ نہیں کہتے کہ عزیرؑ ابن اللہ ہے۔

مسیحؑ کو ابن اللہ سب سے پہلے یہود نے کہا!

یہ بات تو معلوم ہی ہے کہ بعض نصاریٰ جو مسیحؑ کو ابن اللہ کہتے تھے وہ یہود میں سے تھے۔ فیلو فلسفی اسکندری جو مسیحؑ کا ہم عصر تھا، اس کا قول تھا کہ: اللہ کا ایک بیٹا ہے جو اس کا کلمہ ہے جس کے ساتھ اس نے چیزوں کو پیدا کیا تھا، پس ممکن ہے کہ بعثت محمدیہ سے پہلے کے بعض یہودیوں نے عزیرؑ کو اس معنیٰ کے لحاظ سے ابن اللہ کہا ہو۔ اس بیان سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ قرآن نے جو یہود کا یہ قول نقل کیا ہے درحقیقت یہ اہل کتاب کے ایک فریق کا فاسد عقیدہ ہے جس کی موجودگی میں وہ اللہ پر ایمان نہیں رکھ سکتے، اور دینِ حق کے پیروکار نہیں کہلا سکتے۔ اور یہی وہ بنیادی صفت ہے جس پر قتال کا حکم قائم ہوا ہے۔ قتال سے مقصد یہ نہیں ہے کہ انہیں اسلام لانے پر مجبور کیا جائے، بلکہ یہ مقصد ہے کہ ان کی شوکت توڑی جائے جس کے باعث وہ اسلام کی راہ روکتے ہیں اور وہ اسلامی اقتدار کے آگے جھک جائیں، تاکہ اس جھکاؤ کے باعث افراد کو آزادی حاصل ہو جائے اور اسلام قبول کرنے میں کوئی رکاوٹ نہ رہ جائے۔

نصاریٰ کے قول: المسیح ابن اللہ کا مطلب؟

نصاریٰ کہتے ہیں کہ مسیح ابن اللہ ہے۔ تین میں سے تیسرا ہے یہ قول مشہور و معروف ہے، اور جب سے

Marfat.com

پولوس نے مسیحیت کو بگاڑا ہے، ان کے تمام مذاہب و فرق اس پر متفق ہیں، اور یہ عقیدہ اس عقیدۂ توحید کے صریحاً خلاف ہے جس پر تمام رسالتیں متفق ہیں، رسالتِ مسیحؑ بھی یہی عقیدہ لے کر آئی تھی، لیکن پولوس کی تحریف کے بعد مقدس مجالس و مجامع نے رہی سہی کسر بھی نکال دی اور شرک و بت پرستی کو پوری طرح عیسائیت کا جزء بنا دیا۔ بلکہ موجودہ عیسائیت کی بنیاد ہی اس پر قائم ہے۔

استاد شیخ رشید رضا کی تفسیر المنار سے ہم ان کا ایک جید اقتباس پیش کرتے ہیں، اس کا عنوان ہے، ثالوث یا تثلیث، علامہ فرماتے ہیں کہ: یہ ایک لفظ ہے جو نصاریٰ کے نزدیک لاہوت یعنی تین اقانیم (ارکان، اجزاء) پر بولا جاتا ہے۔ باپ، بیٹا، روح القدس۔ یہ تعلیم عیسائیوں کے کیتھولک چرچ آرتھوڈکس چرچ (مشرقی) اور پروٹسٹنٹ کے ایک ذرا سے فرقے کے سوا، تمام عیسائیوں کی ہے۔ اس قول کے قائلین کے نزدیک یہ تعلیم بائبل کی صراحتوں کے مطابق ہے۔ لاہوتیوں نے اس میں ان شرحوں اور وضاحتوں کا اضافہ کیا ہے۔ جن کو انہوں نے قدیم مجالس (مجامع) اور کلیسا کے قدیم پادریوں سے لیا ہے۔ اور یہ اس پر بحث کرتی ہیں کہ اقنوم ثانی (بیٹا) کس طرح مولود ہوا اور تیسرا اقنوم (روح القدس) کس طرح پھوٹا۔ اور تینوں اقانیم کے درمیان کیا نسبت ہے، اور ان کی امتیازی صفات اور القاب کیا ہیں، اور باوجودیکہ ثالوث کا لفظ کتابِ مقدس میں موجود نہیں، نہ یہ ممکن ہے کہ عہدِ قدیم کی ایک آیت بھی اس ثالوث کی تصریح میں لائی جاسکے قدیم عیسائی مؤلفین نے بہت سی آیات کا اقتباس کیا ہے، جو لاہوت میں اجتماعی صورت کے وجود کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ مگر چونکہ ان آیات کی تفسیر مختلف طریقوں سے کی جاسکتی ہے، ان کو ثالوث پر برہانِ قاطع کے طور پر نہ لایا جاسکا۔ بلکہ یہ رمز یہ اشارات تھے، اور واضح صریح وحی ان کے عقیدے کے مطابق عہدِ جدید (اناجیل) میں ہے، اس تعلیم کے اثبات میں آیات کے دو بڑے مجموعے نکالے گئے ہیں جو گویا اس تعلیم ثالوث کی دلیل ہے۔ پہلا مجموعہ ان آیات کا ہے جن میں باپ اور بیٹے اور روح القدس کا ذکر اکٹھا کیا گیا ہے، دوسرا مجموعہ وہ ہے جس میں ان کا ذکر علیحدہ علیحدہ ہے اور ان کی باہمی نسبت بیان ہوئی ہے۔

لاہوت کے اقانیم میں نزاع کا مبدا

اقانیم کا یہ جھگڑا رسولی عہد میں شروع ہوا تھا۔ (یعنی پولوس وغیرہ کے عہد میں)، اور زیادہ تر اس کی نشو و نما یونانی فلاسفروں اور اگناسٹک فلسفیوں کی تعلیمات میں ہوئی، انطاکیہ کا اسقف یتوفیلوس دوسری صدی میں تریاس کا یونانی لفظ استعمال کرتا ہے۔ پھر ترتنیانوس نے سب سے پہلے ترینیٹاس کا لفظ استعمال کیا جو تریاس کا ہم معنیٰ تھا اور اس کا معنیٰ ہے ثالوث۔ نیقیہ کی مجلس کے انعقاد سے پہلے اس تعلیم کے بارے میں ایک دائمی جدال برپا تھا ——— خاص کر مشرق میں ——— کلیسا نے بہت سی آراء کے متعلق کہا کہ یہ اراتیکیہ ہیں۔ اس لفظ کا معنیٰ ہے بدعتی۔ مثلاً ابیونیوں کی آراء جو مسیحؑ کو انسانِ محض مانتے تھے۔ اسی طرح سابلیین کی رائے ہے کہ: باپ، بیٹا اور روح القدس مختلف صورتیں ہیں جن میں سے اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کا اعلان کیا ہے، یہ رائے بھی کلیسا کے نزدیک بدعت کہلائی۔ اسی طرح آریوسیوں کا قول بھی بدعت ٹھیرایا گیا کہ: بیٹا باپ کی مانند ازلی نہیں ہے۔ بلکہ وہ عالم سے قبل باپ نے پیدا کیا تھا، اس

Marfat.com

لیے وہ باپ سے کم تر اور اس کے آگے عاجز تھا۔ علی ہذا مقدونیوں کا یہ قول بھی بدعت ٹھہرایا گیا کہ روح القدس کوئی اقنوم نہیں ہے۔

کلیسا کی تعلیم اور نیقہ کا مجمع

کلیسا کی تعلیم کو ۳۲۵ء میں نیقہ کی مجلس نے اور ۳۸۱ء میں قسطنطنیہ کے مجمع نے مقرر کیا تھا اور یہ فیصلہ دیا کہ بیٹا اور روح القدس لاہوت کی وحدت میں باپ کے مساوی ہیں اور بیٹا باپ سے ازل سے مولود تھا، اور روح القدس باپ سے پھوٹا تھا۔ طلیطلہ کا مجمع جو ۵۸۹ء میں منعقد ہوا تھا۔ اس نے فیصلہ دیا تھا کہ روح القدس بیٹے سے بھی پھوٹا تھا، اور لاطینی کلیسا نے اس اضافے کو قبول کر لیا اور اس پر جم گیا۔ یونانی کلیسا پہلے خاموش رہا مگر پھر یہ رائے دی کہ یہ اضافہ بدعت ہے۔ اور اس کے ذریعے سے قانونِ کلیسا میں تبدیلی ہوئی ہے۔ اور یہ عبارت : 'اور بیٹے سے بھی' یونانی کلیسا اور کیتھولک کلیسا کے اتحاد میں برابر حائل رہی ہے۔ لوتھر والوں کی کتابیں اور مصلح کلیسا کیتھولک کلیسا کی ثالوث کی تعلیم کو بعینہٖ مانتے ہیں۔ لیکن ۱۴ویں صدی سے لے کر لاہوتیوں کی بہت بڑی اکثریت اور بعض نئے گروہ مثلاً سوسنیائی، جرمانی، موحد، عمومی وغیرہ اس کو کتابِ مقدس کی ضد جانتے رہے ہیں۔ اور عقل کے بھی خلاف۔ اور سویدنبرغ نے ثالوث کا لفظ اقنومِ مسیحؑ پر بولا ہے، مگر ثالوثِ اقانیم کے طور پر نہیں بلکہ ثالوثِ اقنوم کے طور پر، اور اس سے یہ سمجھا گیا کہ (ان کے نزدیک) مسیحؑ میں جو کچھ الٰہی تھا وہ باپ ہے۔ اور وہ الٰہی حصہ جو ناسوتِ مسیحؑ کے ساتھ متحد ہوا وہ ابن تھا، اور وہ الٰہی حصہ جو اس سے صادر ہوا وہ روح القدس تھا، لوتھری کلیساؤں میں عقلیین کے مذہب کا انتشار اور مصلح کلیساؤں میں ایک زمانے تک ثالوث کا عقیدہ جرمنی کے لاہوتیوں کے درمیان بہت حد تک کمزور ہو گیا تھا۔

کانٹ کی تعبیرِ تثلیث

کانٹ کا یہ خیال تھا کہ باپ بیٹا روح القدس دراصل لاہوت میں تین بنیادی صفات پر دلالت کرتے ہیں۔ (یعنی اجزا ہو یا اقانیم نہیں ہیں) اور ان سے مراد ہے : قدرت، حکمت اور محبت یا تین بلند فعلی صفات پر یعنی خلق، حفظ اور ضبط۔

ہیگل اور شلنگ نے کوشش کی تھی کہ ثالوث کی تعلیم کی ایک تخیلی بنیاد قائم کریں اور جرمنی کے متاخر لاہوتی ان کے پیرو ہو گئے تھے، انہوں نے کوشش کی کہ ایسے طریقے سے ثالوث کی تعلیم کی وکالت کی جائے جو تخیلاتی اور لاہوتی بنیادوں پر قائم ہو۔ اور بعض لاہوتی جو وحی کی تعلیم پر اعتماد کرتے ہیں، ان کے نزدیک نیقہ اور قسطنطنیہ کے مجمعوں کا اعلان مستقیم نہ تھا۔ اور پچھلے زمانے میں بہت سے لوگوں نے سابیلیین کی رائے کو علی الخصوص درست مانا ہے (یعنی باپ بیٹا روح القدس کے الفاظ دراصل مختلف صورتیں ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کا اعلان کیا ہے)

Marfat.com

تمام عیسائی دین حق کے منکر ہیں

اوپر کی مختصر بحث سے یہ پتہ چل گیا ہوگا کہ تمام مسیحی مذاہب اور فرقے دین حق پر نہیں ہیں جو اللہ تعالیٰ کی توحید پر قائم ہے۔ اور یہ کہ اس کی مانند کوئی چیز نہیں ہے اور یہ کہ اس سے کوئی بھی نہیں ہوتا (مولود ہوتا)۔ بارہا آریوسیئوں نے کہا ہے کہ وہ موحد ہیں، اور لفظِ توحید کا اس طرح اطلاق گمراہ کن ہے کیونکہ وہ اللہ کے حق دین کی توحید کے قائل نہیں۔ معاملے کو خلط ملط کرتے ہیں۔ ایک طرف تو وہ مسیحؑ کو اللہ کی مانند ازلی نہیں مانتے، مگر دوسرے ہی لمحے میں وہ اُسے دین قرار دیتے ہیں، اور یہ کہ وہ باپ سے تخلیق عالم سے قبل پیدا ہوا تھا، اور ظاہر ہے کہ یہ توحید نہیں ہے! اللہ تعالیٰ کا صریح، بے لاگ حکم صادر ہو چکا ہے کہ مسیحؑ کو ابن اللہ کہنا کفرِ صریح ہے۔ اور مسیحؑ کو خدا کہنا بھی کفرِ صریح ہے اور مسیحؑ تین میں سے تیسرا کہنا بھی کفرِ صریح ہے، اور کفر و ایمان کی صفات کسی کے عقیدے میں یا دل میں جمع نہیں ہو سکتیں، ان میں تضاد اور تعارض ہے۔

ابنیت کا قول پہلے کافروں کے قول کے مشابہ ہے

یہود و نصاریٰ کے قولِ ابنیت کو اللہ تعالیٰ نے پہلے کفار کے قول جیسا قرار دیا ہے :

"یہ ان کے منہ کی بات ہے، وہ پہلے کافروں کے قول کے ساتھ مشابہت کرتے ہیں"۔

مطلب یہ کہ یہ واقعی ان کا قول ہے۔ ان کے بارے میں منقول نہیں، اَفواھھم کا لفظ یہی بتاتا ہے یعنی قرآن ان کے قول کی حسی تصویر دکھاتا ہے کہ انہوں نے اپنے منہ سے یہ کہا۔ اور یہ اضافہ یعنی بافواھھم کا لفظ معاذ اللہ لغو نہیں ہے۔ یہ قول کی صورت کو پیش کرتا ہے۔ اور اس لفظ کے اضافے کا ایک فائدہ یہ ہے کہ ان کے اس قول کو لغو اور بے حقیقت ثابت کیا جائے۔ یعنی عالمِ واقع میں ان کا یہ منہ کا قول بے کار ہے، لغو ہے، غلط ہے، کفار کی مشابہت ہے۔ مفسرین نے کہا ہے کہ مشرکین عرب فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں مانتے تھے، اور اس آیت میں اہلِ کتاب کے قول کو ان کے مشابہ فرمایا گیا ہے۔ لیکن قرآنی نص کی دلالت اس سے زیادہ وسیع ہے، ہندی مشرکوں، قدیم مصریوں اور یونانیوں کے بھی عقائد تھے اور اہلِ کتاب کے مشرکانہ، گمراہانہ عقائد کی اصل یہی بت پرست قوموں کے عقائد ہیں۔ پولوس نے مسیحیت کو ان عقائد سے ملا کر بگاڑا اور "مقدس مجالس" نے اس گمراہی کو پختہ سے پختہ تر کر دیا۔

مشرک قوموں کی تثلیث

نصاریٰ کی تثلیث کا منبع جو قومیں ہیں ان میں تثلیث کا عقیدہ یوں ہے : مصری ثالوث اوزوریس، ایزیس اور حوریس، یہ فرعونی بت پرستی کی بنیاد تھی۔ اوزوریس باپ کی مانند تھا اور حوریس بیٹے کے مانند۔ مسیحؑ سے کئی سال پیشتر جو علمِ لاہوت پڑھا پڑھایا جاتا تھا اس میں کلمہ دوسرا الٰہ تھا اور اس کو "خدا کا اکلوتا بیٹا" کہتے تھے۔ ہندوؤں کی بھی ایک تثلیث ہے : برہما خالق ہے، وشنو حافظ و قوام ہے

Marfat.com

اور شنو، ہلاک و برباد کرنے والا ہے۔ اور اس عقیدے میں وشنو ابن ہے جو برہمی کی الوہیت سے بنا ہے اشوری بھی کلمہ پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور اسے مردوخ کہتے تھے، اور ان کے عقیدے میں یہ مردوخ اللہ کا اکلوتا بیٹا تھا، یونانی تین اقانیم والے خدا کے قائل تھے، اور جب ان کے کاہن جب قربانیاں پیش کرنے لگتے تو قربان گاہ پر تین بار پانی چھڑکتے تھے۔ خوشبودان سے بخور کو تین انگلیوں کے ساتھ پکڑتے تھے اور قربان گاہ کے گرد جمع ہونے والوں پر مقدس پانی کو تین دفعہ چھڑکتے تھے۔ یہ تثلیث کی طرف اشارہ تھا، اور بت پرستانہ عقائد کے ساتھ ساتھ عیسائی کلیسا نے یہی اعمال و شعار اپنا لیے ہیں اور عیسائیت کی مشرکوں، بت پرستوں کے ساتھ ایک یہ مشابہت بھی ہے۔ نزولِ قرآن کے وقت قدیم بت پرستوں کے عقائد بالعموم لوگوں میں مشہور و معروف نہ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے جو عیسائیوں کو "پہلے مشرکوں سے مشابہت کرنے والے" فرمایا ہے، یہ قرآن کا ایک معجزہ ہے، اور ساتھ ہی ساتھ یہ اہلِ کتاب کے شرک و کفر کی دلیل بھی ہے۔ آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

"اللہ انہیں قتل کرے (یہاں قاتل بمعنی قتل ہے) کہاں پھیرے جاتے ہیں؟"

واقعی وہ اسی لائق تھے کہ اللہ تعالیٰ انہیں قاتلھم اللہ فرماتا۔ کیونکہ وہ صریح، واضح، صاف حق سے بت پرستی اور شرک کی طرف پھیرے جا رہے تھے۔ اور ایسے عقیدے کو مانتے تھے جو عقل و نقل اور ضمیر کے خلاف ہے!

اہل کتاب کا ایک اور انحراف

آیت: ۳۱ میں فرمایا ہے:

"انہوں نے اپنے عالموں اور راہبوں کو اللہ سے ورے رب بنا لیا تھا، اور مسیح ابنِ مریم کو بھی، اور ان کو یہی حکم ملا تھا کہ خدائے واحد کی ہی عبادت کریں، جس کے سوا کوئی الٰہ نہیں اللہ پاک ہے ان کے شرک اور شریکوں سے۔"

اس آیت میں اس شبہے کا ازالہ کیا گیا ہے کہ اہلِ کتاب ہونے کے باعث وہ اللہ کے دین پر ہوں گے اس آیت نے فرمایا کہ نہیں، وہ دین اللہ پر نہیں آئے، عقیدے کے بعد ان کا عمل اور واقعات یہی شہادت دیتے ہیں کہ وہ کافر و مشرک ہیں۔ انہیں حکم تو یہ ملا تھا کہ ایک خدائے واحد کی بندگی کریں، مگر انہوں نے اپنے احبار و رہبان کو خدا سے ورے رب بنا لیا۔ جیسا کہ مسیح ابن مریم کو بھی رب ٹھیرا لیا تھا۔ اور یہ بھی ان کا شرک باللہ ہے، اللہ ان کے شرک سے پاک اور بلند ہے۔ پس وہ اعتقاد و تصور میں بھی اور واقعات و عمل میں بھی دینِ حق کے پیرو نہیں ہیں۔ اہلِ کتاب صرف ان کا ایک عُرف ہے، حقیقت میں وہ کتب اللہ سے دور ہیں۔

آیت: ۳۱ کی نبوی تفسیر

اَحبار حَبر یا حِبر کی جمع ہے، عالم اہلِ کتاب کو بالخصوص یہودی عالم کو کہتے تھے۔ رُہبان راہب کی جمع ہے یعنی تارک الدنیا درویش و عابد جو عادۃً نکاح، کسبِ معاش اور دیگر امور سے بے نیاز ہوتا تھا۔

Marfat.com

عدیؓ بن حاتم کی روایت ترمذی اور کئی اور محدثین نے درج کی ہے اور بقول ترمذی یہ حسن حدیث ہے علیؓ نے کہا کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا۔ اس وقت آپ سورۂ براۃ کی آیت: اتخذوا احبارھم پڑھ رہے تھے آپ نے فرمایا کہ وہ ان لوگوں کی عبادت نہ کرتے تھے مگر ان کی حلال کردہ چیز کو حلال اور حرام کردہ چیز کو حرام مان لیتے تھے (خواہ وہ حرام کو حلال اور حلال کو حرام کر دیں!)

تفسیر ابن کثیر میں احمد، ترمذی، ابن جریر کی روایت کئی طریقوں کے ساتھ عدیؓ بن حاتم سے آئی ہے کہ عدیؓ بن حاتم کو جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پہنچی تو شام کی طرف بھاگ گیا اور وہ جاہلیت میں عیسائی تھا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بہن کو اور اس کی قوم کی ایک جماعت کو قید کر لیا۔ (یہ جنگ حنین کا واقعہ ہے) پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بہن پر احسان فرمایا اور اُسے مال عطا فرمایا، وہ اپنے بھائی کے پاس گئی اور اُسے اسلام کی ترغیب دی اور آپ کے پاس جانے کو کہا۔ عدیؓ مدینہ میں گیا۔ وہ اپنی قوم بنی طے کا رئیس تھا اور اس کا باپ حاتم طائی تھا جو کرم و سخاوت میں مشہور تھا۔ لوگوں میں اس کے آنے کا چرچا ہوا۔ وہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس داخل ہوا اور اس کے گلے میں چاندی کی صلیب تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ آیت پڑھ رہے تھے: اتخذوا احبارھم ورھبانھم الخ عدیؓ نے کہا کہ میں نے کہا: انہوں نے ان کی عبادت نہیں کی۔ آپ نے فرمایا: کیوں نہیں؟ انہوں نے حلال کو ان پر حرام کیا اور حرام کو حلال کر دیا اور انہوں نے ان کی بات مان لی، یہی ان کی عبادت تھی۔ سُدی نے کہا کہ اہل کتاب نے لوگوں سے مشورے لیے مگر اللہ کی کتاب کو پس پشت ڈال دیا، اسی لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ: ان کو صرف یہ حکم دیا گیا تھا کہ ایک ہی معبود کی عبادت کریں، یعنی جس کا حرام کردہ حرام ہے اور حلال کردہ حلال ہے اس کی شرع کی پیروی کی جاتی ہے اور اس کا فیصلہ نافذ ہے۔

سید محمود آلوسی نے تفسیر میں کہا ہے کہ: ارباب سے مراد یہ نہیں کہ انہوں نے احبار و رُہبان کو جہان کے الٰہ بنایا تھا، بلکہ مراد یہ ہے کہ انہوں نے ان کے اوامر و نواہی کی غیر مشروط اطاعت کی تھی۔

اس نص قرآنی سے جس کی دلالت واضح ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تفسیر سے جو فصل الخطاب ہے۔ پھر متقدم متاخر مفسرین کی تفسیر سے ہم پر عقیدہ و دین کے بارے میں چند اہم حقائق کھلتے ہیں جو یہ ہیں:

چند دینی حقائق!

(۱) نص قرآنی سے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تفسیر سے واضح ہو گیا کہ عبادت قانون و شریعت کے اتباع کا نام ہے یہود و نصاریٰ نے احبار و رہبان کو اس معنیٰ میں ارباب نہیں بنایا تھا کہ وہ ان کی الوہیت کا عقیدہ رکھتے تھے یا مراسم عبادت کو ان کے سامنے یا ان کے لیے بجا لاتے تھے، اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ان پر شرک کا حکم لگایا ہے اور اگلی آیت میں کفر کا حکم لگایا گیا ہے، محض اس لیے کہ انہوں نے احبار و رہبان سے قوانین و شرائع حاصل کیے، ان کی اطاعت و اتباع کیا، پس یہ فعل شرک ہے اور اس کا بجالانے والا مشرک باللہ ہے خواہ اس کا عقیدہ اُس کی الوہیت کا نہ ہو جس کی اطاعت

Marfat.com

کررہا ہے۔ اور نہ اس کے آگے مراسم عبودیت وعبادت بجالائے۔ یہ وہ شرک ہے جو اس کو مسلمانوں کی تعداد سے نکال کر مشرکوں کی جماعت میں داخل کردیتا ہے۔

(۲) نص قرآنی مشرک بتانے میں اور ارباباً من دون اللہ کو اختیار کرنے میں یہود ونصاریٰ کو برابر کرتی ہے حالانکہ یہود نے اپنے احبار ورہبان سے شریعت قبول کی اور اس کا اتباع واطاعت کی، اور نصاریٰ نے عقیدے کے طور پر مسیح کو الٰہ مانا اور اس کے لیے عباداتی شعائر ورسوم پیش کیے۔ پس یہ دونوں فعل شرک باللہ ہیں اور ان کا فاعل وقائل مشرک باللہ ہے، مومنوں کی جماعت سے باہر اور کافروں کی جماعت کے اندر داخل ہے۔

(۳) بندگانِ خدا میں سے کسی کو بھی قانون سازی کا حق دینے سے شرک باللہ متحقق ہوجاتا ہے، گو اس کے ساتھ اس کی الوہیت کا عقیدہ شامل نہ ہو۔ اور نہ اس کے سامنے یا اس کے لیے عباداتی شعائر ورسوم پیش کیے جائیں۔

دین کی حقیقت

یہ حقائق گو اس لیے بیان فرمائے گئے کہ اہل کتاب کے بارے میں مسلمانوں کے اس شک وتردد کو دور کیا جائے کہ وہ "اہل کتاب" ہیں۔ لہٰذا اُن کے ساتھ کیوں کر جہاد کیا جائے، مسلمان رومیوں سے جنگ کرنے میں اسی بنا پر جھجک رہے تھے اللہ تعالیٰ نے بتادیا کہ وہ اللہ پر ایمان نہیں رکھتے۔ اسی طرح یہ ارشادات ہمیں دین کی حقیقت سے آشنا کرتے ہیں۔ دینِ حق جو اللہ کے ہاں مقبول ہے اور اس کے سوا کوئی دین مقبول نہیں وہ اسلام ہے۔ اسلام کی حقیقت یہ ہے کہ صرف ایک اللہ کی الوہیت کا اعتقاد رکھا جائے، اُس کے سامنے عباداتی شعائر ورسوم پیش کیے جائیں اور صرف اسی کی شریعت وقانون کا اتباع کیا جائے۔ اگر کوئی شخص یا قوم شریعۃ اللہ کے سوا کسی اور کی شریعت کو مانے اور اس کا اتباع کرے تو اس پر بھی وہی لقب صادق آئے گا جو یہود ونصاریٰ پر صادق آیا ہے۔ یعنی مشرکین باللہ۔ گو ایسے لوگ ایمان کے مدعی ہوں۔ غیر اللہ کے قانون کو اپنانے سے ہی وصفِ شرک وکفران پر صادق آجائے گا، جبر واکراہ کا معاملہ دوسرا ہے، مگر جو مجبور ہو وہ اس کا اظہار کرتا ہے کہ یہ مجبوری ہے اور میں حالتِ اضطرار میں ہوں! آج کل لوگ دین کی اصطلاح کا مقصد صرف ایک عقیدہ اور چند عباداتی رسوم وشعائر کو سمجھتے ہیں، حالانکہ عقیدہ اور تعبدی شعائر تو یہودی بھی اللہ ہی کے لیے ادا کرتے تھے جیسا کہ اس نصِ قرآنی نے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تفسیر نے واضح کیا ہے۔ اس کے باوجود اللہ ورسول نے ان کو مشرک باللہ قرار دیا، ایک اللہ وحدہٗ کی عبادت سے منحرف ٹھیرایا اور فرمایا کہ انہوں نے اپنے احبار ورہبان کو اللہ سے ورے ارباب من دون اللہ بنا لیا تھا، ان کے انکار کے باوجود اللہ تعالےٰ نے انہیں شرک کا مرتکب فرمایا۔

دین کا معنیٔ اوّل

دین کا معنیٔ اوّل دینونت ہے، یعنی خضوع واستسلام اور اتباع۔ اور اس کا ظہور اتباعِ شرائع

وقوانین میں بھی ہوتا ہے جیسا کہ شعائر عبادت کو پیش کرنے سے ہوتا ہے، پس جو لوگ شرائع عبادت تو اللہ کے سامنے پیش کریں مگر قوانین و شریعت دوسروں کی تسلیم کریں وہ مشرک باللہ ہیں۔ محض اللہ کی الوہیت کو مان لینا ہی دین نہیں بلکہ اس کے اوامر و نواہی اور قوانین و شرائع پر ایمان لانا اور ان کا اتباع بھی فرض ہے، آج کل جو لوگ محض چند عباداتی رسوم پیش کر کے مومن باللہ کہلاتے ہیں مگر اتباع و اطاعت غیر اللہ کے قوانین و شرائع کی کرتے ہیں، وہ مومن باللہ نہیں بلکہ مشرک باللہ ہیں۔ دین کے لیے آج کا دَور بڑا نازک اور مشکل ہے۔ جنہیں اللہ و رسول ﷺ مشرک ٹھہراتے ہیں وہ دھڑلے سے مومن باللہ، بلکہ اہل ایمان کے لیڈر اور اسلام کے "مخلص خادم" بنے پھرتے ہیں، ان کے فریب کے پردے کو پھاڑنا اور ان کی اصل حقیقت لوگوں کو دکھانا آج کل اسلام کی سب سے بڑی خدمت ہے۔ دین کا حکم تو یہی ہے کہ الٰہ واحد کی ہی عبادت کی جائے، وہ الٰہ شرک اور شریکوں سے پاک ہے۔

مقصد دین کیا ہے؟

آیات: ۳۲ ——— ۳۳ میں ارشاد ہوا ہے کہ:

"وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے منہ سے بجھا دیں اور اللہ انکار کرتا ہے مگر اس سے کہ اپنے نور کو تمام کرے اگرچہ کافر بُرا مانیں۔ وہ وہی خدا ہے جس نے اپنا رسول ﷺ ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اس کو سب ادیان پر غالب کر دے اگرچہ مشرک ناپسند کریں۔"

اہلِ کتاب صرف دینِ حق سے انحراف کی حد پر نہیں ٹھہرتے، ارباب من دون اللہ کی عبادت پر نہیں ٹھہرتے بلکہ وہ دینِ حق کے خلاف اعلانِ جنگ کرتے ہیں، اللہ کا نور جو زمین میں اس دین کے اندر مشتمل ہے اُسے بجھانا چاہتے ہیں۔ دینِ حق کی دعوت کا راستہ روکتے ہیں۔ انسانوں کے معاملات کو اس دین کے مطابق گزارنے سے روکتے ہیں۔ یہی ان کی بے ایمانی اور قیامت پر ایمان نہ ہونا ہے۔

نورُ اللہ کو بجھانے کی سعی

نور اللہ یہ دین برحق ہے اور اہلِ کتاب اس کے خلاف اعلانِ جنگ کرتے ہیں۔ اس کے خلاف جھوٹ بولتے دسیسہ کاریاں کرتے اور فتنے اٹھاتے ہیں۔ اپنے اتباع و اعوان کو اس دین کے خلاف بھڑکاتے ہیں، اس دین کو ماننے والوں کی ہر ممکن مخالفت اور تذلیل کرتے ہیں، دین کی راہ میں حائل ہوتے ہیں۔ نزولِ قرآن کے دَور میں بھی یہی تھا اور اسلام کی ساری تاریخ میں یہی کچھ ہوتا رہا ہے۔ اُس زمانے میں اہلِ کتاب کی اس تصویر سے یہ مقصد تھا کہ مسلمانوں کی غلط فہمی اور تردّد دور کیا جائے اور ان کے دل میں جوش پیدا کیا جائے، مگر آج کے دَور میں یہ آیات اس دائمی جنگ کا نقشہ پیش کرتی ہیں جو یہود و نصاریٰ نے ہمیشہ اسلام کے خلاف برپا رکھی ہے اور آج بھی دنیا کے مختلف اطراف میں جاری ہے۔

اللہ اپنے نُور کو پُورا کرے گا!

یہ جو ارشاد ہوا ہے کہ:

"اور اللہ اپنے نور کو پورا کر کے ہی رہے گا اگرچہ کافر ناپسند کریں۔"

یہ اللہ تعالیٰ کا سچا وعدہ ہے جو اس کی غیر متبدل سنتوں پر دلالت کرتا ہے کہ وہ اپنے دین کو غالب کرے گا، اپنے نور کو پورا کرے گا اور اس کی پرواہ نہ کرے گا کہ کافر برا مانتے ہیں، اس وعدے پر اہل ایمان کے قلوب مطمئن ہوتے ہیں اور وہ مشقت اور تکلیف کے باوجود دین کی راہ پر چلتے ہیں، اور کافر یعنی اہل کتاب جو بھی مکر و فریب کریں، جو بھی جنگی تدابیر کریں، ان کی پرواہ نہیں کرتے اور اس آیت میں اعدائے دین کے لیے ایک وعید بھی ہے، اگلی آیت نے اس وعدے اور وعید کو اور زیادہ موکد کر دیا ہے۔

رسولؐ کو ہدایت اور دین حق دے کر کیوں بھیجا گیا؟

آیت: ۳۳ کا ارشاد ہے کہ:

"وہ وہی اللہ ہے جس نے اپنے رسولؐ کو ہدایت دے کر اور دینِ حق دے کر بھیجا تاکہ اس کو ہر دین پر غالب کرے، اگرچہ کافر ناپسند کریں۔"

اس نص قطعی سے یہ واضح ہو گیا کہ پچھلی آیتوں میں جو اہل کتاب کے متعلق فرمایا ہے کہ وہ دینِ حق کو اختیار نہیں کرتے۔ اس سے مراد یہی اسلام ہے، جسے لے کر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آئے ہیں۔ اور جو لوگ اس دین کے آگے نہ جھکیں قاتلوا الذین لا یؤمنون الخ کا خطاب انہیں بھی حکم قتال میں شامل کرتا ہے۔ آیت کی تفسیر خواہ کسی طرح کی جائے، یہ بات بہر حال صحیح ہے، کیونکہ اجمالی طور پر دینِ حق سے مراد اعتقاد و شعائر اور شرائع میں ایک اللہ کے سامنے جھکنا ہے اور یہ اللہ کے دین کا ہر دور میں قاعدہ اور بنیاد رہی ہے۔ اور آخر کار جو دین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے ہیں یہ وہی دینِ برحق ہے، پس جو شخص یا قوم عقیدے قانون اور عبادات میں ایک اللہ کے آگے نہ جھکے ان پر یہ صادق آتا ہے کہ وہ دین اللہ کو اختیار نہیں کرتے اور وہ آیتِ قتال کے مدلول میں داخل ہو جاتے ہیں۔ ہاں! اسلام کی دینی تحریک اور اس کے مرحلہ وار احکام اور تقاضوں کا لحاظ ضروری ہو گا۔ اور اوپر کی آیت میں جو وعدہ فرمایا گیا ہے کہ اللہ اپنے نور کو ضرور پورا کرے گا، اس وعدے کی مزید تاکید اس آیت ۳۳ میں فرمائی گئی ہے، اللہ کا وہ نور جس کو پورا کرنے کا وعدہ فرمایا گیا ہے وہ اللہ کا دین برحق ہے، جو دیکر رسولؐ کو بھیجا گیا ہے تاکہ اس کو ہر دین پر غالب کرے۔

اور دینِ حق جیسا کہ ہم نے اوپر بتایا ہے، ایک اللہ کے آگے اعتقاد، عبادات اور تشریع میں جھکنا ہے ہر دینِ سماوی جو کسی رسولؐ کے ہاتھ بھیجا گیا وہ یہی تھا اور فطری طور پر وہ ادیان اس میں داخل نہیں ہیں۔ جن میں تحریف و تبدیلی ہو چکی ہے اور ان میں بت پرستی اور شرک کے عقائد و اعمال داخل ہو چکے ہیں، جیسے یہودیت و نصرانیت، اور اس میں وہ نظام و اوضاع بھی داخل نہیں جو دین کا نام تو لیتے ہیں مگر زمین میں ارباب من دون اللہ قائم کرتے ہیں تاکہ لوگوں سے ان کی پوجا کرائیں اور یہ تو واضح ہے کہ غیر اللہ کی شریعت و قانون کو ماننا شرک فی اللہ اور شرک فی الرسالۃ ہے۔

Marfat.com

دین کیا ہے اور دین اللہ کیا ہے؟

دین کو اس وسیع معنی میں لینا ضروری ہے جو ہم نے اوپر بیان کیا۔ دین سے مراد دینونت ہے یعنی جھک جانا، اختیار کرنا، دستورِ حیات کے طور پر ماننا اور اس پر چلنا۔ پس اس میں ہر وہ طریقہ، مذہب، نظام داخل ہے جسے لوگ اطاعت، اتباع اور ولاء کے ساتھ اختیار کرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے جو دینِ حق کو تمام ادیان پر غالب و بالا دست کرنے کا وعدہ کیا ہے وہ اسی شامل و پورے اور عام معنی کے لحاظ سے ہے۔

غلبۂ دینِ حق کا وعدہ

ایک مرتبہ یہ وعدہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر، آپ کے خلفاء کے ہاتھ پر اور کافی عرصے تک بعد والوں کے ہاتھ پر پورا ہو چکا ہے۔ ان اوقات میں دین ہی ظاہر و غالب تھا اور ادیانِ باطلہ ڈرتے کانپتے تھے۔ پھر آہستہ آہستہ دینِ حق والے اس دین کی راہ سے الگ ہوئے اور دین سے خالی ہو گئے۔ اس کا سبب ایک تو داخلی انتشار تھا اور ایک خارجی عداوت اور دشمنی جس سے یہ قوم اور یہ دین ایک لمحہ کے برابر بھی نجات نہیں پا سکا۔ یہ بیرونی اور اندرونی جنگ بت پرستوں اور اہلِ کتاب کی طرف سے چھیڑی گئی تھی اور صدیاں گزرنے پر بھی اس کی آگ ٹھنڈی نہیں ہوئی بلکہ زیادہ بھڑک رہی ہے، کیونکہ دین والے غافل اور حال مست ہو گئے ہیں۔ لیکن انجام یہ نہیں ہے، اللہ کا وعدہ قائم ہے جو مسلم جماعت اور اسلامی معاشرے کے انتظار میں ہے جو اس کا جھنڈا تھامے اور آگے کو چل پڑے۔ سفر طویل ہے مگر اس کی ابتدا وہیں سے ہو گی جہاں سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہوئی تھی۔

احبار و رہبان کی دنیا پرستی اور حرام خوری

اس قطعہ کا اب آخری لفظ سامنے ہے، جس میں اہلِ کتاب کے متعلق یہ فرمایا ہے کہ کیونکہ یہ اللہ کے حرام کو حرام نہیں ٹھہراتے، اس کے رسول کی تحریم کو نہیں مانتے، اوپر اس حقیقت کی طرف اس آیت میں اشارہ گزرا ہے کہ:

"انہوں نے اپنے احبار و رہبان کو اللہ سے ورے اور مسیح ابن مریم کو رب بنا لیا"

اور اس کی تفسیر حدیثِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ گزر چکی ہے کہ احبار و رہبان نے ان کے لیے حلال کو حرام اور حرام کو حلال بنا دیا تو بھی انہوں نے مان لیا۔ گویا حلت و حرمت کا ضابطہ ان کے نزدیک اللہ و رسول کے ہاتھ میں نہیں بلکہ احبار و رہبان کے ہاتھ میں ہے۔ اس حقیقت کو کھولنے کے لیے اس مقطع کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے خطاب کر کے آیات: ۳۴ ——— ۳۵ میں فرمایا ہے کہ:

"اے ایمان والو! بلاشبہ بہت سے عالم اور درویش لوگوں کے مال ناجائز طور پر کھاتے ہیں اور اللہ کی راہ سے روکتے ہیں، اور وہ لوگ جو سونے چاندی کا خزانہ بناتے ہیں، اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، ان کو دردناک سزا کی خوشخبری دے دو۔ جس دن اس کو جہنم کی آگ میں تپایا جائے گا، پھر اس کے ساتھ ان کی پیشانیوں، اور پہلوؤں اور پشتوں

Marfat.com

پر داغ لگائے جائیں گے۔ یہ ہے وہ خزانہ جو تم نے اپنے لیے جمع کیا، پس چکھو لو جو کچھ تم جمع کیا کرتے تھے!"

یہ احبار و رہبان اپنے پیروؤں کے لیے ان کی مرضی کے قانون بناتے تھے۔ اور انہیں کتاب مقدس کی طرف منسوب کرتے تھے، تاکہ خواص و عوام سے رشوت بٹور سکیں، ان کی خوشنودی مزاج حاصل کر کے اپنے پیٹ کا جہنم بھر سکیں۔ یہ احبار و رہبان اپنے آپ کو، اور ان کے پیرو بھی ان کو، اربابا من دون اللہ بناتے ہیں، ان کی اطاعت و اتباع کی جاتی ہے۔ وہ فتوی فروش ہیں۔ دنیا پرستوں کے لیے کتاب اللہ میں تحریف کرتے ہیں لوگوں کو زکوٰۃ و صدقات کا حکم دیتے ہیں مگر اسے وصول کر کے اپنی تجوریاں اور صندوق بھر لیتے ہیں۔ ان کے خانقاہوں کے تہ خانوں میں، ان کے قبرستانوں میں بعض قبروں میں سونے چاندی کے خزانے دفن ہیں۔

علماء و زہّاد کی حرام خوری کی صورتیں

لوگوں کے اموال کو باطل طریقے سے کھا جانا کئی صورتوں میں متمثل تھا، یہ ہر زمانے میں ہوتا رہا ہے اور آج بھی ہے:

(۱) حرام کو حلال کرنے کے فتاویٰ پر لی جانے والی رشوت، غلط مسائل بتانے کا معاوضہ حلال کو حرام کرنے کے بعض ایسے ماہرانہ طریقے، جن سے احبار کی تجوری بھر جائے۔ مغفرت نامے فروخت کرنا اور ان کے ذریعے روپیہ بٹورنا، حرام خوروں پر کوئی نکیر نہ کرنا اور ان کے دیئے ہوئے ہدیوں کو شیر مادر جان کر ہڑپ کرنا۔ گناہوں کی بخشش جو صرف اللہ کا حق ہے اسے اپنے لیے خاص کرنا اور اس پر اپنے پیٹ بھرنا، سود کھانا جسے قرآن نے سحت یعنی حرام فرمایا ہے۔ لوگوں سے چندے لے کر راہِ خدا پر ڈاکہ مارنا، صلیبی جنگوں میں پوپ، کارڈینل، اسقف، قسیس اور راہب کروڑوں اربوں روپیہ جمع کرتے رہے، اور اسے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف استعمال کرتے رہے۔ اور یورپ بھر میں مشنریوں اور مستشرقین کے لیے بے پناہ اموال جمع کیے جاتے ہیں تاکہ ان کو دینِ حق کے خلاف استعمال کیا جائے، قرآن کا یہ بھی معجزہ ہے اور عدلِ الٰہی کا ایک مظاہرہ ہے۔ کثیر احبار و رہبان کا حکم تو بیان فرمایا مگر ان میں سے کچھ ایسے بھی ہوں گے، جو حرام خور نہ ہوں گے۔ لوگوں کی ہر بری جماعت میں کچھ اچھے لوگ بھی ضرور پائے جاتے ہیں، پس قرآنی بیان نے ان کو مستثنیٰ فرما دیا ہے۔ اکثر احبار و رہبان اور مذہبی رہنما دولت پرست ہوئے ہیں، تاریخ نے ان کی مادہ پرستی کے گھناؤنے واقعات بیان کئے ہیں۔ بلکہ بعض کے ہاں تو سونے چاندی کے بھرے ہوئے صندوق رہے ہیں، اور ایک زمانہ تو وہ بھی تھا کہ ان کی دولت مندی خود مختار اور متسلط بادشاہوں اور پیروؤں سے بھی بڑھ کر ہوتی تھی۔

خزانے جمع کرنے والوں کو عذاب

قرآن مجید نے اس سیاق میں ان خزانے کے مالکوں کا شدید اور الیم عذاب بیان کیا ہے صحیح احادیث میں زکوٰۃ نہ دینے والوں کا عذاب میدانِ قیامت میں نہایت خوفناک صورتوں میں بیان فرمایا ہے، مثلاً جن جانوروں کی زکوٰۃ نہیں دی گئی ان کے مالکوں کو لٹا کر انہیں ان پر سے گزارنا اور ان کی ہڈی پسلی تڑوانا، سونے چاندی کو خوفناک

Marfat.com

سانپ بنا کر ان کے گلے میں ڈالنا۔ معاذ اللہ۔ اور قرآنی سیاق نے اس سونے چاندی کے خزانے کو تپایا جانا اور اس کے مالکوں کی پیشانی، پہلوؤں اور پشتوں پر داغ لگایا جانا، بڑے خوفناک انداز میں بیان کیا ہے، اور پھر یہ کہا جانا اور بھی باعثِ عذاب ہوگا کہ :

"یہ ہے جو کچھ تم نے اپنے لیے خزانے کے طور پر جمع کیا اب تم اپنے خزانے کا مزا چکھو۔"

یعنی تم نے تو اس خزانے کو لذت کے لیے جمع کیا تھا۔ مگر اب یہ تمہارے الم اور عذاب کا سبب بن رہا ہے، وا لے ہے تم پر اور تمہارے خزانے پر!

ان آیات میں پہلے تو بہت سے احبار و رہبان کی تصویر پیش کی گئی، پھر سونے چاندی کو جمع کرنے اور اسے راہِ حق میں خرچ نہ کرنے والوں کی اخروی تصویر دکھائی گئی اور اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیات غزوۂ تبوک کی تمہید بھی ہیں۔

نگاہِ باز گشت

اب آگے بڑھنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اہلِ کتاب کے بارے میں ان گزشتہ آیات پر دوبارہ ایک اچٹتی نگاہ ڈالی جائے تاکہ ان اعدائے اسلام کے عقیدے، دین، اخلاق اور عمل پر مزید روشنی ڈالی جاسکے۔ یہ ان اشارات پر ایک اضافہ ہے جو اوپر گزر چکے ہیں۔

پس معلوم ہونا چاہیے کہ اہلِ کتاب کے بارے میں اس شبہ کو دور کرنا زیادہ ضروری تھا کہ ان میں بنیادی ہے، یہ بات صریح مشرکوں کے رد، ان کے شرک کے رد، ان کے عقائد و اعمالِ شرک کے رد سے زیادہ اہم تھی، وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے سامنے جب تک جاہلیت کا اصل چہرہ نہ آجائے وہ اس کے مقابلے کے لیے تیار نہیں ہوتے اور جاہلیت کا چہرہ مشرکین کے مخصوص عقائد و اعمال میں تو بالکل ننگا اور واضح ہے۔ مگر اہلِ کتاب کے متعلق حالت یہ نہیں ہے۔ یہی حال آج کل مسلمان کہلانے والوں کی غالب اکثریت کا ہے۔ اس سورت میں مشرکین کی جاہلیت کو ننگا کرنے کا کام بخوبی ہو چکا ہے، جیسا کہ ہم سورت کی تمہید و استعراض میں پیش کر چکے ہیں، اور اسی طرح سورت کے پہلے قطعہ میں بھی یہ مضمون بخوبی بیان ہو چکا ہے، جہاں اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے کہ :

"اللہ اور اس کے رسولؐ کے نزدیک مشرکوں کا کوئی عہد کس طرح ہو سکتا ہے، ان لوگوں کے سوا جن سے تم نے مسجدِ حرام کے پاس معاہدہ کیا، سو جب تک وہ تمہارے لیے اس پر قائم رہیں تم پر ان کے لیے قائم رہو، بلاشبہ اللہ متقین کو پسند کرتا ہے، ان کا عہد کیونکر ہو سکتا ہے؟ حالانکہ اگر وہ تم پر غالب آجائیں تو تمہارے متعلق کسی قسم اور ذمہ داری کا لحاظ نہ کریں گے۔ وہ اپنے منہ سے تم کو راضی کرتے ہیں اور ان کے دل منکر ہیں، اور ان میں سے اکثر فاسق ہیں انہوں نے اللہ کی آیات کو کم قیمت پر بیچ دیا، پھر اللہ کی راہ سے روکا، بے شک وہ بہت برے اعمال کرتے ہیں۔ وہ کسی مومن کے متعلق کسی قسم اور ذمہ داری کا لحاظ نہیں کرتے اور وہ ظالم ہیں۔"

"تم کیا اس قوم سے نہ لڑو گے جنہوں نے اپنی قسمیں توڑ ڈالیں اور رسولؐ کو نکالنے کا ارادہ کیا اور وہ تم پر زیادتی میں پہل کر چکے ہیں۔ کیا تم اُن سے ڈرتے ہو! پس اگر تم مومن ہو تو اللہ اس بات کا زیادہ حق دار ہے کہ اس سے ڈرو۔ تم ان سے قتال کرو، اللہ اُن کو تمہارے ہاتھوں سے عذاب دے گا اور انہیں رسوا کرے گا اور ان کے خلاف تمہاری نصرت کرے گا، اور مومن قوم کے دلوں کو ٹھنڈا کرے گا اور ان کے دلوں کا غصہ دُور کرے گا، اور جس کے لیئے اللہ چاہے گا، اس کی توبہ قبول کرے گا۔ اور اللہ بہت جاننے والا ہے بہت دانا ہے۔"

"یہ مشرکوں کا کام نہیں کہ اللہ کی مسجدوں کی آبادی کریں، درانحالیکہ وہ اپنے آپ پر کفر کے گواہ ہیں، انہی لوگوں کے اعمال ضائع ہو گئے اور آگ میں وہ ہمیشہ رہنے والے ہیں۔"

"اے ایمان والو! مت بناؤ اپنے باپوں کو اور اپنے بھائیوں کو دلی خیرخواہ اگر وہ کفر کو ایمان پر ترجیح دیں اور جو تم میں سے ان کے ساتھ دلی دوستی رکھے گا تو وہی ظالم ہیں"

مشرکوں کی نسبت اہل کتاب پر شدید تر اور عمیق تر حملہ درکار تھا!

مشرکوں کا شرک، کفر، عقیدہ و عمل اور معاملات تو ظاہر و باہر تھے مگر اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جگانے کے لیے مشرکوں پر یہ حملہ فرمایا جس کا ذکر اُوپر کی چند آیات میں گزرا، پھر اسی سے معلوم کر لیا جائے کہ اہل کتاب پر کتنے شدید تر اور عمیق تر حملے کی ضرورت تھی تاکہ اوّل تو اُن کی اُس دین داری کا پردہ چاک ہو جاتے، جو صرف ایک مکر و فریب اور ظواہر پر مبنی تھی، حقیقت اور صدق و خلوص سے بکسر خالی تھی، وہ مشرکوں میں مشرک، کافروں میں کافر اور بے دینوں میں بے دین تھے۔ دینِ حق سے ان کی لڑائی مشرکوں سے کم نہ تھی، گمراہ تھے، باطل طریقوں سے لوگوں کے مال ہڑپ کرتے تھے۔ اللہ کی راہ سے خود روکتے ہیں اور دوسروں کو روکتے تھے، چنانچہ ان کے متعلق یہ حکم ہوا کہ:

"ان لوگوں سے قتال کرو جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان نہیں رکھتے، اللہ اور اس کے رسولؐ کی حرام کردہ چیزوں کو حرام نہیں جانتے، دینِ حق کو اختیار نہیں کرتے، ان لوگوں میں سے جن کو کتاب دی گئی، حتیٰ کہ وہ جھک کر ہاتھ سے جزیہ نہ دیں، اور یہود نے کہا کہ عزیرؑ اللہ کا بیٹا ہے۔ اور نصاریٰ نے کہا کہ مسیحؑ اللہ کا بیٹا ہے، یہ ان کے منہ کی باتیں ہیں، اپنے سے پہلے کافروں جیسی باتیں کرتے ہیں۔ اللہ انہیں مارے یہ کہاں پھرے جاتے ہیں! انہوں نے اپنے احبار و رہبان کو اللہ سے ورے رب بنا لیا، اور مریمؑ کے بیٹے عیسیٰؑ کو بھی، حالانکہ انہیں جو حکم ملا تھا وہ صرف یہ تھا کہ ایک معبود کی عبادت کریں، جس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ ان کے شرک سے پاک ہے، وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے

Marfat.com

منہ سے بجھادیں اور اللہ انکار کرتا ہے مگر اس سے کہ اپنے نور کو پورا کرے گا، اگرچہ کافر ناپسند کریں۔ وہ وہی ہے جس نے اپنا رسول ہدایت دے کر اور دینِ حق دے کر بھیجا، تاکہ اس کو ہر دین پر غالب کر دے اگرچہ مشرک ناپسند کریں، اے ایمان والو یقیناً بہت سے عالم اور راہب لوگوں کے مالوں کو باطل طریقوں سے کھاجاتے ہیں اور اللہ کی راہ سے روکتے ہیں الخ۔"

اس کے ماسوا وہ قطعی قرآنی بیانات ہیں جو مکی و مدنی ہر دو ادوار کی سورتوں میں وارد ہوئے ہیں کہ ان کا شرک وکفر اسی دینِ حق سے خروج جو ان کے انبیاء لا چکے تھے۔ اس کے بعد آخری رسالت کا راستہ روکنا اور اس رسالت کا انہیں کافر و بے ایمان قرار دینا کیونکہ ان کا ایمان وکفر اس رسالت کے ساتھ ان کے معاملے پر موقوف تھا۔

اہل کتاب کے کفر و شرک کی حیثیت اور اس کا درجہ !

اہلِ کتاب کو اللہ تعالیٰ نے بے دین قرار دیا ہے، اور یہ کہ وہ اپنی کتابوں پر بھی ایمان نہیں رکھتے، فرمایا ہے کہ:

"کہو اے اہلِ کتاب! تم کسی چیز پر نہیں، ہو حتیٰ کہ تم تورات وانجیل کو قائم کرو ...... اور اس تعلیم کو جو تمہارے رب کی طرف سے تم پر اتری ہے اور جو کچھ اے پیغمبر! آپ کے رب کی طرف سے آپ کی طرف اتارا گیا ہے وہ ان میں سے بہتوں کو نافرمانی اور کفر میں اور بڑھا دے گا، پس تو کافر قوم پر افسوس نہ کر" (المائدہ ۶۸)

اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ نہ اپنی کتابوں پر عامل ہیں نہ قرآن پر ان کا ایمان ہے۔ اور ان کی عداوت اسلام اور اہلِ اسلام سے نہایت سخت ہے۔ قرآنی صراحت میں انہیں کافر کہا گیا ہے اور اس صفتِ کفر میں ان کو مشرکوں کے ساتھ ملایا گیا ہے:

"اور یہود نے کہا کہ اللہ کا ہاتھ بندھا ہوا ہے۔ ان کے ہاتھ باندھے گئے اور ان کے قول کے باعث ان پر لعنت کی گئی۔ بلکہ اس کے دونوں ہاتھ کھلے ہیں، جیسا چاہے خرچ کرتا ہے اور جو کچھ تیری طرف اتارا گیا تیرے رب کی طرف سے، وہ ان میں سے بہتوں کو نافرمانی اور کفر میں بڑھائے گا۔" (المائدہ: ۶۴)

"بلاشبہ وہ لوگ کافر ہوئے جنہوں نے کہا اللہ وہی مسیح بن مریم ہے" (المائدہ: ۷۲)

"بلاشبہ وہ لوگ کافر ہوئے جنہوں نے کہا کہ بے شک اللہ تعالیٰ تین میں سے تیسرا ہے" (المائدہ: ۷۳)

اہلِ کتاب اور مشرکوں کے کافر باز آنے والے نہ تھے جب تک کہ ان کے پاس کھلی دلیل نہ آجاتی" (البینہ: ۱)

اہل کتاب کے ساتھ بعض امتیازی معاملات کا باعث

اہلِ کتاب کو مشرکوں کے مقابلے میں بعض امتیاز بھی دیئے گئے ہیں، مثلاً ان کے طعام کا مسلمانوں کے لیے حلال ہونا، ان کی پاکباز عورتوں کے ساتھ مسلمانوں کے نکاح کا جواز، مگر ان امتیازات کا سبب یہ نہیں ہے کہ وہ دیندار تھے، بلکہ شائد ——— واللہ اعلم ——— اس میں یہ چیز ملحوظ تھی کہ ان کے دین و مذہب کی کچھ اصل تھی، گو وہ اسے قائم نہ کرتے تھے۔ پس یہ اصل جس کے وہ مدعی تھے، ان کے ساتھ اس میں مکالمہ ممکن تھا۔ اس معاملے میں وہ بت پرست مشرکوں سے مختلف تھے۔ جن کی کوئی آسمانی کتاب نہ تھی۔ لہٰذا ان کے ساتھ کسی کتاب پر مکالمہ نہ ہو سکتا تھا، یعنی ان سے یہ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ آؤ تمہاری کتاب پر ہی فلاں امر کا فیصلہ کر لیتے ہیں۔ اور اہلِ کتاب سے یہ کہنا ممکن تھا بلکہ کئی بار ان سے یہ کہا گیا تھا جہاں تک کہ ان کے عقیدے اور دین کا تعلق تھا، قرآن نے بار بار صاف صاف کہا کہ ان کے پلے میں کچھ نہیں ہے۔ انہوں نے اپنی کتابوں اور دین کو چھوڑ دیا ہے اور اپنے احبار و رہبان کی خرافات کو لے لیا ہے۔ اور ان کے مجامع اور کنیسوں نے ان کے دین کی جان نکال دی تھی۔

اسلام کے پردے میں غیر اسلامی تحریکات

اس پردے کو ہٹانا اس لیے ضروری ہے کہ یہ اسلام اور جاہلیت کے مقابلوں میں جاہلیت کا ساتھی اور اسلام کا دشمن ہے۔ مگر بنتا یہ اسلامی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دورِ مبارک میں نام نہاد اسلامی لوگ نفاق کے پردوں میں مستور تھے اور ان کی زیادہ تر تعداد یہودیوں سے تھی۔ انہوں نے جنگِ تبوک کے موقع پر مسلمانوں کو گرمی اور سفرِ طویل سے ڈرا کر جنگ سے روکنا چاہا تھا۔ بعض نے رومیوں کی بہادری کے فرضی افسانے کمزور دل لوگوں کو سنائے تھے۔ ان سب سے زیادہ مضر اور خطرناک یہ تصور تھا کہ اہلِ کتاب سے جنگ کیوں کی جائے حالانکہ وہ مشرکوں کی نسبت اسلام سے قریب تر ہیں۔ آج کل بھی اسلام کی نشأۃِ ثانیہ کے باگ ڈور جن اسلامی تحریکات کے ہاتھ میں ہے۔ ان سے لوگوں کو بدظن کرنے اور ہٹانے کا کام کرنے والے اعدائے اسلام کے خفیہ ——— ارادۃً یا بلا ارادہ ——— ایجنٹ ہیں جو ہر بری تحریک کو سراہتے اور اسے مسلمانوں میں مقبول بنانے کی کوشش کرتے ہیں اور ہر صحیح تحریک کو مسلمانوں میں غیر مقبول بنانے اور بدنام کرنے کی پوری کوشش کرتے ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ مسلمان جاہلیت کا مقابلہ کرنے کے قابل نہ رہیں۔ اور اپنی قوتیں اسلام کے لیے نہیں بلکہ غیر اسلام کے لیے صرف کریں۔ اس کی قریب ترین مثال اتاترک کی تحریک کی ہے۔ یہ ترکی کی ایک لادینی کافر تحریک تھی جس کے ہاتھوں اسلامی خلافت کا الغاء ہوا گو وہ محض نام کی خلافت تھی مگر مسلمانوں کی مرکزیت اس سے قائم تھی اور اس کے ختم ہونے سے یہ مرکزیت جاتی رہی۔ جدید ترکی بڑے بلند بانگ دعووں کے باوجود ابھی تک اندرونی انتشار اور شدید اختلافات کا شکار ہے اس کی جمہوریت بھی کوئی مثالی جمہوریت نہیں۔ اس میں فوج کا عمل دخل ہو چکا ہے اور جس غرض کے لیے خلافت کا ارادہ مٹایا گیا تھا اور لادینیت پھیلائی گئی تھی، وہ دنیوی اور خالص مادی غرض بھی پوری نہیں ہو

Marfat.com

سکی۔ اتاترک کی تحریک کا مطالعہ ہمیں یہ کہنے پر مجبور کرتا ہے کہ یہ ایک لادینی، غیر اسلامی، اسلام دشمنی پر مبنی تحریک تھی اور اس کے نقصانات فوائد کی نسبت زیادہ ہوئے ہیں۔ حالت یہ ہے کہ اتاترک اور ان کے ساتھیوں کی تحریک اپنے سارے پروپیگنڈے اور مغربی سرپرستوں کی حمایت کے باوجود اب ترکی میں بھی متنازعہ فیہ بنتی جا رہی ہے) جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا تھا کہ: یہ دین ایک ایک کڑا کر کے ٹوٹے گا، پہلا کڑا حکومت ہوگی اور آخری نماز۔ پس پہلا کڑا تو ترکی والوں نے توڑ دیا۔ اور آخری اب ٹوٹتا نظر آرہا ہے۔

اسلام اور مسلمانوں کے دشمن اہل کتاب اور ملحدین نے اس پر بس نہ کیا کہ اتاتورک کے لادینی، لا اسلامی ملحدانہ کام کے چہرے پر اسلام کا پردہ سجایا، بلکہ اس کے بعد بھی اس قسم کی تحریکوں پر ——— جو دراصل تخریب اسلام چاہتی تھیں ——— اسلام کا پردہ ڈالا۔ یہ تحریکیں اتاترک کی جعلی اسلامی تحریک سے بھی اسلام کے حق میں خطرناک اور نقصان دہ ہیں۔ یہ لوگ ان کی اقتصادی و سیاسی حمایت کرتے ہیں، ان کے لیے فکر اور اسباب مہیا کرتے ہیں۔ عالمی ذرائع ابلاغ میں انہیں اچھالتے ہیں، ان کے لیے اپنے قلم استعمال کرتے ہیں۔ گویا یہ جدید صلیبی جنگیں ہیں جو مسلمانوں پر مسلط کی گئی ہیں۔ بہت سے فریب خوردہ لوگ ان سے نہ صرف دھوکا کھا جاتے ہیں بلکہ ان کے حق میں بیان دے کر دوسروں کو بھی فریب میں مبتلا کرتے ہیں، میری نظر میں یہ سادہ لوح لوگ ان اعدائے اسلام سے بھی زیادہ خطرناک ہیں کیونکہ ان کا نقصان ان سے زیادہ ہے۔

غلبہ دین کی شرط

جب کبھی دینِ حق کی حقیقت اور اس کے بالمقابل جاہلیت کی حقیقت مومن جماعت کے دل و دماغ میں ایک معین درجے تک پہنچ جائے۔ تو دین ہمیشہ غالب رہتا ہے۔ ہر زمان و مکان میں یہی ہوتا ہے۔ اس دین کو خطرہ ان سدھائے ہوئے تجربہ کار ماہر دشمنوں سے نہیں، بلکہ اصل خطرہ نادان دوستوں سے ہے۔ جو حق گوئی سے گریز کرتے ہیں، سادگی بلکہ حماقت کے ساتھ غیر اسلام کو اسلام کہتے ہیں۔ خود فریب خوردہ ہیں اور دوسروں کو فریب میں مبتلا کرتے ہیں۔ وہ اس بات کو بخوشی قبول کرتے ہیں کہ دشمنانِ اسلام مسلمانوں میں سے ان جیسے احمقوں کو پردہ بنا کر اسلام کی تخریب کا سامان کریں۔ اسلام کا کام کرنے والوں کا پہلا فرض یہ ہے کہ مکر و فریب کے ان پردوں کو ہٹائیں، جن اداروں، تحریکوں، جماعتوں، اشخاص پر اسلام کے نام کا پردہ پڑا ہے۔ مگر دراصل وہ جاہلیت کے علم بردار اور دشمنوں کے ہتھیار ہیں، انہیں ننگا کریں، جاہلیت کا اصل چہرہ لوگوں کو دکھائیں تاکہ وہ اسلام کے نام پر مسلمانوں کے ہاتھوں، مسلمانوں کے اسباب و وسائل سے پنپ نہ سکے۔ جب ایسا ہوگا تو پھر مقابلہ اسلام اور جاہلیت کا ہوگا، جاہلیت اسلام کے پردے میں سامنے نہ آئے گی۔ زمانہ حال کے ایک صلیبی مصنف ولفریڈ کینٹول سمتھ نے اپنی کتاب: "اسلام جدید تاریخ میں" کے اندر ایک بار پھر کوشش کی ہے کہ ترکی کی لادینی، غیر اسلامی تحریک کو اسلام کا پردہ مہیا کرے، اور اسے "خالص اسلام" قرار دے۔ حیرت ہے کہ یہ دشمنانِ اسلام کب سے اور کس غرض سے اسلام کے خیر خواہ بن گئے ہیں؟

Marfat.com

اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِیْ كِتٰبِ اللّٰهِ یَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ مِنْهَاۤ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ؕ ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ ۙ۬ فَلَا تَظْلِمُوْا فِیْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ وَ قَاتِلُوا الْمُشْرِكِیْنَ كَآفَّةً كَمَا یُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً ؕ وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِیْنَ ﴿۳۶﴾

اِنَّمَا النَّسِیْٓءُ زِیَادَةٌ فِی الْكُفْرِ یُضَلُّ بِهِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا یُحِلُّوْنَهٗ عَامًا وَّ یُحَرِّمُوْنَهٗ عَامًا لِّیُوَاطِـُٔوْا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ فَیُحِلُّوْا مَا حَرَّمَ اللّٰهُ ؕ زُیِّنَ لَهُمْ سُوْٓءُ اَعْمَالِهِمْ ؕ وَ اللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْكٰفِرِیْنَ ﴿۳۷﴾

نسی جاہلیت کی رسم ہے

آیت: ۳۶ ——— ۳۷ میں زمانۂ جاہلیت کی ایک قبیح رسم کی نشاندہی اور اس کا رد کیا گیا ہے:

"بلاشبہ مہینوں کی گنتی اللہ کے نزدیک بارہ مہینے ہے، کتابِ الٰہی میں جس دن اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، ان میں سے چار باحرمت ہیں، یہی ہے سیدھا دین پس تم ان میں اپنے آپ پر ظلم مت کرو۔ اور مشرکوں کا قتلِ عام کرو، جس طرح وہ تمہارا قتلِ عام کرتے ہیں، اور جان لو کہ بلاشبہ اللہ متقین کے ساتھ ہے۔ بے شک نسی زمانہ کفر کا اضافہ ہے جس سے کافر گمراہ ہوتے ہیں، ایک سال اس کو حلال کرتے ہیں اور دوسرے سال اس کو حرام کرتے ہیں تاکہ اللہ کے حرام کردہ مہینوں کی گنتی پوری کریں، نتیجہ یہ ہے کہ اللہ کی حرام کردہ چیزوں کو حلال کر دیتے ہیں۔ ان کے لیے ان کے برے اعمال مزین کیے گئے۔ اور اللہ تعالےٰ کافر قوم کو راہ نہیں دیتا"

غزوۂ تبوک کی ایک رکاوٹ کا ازالہ!

جزیرۂ عرب کے شمال میں اہلِ روم اور ان کے حلفاء کے ساتھ جہاد ضروری ہو گیا تھا کیونکہ وہ اسلام

Marfat.com

پر ایک ضرب کاری لگانے کی پوری تیاری کر چکے تھے، مگر اس کی راہ کی رکاوٹوں میں سے ایک رکاوٹ یہ تھی کہ اس جنگ کے لیے تیار ہو کر نکلنا بظاہر ماہِ رجب میں تھا جو ایک محرم مہینہ تھا، مگر حقیقت یہ تھی کہ یہ مہینہ دراصل رجب نہ تھا، رجب اس سال اپنے صحیح مقام پر نہ آرہا تھا بلکہ کفار کی رسم نسی کے باعث معاملہ گڑبڑ تھا۔ یہ بھی روایات میں ہے کہ اس سال ذوالحجہ بھی صحیح مقام پر نہ تھا، بلکہ وہ عملاً ذوالقعدہ میں تھا۔ اس حساب سے گویا رجب جمادی آخری میں آرہا تھا۔ اس سارے اضطراب کا راز یہ تھا کہ جاہلیت نے اپنی رسوم و تقالید میں شدید گڑبڑ کی تھی۔ وہ اللہ کی حرمتوں کی محض ظاہری شکل و صورت برقرار رکھتے تھے۔ اور اس کے لیے انہوں نے انسانوں میں کچھ مفتی بنا رکھے تھے جو حلال کو حرام اور حرام کو حلال کرتے تھے، جیسا کہ اہل کتاب نے حلت و حرمت کا انتظام اپنے عالموں اور پیروں کے ہاتھ میں دے دیا تھا۔ اور اس کا کچھ ذکر اوپر ہو چکا ہے۔

نسیٔ کی حقیقت

اللہ تعالیٰ نے چار مہینے باحرمت ٹھہرائے تھے، جن میں سے چار پے در پے تھے یعنی ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم۔ چوتھا مہینہ رجب تھا، یہ بات واضح ہے کہ یہ قاعدۂ تحریم ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کے وقت سے چلا آتا تھا، جب سے کہ حج فرض ہوا تھا۔ عربوں نے دینِ ابراہیمؑ کی بہت تحریف کی اور جاہلیت میں وہ اس سے شدید طور پر منحرف رہے مگر ان چار مہینوں کی حرمت پر کاربند رہے، ان کا تعلق حج کے ساتھ تھا اور اہل حجاز کی معیشت اسی پر مبنی تھی، بالخصوص مکہ والوں کی۔ تاکہ ایام حج اور موسم حج میں پورا امن رہے، آمد و رفت میں رکاوٹ نہ ہو اور تجارت بخوبی ہو سکے۔ کچھ زمانہ گزرنے کے بعد ایسا ہوا کہ بعض قبائل عرب کی ضروریات معاشی و قتل و غارت ان مہینوں کی حرمت کے ساتھ متصادم ہوئیں، یہاں پر بعض خود ساختہ مفتی پیدا ہو گئے جو بعض مہینوں کی تقدیم و تاخیر کا فتویٰ ان قبائل عرب کی خواہشات و اہواء کے مطابق دینے لگے، ان مہینوں کے اصلی اوقات تبدیل ہونے لگے مگر چار باحرمت مہینوں کی تعداد برقرار رہی۔ اللہ کے حرام کو حلال کر لیا گیا مگر اشہر حرم کی تعداد چار ہی رہی۔ یہ گویا الٰہی قانون کو توڑنے کا ایک بہانہ تھا اور خدا کی شریعت کے ساتھ ایک مزاح تھا، مگر مشرکین جاہلیت اپنے اغراض کے لیے ایسا کرتے رہے اور دل میں یہ سمجھتے تھے کہ ہم نے کوئی برا کام نہیں کیا۔ جب کسی قبیلے کو کسی مہینے میں لوٹ مار کی ضرورت ہوتی تو وہ کسی باحرمت مہینے کی تقدیم یا تاخیر کا اعلان کر دیتا، تاکہ اس کی "تکریم حرمات" پر بھی حرف نہ آئے اور کام بھی نکل جائے۔ پس جب یہ نواں ۹ سال ہوا تو رجب حقیقی اس رجب کے علاوہ تھا جو آرہا تھا۔ اور حقیقی ذوالحجہ وہ ذوالحجہ نہ تھا جو بظاہر آرہا تھا۔ رجب تو جمادی اخریٰ تھا اور ذوالحجہ دراصل ذوالقعدہ تھا۔ فعل اور واقعہ کے لحاظ سے غزوۂ تبوک کی تیاری کے لیے روانگی جمادی اخریٰ میں تھی، مگر نسیٔ کے باعث نام نہاد رجب میں تھی، پس ان نصوص نے نسیٔ کو باطل کیا اور بتایا کہ یہ کافرانہ اور جاہلانہ رسم حلال کو حرام اور حرام کو حلال کرنے والی ہے۔ تحلیل و تحریم اور قانون سازی خالصتہً اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔ اور اللہ کے اذن کے بغیر جب انسان یہ کام کرتا ہے تو کفر کا ارتکاب کرتا ہے۔ بلکہ یہ کفر سے بھی کچھ زیادہ ہی ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے بعض نصوص میں کھٹکنے والی اس بات کو دور کیا کہ یہ غزوہ رجب میں ہو رہا ہے، جو ماہِ محرم

Marfat.com

ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی اصولاً یہ بتا دیا کہ تحلیل و تحریم کا حق اصولی طور پر صرف اللہ تعالیٰ کا ہے، اور یہ حق کائنات کی ابتداء سے اسی کے لیے مخصوص چلا آتا ہے، جب کہ اللہ نے کائنات کو پیدا فرمایا تھا۔ بندوں کے لیے اللہ کا قانون دراصل اس قانون کی فرع ہے جو ساری کائنات میں کارفرما ہے۔ اس سے روگردانی کرنا فطرۃ اللہ سے اور اللہ کے قانونِ کائنات سے روگردانی کرنا ہے۔

زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ

اس لفظ سے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو بہت بڑا کافر اور "زیادہ کافر" فرمایا ہے جو اللہ تعالیٰ سے قانون سازی کا حق لے کر اسے خود استعمال کرنے لگتے ہیں۔ تحلیل و تحریم کا حق صرف اللہ کا ہے، پچھلی آیات کے اندر یہ مضمون گزر چکا ہے کہ یہود و نصاریٰ نے یہ حق اپنے احبار و رہبان کا دے کر کفر کا ارتکاب کیا تھا، اور یہاں نسیٔ کی رسم کے باعث مشرکین اور کفّار کو کافر بلکہ "زیادہ کافر" فرمایا ہے۔ گویا تحلیل و تحریم کو اپنے لیے خاص کرتے ہیں، اہل کتاب اور مشرکین ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے تھے اور ان سے ایک ہی جیسے کفر کا ارتکاب ہوا تھا، پس اس سے یہ پتہ چلا کہ: الكفر ملة واحدة ۔ مشرکین اور اہلِ کتاب میں خواہ کس قدر اختلافات ہوں، اسلام کے حساب میں وہ دونوں گروہ ایک ہی ہیں۔ دونوں کافر ہیں۔ دونوں اللہ سے حقِ قانون سازی چھیننا چاہتے ہیں۔ دونوں کی صف ایک ہے۔ اور دونوں فریق اسلام کو مٹانے کے مذموم ارادے پر متفق ہیں۔ لعنهم الله لعناً كبيراً ۔ پس مسلمانوں کو ان میں سے کسی فریق کے خلاف مسلح کارروائی کرتے وقت جھجکنا یا کسی مصلحت سے کام لینا روا نہیں ہے۔

زمانے کی تحدید اور کائنات کا چکر تخلیق الٰہی سے ہے

آیت: ۳۶ میں ارشادِ الٰہی ہے کہ:

"مہینوں کی گنتی اللہ کے نزدیک کتاب اللہ میں بارہ مہینے ہے، اس دن سے کہ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، ان میں سے چار یا حرمت مہینے ہیں۔ یہی ہے درست دین، تم ان مہینوں میں باہم ایک دوسرے پر زیادتی نہ کرو، اور مشرکوں سے پوری طرح قتال کرو جس طرح کہ وہ تم سے پوری طرح (دبے ٹھایا) قتال کرتے ہیں اور جان لو کہ بیشک اللہ متقین کے ساتھ ہے۔"

قرآن کی یہ نص بتاتی ہے کہ زمانے کے وقت کا معیار اور اس کے چکر کی حد بندی کا قاعدہ بھی وہی ہے جو کائنات کی فطرت کا ہے، یہ تخلیقِ کائنات کے وقت سے ایسا ہی چلا آرہا ہے، اس میں یہ اشارہ بھی ہے کہ زمانے کا ایک ثابت شدہ دورہ ہے، جو بارہ مہینوں میں منقسم ہے۔ مہینوں کی گنتی اس دورے کی دلیل ہے جس میں ردّ و بدل نہیں ہوتا، مہینے اسی تعداد میں رہتے ہیں۔ اور یہ بات اللہ کی کتاب میں ہے یعنی اس کے اُس قانون میں جس پر نظام کائنات قائم ہے۔ یہ بارہ ماہ کا نظام ثابت و قائم ہے۔ جس میں کمی بیشی نہیں ہوتی۔ مہینے قمری ہوں یا شمسی، ان کی تعداد یہی ہے دنیا بھر کی قوموں میں یہی ہے، اور ابراہیمیؑ و اسلامی مہینوں کا حساب قمری ہے اور اسی کے حساب سے مہینوں کی حرمت

وحدت کا ضابطہ مقرر ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے ثابت شدہ قوانین میں سے ہے، اس کی تبدیلی خواہشاتِ نفس کے ساتھ جائز نہیں ہے۔ مہینوں کا آگے پیچھے کرنا شیطانی فعل ہے، اس سے قانونِ الٰہی ٹوٹتا ہے۔ یہی دینِ صحیح ہے جس پر ساری کائنات کا مدار ہے، زمین و آسمان اسی عدل و استقامت پر قائم ہیں، اگر کوئی ان میں اپنی مرضی چلائے تو وہ خود غرض ہے، نفس پرست ہے، اس نفس میں نیچے اوپر، یکے بعد دیگرے بہت سے مدلولات ہیں بہت سے حقائقِ کائنات ہیں۔ علمِ جدید ان کی صداقت ثابت کرتا ہے۔ یہ بات تو ثابت شدہ اور مسلّم ہے۔ کہ ساری کائنات ایک ہی نظام اور ایک ہی ناموس و قانون کے تابع ہے اس قانون کی کہیں سے خلاف ورزی کرنا سارے نظام کی خلاف ورزی ہے۔ ان محرم مہینوں کی حرمت کو توڑنا اپنے آپ پر ظلم ہے، اس حرمت کو توڑنے والا سارے نظامِ کائنات کو توڑنے کا ارتکاب کرتا ہے۔ کائنات کا قانون اور انسانی تشریع کے لیے خدائی قانون بالکل ایک ہیں۔ ان میں کوئی فرق نہیں ہے، ان مہینوں کی حرمت انسانوں کی راحت و سلامتی کی خاطر رکھی گئی ہے، اس حرمت کو توڑنا ساری کائنات کے نظامِ امن و سلام کو توڑنا ہے۔ اس کے توڑنے سے زمین میں فساد پیدا ہوتا ہے جیسا کہ دورِ جاہلیت میں تھا، راستے پرامن نہ تھے، ایک قبیلے کے علاقے سے نکل کر دوسرے میں داخل ہونا موت کو دعوت دینا تھا، قتل و غارت کا بازار ہر وقت ہر طرف گرم رہتا تھا، اس میں بندش اگر تھی تو ان باحرمت مہینوں کی وجہ سے تھی، اور حیوان کی حرمت کو بھی توڑ دے پھر وہ کسی قاعدے یا ضابطے کا پابند نہ رہ سکتا تھا۔ اگر یہ امن کے وقفے بھی نہ ہوتے تو سارا عرب سارا سال ایک جہنم اور بدامنی کا گہوارہ بنا رہتا۔

مشرکین کے ساتھ قتال ضروری ہے

مسلمانوں کو باحرمت مہینوں میں جنگ شروع کرنا جائز نہیں، لیکن اگر مشرک ان مہینوں میں جنگ چھیڑ دیں تو دفاع کرنا فرض ہے، اگر دفاع نہ کیا جائے تو خیر کی قوت کمزور ہو جائے گی، شر کا حوصلہ بلند ہوگا، حرمتیں خراب ہوں گی اور شر پر ظالم قوت کو کھل کھیلنے کا موقع ملے گا۔ اس سے زمین میں فساد پھیلے گا۔ اس حالت میں ظلم و تعدی کو روکنا گویا باحرمت مہینوں کی حرمت کا بچاؤ کرنا ہے جو ضروری ہے، اس لیے فرمایا ہے کہ:

"مشرکوں سے قتالِ عام کرو جس طرح کہ وہ تم سے قتالِ عام کرتے ہیں۔"

یعنی ان کے کسی فرد کو مستثنیٰ مت کرو جس طرح کہ وہ تمہارے کسی فرد یا جماعت کو قتال سے مستثنیٰ نہیں کرتے۔ پس معرکہ دراصل افراد کا نہیں بلکہ دو اصولوں کا ہے۔ ایک طرف توحید ہے اور دوسری طرف شرک ہے اصل جنگ توحید اور شرک میں ہے، ایمان اور کفر میں ہے، ہدایت اور ضلالت میں ہے۔ یہ ان دونوں کے درمیان ایک دائمی معرکہ ہے جو کبھی صلح و سلامتی پر منتج نہیں ہو سکتا۔ ان دونوں میں پورا اتفاق نہیں بلکہ پورا اختلاف اور جنگ ہے۔ یہ جنگ کُلی ہے، جزئی نہیں، یہ اختلاف مصلحتوں کا نہیں کہ اس کو دور کیا جا سکے، جب تک یہ دونوں ــــــــ ایمان و کفر ــــــــ موجود ہیں، یہ جنگ ختم نہ ہوگی۔ جب کوئی ملحد اسے اقتصادی یا سیاسی معرکہ قرار دیتا ہے تو وہ بہت بڑا دھوکا باز ہے، جو ساری امتِ مسلمہ کو فریب دیتا

ہے۔ مسلّم اصولوں کی نفی کرتا ہے یہ کوئی قومی جنگ بھی نہیں ہے[1]
مسلمانوں اور کافروں کے درمیان سب سے پہلے سوال اور معرکہ عقیدے اور دین و مذہب کا ہے۔ باقی سب چیزیں ثانوی ہیں۔
اللہ کی مدد متقین کے لیے ہے۔ جو اس کی حرمتوں پر یقین رکھتے اور انہیں قائم رکھتے ہیں، حرام کو حلال اور حلال کو حرام نہیں کرتے، مسلمانوں کو کافروں کے ساتھ کلی بلا استثناء قتال سے بزدلی، جھجک اور مصلحت بینی نہ دکھانی چاہیئے، جب اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ہے تو کسی دشمن کے خوف کا کیا سوال ہے۔

نسیٔ کی مضحکہ خیز صورتیں

آیت: ۳۷ میں بھی نسیٔ کا ذکر ہے اس کے متعلق مجاہد رحمہ اللہ کا قول ہے کہ: بنی کنانہ کا ایک آدمی حج کے موسم میں اپنے گدھے پر چڑھ کر آتا اور کہتا تھا کہ: مجھ پر نہ عیب لگایا جاتا ہے نہ میری بات کو غلط جان کر رد کیا جاتا ہے، ہم نے محرم کو حرام کیا اور صفر کو مؤخر کر دیا ہے پھر وہ آئندہ سال آتا، پہلے سال جیسی بات کہتا اور پھر اعلان کرتا کہ: ہم نے صفر کو حرام کر دیا ہے اور محرم کو مؤخر کر دیا ہے۔ (یعنی ان دو مہینوں کو آگے پیچھے کرنے کا یہ طریقہ اختیار کیا جاتا تھا، اور اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا ہے کہ اللہ کے حرام کردہ مہینوں کی تعداد یعنی چار کو وہ پورا کر لیتے تھے۔ مگر مہینوں کو ان کی جگہوں سے ادھر ادھر کرتے رہتے تھے۔
عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم نے کہا ہے کہ یہ نسیٔ کا کام کرنے والا شخص کنانہ سے تھا، جس کو القلمس کہا جاتا تھا اور یہ جاہلیت میں تھا۔ زمانہ جاہلیت میں باحرمت مہینے میں ایک دوسرے پر غارت نہ ڈالتے تھے، آدمی اپنے باپ کے قاتل سے بھی ملتا تو تو اس کی طرف ہاتھ نہ اٹھاتا تھا، جب یہ شخص ہوا تو اس نے اپنی قوم سے کہا کہ چلو چلیں غارت ڈالیں، لوگوں نے کہا کہ یہ تو ماہِ محرم ہے، اس نے کہا کہ اس سال ہم اس کو مؤخر کر دیتے ہیں، اس سال یہ دونوں مہینے صفر ہیں (یعنی محرم میں بھی صفر ہے اور صفر تو صفر ہے ہی!) آئندہ سال ہم ان دونوں کو قضاء کریں گے، یعنی صفر کو محرم بنا لیں گے اور محرم تو پہلے ہی محرم ہے! چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔ تو ایک سال محرم کو صفر بنا لیا اور آئندہ سال صفر کو محرم کر لیا۔ ایک سال دونوں صفر تھے اور دوسرے سال دونوں محرم ہو گئے۔
پس نسیٔ کی یہ دو صورتیں ہوئیں اور اس آیت کے متعلق یہ دو قول ہوئے، پہلی صورت میں صفر کو محرم کی جگہ حرام کر لیا جاتا اور حرمت کے مہینوں کی تعداد چار ہی رہتی۔ دوسری صورت میں ایک سال حرمت کے مہینے تین رہ جاتے اور اگلے سال پانچ ہو جاتے۔ گویا دو سال میں حرمت کے مہینوں کی تعداد آٹھ پوری کر لی جاتی

---

[1] پاکستان کی تحریک میں کارفرما اصول اسلام و کفر تھا اور لیڈروں نے اسلام کے نعرے لگائے تھے۔ اب صفِ اول کے لیڈر اس جنگ کو قومی و معاشی ٹھہرانے پر تلے ہوئے ہیں سو لاکھ انسانوں کو مروا کر پھر مزید بے شمار انسانوں کو کشمیر کی جنگوں میں جھونک کر اور لاکھوں انسانوں کو المیۂ مشرقی پاکستان میں ختم کرا کے نتیجہ یہ نکالا ہے کہ ہندوستان علیحدگی محض معاشی و سیاسی اسباب کی بنا پر تھی اور عوام کو محض ووٹ پر آمادہ کرنے کے لیے اسلام کا نام لیا گیا تھا: اناللہ وانا الیہ راجعون۔

Marfat.com

اور یہ سورتیں اعتقادی کفر پر عملی کفر کا اضافہ تھا جسے اللہ تعالیٰ نے زیادۃ فی الکفر فرمایا ہے۔ کافروں کو اس طرح گمراہ کیا جاتا۔ اللہ کے احکام سے مذاق کیا جاتا اور نفسانی خواہشات کے ساتھ انہیں کھیل تماشہ بنایا جاتا تھا۔ اس سے وہ بداعمالیوں کو نیک عمل جان لیتے تھے، قباحت و انحراف کو زینت اور جمال جان لیتے تھے ضلالت کو ہدایت سمجھ لیتے تھے۔ ان کافروں سے راہ حق گم ہو چکا تھا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَا لَكُمْ إِذَا قِيلَ
لَكُمُ انْفِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ اثَّاقَلْتُمْ إِلَى الْأَرْضِ ۚ أَرَضِيتُمْ بِالْحَيَاةِ
الدُّنْيَا مِنَ الْآخِرَةِ ۚ فَمَا مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا
قَلِيلٌ ﴿٣٨﴾ إِلَّا تَنْفِرُوا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا وَيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا
غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوهُ شَيْئًا ۗ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٣٩﴾
إِلَّا تَنْصُرُوهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللَّهُ إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِينَ كَفَرُوا ثَانِيَ
اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ
مَعَنَا ۖ فَأَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَيْهِ وَأَيَّدَهُ بِجُنُودٍ لَمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ
كَلِمَةَ الَّذِينَ كَفَرُوا السُّفْلَىٰ ۗ وَكَلِمَةُ اللَّهِ هِيَ الْعُلْيَا ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ
حَكِيمٌ ﴿٤٠﴾ انْفِرُوا خِفَافًا وَثِقَالًا وَجَاهِدُوا بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ
فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۚ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٤١﴾

تم جہاد کی پکار پر لبیک کہو!

آیات : ۳۸ ——— ۴۱ کا ارشاد ہے کہ:

"اے ایمان والو! تمہیں کیا ہے کہ جب تم کو کہا گیا: نکلو اللہ کی راہ میں، تو تم زمین کا بوجھ بن کر بیٹھ گئے؟ کیا تم راضی ہو گئے ہو دنیا کی زندگی پر آخرت کے عوض؟ سو نہیں ہے دنیوی زندگی کا سامان آخرت کے مقابلے میں مگر تھوڑا۔ اگر تم نہ نکلو گے تو اللہ تم کو دردناک سزا دے گا اور تمہارے سوا کسی اور قوم کو بدل دے گا اور تم اس کا کچھ نہ بگاڑ سکو گے، اور

اللہ ہر چیز پر بہت قدرت رکھنے والا ہے۔ اگر تم اس کی مدد نہ کرو گے تو بیشک اللہ نے اس کی مدد کی تھی جب اس کو کافروں نے نکالا، دو میں سے دوسرا، جب وہ دونوں غار میں تھے، جب وہ اپنے ساتھی سے کہتا تھا: غم نہ کر اللہ یقیناً ہمارے ساتھ ہے۔ سو اللہ نے اپنا اطمینان اس پر اتارا اور اس کی مدد ایسے لشکروں کے ساتھ کی جن کو تم نے نہ دیکھا، اور کافروں کی بات بہت نیچے کر دی، اور اللہ کی بات ہی اُونچی ہے، اور اللہ غالب ہے دانا ہے۔ نکلو ہلکے اور بوجھل اور جہاد کرو اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں۔ یہی تمہارے لیے بہتر ہے۔ اگر تم جانتے ہو۔"

اسی بات کو ترجیح حاصل ہے کہ یہ قطعہ جنگِ تبوک کے لیے نفیرِ عام کے بعد نازل ہوا تھا، یہ واقعہ اس پیش آیا تھا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی تھی کہ آپ کے خلاف اطراف جزیرۂ عرب میں شام اندر روم والوں نے اجتماع کیا ہے، اور ہرقل (شاہِ روم) نے اپنی فوجوں کو ایک سال کی تنخواہ دے دی اور قبائلِ عرب میں سے لخم، جذام، عاملہ اور غسان بھی ان کے ساتھ مل چکے ہیں، اور انہوں نے اپنا مقدمۃ الجیش شام کے علاقے بلقاء میں بھیج دیا ہے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو رومی سلطنت کے قتال پر اُبھارا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی کسی جنگ کے لیے باہر تشریف لے جاتے تو بطورِ تدبیر جنگ اظہار کسی اور طرف کا کرتے تھے، لیکن اس غزوہ میں اس کی ضرورت نہ سمجھی اور تبوک کی صراحت فرمائی گئی مشقت زیادہ اور سفر دُور کا تھا، یہ واقعہ موسمِ گرما کی شدت کا تھا، جب کہ پھل پختہ ہو گئے تھے اور درختوں کے سائے خوشگوار تھے۔ لوگوں کے دلوں میں اس وقت گھروں میں اقامت پسندیدہ تھی، اس وقت مسلم معاشرے میں کچھ وہ رکاوٹیں اور حبِ دنیا کے خیالات پیدا ہونے لگے جن کا ذکر ہم اس سے پہلے کر چکے اور یہی وہ موقع تھا جب منافقوں نے مسلم جماعت کا ساتھ نہ دینے کا ارادہ کر لیا، انہوں نے کہا: "گرمی میں مت نکلو" اور انہوں نے لوگوں کو مشقت کی زیادتی، مسافت کی دُوری، اہلِ روم کی تعداد اور ان کی بہادری سے خوف دلایا۔ ان مختلف عوامل کا بعض لوگوں پر اثر ہو گیا، اور انہوں نے جہاد و قتال کو بوجھ سمجھا یہی وہ چیز تھی جس کا علاج اس قطعہ نے کیا ہے۔ جو آیات ۳۸ ——— ۴۱ تک پھیلا ہوا ہے آیات عتاب کی ابتداء ہے جو میدانِ قتال سے پیچھے رہنے والوں پر کیا گیا۔ اور جہاد فی سبیل اللہ کو چھوڑ کر بیٹھنے والوں کے لیے تہدید ہے اور ان کے لیے یہ تذکیر ہے کہ جب تم میں سے کوئی بھی ایسی ساتھ نہ تھا تو اللہ نے تب بھی اپنے رسول کی مدد فرمائی تھی، وہ اگر چاہے گا تو اب بھی تمہارے بغیر اس قسم کی مدد کا اعادہ کرے گا مگر اس وقت تمہارا حصہ سوائے جہاد سے منہ پھیرنے، پیچھے رہنے اور تقصیر کے کچھ نہ ہو گا۔

جہاد سے تخلف کے اسباب کیا ہیں؟

فرمایا گیا ہے کہ جب تمہیں خدا کی راہ میں نکلنے کو کہا جائے تو تم زمین پر گرے پڑتے ہو، یعنی یہ زمین کا بوجھ ہے، زمین اور اس کے مطامع (لالچ کی اشیاء)، زمینی تصورات، زندگی پر خوف، مالی خوف، لذت

Marfat.com

مصلحتوں اور مال و متاع کا خوف ہے، جو تمہیں اُوپر اٹھنے سے، آگے کو چلنے سے روکتا ہے اور تم زمین گیر ہو جاتے ہو۔ یہ راحت، خون، مٹی اور ایک جگہ پڑے رہنے کا بوجھ ہے۔ جس کے باعث تم جہاد فی سبیل اللہ سے کتراتے ہو۔ فانی ذات کا بوجھ، محدود مدت کا بوجھ اور قریب ہدف کا بوجھ ہے۔ اثّاقلتم حفص کی قرات ہے اور بجائے تثاقلتم کی قرات سے بلیغ تر، مفید تر اور مؤثر تر ہے (گو اصل لفظ وہی تثاقلتم ہے) اس کی آواز ہی بتاتی ہے کہ ایک ڈھیلا ڈھالا بوجھل جسم زمین پر گر پڑا، اور وہیں زمین گیر ہو گیا۔ ہلنے کا نام نہیں لیتا۔ اٹھانے والے اٹھاتے ہیں۔ مگر وہ پھر نیچے گر پڑتا ہے!

جہاد فی سبیل اللہ زمینی قیدوں سے رہائی ہے!

ان آیات کے مضمون سے پتہ چلتا ہے کہ جہاد فی سبیل اللہ زمینی اقدار اور پابندیوں سے خلاصی پانے کا نام ہے، گوشت پوست اور خونی رشتوں پر فتح یابی ہے، انسان کے اندر جو علوی معنی پایا جاتا ہے اس کی تحقیق ہے۔ انسان کے جسم میں جو شوق پایا جاتا ہے جو اُسے ادھر اُدھر جھٹکا دیتا ہے۔ اور انسانی ضروریات اور معتقدات ان پر غالب آنے کا نام ہے۔ یہ فنا سے بقا تک لے جانے کا نام ہے، اسی مضمون کو یوں بیان فرمایا ہے کہ:

- "کیا تم آخرت کے مقابلے میں دنیا کی زندگی پر راضی ہو گئے ہو؟ پس دنیوی زندگی کا سازوسامان آخرت میں بہت کم ہے۔"

صحیح العقیدہ انسان جہاد سے نہیں رُکتا

اگر کوئی آدمی جہاد سے رُک رہا ہے تو اسی کا مطلب یہ ہے کہ اس کے عقیدے میں کمزوری ہے اور اس کے ایمان میں کھوکھلا پن ہے، کیونکہ جہاد دنیا و آخرت کی سرفرازیوں کا سبب ہے۔ اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ: "جو شخص مرا اور اس نے جہاد نہ کیا، نہ اپنے جی میں اس کی خواہش کی تو وہ نفاق کے ایک شعبے پر مرا" یعنی اس میں نفاق تھا جو ایمان کی صحت و کمال کی منزل پر پہنچنے سے اسے روک رہا تھا۔ موت یا فقر کا خوف ایمانی عقیدے کے خلاف ہے، موت اللہ کے ہاتھ میں ہے، رزق کا مالک وہ ہے، زندگی اور عزت و ذلت اس کے پاس ہے، پس جو شخص اس کے خلاف سوچتا ہے اس کے نفاق میں کیا شبہ ہے؟

جہاد کیلئے نہ جانا عذابِ الیم کا سبب ہے

اس عذاب کا ظہور دنیا میں بھی ہو سکتا ہے اور آخرت میں بھی، اس خطاب کا تعلق ایک معین موقع پر ایک معین طبقے کے لیے تھا، مگر اس کا مدلول بالکل عام ہے، ہر ایمان دار، ہر صاحبِ عقیدۂ توحید اس کا مخاطب ہے۔ جہاد نہ کرنے والوں کو دنیوی ذلت، غلامی اور خواری سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ خاص طور پر اس حقیقت کے پیشِ نظر کہ ساری دنیا اسلام اور اہلِ اسلام کی دشمن ہے اور انہیں مٹانا چاہتی ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ

Marfat.com

نے فرمایا ہے کہ:

"اگر تم جہاد کے لیے نہ نکلو گے تو اللہ تمہیں دردناک سزا دے گا، اور تمہاری جگہ کسی اور قوم کو لے آئے گا۔ اور تم اس کا کوئی نقصان نہ کر سکو گے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔" (۳۹)

جس مسلم قوم نے جہاد کو ترک کیا، وہ اپنے دشمن کے سامنے ذلیل و خوار ہوئی، یہ نقصان اس مادی نقصان سے کئی گنا زیادہ ہے جو دشمنوں کے مقابلے کی صورت میں متوقع تھا۔ اگر ایک قوم جہاد چھوڑ دے تو اللہ تعالیٰ اس کام کے لیے کسی اور قوم کو کھڑا کر دے گا، دنیا و آخرت کی ذلت و رسوائی اور عذاب بھی ہوا۔ مگر جہاد چھوڑنے سے جو اس کا ظن فاسد تھا وہ حاصل نہ ہو سکا۔ دوسری قوم جس کو کھڑا کیا جائے گا وہ عزت کی قیمت ادا کریں گے۔ اور اللہ کے دشمنوں پر غالب آئیں گے۔ تم بے وزن و بے حساب ٹھہرو گے اور تمہیں عزت کی صف سے پیچھے ہٹا دیا جائے گا۔ یہ تمہاری روحانی فنا اور جسمانی ذلت کی انتہا ہو گی۔

ایک تاریخی واقعہ سے سبق سیکھو!

اللہ تعالیٰ نے اس وقت اپنے رسول ؐ کی مدد فرمائی جب اہل مکہ کی بہت بڑی اکثریت آپ ؐ کو مٹانے اور اسلام کی راہ کو بند کرنے پر لگی ہوئی تھی، اللہ جب کسی کی مدد کرنا چاہتا ہے تو کوئی اس کو روک نہیں سکتا، جب اس نے نہایت مشکل حالات میں اپنے رسول ؐ کی مدد فرمائی تھی، تو اگر اب تم اس کی مدد نہ کرو گے تو وہ پھر اس کی مدد کرے گا، یہ نہ سمجھو کہ دین تمہارا محتاج ہے اور اللہ کو تمہاری مدد کی حاجت ہے! فرمانا ہے کہ:

"اگر تم اس کی مدد نہ کرو گے تو اللہ اس کی مدد کر چکا ہے، جب کافروں نے اس کو مکہ سے نکال دیا تھا، دو میں سے دوسرا، جب کہ وہ دونوں غار میں تھے، جب وہ اپنے ساتھی سے کہتا تھا کہ غمگین نہ ہو اللہ ہمارے ساتھ ہے، پس اللہ نے اس پر اپنا اطمینان اتارا، اور اس کی مدد ایسے لشکروں سے کی جن کو تم نے نہ دیکھا اور کافروں کی بات پست کر دی، اور اللہ تعالیٰ کی بات ہی بلند تر ہے اور اللہ غالب ہے دانا ہے۔"

یہ اس وقت کا ذکر ہے جب کہ قریش کا دل محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تنگ آ گیا تھا جیسا کہ سچی بات سے اندھی قوت ہمیشہ تنگ دل ہوتی ہے۔ اسے ہٹا بھی نہیں سکتی اور اس پر صبر بھی نہیں کر سکتی قریش کی اندھی قوت نے مشورہ کیا اور طے کیا کہ آپ ؐ سے چھٹکارا پائیں، اللہ تعالیٰ نے ان کے مشورے پر آپ ؐ کو مطلع فرما دیا اور آپ ؐ کو مکہ سے نکل جانے کا حکم دیا۔ آپ ؐ صرف اپنے ایک دوست صدیق ؓ کو ساتھ لے کر نکل گئے۔ نہ کوئی لشکر تھا، نہ تیاری تھی، دشمن زیادہ تھے اور ان کی قوت آپ ؐ کی ظاہری قوت پر زیادہ تھی،

اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ

قرآن نے اس واقعہ کی تصویر کھینچی ہے کہ: وہ دونوں حضرات غار میں تھے اور دشمن نشانات قدم پر تعاقب میں تھے۔ صدیق ؓ غمگین و حزیں تھا، اپنے اوپر نہیں بلکہ اپنے ساتھی کے باعث، صلی اللہ علیہ وسلم

مبادا وہ جھانک کر دیکھیں اور اس کے پیارے دوست تک پہنچ جائیں، وہ کہہ رہا تھا: اگر ان میں سے کوئی اپنے پاؤں پر نگاہ ڈالے تو ہمیں دیکھ لے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل پر اللہ کی طرف سے سکون و اطمینان نازل ہو چکا تھا، آپ اپنے صاحب کا غم والم دور کر رہے تھے، اسے دلی اطمینان سے دوچار کر رہے تھے، اور فرما رہے تھے: اے ابوبکرؓ! تیرا ان دو کے متعلق کیا خیال ہے جن کے ساتھ تیسرا خدا ہے!

انجام کار کیا ہوا؟

پھر انجام کیا تھا؟ ساری مادی قوت ایک جانب تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھی سمیت اس سے خالی تھے، یہ مضبوط مدد اللہ کی طرف سے تھی، ایسے لشکروں کے ساتھ جن کو انسانوں نے نہیں دیکھا تھا، شکست اور ذلت و خواری کفار کے حصے میں آئی اور فتح اللہ کے رسولؐ اور ان کے ساتھی کی ہوئی! اللہ نے کافروں کی بات پست کر دی اور کلمۃ اللہ ہمیشہ کی طرح بلند و بالا اور فتحیاب رہا۔ فتح یابی اس کی فطرت و طبیعت میں ہے اور اللہ غالب ہے دانا ہے۔ وہ عزیز ہے اپنے دوستوں کو عزت دیتا ہے، حکیم ہے عین وقت پر مستحق کی مدد کرتا ہے۔ یہ ہے اللہ کی مدد کی مثال جو اس نے اپنے رسولؐ اور اپنے کلمہ کی کی تھی، وہ جب پھر چاہے ایسا کر سکتا ہے، کسی کو اس غرور میں مبتلا ہونا روا نہیں کہ دین کا مدار اُس کی مدد اور کوشش پر ہے۔

بوقت ضرورت اپنا سب کچھ جہاد میں لگا دو!

آیت: ۴۱ کا مطلب یہ ہے کہ ضرورت کے وقت ہر حال میں جہاد کے لیے نکل آؤ، اپنا سب کچھ اس میں لگا دو، یہی بہتر ہے اور اس میں تمہیں عزت و تکریم اور سعادتِ دارین ملے گی۔ بہانہ سازی سے دور رہو اور سیدھی طرح خلوصِ قلب کے ساتھ اس کام میں لگ جاؤ۔ دنیا میں جینا انہی کے لیے ہے جو موت کے لیے ہمہ وقت تیار رہیں۔ جسے مرنا نہ آئے اُسے جینے کا سلیقہ بھی نہیں آسکتا۔ مخلص مومنوں نے اس بھلائی سعادت اور خیر کو پا لیا تھا۔ عذر موجود تھے، مگر وہ انہیں پس پشت پھینک کر آگے بڑھ گئے، مشکلات راستے میں حائل تھیں۔ مگر انہوں نے ان کی پرواہ نہ کی، اللہ تعالےٰ نے ان کے سامنے دلوں، زمینوں، بادشاہو اور عزت و آبرو کے بند دروازے کھول دیئے، انہوں نے کلمۃ اللہ کو بلند کیا، اللہ تعالیٰ نے ان کو بلند کر دیا انہوں نے وہ کارنامے دکھائے جن کو فتوحات کی تاریخ میں معجزوں کا نام دیا گیا۔ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے بڑھاپے میں یہ آیت پڑھی تو کہا: میں دیکھتا ہوں کہ ہمارے رب نے ہمیں حکم دیا ہے کہ بوڑھے ہوں یا جوان جہاد کے لیے نکل آؤ۔ (انفروا خفافاً وثقالاً) اے میرے بیٹے میرے لیے جہاد کی تیاری کرو، بیٹوں نے کہا: اللہ آپ پر رحم فرمائے، آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہو کر ان کی زندگی کے آخر تک جہاد کیا، پھر آپ نے حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ ہو کر ان کی وفات تک جہاد کیا، پھر حضرت عمرؓ کے ساتھ ہو کر ان کی شہادت تک جہاد کیا، آپ اب اپنی طرف سے ہمیں جہاد کرنے دیں، ابوطلحہؓ نے انکار کیا اور بحری جہاد کیا، ان کی وفات جہاز میں ہو گئی، کوئی ایسا جزیرہ نہ ملا جس میں لوگ انہیں دفناتے، نو۹ دن

Marfat.com

تک لاش جہاز میں رہی، مگر اس میں کوئی تبدیلی نہ آئی۔ نو دن کے بعد ایک جزیرہ ملا اور ساتھیوں نے انہیں اس میں دفنا دیا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

ابن جریر طبریؒ نے ابو راشد حرانی سے روایت کی ہے کہ اس نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شہسوار مقدادؓ بن اسود کو دیکھا کہ وہ صرافوں کے ایک صندوق پر بیٹھے تھے، بڑھاپے کے باعث بہت بوجھل ہو گئے تھے اور صندوق سے نیچے گرے پڑتے تھے۔ ان کا ارادہ جہاد کا تھا۔ میں نے کہا: اللہ نے آپ کو معذور رکھا ہے تو انہوں نے کہا سورۃ البعوث ہم پر نازل ہو چکی ہے (اور اس میں کسی عذر کی گنجائش نہیں! انفروا خفافا و ثقالا)۔ سورۂ توبہ کا ایک نام سورۃ البعوث ہے اور نام یہ ہیں: الفاضحہ، المنفرہ، المعبثرہ، المبعثرہ، البرآءت، التوبہ۔

ایک بوڑھے مجاہد کا حوصلہ اور عزم جہاد

دو بزرگوں ـــــــــ ابو طلحہؓ اور مقدادؓ بن الاسود ـــــــــ کا ذکر اوپر گزرا، سورۂ توبہ کی یہ آیت: ۴۱ بزرگوں کے دلوں کو کس طرح ہلاتی اور انہیں جہاد پر ابھارتی تھی، اس کی ایک بے نظیر مثال دیکھیے۔ ابن جریرؒ طبری نے اپنی سند کے ساتھ حبان بن زید شرعبی سے روایت کی ہے کہ اس نے کہا: ہم صفوان بن عمرو کے ساتھ جو والیٔ حمص تھا، جہاد کو نکلے۔ افسوس کہ سامنے سے جراجمہ کی طرف، میں نے ایک بہت بوڑھا شخص دیکھا جو اہلِ دمشق میں سے تھا، اس کے ابرو اس کی آنکھوں پر گرے ہوئے تھے، اور وہ حملہ آوروں میں شامل اپنی اونٹنی پر سوار تھا۔ میں اس کی طرف گیا اور کہا، چچا جان! اللہ تعالیٰ نے آپ کو معذور رکھا ہے۔ راوی نے کہا کہ اس نے اپنے ابرو اٹھائے اور کہا: اے میرے بھتیجے! اللہ تعالیٰ نے ہمیں جہاد پر جانے کا حکم دیا ہے اور ہلکے اور بوجھل کا لفظ بولا ہے۔ (خفافا و ثقالا) اللہ جس سے پیار کرتا ہے اسے آزماتا ہے، پھر اسے واپس لاتا ہے اور زندگی دیتا ہے اور اللہ اپنے بندوں میں سے صرف انہی کی آزمائش کرتا ہے جو شاکر ہوں، صابر ہوں اور ذاکر ہوں اور صرف ایک اللہ عزوجل کی عبادت کریں۔

کلمات اللہ کو جن لوگوں نے یوں پکڑا تھا، ان پر عمل کیا تھا، انہوں نے ہی اسلام کو دنیا کے کونوں تک پہنچایا ہے۔ تاکہ وہ بندوں کو بندوں کی غلامی سے آزاد کر کے صرف ایک اللہ کی خدائی قائم کریں۔

لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيبًا وَّسَفَرًا قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوكَ وَلَٰكِنْ بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ ۚ وَسَيَحْلِفُونَ بِاللَّهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ يُهْلِكُونَ أَنْفُسَهُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ﴿۴۲﴾ عَفَا اللَّهُ عَنْكَ لِمَ أَذِنْتَ لَهُمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَتَعْلَمَ

Marfat.com

الْكٰذِبِيْنَ ﴿٤٣﴾ لَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ
اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ﴿٤٤﴾
اِنَّمَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَارْتَابَتْ
قُلُوْبُهُمْ فَهُمْ فِيْ رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُوْنَ ﴿٤٥﴾ وَلَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ
لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً وَّلٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ انْۢبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَقِيْلَ
اقْعُدُوْا مَعَ الْقٰعِدِيْنَ ﴿٤٦﴾ لَوْ خَرَجُوْا فِيْكُمْ مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا
وَّلَاۡاَوْضَعُوْا خِلٰلَكُمْ يَبْغُوْنَكُمُ الْفِتْنَةَ ۚ وَفِيْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ ؕ
وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿٤٧﴾ لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ وَقَلَّبُوْا
لَكَ الْاُمُوْرَ حَتّٰى جَآءَ الْحَقُّ وَظَهَرَ اَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ﴿٤٨﴾ وَ
مِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَلَا تَفْتِنِّيْ ؕ اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا ؕ
وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿٤٩﴾ اِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ
تَسُؤْهُمْ ۚ وَاِنْ تُصِبْكَ مُصِيْبَةٌ يَّقُوْلُوْا قَدْ اَخَذْنَاۤ اَمْرَنَا
مِنْ قَبْلُ وَيَتَوَلَّوْا وَّهُمْ فَرِحُوْنَ ﴿٥٠﴾ قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَاۤ اِلَّا مَا
كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ۚ هُوَ مَوْلٰىنَا ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿٥١﴾
قُلْ هَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَاۤ اِلَّاۤ اِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ ؕ وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ
بِكُمْ اَنْ يُّصِيْبَكُمُ اللّٰهُ بِعَذَابٍ مِّنْ عِنْدِهٖۤ اَوْ بِاَيْدِيْنَا ۖ
فَتَرَبَّصُوْۤا اِنَّا مَعَكُمْ مُّتَرَبِّصُوْنَ ﴿٥٢﴾ قُلْ اَنْفِقُوْا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا
لَّنْ يُّتَقَبَّلَ مِنْكُمْ ؕ اِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿٥٣﴾ وَمَا مَنَعَهُمْ
اَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ اِلَّاۤ اَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَبِرَسُوْلِهٖ وَ

Marfat.com

لَا يَأْتُوْنَ الصَّلٰوةَ اِلَّا وَهُمْ كُسَالٰى وَلَا يُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ﴿۵۴﴾
فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ ۭ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ
بِهَا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۵۵﴾
وَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ اِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ ۭ وَمَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ
يَّفْرَقُوْنَ ﴿۵۶﴾ لَوْ يَجِدُوْنَ مَلْجَاً اَوْ مَغٰرٰتٍ اَوْ مُدَّخَلًا لَّوَلَّوْا اِلَيْهِ
وَهُمْ يَجْمَحُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ فِي الصَّدَقٰتِ ۚ فَاِنْ
اُعْطُوْا مِنْهَا رَضُوْا وَاِنْ لَّمْ يُعْطَوْا مِنْهَآ اِذَا هُمْ يَسْخَطُوْنَ ﴿۵۸﴾ وَ
لَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۙ وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ
سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗٓ ۙ اِنَّآ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ ﴿۵۹﴾ ع
اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَاۗءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ
قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۭ
فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۶۰﴾ وَمِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ
النَّبِيَّ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ ۭ قُلْ اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ
وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۭ وَالَّذِيْنَ
يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۶۱﴾ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ
لِيُرْضُوْكُمْ ۚ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۲﴾
اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّهٗ مَنْ يُّحَادِدِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاَنَّ لَهٗ نَارَ
جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيْهَا ۭ ذٰلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيْمُ ﴿۶۳﴾ يَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ
اَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۭ قُلِ

Marfat.com

اسْتَهْزِءُوا ج إِنَّ اللَّهَ مُخْرِجٌ مَّا تَحْذَرُونَ ﴿٦٤﴾ وَلَئِن سَأَلْتَهُمْ
لَيَقُولُنَّ إِنَّمَا كُنَّا نَخُوضُ وَنَلْعَبُ ط قُلْ أَبِاللَّهِ وَآيَاتِهِ وَرَسُولِهِ
كُنتُمْ تَسْتَهْزِءُونَ ﴿٦٥﴾ لَا تَعْتَذِرُوا قَدْ كَفَرْتُم بَعْدَ إِيمَانِكُمْ ط
إِن نَّعْفُ عَن طَائِفَةٍ مِّنكُمْ نُعَذِّبْ طَائِفَةً بِأَنَّهُمْ كَانُوا
مُجْرِمِينَ ﴿٦٦﴾ الْمُنَافِقُونَ وَالْمُنَافِقَاتُ بَعْضُهُم مِّن بَعْضٍ م
يَأْمُرُونَ بِالْمُنكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوفِ وَيَقْبِضُونَ
أَيْدِيَهُمْ ط نَسُوا اللَّهَ فَنَسِيَهُمْ ط إِنَّ الْمُنَافِقِينَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ﴿٦٧﴾
وَعَدَ اللَّهُ الْمُنَافِقِينَ وَالْمُنَافِقَاتِ وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ
فِيهَا ط هِيَ حَسْبُهُمْ ج وَلَعَنَهُمُ اللَّهُ ج وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيمٌ ﴿٦٨﴾
كَالَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ كَانُوا أَشَدَّ مِنكُمْ قُوَّةً وَأَكْثَرَ أَمْوَالًا وَ
أَوْلَادًا ط فَاسْتَمْتَعُوا بِخَلَاقِهِمْ فَاسْتَمْتَعْتُم بِخَلَاقِكُمْ كَمَا
اسْتَمْتَعَ الَّذِينَ مِن قَبْلِكُم بِخَلَاقِهِمْ وَخُضْتُمْ كَالَّذِي
خَاضُوا ط أُولَٰئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ج وَ
أُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ﴿٦٩﴾ أَلَمْ يَأْتِهِمْ نَبَأُ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ
قَوْمِ نُوحٍ وَعَادٍ وَثَمُودَ لا وَقَوْمِ إِبْرَاهِيمَ وَأَصْحَابِ مَدْيَنَ
وَالْمُؤْتَفِكَاتِ ط أَتَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ ج فَمَا كَانَ اللَّهُ
لِيَظْلِمَهُمْ وَلَٰكِن كَانُوا أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿٧٠﴾ وَالْمُؤْمِنُونَ وَ
الْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ م يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَ
يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَ

يُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ
حَكِيْمٌ ﴿٧١﴾ وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ
مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ
عَدْنٍ ؕ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿٧٢﴾
يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ؕ وَ
مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿٧٣﴾ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا ؕ
وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ وَهَمُّوْا
بِمَا لَمْ يَنَالُوْا ۚ وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ
فَضْلِهٖ ۚ فَاِنْ يَّتُوْبُوْا يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ وَاِنْ يَّتَوَلَّوْا يُعَذِّبْهُمُ
اللّٰهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَمَا لَهُمْ فِي الْاَرْضِ
مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿٧٤﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰىنَا
مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿٧٥﴾ فَلَمَّآ
اٰتٰىهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿٧٦﴾
فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ بِمَآ اَخْلَفُوا اللّٰهَ
مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ﴿٧٧﴾ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ
سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿٧٨﴾ اَلَّذِيْنَ
يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الصَّدَقٰتِ وَالَّذِيْنَ
لَا يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ ؕ سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ ۫
وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٧٩﴾ اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ؕ اِنْ

Marfat.com

تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً فَلَن يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ ۚ ذَٰلِكَ
بِأَنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ﴿٨٠﴾
فَرِحَ الْمُخَلَّفُونَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلَافَ رَسُولِ اللَّهِ وَكَرِهُوا أَن
يُجَاهِدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَقَالُوا لَا
تَنفِرُوا فِي الْحَرِّ ۗ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ أَشَدُّ حَرًّا ۚ لَّوْ كَانُوا
يَفْقَهُونَ ﴿٨١﴾ فَلْيَضْحَكُوا قَلِيلًا وَلْيَبْكُوا كَثِيرًا جَزَاءً بِمَا كَانُوا
يَكْسِبُونَ ﴿٨٢﴾ فَإِن رَّجَعَكَ اللَّهُ إِلَىٰ طَائِفَةٍ مِّنْهُمْ فَاسْتَأْذَنُوكَ
لِلْخُرُوجِ فَقُل لَّن تَخْرُجُوا مَعِيَ أَبَدًا وَلَن تُقَاتِلُوا مَعِيَ عَدُوًّا ۖ
إِنَّكُمْ رَضِيتُم بِالْقُعُودِ أَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقْعُدُوا مَعَ الْخَالِفِينَ ﴿٨٣﴾
وَلَا تُصَلِّ عَلَىٰ أَحَدٍ مِّنْهُم مَّاتَ أَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلَىٰ قَبْرِهِ ۖ
إِنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَمَاتُوا وَهُمْ فَاسِقُونَ ﴿٨٤﴾ وَلَا
تُعْجِبْكَ أَمْوَالُهُمْ وَأَوْلَادُهُمْ ۚ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ أَن يُعَذِّبَهُم بِهَا
فِي الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ أَنفُسُهُمْ وَهُمْ كَافِرُونَ ﴿٨٥﴾ وَإِذَا أُنزِلَتْ
سُورَةٌ أَنْ آمِنُوا بِاللَّهِ وَجَاهِدُوا مَعَ رَسُولِهِ اسْتَأْذَنَكَ أُولُو
الطَّوْلِ مِنْهُمْ وَقَالُوا ذَرْنَا نَكُن مَّعَ الْقَاعِدِينَ ﴿٨٦﴾ رَضُوا بِأَن
يَكُونُوا مَعَ الْخَوَالِفِ وَطُبِعَ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُونَ ﴿٨٧﴾ لَٰكِنِ
الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ جَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ ۚ
وَأُولَٰئِكَ لَهُمُ الْخَيْرَاتُ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿٨٨﴾ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ
جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ ذَٰلِكَ الْفَوْزُ

Marfat.com

الْعَظِيمُ (٨٩) وَجَاءَ الْمُعَذِّرُونَ مِنَ الْأَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ وَقَعَدَ
الَّذِينَ كَذَبُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ ۚ سَيُصِيبُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ
عَذَابٌ أَلِيمٌ (٩٠) لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَاءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضَىٰ وَلَا
عَلَى الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ مَا يُنْفِقُونَ حَرَجٌ إِذَا نَصَحُوا لِلَّهِ وَ
رَسُولِهِ ۚ مَا عَلَى الْمُحْسِنِينَ مِنْ سَبِيلٍ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ (٩١)
وَلَا عَلَى الَّذِينَ إِذَا مَا أَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَا أَجِدُ مَا أَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ
تَوَلَّوْا وَأَعْيُنُهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا أَلَّا يَجِدُوا مَا يُنْفِقُونَ (٩٢)
إِنَّمَا السَّبِيلُ عَلَى الَّذِينَ يَسْتَأْذِنُونَكَ وَهُمْ أَغْنِيَاءُ ۚ رَضُوا بِأَنْ
يَكُونُوا مَعَ الْخَوَالِفِ وَطَبَعَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ (٩٣)

(ترجمہ) اگر سامان قریب کا ہوتا اور سفر کم تو یہ تیرے پیچھے جاتے (پیروی کرتے) مگر ان پر مشقت بعید ہوگئی۔ اور وہ عنقریب اللہ کی قسم کھائیں گے کہ اگر ہمیں طاقت ہوتی تو تیرے ساتھ نکلتے، وہ اپنے آپ کو ہلاک کرتے ہیں اور اللہ جانتا ہے کہ وہ ضرور جھوٹے ہیں (۴۲) اللہ نے تجھ کو معاف کیا، تو نے ان کو کیوں اجازت دی! حتیٰ کہ تجھ پر سچے واضح ہو جاتے اور تو جھوٹوں کو جان لیتا (۴۳) تجھ سے وہ لوگ اجازت نہیں مانگتے جو اللہ پر اور روزِ قیامت پر ایمان رکھتے ہیں کہ اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کریں اور اللہ متقین کو خوب جاننے والا ہے (۴۴) تجھ سے تو وہی اجازت مانگتے ہیں جو نہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں نہ روزِ قیامت پر اور ان کے دل شک میں ہیں اور وہ اپنے شک میں متردد ہیں (۴۵) اور اگر وہ نکلنے کا ارادہ کرتے تو اس کے لیے کوئی تیاری کرتے لیکن اللہ نے ان کا جانا ناپسند کیا تو انہیں بٹھا دیا، اور کہا گیا: بیٹھے رہو بیٹھنے والوں کے ساتھ (۴۶) اگر وہ تمہارے ساتھ جاتے تو تمہارا نقصان ہی کرتے اور تمہارے اندر افواہیں پھیلاتے فتنہ برپا کرنے کے لیے اور تمہارے اندر ان کے جاسوس ہیں اور اللہ ظالموں کو خوب جاننے والا ہے (۴۷) وہ اس سے پہلے فتنہ انگیزی کر چکے ہیں اور تیرے لیے معاملات کو الٹ پلٹ کر چکے ہیں، حتیٰ کہ حق آگیا اور اللہ کا حکم غالب آگیا حالانکہ وہ ناپسند کرتے تھے (۴۸) اور ان میں سے بعض وہ ہے جو کہتا ہے کہ مجھ کو اجازت دیدے اور مجھے فتنے میں نہ ڈال، سن لو

Marfat.com

کہ وہ فتنے میں تو گر ہی گئے ہیں، اور بیشک جہنم کافروں کو گھیرنے والی ہے (۴۹) اگر تم کو بھلائی
پہنچے تو انہیں بری لگے اور اگر تجھے مصیبت پہنچے تو وہ کہیں گے کہ ہم نے تو اپنا انتظام پہلے ہی
کر لیا تھا اور وہ خوش خوش پھر جائیں گے (۵۰) کہو کہ ہمیں ہرگز نہ پہنچے گا مگر وہی جو اللہ نے
ہمارے لیے لکھ دیا، وہی ہمارا کارساز ہے اور مومنوں کو اللہ پر ہی بھروسہ کرنا چاہیے (۵۱)
کہو کہ تم لوگ ہمارے لیے کس چیز کا انتظار کرتے ہو مگر دو اچھی باتوں میں سے ایک کا! اور ہم
تمہارے متعلق یہ انتظار کر رہے ہیں کہ اللہ تم کو اپنی طرف سے عذاب پہنچائے یا ہمارے
ہاتھوں سے، سو تم انتظار کرو، ہم بھی انتظار کرنے والے ہیں (۵۲) کہو کہ خرچ کرو تم خوشی
سے یا ناخوشی سے، تم سے ہرگز قبول نہ کیا جائے گا، بلاشبہ تم ایک نافرمان قوم تھے (۵۳)
اور نہیں روکا ان کو کہ ان سے ان کے خرچ قبول کیے جاتے مگر اس لیے کہ انہوں نے انکار کیا اللہ
کا اور اس کے رسولؐ کا، اور نہیں آتے وہ نماز میں مگر سستی کی حالت میں اور نہیں خرچ
کرتے مگر اس حال میں کہ ناپسند کرنے والے ہیں (۵۴) پس نہ پسند آئیں تجھ کو ان کے
مال اور نہ ان کی اولاد، اللہ تو یہی چاہتا ہے کہ ان کی وجہ سے ان کو دنیوی زندگی میں عذاب
دے اور ان کی جانیں اس حال میں نکلیں کہ وہ کافر ہوں (۵۵) اور وہ اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں
کہ وہ تم سے ہیں حالانکہ وہ تم سے نہیں ہیں۔ بلکہ وہ ایسے لوگ ہیں کہ ڈرتے ہیں (۵۶) اگر
وہ کوئی پناہ گاہ پائیں یا غار یا داخل ہونے کی جگہ تو اندھا دھند اس کی طرف منہ کر کے چلے
جائیں گے (۵۷) اور ان میں سے بعض تجھ کو صدقات میں عیب لگاتے ہیں، اگر ان کو ان میں
سے مل جائے تو راضی ہو جاتے ہیں اور اگر نہ ملے تو اسی وقت ناراض ہو جاتے ہیں (۵۸) اور
اگر وہ اس پر راضی ہو جائیں جو ان کو اللہ اور اس کے رسولؐ نے دیا اور کہیں کہ ہمارے لیے
اللہ کافی ہے عنقریب اللہ ہم کو اپنے فضل سے دے گا اور اس کا رسولؐ، ہم تو اللہ ہی
کی طرف رغبت کرنے والے ہیں (۵۹) بلاشبہ صدقات محتاجوں کے لیے ہیں اور مسکینوں
کے لیے، اور ان پر کام کرنے والوں کے لیے، اور جن کے دلوں میں الفت ڈالنی ہو اور گردنیں
چھڑانے میں، اور مقروضوں میں اور اللہ کی راہ میں اور مسافروں پر۔ یہ فریضہ ہے اللہ کی طرف
سے، اور اللہ بہت عالم ہے بہت دانا ہے (۶۰) اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو نبیؐ کو دکھ دیتے
ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ تو کان کا کچا ہے۔ کہو کہ تمہاری بہتری کے لیے کان کا کچا ہے، اللہ پر
ایمان لاتا ہے اور مومنوں کی بات مانتا ہے اور تم میں سے ایمانداروں کے لیے رحمت ہے
اور جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھ دیتے ہیں ان کے لیے دردناک سزا ہے (۶۱)
وہ تمہارے لیے قسمیں کھاتے ہیں تاکہ تمہیں خوش کریں، اور اللہ اور اس کا رسولؐ اس کا زیادہ حقدار
ہے کہ اسے خوش کریں اگر وہ ایماندار ہیں (۶۲) کیا انہیں معلوم نہیں کہ جو اللہ اور اس کے رسولؐ
سے دشمنی رکھے تو اس کے لیے یقیناً جہنم کی آگ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا، یہی ہے بہت

Marfat.com

بڑی رسوائی (۶۳) منافق ڈرتے ہیں کہ ان پر کوئی سورت اتاری جائے جو انہیں ان کے دلوں کی باتیں بتا دے، کہو کہ تم استہزاء کر لو، بیشک اللہ نکالنے والا ہے، اس کو جس سے تم ڈرتے ہو (۶۴) اور اگر تو ان سے پوچھے تو کہیں گے کہ ہم تو کھیل تماشا کرتے تھے، کہو کہ کیا تم اللہ سے اور اس کی آیات سے اور اس کے رسولؐ سے تم استہزاء کرتے تھے؟ (۶۵) بہانے مت بناؤ، تم نے اپنے ایمان کے بعد کفر کیا، اگر ہم تم میں سے ایک گروہ کو معاف کریں گے تو دوسرے گروہ کو عذاب دیں گے کیونکہ وہ مجرم تھے (۶۶) منافق مرد اور منافق عورتیں ایک دوسرے میں سے ہیں، بدی کا حکم دیتے ہیں اور نیکی سے روکتے ہیں اور اپنے ہاتھ کھینچ لیتے ہیں، وہ اللہ کو بھول گئے تو اللہ ان کو بھول گیا، بلاشبہ منافق ہی فاسق ہیں (۶۷) اللہ نے وعدہ کیا منافق مردوں اور منافق عورتوں سے اور کافروں سے جہنم کی آگ کا، اس میں وہ ہمیشہ رہیں گے، وہ ان کے لیے کافی ہے اور اللہ نے ان پر لعنت کی اور ان کے لیے دائمی عذاب ہے (۶۸) ان لوگوں کی مانند جو تم سے پہلے تھے، وہ تم سے سخت تر طاقت والے تھے اور زیادہ مال و اولاد والے تھے۔

سو انہوں نے اپنے حصے سے فائدہ اٹھایا اور تم نے اپنے حصے سے فائدہ اٹھایا جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں نے اپنے حصے سے فائدہ اٹھایا، اور تم بھی انہی چیزوں میں گھسے جن میں وہ گھسے تھے۔ وہی ہیں جن کے اعمال ضائع ہو گئے دنیا اور آخرت میں، اور وہی لوگ خسارہ پانے والے ہیں (۶۹) کیا ان کے پاس نہیں آئی ان لوگوں کی خبر جو ان سے پہلے تھے، نوحؑ کی قوم اور عاد اور ثمود اور ابراہیمؑ کی قوم اور مدین والے اور الٹی ہوئی بستیوں والے، ان کے پاس ان کے رسول کھلی دلیلیں لے کر آئے، پس نہیں تھا اللہ ان پر ظلم کرنے والا، بلکہ وہ خود اپنے اوپر ظلم کرتے تھے (۷۰) اور مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے دلی خیر خواہ ہیں، نیکی کا حکم دیتے ہیں اور بدی سے روکتے ہیں، اور نماز قائم کرتے ہیں، اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، اور اللہ کی اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرتے ہیں، وہی ہیں جن پر اللہ ابھی رحم فرمائے گا۔ بلاشبہ اللہ غالب ہے دانا ہے (۷۱) اللہ نے مومن مردوں اور مومن عورتوں سے ان باغوں کا وعدہ کیا ہے جن کے نیچے نہریں جاری ہیں، وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے، اور پاکیزہ مکانات کا وعدہ ہے ہمیشگی کی جنتوں میں، اور اللہ کی رضا سب سے بڑی ہے، یہی ہے بڑی کامیابی (۷۲) اے نبی! جہاد کر کافروں اور منافقوں سے اور ان پر سختی کر اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ برا انجام ہے (۷۳) وہ اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ انہوں نے نہیں کہا حالانکہ یقیناً انہوں نے کفر کا کلمہ کہا ہے اور اپنے اسلام کے بعد کافر ہوئے اور اس کا ارادہ کیا جسے پا نہ سکے اور انہوں نے دشمنی نہ کی مگر اس وجہ سے کہ اللہ نے ان کو غنی کیا، اور اس کے رسولؐ نے، اپنے فضل سے، پس اگر یہ توبہ کریں تو ان کے لیے بہتر ہوگا اور اگر وہ منہ پھیر لیں تو اللہ ان کو دردناک سزا دے گا، دنیا اور آخرت میں، اور نہ ہوگا ان کا زمین میں کوئی خیر خواہ اور نہ مددگار (۷۴) اور ان میں سے بعض نے اللہ سے عہد کیا کہ اگر وہ ہمیں اپنا فضل

Marfat.com

دے گا تو ہم بالضرور صدقہ دیں گے اور بالضرور نیکو کاروں میں سے ہو جائیں گے (۷۵)
پھر جب اللہ نے ان کو اپنے فضل سے دیا تو انہوں نے اس پر بخل کیا اور منہ پھیر کر چلے
گئے (۷۶) پس اس نے ان کے دلوں میں نفاق ڈال دیا، قیامت کے دن تک کیونکہ انہوں
نے اللہ کے ساتھ کیا ہوا وعدہ پورا نہ کیا تھا اور اس لیے کہ وہ جھوٹ بولتے تھے (۷۷)
کیا ان کو معلوم نہیں کہ اللہ ان کا راز اور خفیہ مشورہ جانتا ہے، اور یہ کہ اللہ غیبوں کا بہت
جاننے والا ہے (۷۸) جو لوگ طعنے دیتے ہیں صدقات میں خوشی سے ادا کرنے والے مومنوں
کو، اور ان کو جو نہیں پاتے مگر اپنی محنت کی مزدوری، پس یہ ان سے مسخری کرتے ہیں،
اللہ ان کے ٹھٹھے کا ان کو جواب دے گا، اور ان کے لیے دردناک سزا ہے (۷۹) تو ان کے
لیے بخشش مانگ یا نہ مانگ، اگر تو ان کے لیے ستر بار بخشش مانگے گا پھر بھی اللہ ان کو ہرگز
نہ بخشے گا، یہ اس لیے ہے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول ؐ سے کفر کیا اور اللہ فاسق لوگوں
کو راہ نہیں دیتا (۸۰) رسول اللہ ؐ کے خلاف گھروں میں بیٹھے رہنے والے خوش ہو گئے، اور
انہوں نے اپنے مالوں اور جانوں سے راہِ خدا میں جہاد کرنے کو ناپسند کیا اور کہنے لگے
کہ گرمی میں باہر مت جاؤ، کہو کہ جہنم کی آگ زیادہ سخت گرم ہے اگر وہ سمجھ جائیں (۸۱)
سو ان کو تھوڑا ہنسنا اور زیادہ رونا چاہیئے، یہ ان کے کسب کی جزا ہے (۸۲) پس اگر اللہ
تجھے ان میں سے کسی گروہ کی طرف واپس لے جائے، پھر وہ تجھ سے باہر نکلنے کی اجازت مانگیں
تو کہہ کہ، تم کبھی میرے ساتھ نہ نکلو گے اور میرے ساتھ ہو کر کسی دشمن سے نہ لڑو گے بلاشک
تم راضی ہو گئے بیٹھے رہنے پر پہلی مرتبہ سو تم بیٹھے رہو بیٹھے رہنے والوں کے ساتھ (۸۳) اور کبھی
مت نماز پڑھ تو ان میں سے کسی پر جو مر جائے اور اس کی قبر پر مت کھڑا ہو، بیشک
انہوں نے انکار کیا اللہ اور اس کے رسول ؐ کے ساتھ، اور وہ مرے اسی حال میں کہ فاسق تھے (۸۴)
اور نہ پسند آئیں تجھ کو ان کے مال اور ان کی اولاد، اللہ تو یہی چاہتا ہے کہ ان کو ان کی
وجہ سے دنیا میں سزا دے اور ان کی جانیں اس حال میں نکلیں کہ وہ کافر ہوں (۸۵) اور جب
کوئی سورت اتاری گئی کہ اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول ؐ کے ساتھ ہو کر جہاد کرو، تو
ان میں سے مالداروں نے تجھ سے اجازت مانگی اور کہا کہ ہم کو بیٹھنے والوں کے ساتھ رہنے
دو (۸۶) وہ خوش ہو گئے اس پر کہ ہوں پیچھے رہنے والیوں میں اور ان کے دلوں پر مہر
لگائی گئی، لہٰذا وہ نہیں سمجھے (۸۷) لیکن رسول ؐ نے اور اس کے ساتھ ایمانداروں نے اپنے مالوں
اور جانوں کے ساتھ جہاد کیا، اور وہی ہیں جن کے لیے اچھائیاں ہیں اور وہی فلاح پانے والے
ہیں (۸۸) اللہ نے ان کے لیے باغ تیار کیے جن کے نیچے نہریں جاری ہیں، وہ ان میں ہمیشہ
رہیں گے۔ یہی بڑی کامیابی ہے (۸۹) اور بدوؤں میں سے عذر بیان کرنے والے آئے تاکہ
ان کو اجازت مل جائے اور بیٹھ گئے وہ جنہوں نے جھوٹ بولا اللہ سے اور اس کے رسول ؐ
سے۔ ابھی پہنچے گا ان میں سے کافروں کو دردناک عذاب (۹۰) نہیں ہے کمزوروں پر اور نہ

بیماروں پر اور نہ ان پر جو خرچ کرنے کو مال نہیں پاتے۔ ان پر کوئی حرج نہیں، جب کہ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی خیر خواہی کریں، نیکوں پر الزام کی کوئی راہ نہیں اور اللہ غفور ہے رحیم ہے (۹۱) اور نہ ان پر کہ جب وہ تیرے پاس آئے تاکہ تو ان کو سواریاں دے۔ تو نے کہا: میں نہیں پاتا جس پر تم کو سوار کروں، وہ چلے گئے اور ان کی آنکھیں اس غم سے آنسو برساتی تھیں کہ وہ خرچ کرنے کو کچھ نہیں پاتے (۹۲)

جن لوگوں پر ضعف طاری ہوا تھا!

ان آیات سے ان گروہوں کی بات شروع ہو رہی ہے کہ جن پر مسلم صف میں کمزوری طاری ہوئی تھی خاص کر منافقین کی جماعت جو اسلام کے نام پر مسلم جماعت میں گھسے ہوئے تھے، جب اسلام کا غلبہ و ظہور انہیں نظر آگیا تھا پھر انہوں نے طے کیا کہ سلامتی کی محبت اور پیٹے کی محبت کا تقاضا اب یہی ہے کہ اپنے سر اسلام کے آگے جھکا دیں۔ اور جب جب کہ باہر سے اس کے خلاف کارروائی مشکل ہے تو صفوں کے اندر سے یہ کام کیا جائے۔ اب ان آیات میں ہم ان تمام ظواہر کو دیکھ لیں گے۔ جن کا کچھ ذکر ہم نے سورت کی تمہید میں کیا تھا۔ اب آپ آیات: ۴۲ ——— ۴۸ تک کا مضمون سنیں۔ ان آیات میں یہ باتیں بیان ہوئی ہیں:

أ- اگر فائدے کی توقع غالب ہوتی اور سفر زیادہ نہ ہوتا تو یہ لوگ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ تبوک میں چلے جاتے، کیونکہ ان کے پیش نظر محض دنیوی و مالی فوائد ہیں، دور کا سفر اور مشقت دیکھ کر یہ لوگ جہاد میں جانے سے رک گئے۔

ب- انہوں نے لشکر کی روانگی سے قبل بھی اور اس کی واپسی پر بھی جھوٹی قسمیں کھائیں اور بہانہ سازیاں کر کے جہاد سے رہ گئے۔

ج- یہ بہانے بنا کر اجازت لینے والے مومن نہیں بلکہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں نفاق کی بیماری تھی۔

د- انہوں نے جہاد کی تیاری نہ کی اور عین وقت پر جھوٹ بول کر پیچھے رہ گئے۔

ہ- یہ فتنہ باز لوگ ہیں، ان کا نہ جانا ہی بہتر تھا، جا کر بھی کیا کرتے؟ سوائے فتنہ انگیزی کے ان کا کوئی کام نہیں۔

ایک انسانی کمزوری!

آیت: ۴۲ میں ایک انسانی کمزوری کا ذکر ہے جو بار بار ظاہر ہوتی ہے کہ:

"اگر قریب میں ہی کسی دنیوی سامان کے ملنے کی توقع ہوتی اور سفر کم ہوتا تو یہ لوگ آپ کے ساتھ جاتے مگر ان پر مشقت بعید ہو گئی۔"

Marfat.com

بہت سے لوگ ہوتے ہیں جو رفعت و بلندی کے آفاق تک پہنچنے سے رہ جاتے ہیں۔ بہت سے وہ بھی ہوتے ہیں جو راستے کی لمبائی سے تھک کر رہ جاتے ہیں، قافلے کے پیچھے رہ جاتے ہیں اور کسی معمولی دنیوی مطلب کے پیچھے پڑ جاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو انسان جانتے پہچانتے ہیں، ہر زمانے میں اور ہر جگہ ان کی طرف انگلیاں اٹھتی ہیں، یہ زندگی کے اعلیٰ منازل پر نہیں پہنچتے بلکہ حاشیے میں پھنس کر رہ جاتے ہیں۔ معمولی منافع کو یہ لوگ اعلیٰ مطلب سمجھ لیں، مگر جاننے والے جانتے ہیں کہ انہوں نے وہ مہنگا سودا نہیں خریدا جو ضروری تھا اور گرے پڑے مال پر اکتفاء کر لیا ہے، ناکامی کا منہ دیکھ کر ایسے لوگ جھوٹی قسمیں کھا کر ایمانداروں کو یقین دلاتے تھے کہ وہ مومن ہیں، ہو سکتا تو ان کے ساتھ میدان جنگ میں جاتے۔ ضعف کے ساتھ جھوٹ کا ہمیشہ گٹھ جوڑ رہا ہے، جھوٹ بولنا کمزوری کا کام ہے، یہ خود ایک عظیم کمزوری ہے، اگرچہ جھوٹے بعض دفعہ بڑے بڑے جباروں اور ظالموں کے بھیس میں نظر آئیں۔ طاقتور سامنے سے آتا ہے جب کہ ضعیف چکر کاٹ کر پیچھے سے آتا ہے یہ ایک مقررہ قاعدہ ہے جو ہمیشہ سچا رہتا ہے۔ جھوٹا شخص کذب کو راہِ نجات تصور کرتا ہے مگر حقیقت میں یہ ہلاکت ہے، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ دنیا میں جس شخص کو لوگ جھوٹا جان لیں اس سے دلی نفرت کرتے ہیں اور آخرت کا معاملہ تو آگے ہے جہاں کوئی چھپی ہوئی چیز چھپ نہ سکے گی۔

اللہ نے تجھ کو معاف کیا!

آیت: ۴۳ میں اللہ تعالیٰ نے عتاب سے پہلے عفو کا اعلان کر دیا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت اور قدر و منزلت پر دلالت کرتا ہے۔ معذوریوں کا اظہار کرنے والے منافقوں نے آپ کی اجازت و رخصت کے بہانے سے جنگِ تبوک سے تخلف اختیار کیا تھا، اللہ تعالیٰ نے عفو کا اعلان کرنے کے بعد یہ ارشاد فرمایا ہے کہ آپ ان لوگوں کے صدق و کذب کو تو واضح ہو لینے دیتے، کیونکہ اگر ان کو رخصت نہ بھی ملتی تب بھی یہ گھر ہی بیٹھ رہنے والے تھے، مگر اس کا فائدہ یہ ہوتا کہ ان کا نفاق بالکل کھل جاتا، اور انہیں اس کو چھپانے کا کوئی بہانہ یا پردہ نہ مل سکتا۔

نفاق کی علامت

جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنی رأفت و رحمت کے باعث رخصت دے دی تو گو ان کا نفاق کچھ دیر چھپا رہا مگر اب قرآن خود اسے ظاہر کرنے کی ذمہ داری اٹھاتا ہے اور اس کی علامت بتاتا ہے چنانچہ آیت: ۴۴ ——— ۴۵ میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

"مالی و جانی جہاد کی ضرورت کے وقت ایماندار رخصتیں نہیں مانگتے اور یہ لوگ متقی ہیں، ایسے نازک مواقع پر بہانے بنانا اور عذر تراشی کر کے رخصت لینا جن لوگوں کا کام ہے، وہ اللہ اور قیامت پر ایمان نہیں رکھتے اور ان کے دلوں میں شک کی بیماری ہے جس کے باعث وہ جہاد سے اور میدان میں نکلنے سے جھجکتے ہیں۔"

یہ ایک ایسا قاعدہ بتا دیا گیا ہے جو ہر ایسے موقع پر ہر زمانے میں چسپاں ہوتا ہے، ایمان دار

Marfat.com

فریضۂ جہاد سے پیچھے کے لیے اذن کے طالب و منتظر نہیں ہوتے۔ جہاد کی منادی سن کر وہ جان و مال سمیت حاضر ہو جاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو اللہ کے وعدے پر یقین و اطمینان ہے وہ رضا کارانہ باہر آتے ہیں ترغیب و تحریص کے منتظر نہیں ہوتے۔ اذن مانگنا، پیچ کر رہنا، جھکنا اور بوقت ضرورت پیچھے ہٹنا ان کا کام ہے جن کے سینے ایمان سے خالی ہیں۔ عذر تراشی بزدلوں اور دنیا کے بندوں کا کام ہے۔ اللہ کی راہ واضح اور سیدھی ہے تردد اور جھجک ان کو ہوتی ہے جو راستہ نہ پہچانتے ہوں، یا پہچانتے ہوں مگر مشکلاتِ راہ سے گھبرا کر پیچھے ہٹنا چاہیں۔

وقت پر جہاد کی تیاری نہ کرنا نفاق ہے

آیت: ۴۶ میں یہ فرمایا گیا ہے کہ: یہ منافق اگر دل کے سچے ہوتے، جہاد کے لیے جانا چاہتے تو اس کی تیاری کرتے، یہ اچھے خاصے مالدار تھے، ان کی قوم کے لوگ بھی خاصے مالدار تھے وہ ان کی مدد کر سکتے تھے۔ مگر جب دل میں نورِ ایمان ہی بجھ چکا تھا تو سو بہانے بنائے گئے، اگر من حرامی نہ ہوتے تو وسائل جہاد پر ان کو قدرت حاصل تھی:

"اور اگر یہ نکلنا چاہتے تو اس کے لیے تیاری کرتے، لیکن اللہ نے ان کا جانا ناپسند کیا اور انہیں بٹھا دیا اور کہا گیا کہ بیٹھ جاؤ بیٹھنے والوں کے ساتھ۔"

اللہ کو ان کی طبیعت اور نفاق معلوم تھا، لہٰذا اس نے نہ چاہا کہ انہیں یہ مرتبہ حاصل ہو

ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں   یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا!

وہ عورتوں، بچوں، بیماروں اور بوڑھی عورتوں کے ساتھ گھروں میں رہ گئے، تقدیرِ خداوندی کا یہ فیصلہ تھا کہ اے جہاد سے روگردانی کرنے والو! اے بزدلو اور گری ہوئی ہمتوں والو! اے دلوں کے بیمارو! اے شک و تردد کے مریضو! اے ایمان سے خالی دلو! تمہارے لائق یہی جگہ ہے کہ تم معذوروں میں بیٹھے رہو، تم میدان میں نکل کر کیا کرو گے؟

یہ بھی اچھا ہی ہوا!

ان لوگوں کا میدان میں نہ جانا ہی اچھا تھا، جاتے بھی تو کیا کرتے؟ سازشیں کرتے، افواہیں پھیلاتے تمہاری صفوں میں دراڑیں پیدا کرنے کی کوشش کرتے، چنانچہ اسی مضمون کو آیت: ۴۷ میں یوں بیان فرمایا ہے کہ:

"اور اگر وہ تمہارے اندر نکلتے تو تمہاری خرابی کی کوشش کرتے اور تمہارے درمیان افواہیں پھیلاتے۔ تاکہ فتنہ پیدا کریں۔ اور تم میں ان کے جاسوس ہیں اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔"

غیرت زدہ بزدل انسان بزدلی ہی پیدا کر سکتے ہیں، اور صفوں میں ضعف کا بیج بوتے ہیں خائن لوگ لشکروں کے لیے خطرے کا باعث ہوتے ہیں۔ ان منافقوں کا نہ نکلنا ہی اچھا ہے، اگر یہ میدان کی طرف آتے تو مسلمانوں کی قوت میں اضافہ نہ کرتے، بلکہ ان کی صفوں میں اضطراب اور گڑبڑ پھیلاتے، سازشیں کرتے،

Marfat.com

افواہیں پھیلاتے، کمزور دلوں کو پہلے سے زیادہ کمزور کرتے، مسلمانوں میں تفرقہ اور فتنہ پھیلاتے، مسلم جماعت میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو ادھر کی باتیں اُن تک پہنچاتے تھے، مگر اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو فتنے سے بچا لیا اور بزدل اور سازشی منافقوں کو گھروں میں ہی بیٹھے رہنے دیا، اللہ تعالیٰ ان ظالموں (مشرکوں) کو خوب جانتا ہے۔ اس آیت میں منافقوں کو اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کے زمرے میں شامل کیا ہے، ان کے اعمال و کردار یہی گواہی دیتے تھے کہ ان کے دلوں میں مرض ہے، وہ چھپے ہوئے کافر ہیں۔

منافق فتنہ گر ہیں!

آیت: ۴۸ میں ارشادِ خداوندی ہے:

"انہوں نے اس سے پہلے فتنہ برپا کرنا چاہا تھا اور تیرے لیے معاملات کو الٹ دیا تھا، حتیٰ کہ حق آگیا اور اللہ کا حکم غالب ہوا، دراں حالیکہ وہ ناپسند کرنے والے تھے۔"

یہ فتنہ انگیزی اس وقت تھی جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں ہجرت کر کے تشریف لائے تھے۔ قبل اس کے کہ اللہ تعالیٰ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے دشمنوں پر غالب کرتا، پھر حق غالب آگیا۔ کلمۃ اللہ کامیاب ہوگیا تو ان لوگوں نے اس کے آگے اپنے سر جھکا دیئے، مگر اندر سے ناپسند کیا اور کافر رہے پھر وہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف مصائب اور گردشوں کا انتظار کرنے لگے۔

بہانہ سازیاں اور بدخواہیاں!

آیات ۴۹ ——— ۵۲ میں منافقوں کی بعض اقسام اور ان کے بعض اعذار اور بہانوں کا بیان ہے۔ اور ان کے دل میں جو دینِ حق اور اس کے پیروؤں کی بدخواہی تھی، اس کا کچھ ذکر ہے، انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اپنے دلوں میں جو عداوت کی سوچیں رکھی ہوئی تھیں، ان کو کھولا جاتا ہے:

"اور ان میں سے بعض وہ ہیں کہ انہوں نے کہا: مجھے اجازت دے دیجئے اور فتنہ میں نہ ڈالئے سن لو کہ فتنے میں تو وہ گر ہی چکے ہیں، اور بلاشبہ جہنم کافروں کو گھیرنے والی ہے، اگر تجھ کو کوئی اچھائی پہنچے تو ان کو بُری لگے، اور اگر تجھ کو کوئی مصیبت پہنچے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم نے تو اپنا بندوبست پہلے ہی کر لیا تھا، اور وہ خوش خوش چلے جاتے ہیں، کہو کہ ہمیں ہرگز نہ پہنچے گا مگر وہی جو اللہ نے ہمارے لیے لکھ دیا ہے، وہی ہمارا کارساز ہے اور مومنوں کو اللہ پر ہی بھروسہ کرنا چاہیئے، کہو کہ تم ہم پر کسی چیز کا انتظار کرتے ہو، مگر دو اچھی باتوں میں سے ایک کا؟ (فتح یا شہادت) اور ہم تمہارے متعلق یہ امید رکھتے ہیں کہ اللہ تمہیں اپنی طرف سے عذاب کی مصیبت پہنچائے گا یا ہمارے ہاتھوں سے، پس تم انتظار کرو، ہم تمہارے ساتھ انتظار کرنے والے ہیں۔"

محمد بن اسحاق نے زہری، یزید بن رومان، عبداللہ بن ابی بکر اور عاصم بن قتادہ سے روایت کی ہے کہ ان سب نے کہا: ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جدّ بن قیس سلمی (منافق) سے فرمایا، جب کہ

Marfat.com

آپ غزوہ تبوک کی تیاریوں میں تھے: اے جد کیا تو رومیوں کی جنگ میں چلے گا؟ اس نے کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! بہتر ہو کہ آپ مجھے نہ جانے کی اجازت دے دیں اور مجھ کو فتنے میں مبتلا نہ کریں۔ واللہ میری قوم جانتی ہے کہ مجھ سے بڑھ کر عورتوں کا دلدادہ کوئی نہیں ہے، اور مجھے خوف ہے کہ اگر میں نے رومیوں کی عورتوں کو دیکھ لیا تو صبر نہ کر سکوں گا۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منہ پھیر لیا، اور فرمایا: میں نے تجھے رخصت دی۔ پس یہ آیت: ۴۹ اسی واقعہ میں نازل ہوئی۔

نفاق سے بڑا فتنہ اور کیا ہو گا؟

اسی قسم کی معذرت طلبیوں کے ساتھ منافقین بہانہ سازی کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے رد میں فرمایا ہے:

"سن لو کہ یہ فتنے میں تو گر ہی چکے ہیں اور جہنم کافروں پر محیط ہے۔"

یعنی نفاق سے بڑا فتنہ اور کون سا ہو سکتا ہے، نفاق میں تو گر ہی چکے ہیں اور مرنے کے بعد جہنم ان کے انتظار میں ہے جو ان پر ہر طرف سے محیط ہو گی۔ آیت کی تعبیر نے فتنے کو ایک گڑھا ٹھہرایا ہے، جس میں مفتون لوگ گر جاتے ہیں، اور پھر آگے یہ گڑھا ہے اور پیچھے جہنم ہے جو ان پر محیط ہے۔ چھٹکارے کی صورت کوئی نہیں جہنم نے ان کا ہر راستہ بند کر رکھا ہے۔

بدخواہی اور سنگدلی!

آیت: ۵۰ میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے حق میں ان کی بدخواہی اور سنگدلی کا ذکر ہے۔ کہ وہ ان کی مصیبت پر خوش ہوتے ہیں اور اگر کوئی اچھائی ان کو ملے تو برا مناتے ہیں:

"اور تجھ کو کوئی اچھائی پہنچے تو انہیں بری لگے اور اگر تجھے کوئی تکلیف پہنچے تو کہتے ہیں کہ ہم نے اپنا انتظام پہلے ہی کر لیا تھا، اور پھر وہ خوش خوش منہ پھیر کر چلے جاتے ہیں"

گویا یہ مسلم معاشرے کا ایک ناسور ہے جو ہر وقت رستا رہتا ہے، ہر قسم کی حالت کے لیے ان کے پاس کوئی نہ کوئی بہانہ سازی اور کوئی نہ کوئی ایذا رہی موجود ہے۔ میدانِ جنگ میں کسی نہ کسی تکلیف کا پہنچ جانا ممکن ہوتا ہے، مگر یہ مردود کہتے ہیں کہ ہم نے اپنا انتظام پہلے کر لیا تھا کہ مسلمانوں کے ساتھ میدانِ مقابلہ میں نہیں گئے اور مشقت و تکلیف سے بچ گئے۔

سطح بینی اور ظاہر پرستی

یہ لوگ سطح بین اور ظاہر پرست ہیں، آزمائش کو بہر حال برا جانتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ وہ اپنے لیے جنگ سے پیچھے رہ کر اچھائی کی بنیاد رکھ رہے ہیں۔ ان کے دل تسلیم و رضائے الٰہی کی طلب سے خالی ہیں۔ مسلم صادق ہر حال میں الٰہی فیصلے پر راضی رہتا ہے، امکان بھر جدوجہد کرتا ہے اور بحکم خدا نتیجہ اسی پر چھوڑ دیتا ہے، اسے یقین ہوتا ہے کہ اس کا ناصر و معین اللہ تعالیٰ ہے:

Marfat.com

"کہو کہ ہم کو ہرگز نہ پہنچے گا مگر جو اللہ نے ہمارے لیے لکھ دیا ہے ، وہی ہمارا کارساز ہے اور مومنوں اور مومنوں کو اسی پر توکل کرنا چاہیے۔" (آیت : ۵۱)

اللہ تعالیٰ نے لکھ دیا ہے کہ ایمانداروں کو مدد و نصرتِ الٰہی ملے گی اور وعدہ کیا ہے کہ آخری فتح انہی کی ہوگی۔ پس انہیں جو شدت بھی پہنچے ، جس آزمائش میں بھی گزرنا پڑے ، یہ دراصل اس وعدۂ نصرت کی تیاری ہے۔ تاکہ ایمانداروں کو وہ نصرت علی الاعلان اور دلیل کے ساتھ ملے اور اس وقت تک جھاڑ جھنکار چھٹ چکا ہو ، اللہ تعالیٰ کی غالب مدد کچھ وسائل و اسباب سے آتی ہے ، وہ وسائل بھی اس کی سنت میں داخل ہیں ، نصرت ہے۔ مگر "نصرِ عزیز" ہے سستی مدد نہیں۔ ایسی عزت ہے جو ہر قسم کے احوال پر غالب آنے والوں کے لیے ہے اور ان کے لیے جو قربانی کا جذبہ رکھتے اور صبر و رضا پر کاربند ہیں۔ مومنوں کا بھروسہ اللہ ہی پر ہے مگر اس کا صریح حکم موجود ہے کہ :

"تم ان کے لیے حسبِ استطاعت قوت کی تیاری کرو۔"

اور جو آدمی اللہ کا حکم نہ مانے وہ اس پر توکل کا حق ادا نہیں کرتا۔ اسباب کو اختیار کرنا انبیاءؑ کا طریقہ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی سنتِ جاریہ ہے۔ پھر اس کے ساتھ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ مومن کا معاملہ ہر حال خیر پر مبنی ہے اللہ کی نصرت سے فتح حاصل کرے گا یا اس کی رضا سے شہادت پائے گا۔ دونوں صورتوں میں وہ کامیاب ہے۔ کافر کا معاملہ سارا شر پر مبنی ہوتا ہے۔ عذابِ خداوندی اسے براہِ راست پہنچے یا ایمانداروں کے ہاتھوں سے ! چنانچہ فرمایا ہے کہ :

چت بھی ہماری اور پٹ بھی ہماری !

آیت ، ۵۲ میں فرمایا ہے کہ :

"کہو کہ تم ہمارے بارے میں دو اچھی باتوں میں سے کسی ایک کا انتظار کرتے ہو (فتح و نصرت یا شہادت) اور ہم یہ انتظار کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تم کو اپنی طرف سے عذاب پہنچائے ، یا ہمارے ہاتھوں سے ، پس تم بھی انتظار کرو ، ہم بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والے ہیں۔"

منافق مومنوں کے لیے جس چیز کے بھی انتظار میں ہیں وہ ایمانداروں کے لیے بہتر ہے ، میدان میں شہید ہو جائیں گے تو آخرت کی کامیابی مل جائے گی ، فتح و نصرت حاصل ہوگی تو بھی کامیابی ہے ، ہمارے لیے تو ہر صورت کامیابی ہے ، کلمۃ اللہ کی بلندی اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مومنوں کی جزا ہے اور شہادت اس آنے والے جہان میں ان کے لیے باعثِ فوز و فلاح ہے ، فالحمد للہ۔ اور مومنوں کو منافقوں کے بارے میں جو انتظار ہے وہ یہ ہے کہ ان کے ہاتھوں سے اللہ تعالیٰ منافقوں کو رسوا کرے یا براہِ راست خود انہیں مبتلائے عذاب کرے ، انجام بہر حال مومنوں کے لیے ہے اور وہ جانا پہچانا ہوا ہے۔

Marfat.com

منافقین کی ایک گہری سازش

آیت : ۵۳ ——— ۵۴ میں فرمایا گیا ہے کہ ان منافقوں کی مالی قربانی اللہ کے ہاں غیر مقبول ہے۔ بعض عذر کرنے والے، پیچھے رہ جانے والے اور مسلمانوں کے بدخواہ مال دے کر جہاد سے بچنا چاہتے تھے۔ بقولِ شخصے عصا کو وسط سے پکڑنا چاہتے تھے۔ اس قسم کے لوگ ہر زمانے میں ہر جگہ ہوتے رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ ان لوگوں کی مالی مدد کی عدمِ قبولیت کا اعلان فرمائیں کیونکہ ان کا انفاق خلوصِ نیت سے نہیں بلکہ ریاکاری سے ہے، خوف سے ہے، اس کا تقاضا ایمان اور اسلام پر مضبوطی نہیں، بلکہ ارادۂ تخریب اسلام و مسلمین ہے۔ معاذ اللہ، یہ لوگ چاہے خوشی سے خرچ کریں کہ اس انفاق کو مسلمانوں کو فریب دینے کا ذریعہ بنائیں، اور خواہ ناپسندیدگی سے خرچ کریں کہ اپنے معاملے کے ظاہر ہونے کا خوف دامنگیر ہو جائے اور رقم خرچ کرکے بچاؤ کا ارادہ ہو، انفاق بہرحال دونوں صورتوں میں مردود ہے، اللہ کے ہاں اس کا کوئی ثواب یا وزن نہیں ہے۔ فرمایا :

"کہو کہ تم خرچ کرو خوشی سے یا ناخوشی سے، تم سے ہرگز قبول نہ کیا جائے گا، کیونکہ تم بلاشبہ فاسق لوگ ہو، اور ان کے نفقات کی قبولیت جو خدا کے ہاں ممنوع ہوئی ہے اس کا سبب یہ ہے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول ؐ کا انکار کیا، نمازیں ناخوشی سے سست سست آتے ہیں اور انفاق ناپسندیدگی سے کرتے ہیں۔"

ہر زمانے میں منافقوں کی تصویر یہی ہے، خوف اور مدارات۔ دل منحرف اور ضمیر گندہ، چند مظاہر کے پابند ہیں جو روح سے خالی ہیں جو کچھ دل میں نہیں ہے اس کا مظاہرہ کرنے کی سعی کرتے ہیں۔

منافق اقامتِ صلوٰۃ سے محروم ہیں!

منافقوں کی نماز کے بارے میں جو یہ فرمایا ہے کہ :

"وہ نماز میں نہیں آتے مگر سست ہو کر!۔"

اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ حقیقتِ صلوٰۃ سے بے خبر ہیں، صرف چند ظاہری رسوم و اعمال ادا کرتے ہیں۔ نماز کی اقامت و استقامت سے کورے ہیں۔ دل کی گہرائیوں سے نماز کا باعث مفقود ہے۔ لہٰذا تھکے تھکے اور سست ہو کر نماز کی طرف آتے ہیں، وہ ایک بوجھ اتارتے، ایک رسم پوری کرتے اور ظاہر پرستی کی خاطر آتے ہیں، یوں سمجھتے ہیں کہ کسی نے انہیں زبردستی ادھر دھکیلا ہے، یہی حال ان کے نفقات کا بھی ہے۔ اللہ کو ان ظاہری حرکات و سکنات کی ضرورت نہیں، اسے عقیدے اور خلوص اور خشوع و خضوع چاہیئے وہ نماز جو شعوری ہو اور دل کی حاضری اور اعضاء و جوارح کی کپکپاہٹ کے ساتھ پڑھی جائے۔

صرف اموال و اولاد اللہ کے ہاں مقبول نہیں!

یہ انفاق کرنے والے جو کراہت سے خرچ کرتے تھے، اچھے بھلے مالدار اور صاحبِ اولاد تھے، ان

کی اپنی قوم میں شرف و جاہ تھی، مگر یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے ہاں کچھ نہیں، اور اسی طرح واجب ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک اور مومنوں کے نزدیک بھی کچھ نہ ہو، کیونکہ یہ کوئی انعام نہیں جو اللہ تعالیٰ انہیں فرماتا ہے بلکہ یہ آزمائش ہے اور باعث عذاب الٰہی ہے، یہی بات اس آیت: ۵۵ میں ارشاد ہوئی ہے کہ:

"ان کے اموال اور اولاد تمہیں پسند نہ آئے، اللہ ان کے باعث ان کو دنیوی زندگی میں عذاب دینا چاہتا ہے اور ان کی جانیں جب نکلیں گی تو وہ کافر ہوں گے۔"

مال و اولاد کبھی اللہ تعالیٰ کا انعام ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کسی بندے کو عطا کرتا ہے اور اس کے شکریے کی اس کو توفیق دیتا ہے۔ وہ ان چیزوں کو زمین کی اصلاح میں صرف کرتا ہے۔ اور ان کے ذریعے سے اللہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے، اس کا ضمیر مطمئن ہوتا ہے، نفس ساکن ہوتا ہے۔ منزل پر وثوق ہوتا ہے۔ جب بھی خرچ کرتا ہے تو خلوص کے ساتھ کرتا ہے اور اسے شعور ہوتا ہے کہ اس نے اپنے لیے کچھ آگے بھیجا ہے۔ جب اس کے مال یا اولاد میں کوئی مصیبت پڑے تو وہ ثواب کی نیت رکھتا ہے۔ اسے دل کا سکون ڈھانپ لیتا ہے۔ اور اللہ پر امید اس کی مصیبت کو ہلکا کر دیتی ہے، اور مال و اولاد کبھی کبھی اللہ کی طرف سے کسی بندے کے لیے بطور عذاب ہوتا ہے یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اس کے اندرونی فساد اور کھوٹ کو جانتا ہے، لہٰذا مال اور اولاد کا قلق اس کی زندگی کو جہنم بنا دیتا ہے۔ مال کی حرص اسے بیدار رکھتی ہے اور اس کے اعصاب کو باطل کر دیتی ہے، وہ مال خرچ کرتا ہے تو وہ تلف ہوتا اور سبب اذیت بنتا ہے۔ اولاد بیمار ہو تب بھی یہ بدبخت ہوتا ہے، تندرست ہوں تب بھی، بہت سے لوگ ایسے دیکھے گئے ہیں جن کو اپنے بیٹوں کے سبب سے مبتلائے عذاب کیا جاتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں یہ مالدار اور صاحب اولاد لوگ موجود تھے ——— اور ہر زمانے میں پائے جاتے ہیں ——— لوگ ان کے ظاہر کو دیکھ کر حیران ہوتے اور انہیں پسند کرتے ہیں، حالانکہ وہ مال و اولاد ان کے لیے کسی نہ کسی طور پر باعث عذاب ہوتا ہے۔ دنیا میں بھی باعث عذاب اور آخرت میں بھی انہیں جہنم کے گڑھے میں گرانے کا سبب، اور اس سے قبل وہ حالت کفر میں مرنے کے گڑھے میں گریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں جو: تزھق کا لفظ بولا ہے یہ اضطراب کو ظاہر کرتا ہے جو ان کے دنیوی اور اخروی عذاب میں اضافہ کرتا ہے۔

منافق خوف اور تقیہ کا شکار ہیں!

یہ منافق مسلمانوں کی صف میں گھسے رہتے تھے، ایمان اور عقیدے کے باعث نہیں بلکہ خوف اور تقیہ کے لیے، طمع اور حرص کے لیے۔ پھر وہ مسلم ہونے پر قسمیں کھاتے تھے تاکہ لوگ انہیں سچ مچ اندر سے مومن سمجھیں، مگر یہ سورت براءۃ جو الفاضحہ ہے۔ ان کی خفیہ دسیسہ کاریوں کو نکال باہر لاتی ہیں اور ان کے خفیہ کارناموں پر روشنی ڈالتی ہے، چنانچہ آیت: ۵۶ اور ۵۷ میں فرمایا ہے کہ:

"اور وہ قسمیں کھاتے ہیں کہ وہ تم میں سے ہیں، حالانکہ وہ تم میں سے نہیں ہیں، مگر یہ ایک ایسی قوم ہے جو ڈرتی ہے اگر کوئی جائے پناہ پائیں یا غار یا گھسنے کی جگہ تو یہ اندھا دھند اس

Marfat.com

کی طرف بھاگ جائیں گے۔"

یعنی یہ بہت بزدل لوگ ہیں، ڈر کے مارے ادھر اُدھر دیکھتے ہیں کہ کوئی جائے امن یا چھپنے کی جگہ ملے تو بھاگ جائیں، جا چھپیں۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کو اپنے مومن ہوتے کا یقین دلانے کے لیے مؤکد قسمیں کھاتے ہیں اپنے خلوص کا یقین دلاتے ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ کسی طرح سے اپنے نفاق کے انجام سے بچ جائیں، انہیں کہیں پناہ مل جائے، اصل حقیقت واضح نہ ہو بلکہ مستور رہے مگر پھر بھی اپنے مقاصد میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔

منافقوں کے بعض طبقات اور ان کی خصوصیات

منافقوں کے بعض اقوال و اعمال ان کی اندرونی کیفیت اور اصل بے ایمانی کو ظاہر کر دیتے تھے، وہ اپنے باطن کو چھپانے کی بہت کوشش کرتے تھے مگر وہ پھر بھی چھپ نہ سکتا تھا۔ ان منافقوں میں سے بعض نے اپنے لالچ اور شدید حرص کی بناء پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر تقسیم صدقات کے متعلق اعتراض کیے تھے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نبی معصوم تھے، آپؐ اور آپؐ کے گھر والوں پر زکوٰۃ و صدقات حرام تھے، آپؐ اگر ان پر قبضہ کرتے تھے تو ان کی تقسیم کے لیے، تاکہ حق داروں پر انہیں بانٹیں، نہ اپنے لیے اور نہ اپنے اہل و عیال کے لیے۔ آیات: ۵۸ ——— ۶۰ میں تقسیم زکوٰۃ و صدقات میں منافقوں کی حرص و ہوا اور بعض اعتراضات کا ذکر ہے:

"اور ان میں سے بعض تجھ کو صدقات میں طعنہ دیتے ہیں، اگر ان میں سے مل گیا تو راضی ہو گئے نہ ملا تو فوراً ناراض ہو گئے، اور اگر وہ راضی ہو جاتے اس پر جو ان کو اللہ اور اس کے رسولؐ نے دیا، اور کہتے: ہمارے لیے اللہ کافی ہے، ابھی ہم کو اللہ اپنے فضل سے دے گا، اور اس کا رسولؐ بھی، بلاشبہ ہم اللہ کی طرف ہی رغبت کرنے والے ہیں۔ بلاشبہ صدقات تو محتاج لوگوں کے لیے ہیں اور مسکینوں کے لیے اور ان پر کام کرنے والوں کے لیے، اور جن کی تالیفِ قلب کرنی ہو ان میں، اور گردنیں چھڑانے میں۔ اور مقروضوں کے لیے اور اللہ کی راہ میں اور مسافروں کے لیے، مقرر شدہ فرض اللہ کی طرف سے، اور اللہ بہت جاننے والا بہت دانا ہے۔"

ان آیات میں طعنہ باز، عیب چین منافقوں کا حال بیان فرمایا گیا ہے۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر تقسیم صدقات میں بے انصافی کا الزام لگایا تھا۔ مطلب کیا تھا؟ یہ زکوٰۃ و صدقات بھی انہی کو دے دیئے جائیں اور مستحق لوگوں کو نظر انداز کیا جائے۔ غرض فقط شکم پرستی سے تھی، ان کے پیشِ نظر کوئی حق یا عدل کا سوال نہ تھا، دین کی حمایت مدِ نظر نہ تھی، نہ ان میں اس کی کوئی غیرت تھی۔ وہ تو صرف ذاتی منافع سے غرض رکھتے تھے، اگر نفع حاصل ہو گیا تو خوش ورنہ ناخوش، یہ منافقوں کا پہلا طبقہ تھا، دوسروں کا ذکر آگے آتا ہے۔

ان آیات کا شانِ نزول

اسی موضوع میں متعدد روایات آئی ہیں جن میں کچھ معین اشخاص کا ذکر ہے جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ

Marfat.com

علیہ وسلم کی تقسیم کی عدالت پر اعتراض کیا کرتے تھے۔ بخاری اور نسائی نے ابو سعیدؓ خدری سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ مال تقسیم فرما رہے تھے کہ ذو الخویصرہ تمیمی آیا اور بولا: یا رسول اللہ! انصاف کیجئے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تیرا بُرا ہو، اگر میں عدل نہیں کرتا تو اور کون کرے گا؟ پس عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: مجھے اجازت دیجئے کہ اس کی گردن اڑا دوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو چھوڑ دو۔ اس کے کچھ ساتھی ہیں جن کی نمازوں کے سامنے تم میں سے کوئی اپنی نماز کو حقیر جانے گا اور ان کے روزے کے سامنے اپنے روزے کی کوئی حیثیت نہ جانے گا، یہ دین سے یوں نکل جائیں گے جس طرح تیر ہدف سے لگ کے نکل جاتا ہے: ابو سعیدؓ نے کہا کہ پھر ان کے بارے میں یہ آیت اتری: ومنھم من یلمزک فی الصدقات اور ابن مردویہ نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حنین کی غنیمتیں تقسیم کیں تو میں نے ایک شخص کو کہتے سُنا: "بیشک یہ ایک ایسی تقسیم ہے جس میں رضائے الٰہی مطلوب نہیں ہے!" پس میں نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اور آپ سے اسی کا ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا: "موسیٰ پر اللہ کی رحمت ہو، اس کو اس سے زیادہ دُکھ دیا گیا تو بھی اس نے صبر کیا" اور اس پر یہ آیت اتری: ومنھم من یلمزک فی الصدقات۔

سعید اور ابن جریر نے داؤد بن عاصم سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس صدقہ لایا گیا تو آپ نے اس کو اِدھر اُدھر تقسیم فرما دیا حتیٰ کہ وہ ختم ہو گیا، اور انصار میں سے آپ کو ایک شخص نے کہا: یہ عدل نہیں ہے تو اس پر یہ آیت اتری۔ اور ومنھم من یلمزک فی الصدقات کے متعلق قتادہؓ کا قول ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ: بعض لوگ صدقات کے متعلق آپ پر طعنہ زن ہوتے ہیں، اور ہمارے سامنے بیان کیا گیا کہ ایک صحرائی آدمی جو نیا نیا صحرا سے آیا تھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا جب کہ آپ سونا اور چاندی تقسیم کر رہے تھے۔ وہ بولا: اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! واللہ اگر اللہ نے آپ کو عدل کا حکم دیا ہے تو آپ نے عدل نہیں کیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تیرا بُرا ہو، میرے بعد تیرے ساتھ کون عدل کرے گا؟

بہر صورت قرآنی نص کہتی ہے کہ یہ قول بعض منافقوں کا تھا جن کا منشا دینی غیرت نہیں بلکہ نفسانی خواہش تھی، اور اس بات پر انہیں غصہ تھا کہ ان کو صدقات میں سے حصّہ کیوں نہ ملا، اور یہ ان کے نفاق کی صریح علامت اور دلیل تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو قبل از نبوت بھی صدق و امانت میں مشہور تھے، لہٰذا آپ کے متعلق میں شک کرنا کسی مومن کا کام نہیں ہو سکتا، عدل تو ان اللہ کی امانتوں کی فرع ہے۔ جن کو اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے نسبت دی ہے، چہ جائیکہ مومنوں کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم!

اور یہ بات تو واضح ہے کہ ان نصوص نے جن واقعات کا ذکر کیا ہے وہ پہلے پیش آچکے تھے، لیکن غزوۂ تبوک کے ذکر کے اثناء میں انہیں بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ منافقین کے حالات کی تصویر کھینچی جائے، اور یہ حالات دائمی اور متصل تھے، ان کا تعلق کسی خاص واقعہ یا حادثہ سے نہ تھا۔

سچے مومنوں کا طریقہ

آیت: ۵۹ کا ارشاد ہے کہ:

"اگر وہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے دیے پر راضی ہو جاتے اور کہتے: ہمارے لیے اللہ ہی کافی ہے عنقریب اللہ ہم کو اپنے فضل سے دے گا۔ اور اس کا رسولؐ بھی۔ ہم اللہ کی طرف راغب ہیں۔"

تو یہ نفس و زبان کا ادب ہوتا ہے اور یہی ایمان کا ادب تھا کہ آدمی اللہ کے دین پر اور رسولؐ کی تقسیم پر راضی ہو جائے۔ مجبوری اور غلبے کی رضا نہیں۔ بلکہ تسلیم و قناعت کی رضا۔ اللہ پر اکتفا و کرے کہ وہ اپنے بندوں کے لیے کافی ہے۔ اور یہ امید رکھے کہ اللہ تعالیٰ فضل کرے گا اور اس کا رسولؐ اس کے حکم کے مطابق مال اور صدقات اور غنائم کو تقسیم فرمائے گا۔ ہر مادی کسب اور ہر دنیوی طمع سے بے نیاز ہو کر اللہ کی طرف راغب ہونا تقاضائے ایمان ہے۔ یہی مرد مومن کے دل کی آواز ہے، اگرچہ منافقوں کے دل اسے نہ پہچانیں، ان کے دلوں میں ایمان کی بشاشت رچی ہوئی نہیں ہے۔ اور ان کی ارواح نور ایمان سے ناواقف ہیں۔

صدقات کی تقسیم کا فیصلہ صرف اللہ کا ہے

اُوپر کی آیت میں مومن کا ادب تسلیم و رضا بتایا گیا اور اللہ اور اس کے رسولؐ کا ادب بیان کیا گیا، مگر اس کے باوجود صدقات کا فیصلہ اللہ تعالیٰ نے کسی اور پر نہیں چھوڑا بلکہ خود بتایا ہے کہ ان کا حق دار کون کون ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کردار اس معاملے میں صرف حکم خداوندی کو نافذ کرنے والے کا تھا، یہ صدقات دولت مندوں سے خدائی فریضے کے طور پر لیے جاتے تھے اور ضرورت مندوں کی خدائی فریضہ کے طور پر بانٹ دیئے جاتے تھے۔ ایک حدیث میں یہی لفظ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہیں کہ صدقات و زکوٰۃ میں اللہ تعالیٰ نے آپ کی مرضی کو بھی دخیل نہیں بتایا بلکہ ان کا فیصلہ خود فرمادیا ہے، اور اس فیصلے کے مطابق صرف انہی لوگوں کو ان کا حق دار سمجھا جا سکتا ہے، جنہیں اللہ تعالیٰ نے خود حق دار بنا دیا ہے۔ چنانچہ آیت: ۶۰ کا ارشاد ہے کہ:

"صدقات تو صرف فقراء و مساکین اور ان پر کام کرنے والوں اور مؤلفۃ القلوب اور گردنوں کے آزاد کرانے اور مقروض لوگوں کے لیے اور فی سبیل اللہ اور مسافروں کے لیے ہیں۔ یہ اللہ کا مقرر کردہ فرض ہے، اور اللہ بہت جاننے والا بہت دانا ہے۔"

اللہ کی شریعت میں زکوٰۃ کا مقام

اسلامی نظام میں زکوٰۃ دینا کوئی رضا کارانہ عملی اور نفلی عبادت نہیں ہے، بلکہ یہ ایک حتمی قانون ہے، کوئی خیرات اور "بخشش" کی قسم کی چیز نہیں۔ نہ تقسیم کنندہ کے صوابدید پر مبنی ہے۔ یہ ایک معلوم و مقرر فریضہ ہے۔ جس کے نصاب، مصارف، مقداریں، سب شرع نے ٹھہرائی ہیں۔ اس کا جمع کرنا اسلامی حکومت کا فریضہ ہے، تاکہ وہ اس فنڈ سے ایک شرعی، مقرر شدہ اور معلوم فریضہ ادا کر سکے۔ یہ اجتماعی خدمت کا ایک ادارہ ہے۔ جو اسلامی فلاحی مملکت کا ایک لازمی شعبہ ہے، دینے والے کا احسان نہیں اور لینے والے کے لیے گدائی کا ٹکڑا نہیں۔ ہرگز نہیں، کیونکہ اسلامی نظام گداگری کے سخت خلاف ہے، نہ اس پر کبھی قائم ہوا ہے اور نہ

Marfat.com

کیسی ہو گا۔

اسلامی نظام میں سوال کی حیثیت !

اسلامی نظام میں زندگی کی بنیاد عمل ہے۔ ہر نہج اور ہر قسم کا جائز کام۔ یہ اسلامی حکومت کا کام ہے، ہر تندرست قادر شخص کے لیے عمل کے مواقع پیدا کرے اور اس کو اس کے لیے تیاری اور اہلیت پیدا کرنے کا موقع بہم پہنچائے۔ اس کے وسائل و ذرائع کو وافر کرے اور معاوضہ کی پوری ضمانت مہیا کرے، کام کرنے پر قادر انسانوں کے لیے زکوٰۃ میں کوئی حق نہیں ہے۔ زکوٰۃ دراصل اجتماعی کفالت کا ایک ٹیکس ہے جو طاقتوروں پر لگایا جاتا ہے تاکہ ان کے لئے روزی مہیا ہو سکے جو اس پر قادر نہیں ہیں۔ زکوٰۃ کا جمع کرنا اور پھر اس کی تقسیم کا صحیح انتظام کرنا حکومت کا فریضہ ہے۔ جب جماعتی نظام رسوم پر قائم ہو تو یہ اس سے پہلے کاموں میں سے ہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، صدقہ کسی غنی کے لیے حلال نہیں نہ کسی تندرست کے لیے (احمد، ابوداؤد، ترمذی)

عبداللہ بن عدی بن اخیار سے روایت ہے کہ اس کو دو شخصوں نے بتایا کہ وہ دونوں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں صدقہ میں سے طلب کرنے کو حاضر ہوئے، آپ نے دونوں کو غور سے دیکھا تو انہیں ہٹے کٹے پایا، فرمایا: اگر تم چاہو تو میں تمہیں دے دوں، مگر اس میں کسی غنی کا یا کما سکنے والے طاقتور کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ (احمد، ابوداؤد، نسائی)

اسلام ایک اجتماعی فلاحی نظام ہے !

زکوٰۃ اسلام کے اجتماعی فلاحی نظام کا حصہ ہے۔ یہ نظام زکوٰۃ سے زیادہ وسیع اور طویل و عریض ہے کیونکہ یہ چند ایسے خطوط میں متمثل ہوتا ہے جو تمام زندگی کی فروع پر حاوی اور مشتمل ہیں۔ اس کا تعلق تمام انسانی ارتباطات سے ہے ان خطوط میں سے زکوٰۃ صرف ایک خط ہے۔

زکوٰۃ کا نصاب اور مصرف

زکوٰۃ ۱/۱۰ ، ۱/۲۰ ، ۱/۴۰ کے حساب سے تمام انواع مال میں اصل مال پر فرض ہوتی ہے، اور ہر اس شخص سے لی جاتی ہے جو ۲۰ گنی کے قریب (۲۰ دینار، دو سو درہم چاندی، ۲۰ مثقال سونا) پر واجب ہوتی ہے۔ جو لوگوں کی اصلی حاجات سے فارغ ہوں اور ان پر سال بھر گزر جائے۔ یہی سبب ہے کہ اس کے خزانے میں امت کے بہت زیادہ افراد شامل ہوتے ہیں۔ پھر ان کو ان مصارف پر خرچ کیا جاتا ہے، جو اس آیت (۶۰) میں بیان ہوئے ہیں۔ ان کے پہلے حق دار فقراء و مساکین ہیں فقراء وہ ہیں جن کا جائز خرچ آمدنی سے زائد ہو مگر مساکین وہ ہیں جو ایسے ہی ہوں مگر اپنی احتیاط اور غیرت کے باعث کسی پر اپنی ضرورت ظاہر نہ کریں، اور نہ سوال کریں (یہ مساکین کی تعریفات میں سے ایک تعریف ہے، فقہاء کا کچھ اختلاف بھی ہے) اور بہت سے لوگ جو ایک سال زکوٰۃ دیں، ممکن ہے اگلے سال خود اس کے مستحق ہو جائیں، کیونکہ ان کی آمدنی اخراجات سے کم ہو

Marfat.com

سکتی ہے۔ زکوٰۃ اس پہلو میں اجتماعی کفالت کا نام ہے۔ ہو سکتا ہے کہ بعض لوگوں نے زکوٰۃ کے فنڈ میں کچھ نہ دیا ہو اور وہ اس کے حق دار ہو جائیں۔ اس لحاظ سے یہ ایک اجتماعی ضمانت کا نظام ہے۔ مگر وہ بہر صورت اللہ کا فریضہ ہے۔ یہ حیثیتیں ثانوی ہیں۔ اس کے ساتھ نفس پاک ہوتا ہے۔ اور یہ ایک خدائی عبادت ہے، اس کے ساتھ ساتھ یہ بخل کا علاج بھی ہے۔

دیگر مصارف زکوٰۃ

زکوٰۃ کا تیسرا مصرف اس محکمہ زکوٰۃ و عشر کے ملازمین ہیں۔ چوتھا مصرف مؤلفۃ القلوب ہیں اور یہ کئی گروہ ہو سکتے ہیں:

(۱) نو مسلم جن کی اسلام پر ثابت قدمی مطلوب ہو۔

(۲) جن غیر مسلموں کی مالی خدمت کے ساتھ ان کے اسلام کی توقع ہو۔

(۳) وہ نو مسلم جو پختہ مسلم ہیں مگر ان کی خدمت سے ان کے رشتہ داروں اور گلی محلہ والوں کے اسلام کی طرف راغب ہونے امید ہو۔

مؤلفۃ القلوب کے حصے کے ساقط ہو جانے کے بارے میں ایک فقہی اختلاف ہے، مگر اسلام ایک تحریک ہے، جس کی مختلف منازل و مراحل ہیں۔ عین ممکن ہے کہ کسی وقت ایسے حالات پیدا ہو جائیں جن میں مؤلفۃ القلوب کا مصرف مستحب بلکہ ضروری ہو جائے۔ جب ایسا ہو گا تو ان لوگوں کو دینے میں حرج نہیں ہے

فی الرقاب

غلاموں کے آزاد کرنے کا حکم اس وقت تھا جب کہ غلامی ایک عالمی نظام تھا، اس کا معاملہ بھی اسی طرح چلتا تھا، جس طرح مسلمانوں اور ان کے دشمنوں میں لوگوں کے غلام بنانے کا سلسلہ چلتا تھا، اس سلسلے میں اسلام کے لیے اس کے سوا چارہ نہ تھا کہ اسی نظام پر لوگوں سے معاملہ کرے جو اس وقت دنیا بھر میں رائج تھا، جب تک کہ دوسرا نظام رائج نہ ہو سکے، اس حصے کا مصرف وہ مکاتب بھی تھے جو اپنے آقاؤں سے آزاد ہونے کے لیے ایک رقم طے کر لیتے تھے۔ ان کی مدد کی جاتی تھی تاکہ وہ آزادی حاصل کر سکیں اس مال سے غلاموں کو خرید کر بھی آزاد کیا جاتا تھا۔

الغارمین

یعنی وہ لوگ جو کسی افتاد کے باعث مقروض ہو جائیں ——— معصیت میں نہیں ——— ان کا قرض ادا کرنے کے لیے انہیں مال زکوٰۃ دیا جا سکتا ہے۔ دیوالیے لوگ بھی ان میں داخل ہیں جیسا کہ آج کل حکومتیں بعض کا دیوالہ نکال دیتی ہیں۔ ایسے لوگوں کو ان کے پاؤں پر کھڑا کرنے کے لیے زکوٰۃ دی جا سکتی ہے۔

Marfat.com

فی سبیل اللہ

جو لوگ اسلحہ یا دیگر ضروری تیاری نہ ہونے کے باعث رضاکارانہ جہاد میں شامل نہ ہو سکیں۔ ان کا خرچ دینا، حنفیہ کے علاوہ دیگر علماء اس میں ہر اجتماعی مصلحت کو شامل کرتے ہیں۔ جس میں اسلام کا فائدہ ہو۔

ابن السبیل

مسافر جو سفر میں حاجت مند ہو چکا ہو۔ خواہ اپنے وطن میں کتنا مال دار ہو۔

جو ملحد اسلام پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ یہ گداگری یا سوال کرنے یا دوسروں کے ٹکڑوں پر پلنے کی حوصلہ افزائی کرتا ہے مثلاً سوشلسٹ کمیونسٹ لوگ جو اجتماعی ملکیت کا ڈھنڈورا پیٹتے ہیں اور وہ اس کو ہر دکھ کا علاج بتاتے ہیں، وہ اسلام پر یہی اعتراض کرتے ہیں، حالانکہ ساٹھ برس کے بعد بھی روس اتنا بڑا ملک اور وسیع ذرائع ہونے کے باوجود سرمایہ دار ممالک کا نقاد اور دیگر ضروریات زندگی میں دست نگر ہے اس کے برعکس اسلام کا نظام صدقات صرف چند سال میں ملک کی کایا پلٹ سکتا ہے اور بڑے چھوٹے کے فرق کو کم کر دیتا ہے۔ یہ کوئی زکوٰۃ دینے والوں کے احسان اور مہربانی کا نظام نہیں ہے، ایک الٰہی فریضہ اور عبادت ہے، اس کے ذریعے سے دل لالچ اور بخل سے پاک ہوتے ہیں، افراد امت کے درمیان تراحم و تضامن کے جذبات پرورش پاتے ہیں۔ سوچا جائے تو یہ ایک حد تک ضروری اجتماعی فلاح اور اجتماعی ملکیت کا نظام بھی ہے، اس سے زیادہ اگر وہ اجتماعیت ہو جو کمیونسٹ نظام میں ہے تو وہ تو وحشت و درندگی ہے جو ..... انسانوں کو انسانوں کا دشمن بناتی ہے۔ اور اگر اسے اجتماعی سرمایہ داری کا نظام کہا جائے تو بجا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت دینے والے منافق

اب منافقوں کے دوسرے بڑے طبقے کا بیان شروع ہوتا ہے، یہ لوگ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام رکھتے تھے۔ خفیہ عیب لگاتے تھے، بعض دفعہ کمزور مسلمانوں اور بعض نومسلموں کے سامنے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض کرتے تھے، اور جب باز پرس ہوتی تو جھوٹی قسمیں کھاتے تھے۔ آیات ۶۱ ——— ۶۶ تک کا مضمون یوں ہے کہ:

"اور ان میں بعض وہ ہیں جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت پہنچاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ کان کا کچا ہے۔ کہو کہ تمہاری بھلائی کے لیے باتیں سنتا ہے، اللہ پر ایمان رکھتا ہے اور ایمانداروں کی بات مانتا ہے، اور تم میں سے ایمان لانے والوں کے لیے رحمت ہے۔ اور جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھ دیتے ہیں ان کے لیے دردناک سزا ہے۔ وہ تمہارے لیے اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں تاکہ تم کو خوش کریں، اور اللہ اور اس کا رسول

Marfat.com

اس کا زیادہ حق دار ہے کہ یہ ان کو راضی کریں، اگر یہ مومن ہیں، کیا یہ نہیں جانتے کہ جو شخص اللہ اور اس کے رسولؐ سے دشمنی رکھے تو بلاشبہ اس کے لیے جہنم کی آگ ہے، جس میں وہ ہمیشہ رہے گا، وہ بڑی رسوائی ہے۔ منافق اس سے ڈرتے ہیں کہ ان پر کوئی ایسی سورت نازل کی جائے جو ان کے دلوں کی بات بتا دے، کہو کہ تم استہزاء کرلو، بلاشبہ اللہ ظاہر کرنے والا ہے، جس بات سے تم ڈرتے ہو، اور اگر تو ان سے پوچھے تو کہیں گے، ہم تو بات چیت اور کھیل کررہے ہیں۔ کہو کہ کیا اللہ کے ساتھ اور اس کی آیات کے ساتھ اور اس کے رسولؐ کے ساتھ تم استہزاء کرتے تھے؟ تم معذرتیں مت کرو، تم نے ایمان کے بعد کفر کیا ہے۔ اگر ہم تم میں سے ایک ٹولے کو معاف کریں گے تو دوسرے ٹولے کو عذاب دیں گے کیونکہ وہ مجرم تھے۔"

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک اور بے ادبی!

اس سے پہلے منافقوں کا ایک سوئے ادب صدقات کے متعلق طعنہ زنی کی صورت میں بیان کیا جاچکا ہے آیات زیر نظر میں جو بے ادبی مذکور ہے یہ ایک اور طرح کی ہے۔ ان منافقوں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بلند اخلاق کی ایک یہ صورت دیکھی کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کی باتیں خندہ پیشانی اور توجہ سے سنتے تھے، اور شرع کے اصول کے بموجب ان سے ظواہر پر معاملہ فرماتے تھے، ان کے سامنے ہشاش بشاش ہوتے اور وسیع الظرفی اور عالی حوصلگی کا مظاہرہ فرماتے تھے۔ دراصل تو یہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق عظیم تھا اور لائق تعریف سیرت کا ایک روشن پہلو تھا، مگر منافقوں نے اس کا نام کچھ اور رکھا اور اسے اعتراض کا سبب ٹھیرایا۔ وہ کہنے لگے کہ (معاذاللہ) یہ شخص کان کا کچا ہے، ہر بات کو غور سے سن لیتا ہے، اس کے سامنے جھوٹ، دھوکہ بازی اور ظاہر داری کی باتیں کرلینا عین ممکن ہے۔ کیونکہ اس کو (معاذاللہ) فریب کی بات اور کذب بیانی کا پتہ نہیں چلتا۔ جو بھی قسم کھائے یہ اس کی بات مان لیتا ہے اور جو بھی کوئی سازش کی بات کہے یہ قبول کرلیتا ہے، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پر چونکہ ان منافقوں کی بعض کارستانیوں کا آپؐ کو مخلص ایمانداروں کے ذریعے سے پتہ چل جاتا تھا اور آپؐ منافقوں سے بازپرس فرماتے تھے، لہٰذا منافق یہ اعتراض بھی کرتے تھے کہ آپؐ ان کی باتیں نقل کرنے والوں کی تصدیق کیوں کرتے ہیں؟ روایات میں یہ سب کچھ وارد ہے۔

اُذُنِ خیر کا مطلب!

منافقوں نے آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کو اُذُنٌ (کان) کہا جیسا کہ اوپر بیان ہوا، مطلب یہ کہ آپؐ ہر قسم کی بات (بقول منافقین) سننے والے تھے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کی ہر قسم کی باتیں سننے والے ہیں مگر تمہاری بھلائی کی خاطر۔ وہ وحیٔ الٰہی کو سننے والے ہیں اور اسے سُن کر پھر تم تک پہنچاتے ہیں اور اس میں تمہاری خیر اور فلاح ہے، تمہاری باتیں سنتے ہیں اور جانتے ہوئے بھی تم پر نفاق اور مکروفریب کا الزام نہیں عائد کرتے۔ مومنوں پر رحیم و کریم ہیں، شدت اور کھُردرے پن کا سلوک نہیں کرتے

Marfat.com

اللہ پر ایمان رکھتے ہیں، ایمانداروں کی بات مانتے ہیں، ان پر شفقت فرماتے ہیں اور بھروسہ رکھتے ہیں، ان کے لیے سراپا رحمت ہیں، مگر جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بے سبب اعتراضات کرتے اور الزام لگاتے ہیں۔ وہ آپ کو دکھ دیتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی غیرت کا تقاضا یہ ہے کہ ان کے لیے اس نے دردناک سزا تجویز فرمائی ہے۔

جھوٹی قسمیں کھانا منافقوں کا کام ہے

آیت: ۶۲ میں ارشاد ہوا ہے کہ:

"وہ تمہیں راضی کرنے کے لیے قسمیں کھاتے ہیں، حالانکہ اگر وہ ایمان دار ہیں تو اللہ اور رسولؐ اس بات کے زیادہ حق دار ہیں کہ یہ اُن کو راضی کریں۔"

منافق ہر زمانے میں قسمیں کھانے کے عادی ہوتے ہیں، یہ جو کچھ کرتے اور کہتے ہیں، بس پشت کرتے اور کہتے ہیں، سامنے آنے کی جرأت نہیں رکھتے۔ صراحت سے ڈرتے ہیں، لوگوں کے آگے جھکتے اور ذلیل و رسوا ہوتے ہیں تاکہ انہیں خوش رکھیں۔ لوگوں کے ہاتھ میں کیا ہے؟ اور اللہ کے سامنے ان کی قوت کس قدر ہے؟ مگر جو لوگ عادۃً اللہ پر ایمان نہیں رکھتے اور اُس کے سامنے سر نہیں جھکاتے، وہ اپنے جیسے انسانوں سے ڈرتے اور ان کے آگے گردن جھکاتے ہیں۔ بہتر تو یہ تھا کہ یہ لوگ اللہ کے آگے جھکیں جس کے سامنے سب مساوی ہیں اور جس کے سامنے سر جھکانے والے ذلت نہیں پاتے۔ ذلت وہ پاتے ہیں جو اللہ کے بندوں کے سامنے جھکیں۔ اللہ سے ڈرنے والے چھوٹے اور حقیر نہیں ہوتے۔ حقیر اور چھوٹے وہ ہیں جو اُس سے اعراض کریں، اور بندوں کے آگے جھکیں۔

عظیم رسوائی کن کے لیئے ہے؟

آیت: ۶۳ میں فرمایا ہے کہ:

"کیا ان کو علم نہیں کہ جو اللہ اور اس کے رسولؐ سے عداوت رکھے تو اس کے لیے جہنم کی آگ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا، وہ بڑی رسوائی ہے۔"

یہ سوال ڈانٹنے اور توبیخ کے لیے ہے، کیونکہ وہ لوگ ایمان کے مدعی تھے، اور جو ایماندار ہو وہ جانتا ہے کہ اللہ اور اس کے رسولؐ سے جنگ کرنا بہت ہی کبیرہ گناہ ہے، بندوں میں سے جو اس کا ارتکاب کرے جہنم اس کے انتظار میں ہے۔ سرکشی کی سزا ذلت و رسوائی ہے، اگر یہ ایماندار ہیں جس طرح کہ ان کا دعویٰ ہے تو پھر ان باتوں سے لاعلم کیونکر ہیں؟ بندوں سے ڈرتے ہیں اور انہیں راضی کرنے کے لیے قسمیں کھاتے ہیں، تاکہ ان کی لتاڑ سے بچے رہیں، تو خالقِ کائنات سے کیوں نہیں ڈرتے، حالانکہ وہ اس کے رسولؐ کو اذیت دیتے ہیں اور اس کے دین سے جنگ کرتے ہیں۔ یہ دراصل اللہ کے ساتھ جنگ ہے۔ معروف معنوں میں تو اللہ تعالیٰ اس سے بہت بلند ہے کہ کوئی اس سے جنگ کرے یا اس کا ارادہ کرے، لہٰذا ان کے فعل کی تقبیح کے لیے یہ فرمایا گیا ہے تاکہ اپنے کرتوت سے خوف کریں۔

Marfat.com

وہ اس قدر بزدل ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنوں کا سامنا نہیں کر سکتے، انہیں یہ خوف بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کا پردہ ظاہر کر دے گا۔ اور ان کی نیتوں پر اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مُطلع فرما دے گا۔ اس سلسلے میں اس سورت کی آیات ۶۴ ـــــــ ۶۶ یوں روشنی ڈالتی ہیں:

منافق ڈرپوک اور سازشی ہیں

"منافق ڈرتے ہیں کہ ان پر کوئی سورت اُترے جو ان کے دلوں کی بات پر اُن کو باخبر کرے۔ کہو کہ تم استہزاء کر لو، بلاشبہ اللہ ظاہر کرنے والا ہے جس سے تم ڈرتے ہو، اور اگر تو ان سے پوچھے تو کہیں گے کہ ہم تو صرف ہنسی مذاق کرتے تھے کہو کہ کیا اللہ کے ساتھ، اس کی آیات کے ساتھ اور اس کے رسولؐ کے ساتھ تم استہزاء کرتے تھے؟ تم معذرت مت کرو، تم نے ایمان کے بعد کفر کیا ہے۔ اگر ہم تمہارے ایک گروہ کو معاف کر دیں گے تو دوسرے گروہ کو عذاب دیں گے کیونکہ وہ لوگ مجرم تھے"

ان آیات کے شانِ نزول میں کئی روایات وارد ہوئی ہیں مگر یہ آیات عام ہیں اور ان کا مضمون یہ ہے۔ کہ منافقوں کی خباثت اور مکاری کے کھل جانے کا ان کو بہت زیادہ خوف ہے ہر منافق کا یہی حال ہوتا ہے کہ وہ جھوٹا، بزدل اور سازشی ہوتا ہے۔

آیات کے سببِ نزول کی روایات

ابو معشر مدینی نے محمد بن کعب قرظی وغیرہ سے روایت کی کہ انہوں نے کہا: ایک منافق کہنے لگا کہ ہمارے یہ قراء (یعنی قرآن کے عالم اور متعلم) میرے خیال میں پیٹ کے بہت لالچی اور زبان کے بہت جھوٹے ہیں۔ اور میدانِ جنگ میں یہ ہم سب سے بڑھ کر بزدل ہیں۔ یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچائی گئی تو وہ منافق آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا جب کہ آپؐ کوچ کے لیے اپنی اونٹنی پر سوار ہو چکے تھے، پس اس نے کہا کہ یا رسول اللہ! ہم تو فقط ہنسی مذاق کی باتیں کر رہے تھے، تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم اللہ کے ساتھ، اس کے رسولؐ کے ساتھ اور اللہ کی آیات کے ساتھ ٹھٹھا مخول کر رہے تھے؟ ...... مُجرمین تک۔ اس وقت اس منافق کے پاؤں پتھروں پر گھسٹ رہے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی طرف دیکھتے بھی نہ تھے۔ درانحالیکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار کے ساتھ چمٹا ہوا تھا۔

محمد بن اسحاق نے کہا کہ منافقوں کی ایک جماعت جن میں ودیعہ بن ثابت بھی تھا جو قبیلۂ بنی امیہ بن زید بن عمرو بن عوف میں سے تھا۔ (یہ قریش کا قبیلۂ بنی امیہ نہیں بلکہ ایک مدنی قبیلہ کا نام ہے!) اور ایک قبیلۂ اشجع کا آدمی جو بنو سلمہ کا حلیف تھا، اور اسے مخشی بن حمیر کہتے تھے، یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں چل رہے تھے، جب کہ آپؐ تبوک کی طرف جا رہے تھے، ان میں سے بعض نے بعض کو کہا کیا تمہارے خیال میں رومیوں کی جنگ عربوں کی باہمی جنگ کی مانند ہے؟ واللہ یوں نظر آتا ہے کہ کل تم سب زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہو گے۔ یہ بات انہوں نے بطورِ افواہ کہی اور مقصد مسلمانوں کو ڈرانا تھا۔

Marfat.com

مخشی بن حمیر نے کہا کہ واللہ مجھے یہ پسند ہے کہ ہم میں سے ہر ایک کو سو سو کوڑے لگانے کا فیصلہ کیا جائے، بجائے اس کے کہ ہمارے بارے میں قرآن میں کچھ نازل ہو جائے۔ محمد بن اسحاق نے کہا کہ مجھے خبر ملی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمار بن یاسر سے فرمایا کہ ان لوگوں سے جا کر ملو، وہ جل گئے ہیں، ان سے پوچھو کہ انہوں نے کیا کہا ہے؟ اگر وہ انکار کریں تو ان سے کہو کہ کیوں نہیں؟ تم نے فلاں فلاں بات کہی ہے؟ در یہ حضور کو بذریعہ وحی پتہ چل گیا تھا۔ پس عمار ان کی طرف گئے اور یہ بات اُن سے کہی، وہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور معذرت کرنے لگے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اونٹنی کو ٹھہرائے ہوئے تھے، ودیعہ بن ثابت نے اونٹنی کی مہار پکڑی ہوئی تھی اور کہہ رہا تھا: یا رسول اللہ ہم تو ہنسی مذاق کر رہے تھے مخشی بن حمیر نے کہا: یا رسول اللہ! مجھ کو تو میرا نام اور میرے باپ کا نام لے ڈوبا۔ اور اس آیت میں جس شخص کو معاف فرمایا گیا ہے۔ وہ یہی مخشی بن حمیر تھا۔ اس نے اپنا نام عبدالرحمٰن رکھ لیا اور اللہ سے دعا کی کہ اسے شہادت کی موت ملے مگر کسی کو اس کی لاش نہ مل سکے۔ پس وہ جنگِ یمامہ میں شہید ہوا، مگر اس کا نام و نشان کسی کو نہ مل سکا۔

ابن المنذر، ابن ابی حاتم اور ابو الشیخ نے قتادہ سے روایت کی ہے کہ اس نے کہا: اس اثناء میں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک کے سفر میں مصروف تھے۔ آپ کے آگے کچھ منافق لوگ تھے۔ انہوں نے کہا، کیا اس شخص کو یہ امید ہے کہ اس کے لیے شام کے محل اور قلعے فتح ہوں گے، ہرگز نہیں، ہرگز نہیں پس اللہ تعالےٰ نے جل جلالہ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پر مطلع کر دیا۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان سواروں کو روک لو۔ پھر آپ وہاں تشریف لائے اور فرمایا: تم نے فلاں فلاں بات کہی ہے؟ انہوں نے کہا: اے نبی اللہ ہم تو صرف ہنسی مذاق کر رہے تھے۔ پس اس واقعہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں اتاریں جو تم سنتے ہو۔ ان کی نظر میں گویا یہ بڑے بڑے مسائل جن کا تعلق عقیدۂ اسلام سے تھا، کھیل کود اور ہنسی مذاق کا ذریعہ تھے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ انہوں نے کفر کا کلمہ بولا ہے۔ ایمان کے دعوے کے باوجود کفر کا اظہار کیا ہے، جو توبہ کر لیں گے وہ تو خیر اپنی اصلاح آپ کر لیں گے، مگر جنہوں نے توبہ نہ کی وہ یقیناً عذاب کے مستوجب ہوں گے۔

منافقین کی حقیقت اور اُن کی بنیادی صفات

آیات: ۶۷ ———— ۶۸ میں منافقین کی حقیقت اور ان کی بنیادی صفات بیان کی گئی ہیں۔ فرمایا ہے:

"منافق مرد اور منافق عورتیں ایک دوسرے میں سے ہیں، برائی کا حکم دیتے ہیں اور نیکی سے منع کرتے ہیں، اور اپنے ہاتھ کھینچ لیتے ہیں۔ انہوں نے اللہ کو بھلایا تو اس نے ان کو بھلا دیا بلاشبہ منافق ہی فاسق ہیں۔ اللہ نے منافق مردوں، منافق عورتوں اور کافروں سے جہنم کی آگ کا وعدہ فرمایا جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ وہ ان کے لیے کافی ہے، اور اللہ نے ان پر لعنت فرمائی ہے، اور ان کے لیے دائمی عذاب ہے۔"

Marfat.com

منافقوں کی فطرت ، طینت اور طبیعت ایک ہے ، ہر زمانے اور ہر مکان کے منافق اپنے افعال و اقوال میں مختلف ہو سکتے ہیں ، مگر طبیعت و فطرت میں ایک ہیں ، یہ ایک ہی چشمے سے پھوٹے ہیں ، طبیعت کی بُرائی اور باطن کی کمینگی سب میں موجود ہے ۔ دسیسہ کاری ، سازش ، چھپ کر حملہ کرنا ، مقابلے سے گریز کرنا ، سامنے آنے سے بزدلی دکھانا ، یہ ان کی بنیادی صفات ہیں ۔ جہاں تک سیرت و عمل کا تعلق ہے تو وہ بے برائی کا حکم دینا اور نیکی سے روکنا ، مال میں بخل کرنا مگر ریا کاری میں علانیہ خرچ کرنا ، عیب چینی اور طعنہ بازی کیونکہ ان میں حالتِ امن کے سوا علانیہ کچھ کرنے کی جرأت نہیں ، انہوں نے اللہ کو بھلا دیا ہے ، صرف لوگوں کو اور مصلحت کو جانتے ہیں ، صرف قوی لوگوں سے ڈرتے ہیں ، ان کے سامنے ذلت و مدارت کرتے ہیں ، اللہ کے نزدیک یہ بے وزن ہیں ، اس نے انہیں بھلا دیا ہے ۔ وہ دنیا میں بھی ایسے ہی ہیں اور آخرت میں بھی ایسے ہی ہوں گے ، لوگ اُن کو ذلیل اور کمینہ جانتے ہیں کیونکہ اُن کے نزدیک تو طاقتور اور دلیر مردوں کی قدر ہوتی ہے نہ کہ ان جیسے بے قدر ، سازشی کمینوں کی ، دنیا میں وہ لوگ عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں جو اپنے افکار و خیالات اور عقائد کے پابند ہوں اور انہیں علانیہ بیان کر سکیں ، ظاہر ہے کہ منافقوں کی یہ خصلت با جرأت نہیں ہے ۔ دلیر اور قوی انسانوں کی جنگ اور صلح علی الاعلان ہوتی ہے ۔ وہ حق کے معاملے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتے ۔ برخلاف ان کے منافق لوگ اپنی خصلتوں اور قول و فعل میں اس کے برعکس ہوتے ہیں ، وہ فاسق ہیں ، ایمان سے خارج ہیں ، راستے سے منحرف ہیں ، ان کا انجام کفار کے انجام سے مختلف نہیں ہے ۔

منافقین کے اسلاف اور اُن کی صفات

نفاق کی فاسقانہ ، بزدلانہ ، سازشی ، منحرف ، گمراہ فطرت جدید نہیں ہے ۔ بلکہ انسانی تاریخ میں اس کے نظائر اور مثالیں موجود ہیں ۔ جن کو تاریخِ بشریت نے محفوظ رکھا ہے ، گزشتہ لوگوں نے اپنا انجام پا لیا تھا ، لہٰذا جدید دَور کے منافق بھی اپنے انجام کو ضرور پہنچیں گے ، گزشتہ منافق قوت ، اولاد ، مال میں موجودہ منافقوں سے زیادہ تھے ۔ پھر موجودہ منافق کس بات پہ ناز کرتے ہیں ؟ آیات ۶۸ ـــــ ۷۰ میں یہی مضمون بیان فرمایا گیا ہے :

" ان لوگوں کی مانند جو تم سے پہلے تھے ، وہ قوت میں تم سے شدید تر اور مال و اولاد میں بہت زیادہ تھے ، پس انہوں نے اپنے حصے سے فائدہ اٹھایا ، تم نے اپنے حصے سے فائدہ اٹھایا جس طرح کہ تم سے پہلوں نے اپنے حصے سے فائدہ اٹھایا ، اور تم نے بھی اسی طرح ہنسی مذاق کیا جس طرح انہوں نے کیا تھا ۔ وہی لوگ تھے جن کے اعمال دنیا و آخرت میں ضائع ہو گئے اور وہی لوگ خسارہ پانے والے تھے ۔ "

قوت اور مال و اولاد کا فتنہ

یہ جس فتنے کا ذکر ہوا ہے اس کا تعلق قوت اور مال و اولاد کے ساتھ ہے ، جن لوگوں کا دل سب سے

Marfat.com

بڑی قوت سے متصل ہو چکا ہو وہ اس عارضی دنیوی قوت کے مفتون نہیں ہوتے، کیونکہ وہ اس ذات کا خوف رکھتے ہیں جو سب سے قوی ہے، بلکہ یہ ہی قوت اس کی، اور جس کی بھی ہے اسی کی ہے اسی کی دی ہوئی ہے اور جب چاہے واپس لے لے۔ ایسے لوگ اپنی قوت کو اللہ کی اطاعت اور اس کے کلمہ کو بلند کرنے میں لگاتے ہیں۔ وہ مال و اولاد پر بھی مفتون نہیں ہوتے بلکہ ان چیزوں کے بخشنے والے کا ذکر کرتے اور اس کا شکریہ ادا کرتے ہیں، پھر اس کی نعمت کے شکریے پر حرص رکھتے ہیں۔ اور مال و اولاد کو اس کے شکر اور رضا میں خرچ کرتے ہیں، غرور و فخر اور تکبر کرنا مغرورین کا کام ہے جو غلط فہمی کا شکار ہوتے ہیں۔ وہ خدا کی زمین میں فتن و فجور کرتے ہیں، مال و دولت سے عیش و عشرت کرنے اور اسے چارپایوں کی مانند کھاتے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جن کے اعمال دنیا و آخرت میں باطل اور ضائع ہوئے یہ اعمال خودرو بوٹیوں کی مانند ہیں جن کی قسمت میں تباہی اور بربادی ہے، اور ایسے لوگوں کے لیے حقیقی خسارہ ہے۔

پہلی معذب قوموں کے احوال

آیت : ۷۰ میں غائب کے صیغے کے ساتھ ان مجرموں کو گزشتہ قوموں کے حالات اور انجام بتایا گیا ہے، اوپر خطاب کے صیغے تھے، یہاں غائب کا صیغہ ہے، اس کی علت سننے والوں کے تعجب کو ابھارنا ہے کہ ان لوگوں کے احوال پر حیرانی کا اظہار کرو۔ جو ہلاکت کی راہ پر چل رہے ہیں اور عبرت و نصیحت سے گریزاں ہیں فرمایا ہے :

> "کیا ان کے پاس ان سے پہلے لوگوں کی خبر نہیں آئی یعنی قوم نوح کی، عاد کی اور ثمود کی اور قوم ابراہیم کی اور مدین والوں کی اور جن کی بستیاں الٹ دی گئی تھیں ان کی۔ ان کے رسول ؑ ان کے پاس کھلی دلیلیں لے کر آئے، پس اللہ تو ان پر ظلم کرنے والا نہ تھا، لیکن وہ اپنے آپ پر خود ظلم کرتے تھے۔"

یعنی یہ اندھا دھند، بے سوچے سمجھے، ہلاکت کی راہوں پر بگ ٹٹ چلنے والے ذرا پہلی معذب قوموں کے احوال سے عبرت حاصل کریں، وہ قومیں بھی بالکل اسی راہ پر چلی تھیں جس پر یہ لوگ چل رہے ہیں قوم نوح ؑ تو طوفان میں غرق ہوئی، قوم عاد شدید تیز و تند ہوا کے طوفان کا شکار ہوئی، قوم ثمود کو چیخ سے ہلاک کیا گیا، قوم ابراہیم ؑ کے طاغی و باغی کو ذلت کی موت مارا گیا۔ مدین والے زلزلے کا شکار ہوئے، قوم لوط ؑ کی بستیاں الٹ دی گئیں۔

ہوش میں آؤ !

منحرف نفس کو قوت غرور و کبر کا شکار بنا دیتی ہے اور وہ نصیحت نہیں پاتا، نعمت اسے اندھا کر دیتی ہے اور وہ نہیں دیکھتا، ماضی کی نصیحت و عبرت سے وہ فائدہ اٹھاتے ہیں۔ جن کی بصیرت کی آنکھیں کھلی ہوں تاکہ وہ اللہ کی غیر متبدل سنت کا ادراک کریں، وہ سنت کسی انسان کا بھی لحاظ نہیں کرتی۔ بہت سے وہ لوگ جن کو دولت اور قوت دے کر آزمایا جاتا ہے، ان کی آنکھوں اور بصیرتوں پر پردے پڑ جاتے ہیں۔ وہ نہیں

دیکھتے کہ ان سے پہلے اتنے زبردست طاغیوں کا انجام کیا ہوا تھا، باغی کس طرح کیفر کردار کو پہنچے تھے۔ جب کسی باغی و طاغی قوم کا یہ حال ہو جائے، وہ بصیرت کے اس طرح اندھے ہو جائیں تو کلمۃ اللہ ان پر حق ثابت ہو جاتا ہے، اس وقت ان پر سنت اللہ جاری ہوتی ہے، اس وقت اللہ تعالیٰ انہیں اپنے غلبے اور قدرت کے ساتھ پکڑتا ہے۔ حالانکہ وہ اس وقت اپنی جنتوں میں غلطاں و پیچاں ہوتے ہیں۔ اپنی قوت پر نازاں ہوتے ہیں۔ اور اللہ ان کو اردگرد سے گھیر رہا ہوتا ہے۔ یہ غفلت، اندھا پن اور جہالت ہے، جس کو ہم دیکھتے ہیں کہ قوت، نعمت اور خوشحالی کے ساتھ آتی ہے، ایسے لوگوں کو ہر زمانے میں، ہر جگہ دیکھا جا سکتا ہے، مگر وہ جن پر اللہ تعالیٰ اپنے مخلص بندوں میں سے رحم فرمائے۔

مومن مرد اور مومن عورتیں!

منافقین کا حال اور ان کی بعض صفات کا ذکر فرما کر اگلی آیات ۷۱ —— ۷۲ میں مومنین صادقین کے حالات بیان فرمائے جاتے ہیں، ان کی کچھ صفات گنوائی جاتی ہیں، اور ان کا انجام ظاہر کیا جاتا ہے۔ فرمایا:

"اور مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے دلی خیر خواہ ہیں، نیکی کا حکم دیتے ہیں اور بدی سے روکتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرتے ہیں، وہی ہیں کہ جن پر عنقریب اللہ رحم فرمائے گا، بلاشبہ اللہ غالب ہے، صاحب حکمت ہے، اللہ نے مومن مردوں اور مومن عورتوں سے اُن باغوں کا وعدہ کیا ہے جن کے نیچے نہریں چلتی ہیں، وہ اُن میں ہمیشہ رہیں گے اور پاکیزہ مکانات کا وعدہ فرمایا ہے، ہمیشگی کے باغوں میں، اور اللہ کی رضا بہت بڑی ہے وہی بڑی کامیابی ہے۔"

بَعْضُهُمْ مِنْ بَعْضٍ اور بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ کا فرق

منافق مرد و عورتوں کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے: المنافقون والمنافقات بعضهم من بعض اور مومنوں کے متعلق فرمایا ہے: والمؤمنون والمؤمنات بعضهم اولیاء بعض۔ اب سوال یہ ہے کہ ان دو قسم کے الفاظ کا کیا مطلب ہے اور ان الفاظ نے فریقین کے کردار میں کیا فرق بیان کیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بعضهم من بعض کا مطلب تو یہ ہے کہ منافقوں کی فطرت و جبلت اور طبیعت ایک ہے اور بعضهم اولیاء بعض کا یہ مطلب ہے کہ مومن ایک دوسرے کے دلی خیر خواہ، ایک دوسرے کے لیے مخلص، ایک ہی اصولی جماعت کے افراد، ایک ہی کشتی کے سوار ہیں۔ ان میں باہم تعاون ہے، خلوص ہے، خیر خواہی اور ہمدردی ہے، اور یہ سب کچھ نیکی کی خاطر ہے۔ جب کہ منافقوں کی قدر مشترک کمینگی، بزدلی، لالچ اور شرارت ہے، اسی لیے بعضهم من بعض کا ترجمہ کیا جاتا ہے:

"ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے۔"

Marfat.com

اور بعضھم اولیاء بعض کا ترجمہ ہے :

"وہ ایک دوسرے کے دلی خیر خواہ ہیں"

گویا ایمانداروں میں ایک صحیح جماعت کی صفات ، امتِ مسلمہ کے خصائص ، وحدت کی فطرت باہمی کفالت و ضمانت کی طبیعت پائی جاتی ہے ، لیکن یہ کفالت و ضمانت نیکی کو پھیلانے اور برائی کو مٹانے کے لیے ہیں ۔ اور اسی مقصد کے لیے باہمی تعاون اور دلی خلوص اور خیر خواہی درکار ہے ۔

انہی صفات سے ایک امتِ واحدہ مسلم بنتی ہے

مومن جماعت کی جو صفات بیان ہوئی ہیں ان کے باعث یہ امت ایک صف بنتی ہے جس میں فرقت کے عوامل کارفرما نہیں ہوتے ۔ اگر خدانخواستہ کبھی تفریق کے عناصر پائے جائیں تو سمجھا جائے گا کہ اس میں اس کی فطرت کے خلاف کوئی بیگانہ عنصر آگھسا ہے ۔ جو اپنے عقیدے اور عمل سے اس جماعت میں تخریب کاری کرنا چاہتا ہے ۔ اس میں کوئی مرض ہے یا کوئی ایسی غرض ہے جو اس جماعت کی اصلی صفات کے خلاف ہے ، اس کے ساتھ ساتھ مسلم جماعت میں اقامتِ صلوٰۃ ، ایتاء زکوٰۃ اور اللہ و رسولؐ کی اطاعت کی صفات پائی جاتی ہیں ۔ یہ سب ارکان و عناصر اس جماعت کو ایک قوم ، ایک امت اور ایک دوسرے کے خیر خواہ بناتے ہیں ان کا عقیدہ ایک ہے ، چہرے سب کے ایک طرف ہیں ، مقصد سب کا ایک ہے ، قانونِ شرع ایک ہے اور راستہ اور منہج ایک ہے ۔ ان لوگوں سے رحمت کا وعدہ ، نہ صرف آخرت میں بلکہ دنیا میں بھی ، ان کا ہدف ایک ہے ۔ سبیل اور طریقہ ایک ہے ۔

مومنوں اور منافقوں کی متقابل صفات

مومنوں کی ان آیات میں یہ چار صفات بیان ہوئی ہیں : امر بالمعروف ، نہی عن المنکر ، اقامتِ صلوٰۃ ، ایتاء الزکوٰۃ ۔ ان کے برعکس منافقوں کی یہ صفات آئی ہیں ، بدی کا حکم دینا ، نیکی سے روکنا ، اللہ کو بھول جانا ، ہاتھ کھینچ لینا ، پھر مومنوں کے لیے رحمت کا لفظ فرمایا گیا جیسے کہ منافقوں کے لیے لعنت اور کفار کے لیے لعنت آئی ہے ۔ مومنوں کی انہی صفات پر اللہ تعالےٰ نے نصرت اور تمکین فی الارض کا وعدہ فرمایا ہے ۔ اسی طرح منافقوں اور کفار کے لیے عذابِ جہنم اور لعنت ہے تو مومنوں کے لیے سدا بہار جنتوں اور پاکیزہ مساکن کا وعدہ فرمایا گیا ہے ۔

رضائے خداوندی سب سے بڑی ہے

اہلِ ایمان کے لیے جن انعامات کا بیان فرمایا گیا ہے ، ان میں سے اللہ تعالیٰ کے اپنے ارشاد کے مطابق رضائے خداوندی سب سے بڑی چیز ہے ۔ جنت اور جو کچھ اس میں ہے وہ بھی رضائے الٰہی کا ہی ایک حصہ ہے اصل چیز یہی رضا ہے ۔ باقی جو کچھ ہے وہ اس کے ماتحت ہے ، اس کے آگے ہیچ ہے اور اس کی پرچھائیں میں گم ہے ۔ اور یہی فوزِ عظیم ہے ، جسے شہنشاہِ حقیقی کی رضا مل گئی اسے اور کیا چاہیے ؟ ہر چیز اسی میں آگئی ،

رضائے الٰہی کا ایک لمحہ ساری کائنات سے اعلیٰ و ارفع ہے۔ رضا کا یہی لمحہ وصالِ محبوبِ حقیقی کا وقت ہے اس لیے اسے فوزِ عظیم فرمایا گیا ہے۔

کفّار اور منافقین سے جہاد کرو

آیت: ۷۳ ——— ۷۴ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کفّار اور منافقین سے جہاد کا حکم دیا ہے اور فرمایا ہے کہ ان منافقوں نے کفر کا کلمہ بولا ہے اور اسلام کے بعد کفر کو اختیار کیا ہے ایک ایسے امر کا ارادہ کیا تھا جس میں ناکام رہے ہیں۔ یہ بھی بتایا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کی عداوت کا باعث کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

"اے نبی! جہاد کرو کافروں اور منافقوں کے ساتھ اور ان پر سختی کرو، ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ بُرا ٹھکانا۔ وہ قسمیں کھاتے ہیں کہ انہوں نے نہیں کہا، حالانکہ انہوں نے کلمہ کفر کہا ہے، اسلام کے بعد کافر ہوئے ہیں اور وہ ارادہ کیا تھا جو پا نہیں سکے، اور ان کی دشمنی کا باعث یہ ہے کہ انہیں اللہ نے اپنے فضل سے غنی کیا اور اس کے رسول نے، اگر وہ توبہ کریں تو ان کے لیے بہتر ہے اور اگر منہ پھیر لیں تو اللہ ان کو دردناک سزا دے گا۔ دنیا اور آخرت میں، اور زمین میں ان کا کوئی دلی خیر خواہ اور مددگار نہ ہو گا۔"

تنگ آمد بجنگ آمد

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منافقوں کے ساتھ بہت نرمی کی تھی، ان سے بہت چشم پوشی کر چکے تھے، ان کی بے شمار خطاؤں کو معاف فرمایا تھا .... ان سے بے شمار مواقع پر ان کی کارستانیاں کھل جانے کے باوجود درگزر فرمایا تھا۔ لیکن اب حلم انتہا کو پہنچ چکا تھا، نرمی آخر کو مجبوری تھی، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اب پچھلی روش ترک کر کے نیا اسلوب اختیار کیا جائے۔ اب اللہ تعالیٰ نے نصِ قرآنی میں ان کو کافروں کے ساتھ ملا دیا ہے۔ اور حکم دیا ہے کہ ہر دو فریق سے جہاد کرو اور نرمی کی روش چھوڑ کر اب شدّت کا طریقہ اختیار کرو۔ منافقوں سے اسلام اور اہلِ اسلام کو ناقابلِ بیان دکھ پہنچ چکے تھے۔ ذاتی طور پر انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت ستایا تھا، جھوٹے الزامات لگائے، جھوٹا پروپیگنڈا کیا، دشمنوں سے مل کر آپؐ کے خلاف تدابیر سوچیں، امّ المؤمنینؓ پر بہتان لگایا، ہر موقع پر خم ٹھونک کر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آ کھڑے ہوئے، مگر آپؐ نے ہمیشہ رحمت و شفقت کا سلوک کیا، لیکن تابکے؟ نرمی اور شدّت کے مواقع ہوتے ہیں، اور جب نرمی کی مدت ختم ہو جائے تو لازماً شدّت پر عمل کرنا پڑتا ہے۔ جب صلح و صفائی کا عہد گزر جائے تو مقابلہ میں نکلنا ہی پڑتا ہے۔ تحریک کے کئی مرحلے اور منہج کے کئی تقاضے ہوتے ہیں۔ بعض دفعہ نرمی دکھ کا باعث بنتی ہے اور کبھی شدّت کفر کا سبب ہوتی ہے اس جگہ بڑا اہم سوال یہ ہے کہ منافقوں پر غلظت اور جہاد کیسے ہو گا؟ آیا اسلحہ کے ساتھ ہو گا جیسا کہ علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور اسی کو امام ابن جریر طبری نے اختیار کیا ہے۔ یا آیا یہ جہاد اور شدّت معاملے اور سلوک میں ہو گا، اور ان کے خفیہ رازوں کو کھول کر انہیں ننگا کرنے سے ہو گا؟ یہ ابن عباسؓ سے مروی ہے اور واقعہ یہ ہے

Marfat.com

کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منافقوں کو قتل نہیں کرایا، جیسا کہ ابھی آگے آتا ہے۔ لہٰذا اس باب میں ابن عباسؓ کی رائے اصوب اور قرینِ قیاس ہے۔

کلمۂ کفر، اسلام کے بعد کفر اور ھمّوا بما لم ینالوا

آیت ۷۴ میں جو کچھ فرمایا گیا ہے یہ دراصل مختلف واقعات میں منافقوں کے افعال و اعمال اور خلافِ اسلام حرکات کی طرف اشارے ہیں۔ یہ سب کچھ ایک بار نہیں ہوا، بلکہ مختلف مواقع پر مختلف جگہوں اور وقتوں میں ہوا تھا۔ تفسیر و حدیث کی روایات میں بعض خاص واقعات کی حد بندی بھی پائی جاتی ہے۔

قتادہؒ کا قول ہے کہ یہ آیت عبداللہ بن ابی کے متعلق اتری تھی۔ ایک جُہنی اور ایک انصاری لڑ پڑے اور جُہنی انصاری پر غالب آگیا، عبداللہ نے انصاری سے کہا: کیا تم اپنے بھائی کی مدد نہیں کرتے؟ واللہ ہماری اور محمدؐ کی مثال یوں ہے، جیسے کسی کہنے والے کا قول ہے کہ: اپنے کتے کو موٹا کرو تو وہ تمہیں کھا جائے گا، اور کہنے لگا کہ اگر ہم مدینہ واپس گئے تو عزت والے ذلیلوں کو نکال باہر کریں گے۔ مسلمانوں میں سے ایک شخص نے یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جا بتائی، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے بُلا بھیجا، آپؐ نے جب پوچھا تو وہ لگا قسمیں کھانے کہ واللہ میں نے یہ بات نہیں کی، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

امام ابن جریرؒ طبری نے اپنی سند کے ساتھ ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک درخت کے نیچے تشریف فرما تھے، فرمایا کہ ابھی تمہارے پاس ایک انسان آئے گا، جو شیطانی آنکھ سے تمہاری طرف دیکھے گا۔ جب وہ آئے تو اس سے بات مت کرو، تھوڑی ہی دیر میں ایک نیلا آدمی آیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بلایا اور فرمایا: تو اور تیرے ساتھی مجھ کو گالیاں کیوں دیتے ہو؟ وہ شخص گیا اور اپنے دوستوں کو لایا، انہوں نے اللہ کی قسمیں کھائیں کہ ہم نے یہ باتیں نہیں کہیں، آپؐ نے ان سے درگزر فرمایا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری:

"وہ قسمیں کھاتے ہیں کہ انہوں نے نہیں کہا"........ الخ

عروہؒ بن زبیر وغیرہ سے مروی ہے کہ یہ آیت جلاس بن سوید بن الصامت کے بارے میں اُتری تھی، اس کی بیوی کا ایک پہلے خاوند سے بیٹا تھا، جس کا نام عمیر بن سعد تھا، جلاس بولا کہ: اگر وہ بات برحق ہے جو محمدؐ لے کر آئے ہیں تو ہم اپنے ان گدھوں سے بھی بدتر ہیں جن پر کہ ہم سوار ہیں۔ عمیرؓ نے کہا: اے جلاس! واللہ تو مجھے سب لوگوں سے زیادہ پیارا ہے اور میری خاطر بہت تکلیف اٹھانے والا ہے، میں نہیں چاہتا کہ تجھے کوئی ناپسندیدہ مصیبت آئے۔ اور تو نے یہ ایک ایسی بات کہی ہے کہ اگر میں اسے بیان کروں تو مجھے رسوا کر دے گی اور اگر چھپاؤں تو ہلاک کر دے گی۔ اور پہلی بات میرے لیے دوسری سے بہت ہلکی ہے۔ پس اُس نے یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتا دی، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دریافت کرنے پر وہ کہنے لگا کہ میں نے نہیں کہی، اور قسمیں کھانے لگا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں۔ جلاسؓ نے کہا کہ میں نے یہ بات کہی تھی، اور اللہ تعالیٰ نے میرے سامنے توبہ رکھی ہے اور میں توبہ کرتا ہوں، پس اس کی توبہ قبول کر لی گئی۔

Marfat.com

مگر ھمّوا بما لم ینالوا کا مطلب کیا ہے؟

بہت سی روایات بتاتی ہیں کہ اس سے مراد وہ بُرے ارادے ہیں جن کے پورا کرنے کی کوشش منافقین نے جنگِ تبوک سے واپسی پر کی تھی، یہ ارادہ (معاذ اللہ منہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا تھا ہم ان میں سے ایک روایت کو یہاں بیان کرتے ہیں۔

امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی سند کے ساتھ ابو الطفیلؓ سے روایت کی ہے کہ: جب رسول اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک سے واپس ہوئے تو ایک پکارنے والے نے پکار کر کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم درّے سے گزر رہے ہیں کوئی شخص وہاں سے نہ جائے۔ حذیفہؓ آپؐ کی سواری کے آگے تھا اور عمارؓ پیچھے تھا جو آپؐ کی سواری کو ہانک رہا تھا۔ اچانک کچھ لوگ نقاب پوش اونٹوں پر سوار آئے اور انہوں نے عمارؓ کو گھیر لیا، عمارؓ ان کی سواریوں کے چہروں پر ضرب لگاتا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حذیفہؓ سے فرمایا: ٹھہرو ٹھہرو۔ حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اونٹنی سے نیچے اتر آئے اور عمارؓ واپس آیا۔ آپؐ نے فرمایا: اے عمارؓ! کیا تو نے ان لوگوں کو پہچان لیا ہے؟ عمارؓ نے کہا کہ میں نے زیادہ تر اونٹ پہچانے ہیں اور یہ لوگ ڈھاٹے باندھے ہوئے تھے حضورؐ نے فرمایا: کیا تجھ کو معلوم ہے ان کا ارادہ کیا تھا؟ اس نے کہا کہ اللہ اور اس کا رسولؐ ہی زیادہ جانتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ ان کا ارادہ یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری کو ڈرا دیں اور انہیں نیچے گرا دیں۔ راوی نے کہا کہ پھر عمارؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے ایک شخص سے یہ پوچھا کہ میں تجھے اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ تیرے علم میں یہ درّے والے کتنے تھے؟ اس نے کہا: چودہ آدمی تھے۔ عمارؓ نے کہا کہ اگر تو بھی ان میں سے تھا تو پھر وہ تو پندرہ تھے۔ ابو الطفیلؓ نے کہا کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے تین اشخاص کو شمار کیا جنہوں نے یہ کہا تھا کہ واللہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے منادی کرنے والے کی منادی نہیں سُنی اور نہ ہمیں یہ معلوم تھا کہ ان لوگوں کا ارادہ کیا تھا، عمارؓ نے کہا: کہ باقی ۱۲ شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا و آخرت میں دشمن تھے، میں اس کی گواہی دیتا ہوں۔

یہ حادثہ ان لوگوں کے باطنی اسرار اور اندرونی ارادوں کو ظاہر کرتا ہے، اور چاہے یہ ہو یا اس جیسی کوئی اور چیز ہو، جو اس آیت سے مراد ہے۔ یہ بات بڑی عجیب ہے کہ ان لوگوں کے دلوں میں اس قسم کا ارادہ ہو جو صریح خیانت ہے، اور یہ آیت کہتی ہے کہ ان کے اس فعل کا کوئی سبب نہیں نظر آتا، شائد یہ سبب ہو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے انہیں غنی کر دیا تھا اور اس کے رسولؐ نے ان کو مال و دولت سے نوازا تھا، گویا آیت تعجب کے انداز میں یہ کہہ رہی ہے کہ اسلام نے تمہارا کچھ نہیں بگاڑا، پھر حیرت ہے تم نے یہ عداوت کیوں اختیار کی؟

توبہ کا موقع ابھی باقی ہے!

"پھر اگر یہ توبہ کر لیں تو ان کے لیے بہتر ہے، اور اگر منہ پھیر لیں تو اللہ ان کو دنیا و آخرت میں دردناک سزا دے گا۔ اور زمین میں ان کا کوئی خیر خواہ اور مددگار

Marfat.com

نہ ہوگا۔

(اور آخرت میں تو اس کا سوال ہی خارج از بحث ہے) یہ آیت : ۷۴ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اس سب کچھ کے بعد بھی توبہ کا دروازہ کھلا ہے، جو اپنی خیر چاہے وہ اس کھلے دروازے میں داخل ہو جائے اور جو اپنے ٹیڑھے راستے پر ہی چلنا چاہے تو اس کا انجام بھی معلوم ہے۔

منافقین کا ایک اور نمونہ

آیات : ۷۵ ——— ۷۸ میں منافقوں کی ایک اور قسم کا بیان ہے :

"اور ان میں سے بعض نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ اگر وہ ہمیں اپنے فضل میں سے عطا کرے گا تو ہم ضرور صدقہ کریں گے اور ضرور نیکوں میں سے ہو جائیں گے، پھر جب اللہ نے ان کو اپنا فضل دیا (مالدار ہو گئے) تو اس میں بخل کرنے لگے اور منہ پھیر کر چلے گئے۔ بس ان کے دلوں میں نفاق ڈال دیا اس دن تک جب کہ وہ اس سے ملیں گے، کیونکہ انہوں نے اللہ سے کیئے ہوئے وعدے کی خلاف ورزی کی تھی اور اس لیے کہ وہ جھوٹ بولتے تھے۔ کیا ان کو معلوم نہیں کہ اللہ ان کا بھید اور ان کی سرگوشی جانتا ہے، اور یہ کہ اللہ تعالے پوشیدگیوں کا خوب عالم ہے۔"

منافق ویسے تو بالعموم سب کے سب، لیکن بالخصوص یہ قسم جو ان آیات میں بیان ہوئی ہے، درہم و دینار کی غلام اور بخیل ہے۔ ایسے لوگ فقر و محتاجی کے دور میں کچھ اور وعدے کرتے ہیں اور جب کچھ مال مل جائے تو ان کے خیالات اور اعمال کا کانٹا یکسر تبدیل ہو جاتا ہے۔ وعدہ شکنی، جھوٹ، فریب، بخل اور دولت پرستی مل جل کر ایسے لوگوں کے نفاق کو پختہ کر دیتی ہے اور پھر ان کی واپسی کی امید نہیں رہتی۔ اللہ تعالی کے خاص فضل و کرم اور رحمت کی نگرانی کے بغیر نفسِ انسانی ضعیف اور لالچی ہے۔ یہ نفس تب آباد ہوتا ہے، جب کہ اس میں ایمان پختہ ہو جائے، تب پاک ہوتا ہے جب کہ بخل کے بجائے اس میں تقویٰ اور ایمان جاگزیں ہو جائے۔ ایسی صورت میں اس کا مطمح نظر بلند ہو جاتا ہے۔ امید اللہ تعالی کی رضا سے متعلق ہو جاتی ہے۔ دل ایمان سے مطمئن ہو جاتا ہے۔ لہٰذا وہ فقر سے خوف نہیں کھاتا کیونکہ اسے معلوم ہو جاتا ہے کہ دنیا کی ہر شئے فانی ہے باقی صرف اللہ ہے۔ لوگوں کے پاس جو کچھ ہے وہ خرچ ہو جاتا ہے۔ اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ باقی رہتا ہے یہ ایمان اس کو بخوشی انفاق فی سبیل اللہ پر ابھارتا ہے۔ اور وہ بخوشی ہلکا ہونے اور رضائے مولا کی خاطر مال خرچ کرتا ہے اور وہ انجام پر مطمئن ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ اگر مال خرچ ہو جائے تب بھی وہ بے خوف ہوتا ہے کہ اللہ کے پاس جو اجر ہے وہ عظیم تر ہے۔

بخل اور حرص و طمع لازمۂ نفاق ہے

جب دل ایمانِ صحیح سے خالی ہو تو جب بھی اسے انفاق یا صدقہ کی دعوت دی جائے، اس میں فطری لالچ جوش مارتا ہے۔ فقر کا خوف اسے خرچ سے روکتا ہے، پھر وہ اپنی حرص اور خوف کا قیدی بنا رہتا ہے، اور اسے

Marfat.com

امن و قرار نصیب نہیں ہوتا۔ اور جو شخص اللہ سے عہد کر کے اسے توڑتا ہے، اور جو اللہ پر جھوٹ بولتا ہے وہ وعدہ وفائی سے گریز کرتا ہے، ایسے شخص کا دل نفاق سے سالم نہیں ہوتا۔ حدیث صحیح میں ہے کہ: منافق کی تین علامتیں ہیں، جب بات کرے تو جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے تو توڑ دے اور جب اس کو امانت دی جائے تو اس میں خیانت کرے۔ یہی سبب ہے کہ وعدہ خلافی ان لوگوں کے دلوں میں نفاق کو پختہ کر دیتی ہے۔ اور یہ نفاق ایک دائمی بیماری بن جاتی ہے۔

وعدہ خلافی نفاق پیدا کرتی ہے

یہی سبب ہے کہ اس ٹولے کے دل میں نفاق پختہ ہو جاتا ہے، آیت: ۷۷ میں ارشادِ الٰہی ہے:

"پس اللہ نے ان کی وعدہ خلافی کے باعث اُس نے ان کے دلوں میں دائمی نفاق پیدا کر دیا جو ہمیشہ رہے گا اور ان کے جھوٹ کے سبب سے بھی۔"

ان کا بھید اور سرگوشی اللہ کو معلوم ہے

آیت: ۷۸ کا ارشاد ہے کہ:

"کیا وہ جانتے نہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے بھید کو اور ان کی سرگوشی کو جانتا ہے اور یہ کہ اللہ سب چھپی چیزوں کو خوب جاننے والا ہے۔"

ایمان کے مدعی ہونے کے سبب انہیں کم از کم اللہ تعالیٰ کی صفتِ علم پر اتنا تو یقین ضرور ہونا چاہیے تھا کہ وہ اس ذاتِ والا صفات کو علام الغیوب مانتے۔ اور جب ان کا یہ ایمان ہے تو پھر اسلام اور اہلِ اسلام کے خلاف خفیہ سازشیں اور سرگوشیاں کیوں کرتے ہیں؟ کیا ان کا یہ خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ اور تو سب کچھ جانتا ہے مگر ان کی حرکات و سکنات کو اور ان کی سرگرمیوں کو نہیں جانتا!

ان چار آیات کا شانِ نزول

ان آیات کے شانِ نزول میں کئی روایات وارد ہیں جن میں سے ہم ابن جریر اور ابن ابی حاتم کی روایت جو ان کی سند کے ساتھ ابو امامہ باہلی سے مروی ہے، درج کرتے ہیں۔ ثعلبہ بن حاطب انصاری نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ آپ اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیں کہ وہ مجھے مال بخشے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اے ثعلبہ تیرا برا ہو، تھوڑا مال بہتر ہے، جس کا تو شکر یہ ادا کر سکے، بہ نسبت اس زیادہ مال کے جس کے شکر یے کی تجھ میں طاقت نہ ہو۔" دوسری بار اس نے پھر یہی کہا تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تو اس پر راضی نہیں کہ اللہ کے نبی کی مثل ہو جائے (کہ حسبِ ضرورت تجھے مال ملے) پس اس خدا کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اگر میں چاہوں تو میرے ساتھ سونے چاندی کے پہاڑ چلیں (مگر میں پھر بھی ایسا نہیں چاہتا!) اس نے کہا کہ اس خدا کی قسم جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا، اگر آپ اللہ سے دعا فرمائیں اور وہ مجھ کو مال بخشے تو میں ہر حقدار کا حق ادا کروں گا اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی کہ: اے اللہ! ثعلبہ کو مال عطا کر۔ ابو امامہؓ نے کہا کہ ثعلبہ نے

Marfat.com

بھیڑ بکریاں ہیں تو وہ کیڑوں مکوڑوں کی طرح بڑھیں، اور مدینہ میں نہ سما سکیں، وہ وہاں سے نکل کر مدینہ کی ایک وادی میں جا بسا، حتیٰ کہ ظہر و عصر کی نمازیں جماعت سے پڑھتا اور باقی (باجماعت پڑھنا) چھوڑ دیتا۔ (یا بالکل ترک کر دیتا تھا!) پھر اس کا مال اور بڑھا۔ اور کثیر ہو گیا۔ حتیٰ کہ اس نے جمعہ کے سوا سب نمازیں ترک کر دیں (غالباً باجماعت نہ پڑھنا مراد ہے!) اس کی بھیڑ بکریاں کیڑوں کی مانند بڑھ رہی تھیں۔ حتیٰ کہ اس نے جمعہ بھی ترک کر دیا۔ اور آمد و رفت والے سواروں سے جمعہ کے دن پوچھنے لگا کہ مدینہ کی خبریں بتاؤ۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ثعلبہ کا کیا حال ہے! لوگوں نے کہا: یا رسول اللہؐ! اس نے بھیڑ بکریاں پالی تھیں اور وہ مدینہ میں نہیں سما ئیں پھر لوگوں نے اس کا سارا حال کہہ سنایا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ثعلبہ پر افسوس! ثعلبہ پر افسوس! ثعلبہ پر افسوس! اور اللہ جل ثنائہ نے یہ آیت اتاری: اُن کے مالوں سے صدقہ وصول کرو۔ اور صدقہ کے فرائض نازل ہوئے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں میں سے دو شخص صدقہ وصول کرنے کے لیے روانہ فرمائے۔ ایک شخص جُہینہ سے تھا اور دوسرا بنی سُلیم سے تھا۔ اور انہیں صدقے کا حساب لکھ کر دیا کہ مسلمانوں سے کس طرح صدقہ وصول کریں۔ اور اُن سے فرمایا: تم دونوں ثعلبہ پر گزرو اور بنی سُلیم کے فلاں شخص پر، اور ان دونوں سے صدقات وصول کرو، وہ دونوں نکل کر ثعلبہ کے پاس گئے اور اس سے صدقہ طلب کیا اور اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خط پڑھوایا۔ وہ کہنے لگا: یہ تو جزیہ ہے۔ یہ تو جزیہ کی بہن ہے۔ مجھے نہیں معلوم کہ یہ کیا ہے۔ تم جاؤ اور فارغ ہو کر میرے پاس آنا۔ اور ان کے آنے کی خبر اُس سُلمی شخص نے سُنی تو اس نے اونٹوں میں سے بہتر بن عمر کے اونٹ نکالے اور ان کو صدقہ کے لیے الگ کر لیا اور انہیں لے کر ان دونوں کا استقبال کیا۔ جب انہوں نے وہ اونٹ دیکھے تو کہنے لگے کہ تجھ پر یہ فرض نہیں ہیں۔ ہم تجھ سے یہ نہیں لینا چاہتے اس نے کہا کہ نہیں تم یہی لے لو۔ میں دل کی خوشی سے دیتا ہوں، انہوں نے اس سے وہی لے لیے، پھر وہ اور لوگوں کے پاس گئے اور ان سے صدقات لیے۔ پھر وہ ثعلبہ کے پاس گئے تو اس نے کہا کہ مجھے اپنا خط دکھاؤ، اسے پڑھ کر پھر وہی کہا کہ یہ تو جزیہ ہے، یہ تو جزیہ کی بہن ہے۔ تم جاؤ میں اپنے بارے میں سوچوں گا، وہ دونوں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا پہنچے۔ جب آپؐ نے انہیں دیکھا تو فرمایا: افسوس ثعلبہ کی بربادی پر، قبل اس کے کہ وہ آپؐ سے بات کریں اور آپؐ نے سُلمی کے لیے برکت کی دعا فرمائی۔ ان دونوں نے آپؐ کو ثعلبہ اور اُس سُلمی کے بارے میں بتایا، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری: ومنھم من عاھد اللہ لئن آتانا من فضلہ لنصدقن۔ الآیہ۔ اور اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ثعلبہ کے اقارب میں سے ایک شخص تھا، اس نے وہ سب کچھ سُن لیا اور وہ ثعلبہ کے پاس گیا اور بولا: اے ثعلبہ! تیرا بُرا ہو، اللہ تعالیٰ نے تیرے متعلق فلاں آیت اتاری ہے، جس کا یہ اور یہ مضمون ہے۔ پس ثعلبہ نکلا حتیٰ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور آپؐ سے سوال کیا کہ اس کا صدقہ قبول کریں۔ حضورؐ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھ کو تیرا صدقہ قبول کرنے سے روک دیا ہے۔ پس وہ اپنے سر پر مٹی ڈالنے لگا، آپؐ نے اس سے فرمایا: یہ تیرا ہی کیا دھرا ہے۔ میں نے تجھے حکم دیا تھا مگر تو نے میری بات نہ مانی۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا صدقہ قبول کرنے سے انکار فرمایا تو وہ اپنے مسکن پر واپس چلا گیا۔

Marfat.com

خسر الدنیا والآخرۃ

پھر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات واقع ہو گئی اور آپؐ نے اس سے کچھ بھی قبول نہ فرمایا تھا، پھر وہ حضرت ابو بکرؓ کے پاس گیا، اس وقت وہ خلیفہ تھے، اس نے کہا کہ آپؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں میرا درجہ معلوم ہے۔ اور انصار میں میرا مقام بھی جانتے ہیں، تو میرا صدقہ قبول فرمائیے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ تیرا صدقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول نہیں فرمایا تھا، پھر ابو بکرؓ کی وفات کے بعد عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو ثعلبہ آپؓ کے پاس گیا اور کہا: اے امیر المؤمنین میرا صدقہ قبول فرمائیے۔ انہوں نے فرمایا کہ تیرا صدقہ نہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرمایا تھا نہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے، میں تیرا صدقہ کیسے قبول کر لوں؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات تک اس کا صدقہ قبول نہ فرمایا۔ پھر جب عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو ثعلبہ آپؓ کے پاس گیا اور کہا: میرا صدقہ قبول فرمائیے۔ انہوں نے فرمایا: اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول نہ فرمایا، حضرات ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما نے قبول نہ فرمایا، میں تجھ سے کیسے قبول کر لوں پس حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی قبول نہ کیا پھر ثعلبہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت میں ہی ہلاک ہو گیا۔

ثعلبہ کے ساتھ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سلوک کا باعث

یہ واقعہ خواہ ان آیات کے نزول کا سبب ہو یا نہ ہو، نص بہر حال عام ہے۔ وہ ایک عام حالت اور ایک مکرر نمونہ پیش کرتی ہے کہ جن کا ایمان پختہ نہ ہو ان کے نفوس کا کیا عالم ہوتا ہے، اور ان میں ایمان و یقین جاگزیں نہیں ہوتا، اور یہ روایت اگر اس بارے میں صحیح ہے کہ اس حادثے کا تعلق نزولِ آیات کے ساتھ تھا تو ماننا پڑے گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جانتے تھے کہ عہد شکنی اور اللہ پر جھوٹ بولنا ہی ان لوگوں کے دلوں میں نفاق کے متمکن ہونے کا سبب تھا، اور اسی لیے آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا صدقہ قبول نہ فرمایا، آپؐ کا یہ سلوک ثعلبہ کے بارے میں اس خاص علم کی بناء پر تھا، شریعت کے مطابق ظاہری احوال پر نہ تھا۔ یہ علم آپؐ کو بذریعۂ وحی حاصل ہوا تھا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سلوک ثعلبہ کے ساتھ ایک تادیبی کارروائی کے طور پر تھا۔ آپؐ اسے مرتد مان کر ارتداد کی سزا نہیں دیتے تھے۔ اور بظاہر شریعت کے مطابق مسلم مان کر اس کی زکوٰۃ بھی قبول نہ فرماتے تھے۔ یہ خاص سلوک علم یقینی کی بنا پر تھا۔

پھر اس واقعہ سے یہ بات بھی کھل جاتی ہے کہ پہلے مسلمان صدقہ و زکوٰۃ کو کیا سمجھتے تھے، وہ اس کی قبولیت کو انعامِ خداوندی جانتے تھے، اگر حکومت کسی سبب سے قبول نہ کرتی تو وہ اسے خدائی عتاب اور سزا تصور کرتے زکوٰۃ کی قبولیت ان کے عقیدے میں باعثِ تطہیر ہوتی تھی، جس طرح کہ اس آیت نے بتایا ہے؛ خذ من اموالھم صدقۃ تطھرھم و تزکیھم بھا۔ وہ اسے غنیمت جانتے تھے نہ کہ تاوان، اور یہی فرق ہے الٰہی فریضے میں اور حکومت کے لگائے ہوئے ٹیکس میں۔

Marfat.com

منافقین نے صدقہ وزکوٰۃ کو کیا سمجھا تھا؟

پس زکوٰۃ وصدقات کے بارے میں مؤمنینِ مخلصین اور منافقین کا یقین وایمان الگ الگ تھا ذیل کی آیت کا مضمون اس بارے میں وضاحت کرتا ہے:

"وہ لوگ جو مومنوں میں سے بخوشی زکوٰۃ دینے والوں کی عیب چینی کرتے ہیں، اور اُن لوگوں کی جو صرف اپنی محنت مزدوری پاتے ہیں اور اُن سے تمسخر کرتے ہیں، اللہ ان کے تمسخر کا جواب دے گا، اور ان کے لیے دردناک سزا ہے۔" (آیت: ۷۹)

اس آیت کے شانِ نزول میں جو قصہ مروی ہے وہ بتاتا ہے کہ منافق لوگ انفاق فی سبیل اللہ اور انسانی نفس میں اس کے باعث کے بارے میں کیا سوچتے تھے۔ چنانچہ ابن جریر نے کئی طریقوں کے ساتھ بالفاظ مختلفہ یہ بات بیان کی ہے کہ غزوۂ تبوک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انفاق فی سبیل اللہ پر لوگوں کو ابھارا۔ عبدالرحمٰن بن عوف چار ہزار لائے اور کہا: یارسول اللہ میرا مال آٹھ ہزار ہے، میں نصف لے آیا ہوں اور نصف روک لیا ہے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تجھے برکت دے اُس میں بھی جو تو نے روکا اور اس میں بھی جو تو نے دیا۔ اور ابوعقیل ایک صاع کھجور لایا اور بولا: یارسول اللہ مجھ کو دو صاع کھجوریں ملی تھی، ایک صاع کو میں اپنے رب کی خدمت میں پیش کرتا ہوں اور ایک صاع اپنے عیال کے لیے روک لی ہے۔ منافقوں نے ان دونوں حضرات کے متعلق کہا کہ: ابن عوف نے تو جو کچھ دیا ہے، بطورِ ریاکاری دیا ہے، اور ابوعقیل کی ایک صاع کھجور سے کیا اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول غنی نہیں تھے؟

دوسری روایات میں ہے کہ ابوعقیل جو رات بھر مزدوری کرتا رہا تھا اور ایک صاع کھجور لایا تھا اس کے متعلق منافقین نے کہا تھا کہ یہ شخص تو صرف اپنا احسان جتانے کو لایا ہے، وہ مومن جو دل کی رضا اور خوش دلی کے ساتھ صدقہ لاتے تھے منافقین کے اقوال ان کے بارے میں اسی طرح کے ہوتے تھے۔ وہ ان کے اطمینانِ ضمیر اور رغبتِ نفس پر طعن کرتے تھے۔ مومن تو حسبِ توفیق شاملِ جہاد ہونا چاہتے تھے، مگر منافقین کے پیشِ نظر محض اعتراض عیب جوئی بطور طعنہ زنی جیسے رذائل ہوتے تھے۔ وہ اُس خلوص، نیک نیتی اور شرحِ صدر کو نہیں پہنچ سکتے تھے جو مومنوں کو نیکی اور انفاق پر اُبھارتا تھا۔ ان کے مُردہ ضمیر اس احساسِ ضمیر سے خالی تھے جو مومن کو نیکی کی ترغیب دیتا ہے۔ ان کے نزدیک طیبِ خاطر نامی کوئی شئیِ انسانی ضمیر میں نہیں ہے، یہی سبب ہے کہ وہ زیادہ مقدار لانے والے کو ریاکاری کا طعنہ دیتے تھے اور کم لانے والے کو یہ الزام دیتے تھے کہ یہ اپنے نفس کی بڑائی ثابت کرنا چاہتا ہے۔ زیادہ دینے والے پر اس لیے اعتراض کرتے تھے کہ یہ زیادہ خرچ کرتا ہے۔ اور کم خرچ کرنے والے پر یہ اعتراض تھا کہ یہ کم دیتا ہے، اس کے چندے کی اللہ ورسول کو کیا ضرورت تھی؟ ان کی طعنہ زنی اور عیب چینی سے کوئی شخص بھی بچ نہ سکتا تھا اور اپنا حال ان کا یہ تھا کہ گھروں میں بیٹھے تھے، ہاتھ سمیٹے ہوئے ہیں، لالچی، حریص اور بخیل ہیں۔ اگر کبھی کچھ دیتے بھی ہیں تو ایک بار دے کر سو بار اعتراض کرتے ہیں، ان کے مسخرے پن اور ٹھٹھے بازی کا اللہ تعالیٰ ان کو جواب دے گا۔

Marfat.com

ان کے لیے استغفار بیکار ہے !

آیت : ۸۰ میں فرمایا ہے کہ :

"ان کے لیے بخشش مانگ یا بخشش نہ مانگ ، اگر تو ان کے لیے ستر بار بخشش مانگے تو بھی اللہ تعالےٰ ان کو ہرگز نہ بخشے گا۔ یہ اس لیے کہ انھوں نے اللہ اور اس کے رسولؐ سے کفر کیا ، اور اللہ تعالےٰ فاسق لوگوں کو راہ نہیں دیتا "

یعنی ان طعنہ زن منافقوں کا انجام فیصلہ شدہ ہے ، لہٰذا اب تبدیل نہ ہو گا۔ یہ وہیں جائیں گے جہاں کے حق دار ہیں یعنی جہنم میں ، جب اللہ ان کو بخشے گا ہی نہیں (یعنی بحالتِ نفاق ، بہ سببِ نفاق) تو استغفار کا کیا فائدہ ہے ؟ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لیے استغفار کرتے تھے کہ شائد یہ ایمان کی طرف پلٹ آئیں ، آپؐ سے فرمایا گیا ہے کہ یہ نہیں پلٹیں گے ، لہٰذا ان کے لیے بخشش کی دعا بیکار ہے ۔ اس دعا کے لیے کم از کم ایمانِ صحیح درکار ہے جو یہاں مفقود ہے ، یہ راستے سے بھٹک چکے لہٰذا ان کی واپسی کی امید نہیں ہے ۔ ان کے دل فاسد ہو چکے لہٰذا اصلاح کی توقع فضول ہے ، آیت میں جو ستر کا عدد مذکور ہے ، یہ عادۃً تکثیر کے لیے بولا جاتا ہے ، اس سے عدد مطلوب نہیں ہوتا ، مطلب یہ ہے کہ ان کی مغفرت کی کوئی امید نہیں۔ زکیونکہ ان کی توبہ کی امید نہیں۔ انسانی دل جب فساد کی ایک آخری حد کو پہنچ جائے تو پھر صلاح نہیں پاتا۔ ضلالت جب ایک مقدارِ معین تک پہنچ جائے (جس کا علم اللہ ہی کو ہے) تو اس کے بعد اس کی ہدایت کی امید نہیں ہوتی ۔

اَلْمُخَلَّفُوْنَ خِلَافَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم

آیت ۸۱ ——————— ۸۵ میں ایک بار پھر غزوہ تبوک سے بہانہ سازیوں اور غلط بیانیوں کے ساتھ پیچھے رہ جانے والوں کے متعلق فرمایا جا رہا ہے کہ :

"رسول اللہؐ کے خلاف پیچھے رہنے والے اپنے گھروں میں بیٹھے رہنے پر خوش ہوگئے ، اور انھوں نے یہ ناپسند کیا کہ اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کریں۔ اور وہ کہنے لگے کہ گرمی میں باہر مت نکلو ، کہو کہ جہنم کی آگ کی گرمی زیادہ سخت ہے کاش کہ وہ سمجھ جاتے ۔ پس ان کو کم ہنسنا اور زیادہ رونا چاہیے ، یہ ان کے کسب کی جزا ہے پس اگر اللہ تجھ کو ان کے کسی گروہ کی طرف واپس لے جائے ، پھر وہ تجھ سے نکلنے کی اجازت مانگیں تو کہہ تم میرے ساتھ کبھی نہ نکلو گے اور میرے ساتھ ہو کر کسی دشمن سے ہرگز قتال نہ کرو گے بیشک تم پہلی مرتبہ بیٹھنے پر راضی ہوگئے تو اب تم پیچھے رہنے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو ۔ اور ان میں سے جو مر جائے اس پر کبھی نماز نہ پڑھنا اور اس کی قبر پر مت کھڑے ہونا ، بیشک انھوں نے اللہ اور اس کے رسولؐ کا انکار کیا اور اس حال میں مرے کہ فاسق تھے ، اور پسند نہ آئیں تجھ کو ان کے مال اور نہ ان کی اولاد ، اللہ تو یہ چاہتا ہے کہ اس کے ساتھ ان کو

Marfat.com

دنیا میں عذاب دے اور ان کی جان اس حال میں نکلے جب کہ وہ کافر ہوں ۔"

یہ وہ لوگ تھے جو زمین کا بوجھ بن گئے ، زمین کے بوجھ نے ان کو بٹھا دیا ، راحت پر حرص کا بوجھ ، انفاق پر لالچ کا بوجھ ان کے آڑے آیا ۔ ہمت کی کمزوری اور نخوت کے ضعف نے انہیں سطح زمین پر پٹخ دیا ، دل ایمان سے خالی تھے لہٰذا جہاد کے لیے کیسے نکلتے ہو بہ تعبیر : اَلْمُخَلَّفُوْنَ بتاتی ہے کہ انہیں مہمل اور بیکار جان کر پیچھے پھینکا گیا تھا ، جس طرح فضول سامان اور غیر کار آمد اشیاء کو پھینکا جاتا ہے ، یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بیٹھے رہنے پر خوش ہو گئے ، مجاہدین کو گرمی ، تپش ، طویل مسافت اور جدوجہد کے لیے چھوڑ کر خوش ہو گئے ، وہ سلامتی کو منزل مقصود جانتے تھے جس پر مرد حرص کریں ۔ گرمی میں گھروں اور باغوں سے باہر نکلنے سے انکار یہ بتاتا ہے کہ یہ لوگ ڈھیلے ڈھالے نزاکت پسند اور مردانہ صفات سے عاری تھے ۔ یہ ضعیف الہمت ، کمزور ارادے والے ، جدوجہد سے جی چرانے والے سے دراصل مردانگی سے عاری تھے ، سازش کے ماہر تھے مگر جہاد کے میدان میں ناکارہ تھے ۔ عزت کی زندگی پر ذلت کی خواری کو ترجیح دینے والے تھے ، صفوں کے پیچھے لڑھکنے والے اور سرکونے کھدرے میں چھپنے والے تھے ، جہاد کی صفیں مردوں کی طلبگار ہیں مگر ان کا یہ حال تھا کہ :

اور یہ مردانگی سے خالی تھے ، راستے کے نشیب و فراز سے گھبرا کر گر جانے والے تھے ۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس قول پر کہ : موسم گرما میں جنگ کی طرف مت جاؤ ، ازراہ تہکم فرمایا ہے کہ :

"کہو کہ جہنم کی آگ گرمی میں زیادہ شدید ہے ، کاش کہ وہ سمجھتے ہوتے ۔"

اگر وہ زمین کی گرمی سے ڈرتے ہیں اور سایوں میں راحت و آرام کے طلب گار ہیں ۔ تو پھر ان کا کیا حال ہو گا جہنم کی گرمی میں جس کی حرارت بہت شدید ہے ! اس میں بہت مدت رہنا پڑے گا ! یہ ان کی مسخری کا جواب بھی ہے اور بیان حقیقت بھی ہے ، پس یا تو زمین کی گرمی میں محدود مدت کے لیے فی سبیل اللہ جدوجہد ہے اور یا جہنم میں پڑے رہنا ہے جس کی مدت کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا ۔

کم ہنسو اور زیادہ روؤ

فرماتا ہے کہ :

"انہیں اپنے کیے کی جزاء میں کم ہنسنا اور زیادہ رونا چاہیے ! (آیت : ۸۲)

یعنی اس دنیا کی فانی اور عارضی مدت میں تمہاری ہنسی ختم ہو جائے گی اور آخرت کے طویل ایام میں رونا دھونا ہے ، اور تیرے رب کے ہاں ایک دن بھی تمہاری گنتی میں ہزار سال کا ہے ، یہ جزا تمہارے عمل کی جنس سے ہے ۔ اور جزائے عادل ہے ، ان لوگوں نے تنگی کی گھڑی میں راحت کو محنت اور جدوجہد پر ترجیح دی ، پہلی مرتبہ قافلے سے پیچھے رہ گئے ، پس یہ لوگ مقابلے کے لائق نہیں ہیں ، نہ ان سے جہاد کی امید رکھی جا سکتی ہے حقیقت یہ ہے کہ اب جہاد و قتال ان کی قسمت ہی میں نہیں ہے ، ان سے بڑا بد قسمت اور کون ہو سکتا ہے ؟

Marfat.com

چوڑیاں پہن کر بیٹھ جاؤ!

آیت: ۸۳ میں فرمایا ہے کہ:

"پس اگر اللہ تجھ کو ان میں سے کسی گروہ کی طرف واپس لے جائے، پھر وہ تجھ سے جہاد کو نکلنے کی اجازت طلب کریں تو تُو کہہ کہ: تم کبھی میرے ساتھ نہ نکلو گے اور ہرگز میرے ساتھ ہو کر کسی دشمن سے نہ لڑو گے۔ تم پہلی بار گھر میں بیٹھ رہنے پر راضی ہو گئے تھے، پس اب بیٹھے رہو پیچھے رہنے والوں کے ساتھ"

تحریکیں مضبوط، بہادر، ثابت قدم، سخت لڑاکے، صابر اور ایثار شعار لوگوں کی طلب گار ہوتی ہیں۔ ان میں بے صبر، بھگوڑے، کمزور اور بزدل انسانوں کا کوئی کام نہیں ہوتا۔ ایسے لوگ اگر صف میں ہوں تو باعثِ شکست ہوں گے، بددلی اور بزدلی پھیلائیں گے، لہٰذا تحریکیں ایسے لوگوں کو چھانٹ کر باہر نکال دیا کرتی ہیں، ورنہ یہ ساری جماعت کے لیے ذلت و رسوائی کا موجب ہوتے ہیں۔ شکست سے بچنا ہے تو پہلے ایسے لوگوں کو صف سے نکال کر باہر پھینکو، دلیر کم تعداد میں ہوں تو بزدلوں سے کہیں بہتر ہیں جو بہت زیادہ تعداد میں ہوں۔ پیچھے رہنے والوں کو معاف کر دینا، ان سے درگزر کرنا ساری صف پر ظلم ہے۔ راحت کے وقت میں سب آ جاتے ہیں، اپنے تو وہ ہیں جو شدت اور تنگی کے وقت میں ساتھ نہ چھوڑیں۔

بزدلوں بے وفاؤں کے ساتھ سلوک کا الٰہی حکم

صف کا ساتھ چھوڑنے والوں اور مشکل وقت میں الگ ہو جانے والوں کے لیے یہ خدائی حکم ہے، جس کا ذکر اس آیت ۸۳ میں فرمایا گیا ہے اور اس کا حکم اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیٔ کریم کو دیا ہے، اسلامی دعوت اور اس کے مردوں کا ہمیشہ کے لیے یہی طریقہ ہے، اس طریق کو ہر زمانے اور ہر جگہ کے اربابِ دعوت کو اچھی طرح جان لینا ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے صاف طور پر اس آیت میں فرما دیا ہے کہ شدت اور تنگی کے وقت میں صف سے نکل جانے والوں کو یہ حق نہیں مل سکتا کہ راحت و آرام کے وقت میں دوبارہ صف میں آ شامل ہوں، اور اسی طرح اگلی آیت میں فرمایا ہے کہ ان پر نبیٔ کریم کے سایوں میں سے کوئی سایہ مت ڈالو۔

نمازِ جنازہ اور قبر پر دعائے مغفرت ختم

آیت: ۸۴ کا ارشاد ہے کہ:

"اور مت نماز پڑھ تو ان میں سے کسی پر جو مر جائے کبھی بھی، اور اس کی قبر پر مت کھڑا ہو۔ یہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے کافر ہیں اور جب مرے تھے تو فاسق تھے!"

مفسرین نے اس آیت کے شانِ نزول اور مراد میں خاص خاص حوادث و واقعات کا ذکر کیا ہے، لیکن آیت کی دلالت حوادث سے زیادہ عام ہے، کیونکہ یہ آیت عقیدے کی راہ میں لڑنے والی جماعت کے نظام میں ایک اصول مقرر کرتی ہے، اور یہ ہے کہ جو لوگ مشکل کی گھڑی میں دعوتِ حق اور جماعتِ مسلمہ کا ساتھ چھوڑ دیں وہ

Marfat.com

ظاہری تکریم کے علامات و مشاعر سے محروم ہیں۔ معیار اور مضامین اس کا صبر و ثبات، قوت و اصرار اور غیر متزلزل عزیمت ہے۔ نص نے یہاں پر اس نہی کی علت ان کا خدا اور رسولؐ کے ساتھ کفر بتایا ہے، اور یہ تعلیل خاص سبب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے نمازِ جنازہ نہ پڑھنے کی اور منافق کی قبر پر دعا و استغفار کے لیے نہ کھڑے ہونے کی۔ مگر قاعدہ اس خاص مناسبت سے اور خاص شانِ نزول سے عام تر ہے۔ صلوٰۃ و قیام تکریم ہے، اور جماعتِ مسلمہ کے لیے واجب کہ وہ یہ تکریم اس شخص کو نہ دے جو جہاد جیسے فرض سے تخلف کرے اور وقت پر جماعت کو دھوکا دے جائے۔ ایسا کرنے سے ہر شخص کی قدر و قیمت کا پتہ چل جائے گا۔ جن لوگوں نے جانی و مالی قربانی کی ہوگی ان کے حوصلے بڑھیں گے، منافقوں کو اپنے کرتوتوں کا کچھ بدلہ مل جائے گا۔

اموال و اولاد معیار نہیں ہے!

آیت: ۸۵ میں ارشاد فرمایا ہے کہ:

"اور ان کے اموال و اولاد تجھے پسند نہ آئیں، اللہ تو ان کے ذریعے سے ان کو دنیوی زندگی میں عذاب دینا چاہتا ہے اور یہ کہ ان کی جانیں اس حال میں نکلیں کہ وہ کافر ہوں۔"

آیت کا عام مطلب اوپر گزر چکا ہے، یہاں اس سے مراد یہ ہے کہ ان کے اموال و اولاد کو کوئی وزن نہ دیا جائے کیونکہ انہیں پسند کرنا اور ان پر اظہارِ حیرت و تعجب کرنا، ان کی ایک شعوری تکریم کی قسم ہے۔ وہ کسی تکریم کے حقدار نہیں ہیں، نہ ظاہری کے، نہ باطنی کے۔ وہ حقارت کے حقدار ہیں۔ اور اسی بات کے کہ ان کی طرف دیکھا بھی نہ جائے نہ ان کے اموال و اولاد کو کوئی اہمیت دی جائے، اللہ کے ہاں معیارِ عزت و شرافت اور باعثِ تکریم و تعظیم تقویٰ ہے: ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم۔

قوتِ ایمان و قوتِ نفاق کا فرق و امتیاز

آیت: ۸۶ ——— ۸۹ میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

"اور جب کوئی سورت اس معنیٰ میں اترتی ہے کہ اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسولؐ کے ساتھ ہو کر جہاد کرو تو ان میں سے مالدار تجھ سے اجازت مانگتے ہیں اور کہتے ہیں: ہمیں گھروں میں بیٹھنے والوں کے ساتھ رہنے دیجیے۔ وہ اس پر راضی ہو گئے کہ خواتین کے ساتھ رہ جائیں۔ اور ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی تو وہ سمجھتے نہیں۔ لیکن رسولؐ اور وہ جو اس کے ساتھ ایمان لائے ہیں، انہوں نے اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ جہاد کیا۔ اور وہی ہیں جن کے لیے بھلائیاں ہیں، اور وہی ہیں جو فلاح پانے والے ہیں، اللہ نے ان کے لیے باغ تیار کیے ہیں جن کے نیچے سے نہریں چلتی ہیں، وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے، یہی ہے بڑی کامیابی۔"

انسانی طبیعت کی دو قسمیں ہوتی ہیں: ایک طبیعت ضعف و نفاق اور ذلت و خواری کی ہے، دوسری طبیعت قوت ایمان اور مصائب کا سامنا کرنے کی ہوتی ہے، اور یہ دونوں قسم کے اخلاق و عادات اور سیرتیں ہیں۔ ایک کج روی اور ذلت پر رضامندی کی سیرت ہے اور دوسری طرف استقامت، مال خرچ کرنے اور

Marfat.com

عزت و احترام کی سیرت ہے، ان آیات میں انہی دونوں کا بیان ہے۔ پس جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی قرآنی سورت احکام جہاد، احکام بذل و انفاق لے کر اترتی ہے تو مال دار لوگ آتے ہیں، وہ وسائل جہاد کے مالک ہیں، خرچ کر سکتے ہیں، اس لیے نہیں آتے کہ مالی قربانی پیش کریں اور انفاق میں پہلی صفیں پر کریں، بلکہ نعمت کا شکریہ ادا کرنے کے بجائے وہ عین وقت پر ساتھ چھوڑنے کو آتے ہیں صف سے پیچھے ہٹ جاتے ہیں میدان جہاد و قتال سے بچنے کی اجازت لینے آتے ہیں، عورتوں کے ساتھ چوڑیاں پہن کر بیٹھ جانے کی استدعا کرتے ہیں جو لوگ کی مانند عزت و آبرو اور جان و مال اور وطن کے دفاع کے لیے نہیں بلکہ چھپ کر بزدل بننے کی اجازت لینے آتے ہیں وہ تو سلامتی اور بچاؤ چاہتے ہیں خواہ عزت و تکریم دے کر مل جائے، انہیں اس میں کوئی عار محسوس نہیں ہوتی، اور ان میں اگر فقاہت، سمجھ ہوتی تو انہیں معلوم ہوتا کہ جہاد میں کس قدر قوت و کرامت ہے اور کتنی با عزت زندگی ہے اس کے برخلاف پیچھے رہنے میں کتنی ذلت، کمزوری، بے عزتی اور مذموم فنا ہے۔

عزت و ذلت ہر دو کا ٹیکس ہے

ان دونوں کے لیے بہت کچھ دینا پڑتا ہے، کئی قربانیاں کرنا پڑتی ہیں، اکثر اوقات میں ذلت کا ٹیکس بہت مہنگا پڑتا ہے۔ گو ضعیف اور حساس لوگ یہی سمجھیں کہ عزت کے لیے جو قربانی درکار ہے وہ بہت زیادہ ہے، جس کی ان میں طاقت نہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اس قربانی سے بھاگ کر ذلت و خواری کو اختیار کر لیتے ہیں، حالانکہ ذلت و خواری اور بے عزتی خود اپنا ٹیکس آپ ہے۔ اور جب کسی دنیوی و مادی مقصد کے لیے عزت کی قربانی دے دی جائے تو یہ ایک نہایت عظیم اور گراں قدر قربانی ہے، ایسے لوگوں کی زندگی بہت حقیر اور کم قیمت ہے، اس میں گھبراہٹ اور قلق و اضطراب ہے، خوف ہے اور بے چینی ہے۔ انسان اس میں ہر آن اپنے آپ کو موت کے منہ میں دیکھتا ہے، یہ وہ شخص ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے حیات پر احرص الناس فرمایا ہے۔ ایسے لوگ دراصل عزت و اکرام کی تکالیف سے بڑھ کر ٹیکس ادا کرتے ہیں، یہ ذلت و خواری کا ٹیکس ہے جس میں انہوں نے اپنے آپ کو ڈالا، نہ شہرت بچی نہ نیک نامی حاصل ہوئی اور نہ آخرت بچ سکی۔ یہ لوگ دراصل خسر الدنیا والآخرۃ ہیں۔ ان کا اطمینان قلب غارت ہو جاتا ہے۔ اکثر وہ اس کا ٹیکس اپنے مال و جان کی صورت میں ادا کرتے ہیں۔ یہ لوگ جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں بچوں، عورتوں، بوڑھوں اور معذوروں کے ساتھ اپنے گھروں میں بیٹھے رہنے پر راضی ہو گئے تھے، بلکہ آیت: ۸۸ ——— ۸۹ کی رو سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے مومن ساتھی میدان حرب و ضرب میں پہنچے۔ اپنی جانوں اور اموال کو اللہ کے سامنے پیش کر دیا۔ انہوں نے عقیدے کی تکالیف کو بخوشی اٹھایا ایمان کا فریضہ ادا کیا۔ اس کے تقاضوں پر عمل کیا اور وہ عزت حاصل کر لی جو گھر بیٹھے رہنے سے نہیں مل سکتی تھی انہیں کے لیے دنیا و آخرت کی خیرات ہیں، دنیا میں ان کے لیے عزت ہے، مال غنیمت ہے، کرامت ہے، اور غازی ہونے کی اچھی شہرت ہے، آخرت میں ان کے لیے بہت پوری جزاء ہے۔ اللہ تعالےٰ کی یا اکرام رضا ہے۔

"اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں"

دنیوی فلاح یا عزت و احترام روزی میں ہے، کامیابی میں ہے، اور اخروی فلاح اجر عظیم میں ہے اور یہی

Marfat.com

فلاحِ عظیم اور فوزِ عظیم ہے۔

عذر تراشنے والے صحرائی!

آیت: ۹۰ میں ارشاد ہوتا ہے کہ:

"اور آئے عذر کرنے والے صحرائیوں میں سے تاکہ انہیں رخصت مل جائے۔ اور بیٹھے رہے وہ وہ لوگ جنہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کے ساتھ جھوٹ بولا۔ عنقریب ان میں سے کافروں کو عذابِ الیم پہنچے گا۔"

اس آیت میں دو قسم کے لوگوں کا حال بیان ہوا ہے:

(۱) حقیقی عذر والے لوگ، پس انہوں نے اگر پیچھے رہ جانے کی اجازت مانگی تو انہیں اجازت مل گئی۔

(۲) مگر یہ دوسری قسم کے لوگ وہ تھے جو بلا عذر خواہی گھروں میں رہ گئے، اللہ اور رسولؐ پر جھوٹ بولا اور میدان سے الگ رہے۔

پس ان میں سے کافر تو عذابِ الیم میں گرفتار ہوں گے، مگر توبہ کر لینے والے اور پھر کفر کی طرف نہ لوٹنے والے لوگوں کا حال یہاں بیان نہیں ہوا کہ ان کا انجام کیا ہوا۔ حسبِ دلائلِ شرع تو ان کی معافی قابلِ قبول ہے۔ لیکن اگر اس آیت میں صرف ایک فریق کا حال بیان کیا گیا ہے اور انہیں کے متعلق فرمایا کہ انہوں نے عذر کیے اور خدا و رسولؐ کے ساتھ جھوٹ بولا، تو پھر یہ بیان شدہ انجام ان سب متخلفین کے لیے ہے۔ واللہ اعلم!

صحیح عذر والوں کا بیان

آیات ۹۱ ——— ۹۲ میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو مستثنیٰ فرما دیا ہے جن کے اعذار صحیح ہوں۔ چنانچہ فرمایا ہے کہ:

"ضعیفوں پر، بیماروں پر، اور ان پر جو خرچ نہیں پاتے، کوئی حرج نہیں جب کہ وہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی خیر خواہی کریں، نیکی کرنے والوں پر کوئی الزام نہیں اور اللہ غفور ہے رحیم ہے، اور نہ ان پر الزام ہے جو آپؐ کے پاس سواریاں مانگنے آئے، آپؐ نے کہا کہ: میرے پاس سواریاں نہیں جن پر تمہیں بٹھاؤں، وہ واپس گئے تو ان کی آنکھوں سے آنسو بہ رہے تھے اس غم میں کہ وہ خرچ کرنے کو کچھ نہیں پاتے تھے۔"

ان آیات میں ذمہ داری کی حد بندی کر دی گئی ہے۔ جنگ کی خاطر نکلنا کوئی اندھا حکم نہیں ہے، جو ہر ایک پر لازم و نافذ ہو۔ اسلام آسانی کا دین ہے اور اللہ تعالیٰ کسی کو صرف اتنی تکلیف کا مکلف بناتا ہے جو وہ اٹھا سکے۔ معذوروں کے لئے ان کے عذر کے باعث میدان میں جانے کی پابندی نہیں ہے، چنانچہ ان آیات میں ضعیفوں، بیماروں، مفلس و قلاش لوگوں، اور سواری کا انتظام نہ ہو سکنے کی بنا پر نہ جانے والوں کو مستثنیٰ کر دیا گیا ہے۔ ضعفاء سے مراد لولے، لنگڑے، اپاہج، کٹے ہوئے اعضاء والے، بہت بوڑھے ہیں، بیمار وہ ہیں جو کسی بیماری کے باعث حرکت اور جدوجہد سے معذور ہوں اور تیسری قسم کے لوگ وہ معدوم الزاد

ہیں جن کے پاس راستے کی سواری اور راشن نہ ہو۔ یہ لوگ اگر دل سے مخلص ہوں، دھوکا فریب نہ کر رہے ہوں، قتال کے سوا اور کام کرنے پر بخوشی آمادہ ہوں، مثلاً شہر کی حفاظت، گھروں میں پہرا دینا، بچوں اور عورتوں کی دیکھ بھال کرنا۔ تو ان لوگوں کو قرآن ان آیات میں میدان میں نہ جانے کی اجازت دیتا ہے۔ اسی طرح وہ لوگ جو جنگ پر تو قادر ہیں، اگر میدانِ معرکہ میں پہنچنے کے ذرائع انہیں نہ مل سکے، یہ تو آیات کا عام حکم ہے اور شانِ نزول جو احادیث و تفاسیر و سیرت میں وارد ہے وہ اس طرح پر ہے کہ: ابن عباسؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو اپنے ساتھ جہاد پر جانے کا حکم دیا تو کچھ لوگ آپؐ کی خدمت میں آئے جن میں عبداللہؓ بن معقل ابن مقرن مازنی بھی تھا۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سواریاں مانگیں۔ آپؐ نے عذر کیا کہ میرے پاس کوئی جانور نہیں جو تمہیں دیدوں۔ وہ روتے ہوئے واپس چلے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے عذر میں یہ آیت اتاری (آیت ۹۲)

مجاہد نے کہا کہ مزینہ کے بنی مقرن میں یہ آیت اتری تھی۔ محمد بن کعب قرظی نے کہا کہ یہ سات آدمی تھے: عمر ابن عوف، سالم بن عوف، ہرمی ابن عمر، عبدالرحمن بن کعب، فضل اللہ، عمرو بن حتمہ اور عبداللہ بن عمر مازنی۔

غزوۂ تبوک کے ذکر میں محمد بن اسحاق نے کہا ہے کہ: پھر کچھ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے یہ رونے والے تھے اور یہ سات انصاری تھے۔ اور ان کے علاوہ بنی عمرو بن عوف سے تھے: سالمؓ بن عمیر، علیہؓ بن زید حارثی، ابو لیلیٰؓ عبدالرحمن بن کعب مازنی، عمروؓ بن الحمام ابن الجموح سلمی، عبداللہؓ بن معقل مزنی، اور لوگ کہتے ہیں کہ وہ عبداللہؓ بن عمرو مزنی تھا، حرمیؓ بن عبداللہ واقفی، عیاضؓ بن ساریہ فزاری، انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سواریاں طلب کیں اور وہ ضرورتمند تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے پاس سواریاں نہیں ہیں۔ یہ روتے ہوئے واپس چلے گئے اس افسوس میں کہ ان کے پاس نفقہ نہیں تھا۔ پس یہ وہ روح تھی، جس کے باعث اسلام غالب آیا اور اس کا کلمہ بلند ہوا، ہمیں دیکھنا چاہیئے کہ وہ بزرگ کہاں تھے اور ہم کہاں ہیں؟ واللہ المستعان۔

الزام کن کے خلاف ہے!

اُوپر گزر چکا ہے کہ معذوروں، بوڑھوں، مریضوں اور کمزوروں پر میدان میں نہ جا سکنے کے باعث کوئی الزام نہیں، نہ ان پر کوئی الزام ہے جن کے پاس سواری نہیں۔ آیت: ۹۲ میں فرمایا ہے کہ الزام کے لائق یہ لوگ ہیں:

"بیشک الزام ان لوگوں پر ہے جو دولت مند ہونے کے باوجود تجھ سے رُخصت طلب کرتے ہیں، انہوں نے عورتوں کے ساتھ بیٹھے رہنے کو پسند کیا ہے اور اللہ نے ان کے دلوں پر مہر کر دی ہے اور وہ نہیں جانتے۔"

ان پر الزام کا سبب یہ ہے کہ انہیں کوئی شرعی عذر مانع نہیں ہے، یہ زمین کا بوجھ بن کر گرنے والے لوگ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو غنی کیا ہے۔ مگر یہ اس کا حق ادا کرنے کو آمادہ نہیں ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے انہیں قدرت بخشی اسلام کے باعث ان کو عزت و شوکت ملی، مگر جب اسلام کے حق کا سوال پیدا ہوا تو انہوں نے اس کے حق کو ادا نہیں کیا۔ جس معاشرے میں رہتے ہیں، جس جماعت کے باعث ان کی عزت ہے، اس کا بھی حق ادا نہیں کرتے،

Marfat.com

یہی سبب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بے ہمتی، عزیمت کی کمزوری اور عورتوں، بچوں، بوڑھوں اور معذوروں کے ساتھ بیٹھے رہنے والوں کا لقب دیا ہے، یہ مردانہ شان نہیں کہ ادھر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف میدان قتال قائم ہو اور ادھر یہ گھروں میں گھسے رہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مومن تو صحرا کی ریت پھانکیں اور یہ اپنے باغوں کے سایہ دار درختوں کے نیچے دراز ہوں۔ دراصل ان کے شعور و فہم کے منافذ بند کر دیئے گئے ہیں کیونکہ انہوں نے خود ہی اپنے لیے بلادت و حماقت کو پسند کر لیا تھا۔ یہ سہل انگار لوگ تھے جو دراصل میدان کے کام کے تھے ہی نہیں۔ راحت اور عیش و نشاط شعور و ادراک کی راہیں بند کر دیتے ہیں۔ اور انسان سمجھنے سوچنے کے لائق نہیں رہتا۔

والله تعالیٰ اعلم بالصواب

الحمد للہ تعالیٰ کہ دسواں پارہ ختم ہوا۔

Marfat.com

احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے انمول ذخیرے

سنن ابوداؤد شریف ——— ترجمہ و فوائد علامہ وحید الزماںؒ

۴۸۰۰ احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا مستند اور گراں بہا مجموعہ جس کو شیخ الاسلام زین المحدثین امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانی نے پانچ لاکھ (۵۰۰،۰۰۰) احادیث کے مجموعہ سے منتخب فرمایا تھا۔

پاکستان میں پہلی بار آفسٹ طباعت، آفسٹ کاغذ۔ تین دیدہ زیب سنہری ڈائی دار جلدیں دستیاب ہیں۔ آج ہی طلب فرمائیں قیمت /- روپے

سنن نسائی شریف ——— مترجم

۵،۶۴ ر احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا مستند اور گراں بہا مجموعہ جس کو شیخ الاسلام زین المحدثین امام ابوعبدالرحمٰن نسائی نے پانچ لاکھ (۵۰۰،۰۰۰) احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مجموعہ سے منتخب فرمایا تھا۔

ترجمہ و فوائد:۔ حضرت علامہ وحید الزماںؒ رحمۃ اللہ علیہ

پاکستان میں پہلی دفعہ آفسٹ طباعت، آفسٹ کاغذ تین دیدہ زیب سنہری ڈائی دار جلدیں دستیاب ہے آج ہی طلب فرمائیں۔ قیمت /- روپے

حضرت امام مالکؒ کا مرتب کردہ احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے قدیم و بیش بہا مجموعہ

موطأ امام مالک علیہ الرحمۃ

جسے امام مالک (المتوفی ۱۷۹ھ) نے سالہا سال کی کسوٹی پر پرکھ کر اپنی دس ہزار احادیث سے منتخب کیا تھا اور ستر فقہاء کے سامنے پیش کیا۔ سب نے اس کے ساتھ موافقت کی۔

ترجمہ و فوائد:۔ علامہ وحید الزماں رحمۃ اللہ علیہ

آفسٹ کتابت و طباعت اور آفسٹ کاغذ۔ دیدہ زیب رنگین ڈائی دار جلدیں دستیاب ہے

آج ہی طلب فرمائیں قیمت /- روپے

ملنے کا پتہ:۔ اسلامی اکادمی۔ اردو بازار لاہور (پاکستان) فون ۶۴۱۶۱

Marfat.com

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

پارہ ۱۱

اس جزء میں سورۂ توبہ کا بقیہ از آیت : ۹۴ تا آیت ۱۰۹، پوری سورۂ یونس اور سورۂ ہود کی پہلی پانچ آیات شامل ہیں۔ سورۂ توبہ پر دسویں پارہ میں سورت کی تمہید کے موقع پر، جو کچھ بیان ہوا تھا اس میں سے چند فقرات کا یہاں دہرا دینا مناسب ہے، تاکہ اس جزء کا گزشتہ جزء کے ساتھ تعلق قائم ہو جائے۔ یہ سورت مدنی ہے۔ قرآن کے آخری نازل ہونے والے حصوں میں سے ہے، گو یہ بالکل آخری سورت نہ ہو! یہی وجہ ہے کہ اس میں امتِ مسلمہ اور دنیا کی دوسری اُمتوں کے باہمی انتہائی و آخری معاملات کا بیان ہوا ہے۔ خود امت کے اندر مختلف اصناف وانواع کا بیان بھی اس میں آیا ہے، اور ہر گروہ کی قدر و قیمت اور اوضاع و اوصاف بھی بتائے گئے ہیں اس اعتبار سے یہ سورت اسلام کی تحریکی طبیعت، اس کے مراحل و خطوات، اس سے پہلی سورتوں میں بیان ہونے والے مرحلاتی احکام کے پیشِ نظر خاص اہمیت کی حامل ہے، اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس تحریک میں بہت لچک پائی جاتی ہے۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آخری وانتہائی احکام تو سورۂ توبہ میں آگئے ہیں، مگر جب کبھی دنیا کے کسی خطے میں اسلامی تحریک یا مسلم معاشرہ پہلے مراحل میں ہوگا، تو اُن مرحلاتی احکام پر عمل کرنے کی گنجائش موجود ہے، گو پیشِ نظر انتہائی کامل اور آخری مرحلہ بھی ہوگا۔ اور اس کے لیے کوشش کی جائے گی۔ جب تک ہمارے اس بیان پر نظر نہ رکھی جائے گڑبڑ ہو جانے کا اندیشہ رہے گا، صورتوں اور احکام و قواعد میں خلط ملط کا خطرہ رہے گا۔ اگر انتہائی احکام کی آیات کو پہلے مرحلوں اور پہلے مرحلوں کی آیات کو آخری مراحل پر منطبق کیا جائے تو ظاہر ہے کہ معاملات گڈمڈ ہو جائیں گے خاص کر احکامِ جہاد کے سلسلے میں تو بہت زیادہ اضطراب میں مبتلا ہونے کا خدشہ ہوگا۔

سورۂ توبہ کے قطعات

سورۂ توبہ کے موضوع اور احوال و شانِ نزول کے اتحاد کے باوجود اس میں کئی قطعات وارد ہوئے ہیں۔ ہر قطعہ اپنی شان میں دوسرے سے کچھ الگ ہے اور اپنے موضوع پر آخری وانتہائی احکام بیان کرتا ہے۔ پہلے قطعہ کا موضوع یہ ہے کہ جزیرۂ عرب میں مسلم معاشرے اور غیر مسلم مشرک معاشروں کے درمیان آخری وانتہائی تعلقات کے احکام کیا ہیں۔ دوسرے قطعہ میں مسلمانوں اور عام اہلِ کتاب کے باہمی تعلقات کے احکام کا بیان ہے۔ تیسرے قطعہ میں ان بوجھل اور بعض نام نہاد مسلمانوں کا ذکر ہے جو غزوۂ تبوک کے موقع پر بزدلی اور کمزوری دکھا کر پیٹھ پھیر گئے اور گھروں میں گوشہ گیر ہو گئے تھے، حالانکہ اس وقت ملک و وطن اور عزت خطرے میں تھی اور قیصرِ روم نے عرب پر حملہ کر دیا تھا۔ چوتھا قطعہ منافقوں کی رسوائی، ان کے افاعیل، مسلم معاشرے میں ان کی رخنہ اندازی کی کوششوں اور اسے توڑ ڈالنے کے ارادوں کے بیان پر مشتمل ہے اور یہ کہ ان کے نفسی و عملی حالات کیا ہیں؟ غزوۂ تبوک سے پہلے، اس کے دوران میں اور اس کے بعد ان کا موقف کیا رہا تھا۔ ان کی نیتیں، ارادے

جیسے، عذر تراشیاں کیا کرتے تھیں جن کے ساتھ وہ غزوہ تبوک سے پیچھے رہ گئے تھے اور انہوں نے مسلم معاشرے میں کمزوری پھیلانے کی کیا اور کتنی کوشش کی تھی، انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مخلص ایمانداروں کو کس طرح اذیتیں پہنچائی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو ان سے بچنے، ان کے مکروفریب اور سازش سے بچ کر رہنے کا حکم دیا ہے اور بتا دیا ہے کہ مسلمانوں کے تعلقات ان کے ساتھ کیا اور کیسے ہونے چاہئیں۔ یہ چار قطعات دسویں پارے میں گزر چکے ہیں۔ ہاں! جہاد سے پیچھے رہ جانے والوں کے بارے میں کچھ باتیں اب اس پارے میں بیان ہوں گی۔

انتہاء وابتداء

دسویں پارے کی آخری آیات یہ تھیں:

"کمزوروں پر، بیماروں پر، خرچ نہ پانے والوں پر کوئی حرج نہیں، جب کہ وہ اللہ اس کے رسولؐ کے خیر خواہ رہیں۔ نیکو کاروں پر کوئی الزام نہیں اور اللہ غفور ہے رحیم ہے اور نہ ان لوگوں پر الزام ہے جو تیرے پاس سواریاں مانگنے کو آئے اور تو نے کہا کہ میرے پاس کوئی سواری نہیں جس پر میں تمہیں سوار کروں تو وہ واپس چلے گئے، درانحالیکہ ان کی آنکھیں آنسو بہاتی تھیں کہ وہ خرچ کرنے کو کچھ نہیں پاتے۔ الزام ان لوگوں پر ہے جو غنی ہونے کے باوجود تجھ سے اجازت مانگتے ہیں، وہ عورتوں اور بچوں وغیرہم میں پیچھے رہنے پر خوش ہو گئے اور اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی، اور وہ نہیں جانتے۔"

اور گیارہویں پارے کی ابتدائی آیات یہ ہیں:

"جب تم واپس جاؤ گے تو یہ تمہارے سامنے عذر تراشیاں کریں گے تو کہہ کہ عذر مت بیان کرو ہم تمہاری بات ہرگز نہ مانیں گے۔ اللہ نے ہم کو تمہاری خبریں بتا دی ہیں اور عنقریب اللہ تمہارے اعمال دیکھے گا، اور اس کا رسولؐ بھی دیکھے گا۔ پھر تم کو چھپی اور ظاہر باتوں کے جاننے والے کی طرف لوٹایا جائے گا جو تمہیں تمہارے اعمال سے خبر دے گا۔ جب تم ان کی طرف لوٹو گے تو عنقریب یہ تمہارے لیے قسمیں کھائیں گے، تاکہ تم ان سے اعراض کرو، پس تم ان سے اعراض کرو، بیشک وہ پلید ہیں اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے جو ان کے کسب کی جزا ہے وہ تمہیں راضی کرنے کو قسمیں کھائیں گے۔ پس اگر تم ان سے راضی ہو جاؤ تو اللہ اس فاسق قوم سے راضی نہ ہو گا۔"

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ واپس تشریف لے جانے سے پہلے ہی بتا دیا تھا کہ غزوہ سے صحیح سلامت واپسی پر منافق لوگ آپؐ کے سامنے اور مخلص مومنوں کے سامنے کیا کیا عذر تراشیاں کریں گے، آپؐ کو اور مومنوں کو انہیں کیا جواب دینا چاہیئے اور ان کے ساتھ کیا سلوک روا رکھنا ضروری ہے۔

سورت کا پانچواں قطعہ

اس کے بعد سورت کا پانچوں قطعہ آتا ہے، جس میں اللہ تعالیٰ نے فتح مکہ سے لے کر جنگ تبوک تک مسلمانوں

Marfat.com

کے معاشرے اور جماعت کی ترکیب اور اس کے اجزائے ترکیبی کی انواع واقسام بتائی ہیں۔ مسلم جماعت کی ریڑھ کی ہڈی ان مخلص مومنوں سے مرکب تھی، جنہیں قرآن نے مہاجرین اور انصار میں سے سابقین اولین فرمایا ہے، ان کے علاوہ مسلم جماعت میں کچھ اور طبقات وجماعات بھی موجود تھے، مثلاً:

(۱) اعراب، جن میں مخلص مومن ومنافق ہر قسم کے لوگ تھے۔

(۲) منافقین اہل مدینہ۔

(۳) کمزور اور ضعیف الایمان لوگ جن کے اعمال ملے جلے تھے اور ابھی ان میں اسلامی رنگ پوری طرح نمایاں نہ تھا اور یہ ابھی اسلام کی کٹھالی میں پوری طرح تپائے نہ گئے تھے۔

(۴) ایک مجہول الحال گروہ جس کے انجام کی خبر نہ تھی کہ آخر کو وہ کدھر جائے گا، اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد تھا کہ وہی ان کا فیصلہ فرمائے گا، جو ان کی حقیقتِ حال کے مطابق ہوگا۔

(۵) اسلام کے خلاف مل کر سازش کرنے والے لوگ جو اسلام کے نام پر چھپے رہتے تھے، خفیہ تدابیر سوچتے اور اختیار کرتے تھے۔ اور ان کا واسطہ اسلام کے بیرونی دشمنوں کے ساتھ تھا۔

قرآنی نصوص نے ان سب گروہوں کا مختصر مفید حال بیان کیا ہے اور بتایا ہے کہ مسلم معاشرہ ان کے ساتھ کیا معاملہ کرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور مخلص ایمانداروں کو ان سب کے ساتھ سلوک کا طریقہ بتا دیا گیا ہے۔ مثلاً:

"اعراب کفر ونفاق میں بہت سخت ہیں اور اس لائق ہیں کہ رسول اللہؐ پر نازل شدہ حدود کو نہ جانیں، اور اللہ علیم وحکیم ہے، اور بعض بدو انفاق کو تاوان جانتے ہیں اور تم پر مصیبتوں کے انتظار میں رہتے ہیں۔ انہیں پر برائی کا چکر ہے اور اللہ بہت سننے والا بہت جاننے والا ہے اور بعض اعراب اللہ پر اور روزِ قیامت پر ایمان لاتے ہیں اور انفاق کو اللہ کے قرب کا ذریعہ اور رسولؐ کی دعاؤں کا سبب جانتے ہیں۔ سن لو کہ وہ ان کے لیے باعثِ قربت ہے عنقریب ان کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت میں داخل کرے گا۔ بے شک اللہ غفور ہے رحیم ہے"۔

"اور مہاجرین وانصار میں سے پہلے سبقت لے جانے اور جو لوگ نیکی کے ساتھ ان کا اتباع کریں اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے، اور ان کے لیے باغ تیار کیے ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں، وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ وہی ہے بڑی کامیابی"۔

"اور تمہارے ماحول والوں میں سے کچھ منافق ہیں اور کچھ مدینہ والوں میں سے بھی نفاق پر ڈٹے ہوئے ہیں، تو ان کو نہیں جانتا، ہم ان کو جانتے، عنقریب ہم ان کو دوبارہ عذاب دیں گے، پھر ان کو عذاب عظیم کی طرف لوٹایا جائے گا"۔

"اور کچھ ہیں جنہوں نے اپنے گناہوں کا اعتراف کیا ہے، انہوں نے نیک عمل اور کچھ اور برے اعمال خلط ملط کیے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ اللہ ان پر رجوع کرے، بلاشبہ اللہ بخشنے والا ہے بہت رحیم ہے، ان کے مالوں میں سے صدقہ لو جو ان کو پاک کرے اور تو اس کے ساتھ ان کا تزکیہ کرے، اور ان پر نماز پڑھ، بیشک تیری نماز ان کے لیے باعثِ تسکین ہے

Marfat.com

اور اللہ بہت سننے والا ہے ، بہت جاننے والا ہے "
" اور کچھ اور ہیں جو حکمِ خداوندی کے لیے مؤخر کیے گئے ہیں ، یا وہ ان کو عذاب دے اور یا ان کی توبہ قبول کرے اور اللہ بہت عالم ہے بہت حکمت والا ہے "
" اور جن لوگوں نے ایک مسجد ضرر پہنچانے ، کفر کرنے اور مومنوں میں تفریق کرنے کو بنائی اور ان لوگوں کے لیے ایک اڈے کے طور پر بنائی جو پہلے سے اللہ اور اس کے رسولؐ سے جنگ کرتے تھے ۔ اور وہ ضرور قسمیں کھائیں گے کہ ہمارا ارادہ تو بس بہت نیک تھا اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ وہ ضرور جھوٹے ہیں ، تو اس میں کبھی کھڑا نہ ہو ، جو مسجد پہلے دن سے تقویٰ پر استوار ہوئی وہ اس بات کی زیادہ حق دار ہے کہ تو اس میں کھڑا ہو ۔ اس میں ایسے مرد ہیں جو بہت پاکیزگی چاہتے ہیں اور اللہ پاک ہونے والوں کو پسند کرتا ہے "
اور عنقریب تفسیر کرتے وقت ہم ان تمام فریقوں پر گفتگو کریں گے ۔

سورت کا چھٹا قطعہ

اس سورت کا چھٹا ، اور آخری قطعہ یہ بتاتا ہے کہ جہاد فی سبیل اللہ میں اہل ایمان کی جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ بیعت ہوتی ہے ، اس کی طبیعت و فطرت کیا ہے ۔ جہاد کی تعریف ، اس کی حدود اور کیفیت کیا ہے ؟ جہاد کے بارے میں مدینہ اور اس کے اردگرد والوں کا فریضہ کیا ہے ؟ مسلم جماعت اور دوسروں میں عقیدے کی بنیاد پر کامل فرق اور جدائی لازم ہے ۔ مسلم اور غیر مسلم میں جو معاملہ ہوگا اور جو باہمی تعلقات ہوں گے ان کی بنیاد بس یہی عقیدہ ہے ۔ اہل و عیال ، رشتہ و قرابت اور نسل و قومیت بنیاد نہیں ہے ، پھر ان لوگوں کا فیصلہ بیان ہوا ہے جو منافقوں اور سازشیوں کے علاوہ تھے ، اور اس کے ساتھ ساتھ منافقوں کے بعض احوال اور قرآنی احکام کے متعلق ان کے مواقف کا بیان ہوا ہے ، مثلاً :

" بیشک اللہ نے مومنوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال جنت دے کر خرید لیے ہیں ، وہ اللہ کی راہ میں قتال کرتے ہیں ، قتل کرتے بھی ہیں اور ہوتے بھی ہیں ، یہ اللہ کا برحق وعدہ ہے تورات ، انجیل اور قرآن میں ، اور اللہ سے بڑھ کر وعدہ وفائی کرنے والا کون ہے ؟ پس تم اپنی اس بیع پر خوش ہو جاؤ جو تم نے اس سے کی ہے اور یہی بڑی کامیابی ہے "
" نبی کا اور ایمانداروں کا یہ کام نہیں کہ وہ مشرکوں کے لیے استغفار کریں اگرچہ وہ رشتہ دار ہوں ، بعد اس کے کہ ان پر واضح ہو چکا ہے کہ وہ جہنمی ہیں ۔ اور ابراہیمؑ کا استغفار جو اپنے باپ کے لیے تھا ، وہ ایک وعدے کی بناء پر تھا ۔ جو اس نے اس کے ساتھ کیا تھا پھر جب اس پر واضح ہو گیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو اس نے اس سے اظہار برأت کیا ، بلاشبہ ابراہیمؑ آہیں بھرنے والا تھا بُردبار تھا "
" اللہ نے رجوع فرمایا ہے نبیؐ کی طرف اور مہاجرین و انصار کی طرف جنہوں نے تنگی کی گھڑی میں اس کا اتباع کیا ۔ بعد اس کے کہ قریب تھا ان میں سے ایک فریق کے دل کج ہو جائیں

Marfat.com

پھر اللہ نے ان پر رجوع فرمایا، یقیناً وہ ان پر بڑا شفیق اور بڑا مہربان ہے اور ان تین آدمیوں پر جن کا معاملہ پیچھے ڈال گیا تھا۔ حتیٰ کہ جب زمین فراخ ہونے کے باوجود ان پر تنگ ہوگئی۔ اور ان کی جانیں ان پر تنگ ہوگئیں، اور انہیں یقین ہوگیا کہ اللہ سے اسی کے سوا اور کسی کی طرف کوئی پناہ گاہ نہیں ہے۔ پھر اس نے ان کی طرف رجوع کیا تاکہ وہ توبہ کریں۔ بیشک اللہ ہی توبہ قبول کرنے والا اور رحیم ہے۔"

"اہلِ مدینہ کے لیے اور ان کے اردگرد کے بدوؤں کے لیے روا نہیں کہ رسولؐ سے پیچھے رہیں اور نہ یہ کہ اپنی جانوں کو اس کی جان سے عزیز تر جانیں۔ یہ اس لیے کہ انہیں اللہ کی راہ میں کوئی پیاس نہ پہنچے گی، اور نہ کوئی مشقت اور نہ بھوک، اور نہ وہ کسی ایسی جگہ پر جائیں گے جو کفار کو غصہ دلائے، اور نہ وہ کسی دشمن سے کچھ مالِ غنیمت یا فتح حاصل کریں گے مگر اس کی وجہ سے ان کے لیے نیک عمل لکھا جائے گا۔ بلاشبہ اللہ نیکوکاروں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ اور نہ وہ کوئی چھوٹا بڑا خرچ کریں گے اور نہ کوئی نشیب قطع کریں گے مگر ان کے لیے لکھا گیا کہ اللہ ان کو ان کے اعمال کا بہت اچھا بدلہ دے گا۔ اور مومن سب کے سب تو لشکر میں چلے آنے والے نہیں تھے، لہٰذا ان میں سے ہر گروہ میں سے ایک جماعت کیوں نہ نکل آئی تاکہ وہ دین کی سمجھ حاصل کرتے اور واپس جاکر اپنی قوم کو خبردار کرتے تاکہ وہ بچ جاتے۔"

"اے ایمان والو! اپنے قریب والے کفار سے قتال کرو اور چاہیئے کہ وہ تم میں شدت پائیں اور جان لو کہ اللہ متقین کے ساتھ ہے۔"

"اور جب بھی کوئی سورت اتاری گئی تو ان میں سے بعض کہنے لگے: اس نے تم میں سے کس کا ایمان بڑھایا ہے؟ سو جو لوگ ایمان لائے ہیں ان کا ایمان تو اس نے بڑھادیا ہے اور وہ بشارت پاتے ہیں، اور جن کے دلوں میں بیماری ہے تو ان کی پلیدی پر پلیدی بڑھادی اور وہ اسی حال میں مرے کہ وہ کافر تھے۔"

"اور جب کوئی سورت اتاری گئی تو ان میں سے بعض نے بعض کی طرف دیکھا، کیا تمہیں کوئی دیکھ رہا ہے؟ پھر وہ چلے گئے اللہ ان کے دلوں کو پھیر دے کیونکہ وہ ایک بے سمجھ قوم ہے۔"

سورت کا اختتام

سورت کے آخر میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان بیان فرمائی گئی ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپؐ کو توکل واعتماد علی اللہ پر متوجہ کیا گیا ہے۔ اور یہ کہ آپؐ صرف اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی کفالت پر اکتفا کریں۔

"بیشک آیا ہے تمہارے پاس ایک رسولؐ تمہیں میں سے، اس کو تمہاری تکلیف بہت شاق گزرتی ہے، وہ تم پر حریص ہے، مومنوں پر شفیق ہے رحیم ہے۔ پس اگر یہ لوگ منہ پھیریں

تو کہو کہ مجھ کو اللہ کافی ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، میں نے اسی پر بھروسہ کیا اور وہ بڑے تخت کا مالک ہے۔"

ان مختصر تمہیدات کے بعد اب ہم سورت کی باقی نصوص کی تفسیر کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، یہ آیت ۹۳ اوپر گزر چکی ہے کہ:

"بلاشبہ الزام کی راہ ان لوگوں پر ہے جو غنی ہونے کے باوجود تجھ سے اجازت مانگتے ہیں۔ وہ اس پر راضی ہو گئے کہ پیچھے رہنے والیوں میں رہیں (عورتوں اور بچوں اور معذوروں میں بیٹھے رہیں!) اور اللہ نے ان کے دلوں پر مہر کر دی، پس وہ جانتے نہیں ہیں۔"

اب اس کے بعد آیت ۹۴ سے گیارھواں جزء شروع ہوتا ہے۔

پارہ ۱۱

يَعْتَذِرُونَ إِلَيْكُمْ إِذَا رَجَعْتُمْ إِلَيْهِمْ ۚ قُل لَّا تَعْتَذِرُوا لَن نُّؤْمِنَ لَكُمْ قَدْ نَبَّأَنَا اللَّهُ مِنْ أَخْبَارِكُمْ ۚ وَسَيَرَى اللَّهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُ ثُمَّ تُرَدُّونَ إِلَىٰ عَالِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٩٤﴾ سَيَحْلِفُونَ بِاللَّهِ لَكُمْ إِذَا انقَلَبْتُمْ إِلَيْهِمْ لِتُعْرِضُوا عَنْهُمْ ۖ فَأَعْرِضُوا عَنْهُمْ ۖ إِنَّهُمْ رِجْسٌ ۖ وَمَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿٩٥﴾ يَحْلِفُونَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ ۖ فَإِن تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يَرْضَىٰ عَنِ الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ ﴿٩٦﴾

(ترجمہ) جب تم ان کی طرف واپس جاؤ گے تو وہ تم سے عذر خواہی کریں گے۔ کہو کہ معذرت طلبی مت کرو، ہم تمہاری بات ہرگز نہ مانیں گے، اللہ نے ہم کو تمہاری خبریں بتا دی ہیں، اور اب اللہ اور اس کا رسول ؐ تمہارا عمل دیکھیں گے۔ پھر تم کو پوشیدہ اور ظاہر کو جاننے والے خدا کی طرف لوٹایا جائے گا، پس وہ تم کو تمہارے اعمال بتائے گا (۹۴) وہ ابھی تمہارے سامنے قسمیں کھائیں گے، جب کہ تم ان کی طرف واپس جاؤ گے، تاکہ تم ان سے منہ پھیر لو۔ پس تم ان سے منہ پھیر لو، یقیناً وہ پلید ہیں اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے، جو ان کی کمائی کی جزا ہے (۹۵) وہ تمہارے سامنے قسمیں کھائیں گے تاکہ تم ان سے راضی ہو جاؤ، پھر اگر تم ان سے راضی ہو جاؤ، تو بھی اللہ فاسق قوم سے راضی نہ ہو گا" (۹۶)

میدانِ جنگ سے پیچھے رہ جانے میں ان لوگوں کے لیے کوئی گناہ نہیں:

(۱) ضعیف لوگ، بوڑھے وغیرہ۔

(۲) بیمار۔

(۳) وہ محتاج لوگ جن کے پاس خرچ نہیں۔

اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں میدانِ معرکہ تک لے جانے کے لیے سواریاں پاتے ہیں۔ گناہ تو ان لوگوں کا ہے جو غیر معذور ہیں اور پھر بھی میدان میں جانے سے جی چراتے ہیں۔ وہ غنی ہونے کے باوجود جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے رخصت مانگتے تھے۔ یہ خانہ نشین خواتین کی مانند گھروں میں بیٹھنا پسند کرتے تھے۔ لہٰذا حرج اور گناہ ان پر ہے، یہی لوگ ہیں جن سے خروج اور قعود کے بارے میں مؤاخذہ ہوا، یہ لوگ نافرمان کہلائے، زمین کا بوجھ بن کر بیٹھ رہنے والے قرار دیئے گئے، اللہ نے انہیں غنی کیا تھا مگر یہ اللہ کا حق ادا نہیں کرتے تھے۔ یہ اسلام کی حمایت میں ہر قسم کا سکھ چین، جان و مال کا اطمینان اور عزت و آبرو کی فراوانی پاتے تھے۔ مگر اسلام کا حق ادا کرنے کو تیار نہ تھے، جس معاشرے میں رہتے تھے، اسی نے انہیں مکرم و محترم بنایا تھا، مگر یہ لوگ اس کا حق ادا کرنے کو تیار نہ تھے۔ یہی سبب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے یہ وصف پسند فرمایا:

"انہوں نے میدان سے پیچھے رہنے والوں کے ساتھ رہنا پسند کیا۔"

ہمت و عزیمت کا فقدان

میدان میں نکل کر اپنی عزت و آبرو، عقیدے اور وطن کا دفاع کرنا با ہمت اور پرعزم مردوں کا کام ہے۔ ان منافقوں اور دل کے بیماروں میں یہ غیرت و حمیت نہیں ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ انہیں ساقط الہمۃ اور ضعیف العزیمۃ قرار دیتا ہے۔ یہ اس بات پر اکتفا کر کے راضی ہیں کہ عورتوں، بچوں، عاجزوں اور معذوروں کے ساتھ گھروں میں بیٹھے رہیں، میدانِ جہاد و قتال میں نہ جائیں۔ یہ جہاد کی تکالیف سے عاجز و درماندہ ہو گئے ہیں۔ وہ لوگ جو مجبوری کی بنا پر رہ گئے وہ تو معذور تھے، مگر یہ بہانہ ساز لوگ معذور نہیں ہیں۔

علم و شعور سے عاری لوگ

ان کی بے ہمتی، بزدلی اور بہانہ سازی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان میں شعور و علم کے اندر جانے کے راستے بند کر دیئے تھے، ان کے اندر استقبال و ادراک کے اسباب ختم ہو چکے ہیں۔ وہ خود گمنامی، بلادت و حماقت اور عدیم الہمتی پر راضی ہو گئے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے بطورِ سزا ان کے دل سخت کر دیئے فرمایا:

"اور اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے اور یہ لاعلم ہو چکے ہیں۔"

بلند ہمتی اور عمل کے اسباب سے وہی محروم ہوتا ہے جو ذلیل سلامتی اور احمقانہ راحت پر فریفتہ

ہو جائے، اس کا دل معرفت اور تجربے سے خالی ہو جاتا ہے۔ راحت اور بیکاری کی عادت انسان میں بلند ہمتی کے شعور و ادراک کی کھڑکیاں بند کر دیتی ہے حرکت زندگی کی دلیل ہے اور جہاں حرکت نہیں وہاں زندگی کے بجائے موت آدھمکتی ہے، جہاں سے غیرت و حمیت رخصت ہو جائے وہاں بے غیرتی و بے حمیتی ڈیرے جمالیتی ہے۔ خطرے کا مقابلہ کرنا دل کی پوشیدہ قوتوں کو بیدار کرتا ہے، اور جہاں یہ نہ رہے وہاں موت ڈیرے ڈال دیتی ہے اور حیات رخصت ہو جاتی ہے۔ خطرات کا مقابلہ انسانی طاقتوں کو عمل پر آمادہ کرتا ہے۔ اور سب چیزیں جو بیان ہوئیں، یہ علم و معرفت کے رنگ ہیں۔ راحت کے متلاشی اور سلامتی پر مفتوں لوگ ان سے محروم ہوتے ہیں۔ یہ لوگ ہمت کے لحاظ سے ذلیل، عزم کے لحاظ سے ساقط، اور حرکت کے فقدان کے باعث جمادات کے مشابہ ہیں۔

بہانہ سازی منافقوں کا فعل ہے

اللہ تعالیٰ نے اس آیت ۹۴ میں فرمایا ہے کہ:

"تمہاری واپسی پر یہ لوگ معذرت خواہی کریں گے۔"

غزوۂ تبوک سے واپسی کے بعد جو صورت پیش آنے والی تھی، اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ اور مخلص ایمانداروں کو اس کا حال پہلے سے بتادیا تھا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان آیات کا نزول غزوۂ تبوک سے واپسی پر مدینہ منورہ پہنچنے سے قبل ہوا تھا۔ منافقوں کو خدشہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کو اس حقیقت کا علم ہے کہ وہ بلا عذر جنگ سے پیچھے رہ گئے تھے، اسی بے شرمندگی کو مٹانے، اپنے اس عمل کی شرمندگی سے بچنے اور تخلف کے حقیقی اسباب کے کھل جانے کے خدشے کے پیش نظر، اور یہ اسباب ضعفِ ایمان، سلامتی کو ترجیح دینا اور جہاد سے ڈرنا جیسے سنگین کام تھے۔ پس اس خدشے کے پیش نظر، انہوں نے بہانہ سازی اور عذر تراشی کا سہارا لیا۔ مگر ان کا یہ سہارا بالکل بے جان تھا، لہٰذا فرمایا:

"کہو کہ تم عذر خواہی مت کرو، اللہ نے ہم کو تمہاری خبریں بتادی ہیں!"

اپنے عذر ایک طرف رکھو، ہمارا تم سے ہرگز اطمینان نہ ہوگا اور ہم ہرگز تمہاری تصدیق نہ کریں گے۔ اب ہم پہلے کی طرح تمہارے ظاہری نام نہاد اسلام سے دھوکا نہ کھائیں گے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے دلوں کے اندرونی راز ہم پر ظاہر کر دیئے ہیں، اب وہ راز مستور نہیں رہے، بلکہ ظاہر ہو گئے ہیں، اب ہم صرف قول پر بھروسہ نہ کریں گے (جو پہلے کرتے رہے ہیں)

لَنْ نُّؤْمِنَ لَكُمْ

عدم تصدیق، اعتماد و اعتبار نہ کرنا، بھروسہ کے لائق نہ جاننا ان چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے جو لن نؤمن لکم سے تعبیر فرمایا ہے، اس کی ایک خاص دلالت اور سبب ہے، کیونکہ ایمان دراصل تصدیق، وثوق، بھروسے اور اطمینان کا دوسرا نام ہے۔ قول سے تصدیق کرنا، عقل کے ساتھ بھروسہ کرنا اور دل کے ساتھ اطمینان کرنا، اور مومن کا اپنے رب پر وثوق، اور یہ وثوق دوسرے مومنوں کے اور اس کے درمیان بطور

تماول ہو۔ پس یہ قرآنی تعبیر ہمیشہ کی طرح اپنی دلالت اور اشارہ رکھتی ہے کہ: فرمایا ہے کہ: قل لا تعتذروا
کیونکہ تمہارے قول کا کچھ فائدہ نہیں اور تمہارے کلام پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ تم عمل کرو، اگر تمہارا عمل تمہارے
قول کے مطابق ہوا تو درست ہے، ورنہ صرف قول کا کوئی اعتبار نہیں ہے، اور اللہ اور اس کا رسول تمہارا عمل
دیکھیں گے۔ اللہ تعالیٰ پر نہ اعمال پوشیدہ ہیں نہ ان کے پیچھے چھپی ہوئی نیتیں، لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم تمہارے قول کو تمہارے عمل کے ساتھ تولیں گے اور اسی کی بنیاد پر اب مسلم معاشرے میں
تمہارے ساتھ لوگوں کا تعامل ہوگا۔

عالم الغیب والشہادۃ تمہارے اعمال کی تم کو خبر دیگا

معاملہ اسی عالم تک ختم ہو کر نہ رہ جائے گا، بلکہ اس دنیا کے اعمال کے بعد جزاء اور حساب ہے جن کا
قیام علم الٰہی پر مبنی ہوگا۔ جو ظواہر و سرائر کو خوب جانتا ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے کہ:

"پھر تم کو ظاہر و باطن کے جاننے والے کی طرف لوٹایا جائے گا جو تمہارے اعمال کی تم
کو خبر دے گا"

غیب سے مراد وہ چیز ہے جس کا علم انسانوں سے غائب ہے، اور شہادت سے مراد وہ جہان ہے جس
کو وہ دیکھتے اور پہچانتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ اس معنیٰ کے لحاظ سے، بلکہ اس سے زیادہ کامل و شامل معنوں
میں عالم الغیب والشہادت ہے۔ اللہ سبحانہ، وہ کچھ بھی جانتا ہے جو اس جہانِ ظاہر میں ہے اور وہ بھی جو
اس کے پیچھے مستور جہان میں ہے اور اللہ تعالیٰ کا ان مخاطبین کے لیے یہ قول کہ:

"پس وہ تم کو تمہارے اعمال سے خبر دے گا"

اس میں ایک مقصود اشارہ ہے۔ وہ یہ کہ وہ تو اپنے اعمال سے باخبر ہوں گے ہی لیکن اللہ عزوجل ان
سے بھی زیادہ جانتا ہے۔ حتیٰ کہ ان کو وہ بتائے گا۔ عمل کے بہت سے مخفی اسباب بھی ہوتے ہیں جن کو
خود عامل نہیں جانتا۔ مگر کرتا ہے۔ لہٰذا اللہ سبحانہ، اس کے اعمال کو اس سے زیادہ جانتا ہے۔ عمل کرنے والا
اپنے بہت سے اعمال کے نتائج کو نہیں جانتا کہ کب واقع ہوں گے اور عامل تو نہیں جانتا مگر اللہ تعالیٰ انہیں
خوب جانتا ہے اور یہاں پر بظاہر خبر دینے کا نتیجہ مراد ہے، یعنی حساب اور جزائے برحق، مگر بطورِ نص اس
نتیجے کو نہیں بتایا گیا، صرف خبر دینا بتایا ہے۔

جھوٹے جھوٹی قسمیں کھائیں گے

آیت: ۹۵ میں ارشاد ہوا ہے کہ:

"جب تم ان کی طرف واپس جاؤ گے تو وہ تمہارے سامنے قسمیں کھائیں گے تاکہ تم ان
سے اعراض کرو۔ پس تم ان سے اعراض کرو، وہ پلید ہیں اور ان کا ٹھکانہ جہنم ہے۔
جو ان کے کسب کا بدلہ ہے"

منافقوں کا خیال تھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان رومیوں کے مقابلے سے صحیح سلامت

واپس نہ آئیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ان کی بدظنی کا رد بھی فرمایا اور یہ بھی بتایا کہ وہ تمہارے سامنے جھوٹی قسمیں کھا کر بچنا چاہیں گے۔ اپنی بہانہ سازیوں کی تکمیل قسموں سے کریں گے تاکہ عتاب و عقاب سے بچے رہیں۔ کیونکہ ایسے سنگین مواقع پر جنگ سے منہ پھیرنا غداری میں شمار ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ عفو و درگزر کے طور پر ان سے اعراض مت کرو۔ بلکہ اس طور پر کہ وہ مہمل چیزیں ہیں، ان کی اہمیت نہیں ہے، انہیں پلید سمجھ کر ان سے دور رہو اور بچ جاؤ۔

وہ پلید ہیں!

معنوی پلیدی کو اللہ تعالیٰ نے ایک حسی جسم کے طور پر پیش فرمایا کہ: "وہ پلید ہیں"۔ کیونکہ اپنے اجسام و ذوات کے طور پر تو وہ پلید نہیں ہیں، بلکہ ان کی ارواح و عقائد و اعمال پلید ہیں۔ لیکن اس جسمانی صورت میں ان کو بہت قابلِ نفرت اور گندہ بنا کر پیش کیا گیا ہے، مقصد یہ ہے کہ ان سے گریز کیا جائے، اعراض کیا جائے، بچا جائے، کوئی اہمیت نہ دی جائے، جس طرح رفعِ حاجت کے لیے جانا ہے تو لازم، مگر اس غلاظت کو انسان ذرہ برابر وقعت نہیں دیتا جو اس سے خارج ہوتی ہے۔ یہ الفاظ بطور حقارت و توہین بولے گئے ہیں کیونکہ جن لوگوں کے لیے بولے گئے ہیں وہ نفرت و حقارت کے مستحق ہیں! جو لوگ دشمن کے حملے کے وقت مقابلے سے گریز کریں، چھپتے پھریں، بہانے بنائیں، درانحالیکہ باقی ساری جماعت اپنا تن من دھن قربان کرنے کو باہر نکل آئے، تو ایسے وقت میں دغا دینے والے واقعی پلید و خبیث ہیں! ایسے لوگ دراصل ایک زندہ جماعت کے جسم میں مردہ و متعفن حصہ ہیں، جن کا کاٹ پھینکنا ہی بہتر ہے، اور پھر اس کے ساتھ ہی یہ بھی بڑی افسوسناک صورتِ حال ہے کہ یہ لوگ غنی تھے، نکلنے پر قادر تھے، تندرست تھے، معذور یا بیمار نہ تھے۔ اس حقیقت نے ان کو مسلم جماعت کے تندرست جسم کا بیمار اور بدبودار حصہ ٹھہرا دیا تھا، اب انہیں جتنی جلدی اس تندرست جسم سے جدا کیا جاتا اتنا ہی بہتر تھا!

ان کا ٹھکانا جہنم ہے

منافقوں کا خیال یہ تھا کہ وہ پیچھے رہ کر فائدہ اٹھا رہے ہیں، اور گھروں میں محفوظ رہ کر نفع کما رہے ہیں سلامتی اور راحت ان کو حاصل ہے، اور انہوں نے عافیت اور مال کی حفاظت کر لی ہے۔ مگر حقیقت اس کے برعکس ہے۔ وہ یہ کہ دنیا میں وہ پلید ہیں اور آخرت میں ان کا حصہ ضائع ہے۔ بس یہ خسارہ اپنی ہر شکل اور ہر رنگ میں پورا اور مکمل خسارہ ہے اور اللہ سے زیادہ سچی بات کس کی ہو سکتی ہے؟

اللہ فاسق قوم سے راضی نہ ہو گا!

آیت: ۹۶ میں ارشادِ الٰہی ہے کہ:

"وہ تمہارے لیے قسمیں کھاتے ہیں تاکہ تم ان سے راضی ہو جاؤ سو اگر تم ان سے راضی ہو بھی جاؤ تو اللہ تعالیٰ فاسق قوم سے راضی نہ ہو گا"۔

Marfat.com

منافق اس معاملے میں بھی، جس میں قصوروار سراسر وہی تھے اور انہیں اس کی سزا ملنی چاہیے تھی۔
پہلے تو یہ چاہتے ہیں کہ مسلمان درگزر کرکے انہیں معاف کردیں، پھر ایک درجہ اوپر چڑھ کر مسلمانوں کی رضا
کے بھی طالب ہیں تاکہ اس رضا کے باعث انہیں مسلم معاشرے میں سلامتی حاصل ہوجائے، اور مسلمان
ان کے ساتھ وہی پہلا معاملہ کرتے رہیں، ان سے جہاد نہ کریں، نہ شدت اختیار کریں۔ لیکن اللہ سبحانہ نے
فرمایا ہے کہ ان کے نفاق سے پیدا ہونے والا یہ قعود انہیں فاسق کرکے دین سے نکال چکا ہے، اور اللہ تعالیٰ
فاسقوں سے راضی نہیں ہوا کرتا، مسلمان بالفرض ان سے راضی ہوجائیں تب بھی اللہ عزوجل راضی نہ ہوگا
مسلمانوں کی رضا ان منافقوں کو اللہ کے غضب سے نہیں بچا سکتی۔ اللہ کو راضی کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے
کہ وہ اپنے فسق سے تائب ہوجائیں اور رویہ درست کرلیں۔)

اللہ تعالیٰ نے اس سے قبل مسلمانوں کو مشرکوں کے بارے میں انتہائی احکام دیئے تھے، اب وہ منافقوں
کے پوست کندہ احوال بیان کرکے ان کے بارے میں انتہائی احکام بیان فرما رہا ہے۔ چنانچہ جس طرح
مشرکوں اور اہل کتاب کے متعلق اس سورت میں انتہائی احکام بیان فرمائے گئے ہیں۔ اسی طرح منافقوں
کے متعلق بیان کیے جا رہے ہیں۔

الْأَعْرَابُ أَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا وَّأَجْدَرُ أَلَّا يَعْلَمُوا حُدُودَ مَا أَنزَلَ اللَّهُ عَلَىٰ
رَسُولِهِ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿٩٧﴾ وَمِنَ الْأَعْرَابِ مَن يَتَّخِذُ مَا يُنفِقُ
مَغْرَمًا وَيَتَرَبَّصُ بِكُمُ الدَّوَائِرَ ۚ عَلَيْهِمْ دَائِرَةُ السَّوْءِ ۗ وَاللَّهُ
سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٩٨﴾ وَمِنَ الْأَعْرَابِ مَن يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ
وَيَتَّخِذُ مَا يُنفِقُ قُرُبَاتٍ عِندَ اللَّهِ وَصَلَوَاتِ الرَّسُولِ ۚ أَلَا إِنَّهَا
قُرْبَةٌ لَّهُمْ ۚ سَيُدْخِلُهُمُ اللَّهُ فِي رَحْمَتِهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٩٩﴾ ع ۱۲ ۱
وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُم
بِإِحْسَانٍ رَّضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي
تَحْتَهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۚ ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿١٠٠﴾ وَمِمَّنْ
حَوْلَكُم مِّنَ الْأَعْرَابِ مُنَافِقُونَ ۖ وَمِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ ۖ مَرَدُوا
عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ ۖ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ۚ سَنُعَذِّبُهُم مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ

Marfat.com

يُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ ﴿١٠١﴾ وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا
عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا ؕ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ
غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٠٢﴾ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا
وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿١٠٣﴾ اَلَمْ
يَعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ وَ
اَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿١٠٤﴾ وَقُلِ اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَ
رَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ وَسَتُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ
بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿١٠٥﴾ وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ اِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَ
اِمَّا يَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿١٠٦﴾ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا
ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ
وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ؕ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَاۤ اِلَّا الْحُسْنٰى ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ
اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿١٠٧﴾ لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا ؕ لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى
مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ؕ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ؕ
وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ﴿١٠٨﴾ اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى تَقْوٰى مِنَ
اللّٰهِ وَرِضْوَانٍ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى شَفَا جُرُفٍ هَارٍ
فَانْهَارَ بِهٖ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٠٩﴾ لَا
يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِيْ بَنَوْا رِيْبَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلَّاۤ اَنْ تَقَطَّعَ قُلُوْبُهُمْ ؕ
ع ۱۳ ۲ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿١١٠﴾

(ترجمہ) صحرائی لوگ کفر و نفاق میں بہت سخت ہیں اور زیادہ اسی بات کے لائق ہیں کہ اللہ کی

Marfat.com

اپنے رسولؐ پر نازل کردہ کتاب کی حدود کو نہ جانیں، اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا خوب دانا ہے (۹۷) اور بعض صحرائی جو خرچ کرتے ہیں اسے تاوان جانتے ہیں اور تم پر مصائب کے انتظار میں رہتے ہیں، انہی پر ہے برائی کا چکر، اور اللہ تعالیٰ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے (۹۸) اور بعض صحرائی اللہ اور پچھلے دن پر ایمان لاتے ہیں اور جو کچھ خرچ کرتے ہیں اسے اللہ کے قرب کا اور رسولؐ کی دعاؤں کا سبب جانتے ہیں، سن لو کہ وہ ان کے لیے باعثِ قرب ہے، ابھی داخل کرے گا ان کو اللہ اپنی رحمت میں۔ بلاشبہ اللہ بہت بخشنے والا ہے بہت مہربان ہے۔ (۹۹) اور پہلے سبقت لے جانے والے مہاجرین اور انصار میں سے، اور وہ جو ان کے پیچھے چلے احسان کے ساتھ، اللہ ان سے راضی ہوا، وہ اللہ سے راضی ہوئے، اور ان کے لیے تیار کیں جنتیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں، وہ ہمیشہ انہی میں رہیں گے۔ یہی ہے بڑی کامیابی (۱۰۰) اور تمہارے ارد گرد کے بادیہ نشینوں میں سے بعض منافق ہیں۔ اور مدینہ والوں میں سے بعض نفاق پر ڈٹے ہوئے ہیں، تو ان کو نہیں جانتا، ہم انہیں جانتے ہیں۔ ابھی ہم ان کو دوہرا عذاب دیں گے، پھر ان کو ایک بڑے عذاب کی طرف لوٹایا جائے گا (۱۰۱) اور کچھ اور ہیں جنہوں نے اپنے گناہوں کا اعتراف کیا، انہوں نے کچھ نیک عمل اور کچھ برے ملا ملا دیئے، قریب ہے کہ اللہ ان پر رجوع کرے۔ بلاشبہ اللہ بہت بخشنے والا بہت رحم والا ہے (۱۰۲) لے لے تو ان کے مالوں میں سے صدقہ جو ان کو پاک کرے اور اس کے ساتھ تو ان کا تزکیہ کرے اور ان کے لیے دعائے خیر کر، بلاشک تیری نماز ان کے لیے باعثِ سکون ہے اور اللہ بہت سننے بہت جاننے والا ہے۔ (۱۰۳) کیا انہوں نے نہیں جانا کہ اللہ ہی اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور صدقے لیتا ہے، اور یہ کہ بلاشبہ اللہ ہی بہت رجوع کرنے والا ہے بہت رحم کرنے والا ہے (۱۰۴) اور کہہ کہ تم عمل کرو، سو ابھی دیکھے گا اللہ تمہارا عمل اور اس کا رسولؐ بھی اور مومن بھی، اور ابھی تم کو لوٹایا جائے گا پوشیدگیوں اور ظاہر کو جاننے والے خدا کی طرف پھر وہ تمہیں بتائے گا جو تم کیا کرتے تھے (۱۰۵) اور کچھ اور ہیں جن کا معاملہ اللہ کے فیصلے کے لیے پیچھے ڈالا گیا، یا ان کو عذاب دے گا یا ان کی توبہ قبول کرے گا اور اللہ خوب ہی جاننے والا ہے بہت دانا ہے (۱۰۶) اور جنہوں نے ایک مسجد ضرر پہنچانے اور کفر کی خاطر بنائی اور ایمانداروں میں جدائی ڈالنے کے لیے، اور گھات لگانے کے لیے ان کی خاطر جنہوں نے اس سے پہلے اللہ اور اس کے رسولؐ سے جنگ کی۔ اور وہ ضرور قسمیں کھائیں گے کہ ہمارا ارادہ صرف نیکی کا تھا۔ اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ بلاشبہ وہ کافر ہیں (۱۰۷) اس میں کبھی کھڑا نہ ہونا، جس مسجد کی بنیاد پہلے دن سے تقویٰ پر رکھی گئی وہ اس کی زیادہ مستحق ہے کہ تو اس میں کھڑا ہو۔ اس میں مرد ہیں جو خوب پاکیزگی اختیار کرنا چاہتے ہیں اور اللہ خوب پاکیزگی اختیار کرنے والوں کو پسند کرتا ہے (۱۰۸) سو کیا جس نے اپنی عمارت کی بنیاد خوفِ خدا اور رضا پر رکھی، وہ بہتر ہے

یا وہ جس نے اپنی عمارت کی بنیاد ایک ڈھے جانے والے گڑھے پر رکھی ؟ پس وہ اس کو جہنم کی آگ میں لے گری اور اللہ ظالم قوم کو راہ نہیں دیتا (۱۰۹) ہمیشہ ان کی وہ عمارت جو انہوں نے بنائی ان کے دلوں میں شک بن کر کھٹکتی رہے گی ۔ مگر یہ کہ ان کے دل ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں ، اور اللہ بہت عالم بہت دانا ہے ۔" (۱۱۰)

یہ سارا درس اس وقت کے اسلامی معاشرے کی اقسام بیان کرتا ہے ــــــــــــــ یعنی غزوۂ تبوک کے دور میں ! ــــــــــــــ وہ اس کے ان گروہوں اور ایمانی طبقات کی تصویر کھینچتا ہے جو اس معاشرے کی عام عضوی ترکیب میں داخل تھے ۔ ہر ایک کی صفات و اعمال کو جدا کر کے دکھاتا ہے ۔ مدینہ میں مسلم جماعت کے اندر ان متعدد ایمانی مقامات کے بن جانے کے تاریخی اسباب ہم اس سورت کی تمہید میں دسویں پارے میں پیش کر چکے ہیں ۔ یہاں پر ہم اس تفصیل میں سے آخری فقرات کے بعض اجزا پیش کرتے ہیں تاکہ اس بات کو پیش نظر رکھا جا سکے کہ ایک معاشرے میں ان متعدد جماعتوں کے پیدا ہونے کے کیا اسباب تھے ۔

" قریش کا معاندانہ طویل وقوف اسلام کے جزیرۂ عرب میں پھیلنے کے ساتھ ایک رکاوٹ تھی کیونکہ جزیرے میں دینی معاملات کی باگ ڈور قریش ہی کے ہاتھ میں تھی ۔ انہیں عرب میں ادبی ، اقتصادی و سیاسی لحاظ سے بھی نفوذ حاصل تھا ۔ پس ان کا یوں اس نئے دین کے سامنے کھڑا ہو جانا باقی عربوں کو اس میں داخل ہونے سے روکتا تھا ، یا کم از کم انہیں اس تردد و انتظار میں مصروف رکھتا تھا کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی قوم کے درمیان معرکے کا انجام دیکھیں ، پس جب فتح مکہ کے موقع پر قریش اسلام کے سامنے جھک گئے اور ان کے بعد طائف کے ہوازن اور ثقیف بھی مطیع ہو گئے ، اور مدینہ کے تین بڑے یہودی قبائل کی قوت بھی بالآخر ٹوٹ چکی تھی ، بنو قینقاع اور بنو نضیر کو شام کی طرف جلاوطن کر دیا گیا تھا ۔ بنو قریظہ کو مٹا دیا گیا تھا ، اور خیبر کے یہودی بھی بالآخر اسلام کے سامنے جھک گئے تھے ، تو یہ واقعات لوگوں کے دین الٰہی میں فوج در فوج داخل ہونے کا سبب بنے تھے اور اسلام کے ایک ہی سال کے اندر اندر سارے جزیرۂ عرب میں پھیل جانے کا باعث ہوئے تھے ۔"

" مگر اسلامی سلطنت اور اس کے حجم میں یہ ساری وسعت اپنے ساتھ وہ تمام اسباب و ظواہر لے کر آئی جو فتح بدر کے بعد اسلامی معاشرے میں ظاہر ہوئے تھے ۔ قریب تھا کہ طویل تربیت اور دائمی تزکیہ کے سبب سے اسلامی معاشرہ ان سے پاک ہو جاتا ۔ مگر یہ ساری چیزیں ایک وسیع ترحیثیت میں پھیلیں ۔ بدر کے بعد سات سال تک یہی حالات رہے کہ اگر مدنی معاشرہ اسلامی عقیدے اور مسلم جمعیت کے لیے ریڑھ کی اور واحد مضبوط بنیاد نہ بن چکا ہوتا ، تو اسلام کے اتنی تیزی کے ساتھ جزیرۂ عرب میں پھیلنے کے باعث اس اسلامی معاشرے کے لیے ایک بڑا خطرہ ہو سکتا تھا ، لیکن اللہ تعالیٰ جو خود اس معاشرے کا مدبر و مربی تھا ، اس نے مہاجرین و انصار کے سابقین اولین کی ایک مضبوط جماعت تیار کر دی تھی تاکہ وہ اسلامی معاشرے کی اصل اور مضبوط بنیاد بن جائے ، لہٰذا اس سریع اشاعتِ اسلام کے

Marfat.com

باوجود جماعت اپنے پاؤں پر کھڑی رہی۔ گو کئی حوادث آتے رہے اور بار بار اس عظیم و مضبوط عمارت کو نقصان پہنچنے کے خطرات پیدا ہوتے رہے۔"

اس سلسلے کا پہلا حادثہ جنگ حُنین میں ظاہر ہوا جس کا ذکر اسی سورۃ توبہ میں یوں آیا ہے:

"بیشک اللہ نے بہت سی جگہوں میں تمہاری مدد فرمائی، اور جنگِ حنین میں بھی جب کہ تمہاری کثرت تمہیں پسند آگئی، مگر وہ تمہارے کسی کام نہ آئی اور زمین وسیع ہونے کے باوجود تم پر تنگ ہوگئی۔ پھر تم منہ پھیر کر چلے گئے۔ پھر اللہ نے اپنا سکون اپنے رسولؐ پر اتارا اور مومنوں پر بھی، اور وہ لشکر اتارے جن کو تم نے نہ دیکھا اور کافروں کو عذاب دیا اور کافروں کی یہی جزا تھی۔"

اور ابتداءً اس شکست کے ظاہری اسباب میں سے ایک یہ تھا کہ وہ طُلقاء جو فتح مکہ کے دن اسلام لائے تھے، وہ مدینہ کی دس ہزار فوج کے ساتھ نکلے تھے۔ جس فوج نے کہ مکہ فتح کیا تھا۔ پس اُن دس ہزار کے ساتھ ان دو ہزار کی موجودگی مسلم صفوں میں عدمِ توازن کا باعث تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ہوا کہ ہوازن کے تیر اندازوں نے یک لخت تیروں کی بوچھاڑ کر دی تھی، اور یہ دو ہزار اتنے تربیت یافتہ نہ تھے جتنے کہ ایک طویل عرصے تک ——— بدر سے فتح مکہ تک ——— تجربہ و تربیت کی چھلنی سے گزرنے والے وہ دس ہزار تھے۔"

"اسی طرح غزوۂ تبوک کے دوران میں جو مادی او ظاہری موذی اسباب پیدا ہوئے، وہ اس تیز رفتار آفاقی وسعت کا نتیجہ تھے جس سے مسلم جماعت اس وقت دوچار ہوئی۔ اسلام میں تازہ اور نئی فوجیں داخل ہوئیں ان میں اور قدیم الایمان لوگوں میں ایمانی اور تنظیمی امتیازات موجود تھے۔ یہی وہ اعراض و ظواہر تھے جن کا ذکر سورۃ توبہ نے کیا ہے۔ اور اسی سبب سے وہ شدید، تند و تیز، مختلف اسلوبوں اور طرزِ بیان کے حملے تھے۔ جن کا ذکر ہم نے مختلف قطعات کے ذکر میں کیا ہے۔"

اس بیان کے بعد اب ہم نصوص کی متصل تفسیر کی طرف آتے ہیں۔

اعراب کفر و نفاق میں شدید تر ہیں

آیات: ۹۷ ——— ۹۹ میں بعض بدوؤں کا حال یوں بیان فرمایا گیا ہے:

"اعراب کفر و نفاق میں بہت سخت ہیں اور اس بات کے زیادہ لائق ہیں کہ اس کتاب کی حدود کو نہ جانیں جس کو اللہ نے اپنے رسولؐ پر اتارا، اور اللہ بہت عالم بہت دانا ہے، اور بعض اعرابی خرچ کرنے کو تاوان جانتے اور تم پر گردشہائے روزگار کا انتظار کرتے ہیں انہی پر برائی کی گردش ہے۔ اور اللہ بہت سننے والا بہت جاننے والا ہے۔ اور بعض اعراب وہ ہیں جو اللہ پر اور پچھلے دن پر ایمان لاتے ہیں اور اپنے خرچ کئے ہوئے مال کو اللہ کی قربتوں اور رسولؐ کی دعاؤں کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ سُن لو کہ وہ ان کے لیے قربت کا باعث ہے، ابھی اللہ تعالیٰ ان کو اپنی رحمت میں داخل کرے گا، بلاشبہ اللہ تعالیٰ غفور ر

Marfat.com

ہے رحیم ہے۔"

اللہ تعالیٰ نے یہاں سے اعراب یعنی بدویوں کی اقسام کو بیان کرنا شروع کیا ہے، ان کے کئی قبائل مدینہ کے گرد رہتے تھے۔ اور کئی بار اپنے اسلام سے قبل دارالاسلام پر حملے کر چکے تھے۔ جب وہ اسلام لے آئے تو بالعموم وہ ان دو اقسام میں داخل تھے۔ جن کا ذکر ان آیات میں آیا ہے۔ ان کی فطرت و طبیعت کے بارے میں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ وہ کفر و نفاق میں بہت سخت ہیں، مطالب قرآنی اور حدود الٰہی سے نا آشنا ہیں۔ یہ وصف بدویت اور بدوؤں کے متعلق ایک ثابت شدہ وصف بیان کرتا ہے، بالعموم ان بدوؤں کی حالت یہی تھی۔ اور دین کی فقاہت کا نہ ہونا ان کی زندگی کے ظروف سے پیدا ہوا تھا، ان چیزوں نے ان کی طبیعت میں کھردرا پن پیدا کر دیا تھا اور علم و حکمت سے وہ دور ہو چکے تھے۔ ان کے ہاں مادی وحشی اقدار ہی اعلیٰ تر تھیں، اگرچہ ایمان اس قسم کی طبائع سے پھیر دیتا ہے، ان اقدار کو بلند قدروں میں تبدیل کرتا ہے اور ان کو بلند آفاق تک بلند کر دیتا ہے۔ حافظ ابن کثیر نے تفسیر میں بہت سی روایات اعراب کے کھردرا پن کے متعلق بیان کی ہیں:

"ابراہیم نخعی کا بیان ہے کہ ایک بدو زید بن صوحان کے پاس بیٹھا تھا جو اپنے شاگردوں کو حدیث سنا رہا تھا۔ اس کا ہاتھ جنگ نہاوند میں کٹ گیا تھا۔ اعرابی بولا کہ تیری باتیں مجھے بہت پسند ہیں، مگر تیرا ہاتھ مجھ کو شک میں مبتلا کرتا ہے زید نے کہا کہ میرے ہاتھ سے تجھے کیا شک پڑتا ہے! یہ تو بایاں ہاتھ ہے (اگر چوری میں کٹا ہوتا تو دایاں ہوتا) اعرابی بولا: واللہ مجھے نہیں معلوم کہ آیا دایاں کاٹتے ہیں یا بایاں۔ زید بن صوحان بولا کہ: اللہ اور رسولؐ نے سچ فرمایا ہے کہ اعراب کفر و نفاق میں شدید تر ہوتے ہیں اور اس بات کے لائق تر ہوتے ہیں کہ اس تعلیم کی حدود کو نہ جانیں جس کو اللہ نے اپنے رسولؐ پر اتارا۔"

"مسند احمد کی روایت ہے کہ حسب روایت ابن عباسؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو صحرا میں سکونت اختیار کرے وہ کھردرا ہو جاتا ہے، اور جو شکار کے پیچھے جائے وہ غافل ہو جاتا ہے اور جو حاکم کے پاس جائے وہ فتنے میں مبتلا ہو جاتا ہے۔" اور چونکہ صحرا میں رہنے والوں میں شدت اور جفا ہوتی ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے ان میں سے کسی کو رسول نہیں بنایا۔ اور رسولؐ شہروں اور آبادیوں میں سے مبعوث ہوتے رہے ہیں۔ ارشاد خداوندی ہے کہ:

"اور ہم نے تجھ سے پہلے آبادی والوں کے مردوں کو رسول بنا کر بھیجا تھا۔"

"ایک بدو نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدیہ دیا، آپؐ نے اس کو راضی کرنے کے لیے کئی گنا زیادہ تحفے دیئے اور فرمایا: میں نے ارادہ کیا کہ صرف قریشیوں یا ثقیف والوں یا انصاریوں یا دوسیوں سے تحفہ قبول کیا کروں۔" وجہ یہ تھی کہ یہ سب لوگ شہروں میں رہتے تھے: مکہ، طائف، مدینہ، اور یمن ان کی بستیاں تھیں، اور ان کی طبیعتوں میں نرمی اور اخلاق میں سلاست تھی، جبکہ بدوؤں کی طبیعت میں کھردرا پن تھا۔

مسلم کی حدیث میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ کچھ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہنے لگے: کیا آپ لوگ اپنے بچوں کو چومتے ہیں؟ اصحاب نے کہا کہ ہاں! انہوں نے کہ واللہ ہم تو نہیں چومتے۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر اللہ نے تم سے رحمت نکال لی ہو تو میں

Marfat.com

کیا کروں؟

بہت سی روایات ظاہر کرتی ہیں کہ اعراب میں کھردرا پن اور شدت پائی جاتی تھی۔ حتیٰ کہ اسلام لانے کے بعد بھی۔ پس یہ ایک لازم امر تھا کہ بداوت سے ان کی طبائع میں جفا اور غلظت پائی جاتی کیونکہ دوسروں پر سختی کرتے کرتے یہ بات ان کی طبیعت کا حصہ بن گئی تھی، اور اگر کوئی دوسرا ان پر قہر و غلبہ اختیار کرتا تو ان میں نفاق اور کجی کا ہونا ضروری تھا۔ اور صحرائی زندگی کے باعث ——— جہاں جنگل کا قانون ہوتا تھا ——— ان میں لاعلمی اور جہالت اور اسلامی قانون کی حدود سے بے خبری کا پایا جانا، کچھ باعث حیرت نہ تھا۔

اور اس آیت کے آخر میں فرمایا ہے کہ اللہ علیم و حکیم ہے۔ یعنی اپنے بندوں، اپنی مخلوق کے احوال و صفات اور طبائع سے خوب واقف ہے اور خاصیتوں، استعدادوں اور مواہب کی تقسیم میں حکیم ہے، اس نے قسم قسم کی اجناس و اقوام اور نسلیں بنائی ہیں۔ ایمان و اسلام نے بدوؤں میں بہت تبدیلی پیدا کی تھی، ان کی طبائع میں نرمی اور اخلاق میں شائستگی پیدا کر دی تھی۔ تاہم جو قلوب نفاق پر قائم رہ گئے اور صرف زبانی اظہار اسلام کیا۔ ان میں یہ تبدیلی نہ آئی۔ اگلی آیت میں پہلے منافقین کا حال بیان کیا ہے، ان کے ذکر کو مقدم کرنے کا سبب شائد یہ ہو کہ انہیں منافقین مدینہ کے ساتھ ملحق کیا گیا ہے۔ جن کا ذکر اوپر کے قطعہ میں گزرا۔ تا کہ ان دونوں قسم کے منافقوں کا ذکر متصل ہو جائے:

تاوان؟

فرمایا ہے کہ:

"اور بعض بدو وہ ہیں جو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کو تاوان جانتے ہیں اور تم پر گردش ہائے زمانہ کے منتظر رہتے ہیں، انہی پر ہے برائی کی گردش، اور اللہ تعالیٰ خوب سنتا ہے خوب جانتا ہے۔"

یہ لوگ اپنے آپ کو مسلم ظاہر کرنے کے لیے اسلامی ضروریات اور غزوات میں اور زکوٰۃ میں کچھ مال دیتے تھے۔ کیونکہ جس معاشرے میں رہتے تھے اس کی سہولتوں کو حاصل کرنے کے لیے ایسا کرنا ضروری تھا، اور مسلمانوں کے ساتھ مدارات بھی لازم تھی کیونکہ جزیرۂ عرب میں ان کی حکومت تھی اور وہ دل سے یہ سمجھتے تھے کہ ہم ایک تاوان ادا کرتے ہیں، دل سے کراہت جانتے تھے مگر بر سرِ عام ایسا نہ کہہ سکتے تھے۔ اسلام کی محبت فضائل انفاق فی سبیل اللہ کے حصول، غزوات میں مجاہدین کی مدد جیسی چیزیں ملحوظ خاطر نہ ہوتی تھیں۔ اور وہ مسلمانوں پر گردش کائنات کے منتظر رہتے تھے، میدانِ جنگ سے ان کے صحیح سالم واپس آنے کی امید نہ رکھتے تھے۔ مگر برائی کا چکر انہی پر آنے والا تھا۔ کچھ دیر کے بعد جب منافقوں کو جہاد کا حکم ملا تو یا تو منافقوں نے نفاق کو ترک کر دیا، یا پھر مدینہ سے نکل کر معلوم نہیں کہاں جا کر چھپ گئے، اللہ تعالیٰ سمیع و علیم ہے، ان کی باتوں کو سنتا ان کی ہر حرکت کو جانتا تھا، وہ اس سے بچ کر نہیں جا سکتے تھے۔

Marfat.com

مومن بدوی !

گو اپنے تمدن و معاشرت، احوال و ظروف اور طبیعت و ذہنیت کے حوالے سے اعراب کا طبقہ زیادہ تر (اس وقت) منافقوں پر مشتمل تھا، مگر ان میں سے بعض پختہ ایمان کے مومن بھی تھے، چنانچہ آیت ۹۹ میں ارشاد ہوا ہے کہ:

"اور بعض اعراب وہ ہیں جو اللہ اور قیامت پر ایمان لاتے ہیں اور جو خرچ کرتے ہیں اس کو اللہ کے تقرب کا باعث اور رسول کی دعاؤں کا سبب جانتے ہیں۔ سن لو کہ وہ واقعی ان کے لیے تقرب کا باعث ہے۔ اللہ عنقریب ان کو اپنی رحمت میں داخل کرے گا، بلاشبہ اللہ غفور رحیم ہے۔"

یعنی اس فریق کو انفاق فی سبیل اللہ پر آمادہ کرنے والی چیز اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان تھا، نہ کہ لوگوں کا خوف اور غالب قوت کے سامنے خوشامد اور نہ دنیا میں فائدے یا نقصان کا حساب! اور یہ فریق انفاق کو تقرب الی اللہ کا ذریعہ جانتا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائیں حاصل کرنے کا ذریعہ سمجھتا تھا یہ دعائیں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا اور خوشی پر دلالت کرتی تھیں اور اللہ کے ہاں مقبول تھیں، اور صرف یہ دعا ہی قبول نہ ہوتی تھی، بلکہ ان لوگوں کو قرب الٰہی ضرور حاصل ہوتا تھا۔ اللہ کا وعدہ تھا کہ ان لوگوں کا انجام بخیر ہوگا، اور وہ رحمتِ الٰہی میں داخل ہوں گے گویا کہ رحمت ایک گھر ہے جو ان پر محیط ہو جائے گا، درانحالیکہ دوسرے فریق پر برائی کا چکر محیط ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ غفور و رحیم ہے، توبہ قبول فرماتا ہے، نفقات کو قبولیت کا شرف بخشتا ہے اور گناہوں کو بخش دیتا ہے۔ اور رحمت کے طالبوں پر رحم فرماتا ہے۔

اسلامی معاشرے کی تقسیم و تنویع

اوپر کی آیات میں اجمالی طور پر اعراب کی تقسیم بیان فرمائی تھی، اب اگلی چھ آیات میں سارے اسلامی معاشرے کی انواع و اقسام بیان فرمائی گئی ہیں۔ یہ بحیثیتِ ایمان کل چار طبقات ہیں:

(۱) مہاجرین و انصار میں سے سابقین اولین اور ان کے متبع خلوص کے ساتھ۔

(۲) اہلِ مدینہ اور اعراب میں سے منافقین۔

(۳) وہ جن کے اعمال کچھ نیک تھے اور کچھ بد۔

(۴) وہ جن کا معاملہ الٰہی حکم اور فیصلے کے لیے مؤخر کیا گیا تھا۔

ان چھ آیات کا ترجمہ یہ ہے:

"اور سبقت لے جانے والے پہلے مہاجر و انصار اور وہ جنہوں نے احسان کے ساتھ ان کا اتباع کیا، اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے، اور ان کے لیے باغ تیار کیے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، وہی بڑی کامیابی ہے۔ اور تمہارے اردگرد والوں میں سے بعض منافق ہیں اور بعض اہلِ مدینہ بھی نفاق پر قائم

ہیں۔ تو ان کو نہیں جانتا ہم انہیں جانتے ہیں، عنقریب ہم ان کو دوبارہ عذاب دیں گے۔ پھر ان کو ایک بڑے عذاب کی طرف لوٹایا جائے گا۔ اور کچھ اور ہیں جنہوں نے اپنے گناہوں کا اعتراف کیا، کچھ نیک اور بعض بُرے اعمال کو انہوں نے خلط ملط کیا، قریب ہے کہ اللہ ان کی طرف رجوع فرمائے۔ بلاشبہ اللہ بخشنے والا ہے رحیم ہے۔ ان کے مالوں میں سے صدقہ لو جو ان کو پاک کرے اور تو ان کو اس کے ساتھ صاف کرے، اور ان پر دعائے رحمت بھیجے، بیشک تیری دعا ان کے لیے باعثِ سکون و اطمینان ہے اور اللہ بہت سننے والا ہے بہت جاننے والا ہے۔ کیا انہیں معلوم نہیں کہ بلاشبہ اللہ ہی اپنے بندوں سے توبہ قبول کرتا ہے اور صدقات لیتا ہے اور یہ کہ بلاشبہ اللہ ہی بہت توبہ قبول کرنے والا ہے، بہت مہربان ہے اور تو کہہ کر عمل کیے جاؤ، سو عنقریب دیکھے گا اللہ تعالیٰ تمہارا عمل اور اس کا رسول بھی دیکھے گا اور ایمان والے بھی دیکھیں گے، اور عنقریب تمہیں پوشیدہ اور ظاہر کے جاننے والے خدا کی طرف لوٹایا جائے گا، پھر وہ تم کو بتائے گا جو تم کرتے تھے اور کچھ اور لوگ ہیں جو الٰہی فیصلے کے لیے مؤخر رکھے گئے ہیں۔ یا انہیں عذاب دے اور یا ان کی توبہ قبول کرے، اور اللہ خوب جاننے والا ہے، بہت دانا ہے۔"

ان آیات کا شانِ نزول!

بظاہر یہ آیات جن میں مسلم جماعت کی اقسام بیان ہوئی ہیں، جنگِ تبوک سے واپسی کے بعد نازل ہوئی تھیں۔ ان کے نزول سے پہلے جنگ سے پیچھے رہنے والے منافق بھی اور وہ مومن بھی جو غزوۂ تبوک میں نہ گئے تھے، عذر خواہی کر چکے تھے، ان میں سے بعض کا عذر صادق تھا اور انہوں نے اپنے آپ کو مسجد کے ستونوں کے ساتھ باندھ دیا تھا اور کہہ دیا تھا کہ ہمیں خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کھولیں تو کھولیں۔ بعض نے کوئی عذر بیان نہ کیا تھا۔ انہیں امید تھی کہ ان کے صدق کے باعث اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے گا اور ان کی توبہ قبول کرے گا۔ اور یہ تین شخص تھے، ان کے متعلق موقع پہ کوئی فیصلہ نہیں کیا گیا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی اور ان کی طرف رحمت نے رجوع کیا، جیسا کہ عنقریب آئے گا۔ غزوۂ تبوک کے بعد ان سب کا مجموعہ دعوت اسلامی کے بارے میں لوگوں کی صفوں کو تیار کرنا تھا۔ اور اللہ تعالیٰ اسلامی تحریک کا مالہٗ وما علیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور مخلص مومنوں کو کھول کر بتا رہا تھا۔ وہ ان مومنوں کو اس کام کے لیے تیار کر رہا تھا کہ عنقریب وہ اسلامی دعوت کو لے کر اطرافِ ارض میں پھیل جائیں، انسان کو غیر اللہ کی عبادت و عبودیت سے نجات دلائیں اور اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ کی عبودیت کا اعلان عام کریں۔ اس سے قبل ضروری تھا کہ مومنوں کے سامنے میدانِ جنگ کو کھول کر رکھا جائے، تاکہ وہ پورے اعتماد کے ساتھ میدانِ معرکہ میں اتریں۔ اصحابِ دعوت کے لیے قدم قدم پر یہ رہنمائی ضروری تھی۔

Marfat.com

سابقین اولین اور تابعین باحسان

آیت: ۱۰۰ میں ان چار طبقات میں سے پہلے کے متعلق فرمایا ہے کہ:

"اور جو سبقت لے جانے والے پہلے مہاجر اور انصار ہیں اور جو خلوص کے ساتھ ان کے تبع ہوئے، اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے اور ان کے لیے جنتیں تیار کیں جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہیں۔ وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، یہی عظیم کامیابی ہے۔"

مسلمانوں کا یہ طبقہ جو تین طبقات سے مرکب تھا یعنی:

(۱) مہاجرین میں سے سابقین اولین۔

(۲) انصار۔

(۳) احسان کے ساتھ ان دونوں کا اتباع کرنے والے۔

فتح مکہ کے بعد جزیرۂ عرب میں مسلم جماعت کی ریڑھ کی ہڈی تھے۔ جیسا کہ ہم پہلے دسویں پارے میں سورۃ کی تمہید میں بتا چکے ہیں، یہی وہ جماعت تھی جو ہر مشکل موقع پر سارے مسلم معاشرے کو تھام کر رکھتی تھی، اور اسی طرح ہر آرام میں بھی، اور آرام کی آزمائش اکثر تکلیف کی آزمائش سے سخت تر اور مشکل تر ہوتی ہے۔

اور مہاجرین کا وہ طبقہ جسے سابقون فرمایا گیا ہے، ہمارا میلان اس طرف ہے کہ یہ جنگ بدر سے پہلے ہجرت کرنے والے تھے اور اسی طرح انصار کے سابقین، جہاں تک احسان کے ساتھ ان کا اتباع کرنے والوں کا سوال ہے۔ یہ اس نص کے مطابق جو غزوۂ تبوک کے زمانے کا حال بتاتی ہے۔ سو یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اس کے بعد ان کے طریقے کا اتباع کیا، ان کی مانند ایمان لائے اور ان جیسے کارنامے کیے، اور ان کے ایمانی مقام تک بلند ہو گئے، اگرچہ سابقین کا مقام جنگ بدر سے پہلے کی شدتیں برداشت کرنے میں ان سے بہرحال بلند رہا کیونکہ وہ وقت نہایت شدید تھا۔

سابقین کی تحقیق

مہاجرین و انصار میں سے سابقین کے بارے میں متعدد اقوال ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ وہ ہیں جنہوں نے بدر سے پہلے ہجرت و نصرت کی۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ وہ ہیں جنہوں نے دونوں قبلوں کی طرف نماز پڑھی۔ تیسرا قول یہ ہے کہ وہ اہل بدر تھے۔ چوتھا قول یہ ہے کہ یہ وہ ہیں جنہوں نے حدیبیہ سے پہلے ہجرت اور نصرت کی۔ پانچواں قول یہ ہے کہ وہ اہل بیعت رضوان تھے۔ اور ہم نے جو قول اختیار کیا ہے، اسے ہم مسلم جماعت کے مراحل اور اس کے ایمانی تکون پر غور کرنے کے باعث راجح تر قرار دیتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

Marfat.com

مسلم معاشرے کے مراحل اور اس کے ایمانی طبقات کا وجود میں آنا۔

ہم نے اس موضوع پر جو کچھ دسویں پارہ میں لکھا ہے، اس کا صرف حوالہ دے دینے کے بجائے یہ انسب ہے کہ اسے یہاں دوہرا دیں تاکہ وہ اس جزء کو پڑھنے والوں کے پیش نظر بھی رہے۔

قریش مکہ اور اسلامی دعوت

مکہ میں اسلامی تحریک شدت کی کسوٹی پر پیدا ہوئی، مگر پہلے پہل قریش نے ——— جو اس وقت جاہلیت کے نمائندے تھے ——— اس کے خطرے کو صحیح طور پر محسوس نہ کیا۔ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی دعوت سے قریش کو جو حقیقی خطرہ تھا وہ شروع میں انہیں پوری طرح محسوس نہ ہوا۔ یہ دعوت اللہ کے اقتدار کے سوا ہر اقتدار کے خلاف ایک پیغامِ بغاوت تھی، اس کا اعلان یہ تھا کہ ہر ارضی طاغوت کو چھوڑو اور اللہ کی طرف آؤ۔ قریش نے بالکل ابتداء میں اس خطرے کا بھی پوری طرح احساس نہ کیا تھا جو اسلامی تحریک کے ایک معاشرے کی صورت میں جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں ڈھلنے میں پوشیدہ تھا کیونکہ اس معاشرے کی پہلے دن سے اولین بنیاد صرف اللہ و رسولؐ کی اطاعت پر قائم تھی، وہ اس کے سوا ہر اطاعت کی، مثلاً قریش کی اطاعت جو اس وقت جاہلیت کی نمائندہ تھی! اور ہر اطاعت کی وہ منکر تھی اور اسلامی تمدن کے علاوہ ہر تمدن و تہذیب کی دشمن تھی۔

لیکن بہت جلدی جاہلیت کے نمائندوں ——— سردارانِ قریش ——— نے اس دعوت کا خطرہ محسوس کر لیا۔ لہٰذا وہ اس جدید دعوت پر پل پڑے اور اس کے خلاف ایک چومکھی اندھی لڑائی شروع کر دی، ان کی جنگ جدید دعوت، جدید تمدن و معاشرہ، جدید دعوت اور جدید قیادت کے خلاف تھی، انہوں نے اس کے خطرات کو بھانپ لیا اور فوراً اپنے تمام مکر و فن کے سارے اسباب، تمام فتنے اور حیلے لے کر میدان میں اس دعوت کو روکنے اور اس کی راہ میں بیٹھنے کے لیے آدھمکے۔

جاہلی معاشرہ بھڑک اٹھا!

جاہلی معاشرہ اپنے وجود سے اس خطرے کو دور کرنے کی خاطر، جو اسے موت کی دھمکیاں دے رہا تھا، اپنے تمام ساز و سامان اور پوری قوت کے ساتھ بھڑک اٹھا۔ جب کبھی ربّ العالمین کی طرف دعوت اٹھتی ہے تو جاہلیتوں کا ہمیشہ یہی طریقہ رہا ہے۔ وجہ یہ کہ جاہلی معاشرے کی بنیاد بندوں کی بندوں کے لیے عبودیت پر رکھی جاتی ہے۔ اس کے برخلاف دعوت الی اللہ کی بنیاد صرف اللہ کی عبودیت پر قائم ہوتی ہے پس جب کبھی یہ جدید دعوت ایک تحریک بنے گی، ایک جدید قیادت لے کر میدان میں آئے گی، جاہلی معاشرہ اسے اپنی نقیض جان کر بھڑک اٹھے گا اور اس جدید دعوت کو مٹانے کا ہر حیلہ کرے گا۔

فتنے کے لئے ہر ہتھیار آزمایا جاتا ہے

اور جب بھی جاہلی معاشرے اور اسلامی دعوت میں مڈبھیڑ ہوتی ہے۔ جاہلیت فتنے اور مصائب اور ایذا دہی کے ہر حربے کو آزماتی ہے تاکہ لوگ اس نئی دعوت کی طرف رجوع نہ کریں، اور جو کر چکے ہیں وہ باز آجائیں۔ وہ خونریزی کرتی ہے، گھروں سے نکالتی ہے، ان لوگوں کو ان کی ملکیت سے بے دخل کر دیتی ہے جو اس نئی دعوت پر لبیک کہیں اور پھر صرف وہی لوگ میدان میں نکلتے ہیں جو لاالہ الااللہ محمد رسول اللہ کی گواہی دے کر اپنی جان و مال اور عزت و آبرو کو اللہ کی خاطر قربان کرنے پر آمادہ ہوتے ہیں۔ وہ اذیت کو برداشت کرنے، فتنے، بھوک، جلاوطنی، موت، غرض ہر چیز پر لبیک کہنے کے لیے سر سے کفن باندھ کر میدان میں اترتے ہیں۔

اسلامی بنیاد اس قدر پختہ کیوں تھی؟

یہیں سے یہ راز معلوم ہوجاتا ہے کہ اسلام کی بنیاد، اس کی عمارت کا اولین سازوسامان، اس کی ریڑھ کی ہڈی اس قدر پختہ، مضبوط اور ناقابل شکست و ریخت کیوں تھی؟ اس کے عناصر دیگر سب عناصر سے زیادہ سخت جان اور پکے کیوں تھے؟ وجہ یہ تھی کہ یہ لوگ مصائب و آلام کی بھٹی میں تپائے جا چکے تھے اور اب کسی جدید فتنے کے سامنے سرنگوں ہونے کو تیار نہ تھے۔ لیکن جن عناصر نے یہ تکالیف و مصائب برداشت نہ کیے تھے وہ دوبارہ پہلی جاہلیت کی طرف لوٹ نہ جانے میں اتنے باہمت و ہمیت، اتنے سخت جان، اتنے شدید نہ تھے جتنے کہ پہلے لوگ تھے۔ دین سے ہٹانے کا فتنہ اُن پہلے عناصر کا کچھ نہ بگاڑ سکتا تھا، مگر دوسری قسم کے عناصر میں دراڑ کا پیدا ہوجانا ایک حد تک ممکن تھا۔ مگر یہ ارتداد شاذ و نادر ہوتا تھا کیونکہ اسلام کی طرف آنے والے یہ سمجھ سوچ کر آئے تھے کہ انہیں ہر آزمائش کا مقابلہ کرنا ہے اور ان کا راستہ کانٹوں سے بھرا ہوا ہے۔ پھولوں کی سیج نہیں ہے۔

سابقین اوّلین مضبوط عناصر کے لوگ تھے!

اللہ تعالیٰ نے مکہ میں مہاجرین اوّلین کو اس دین کی پہلی بنیاد بننے کی توفیق عطا فرمائی تھی، ان کے عناصر یگانہ، نادرِ روزگار اور نہایت مضبوط تھے۔ پھر مدینہ میں انصار کا طبقہ ان کے ساتھ مل گیا اور یہ انصار میں سے سابقین کہلائے، کیونکہ انہوں نے مہاجرین کے لیے اپنے دیدہ و دل فرشِ راہ کر دیئے، ان کی خاطر اپنی حویلیوں کے دروازے کھول دیئے، اپنے باغ، زرعی زمین، نقدی، جائداد ہر چیز پیش کر دی۔ انصار اگرچہ اس طرح کی آگ میں سے نہ گزرے تھے۔ جس میں سے مہاجرین کو گزرنا پڑا۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعتِ عقبہ جو انہوں نے کی تھی اور اس میں جو وعدے کیے تھے، ان سے ثابت ہوگیا تھا کہ ان کی ہڈی بھی بہت سخت ہے ان کا عنصر اس دین کی فطرت کے عین مطابق ہے۔

ابن کثیر نے تفسیر میں کہا ہے کہ محمد بن کعب قرظی وغیرہ کے بقول بیعتِ عقبہ کی رات کو عبداللہ رضی اللہ عنہ بن

Marfat.com

رواحہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ اپنے رب کے لیے اور اپنے لیے جو شرط چاہیں ہم سے منوا لیں۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اپنے رب کے لیے یہ شرط پیش کرتا ہوں کہ تم لوگ صرف اسی کی عبادت کرو گے۔ اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو گے۔ اور اپنے لیے میں یہ شرط لگاتا ہوں کہ تم میرا دفاع کرو گے جس طرح اپنی جانوں اور مالوں کا کرتے ہو۔ انصار نے کہا کہ جب ہم ایسا کریں تو ہمیں کیا حاصل ہوگا؟ آپ نے فرمایا: جنت! انہوں نے کہا: سودا ہو چکا، ہم اسے نہ لوٹائیں گے نہ لوٹانے کی درخواست کریں گے۔

ہم جنت کے سوا کچھ نہیں مانگتے!

یہ لوگ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کرنے تھے اور جنت کے سوا کسی اور چیز کے اُمیدوار اور تمنائی نہ تھے۔ وہ اس بیع کو پختہ کرتے اور اس میں اقالہ واقالہ برداشت نہ کرتے تھے، انہیں یہ معلوم تھا کہ وہ کسی معمولی چیز پر بیعت نہیں کر رہے تھے۔ انہیں یقین تھا کہ قریش ان کا پیچھا کریں گے اور سارا عرب ان کی مخالفت میں اٹھ کھڑا ہوگا۔ جاہلیت کے زہریلے دانت معاشرے میں دور دور تک پیوست تھے پس انہیں یقین تھا کہ اس سرزمین میں انہیں برداشت نہیں کیا جائے گا۔ حجاز کی زمین ان پر تنگ کرنے کی کوششیں ہوں گی اور جاہلیت اپنے تمام مرد کی ہتھیاروں سمیت ان کے سامنے آ کھڑی ہو گی۔ اس کے باوجود انہوں نے بخوشی بیعت کر لی، تو اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ یہ سب کچھ انگیز کرنے کو تیار تھے۔

منافق عناصر کی پیدائش

مگر مدینہ کا معاشرہ اتنا پرخلوص اور صاف نہ رہ سکا جتنا کہ بیعت عقبہ میں نظر آتا تھا۔ اسلام مدینہ میں پھیل گیا اور غالب آگیا، لیکن بہت سے لوگ جو اپنی قوم میں بلند مقام کے مالک تھے، وہ اپنی ریاست کو بچانے کے لیے پہلے پہل اسلام میں داخل ہو گئے، لیکن جنگ بدر کے بعد رئیس المنافقین عبد اللہ بن ابی بن سلول نے جو خزرج کا ایک سردار تھا، کہنے لگا کہ: "اب تو اسلام کا کام بن گیا ہے!" پس اس نے نفاق کا چولا پہن لیا، کئی لوگ اگرچہ دل سے منافق نہ تھے تاہم وہ اسلامی سیلاب کے سامنے کھڑے نہ ہو سکے اور تقلیداً اسلام قبول کر لیا تھا۔ ان لوگوں پر ابھی اسلام کی مُہر تاحال نہ لگی تھی، وہ ابھی مخلص مسلم نہ تھے۔ پس اس طور سے مدنی اسلامی معاشرے میں ایک دراڑ پیدا ہو گئی، یہ صف اتنی مضبوط نہ رہی جتنی کہ مہاجرین اوّلین کی صف تھی۔

تربیت کا ظہور

یہی باعث تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یگانۂ روزگار قیادت میں اسلامی تربیت کا ظہور ہوا یہ تربیت اسلام میں داخل ہونے والے ان جدید عناصر میں اپنا کام کرنے لگی۔ اس تربیت کا مقصد یہ تھا کہ ایمانی درجات کے تفاوت کے باوجود اسلامی صفوں میں ایک نظم و ضبط، ایک تناسق و توافق قائم رکھا جائے

Marfat.com

جب ہم مدنی سورتوں کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں اس حقیقت کا پتہ چل جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان جدید عناصر کی تربیت کے لیے کس قدر جدوجہد کی تھی، اور اسلامی معاشرے کے مختلف النوع لوگوں کو ایک لڑی میں پرو دئے رکھنے کی کتنی کوشش فرمائی تھی، پھر تت نئے عناصر اس جدید معاشرے میں روزانہ داخل ہوتے رہے۔ جاہلیت کی پوری کوششوں اور قریش کے شدید عناد اور مخالفانہ تدابیر و تجاویز کے باوجود اسلام کا قافلہ آگے بڑھتا رہا۔ مدینہ میں یہود کی سازشیں اور حسد و عناد کارفرما تھا، مگر اس کے باوجود اسلام ترقی پذیر رہا۔ اور نئے آنے والوں کو معاشرے میں سمونا، انہیں قدیم الایمان لوگوں کی صف میں کھڑا ہونے کے قابل بنانا۔ یہ بھی ایک ضروری کام تھا۔ اس سے ایک لحظہ غفلت اختیار نہ کی جا سکتی تھی، ورنہ جو عظیم مقاصد پیش نظر تھے وہ پورے نہ ہو سکتے تھے۔

وقتاً فوقتاً ضعف کا ظہور

ان تمام کوششوں کے باوجود انسان آخر انسان ہے، اس کی حدبندیاں ہیں، پس تمام جدوجہد کے باوجود کبھی کبھی صف میں اختلال نظر آجاتا تھا۔ ہر شخص ایک سطح پر نہیں ہوتا اور نہ ایسا ہونا ممکن ہے۔ ضعف اور نفاق و تردد کا ظہور ہوتا ہی رہتا تھا۔ جان و مال کا لالچ، خطرات سے بچنے کی آرزو اور کوشش، جاہلی رشتوں کا آڑے آنا، یہ سب چیزیں موجود تھیں اور ہر ایک کا اپنا اپنا اثر تھا۔ مدنی سورتوں کا طرز بیان اور تاکیدات بتاتی ہیں کہ بہت سے مادی اسباب و عوارض تھے جو اکثر راستے میں حائل ہو جاتے تھے اور قرآن اس معاشرے کی راہنمائی میں ہر ہر جزیے کی طرف توجہ کرتا تھا۔ چونکہ مسلم معاشرے کی اصل بنیاد ——— مہاجرین و انصار ——— بہت مضبوط تھی۔ لہٰذا جو کمزوریاں اور دراڑیں مسلم صف میں بعض دفعہ پیدا ہوتی تھیں، یہ مضبوط بنیاد ان پر غالب آجاتی تھی اور اپنے خلوص ایمان اور عمل حق کے ساتھ یہ بنیاد مسلمانوں کی رہنمائی میں اپنا نادر کردار ادا کرتی رہتی تھی۔

سابقین اولین کی یہ بے مثال جماعت چونکہ تمام مادی اعراض و ظواہر پر غالب آچکی تھی، لہٰذا بالعموم مسلم صف ان کمزوریوں پر قابو پانے میں کامیاب ہو جاتی تھی۔ جو کبھی کبھی ظاہر ہوتی تھیں۔

تحریک اسلامی کے اندر ایمان و عمل کے لحاظ تفاوت

اس میں شک نہیں کہ خود اسلامی تحریک نے مسلم معاشرے میں متفاوت اقدار پیدا کی تھیں۔ تحریک میں قربانی اور سبقت کے لحاظ سے امتیازات و تفاوت موجود تھے۔ مومنوں میں سے سابقین اولین کا امتیاز قائم ہوا۔ خواہ یہ مہاجرین میں سے ہوں یا انصار میں سے، پھر اہل بدر کا امتیاز قائم ہوا، پھر حدیبیہ میں بیعت رضوان امتیاز کا سبب بنی۔ پھر فتح مکہ سے قبل انفاق و قتال کرنے والے بالعموم ممتاز ہوئے۔ ان سب امتیازات کا ثبوت کتاب و سنت میں موجود ہے، خود قرآنی نصوص نے ان کی صراحت کی ہے۔

یہ ایمانی وعملی امتیازات معاشرے میں نفاق اور ہمواری کا سبب تھے!

مگر یہ طبقات جو اسلامی تحریک نے ایمانی اقدار کی بناء پر قائم کیے تھے، فتح مکہ سے قبل مسلمانوں کے درجات کے تفاوت کے باوجود ان میں کوئی اختلاف پیدا نہ کرتے تھے۔ بلکہ صف میں دراڑ اور ضعف و تردد کے بہت سے اسباب و ظواہر مستور رہتے تھے۔ مادی اقدار بھی اس معاشرے میں اتنی قدر و قیمت نہ رکھتی تھیں کہ ان سے صف کے اندر کوئی خلل پیدا ہو سکتا۔

فتح مکہ کے بعد کی حالت

مگر سنہ ۸ھ میں مکہ کی فتح، طائف میں ہوازن و ثقیف کا مطیع ہو جانا، جو قریش کے بعد عرب کی سب سے بڑی قوتیں تھیں، ان اسباب نے مسلمانوں میں جدید فوجوں کو لا ڈالا۔ یہ جدید مسلمان مختلف قسم کے لوگ تھے، مثلاً ان میں اسلام کو ناپسند کرنے والے منافق بھی تھے۔ اسلام کی غالب و قاہر قوت دیکھ کر اس کا کلمہ پڑھنے والے بھی تھے۔ ان میں مؤلفۃ القلوب بھی تھے۔ جن میں اسلامی رنگ ابھی پختہ نہ ہوا تھا۔ انہوں نے اسلام کے جواہر اور حقیقت کو تا حال پایا نہ تھا۔

پس ان اقتباسات سے ہمیں معلوم ہو جاتا ہے کہ مہاجرین و انصار میں سے ہجرت و اسلام کی طرف اور نیکی کی طرف سبقت کرنے والے اور احسان کے ساتھ ان کا اتباع کرنے والے ایمانی قدر و قیمت اور تحریکی قربانیوں میں سب سے آگے تھے۔ یہی وہ لوگ تھے جنہوں نے اسلام کو ایک عملی اور زندہ تحریک بنایا تھا۔

اللہ ان سے راضی وہ اللہ سے راضی!

رضائے الہی کو بھی گزشتہ بحث کی روشنی میں دیکھنا چاہیے۔ رضا کے بعد ثواب آتا ہے۔ مگر رضا اپنی ذات میں خود ایک بڑا ثواب ہے۔ ان حضرات کی رضا کا مطلب یہ ہے کہ ان کو اللہ پر بھروسہ، اطمینان وثوق اور حسن ظن تھا، وہ اس کی نعمت کے شاکر اور اس کی آزمائش پر صابر تھے، لیکن آیت میں جو رضا کا تبادلہ دکھائی دیتا ہے، اس سے ان حضرات کا درجہ اور مقام معلوم ہو جاتا ہے۔ جب دونوں طرف سے رضا کا ذکر ہوا تو اس نے ان راضی ہونے والوں کی بلندی درجات پر مہر لگا دی۔ بندۂ مخلوق اور خالق کائنات میں جو تفاوت ہے وہ سب کو معلوم ہے، مگر اس آیت نے فعل رضا کو دونوں کی طرف منسوب کر کے بندۂ مخلوق کی شان دوبالا کر دی ہے۔ یہ رضا ان کا دائمی شعار اور اعلیٰ حال ہے، مگر آگے ان کے لیے اور بھی بہت کچھ ہے۔ جو اس رضا کا نتیجہ اور علامت ہے۔

"اور ان کے لیے باغ تیار کیے جن کے نیچے نہریں چلتی ہیں۔ وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ اور یہی عظیم کامیابی ہے۔"

اب یہ تو ایک مقام تھا۔ اس کے مقابلے میں ایک اور مقام ہے۔ آئیے اب اسے دیکھیں!

Marfat.com

منافقین!

"اور تمہارے اردگرد والے اعراب میں سے کچھ منافق ہیں، اور بعض مدینہ والے بھی نفاق پر ڈٹے ہوئے ہیں، تو ان کو نہیں جانتا، ہم ان کو جانتے ہیں، ہم ان کو کچھ دیر کے بعد دوبارہ عذاب دیں گے، پھر ان کو ایک عظیم عذاب کی طرف لوٹایا جائے گا۔"

اوپر جن کا ذکر گزرا وہ فوز عظیم والے تھے، اب جن کا ذکر ہو رہا ہے یہ عذاب عظیم کے حقدار ہیں لیکن دونوں میں کتنا عظیم فرق و امتیاز ہے! عام منافقین کا حال اوپر گزر چکا ہے، خواہ وہ مدینہ والے ہوں یا اعراب مگر یہاں جن منافقوں کا ذکر ہو رہا ہے یہ ان کی ایک خاص قسم ہے جو نفاق میں بڑی ماہر، فنکار اور تجربہ کار تھی وہ اس قدر ماہر تھے کہ آیت کہتی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ان کا علم نہ تھا۔ حالانکہ آنجناب کی فراست اور تجربہ تو معلوم ہی ہے! مگر اللہ سبحانہ نے فرمایا ہے کہ یہ منافق مدینہ اور اس کے اردگرد میں موجود تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ایمانداروں کو یہ اطمینان دلایا ہے کہ اس چھپے ہوئے خطرناک ماہر فرقے کی تدبیروں اور مکروفن سے آپ کو اور مومنوں کو بچائے گا۔ اور ان ماہر تجربہ کار منافقوں کو عذاب کی دھمکی دی ہے:

"تو ان کو نہیں جانتا ہم جانتے ہیں، ہم عنقریب انہیں دوہرا عذاب دیں گے اور پھر انہیں عذاب عظیم کی طرف لوٹایا جائے گا۔"

یہ دنیا کا دوہرا عذاب یہ تھا کہ ایک تو ان لوگوں کو اپنا راز فاش ہو جانے اور شدید رسوائی کا خطرہ تھا، اور دوسرا عذاب موت کا تھا کہ ان کے نزع کا عالم بہت ہی عبرت انگیز ہوگا۔ یا ایک عذاب تو یہ ہے کہ مسلمان ان منافقوں کی تمام کوششوں کے باوجود غالب آنے والے تھے، یہ خیال انہیں کھائے جاتا تھا، اور دوسرا عذاب یہ تھا کہ انہیں اپنے نفاق کے کھل جانے اور حالت کے واضح ہو کر رسوائی کا اندیشہ تھا۔

اب تک دو فریقوں کا ذکر ہوا۔ ایک مومن کامل اور دوسرا منافق کامل۔ ان دونوں کے درمیان دو اور فریق ہیں، جن میں اول کا ذکر اگلی آیات میں ہے (۱۰۲ —— ۱۰۵)

اپنے گناہوں کا اعتراف کرنے والے!

"اور کچھ اور لوگ ہیں جنہوں نے اپنے گناہوں کا اعتراف کر لیا، انہوں نے کچھ نیک عمل ۱۰۲
کیے اور کچھ بُرے۔ ہو سکتا ہے کہ اللہ ان کی توبہ قبول کرے، یقیناً اللہ بہت بخشنے والا ہے بہت مہربان ہے۔ تو ان کے مالوں سے صدقہ لے جو انہیں پاک کرے اور تو اس کے ساتھ ان کا تزکیہ کرے، اور ان پر رحمت بھیج، بیشک تیری دعا ان کے لیے باعث سکون و اطمینان ہے۔ اور اللہ بہت سننے والا ہے بہت جاننے والا ہے۔ کیا ان کو معلوم نہیں کہ اللہ ہی اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے اور صدقے لیتا ہے، اور یہ اللہ ہی بہت توبہ قبول کرنے والا بہت رحیم ہے۔ اور کہہ کہ تم عمل کرو، سو اللہ تمہارے

Marfat.com

عمل کو دیکھے گا، اور اس کا رسول بھی اور مومن بھی، اور عنقریب تم کو پوشیدگی اور ظاہر کے جاننے والے خدا کی طرف لوٹایا جائے گا، پھر وہ تمہیں بتائے گا، جو تم کیا کرتے تھے۔"

اللہ تعالیٰ نے اس گروہ کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو احکام دیئے ہیں ان سے واضح ہے کہ یہ کوئی خاص گروہ تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم تھا، آپ ان کے اشخاص کو خوب جانتے پہچانتے تھے۔ اور روایات میں آیا ہے کہ یہ آیات ایک خاص جماعت کے بارے میں نازل ہوئی تھیں، یہ لوگ غزوۂ تبوک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جانے سے رہ گئے تھے، پھر ان کے دلوں میں گناہ کے بوجھ کا احساس ہوا اور انہوں نے اپنے گناہوں کا اعتراف کرلیا اور توبہ کرلی۔ پس ان کا پیچھے رہ جانا بُرا کام تھا اور ندامت اور توبہ عملِ صالح تھا جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ انہوں نے نیک اعمال کے ساتھ بُرے ملائے تھے۔

امام ابوجعفر طبری نے اپنی سند کے ساتھ الضحاک سے روایت کی ہے کہ آیت: واٰخرون اعترفوا بذنوبھم خلطوا عملا صالحا واٰخر سیئا، ابولبابہؓ اور ان کے ساتھیوں کے متعلق اُتری تھی جو غزوۂ تبوک میں نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہیں گئے تھے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے غزوہ سے واپس ہوئے، اور مدینہ کے قریب آ چکے تھے، تو یہ لوگ اپنے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہ جانے پر شرمندہ ہوئے اور کہنے لگے کہ ہم تو سایوں میں، قسم قسم کے کھانوں میں اور عورتوں میں ہوں اور اللہ کا نبیؐ جہاد اور مشقت میں ہو؟ واللہ ہم اپنے آپ کو ستونوں سے باندھ دیں گے پھر ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کھولیں گے اور ہماری معذرت قبول فرمائیں گے، انہوں نے اپنے آپ کو ستونوں سے باندھ لیا اور وہ تین رہ گئے جنہوں نے اپنے آپ کو نہ باندھا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، مسجد میں سے آئے کیونکہ آپ سفر سے پہلے مسجد آیا کرتے تھے۔ آپ نے انہیں دیکھا اور ان کے متعلق پوچھا، آپ سے کہا گیا کہ یہ ابولبابہؓ اور اس کے ساتھی ہیں۔ جو آپ کے ساتھ غزوہ میں نہیں گئے تھے پھر یا نبی اللہ انہوں نے وہ کیا جو آپ دیکھ رہے۔ اور انہوں نے اللہ سے عہد کیا ہے کہ یہ اپنے آپ کو نہ کھولیں جب تک کہ آپ ہی نہ کھولیں، پس نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تک مجھے ان کو کھولنے کا حکم نہ ملے گا میں نہیں کھولوں گا، اور میں ان کو معافی نہ دوں گا، جب تک کہ اللہ ان کو معاف نہ کرے، کیونکہ انہوں نے مسلمانوں کے جہاد سے اپنے آپ کو مرغوب جانا تھا۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی: واٰخرون اعترفوا بذنوبھم .... عسی اللہ ان یتوب علیھم اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے عسیٰ کا لفظ توقع کے لیے نہیں آتا۔ بلکہ وجوب کے لیے ہے، رسول اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کھول دیا اور اُن کا عذر مان لیا۔

اور وہ جو بعض روایات میں ہے کہ ان آیات کا تعلق بنی قریظہ کے واقعہ سے ہے کہ ابولبابہؓ نے انہیں اشارے سے بتایا تھا کہ تمہیں ذبح کرنے کا فیصلہ ہونے والا ہے، مگر بنو قریظہ کا واقعہ کہاں اور یہ آیات کہاں؟ ان کا نزول ۹ھ میں ہوا اور بنو قریظہ کا واقعہ ۵ھ میں ہوا تھا۔

اور بعض روایات میں یہ بھی وارد ہے کہ یہ آیات اعراب کے متعلق نازل ہوئی تھیں، اور ابن جریر طبریؒ نے اس پر یہ تعاقب کیا ہے کہ: اس واقعہ کے بارے میں سب سے بہتر قول یہ ہے کہ یہ آیات ان لوگوں کے بارے میں اُتری تھیں جنہوں نے اپنے فعل کا اعتراف کرلیا تھا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو غزوۂ تبوک میں

Marfat.com

نہیں گئے تھے، یہ ان کی غلطی تھی کہ انہوں نے رومیوں کے ساتھ جہاد ترک کیا۔ جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تبوک کی طرف تشریف لے گئے تھے، اور یہ ایک جماعت تھی، جن کا ایک فرد ابولبابہؓ تھا اور یہ ہم نے اس لیے کہا ہے کہ اللہ جل شانہ، نے فرمایا ہے کہ: واٰخرون اعترفوا بذنوبھم پس اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ ایک جماعت نے اپنے گناہوں کا اعتراف کیا تھا۔ اور بنی قریظہ کے واقعہ میں جس شخص کا قصور تھا اور جس نے اپنے آپ کو باندھا تھا۔ وہ صرف ابولبابہؓ تھے نہ کہ ایک جماعت، اور جب حالت یہ ہے اور اللہ تعالیٰ نے غزوۂ تبوک میں جن لوگوں کا ذکر اس آیت میں کیا ہے، وہ ایک جماعت تھی، نہ کہ ایک شخص، اور تفسیر و سیرت کے علماء اس بات پر متفق ہیں کہ وہ صرف غزوۂ تبوک تھا جس میں ایک مسلم جماعت باہر جانے سے رہ گئی تھی، اور ان میں سے ایک ابولبابہؓ تھا۔

عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ

جنگ سے باز رہنے والی اس جماعت کے اعترافِ گناہ کا ذکر کر کے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ:

"قریب ہے کہ اللہ ان کی توبہ قبول فرمائے"

اور بقول علامہ ابن جریرؒ طبری اللہ تعالیٰ کی طرف سے عَسٰی کا لفظ (شک و تردّد یا امید کے لیے نہیں ہوتا بلکہ) وجوب کے لیے ہوتا ہے۔ گویا یہ اس کی طرف امید کا اظہار ہے جو امید کا مالک ہے، اور اس طور پر گناہ کا اعتراف کرنا۔ اور اس کے بوجھ کا شعور اس بات کی دلیل ہے کہ اس معترف کا دل زندہ اور حساس ہے اور اس لیے اس کی توبہ کی قبولیت کی امید ہے اور غفور رحیم خدا کی طرف سے مغفرت کی توقع ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی توبہ قبول فرمائی۔ اور انہیں بخش دیا۔ اور اس جماعت کے بارے میں فرمایا کہ: ان کے اموال سے صدقہ لو جو انہیں پاک کرے اور تو ان کو اس کے ذریعے سے صاف کرے اور ان کے لیے دعائے رحمت بھیج، بیشک تیری دعا ان کے لیے باعثِ سکون ہے اور اللہ بہت سنتا ہے بہت جانتا ہے۔

احساسِ گناہ اور توبہ و ندامت اطمینان کا سبب ہے

احساسِ گناہ نے ان لوگوں کے دلوں میں ندامت اور توبہ کو ابھارا، اور اب وہ اس لائق تھے کہ ان کو اطمینان ملے، ان پر شفقت کی جائے اور ان کے سامنے امید کے دروازے کھولے جائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ ایک تحریک کے قائد تھے، ایک امت کے مربی تھے اور ایک نظام برپا کر رہے تھے، لہٰذا آپؐ نے تو ان لوگوں کے معاملے میں نرمی نہیں دکھائی جب تک کہ اللہ کا حکم نہ آجائے، اور ان کا فیصلہ اللہ کی طرف سے نہ ہو جائے۔

امام ابن جریرؒ نے اپنی سند کے ساتھ ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابولبابہؓ وغیرہ کو آزاد کر دیا تو ابولبابہؓ اور ان کے ساتھی (جن کی تعداد ۲ یا ۳ یا سات یا دس تھی، روایات مختلف ہیں!) اپنے مال لے کر واپس آئے اور انہوں نے مطالبہ کیا کہ آپؐ ان کے اموال سے صدقہ نکالیں، اس کو ہماری طرف سے خرچ کریں اور ہم پر دعائے رحمت کریں اور کہہ رہے تھے کہ: ہمارے لیے بخشش مانگیے، اور ہمیں پاک کیجیے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اس میں سے کچھ نہ لوں گا۔ جب تک کہ مجھے امر کا

حکم نہ دے، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری: خذ من اموالھم صدقۃ تطھرھم وتزکیھم بھا وصل علیھم ان صلوتک سکن لھم۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کے گناہوں کے لیے استغفار کیجیے۔ جب یہ آیت اتری تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے مال کا ایک حصہ لے لیا اور ان کی طرف سے بطورِ صدقہ خرچ کیا۔

صدق توبہ کا نتیجہ!

اللہ تعالیٰ نے ان پر یہ احسان اس سبب سے فرمایا کہ وہ ان کے باطن کی خوبی اور ان کی توبہ کی سچائی کو جانتا تھا۔ اسی لیے اس نے اپنے رسولؐ کو ان کے اموال سے صدقہ لے کر اس کے مصارف میں خرچ کرنے کا حکم دیا اور ان کی خاطر دعا، کا حکم دیا۔ صلاۃ دراصل دعا ہوتی ہے۔ صدقہ کی قبولیت اس بات کی علامت تھی کہ آپؐ نے ان لوگوں کو اسلامی جماعت کا فرد مان لیا اور اس کے واجبات میں ان کو شامل فرمایا، اور اس طور سے صدقہ دینے کو ان کی طہارت وتزکیہ کا سبب قرار دیا ہے اور صلاۃ رسولؐ کے متعلق فرمایا ہے کہ وہ ان کے اطمینان کا سبب ہے۔ اللہ تعالیٰ دعائیں سنتا ہے (سمیعؐ ہے) اور دلوں کی کیفیت کو جانتا ہے (علیمؐ) پیغمبرؐ تو حکم الٰہی کو نافذ کرنے والے ہیں، صدقہ کی قبولیت، دعاؤں کو سننا اور اطمینان بخشنا، یہ اللہ تعالیٰ کا کام ہے، چنانچہ اگلی آیت میں صراحت سے فرمایا ہے کہ:

توبہ اور صدقہ کی قبولیت اللہ کا کام ہے

آیت: ۱۰۴ میں فرمایا ہے کہ:

"کیا وہ جانتے نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے اور صدقات کو لیتا ہے، اور یہ کہ اللہ تعالیٰ ہی بہت توبہ قبول کرنے والا ہے بہت رحم والا ہے"۔

یہ ایک استفہام تقریری ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ: انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہی توبہ قبول فرماتا ہے اور اللہ ہی صدقہ قبول فرماتا ہے۔ اور وہی توبہ قبول کرتا اور اپنے بندوں پر رحم فرماتا ہے، اور ان میں سے کوئی چیز بھی اللہ سبحانہ کے علاوہ کسی اور کے لیے نہیں ہے اور یہ کہ اللہ کے نبی نے جب ان لوگوں کو کھولنے سے انکار فرمایا تھا جنہوں نے اپنے آپ کو ستونوں کے ساتھ باندھ رکھا تھا، یعنی جو غزوہ سے پیچھے رہنے والے تھے، اور جب آپؐ نے انہیں اللہ کے حکم سے کھولنے کے بعد ان کا صدقہ قبول کرنے سے انکار کیا تھا۔ توبہ اس لیے کیا تھا کہ یہ کام آپؐ کے سپرد نہ تھا اور یہ کام اللہ تعالےٰ کے تھے نہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے، اور یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو کام ترک کرتے ہیں، اور آزاد کرنا اور صدقے کی قبولیت وغیرہ یہ سب افعال تو آپؐ کے ہیں مگر اللہ تعالےٰ کے حکم کے ساتھ ہیں، جیسا کہ ابن جریرؒ نے کہا ہے۔

توبہ کی کسوٹی اور دلیل کیا ہے؟

آیت : ۱۰۵ میں فرمایا ہے کہ :

"اور تم کہو کہ تم لوگ عمل کئے جاؤ، پس عنقریب اللہ تمہارے عمل دیکھے گا اور اس کا رسول بھی، اور ایمان والے بھی۔ پھر تم کو عالم الغیب والشہادۃ کی طرف لوٹایا جائے گا، اور وہ تم کو بتائے گا جو تم کرتے تھے۔"

یہ اس لیے فرمایا کہ اسلامی طریقہ عقیدے اور اس کے مطابق عمل کا طریقہ ہے، پس ان کی توبہ کا معیار ان کا ظاہری عمل ہے۔ جس کو اللہ، اس کا رسول اور مومن دیکھیں گے۔ یہ تو ہوا دنیا کا حال، آخرت میں انہیں غیب اور ظاہر کو جاننے والے خدا کی طرف لوٹایا جائے گا، جو اعضا کے تمام فعل اور دل کی نیتوں کا عالم ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ندامت اور توبہ ہی آخری کام نہیں بلکہ آخری چیز عمل ہے، جو ندامت اور توبہ کے بعد آتا ہے۔ اور وہ دلی مشاعر کی تصدیق کرتا ہے یا تکذیب، تصدیق کی صورت میں انہیں اور گہرا کر دیتا ہے، اور تکذیب کی صورت میں ان کو جڑ سے اکھاڑ پھینکتا ہے۔

اسلام واقعاتی زندگی کا راستہ ہے

اسلام خالی خولی نعرہ نہیں بلکہ واقعاتی اور عملی زندگی کا راستہ ہے۔ اس میں صرف مشاعر اور نیتیں کافی نہیں ہیں۔ بلکہ اس کو ایک عملی و واقعاتی حرکت بننا چاہیے۔ اچھی اور پاکیزہ نیت کا اپنا ایک بلند مقام ہے مگر وہی ذاتی طور پر حکم اور جزا کا معیار نہیں ہے۔ اس کا وزن عمل کے ساتھ ہوتا ہے، پس وہ عمل کی قیمت کی حد بندی کرتی ہے۔ اور یہی ہے مطلب حدیث : انما الاعمال بالنیات، یعنی محض نیت نہیں بلکہ اس سے مقصود عمل ہے۔

اللہ کے فیصلے پر چھوڑے ہوئے!

ان چار فریقوں میں سے آخری فریق وہ تھا جس نے اپنے معاملے کا خود فیصلہ نہیں کیا تھا، بلکہ اس کو اللہ کے سپرد کر دیا تھا کہ وہی اس کا فیصلہ فرمائے۔ اس کا ذکر آیت : ۱۰۶ میں یوں آیا ہے :

اور کچھ اور ہیں جن کا معاملہ اللہ کے فیصلے کے لیے پیچھے ڈالا گیا ہے، یا وہ ان کو عذاب دے اور یا ان کی توبہ قبول فرمائے اور اللہ تعالیٰ بہت جاننے والا بہت دانا ہے۔"

غزوہ تبوک سے پیچھے رہنے والوں میں سے یہ آخری فریق تھا، منافقین، عذر کرنے والوں اور خطا کاروں کے علاوہ جو تائب ہو گئے تھے اور اس قسم نے اس آیت کے نزول تک کسی امر کا قطعی فیصلہ نہ کیا تھا، ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد تھا، نہ خود ان کو اور نہ لوگوں کو معلوم تھا کہ ان کا انجام کیا ہوگا، اور حدیث کی روایت میں ہے کہ یہ آیت ان تین پیچھے رہنے والوں کے لیے ہے جن کی توبہ کی قبولیت اور جن کے معاملے کا فیصلہ پیچھے ڈالا

Marfat.com

گیا تھا، اور قرآن نے انہیں خلفوا اسی وجہ سے فرمایا ہے، اور وہ تین شخص یہ تھے: مرارہؓ بن ربیع، ہلالؓ بن امیہ اور کعبؓ بن مالک، یہ محض سستی کے باعث اور آرام کی خاطر غزوۂ تبوک سے پیچھے رہ گئے تھے گرمی کی شدت میں سایوں کے نیچے بیٹھنا چاہتے تھے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ جو معاملہ فرمایا تھا وہ مفصل طور پر دوسرے درس میں اپنی جگہ پر آئے گا۔

جن تین آدمیوں پر زمین کی فراخی تنگ ہو گئی تھی!

ابن جریرؒ نے اپنی سند کے ساتھ ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی:

"ان کے مالوں سے صدقہ قبول کرو جو ان کو پاک کرے، اور تو اس کے باعث ان کا تزکیہ کرے۔"

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابولبابہؓ اور ان کے ساتھیوں کے مال سے صدقہ قبول فرمایا اور ان کی طرف سے صدقہ کیا۔ اور وہ تین اشخاص باقی رہ گئے جنہوں نے ابولبابہؓ کی مخالفت کی، نہ انہوں نے اپنے آپ کو باندھا اور نہ کسی چیز کا ذکر کیا۔ ان کا عذر نازل ہوا، اور زمین اپنی کشائش کے باوجود ان پر تنگ ہو گئی، اور یہی وہ لوگ تھے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

"اور کچھ اور ہیں جن کا معاملہ الٰہی فیصلے کے لیے پیچھے ڈالا گیا ہے، یا وہ ان کو عذاب دے اور یا ان کی توبہ قبول فرمائے، اور اللہ تعالیٰ بہت عالم بہت حکمت والا ہے۔"

پس لوگ کہنے لگے کہ یہ تو ہلاک ہو گئے۔ کیونکہ ان کی معافی نازل نہیں ہوئی اور کچھ کہنے لگے کہ: ہو سکتا ہے اللہ انہیں بخش دے، پس ان کا معاملہ اللہ کے حکم کے لیے پیچھے ڈال دیا گیا، یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی:

"اللہ تعالیٰ نے نبیؐ کی طرف رجوع کیا ہے۔ اور مہاجرین اور انصار کی طرف جنہوں نے مشکل کی گھڑی میں اس کا ساتھ دیا۔"

یعنی یہ لوگ وہ تھے جو آپؐ کے ساتھ شام کی طرف جہاد کے لیے گئے تھے:

"بعد اس کے کہ قریب تھا ان میں سے ایک فریق کے دل کج ہو جائیں، پھر اللہ تعالیٰ ان کی طرف پھرا، بلاشبہ وہ ان پر شفیق و رحیم ہے۔"

پھر فرمایا:

"اور ان تین آدمیوں کی توبہ قبول ہو گئی ہے جن کو پیچھے رکھا گیا تھا۔"

یعنی اللہ کے حکم کے لیے ان کا معاملہ پیچھے ڈال دیا گیا تھا، ان پر توبہ اتری اور وہ بھی اس کے ساتھ عام لوگوں میں داخل ہو گئے۔ پھر فرمایا:

"حتیٰ کہ جب زمین فراخی کے باوجود ان پر تنگ ہو گئی، اور ان کی جانیں بھی ان پر تنگ آ گئیں .... بیشک اللہ تعالیٰ ہی توبہ قبول کرنے والا ہے، بہت مہربان ہے۔"

یہ روایت اس لیے راجح تر ہے کہ ابن جریرؒ نے اس کو عکرمہؒ، مجاہدؒ، ضحاکؒ، قتادہؒ، اور ابن

Marfat.com

اسحاق نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔ ان کے بارے میں مفصل بات انشاء اللہ تعالیٰ اپنے موقع پر آئے گی۔

مسجدِ ضرار والے

آیات: ۱۰۷ تا ۱۱۰ میں اللہ تعالیٰ نے ان منافقوں کا ذکر فرمایا ہے۔ جنہوں نے اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی خاطر مدینہ منورہ میں ایک نام نہاد مسجد بنائی تھی۔ دراصل یہ مسجد نہ تھی بلکہ کفر و نفاق کا ایک اڈا تھا جس کو سوچی سمجھی سکیم کے مطابق تیار کیا گیا تھا۔ چونکہ غزوۂ تبوک کے زمانے میں مسجد ضرار کا قصہ ایک الگ شان رکھتا تھا، لہٰذا ان منافقوں کو اس میں الگ، واضح انداز میں بیان فرمایا گیا، ورنہ اس سے پہلے بھی منافقین کا کافی حال بیان کیا جا چکا ہے:

"اور وہ لوگ جنہوں نے نقصان پہنچانے کو اور کفر کے لیے اور مومنوں میں تفرقہ ڈالنے کے، اور پہلے سے اللہ و رسولؐ کے ساتھ جنگ کرنے والوں کے لیے گھات لگانے کی خاطر مسجد بنائی اور اب وہ ضرور قسمیں کھائیں گے کہ ہم نے اچھائی کے سوا اور کوئی ارادہ نہیں لیا، اور اللہ شہادت دیتا ہے کہ وہ ضرور ہی جھوٹے ہیں۔ اس میں کبھی کھڑا نہ ہونا جس مسجد کی بنیاد پہلے دن سے تقویٰ پر رکھی گئی تھی وہ اس کی زیادہ مستحق ہے کہ تو اس میں کھڑا ہو، اس میں ایسے مرد ہیں جو بہت پاکیزگی اختیار کرنا چاہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ پاکیزگی اختیار کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ کیا جس نے اپنی عمارت کی بنیاد اللہ کے خوف اور رضامندی پر رکھی تھی وہ بہتر ہے یا جس نے اپنی عمارت کی بنیاد گرنے والے گڑھے پر رکھی تو وہ اسے لے کر جہنم کی آگ میں گر گیا، اور اللہ ظالم قوم کو راہ نہیں دیتا۔ انہوں نے جو عمارت بنائی وہ برابر ان کے دلوں میں شک کا باعث بنی رہے گی اِلّا یہ کہ ان کے دل ٹکڑے ہو جائیں، اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہے خوب دانا ہے۔"

ان آیات کا سببِ نزول

تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ ان آیاتِ کریمات کا سببِ نزول یہ تھا کہ مدینہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے سے پہلے قبیلہ خزرج کا ایک شخص، ابو عامر راہب مشہور تھا، یہ جاہلیت میں عیسائی ہو چکا تھا اور علم اہل کتاب کو پڑھ چکا تھا، زمانہ جاہلیت میں یہ عابد رہا تھا، اور خزرج میں اس کا بڑا بلند مقام تھا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے، مسلمان وہاں جمع ہو گئے اور اس کی بات بلند ہو گئی اور اللہ تعالیٰ نے اُن کو بدر کی جنگ میں فتح دی تو یہ لعین ابو عامر حسد و بغض و عداوت میں جل گیا۔ اب اس نے عداوت کو ظاہر کیا اور مکہ بھاگ گیا اور مشرکین کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ پر اُبھارنے لگا۔ مشرکین عرب قبائل سمیت جمع ہوئے اور جنگِ احد کے لیے آئے۔ وہاں

Marfat.com

بعض مسلمانوں کی غلطی سے نقصان ہوا۔ ان کو اللہ نے آزمایا اور کافر دھوکے سے کچھ نقصان کر کے بھاگ گئے۔ اس منافق نے دونوں صفوں کے درمیان کچھ گڑھے کھود رکھے تھے، جن میں سے ایک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گرے اور زخمی ہوگئے۔ آپ کا چہرہ مبارک زخمی ہوا اور سامنے کے دو نچلے دانتوں میں سے دایاں دانت ٹوٹ گیا (جڑ سے نہیں نکلا بلکہ کچھ اوپر ہی اوپر سے ٹوٹ گیا تھا) اور آپ کا سر مبارک بھی زخمی ہوا۔ ابو عامر جنگ کی ابتداء میں اپنی قوم خزرج کے سامنے آیا۔ ان کے مخاطب ہو کر اپنی مدد اور موافقت پر ان کو ابھارا۔ انصار نے اس کی بات سن کر کہا کہ: اے فاسق، اے فاسق، اے دشمن خدا، اللہ ہم کو تیری صورت نہ دکھائے، اور اس کو برا بھلا کہا۔ وہ یہ کہتا ہوا پلٹ گیا کہ: واللہ میرے بعد میری قوم میں شر پیدا ہو گیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے فرار سے قبل اس کو اللہ کی طرف بلایا، اس کے سامنے قرآن پڑھا، اس نے اسلام لانے سے ازراہِ سرکشی انکار کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر دعا کی کہ وہ گھر سے دور غریب الوطنی میں مرے۔ یہ دعا اسے لے ڈوبی۔ جب لوگ احد سے فارغ ہوئے، ابو عامر نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ ترقی پذیر اور مائل بہ ارتفاع ہے۔ وہ شاہِ روم ہرقل کے پاس چلا گیا۔ اور اس سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف مدد مانگی۔ شاہِ روم نے اس کی مدد کا وعدہ کیا اور اسے لالچ دیا اور وہ وہیں مقیم رہا۔ اس نے اپنی قوم انصار میں سے بعض منافقوں کو لکھا کہ وہ عنقریب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑنے کے لیے ایک لشکر لے کر آئے گا، آپ پر معاذ اللہ غلبہ پائے گا اور آپ کی ترقی اور غلبے کو روک دے گا۔ اس نے منافقین کو ایک اڈا اور حفاظت گاہ بنانے کو کہا تاکہ اس کی طرف سے خط لانے والے وہاں بحفاظت آ جا سکیں، وہ جگہ اس کے بعد جب وہ مدینہ آئے گا، تو اس کے لئے گھات اور پناہ کی جگہ بنے گی۔ پس منافقوں نے مسجدِ قباء کے پاس ایک اور مسجد بنانا شروع کر دی، اسے بنایا اور مضبوط کر دیا۔ پھر انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے التماس کیا کہ آپ اس مسجد میں نماز پڑھیں، مطلب یہ تھا کہ اس طرح اس مسجد کو قبولیت حاصل ہو جائے گی، کسی کو شک و شبہ نہ رہے گا، انہوں نے کہا کہ یہ مسجد صرف کمزور لوگوں اور بیماروں کے لیے ہے تاکہ وہ سرد راتوں میں اس میں نماز پڑھ لیا کریں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہاں نماز پڑھنے سے بچایا اور آپ نے فرمایا کہ ہم سفر کو جا رہے ہیں، مگر انشاء اللہ واپسی پر دیکھیں گے۔ جب آپ تبوک سے مدینہ کو واپس ہوئے تو جب مدینہ کا فاصلہ صرف ایک دن کا یا اس سے بھی کم رہ گیا تو جبریل مسجدِ ضرار کی خبر لے کر نازل ہوئے اور بتایا کہ مسجد بنانے والوں کے اسلام کے خلاف اور کفر کے حق میں کیا خطرناک ارادے ہیں۔ اور یہ کہ منافق مسجدِ قباء کی رونق کو ختم کرنا چاہتے ہیں، جس کی بنیاد تقویٰ پر ہے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ لوگوں کو بھیجا جنہوں نے اس نام نہاد مسجد کو آپ کی مدینہ میں واپسی سے پہلے ہی جلا دیا اور گرا دیا۔ (یہی روایت ابن عباسؓ، سعید بن جبیرؓ، مجاہدؒ، عروہ بن زبیر اور قتادہؒ سے بھی ہے)۔

پس یہ تھی مسجدِ ضرار جس کے متعلق اللہ عزوجل نے اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا تھا کہ آپ اس میں کھڑے نہ ہوں۔ (یعنی نماز نہ پڑھیں) اور پہلی مسجد یعنی مسجدِ قباء میں کھڑے ہوں، جس کی

بنیاد پہلے دن سے تقویٰ پر رکھی گئی تھی۔ اور اس میں پاکیزگی کو پسند کرنے والے لوگ ہیں، اور اللہ تعالیٰ پاکیزدل کو ہی پسند فرماتا ہے۔ یہ مسجد ضرار تھی جس کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف فریب کا مرکز بنانے کے لیے تعمیر کیا گیا تھا۔ اس کا مقصد محض یہ تھا کہ مسلمانوں کو ضرر پہنچایا جائے، جیسا کہ اس کے نام سے بھی ظاہر ہے۔ بنانے والوں کا مقصد کفر کو فروغ دینا، مسلم جماعت کے خلاف سازش کرنے والوں کے لیے ایک اڈا مہیا کرنا تھا، تاکہ یہ لوگ اندھیرے میں مسلم جماعت کے خلاف تدبیریں سوچیں اور دین کے پردے میں بے دینوں، کافروں اور دشمنوں کی مدد کریں۔ اعدائے اسلام ہر زمانے میں، بہت سے ممالک میں خبیث وسائل کو ترقی دینے کے لیے مختلف صورتوں میں ایسی مسجدیں بناتے یا بنواتے رہے ہیں۔ ان کا مقصد صرف اسلام کی عداوت اور مسلمانوں کو ضرر پہنچانا تھا۔ ان وسائل کا مقصد بظاہر اسلام کی مدد کرنا اور درپردہ اس کو مٹانے کی کوشش کرتا رہا ہے۔ یا اس کے چہرے کو بدنما کرتے دکھانا، اس کے خلاف باطل الزامات لگانا اور اسے غلط سے غلط تر صورت میں پیش کرنا ہوتا ہے۔ ایسے ادارے کھولے گئے، ایسی تنظیمیں بنائی گئیں اور ایسی جماعتیں قائم کی گئیں جو دفاع اسلام کے پردے میں اسلام کی بیخ کنی کا کام کریں، ایسی کتابیں شائع کریں، ایسے اجلاس اور سیمینار منعقد کریں جن کا مقصد اسلامی تعلیمات کو بگاڑنا، اسلام کی غلط نمائندگی کرنا، بلکہ اسلام کو ذبح کرنا ہو مگر بظاہر نام ان کا دین کی حمایت و دفاع کا کام کرنے والی جماعتوں جیسا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے اس بدنام زمانہ ادارے ——— مسجد ضرار ——— کو ڈھا کر ہمارے لیے ایک نمونہ پیش فرمایا ہے کہ ہر زمانے میں معصوم سے معصوم تر صورت میں بھی اعدائے اسلام اگر تخریبِ دین کا کام کرنا چاہیں تو ان کو ننگا کرکے دکھا دیا جائے۔

ہر زمانے کی مسجدِ ضرار کو پہچاننا ضروری ہے!

قرآن کی بے مثال تعبیر یہ بتاتی ہے کہ ہر مسجد ضرار جو کسی مسجدِ تقویٰ کے پڑوس میں اس کو نقصان پہنچانے اور اس کی رونق کو گھٹانے اور اس میں ہونے والے دینی کام کو بند کرنے کے لیے بنائی جائے، وہ مسجدِ ضرار کے حکم میں ہے کیونکہ اس کے مقاصد وہی ہیں جو اس پہلی مسجد ضرار کے تھے۔ اور اس کی علامت یہ ہے کہ جس مسجد کے خلاف یہ مسجد کھڑی کی جائے۔ اس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی ہو اور اس میں پاکباز لوگ عبادت خداوندی کرتے ہوں۔ مسجدِ تقویٰ کی بنیاد خوفِ خدا پر ہے اور اسے آباد کرنے والے پاکباز ہیں۔ مسجدِ ضرار کا مقصد تخریب اسلام ہے اور اسے بنانے والے، اس کے ساتھ دلچسپی رکھنے والے اعدائے اسلام ہیں۔ یہ مسجدِ ضرار کسی مضبوط اسلامی بنیاد پر قائم نہیں ہوتی، اس کی بنیاد ایک ڈھے جانے والے گڑھے پر ہے، وہ گڑھے میں گر کر رہے گی، اپنے خبیث مقاصد میں کامیاب نہ ہوگی۔ یہ تمثیل ایک بڑی بلیغ تمثیل ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ اسلام کی دعوت دینے والے مکر و فریب اور کفر و نفاق کی دعوتوں کا مقابلہ اس طرح کریں جس طرح آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں ہوا تھا۔

Marfat.com

ان کی عمارت ہمیشہ ان کے دلوں میں کھٹکتی رہے گی

آیت: ۱۱۰ میں فرمایا ہے کہ:

"انہوں نے جو عمارت بنائی ہے وہ برابر ان کے دلوں میں کھٹکے گی، مگر یہ کہ ان کے دل ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں اور اللہ بہت عالم بہت دانا ہے۔"

ڈھے جانے والا گڑھا ڈھے گیا۔ اس عمارت سمیت ڈھے گیا جو اس پر قائم کی گئی تھی، وہ اس کو لے کر نارِ جہنم میں گر گیا۔ جو بہت برا ٹھکانا ہے۔ لیکن اس عمارت کا زنگ اسے تعمیر کرنے والوں کے دلوں میں رہ گیا۔ وہ زنگ ایک شک و شبہ، قلق اور حیرت بن کر باقی رہ گیا اور ہمیشہ رہے گا، اس نے ان کے دلوں کا سکون و قرار چھین لیا ہے، حتیٰ کہ خود وہ دل ہی سینوں سے نیچے گر کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں۔ گرتے اور ڈھے جانے والی عمارت کی تصویر شک، قلق اور عدم استقرار کی تصویر ہے۔ وہ ایک مادی تصویر تھی اور یہ روحانی و شعوری تصویر ہے۔ قرآن کی عجیب و غریب فنی تصویر میں ان کا نقشہ آمنے سامنے ہے۔ یہ دونوں انسانی و واقعاتی زندگی میں بھی ہر زمانے میں باہم بالمقابل ہیں۔ دھوکے کی تدبیر کرنے والا ہمیشہ عقیدے کے لحاظ سے ڈانواں ڈول رہتا ہے۔ اس کا وجدان حیرت زدہ ہوتا ہے۔ جو ٹھہر نہیں سکتا، نہ اسے اطمینان ہوتا ہے۔ وہ اپنا پردہ کھل جانے کے خوف سے ہمیشہ کے قلق میں مبتلا ہوتا ہے۔ اسے ایسی کھٹک لگی رہتی ہے کہ اس کا اطمینان غارت ہو جاتا ہے، قرآن کی فنی تصویر کشی کا یہی اعجاز ہے۔ جو تعبیر و تصویر دونوں میں اتنی آسانی کے ساتھ، اس تناسب و توازن کے ساتھ جلوہ گر ہوتا ہے۔

اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ قرآن کے منہج کی حکمت نے مسجدِ ضرار اور اس کو بنانے والوں کو کس طرح عریاں کر کے دکھایا ہے۔ اس سے انسانوں کی وہ قسم جس کو منافق کہا جاتا ہے کس طرح کھل کر سامنے آتی ہے اور ان کے مقابلے میں مومن کس طرح اپنے جمالِ ایمانی اور حسنِ عمل کے ساتھ جلوہ گر ہوتے ہیں۔ اور پھر یہ دیکھیے کہ اسلامی تحریک کا راستہ کس خوبی سے واضح ہو جاتا ہے؟ قرآن کریم اسلامی قیادت پر یوں اثر انداز ہوتا تھا۔ اس طرح اس کا راستہ متعین کرتا تھا اور آنے والی عظیم ذمہ داریوں کو اٹھانے کے لیے اس کو کیونکر تیار کرتا تھا؟ قرآن کا اصلی فہم اس طور سے ہی حاصل ہو سکتا ہے کہ ہم اسے اپنی زندگی کے شب و روز میں لائیں، اسی میں زندہ رہیں اور اسی میں مریں۔

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ۚ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ ۖ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنجِيلِ وَالْقُرْآنِ ۚ وَ

Marfat.com

مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِىْ بَايَعْتُمْ بِهٖ ؕ
وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۱۱﴾ اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ
الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ
وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۲﴾ مَا كَانَ لِلنَّبِىِّ
وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْۤا اُولِىْ قُرْبٰى
مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۱۱۳﴾ وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ
اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَاۤ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗۤ اَنَّهٗ
عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ ؕ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۱۴﴾ وَمَا كَانَ اللّٰهُ
لِيُضِلَّ قَوْمًاۢ بَعْدَ اِذْ هَدٰىهُمْ حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَّا يَتَّقُوْنَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ
شَىْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ يُحْىٖ وَيُمِيْتُ ؕ
وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِىٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۱۱۶﴾ لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى
النَّبِىِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِىْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ
مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّهٗ بِهِمْ
رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۷﴾ وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ؕ حَتّٰۤى اِذَا ضَاقَتْ
عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْۤا اَنْ
لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّاۤ اِلَيْهِ ؕ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ
التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۱۸﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ
الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ
الْاَعْرَابِ اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ وَلَا يَرْغَبُوْا بِاَنْفُسِهِمْ عَنْ

Marfat.com

نَفْسِهٖ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ لَا يُصِيْبُهُمْ ظَمَاٌ وَّلَا نَصَبٌ وَّلَا مَخْمَصَةٌ
فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَطَـُٔوْنَ مَوْطِئًا يَّغِيْظُ الْكُفَّارَ وَلَا يَنَالُوْنَ مِنْ
عَدُوٍّ نَّيْلًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ
الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ وَلَا يُنْفِقُوْنَ نَفَقَةً صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً وَّلَا
يَقْطَعُوْنَ وَادِيًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا كَانُوْا
يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۱﴾ وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً ؕ فَلَوْلَا نَفَرَ
مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا
قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْۤا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا ۱۵ ع ۴
الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً ؕ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ
اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۲۳﴾ وَاِذَا مَاۤ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ
اَيُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖۤ اِيْمَانًا ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّ
هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۱۲۴﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ
رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ وَمَاتُوْا وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۱۲۵﴾ اَوَلَا يَرَوْنَ اَنَّهُمْ
يُفْتَنُوْنَ فِيْ كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً اَوْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ لَا يَتُوْبُوْنَ وَلَا هُمْ
يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۲۶﴾ وَاِذَا مَاۤ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ نَّظَرَ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ ؕ
هَلْ يَرٰىكُمْ مِّنْ اَحَدٍ ثُمَّ انْصَرَفُوْا ؕ صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ بِاَنَّهُمْ
قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ
عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۸﴾
فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ ۖ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ
وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ع ﴿۱۲۹﴾ ۱۶ ع ۵

Marfat.com

(ترجمہ) بے شک اللہ نے ایمانداروں سے ان کی جانیں اور ان کے مال جنت دے کر خرید لیئے ہیں۔ وہ اللہ کی راہ میں قتال کرتے ہیں، پھر قتل کرتے ہیں اور قتل ہوتے ہیں، وعدہ ہے اس کے ذمہ برحق تورات و انجیل میں اور قرآن میں، اور کون ہے جو اللہ سے بڑھ کر اپنے عہد کا زیادہ وفادار ہو! پس تم اپنی اس بیع پر خوش ہو جاؤ جو تم نے اس کے ساتھ کی ہے اور یہی بہت بڑی کامیابی ہے (۱۱۱) توبہ کرنے والے، عبادت کرنے والے، حمد کرنے والے مجاہدین، رکوع کرنے والے، سجدہ کرنے والے، نیکی کا حکم دینے والے اور برائی سے روکنے والے، اور اللہ کی حدوں کی حفاظت کرنے والے، اور مومنوں کو بشارت دے دو (۱۱۲) نہیں روا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اور مومنوں کے لیے کہ وہ مشرکوں کے لیے استغفار کریں اگرچہ وہ قرابت دار ہوں۔ بعد اس کے کہ ان پر واضح ہو چکا کہ وہ جہنم والے ہیں (۱۱۳) اور نہیں تھا استغفار ابراہیمؑ کا اپنے باپ کے لیے مگر ایک وعدہ کے باعث جو اس کے ساتھ کیا تھا، پھر جب اس پر واضح ہو گیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو وہ اس سے بیزار ہو گیا۔ بلاشبہ ابراہیمؑ آہیں بھرنے والا بردبار تھا (۱۱۴) اور نہیں ہے اللہ کسی قوم کو گمراہ کرنے والا بعد اس کے کہ ان کو ہدایت دی حتیٰ کہ انہیں کھول کر بتائے کہ کس چیز سے بچیں، بلاشبہ اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے (۱۱۵) بلاشبہ اللہ ہی کے لیے ہے بادشاہت آسمانوں کی اور زمین کی، وہ زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے، اور نہیں ہے تمہارے لیے کوئی اللہ کے سوا کارساز اور نہ مددگار (۱۱۶) بلاشبہ اللہ نے رجوع فرمایا نبیؐ پر اور مہاجرین و انصار پر جنھوں نے اس کا ساتھ دیا تھا تنگی کی گھڑی میں، بعد اس کے کہ قریب تھا کہ ان میں سے ایک فریق کے دل کج ہو جائیں، پھر اس نے ان کی طرف رجوع فرمایا، بلاشبہ وہ ان پر بہت شفیق اور مہربان ہے (۱۱۷) اور ان تین کی توبہ بھی قبول کی جن کا معاملہ پیچھے ڈالا گیا تھا، حتیٰ کہ جب زمین فراخ ہونے کے باوجود ان پر تنگ ہو گئی اور ان کی جانیں بھی ان پر تنگ ہو گئیں، اور انہیں یقین تھا کہ اللہ سے خود اس کے سوا اور کوئی پناہ گاہ نہیں، پھر اللہ نے ان پر رجوع فرمایا تاکہ وہ بھی رجوع کریں، بلاشبہ وہی رجوع کرنے والا ہے۔ بہت مہربان ہے (۱۱۸) اے وہ لوگو! جو ایمان لائے، اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ (۱۱۹) مدینہ والوں کے لیئے اور ان کے اردگرد کے صحرائیوں کے لیے روا نہیں کہ رسول اللہ سے پیچھے رہیں، اور نہ یہ کہ اپنے آپ کو اس کی جان پر ترجیح دیں، یہ اس لیے کہ انہیں کوئی پیاس اور تھکن اور بھوک اللہ کی راہ میں نہیں پہنچے گی اور وہ کسی جگہ پر نہ جائیں گے، جہاں جانا کفار کو برا لگے۔ اور کسی دشمن سے کچھ حاصل نہ کریں گے مگر اس کی وجہ سے ان کے لیے نیک عمل لکھا جائے گا، بلاشبہ اللہ نیکوں کا عمل ضائع نہیں کرتا (۱۲۰) اور وہ کوئی چھوٹا یا بڑا خرچ نہ کریں گے اور کوئی وادی قطع نہ کریں گے مگر ان کے لیے اس کو لکھا جائے گا، تاکہ اللہ ان کو ان کے اعمال کا بہت اچھا بدلہ عطا کرے (۱۲۱) اور یہ نہ ہو سکتا تھا کہ مومن سارے کے سارے باہر نکل آتے، پس ان

Marfat.com

کے ہر گروہ میں ایک حصہ باہر کیوں نہ نکل آیا تا کہ وہ دین کی سمجھ حاصل کریں اور اپنی قوم میں واپس جا کر ان کو خبردار کریں تا کہ وہ بچیں (۱۲۲) اے ایمان والو! ان کفار کے ساتھ قتال کرو جو تمہارے قریب ہیں، اور چاہیئے کہ وہ تم میں شدت پائیں۔ اور جان لو کہ بلاشبہ اللہ ڈرنے والوں کے ساتھ ہے (۱۲۳) اور جب بھی کوئی سورت اتری تو ان میں سے بعض نے کہا کہ اس نے تم میں سے کس کا ایمان زیادہ کیا ہے؟ سو جو ایماندار ہیں ان کا ایمان تو اس نے بڑھایا ہے اور وہ بشارت حاصل کرتے ہیں (۱۲۴) اور جن کے دلوں میں بیماری ہے تو ان کی پلیدی پر پلیدی بڑھائی اور وہ اس حال میں مرے کہ کافر تھے (۱۲۵) کیا وہ نہیں دیکھتے کہ انہیں ہر سال ایک بار یا دو بار آزمایا جاتا ہے پھر بھی وہ نہ توبہ کرتے ہیں اور نہ نصیحت حاصل کرتے ہیں (۱۲۶) اور جب بھی کوئی سورت اتری تو انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا، کیا تمہیں کوئی دیکھ رہا ہے؟ پھر وہ واپس چلے گئے، اللہ نے ان کے دل پھیر دیئے کیونکہ وہ ایک ایسی قوم ہے جو سمجھتی نہیں (۱۲۷) بلاشبہ آیا ہے تمہارے پاس ایک رسول تمہاری ہی جانوں میں سے، اس پر شاق ہے وہ جو تمہیں تکلیف دے، وہ تم پر حریص ہے، مومنوں پر شفیق ہے بہت مہربان ہے (۱۲۸) پس اگر یہ پھر جائیں تو تو کہہ کہ میرے لیے اللہ کافی ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ میں نے اسی پر بھروسہ کیا ہے اور وہ بڑے تخت کا مالک ہے۔ (۱۲۹)

اجمالی تفسیر: سورت کا یہ آخری قطعہ یا درس ہے جس میں مسلم جماعت اور غیر مسلموں کے باہمی حقوق کے باقی احکام ہیں اس کی ابتداء مسلم اور اس کے رب کے درمیان تعلقات کے بیان سے ہوئی ہے، اور اسلام کی فطرت کے بیان سے جس نے ان کا اعلان کیا ہے، اور اس دین کے احکام کا بیان ہے اور اس کا تحریکی راستہ اور مزاج بیان فرمایا گیا ہے۔

اسلام خدا اور بندے کے درمیان ایک معاہدہ ہے

اسلام کے اندر داخلہ گویا مشتری اور بائع کے درمیان ایک سودا ہوتا ہے، اس میں اللہ تعالیٰ خریدار ہے اور مومن بیچنے والا۔ یہ بیعت دراصل اللہ کے ساتھ مومن کی بیع ہے۔ جس کے بعد اس کا کچھ اپنا نہیں رہتا، نہ جان، نہ مال۔ وہ جان کو اللہ سبحانہ سے اور جہاد فی سبیل اللہ سے بچا کر، چھپا کر نہیں رکھ سکتا جس کا مقصد یہ ہے اللہ کا کلمہ بلند ہو جائے اور دین اللہ کا ہی ہو جائے۔ مومن نے اس سورت میں اپنی جان اور مال کو ایک متعین و محدود قیمت کے عوض بیچ دیا ہے اور وہ جنت ہے کہ جان و مال اس کے برابر نہیں بلکہ یہ اللہ کی طرف سے فضل و کرم ہے۔ فرمایا ہے:

"بلاشبہ اللہ نے مومنوں سے ان کی جانیں اور مال جنت دے کر خرید لیئے ہیں۔ وہ اللہ کی راہ میں قتال کرتے ہیں، پھر قتل کرتے ہیں اور قتل ہوتے ہیں، اللہ کے ذمہ ایک

Marfat.com

برحق وعدہ ہے تورات وانجیل اور قرآن میں، اور اللہ سے بڑھ کر اپنے عہد میں زیادہ وفادار کون ہے! پس تم اپنی بیع پر خوش ہو جاؤ جو تم نے اس کے ساتھ کی اور یہی ہے بڑی کامیابی۔"

یہ بیعت کرنے والے برگزیدہ لوگ تھے۔

جن لوگوں نے یہ بیعت کی اور یہ سودا طے کیا تھا وہ چُنے ہوئے برگزیدہ لوگ تھے، ان میں کچھ ممیز صفات پائی جاتی تھیں، جن میں سے کچھ تو ان کی اپنی ذوات کے بارے میں تھیں جن کے ساتھ انہوں نے اللہ سے وہ تعامل کیا جن کا تعلق شعور سے بھی تھا اور شعائر سے بھی اور بعض باتوں کا تعلق ان کی ذوات سے باہر تھا مگر وہ اُن پر لازم تھیں، مثلاً امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ذریعے سے اللہ کے دین کو زمین میں بالفعل اور بالتحقیق نافذ کرنا، اور اپنی جانوں میں اور ان کے ماسوا میں اللہ کی حدود پر قائم رہنا اس سلسلے میں فرمایا ہے:

"وہ توبہ کرنے والے، عبادت گزار، حمد کرنے والے، جہاد کرنے والے، رکوع کرنے والے، سجدے کرنے والے، نیکی کا حکم دینے والے، برائی سے روکنے والے اور اللہ کی حدود کو محفوظ رکھنے والے ہیں، اور ایمانداروں کو بشارت دے دو۔

مشرکوں کے لیئے استغفار جائز نہیں!

سیاقِ قرآنی کی اگلی آیات میں یہ بیعت کرنے والوں اور یہ عقد باندھنے والوں کے درمیان اور دوسرے ہر شخص کے درمیان جو ان کے ساتھ اس بیعت و عقد میں داخل نہیں ہوا ——— خواہ وہ رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو! ——— تعلقات کو منقطع کر دیا گیا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ فریقین کے رُخ مختلف ہیں، مقاصد و منازل الگ الگ ہیں، ان سودا کرنے والوں کو "جنت والے" فرمایا گیا ہے اور جنہوں نے یہ بیعت و عقد منعقد نہیں کیا وہ "جہنم والے" ہیں۔ اب ان دونوں کا دنیا و آخرت میں باہم ملنا ختم ہو چکا ہے، اس سے پتہ چلا کہ خون اور نسب کی قرابت اصحاب الجنتہ اور اصحاب النار کے درمیان کوئی رابطہ پیدا نہیں کرتی اور اس میں یہ صلاحیت نہیں ہے کہ وہ ان دونوں کو باہم جوڑ سکے۔ چنانچہ اس سلسلے میں واضح ارشاد ہے کہ:

"نبیؐ کے لیے اور ایمانداروں کے لیے روا نہیں کہ مشرکوں کے لیئے بخشش کی دعا مانگیں خواہ وہ ان کے قرابت دار ہی کیوں نہ ہوں، بعد اس کے کہ انہیں واضح طور پر معلوم ہو چکا کہ وہ جہنمی ہیں۔ اور ابراہیمؑ کا استغفار اپنے باپ کے لیئے ایک وعدے کی بناء پر تھا جو اس نے اس کے ساتھ کیا تھا، پھر جب اس پر واضح ہو گیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو وہ اس سے بری ہو گیا۔ بلاشبہ ابراہیمؑ آہیں بھرنے والا اور بُردبار تھا۔"

Marfat.com

مومن کی ولاء محض اللہ کی خاطر ہے

مومن نے بیعت کا عقد محض اللہ کے ساتھ کیا ہے لہٰذا اس کی ولاء صرف اللہ سے مخصوص ہے، اور ہر رابطہ اور ہر تعلق اسی ولاء پر موقوف ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بیان ایمانداروں کے لیے ہر شبہے کو قطع کر دیتا ہے اور ہر ضلالت سے محفوظ رکھتا ہے۔ ان کے لیے اللہ کی ولاء اور اسی کی نصرت کافی ہے، جب انہیں یہ حاصل ہو گئی تو پھر انہیں کسی اور چیز کی حاجت نہیں رہتی، وہی مالک الملک ہے جس کے سوا کسی اور میں کوئی قدرت نہیں ہے۔ اس سلسلے میں فرمایا ہے کہ:

"اللہ کا یہ کام نہیں کہ وہ کسی قوم کو ہدایت دینے کے بعد اسے گمراہ کر دے، حتیٰ کہ انہیں کھول کر وہ چیزیں نہ بتا دے جن سے وہ پرہیز کریں، بلاشبہ اللہ ہر شئے کو خوب جاننے والا ہے۔ اللہ ہی کے لیے آسمانوں اور زمین کی بادشاہت ہے، وہ زندہ کرتا ہے اور موت دیتا ہے، اور تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دلی دوست اور مددگار نہیں۔"

بیعت کے تقاضے کیا ہیں؟

جب اس بیعت کی طبیعت و فطرت یہ ہے تو اللہ کی راہ میں جہاد و قتال سے تردّد کرنا اور پیچھے ہٹنا ایک امرِ عظیم ہے۔ ان کے تردّد و تخلف کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان مومنوں سے درگزر فرمایا، کیونکہ ان کے حسنِ نیت کو اس نے دیکھ لیا اور ان کا خلوص پہچان لیا تھا یہ اس کی رحمت اور فضل ہے جس کا ان پر ظہور ہوا:

"بلاشبہ اللہ نے نبیؐ پر اور مہاجرین و انصار پر رجوع فرمایا جنہوں نے تنگی کی گھڑی میں اس کا ساتھ دیا۔ بعد اس کے کہ ان میں سے ایک فریق کے دلوں کے کج ہونے کا اندیشہ تھا، پھر اللہ نے ان پر رجوع فرمایا، بلاشبہ وہ ان پر شفیق ہے مہربان ہے۔ اور ان تین آدمیوں کی توبہ بھی قبول کی جن کا معاملہ پیچھے ڈالا گیا تھا۔ حتیٰ کہ جب ان پر زمین فراخ ہونے کے باوجود تنگ ہو گئی، اور ان کے دل بھی ان پر تنگ ہو گئے اور انہوں نے یقین کر لیا کہ اللہ کے سوا اس سے ان میں کوئی پناہ گاہ نہیں مل سکتی، پھر اس نے ان کی توبہ قبول فرمائی تاکہ وہ رجوع کریں بلاشبہ اللہ بہت توبہ قبول کرنے والا بہت رحیم ہے۔"

مدینہ اور اس کے گرد و نواح کے لوگوں کے ذمہ بیعت کی ذمہ داریاں

اللہ تعالیٰ نے اہل مدینہ اور اس کے گرد و نواح کے لوگوں کی بیعت کی ذمہ داریاں بیان فرمائیں یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب رہنے والے تھے، ان کا مجمع اسلام کی بنیاد فراہم کرتا تھا، یہی اسلامی تحریک کا مرکز تھا اگر ان سے تخلف واقع ہو جائے تو یہ بہت ہی بری بات تھی

Marfat.com

اور اللہ تعالیٰ ان کے بے سہر قدم پر فی سبیل اللہ خرچ کرنے کی فضیلت بیان فرمائی کیونکہ یہ بھی ان کی بیعت کی ذمہ داری تھی کہ راہِ حق میں خرچ کریں ؛

"اہلِ مدینہ کے لیے اور اس کے گردونواح کے دیہاتیوں کے لیے روا نہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پیچھے رہیں۔ اور یہ بھی روا نہیں کہ اپنی جانوں کو اُس کی جان سے عزیز تر سمجھیں کیونکہ راہِ خدا میں ان کی ہر پیاس، ہر مشقت، ہر بھوک، کفار کو غصہ دلانے کے لیے کہیں جانا، کسی دشمن سے کچھ حاصل کرنا ان سب کے باعث ان کے لیے نیک عمل لکھا جاتا ہے۔ بلاشبہ اللہ نیکوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ اور وہ جو کوئی چھوٹا موٹا خرچ کرتے ہیں اور کسی وادی کو قطع کرتے ہیں ان کے لیے لکھا جاتا ہے کہ ان کے اچھے اعمال کی انہیں جزا ملے گی"

عام حالات میں بعض کی جنگ میں شمولیت کافی ہے !

نفیرِ عام جب ہو جائے تو جہاد فرضِ عین ہوتا ہے۔ لہٰذا کسی کے لیے تخلف جائز نہیں۔ لیکن عام حالات میں ہر آبادی کے کچھ لوگ شامل ہو جائیں تو کافی ہے۔ اس کا ایک فائدہ یہ ہوگا کہ ساتھ جانے والے دین میں تفقہ حاصل کریں گے اور اپنی آبادیوں میں اسلام کے مبلغ بن کر واپس جائیں گے۔ پیچھے رہنے والے معاشرے کے دیگر ضروری کام کریں گے مثلاً: زمین کی تعمیر و ترقی اور غلے وغیرہ کا پیدا کرنا، اور انتہا میں سب کا مقصد مل کر ایک ہو جاتا ہے :

"اور یہ تو نہ تھا کہ سب مومن بیک وقت چلے آئیں، پس ایسا کیوں نہ ہوا کہ ہر گروہ میں سے کچھ لوگ نکل آئیں تاکہ وہ دین میں فقاہت حاصل کریں اور واپس جا کر اپنی قوم کو خبردار کریں تاکہ وہ بھی بچیں"

تحریکِ جہاد کا طریق کار !

اگلی آیت میں جہادی تحریک کے راستے کی حد بندی کی گئی ہے۔ اس وقت جزیرۂ عرب پورے کا پورا اسلام کی بنیاد اور اس کی اگلی پیش رفت کا نقطہ بن چکا تھا۔ اب یہ خط تمام کفار کے قتال کی طرف بڑھ رہا تھا تاکہ فتنہ مٹ جائے اور دین سارا اللہ کا ہو جائے، اس طرح تمام اہلِ کتاب کے ساتھ قتال کا حکم ہے۔ حتیٰ کہ وہ جھک کر اپنے ہاتھ سے جزیہ ادا کریں چنانچہ فرمایا ہے :

"اے ایمان والو! ان کفار کے ساتھ قتال کرو جو تمہارے ساتھ ملتے ہیں اور چاہیے کہ وہ تم میں شدت پائیں، اور تم جان لو کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ متقین کے ساتھ ہے"

قرآن کے متعلق مومنین اور منافقین کے موقف کا فرق !

اب اگلی آیات میں قرآنِ مجید کے بارے میں منافقوں اور مومنوں کے موقف کی تصویر کھینچی گئی

Marfat.com

ہے، جب کہ وہ ایمانی عقائد اور عملی زندگی کے اعمال و تکالیف کے ساتھ نازل ہو رہا تھا۔ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ منافقین پر کوئی دلیل، کوئی آیت، کوئی انذار اور ابتلاء اثر انداز نہیں ہوتا۔ فرمایا ہے کہ:

"اور جب بھی کوئی سورت اتاری گئی اور ان میں بعض کہنے لگے کہ: اس سورت نے تم میں سے کس کا ایمان زیادہ کیا ہے؟ پس جو لوگ ایماندار ہیں ان کا ایمان تو اس نے بڑھا دیا ہے اور وہ بشارت حاصل کرتے ہیں، اور جن لوگوں کے دلوں میں مرض ہے، ان کی پلیدی پر پلیدی بڑھائی ہے اور وہ بحالتِ کفر ہی مرے۔ کیا وہ نہیں دیکھتے کہ انہیں ہر سال میں ایک مرتبہ یا دو مرتبہ آزمائش میں ڈالا جاتا ہے، پھر بھی وہ توبہ نہیں کرتے اور نہ نصیحت حاصل کرتے ہیں اور جب کوئی سورت اتری تو انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور کہا کہ، کیا تمہیں کوئی دیکھ رہا ہے؟ پھر چلے گئے۔ اللہ نے ان کے دلوں کو پھیر دیا کیونکہ وہ ایک بے سمجھ قوم ہے۔"

پیغمبر کی صفت اور مومنوں سے اس کا تعلق

سورۂ براۃ کی آخری دو آیات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فطرت و طبیعت، مومنوں کے لیے آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی حرص اور رافت و رحمت کا بیان ہے۔ بالکل آخری آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو محض اللہ پر اعتماد کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور ان منحرفین سے منہ پھیرنے کا حکم دیا گیا ہے جو ایمان نہیں لاتے، چنانچہ فرمایا ہے:

"بلاشبہ تمہارے پاس تم میں سے ایک رسول آیا ہے جس پر تمہاری تکلیف شاق ہے۔ وہ تم پر حریص ہے، ایمانداروں کے ساتھ بہت شفیق و رحیم ہے، پھر اگر یہ لوگ منہ پھیر لیں تو تم کہہ کہ اللہ میرے لیے کافی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، اسی پر میں نے بھروسہ کیا اور وہ عرشِ عظیم کا مالک ہے۔"

اس قطعہ کا خلاصہ

سورت کے آخری قطعہ سے شاید یہ بات واضح ہو چکی ہوگی کہ اسلام میں جہاد کو مرکزی مقام حاصل ہے۔ عقیدے کی بناء پر ایمان و کفر کے درمیان پوری جدائی ہے۔ مومنوں نے اپنی جان اور مال دے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو ایمان کی بیعت کی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ میدانِ جنگ میں ہیں، دین کو لے کر ساری دنیا کے سامنے پیش کرنے کے لیے جہاد کرنے نکلے ہیں، اس کا معاوضہ اس دنیا میں نہیں ملتا بلکہ اس کا اجر اللہ کے پاس ہے اور وہ جنت ہے۔ ان کا فرض ہے کہ وہ بندوں کے سامنے اللہ کی حاکمیت کو ثابت کریں، اسے دنیا میں عملاً نافذ کریں اور جس شخص یا جماعت نے اس حاکمیت کو غصب کر رکھا ہے اس کا مقابلہ کریں۔

اسی طرح اس درس کے اجمالی مطالب سے پتہ چل جاتا ہے کہ اس زمانے میں اللہ کی آیات اور

Marfat.com

شریعت کی شرح کرنے والے کس اضطراب کا شکار ہیں، وہ کوشش کرتے ہیں کہ اسلامی جہاد کو ایک خاص ملک اور خاص زمانے میں محدود کردیں، حالانکہ اللہ کی کتاب یہ حکم دیتی ہے کہ کفر و شرک اور ضلالت کے خلاف ہر زمانے اور ہر سرزمین میں دائمی جہاد جاری رکھا جائے، وہ یہ حکم دیتی ہے کہ اپنے گردو نواح کے کفار کے ساتھ ایک مستمر قتال جاری رکھو، کسی وقت اس سے غفلت اختیار نہ کرو، اور ان کے خلاف اپنے اندر شدت پیدا کرو، وجہ یہ ہے کہ ان کے ساتھ تمہارا بنیادی اختلاف ہے۔ تم اللہ کی الوہیت کے قائل ہو اور وہ غیر اللہ کی الوہیت کو نہ صرف اپنے اوپر بلکہ تم پر بھی اور ساری دنیا پر مسلط کرنا چاہتے ہیں۔ وہ بندوں کو بندوں کی خدائی میں لانا چاہتے ہیں، حالانکہ خدائی صرف ایک اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ کی ہے، ان کی یہی زیادتی اور ظلم ہے جو ان کے خلاف جہاد و قتال کا تقاضا کرتا ہے۔ اس اجمالی پیشکش کے بعد اب ہم اس درس کی آیات کی ذرا مفصل تفسیر بیان کریں گے۔

مومنوں کی اللہ کے ساتھ بیع و شراء اور اس کے تقاضے !

آیات: ۱۱۱ ——— ۱۱۲ میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ:

"بلاشبہ اللہ نے مومنوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال خرید لیے ہیں اس لیے کہ ان کے لیے جنت ہے، وہ اللہ کی راہ میں قتال کرتے ہیں، پھر لوگوں کو قتل کرتے اور خود قتل ہوتے ہیں، یہ اللہ کا برحق وعدہ ہے تورات، انجیل اور قرآن میں، اور اللہ سے زیادہ اپنے وعدے کو پورا کرنے والا اور کون ہے؟ پس تم اپنی بیع سے خوش ہو جاؤ، جو تم نے اس کے ساتھ کی ہے۔ اور یہی بڑی کامیابی ہے۔ وہ توبہ کرنے والے، عبادت گزار، حمد کرنے والے، جہاد کرنے والے، رکوع اور سجدہ کرنے والے، نیکی کا حکم دینے والے، اور بدی سے روکنے والے ہیں۔ اور اللہ کی حدوں کی حفاظت کرنے والے ہیں، اور مومنوں کو بشارت دے دو۔"

اس نص کو میں حفظِ قرآن کے زمانے میں لاتعداد مرتبہ پڑھتا اور سنتا رہا۔ اس کے بعد ربع صدی سے زیادہ عرصے تک اس کا درس دیتا رہا اور اس کی تلاوت کرتا رہا۔ جب تفسیر "فی ظلال القرآن" میں میں نے اس کا مشاہدہ کیا تو محسوس ہوا کہ اس وقت میں اس سے وہ کچھ حاصل کر رہا ہوں جو اس سے قبل بیشمار مرتبہ پڑھنے کے زمانے میں حاصل نہیں کیا تھا، یہ ایک بڑی عظیم نص ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ اہل ایمان کا تعلق ظاہر کرتی ہے اور انہوں نے جو بیعت کی ہے اس کی حقیقت بتاتی ہے۔ پس وہی شخص دراصل مومن ہے جو اس بیعت کا ایفاء کرے، اس کے اندر ایمان کی حقیقت متمثل ہوگی، ورنہ یہ ایک دعویٰ ہے۔ جو تصدیق و تحقیق کا محتاج ہے۔ یہ بیعت جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے مبایعت کا نام دیا ہے، اس کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایمانداروں کی جانوں اور مالوں کو اپنے لیے خاص کر لیا ہے، اب ان میں سے کوئی چیز خود ان کی اپنی نہیں رہی۔ ان کا فرض ہے کہ ان میں سے کچھ بچا کر نہ رکھیں اور سب کچھ

اللہ کی راہ میں خرچ کر دیں، ان چیزوں پر اب ان کا اپنا کوئی اختیار اور ملکیت نہیں رہی؛ بیع و شراء کا معاملہ مکمل ہو چکا ہے۔ مشتری جہاں چاہے اب اپنی خرید کردہ چیز کو جب چاہے اور جس طرح چاہے خرچ کرے، جو فرض چاہے مقرر کرے، جو حد چاہے لگائے۔ بائع اب سودا کر چکا، اس کا بیچی ہوئی چیز پر کوئی اختیار نہیں رہا۔ وہ چیز اب مشتری کی ہو چکی ہے۔ بائع کا حق نہیں کہ جان و مال کو اپنی مرضی سے خرچ یا تلف کرے، بائع کی مرضی پر اس کا حاضر کرنا لازم ہے، اس کا اب کوئی اختیار باقی نہیں رہا اس کا فرض اطاعت و استسلام ہے۔ قیمت جنت ہے جو اس کو مل کر رہے گی بشرطیکہ وہ اس معاہدے کا پابند رہے اور اس کے حصول کا طریق جہاد و قتال ہے اور نتیجہ شہادت ہے یا فتح کا حصول:

"بیشک اللہ نے جنت دے کر مومنوں سے ان کی جانیں اور مال خرید لئے ہیں۔ وہ اللہ کی راہ میں قتال کرتے ہیں تو قتل ہوتے بھی ہیں اور قتل کرتے بھی ہیں۔"

پس مومن وہ ہے جو یہ سودا کرے، جو اس سودے کے عقد کو نبھائے، جو قیمت سے راضی ہو جائے اور وفا کرے۔ مومن وہ ہیں کہ اللہ خریدار ہے اور وہ بائع ہیں، اور جان و مال تو اللہ ہی کے دیئے ہوئے ہیں پس یہ اس کی رحمت ہے کہ پھر بھی اس نے اس سودے میں قیمت مقرر فرمائی، حالانکہ وہ خود ہی ہماری جانوں اور اموال کا مالک ہے۔ مگر یہ اس ذاتِ اقدس کی رحمت ہے کہ اس نے انسان کو مرید ٹھہرایا، اور یہ اس کا کرم ہے کہ اس نے انسان کو یہ سودا کرنے والا اور اس کو نبھانے والا قرار دیا۔ یہ بھی اسی کا کرم ہے کہ اس نے اس سودے کو اپنے عقد و عہد کے ساتھ مقید فرمایا اور اس کی وفا کو انسان کی اعلیٰ انسانیت کا معیار قرار دیا۔ اور اسے توڑ دینے کو حیوانیت کا مقیاس مقرر فرمایا، حیوان بھی کیسا؟ بدترین حیوان!:

"بلاشبہ بدترین جانور اللہ کے ہاں وہ لوگ ہیں جو کافر ہیں، ایمان نہیں لاتے، جن سے تو نے عہد کیا اور وہ اپنا عہد ہر بار توڑتے ہیں اور خدا سے نہیں ڈرتے۔"

اللہ تعالیٰ کے نزدیک حساب اور جزاء کا مدار اس عہد کو پورا کرنے یا توڑنے پر منحصر ہے۔

یہ ایمان کی بیعت ہر مومن کی گردن میں ہے، وہ اس پر قادر ہے، جب تک اس کا ایمان ہی ساقط نہ ہو جائے وہ بیعت اس کی گردن سے نہیں گرتی۔ اور یہ وہ خوف ہے جو اس وقت جب کہ میں یہ کلمات لکھ رہا ہوں، محسوس کر رہا ہوں۔ یہ فرمان بڑا عظیم الشان اور ڈراؤنا ہے کہ:

"اللہ نے مومنوں سے ان کی جانیں اور مال خرید لیئے ہیں کیونکہ ان کے لیے جنت ہے، وہ اللہ کی راہ میں قتال کرتے ہیں تو قتل کرتے بھی ہیں، ہوتے بھی ہیں!"

اے اللہ تیری ہی مدد درکار ہے کیونکہ یہ عقد بڑا عظیم ہے۔ آج دنیا بھر میں جو لوگ اپنے آپ کو مسلم کہتے ہیں، یہ گھروں میں بیٹھنے والے ہیں، اللہ کی الوہیت کو زمین میں قائم کرنے کے لیے جہاد نہیں کرتے۔ جن غاصب طاغوتوں نے بندوں کی زندگی میں ربوبیت کے حقوق و خصائص غصب کر رکھے ہیں، انہیں کچھ نہیں کہتے، جہاد نہیں کرتے، نہ قتل ہوتے نہ کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دورِ مبارک میں ان آیات کے کلمات سننے والوں کے دلوں کو دستک دیتے تھے تو وہ فوراً اپنی ساری زندگی کے

Marfat.com

اعتبار سے مومن ہو جاتے تھے، ان کے ہاں یہ صرف معانی نہ تھے جن کی حیثیت صرف ذہنی ہوتی، یا صرف احساس کی دنیا میں ان کا شعور ہوتا، بلکہ وہ لوگ ان کلمات کو اپنی زندگی میں داخل کرتے تھے ان پر عمل کرتے تھے، ان کی حرکت زندگی میں باقاعدہ نظر آتی تھی، محض غور و تامل کی دنیا تک محدود نہ رہتے تھے۔

ان الفاظ سے عبداللہؓ بن رواحہ نے بیعت عقبہ ثانیہ میں یہی معنیٰ سمجھا تھا، جب کہ بقول محمد بن کعب قرظی، عبداللہؓ بن رواحہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: آپؐ اپنے رب کے لیے اور اپنے لیے جو چاہیں شرط لگا لیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ میں اپنے لیے یہ شرط لگاتا ہوں کہ تم صرف اسی کی عبادت کرو گے، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو گے، اور اپنے لیے یہ شرط لگاتا ہوں کہ جن چیزوں سے تم اپنی جانوں اور مالوں کا دفاع کرتے ہو، ان سے میرا بھی دفاع کرو گے۔ عبداللہؓ نے کہا کہ جب ہم ایسا کریں گے تو ہم کو کیا ملے گا؟ آپؐ نے فرمایا: جنت! اُس نے کہا کہ: یہ نفع کا سودا ہے، ہم اسے نہ خود رد کرتے ہیں نہ آپؐ سے رد کرنے کی درخواست کرتے ہیں۔

پس ان لوگوں نے اس بیع کو بطور ایک پختہ، کامل اور نافذ سودے کے حاصل کیا تھا، اب رجوع کا سوال نہ تھا، نہ کوئی خیار کی شرط تھی۔ جنت وہ قیمت نہ تھی جس کا صرف وعدہ تھا، بلکہ گویا ان کے قبضہ میں تھی۔ وعدہ حبیب اللہ کا تھا، سودا حبیب اللہ کے ساتھ تھا، خریدار وہ خود تھا، اور وعدہ تین کتابوں میں ہوا تھا:

"یہ اس کا برحق وعدہ ہے جو تورات، انجیل اور قرآن میں ہوا ہے اور بھلا: اللہ سے بڑھ کر وعدہ وفا کون ہے؟" واقعی کوئی نہیں۔

جہاد فی سبیل اللہ کی بیعت ہر مومن کی گردن میں ہے!

جہاد فی سبیل اللہ کی بیعت ہر مومن کی گردن میں بندھا ہوا ایک عقد ہے، جب سے دین موجود ہے اور جب سے اللہ کے رسول دنیا میں آئے یہ اللہ کی سنتِ جاریہ ہے، جس کے بغیر یہ زندگی مستقیم نہیں ہو سکتی اور اسے چھوڑ کر اس کی صلاحیت ختم ہو جاتی ہے:

"اور اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعہ سے ہٹا نہ دیا کرتا تو زمین میں فساد مچ جاتا۔"

"اور اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعے سے ہٹا نہ دیا کرتا تو صومعے، گرجے، کنیسے اور مسجدیں ڈھادی جاتیں جن میں اللہ سبحانہ کا بہت ذکر کیا جاتا ہے۔"

(تورات، انجیل اور قرآن میں جنت کے وعدے کا مجاہدین کے لیے کیا جانا جب قرآن سے ثابت ہے تو اس کا صاف مطلب یہی ہے کہ جہاد و قتال ہر زمانے میں موجود رہا ہے!)

جہاد و قتال کی ضرورت عقلاً و نقلاً ثابت ہے!

حق کے لیے لازم ہے کہ اپنی راہ پر آزادی سے چلے اور یہ امر بھی لابدی ہے، کہ باطل اس کا راستہ

Marfat.com

روکے، اس کی راہ میں کھڑا ہو جائے، راہزنی کرے، بندوں کو بندوں کی غلامی سے آزاد کرانے کے لیے اللہ کے دین کا آگے بڑھنا ضروری ہے، تاکہ وہ صرف ایک اللہ کی عبودیت کو قائم کرے اور طاغوت کی فطرت کے اعتبار سے یہ لازم ہے کہ حق کے راستے میں رکاوٹ ڈالے، بلکہ راہ زنی کرے۔ اللہ کے دین کے لیے ساری زمین میں تمام انسانوں کو غیر اللہ کی بندگی سے آزاد کرانے کے لیے آگے بڑھنا ضروری ہے۔ حق کا کام اور فریضہ ہی یہ ہے کہ اپنی راہ پر چلے اور ڈھیلا نہ پڑے، مبادا باطل کے لیے راستہ کھل جائے جب زمین میں کفر باقی ہے، باطل باقی ہے، انسانی شرف و کرامت کو ذلت میں بدلنے کے لیے غیر اللہ کی بندگی و غلامی باقی ہے، اس وقت تک جہاد فی سبیل اللہ جاری و قائم ہے، ہر مومن کی گردن میں جو بیعت ہے وہ اس سے وفاداری کا مطالبہ کرتی ہے۔ ورنہ اس کے بغیر ایمان کہاں ہے؟ اور حدیث کے الفاظ ہیں کہ: جس نے جہاد نہ کیا، اپنے دل میں اس کی آرزو بھی نہ کی تو وہ نفاق کا حصہ لے کر مرے گا۔ (احمد، مسلم، ابوداؤد، نسائی)

اللہ کے سودے پر خوش ہو جاؤ یہی کامیابی ہے!

اسی آیت: ۱۱۱ کا بقیہ یہ ہے کہ:

"پس تم خوش ہو جاؤ اپنی اس بیع پر جو تم نے اللہ کے ساتھ کی ہے، اور یہی عظیم کامیابی ہے۔"

تم اس پر خوش ہو جاؤ کہ تم نے اپنے مال اور جانیں خالصتہً اللہ کے حضور پیش کر دی ہیں اور اس کا عوض اور قیمت جنت لی ہے جیسا کہ اللہ کا وعدہ ہے۔ اور اب فوت کیا ہوا؟ جس مومن نے اپنی جان اور مال اللہ کے حضور پیش کر دیئے اس کا کیا فوت ہوا؟ واللہ! اس کا کچھ نقصان نہیں ہوا۔ جان کو تو بہر صورت مرنا ہے اور مال کو بہر صورت ختم ہونا ہے۔ خواہ ان دونوں کو فی سبیل اللہ خرچ کرو اور خواہ کسی اور راہ میں گنواؤ! اور جنت ایک کمائی ہے، ایسی کمائی کہ حقیقت میں اس کا کوئی مقابل نہیں اور نہ اس کا کوئی بدل ہے۔ پس مال یا اس راہ میں خرچ ہو گا یا دوسری راہ میں۔

انسان جب اللہ کی خاطر جیئے تو اس کی بلندی کا ذکر چھوڑو! وہ جب کلمۃ اللہ کو بلند کرنے کی خاطر اللہ کے دین کی مدد کرے گا تو اس کی مدد کی جائے گی۔ وہ دینِ حق کو قائم کرنے اور اللہ کے سوا دوسروں کی ذلیل کن عبودیت سے بندوں کو نکالنے کے لیے کام کرتا ہے، اور جب شہید ہو گا تو دین کی خاطر شہید ہو گا۔ تاکہ اپنے دین کے لیے یہ گواہی دے کہ وہ اس کے لیے زندگی سے بہتر ہے، اور وہ ہر حرکت اور ہر قدم پر یہ شعور رکھتا ہے کہ وہ زمین کی قیود سے زیادہ طاقتور اور زمین کا بوجھ بننے سے بلند تر ہے۔ اور ایمان اس میں الم پر فتح پاتا ہے۔ اور عقیدہ زندگی پر فتح پاتا ہے۔ درحقیقت اگر کمائی ہے تو یہ ہے، ایسی کمائی۔ جو انسان کی انسانیت کو حق ثابت کرتی ہے اور یہ صرف اسی طرح ثابت ہو سکتا ہے کہ انسانیت کو "ضرورت" کی پابندیوں سے آزاد کر دیا جائے، ایمان الم پر فتحیاب ہو۔ اور عقیدہ زندگی پر غالب آئے۔ اور جب اس سب کچھ پر جنت کا اضافہ کیا جائے گا تو یہ ایک ایسا سودا ہے جو واقعی بشارت حاصل کرنے کی دعوت دیتا ہے۔ یہ ایک ایسی کامیابی ہے جس میں نہ کوئی شک ہے

Marfat.com

اور نہ جھگڑا ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

"پس تم اپنی بیع پہ بشارت پاؤ جو تم نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ منعقد کی ہے، اور یہی عظیم کامیابی ہے۔"

کتب سماویہ میں اللہ کا برحق وعدہ!

اللہ تعالیٰ کا یہ جو ارشاد ہے کہ:

"یہ اس کے ذمہ ایک برحق وعدہ ہے۔ تورات و انجیل میں اور قرآن میں۔"

جہاں تک قرآن میں اس وعدے کی موجودگی کا تعلق ہے، وہ بار بار ہوا ہے۔ اور اس میں کسی قسم کا کوئی شک وشبہ نہیں، قرآن کا یہ وعدہ مشہور و معروف ہے۔ اسلامی تعلیمات کی رُو سے جہاد فی سبیل اللہ کا عنصر بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔

یہ زمان و مکان کی پابندیوں سے ماورا ہے، انسان کو ہر دور اور ہر ملک میں اپنی واقعاتی زندگی کے اندر اس کی حاجت رہی ہے۔ اس کا باعث یہ ہے کہ جاہلیت محض ایک نظریہ نہیں ہے۔ جس کا مقابلہ کسی نظریے سے کیا جائے، بلکہ وہ ایک مادی تحریک ہے جس کا تعلق اس دنیوی زندگی کے ساتھ ہے، وہ مادی قوت کے ساتھ آتی اور زندہ رہتی ہے۔ وہ اللہ کے دین کا مقابلہ کرتی ہے، اور مادی قوی و اسباب سے اس کو مٹانا چاہتی ہے۔ وہ اسلام کا راستہ روکتی ہے، لوگوں کو اس کی آواز نہیں سننے نہیں دیتی۔ انسانوں کو اس کی طرف بڑھنے سے روکتی ہے، کیونکہ اسلام اس کی نظر میں سب سے بڑا خطرہ ہے جو انسان کو انسان کی غلامی سے آزاد کرتا ہے۔ وہ مسلمانوں کو ایک جماعت اور قوت بننے کی راہ میں حائل ہو جاتی ہے۔ یہی سبب ہے کہ اسلام کے لیے جاہلیت کے ساتھ ٹکرانا اور اس کو راستے سے ہٹانا ضروری ہے۔ ورنہ اس کے مقاصد پورے نہیں ہو سکتے وہ ایک اللہ وحدہٗ کی عبادت و عبودیت کا علمبردار ہے، جب کہ جاہلیت بے شمار دوسرے خداؤں کی عبودیت کی قائل ہے۔ جب تک جاہلی قوتوں اور ارادوں کو نہ مٹایا جائے اسلام کا مقصد پورا نہیں ہو سکتا، لہٰذا از روئے قرآن اسلام اور جاہلیت کا تصادم ناگزیر ہے اور اس راہ میں دکھ اٹھانے والوں کے لیے قرآن نے بہت سی کامیابیوں کے وعدے کیے ہیں۔

جہاں تک تورات و انجیل میں خدائی وعدے کا سوال ہے، تو یہ تورات و انجیل جو آج کے یہود و نصاریٰ کے پاس ہیں، ان کے بارے میں یہ کہنا ممکن نہیں کہ یہی وہ اصلی کتابیں ہیں جو نبیوں پر اتری تھیں۔ خود یہود و نصاریٰ مانتے ہیں کہ موسیٰؑ و عیسیٰؑ پر اترنے والی اصل کتابوں کا کوئی نسخہ ان کے پاس موجود نہیں ہے۔ یہ کتابیں اصل کتابوں کے بہت عرصہ بعد لکھی گئی تھیں اور اصل کتابیں ضائع ہو چکی ہیں، ان کتابوں میں بہت کم حصہ خدائی تعلیم کا ہے جو کسی کو یاد رہ گیا تھا اور اسے محفوظ کیا گیا تھا، ان کتابوں کے حفظ کا کوئی قاعدہ و دستور نہ تھا، ان کی زبانیں بھی ناپید ہو چکی ہیں۔ اس کے باوجود عہد قدیم کی کتابوں میں جہاد کی طرف اشارے موجود ہیں، اور یہودیوں کو ان کے بت پرست دشمنوں کے خلاف جہاد پر ابھارا گیا ہے

تاکہ ان کے اصل اور برحق معبود کا دین محفوظ رہ سکے۔ مگر تحریف و تبدیلی نے جہاد فی سبیل اللہ اور توحید خداوندی کا چہرہ بگاڑ رکھا ہے۔

جہاں تک ان انجیلوں کا تعلق ہے جو آج کل عیسائیوں کے پاس ہیں۔ ان میں جہاد کا کوئی ذکر یا اشارہ تک موجود نہیں ہے یہ انجیلیں بے اصل ہیں، ان کے مصنف گمنام ہیں، اور یہ ان کی کتابوں کے بھی محض تراجم ہیں، جن میں ہر چند سال کے بعد تبدیلی ہوتی رہتی ہے، موجودہ نصرانیت اپنے تمام مفہومات سمیت انہی اناجیل کی پیداوار ہے۔ خود عیسائی محقق مانتے ہیں کہ یہ اناجیل عیسیٰ مسیحؑ کی انجیلیں نہیں، انجیل ایک کتاب تھی اور یہ چار ہیں، جن میں باہم اختلافات بھی ہیں۔ پانچویں انجیل جو برنباس حواری کی تصنیف ہے۔ وہ ان چار کی نسبت کچھ لائق اعتماد ہے مگر اسے بلا دلیل موجودہ عیسائیت نے محض دھاندلی کے ساتھ رد کر دیا ہے۔

اور جب اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب محفوظ میں فرمایا ہے کہ مجاہدین کے لیے جنت کا وعدہ انجیل میں بھی تھا تو موجودہ انجیلوں میں اس کا نہ ہونا اس بات کی پختہ دلیل ہے کہ یہ صحیح کتابیں نہیں ہیں، اور ان میں ضرور ملاوٹ ہو چکی ہے۔ اصلی تعلیم کا کچھ حصہ ضائع کر دیا گیا ہے اور کئی چیزیں ان میں انسانوں نے اپنی طرف سے داخل کر دی ہیں۔

جہاد فی سبیل اللہ ایمانی صفات کا آئینہ ہے!

جہاد فی سبیل اللہ اسلامی جسم کی کوہان کی چوٹی ہے، یہی الفاظ حدیثِ صحیح کے ہیں، اس بلند چوٹی کا تعلق دوسرے ایمانی اوصاف و شعائر کے ساتھ بہت گہرا ہے، چنانچہ مجاہدین کی صفات اگلی آیت میں یوں بتائی گئی ہیں:

> "توبہ کرنے والے، عبادت گزار، حمد و ثنا کرنے والے، مجاہدین، رکوع کرنے والے، سجدے کرنے والے، نیکی کا حکم دینے والے اور بدی سے روکنے والے اور اللہ تعالیٰ کی حدود کی حفاظت کرنے والے۔ اور مومنوں کو بشارت دے دو۔"

تائب وہ لوگ ہیں جو گزشتہ گناہوں سے باز آگئے، اللہ کی طرف استغفار کرتے ہوئے لوٹ آئے۔ توبہ کا معنی ہے گزشتہ پر ندامت اور آئندہ کے لیے اللہ کی طرف توجہ کرنا اور نافرمانی سے باز آجانا، اور فعل یا ترک کے اعمالِ صالحہ کرنا جن سے ثابت ہو جائے کہ کرنے والا تائب ہے۔ پس توبہ ان چیزوں کا مجموعہ ہے: طہارت، زکاوت، توجہ، اصلاح۔

عابدون وہ ہیں جو عبادت و عبودیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہیں، اُسی کی ربوبیت کا اقرار کریں، اور یہ عقیدہ ان کے دلوں میں اتنا رچا ہوا ہو کہ ان کے اعضاء و جوارح اس کی شہادت دیں وہ ہر عمل، قول، اطاعت اور اتباع سے اسی کی شہادت دیں، پس یہ اللہ کی الوہیت و ربوبیت کا عملی و واقعاتی لحاظ سے اقرار کرے۔

Marfat.com

حامدون وہ ہیں جن کے دل منعم کی نعمت کے اعتراف میں جھک جائیں، تنگی ترشی اور راحت و آرام میں ان کی زبانیں حمدِ الٰہی کی ثنا خواں رہیں۔ راحت میں شکر کریں اور آزمائش میں اس کا شعور پیدا کر کے صبر کریں۔ پس حمد کا تعلق صرف راحت و آرام سے ہی نہیں ہے بلکہ تکلیف اور پریشانی سے بھی ہے مومن جانتا ہے کہ خدائی ابتلاء میں بھی ضرور کوئی خیر ہو گی جسے میں نہیں جانتا، مگر اللہ تعالےٰ ضرور جانتا ہے۔

سائحون کے معنی کے متعلق روایاتِ حدیث و آثار مختلف ہیں، اس کا معنی مہاجرین، مجاہدین، طلبِ علم میں سفر کرنے والے اور روزہ دار کیا گیا ہے۔ اور ہمارے خیال میں ان سے مراد اللہ کی مخلوق اور سُنن میں تفکر کرنے والے ہیں۔ جیسے کہ دوسری جگہوں میں فرمایا گیا ہے:

"بلاشبہ آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور رات اور دن کے یکے بعد دیگرے آنے میں ان عقل مندوں کے لیے دلائلِ قدرت موجود ہیں جو کھڑے، بیٹھے اور پہلوؤں پر لیٹے ہوئے اللہ کو یاد کرتے ہیں اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں غور و فکر کرتے ہیں کہتے ہیں کہ اے ہمارے مالک! تو نے یہ باطل پیدا نہیں کیا، تو پاک ہے......"

پس عبادت، حمد اور توبہ کے بیان کے بعد یہاں پر یہ صفت زیادہ مناسب ہے، کیونکہ توبہ، حمد اور عبادت کے ساتھ اللہ کی صفات میں یہ تدبر ہوتا ہے، جس کے بعد انابت الی اللہ پیدا ہوتی ہے، اس کی خلق میں اس کی حکمتوں کا ادراک ہوتا ہے اور اس حق کا ادراک ہوتا ہے جس پر خلق قائم ہے، اس کا مطلب محض نظریاتی ادراک نہیں ہے کہ آدمی تامّل و تفکر میں عمر گزار دے، نہیں، بلکہ یہ مقصود ہے۔ کہ اس ادراک پر زندگی کو استوار کیا جائے۔

راکعون اور ساجدون سے مراد یہ ہے کہ وہ صلاۃ کو قائم کرتے ہیں اور صلاۃ پر خود قائم رہتے ہیں یعنی یہ ان کی ایک ثابت شدہ صفت ہے اور گویا کہ رکوع اور سجدہ ان کی امتیازی کیفیات ہیں، جو ان کو دوسروں سے جدا کرتی ہیں۔

"نیکی کا حکم دینے والے اور بدی سے روکنے والے" لوگوں سے یہ مراد ہے کہ جب اسلامی معاشرہ اللہ کی شریعت پر قائم ہو گا، صرف اللہ کا مطیع ہو گا اور کسی غیر کا محتاج نہ ہو گا۔ تو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اس معاشرے کے اندر ہو گا۔ اس وقت مومنوں کا کام یہ ہو گا کہ معاشرے کی اندرونی غلطیوں اور انحرافات کا ساتھ ہی ساتھ علاج کرتے رہیں۔ مگر جب زمین میں کوئی اسلامی معاشرہ قائم نہ ہو، دوسرے لفظوں میں دنیا میں کوئی ایسا مجمع اور معاشرہ نہ ہو جسے "اسلامی" کہا جا سکے، جس میں اللہ کی شریعت حاکم ہو تو اس وقت واجب ہے کہ امر بالمعروف کا ہدف سب سے بڑے معروف کی طرف متوجہ ہو، یعنی پہلے اللہ کی حاکمیت کو دنیا میں قائم کیا جائے۔ اور صحیح اسلامی معاشرہ برپا کیا جائے، اور نہی عن المنکر کا رُخ پہلے سب سے بڑے منکر کی طرف کیا جائے، یعنی طاغوت کی حکومت کو مٹایا جائے، اللہ کی شریعت کے علاوہ کسی اور چیز پر فیصلے کر کے لوگوں کو غیر اللہ کا غلام بننے سے روکا جائے۔

Marfat.com

نیکی کو پھیلانے اور بدی کو مٹانے کی ترتیب

اس ترتیب سے مراد یہ ہے کہ جو لوگ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے تھے، ہجرت کی تھی اور اسلامی حکومت قائم کی تھی جس میں اللہ کی شریعت حاکم تھی۔ ایک مسلم معاشرہ قائم کیا تھا جس میں الٰہی شریعت کے احکام چلتے تھے۔ جب ان کے یہ مقاصد پورے ہو گئے تھے تو ان کے بعد وہ اُن فروع کے بارے میں جن کا تعلق طاعات و معاصی کے ساتھ تھا، نیکی کا حکم دیتے تھے اور برائی سے منع کرتے تھے، جب تک پہلے یہ بنیادی اصل قائم نہ ہو جائے۔ جس کا نام اللہ کی حاکمیت کا قیام ہے، اس وقت تک انہوں نے ان فروع کی طرف توجہ نہ کی۔ علاوہ ازیں یہ بھی ضروری ہے کہ "امر بالمعروف اور نہی عن المنکر" کا مفہوم واقعاتی زندگی کے لحاظ سے معلوم کیا جائے بس فرعی معروف کا حکم نہ دیا جائے اور فرعی منکر سے نہ روکا جائے۔ جب تک کہ اصل اور بنیادی معروف قائم نہ ہو جائے اور اصلی اور بنیادی منکر مٹ نہ جائے، اور وہ وہی ہیں جن کا ذکر ابھی اُوپر گزرا۔ پہلے اسلامی معاشرے میں یہی ترتیب ملحوظ رکھی گئی تھی۔

اَلْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰہِ

یعنی اللہ کے احکام ——— اوامر و نواہی ——— پر خود عامل ہونے والے اور دوسروں پر ان کو قائم کرنے والے، اور ان حدود کو ضائع کرنے والوں یا ان پر تجاوز کرنے والوں کا مقابلہ کرنے والے، لیکن حدود اللہ بھی امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی مانند صرف ایک اسلامی معاشرے میں ہی قائم ہو سکتی ہیں۔ پہلے ایک اسلامی معاشرہ قائم کیا جائے جو الوہیتِ خداوندی کی بنیاد پر قائم ہوتا ہے۔ اور پھر اس معاشرے میں حدود اللہ قائم کی جائیں گی۔ اس معاشرے میں الوہیت، ربوبیت، حاکمیت اور شرع و قانون صرف اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ کا چلتا ہے سو وہاں سے طاغوت اور اس کے حکم و قانون کی بیخ کنی کر دی جاتی ہے، پس جیسا کہ اُوپر بتایا جا چکا ہے، مسلمان مامور ہیں کہ پہلے ایک اسلامی مجمع قائم کریں، اس میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر عمل کریں اور پھر اللہ کی تمام حدود و قیود، اوامر و نواہی کو نافذ و قائم کریں۔

یہ ہے مومن جماعت اور یہ ہیں اس کی صفات!

یہ ہے وہ مومن جماعت جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنی بیعت قائم کی، اور یہ ہیں اس جماعت کی صفات و امتیازات:

(۱) صحیح توبہ جو بندے کو اللہ کے حضور میں لائے، گناہ سے بچائے اور عمل صالح پر آمادہ کرے۔

(۲) اللہ وحدہٗ کی عبادت جو اس کو اللہ کے ساتھ واصل کرے، جس کا معبود و مقصود اور توجہ کا قبلہ صرف اللہ وحدہٗ ہو۔

(۳) راحت و رنج میں اللہ کی حمد کرنا جو خداوند تعالیٰ کے حضور پورے استسلام اور اسی کی رحمت و فضل پر مطلق وثوق کا نتیجہ ہوتا ہے۔

Marfat.com

(۴) ملکوتِ الٰہی میں آیات اللہ کے ساتھ سیاحت کرنا، جو آیاتِ خلقِ الٰہی میں حکمت وحق پر دلالت کرتی ہیں۔

(۵) اپنی ذات اور دوسروں میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر عمل کرنا۔

(۶) حدود اللہ کی حفاظت جس کا تقاضا یہ ہے کہ تعدی کرنے والوں اور انہیں ضائع کرنے والوں کو روکا جائے اور کسی کو ان حدود سے تجاوز و تعدی کی اجازت نہ دی جائے۔

پس یہ ہے وہ جماعت جس سے اللہ تعالیٰ نے جنت دے کر بیعتِ جہاد و قتال لی ہے اور ان کی جانوں اور مالوں کا سودا چکایا ہے، جب سے دین آیا ہے اور رسالتیں قائم ہوئی ہیں، مومنوں کے ساتھ یہ عقد چلا آیا ہے اور چلا جائے گا۔ اللہ کی راہ میں اعلائے کلمۃ اللہ کی خاطر قتال کرنا، اللہ کے دشمنوں کو قتل کرنا یا حق و باطل کے اس دائمی معرکے میں خود قتل ہو جانا، یہ مومنوں کا شعار ہمیشہ رہا ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ اسلام اور جاہلیت، شریعت اور طاغوت، ہدایت اور ضلالت کا یہ معرکہ ہمیشہ سے چلا آتا ہے۔ اور انشاء اللہ آئندہ بھی ہمیشہ قائم رہے گا۔

زندگی کیا ہے؟

زندگی لہو ولعب نہیں ہے، جانوروں کی مانند پیٹ بھرنا اور غیر ذمہ دارانہ حیات بسر کرنا نہیں ہے، وہ ذلیل و حقیر اور برائے نام سلامتی اور عزت کا نام بھی نہیں ہے، غافلانہ راحت اور سست سلامتی کا نام بھی نہیں ہے، زندگی یہ ہے کہ راہِ حق میں مقابلہ کیا جائے، جہاد و قتال کیا جائے، کلمۃ اللہ کو بلند کیا جائے، یا پھر خدا کی راہ میں شہادت حاصل کر لی جائے۔ اور اس طرح جنت اور رضائے الٰہی حاصل کی جائے۔ یہ ہے وہ حیات جس کی طرف مومنوں کو بلایا جاتا ہے:

"اے ایمان والو! اللہ اور رسول کی بات مانو جب تمہیں وہ اسبابِ حیات کی طرف دعوت دیں۔"

اسلام ایک ملت ہے اور کفر دوسری ملت ہے!

جن مومنوں کو جنت دے کر اللہ تعالیٰ نے ان کے مال و جان خریدے تھے، وہ سب ایک امت ہیں ان کے درمیان ارتباط کا ذریعہ اللہ پر عقیدہ ہے۔ یہ سورت جو مسلم جماعت اور دوسری جماعتوں کے باہمی تعلقات کے انتہائی احکام دیتی ہے، جو جماعتیں اس عقیدے پر قائم نہیں ہیں، خاص کر وہ ڈھیلا پن جو فتح مکہ کے بعد اسلامی جماعت کی افقی وسعت کے باعث پیدا ہوا تھا۔ اس کے بعد، اور اسلام میں بہت سی نئی فوجوں کے داخلے کے بعد، جو ابھی پوری طرح اسلام کے رنگ میں رنگی نہیں گئی تھیں، اور رشتہ داریوں کے علائق ابھی ان لوگوں کے دلوں میں بہت گہرے تھے، پس آئندہ آیات ان مومنوں کے درمیان جنہوں نے اللہ سے بیعت کا عقد کیا تھا، اور ان لوگوں کے درمیان جو اس عقد میں شامل نہ ہوئے تھے خواہ وہ ان کے قریبی رشتہ دار کیوں نہ ہوں، تعلقات کو قطع کر دیتی ہیں۔ کیونکہ دونوں فریقوں کے رُخ اور مقاصد

مختلف تھے اور دنیا و آخرت میں دونوں کا انجام مختلف تھا، چنانچہ آیات ۱۱۳ ——— ۱۱۶ میں فرمایا گیا ہے کہ :

"نبی اور ایمانداروں کے لیے روا نہیں کہ مشرکوں کے لیے استغفار کریں، گو وہ ان کے قرابت دار ہوں، بعد اس کے کہ ان کا جہنمی ہونا واضح ہو چکا ہے، اور ابراہیمؑ کا استغفار اپنے باپ کے لیے ایک وعدے کی بناء پر تھا، جو ابراہیمؑ نے اس کے ساتھ کیا تھا، پھر جب اس پر کھل گیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو وہ اس سے بیزار ہو گیا، بیشک ابراہیمؑ آہیں بھرنے والا بردبار تھا۔ اور ہدایت دینے کے بعد اللہ تعالیٰ کسی قوم کو گمراہ کرنے والا نہیں، حتیٰ کہ انہیں کھول کر بتا دے کہ وہ کس چیز سے بچیں، بلاشبہ اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔ بلاشبہ اللہ ہی کے لیے ہے بادشاہت آسمانوں اور زمین کی۔ وہی زندہ کرتا اور مارتا ہے، اور تمہارے لیے اللہ کے سوا کوئی کارساز اور کوئی مددگار نہیں ہے۔"

ان آیات کا سبب نزول

بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ بعض مسلمان اپنے مشرک آباؤ اجداد کے دعائے مغفرت کرتے تھے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی مطالبہ کرتے تھے کہ آپؐ ان کے لیے مغفرت مانگیں اس پر یہ آیات نازل ہوئیں اور انہوں نے یہ بتایا کہ اس استغفار میں خونی تعلق داریوں کا کچھ اثر باقی ہے اور یہ الٰہی تعلق نہیں کہلا سکتا۔ لہٰذا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اور مومنوں کے لیے روا نہیں کہ ایسا کریں۔ قطعی طور پر یہ اُن کا کام نہیں اور نہ یہ ان کو زیب دیتا ہے۔ لیکن انہیں یہ کیسے پتہ چلے گا کہ وہ مرنے والے جہنمی تھے؟ تو راجح تر بات یہ ہے کہ اس کا فیصلہ ان کی موت سے ہو گا، اگر شرک پر موت واقع ہو گئی تو وہ اہل جہنم ہیں، اور اب یہ امید منقطع ہو چکی ہے کہ وہ لوگ ایمان کی طرف ہدایت پا سکیں گے عقیدہ ہی وہ مضبوط کڑا ہے، جس میں انسانی تعلقات اور بشری علاقے جا کر ملتے ہیں، پس اگر عقیدے کا پودا اُگا ہوا ہے تو دوسرے تمام انسانی تعلقات قائم ہو سکتے ہیں، اور وہ اپنے بیجوں سے اُگ پڑیں گے، اس کے بعد نسبی اور سلبی تعلقات بیکار ہو جاتے ہیں، اسی طرح قومی، وطنی و نسبی سب علاقے ختم ہو جاتے ہیں، جب ایمان کا تعلق قائم ہے تو دیگر علاقے بھی اس کی ماتحتی میں قائم اور برپا ہیں۔ اگر ایمانی رشتہ قائم نہیں تو پھر اور کوئی بشری علاقہ ایسا نہیں جو ایک انسان کو دوسرے کے ساتھ ملا سکے۔

استغفار ابراہیمیؑ کا باعث!

فرمایا ہے کہ :

"ابراہیمؑ کا استغفار اپنے باپ کے لیے صرف ایک وعدے کی بناء پر تھا جو اس

نے اپنے باپ سے کیا تھا، پھر جب اس پر واضح ہو گیا کہ وہ اللہ کا دشمن تھا
تو ابراہیمؑ اس سے بری ہو گیا۔ بلاشبہ ابراہیمؑ آہیں بھرنے والا
بُرد بار تھا۔"

پس یہ جو بعض لوگ ابراہیمؑ کے اس فعل سے استدلال کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنے باپ کے لیے استغفار کیا تھا۔ تو اس واقعہ میں کسی اور کے لیے کوئی نمونہ نہیں ہے، کیونکہ ابراہیم کا استغفار اس سبب سے تھا کہ اس استغفار کے سبب سے ان کے باپ کو ایمان نصیب ہو جائے، اللہ تعالیٰ شاید اس کو ہدایت عطا فرما دے، کیونکہ ابراہیمؑ کا اپنے باپ کے ساتھ وعدہ تھا کہ:

"تجھ پر سلامتی ہو، میں عنقریب تیرے لیے اپنے رب سے بخشش مانگوں گا، وہ
مجھ پر بہت مہربان ہے، اور میں تم سے اور تمہارے ان معبودوں سے الگ ہوتا ہوں جن
کو تم خدا کے سوا پوجتے ہو، اور میں اپنے رب سے ہی دعا کرتا ہوں، ہو سکتا ہے
کہ میں اپنے رب سے دعا کر کے ناکام و نامراد نہ ہوں۔"

پھر جب ابراہیمؑ کا باپ شرک پر مر گیا اور ابراہیمؑ پر واضح ہو گیا کہ وہ اللہ کا دشمن تھا، اس کی ہدایت کی کوئی امید نہ تھی تو وہ اس سے بری ہو گیا اور اس کے ساتھ تعلق کو توڑ لیا، ابراہیمؑ کے اس فعل کا باعث یہ تھا کہ وہ "آہیں بھرنے والا، عاجزی کرنے والا اور بُرد بار تھا" جب تک آس منقطع نہ ہوئی وہ باپ کے حق میں دعائیں کرتا رہا، جب مایوسی ہو گئی تو وہ اس سے بری ہو گیا، کیونکہ کفر پر موت کے باعث اب اس کی ہدایت کا سوال خارج از بحث ہو گیا تھا۔ ابراہیمؑ اللہ کے حضور بہت عاجز تھا، دکھ پہنچانے والوں کے لیے بُرد بار تھا، اس کے باپ نے اسے اذیت پہنچائی مگر وہ حلیم رہا، پر جب کفر پر موت کے باعث یقین ہو گیا کہ اس کا باپ دشمنِ خدا تھا تو وہ اس سے بری ہو گیا اور اللہ کے حضور میں گریہ و زاری کرنے لگا۔

ممانعت سے پہلے جو ہو چکا سو ہو چکا، اب نہ ہو!

احادیث میں ہے کہ جب اوپر کی دو آیتیں نازل ہوئیں تو جو لوگ اپنے مشرک آباء کے لیے مغفرت کی دعا کرتے رہے تھے، انہیں یہ خوف ہوا کہ وہ اس فعل کے باعث گمراہ ہو چکے ہیں، کیونکہ انہوں نے امرِ خداوندی کی مخالفت کی ہے۔ اس پر یہ آئندہ آیت: ۱۱۵ نازل ہوئی، جس نے انہیں اس جانب سے اطمینان دلایا، اور اسلامی ضابطہ بیان کیا کہ نص کے بغیر کوئی سزا نہیں اور فعل پر کسی سابق بیان کے بغیر کوئی جرم شمار نہ ہو گا:

"اور اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کہ وہ کسی قوم کو ہدایت دینے کے بعد اسے گمراہ قرار دے
جب تک کہ کھول کر یہ نہ بتائے کہ کن چیزوں سے ان کو بچنا ہے، بلاشبہ اللہ تعالیٰ
ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔"

یعنی اللہ تعالیٰ کا محاسبہ ان کاموں پر ہے جن کے متعلق واضح حکم اتار دیا گیا ہے کہ فلاں

Marfat.com

کام کرنا ہے اور فلاں کام نہیں کرنا، جب تک پہلے واضح حکم کے ذریعے سے یہ نہیں بتایا گیا، وہ کسی انسانی فعل پر عتاب نہ فرمائے گا اس کا سبب یہ ہے کہ انسان کا علم قاصر ہے اور اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے، بیان اور تعلیم کا مصدر اسی کی طرف سے ہوتا ہے یہ بھی ایک فضل و رحمت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس دین کو آسان بنایا ہے، مشکل نہیں بنایا، جن چیزوں سے روکنا منظور تھا، ان کو اللہ تعالیٰ نے واضح بیان سے روکا ہے، جس طرح کہ اوامر کو بھی واضح بیان سے ظاہر فرمایا ہے اور اپنی حکمت اور رحمت و مغفرت کی بناء پر بعض چیزوں سے وہ خاموش رہا ہے تاکہ انسانوں کے لیے گنجائش رہے، اسے سہو و نسیان لاحق نہیں ہوا۔ بلکہ یہ اس کی تدبیر و حکمت اور فضل و کرم کا تقاضا تھا، اور جن چیزوں سے وہ خاموش رہا ہے، ان کے بارے میں خواہ مخواہ کے سوال اور کھود کرید سے بھی منع فرمایا ہے تاکہ سوال کے باعث معاملہ تشدید تک نہ پہنچے، پس کسی کا حق نہیں ہے کہ ان چیزوں کو حرام ٹھہرائے جن سے اللہ تعالیٰ نے خاموشی اختیار کی ہے اور جن چیزوں کو بیان نہیں فرمایا ان سے روکے، تاکہ بندوں پر اللہ تعالیٰ کی رحمت اور فضل و کرم ثابت ہو۔

اللہ ہی والی و ناصر ہے!

نسب اور خون کے تعلقات سے بالاتر ہونے کا حکم دے کر، اور اموال وانفس سے مجرد ہونے کا امر فرما کر آیت: ۱۱۶ میں فرمایا ہے کہ ولی و ناصر صرف اللہ تعالیٰ ہے، کائنات کا مالک اور موت و حیات کا مالک وہی ہے:

"بلاشبہ اللہ ہی کے لیے ہے بادشاہت آسمانوں اور زمین کی، وہ زندہ کرتا، اور مارتا ہے اور اللہ کے سوا تمہارا کوئی کارساز اور مددگار نہیں۔"

اس سے معلوم ہوا کہ مال اور جانیں، آسمان اور زمین، زندگی اور موت، دوستی اور مدد سب اللہ کے ہاتھ میں ہے، اور کسی کے ہاتھ میں نہیں اور کفایت اور غنیٰ فقط اسی کے ساتھ تعلق جوڑنے میں ہے یہ ساری تاکیدیں اور قرابت کے تعلقات میں یہ قطعی احکام بتاتے ہیں کہ اس وقت معاشرے میں جو تعلقات اور ترجیحات چھپائے ہوئے تھے، وہ بعض لوگوں کے دلوں میں کیا کچھ اضطراب پیدا کرتے تھے اور عقیدۂ توحید کا رابطہ اپنی راہ میں کیا کچھ مشکلات پاتا تھا، یہی سبب ہے کہ یہ قطعی احکام نازل ہوئے اور سورۃ البراۃ نے مسلم معاشرے کے تعلقات کو اس کے ماحول کے ساتھ کن طریقوں سے کن لائنوں پر استوار کیا تھا، مشرکوں کے لیے دعاء و استغفار کا معاملہ بھی اتنا اہم سمجھا گیا کہ اس سے ممانعت کے صریح اور حتمی احکام نازل ہوئے۔ مقصد یہ تھا کہ اسلام کے تعلق کے سوا دل تمام تعلقات کی ڈوریوں سے یکسر پاک صاف ہو جائیں۔ اسلامی تحریک کی بنیاد اس امر پر ہے کہ جماعت بندی اور معاشرہ صرف عقیدے کے تعلق پر قائم ہوتا ہے، یہ عقیدے اور تصور کے اصولوں میں سے ایک اصول ہے۔ جس طرح کہ تحریک اور جدوجہد کے اصول میں سے بھی یہ ایک اصل ہے یہی وہ چیز ہے جس کا ذکر اس آخری فیصلہ کن صورت میں بار بار آیا ہے۔

Marfat.com

فضل ورحمتِ خداوندی سے توبہ کا نزول

ایمانی بیعت کی اہمیت پر گفتگو ہو چکی ہے، اس بیعت کا تقاضا یہ ہے کہ میدان جہاد و قتال سے تخلف نہ کیا جائے، اسباب خواہ کچھ ہوں، جہاد پر قدرت رکھنے والوں کا پیچھے رہ جانا ایک امر عظیم ہے۔ جو کچھ غزوۂ تبوک میں تردد و تخلف ہوا تھا وہ ظاہر تھا، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اس مضمون کو پھیلا کر اور مرکزیت کے انداز میں بیان فرمایا ہے، آئندہ آیات میں اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم اور رحمت سے ان مخلص مومنوں پر رجوع فرماتا ہے۔ اور ان سے جو تردد اور تخلف ظاہر ہوا تھا، اسے معاف فرمانے کا اعلان کرتا ہے۔ ان کی خطائیں معاف کرتا ہے، بڑی ہوں یا چھوٹی۔ اسی طرح ان تین حضرات کا فیصلہ بھی بیان فرماتا ہے جن کا فیصلہ مؤخر کیا گیا تھا، فرمایا ہے کہ:

"بلاشبہ اللہ نے نبی پر اور مہاجرین وانصار پر رجوع فرمایا، جنہوں نے تنگی کی گھڑی میں اس کا ساتھ دیا تھا، بعد اس کے کہ قریب تھا ان میں سے بعض کے دل کجی کا شکار ہو جائیں، پھر اللہ نے اُن پر رجوع فرمایا، بلاشبہ وہ ان پر شفیق ورحیم ہے۔ اور ان تین پر بھی جن کا معاملہ مؤخر کیا گیا تھا، حتیٰ کہ جب زمین فراخی کے باوجود ان پر تنگ ہوگئی اور ان کے دل بھی ان پر تنگ آ گئے، اور انہیں یقین ہو گیا کہ اللہ سے صرف اسی کی طرف پناہ گاہ ہے، پھر ان پر رجوع کیا تاکہ وہ بھی رجوع کریں، بلاشبہ اللہ بہت ہی توبہ قبول کرنے والا ہے مہربان ہے۔"

نزولِ توبہ کا مطلب کیا ہے؟

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر توبہ و رجوع کا مفہوم یہ سمجھ میں آتا ہے کہ جنگِ تبوک کے واقعات میں جو کچھ ہوا تھا، ان کے سلسلے میں رحمت و فضلِ خداوندی کا ظہور مراد ہے، اور بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت کا تعلق اس گزشتہ آیت سے ہے، جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ: عفا اللہ عنک لم اذنت لھم حتی یتبین لک الذین صدقوا وتعلم الکاذبین:

"اللہ نے تجھے معاف کیا، تو نے انہیں کیوں اجازت دی، جب تک کہ تو سچوں اور جھوٹوں کو جان لیتا؟"

یہ اس وقت ہوا تھا جب کہ بعض مالدار منافقوں نے جھوٹے عذر پیش کر کے آپ سے اجازت مانگی اور آپ نے ازراہِ حلم و رحمت انہیں اجازت دے دی تھی، یہ آپ کا اجتہاد تھا اور خلافِ اولیٰ تھا، بہتر تھا کہ انہیں اجازت نہ دی جاتی، اس کا فائدہ یہ ہوتا کہ واقعی سچے معذوروں اور جھوٹے عذر تراشنے والوں کا پتہ چل جاتا، معاملات کچھ دیر تک یوں شک و شبہ میں نہ رہ جاتی، مہاجرین وانصار پر توبہ کا جو ذکر فرمایا ہے اس سے مراد غالباً وہی ہے جو زیرِ بحث آیتوں میں ان الفاظ سے بیان ہوا ہے کہ:

Marfat.com

"جنہوں نے اس کا اتباع کیا تنگی کی گھڑی میں بعد اس کے کہ قریب تھا ان میں سے ایک گروہ کے دل کجی میں مبتلا ہو جاتے۔"

یعنی ہو سکتا تھا کہ یہ واقعہ پیش آتا، گو پیش آیا نہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ بعض لوگ باہر جہاد کی خاطر جانے سے بوجھ محسوس کر رہے تھے، مگر پھر اللہ کا فضل ہوا اور وہ بعد میں فوج سے جا ملے تھے یہ بیان عنقریب متصل آئے گا، اور یہ لوگ مخلص مومنوں میں سے تھے۔ ان میں سے بعض نے منافقوں کی افواہیں سنیں کہ رومی یہ ہیں۔ رومی وہ ہیں، ان کے مقابلے کے لیے مت نکلو، ان میں سے بعض پر ایک عارضی اثر ہوا، مگر پھر یہ فوج سے جا ملے۔ ان کے قلوب ثابت قدم ہو گئے اور تردد جاتا رہا۔

تنگی کی گھڑی

اللہ تعالیٰ نے غزوۂ تبوک کو ساعۃ العسرۃ (تنگی کی گھڑی) فرمایا ہے، ذیل میں ہم اس غزوہ کے بعض احوال و واقعات کو سیرت ابن ہشام، امتاع الاسماع مقریزی، البدایہ والنہایہ لابن کثیر اور تفسیر ابن کثیر سے نقل کرتے ہیں تاکہ اس کی فضا اور اثرات و نتائج پر روشنی پڑ سکے۔ جب اللہ تعالیٰ کا یہ قول نازل ہوا کہ: وقاتلوا الذین لا یومنون باللہ ولا بالیوم الاخر ولا یحرمون ما حرم اللہ ورسولہ ولا یدینون دین الحق من الذین اوتوا الکتب حتی یعطوا الجزیہ عن ید وھم صاغرون۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کو جنگ کی تیاری کا حکم دیا۔ (اور یہ یاد رہے کہ رومیوں کے ساتھ پہلی گشتی جنگ موتہ میں ان آیات کے نزول سے پہلے ہو چکی تھی، یہ حکم اس لیے نازل ہوا تاکہ قرآن کی آخری اترنے والی سورت میں دائمی اٹل قانون کو بیان کر دیا جائے) اور یہ واقعہ لوگوں کی تنگ دستی کے زمانے میں پیش آیا تھا گرمی کی شدت تھی، ملک قحط زدہ تھا، خشک سالی کا دور دورہ تھا، درختوں کے پھل تیار تھے اور لوگ درختوں کے سائے میں بیٹھ کر پھل کھانا اور آرام کرنا چاہتے تھے۔ اس سے قبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس کسی جنگ کے لیے مدینہ سے نکلے آپ نے جنگی تدبیر کے طور پر توریئے سے کام لیا، جانا کسی اور طرف ہوتا مگر مدینہ سے خروج کسی اور طرف کو ہوتا، لیکن غزوہ تبوک میں جب کہ نفیر عام کا وقت تھا، جہاد فرض عین ہو گیا تھا، دشمن کے اسلامی حدود میں گھس آنے کی خبر مل گئی تھی۔ آپ نے واضح طور پر لوگوں کو بتا دیا کہ ارادہ سرحد شام کا ہے تاکہ لوگوں میں کوئی غلط فہمی نہ رہے اور پوری تیاری سے نکلیں، سفر بعید تھا۔ زمانہ شدت کا تھا، دشمن کی تعداد اور سامان جنگ کثیر تھا، لوگوں میں پوری اہمیت کے ساتھ صورت احوال کو واضح ہونا چاہیئے تھا۔ آپ نے لوگوں کو تیاری کا حکم دیا اور فرمایا کہ ارادہ رومی بادشاہ سے لڑائی کا ہے، ایک منافق نے گھر رہنے کی اجازت طلب کرتے ہوئے بہانہ یہ بنایا کہ "وہ عاشق مزاج آدمی ہے اور رومی عورتیں حسین و جمیل ہوتی ہیں، مبادا میں انہیں دیکھ کر فتنے میں پڑ جاؤں!" آپ نے اس کی خواہش کے مطابق اسے رخصت دے دی مگر ساتھ ہی یہ عتاب آمیز آیت اتری کہ:

عفا اللہ عنک لم اذنت لھم حتی یتبین لک الذین صدقوا وتعلم

الکاذبین ٥ «اللہ نے تجھے معاف کیا، تو نے ان کو اجازت کیوں دی جب تک کہ تجھ پر صادق واضح نہ ہو جاتے اور تو کاذبوں کو نہ جان لیتا؟»

سازشیں اور بہانہ سازیاں

بعض منافقوں نے ایک دوسرے سے کہا: "گرمی میں جہاد پر مت جاؤ" وہ دراصل جہاد سے بچنا چاہتے تھے اور حق میں انہیں شک تھا، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف سازش کر رہے تھے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری:

"اور انہوں نے کہا کہ گرمی میں باہر مت جاؤ، تم کہو کہ جہنم کی آگ اس سے زیادہ گرم ہے کاش کہ وہ سمجھ سکتے، پس انہیں کم ہنسنا اور زیادہ رونا چاہیئے۔ یہی ان کے کسب کی جزا ہے"

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ کچھ منافق سویلم یہودی کے گھر میں جمع ہوتے ہیں، تاکہ لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوۂ تبوک میں جانے سے روکا جائے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف طلحہؓ بن عبید اللہ کی سربراہی میں چند اصحاب کو بھیجا، اور حکم دیا کہ اُن پر سویلم یہودی کے مکان کو جلا دیا جائے۔ طلحہؓ نے ایسا ہی کیا۔ ضحاک بن خلیفہ گھر کی پشت سے نکل بھاگا اور اس کا پاؤں ٹوٹ گیا، پھر وہ تائب ہو گیا اس کے ساتھی نکل کر بھاگے اور بچ گئے۔

★ مطالباتِ جہاد و قتال

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر کی تیاری تیزی سے کی اور لوگوں کو جہاد کا اور تیزی سے چلنے کا حکم دیا، دولتمندوں کو حکم دیا کہ خدا کی راہ میں مال خرچ کریں اور ان مجاہدوں کی سواریوں کا انتظام کریں جن کے پاس نفقہ نہیں۔ بعض مالداروں نے رضائے الٰہی کی خاطر راہِ حق میں مال خرچ کیا، ان میں سے سب سے آگے عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ تھے۔ انہوں نے تمام مجاہدین اور دولتمندوں سے بڑھ کر مال خرچ کیا ابن ہشام نے معتبر لوگوں سے روایت کی ہے کہ عثمانؓ بن عفان نے تنگ دست لشکر کے لیے ایک ہزار دینار خرچ کیئے۔ (یہ رقم اُس وقت بہت بڑی تھی!)، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اے اللہ عثمانؓ سے راضی ہو جا، میں تو اس سے راضی ہو چکا ہوں۔"

مسند احمد کی روایت میں ہے کہ عبدالرحمٰنؓ بن حباب سلمی نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تنگ دست لشکر پر خرچ کرنے کی ترغیب میں خطبہ دیا تو عثمانؓ بن عفان نے کہا: میرے ذمہ ایک سو اونٹ مع ان کے ساز و سامان کے ہیں۔ راوی نے کہا کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے ایک سیڑھی نیچے اتر آئے اور ایک ہاتھ ہلا کر کہہ رہے تھے کہ: اس کے بعد عثمانؓ جو بھی کرنے لے کوئی ضرر نہیں (یعنی اس کا یہی عمل کافی ہے!)

ترمذی کی روایت بھی اسی طرح ہے اور بیہقی کی روایت میں حضورؐ کی تین بار ترغیب اور

Marfat.com

عثمانؓ کے ہر بار چندہ بڑھانے اور آخری بار تین سو اونٹ مع ساز و سامان پیش کرنے کا ذکر ہے۔

اصحاب کی مالی قربانیاں

عثمانؓ بن عفان کی مالی قربانی تو اس موقع پر سب سے زیادہ اور منفرد تھی، مگر دیگر اصحاب نے بھی حسب توفیق مال دینے سے گریز نہیں کیا، ابن جریر طبری اور ابن ابی حاتم نے مختلف الفاظ کے ساتھ روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ تبوک میں صدقہ پر ترغیب دی پس عبدالرحمٰنؓ بن عوف چار ہزار درہم لائے اور کہا یا رسول اللہ میرے پاس آٹھ ہزار تھا جس میں سے نصف لایا ہوں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی کہ اللہ تیرے عطیئے میں اور باقی ماندہ میں برکت دے اور ابو عقیلؓ ایک صاع کھجور لائے اور کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے دو صاع کھجور پائی تھی اس میں سے ایک صاع اللہ کے لیے لایا ہوں اور ایک صاع اہل و عیال کے لیے چھوڑا ہے، اس پر منافقوں نے انہیں طعنہ دیا اور کہا: جو کچھ ابنؓ عوف نے دیا وہ تو دکھاوا ہے، اور کیا اللہ اور اس کا رسول اس شخص (ابو عقیلؓ) کے ایک صاع سے غنی نہ تھے؟ بعض اور روایات میں ہے کہ ابو عقیل رات بھر ایک یہودی کے پاس مزدوری کرکے دو صاع کما کر لائے، ایک اپنے گھر والوں کے لیے اور ایک جہاد فی سبیل اللہ کی خاطر، منافقوں نے کہا کہ ابو عقیلؓ نے یہ کام اپنی شہرت کے لیے کیا ہے۔

گریہ کرنے والے!

پھر سات انصاری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے رونے والے (بکّاؤن) کہلاتے ہیں یہ محتاج تھے اور انہوں نے میدانِ جنگ تک پہنچنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سواریاں طلب کیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: میرے پاس تمہاری سواری کا کوئی انتظام نہیں ہے، قرآن کہتا ہے کہ یہ:

"روتے ہوتے ہوئے واپس چلے گئے، انہیں یہ غم تھا کہ ان کے پاس نفقہ نہ تھا۔"

ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ ابنؓ یامین بن عمیر بن کعب نصری، ابو لیلیٰ عبدالرحمٰنؓ بن کعب اور عبداللہؓ بن مغفل سے ملا۔ (یہ دونوں ان سات رونے والوں میں سے تھے!) وہ اس وقت رو رہے تھے، اس نے پوچھا: تم کیوں روتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے تھے تاکہ سواری حاصل کریں مگر آپ کے پاس ہمارے لیے کوئی سواری نہیں اور ہمارے پاس آپؐ کے ساتھ جانے کی توفیق نہیں۔ اس نے ان دونوں کو اپنا ایک پانی ڈھونے کا اونٹ دے دیا اور زادِ راہ کے طور پر کچھ کھجور دے دی۔ انہوں نے اونٹ پر کجاوہ رکھا اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ روانہ ہو گئے۔

ابن اسحاق سے یونس بن بکیر کی روایت میں ہے کہ علیہؓ بن زید ایک گریہ کرنے والا تھا، وہ

Marfat.com

رات کو گھر سے نکلا اور جس قدر اللہ نے چاہا وہ نماز پڑھتا رہا، پھر وہ رویا اور کہنے لگا: "اے اللہ تو نے جہاد کا حکم دیا اور اس کی ترغیب دی، پھر مجھے کوئی سامان نہ دیا جس سے میں قوت پاؤں اور تو نے اپنے رسول ﷺ کو بھی کوئی جانور نہ دیا جو آپ سواری کے لیے مجھے دیتے۔ میں ہر مسلم کو وہ ظلم و زیادتی صدقہ کرتا ہوں (معاف کرتا ہوں) جو کسی نے مال یا جسم یا غیرت کے سلسلے میں مجھ پر کی ہے"۔ پھر وہ صبح کے وقت لوگوں کے ساتھ تھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آج رات کو صدقہ کرنے والا کہاں ہے؟ مگر کوئی نہ اٹھا۔ حضور ﷺ نے فرمایا: وہ صدقہ کرنے والا کہاں ہے؟ وہ اٹھ کھڑا ہو۔ علبہؓ بن زید اٹھا اور قصہ عرض کر دیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو بشارت پا، تیرا یہ صدقہ مقبول زکوٰۃ میں لکھا گیا ہے۔

لشکر کی روانگی اور متخلفین

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ اور اس کے ماحول کے کم و بیش تیس ہزار آدمیوں کا لشکر لے کر مدینہ سے نکلے۔ مسلمانوں کی ایک جماعت غفلت اور سستی سے، نہ کہ بدنیتی سے اور ارادے سے پیچھے رہ گئی، اور ان میں وہ تین تھے جن کا معاملہ پیچھے ڈالا گیا تھا، یعنی کعبؓ بن مالک، مرارہؓ بن ربیع اور ہلالؓ بن امیہ (ان کا قصہ عنقریب آئے گا)، اور ابو خیثمہؓ اور عمیرؓ بن وہب جمحی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا پڑاؤ (لشکر کے اجتماع کے لیے) ثنیۃ الوداع پر ڈالا۔ اور عبداللہ بن ابی رأس النفاق نے اپنا پڑاؤ آپ سے الگ اس کے سامنے ڈالا۔ بعض روایات میں تو ہے کہ منافقین کی تعداد بہت زیادہ تھی، مگر دیگر روایات (صحیح تر) کے مطابق پیچھے رہ جانے والوں کی تعداد سو سے کم تھی، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روانہ ہو گئے تو ابن ابی بھی اہل ریب و نفاق میں پیچھے رہ گیا۔

راستے میں رہ جانے والے!

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چل کھڑے ہوئے اور بعض لوگ راستے میں اکا دکا لشکر سے الگ ہونے لگے۔ لوگ کہتے: یا رسول اللہ فلاں پیچھے رہ گیا ہے، آپ فرماتے: "اسے چھوڑ دو، اگر اس میں کوئی بھلائی ہو گی تو اللہ تعالیٰ اسے تمہارے ساتھ ملا دے گا، ورنہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس سے راحت دے دی ہے!" حتیٰ کہ کہا گیا: یا رسول اللہ! ابوذرؓ پیچھے رہ گیا ہے! اور دراصل ان کا اونٹ سست رفتار تھا! آپ نے فرمایا: اسے رہنے دو، اگر اس میں کوئی خیر ہو گی تو اللہ تعالیٰ اس کو تم سے ملا دے گا، اور اگر ایسا نہیں ہے تو اللہ نے تم کو اس سے راحت دے دی ہے۔ اور ابوذرؓ نے اپنے اونٹ پر بیٹھے بیٹھے انتظار کیا کہ یہ کب چلتا ہے۔ جب اس نے دیر لگائی تو اس نے اپنا سامان لیا اور اسے اپنی پشت پر لاد لیا، پھر پیدل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے چل پڑا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک منزل پر اترے تو کسی شخص نے پیچھے دیکھا اور کہا، یا رسول اللہ یہ ایک شخص راستے پر اکیلا پیدل چلا آتا ہے، آپ نے فرمایا: خدا کرے ابوذرؓ ہو! جب لوگوں نے اس کو غور سے دیکھا تو بولے: یا رسول اللہ! واللہ یہ تو واقعی ابوذرؓ ہے، اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ ابوذرؓ پر رحم فرمائے، اکیلا چلتا ہے۔

Marfat.com

اکیلا مرے گا اور اکیلا ہی اٹھایا جائے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لے جانے کے کچھ دن بعد ابو خیثمہؓ واپس مدینہ آگیا، گرمی کے دن تھے، اس نے دیکھا کہ اس کی دونوں بیویوں نے اس کے باغ میں چھپر بنائے ہوئے تھے۔ اور اپنے اپنے چھپر میں چھڑکاؤ کر رکھا ہے اور اس کے لیے ٹھنڈا پانی مہیا کر رکھا ہے اور کھانا تیار کیا ہوا ہے۔ جب وہ باغ میں داخل ہوا تو چھپر کے دروازے پر کھڑا ہو گیا، اپنی دونوں بیویوں کو اور ان کے کام کو دیکھا۔ وہ بولا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دھوپ میں ہوں، گرم ہوا اور دھوپ کا مقابلہ کریں اور ابو خیثمہؓ ٹھنڈے سائے میں، تیار شدہ کھانے میں اور خوبصورت بیوی کے پاس ہو اور اپنے مال میں مقیم ہو! یہ انصاف کی بات نہیں ہے۔ پھر بولا: واللہ میں تم دونوں میں سے کسی کے چھپر میں نہیں آؤں گا، بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جا کر ملوں گا۔ تم میرا سفر خرچ تیار کرو، انہوں نے ایسا ہی کیا۔ پھر اس نے اپنا پانی ڈھونے کا اونٹ نکالا اور اسے کسا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے چل پڑا۔ حتیٰ کہ تبوک میں جب آپ منزل پر اترے تو یہ بھی جا پہنچا، عمیرؓ بن وہب جمحی بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں پیچھے پیچھے آ رہا تھا، یہ دونوں راستے میں ملے، تبوک کے قریب جا کر ابو خیثمہؓ نے کہا: میرا ایک گناہ ہے جس کی تلافی میں پہلے کرنا چاہتا ہوں، کوئی حرج نہیں کہ تو ذرا پیچھے آ اور میں پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ جاؤں۔ عمیرؓ نے یہی کیا، یہاں تک کہ جب ابو خیثمہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب پہنچا تو لوگوں نے کہا: ایک شتر سوار آ رہا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خدا کرے ابو خیثمہؓ ہو تو لوگوں نے کہا: واللہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ واقعی ابو خیثمہؓ ہے۔ جب ابو خیثمہؓ نے اونٹ کو بٹھا دیا تو جا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابو خیثمہؓ! تیرا برا ہو (زجر و توبیخ کے لیے فرمایا) اس نے سارا قصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اچھے کلمات فرمائے اور اس کے لیئے دعا فرمائی۔

منافقوں کی مزاحیہ گفتگو!

ابن اسحاق نے کہا کہ منافقوں کا ایک گروہ تھا جس میں بنی عمرو بن عوف کا ودیعہ بن ثابت بھی تھا۔ جو بنی سلمہ کے حلیف اشجع کا ایک شخص تھا جس کو مخشن بن حمیر (یا بقول ابن ہشام مخشی) کہتے تھے، یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ کر کے کہتے تھے، جب کہ آنجنابؐ تبوک کی طرف جا رہے تھے کہ: کیا تم رومیوں کی جنگ کو بھی عربوں کی باہمی لڑائی کی مانند سمجھتے ہو؟ واللہ یوں نظر آتا ہے کہ کل کو تم لوگ رسیوں میں بندھے ہو گے۔ یہ بات وہ مسلمانوں کو ڈرانے اور بزدلی پھیلانے کے لیے کہتے تھے، پھر مخشن بن حمیر نے کہا: واللہ تمہاری ان باتوں کے باعث ہمارے متعلق قرآن میں کچھ نازل ہونے سے تو یہ بہتر ہے کہ ہم میں سے ہر شخص کو سو کوڑے مارے جائیں۔

ابن اسحاق نے کہا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمارؓ بن یاسر سے کہا: اس قوم سے جا کر مل کیونکہ وہ جل گئے ہیں، اُن سے پوچھ کہ انہوں نے کیا کچھ کہا تھا، اگر وہ انکار کریں تو کہنا: کیوں نہیں؟ تم نے ضرور یہ اور یہ باتیں کی ہیں۔ پس عمارؓ ان کی طرف گیا اور ان سے یہ بات کہہ دی تو وہ رسول اللہ صلی اللہ

Marfat.com

علیہ وسلم کے پاس گئے اور معذرت کرنے لگے۔ ودیعہ بن ثابت نے کہا، جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سواری کو کھڑا کیے ہوئے تھے، ودیعہ نے اونٹنی کے پیٹ پر بندھی ہوئی رسی (تنگ) پکڑی ہوئی تھی۔ وہ کہنے لگا: یا رسول اللہ ہم تو ادھر ادھر کی باتیں اور مذاق کر رہے تھے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری:

"اور اگر تو ان سے پوچھے تو کہیں گے: ہم تو یوں ہی مزاح اور ادھر ادھر کی باتیں کر رہے تھے، کہو کیا تم اللہ اور اس کی آیات اور اس کے رسول سے مزاح کر رہے تھے؟"

اور مخشن بن حمیر نے کہا یا رسول اللہ! مجھ کو میرا نام اور میرے باپ کا نام لے بیٹھا، اور اس آیت میں جس شخص کو معاف کیا گیا تھا وہ یہی مخشن بن حمیر تھا، اس نے اپنا نام عبدالرحمٰن رکھ لیا اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ اس کو شہید کی موت دے کر قتل کرائے اور اس کا کسی کو پتہ نہ چلے، بس وہ جنگ یمامہ میں شہید ہوا اور اس کا کوئی اتہ پتہ نہ مل سکا۔

هَمُّوا بِمَا لَمْ يَنَالُوا

عروہ بن زبیرؓ نے کہا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تبوک سے نصف ماہ کے بعد واپس ہوئے اور آپ کو جنگ کا موقع پیش نہ آیا تھا، راستے میں منافقوں کی ایک جماعت نے آپ پر بحالت غفلت بری نیت سے حملہ کرنا چاہا۔ ان کا ارادہ یہ تھا کہ راستے میں ایک درے سے آپ پر پتھر گرادیں، یا آپ کو درے سے نیچے گرادیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے ارادے کی اطلاع من جانب اللہ ملی تو آپ نے لوگوں کو حکم دیا کہ وادی کی راہ سے جائیں اور خود آپ گھاٹی پر چڑھ گئے۔ وہ مشورہ کرنے والے منافق بھی آپ کے ساتھ گھاٹی پر چڑھ گئے اور انہوں نے ڈھاٹے باندھ رکھے تھے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمارؓ بن یاسر اور حذیفہؓ بن الیمان کو اپنے ساتھ چلنے کا حکم دیا۔ عمارؓ تو اونٹنی کی مہار پکڑے ہوئے تھے اور حذیفہؓ اس کو چلا رہے تھے۔ اس اثناء میں کہ آپ لوگ اس طرح چل رہے تھے کہ انہوں نے سنا ان لوگوں نے آپ حضرات کو گھیر لیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غضب ناک ہو گئے۔ اور حذیفہؓ نے آپ کا غضب دیکھ لیا۔ حذیفہؓ کے پاس ایک ڈھال تھی، پس اس نے وہ ڈھال ان کی سواریوں کے چہروں کی طرف کر دی۔ جب انہوں نے حذیفہؓ کو دیکھا تو یقین کر لیا کہ اسے ان کے ارادے کا علم ہو گیا ہے۔ پس وہ جلدی سے گئے اور لوگوں میں جا ملے۔ حذیفہؓ سیدھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آیا اور آپ سے آ ملا، آپ نے ان دونوں کو حکم دیا تو انہوں نے تیزی سے وہ گھاٹی طے کر لی۔ اور لوگوں کے انتظار میں ٹھہر گئے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حذیفہؓ سے فرمایا: کیا تو نے ان لوگوں کو پہچان لیا ہے؟ اس نے کہا کہ رات کی تاریکی میں جب وہ حملے کی نیت سے آئے تھے تو میں نے صرف ان کی سواریاں دیکھی ہیں۔ پھر آپ نے فرمایا: تم کو معلوم ہے کہ ان سواروں کا ارادہ کیا تھا؟ انہوں نے کہا کہ نہیں۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کو بتایا کہ ان لوگوں کا ارادہ کیا تھا۔ اور آپ نے ان دونوں کو ان کے نام بھی بتائے اور فرمایا کہ اس بات کو چھپا کر رکھنا۔ انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! کیا ہم ان کے قتل کا حکم نہ دیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اسے ناپسند کرتا ہوں کہ لوگ یہ بات چیت

کریں کہ محمدؐ اپنے ساتھیوں کو مروا دیتا ہے۔
ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں لکھا ہے کہ ابن اسحاق کی روایت میں یہ مذکور ہے کہ حضور رسول اللہ علیہ وسلم نے ان کے نام وغیرہ صرف حذیفہؓ کو بتائے تھے۔ بقول ابن کثیر یہی بات درست تر ہے بسیرت ابن ہشام میں یہ واقعہ مذکور نہیں ہے۔

تنگ دستی

غزوۂ تبوک میں اہل اسلام کو جو تنگ دستی لاحق ہوئی تھی اس کا ذکر کئی روایات میں موجود ہے حافظ ابن کثیر نے تفسیر میں لکھا ہے کہ مجاہدؒ وغیرہ کا قول ہے کہ یہ آیت غزوۂ تبوک کے بارے میں نازل ہوئی تھی: لقد تاب اللہ علی النبی والمہاجرین والانصار الذین اتبعوہ فی ساعۃ العسرۃ من بعد ما کاد یزیغ قلوب فریق منھم ثم تاب علیھم انہ بھم رءوف رحیم ہ اور وجہ یہ تھی کہ مسلمان بڑے سخت حالات میں اس کی طرف نکلے تھے، قحط کا زمانہ تھا، گرمی شدید تھی، زادِ سفر اور پانی بہت کم تھا۔ قتادہ نے کہا کہ مسلمان تبوک کی طرف شدید گرمی میں گئے تھے۔ اتنی تکلیف کا عالم تھا کہ اللہ ہی جانتا ہے۔ انہیں شدید بھوک کا سامنا کرنا پڑا حتیٰ کہ ہمارے سامنے بیان کیا گیا ہے کہ دو آدمی ایک کھجور کو نصف نصف کر کے کھاتے تھے کئی دفعہ ایک کھجور کے کئی آدمیوں کے کھانے کی نوبت آئی۔ ایک اُسے چوستا اور پانی پی لیتا پھر دوسرا اسے چوستا اور پانی پی لیتا۔ پس اللہ نے ان کی طرف رحمت سے رجوع فرمایا اور انہیں بخیریت جنگ سے واپس کیا۔ ابن جریر نے عبداللہؓ بن عباس کی روایت سے حضرت عمرؓ بن الخطاب کے متعلق بیان کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تبوک کی طرف نکلے اور ایک منزل پر اترے پیاس شدید تھی، حتیٰ کہ ہم نے خیال کیا کہ ہماری گردنیں ٹوٹ جائیں گی۔ کوئی آدمی پانی کی تلاش میں جاتا، اور جب واپس نہ آتا تو ہم سمجھتے کہ اس کی گردن ٹوٹ گئی ہے۔ بعض لوگ اپنے اونٹ ذبح کر کے ان کی اوجھڑی نچوڑتے تھے اور وہ پانی پیتے تھے اور باقی پانی کو اپنے جگر پر رکھ لیتے تھے۔

سَاعَةِ الْعُسْرَةِ

ابن جریر طبری نے سَاعَةِ الْعُسْرَةِ کا معنیٰ یہ بیان کیا ہے کہ: نفقہ سے سواریاں، زادِ سفر اور پانی نہیں تھا۔ اور یہ جو فرمایا کہ:

"اُن میں سے ایک فریق کے دل ٹیڑھے ہونے لگے تھے"

اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ حق سے اعراض کرنے والے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین میں شک کرنے کو تھے، اور جو مشقت ان پر آئی تھی اس کے باعث، سفر اور جنگ کی شدت کے سبب سے ان کے دلوں میں کجی پیدا ہونے کو تھی۔ مگر: ثم تاب علیھم، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی طرف رجوع و انابت کی توفیق دی اور وہ دین پر ثابت قدم ہو گئے۔

Marfat.com

مسلم معاشرے کے افراد کے درجات

اس تنگی کی گھڑی میں مسلم معاشرے کے مختلف طبائع و درجات کے افراد کی تصویر اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے اسی خاطر کھینچی ہے کہ اس فترت میں لوگوں کے جو ایمانی مقامات تھے وہ ہم پر واضح ہو جائیں ایک فریق میں تو نہایت پختہ ایمان تھا، ایک فریق کے دل میں تنگی ترشی کے ہتھوڑوں کے نیچے تزلزل پایا جاتا تھا ایک فریق میں شک و ریب کے بغیر جہاد سے جی چرانا اور گھر بیٹھ جانا پایا گیا۔ ایک فریق میں نرم قسم کا نفاق تھا۔ ایک فریق میں شدید اور بدکار قسم کا نفاق تھا، ایک فریق وہ تھا جس کا نفاق اسلام کے خلاف مشورے اور سازشیں کرنا تھا۔ ان تمام درجات و مقامات پر غور کریں تو ایک طرف اس وقت کے مسلمانوں کی قومی و اجتماعی ترکیب سمجھ میں آجاتی ہے اور دوسری طرف جنگ تبوک کی مشقت اور شدت کا پتہ چلتا ہے، شائد رومیوں کا یہ مقابلہ اور مسلمانوں کی تنگدستی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی تمحیص و اختیار کے لیے تھی، یہی وہ تنگدستی تھی جس میں پیچھے رہنے والے رہ گئے تھے اور وہ زیادہ تر منافقین میں سے تھے۔ اور کچھ مسلمان شک و ریب کی بنا پر نہیں بلکہ راحت حاصل کرنے، سستی، غفلت اور سہل انگاری کے باعث مدینہ میں رہ گئے تھے۔ ان کی دو جماعتیں تھیں، ایک وہ جن کا فیصلہ پہلے ہی ہو گیا، انہوں نے نیک اعمال کے ساتھ بعض برے اعمال کو بھی غلط ملط کر دیا تھا اور اپنے گناہوں کا اعتراف کر لیا تھا۔ دوسری جماعت کا معاملہ پیچھے ڈالا گیا تھا۔ اور وہ تین شخص تھے جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ ان کا فیصلہ بروقت نہیں کیا گیا بلکہ مؤخر کر دیا گیا تھا۔ ان کا حال خود ان میں سے ہی ایک شخص کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی زبانی سنیئے ان کی طویل اور مفصل حدیث بخاری و مسلم اور امام احمد نے روایت کی ہے۔

کعبؓ بن مالک کی حدیث

یہ حدیث کعبؓ بن مالک سے ان کے بیٹے عبداللہؓ نے روایت کی ہے۔ یہ کعبؓ کے بڑھاپے میں جب کہ وہ نابینا ہو گئے تھے، ان کے قائد تھے۔ کعبؓ نے کہا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی جنگ میں سوائے جنگِ تبوک کے پیچھے نہیں رہا۔ ہاں! جنگِ بدر میں بھی میں نہ جا سکا تھا اور اس میں شامل نہ ہونے والوں کو کوئی عتاب نہیں کیا گیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان اس میں قافلۂ قریش کو روکنے کی خاطر گئے تھے اور اتفاق سے باذن اللہ دونوں فریقوں کا مقابلہ ہو گیا۔ اور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عقبہ کی بیعت کی رات میں موجود تھا، جب کہ ہم نے اسلام پر عہد و میثاق کیا تھا، اور مجھے یہ پسند نہیں کہ اس کے بجائے میں جنگِ بدر میں شامل ہوتا۔ اگرچہ بدر کا ذکر اور شہرت لوگوں کے نزدیک زیادہ ہے۔ اور غزوۂ تبوک میں میرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پیچھے رہ جانے کا قصہ یہ تھا کہ میں جتنا اس وقت قوی اور مالدار تھا، اتنا کسی اور موقع پر نہ تھا۔ واللہ خلافِ معمول اس وقت میرے پاس سواری کے دو اونٹ تھے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عموماً کسی جنگ کے لیے باہر نکلتے تو توریہ کرتے، جانا کسی طرف ہوتا اور ظاہر کسی اور طرف کو کرتے تھے۔ لیکن جنگِ تبوک میں آپؐ نے کوئی توریہ و تعریض نہیں

Marfat.com

کی صاف طور پر فرمایا تھا کہ رومیوں سے لڑنے کو شام کی طرف جانا ہے، یہ شدید گرمی کا وقت تھا اور سفر بہت لمبا تھا، راہ میں چٹیل ریگستان تھے، دشمن کی تعداد بہت زیادہ تھی آپ نے مسلمانوں کو صاف طور پر بتایا تاکہ وہ اپنے دشمن سے مقابلے کی پوری تیاری کریں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسلمانوں کی تعداد بہت زیادہ تھی اور ان کا کوئی رجسٹر نہ تھا جس میں ان کے نام لکھے جاتے۔ کعب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر کوئی آدمی غائب ہونا چاہتا تو جب تک اللہ عزوجل کی طرف سے وحی نہ آتی وہ اپنے خیال کے مطابق غیر حاضر رہ سکتا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جنگ اس وقت لڑی جب کہ پھل پک چکے تھے اور سائے میں آرام کرنا اچھا لگتا تھا۔ اور میں اس کا بہت خواہشمند تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپ کے ساتھ مسلمانوں نے جنگ کی تیاری کر لی۔ میں روزانہ صبح کو جاتا تاکہ ان کے ساتھ تیاری کراوں مگر شام کو کوئی فیصلہ کیے بغیر لوٹ آتا تھا۔ اور میں اپنے جی میں کہتا کہ جب چاہوں گا بس اس پہ قادر ہوں۔ میرا یہی حال رہا۔ حتیٰ کہ لوگوں کی تیاری مکمل ہوگئی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھ مسلمان روانہ ہو گئے اور میں نے تا حال کوئی تیاری نہ کی تھی، پھر وہ دور چلے گئے اور میں لیت و لعل میں ہی رہا، پھر میں نے ارادہ کیا کہ کوچ کروں اور ان سے جا ملوں اور کاش کہ میں ایسا کر لیتا، مگر میرے مقدر میں یہ بھی نہ ہوا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چلے جانے کے بعد میں جب باہر نکلتا تو اس بات سے بہت غمگین ہوتا تھا کہ میں مدینہ میں کوئی ایسا شخص نہ دیکھتا تھا جو میرے لیے نمونہ بنتا، صرف وہ لوگ تھے جن پر نفاق کی تہمت تھی، یا پھر کچھ معذور لوگ تھے۔ تبوک پہنچنے تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو یاد نہ کیا مقام تبوک میں لوگوں کے اندر بیٹھے ہوئے پوچھا کہ؛ کعبؓ بن مالک کہاں ہے؟ بنی سلمہ کا ایک شخص بولا کہ یا رسول اللہ اس کو اس کی دو چادروں نے اور دونوں پہلوؤں پر نگاہ ڈالنے نے روک لیا ہے معاذ بن جبلؓ نے کہا، تو نے بہت بری بات کہی ہے۔ واللہ یا رسول اللہ ہم اس کے متعلق بھلائی کے سوا کچھ نہیں جانتے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیشی

کعبؓ بن مالک نے کہا کہ جب مجھے پتہ چلا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تبوک سے واپس چلے آتے ہیں تو میرے دل میں اضطراب پیدا ہوا اور میں جھوٹ کو یاد کرنے لگا اور میں کہہ رہا تھا کہ کل میں آپ کی ناراضگی سے کس طرح بچ سکوں گا؟ اور میں اس معاملے میں اپنے گھر والوں میں سے ہر ذی رائے کی رائے سے بھی مدد حاصل کرتا تھا۔ مگر جب کہا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لا چکے ہیں تو باطل خیالات مجھ سے دور ہو گئے، حتیٰ کہ میں نے جان لیا کہ میں اس قسم کی کسی چیز کے ذریعے سے آپ سے بچ نہ سکوں گا۔ لہٰذا میں نے پختہ ارادہ کر لیا کہ آپ سے سچ بولوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہر میں وارد ہو گئے، اور جب آپ کسی سفر سے تشریف لاتے تھے تو مسجد سے شروع کرتے تھے اور دو رکعت نماز پڑھ کر لوگوں سے ملنے کے لیے بیٹھ جاتے تھے۔ جب آپ یہ کام کر چکے تو جہاد سے پیچھے رہنے والے آئے، وہ قسمیں کھانے

اور معذرتیں کرنے لگے۔ اور وہ کچھ اوپر اسی آدمی تھے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ظاہر کو ان سے قبول فرمایا، ان سے بیعت لی اور ان کے لیے استغفار فرمایا، اور ان کے باطن کو اللہ کے سپرد کر دیا۔ حتیٰ کہ میں آیا، جب میں نے سلام کہا تو آپؐ نے غضب ناک انداز میں تبسم فرمایا، پھر مجھ کو آنے کا حکم دیا، میں چل کر آیا حتیٰ کہ آپؐ کے سامنے بیٹھ گیا، آپؐ نے مجھ سے فرمایا: تو کیوں پیچھے رہ گیا؟ کیا تو نے اپنی سواری نہ خرید لی تھی؟ میں نے کہا: یا رسول اللہ! واللہ اگر میں آپؐ کے سامنے نہیں بلکہ کسی دنیا دار انسان کے سامنے بیٹھتا تو میں سمجھتا کہ کوئی بہانہ بنا کر اس کی ناراضگی سے بچ جاؤں گا، مجھے باتیں بنانے کا طریقہ خوب آتا ہے۔ لیکن واللہ میں جانتا ہوں کہ اگر میں آج آپؐ سے جھوٹ بولوں گا جس کے ساتھ آپؐ مجھ سے راضی ہو جائیں تو بھی اللہ بعد میں آپؐ کو مجھ پر ناراض کر دے گا۔ اور اگر میں آپؐ سے سچی بات کہوں جس کے باعث آپؐ مجھ سے ناراض ہو جائیں تو مجھے امید ہے کہ اللہ اس کا انجام اچھا کرے گا۔ واللہ مجھے کوئی عذر نہ تھا، واللہ جب میں آپؐ سے پیچھے رہ گیا تو اس وقت سے زیادہ قوی اور مالدار میں کبھی نہ تھا۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس آدمی نے سچ بولا ہے۔ تو اٹھ حتیٰ کہ اللہ تیرا فیصلہ فرمائے۔ پس میں اٹھ کر چلا گیا۔ پس بنی سلمہ کے کچھ لوگ جلدی سے میرے پاس آئے اور میرے پیچھے چل پڑے۔ انہوں نے کہا: واللہ ہمارے خیال میں تو نے کوئی گناہ اس سے پہلے نہیں کیا تھا مگر کیا تو اتنا ہی عاجز ہو گیا تھا کہ جس طرح اور جہاد سے پیچھے رہنے والوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے معذرت کی تو بھی اسی طرح بہانہ سازی کر لیتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا استغفار تیرے لیے کافی تھا۔ کعبؓ نے کہا کہ واللہ وہ برابر مجھے برا بھلا کہتے رہے، حتیٰ کہ میں نے ارادہ کر لیا کہ واپس جا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنی تکذیب کر دوں، پھر میں نے ان سے کہا کہ کیا اور کا بھی یہی حال ہوا ہے جو میرا ہوا؟ انہوں نے کہا: ہاں دو شخصوں کا یہی حال ہوا ہے، انہوں نے بھی تیرے جیسی بات کہی اور انہیں بھی تیری طرح کی بات کہی گئی ہے۔ میں نے کہا کہ وہ کون ہیں؟ انہوں نے کہا: مرارہؓ بن ربیع اور ہلالؓ بن امیہ واقفی۔ سو انہوں نے میرے سامنے دو نیک مردوں کا ذکر کیا جو جنگِ بدر میں شامل ہو چکے تھے میرے لیے ان میں نمونہ تھا۔ جب انہوں نے ان کا ذکر کیا تو میں آگے چلا گیا۔

آزمائش

کعبؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم تینوں کے ساتھ کلام کرنے سے منع فرما دیا، اور پیچھے رہنے والوں میں صرف ہمارا تین کا ہی یہ فیصلہ تھا۔ لوگ ہم سے اجتناب کرنے لگے یا یہ کہا کہ لوگ ہمارے لیے بدل گئے، حتیٰ کہ زمین میرے نزدیک بدل گئی، پس یہ زمین وہ نہ تھی جس کو میں پہچانتا تھا۔ پس پچاس دن تک ہمارا یہی حال رہا۔ میرے دونوں ساتھی تو تنگ ہار کر گھروں میں بیٹھ گئے، مگر میں تینوں میں سے قوی تر اور شدید تر تھا، میں گھر سے نکلتا اور نماز با جماعت میں حاضر ہوتا، بازاروں میں پھرتا مگر مجھ سے کوئی بولتا نہ تھا، میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر آپؐ کو سلام کہتا، آپؐ نماز کے بعد اپنی مجلس میں ہوتے، میں اپنے جی میں کہتا کہ کیا آپؐ نے سلام کے جواب میں ہونٹ ہلائے ہیں یا نہیں؟ پھر میں آپؐ کے قریب نماز پڑھتا

اور چوری چوری سے آپ کو دیکھتا تھا۔ جب میں اپنی نماز میں ہوتا تو آپ میری طرف دیکھتے اور جب میں آپ کی طرف دیکھتا تو آپ منہ پھیر لیتے۔ جب مسلمانوں کی قطع تعلقی طویل ہو گئی تو میں گیا اور ابو قتادہؓ کے باغ کی دیوار پھاندی۔ وہ میرا چچا زاد بھائی اور سب لوگوں سے محبوب تر تھا۔ میں نے اس کو سلام کہا مگر واللہ اس نے جواب نہ دیا۔ میں نے کہا: اے ابو قتادہؓ! میں تجھے اللہ کا واسطہ دیتا ہوں کہ میں اللہ اور اس کے رسولؐ سے محبت کرتا ہوں۔ وہ خاموش رہا۔ میں نے دوسری بار یہی کچھ کہا تو وہ خاموش رہا، پھر تیسری بار میں نے یہی کہا تو وہ بولا: اللہ اور اس کا رسولؐ ہی بہتر جانتے ہیں۔ میری آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور میں نے مڑ کر دیوار پھاندی اور اس دوران میں کہ میں مدینہ کے بازار میں سے گزر رہا تھا کہ اچانک ایک شام کا نبطی جو غلہ بیچنے کے لیے مدینہ آیا ہوا تھا کہہ رہا تھا کہ: کعبؓ بن مالک کا پتہ کون بتائے گا؟ لوگ اس کو میری طرف اشارے کر کے بتانے لگے، وہ آیا اور شاہِ غسان کا ایک خط میرے حوالے کیا۔ میں پڑھا لکھا آدمی تھا، اس خط کا مضمون یہ تھا کہ:

"ہمیں پتہ چلا ہے کہ تیرے آقا نے تجھ پر جفا کی ہے۔ اور اللہ نے تجھ کو کوئی اتنا گھٹیا نہیں بنایا، نہ ضائع ہونے والا بنایا ہے، تو ہماری طرف آجا ہم تیرے ساتھ ہمدردی کریں گے۔" جب میں نے اس خط کو پڑھا تو کہا کہ یہ بھی ایک آزمائش ہے، میں نے اس کو تنور میں ڈال کر جلا دیا۔

جب پچاس میں سے چالیس دن گزر گئے تو اچانک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایلچی میرے پاس آیا اور مجھ سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تجھے حکم دیتے ہیں کہ تو اپنی بیوی سے الگ رہ، میں نے اس سے پوچھا کہ اس کو طلاق دے دوں یا کیا کروں؟ اس نے کہا کہ نہیں بلکہ اس سے الگ رہ اور اس سے قربت نہ کر، اور اسی قسم کا حکم میرے دو ساتھیوں کو بھیجا، میں نے اپنی بیوی سے کہا کہ تو اپنے گھر والوں (ماں باپ کے گھر والوں) کے ہاں چلی جا، اور وہیں رہ جب تک کہ اللہ تعالیٰ اس معاملے کا فیصلہ نہیں فرما دیتا پس ہلالؓ بن امیہ کی بیوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئی اور کہا: یا رسول اللہ ہلال ایک بیکار بوڑھا ہے۔ اور اس کا کوئی خادم نہیں ہے، کیا آپؐ کو یہ ناپسند ہے کہ میں اس کی خدمت کروں؟ آپؐ نے فرمایا نہیں! مگر وہ تیرے قریب نہ آئے۔ وہ بولی کہ واللہ وہ تو کچھ کرنے کی حرکت نہیں رکھتا اور واللہ وہ تو اس وقت سے رو رہا ہے جب سے آپؐ نے اُسے حکم دیا ہے اور اب تک اس کا یہی حال ہے، میرے بعض گھر والوں نے کہا کہ بہتر ہو کہ تو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی بیوی کے متعلق خدمت کی اجازت مانگ لے، کیونکہ آپؐ نے ہلالؓ کی بیوی کو اس کی خدمت کی اجازت دے دی ہے۔ میں نے کہا کہ واللہ میں اس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت نہیں مانگوں گا، میں ایک جوان آدمی ہوں، معلوم نہیں اگر میں نے اجازت مانگی تو آپؐ کیا جواب دیں!

آخر کار توبہ قبول ہو گئی!

کعبؓ نے کہا کہ ہم دس دن اور ٹھہرے اور جب سے ہمارا قطع تعلق ہوا ہے اس وقت سے لے کر اب تک پورے پچاس دن ہو گئے ہیں۔ کعبؓ نے کہا کہ پھر میں نے پچاس دن کے بعد اپنے گھروں میں سے ایک کی چھت پر نمازِ فجر پڑھی، اس اثناء میں کہ میں اس حال میں بیٹھا ہوا تھا جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے

میں جان سے تنگ آگیا تھا، زمین فراخ ہونے کے باوجود مجھ پر تنگ ہو گئی تھی، میں نے سلع پہاڑ پر چڑھ کر ایک چلانے والے کی آواز سنی جو باآوازِ بلند کہتا تھا: اے کعبؓ بن مالک تجھے بشارت ہو! پس میں سجدے میں گر گیا اور میں نے پہچان لیا کہ کشائش آگئی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ فجر کے بعد من جانب اللہ ہماری توبہ کی قبولیت کا اعلان فرما دیا تھا۔ پس لوگ ہمیں بشارت دینے کو گئے، میرے دو ساتھیوں کی طرف بھی بشارت دینے والے گئے اور ایک آدمی نے میری طرف گھوڑا دوڑایا اور قبیلہ اسلم کا ایک شخص دوڑ کر میری طرف آیا اور وہ پہاڑ پر چڑھ گیا لہٰذا آواز گھوڑ سوار سے پہلے آگئی، پس جب وہ شخص آیا جس کی آواز میں نے سنی تھی۔ وہ مجھے بشارت دینے آیا تو میں نے اپنے دونوں کپڑے اتار کر اسے پہنا دیئے کیونکہ اس نے مجھے بشارت دی تھی (اور خوشخبری دینے والوں کو لباس اتار کر دے دینا ایک قدیم طریقہ چلا آتا تھا!) واللہ اس دن میرے پاس ان کے سوا اور کپڑے نہیں تھے، پس میں نے دو کپڑے (چادر اور تہبند) مستعار لیے اور انہیں پہن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ...... سے ملنے چلا۔ لوگ فوج در فوج مجھے مبارکباد دیتے تھے کہ میری توبہ قبول ہو گئی، اور وہ کہتے تھے کہ تجھے مبارک ہو کہ اللہ نے تیری توبہ قبول فرمائی ہے حتیٰ کہ میں مسجد میں داخل ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما تھے اور لوگ آپ کے گرد تھے۔ طلحہؓ بن عبیداللہ دوڑتا ہوا آیا، مجھ سے مصافحہ کیا۔ اور مبارکباد دی۔ واللہ! مہاجرین میں سے اس کے سوا کوئی نہ اٹھا۔ عبداللہ نے کہا کہ کعب رضی اللہ عنہ اس کی اس نیکی کو بھولتے نہ تھے۔

توبہ کا شکرانہ!

کعب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جب میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کہا تو آپ نے فرمایا، اور آپ کا چہرہ مبارک خوشی سے دمک رہا تھا: "تجھے یہ دن مبارک ہو جو عمر بھر میں تیرے لیے بہترین دن ہے!" میں نے کہا یا رسول اللہ یہ آپ کی طرف سے ہے یا اللہ کی طرف سے (یعنی خوشی تو دونوں صورتوں میں ہے مگر دونوں میں کچھ فرق بھی ہے!) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میری طرف سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے" اور خوشی کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ یوں چمکتا تھا گویا کہ وہ چاند کا ٹکڑا ہو!۔ میں نے کہا: یا رسول اللہ، میری توبہ کی تکمیل (اور شکرانہ) یہ ہے کہ میں اپنے مال کو اللہ اور اس کے رسولؐ کی خدمت میں بطورِ شکرانہ و صدقہ پیش کروں۔ آپؐ نے فرمایا: اپنا کچھ مال رکھ لے یہی تیرے لیے بہتر ہے میں نے کہا کہ میں اپنا وہ حصہ روک لیتا ہوں جو خیبر میں ہے اور میں نے کہا: یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے مجھے صرف سچائی کی وجہ سے نجات دی ہے۔ اور میری توبہ کی تکمیل اور اس کا حصہ یہ بھی ہے کہ میں صرف سچ بولا کروں گا۔ پس واللہ جب سے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس کا ذکر کیا تھا اس وقت سے لے کر مسلمانوں میں سے کوئی بھی نہیں جس کی اللہ تعالیٰ نے سچائی میں ایسی آزمائش کی ہو جیسی کہ میری آزمائش کی تھی۔ واللہ! جب سے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ وعدہ کیا تھا، آج تک میں نے کوئی ایک کلمہ بھی جھوٹا نہیں بولا جو گھڑا ہو۔ اور مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے باقی زندگی میں بھی

Marfat.com

جھوٹ سے بچائے گا۔ اور اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری: لقد تاب اللہ علی النبی والمهاجرین والانصار .... وکونوا مع الصادقین۔

سچ کی برکت

کعب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ واللہ اسلام کی ہدایت دینے کے بعد اللہ تعالیٰ نے کوئی انعام مجھ پر اتنا بڑا نہیں کیا جو میرے خیال میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے میرے سچ بولنے جیسا ہو۔ اگر میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس دن جھوٹ بولتا (جس دن آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم تبوک سے واپس مدینہ میں تشریف لائے تھے!) تو میں بھی ان لوگوں کی مانند ہلاک ہو جاتا جس طرح آپ سے جھوٹ بولنے والے ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے جو وحی اس سلسلے میں اتاری اس میں ان کے لیے ایسی بات کہی جو برائی کرنے والے کسی اور کے حق میں شائد ہی کہی ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"عنقریب جب تم ان کی طرف واپس جاؤ گے تو وہ تمہارے سامنے قسمیں کھائیں گے تاکہ تم ان سے اعراض کرو، پس ان سے منہ پھیر لو کیونکہ وہ پلید ہیں" .... الی الفاسقین تک۔

یہ ہے ان تین آدمیوں کا قصہ جن کا فیصلہ مؤخر کیا گیا تھا، اور جو انہی میں سے ایک ——— کعبؓ بن مالک ——— نے بیان کیا ہے۔ اس کے ہر فقرے میں عبرت ہے، اور اس میں اسلامی معاشرے کی ریڑھ کی ہڈی کی ایک واضح صورت دکھائی دیتی ہے، کہ وہ کس مضبوط بنیاد پر کھڑی ہے۔ اس کے عناصر کتنے صاف ہیں، اور اس کا تصورِ جماعت کس قدر صریح اور صاف ہے، دعوت کے احکام اوامر کی تعمیل اور اطاعت کے ضروری ہونے وہ کس قدر واضح ہے۔

اس واقعہ کی عبرتیں

انسانی کمزوری، کہ وہ سائے اور راحت کا متلاشی ہوتا ہے جو کعبؓ بن مالک اور ان کے دو ساتھیوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد کے لیے جانے سے روک دیتی ہے۔ وہ راحت کو سفرِ طویل، مشقت گرمی اور جد وجہد پر ترجیح دیتے ہیں۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جہاد کے لیے تشریف لے جانے کے بعد کعبؓ اپنے فعل کو محسوس کرتے ہیں، اس کا شعور انہیں اپنے ماحول سے ہو جاتا ہے۔ وہ اس پر غمگین ہوتے ہیں کہ سوائے منافقین یا معذوروں کے کوئی بھی پیچھے نہیں رہ گیا یعنی کمزور، بوڑھے، بچے، عورتیں اور بیمار وغیرہم اس کا مطلب یہ ہوا کہ بقولِ کعبؓ تنگ دستی نے مسلمانوں کو جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جانے سے نہیں روکا۔ اور گھروں میں صرف معذور رہ گئے تھے یا وہ جن پر نفاق کا طعنہ تھا۔ یعنی مسلم جماعت کی ریڑھ کی ہڈی تنگ دستی کے مقابلے میں زیادہ مضبوط اور شدید تھی۔ یہ اس واقعہ کی ایک عبرت تھی۔

دوسری یہ ہے کہ تقویٰ ہی وہ چیز ہے جو خطاکار کو صدق و اقرار اور اعتراف پر آمادہ کرتی ہے اور اس کے بعد کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہوتا ہے۔ یہی وہ جذبہ تھا جس نے کعبؓ سے یہ کہلوایا کہ: یا رسول اللہ مجھے باتیں بنانا خوب آتا ہے، اگر میں آپ کے سامنے نہیں بلکہ کسی دنیادار شخص کے سامنے ہوتا تو بہانے بنا

Marfat.com

کر بیٹھتا ہوں، مگر واللہ مجھے معلوم ہے کہ جھوٹ بول کر اگر میں آج آپ کو خوش کر دوں تو کل کو اللہ تعالیٰ حقیقت بتا کر آپ کو مجھ سے ناراض کر دے گا، اور اگر سچ بول کر آپ کی ناراضگی لیتا ہوں تو انشاء اللہ اس کا انجام بخیر ہوگا۔ واللہ میرا کوئی عذر نہ تھا، واللہ آپ سے پیچھے رہتے وقت میں معمول سے زیادہ قوی اور مالدار تھا۔
اس کا مطلب یہ ہوا کہ خطاکار مومن کے ضمیر میں اللہ تعالیٰ حاضر ہے، وہ اس کو ہر بات پر ترجیح دیتا ہے۔ اس کے نزدیک اللہ کا مراقبہ ہر چیز سے قوی تر ہے۔ اس کی رحمت کی امید بہت یقینی اور اس کا تقویٰ نہایت گہرا ہے، اگرچہ اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا، اس وجہ سے بہت مطلوب تھی کہ اس وقت رفعت و قدر و منزلت کا ذریعہ یہی تھا جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم راضی ہو جاتے تھے۔ وہ صاحب عزت معاشرے میں صاحب قدر و منزلت ہو جاتا تھا۔ اور جس کا معاملہ اس کے برخلاف ہو، وہ پستی میں گر جاتا ہے مگر مرد مومن جھوٹ بول کر یہ رضا حاصل کرنے کا طلب گار نہیں تھا۔

جماعتی نظم و ضبط

کعب رضی اللہ عنہ کے بیان کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تینوں حضرات سے مسلمانوں کا قطع تعلق کرا دیا۔ لوگ ان سے الگ ہو گئے، ان کی نگاہ میں زمین و آسمان بدل گئے، زندگی اجیرن ہو گئی، نہ ان سے کوئی بازاروں میں بولتا تھا، نہ گلی کوچے میں، نہ گھروں میں۔ حتیٰ کہ کعب جب اپنے محبوب چچا زاد بھائی ابو قتادہ کی ملاقات کے لیے اس کے باغ کی دیوار پھاند کر گئے تو ابو قتادہ نے بھی ان سے کلام کرنے سے گریز کیا اور ان کے الحاح و زاری پر صرف یہ کہا کہ:
"اللہ و رسولہ بہتر جانتے ہیں"
یہ جماعتی ڈسپلن تھا، اجتماعی نظم و ضبط تھا، جو مسلم معاشرے میں پیدا کیا گیا تھا۔ یہ نظم و ضبط اس اضطراب اور دراڑوں کے باوجود قائم تھا، جو کہ فتح مکہ کے بعد فوج در فوج لوگوں کے اسلام میں داخل ہو جانے کے باعث رونما ہو گیا تھا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو ان تین اشخاص کے ساتھ بات چیت سے منع فرمایا تو کوئی شخص ان سے بولنے کے لیے منہ نہ کھولتا تھا۔ ان کے عزیز سے عزیز تر لوگ بھی ان سے الگ ہو گئے تھے۔

ایمانی محبت کے تقاضے

کعب رضی اللہ عنہ مسجد میں جا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کہتے ہیں اور غور سے دیکھتے ہیں کہ آیا آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا ہے یا نہیں؟ پھر آپ کے قریب ہی نماز پڑھتے اور نظریں چرا کر دیکھتے ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کعب رضی اللہ عنہ کی طرف اس وقت دیکھتے ہیں جب کعب کی نظر نماز میں لگی ہو، جب وہ حضور کو دیکھتے تو آپ منہ پھیر لیتے ہیں۔ پھر ایک بڑی آزمائش ان پر آتی ہے شاہ غسان کا خط آتا ہے کہ تم کوئی کم مرتبہ گرے پڑے شخص نہیں ہو، ادھر ہماری طرف آ جاؤ، ہم تمہیں پوری عزت و احترام دیں گے، مگر کعب اس خط کو حوالۂ تنور کر دیتے ہیں، پھر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ان

Marfat.com

لوگوں کی بیویوں کو بھی ان سے جدا رہنے کا حکم ملتا ہے۔ تو کعب رضی اللہ عنہ اپنی بیوی کو اس کے ماں باپ کے ہاں بھیج دیتے ہیں۔

قبول توبہ کی بشارت اور اس کا سرور

اُوپر جو بیان ہوا وہ معاملے کا ایک رُخ تھا۔ دوسرا رُخ یہ ہے کہ ان لوگوں کو از سر نو زندگی کی نوید ملتی ہے، توبہ کو قبولیت کا پروانہ دیا جاتا ہے۔ زمین کے ان پر تنگ ہو جانے کے بعد فراخی کی خوشخبری آتی ہے، لوگ ان کو خوشی سے مبارک باد دیتے ہیں، فوج درفوج ان کا استقبال کرتے ہیں، خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس دن کو ان کی زندگی کا بہترین دن قرار دیتے ہیں۔ لوگ دوڑ دوڑ کر ان سے ملتے ہیں، مصافحہ کرتے ہیں۔ خوشی کا اظہار کرتے ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ اس معاشرے میں احداث و واقعات کی قدر و قیمت کا پیمانہ عام دنیوی پیمانوں سے الگ تھا۔ توبہ کی قبولیت کو بہت بڑا مقام حاصل تھا، یہ گویا نئی زندگی تھی جو ایک خطا کار انسان کو اٹھا کر معاشرے کا بہت اعلیٰ اور معزز فرد بنا دیتی تھی، لوگ گھوڑے دوڑا کر اس کی بشارت دینے کو آتے تھے، اور جو سواری نہ پاتا وہ پہاڑ پر چڑھ کر باآواز بلند پکار دیتا تھا کہ:

اے کعب رضی اللہ عنہ بن مالک تجھے مبارک ہو کہ تیری مشقت کا دور ختم ہوا اور توبہ قبول ہوگئی۔

کعب رضی اللہ عنہ کا بیان کردہ قصہ ہم پر اس آیت کے معانی اور ان کے اسرار کو کھول دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ کیوں فرمایا:

"حتیٰ کہ جب زمین فراخی کے باوجود ان پر تنگ ہو کر رہ گئی، اور خود ان کی جانیں ان پر تنگ ہو گئیں اور انہیں پختہ یقین ہو گیا کہ اللہ کے سوا کہیں پناہ گاہ نہیں ہے"

زمین کے تنگ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ زمین تو اس کے باسیوں کے سبب سے فراخ ہے جب وہ ساتھ چھوڑ جائیں تو فراخی کے باوجود زمین تنگ ہو جاتی ہے، نہ صرف یہ بلکہ ایسے احوال میں خود انسان کی جان اس پر تنگ ہو جاتی ہے، سب سہارے ختم ہو جاتے ہیں، اور وہ بچشم سر دیکھ لیتا ہے کہ درد دینے والا ہی دوا بھی دے سکتا ہے۔ اور وہ اللہ وحدہٗ کے سوا اور کوئی نہیں۔

تنگی کے بعد کشائش آگئی!

یہ تو ایک حقیقت ہے کہ اللہ سے بچ کر کسی جگہ اور کسی شخص کے پاس پناہ نہیں مل سکتی، زمین و آسمان کے اطراف کا وہی مالک ہے اور یہ اُسی کے ہاتھ میں ہیں۔ مگر یہاں پر اس حقیقت کا بیان اس کرب و ابتلا اور مشقت و مسرت کی تصویر کھینچنے کے لیے ہے، جس میں کعب رضی اللہ عنہ اور ان کے دو ساتھی مبتلا تھے، انہیں اس تنگی سے نکلنے کی کوئی صورت نظر نہ آتی تھی، اللہ ہی اپنے فضل و کرم کے ساتھ دستگیری کرے تو کرے چنانچہ پھر آسائش و کشائش کا ظہور ہوا، جس کا ذکر یوں فرمایا ہے کہ: ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوبُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ۔ یعنی اُس خاص خطا سے اللہ نے ان کی توبہ کو قبول فرمایا تاکہ وہ ہر گزشتہ گناہ اور خطا سے توبہ کریں اور ہر آنے والی خطا سے بھی توبہ کر کے اللہ کی طرف رجوع کریں۔ اور اس کا مصداق کعب رضی اللہ عنہ کے

Marfat.com

اس قول میں تھا کہ "یا رسول اللہ میری توبہ کا ایک حصہ یہ بھی ہے کہ میں اپنے سارے مال سے خدا و رسولؐ کی طرف صدقہ کرتے ہوئے لاتعلق ہو جاؤں۔" اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کچھ مال روک لینے کا حکم دیا جس پر اس نے اپنا خیبر کا حصہ روک لیا، اور پھر کعبؓ نے صدق کے باعث اللہ کا فضل پانے کے باعث آئندہ کے لیے بھی ہمیشہ سچ بولنے کا وعدہ کیا، اور یہ وعدہ انہوں نے بطریقِ احسن نبھا دیا۔

توبہ اور صدق کا حکمِ عام

ان تین جلیل القدر لوگوں پر اللہ تعالیٰ نے توبہ اور صدق کے باعث اپنا خاص فضل و احسان فرمایا تھا جس کا طویل بیان گزر چکا۔ اب عام اہلِ اسلام کو توبہ اور صدق کا عام حکم دیا جاتا ہے۔ اور اہلِ مدینہ اور اردگرد کے لوگوں کو تخلف عن الجہاد سے واضح ترین لفظوں میں منع فرمایا جاتا ہے:

"اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ رہو، اہلِ مدینہ اور اس کے اردگرد کے اعراب کے لیے روا نہیں کہ وہ اللہ کے رسولؐ سے پیچھے رہیں، اور نہ یہ روا ہے کہ اپنی جانوں کو اس کی جان سے عزیز تر جانیں۔ یہ اس لیے کہ ان کو جو پیاس، مشقت اور بھوک اللہ کی راہ میں پہنچے گی، اور جس جگہ وہ جائیں گے جہاں کا جانا کفار کو بُرا لگے اور کسی دشمن سے وہ جو کچھ حاصل کریں گے۔ ان کے لیے اس کے باعث عملِ صالح لکھا جائے گا۔ بلاشبہ اللہ نیکو کاروں کا اجر ضائع نہیں کرتا اور وہ جو بھی چھوٹا بڑا خرچ کریں، اور جو بھی میدان طے کریں تو اس کے باعث ان کے لیے یہ لکھا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کی بہتر جزاء عطا کرے گا۔" (آیات: ۱۱۹ ـــــــ ۱۲۱)

اہلِ مدینہ ہی وہ لوگ تھے جنہوں نے اسلامی دعوت اور تحریک کو اپنایا تھا پس اس لحاظ سے وہ اس کے قریبی اہل تھے۔ وہ اسی دعوت کے ساتھ اور اسی کی خاطر تھے۔ انہوں نے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ٹھکانا دیا، آپؐ کی بیعت کی اور تمام جزیرۂ عرب میں وہی اس دعوت کی پہلی بنیاد اور ریڑھ کی ہڈی بن گئے تھے، اسی طرح مدینہ کے ماحول میں جو مسلم قبائل تھے وہ اس بنیاد کا بیرونی بند تھے۔ پس ان میں سے کسی کو تو کسی حال میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پیچھے ہٹنا اور اپنے آپ کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس پر ترجیح دینا شرعاً، عرفاً، اخلاقاً اور سیاستہً جائز نہ تھا۔ خواہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم سردی میں باہر جائیں یا گرمی میں! شدت میں یا آسائش میں، یسر میں یا عسر میں، مقصد آپؐ کا یہ تھا کہ دعوتِ اسلامی کی مشقتوں اور تکالیف کو برداشت کریں، فریضۂ خداوندی ادا کریں۔ پس مدینہ والے اور اس کے ماحول والے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ترتھے۔ وہ اصحابِ دعوت و عزیمت تھے۔ ان کے لیے نادانی کا عذر بھی نہ تھا، سب کچھ جانتے بوجھتے ان کے لیے کسی طور پر روا نہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پیچھے رہیں اور اپنے آپ کو آپؐ کی ذاتِ اقدس پر ترجیح دیں۔ ان کی ذمہ داری چونکہ بہت بڑی ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے انہیں پکارا ہے کہ اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور سچوں کا ساتھ دو، تقویٰ و صدق و خلوص کا جو اظہار ان تین مخلفین سے ہوا تھا، جو ان کی قبولیتِ توبہ کا سبب بنا تھا، اس کے طویل بیان کے بعد صدق و

Marfat.com

خلوص، توبہ اور تقویٰ کا حکم ان آیات میں بہت مناسب اور چسپاں ہے اس کے ساتھ ساتھ اشارۃً ان لوگوں کی تعریف فرمائی گئی ہے جو متخلف نہ تھے، جو تنگی کے دور میں ڈگمگاتے نہ تھے۔ یہ وہی منتخب سابقین اور ان کے متبعین تھے جن کا ذکر پچھلی آیات میں گزر چکا ہے۔

ایک شدید خفیہ چوٹ

آیت میں یہ جو فرمایا ہے کہ:

"وہ اپنی جانوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جان سے عزیز تر نہ سمجھیں۔"

اس میں متخلفین پر ایک مخفی چوٹ اور ایک گہری زجر و توبیخ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی ساتھی کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ:

"اپنی جان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جان سے عزیز تر رکھتا ہے۔"

اس سے بڑھ کر اور کوئی تانیب نہیں، جب کہ وہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہے، آپ کا ساتھی ہے! یہ ہر مومن کے لیے بھی ایک مخفی اشارہ ہے کہ اپنی جانوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جان سے عزیز تر نہ سمجھیں۔ آپ نے دعوت کی خاطر جو مشقتیں اٹھائیں، جو دکھ جھیلے، جہاد کے لیے جو تکالیف برداشت کیں، ہر مسلمان کو انہیں پیش نظر رکھ کر ان سے بڑی تکالیف بھی اگر آجائیں تو ان کو برداشت کرنا چاہیے۔ آخر اس کی جان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جان سے زیادہ قیمتی، زیادہ نازک، زیادہ باوقار تو نہیں! اگر اللہ تعالیٰ کا حکم جہاد نہ ہوتا تب بھی ایک مسلمان کی محبت اور ادب و حیاء کا یہ تقاضا تھا کہ وہ اس دعوت کے لیے سب کچھ لٹا دے اور اس راہ میں ہر مشقت کو برداشت کرے۔ اس کے علاوہ یہ بھی تو پیش نظر رہے کہ تمہاری کوئی نیکی ضائع نہ ہوگی، ہر کام قبول ہوگا اور ہر نیکی لکھی جائے گی۔ یہ فرض پر ایک فضل و احسان بھی ہوا۔

کوئی نیکی ضائع نہیں جاتی!

اگلی دو آیات: ۱۲۰ ——— ۱۲۱ میں یہی مضمون بیان فرمایا گیا ہے کہ اللہ کے حضور کوئی نیکی، چھوٹی ہو یا بڑی، جب فی سبیل اللہ ہوگی تو ہرگز ضائع نہ جائے گی، فرمایا ہے کہ:

"یہ اس لئے ہے کہ انہیں پیاس، کوئی مشقت، بھوک جو اللہ کی راہ میں پہنچے، اور وہ جس راہ پر چلیں جو کفار کو غصہ دلائے اور کسی دشمن سے وہ جو کچھ حاصل کریں (یا اس کا جو نقصان بھی کریں)، تو اس کے باعث ان کے لیے نیک عمل لکھا جائے گا۔ بلاشبہ اللہ نیکی کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ اور وہ کوئی چھوٹا یا بڑا انفقہ جو کریں گے، اور جو وادی بھی وہ قطع کریں گے، مگر ان کے لیے وہ لکھی جائے گی تاکہ اللہ تعالیٰ ان کے عمل کی ان کو بہترین جزاء عطا فرمائے گا۔"

اس کا مطلب یہ ہے کہ پیاس پر جزاء ہے، مشقت پر جزاء ہے، بھوک پر جزاء ہے، کفار کو غیظ و غضب

Marfat.com

دلانے کی ہر رفتار، ہر قدم باعثِ جزاء ہے۔ دشمن سے جو کچھ مالِ غنیمت وغیرہ حاصل ہو، مال فئ ملے اس پر بھی جزاء ہے۔ غرض مجاہد کے ہر عمل پر جزاء ہے اور اس کے باعث اسے ان نیکوکاروں میں لکھا جاتا ہے جن کا کوئی بھی عمل ضائع نہیں جاتا۔ ہر چھوٹے بڑے خرچ پر جزاء ہے۔ وادیاں قطع کرنے میں ہر قدم پر جزاء ہے۔ ایسی ہی جزاء جو مجاہد کو نیک سے نیک تر کام پر ملتی ہے خدا کی قسم اللہ تعالیٰ ہمیں بہت بڑی جزاء عطا فرماتا ہے، یہ جزاء سخاوت کے اعلیٰ درجے تک رفیع و عالی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کے لیے بڑی بڑی شدتیں اٹھائی اور قربانیاں کی تھیں، واللہ، اللہ کی طرف سے اس اعلانِ جزاء پر اگر ہم سوچیں تو ہم کو شرمندہ ہونا چاہیئے۔ اس دعوت کے لیے آپ نے جو تکالیف برداشت کیں ہم ان میں آپ کے خلفاء میں اور دعوت کے امانتدار ہیں۔

راہِ حق میں تقسیمِ کار ضروری ہے!

سورۂ توبہ میں جہاد سے تخلف پر جو سزائیں اور زجر و توبیخ نازل ہوئی معلوم ہوتا ہے کہ اس کے نتیجے میں لوگ مدینہ میں جمع رہنے لگے ہوں گے، تاکہ ادھر آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کا اشارہ ہو اور ادھر وہ جہاد و قتال پر روانہ ہو جائیں، مدینہ کے اردگرد کے قبائل اور اہلِ مدینہ کو جو فرمایا گیا تھا کہ انہیں تو کسی بھی حال میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تخلف روا نہیں ہے۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ وہ ہمہ تن گوش رہنے لگے کہ کسی آنے والے وقت میں اسلام کے لیے محنت و مشقت کرنے کو تیار رہیں۔ اب اسلامی سلطنت کا دائرہ بھی وسیع ہو چکا تھا۔ اور اسلام سارے جزیرۂ عرب کا دین بن چکا تھا۔ اب ضروری تھا کہ نفیرِ عام کے حدود بیان کیے جائیں۔ غزوۂ تبوک کے لشکر کی تعداد اتنی تھی جو اس سے قبل کبھی معرکے میں نہ تھی۔ یعنی تیس ہزار مجاہدین۔ اب جہاد کی خاطر تیار لوگوں کی تعداد پہلے سے بھی بڑھ گئی تھی، لہٰذا ضروری تھا کہ جہاد کی ڈیوٹیاں تقسیم کی جائیں، اور اس کے ساتھ ساتھ زراعت، صنعت و تجارت اور دوسرے کام کاج جن سے زمین کی آبادی اور حکومتوں کی رونق ہوتی ہے، ان سب کے قائم و دائم رکھنے کی سبیل نکالی جائے۔ پس اگلی آیت: ۱۲۲ اسی بیان میں اتری تھی۔ فرمایا:

"اور اہلِ ایمانداروں کا یہ کام نہیں کہ سب کے سب باہر نکل جائیں، پس ایسا کیوں نہیں ہوتا کہ ان کے ہر گروہ میں سے ایک نہ ایک حصہ باہر نکل آئے، تاکہ دین کی فقاہت حاصل کریں اور واپس جا کر اپنی قوم کو خبردار کریں تاکہ وہ بچیں۔"

تفسیر آیت: ۱۲۲

اس آیت کی تفسیر میں کئی روایات وارد ہوئی ہیں، اور یہ کہ وہ فرقہ کون سا ہے جو دین کی فقاہت حاصل کرے اور واپس جا کر اپنی قوم کو خبردار کرے؟ ہماری رائے میں آیت کی تفسیر میں یہ بات درست ہے کہ سارے مومن بیک وقت باہر نہ جائیں بلکہ ہر فریق میں سے ایک گروہ چلا جائے۔ گھروں سے جانے والوں اور وہیں رہنے والوں میں باری مقرر ہو جائے اور سب لوگ باری باری سے باہر جائیں۔ سفر میں، حضر میں، جہاد

یں اور عقیدۂ توحید کے دینی تقاضوں میں ہر وقت کوئی نہ کوئی گروہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے۔ دین کو سیکھیں اور واپس جاکر اپنی قوم اور آبادی کو خبردار کریں اور جو کچھ سیکھ کر آئے ہوں وہ باقی رہنے والوں کو سکھا پڑھا دیں۔

ابن عباسؓ، حسن بصریؒ، ابن جریرؒ اور ابن کثیرؒ کا یہی قول ہے۔ ان کے قول کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ دین ایک تحریک ہے اور تحریک کو وہی سمجھ سکتا ہے جو اس کے ساتھ حرکت کرے۔ دین کی سب سے بڑی حرکت جہاد ہے اور اس میں شامل ہونے کے لیے جانے والے اس کو سمجھنے کے سب سے زیادہ لائق اور حقدار ہیں۔ کیونکہ ان پر دین کے اسرار و معانی کھل جاتے ہیں، اور جب وہ اس تحریک کو لے کر خود متحرک ہوں گے تو اس کی آیات اور عملی تطبیقات اس حرکت کی اثناء میں ان پر واضح ہو جائیں گی، اور جو لوگ گھروں میں بیٹھے رہیں گے وہ دین کی فقاہت کے لیے ان باہر جانے والوں کے محتاج ہوں گے کیونکہ انہوں نے وہ کچھ نہ دیکھا ہوگا جو باہر جانے والوں نے دیکھا ہوگا۔ نہ ان میں باہر جانے والوں جیسی فقاہت پیدا ہوئی ہوگی، دین کے اسرار اور اس کے عملی و علمی تقاضے جس طرح متحرک ہونے والے سمجھ سکتے ہیں دوسرے نہیں سمجھ سکتے خاص کر اس حالت میں جب کہ سفر کا سربراہ اور جہاد و قتال کا رہنما خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوں اور عام فوج کی صورت میں نکلنا ہی فقاہت کے لیے مناسب ہے۔

فقاہت کس فریق کو حاصل ہوتی ہے؟

اُوپر کے بیان سے پتہ چلا کہ فقاہت حاصل کرنے والا گروہ وہ ہے جو تحریک کے ساتھ خود متحرک ہو نہ وہ جو کہ گھروں میں مقیم رہے۔ فقیہ گروہ کے متعلق جو کچھ ہم نے کہا ہے، شاید یہ اس وہم و گمان کے خلاف ہے جو بظاہر ذہن میں پیدا ہوتا ہے کہ جو لوگ جہاد و قتال اور حرکت سے فارغ ہوں گے اور گھروں میں بیٹھے ہوں گے ان کے پاس دین کی فقاہت حاصل کرنے کا وقت اور فراغت زیادہ ہوگی، مگر یہ وہم اسلام کی فطرت و طبیعت کے خلاف ہے، حرکت ہی اس دین کے قیام و دوام کا ذریعہ ہے، لہٰذا صرف وہی فقاہت حاصل کرسکیں گے جو دین کے لیے اور دین کے ساتھ متحرک ہوں گے اور واقعاتی زندگی انسانوں کے شب و روز میں اس کو نافذ کرنے کی جدوجہد کریں گے۔ دین کو حرکت کے ساتھ جاہلیت پر غالب کرنے کی سعی کریں گے۔ تجربے یہی بتاتے ہیں کہ جو لوگ اس دین کے لیے اور دین کے ساتھ حرکت نہیں کرتے وہ اس کی فقاہت کو نہیں پا سکتے، جب دین کو لوگوں کی زندگی میں نافذ کرنے کی جدوجہد کروگے تو تم اس کی حقیقت کی سمجھ حاصل کرلوگے۔ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی لیے فرمایا کہ جہاد دین کی کوہان کی چوٹی ہے!) کتابوں کے مطالعہ میں غرق لوگ اس کی حقیقت کا شعور حاصل نہیں کرسکتے، اس دین کی فقاہت کا بیج حرکت و عمل کی زمین میں اُگتا اور برگ و بار لاتا ہے۔ جب حرکت واجب ہو تو بیٹھا رہنے والا فقیہ اس لائق نہیں کہ اس سے دین کی فقاہت کا سبق لیا جائے، اس وقت اقامتِ دین کی جدوجہد اور حرکت کا وقت ہے، اگر کچھ لوگ فقہی احکام کو منضبط کرنے کے لیے کتابوں کا ڈھیر لگائے بیٹھے ہوں گے تو وہ خود دین کی فقاہت سے بے بہرہ ہیں، احکام فقہ کیا مستنبط کریں گے؟ مستشرقین

Marfat.com

کے فتنہ انگیز طبقے نے اس کام کے لیے "تجدید یا تطویر" کا لفظ ایجاد کیا ہے اور یہ بالکل باطل ہے، یہ قیام کا اور جدوجہد کا وقت ہے، فقہی مسائل کے استنباط اور ترتیب وغیرہ کا وقت بھی آئے گا، اور اس وقت جو لوگ اس کام کے لیے چنے جائیں گے، وہ یہی کام کریں گے،

اسلامی فقہ کیا ہے؟

اسلامی فقہ اسلامی تحریک کا نتیجہ ہوتا ہے، دین پہلے تھا اور فقہ بعد میں، اس کے برعکس نہیں ہے اور یہی بات صحیح ہے۔ پہلے اللہ وحدہٗ کی عبودیت وعبادت اور توحید و دینونت وجود میں آئی تھی۔ ایک معاشرہ وجود میں آیا تھا۔ جس نے یہ قرار دیا تھا کہ دین صرف اللہ کا ہے، اس معاشرے نے جاہلی قوانین وشرائع اور عادات و تقالید کو پرے پھینک دیا تھا۔ وہ زندگی کے کسی شعبے میں غیر اللہ کی حکومت، حکم قانون اور فیصلہ برداشت نہ کرتا تھا، پھر اس معاشرے نے اس زندگی کی ترتیب شروع کی جو شریعتِ اسلامیہ کے کلی اصول و مبادی کے مطابق تھی۔ اس کے سامنے بعض فرعی احکام بھی موجود تھے جو اصل شریعت میں وارد ہوئے تھے۔ پس عملی وفعلی زندگی کی ترتیب و بناوٹ میں جو اللہ وحدہٗ کی دینونت کے سائے میں ہو رہی تھی۔ اور اس میں صرف اللہ کی شریعت و قانون سے ہدایت حاصل کی جاتی تھی، تاکہ اللہ کی دینونت ثابت ہو، حالات و تقاضا ہائے زمانہ کے پیشِ نظر فرعی احکام اور فیصلے وضع کرنے پڑے۔ یہی وقت تھا جب کہ اسلامی فقہ کی بنیاد پڑی، اور ظاہر ہے کہ یہ کام ایک فطری ترتیب سے فطری تقاضوں اور ضروریات کے مطابق انجام پاتا تھا، یہ ایک گرم زندگانی کی گرما گرم حرکت کا نتیجہ تھا۔ نہ کہ ٹھنڈے اوراق میں سے یوں ہی بلا ضرورت چند غیر متعلق احکام وقوانین کو نکال کر الگ رکھ دینا، جو زندگی کی عملی وواقعی حرارت سے خالی ہوں، یہی وجہ ہے کہ فقہاء دین کی حقیقی فقاہت کے مالک تھے، ایک زندہ معاشرے کے لیے ایک متحرک، زندہ و پائندہ نظام بنانا ان کے پیشِ نظر رہا تھا۔ وہ خود اسی دنیا کی گرمی اور حرکت سے عملاً آشنا تھے۔

آج تدوینِ فقہ تقاضائے احوال کے خلاف ہوگی!

آج ہمارے سامنے کوئی ایسا مسلم معاشرہ موجود نہیں جو یہ طے کر چکا ہو کہ دین فقط اللہ کا ہے، بندوں کا عبادت و دینوت میں کوئی حصہ نہیں۔ اس نے یہ فیصلہ کر لیا ہو کہ اس کا قانون فقط خدا کی شریعت ہے اور ہر وہ قانون جو اس مصدر کے علاوہ کسی اور مصدر سے آئے وہ سراسر باطل ہے، کوئی بھی یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ ایسا مسلم معاشرہ آج کہیں پر قائم ہے، یہی سبب ہے کہ وہ مسلم جو اسلام کو جانتا ہو، اس کے منہج اور طریقے کو سمجھتا ہو، اس کی تاریخ سے واقف ہو، وہ اسلامی فقہ کی نشوونما یا تجدید یا تطویر کا دعویٰ نہیں کر سکتا جب کہ دنیا میں ایسے معاشرے قائم ہیں جن کی شریعت و قانون ہرگز اسلامی نہیں ہے، وہ اسلامی فقہ و قانون کے سائے میں نہیں رہنا چاہتے۔ ایک پختہ مسلم پہلے تو اللہ وحدہٗ کی عبودیت و عبادت اور اس کی دینونت

Marfat.com

کو دنیا میں قائم کرے گا، کم از کم ایک سرزمین، ایک ملک، ایک معاشرہ ضرور ایسا برپا کرے گا جس میں حکومت وحاکمیت اللہ وحدہٗ کی ہو، شریعت و قانون فقط اللہ وحدہٗ کا ہو۔ پھر وہ اس میں اسلامی قانون کو نافذ کرنے کے طریقے سوچے گا اور یہ وہ وقت ہو گا جب کہ اسلامی فقہ کی نشوونما، تجدید اور تطویر کا سوال پیدا ہو گا جس ملک وملت، قوم ومعاشرے کی بنیاد ہی اسلام اور اس کے قانون پر نہ ہو، اس میں ان چیزوں پر غور کرنا اور ان کے لیے کوشش کرنا ایک بیکار کوشش ہے، ایک فارغ کام ہے جسے کوئی صاحب عقل نہیں کر سکتا۔ فقہ و قانون بھی ایک متحرک شئ ہے جو دین کی حرکت کے ساتھ ساتھ ترقی اور نشوونما پاتا ہے۔

اسلامی فقہ کی ترتیب وترکیب

اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ کی دینونت، عبودیت وعبادت نے مسلم معاشرہ برپا کیا، پھر مسلم معاشرے نے اسلامی فقہ برپا کی اور یہ ترتیب ضروری ہے۔ پہلے ایک مسلم جماعت اور مسلم معاشرے کا وجود ضروری ہے جو اللہ وحدہٗ کی دینونت سے قائم ہو گا۔ اس کا یہ پختہ ارادہ ہو گا کہ وہ خدائے واحد کی شریعت واحکام کے مطابق قانون نافذ کرے، پھر اس کے بعد ——— نہ کہ اس سے پہلے ——— ایک اسلامی فقہ وجود میں آئے گا جو اسلامی معاشرے کے قد پر فٹ ہو جائے یہ کوئی بنی بنائی چیز نہیں جو کہیں سے لا کر معاشرے کے اندر رکھ دی جائے اور سمجھ لیں کہ بس اسلامی فقہ و قانون کا نفاذ ہو گیا، اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر فقہی حکم اپنی طبیعت وفطرت کے لحاظ سے کلی شریعتِ اسلامیہ کو عملی و واقعاتی زندگی میں نافذ کرنے کا نام ہے، اسلام کی کلی شریعت کا حجم معین ہے، شکل معین ہے، متعلقات و ملابسات معین ہیں اور ان چیزوں کو پیدا کرنے والی چیز اسلامی تحریک ہوتی ہے۔ جو اسلامی دائرے کے اندر داخل ہے نہ کہ اس سے باہر، پس نہایت ضروری ہے کہ پہلے ان سب چیزوں کا حجم وشکل معین کی جائے اور پھر احوال و واقعاتِ حیات کے لحاظ سے فقہ اسلامی کا نفاذ کیا جائے۔ بے شمار جدید تقاضے ہوں گے جن کا پورا کرنا ضروری ہو گا، کوئی بنی بنائی فقہ یہ کام نہیں کر سکتی کہ اسے لا کر لوگوں پر لاد دیا جائے۔ (موجودہ حالات میں بعض مذہبی جماعتیں جو اس قسم کے مطالبے کرتی ہیں وہ دنیا اور اس کے تقاضوں سے بالکل بے خبر ہیں، اگر وہ دیانتداری کے ساتھ ذرا غور کریں تو بات سمجھ میں آسکتی ہے) وہ احکام اور فیصلے اور فتوے جو کتابوں کے اندر لکھے ہوئے موجود ہیں، وہ خاص خاص حالات و واقعات کے لیے تھے۔ وہ حالات و واقعات اپنے اوقات میں زندہ وسلامت اور تروتازہ تھے، مگر اب نہیں ہیں۔ اب حالات کچھ اور ہیں اور ان کے تقاضوں اور ضروریات کا سمجھنا ہم پر لازم ہے۔

اسلام کی تحریک جہاد اور اس کے احکام

آیت ۱۲۳ میں اسلام کی جہادی حرکت کی فطرت وطریقہ پیش فرمایا گیا ہے:

"اے ایمان والو! ان کافروں سے قتال کرو جو تمہارے آس پاس ہیں اور چاہیئے کہ وہ تمہارے اندر شدت ومضبوطی پائیں اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ متقین کے

Marfat.com

ساتھ ہے ۔"

اس آیت میں یلونکم (جو تمہارے ساتھ لگتے ہیں) سے مراد اسلامی فتوحات کے مختلف مراحل لیے گئے ہیں ۔ پہلے جزیرۂ عرب میں یکے بعد دیگرے ایک فطری ترتیب کے ساتھ فتوحات ہوئیں آخر کار مکہ فتح ہوا تو اسلام سارے جزیرے میں غالب آ گیا ۔ اس کے بعد غزوہ تبوک پیش آیا جو جزیرہ کی حدود سے باہر ایک شامی مقام کا نام ہے اور یہاں سے بلادِ روم کی اطراف کی ابتداء ہوتی تھی ، اس کے بعد دورِ خلافت میں اسلامی فوجوں نے رومی علاقوں اور فارس کے علاقوں کو پامال کر دیا ۔ اب ایک عظیم متحدہ وسیع و عریض سلطنت وجود میں آئی ، جس کی حدود بہت دُور دُور تک پھیلی ہوئی تھیں ، اس سلطنت میں ضعف اس وقت پیدا ہوا ، جب کہ اس کے حصے بخرے ہو گئے " اور ایک بڑی سلطنت کی حدود کے اندر ایک سلطنت کے بجائے کئی چھوٹی چھوٹی حکومتیں وجود میں آ گئیں ، قسمت آزما مختلف ناموں اور نعروں کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے ۔ اب خاندانوں ، قوموں ، برادریوں کی حکومتیں قائم ہو گئیں ، ایک ملت کا مختلف قومیتوں میں بٹ کر پراگندہ ہو جانا دراصل اعدائے اسلام کی سازش کا نتیجہ تھا ، لیکن مسلم کہلانے والوں نے اندھا دھند یہ کام کیا (جیسا کہ ہر دَور میں کرتے رہے ہیں اور اب بھی کر رہے ہیں) اب کئی اجناس ، زبانیں قومیتیں ، انساب اور رنگ ظاہر ہو گئے جنہوں نے اسلامی وحدت کو پارہ پارہ کر دیا ، جب یہ سب لوگ پھر ایک دین ، ایک کتاب ، ایک خدا ، ایک رسولؐ کے نعرے پر ایک جھنڈے تلے جمع ہوں گے تو پھر ان کی ایک متحدہ اسلامی قومیت وجود میں آئے گی ۔

اس آیت میں قتال کی کوئی شرط نہیں ہے

ایک دفعہ پھر یہ آیت پڑھیے :

" اے ایمان والو ! ان لوگوں کے ساتھ قتال کرو جو تمہارے ساتھ (متصل) ہیں ، اور چاہیے کہ وہ تم میں شدت پائیں ، اور جان لو کہ بلا شبہ اللہ متقین کے ساتھ ہے ۔"

ہم دیکھتے ہیں کہ یہاں یہ قتال کی شرط یا علت یہ نہیں بتائی گئی کہ :

" اگر وہ تم پر ظلم و زیادتی کریں تو ان کے ساتھ قتال کرو ، ورنہ نہ کرو ۔"

نہ اس میں یہ فرمایا کہ :

" اگر وہ دار الاسلام پر حملہ آور ہوں تو قتال کرو ورنہ نہیں ۔"

اور ہم دیکھ رہے ہیں کہ آخری حکم یہی ہے ۔ اس دینِ حق کو لے کر نکلنا اور راستے کی رکاوٹوں کو ملیامیٹ کرنا مسلمانوں کا فرض ہے ، اور یہی وہ مبداء ہے جہاں سے جہاد کے احکام پھوٹتے ہیں ، یہ محض "دفاعی جہاد" نہیں ہے ، دفاع کا سوال پہلے مرحلوں میں تھا ، نہ کہ آخری مرحلے میں ، ہاں ! البتہ دفاع سے مراد اسلامی عقیدے اور دین کا دفاع ہو تو امر دیگر ہے !)

مستشرقین وملحدین کا واویلا

آج کل جو لوگ اسلام کے بین الاقوامی تعلقات پر اور اسلامی جہاد کے احکام پر گفتگو کرتے ہیں، اور بعض وہ لوگ جو قرآن کی آیاتِ جہاد کی تفسیر سے تعرض کرتے ہیں. وہ چاہتے ہیں کہ اس انتہائی اور آخری حکم کی نص میں بعض پہلے مرحلوں کے احکام کی آیات سے کچھ قیدیں لگا دیں اور یہ ثابت کریں کہ اس کے حکم کا تعلق اس حالت کے ساتھ ہے جب کہ مسلمانوں پر ظلم و زیادتی کا وقوع ہو چکا ہو یا ظلم واعتداء کا خوف ہو. حالانکہ یہ نص قرآنی اپنی ذات میں مطلق ہے اور احکام جہاد کی آخری نص ہے۔ احکام کے بیان میں قرآنی بیان کی عادت یہ ہے کہ ہر جگہ کے حکم کو وہیں پر واضح اور صاف کیا جائے، ایک جگہ کی آیت کو دوسری پر محمول نہ کیا جائے، بلکہ جہاں پر کوئی تحدید ہو اس کے لیے تحدید کا لفظ اختیار کیا جائے اگر وہاں پر کوئی تحفظ، قید اور تخصیص ہو تو اسی جگہ پر ظاہر کی جائے۔

مرحلہ وار آیات اور آخری آیات کا فرق!

ہم نے پارہ ۱۰ میں سورۂ توبہ کی تمہید میں، پھر مشرکوں کے ساتھ قتال کی آیات کو پیش کرتے ہوئے. اور اہلِ کتاب کے ساتھ قتال کے احکام کی آیات کو پیش کرتے وقت یہ بتایا ہے کہ مرحلاتی آیات کی دلالت و احکام کیا ہوتے ہیں اور آخری و انتہائی نصوص کے احکام و دلالت میں ان کی نسبت کیا فرق ہوتا ہے؟ اور یہ اسلامی تحریک کے نہج و طریق کی طبیعت و فطرت کا فرق ہے جو ان دونوں قسم کے احکام میں واضح نظر آتا ہے۔ جو کچھ بیان ہو چکا ہے ہم اسی پر اکتفاء کرتے ہیں، مگر آج کل جو لوگ اسلام کے بین الاقوامی اور بین المملکتی تعلقات پر گفتگو کرتے اور لکھتے ہیں، اور اسلامی جہاد کے احکام پر بحث کرتے ہیں، اور ان پر مشتمل آیات کی تفسیر کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ اس بات سے ڈر جاتے اور دہشت زدہ ہو جاتے ہیں کہ کیا یہ اسلامی احکام ہیں؟ اور انہیں اس پر حیرت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو اپنے ساتھ والوں کفار کے ساتھ قتال کا حکم دیا ہے! اور اس طرح تو وہ ہمیشہ اپنے ارد گرد کے کفار کے ساتھ قتال ہی کرتے رہیں گے۔ جب تک کہ کفار دنیا میں باقی ہیں! انہیں اس امر پر حیرت اور ہولناکی کا سامنا ہے کہ الٰہی حکم اس قسم کا ہو! حالانکہ وہ اسی طرح کا ہے! پھر وہ مرحلاتی اور مقید آیات کی قیود کو لیتے ہیں اور انتہائی آیات پر ان کو تھوپ دیتے ہیں! ہمیں ان لوگوں کی دہشت، حیرت اور خوف کا سبب معلوم ہے۔

جہاد فی سبیل اللہ اور عام جنگ کا فرق

وہ اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ اسلامی جہاد ایک عام جنگ نہیں ہے بلکہ جہاد فی سبیل اللہ ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ خدا کی زمین میں اسی کی الوہیت نافذ کی جائے۔ اللہ کے حقِ اقتدار کے غاصبوں اور طاغیوں کو مٹا دیا جائے، انسان کو غیر اللہ کی عبودیت سے نکالا جائے اور اس کی فطری آزادی بحال

Marfat.com

کی جائے۔ اللہ وحدہٗ کی دینونت کو ماننے والوں کو فتنے اور تشدد کے ساتھ واپس پہنچانے کی کوشش کرنے والوں کو روکا جائے۔ ان کی وہ طاقت چھین لی جائے، جس کے ساتھ وہ اللہ کی عبادت وعبودیت اور حاکمیت کی راہ روکتے ہیں۔ انسانوں کو بندوں کی عبودیت سے آزاد کرایا جائے: حتی لاتکون فتنۃ ویکون الدین کلہ للہ۔ یہ جہاد اس غرض سے نہیں کہ ایک انسانی مذہب کو دوسرے انسانی مذہب پر غالب یا مسلط کیا جائے، بلکہ اس لیے ہے کہ انسان کے خود ساختہ طریقوں پر اللہ کا طریقہ بلند کیا جائے۔ ایک قوم کے قانون واقتدار کو دوسری پر غالب کرنے کی کوشش نہیں ہے، بلکہ اقتدار و قانونِ الٰہی کو بندوں کے قانون واقتدار پر غالب کرنا ہے، یہ زمین پر اللہ کی مملکت کو قائم کرنے کے لیے ہے۔ نہ کہ بندوں پر کسی بندے یا چند بندوں کی مملکت کو قائم کرنے کی خاطر۔ یہی وجہ ہے کہ اسے ساری زمین پر سارے انسانوں کی آزادی کے لیے کوشش کرنا ضروری ہے، ان پر بھی جو حدود اسلام میں داخل ہیں اور ان پر بھی جو حدودِ اسلام میں داخل نہیں۔ زمین ساری زمین ہے، خدا کی زمین ہے اور اس میں انسان رہتے ہیں، اور طاغوت ساری زمین میں رہتے ہیں جو انسانوں کے انسانوں کی پوجا کراتے ہیں۔

جہاد کو ہولناک کہہ کر اس سے ڈرانے والے!

اوپر جو حقیقت بیان کی گئی ہے، جب لوگ اس کو بھول جاتے ہیں تو طبعی اور فطری امر ہے کہ وہ اس حقیقت سے بدکتے ہیں کہ ایک دین اور طریق زندگی باقی سب پر چھا جائے۔ ایک امت تمام امتوں کو جھکا دے، وہ لوگ جس بات سے ڈرتے ہیں اگر وہ ان کے خوف کے سبب جیسی ہوتی، اس کی حقیقت وہی ہوتی جو انہوں نے سمجھی ہے تو انہیں واقعی اسے خوفناک اور ہولناک سمجھنا چاہیئے تھا۔ لیکن حقیقت یہ نہیں ہے۔ انہوں نے اسلام کو اور اس کے جہاد کو سمجھا نہیں یا جان بوجھ کر تغافلِ عارفانہ کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلامی طریقۂ حیات دنیا میں موجود باقی سب طریقہ ہائے زندگی سے قطعی مختلف ہے۔ اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اسلامی طریق زندگی اور غیر اسلامی طریقہ ہائے زندگی ساتھ ساتھ نہیں چل سکتے، آج کے تمام نظام انسانی ہیں، انسانوں کے ساختہ پرداختہ ہیں اور اُن میں سے کوئی بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ صرف اسی کو زندہ رہنے کا حق ہے۔ نظامِ الٰہی یہ کہہ سکتا ہے کہ میرا مقابلہ انسانی نظاموں کے ساتھ ہے جن کو زندہ رہنے کا حق نہیں اور یہ حق صرف مجھے حاصل ہے، الٰہی نظام کا یہ حق ہے کہ سارے غیر الٰہی طریقہ ہائے حیات کو مٹا دے۔ تا کہ انسان اپنے جیسے انسانوں کی غلامی اور عبادت سے نجات پائے، اور تمام انسان اتنے سر بلند ہو جائیں کہ وہ اللہ وحدہٗ کے سوا کسی اور کے آگے گردن نہ جھکائیں۔

تاریخ کا خبیث ترین بہتان

جن ڈرپوک مصنفین اور بزدل شاگردانِ مستشرقین کا ہم نے ذکر کیا ہے۔ وہ صہیونی اور صلیبی

پروپیگنڈے سے ڈرتے ہیں جو یہ بہتان اسلام پر لگاتے ہوئے ذرہ بھر نہیں شرماتا کہ: "اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے۔" اور اس الزام کے نتیجے میں خود بخود یہ لازم آگیا کہ اسلامی جہاد و قتال غیر مسلموں کو مجبوراً اسلامی عقیدہ منوانے کے لیے ہے! اور اس سے آزادیٔ عقیدہ کی حرمت پامال ہوتی ہے، یہ بات بالکل خلافِ عقل و نقل، خلافِ تاریخ اور خلافِ واقعات ہے۔ بلکہ اس کے خلاف یہ ثابت ہے کہ سپین میں لاکھوں افراد کو زبردستی عیسائی بنایا گیا، مغرب کے نوآبادیاتی نظام نے دنیا بھر میں لوگوں کو جبر و تشدد اور دنیوی تعیش کے لالچ سے مرتد کیا، اور تمام ممالک میں اپنے جاسوس بنائے تاکہ ان کے ذریعے سے یورپین ممالک و اقوام کا دنیا کے مختلف ممالک اور اقوام میں عمل دخل جاری رہے۔ (اسی طرح ہندوؤں نے لوگوں کو زبردستی ہندو بنایا، اور اب تک یہ سلسلہ ہندوستان میں جاری ہے کہ کہا جا رہا ہے: یا ہندو ہو جاؤ یا ہندوستان کو چھوڑ کر چلے جاؤ۔ اسی طرح بعض نام نہاد اسلامی فرقوں کا بھی یہی حال ہے کہ انہوں نے جب بھی موقع ملا لوگوں کو زبردستی اپنا عقیدہ منوایا۔ ایران کی شیعہ صفوی حکومت اور ہندوستان میں اودھ کی بعض ریاستوں کا یہی حال رہا ہے، اور یہ تاریخی حقائق ہیں جن کو جھٹلایا نہیں جا سکتا!)

دین میں کوئی جبر نہیں!

اسلام اس قاعدے پر قائم ہے جسے قرآن نے ڈنکے کی چوٹ بیان کیا ہے کہ: لا اکراہ فی الدین قد تبین الرشد من الغی۔ مگر اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر تلوار اور جہاد کا مقصد کیا ہے؟ اور اللہ تعالیٰ نے جنت دے کر مومنوں سے ان کی جانیں اور مال کیوں خریدے ہیں؟ تاکہ وہ اللہ کی راہ میں قتال کریں، خود قتل ہوں اور دوسروں کو قتل کریں، اس کی غرض کیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ جہاد جبر و اکراہ علی العقیدہ کے لیے نہیں بلکہ اس کی غرض کچھ اور ہے۔ بلکہ یہ عقیدہ پر مجبور کرنے کے بالکل برعکس ایک اور کام کے لیے ہے۔ یہ جہاد آزادیٔ عقیدہ کی ضمانت ہے۔ اسلام زمین میں غیر اللہ کی غلامی سے انسانوں کو آزاد کرانے کا پروانہ اور اعلانِ عام ہے، جو طاغوت انسانوں کو اپنے یا کسی اور کے سامنے ——— اللہ کے سوا ——— جھکانا چاہتے ہیں۔

اسلام کا ہمیشہ اُن سے دُو بدُو مقابلہ رہا ہے۔ وہ تمام ادارے، تنظیمیں، حکومتیں، قوتیں جو یہ کام کرتی ہیں، اسلام ان کے خلاف ہے، ان اداروں اور تنظیموں کو حکومتوں کی قوت چلاتی ہے۔ ان کے لیے مال، اسلحہ، ذرائع ابلاغ، ذرائع نشر و اشاعت مہیا کرتی ہے۔ یہ حکومتیں، ادارے اور تنظیمیں انسانوں کے درمیان اور اسلام کے درمیان حائل ہیں۔ لوگوں کو اس کا پیغامِ آزادی نہیں سُننے دیتیں، وہ اس میں اپنی موت اور ناکامی سمجھتی ہیں۔ وہ اس راہ میں بے شمار وسائل سے کام لیتی ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ حریتِ عقیدہ کا قانون ٹوٹتا ہے، اسلام اس حریت کے لیے اسلحہ لے کر نکلنے کا حکم دیتا ہے، پس یہ حریتِ عقیدہ کی جنگ ہے نہ کہ کسی کو اپنا عقیدہ بدلنے پر مجبور کرنے کی لڑائی۔

اسلام جو حریتِ عقیدہ کا حامی و داعی ہے وہ اسے اپنا فرض جانتا ہے کہ ان تمام قوتوں اور اداروں اور تنظیموں کو بزورِ شمشیر مٹا دے جو اس کی راہ میں حائل ہیں، درانحالیکہ اس کا ——— اور

Marfat.com

صرف اسی کا پیغام یہ ہے کہ عقیدہ آزاد ہو اور اس پر کسی کا جبر نہ ہو۔ پہلے دن سے ہی لوگوں کو اسلامی عقیدہ اختیار کرنے سے ظلم و ستم اور قوت کے بل پر روکا گیا تھا۔ جب وہ ان تنظیموں کو مٹا دے گا تو پھر انسان کو کوئی سا عقیدہ بھی رکھنے سے نہ روکے گا، اس کی کھلی اجازت دے گا کہ جس کا جی چاہے اسلامی عقیدہ اختیار کرے اور جس کا جی چاہے کوئی اور عقیدہ اپنا لے۔ اگر لوگ اسلام کو قبول کر لیں تو وہ مسلمانوں کے بھائی ہیں اور ان کے ساتھ ان کے حقوق فرائض برابر ہو جائیں گے، اگر چاہیں تو اپنے عقیدے پر باقی رہیں، اور ایک برائے نام ٹیکس ———— جس سے کئی گنا زیادہ کئی قسم کے مطالبات مسلمانوں سے کیے جاتے ہیں! ———— جزیہ ادا کر دیں۔ یہ ان کی صلح پسندی اور وفاداری اور امن دوستی کی علامت ہوگی۔ اور ان سے وہ مطالبات نہ کیے جائیں گے جو مسلمانوں سے کیے جاتے ہیں۔ علاوہ ازیں بیت المال پر ان کا بھی حق ہوگا۔

تغییر عقیدہ کے سلسلے میں تاریخی حقائق

اسلام نے کسی کو اس کا عقیدہ بدلنے پر مجبور نہیں کیا۔ اس کے برخلاف صلیبیت کی تاریخ یہ ہے کہ وہ ہمیشہ پوری کی پوری قوموں کو ذبح کرتی، قتل کرتی اور صفحہ ہستی سے مٹاتی رہی ہے اس کی گزشتہ مثال اندلس ہے اور جدید مثال زنجبار ہے اور ان کے بعد موجودہ کئی افریقی ممالک مثلاً اریٹیریا، حبشہ وغیرہ۔ یہ اس لیے تھا کہ وہ ان کو عیسائیت پر مجبور کرتی تھی۔ شاہ روم قسطنطین نے عیسائی بن کر روم والوں کو زبردستی عیسائی بنایا تھا۔ صلیبیت نے بعض دفعہ ماتحت لوگوں سے عیسائیت کو بھی قبول نہیں کیا بلکہ ان کے مسلم ہونے کی بنا پر ان کو جبر سے مٹا دیا ہے، بلکہ بعض دفعہ اس لیے مٹا دیا ہے کہ عیسائی ہونے کے باوجود وہ اس فرقے سے کیوں تعلق نہیں رکھتے جس سے کہ حاکم سلطنت کا تعلق ہے۔ مصر کے ۱۲ ہزار عیسائیوں کا مٹا دیا جانا، اس کی ایک مثال ہے، جنہیں شعلوں کی آگ سے اس لیے جلا دیا گیا تھا کہ ان کا حاکم فرقے سے ایک چھوٹا سا اعتقادی اختلاف تھا کہ آیا مسیحؑ صرف باپ (خدا) سے پیدا ہوا تھا یا باپ اور روح القدس ہر دو سے؟ اور آیا روح القدس کی پیدائش صرف خدا سے ہوئی تھی یا خدا اور مسیحؑ دو باپ اور بیٹا، ہر دو سے؟ یا یہ اختلاف تھا کہ آیا مسیحؑ کی طبیعت فقط لاہوتی تھی یا لاہوتی و ناسوتی ہر دو کا مجموعہ؟

نام نہاد مسلم جہاد سے کیوں ڈرتے ہیں؟

نام کے مسلمان جہاد سے اس لیے ڈرتے ہیں کہ وہ اپنے اردگرد کفر و شرک پھیلا ہوا دیکھتے ہیں اور پھر اسلام کے اس حکم کو دیکھتے ہیں کہ: اے مسلمانو! اپنے قریب کے کافروں سے قتال کرو! تو یہ حکم انہیں خوف میں مبتلا کر دیتا ہے کیونکہ اس کی وجہ سے انہیں جہاد کرنا پڑتا ہے اور لامحالہ اپنی عیش پرستیوں کو ترک کرنا پڑتا ہے۔ حالانکہ یہ بات عقلاً مانی نہیں جاسکتی کہ یہ نام نہاد مغلوب مسلمان جو کفر و شرک کے چنگل سے نکلنے کی بھی طاقت نہیں رکھتے، ان کو یہ حکم دیا گیا ہو کہ دنیا بھر کے انسانوں کو غیر اللہ کی غلامی اور عبادت سے

Marfat.com

جھڑائیں۔ عملاً ایسا ہونا ناممکن ہے۔

اس حکم کا خطاب کن لوگوں سے تھا؟

مگر وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ اس حکم کے مخاطب کون لوگ تھے؟ یہ حکم ان صحابہ رسولؐ کے لیے تھا جنہوں نے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رہنمائی میں سارے عرب میں اسلام کی حکومت عملاً قائم کر دی تھی۔ سارا جزیرۃ عرب اس کی حکومت کے سامنے جھک گیا تھا اس نے اپنی زندگی کے ہر شعبے کو اسلام کے احکام میں ڈھال دیا تھا اور اس سے پہلے یہ تبدیلی پیدا ہو چکی تھی کہ ایک مسلم جماعت نے اپنے مال و جان اور ہر چیز کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے بیچ دیا تھا۔ اور اللہ تعالیٰ نے روز بروز اس کو فتح و نصرت عطا کی تھی، ہر جنگ میں، ہر مرحلے میں، ہر ملک میں اور ہر طرف انہوں نے کامیابی کے علم بلند کر دیئے تھے۔ آج زمانہ ہر پھیر کر پھر اسی مقام پر آگیا ہے، جس پر وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت تھا، اور آج پھر ضرورت ہے کہ لوگوں کو اس شہادت کی طرف بلایا جائے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمدؐ اللہ کے رسولؐ ہیں صلی اللہ علیہ وسلم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مٹھی بھر جماعت کو ساتھ لے کر مسلسل جہاد و قتال کیا حتیٰ کہ اسلامی حکومت قائم ہوگئی۔ مدینہ سے اس کی ابتداء ہوئی اور کئی مراحل و منازل سے گزر کر اپنی انتہائی صورت کو پہنچی۔ آج بھی معاملے کو پہلے عقیدۂ توحید و رسالت سے شروع کرنے اور وہاں سے ابتداء کرنے کا وقت ہے۔ اور پھر اگر اللہ چاہے گا تو انہیں وہی صورت نصیب ہو گی جو اس پہلے دور میں عطا ہوئی تھی۔ مگر آج کے وقت میں اور اس پہلے دور میں ایک بڑا فرق یہ بھی ہے کہ اس دور میں مسلمان یہ آج والا کوڑا کرکٹ نہ تھے جو مختلف مذاہب فرقوں اور خواہشات نفس کے اتباع میں بٹا ہوا ہے۔ اسے قومی، ملکی، نسلی اور زبانی تقسیمات نے ٹکڑے ٹکڑے کر رکھا ہے۔ لیکن انشاءاللہ تعالیٰ وہ کچھ دیر بعد پھر ایک جماعت بنیں گے جو لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے علم کے سوا اور کوئی جھنڈا نہ اٹھائے گی۔ اس کا دین و مذہب اور شعار و علامت فقط یہی کلمہ ہوگا اور پھر وہ دنیا کو غیر اللہ کی غلامی سے نکالنے کے لیے آگے بڑھے گی۔

لوگ موجودہ صورتِ احوال میں جب کہ وہ بزدل، کمزور اور دبلے پتلے ہیں، اسلامی احکام کو نہیں سمجھ سکتے۔ اس دین کو اور اس کے احکام کو صرف وہی لوگ کما حقہٗ سمجھ سکتے ہیں جو دین کے ساتھ چلیں، اس کی تحریک جہاد کے مطابق دنیا میں انسان کو غیر اللہ کی غلامی سے نکالنے اور ایک اللہ وحدہٗ کی الوہیت کو قائم کرنے کے لیے جدوجہد کریں، باغیوں اور طاغیوں کے خلاف اٹھیں اور ان کا مقابلہ کریں۔ دین کی فقاہت گھروں میں بیٹھ رہنے والوں سے حاصل نہیں ہو سکتی، جو کتابوں اور قدیم ٹھنڈے اوراق کی ورق گردانی کرتے ہیں۔ اسلامی فقاہت زندگی، حرکت اور آزادی کی فقاہت ہے۔ وہ کتابوں کے متون کے حفظ کی فقاہت ہے۔ تحریک کے ساتھ حرکت کیے بغیر اسلام کی فقاہت حاصل نہیں ہو سکتی۔ قدیم ترین فقہاء مجاہد فی سبیل اللہ تھے، ان کے احوال و واقعات یہی بتاتے ہیں، انہوں نے کبھی باطل سے سمجھوتہ نہیں کیا تھا۔

آیت: ۱۲۳ جو اس وقت زیر بحث ہے۔ اس میں حکم قتال کا پہلا مصداق رومی تھے جو اہل کتاب تھے

Marfat.com

ان کے اعتقادی اور عملی کفر کا حال اوپر خود کتاب اللہ سے پیش کیا جا چکا ہے۔ وہ انحراف و تحریف میں مبتلا ہوتے تھے۔ انہوں نے خدا کو چھوڑ کر اس کے بندوں کو خدا بنا رکھا تھا۔ غیر اللہ کے قوانین و شرائع پر چل پیرا تھے۔ جیسا کہ اوپر مفصل گزر چکا ہے غیر اللہ کی شرع و قانون کو ماننے والا ہر شخص اسی حکم میں ہے خواہ اس کا دعویٰ کوئی ہو۔

غلظت اور تقویٰ کا حکم

اس آیت میں حکم قتال کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے شدت و غلظت کا حکم بھی دیا ہے اور اس کے بعد فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل تقویٰ سے محبت رکھتا ہے، اس آیت کے پہلے حصے کی رُو سے یہاں اہل تقویٰ سے مراد وہی لوگ ہیں جو اللہ وحدہٗ کی حاکمیت و حکومت و ربوبیت کی اقامت کریں اور طاغوت کی خدائی کی نفی کریں۔ شدت کا مطلب یہ ہے کہ دینی احکام و آداب کے اندر رہتے ہوئے جہاد و قتال کیا جائے، اور یہ غلظت و شدت صرف ان لوگوں کے ساتھ ہے جو محارب ہوں، سب کے لیے نہیں ہے تقویٰ کے حکم کا تقاضا یہ ہے کہ قتال سے پہلے اس کا اعلان کیا جائے اور تین چیزوں میں سے ایک کو اختیار کرنے کی چھٹی دی جائے، یا قبول اسلام یا ادائے جزیہ اور یا قتال، اگر محارب قوم کے ساتھ کوئی عہد ہو تو پہلے اس عہد کو باقاعدہ علانیہ ختم کیا جائے۔ جب کہ غیر قوم کی طرف سے عہد شکنی اور خیانت کا اندیشہ ہو۔ آخری احکام یہ ہیں کہ عہد سے مراد ذمیوں کا عہد ہے کہ اگر وہ جزیہ ادا کریں اور اسلام کی دی ہوئی سلامتی پر بھروسہ کریں تو ان کے ساتھ عہد کیا جائے۔ اس صورت کے سوا اور کسی سے عہد نہیں ہو سکتا، ہاں! جب مسلمان کمزور ہوں تو یہ گویا ان کی حالت اضطرار ہے جس میں وہ ان لوگوں سے بھی عہد کر سکتے ہیں جو مسلمانوں کے ذمہ نہ ہوں۔

آدابِ معرکہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت کے مطابق میدانِ جنگ کے آداب یہ ہیں جو بریدہؓ کی حدیث میں مسلم، ابوداؤد اور ترمذی نے نقل کیے ہیں، بریدہؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی لشکر پر امیر مقرر فرماتے یا کوئی سریہ روانہ فرماتے تو امیر کو حکم دیتے کہ اپنی ذات کی حد تک اللہ کا خوف اختیار کرے اور اپنے مسلمان ساتھیوں کے ساتھ نیکی کرے۔ پھر فرماتے: بسم اللہ! تم اللہ کے نام پر اللہ کی راہ میں جنگ کرو، اللہ کے ساتھ کفر کرنے والوں سے قتال کرو، جنگ کرو اور بد دیانتی مت کرو مُثلہ مت کرو، کسی بچے کو مت قتل کرو۔ جب تو مشرکوں میں سے اپنے دشمن کے آمنے سامنے ہو تو ان کو تین باتوں کی طرف دعوت دے۔ اگر وہ کسی ایک کو مان لیں تو ان سے ہاتھ روک لے اور ان کی پیش کش کو قبول کرلے۔ انہیں اسلام کی طرف بلا۔ اگر وہ مان جائیں تو قبول کرلے اور ہاتھ روک لے پھر ان سے یہ مطالبہ کر کہ وہ اپنے علاقے سے ہجرت کر کے دارالمہاجرین میں آجائیں، اور ان کو بتا کہ اگر انہوں نے ایسا کیا تو ان کے حقوق و فرائض مہاجروں جیسے ہوں گے، اگر وہ ہجرت سے انکار کریں تو انہیں بتا کہ وہ صحرائی مسلمانوں کی مانند ہوں گے

Marfat.com

ان پر اللہ کا وہ حکم جاری ہوگا جو دوسرے مسلمانوں پر جاری ہوتا ہے۔ لیکن غنیمت اور فئے میں ان کا حصہ نہ ہوگا، مگر یہ کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ مل کر جہاد کریں۔ اگر دشمن اس سے انکار کر دے تو ان سے جزیہ قبول کرنے کا سوال کر۔ اگر وہ مان لیں تو قبول کر لے اور اپنا ہاتھ ان سے روک لے، اور اگر وہ انکار کریں تو اللہ سے مدد مانگ اور ان کے ساتھ قتال کر۔ (اس حدیث میں اسلام اور ہجرت پہلی چیز ہے، جزیہ دوسری اور قتال تیسری)۔

بخاری اور مسلم نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک جنگ میں ایک مقتول عورت پائی گئی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں اور بچوں کے قتل کی ممانعت فرمائی۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ بن جبل کو یمن میں معلم بنا کر بھیجا اور اس کو یہ وصیت فرمائی: تو ایک ایسی قوم کے پاس جائے گا جو اہل کتاب ہیں، پس تو ان کو اس بات کی شہادت کی دعوت دینا کہ: اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ میں (محمدؐ) اللہ کا رسول ہوں۔ اگر وہ تیری یہ بات مان لیں تو ان کو بتانا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر دن رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں، اگر وہ تیری یہ بات مان لیں تو ان کو بتانا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر زکوٰۃ فرض کی ہے جو ان کے مالداروں سے لی جائے گی اور ان کے محتاجوں میں واپس کر دی جائے گی، اگر وہ تیری بات مان لیں تو ان کے اچھے مالوں سے بچ کر رہنا، اور مظلوم کی دعا سے بچنا، کیونکہ اس میں اور اللہ کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہے۔

اور ابو داؤد نے اپنی سند کے ساتھ جہینہ کے ایک شخص سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شاید تم کسی قوم سے قتال کرو اور ان پر غالب آجاؤ۔ تو وہ اپنے مال دے کر اپنی جانیں اور اپنی اولادیں بچانا چاہیں گے۔ اور تم سے کسی شرط پر صلح کر لیں گے تو تم ان سے اس سے زائد کچھ نہ لینا کیونکہ وہ تمہارے لیے مناسب نہ ہوگا۔

اور عرباض بن ساریہ سے روایت ہے کہ اس نے کہا: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خیبر کے قلعے میں اترے اور آپ کے ساتھ کافی مسلمان تھے اور خیبر کا حاکم سرکش، متکبر آدمی تھا۔ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منہ کر کے کہا: اے محمدؐ! آپ لوگ ہمارے گدھے ذبح کر سکتے ہیں، ہمارے پھل کھا سکتے ہیں اور ہماری عورتوں کو مار سکتے ہیں۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غضب ناک ہو گئے اور فرمایا: اے ابن عوف! اپنے گھوڑے پر سوار ہو جا، پھر پکار کر کہہ: جنت سوائے مومن کے کسی پر حلال نہیں، اور لوگو! نماز کے لیے جمع ہو جاؤ۔ پس لوگ جمع ہو گئے اور آپ نے انہیں نماز پڑھائی پھر کھڑے ہو کر کہا: کیا تم میں سے کوئی گمان کرتا ہے، درانحالیکہ اس نے اپنی چارپائی پر تکیہ لگا رکھا ہو اور یہ گمان کرے کہ اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کے سوا کچھ حرام نہیں کیا مگر جو کچھ قرآن میں ہے، سن لو کہ میں نے نصیحت کی ہے اور حکم دیا ہے اور بعض چیزوں سے منع کیا ہے۔ اور وہ قرآن جتنی یا اس سے بھی زیادہ ہیں اور اللہ نے تمہارے لیے حلال نہیں کیا کہ اہل کتاب کے گھروں میں داخل ہو مگر اجازت کے ساتھ، اور نہ ان کی عورتوں کو مارنا اور نہ ان کے پھلوں کو کھانا حلال ہے، جب کہ وہ اس فریضے کو ادا کریں جو

Marfat.com

ان کے ذمہ ہے۔

اور کسی جنگ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے، مقابلے کے بعد، عرض کیا گیا کہ کچھ بچے صفوں کے درمیان قتل کئے گئے ہیں۔ اس پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شدید غم ہوا۔ کسی نے کہا: یا رسول اللہ آپ کیوں غمگین ہوتے ہیں وہ تو مشرکوں کے بچے تھے۔ اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو غصہ آگیا اور آپ نے فرمایا: (یہ لفظ نہیں بلکہ ان کا معنی) یہ تم سے بہتر ہیں، یہ فطرت پر ہیں، کیا تم مشرکوں کی اولاد نہیں ہو؟ پس قتلِ اولاد سے بچو۔ قتلِ اولاد سے بچو۔ (فطرت پر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جب تک بالغ نہ ہو جائیں ان پر اسلامی احکام نافذ نہیں ہوتے اور یہ مسئلہ بڑا طویل ہے جس پر گفتگو کا یہ موقع نہیں ہے)

خلفائے راشدین کی سنت

خلفائے راشدین نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی انہی تعلیمات پر عمل درآمد کیا تھا۔ چنانچہ امام مالکؒ نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ارشاد روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: "عنقریب تم ایک ایسی قوم پاؤ گے جو یہ کہتے ہیں کہ انہوں نے اپنے آپ کو اللہ کے لیے روک رکھا ہے، پس انہیں ان کے حال پر چھوڑ دو اور کسی عورت بچے اور زیادہ بوڑھے کو قتل مت کرو۔

اور زید بن وہب نے کہا کہ ہمارے پاس حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا خط آیا تھا، اس میں یہ بھی تھا کہ: مالِ غنیمت کو مت چراؤ اور بدعہدی مت کرو، اور کسی لڑکے کو قتل مت کرو، اور کسانوں کے بارے میں اللہ کا خوف کرو۔

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ وصیت بھی تھی کہ: کسی بوڑھے کو، عورت کو، یا لڑکے کو قتل مت کرو، اور فوجوں کے مقابلے کے وقت اور غارت ڈالتے وقت انہیں بچانے کی کوشش کرو۔

پس اسلام کے واضح، روشن اور بلند منہج کے عام احکام اسی طرح متواتر آثار و احادیث میں وارد ہیں کہ دشمنوں کے ساتھ قتال کے کیا آداب ہیں، انسانی عزت و احترام کے قائم رکھنے کے کیا احکام ہیں اور یہ کہ قتال کو ان مادی قوتوں تک محدود رکھا جائے جو لوگوں کے درمیان حائل ہوتی ہیں۔ اور بندوں کو بندوں کی غلامی سے نکالنے یا نکلنے کی ممانعت کرتی ہیں۔ دراصل یہ قوتیں اُن آسانیوں اور راحتوں کے درمیان اور بندوں کے درمیان حائل ہیں جو اسلام نے انہیں دی ہیں، حتیٰ کہ جہاد و قتال میں بھی رحمت و رافت کو ملحوظ رکھنا واجب ٹھہرایا ہے۔

اب تک جو کچھ بیان ہوا ہے اس کا تعلق ایک بہتان اور خبیث الزام کے ساتھ تھا، جسے اعدائے اسلام نے بڑی ڈھٹائی اور بے حیائی کے ساتھ بار بار پیش کیا ہے اور اب تک پیش کر رہے ہیں حالانکہ اس کا جواب سینکڑوں ہزاروں بار دیا جا چکا ہے۔ اسلام کی تاریخ اور خود ان دشمنوں کی اپنی قومی تاریخ اس الزام کو غلط ٹھہراتی ہے، مگر وہ بار بار اسے دہرانے سے باز نہیں آتے۔

اب رہا غلظت کا لفظ (ولیجدوا فیکم غلظة) سو اس سے مراد یہ نہیں ہے کہ لوگوں

Marfat.com

اور بچوں، بیماروں اور معذوروں، بوڑھوں اور غیر محارب لوگوں کے ساتھ وحشیانہ سلوک کیا جائے اس سے مراد شدتِ قتال و حرب و ضرب ہے۔ دنیا والے زخمیوں اور مُردوں کا جو حال کرتے ہیں، ان کے اجسام کے ٹکڑوں سے جس طرح انتقام لیتے ہیں، اور آج کل کے نام نہاد مہذب لوگوں کا اپنے زندہ اور مردہ مخالفوں اور دشمنوں کے ساتھ جو سلوک ہے، غلظت کا اس سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ غیر محاربین کی حفاظت کے لیے اسلام کے کافی اور واضح احکام موجود ہیں۔ غلظت و شدت سے مراد فقط یہ ہے کہ شرع و اخلاق کی حدود کے اندر رہتے ہوئے میدان میں حرب و ضرب کی شدت اختیار کی جائے۔ جس قوم کو نرمی، شفقت اور رحمت کے وسیع احکام دیئے گئے ہیں، ضروری تھا کہ حالتِ جنگ کو ان احکام سے ان کے لیے مستثنیٰ رکھا جائے۔ ورنہ جہاد و قتال کا مقصد پورا نہ ہوسکتا۔ اور دوسری طرف تعذیب و تنکیل اور تمثیل سے بھی روکا جائے۔

احکامِ قرآنی اور آیاتِ الٰہی سے منافقین کا مذاق!

سورۂ توبہ میں منافقین کے طویل احکام آئے ہیں، اب سورۃ کے اواخر میں ایک دفعہ پھر بتایا جاتا ہے کہ منافقین آیات و سُوَرِ قرآنی کو کیونکر اپنے مزاح و استہزاء کا نشانہ بناتے ہیں۔ اور ان کے برخلاف اس ضمن میں ایمانداروں کا طریقہ کیا ہے؟ آیات: ۱۲۴ ـــــــ ۱۲۷ کا ارشاد ہے کہ:

"اور جب کوئی سورت اتاری گئی تو ان میں سے بعض نے کہا: اس سورت نے تم میں سے کس کس کا ایمان بڑھایا ہے؟ سو وہ لوگ جو ایماندار ہیں اُس نے ان کا ایمان بڑھایا ہے، اور وہ بشارت حاصل کرتے ہیں، اور جن لوگوں کے دلوں میں بیماری ہے اس سُورت نے ان کی پلیدی میں اور پلیدی کا اضافہ کردیا ہے، اور وہ اس حال میں مریں گے جب کہ وہ کافر ہوں گے۔ کیا وہ دیکھتے نہیں کہ انہیں ہر سال ایک مرتبہ یا دو مرتبہ آزمائش میں ڈالا جاتا ہے، پھر وہ نہ توبہ کرتے ہیں اور نہ نصیحت پاتے ہیں، اور جب کوئی سُورت اُترتی ہے تو وہ ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہیں، کیا تم کو کوئی دیکھ رہا ہے؟ پھر وہ چلے جاتے ہیں، اللہ نے ان کے دل پھیر دیئے کیونکہ وہ ایک قوم ہے جو سمجھتی نہیں۔"

یہ سوال کہ: ایکم زادتہ ھذہ ایماناً۔ ایک شک کے مارے ہوئے شخص کا سوال ہے۔ یہ بات صرف وہی شخص کہہ سکتا تھا جو اپنے دل میں نازل شدہ سُورت کا اثر محسوس نہ کرے، ورنہ وہ یوں نہ کہتا، بلکہ بتاتا کہ اس سورت کا اثر اس کے دل پر کیا ہوا ہے؟ نہ یہ کہ دوسروں سے اس کے اثر کا حال پُوچھتا یہ الفاظ جو اس نے استعمال کیے ہیں، بتاتے ہیں کہ پوچھنے والا نازل شدہ سُورت کی اہانت کا مرتکب ہو رہا ہے، کیونکہ وہ اُسے گویا بے اثر ٹھہرا رہا ہے۔ یہی سبب ہے کہ اس کا جواب باصواب و لاجواب یہ صادر ہوا کہ:

"ایمانداروں کا ایمان تو بڑھ گیا اور وہ بشارت حاصل کرتے ہیں۔ اور جن کے دلوں میں بیماری ہے، ان کی پلیدی اور بھی بڑھ جاتی ہے اور ان کی موت کفر پر واقع ہوتی ہے۔"

Marfat.com

یعنی ایمانداروں کے لیے ایمانی دلائل میں ایک اور دلیل کا اضافہ ہو جاتا ہے، ان کے دل ذکر اللہ میں پہلے سے زیادہ دھڑکنے لگتے ہیں۔ وہ اللہ کی مہربانی اور فضل و کرم کا احساس کرتے ہیں جس نے ان کی خاطر یہ جدید سورۃ نازل فرمائی، ان کے لیے راہنمائی کا سامان مہیا فرمایا۔ اپنی عنایت کا اظہار فرما کر ان سے اظہار محبت فرمایا، ان وجوہ کے باعث ان کے ایمان کی قوت میں اضافہ ہوا۔ جن کے دلوں میں نفاق کی بیماری کی پلیدی ہے تو ان کی پلیدی اور بڑھ گئی اور ان کی موت کفر پر واقع ہوئی۔ یہ علیم و خبیر اور قدیر خدا کا فیصلہ ہے جو برحق ہے، رب العالمین کی خبر ہے جو صادق ہے مگر ان منافقوں کے دل سیاہ تھے کوئی انسان، کوئی آزمائش، کوئی وعظ و نصیحت ان کے لیے کارآمد نہیں رہی۔

منافقین کے لیے بار بار کی آزمائش

جب دل سیاہ ہو جائے، جب باطن زنگ آلود ہو جائے، جب قلب سنگین ہو جائے تو خطرہ ہوتا ہے کہ توبہ و تذکر کی توفیق چھن گئی۔ آیت: ۱۲۶ میں یہی بات فرمائی گئی ہے:

> "کیا وہ دیکھتے نہیں کہ انہیں ہر سال ایک یا دو بار مبتلائے آزمائش کیا جاتا ہے پھر بھی نہ وہ توبہ کرتے ہیں نہ نصیحت پاتے ہیں۔"

یہاں فتنہ سے مراد یہ ہے کہ مثلاً ان کے بھید کھول دیئے گئے یا مثلاً مومنوں کو اللہ تعالیٰ نے ان کی شمولیت و مدد کے بغیر فتح و نصرت عطا فرمادی اور ان منافقوں کو بہت ندامت کا سامنا کرنا پڑا۔ وغیرہ۔ کئی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ اور یہ باتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور مبارک میں اکثر پیش آتی رہتی تھیں مگر منافقوں کے دل زنگ آلود تھے جو ان سے کوئی نصیحت حاصل نہ کرتے تھے، نہ تائب ہوتے تھے۔

دلوں کا چور!

آیت: ۱۲۷ نے منافقین کے کردار کی ایک زندہ صورت اور ایک متحرک نظارہ پیش کیا ہے جس سے ان کے دلوں کی چوری، کردار کا بودا پن، بزدلی اور خوف ظاہر ہوتا ہے، فرمایا ہے کہ:

> "اور جب بھی کوئی سورت اترتی ہے تو وہ ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہیں، کیا تمہیں کوئی دیکھ رہا ہے؟ پھر چلے جاتے ہیں، اللہ نے ان کے دلوں کو پھیر دیا ہے کیونکہ وہ ایک نہ سمجھنے والی قوم ہے!"

یہ بزدلی اور سازشی ٹولے کی ایک تصویر ہے جو ان کی اندرونی کیفیت کو ظاہر کرتی ہے، چند الفاظ ہیں یہ مؤثر اور زندہ تصویر کھینچنا۔ دنیا صرف کلام الٰہی کا ہی کام ہو سکتا تھا، انسان کے بس کی یہ بات نہیں۔

Marfat.com

آخری دو آیات

سورت کا اختتام جن دو آیات پر ہوا ہے، ان کے متعلق مکی ہونا یا مدنی ہونا، ہر دو روایات میں موجود ہے۔ ہم اس رائے کو اختیار کرتے ہیں کہ یہ مدنی آیات ہیں، ان کے مدنی ہونے کی دلیل خود ان کا مضمون ہے جو اس آخری درس کے اور سورت کی فضا اور عمومی مضمون کے مطابق اور مناسب ہے ان دو آیتوں میں سے ایک کے اندر تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی امت کے ساتھ تعلق واضح ہوا ہے کہ آپ اپنی قوم و امت کی ہدایت، خیر خواہی اور بھلائی کی بہت حرص رکھتے تھے، ان پر رحیم و کریم تھے، ان کی تکلیف سے دکھ پاتے تھے۔ یہ الفاظ خود ان آیات کی مناسبت مدنی زندگی کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔ پھر اس کی مناسبت اس میں موجود ہے کہ امت مسلمہ کو آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت کا حکم دیا گیا ہے، آپ کی دعوت کو قبول کرنے، دوسروں تک اس کو عام کرنے، آپ کے اور اسلام کے دشمنوں سے قتال کرنے اور اس راستے میں تنگی ترشی کو برداشت کرنے کا حکم دیا گیا تھا، اگر لوگ ایسا نہ کریں، یا ان میں سے بعض بزدل ثابت ہوں اور دعوت کی ذمہ داری کو نہ نبھائیں تو دوسری آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ فرمایا گیا ہے کہ آپ صرف اپنے خدائے واحد و برحق پر بھروسہ کریں، وہی آپ کے لیے کافی ہے اور حقیقی اور سچا مددگار ہے، فرمایا گیا ہے کہ:

> "بلاشبہ تمہارے پاس تمہاری جانوں میں سے ایک رسول آیا ہے، جس پر تمہاری تکلیف شاق ہے، وہ تم پر حریص ہے، ایمانداروں کے ساتھ شفیق و رحیم ہے۔ پھر اگر یہ منہ پھیر لیں تو تم کہو کہ میرے لیے اللہ ہی کافی ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اسی پر میں نے بھروسہ کیا ہے اور وہی عرش عظیم کا مالک ہے۔"

یہ فرمایا ہے کہ: لقد جاء کم رسول من انفسکم عزیز علیہ ما عنتم الخ اور یہ نہیں فرمایا کہ: رسول منکم۔ ان دونوں قسم کے اندازِ بیان اور طرزِ ادا میں فرق ہے۔ من انفسکم کا لفظ مزید احساس پیدا کرتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جو تعلق اپنی قوم سے تھا اس کی وضاحت میں زیادہ صاف اور باہمی تعلقات پر زیادہ دلالت کرنے والا ہے۔ جب کوئی آدمی دوسرے کے بارے میں یہ جان لے کہ یہ میری ہی جان کا ایک حصہ ہے، میری جان اس کی جان کے ساتھ متصل ہے، تو اس کے دل میں خاص ہمدردی پیدا ہوتی ہے، اس کے دل کی گہرائی سے یہ آواز اٹھتی ہے کہ مجھے اس سے بیگانگی نہ رکھنی چاہیے، بالخصوص اس وقت جب کہ وہ شخص اعلیٰ ترین اخلاقی صفات کا مالک ہو اور اس کے دل میں دوسروں کے لیے محبت کا دریا موجزن ہو۔ اگلے الفاظ: عزیز علیہ ما عنتم کا مطلب یہ ہے کہ وہ رسول دل سے تمہارا خیر سگال ہے خلوص کے ساتھ تمہیں سرسبز و شاداب اور کامیاب و کامران دیکھنے کا آرزومند ہے۔ تمہاری تکلیف اس پر گراں ہے، تمہاری تکلیف کو وہ اپنی تکلیف سمجھتا ہے حریص علیکم کا مطلب یہ ہے کہ وہ تمہاری بھلائی کا دل سے خواہاں ہے، تمہیں ہلاکتوں میں نہیں ڈالتا۔ وہ احکام نہیں دیتا جن کو تم اٹھا نہ سکو۔ اگر وہ تمہیں جہاد و قتال کا حکم دیتا ہے تو اس لیے نہیں کہ تم اس کے نزدیک عزیز نہیں ہو، بلکہ تمہارے

بھلے کے لیے ایسا کرتا ہے۔ گویا یہ بھی اس کی رحمت ہی کا ایک پہلو ہے، کہ تم ذلت و اہانت سے بچ جاؤ، معزز و مکرم ہو جاؤ۔ جب تم سے کوئی خطا سرزد ہو جائے تو وہ تم پر رحیم و شفیق ہوتا ہے، اسے یہ تمنا ہے کہ تم دونوں جہانوں میں سرفراز ہو جاؤ، دعوت اسلام کو لے کر نکلو اور دنیا کے امام بن جاؤ، یہاں حکومت و سلطنت کے اور آگے چل کر جنت و رضائے الٰہی کے حق دار بن جاؤ۔

اگر لوگ بات نہ مانیں تو؟

آخری آیت میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا گیا ہے کہ اگر یہ لوگ آپ کی بات نہیں سنتے، منہ پھیر لیتے ہیں، تو آپ غم نہ کریں، اللہ پر بھروسہ کریں جو تنہا قوت و شوکت اور عزت و جلال کا مالک ہے، جو اس کی پناہ میں آئے وہ اس کے لیے کافی ہے۔ جہاد و قتال اور دعوت کی مشکلات میں وہی ملجاؤ ماوٰی ہے۔ اسی پر اعتماد کرو، اسی پہ توکل کرو، وہی شہنشاہِ حقیقی ہے، وہی عرش عظیم کا مالک ہے، اس کو پکارنے والا خائب و خاسر نہیں ہوتا۔ اس پر بھروسہ کرنے والا سب سے مضبوط کڑے کو ہاتھ میں پکڑتا ہے۔

اختتامی کلمات

یہ سورت ان دائمی و انتہائی احکام و نصوص پر مشتمل ہے جو مسلم معاشرے اور دوسرے معاشروں میں ہونے چاہییں۔ ان احکام کو اسی حیثیت سے دیکھنا چاہیے اور جب کوئی اسلام کے بین الاقوامی و بین المملکتی احکام کو معلوم کرنا چاہے تو اسے یہ سورت پیش نظر رکھنی چاہیے۔ جہاد و قتال اور قانونِ بین الممالک والاقوام میں اس سورت سے قبل کی مدنی سورتیں مرحلاتی احکام پر مشتمل ہیں جو اسلام کی تاریخ، بالخصوص مدنی زندگی کی سیاسی و معاشرتی اور قانونی و جنگی شعبوں میں دیئے گئے، ابتدائی وسطی اور انتہائی احکام کو جاننے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ اسلام کی دعوت کے ساتھ ساتھ آگے چلا جائے اور ہر مرحلے پر پیش آنے والے احوال کے احکام کتاب اللہ سے معلوم کیے جائیں، ان کی تفاصیل حدیث و سنت میں موجود ہے۔

والحمد للہ رب العلمین

Marfat.com

سورۂ یونس مکی ہے، اور اس کی آیات: ۱۰۹ ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اب ہم ایک بار پھر قرآن کے مکی حصے کی طرف پھر رہے ہیں، اس حصے کی اپنی فضا رہے، اپنے مؤثرات ہیں۔ اس سے پہلی دو سورتیں الانفال اور التوبہ مدنی ہیں جیسا کہ ہم ان کی تفسیر میں سب کچھ دیکھ چکے ہیں سارا قرآن، مکی ہو یا مدنی، کلام الٰہی ہے، اس میں کچھ خصائص ہیں جو کسی اور کتاب یا کلام میں نہیں پائے جاتے۔ مگر یہ عام خصائص ہیں جو موضوع اور ادا کے لحاظ سے اور کہیں نہیں مل سکتے۔ لیکن قرآن کے مکی اور مدنی حصوں میں ان دونوں مقامات کے خاص تقاضوں، مسائل، واقعات وضروریات کے لحاظ سے فرق بھی ہے۔ مکی سورتوں میں جو موضوع زیر بحث آئے ہیں وہ یہ ہیں: حقیقتِ الوہیت، حقیقتِ عبودیت، ان دونوں کے درمیانی تعلقات کی حقیقت، انسانوں کے ساتھ ان کے معبودِ برحق کا تعارف کرانا، تاکہ وہ اس کی عبادت کریں۔ اور اس کی اطاعت اور بندگی کریں، اس کے امرو نہی کو مانیں، اس کے قوانین کی پابندی کریں۔ فطرت کے صحیح عقیدے میں داخل کیے گئے انحرافات و بدعات کو حق سے الگ کرنا اور انسانوں کو الٰہ برحق کی عبادت کی طرف پھیرنا۔ اسی طرح ان موضوعات کو پیش کرنے اور ادا کرنے کا طریقہ بھی مکہ میں کچھ نرالا تھا، کیونکہ وہاں بات مشرکوں اور کافروں کے ساتھ تھی۔ طرزِ بیان اور طریق ادا نہایت عمیق اور مؤثر اختیار کیا گیا۔ لفظی و معنوی محاسن کے اعتبار سے مکی سورتیں سارے قرآن میں ایک خاص مقام رکھتی ہیں، ان کا نغمہ اور ترکیب الفاظ و فقرات مدنی سورتوں سے صاف طور پر الگ نظر آتے ہیں۔ اس موضوع پر ہم نے سورۂ انعام کی تمہید میں کافی بحث کی ہے، اور حسب ضرورت یہاں بھی کریں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

اس سے پہلے ہم دو مکی سورتوں یعنی الانعام اور الاعراف میں اس سلسلے کی بعض ضروری باتیں کر چکے ہیں۔ یہ دونوں سورتیں ترتیبِ نزول میں نہیں بلکہ ترتیبِ وضع و جمع میں آگے پیچھے ہیں، ان کے بعد الانفال اور التوبہ اپنے خاص ماحول اور امتیازی فضا کے ساتھ نمودار ہوئیں، ان کا موضوع اور مضامین خالص مدنی ہیں۔ اب جب کہ ہم دوبارہ قرآن کے مکی حصے میں داخل ہو رہے ہیں، ہمارے سامنے دو مکی سورتیں ہیں، جو مصاحف کی ترتیب میں یکے بعد دیگرے آئی ہیں، مگر نزول کی ترتیب ان کی یہ نہیں ہے۔ اور یہ بڑی عجیب بات ہے کہ ان دو سورتوں (یونس اور ہود) اور گزشتہ دو سورتوں یعنی الانعام اور الاعراف میں موضوع کے لحاظ سے بہت بڑی مشابہت پائی جاتی ہے، اسی طرح اس موضوع کو پیش کرنے اور ادا کرنے میں بھی کافی مشابہت ہے۔ سورۂ انعام میں حقیقتِ عقیدہ کا بیان ہے اور وہ جاہلیت کا مقابلہ اور رد کرتی ہے، نیز عقیدہ و شعور اور عبادت و عمل کے اعتبار سے جاہلیت کو فنا اور برباد کرتی ہے، سورۃ الاعراف عقیدۂ توحید و رسالت کی زمین میں تحریک کو پیش کرتی ہے، اور انسانی تاریخ میں جاہلیت کے ساتھ اسلام کا جو مقابلہ اور معرکہ بپا رہا ہے۔ اسے پیش کرتی ہے۔ اسی طرح ہمارے سامنے یہاں یہ دو سورتیں ——— یونس ۱۰

ہود ــــــــــ ہیں، جن میں موضوع اور طرزِ ادا طریقِ بیان میں بہت مشابہت پائی جاتی ہے لیکن سورۃ الانعام ہیں یونس کی نسبت ایک انفرادیت بھی ہے کہ اس میں تاثیر و اتباع کی رفعت وضخامت پائی جاتی ہے۔ اس کی دھڑکن میں تیزی ہے اور وہ قوت کا اظہار کرتی ہے، تصویر کھینچنے اور حرکت میں پختگی ہے جب کہ سورۃ یونس کی رفتار نرم اور آہستہ ہے اس میں سلاست نسبتاً زیادہ ہے۔ اور ہود موضوع اور طرز اور دھڑکن وغیرہ میں اعراف کے ساتھ بہت مشابہ ہے پھر یہ تو مسلّم ہے کہ ہر سورت کی اپنی خاص حیثیت ہے، امتیازی اوصاف ہیں اور مشابہت کے باوجود انفراد بھی ان میں موجود ہے۔

سورۃ یونس کا بنیادی موضوع

سورۃ یونس کا بنیادی موضوع بالکل وہی ہے جو تمام مکی قرآن کا ہے، اور جس کا ذکر اُوپر کے پیرے میں گزرا، اور یہ سورت اپنے خاص طریقے سے اس موضوع کے مضامین پر مشتمل ہے۔ وہ خاص طریقہ وہی ہے جس نے اس سورت کی انفرادی حیثیت اور خصائص کو متعین کیا ہے۔ ان خصائص کے مفصل بیان سے قبل جو تفسیر میں ہو گا۔ ہم ان کا مختصر ذکر کرتے ہیں۔

(۱) مشرکینِ مکہ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی اور قرآنِ کریم کے متعلق ابتداء میں جو مؤقف اختیار کیا تھا، یہ سورت اس کا مقابلہ کرتی ہے اور کہتی ہے کہ وحی میں کوئی حیرانی کی بات نہیں اور یہ قرآنِ حکیم کسی کا گھڑا ہوا افتراء نہیں ہے:

"الف لام را۔ یہ کتابِ حکیم کی آیات ہیں۔ کیا لوگوں کے لیئے یہ حیرانی کی بات ہے کہ ہم نے ان میں سے ایک مرد پر وحی بھیجی کہ تو لوگوں کو خبردار کر دے، اور ایمانداروں کو بشارت دیدے کہ ان کے رب کے نزدیک وہ ثابت قدم ہیں۔ کافروں نے کہا کہ بلاشبہ یہ شخص کھلا جادوگر ہے۔"

"اور جب ان پر ہماری واضح آیات پڑھی جاتی ہیں، جو لوگ ہماری ملاقات کی امید نہیں رکھتے وہ کہتے ہیں کہ اس کے سوا کوئی اور قرآن لے آؤ یا اس کو بدل ڈالو۔ تو کہہ کہ میں ایسا نہیں کر سکتا کہ اپنی طرف سے اس کو بدل دوں میں تو صرف اس وحی کا اتباع کرتا ہوں جو مجھ پر آتی ہے، مجھے ڈر ہے کہ اگر میں نے اپنے رب کی نافرمانی کی تو ایک عظیم دن کا عذاب بھگتوں گا۔ تو کہہ کہ اگر اللہ چاہتا تو میں اس قرآن کو تم پر نہ پڑھتا اور نہیں یہ نہ بتاتا۔ پس بلاشبہ میں نے تمہارے اندر اس سے پہلے ایک عمر گزاری ہے، سو کیا تم عقل نہیں رکھتے ہو؟ پھر اس سے بڑا ظالم کون ہے جو اللہ پر جھوٹا بہتان لگائے یا اس کی آیات کی تکذیب کرے؟ بلاشبہ مجرم فلاح نہ پائیں گے۔"

"اور یہ ممکن نہ تھا کہ یہ قرآن اللہ کے سوا کوئی اپنی طرف سے بنالائے بلکہ یہ اپنے سے پہلے کی کتابوں کی تصدیق ہے اور انہی کی تفصیل ہے، اس میں کوئی شک نہیں، یہ رب العالمین کی طرف سے ہے۔ کیا یہ کہتے ہیں کہ اس نے اس کو گھڑ لیا ہے؟ تو کہہ کہ پھر تم اس جیسی ایک

سورت لے آؤ، اور بلا لو جسے بلا سکو اللہ کے سوا اگر تم سچے ہو۔"

(۲۵) مشرک کوئی مادی معجزہ طلب کرتے تھے جس کا جواب یہ سورت دیتی ہے۔ اور جو وعید وہ سنتے تھے اس کو جلدی مانگتے تھے۔ یہ سورت کہتی ہے کہ اس دین کی علامت و معجزہ یہ قرآن ہے، اسی میں یہ بتایا ہے کہ اس میں ایک اعجازی انفرادیت موجود ہے جس پر ان کو چیلنج دیا جا رہا ہے۔ معجزات اللہ کا حکم و قدرت اور مشیئت سے دکھائے جاتے ہیں، ان سے جو جزا کا وعدہ ہے وہ اللہ کی مقرر مدت کے ساتھ وابستہ ہے۔ نبی خود کسی چیز کا مالک نہیں۔ وہ تو اللہ کا ایک بندہ ہے۔ اس ضمن میں ان کے رب حق رب کا تعارف کرایا گیا ہے، الوہیت اور عبودیت کی حقیقت بتائی گئی ہے:

"اور بلاشبہ ہم نے تم سے پہلے کئی قوموں کو ہلاک کیا جب کہ انہوں نے ظلم کیا، اور ان کے پاس ان کے رسول کھلے معجزے لے کر آئے، مگر وہ ایمان لانے والے نہ تھے۔ اسی طرح ہم مجرم لوگوں کو جزا دیتے ہیں، پھر ان کے بعد ہم نے تم کو زمین میں ان کا نائب بنایا۔ تاکہ دیکھیں تم کیونکر عمل کرتے ہو۔"

"اور ہر امت کے لیے ایک رسول تھا پھر جب ان کا رسول آیا تو ان کے درمیان حق کا فیصلہ کیا جائے گا۔ اور ان پر ظلم نہ ہوگا اور یہ کہتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو تو یہ وعدہ کیا پورا ہو گا؟ تو کہدے کہ میں اپنے لیے خود بخود کسی نقصان اور نفع کا مالک نہیں ہوں، مگر جو اللہ چاہے وہی ہوگا، ہر امت کے لیے ایک مدت ہے، پھر جب ان کی مدت آگئی تو وہ ایک گھڑی آگے پیچھے نہ ہوں گے، تو کہہ کہ دیکھو تو سہی! اگر اس کا عذاب تم پر رات کو یا دن کو آگیا تو مجرم اس سے کیا جلدی کر سکیں گے؟ کیا جب وہ آ ہی گیا تو تم اس پر ایمان لاؤ گے؟ کیا اب ایمان لاؤ گے حالانکہ تم اس کے آنے میں جلدی مچاتے تھے۔"

"اور یہ کہتے ہیں کہ اس کے رب کی طرف سے اس پر کوئی نشانی کیوں نہیں اترتی؟ پس تو کہہ کہ بلاشبہ غیب اللہ کے لیے ہے، سو تم انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ منتظر ہوں۔"

(۲۶) یہ سورت حقیقت الوہیت اور حقیقت عبودیت کے بارے میں ان کے تصور کے اضطراب کا مقابلہ کرتی ہے۔ یہ وہ امر تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں بتاتے تھے تو وہ وحی کی تکذیب کرتے یا اس میں شک رکھتے تھے اور وہ ایسی قرآن کے علاوہ کسی اور قرآن کو طلب کرتے تھے، یا کوئی ایسا مادی معجزہ طلب کرتے تھے جو قرآن کی صحت کو ان کے لیے ——— بقول ان کے ——— ثابت کردے، درانحالیکہ وہ خود ان بے جان چیزوں کی عبادت میں مشغول تھے جو ان کے نفع و نقصان کی مالک نہ تھیں، ان کے خودساختہ شریک تھے۔ جن کے متعلق ان کا یہ عقیدہ تھا کہ یہ ان کے لیے اللہ کے پاس سفارش کرنے والے ہیں، جیسا کہ وہ جہالت کی بنا پر بلا دلیل اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد کے قائل تھے۔ اس سورت نے ان کے سامنے معبود برحق کی صفات اور اس کی قدرت کے نشان پیش کیے جو ان کے اردگرد پھیلے ہوئے ہیں۔ اور خود ان کی جانوں میں موجود ہیں، مظاہر قدرت میں موجود ہیں، ان کی اپنی فطرت میں موجود ہیں، اور وہ فطرت انہیں پکار پکار کر اس طرف متوجہ کرتی ہے، بالخصوص اس وقت جب کہ وہ کسی ایسی مصیبت میں پھنس جائیں جس کا دفع کرنا ان کے

یا کسی اور کے بس میں نہیں، اور اللہ کے سوا اُسے کوئی دُور نہیں کر سکتا۔ اور یہی وہ عظیم دلیل ہے جو اس سورت کے کئی حصوں میں پھیلی کی گئی ہے۔ اور اس سورت کے دیگر مضامین بھی اسی سے پھوٹتے ہیں۔ فرمایا گیا ہے کہ:

"بلاشبہ تمہارا رب وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا، پھر معاملات کی تدبیر کے لیے عرش کی طرف متوجہ ہوا۔ اس کی اجازت کے بغیر کوئی سفارشی نہیں ہو سکتا۔ یہی ہے تمہارا رب، سو اُسی کی عبادت کرو۔ کیا تم نصیحت نہیں پکڑتے ہو؟ تم سب کی واپسی اُسی کی طرف ہے، اللہ کا سچا وعدہ، وہی پیدائش کی ابتدا کرتا ہے پھر وہی اسے لوٹائے گا، تاکہ ایمانداروں اور نیکی کرنے والوں کو انصاف کی جزا دے۔ اور جنہوں نے کفر کیا ان کے لیئے گرم پانی کا مشروب ہوگا، اور ان کے کفر کے باعث دردناک سزا ہوگی۔ وہ وہی ہے جس نے سورج کو روشن کیا اور چاند کو منور کیا اور اس کی منزلیں مقرر کیں تاکہ تم سالوں کی گنتی اور حساب جان لو۔ یہ سب کچھ اللہ نے برحق پیدا کیا ہے وہ جاننے والوں کے لیئے آیات کی تفصیل کرتا ہے۔ بلاشبہ رات اور دن کے یکے بعد دیگرے آنے میں اور جو کچھ اللہ نے آسمانوں اور زمین میں پیدا کیا ہے اس میں ڈرتے والے لوگوں کے لیئے دلائل ہیں۔"

"اور وہ اللہ کے سوا ان کی عبادت کرتے ہیں، جو انہیں نہ نقصان دے سکتا ہے نہ فائدہ پہنچا سکتا ہے، اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں۔ کہو کہ کیا تم خبر دیتے ہو اس چیز کی جسے وہ نہیں جانتا آسمانوں میں اور زمین میں (یعنی وہ معدوم محض ہے)! وہ پاک ہے اور بلند ہے ان چیزوں سے جن کو وہ شریک بناتے ہیں۔"

"وہ وہی ہے جو تم کو خشکی اور تری میں چلاتا ہے، حتیٰ کہ جب تم جہازوں میں ہوتے ہو اور وہ انہیں پاکیزہ ہوا کے ساتھ چلاتے ہیں اور وہ اس پر خوش ہوتے ہیں، تو ان پر تیز آندھی آجاتی ہے۔ اور ہر طرف سے لہریں ان پر آجاتی ہیں، اور وہ یقین کر لیتے ہیں کہ بس وہ گھیرے گئے، تو پھر وہ دین کو اللہ کے لیے خالص کرکے اُسی کو پکارتے ہیں کہ اگر تو نے ہمیں اس مصیبت سے نجات دے دی تو ہم ضرور ہی شکر گزار ہو جائیں گے۔ پھر جب اللہ نے اُن کو نجات دے دی تو وہ ناحق زمین میں سرکشی کرتے ہیں۔ اے لوگو! تمہاری سرکشی تمہارے اپنے ہی خلاف ہے، دنیوی زندگی کا سامان، پھر تمہاری واپسی ہماری طرف ہوگی تو ہم تمہیں تمہارے اعمال کی خبر دیں گے۔"

"کہدو کہ کون ہے جو تمہیں آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہے؟ اور وہ کون ہے جو کانوں اور آنکھوں کا مالک ہے؟ اور کون ہے جو زندہ کو مُردے سے نکالتا ہے اور مُردے کو زندہ سے نکالتا ہے؟ اور وہ کون ہے جو معاملات کی تدبیر کرتا ہے؟ سو وہ ابھی یہی کہیں گے کہ وہ اللہ ہے، تو تم کہو کہ تم اللہ سے ڈرتے نہیں ہو؟ پس وہی ہے تمہارا برحق مالک، پھر حق کے

بعد ضلالت کے سوا اور کیا ہے؟ پھر تم کہاں پھرے جا رہے ہو؟"

"کہو کہ کیا تمہارے شریکوں میں سے کوئی ایسا ہے جو حق کی طرف ہدایت دے؟ کہو کہ اللہ ہی حق کی طرف ہدایت دیتا ہے۔ سو کیا جو حق کی طرف رہنمائی کرے وہ پیروی کا زیادہ حق دار ہے، یا وہ جو ہدایت نہیں پاتا، مگر اس صورت میں کہ اس کو ہدایت دی جائے سو تم کو کیا ہو گیا ہے، کس طرح کے فیصلے کرتے ہو؟ اور ان میں سے اکثر وہم و گمان کے سوا کسی چیز کی پیروی نہیں کرتے۔ بلاشبہ وہم و گمان حق سے کس طرح بے نیاز نہیں کر سکتا بلاشبہ اللہ ان کے افعال کو خوب جانتا ہے۔"

"سن لو کہ بلاشبہ اللہ ہی کے لیے ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے، اور جو لوگ اس کے سوا دوسروں کو پکارتے ہیں وہ ان شریکوں کا اتباع نہیں کرتے بلکہ اپنے وہم و گمان کا اتباع کرتے ہیں اور وہ صرف اندازوں کے پیچھے چلتے ہیں۔ وہ وہی ہے جس نے تمہارے لیے رات بنائی تاکہ تم اس میں سکون پاؤ۔ اور دن کو روشن بنایا، بے شک اس میں دلائل ہیں ان کے لیے جو سنتے ہیں۔"

"انہوں نے کہا کہ اللہ نے اولاد اختیار کی ہے، وہ پاک ہے، وہی بے نیاز ہے، اسی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے، تمہارے پاس اس کی کوئی دلیل نہیں، کیا تم اللہ کے ذمہ وہ کچھ کہتے ہو جس کو تم جانتے نہیں؟ کہو کہ جو لوگ اللہ پر بہتان باندھتے ہیں وہ فلاح نہ پائیں گے۔ یہ دنیا کا سامان ہے، پھر ان کی واپسی ہماری طرف ہو گی پھر ہم ان کو شدید عذاب چکھائیں گے جو ان کے کفر کا نتیجہ ہو گا۔"

"سن لو کہ اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ سن لو! کہ اللہ کا وعدہ برحق ہے، مگر ان میں سے اکثر نہیں جانتے۔ وہی زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اور اسی کی طرف تم کو لوٹایا جائے گا۔"

(۴) یہ سورت بتاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ انسانوں کے ہر قول و فعل، نیت و عمل کے وقت ان کے سامنے حاضر و موجود ہے۔ اس عقیدے سے انسانی احساس اور قول و عمل میں خوفِ خدا اور رعب و جلال پیدا ہوتا ہے اور وہ پر حذر اور ہوشیار ہو جاتا ہے۔ فرماتا ہے کہ:

"اور تو جس حال میں بھی ہو اور جب بھی قرآن کی تلاوت کرے، اور تم کوئی عمل بھی کرو تو جب تم اس میں مصروف ہوتے ہو ہم تم پر گواہ ہوتے ہیں، اور تیرے رب سے کوئی ذرہ بھر چیز زمین میں اور آسمانوں میں پوشیدہ نہیں ہوتی، اور نہ اس سے کوئی چھوٹی چیز اور نہ بڑی چیز ہے مگر وہ ایک روشن کتاب میں موجود ہے۔"

(۵) یہ سورت انسان کو عذابِ الٰہی کے ہر لحظہ آ جانے کے خوف اور امید سے بھر دیتی ہے۔ تاکہ لوگ اس غفلت سے بیدار ہوں جس کو آسائش اور نعمت پیدا کرتی ہے، مبادا وہ اپنے اردگرد کی زندگی کی چمک دمک اور رونق سے دھوکا کھائیں اور اللہ کے اچانک آ جانے والے عذاب سے بے خوف ہو

Marfat.com

جائیں، فرماتا ہے کہ:

"دنیاوی زندگی کی مثال تو یوں ہے جیسے ہم نے اوپر سے پانی اتارا اور اس کے ساتھ زمین کی انگوری پیدا ہوئی۔ جس کو انسان اور چارپائے کھاتے ہیں۔ حتیٰ کہ جب زمین نے اپنی رونق اختیار کرلی اور وہ مزین ہوگئی اور زمین والوں نے خیال کیا کہ وہ اس غلّے پر قادر ہیں تو اس پر ہمارا حکم رات کو یا دن کو آگیا، پھر ہم نے ان کو یوں کاٹ کر پھینک دیا کہ گویا وہ کل موجود ہی نہ تھی۔ اس طرح ہم آیتوں کو غور و فکر کرنے والوں کے لیے کھول کر بیان کرتے ہیں۔"

"کہو کہ دیکھو اگر تم پر اس کا عذاب رات کو یا دن کو آجائے تو مجرم لوگ کس چیز کی جلدی مچاتے ہیں؟ کیا جب وہ آ ہی گیا تو تم اس پر ایمان لاؤ گے؟ اب ایمان لاتے ہو حالانکہ پہلے تم اس پر جلدی مچا رہے تھے۔"

(۶) اور اس سورت نے اس حقیقت پر بھی بحث کی ہے کہ لوگ دنیوی زندگی پر راضی اور مطمئن ہیں اور آخرت کی پرواہ نہیں کرتے اور اللہ کی ملاقات کی تکذیب کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے انہیں اس گھٹیا سودے پر اس کے نقصان دہ ہونے پر گفتگو فرمائی ہے کیونکہ وہ اس پر راضی تھے، اور ان کو بتایا ہے کہ یہ دنیوی زندگی ابتلاء کے لیے ہے اور جزاء آخرت میں ہوگی، پھر اس سورت نے ان کے سامنے قیامت کے کئی مختلف نظارے پیش کیے ہیں، خاص طور پر وہ نظارہ جس میں ان کے شرکاء کی ان سے علیحدگی پیش کی گئی ہے، کہ وہ اپنے عبادت گزاروں سے بیزاری کا اظہار کریں گے، اور عابد معبودوں سے بیزار ہوں گے اور ان کے لیے دگنے عذاب کی التجاء کریں گے۔ مشرک جہنم کے عذاب سے بڑے سے بڑا تاوان دے کر چھوٹنے کی آرزو کریں گے بشرطیکہ وہ ایسا کرسکیں۔ فرمایا ہے:

"بلاشبہ جو لوگ ہم سے ملنے کی امید نہیں رکھتے، دنیوی زندگی پر راضی ہوگئے ہیں اور اسی پر مطمئن ہیں اور جو لوگ ہماری آیات سے غافل ہیں۔ وہی ہیں کہ ان کا ٹھکانا آگ ہے اس لیے کہ وہ یہی کماتے رہے تھے۔ بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے، ان کا رب ان کو ان کے ایمان کے باعث ہدایت دے گا (جنت کی طرف راہنمائی کرے گا) ان کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، نعمتوں کی جنتوں میں، ان باغوں میں ان کی دعا سبحانك اللھم (اے اللہ تو پاک ہے!) ہوگی، اور ان کی باہمی دعاء سلام ہوگی، اور ان کی دعاء کا اخیر یہ ہوگا کہ: الحمد للہ رب العلمین ٥ (حمد اللہ ہی کے لیے ہے جو جہانوں کا رب ہے)"

"اور بیشک ہم نے پہلی قوموں کو ہلاک کیا جب کہ انہوں نے ظلم کیا، اور ان کے پاس ان کے پیغمبر معجزے لے کر آئے تھے، اور وہ ایمان لانے والے نہ تھے۔ اسی طرح ہم مجرم قوم کو جزاء دیتے ہیں، پھر ہم نے تم کو ان کے بعد زمین کا حاکم بنایا تاکہ ہم دیکھیں کہ تم کیونکر عمل کرتے ہو۔"

Marfat.com

"اور اللہ سلامتی کے گھر (جنت) کی طرف بلاتا ہے اور جس کو چاہے سیدھی راہ کی طرف ہدایت دیتا ہے۔ نیکی کرنے والوں کے لیے نیکی ہے اور اس پر اضافہ بھی ہے، اور ان کے چہروں پر مایوسی اور ذلت نہ برسے گی، وہی جنت والے ہیں جو اس میں ہمیشہ رہیں گے، اور جن لوگوں نے برائیاں کمائیں، برائی کی جزا اسی کی مانند ہو گی۔ اور ان پر ذلت چڑھے گی، ان کے لیے اللہ کی طرف سے کوئی بچانے والا نہیں، گویا کہ ان کے چہرے ڈھانکے گئے ہیں، رات کے ایک تاریک ٹکڑے سے۔ وہی ہیں جہنم والے جو اس میں ہمیشہ رہیں گے۔"

"اور جس دن ہم ان سب کو جمع کریں گے، پھر مشرکوں سے کہیں گے: تم اور تمہارے شریک یہیں کھڑے رہیں۔ پھر ہم ان میں جدائی کریں گے، اور ان کے شریک کہیں گے کہ تم ہماری عبادت نہیں کرتے تھے۔ پس کافی ہے اللہ گواہ ہمارے اور تمہارے درمیان، بلاشبہ ہم تمہاری عبادت سے بے خبر تھے وہاں پر پالے گا، ہر شخص جو کچھ اس نے کمایا، اور ان کو لوٹایا جائے گا اللہ کی طرف جو اُن کا برحق مالک ہے اور گم ہو جائے گا، اُن سے جو وہ جھوٹ باندھتے تھے۔"

"اور جس دن ان کو جمع کرے گا تو گویا کہ وہ نہ ٹھہرے تھے مگر دن کی ایک گھڑی۔ وہ آپس میں جان پہچان کریں گے، یقیناً نقصان اٹھایا ان لوگوں نے جو اللہ کی ملاقات کی تکذیب کرتے تھے اور وہ ہدایت یافتہ نہ تھے۔"

"اور اگر ہر شخص کو جو ظالم تھا وہ سب کچھ مل جائے جو زمین میں ہے تو وہ اسے بطور تاوان دے دیگا، اور جب وہ عذاب کو دیکھیں گے تو ندامت کو چھپائیں گے، اور ان کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا جائے گا، اور ان پر ظلم نہ کیا جائے گا۔"

(۷) پھر یہ سورت اس نتیجے کی طرف توجہ کرتی ہے جو ان کے تصورِ الوہیت میں اضطراب پر مرتب ہوتا ہے، اور جو نتیجہ ان کے بعث و آخرت کے انکار پر مرتب ہوتا ہے، اور جو نتیجہ ان کے وحی و نذارت کی تکذیب کرنے پر مرتب ہوتا ہے، کیونکہ وہ اپنی عملی و واقعاتی زندگی میں آزاد ہیں، اپنی زندگی کے قوانین خود بنانے کے باعث ربوبیت کے خصائص کو استعمال کرتے ہیں، اپنے ارزاق و معاملات میں اس طرح تحلیل و تحریم کرتے ہیں جس طرح کہ ان کی بت پرستی ان سے کراتی ہے، اور جس طرح ان کا اپنے خود ساختہ شریکوں کے متعلق عقیدہ ہے کہ اللہ کے دیئے ہوئے رزق میں ان کے لیے حصہ ٹھہراتے ہیں بُت خانوں کے پروہت اور کاہن وہ حصہ وصول کرتے ہیں، تاکہ ان کے لیے اپنی مرضی سے جو چاہیں حرام کریں اور جو چاہیں حلال کریں، اور یہ ایک بڑا معاملہ ہے جو عقیدے کے معاملے کے بعد ہے اور اُسی سے پیدا ہوتا ہے:

"کہو کہ دیکھو! اللہ نے جو رزق تمہارے لیے اتارا ہے اور تم نے اس میں سے حلال و حرام کر لیا ہے، کہو کہ کیا تمہیں اللہ نے اس کی اجازت دی ہے۔ یا تم اللہ پر بہتان باندھتے

Marfat.com

ہو اور کیا گمان ہے اللہ پر بہتان باندھنے والوں کا قیامت کے دن کے بارے میں؟ یقیناً اللہ لوگوں پر بڑے فضل والا ہے، مگر ان میں سے اکثر ناشکرے ہیں!"

حقائق کے ابلاغ کی فوری پکار!

یہ سورت بآواز بلند ان حقائق کے ابلاغ میں اور انہیں دلوں میں جمانے، دلوں اور عقلوں کو ان سے متاثر کرنے میں تیزی سے کام کرتی ہے، جو اس کے اندر موجود ہیں اور اس کے لیے وہ کئی مؤثرات سے کام لیتی ہے۔ قرآنی بے نظیر تعبیر اپنے موضوعات کو پیش کرنے میں جو کام کرتی ہے یہ سورت اسے بدرجۂ اتم پیش کرتی ہے۔ یہ مؤثرات گہرے، زندہ اور متحرک ہیں اور اس سورت کی انفرادی شخصیت اور طبیعت کے موافق ہیں۔ اس کے کچھ نمونے یہ ہیں اور مفصل بات تفسیر کے ضمن میں ہو گی۔

(۱) فطرت بشریت کو متاثر کرنے کی خاطر حقیقت الوہیت کو کائنات کے نظاروں اور ظواہر کی صورت میں پیش کیا گیا ہے، اور یہ حکیم مطلق کی تدبیر پر دلالت کرتے ہیں، یہ بتایا گیا ہے کہ اس کائنات کو بنانے کی غرض کیا تھی؟ زندگی اور زندہ چیزوں کی نشوونما کے لیے بے شمار موافق و مناسب احوال و اشیاء بنائی گئی ہیں، الوہیت کے معاملے کو قرآن فلسفی جدل اور ذہنی منطق کی صورت میں پیش نہیں کرتا، بلکہ واقعی اور زندہ حیثیت سامنے لاتا ہے، اللہ تعالیٰ جو کائنات کا خالق اور انسان کا خالق بھی ہے، وہ جانتا ہے کہ انسان کی فطرت میں اور کائنات کے اسرار و مناظر میں ایک سمجھی جانے والی زبان موجود ہے، یہ سوال و جواب منطقی انداز کا نہیں بلکہ سادہ اور صاف فطرتی انداز کا ہے۔ انسانی فطرت کو کائنات کے مشاہد کی طرف متوجہ کیا جا سکتا ہے، وہ اس کے اسرار و رموز کو پا سکتا ہے، انسانی فطرت کو دلائل کائنات کے حاصل کرنے کے لیے آمادہ کیا جا سکتا ہے۔ بلکہ اس میں اس کی پیاس موجود ہے۔ اور جب ایسا ہو گا تو فطرت بشری خوشی محسوس کرتی ہے، اس میں انشراح پیدا ہوتا ہے اور وہ کائنات کے ساتھ سوال و جواب کرتی ہے، یہی سبب ہے کہ قرآن اکثر فطرت انسانی کو خطاب کرنے کے لیے یہی سمجھی جانے والی زبان استعمال کرتا ہے۔

اس خطاب کے نمونے ہمیں اس سورت کے اندر یہ ملتے ہیں:

"بیشک تمہارا رب اللہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا، پھر وہ عرش پر متوجہ ہوا، معاملات کی تدبیر کرتا ہے، اس کے حکم کے بغیر کوئی بھی سفارشی نہیں ہے۔ وہی ہے اللہ تمہارا رب، پس اُسی کی عبادت کرو۔ کیا تم نصیحت نہیں پاتے ہو؟"

"وہ وہی ہے جس نے سورج کو روشن بنایا اور چاند کو منور کیا اور اس کی منزلیں بنائیں تاکہ تم سالوں کی گنتی اور حساب کو جان لو، یہ نہیں پیدا کیا اللہ نے مگر حق کے ساتھ، وہ جاننے والوں کے لیے آیات کی تفصیل بیان فرماتا ہے۔ بیشک رات اور دن کے یکے بعد دیگرے آنے میں اور جو کچھ اللہ نے آسمانوں اور زمین میں پیدا کیا ہے اس میں دلائل ہیں ان لوگوں کے لیے جو ڈرتے ہیں۔"

"کہو کہ کون ہے جو تم کو آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہے؟ یا وہ کون ہے جو کانوں

Marfat.com

اور آنکھوں کا مالک ہے؟ اور وہ کون ہے جو زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے اور مُردہ کو زندہ سے نکالتا ہے؟ اور وہ کون ہے جو معاملات کی تدبیر کرتا ہے؟ وہ ابھی کہیں گے کہ اللہ ہے! تو تو کہہ کہ پھر کیا تم ڈرتے نہیں ہو؟ پس وہی ہے اللہ تمہارا برحق مالک سو حق کے بعد ضلالت کے سوا اور کیا ہے؟ تو تم کہاں بہکائے جارہے ہو؟"

"وہ وہی ہے جس نے تمہارے لیئے رات بنائی تاکہ تم اس میں سکون پاؤ، اور دن کو روشن بنایا، بلاشبہ اس میں سُننے والے لوگوں کے لیئے دلائل ہیں"

"تم کہو کہ دیکھو کیا کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں، اور جو لوگ ایمان نہیں لاتے، انہیں دلائل اور ڈراوے کام نہیں دیتے"

(۲) اور یہ سورت ان حادثات و واقعات اور تجربات کو برسرعام بیان کرتی ہے جن کو وہ اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں اور ان کے اندر اور ساتھ زندگی گزارتے ہیں، مگر وہ ان کی تدبیر و تقدیر اور تعریف و تیسیر پر دلالت سے غافل ہو کر گزر جاتے ہیں۔ قرآنی عبارت ان کے لیے ان کی واقعاتی زندگی کے نظارے پیش کرتی ہے تاکہ وہ ان حوادث و واقعات کا استقبال کریں جس طرح آئینہ اس شخص کے سامنے بلند کیا جاتا ہے جو اپنے آپ سے غافل ہو تاکہ وہ اس میں اپنی حقیقت کو دیکھ لے، اس کے نمونے یہ ہیں:

"اور جب انسان کو ضرر پہنچے تو پہلو پر لیٹ کر یا بیٹھ کر یا کھڑا ہو کر ہم سے دعا کرتا ہے پھر جب اس کی تکلیف کو دُور کر دیں تو وہ چلا جاتا ہے گویا کہ اس نے ہمیں کسی ضرر کے لیئے پکارا ہی نہیں جو اس کو چھوا تھا، اسی طرح حد سے تجاوز کرنے والوں کے لیئے ان کے اعمال مزین کیئے گئے ہیں"

"اور جب ہم انسانوں کو کسی پہنچنے والی مصیبت کے بعد رحمت چکھائیں تو وہ ہماری آیات میں خفیہ تدبیریں کرتے ہیں، کہو کہ اللہ تدبیر میں تیز تر ہے، بلاشبہ ہمارے ایلچی لکھتے ہیں جو تم خفیہ تدابیر کرتے ہو۔ وہ وہی ہے جو تم کو خشکی اور تری میں چلاتا ہے حتیٰ کہ جب تم جہازوں میں ہوتے ہو، اور وہ انہیں لے کر خوشگوار ہوا کے ساتھ چلتے ہیں اور وہ اس پر خوش ہوتے ہیں تو اس جہاز پر ایک تیز آندھی آجاتی ہے، اور ہر جگہ سے ان پر لہر آتی ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ ان کو گھیر لیا گیا ہے، تو وہ دین کو اسی کے لیئے خالص کر کے اللہ کو پکارتے ہیں کہ اگر تو نے ہم کو اس سے نجات دے دی تو ہم بالضرور شکر گزاروں میں سے ہو جائیں گے۔ پھر جب اس نے ان کو نجات دی تو اسی وقت وہ زمین میں ناحق اُودھم مچاتے ہیں۔ اے انسانو! یقیناً تمہاری سرکشی تم پر ہی ہو گی۔ یعنی دنیوی زندگی کا سامان، پھر تمہاری واپسی ہماری ہی طرف ہے، پس ہم تم کو تمہارے اعمال کی خبر دیں گے"

(۳) یہ سورت کبھی خبر کے رنگ میں اور کبھی کسی رسولؑ کے واقعات کے ضمن میں گزشتہ مکذبین کے انجام کو بیان کرتی ہے اور ہر صورت ہمیں یہ بتاتی ہے کہ مکذبین کو کس طرح فنا کیا گیا اور وہ انہیں ڈراتی ہے کہ

تمہارا انجام بھی وہی ہو سکتا ہے جو تم سے پہلے کے مکذبین کا ہوا تھا۔ دنیوی زندگی تمہیں دھوکا نہ دے، یہ تو صرف ایک ابتلاء کی مہلت ہے، یا ایک گھڑی دن ہے، جس میں لوگ باہم تعارف کرتے ہیں پھر ان کو دار الجزاء میں نعمت کی طرف یا آگ کی طرف لے جایا جاتا ہے، اس سلسلے میں فرمایا ہے:

"ہم نے تم سے پہلی مشرک و ظالم قوموں کو ہلاک کر دیا تھا، اور ان پاس ان کے رسول واضح دلائل لے کر گئے تھے مگر وہ ایمان لانے والے نہ تھے، ہم مجرم قوم کو اسی طرح جزا دیتے ہیں پھر ہم نے تم کو ان کے بعد زمین میں حاکم بنایا تاکہ دیکھیں تم کس طرح عمل کرتے ہو۔"

"اور ان کے سامنے نوحؑ کا واقعہ بیان کرو، جب اس نے اپنی قوم سے کہا تھا اے میری قوم! اگر تم پر میرا کھڑا ہونا اور آیات اللہ کی تذکیر کرنا شاق گزرتا ہے تو میں نے اللہ پر ہی بھروسہ کیا ہے، پس تم شریکوں کو جمع کرکے کوئی امر طے کر لو۔ پھر تمہارا معاملہ تم پر پوشیدہ نہ رہے، پھر میری طرف توجہ کرو اور مجھ کو مہلت مت دو۔ اور اگر تم نے منہ پھیر لیا ہے تو میں نے تم سے کوئی اجر نہیں مانگا۔ میرا اجر تو اللہ پر ہے اور مجھے حکم ملا ہے کہ میں اطاعت گزاروں میں سے ہو جاؤں۔ پس انہوں نے اس کو جھٹلایا، پھر ہم نے اس کو اور اس کے ساتھیوں کو کشتی میں نجات دی اور انہیں حاکم بنایا اور انہیں غرق کر دیا، جنہوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی۔ پھر تم دیکھو کہ خبردار کیے ہوؤں کا انجام کیا ہوا؟"

"ہم نے پھر ان کے بعد موسیٰؑ اور ہارونؑ کو فرعون اور اس کے درباریوں کے پاس بھیجا اپنے دلائل کے ساتھ، پس وہ اکڑ گئے اور وہ مجرم لوگ تھے، پھر جب ان کے پاس ہماری طرف سے حق آگیا تو انہوں نے کہا: بیشک یہ کھلا جادو ہے! موسیٰؑ نے کہا کہ حق جب تمہارے پاس آیا تو تم نے اس کو جادو کہہ دیا؟ کیا یہ جادو ہے؟ اور جادوگر فلاح نہیں پاتے......

...... اور پار کرایا ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر سے۔ اور فرعون اور اس کے لشکروں نے ان کا پیچھا کیا بغاوت و عداوت کے ساتھ، حتیٰ کہ جب وہ غرق ہونے لگا تو بولا: میں ایمان لایا ہوں کہ اس خدا کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں اور میں بھی مسلم لوگوں میں سے ہوں۔ کیا اب تو ایمان لایا ہے؟ اور تو نے پہلے نافرمانی کی تھی، اور تو فسادیوں میں سے تھا، پس آج ہم تیرے بدن کو بچائیں گے تاکہ تو پچھلوں کے لیے ایک دلیل بنے اور بہت سے لوگ ہماری نشانیوں سے غافل ہیں۔"

"سو یہ کس چیز کا انتظار کرتے ہیں؟ مگر ان لوگوں کے دنوں جیسے واقعات کا جو ان سے پہلے گزرے کہو کہ پھر تم انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ منتظر ہوں، پھر ہم نجات دیتے تھے اپنے رسولوں کو اور ایمانداروں کو، اسی طرح ہم پر ضروری تھا ہم مومنوں کو نجات دیتے ہیں۔"

(۴) اور یہ سورت علی الاعلان قیامت کے مناظر کو پیش کرتی ہے۔ مکذبین اور مومنین کے انجام کو پیش کرتی ہے، یہ پیش کش زندہ ہے، متحرک ہے، موثر ہے، دلوں پر گہرا اثر ڈالنے والی ہے۔ پس ایک طرف قیامت

Marfat.com

کے نظارے اور دوسری طرف مجرموں کا دنیوی انجام ہے، گویا اس سورت نے دونوں جہان کی زندگی کے دو رُخ پیش کر دیے ہیں، گویا ایک طرف ابتداء ہے اور دوسری طرف انتہا ہے، مجرم و مشرک کہیں بچ کر نہیں جا سکتے۔ فرمایا ہے:

"نیکی کرنے والوں کے لیے اچھائی بھی ہے اور کچھ اور بھی، اور ان کے چہروں پر مایوسی اور ذلت نہ ٹپکے گی، وہی جنت والے ہیں جو اس میں ہمیشہ رہیں گے اور وہ لوگ جنھوں نے برائیاں کی تھیں تو برائی کا بدلہ اُسی کی مانند ہے اور ان پر ذلت چڑھے گی، ان کو اللہ سے بچانے والا کوئی نہیں، گویا کہ ان کے چہروں پر رات کا تاریک ٹکڑا چھایا ہوا ہے، وہی جہنم والے ہیں جو اس میں ہمیشہ رہیں گے۔"

"اور جس دن ہم ان سب کو جمع کریں گے، پھر ان مشرکوں سے کہیں گے، اپنی جگہ پر رہو تم بھی اور تمہارے شریک بھی، پھر ہم ان کے درمیان جدائی کریں گے۔ اور ان کے شریک کہیں گے کہ تم ہماری عبادت نہ کرتے تھے۔ پس اللہ کافی گواہ ہے ہمارے اور تمہارے درمیان ہم تو تمہاری عبادت سے بالکل بے خبر تھے۔ وہاں پر پائے گا ہر کوئی جو اس نے پہلے کیا ہوگا۔ اور ان کو اللہ کی طرف لوٹایا جائے گا جو ان کا برحق مالک ہے، اور ان سے گم ہو گیا جو کچھ وہ گھڑتے تھے۔"

"اور اگر ہر مشرک جان کو ساری زمین کی چیزیں مل جائیں تو وہ انہیں فدیے میں دے دے گا، اور جب وہ عذاب کو دیکھیں گے تو ندامت کو چھپائیں گے، اور ان کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا جائے گا، اور ان پر ظلم نہ کیا جائے گا۔"

مکذّب مشرکوں کو تحدّی

وہ پُر تاثیر مضامین جن کو یہ سورت بر سرِ عام بیان کرتی ہے، ان میں سے ایک یہ ہے کہ وحی کی تکذیب کرنے والے مشرکوں کو اس قرآن جیسی ایک سورت لانے کا چیلنج دیا گیا ہے۔ پھر ان کو دعوت دینے اور تحدّی کرنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرف متوجہ کیا گیا ہے کہ انہیں ترک کر دیں، اور اپنے انجام تک پہنچنے کے لیے چھوڑ دیں، ان سے پہلے مشرک مکذبین کا بھی یہی انجام ہوا تھا، فرمایا جاتا ہے کہ آپ اپنی سیدھی راہ پر چلتے رہیں، ان کی پرواہ نہ کریں اور انہیں ان کی حالت پر چھوڑ دیں، اس قسم کا چیلنج اور فیصلہ کن انداز ان مکذبین پر یہ واضح کرتا تھا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اپنے برحق ہونے پر وثوق رکھتے ہیں، ان کا بھروسا اور یقین اپنے رب پر ہے، وہی ان کے معاملات کا متولی ہے۔ یہ انداز دلوں میں زلزلہ طاری کرتا ہے اور عناد کو ہلا دیتا ہے فرماتا ہے کہ:

"اور یہ نہ ہو سکتا تھا کہ اس قرآن کو اللہ کے سوا کوئی خود بنا لیتا، بلکہ یہ اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق ہے اور ان کی تفصیل ہے، اس میں شک نہیں کہ رب العالمین کی طرف سے ہے، کیا یہ کہتے ہیں کہ پیغمبر نے اس کو از خود بنا لیا ہے؟ کہو کہ پھر تم بھی

اس جیسی ایک سورت لے آؤ اور اللہ کے سوا جسے ہو سکے مدد کے لیے بلا لو اگر تم سچے ہو۔ بلکہ انہوں نے تکذیب کی اس کتاب کی جس کے علم کا انہوں نے احاطہ نہیں کیا اور ابھی تک اس کا مطلب ان کے پاس نہیں آیا۔ اسی طرح ان سے پہلوں نے بھی تکذیب کی تھی، پس تو دیکھ کہ کس طرح ہوا تھا انجام مشرکوں کا؟"

"کہہ کہ اے لوگو! اگر تم میرے دین کے بارے میں شک میں ہو تو میں ان کی عبادت نہیں کرتا جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو، بلکہ میں اس اللہ کی عبادت کرتا ہوں جو تمہیں فوت کرتا ہے، اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں مومنوں میں سے ہو جاؤں، اور یہ کہ تو سیدھا کر اپنا منہ یکسو ہو کر دین کے لیے اور تو مشرکوں میں سے ہرگز نہ ہو، اور تو مت پکار اللہ کے سوا ان کو جو تجھ کو نفع اور نقصان نہیں دے سکتے۔ اگر تو نے ایسا کیا تو تو بھی مشرکوں میں سے ہو گا، اور اگر اللہ تجھ کو کوئی نقصان پہنچائے تو اس کے سوا اُسے دُور کرنے والا کوئی نہیں، اور اگر وہ تجھے بھلائی دینا چاہے تو اس کے فضل کو کوئی رد کرنے والا نہیں، وہ اس کو اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے پہنچاتا ہے اور وہ بہت بخشنے والا ہے رحیم ہے۔ اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے حق آ گیا ہے، پس جو ہدایت پائے وہ اپنی جان کے لیے ہدایت پائے گا، اور جو گمراہ ہو جائے تو اس کی گمراہی اُسی کی جان پر ہے، اور میں تمہارا کوئی کارساز نہیں ہوں۔ اور تو پیچھے چل اس وحی کے جو تیری طرف بھیجی گئی ہے اور صبر کر حتیٰ کہ اللہ فیصلہ کرے، اور وہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔"

اس فیصلہ کن اعلان کے ساتھ یہ سورت ختم ہوتی ہے، اور یہ مؤثرات بھی ختم ہوتے ہیں جن کے کچھ نمونے ہم نے اُوپر دیئے ہیں۔

سورت کا شانِ نزول

یہ سورت الاسراء کے بعد نازل ہوئی تھی، جب کہ وحی کے متعلق مشرکوں کا جدل گرم ہو چکا تھا وہ قرآن کے متعلق جدل و مناظرہ کرتے تھے اور قرآن نے ان کے عقائد کو جو احمقانہ ٹھہرایا تھا، اس پر بھی جز بز ہوتے تھے۔ قرآن ان کی جاہلیت کو رد کرتا تھا اور اس کے تناقض کو ظاہر کرتا تھا۔ ایک طرف تو وہ اللہ سبحانہٗ کو ہی خالق، رازق، محیی، ممیت، مدبر اور ہر چیز میں متصرف، ہر شئی پر قادر مانتے تھے، اور یہ ان عقائد کا بقیہ تھے جو ابراہیمؑ اسماعیلؑ نے توحیدِ الٰہی میں پیش کیے تھے۔ دوسری طرف وہ خدا کی اولاد ٹھیراتے تھے فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے اور دیوی دیوتاؤں اور بتوں کو اللہ کے ہاں اپنے سفارشی ٹھہراتے تھے اور اس اعتبار سے ان کے بت اور مورتیاں بنا کر پوجتے تھے، پھر ان کی زندگی میں یہی عقیدے کا تضاد داخل ہو جاتا تھا اور لازمی نتیجہ اور انحراف یہ تھا کہ کاہنوں، بت خانوں کے پجاریوں اور اپنے رؤسا کو تحلیل و تحریم کے اختیار دیتے تھے، پھلوں میں، جانوروں میں اور ہر چیز میں خدا کے ساتھ بتوں کا حصہ مقرر کرتے تھے۔

Marfat.com

مشرکین کی طرف سے اسلامی دعوت کا جواب

اسلام نے قرآن میں جو مشرکوں کے شرک وکفر اور حماقت وجاہلیت پر شدید، لاجواب حملہ کیا تھا اور ان کی متناقض جاہلیت کا جو رد کیا تھا، انہوں نے اس کا جواب اس صورت میں دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وحیِ نبوت ورسالت کا انکار اور تکذیب شدید انداز میں کیا۔ آپ کو ساحر کہا، اور آپ سے اپنے منہ مانگے معجزات طلب کرکے انہی کو آپ کی نبوت پر ایمان لانے کی شرط ٹھہرایا۔ ان کی اس معجزہ طلبی کا ذکر بھی اللہ تعالیٰ نے ایسے انداز میں فرمایا تھا جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس معاملے میں بھی وہ مخلص نہ تھے۔ سورۃ اسراء میں ارشادِ خداوندی ہے:

"ہم نے اس قرآن میں ہر قسم کی مثال بیان کی ہے مگر اکثر لوگوں نے ناشکری اور کفر کے سوا ہر بات کا انکار کیا۔ اور انہوں نے کہا کہ ہم تجھ پر کبھی ایمان نہ لائیں گے حتیٰ کہ تو ہمارے لیے زمین سے ایک چشمہ پھاڑ کر نکالے، یا تیرا ایک کھجور اور انگور کا باغ ہو جس کے درمیان تو نہریں چلائے۔ یا جیسا کہ تو نے کہا ہے، ہم پر آسمان کو گرا دے، یا اللہ اور فرشتوں کو سامنے لا کر کھڑا کر دے، یا تیرا سونے چاندی کا ایک مکان ہو، یا تو آسمان پر چڑھ جائے اور ہم تیرے چڑھنے پر ہرگز ایمان نہ لائیں گے، جب تک تو ہم پر ایک کتاب نہ اتار دے جس کو ہم پڑھیں، تو کہہ کہ میرا رب پاک ہے، میں ایک بشر رسول کے علاوہ کچھ نہیں۔"

اور جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں فرمایا ہے کہ:

"اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس پر کوئی آیت اس کے رب کی طرف سے کیوں نہ اتاری گئی؟ تو کہہ کہ غیب تو فقط اللہ کے پاس ہے۔ سو تم بھی انتظار کرو، میں تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں۔"

معجزہ طلبی یا ہٹ دھرمی!

اسی طرح لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ مطالبہ کرتے تھے کہ اس قرآن کے علاوہ کوئی اور قرآن لے کر آئیں جو ان کے معبودوں اور عقیدوں اور جاہلیت سے تعرّض نہ کرے، پھر وہ آپ پر ایمان لائیں گے اور آپ کی بات مان لیں گے۔ ان کے بارے میں اس سورت کے اندر ارشادِ خداوندی ہے:

"اور جب ان پر ہماری روشن آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو جو لوگ ہماری ملاقات کی توقع نہیں رکھتے وہ کہتے ہیں کہ اس کے سوا کوئی اور قرآن لاؤ یا اسی کو بدل ڈالو۔"

اور اس سادہ واحمقانہ تعسف کا جواب یہ دیا گیا کہ:

"کہو یہ میرا کام نہیں کہ میں اس کو اپنی طرف سے بدل ڈالوں، میں تو اس وحی کا اتباع کرتا ہوں جو مجھ پر آتی ہے، اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو ایک عظیم دن کے

Marfat.com

عذاب سے ڈرتا ہوں، تو کہہ کہ اگر اللہ چاہتا تو میں یہ قرآن تم پر نہ پڑھتا۔ اور نہ تم کو اس سے خبردار کرتا۔ بیشک اس سے پہلے میں تم میں ایک عمر گزار چکا ہوں کیا تم سمجھتے نہیں ہو؟ پس اس سے بڑا ظالم کون ہے جو اللہ پر جھوٹا بہتان لگائے یا اس کی آیات کی تکذیب کرے۔ بلاشبہ مجرم فلاح نہ پائیں گے۔"

پوری سورت کا مضمون متصل و متحد ہے!

سورۂ یونس اوپر بیان کردہ فضا میں نازل ہوئی تھی، اس کے سیاق سے واضح ہوتا ہے کہ یہ ایک ہی مضمون ہے، اس کے واقعات و فضاء ایک تھے، حتیٰ کہ اس کا الگ الگ ٹکڑوں میں تقسیم کرنا بہت مشکل ہے اور اس حقیقت سے اس روایت کی نفی ہو جاتی ہے جس کو مصحف امیریہ میں یہ کہہ کر اختیار کیا گیا ہے، کہ آیات: ۴۰، ۹۴، ۹۵، ۹۶ مدنی ہیں۔ حالانکہ یہ آیات اپنے سیاق و سباق کے ساتھ متوافق و متناسب ہیں، اور ان کے بغیر سیاق درست نہیں رہتا، سورت کے سیاق کا ربط و اتصال اس کے مطلع و اختتام میں وحدت پیدا کر دیتا ہے، مطلع اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ:

"الف لام را۔ یہ کتاب حکیم کی آیات ہیں۔ کیا لوگوں کے لیے یہ حیرانی کی بات ہے کہ ہم نے ان میں سے ایک مرد پر وحی بھیجی کہ تو لوگوں کو خبردار کر اور ایمانداروں کو بشارت دے کہ ان کے رب کے ہاں ان کی ثابت قدمی ہے، کافروں نے کہا: بلاشبہ یہ ایک کھلا جادوگر ہے۔"

اور سورت کا اختتام یوں ہوا ہے کہ:

"اور تو اتباع کر اس وحی کا جو تیری طرف بھیجی گئی اور صبر کر حتیٰ کہ اللہ فیصلہ کرے۔ اور وہ بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔"

پس سورت کی ابتداء میں بھی وحی کی بات ہوئی اور اختتام میں بھی وہی بات آئی ہے، اور مطلع و ختام کے درمیان سورت کا مفصل موضوع یہی ہے۔

سورت کے مختلف مؤثرات کا ربطِ باہم

جس طرح ابتداء و انتہاء میں ربط و تناسب ہے، اسی طرح سورت کے اندر مختلف مؤثرات میں بھی ربط ظاہر ہوتا ہے۔ اس کی ہم ایک مثال بیان کرتے ہیں؛ اللہ تعالیٰ نے کافروں کے اس امر میں جلدی مچانے پر رد کیا ہے کہ؛ جو وعید تم دیتے ہو وہ سامنے لے آؤ! اللہ تعالیٰ نے اس کا رد فرمایا ہے اور انہیں دھمکی دی ہے کہ عذاب اچانک آئے گا اور اس وقت انہیں توبہ اور ایمان کی مہلت نہ ملے گی اور پھر پہلے لوگوں کا جو انجام ہوا تھا اس کو پیش کیا گیا ہے، فرمایا ہے کہ:

"اور وہ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب آئے گا، اگر تم سچے ہو؟ تو کہہ کہ میں اپنے لیے کسی نفع و نقصان کا مالک نہیں ہوں، مگر جو اللہ چاہے وہی ہو گا، ہر امت کے لیے ایک وقت

Marfat.com

مقرر ہے، جب ان کی مدت آجائے تو ایک گھڑی آگے پیچھے نہ ہو سکیں گے، تو کہہ کہ بھلا دیکھو تو سہی کہ اگر اس کا عذاب تم پر رات کو یا دن کو آجائے تو مجرم کس چیز کی جلدی مچارہے ہیں؟ کیا جب عذاب آ ہی گیا تو اس وقت تم اس پر ایمان لاؤ گے؟ اب ایمان لاتے ہو حالانکہ اس سے پہلے تم اس کو جلدی مانگتے تھے، پھر ظالموں سے کہا جائے گا: چکھو تم ہمیشہ کا عذاب، یہ تمہارے کسب ہی کی جزا تو ہے!"

اور یہ نظارہ اس سورت میں موسیٰ ؑ کے قصے کے اختتام پر آیا ہے، گویا کہ وہ اس وعید کی واقعی صورت ہے:

"اور ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر سے پار کیا اور فرعون اور اس کے لشکر بغاوت و عداوت کی راہ سے ان کے پیچھے گئے حتیٰ کہ جب وہ ڈوبنے لگا تو بولا: میں ایمان لایا کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں جس پر بنی اسرائیل ایمان لاتے ہیں اور میں ماننے والوں میں سے ہوں۔ کیا اب تو مانتا ہے حالانکہ پہلے تو نے نافرمانی کی اور تو فسادی تھا؟ پس آج ہم تیرے بدن کو بچائیں گے تاکہ تو اپنے پیچھے آنے والوں کے لیے عبرت ہو، اور بہت سے لوگ ہماری آیات سے غافل ہیں۔"

پھر اسی سیاق میں سورت کے اندر اللہ تعالیٰ کے مکذبین کو یک لخت گرفت میں لانے کا ذکر آیا ہے کہ ان کو غیر متوقع طور پر اور ان کی اطلاع اور فہم سے بالاتر انداز میں پکڑ لیا گیا۔ اس کے ساتھ سورت کا سیاق ایک مفصل مضمون بن جاتا ہے، مناظر میں، موضوعات میں اور طرز ادا میں ایک نسق قائم ہو جاتا ہے، اور اسی طرح سورت کی ابتدا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں مشرکوں کا یہ قول آیا ہے کہ:

"بلاشبہ یہ ایک کھلا جادوگر ہے۔"

پھر فرعون اور اس کے درباریوں کا قول موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں مذکور ہے کہ:

"جب ہماری طرف سے ان کے پاس حق آگیا تو انہوں نے کہا کہ بلاشبہ یہ ایک واضح جادو ہے۔"

سورت کی وجہ تسمیہ

اس سورت کا نام سورۂ یونس رکھا گیا ہے حالانکہ یونس ؑ کا ذکر اس میں ایک تیز اشارے کی مانند اس طرح آیا ہے کہ:

"پس کیوں نہ یہ ہوا کہ کوئی بستی ایمان لاتی اور اس کا ایمان اس کو نفع دیتا سوائے قوم یونس ؑ کے، کہ جب وہ ایمان لائے تو ہم نے ان سے دنیوی ذلت کا عذاب دور کر دیا اور ان کو ایک خاص وقت تک ہم نے فائدہ دیا۔"

مگر اس اختصار کے باوجود یونس ؑ کی قوم کا قصہ ہی ایک منفرد واضح مثال ہے کہ جب کوئی قوم عذاب کے آ چکنے سے پہلے پہلے اپنا تدارک کرلے، اپنے رب کے حضور توبہ کرلے اور وقت میں ابھی گنجائش ہو تو رسولوں کی دعوت کی تاریخ میں یہ ایک منفرد مثال ہے کہ تکذیب کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان سے عذاب کو

Marfat.com

توبہ کے باعث ہٹا دیا تھا، حالانکہ ان کے رسول نے کہہ دیا تھا کہ تم پر عذاب آئے گا۔ اور وہ عذاب آبھی گیا
تھا کہ ساری قوم گریہ وزاری اور عاجزی میں مصروف ہو گئی۔ اور عذاب ٹل گیا۔
اب تک کے بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ سورۂ یونس از اول تا آخر ایک وحدت ہے اور اس میں
ایک قضیئے کا اصولی بیان ہے۔

سورت کا سب سے بڑا بنیادی مضمون

اس سورت میں ایک ہی بنیادی قضیۂ بیان فرمایا گیا ہے یعنی الوہیت وعبودیت کا معاملہ، باقی جو کچھ بھی ہے اس کے متعلقات ہیں اور اسی ایک معاملے کی وضاحت کے لیئے آئے ہیں۔ مثلاً وحی، آخرت، سابقہ رسالتیں۔ یہ سب مضامین الوہیت وعبودیت کی شرح وتفسیر کے لیے آئے ہیں، اور واقعہ یہ ہے کہ سارے قرآن کا بنیادی اصلی مضمون صرف یہی ہے، خاص کر قرآن کے مکی حصے کا۔ پس الوہیت حقہ کی تعریف اور اس کے خصائص مثلاً ربوبیت، حاکمیت، قوامیت۔ عبودیت کی تعریف اور اس کی حدود جن سے وہ آگے نہیں جاتی، اور ان سے آگے چل کر تمام انسانوں کو خدائے واحد کا بندہ بنانا، ان کا ربوبیت و قوامیت وحاکمیت الٰہی کا اعتراف، یہی قرآن کا اصلی موضوع ہے۔ اس کے بعد صرف اس کے تقاضوں کا بیان ہے کہ انسانی زندگی میں تمام اطراف سے الوہیتِ الٰہی کے کیا مطالبات و مقتضیات ہیں، جب ہم قرآن پر غور کرتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ قرآن کا پہلا اور بڑا موضوع یہی ہے اسی کی خاطر رسول بھیجے گئے تھے تمام کتابیں اتاری گئی تھیں ارشادِ خداوندی ہے:

"اور ہم نے جو رسول بھی بھیجا اس کی طرف یہ وحی کی میرے سوا کوئی معبود نہیں، پس میری ہی عبادت کرو۔"

پس انسانی زندگی میں استقامت نہیں آسکتی جب تک کہ ان کے عقیدے اور تصور میں یہ حقیقت مستقیم نہ ہو جائے اور اسی طرح اُن کی عملی و اتفاقی زندگی میں یہ قائم نہ ہو جائے۔ سبب یہ ہے کہ انسان اس کائنات میں بستے ہیں، اس کی اشیاء اور زندوں کے ساتھ اُن کا واسطہ پڑتا ہے، جب الٰہی عقیدۂ الوہیت و توحید مضطرب ہو جاتا ہے تو وہ ان اشیاء کو، درختوں کو، جانوروں کو، انسانوں کو، زندوں اور مردوں کو خدا بنا لیتے ہیں، بلکہ وہ اوہام اور اشباح (سائے) تک کو الٰہ بنا لیتے ہیں۔ بڑی مضحکہ خیز صورتوں میں وہ اپنے آپ کو ان چیزوں کی عبادت میں مبتلا کرتے ہیں، اپنے خون پسینے کی کمائی کو کاہنوں، پروہتوں، اور پجاریوں کے قدموں میں ڈال دیتے ہیں اور انہیں دیوی دیوتاؤں، فرضی معبودوں، زندہ اور مردہ خداؤں کا نمائندہ سمجھتے ہیں۔ بلکہ بعض دفعہ اپنے جگر کے ٹکڑوں کو ان کی بھینٹ چڑھا دیتے ہیں، بعض اوقات اپنی ارواح کو ان کے آگے پیش کرتے ہیں۔ یہ وہ چیزیں ہیں جن کے اندر کوئی خدائی نہیں، کوئی قوت نہیں، کوئی اختیار نہیں۔ یہ سب وہم وگمان کے کرشمے ہیں کہ لوگ ان کو نفع نقصان کا مالک جاننے لگتے ہیں۔ ان کی تمام زندگی بے چین ہو جاتی ہے۔ وہ ان چیزوں میں اور ان زندوں میں اضطراب و بے چینی کے اندر وقت گزارتے ہیں۔ کبھی اپنے جیسی مخلوق کا تقرب حاصل کرنے کی خاطر ہر دم اور ہر لحظہ پریشان

Marfat.com

رہتے ہیں۔ ان کی عبودیت اس طرح اختیار کرتے ہیں جیسی کہ اللہ کی ہونی چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق فرمایا ہے کہ:

"اللہ کی پیدا کی ہوئی کھیتی اور جانوروں میں انہوں نے اللہ کا حصہ مقرر کیا، اور کہنے لگے کہ ——— ان کے خیال میں ——— یہ اللہ کا ہے اور یہ ہمارے شرکاء کا ہے، پھر جو ان کے شرکاء کا ہے تو وہ اللہ کو نہیں مل سکتا اور جو اللہ کا ہے وہ ان کے شرکاء کو مل جاتا ہے، اُن کا فیصلہ کس قدر بُرا ہے! اور اسی طرح بہت سے مشرکوں کے شرکاء نے ان کی اولاد کا قتل ان کے لیئے مزین کر دیا تاکہ وہ انہیں تباہ کریں اور ان کا دین ان پر گڑبڑ کردیں، اور اگر اللہ چاہتا تو وہ ایسا نہ کرتے (وہ انہیں زبردستی روک دیتا یا اُس کی توفیق نہ دیتا، یا وہ اس مشرکانہ عقیدے میں مبتلاء نہ ہوتے) پس توان کو ان کے افتراء کے سبب چھوڑ دے، اور انہوں نے کہا کہ یہ جانور اور کھیتی ہے جو ممنوع ہے، ان کو کوئی نہ کھا سکے گا، مگر وہ جس کو ہم چاہیں ——— اپنے خیال میں ——— اور کچھ جانور ہیں جن کی پشت (پر سواری کرنا) حرام ہے۔ اور کچھ جانور ہیں جن پر وہ اللہ کا نام نہیں لیتے (بوقتِ ذبح یا بوقت نامزدگی) اس پر بہتان باندھکر (کہ یہ اللہ کا حکم ہے) عنقریب اللہ ان کے افترا کی جزا انہیں دے گا، اور انہوں نے کہا کہ جو کچھ ان چارپایوں کے پیٹوں میں ہے وہ خالص ہمارے مردوں کے لیے ہے اور ہماری عورتوں پر حرام ہے، اور اگر وہ مردار ہو تو وہ اس میں شریک ہیں! ابھی اللہ ان کو ان کے وصف کی سزا دے گا، بلاشبہ وہ بہت جاننے والا ہے بہت دانا ہے، جنہوں نے اپنی اولاد کو حماقت سے بلا علم قتل کیا ہے۔ وہ خسارہ پا گئے ہیں، اور انہوں نے اللہ کے دیئے ہوئے رزق کو اللہ پر بہتان باندھ کر حرام کر دیا ہے۔ (وہ بھی خسارے میں رہے ہیں!) وہ گمراہ ہو گئے ہیں اور ہدایت یافتہ نہ تھے۔"

یہ ہیں بعض نمونے ان مشرکوں کے شرک کے جو بندوں نے اموال و اولاد میں غیر اللہ کے خاطر کیا تھا۔

حقیقت الوہیّت کو جانے بغیر بندوں کے حقوق و فرائض ادا نہیں ہو سکتے!

بندوں کی باہمی زندگی بھی مستقیم نہیں ہو سکتی جب تک کہ حقیقتِ الوہیّت مستقیم نہ ہو جائے، اور ان کے عقیدے میں عبودیت کی حقیقت بھی واضح اور قائم نہ ہو جائے، ان کی واقعاتی و عملی زندگی اس کے مطابق نہ ہو جائے۔ جو عقیدہ اور نظامِ ربوبیت، قوامیت اور حاکمیت میں اللہ سبحانہٗ کو واحد و منفرد نہیں مانتا اس کے سائے میں انسان کی عزت، انسانیت اور حریت متحقق نہیں ہو سکتی، ایسا ہونا ناممکن ہے۔ جو عقیدہ دنیا و آخرت میں انسانوں کی زندگی پر اقتدار و اختیار کا حق صرف اللہ کو نہیں دیتا وہ انسان کی عزت و ناموس کی پرواہ نہیں رکھتا، یہ ممکن نہیں جب تک کہ ظاہر و باطن میں قانون سازی، امر و

Marfat.com

حاکمیت کا حق صرف ایک اللہ کا نہ مانا جائے۔ اور زندگی کی تمام اطراف پر اس کو محیط نہ بنایا جائے۔

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے!

ہم نے جو کچھ اُوپر کہا ہے یہ ایک تاریخی اٹل حقیقت ہے، جب کبھی بھی انسان نے اللہ کی ربوبیت وحاکمیت سے انحراف کیا ہے۔ عقیدے اور عمل اور نظام زندگی کے لحاظ سے وہ حیوان ہو کر رہ گیا ہے۔ شرائع، احکام و اوامر و نواہی سب کا یہی حال ہے۔ جس کسی نے ان اطراف حیات میں سے اللہ کی الوہیت وحاکمیت کو خارج کیا وہ حیوان بن گیا۔ انسانیت سے نیچے گر گیا۔ انسانی کرامت و حریت اُس سے مفقود ہو گئی۔ تاریخ کا اسلامی نظریہ محکوموں کو طاغوتوں کا محکوم ہونے اور ان کے سامنے ذلیل ہونے سے بچاتا ہے۔ طاغوتوں کا حاکمیت پر مسلط ہو جانا اور انسانوں کو ذلیل کر دینا ایک بنیادی سبب کی طرف راجع ہوتا ہے۔ اور وہ ہے: محکوموں کا دینِ خداوندی سے فاسق ہو جانا۔ جب بھی ایسا ہوا ہے، ان انسانوں نے طاغوتوں کی پُوجا کی ہے۔ اللہ کا دین تو الوہیت کے ساتھ صرف الٰہ برحق و مطلق کو خاص کرتا ہے، اور جب اُلوہیت اسی کی ہے تو اس کے لوازم و فروع اور مقتضیات یعنی ربوبیت، حاکمیت اور قوامیت اور سلطنت اُسی کے لیے خاص ہو گئی۔ اللہ سبحانہ نے فرعون اور اس کی قوم کے متعلق فرمایا ہے:

"اور فرعون نے اپنی قوم میں پکار اکیا مصر کی بادشاہت میری نہیں ہے کیا یہ نہریں میرے نیچے نہیں بہتیں؟ سو کیا تم دیکھتے نہیں ہو؟ یا کیا میں اس سے بہتر نہیں ہوں جو (معاذ اللہ) گھٹیا شخص ہے اور صاف بات بھی نہیں کر سکتا پس کیوں نہیں بھیجے گئے اس پر سونے کے کنگن (جو اس وقت شاہی زیور تصور کیا جاتا تھا!) یا اس کے ساتھ فرشتے مل کر کیوں نہیں آئے؟ پس اس نے اپنی قوم کو احمق بنایا اور انہوں نے اس کی اطاعت کی۔ بلاشبہ وہ فاسق لوگ تھے!"

پس فرعون نے جو انہیں بے وقوف بنایا تو اس لیے کہ وہ خود فاسق تھے ورنہ طاغی حاکم اپنی قوم کو احمق نہیں بنا سکتا جب کہ وہ لوگ اللہ پر ایمان رکھتے ہوں اور موحّد ہوں، اللہ کی حاکمیت والوہیت و ربوبیت کے سوا کسی اور کو یہ مقام نہ دیتے ہوں۔ واقعات میں یہ پیش آچکا ہے کہ جو لوگ ایک اللہ کی ربوبیت سے فاسق ہو جائیں اور اپنے میں سے ایک جماعت کو اللہ کے قانون کے بغیر حاکم بنا دیں تو آخر کار وہ غیر اللہ کی عبودیت میں جا گرتے ہیں۔ یہ عبودیت ان کی انسانیت و عزت و آزادی کو چیٹ کر جاتی ہے چاہے ان پر حکومت کرنے والے نظام مختلف ہی کیوں نہ ہوں۔ اور چاہے وہ ان میں سے بعض کو اپنی انسانیت و شرافت و آزادی کا محافظ ہی کیوں نہ سمجھتے رہے ہوں۔

Marfat.com

یوروپ کی مثال

یوروپ کے کلیسا نے غلط دین کے نام پر ظلم و ستم اور بغاوت و طغیان پر کمر باندھی تو یوروپ اللہ سے ہی باغی ہوگیا۔ کلیسا نے اپنے زمانۂ عروج و اقتدار میں تمام انسانی قدروں کو پامال کر دیا تھا، جب یوروپ نے اس کلیسا پر شورش برپا کی اس سے باغی ہوا تو اللہ سے بھی باغی ہوگیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ فرد کو بے قید آزادی حاصل ہوگئی اور لوگ اپنی انسانیت، حریت اور عزت کو ——— اور اسی طرح مصلحتوں کو بھی ——— انفرادی آزادی کی تنظیم یعنی جمہوریت (ڈیماکریسی) کے ساتھ وابستہ کر بیٹھے، اور انہوں نے اپنی تمام امیدوں کا مرکز آزادی اور ضمانت کی اس تنظیم سے وابستہ کیا جو ان کے خود ساختہ دستوروں نے قائم کی تھی، اور جس کے نتیجے میں نیابتی پارلیمانی اوضاع وجود میں آئے تھے اور صحافتی آزادی، قانونی اور عدالتی ضمانتیں، انتخابی کثرت کی حکومت وغیرہ وغیرہ بنے تھے، پھر اس کا نتیجہ کیا ہوا؟ نتیجہ سرمایہ داری کا ظلم و ستم اور بے قیدی تھی، یہ طغیان ہر ضمانت اور ہر آزادی اور ہر جمہوری ادارے کو لے ڈوبا۔ اب یہ صرف چند اوہام و خرافات اور خیالات و نظریات کا مجموعہ رہ گئی، جمہوریت برائے نام تھی اکثریت ایک معمولی مالدار ظالم، باغی و طاغی طبقے کے ہاتھ میں آگئی، یہ طبقہ نہایت معمولی اقلیت میں تھا۔ مگر اس نے پیسے کے بل پر اکثریت کو ذلیل و خوار غلام بنا لیا۔ اب حالت یہ تھی کہ مال و دولت کے علاوہ ایک حقیر اقلیت کے ہاتھ میں صحافت، قانون، دستور، پارلیمانی اکثریت، خود ساختہ دستور، غرض سب کچھ آگیا، جسے عوام نے اپنی انسانیت، آزادی اور عزت و اکرام کا محافظ سمجھ لیا تھا، اللہ سبحانہ کا دامن چھوڑنے کا یہ نتیجہ نکلا۔

اشتراکیت کا ظہور

سرمایہ داری کے ظلم و ستم اور دھوکے فریب سے بچنے کے لیے لوگوں کا ایک فریق فردی آزادی کی تنظیم سے اجتماعی آزادی کی طرف بھاگا تاکہ دولت اور سرمائے اور سرمایہ دار حقیر اقلیت سے بچ سکے۔ مگر اس کا نتیجہ بھی کیا نکلا؟ یہ کہ سرمایہ داروں کے ہاتھوں سے نکل کر "مزدوروں اور کسانوں" کے نام نہاد طبقے کے ہاتھوں میں قید ہوگیا، گویا ان لوگوں نے خدا بدل لیے۔ پہلے خدا سرمایہ دار تھا، اب حکومت، پارٹی اور اجتماعی سرمایہ داری کے چنگل میں جا پھنسے۔ اب ایک ایسی حکومت ان پر مسلط ہوگئی جو دولت اور قانون کی طاقت، دونوں چیزوں کی مالک تھی۔ سرمایہ داری کے خلاف تو آواز اٹھائی جاسکتی تھی مگر اس اجتماعی سرمایہ داری نے فرد کی حیثیت کو ختم کر کے ہر آزادی کا گلا گھونٹ دیا، اجتماعی سرمایہ داری انفرادی سرمایہ داری سے زیادہ خطرناک، زیادہ طاقتور اور زیادہ ظالم نکلی۔

خود ساختہ خدا اور اصلی خدا

سرمایہ داری اور کمیونزم انسانوں کے خود ساختہ خدا ہیں۔ خود ساختہ نظام جو بھی ہوگا وہ لوگوں سے

Marfat.com

قربانی، مال، جسم وجان، غرض ہر چیز کا مطالبہ کرے گا مگر دے گا کچھ نہیں، غلامی اور عبودیت انسان کا نصیب ہے، اگر اصلی خدا کے آگے نہ جھکو گے تو اپنے ہاتھوں کے بنائے ہوئے خود ساختہ خداؤں کو سجدہ کرنا پڑے گا۔ اگر اصلی خدا کے آگے جھکو گے تو تمہاری عزت، انسانیت، آزادی، شرافت ہر شئ بچ جائے گی اور صرف ایک ان دیکھے خدا کو خدا ماننا پڑے گا، اصلی خدا کے سامنے نہ جھکو گے تو انسانیت و شرافت اور عزت بھی جائے گی اور بیشمار خود ساختہ خداؤں کے آگے سربسجود ہونا پڑے گا۔ غیر اللہ کی خدائی انسانیت، عزت، آزادی، فضیلت ہر چیز کو کھا جاتی ہے، اور آخر کار مال و دولت اور مادی مصلحتوں کو بھی چٹ کر جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی سچی رسالتوں اور سچی کتابوں میں الوہیت و عبودیت کے مسئلہ کو پہلی اور اصلی مقام اور اہمیت دی گئی ہے۔ یہ فضیلت بت پرستی انسان پرستی اور غیر اللہ کی پرستش کی کسی صورت میں نہیں پائی جاتی جو انسان کو خدا پرستی میں ملتی ہے۔ یہ مسئلہ ہر زمان و مکان کا مسئلہ رہا ہے۔ قبل از اسلام کی جاہلیتوں میں بھی اور بیسویں صدی مسیحی کی جاہلیتوں میں بھی اس مسئلے کی اہمیت واضح ہے۔ انسان کا دراصل پہلا اور اصلی مسئلہ یہی ہے۔

رسالت وکتب الٰہیہ کا اصل مسئلہ

یہی وجہ ہے کہ رسالتوں اور آسمانی کتابوں کا جوہر یہ رہا ہے کہ ایک اللہ وحدہٗ کی الوہیت کو قائم کیا جائے اور بندوں پر اُسی کی ربوبیت کا بول بالا ہو:

"اور ہم نے کوئی رسول نہ بھیجا مگر اس کی طرف یہ وحی کی کہ میرے سوا کوئی الٰہ نہیں ہے پس تم میری ہی عبادت کرو۔"

اور اس سورت کے خاتمے پر بھی یہی اعلان کیا گیا ہے کہ:

"کہو کہ اے انسانو! اگر تم میرے دین کے بارے میں شک میں ہو تو میں ان لوگوں کی عبادت نہیں کرتا جن کی تم کرتے ہو اللہ کے سوا۔ بلکہ میں اس اللہ کی ہی عبادت کرتا ہوں جو تمہاری زندگی، موت کا مالک ہے، اور مجھے حکم ہوا ہے کہ مومنوں میں سے ہو جاؤں اور یہ کہ تو یکسو ہو کر اپنا رُخ دین کی طرف قائم کر، اور تو مشرکوں میں سے ہرگز نہ ہو اور تو مت پکار اللہ کے سوا ان کو جو تیرے نفع و نقصان کے مالک نہیں ہیں، اگر تو نے ایسا کیا تب تو ظالموں میں سے ہو گا۔ اور اگر اللہ تجھ کو کوئی نقصان پہنچائے تو اس کے سوا اُسے دور کرنے والا کوئی نہیں اور اگر وہ تیری بھلائی کا ارادہ کرے تو کوئی اس کے فضل کو رد کرنے والا نہیں، وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے فضل پہنچاتا ہے اور وہ غفور و رحیم ہے، تو کہہ کہ اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے حق آ گیا ہے۔ پس جو ہدایت پائے تو وہ اپنے لیے ہدایت پائے گا، اور جو گمراہ ہو جائے وہ اپنے اوپر گمراہ ہو گا، اور میں تم پر کارساز نہیں۔ اور تو پیچھے چل اُس وحی کے جو تیری طرف بھیجی گئی اور صبر کر حتیٰ کہ اللہ فیصلہ کرے اور وہ بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔"

Marfat.com

اب ہم سورت کی مفصل تفسیر کی طرف توجہ کرتے ہیں۔

سورۃ یونس مکی ہے اور اس کی آیات : ۱۰۹ ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓرٰ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ﴿۱﴾ اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَآ
اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَهُمْ
قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ قَالَ الْكٰفِرُوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ
مُّبِيْنٌ ﴿۲﴾ اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ
سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ ؕ مَا مِنْ شَفِيْعٍ
اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِهٖ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۳﴾
اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا ؕ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ اِنَّهٗ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ
لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ بِالْقِسْطِ ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ
شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ﴿۴﴾ هُوَ الَّذِيْ
جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا وَّقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ
السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ ؕ مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ ۚ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ
لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۵﴾ اِنَّ فِي اخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ
فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَّقُوْنَ ﴿۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا
يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا وَرَضُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاطْمَاَنُّوْا بِهَا وَالَّذِيْنَ هُمْ
عَنْ اٰيٰتِنَا غٰفِلُوْنَ ﴿۷﴾ اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۸﴾
اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ يَهْدِيْهِمْ رَبُّهُمْ بِاِيْمَانِهِمْ ۚ

Marfat.com

تَجْرِي مِن تَحْتِهِمُ الْأَنْهَارُ فِي جَنَّاتِ النَّعِيمِ ﴿۹﴾ دَعْوَاهُمْ فِيهَا
سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمْ فِيهَا سَلَامٌ ۚ وَآخِرُ دَعْوَاهُمْ أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ
رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۱۰﴾ وَلَوْ يُعَجِّلُ اللَّهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُم بِالْخَيْرِ
لَقُضِيَ إِلَيْهِمْ أَجَلُهُمْ ۖ فَنَذَرُ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا فِي طُغْيَانِهِمْ
يَعْمَهُونَ ﴿۱۱﴾ وَإِذَا مَسَّ الْإِنسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنبِهِ أَوْ قَاعِدًا أَوْ
قَائِمًا فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهُ مَرَّ كَأَن لَّمْ يَدْعُنَا إِلَىٰ ضُرٍّ مَّسَّهُ ۚ
كَذَٰلِكَ زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِينَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۲﴾ وَلَقَدْ أَهْلَكْنَا الْقُرُونَ
مِن قَبْلِكُمْ لَمَّا ظَلَمُوا ۙ وَجَاءَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ وَمَا كَانُوا
لِيُؤْمِنُوا ۚ كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِينَ ﴿۱۳﴾ ثُمَّ جَعَلْنَاكُمْ خَلَائِفَ
فِي الْأَرْضِ مِن بَعْدِهِمْ لِنَنظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ ﴿۱۴﴾ وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ
آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ ۙ قَالَ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا ائْتِ بِقُرْآنٍ غَيْرِ هَٰذَا
أَوْ بَدِّلْهُ ۚ قُلْ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أُبَدِّلَهُ مِن تِلْقَاءِ نَفْسِي ۖ إِنْ
أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ ۖ إِنِّي أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ رَبِّي عَذَابَ يَوْمٍ
عَظِيمٍ ﴿۱۵﴾ قُل لَّوْ شَاءَ اللَّهُ مَا تَلَوْتُهُ عَلَيْكُمْ وَلَا أَدْرَاكُم بِهِ ۖ فَقَدْ
لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّن قَبْلِهِ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿۱۶﴾ فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ
افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَوْ كَذَّبَ بِآيَاتِهِ ۚ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الْمُجْرِمُونَ ﴿۱۷﴾ وَ
يَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنفَعُهُمْ وَيَقُولُونَ هَٰؤُلَاءِ
شُفَعَاؤُنَا عِندَ اللَّهِ ۚ قُلْ أَتُنَبِّئُونَ اللَّهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمَاوَاتِ وَ
لَا فِي الْأَرْضِ ۚ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿۱۸﴾ وَمَا كَانَ النَّاسُ إِلَّا

Marfat.com

أُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا ۭ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ
بَيْنَهُمْ فِيْمَا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَيَقُوْلُوْنَ لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ
مِّنْ رَّبِّهٖ ۚ فَقُلْ اِنَّمَا الْغَيْبُ لِلّٰهِ فَانْتَظِرُوْا ۚ اِنِّىْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴿۲۰﴾
وَاِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً مِّنْۢ بَعْدِ ضَرَّاۗءَ مَسَّتْهُمْ اِذَا لَهُمْ مَّكْرٌ فِيْٓ
اٰيَاتِنَا ۭ قُلِ اللّٰهُ اَسْرَعُ مَكْرًا ۭ اِنَّ رُسُلَنَا يَكْتُبُوْنَ مَا تَمْكُرُوْنَ ﴿۲۱﴾ هُوَ
الَّذِيْ يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۭ حَتّٰٓي اِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلْكِ ۚ وَجَرَيْنَ بِهِمْ
بِرِيْحٍ طَيِّبَةٍ وَّفَرِحُوْا بِهَا جَاۗءَتْهَا رِيْحٌ عَاصِفٌ وَّجَاۗءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ
كُلِّ مَكَانٍ وَّظَنُّوْٓا اَنَّھُمْ اُحِيْطَ بِهِمْ ۙ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ڬ
لَىِٕنْ اَنْجَيْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۲۲﴾ فَلَمَّآ اَنْجٰىهُمْ اِذَا هُمْ
يَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۭ يٰٓاَيُّھَا النَّاسُ اِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلٰٓي اَنْفُسِكُمْ ۙ
مَّتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۡ ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُكُمْ فَنُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۳﴾
اِنَّمَا مَثَلُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَاۗءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَاۗءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ
الْاَرْضِ مِمَّا يَاْكُلُ النَّاسُ وَالْاَنْعَامُ ۭ حَتّٰٓي اِذَآ اَخَذَتِ الْاَرْضُ زُخْرُفَهَا
وَازَّيَّنَتْ وَظَنَّ اَهْلُهَآ اَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَيْهَآ ۙ اَتٰىهَآ اَمْرُنَا لَيْلًا اَوْ
نَهَارًا فَجَعَلْنٰهَا حَصِيْدًا كَاَنْ لَّمْ تَغْنَ بِالْاَمْسِ ۭ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ
لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ ۭ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ
اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۲۵﴾

(ترجمہ) الف لام را، یہ کتاب حکیم کی آیات ہیں (۱) کیا یہ لوگوں کے لیے عجیب بات ہے کہ ہم نے
ان میں سے ایک مرد پر وحی بھیجی کہ تو لوگوں کو خبردار کر اور ایمانداروں کو بشارت دے کہ

ان کے لیے ان کے رب کے ہاں سچائی کا درجہ ہے، کافروں نے کہا کہ بلاشبہ یہ ضرور ہی کھلا جادو ہے (۲) بیشک تمہارا رب وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا، پھر وہ متمکن ہوا عرش پر، وہ امر کی تدبیر کرتا ہے، کوئی بھی سفارشی نہیں مگر اس کے اذن کے بعد، وہی ہے تمہارا رب سو تم اُسی کی عبادت کرو، کیا تم نصیحت نہیں پاتے ہو؟ (۳) تم سب کی واپسی اسی کی طرف ہے، اللہ نے سچا وعدہ کیا ہے، بلاشبہ وہ تخلیق کی ابتدار کرتا ہے اور پھر اُسے لوٹائے گا، تاکہ ایمان والوں اور نیک عمل کرنے والوں کو انصاف کا پُورا بدلہ دے اور جو لوگ کافر ہوئے ان کے لیے مشروب ہے، گرم پانی کا اور ان کے کفر کے باعث دردناک سزا ہے (۴) وہ وہی ہے جس نے سورج کو ضیاء بنایا اور چاند کو نُور، اور اس کی منزلیں ٹھہرائیں تاکہ تم سالوں کی گنتی اور حساب کو جان لو، اللہ نے یہ حق کے ساتھ ہی پیدا کیا ہے، وہ جاننے والوں کے لیئے کھول کر آیات بیان کرتا ہے (۵) بلاشبہ رات اور دن کے اختلاف میں اور جو کچھ اللہ نے آسمانوں اور زمین میں پیدا کیا ہے، اس میں خدا سے ڈرنے والوں کے لیئے دلائل ہیں (۶) یقیناً جو لوگ ہماری ملاقات کی امید نہیں رکھتے اور دنیوی زندگی پر راضی ہو گئے اور اس پر مطمئن ہو گئے، اور وہ لوگ جو ہماری آیات سے غافل ہیں (۷) ان کے کسب کی بناء پر ان کا ٹھکانہ جہنم ہے (۸) بلاشبہ وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیئے، ان کا رب ان کے ایمان کے باعث ان کی رہنمائی کرے گا۔ ان کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی نعمتوں کی جنتوں میں (۹) ان میں ان کی دعا سبحانک اللّٰھم ہوگی اور ان کی تحیۃ اس میں سلام ہوگی۔ اور ان کی آخری دعا یہ ہوگی: الحمد للہ رب العٰلمین (۱۰) اور اگر اللہ انسانوں کو برائی کا بدلہ دینے میں جلدی کرے، جس طرح کہ وہ بھلائی مانگنے میں جلدی کرتے ہیں، تو ان کی مدت تمام کر دی جاتے۔ پھر چھوڑ دیں ہم ان کو جو ہماری ملاقات کی امید نہیں رکھتے کہ وہ اپنی سرکشی میں سرگرداں ہو جائیں (۱۱) اور جب انسان کو ضرر پہنچا ہے تو وہ اپنے پہلو پر یا بیٹھ کر یا کھڑا ہو کر ہمیں پکارتا ہے، پھر جب اس کا ضرر اس سے دُور کر دیں تو وہ یوں چلا جاتا ہے کہ گویا اس نے ہمیں کسی ضرر کے وقت نہیں پکارا جو اس کو پہنچا تھا، یوُں حد سے گزرنے والوں کے لیے ان کے اعمال مزین کر دیئے گئے ہیں (۱۲) اور بلاشبہ ہم نے تم سے پہلے کئی قوموں کو ہلاک کیا جب انہوں نے ظلم کیا، اور ان کے پاس ان کے رسول کھلے دلائل لے کر آئے۔ اور وہ ایمان لانے والے نہ تھے، اس طرح ہم مجرم قوم کو جزاء دیتے ہیں (۱۳) پھر ہم نے تم کو ان کے بعد زمین کا حاکم بنایا تاکہ دیکھیں تم کیسے عمل کرتے ہو (۱۴) اور جب ان پر ہماری واضح آیات پڑھی جاتی ہیں تو ہماری ملاقات کی امید نہ رکھنے والے کہتے ہیں اس کے علاوہ کوئی اور قرآن لاؤ یا اسی کو ہی بدل دو، تُو کہہ کہ یہ مجھ سے نہیں ہو سکتا

کر دیں اس کو اپنی طرف سے بدل دوں، میں تو صرف اس وحی کے پیچھے چلتا ہوں جو مجھ پر
آتی ہے، اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو مجھ کو بڑے دن کے عذاب کا خوف
ہے (۱۵) کہو کہ اللہ اگر چاہتا تو میں اس کو تم پر نہ پڑھتا یعنی قرآن کو، اور نہ تم
کو اس کی خبر دیتا، پس اس سے پہلے میں تم میں ایک عمر گزار چکا ہوں، کیا تم عقل سے
کام نہیں لیتے ہو؟ (۱۶) سو اس سے بڑا ظالم اور کون ہے جو اللہ پر جھوٹا بہتان لگائے
یا اس کی آیات کی تکذیب کرے؟ بلاشبہ مجرم فلاح نہیں پاتے (۱۷) اور وہ اللہ
کے سوا ان کی عبادت کرتے ہیں۔ جو ان کو نقصان نہیں پہنچاتے نہ نفع دیتے ہیں،
اور کہتے ہیں: یہ اللہ کے پاس ہمارے سفارشی ہیں۔ کہو کہ کیا تم اللہ کو آگاہ کرتے ہو
اس چیز سے جس کا اس کو آسمانوں میں علم نہیں اور نہ زمین میں (کیونکہ وہ چیز معدوم ہے)
وہ پاک ہے اور بلند ہے ان چیزوں سے جن کو وہ شریک بناتے ہیں (۱۸) اور لوگ
نہیں تھے مگر ایک ہی امت پھر ان کا اختلاف ہوا، اور اگر نہ ہوتی ایک بات جو گزر چکی ہے
تیرے رب کی طرف سے تو ان میں فیصلہ ہو جاتا ان چیزوں کا جن میں وہ اختلاف کرتے
ہیں (۱۹) اور وہ کہتے ہیں کہ کیوں نہ اتاری گئی اس پر کوئی آیت (معجزہ) اس کے رب کی طرف
سے؟ سو تو کہہ کہ غیب تو صرف اللہ ہی کے لیے ہے، لہٰذا تم انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ
انتظار کرنے والوں میں سے ہوں (۲۰) اور جب ہم لوگوں کو رحمت چکھائیں اس مصیبت کے
بعد جو انہیں پہنچے تو وہ ہماری آیات میں خفیہ سازش کرتے ہیں، کہو کہ اللہ کی خفیہ تدبیر
زیادہ تیز ہے، بلاشبہ ہمارے بھیجے ہوئے تمہاری خفیہ تدبیروں کو لکھتے ہیں (۲۱)
وہ وہی ہے جو تم کو خشکی اور تری میں چلاتا ہے، حتیٰ کہ جب تم جہازوں میں ہوتے ہو، اور
سواروں کو لے کر وہ موافق خوشگوار ہوا کے ساتھ چلتی ہیں اور وہ ان پر خوش ہوتے ہیں
تو ان پر تیز آندھی آجاتی ہے اور ان پر ہر طرف سے لہر آتی ہے، اور وہ گمان (یقین) کرتے
ہیں کہ ان کو گھیر لیا گیا، تو وہ اللہ کو پکارتے ہیں، عبادت کو اس کے لیئے خالص کر کے، اگر تو
ہمیں اس سے نجات دے دے تو ہم بالضرور شکر گزار ہو جائیں گے (۲۲) پھر جب ان کو
نجات دے دی تو اس وقت وہ زمین میں ناحق بغاوت کرتے ہیں۔ اے انسانو! تمہاری
بغاوت تمہاری اپنی جانوں پر ہے، دنیوی زندگی کا سامان، پھر ہماری ہی طرف سے تمہاری
واپسی، پس ہم تم کو بتائیں گے جو کچھ تم کیا کرتے تھے (۲۳) بلاشبہ دنیوی زندگی کی
مثال اس پانی کی مانند ہے جس کو ہم نے اوپر سے اتارا، پس مل جل گئی اس کے ساتھ انگوری
زمین کی، جسے انسان اور چارپائے کھاتے ہیں، حتیٰ کہ جب زمین نے اپنی رونق پکڑ لی،
اور وہ مزین ہو گئی، اور زمین والوں نے سمجھا کہ وہ اس پر قادر ہیں، تو رات کو یا دن کو اس
پر ہمارا حکم آگیا، تو ہم نے اس کو ختم کر ڈالا گویا کہ وہ کل تھی ہی نہیں، اسی طرح ہم مفصل
بیان کرتے ہیں آیتیں غور و فکر کرنے والے لوگوں کے لیئے (۲۴) اور اللہ سلامتی کے

گھر کی طرف بلاتا ہے اور جسے چاہے سیدھی راہ کی طرف ہدایت دیتا ہے (۲۵)۔

یہ سورت ایک وحدت ہے!

ہم اوپر تمہید میں بتا چکے ہیں کہ یہ ساری سورت ایک وحدت ہے، اس کو ٹکڑوں میں تقسیم کرنا مشکل ہے۔ اس معاملے میں اس کا حال سورۃ الانعام کی مانند ہے جس پر ساتویں پارہ میں گفتگو ہو چکی ہے۔ ہر سورت کی اپنی ایک شخصیت اور خاص علامت ہوتی ہے۔ پس یہ سورت پے در پے لہروں کی مانند اٹھتی ہے۔ انسانی دل پر اپنے اشاراتی مؤثرات کے ساتھ گرتی ہے اور اس کو قسم قسم کی ٹھوکروں کے ساتھ مخاطب کرتی ہے، مشرکوں پر تعجب کا اظہار کرتی ہے کہ انہوں نے وحی الٰہی اور قرآن کا استقبال کیسے کیا ہے۔ پھر وہ کائناتی نظارے پیش کرتی ہے، جن میں اللہ سبحانہ کی الوہیت اجاگر ہوتی ہے، پھر قیامت کے نظارے سامنے لاتی ہے۔ پھر انسانوں پر گزرنے والے حوادث و واقعات پر انسانوں کے احوال پیش کرتی ہے اور وہ تمام مومنات و مؤثرات بیان کرتی ہے جس کا ذکر اوپر مقدمہ میں گزر چکا ہے، اور اگر ہم اس سورت و الگ الگ حصوں میں بانٹیں تو اس کے نصف اول سے بھی زیادہ حصہ ایک مقطع شمار ہوگا جس میں سے یہ موجیں پے درپے اٹھتی ہیں۔

پھر نوح علیہ السلام کا قصہ آتا ہے اور موسیٰ علیہ السلام کا مختصر واقعہ اور یونس علیہ السلام کے قصے کی طرف اشارہ، یہ سب مل کر دوسرا مقطع بناتے ہیں، تیسرے مقطع میں آخری مؤثرات ہیں، ہم اس سورت کو اسی ترتیب سے پیش کریں گے۔

مجمل تفسیر

یہ پہلا درس جو پیش نظر ہے، تین حروف کے ساتھ: الف، لام، را شروع ہوا ہے جیسا کہ سورۃ البقرہ، آل عمران اور الاعراف کچھ حروف سے شروع ہوئی ہیں اور ان کی تفسیر میں ہم نے وہ قول بیان کیا ہے، جس کو ہم نے اختیار کیا ہے، اور یہ الٓر (الف لام را) مبتدا ہے جس کی خبر ہے: تلك آیات الكتب الحكيم ہ اس خبر میں کتاب کا وصف حکیم آیا ہے لہٰذا اس کے بعد کئی چیزیں بیان فرمائی گئی ہیں جن میں حکمت واضح ہے، مثلاً: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف وحی کا بھیجا جانا تاکہ آپ دو کام کریں: بشارت اور نذارت۔ فرمایا ہے کہ نذیر تو آپ تمام انسانوں کے لیے ہیں، اور بشیر اہل ایمان کے لیے ہیں۔ معترضین نے اعتراض کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ بشر کی طرف وحی کیوں بھیجتا ہے۔ پس یہاں اس کا جواب دیا گیا ہے، پھر آسمان و زمین کی پیدائش کا اور ان دونوں میں تدبیر امر" کا ذکر ہے۔ پھر سورج کو ضیار اور چاند کو نور بنانے کا بیان ہے۔ اور فرمایا ہے کہ ہم نے سالوں کی گنتی اور حساب کی خاطر تمہارے لیے چاند کی منزلیں ٹھہرائی ہیں، پھر شب و روز کا اختلاف اور اس کی حکمت و تدبیر کا ذکر ہے، ان کائناتی آیات کو پیش کر کے پھر ان سے غفلت اختیار کرنے

Marfat.com

والوں کی طرف رجوع فرمایا ہے، یہ لوگ ہر چیز کے مدبر خدا سے ملنے کے منکر ہیں۔ ان غافلوں کا برا انجام بیان فرمایا گیا ہے۔ اور دوسری طرف ان چیزوں کا ذکر ہے جو مومنوں کے انتظار میں ہیں یعنی دائمی نعمت۔ اور بتایا ہے کہ ایک وعدے کے دن کے مقرر فرمائے جانے کا راز کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کے لیے شر میں جلدی نہیں کرتا جس طرح کہ وہ خیر میں جلدی کرتے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ ایسا کرے تو ان کی مہلت ختم ہو جائے اور مہلت کے بغیر ان کو گناہوں کے سبب گرفت میں لے لیا جائے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے انسانی طبیعت کا حال بیان فرمایا ہے کہ خیر و شر کے آنے میں انسان کا عجیب حال ہے، مصیبت ہو تو عاجزی کرتے ہیں اور وہ نہ رہے تو پھر خدا کو بھول جاتے ہیں، منہ پھیر کر چل دیتے ہیں اور پہلی حالت کو بالکل بھلا دیتے ہیں۔ پھر فرمایا ہے کہ ان لوگوں نے گزشتہ قوموں کے حال کی طرف کوئی توجہ نہیں کی اور اپنی حالت کو تبدیل نہیں کیا۔ پہلی قوموں کا بھی یہی حال تھا۔ اور پھر وہ اس راہ پر چل کر اپنے انجام کو پہنچ گئیں۔

ہٹ دھرمی اور تجاہل عارفانہ

عربوں کو، جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعوتِ اسلام دے رہے تھے۔ گذشتہ اقوام و ملل کا انجام معلوم تھا، اس کے باوجود وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ مطالبہ کرتے تھے کہ آپ ان کی خاطر اس قرآن کے بجائے کوئی اور قرآن لائیں جس میں ان کی تائید ہو یا کم از کم ان کے شرک و کفر کا رد نہ ہو! یا پھر آپ اس کے بعض حصے بدل دیں۔

وہ احمق یہ نہ سوچتے تھے کہ قرآن اللہ کی کتاب ہے، اسی نے نازل کیا ہے، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ اس کا کسی اور قرآن کے ساتھ تبادلہ کر سکتے ہیں، نہ اس میں تبدیلی کرنے کے مجاز ہیں، اس کی ایک ثابت شدہ حکمت ہے اور یہ کسی تبدیلی کو قبول نہیں کر سکتا۔ وہ بلا دلیل بے جان مورتیوں کی پوجا کرتے ہیں، جن میں نفع و نقصان کی کوئی طاقت نہیں ہے وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کو ترک کرتے ہیں حالانکہ اس کی دلیل وحی الٰہی ہے، پھر وہ معجزات طلب کرتے ہیں اور یہ نہیں دیکھتے کہ قرآن سب سے بڑا اور لاجواب اور دائمی معجزہ ہے، وہ کائنات کے اندر اللہ تعالیٰ کے بیشمار معجزات کی طرف آنکھیں نہیں اٹھاتے۔

انسانی طبیعت کی کمزوری

خیر و شر کے سلسلے میں انسانی طبیعت کو یوں بیان فرمایا گیا ہے کہ ان دونوں کے حصول کے وقت اس کا کیا حال ہوتا ہے۔ جب وہ سمندر پر سوار ہوں، ہوا ساز گار ہو اور کشتی بآسانی چلتی ہو تو خوش ہوتے ہیں، طوفان آجاتے، ہوا مخالف ہو جائے، سمندر طوفانی ہو جائے، تو پھر ان کو کس طرح مایوسی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے کس عاجزی کے ساتھ دعائیں کرتے ہیں، کیا کیا وعدے کرتے ہیں، مگر سمندر سے باہر نکل کر اس پہلی ڈگر پر چلنے لگتے ہیں۔

Marfat.com

دنیوی زندگی کی مثال

اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں دنیوی زندگی کی مثال کا ایک مشہد پیش کیا ہے۔ یہ زندگی بڑی چمکدار اور دلچسپ ہے، مگر یہ سب کچھ ایک لمحے میں بجھ کر رہ جاتا ہے جب کہ اہلِ دنیا اس کی زینت اور خوبصورتی میں منہمک ہوتے ہیں، انہیں خوفناک انجام کا کوئی خیال تک نہیں ہوتا، اللہ تعالیٰ دار السلام، دار الامن، دار الاطمینان کی طرف بلاتا ہے، جس گھر سے محروم ہونے اور اس میں داخل ہو کر باہر نکلے جانے کا کوئی خوف نہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی حکمت و مصلحت کا کچھ نہ کچھ حصہ غور و فکر کرنے والوں کو دکھاتا اور سمجھاتا رہتا ہے۔

حروفِ مقطعات

الف۔ لام۔ را۔ اور اس قسم کے اور حروف سے کتاب اللہ مرکب ہے، رب العالمین کا کلام ازلی و ابدی ہونے کے باوجود اس ذاتِ کریم نے اس کو بندوں کے لیے آسان بنایا ہے، تاکہ وہ اس کو پڑھیں، غور و فکر کریں اور عمل کریں۔ کافر اس بات سے انکار کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی یہ کتاب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نہیں اتاری (معاذ اللہ) اور یہ حروف ان کی گرفت میں ہیں۔ ان کا اپنا کلام اس قسم کے حروف سے مرکب ہوتا ہے۔ اور کلام خداوندی کا یہ بھی ایک اعجاز ہے کہ لوگ اس کتاب جیسی ایک آیت بھی تالیف نہیں کر سکتے۔ یہ تحدی اس سورت میں بھی موجود ہے (اور سورۂ البقرہ میں بھی ہے) پھر بھی یہ حقیقت انہیں ایمان پر آمادہ نہیں کر سکتی، نہ وہ یہ جان سکتے ہیں کہ ان کے اور رسول ؐ کے درمیان فاصلہ وحی کا ہے اور اگر یہ وحی نہ ہوتی تو پیغمبر ؐ بھی اس کلام کو پیش کرنے سے عاجز ہوتا، ایک آیت تک نہ لا سکتا، حالانکہ یہ حروف ہر آدمی کے استعمال میں ہیں اور ہر ایک کا اپنا کلام، الٰہی حروف سے مرکب ہوتا ہے۔

کتابِ حکیم

قرآن کو کتابِ حکیم فرمایا گیا ہے کیونکہ یہ حکیم مطلق کا کلام ہے جو انسانوں کے ساتھ ان کی مصلحت اور ضرورت کے مطابق بات کرتا ہے۔ وہ انسانی طبائع سے پوری طرح آشنا ہے اور اس سورت میں ان کے کئی پہلو اطراف و جوانب پیش فرماتا ہے، جس کا مصداق ہم کو ہر نسل اور ہر زمانے میں مل سکتا ہے اور اللہ تعالیٰ وہ خدائے حکیم ہے جو غافلوں کو تنبیہ فرماتا ہے کہ وہ کائنات کے صفحے پر لکھی ہوئی آیاتِ قدرت کا مطالعہ کریں۔ آسمان و زمین، شمس و قمر اور گذشتہ قوموں کے انجام پر غور کریں، رسولوں کے واقعات کو پڑھیں اور وجودِ کائنات میں اللہ تعالیٰ کی ظاہری و مخفی قدرت کے دلائل پر غور و فکر کریں۔

Marfat.com

کیا یہ حیرانی کی بات ہے؟

آیت : ۲ میں فرمایا گیا ہے کہ :

"کیا یہ انسانوں کے لیے تعجب کی بات ہے کہ ہم نے ان میں سے ایک مرد پر وحی بھیجی کہ لوگوں کو خبردار کر، اور ایمان والوں کو بشارت دے کہ ان کے لیے صدق کا درجہ ہے ان کے رب کے پاس، کافروں نے کہا کہ بلاشبہ یہ کھلا جادوگر ہے۔"

یہ سوال استفہام انکاری ہے جو اس تعجب پر انکار کرتا ہے جو شروع سے لوگوں کو وحی کی حقیقت کے بارے میں ہوتا رہا ہے، ہر رسولؐ کا مقابلہ جس سوال کے ساتھ کیا جاتا رہا ہے وہ یہ تھا کہ: کیا اللہ تعالیٰ نے بشر کو رسولؐ بنا کر بھیجا ہے؟ اور یہ سوال اس لیے پیدا ہوا کہ لوگوں نے انسان کی قدر و قیمت کو نہیں پہچانا انہوں نے انسان کو اس سے کم تر جانا کہ وہ خدا کا رسولؐ ہو سکے! اور یہ کہ وہ اللہ تک پہنچ سکے اور اللہ وحی کے ذریعے سے اس کے ساتھ مل سکے! انسانوں نے خود بھی اپنی قدر و قیمت کو نہ پایا ورنہ وہ بشر کی رسالت کو بعید نہ جانتے، اور یہ نہ کہتے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت کا ذریعہ انسان کو کیسے بنا دیا ہے؟ وہ تو اس انتظار میں تھے کہ اللہ تعالیٰ کسی فرشتے کو رسول بناتا، یا پھر کسی ایسی مخلوق کو جو ان کے نزدیک انسان سے بلند مرتبہ ہوتی۔ انہوں نے یہ نہ دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے اسی مخلوق کو تکریم والا بنایا ہے اور اسی کو خلیفہ ٹھہرایا ہے۔ پس اس کی تکریم کا تقاضا یہی تھا کہ وہ اسی مخلوق کو اپنی رسالت سونپتا اور اسی کے افراد میں سے ایسے بندوں کو چنتا جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ یہ خاص اتصال رکھتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اور آنجنابؐ سے پہلے رسولوں کے زمانے میں مکذبین کا یہی شبہ تھا، مگر آج کل کے جدید دور میں بعض لوگ اپنے دل سے ایک نیا شبہ اٹھاتے ہیں جو حماقت میں گزشتہ شبہے سے بھی زیادہ ہے، وہ کہتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ جو خالق کائنات ہے، ساری مخلوقات سے بلند تر ہے، ایک مادی مخلوق کے ساتھ یہ اتصال وحی کام کیسے رکھ سکتا ہے؟ اس کی مانند تو کوئی چیز نہیں ہے، یہ ایک ایسا سوال ہے جو صرف ایسے انسان کی زبان سے زیب دیتا تھا، جو اللہ تعالیٰ کی حقیقت اور اس کی ذاتِ والا صفات کی گہرائی کو پا چکا ہو، اور دوسری طرف انسانی فطرت کی گہرائی کو بھی جانتا ہو، اس کے خصائص کی حقیقت کو سمجھتا ہو۔ اور یہ دعویٰ کوئی ایسا شخص نہیں کر سکتا جو اپنی عقل کا احترام کرتا ہو، عقل کی حدود کو جانتا ہو، بلکہ یہ بھی اچھی طرح جانتا ہو کہ انسانی عقل مادی طور پر جس طرح نت نئے انکشافات کرتی ہے اسی طرح اس میں اتنی روحانی بلندی بھی پیدا ہو سکتی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ متصل ہو سکے، اس کی وحی اور پیغام کو اخذ کر سکے، انسان کے ادراکات کا تو یہ حال ہے کہ اس نے ابھی اپنی عقل و فکر کی مادی بلندیوں کی رسائی کو بھی معلوم نہیں کیا، چہ جائیکہ روحانی پرواز کو معلوم کر سکتا۔ انسانی علم و عقل کے سامنے ہمیشہ کی مانند ابھی بہت سے مجہول آفاق موجود ہیں اور مستقبل میں بھی رہیں گے۔

Marfat.com

انسان کی گہرائیاں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا

معلوم ہوا کہ انسان کے اندر بہت سی ایسی تہیں موجود ہیں، جنہیں ابھی تک اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتا تھا کہ اپنی رسالت کہاں بھیجے۔ اسی نے اس کام کے لیے اس تمدن انسان کو چنا، جس میں وحی رسالت کے تحمل کی طاقت موجود تھی! ہو سکتا ہے کہ یہ طاقت خود انسان سے پوشیدہ رہے، بلکہ صاحب رسالت پر بھی رسالت سے قبل نامعلوم رہے، لیکن اللہ تعالیٰ جس نے انسان کے اندر اپنی خاص روح پھونکی تھی اس کو خوب معلوم تھا کہ انسان کا ہر خلیہ اور اس کے باطن کا ہر حصہ کیا کچھ قابلیت رکھتا ہے، اسی طرح وہ اپنی ہر مخلوق کی گہرائی کو جانتا: **الا یعلم من خلق** مخلوق کو اس کا خالق ہی خوب جانتا ہے! وہی یہ کر سکتا تھا کہ انسان میں یہ خاص اتصال پیدا کر دے اور اس کی کیفیت اور ذوق کو صرف وہی جانے جس میں یہ خاصیت رکھی گئی ہو۔

کیا سائنس سے وحی کا اثبات ممکن ہے!

جدید مفسرین کی ایک جماعت نے کوشش کی ہے کہ وحی کو ذہنوں کے قریب کرنے کے لیے اس کا اثبات سائنس کے ساتھ کیا جائے۔ ہم بنیادی طور پر اس طریق استدلال کو نہیں مانتے۔ سائنس کا اپنا ایک میدان ہے، جس میں مادیات سے بحث کی جاتی ہے، اس کا تعلق تجربے اور آلات کے ساتھ ہے جن کے ذریعے سے سائنس اپنے آفاق میں پوشیدگیوں کو کھولتی ہے۔ اور اس سے بحث کرتی ہے، اس کا یہ دعویٰ ہے ہی نہیں کہ اس نے روح کے متعلق کوئی حقیقی چیز جان لی ہے، پس روح اور روحانی جہان سائنس کی گرفت اور موضوع سے باہر ہے، اور جن چیزوں کا نام آج کل "روحانی علوم" رکھا جاتا ہے، وہ وہم و خرافات اور شکوک و شبہات کا مجموعہ ہیں (ان میں سے بعض کا واضح تعلق شیاطین اور جنوں کے ساتھ ہے اور خود ان کا شغف رکھنے والے یہی کہتے ہیں!) روحانی میدان میں یقینی طور پر اگر کچھ کہا جا سکتا ہے تو وہی ہے جو اس میدان کے یقینی ذرائع یعنی کتاب و سنت نے بتایا ہے۔ باقی سب وہم و گمان ہے، یہی دو ذریعے محفوظ اور ہر لحاظ سے لائق اعتماد بھی ہیں۔ عقل کا اس میدان میں دخل نہیں ہے کیونکہ اس میدان کے آلات و ذرائع اس کے پاس نہیں ہیں۔

وحی کے پیغام کا خلاصہ

یہ خلاصہ اس آیت زیر بحث میں بیان کر دیا گیا ہے کہ:

"کیا لوگوں کے لیے یہ حیرانی کی بات ہے کہ ہم نے انہی میں سے ایک مرد پر وحی بھیجی کہ تو لوگوں کو خبردار کر دے اور اہل ایمان کو بشارت دے کہ ان کے لیے ان کے رب کے ہاں سچائی کی ثابت قدمی ہے، کافروں نے کہا کہ بلاشبہ یہ کھلا کھلا جادوگر ہے"

پس اس آیت کی رو سے وحی کے پیغام کا خلاصہ تبشیر و انذار ہے۔ اہل ایمان کو اچھے انجام کی بشارت

Marfat.com

اور اہلِ کفر اور دیگر تمام انسانوں کے لیے بُرے انجام سے خبردار کرنا ہے۔ یہ خلاصہ اوامر و نواہی پر مشتمل ہے۔ اوامر ان تکالیف شرعیہ کے جن کا اتباع واجب ہے اور نواہی ان محرمات سے جن سے اجتناب ضروری ہے۔ اجمالی طور پر تبشیر و انذار کے یہی تقاضے ہیں۔ انذار کا تعلق اس آیت کی رُو سے تمام انسانوں کے ساتھ ہے۔ کیونکہ تمام ہی انسان تبلیغ و بیان اور تحذیر کی حاجت رکھتے ہیں، اور بشارت صرف ایمانداروں کے لیئے ہے۔ جو اطمینان، ثابت قدمی اور استقرار سے تعلق رکھتی ہے۔

ثابت قدمی اور مضبوطی

یہ معانی جو ہم نے اُوپر بیان کئے ہیں، ان کی طرف لفظِ صدق نے اشارہ کیا ہے، جو قدم کا مضاف الیہ ہے، اور انذار اور تخویف کی فضا میں وارد ہوا ہے۔ قدم صدق سے مراد وہ قدم ہے جو ثابت ہو، مضبوط ہو، راسخ ہو، پُراعتماد ہو، ڈگمگانے، اضطراب اور تردد سے محفوظ ہو۔ خوف و انذار اور تنگی کے مواقع پر اس میں یہی صفات پائی جائیں۔ اور قدم صدق عند ربھم کا یہ مطلب ہے کہ حضورِ خداوندی میں جب کہ دلوں کے اضطراب اور قدموں کے ڈگمگانے کا وقت ہوگا، اس وقت مومن دل مطمئن ہوں گے۔

وحی کے اِلیٰ رَجُلٍ مِّنْھُمْ آنے کی مصلحت

اس کی حکمت بالکل واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے "ان میں سے ایک مرد" پر وحی کیوں اتاری؟ جسے وہ جانتے ہیں، اور وہ انہیں جانتا ہے، وہ پُورے اطمینان اور دل جمعی کے ساتھ اُس سے دین کو اخذ کر سکتے ہیں۔ اس کے پاس اطمینان سے بے تکلف و بے تردد آ جا سکتے ہیں، استفادہ کر سکتے ہیں۔ اس کے اُسوہ اور سنّت پر بے جھجک عمل کر سکتے ہیں، اور جہاں تک پیغمبر بھیجنے کا تعلق ہے، تو اس کی مصلحت تو واضح تر ہے۔ انسان طبعاً خیر و شر کو قبول کر سکتا ہے، امتیاز و اختیار کا آلہ عقل ہے۔ مگر عقل ہمیشہ ایک مضبوط، لائقِ اعتماد میزان کی محتاج ہے جس پر خیر و شر کو پرکھ سکے، تول سکے اور فیصلہ کر سکے جب امور میں اختیار و امتیاز کا سوال سامنے آئے تو اس میزان کی طرف رجوع کر سکے، شبہات کے احاطے کے وقت، جذبات کی فراوانی اور شہوات کی شدت کے وقت اُسے کام میں لا سکے اور نہ غلطی میں پڑنے کا پُورا احتمال رہتا ہے۔ بدن اور رُوح کو اور عصبات کو عارضی مؤثرات شدید متأثر کرتے ہیں، لہٰذا اس ترازو کا پاس ہونا نہایت ضروری ہے۔ عقل کے فیصلے اور اندازے نفی و اثبات میں اور متناقض احوال و تاثیرات میں بدلتے رہتے ہیں، لہٰذا ایک مضبوط کسوٹی کی ضرورت ہے جس پر بھروسہ کیا جا سکے، اور کھینچا تانی کے وقت اس کے پلڑے پر اعتماد کر کے مختلف اطراف و جوانب میں سے کسی ایک کو اختیار کیا جا سکے، اس کی راہنمائی میں راہ صواب کو حاصل کیا جا سکے، یہ ثابت و عادل اور دائمی میزان اللہ کی شریعت و ہدایت ہے۔ (سورۂ حدید میں پیغمبروں کے ساتھ اسی میزانِ عدل کو اتارنے کا ذکر فرمایا گیا ہے، "وَاَنْزَلْنَا مَعَھُمُ الْکِتٰبَ وَالْمِیْزَانَ")۔

Marfat.com

دین خداوندی ایک حقیقتِ ثابتہ ہے!

اُوپر کے بیان کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ کے دین کی ایک ثابت شدہ حقیقت ہو تا کہ انسانی روح اس کے تمام مفہومات کی طرف رجوع کر سکے، ہر امر کو اس میزانِ ثابت پر تولے اور صحیح و غلط کا فیصلہ کرے، ہر چیز کا وزن دریافت کرے، اور یہ کہنا کہ: دین اللہ ہمیشہ وہ ہے جو معنیٰ اس کا انسان سمجھے، اور اس کے اصول ہمیشہ تغیر و تبدل پذیر اور بدلنے والے ہوں، یہ کہنا دینِ خداوندی کو بازیچۂ اطفال بنا دینے کے مترادف ہے، اس میں ہر وقت ہر شخص جو چاہے کمی بیشی کر سکے گا، اور اس میں ثبات اور مضبوطی اور دوام نام کو بھی نہ ہو گا۔ یہ خیال دین کے بنیادی قاعدے، یعنی اس کے مضبوط، ثابت قدم اور دائمی ہونے کے یکسر خلاف ہے۔ اور اسلام کی حد تک یہ خیال بالکل غلط ہے، اس کا مطلب تو یہ ہے کہ انسان کے پاس کوئی ایسی کسوٹی نہیں جس پر وہ کھرا کھوٹا پرکھ سکے، کوئی میزان نہیں جس پر خیر و شر کو تول سکے۔ اور یہ قول دراصل اُسی قول کی ہی ایک صورت ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ دین مصنوعی چیز ہے۔ انسان اسے خود بنا لیتے ہیں، اور ظاہر ہے کہ یہ قول باطل ہے، دین کو اللہ تعالیٰ نے بھیجا تھا مگر لوگوں نے اس سے انحراف کیا اور اس میں کمی بیشی کر ڈالی۔

کُھلا جادو؟

دین و وحی کے اس قدر واضح اور صاف ہونے کے باوجود کافروں نے کہا کہ یہ پیغمبر تو ایک کُھلا جادوگر ہے۔ انہوں نے ساحر اس لیے کہا کہ پیغمبر کی وحی معجزہ تھی، ان کا دماغ حقیقت کو نہ پا سکا ورنہ وہ اس کو جادو بتانے کے بجائے یہ کہتے کہ یہ ایک نبی ہے جو معجز کلام پیش کر رہا ہے، کیونکہ جادو کائنات کے عظیم و کبیر حقائق پر مشتمل نہیں ہوتا، اس میں زندگی کا کوئی دستور، اخلاق کی کوئی تحریک نہیں ہوتی، کوئی ایسا دستور و قانون نہیں ہوتا جس پر ایک ترقی یافتہ معاشرہ قائم ہو سکے، جادو کسی معاشرے کو جنم نہیں دے سکتا، بُت پرستی کے تمام مذاہب میں دین و مذہب اور جادو مخلوط ہوتا رہا ہے، یہی وجہ ہے کہ مشرکوں کے نزدیک وحی اور جادو میں کوئی فرق و امتیاز نہ تھا، ان پر دینِ خداوندی کی حقیقت اس طرح متمیز اور واضح نہ تھی جتنی ایک مومن پر ہو سکتی ہے۔ بت پرستی، بت پرستانہ مذہب اور اس کے اوہام و اساطیر سے نجات صرف دینِ حق دے سکتا ہے۔

ربوبیت، عقیدے کا سب سے بڑا معاملہ!

آیات ۳ ——— ۶ میں قضیۂ ربوبیت کا بیان ہے جو عقیدے کا عظیم ترین قضیہ ہے ارشادِ الٰہی ہے:

"بلاشبہ وہی تمہارا رب ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں بنایا، پھر عرش کی طرف متوجہ ہوا۔ وہ معاملات کی تدبیر کرتا ہے۔ اس کے اذن سے پہلے کوئی

کسی کا سفارشی نہیں ہو سکتا۔ وہی ہے تمہارا رب، پس تم اسی کی عبادت کرو، کیا تم نصیحت نہیں پاتے ہو؟ تم سب کی واپسی اُسی کی طرف ہے، یعنی اللہ کا برحق وعدہ، وہی پہلی بار پیدا کرتا ہے اور دوبارہ اسے لوٹائے گا، تاکہ ایمانداروں اور نیک عمل کرنے والوں کو انصاف کے ساتھ جزا دے، اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کے لیے کھولتے ہوئے پانی کا مشروب ہو گا اور درد ناک سزا۔ یہ ان کے کفر کے باعث ہو گا وہی اللہ ہے جس نے سورج کو ضیا بنایا (جس میں شدید گرمی ہے) اور چاند کو نور بنایا (جس میں روشنی اور ٹھنڈک ہے) اور اس کی منزلیں ٹھہرائیں، تاکہ تم سالوں کی گنتی اور حساب کو جان لو۔ اللہ نے یہ نہیں پیدا کیا مگر حق کے ساتھ، وہ جاننے والوں کے لیے آیتوں کی تفصیل بیان کرتا ہے، بلاشبہ رات اور دن کے اختلاف میں، اور اس میں جو کچھ اللہ نے آسمانوں اور زمین میں پیدا کیا، خوفِ خدا والوں کے لیے دلائل ہیں۔

دینی عقیدے کا سب سے بڑا معاملہ یہی ہے جو ان آیات میں بیان ہوا ہے، یہی عقیدے کی بنیاد ہے، یعنی ربوبیت کا قضیہ۔ مشرکوں کے نزدیک الوہیت کا معاملہ کچھ زیادہ انکار کا محل نہ تھا، کیونکہ وہ اللہ کے وجود کا عقیدہ رکھتے تھے، اور انسانی فطرت اس کائنات کے لیے کسی نہ کسی الٰہ کا اعتقاد رکھے بغیر نہیں رہ سکتی، اس سے شدید قسم کے انحراف و الحاد کے حالات مستثنیٰ ہیں۔ لیکن وہ اللہ کا عقیدہ رکھ کر ان کے ساتھ کچھ ارباب کا عقیدہ رکھتے تھے، جن کی عبادت کی طرف متوجہ ہوتے تھے۔ تاکہ وہ ان کے شفیع بنیں، اور ان کو اللہ کا قرب دلائیں اور اسی طرح وہ قانون سازی کے اختیارات خود حاصل کر کے اپنے خدا خود بن جاتے تھے۔

الوہیت و ربوبیت کا معاملہ یونانی فلسفہ و منطق کا جدل نہیں ہے!

الوہیت و ربوبیت کے معاملے میں قرآن اُس بیکار، خشک ذہنی جدل و مناظرے میں نہیں پڑتا جس کو فلسفۂ یونان اور اس سے متاثر ہونے والوں نے اٹھایا ہے۔ وہ بالکل سادہ، براہِ راست اور صاف منطق بیان کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہی آسمانوں اور زمین کو اور ان کے درمیان کی چیزوں کو پیدا کیا ہے۔ سورج کو منبعِ نور و حرارت اور چاند کو روشن بنایا ہے، چاند کی منازل مقرر کی ہیں، رات اور دن کا اختلاف بنایا ہے۔ وہ یہ صاف، کھلے اور سادہ حقائق و ظواہر پیش کرتا ہے جو احساس کو مس کرتے ہیں، دل اگر سو گیا ہو تو اس کو جگاتے ہیں، اگر قلب جاگا ہے تو ان کا تدبر کر سکتا ہے۔ بلاشبہ وہ اللہ جس نے یہ پیدا کیا اور اس کی تدبیر کی اسی کے لیے رب ہونا سجتا ہے، تاکہ بشر اس کی عبادت کرے اور اس کے ساتھ کسی مخلوق کو شریک نہ کرے۔ کیا یہ زندہ، واقعی، منطقی قضیہ نہیں ہے؟ یہ قضیہ صاف اور سادہ ہے، جس کو سمجھنے سمجھانے میں ذہن و دماغ کو کوئی کدو کاوش نہیں کرنی پڑتی۔ کسی جدلی قیاس کو کھود کرید نہیں کرنی پڑتی جو ٹھنڈا اور خشک جدل ہے۔ دلوں کو نہیں گرماتا اور وجدان کو جوش میں نہیں لاتا۔

Marfat.com

دلائل کا انبار

یہ ہولناک کائنات، اس کا سورج اور چاند، اس کی رات اور دن، آسمان و زمین کی ساری درمیانی مخلوق، قومیں اور نسلیں، نباتات، پرندے اور حیوان، یہ سب چیزیں اللہ کی ٹھہرائی ہوئی سنتوں پر چلتی ہیں۔ یہ رات جو ڈھانک لیتی، پھیل جاتی اور چھا جاتی ہے، ساکن ہوتی ہے، اور صرف سائے اور دور سے نظر آنے والی چیزیں متحرک ہوتی ہیں، رات کی سیپی کے اندر کھلنے والی یہ فجر جو خوش بچے کی مانند مسکراتی ہے، اور یہ صبح کی حرکت گویا کہ وہ سانس لے رہی ہے، اور اس سے زندگی میں اور زندوں میں نشاط رینگنے لگتا ہے۔ یہ چلنے والے سائے جن کو دیکھنے والا ساکن دیکھتا ہے۔ حالانکہ وہ آہستہ آہستہ رینگتے ہیں، اور یہ صبح و شام اچھل کود کرنے والا پرندہ جو ایک حال پر قائم نہیں رہتا، اور یہ بڑھنے والی نباتات جو برابر نشو و نما اور زندگی کی طرف بڑھتی ہے، یہ آنے جانے والی مخلوق جو زبردستی سے اور آزادی کے ساتھ حرکت کرتی ہے، یہ رحم جو بچوں کو باہر دھکیلتے اور یہ قبریں جو مردوں کو نگل جاتی ہیں، جب کہ زندگی اپنی راہ پر اللہ کی مرضی اور مشیئت سے آ جا رہی ہے۔ یہ تصویروں اور سایوں کا مجموعہ، قالبوں اور اشکال کا مجموعہ، حرکات اور احوال، آنا اور جانا، بوسیدگی اور جدید ہونا، مرجھانا اور نشو و نما پانا، پیدائش اور موت، اس ہولناک کائنات کی دائمی حرکت جو دن رات وقفے کے بغیر جاری ہے۔

مذکورۂ بالا سب چیزیں انسانی وجود کے ہر حصے کو تدبر و تأمل اور تاثر پر آمادہ کرتی ہیں، یہ اس وقت ہوتا ہے جب کہ دل بیدار ہو جائے اور کائنات کے ظاہر و باطن میں پھیلی ہوئی آیات کا مشاہدہ کر سکے اور قرآن کریم براہِ راست دل کو بیدار کرنے اور عقل کو ان تصاویر و آیات کے مجموعے پر غور کرنے کی دعوت دیتا ہے۔ یہی وہ بات ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں جزبائی ہے، ارشاد ہوتا ہے کہ عبادت کا حق صرف خالقِ کائنات کو حاصل ہے، جس کائنات کو اپنی مرضی اور مشیئت و قدرت سے بنایا۔ چھ دنوں کی حدبندی ہم نہیں کر سکتے۔ ان کا ذکر یہاں وقت کی حدبندی کے لیے نہیں آیا۔ مقصد یہ ہے کہ تخلیقِ کائنات میں اللہ تعالیٰ کی حکمت و تدبیر اور مشیئت و ارادہ کارفرما ہے، یہ چھ دن اللہ کے غیب میں سے ہیں، ان کے ادراک کا مصدر صرف وحیِ الٰہی ہے، اور جب وہ اس کی وضاحت و صراحت سے خاموش ہے تو ہم بھی خاموش ہیں، مقصد صرف تدبیر و تقدیر اور غلبہ و حکمت کا اظہار ہے۔

استواء علی العرش

جس طرح چھ دن کی تحدید مشکل ہے اسی طرح استواء کی کیفیت کا حال ہے۔ ہاں یہ کنایہ ہے اس بات کا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے غلبے اور قوت کے ساتھ نظام کائنات کو سنبھال لیا۔ جیسا کہ انسانی محاورے میں تاج پوشی اور تخت نشینی کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں، اور "ثُمَّ" کا لفظ یہاں پر زمانی تاخیر و تراخی کے لیے نہیں ہے، بلکہ اس سے مراد معنوی دوری ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں زمان کوئی چیز

Marfat.com

نہیں ہے، یہ امتیاز انسانوں میں ہوتا ہے جو مخلوق ہیں۔ خالق اس سے بلند تر ہے، حالت، ہیئت، حد، مکان و زمان کا تصوّر خالق میں نہیں ہے۔ زمان و مکان حدوث (نو پید ہونا) کی علامات ہیں، اور اللہ تعالیٰ کے ہاں قدم ہے حدوث نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی تنزیہ کا تقاضا یہی ہے۔

تدبیرِ امر

یہ تدبیرِ امر جس کا اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اشیاء کے اوائل و اواخر کا فیصلہ کرتا ہے، ان کے تقاضوں اور احوال کو مرتب فرمایا ہے، ان کے مقدمات و نتائج کا فیصلہ کرتا ہے اور اپنے اوامر و افعال کے لیے قوانین بناتا اور ان پر عمل فرماتا ہے۔

شفاعت اذن کے بغیر نہیں ہے!

ومامن شفیع الامن بعد اذنہ کا مطلب یہ ہے کہ امر سب کا سب اللہ کے ہاتھ میں ہے فیصلے کا اختیار فقط اسی کو حاصل ہے، کوئی ایسا سفارشی نہیں جو کسی کو اُس کے قریب لے جائے جیسا کہ مشرکوں کا عقیدہ تھا کہ یہ بُت ہمارے سفارشی ہیں: ھوٗلاء شفعاء ناعند اللہ۔ اُس کی مخلوق میں سے کوئی بھی اس کی اجازت کے بغیر سفارش کی جرات نہیں کرسکتا، شفاعت کا اذن بھی اللہ کی تدبیر و تقدیر کے موافق ہوگا۔ شفاعت کا استحقاق بھی ایمان اور عملِ صالح کے ساتھ ہوگا نہ کہ شفعاء کے محض توسل کے ذریعے سے۔ اس میں مشرکوں کے اس عقیدے کا رد ہے جس کی رُو سے وہ یہ سمجھتے تھے کہ جن فرشتوں کی مورتیوں کو وہ پُوجتے تھے، انہیں اللہ کے ہاں شفاعت کا حق ہے اور وہ شفاعت رد نہیں ہوتی۔ پس فرمایا کہ تمہارا اللہ، خالق، مدبر و حاکم وہی ہے جس کے اذن کے بغیر کوئی اس کے ہاں شفاعت نہیں کرسکتا۔

عبادت کے لائق فقط خالق

ذالکم اللہ ربکم فاعبدوہ۔ یعنی وہی عبادت کے لائق ہے جو ربّ ہے، اس کے سوا کوئی دینونۃ (خدائی) کا حق دار نہیں ہے۔ یہ امر اتنا واضح اور ثابت شدہ ہے کہ کوئی عاقل انسان اس سے انکار نہیں کرسکتا لہٰذا: افلا تذکرون ؟ گویا یہ ایک ایسی کھُلی حقیقت ہے کہ اس کا صرف تذکّر کافی ہے، ہم اُوپر بتا چکے ہیں کہ الوہیتِ خداوندی کا معاملہ مشرکوں کے ہاں محلِ انکار نہ تھا۔ کیونکہ وہ مانتے تھے کہ وہی خالق و رازق ہے، زندگی اور موت دینے والا ہے، مدبر و متصرف ہے، اور ہر چیز پر قادر ہے، لیکن اس اعتراف کے تقاضوں پر ان کا عمل نہ تھا، کیونکہ اس واضح اعتراف کا نتیجہ تو یہ ہونا چاہیئے تھا کہ وہ اپنی زندگی میں ربوبیت کا حقدار بھی صرف اللہ وحدہٗ کو مانتے اور ربوبیت کا تمثل دینونۃ میں ہوتا ہے کہ تعبدی شعائر (رسوم عبادت) فقط اُسی ایک اللہ کے لیے ادا کی جائیں اور ہر امر میں اُسی کا حکم اور فیصلہ ناطق مانا جائے، اللہ تعالیٰ کے اس قول کا یہی معنیٰ ہے: ذالکم

Marfat.com

اللہ ربکم فاعبدوہ۔ پس عبادت ہی عبودیت ہے، اور وہی دینونت ہے اور وہی اتباع وطاعت ہے کہ ان تمام خصائص کے ساتھ اللہ تبارک و تعالیٰ کو خاص کیا جائے کیونکہ اس کی الوہیت کے اعتراف کے یہی تقاضے ہیں۔

الوہیت کے ساتھ جاہلیت کا معاملہ

تمام جاہلیتوں میں الوہیت کی مجال تنگ ہے اور لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ صرف الوہیت کا اعتراف ہی ایمان ہے، اور جب کوئی مان لے کہ اللہ ہی اس کا الٰہ ہے تو بس وہ انتہائے ایمان تک جا پہنچا حالانکہ الوہیت پر اس کا مقتضیٰ مرتب کرنا لازم ہے اور اس کا مقتضیٰ ربوبیت ہے، یعنی ایک اللہ کے سامنے جھکنا کہ اس کے سوا رب اور کوئی نہیں۔ وہی حاکم ہے جس کے سوا کسی کی حکومت اور فیصلہ نہیں۔

ربوبیت، عبادت اور جاہلیت

یہی حال عبادت کا بھی ہے۔ جاہلیت اسے بہت تنگ اور محدود معنوں میں لیتی ہے، اس کے نزدیک عبادت محض چند شعائر و رسوم کا نام ہے، جب لوگ چند رسوم عبادت ادا کرلیں تو سمجھتے ہیں کہ عبادت کا حق ادا ہو گیا، حالانکہ عبادت کا مفہوم اتنا تنگ اور سرسری نہیں، حالانکہ عبادت کا لفظ عبد سے مشتق ہے، اور عبد کا معنیٰ ہے: فلاں شخص جھک گیا اور عاجز ہو گیا، دینونت اور خضوع کے مظاہر میں سے یہ جھکنا اور عاجز ہونا محض ایک مظہر ہے، عبادت کا یہ پورا مفہوم نہیں ہے، یہ دینونت کی حقیقت اور پورے مظاہر پر محیط نہیں ہے۔ رہ گئی جاہلیت، سو وہ کسی خاص وقت اور زمان و مکان کا نام نہیں ہے، نہ مراحل میں سے کوئی مرحلہ ہے۔ جاہلیت سے مراد یہی ہے کہ الوہیت اور عبادت کے معنی کو اس طور پر محدود کر دینا، جس کا ذکر اوپر ہوا، جاہلیت ہے۔ یہ تحدید (جو الوہیت و عبادت میں کی جاتی ہے) یہ لوگوں کو شرک میں لے جاتی ہے، اور وہ غلط طور پر اپنے آپ کو دینِ خداوندی میں جانتے ہیں، آج کل دنیا کے ہر ملک کا یہی حال ہے، گو ان میں بعض ممالک برائے نام مسلمان بھی ہیں! وہ مراسم عبادت اللہ کے لیئے ادا کرتے ہیں، مگر ارباب غیر اللہ کو مانتے ہیں، رب تو وہی ہے جو ان کو اپنے دین و شرع پر چلاتا ہے۔ اور یہ اس کے احکام و قوانین کے آگے جھکتے ہیں اس کا اقتدار تسلیم کرتے ہیں، اس کے قانون کو مانتے ہیں اور یہی ان کی عبادت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ: انہوں نے ان کا اتباع کیا، یہی ان کی عبادت تھی۔ (یعنی نصاریٰ) یہ حدیث عدیؓ بن حاتم سے جامع ترمذی میں مروی ہے۔

اور عبادت کے اس معنیٰ کی تاکید کے لیئے اس سورت میں یہ آیت آئی ہے کہ!

"کہو کہ بھلا بتاؤ تو سہی کہ جو رزق اللہ نے اتارا، تم نے اس میں سے حلال اور حرام بنالیا (یعنی اپنی مرضی سے!) کہو کہ کیا اللہ نے تم کو اجازت دی ہے یا تم اللہ پر افترا کر رہے ہو؟"

Marfat.com

اس وقت ہمارا جو حال ہے وہ ان اہلِ جاہلیت کے حال سے بالکل مختلف نہیں ہے، جن کو اللہ تعالےٰ اپنے اس قول کے ساتھ پکار رہا ہے:

"وہی ہے اللہ تمہارا رب، پس تم اُسی کی عبادت کرو، کیا تم نصیحت نہیں پاتے ہو۔"

یعنی صرف اس کی عبادت کرو اور کسی چیز کو اس کے ساتھ شریک مت بناؤ۔ تمہاری واپسی اُسی کی طرف ہوگی اور وہی مومنوں اور کافروں کو ان کے کیئے کا بدلہ دے گا، چنانچہ فرماتا ہے کہ:

"تم سب کی واپسی اُسی کی طرف ہے، یہ اللہ کا برحق وعدہ ہے۔"

یعنی انجام کار سب کو وہیں اُسی کے پاس جانا ہے نہ کہ کسی شریک اور خود ساختہ خدا کے پاس، اور نہ کسی سفارشی کے ہاں!

بعث خلق کا تتمہ ہے

اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے اور وہ اس کی خلاف ورزی نہ کرے گا، کیونکہ دوبارہ اٹھانا تخلیق کا تتمہ ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے کہ:

"وہی پہلی بار پیدا کرتا ہے اور وہی پھر اسے لوٹائے گا، تاکہ ایمانداروں اور نیک اعمال کرنے والوں کو انصاف کی جزاء دے۔ اور جو لوگ کافر ہیں ان کے لیئے کھولتے پانی کا مشروب ہے، اور ان کے کفر کے باعث دردناک سزا ہے۔"

اس سے معلوم ہوا کہ جزاء میں عدل کرنا تخلیق اور اعادے کے مقاصد میں سے ایک مقصد ہے ایمان وعمل کی جزاء میں وہ نعمت ملے گی جسے گدلا کرنے والی کوئی چیز نہ ہوگی، اور لذت کے بعد عقاب و عتاب کا نہ ہونا بھی تخلیق اور دوبارہ تخلیق کا ایک مقصد ہے، انسانیت کا عروج اس بلندی تک اس کا منتہائے مقصود ہے، جو انسانیت کے امکان میں ہو سکتا ہے اور انسانیت وہاں تک اس زندگی میں نہیں پہنچ سکتی۔ اس کے لیئے ایک اور جہان ہے۔ دنیوی زندگی جو قلق واضطراب اور تکالیف سے پُر ہے اور اس کی کوئی لذت دکھ سے خالی نہیں۔ اور بعض دفعہ اس کا انجام ہی اچھا نہیں ہوتا، اور خالص روحانی لذت بندوں کو مشکل ہی حاصل ہوتی ہے، اس دنیا کی راحت و آسائش عارضی اور فانی ہے، اور اس کا تصور ہی تکلیف کا باعث ہوتا ہے کہ یہ ایک عارضی لذت ہے، اگر کوئی اور تکلیف اس کے ساتھ نہ ہو تو صرف یہ تصور ہی اذیت ناک ہے۔ اور کمال کی راہ میں حائل ہے۔ انسانیت یہاں اسی دُنیا میں اپنے مقدر اعلیٰ درجات تک نہیں پہنچ سکتی، اس کے ساتھ نقص، ضعف اور تکلیف وہ انجام موجود ہے۔ ان نقائص سے بچاؤ اگر ہو سکتا ہے تو صرف جنت میں، جیسا کہ کتاب و سنت سے ثابت ہے۔

کفر کا انجام

کافروں نے ناموس (قانونِ الٰہی) کی مخالفت کی اور بشری کمال کی راہ پر نہ چلے، بلکہ اُس سے ایک

طرف ہو کر نکل گئے۔ اور یہ بات اللہ کی غیر متبدل سنت کے تقاضے کے مطابق چاہتی تھی کہ وہ کمال بشری کے مقام پر فائز نہ ہوں۔ انہوں نے خود ہی کمال کے قانون کی مخالفت کی لہٰذا نتیجہ یہی نکلنا ضروری تھا۔ جسمانی صحت کے قواعد کی پابندی نہ کرنے والا جس انجام سے دوچار ہوتا ہے، روحانی صحت کے قوانین سے گریز کرنے والا بھی، سخت ضروری تھا کہ، اپنے فطری انجام کو پہنچے۔ پہلا شخص مرض اور ضعف کو پہنچتا ہے، اور دوسرا ذلت و رسوائی کے مقام تک جا گرتا ہے۔ یہی وہ بات ہے جو اللہ تعالےٰ نے اسی آیت میں یوں فرمائی ہے کہ:

"اور جو لوگ کافر ہوئے۔ ان کے لیے سخت گرم پانی کا مشروب ہے اور ان کے کفر کے بدلے میں دردناک سزا ہے۔"

کائناتی دلائل

جزاء و سزا کے ذکر کے بعد مضمون پھر پہلے کی طرف لوٹتا ہے اور کائنات کے دلائل کو یوں بیان فرمایا ہے کہ:

"وہی خدا ہے جس نے سورج کو منبع حرارت و نور بنایا اور چاند کو منور کیا اور اس کی منازل مقرر کیں تاکہ تم سالوں کی تعداد اور حساب کو جان لو، اللہ نے یہ سب کچھ حق کے ساتھ ہی پیدا فرمایا ہے، جاننے والوں کے لیے آیات کی تفصیل بیان کرتا ہے۔" (آیت ۵)

کائنات کے مشاہد میں سے یہ دو واضح مشہد ہیں، ہم ان کا اکثر مشاہدہ کرنے کے باعث انہیں بھلا دیتے ہیں، اور طولِ تکرار کے باعث دلوں میں ان کی وقعت و اثر کو مفقود پاتے ہیں، ورنہ اندازہ کرو کہ اس انسان کا کیا حال ہوگا جو پہلی بار طلوعِ آفتاب کو دیکھے اور پہلی مرتبہ اس کے غروب کا مشاہدہ کرے، پہلی بار اس کو چاند کا طلوع و غروب دکھائی دے۔

غرض یہ دو مشہد بار بار نظر آنے والے، بار بار طلوع و غروب ہونے والے ہیں، جن کی طرف ہمیں قرآن متوجہ فرماتا ہے، تاکہ ہمارے شعور و ادراک میں ان کی جدت کا احساس پیدا کرے، ان کے اجرام میں اور ان کے فوائد میں جو عجیب پوشیدہ ہیں ان کا تصور بیدار کرے۔ سورج کے لیے "ضیاء" کا لفظ بولا گیا ہے جس میں اشتعال کا معنیٰ پایا جاتا ہے اور چاند کے لیے "نور" کا لفظ ہے جس میں صرف روشنی ہے اور چاند کی منازل سے مراد یہ ہے کہ ہر روز اس کی ایک نئی منزل ہے، جس میں اس کے جرم اور روشنی میں کمی بیشی پیدا ہوتی ہے۔ ہم چاند میں ان تبدیلیوں کو خود دیکھتے ہیں اور ان کے حصول کے لیے علم فلک، علم نجوم اور علم ہیئت کے بھی محتاج نہیں ہیں، قرآن کے دلائل و عبر ان چیزوں سے بلند تر ہیں۔ ان کا بڑا فائدہ جو بیان کیا گیا ہے۔ ابتداء سے اب تک اسی سے سب لوگ کام لیتے رہے ہیں، یعنی حساب منضبط کرنا، دن رات، مہینوں، ہفتوں اور سالوں کا حساب۔ اسی حساب پر فرائض اسلام مثلاً نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج کا مدار رہا ہے۔

Marfat.com

یہ سب کچھ بے فائدہ نہیں ہے!

سوال یہ ہے کہ یہ سارا انتظام عبث ہے؟ کیا یہ سب باطل ہے؟ کیا سب کچھ اٹکل پچو ہے؟ ہرگز نہیں۔ یہ سارا انتظام، یہ سارا نظم ونسق، یہ ساری باریک بینی جس کے ہوتے ہوئے کسی چیز میں ذرہ برابر فرق نہیں پڑتا، یہ سب کچھ عبث، باطل اور محض اتفاق نہیں ہو سکتا:

"اللہ نے یہ سب کچھ حق کے ساتھ پیدا کیا ہے۔"

اس کی پیدائش برحق ہے، اس کا مقصد برحق ہے، اس کے آلات برحق ہیں، اس کی ترکیب و قیام برحق ہے، اس کی انتہاء اور مقصدیت برحق ہے۔ اس کا حق ہونا ثابت و راسخ ہے اور اس کے حق ہونے کے دلائل واضح اور قائم و دائم ہیں، مگر اس کے دلائل کو جاننے اور ان کے مقاصد کی گہرائی تک پہنچنے کے لیے علم کی ضرورت ہے:

"وہ جاننے والوں کے لیے آیات کی تفصیل بیان کرتا ہے۔"

ان چیزوں کے پیچھے جو تدبیر کارفرما ہے اور ان کے جو فوائد ہیں ان کو معلوم کرنا، علم پر منحصر ہے۔

کائنات کی آفاقی آیات!

کچھ آیاتِ الٰہی کا ذکر اوپر گزرا، اور باقی یہ ہیں:

"بلاشبہ رات اور دن کے یکے بعد دیگرے آنے میں اور ان سب چیزوں میں جو اللہ نے آسمانوں اور زمین میں پیدا کی ہیں، (ان سب میں) تقویٰ شعاروں کے لیے دلائل ہیں۔"

لیل و نہار کا اختلاف ان کا یکے بعد دیگرے آنا ہے، اسی طرح یہ لفظِ اختلاف ان کے طول و اقتصار میں مختلف ہونے پر مشتمل ہے۔ یہ دونوں آیات ظاہر و باہر اور نظر آنے والی ہیں، مگر ان کا ہمہ وقت سامنے ہونا، ان کی احساس اور نگاہوں اور ذہن و دماغ پر اثر کرنے کی قوت کو کم کر دیتا ہے۔ ہاں! جب انسانی جان بیدار ہو تو ان کی تاثیر اس پر کماحقہٗ اثر انداز ہوتی ہے، اور ان کے مطلع و مغرب (طلوع و غروب) پر انسانی وجدان جھوم اٹھتا ہے۔ پھر انسان ان کے طلوع و غروب میں بیدار ہو کر ایک نیا انسان بن کر کھڑا ہوتا ہے، اس کی آنکھ ہر نظارے کے لیے کھلی رہتی ہے اور اسے ذرّے ذرّے کے اندر قدرتِ الٰہی کے نظارے ملتے ہیں۔ غور سے دیکھیں تو انسان کی یہی حیات کا ملہ ہے، اگر انسان ایک لمحہ کے لیے آسمانوں اور زمین کی مخلوق کو غور سے دیکھنے کے لیے اور ان بے شمار انواع و اجناس کے مجموعے سے سبق سیکھنے کے لیے ٹھہرے تو ہیئات و احوال کا ہجوم، اوضاع و اشکال کے بے حد و حساب نظارے اسے علم و حکمت سے بھر دیں گے۔ اور زندگی بھر کی عبرتیں جمع کرے گا، اور اس میں تدبر و تفکر کی عادت پیدا ہوگی۔

Marfat.com

کائنات کی عجیب و غریب خلقت، اس کی حیرت انگیز ترتیب و ترکیب انسان میں نورِ ہدایت کی روشنی پیدا کر دے گی، جو لوگ اس تدبر و تفکر سے کام لیں اللہ تعالیٰ نے ان کو متقی فرمایا ہے۔ کیونکہ ان کے قلوب میں یہ خاص وجدان پیدا ہو جاتا ہے جسے تقویٰ کا وجدان کہتے ہیں، ان کے دل میں جوش اور احساس پیدا ہوتا ہے۔ وہ ذرے ذرے سے متاثر ہوتے ہیں اور کائنات کے مقصد تخلیق کو پا لیتے ہیں۔

قرآن کا فطرتِ انسانی سے خطاب

قرآن انسانی فطرت کو کائناتی و آفاقی آیات کے ساتھ مخاطب کرتا ہے، جو اس کے اردگرد پھیلی ہوئی ہیں۔ کائنات کی ان آیات میں اور انسان میں ایک تعارف کا رشتہ ہے۔ انسان کی فطرت ان کی زبان کو اور وہ انسان کی زبان کو سمجھتی ہیں۔ دونوں کے درمیان زبانِ حال بلکہ زبانِ قال سے گفتگو ہوتی ہے۔ قرآنی خطاب نے فلاسفہ اور متکلمین کا طریق جدل اختیار نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ کو بخوبی علم تھا کہ یہ طریقہ انسانی وجدان و شعور کو متاثر نہیں کرتا انسان میں ایمانی و شعوری تحریک پیدا نہیں کرتا اس طریقے سے زندگی نہیں بنتی، چند ذہنی خیالات پیدا ہوتے ہیں جو تھوڑی دیر کے بعد لاشئ ہو جاتے ہیں ان کا کوئی دیرپا اثر نہیں ہوتا۔

قرآنی دلائل اطمینان و سکون پیدا کرتے ہیں

قرآنی دلائل کا امتیاز یہ ہے کہ وہ دل اور عقل دونوں کو مطمئن کرتے ہیں، کیونکہ اول تو اسی کائنات کی ذات، پھر اس کی نظم و ضبط کے ساتھ حرکت، اور اس میں جو تغیرات پیدا ہوتے ہیں ان کا بھی منظم و مضبوط قوانین کا پابند ہونا، اور اس نظام کا ہمیشہ سے ہونا، بلکہ انسان کے وجود سے بھی پہلے کسے ہوتا۔ یہ سب کچھ تصور میں آنا ممکن نہیں ہے، جب تک کہ ایک مدبر قوت کا وجود نہ مانا جائے جو یہ سب کچھ کرتی ہے، کیونکہ اپنے ہی آپ اس کا ہونا اور ہوتے رہنا ناممکن ہے، جو لوگ اس کے خلاف کہتے ہیں، ان کا جھگڑا بے دلیل ہے، ان کا یہ قول غیر معقول ہے کہ یہ کائنات اپنے قوانین سمیت یوں ہی پائی گئی ہے، اور اس کا وجود کسی علت کا محتاج نہیں، اور اس کا وجود ہی اس کے قوانین کو مشتمل ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ بات سمجھنے سمجھانے کی نہیں ہے اور دنیا میں سب سے بڑی غیر معقول بات یہی ہے یوروپ جو کلیسا کے ظلم و ستم اور غیر معقول روش سے بھاگا تھا، اور پھر خدا سے ہی بھاگ گیا تھا۔ اس نے یہ بات خدا سے بھاگ جانے کی دلیل کے طور پر کہی تھی۔ اور یہ بات چونکہ اللہ تعالیٰ کی الوہیت کے اعتراف سے بھاگ جانے کا اور کورے الحاد کا ذریعہ تھی، اس لیے یوروپ نے اس کو اپنا لیا ورنہ قدیم جاہلیتوں میں اپنے سارے شرک و کفر کے باوجود اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کے وجود کا اعتراف موجود تھا، جھگڑا اگر ان کا تھا تو ربوبیت میں تھا۔ یہی بات ہم نے عرب جاہلیت میں دیکھا ہے، جس کی طرف یہ قرآن پہلے پہل مخاطب تھا اور انہیں انہی کے منطق کے ساتھ گھیرتا تھا کہ جب اللہ

Marfat.com

موجود ہے اور اس میں خلق و تدبیر اور احیاء و اقامت کی صفات پائی جاتی ہیں تو تم صرف اسی کو الٰہ و رب کیوں نہیں مانتے؟ اسی کی عبادت کیوں نہیں کرتے؟ اسی کی اطاعت و اتباع کیوں نہیں کرتے؟ یہ دیکھ کر بیسویں صدی عیسوی کی جدید جاہلیت نے اللہ کے وجود کا ہی انکار کر دیا تاکہ وہ نقل اور گھٹن ہی باقی نہ رہے جو قدیم جاہلیتوں کو خدا کے اعتراف کے بعد پیش آئی تھی۔

الحاد اور اسلامی ممالک

یہ نہایت عجیب بات ہے کہ "اسلامی" کہلانے والے ممالک میں بھی الحاد پھیلایا جا رہا ہے اور سائنس، روشن خیالی، تہذیب اور علمیت کے نام پر پھیلایا جا رہا ہے۔ اور جو نتیجہ یورپ میں اس کا نکلا تھا، یہاں بھی وہی نکل رہا ہے۔ یورپ کی ساری منطق و فلسفے کی قوت، مشنریوں کی تمام تبلیغ عیسائیت کی قوت، تمام ظاہری اور خفیہ ذرائع اسی الحاد کی خدمت کر رہے ہیں۔ دھڑلے سے یہ کہا جاتا ہے کہ علمی تنظیمات میں غیب اور اس پر ایمان لانے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اور ظاہر ہے کہ الوہیت کی ہر متعلقہ چیز غیب سے تعلق رکھتی ہے۔ پیغمبر کی تعلیم کی پہلی بنیاد ہی ایمان بالغیب ہے۔ جب یہ اڈا اڑ گیا تو پھر رسول، رسالت، الوہیت، عقیدہ وغیرہ سب چیزیں ختم ہو گئیں۔

یہی خدا سے بھاگنے کا راستہ ہے۔ دراصل یہ لوگ جو اس چیز کے داعی ہیں، خدا کا خوف نہیں رکھتے، بلکہ لوگوں سے ڈر کر ایک پُر پیچ راستہ اختیار کرتے ہیں تاکہ دین و اخلاق اور ایمان سے بھاگ جائیں۔ مگر اس کائنات کا وجود، اس کا نظم و ضبط، اس کی دائمی منظم حرکت انہیں بھاگنے نہیں دیتی، بلکہ ہر طرف سے ان کا محاصرہ کیے ہوئے ہے، اس طرح انسانی فطرت قلب و عقل اور احساس و وجدان کے لحاظ سے اس الحاد کا انکار کرتی ہے، اسے بآسانی ہضم نہیں کر سکتی۔

الحاد کس چیز سے بچنا چاہتا ہے؟

اگر غور کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ الحاد دراصل اللہ کے رُوبرُو ہونے سے بچنا چاہتا ہے، وہ آخرت کا منکر ہے، جزاء و سزا، حساب و کتاب، جنت و دوزخ کا مُنکر ہے، مگر دنیا کا نظام اور اس کا ضبط و اتساق خود اس بات کا مقتضی ہے کہ اس کا بنانے اور سنبھالنے والا بالضرور کوئی ہے، اور یہ کہ دنیا بے نتیجہ نہیں ہے، بشریت اس دنیا میں اپنے کمال کو نہیں پہنچ سکتی، لہٰذا اس کے لیے کوئی اور جگہ ہونی ضروری ہے، منکرینِ آخرت دراصل بشریت کے کمال سے گریزاں ہیں، یہی وہ بات ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اس سورت کی آیات: ۷ ——— ۱۰ میں فرمایا ہے:

"بلاشبہ جو لوگ ہماری ملاقات کی امید نہیں رکھتے، دنیوی زندگی پر راضی ہو گئے ہیں لہٰذا اسی پر مطمئن ہیں اور جو لوگ ہماری آیات سے غافل ہیں، ان لوگوں کا ٹھکانا جہنم ہے جو ان کے کسب کا نتیجہ ہو گا، جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال

Marfat.com

کہئے، ان کا رب ان کو ان کے اعمال کے ساتھ راہ دکھائے گا، ان کے نیچے نہریں جاری ہوں گی نعمتوں کے باغوں میں، ان کی دعا وہاں یہ ہوگی کہ: پاک ہے تو اے اللہ! اور ان کی تحیت اس میں سلام ہوگی، اور ان کی دعا کا اخیر یہ ہوگا کہ حمد اللہ رب العالمین ہی کے لیے ہے۔"

آخرت کا ہونا ضروری ہے!

جو لوگ کائنات کے مدلل نظام میں غور و فکر نہیں کرتے وہ اس بات کو نہیں پا سکتے کہ اس جہان کا کوئی مدبر خالق موجود ہے۔ وہ اس نتیجے تک نہیں پہنچ سکتے کہ آخرت اس نظام کی ضروریات میں سے ایک ضرورت ہے، جس میں قسط و عدل کی تحقیق و ثبوت تمام ہوں گے اور بشریت اپنی انتہائی بلندیوں تک پہنچے گی، یہی وجہ ہے کہ وہ لوگ اللہ کی ملاقات کی توقع نہیں رکھتے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اس مادی جہان پر ٹھہر جاتے ہیں۔

اس جہان میں جو نقص اور پستی ہے وہ تو واضح اور مسلم ہے، وہ اس پر راضی ہوتے اور اسی میں مستغرق ہو جاتے ہیں، وہ اس میں نقص کا انکار نہیں کرتے مگر یہ بھی نہیں پا سکتے کہ یہ انسان کی انتہا ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتی (جب وہ دنیا کو چھوڑتے ہیں تو ایسی حالت میں چھوڑتے ہیں کہ اپنے کیئے ہوئے خیر و شر کی پوری جزا و سزا نہیں پا چکے ہوتے، اور اس کمال کو نہیں پہنچ سکتے جو انسان کے لیے مہیا کیا گیا ہے۔ مادیت میں کھپ کر رہ جانا، دنیا کو ہی منتہائے مقصود بنا لینا ان کو بہت نیچے گرا دیتا ہے۔ اسی تصور سے حیوانیت اُبھر کر سامنے آجاتی ہے اور انسانیت گم ہو جاتی ہے، مادہ پرستوں کی نگاہ اُوپر نہیں اٹھتی بلکہ نیچے پڑتی ہے۔ وہ زمین اور اس کی چیزوں پر اپنے آپ کو مرکوز کر دیتے ہیں، وہ کائناتی آیات و دلائل سے بے خبر رہتے ہیں اسی لیے فرمایا گیا ہے کہ ان کا ٹھکانہ آگ ہے اور یہی ان کا کسب ہے، ظاہر ہے کہ یہ ٹھکانا بہت بُرا ہے) اب یہ لوگ تو ایک کنارے پر ہیں اور دوسری طرف ایمان اور عملِ صالح والے ہیں، جنہوں نے اس دنیا سے اعلیٰ ایک جہان کو پا لیا ہے اور اس ایمان کے تقاضے پر عمل کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے ایمان کی روشنی میں انہیں عملِ صالح کی توفیق عطا فرماتا ہے، یہ لوگ جنتی ہیں جو سدا بہار، سرسبز و شاداب اور زرخیز جنت کے باشندے ہوں گے، ان لوگوں کی خواہش وہاں پر دنیوی خواہشات و شہوات سے بالکل جداگانہ ہوگی۔ ان کی دعا تسبیحِ خداوندی اور باہمی تحیۃ سلام ہوگا۔

شر کی سزا میں تاخیر کی حکمت کیا ہے؟

اللہ تعالیٰ شر کی سزا فوراً نہیں دیتا، اس میں اس کی حکمت و رحمت کارفرما ہے، انسانی فطرت میں یہ کمزوری ہے کہ جب لوگوں کو ضرر پہنچے تو پہلو پر لیٹ کر، بیٹھ کر یا کھڑے ہو کر اللہ سے دعائیں کرتے ہیں۔ اس وقت اُن کی فطرت کا زنگ اُتر جاتا ہے اور صحیح فطرت عریاں ہو جاتی ہے۔ نتیجۃً وہ اپنے خالق کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جونہی ضرر دُور ہوا تو مترف اپنی پہلی غفلت کی حالت پر واپس آ جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ

نے اگلی آیات میں یہ فطرت بیان فرمائی ہے اور گزشتہ نافرمان لوگوں کا حال بیان کیا ہے تاکہ پتہ چل جائے کہ دنیا دارالابتلاء ہے، دارالجزاء یا دارالخلود نہیں ہے۔ فرماتا ہے کہ:

"اور اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کے لیے شر میں (یعنی اس کی سزا میں) جلدی کرے، جس طرح کہ وہ خیر میں جلدی کرتے ہیں، تو ان کی مدتِ حیات کا فیصلہ ہو جائے، پھر ہم ان لوگوں کو جنہیں ہماری ملاقات کی امید نہیں ہے، ان کی سرکشی میں اندھا دھند پھرتے چھوڑ دیں گے۔ اور جب انسان کو مرض پہنچے تو ہم کو پہلو پر لیٹ کر یا بیٹھ کر یا کھڑا ہو کر پکارتا ہے پھر جب ان کا مرض ان سے دور کر دیں تو وہ یوں چلا جاتا ہے کہ گویا اس نے ہمیں کسی مرض کے وقت نہیں بلایا تھا، جو اسے پہنچا تھا، اسی طرح مزین کیا گیا حد سے گزرنے والوں کے لیے جو کچھ وہ کرتے ہیں، اور ہم نے تم سے پہلی قوموں کو ہلاک کیا، جب کہ انہوں نے ظلم کیا۔ اور ان کے رسول ان کے پاس کھلے دلائل لے کر آئے، اور وہ ایمان لانے والے نہ ہوئے، ہم مجرم قوم کو اسی طرح سزا دیتے ہیں۔ پھر ہم نے تم کو ان کے بعد زمین میں حاکم بنایا تاکہ ہم دیکھیں کہ تم کس طرح عمل کرتے ہو۔" (آیات: ۱۱ ــــــ ۱۴)

عرب مشرکوں کی تحدّی کا جواب

مشرکینِ عرب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چیلنج کرتے تھے کہ آپؐ ان پر جلدی عذاب لے آئیں ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اسی سورت میں انہی سے حکایت کی ہے کہ:

"اور وہ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب آئے گا اگر تم سچے ہو؟"

اور ایک اور سورت میں وارد ہے کہ:

"اور وہ آپؐ سے اچھائی سے قبل برائی طلب کرنے میں عجلت سے کام لیتے ہیں، حالانکہ ان سے پہلے عذاب کی کئی صورتیں گزر چکی ہیں"

اور قرآن کریم نے ان کی زبانی یہ قول بھی (الانفال میں) نقل کیا ہے کہ:

"اور جب انہوں نے کہا کہ اے اللہ! اگر یہی حق ہے تیری طرف سے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا دے یا ہم پر کوئی دردناک عذاب لے آ۔"

یہ تمام آیات اس عناد کی تصویر کھینچتی ہیں جس کے ساتھ وہ اللہ کی ہدایت کا استقبال کرتے تھے اور اس کی حکمت نے ان کو مہلت دینا چاہی، پس وہ ان پر اس قسم کا جڑ مار عذاب نازل نہیں کرتا تھا۔ جیسا کہ ان سے پہلے کے مکذبوں پر نازل کیا تھا، سبب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جانتا تھا کہ ان کی کثرت عنقریب اسلام میں داخل ہو جائے گی، اس دین پر قائم رہیں گے اور اس کو دنیا میں پھیلائیں گے، اور یہ بات فتح مکہ کے بعد واقع ہوئی۔ وہ اس حقیقت کو نہ جانتے تھے، لہٰذا بار بار تحدی کرتے تھے جو ان کا جاہلانہ فعل تھا۔ انہیں معلوم نہ تھا کہ اللہ تعالیٰ حقیقت میں ان کا بھلا چاہتا ہے، وہ خبر نہیں جس کو شر کو جلدی لانے کی صورت میں طلب کر رہے تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ پہلی آیت میں فرماتا ہے کہ اگر اللہ تعالےٰ

اسی طرح ان کے لیے شر میں جلدی کرے جس طرح وہ خیر میں جلدی کرتے ہیں، یعنی اگر اللہ تعالیٰ ان کی ان جلد بازیوں کو مان لے تو انہیں ختم کر دیا جائے گا۔ لیکن اللہ تعالیٰ انہیں باقی رکھنا چاہتا ہے، تاکہ ان کی قسمت میں جو اسلام ہے وہ انہیں حاصل ہو جائے، پس ان کی دعا کا قبول نہ کیا جانا ان کے حق میں بہتر ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ ان کو اس مہلت دینے کے انجام سے خبردار کرتا ہے کہ مبادا وہ غافل ہو جائیں لہٰذا اس کی ملاقات کی امید نہ رکھنے والے اپنی اندھا دھند روش میں پڑے رہیں گے، حتیٰ کہ ان کی مقرر شدہ مدت آجائے۔

ضرر پر فوراً بے صبر ہو جانا ایک انسانی کمزوری!

شر کو بعجلت طلب کرنے کی مناسبت کے ساتھ اللہ تعالیٰ ان کے سامنے انسان کی ایک کمزوری کو پیش فرماتا ہے کہ اس میں عجیب تناقض پایا جاتا ہے، ایک طرف تو شر کا طالب خود ہے، مگر دوسری طرف جب ضرر پہنچے تو شور مچا دیتا ہے۔ پھر جب اس ضرر کو دُور کیا جائے تو پہلی حالت پر واپس آجاتا ہے فرماتا ہے کہ:

"اور جب انسان کو ضرر پہنچتا ہے تو پہلو پر لیٹ کر ہمیں پکارتا ہے، یا بیٹھ کر یا کھڑے ہو کر۔ پھر جب اُس سے اس کی تکلیف کو دُور کر دیتے ہیں تو یوں چلا جاتا ہے، گویا کسی آنے والی حقیقت کے لیے اس نے ہم سے دعا ہی نہ کی تھی! اسی طرح ان حد سے تجاوز کرنے والوں کے اعمال کو ان کے لیے مزین کیا جاتا ہے!"

انسان کے بشری نمونے کی یہ ایک مکرر صورت ہے، انسان زندگی کے ساتھ کشاں کشاں چلتا رہتا ہے، خطا کاری، گناہ، طغیانی اور حد سے گزر جانا اس سے سرزد ہوتا رہتا ہے۔ صحت وافر ہوتی ہے۔ حالات موافق رہتے ہیں اور قوت وقدرت کے وقت —— سوائے ان کے جن پر اللہ رحم کر کے اور ان کو بچائے —— تذکر و تفکر والے کم ہی ہوتے ہیں، جو یہ سوچیں کہ ضعف اور عجز بھی ہمارے ساتھ لگا ہوا ہے۔ راحت کی ساعتیں بھلا دیتی ہیں اور مالداری کا احساس سرکشی لاتا ہے، پھر جب ضرر آئے جزع فزع کرتا ہے اور کثرت سے دعائیں مانگتا ہے، طویل و عریض امیدیں باندھتا ہے۔ شدت کے ساتھ تنگی اور راحت کے ساتھ عجلت پسند ہے۔ جب دعا قبول ہو جائے اور تکلیف دُور ہو جائے تو چلا جاتا ہے۔ پلٹ کر دیکھتا بھی نہیں اور نہ غور و فکر کرتا ہے۔ اپنی اُسی پہلی حالت کی طرف عود کر جاتا ہے۔ قرآنی سیاق تعبیر کے نپے تلے قدم اٹھاتا ہے، اور انسان کی حالتِ نفسی کے ساتھ ساتھ چلتا رہتا ہے۔ پس وہ ضرر کا نظارہ آہستگی، انتظار اور تطویل کے ساتھ بیان کرتا ہے:

"وہ ہم سے پہلو پر لیٹ کر یا بیٹھ کر یا کھڑے ہو کر دعا کرتا ہے۔"

وہ ہر حالت، ہر وضع اور ہر نظارے کو پیش کرتا ہے، تاکہ انسان کے وقفے کی تصویر کھینچے، جب کہ اس کے جسم میں یا مال میں یا قوت میں دھکیلنے والا طوفان ختم گیا ہے، جس طرح کہ سیلاب کا ریلا بند اور دیوار کے آگے ختم جاتا ہے یا واپس مڑ جاتا ہے۔ حتیٰ کہ جب رکاوٹ اٹھا دی جائے تو چل دیتا ہے۔

Marfat.com

نہ شکریہ ادا کرتا ہے، نہ تدبر کی خاطر ٹھہرتا ہے اور نہ عبرت کے لیے تامل کرتا ہے۔ یہ مرّ کا لفظ ایک ہی کلمہ ہے جو مقابلے، سرکشی اور آزادانہ رفتار کو ظاہر کر دیتا ہے: مرّ کان لم یدعنا الی ضر مسہ گویا وہ زندگی کے طوفان کے ساتھ کسی رکاوٹ اور پرواہ کے بغیر چل دیتا ہے یہ انسان مسرف ہے۔ حد سے تجاوز کرنے والا اور حدود کی پرواہ نہ کرنے والا! اور مسرفوں کو اپنے اعمال خوبصورت دکھائی دیتے ہیں۔ اور یہ خود غرضانہ ذہنیت مسرفوں کی ہے کہ جب تکلیف ہوئی تو اللہ کو پکارنے لگے اور جب راحت و آسائش کا وقت ہوا تو یوں چلے گئے گویا کہ اللہ سے کوئی تعارف ہی نہیں اور گویا کہ کبھی کوئی تکلیف پہنچی ہی نہیں، اسی مناسبت کے ساتھ گزشتہ قوموں کے مسرفوں کا انجام بیان فرمایا ہے کہ:

"اور بلاشبہ ہم نے تم سے پہلی قوموں کو ان کے ظلم کے باعث ہلاک کر دیا تھا، اور ان کے رسول ان کے پاس کھلے دلائل لے کر آئے تھے، اور وہ ایمان لانے والے نہ ہوئے، یوں ہم مجرموں کو جزا دیتے ہیں۔"

اسراف اور اس کا نتیجہ!

اُن لوگوں کو اسراف یعنی حد سے گزرنے اور ظلم یعنی شرک نے ہلاکت تک پہنچایا اور ان کی قتل گاہیں اس وقت تک (بلکہ اب تک بھی!) جزیرۂ عرب میں موجود تھیں، عاد و ثمود کے مساکن اور قوم لوطؑ کی بستیوں کی صورت میں سب لوگ انہیں جانتے تھے۔ سو ان لوگوں کے ان کے رسول کھلے دلائل لے کر آئے جیسے کہ تمہارا رسولؐ تمہارے پاس بے شمار معجزے اور دلائل لے کر آیا ہے! مگر افسوس وہ ایمان لانے والے نہ تھے، کیونکہ انہوں نے ایمان کا راستہ ہی اختیار نہ کیا تھا، اس کے برخلاف سرکشی اور مخالفت کی راہیں اختیار کیں، بہت دُور آگے نکل گئے اور ایمان لانے کے لیے مہیا نہ ہو سکے، نتیجہ یہ ہوا کہ انہیں مجرموں کے انجام سے دوچار ہونا پڑا۔

"اور ہم اسی طرح مجرم قوم کو بدلہ دیتے ہیں!"

قصور ہمارا نہیں خود ان مجرموں کا تھا۔

اب تم ان کے نائب ہوئے ہو!

مجرموں کا انجام پیش کرنے کے بعد، اور یہ بتا کر کہ انہوں نے اپنے رسولوں اور ان کے دلائل پر ایمان قبول نہ کیا اور ان پر عذاب آ گیا، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ اب تم ان کے نائب ہوئے ہو جس طرح ان پہلوں کو زمین کا اقتدار دیا گیا تھا، اب تم کو دیا گیا ہے تاکہ پتہ چلے کہ تم کیا کرتے ہو:

"پھر ہم نے تم کو ان کے بعد زمین میں ان کا نائب بنایا تاکہ ہم دیکھیں تم کیا کرتے ہو؟"

انسانی دل کے لیے یہ ایک شدید لمس ہے، جب اسے یہ یقین ہو جائے کہ اس کو اس ملک کا حاکم و مقتدر بنایا گیا ہے۔ جو ملک و حکومت اس سے پہلے کچھ اور لوگوں کے پاس تھی، اور ان پہلے مالکوں کو اس سے جلاوطن کیا گیا اور یہ موجودہ حاکم بھی ایک دن اس سے بے دخل ہو جائے گا، صرف ایک

Marfat.com

عارضی وقفہ ہے، کچھ دن ہیں، جو اسے یہاں گزارنا ہیں، اور اس کا امتحان لیا جا رہا ہے کہ وہ کیا کرتا ہے؟ آیا گزشتہ لوگوں کی چال چلتا ہے یا ان سے عبرت پاتا ہے! اسلام یہ تصور جس کو قلب انسانی میں پیدا کرتا ہے۔ ایک حقیقی بیداری، احساس اور تقویٰ پیدا کرتا ہے جو اس کے لیے امن کی ضمانت ہے، علاوہ بریں یہ ایک حقیقت بھی ہے جو اللہ تعالیٰ انسان کو دکھاتا ہے، اور اس میں کوئی فریب نہیں ہے جس معاشرے کے لوگوں میں یہ احساس پیدا ہو جائے وہ ایک پُرامن معاشرہ ہے۔ انسان کا یہ شعور کہ وہ ایک امتحان گاہ میں ہے، اس کی آزمائش کی گئی ہے۔ دنیا چند روزہ ہے، جس میں اسے بہت کچھ کرنا ہے، ایام و اموال اور ہر شئی کا حساب ہوگا۔ یہ تصور انسان میں ذمہ داری پیدا کرتا ہے اور اسے دنیا میں مستغرق ہو جانے سے بچاتا ہے، اور اس بات سے بھی محفوظ رکھتا ہے کہ وہ دنیوی ساز و سامان پر اندھا دھند گرے اور اس شعور کی بیداری اس احساس ذمہ داری پر مبنی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے یوں بیان فرمایا ہے:

"تاکہ ہم دیکھیں تم کیسے عمل کرتے ہو!"

یہ تصور اس میں شدید احساس ذمہ داری اور سخت پرہیز پیدا کرتا ہے۔

چوراہا!

یہ ایک چوراہا ہے اسلامی تصور کے درمیان جسے اسلام پیدا کرتا ہے، اور ان تصورات کے درمیان جو انسانی قلب میں غیر اسلامی تصورات جماتے ہیں، یہ تصورات تقویٰ اور اُخروی حساب کو کوئی اہمیت نہیں دیتے، یہ دونوں قسم کے راستے ممکن نہیں کہ باہم کہیں بھی مل سکیں۔ ایک راستہ تو اسلامی تصور کے ساتھ زندگی گزارنے کا ہے اور دوسرے راستے غیر اسلامی تصورات کے ہیں یہاں دونوں قسم کے لوگوں کا تصورِ حیات، اخلاق، تحریک بالکل الگ الگ ہے، وہ دو نظام بھی آپس میں کبھی نہیں مل سکتے جن میں سے ایک تو اسلامی تصور و عقیدے پر مبنی ہو اور دوسرا کسی غیر اسلامی تصورِ حیات اور غیر اسلامی عقیدے پر مبنی ہو، اسلامی زندگی کے قواعد و ارکان کامل ہیں، یہاں پر اسلامی تصور کی صرف یہ بنیادی حقیقت ہی بیان کی جا سکتی تھی جو خود بھی اور اس پر مبنی نظام بھی اپنے تمام ارکان و اجزاء سمیت دوسرے تصورات اور نظامہائے زندگی سے بالکل الگ تھلگ ہے۔ جو لوگ اسلامی تصور و عقیدے اور اسلامی نظام کو دوسرے نظاموں سے غذا بہم پہنچانا چاہتے ہیں وہ یا تو دونوں قسم کے تصورات و نظامات سے یکسر نابلد ہیں اور یا پھر اپنے آپ کو اور دوسروں کو مبتلائے فریب کرنا چاہتے ہیں۔

معاندین کے ناجائز و ناممکن مطالبے

مجرم قوموں کے بعد جن لوگوں کو زمین میں ان کا خلیفہ بنایا گیا تھا، انہوں نے کیا کیا؟ اس کا جواب اللہ تعالیٰ نے آیات: ۱۵ ——— ۲۰ میں یوں بیان فرمایا ہے:

"اور جب ان پر ہماری آیات پڑھی جاتی ہیں تو وہ لوگ، جو ہم سے ملنے کی امید نہیں رکھتے، کہتے ہیں اس کے علاوہ کوئی اور قرآن لے آ، یا اس کو بدل دے، تو کہہ

Marfat.com

کہ میں اس کو اپنی طرف سے نہیں بدل سکتا، میں تو صرف اللہ کی وحی کا تبع ہوں، اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو ایک بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں، تو کہہ کہ اگر اللہ چاہتا تو میں اس کو تم پر نہ پڑھتا اور نہ اسے تم پر پیش کرتا، میں اس سے پہلے تم میں ایک عمر گزار چکا ہوں، کیا تم سوچتے نہیں ہو؟ سو اس سے بڑا ظالم کون ہے جو اللہ پر جھوٹا بہتان لگائے، یا اس کی آیتوں کی تکذیب کرے، بلا شبہ مجرم فلاح نہ پائیں گے، اور وہ اللہ کے سوا ان کی پوجا کرتے ہیں جو انہیں ضرر یا نفع نہیں دے سکتے، اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں، کہو کہ کیا تم اللہ کو ان کی خبر دیتے ہو جن کو وہ نہ آسمان میں جانتا ہے نہ زمین میں، وہ پاک ہے اور بلند ہے، اس چیز سے جس کو وہ شریک کرتے ہیں، اور لوگ تو ایک ہی امت تھے، پھر ان میں اختلاف ہو گیا، اور اگر نہ ہوتی ایک بات جو گزر چکی تیرے رب کی طرف سے، فیصلہ ہو جاتا ان میں ان چیزوں کا جن میں وہ اختلاف کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کیوں اتاری گئی اس پر کوئی دلیل اس کے رب کی طرف سے؟ سو تم کہو کہ غیب تو اللہ ہی کے لیے ہے، پس تم انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں ہوں "۔

یہ تھا ان کا عمل استخلاف کے بعد اور یہ تھا ان کا سلوک رسول کے ساتھ!

قرآن اور صاحب قرآن سے مذاق!

جہاں تک ان کے اس مطالبے کا تعلق ہے کہ: اس کے علاوہ کوئی اور قرآن لاؤ یا اسی کو تبدیل کر دو! یہ ایک عجیب طلب ہے جو سوچی سمجھی رائے پر مبنی نہیں ہو سکتی، ہاں عبث و ہزل پر ضرور مبنی ہو سکتی ہے، اور اسی طرح اس کا منشا قرآن کے مقصدِ نزول سے جہالت ہے۔ اس قسم کا مطالبہ ایسے لوگ نہیں کر سکتے جن کو اللہ تعالیٰ کی مصنفات کا یقین ہو، قرآن ایک کامل دستورِ حیات ہے۔ جو انسان کی انفرادی و اجتماعی زندگی کے مطالبے اور ضروریات پوری کرتا ہے، وہ دنیا میں انسان کو بقدرِ امکان اور بقدرِ سعی و طاقت کمال تک پہنچاتا ہے اور پھر وہ عمل کی صورت میں انسانوں کے صالح اخروی زندگی کی کامیابی کا وعدہ کرتا ہے۔ پس جو قرآن کو اس کی حقیقت سمیت پالے، اس کے دل میں یہ بات نہیں گزر سکتی کہ اس کے سوا کوئی اور قرآن طلب کرے یا اس کے تبدیل کرنے کا مطالبہ کرے۔ غالب گمان یہ ہے کہ سائل جو اخروی زندگی کے قائل نہ تھے وہ صرف سوال برائے سوال کر رہے تھے، اور قرآن کو زمانۂ جاہلیت کے جدل و مناظرہ اور مقابلہ جیسی چیز (مثلاً شاعری، خطابت اور ادیبانہ مہارت!) خیال کرتے تھے۔ پس ایسے لوگوں کا مطالبہ سننا اور اس کی طرف توجہ کرنا، ماننا تو رہا ایک طرف، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمّہ نہ تھا۔

یہ میرا کام نہیں ہے!

ان کے اس ناجائز معاندانہ سوال پر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ:

"کہو یہ میرا کام نہیں کہ میں اس کو اپنی طرف سے بدل دوں، میں تو صرف اس وحی کا اتباع کرتا ہوں جو میری طرف بھیجی جاتی ہے، مجھے خوف ہے کہ اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو ایک بڑے دن کا عذاب ہوگا"

یعنی یہ کسی کھلنڈرے کا کھیل تماشا نہیں، نہ کسی شاعر کی مہارت ہے۔ یہ تو ایک کامل دستور ہے۔ جو ساری کائنات کے مدبر کی طرف سے آیا ہے، اور خالق انسان کی طرف سے، جو انسان کی مصلحت کو سب سے بہتر اور بڑھ کر جانتا ہے۔ لہٰذا رسولؐ کا یہ کام نہیں ہے کہ اس قرآن کو اپنی مرضی سے بدل ڈالے، وہ تو ایک مبلغ ہے اس وحی کا جو اس کے پاس آتی ہے، اس میں کسی قسم کی تبدیلی ایسی معصیت ہے۔ جس کے پیچھے ایک بڑے دن کا عذاب آنے والا ہے۔

اگر اللہ کا حکم نہ ہوتا تو میں اسے پیش نہ کرتا!

آیت: ۱۶ میں فرمایا گیا ہے کہ:

"کہو کہ اللہ چاہتا تو میں اس کو تمہارے سامنے نہ پڑھتا اور نہ تم کو یہ بتاتا، میں اس سے پہلے تم میں ایک عمر گزار چکا ہوں، کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے ہو؟"

یعنی یہ قرآن اللہ کی وحی ہے، جسے تم بدلنے کا یا واپس کرنے کا مطالبہ کرتے ہو، اس کی تبلیغ کرنا بھی اللہ کے حکم کے ساتھ ہے، اگر اللہ نہ چاہتا کہ میں اس کی تلاوت کروں تو نہ کرتا۔ اور اگر اللہ چاہتا کہ تمہیں یہ نہ جتائے تو نہ جتاتا۔ بس نزولِ قرآن میں اور اس کی تبلیغ حکم سراسر اللہ کا ہے حکم ہوا کہ اے رسولؐ! انہیں یہ کہدو، اور یہ بھی کہو کہ میں نے تمہارے اندر رسالت سے پہلے ایک پوری عمر گزاری (۴۰ سال گزارے) اور میں نے یہ قرآن یا اس جیسی کوئی چیز تم کو نہ بتائی، کیونکہ یہ میری طاقت میں نہ تھا، اور میری طرف اس کی وحی نہیں بھیجی گئی تھی، اگر میں اس کے بدل دینے پر یا اس کی مانند کوئی اور قرآن لانے پر قادر ہوتا تو پہلی زندگی میں ایسا کیوں نہ کیا؟ مطلب یہ ہے کہ میں نے خود یہ قرآن نہیں لکھا، نہ لکھ سکتا ہوں، لہٰذا نہ اسے واپس کر سکتا ہوں، نہ اس میں کوئی تبدیلی کر سکتا ہوں، میرے ذمہ تو صرف اس کی تبلیغ ہے اور بس!

میں افتراء نہیں کر سکتا!

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ ان سے کہو۔ دیکھئے کہ میرے لئے یہ جائز نہیں کہ اللہ پر جھوٹا بہتان لگاؤں کیونکہ اس سے بڑا ظلم اور کوئی نہیں ہے کہ کوئی اللہ پر بہتان لگائے یا اس کی آیات کی تکذیب کرے:

Marfat.com

"پس اس سے بڑا ظالم اور کون ہے جو اللہ پر جھوٹا بہتان لگائے یا اس کی آیات کی تکذیب کرے۔"

مطلب یہ ہے کہ تم جو ان دو جرائم میں سے دوسرے کا ارتکاب کر رہے ہو یعنی تکذیب آیاتِ الٰہی کر رہے ہو، میں تمہیں اس سے روکتا ہوں، اور خود میں پہلے جرم سے بچتا ہوں، یعنی اللہ تعالیٰ پر جھوٹا بہتان نہیں لگاتا۔ آگے فرمایا ہے کہ:

"بلاشبہ مجرم فلاح نہیں پاتے۔"

خودساختہ سفارشی

اُوپر کی ہزل (ز نل) کے علاوہ مشرک جو کچھ کرتے ہیں اس کا بیان یوں فرمایا گیا ہے کہ:

"اور وہ عبادت کرتے ہیں اللہ کے سوا ان کی جو ان کو نہ ضرر دیں اور نہ نفع پہنچائیں اور کہتے ہیں: یہ ہمارے سفارشی ہیں اللہ کے پاس۔ کہو کہ کیا تم اللہ کو وہ بات بتاتے ہو جس کو وہ نہیں جانتا (جو معدوم محض ہے) آسمانوں میں اور نہ زمین میں۔ وہ پاک ہے بلند ہے ان کے شرک اور شریکوں سے۔" (آیت: ۱۹)

انسان جب انحراف پر اُتر آئے تو پھر حماقت کی کسی حد پر نہیں ٹھہرتا۔ یہ متعدد ارباب جن کی وہ پوجا کرتے تھے اور جو بے نفع و ضرر تھے، لیکن مشرک یہ سمجھتے تھے کہ وہ اللہ کے ہاں ان کے سفارشی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا علم ساری کائنات کے ذرّے ذرّے پر محیط ہے۔ مگر مشرکوں نے جن شفارشیوں کا دعویٰ کیا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مجھے تو اُن کا علم نہیں، نہ وہ آسمان میں ہیں نہ زمین میں۔ سو کیا جس چیز کا اللہ کو بھی علم نہیں اُسے تم جانتے ہو؟ اور جو معدوم محض ہے، ساری کائناتِ ارضی و سماوی میں اس کا کہیں وجود نہیں ہے، وہ معدوم محض ہے۔ تم اللہ کو اس کی خبر دیتے ہو؟ یہ اندازِ بیان مضحکہ اڑانے میں استعمال ہوتا ہے اور مشرکوں کی بات ہی اس قدر مضحکہ خیز ہے کہ اس کے لیے یہی اسلوب مناسب تھا! بعد والا فقرہ تنزیہہ خداوندی کو بیان کرتا ہے: سبحانہ وتعالیٰ عما یشرکون ٥

شرک خلافِ فطرت ہے، اصلِ دین توحید ہے

آدمؑ کے زمانے میں اور کچھ عرصہ بعد تک، ساری انسانی کائنات کا (جو اُس وقت ظاہر ہے کہ مختصر ہی تھی!) دینِ توحید تھا۔ شرک بعد میں طاری ہوا، جب شیطان نے انسانوں کو اس کی راہ پر ڈالا اور ساری خدائی تنبیہات کے باوجود انسان ابلیس کے بھرّے میں آ گیا۔ چنانچہ اسی مضمون کو آیت: ۱۹ میں یوں بیان فرمایا گیا ہے:

"اور لوگ صرف ایک امت تھے (یعنی توحید کو ماننے والی امت) پھر اختلاف پیدا ہوا"

اور اللہ تعالیٰ کی مشیئت یہ تھی کہ انہیں مہلت دی جائے تاکہ وہ اپنی مدتِ حیات پوری کر لیں یہی اس کی حکمت و مصلحت تھی:

Marfat.com

"اور اگر نہ ہوتی ایک بات تیرے رب کی طرف سے تو ان کے درمیان اختلاف کا فیصلہ کر دیا جاتا۔"

یعنی اسی دنیا میں فیصلہ ہو جاتا مگر یہ بات اللہ تعالیٰ کی مشیئت و رحمت کے خلاف تھی۔ لہٰذا ایسا نہ ہوا، اس کے بعد ان لوگوں کا قول بیان فرمایا گیا ہے کہ:

"اور وہ کہتے ہیں کہ کیوں نہ اتاری گئی اس پر کوئی آیت اس کے رب سے؟ پس تو کہہ کہ بلاشبہ غیب اللہ ہی کے لیئے ہے، پس تم انتظار کرو، میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں۔"

سب سے بڑا معجزہ یہ قرآن ہے!

یہ کتابِ کریم جن آیات پر مشتمل ہے، وہ سب گویا ان کے لیئے کافی نہیں، اس لیئے وہ کوئی اور معجزہ طلب کرتے ہیں، کائنات کی تہوں میں بکھری ہوئی آیاتِ قدرت ان کے لیئے کافی نہیں، لہٰذا وہ اس قسم کا معجزہ دیکھنا چاہتے تھے جیسا پہلے رسولوں نے پہلی امتوں میں پیش کیا، گویا ان لوگوں نے رسالتِ محمدیہ کا مقصد نہیں پایا، اور اس کے معجزے کی فطرت سے ناآشنا رہے ہیں۔ رسالتِ محمدیہ خود ایک دائمی و آفاقی معجزہ ہے، جو کائناتِ ارضی و سماوی کے آخر تک زندہ و پائندہ رہنے والا ہے اور وقتی معجزات کا دکھانا بھی پیغمبر کا اپنا کام نہیں ہے، اللہ تعالیٰ اگر مناسب جانتے تو دکھائے گا ورنہ نہیں۔ معجزہ اللہ کا فعل ہے، جو پیغمبر کی صداقت کو ثابت کرنے کے لیے اس کے ہاتھ پر ظاہر کیا جاتا تھا اس بات کو دوسرے انداز میں یوں فرمایا گیا ہے کہ:

"سو تم کہو کہ غیب تو اللہ ہی کے پاس ہے، سو تم انتظار کرو، میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں شامل ہوں۔" (آیت: ۲۰)

اس جواب کی تہہ میں مہلت بھی ہے اور دھمکی بھی۔ اور پھر اس کی تہہ میں یہ ادب بھی ہے جو عبودیت کو الوہیت کے سامنے اختیار کرنا لازم ہے، وہ یہ کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سید الانبیاء والمرسلین ہونے کے باوجود غیب کے مالک نہیں، غیب کا مالک تو صرف اللہ رب العالمین ہے۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم انسانوں کے مالک نہیں، انسان خدا کی ملک میں ہیں۔ عبودیت کا مقام الوہیت کے حضور میں ہی ہے، یہ دو الگ الگ حقائق ہیں، انسان کتنا بڑا ہو، سید الکائنات ہو مگر پھر انسان ہے، خدا نہیں یہی وہ تعلیم ہے جو اسلام کا خاصہ ہے، اور دنیا کے کسی دین و مذہب میں ایسی صاف اور واضح تعلیم موجود نہیں ہے۔

انسانی فطرت وطبیعت کا ایک عجیب پہلو

اس سے پہلے اوپر کی آیات میں انسانی طبیعت کا یہ پہلو بیان فرمایا گیا ہے کہ جب انسان کو ضرر پہنچے تو اس کا حال کیا ہوتا ہے۔ اب ذیل کی آیات میں (۲۱ ـــــــ ۲۳) دوسرا پہلو اجاگر

Marfat.com

کیا جاتا ہے کہ مصیبت کے بعد جب انسان پر رحمتِ الٰہی کا فیضان ہوتا ہے تو پھر اس کا حال کیا ہوتا ہے:

"اور جب ہم انسان کو تکلیف کے بعد رحمت چکھائیں تو لوگ ہماری آیات میں خفیہ تدبیر کرنے لگتے ہیں۔ تم کہو کہ اللہ کی خفیہ تدبیر سب سے زیادہ تیز ہے۔ بلاشبہ ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے تمہاری خفیہ تدبیر کو لکھ رہے ہیں۔ وہ وہی اللہ ہے جو تم کو خشکی اور تری میں چلاتا ہے۔ یہاں تک کہ جب تم کشتیوں میں ہوتے ہو۔ اور پاکیزہ ہوا کے باعث وہ انہیں لے کر جارہی ہوتی ہیں، اور وہ اس پر خوش ہوتے ہیں تو ان پر تیز طوفان آجاتا ہے اور ہر طرف سے ان پر موج آجاتی ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ بس اب گھیر لیے گئے۔ تو اس وقت وہ اللہ کو پکارتے ہیں، عبادت کو اسی کے لیے خالص کرکے کہ اگر تو ہم کو اس سے نجات دے دے تو ہم بالضرور شکر گزاروں میں سے ہو جائیں گے پھر جب وہ ان کو نجات دے دے تو وہ زمین میں ناحق بغاوت کرتے ہیں۔ اے انسانو! بلاشبہ تمہاری بغاوت تمہاری جانوں کے برخلاف ہے، یعنی دنیوی زندگی کا سامان، پھر ہماری طرف ہی تمہاری واپسی ہوگی اور ہم تمہارے اعمال سے تم کو خبردار کریں گے"

یہ انسانی مخلوق بڑی عجیب ہے۔ اللہ کو بہ صرف تنگی کی حالت میں ہی یاد کرتا ہے، یعنی اس پر جو انحرافات و شوائب محیط ہوتے ہیں، اُن سے صرف تکلیف کے وقت ہی الگ ہوتا ہے، جب حالتِ امن ہو تو یا نسیان ہے اور یا طغیان، اس سے صرف وہ لوگ مستثنیٰ ہیں جو راہِ ہدایت پر ہوں اور ان کی فطرت صحیح ہو، سلیم ہو اور ایمان کی پالش سے منجھے ہوئے ہوں۔ یہی وہ بات ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے یوں بیان فرمایا ہے کہ:

"اور جب ہم لوگوں کو رحمت چکھائیں مصیبت کے بعد جو ان میں پہنچی ہو تو اس وقت وہ ہماری آیات میں خفیہ تدبیریں کرتے ہیں"

قومِ فرعون کا موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ یہی سلوک تھا، جب مبتلائے مصیبت ہوتے تو موسیٰؑ سے فریاد کرتے اور برائی سے باز آجانے کا وعدہ کرتے، جب رحمتِ الٰہی کو چکھتے تو آیاتِ الٰہی کے خلاف خفیہ تدابیر کرنے اور ان میں غلط تاویلیں کرنے لگتے اور کہتے کہ عذاب کو اٹھائے جانے کا سبب تو فلاں اور فلاں ہے۔ پھر یہی کچھ قریش نے کیا، قحط کی مصیبت سے دوچار ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رشتے کا واسطہ لے کر آئے۔ آپؐ نے دعا کی تو بارش ہوگئی، پھر قریش نے آیات اللہ کے ساتھ مکر کیا اور اپنی پہلی حالت پر قائم رہے۔ یہ انسان کی مشہور عادت ہے، اس سے وہی لوگ بچتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ بچائے۔ اسی سلسلہ میں ارشادِ خداوندی ہے:

"کہو کہ اللہ کی خفیہ تدبیر زیادہ تیز ہے، بلاشبہ ہمارے فرستادہ فرشتے تمہارے مکر کو لکھ رہے ہیں"

پس اللہ تدبیر پر زیادہ قادر ہے، اور ان کے مکر و تدبیر کو باطل کرنے کی زیادہ قوت رکھتا ہے

Marfat.com

ان کی خفیہ تدابیر کا ہر پہلو اللہ کے سامنے کھلا ہوا ہے۔ اس سے کچھ مخفی نہیں، نہ وہ کچھ بھولتا ہے۔ جہاں تک ان فرستادگان کا اور ان کی کتابت کا حال ہے۔ یہ غیب سے تعلق رکھتا ہے اور اس کا علم صرف اللہ کے بتانے سے ہی ہو سکتا ہے، اور جو کچھ اس نے بتایا ہے وہ اس نص سے ظاہر ہے، اس سے زیادہ کی تفصیل معلوم نہیں ہے۔

سمندر کے سفر میں انسانی فطرت کا ظہور!

اللہ تعالیٰ نے یہاں ہر ایک زندہ و متحرک نظارہ پیش فرمایا ہے، گویا کہ وہ اب پیش آرہا ہے۔ آنکھیں اس کو دیکھ رہی ہیں، شعور و ادراک اس کا پیچھا کر رہا ہے، دل اس کے ساتھ دھڑک رہے ہیں، یہ نظارہ حرکت اور سکون پر قابو یافتہ قدرت کے ذکر کے ساتھ شروع ہوتا ہے، فرماتا ہے کہ:

"وہ وہی خدا ہے جو تم کو خشکی اور تری میں چلاتا ہے"

اس ساری سورت میں یہی قدرتِ خداوندی مختلف مشاہد و مناظر میں پیش کی گئی ہے، جو کائنات کی قدرت پر حاوی اور مسلط ہے اور جو ایک ہی وحدہٗ لاشریک لہٗ کی قدرت ہے، اب وہ نظارہ ہمارے سامنے ہے:

"حتیٰ کہ جب تم کشتیوں میں ہوتے ہو"

اور اب وہ کشتیاں نرم روی کے ساتھ حرکت میں ہیں:

"اور وہ ان کو لے کر خوش گوار ہوا کے ساتھ چلتی ہیں"

اور یہ دیکھو کہ کشتی میں سفر کرنے والے کا شعور اسے محسوس کرتا ہے:

"اور وہ اس پر خوش ہوتے ہیں"

اور اس پُرامن نرم روی میں، اسی بھرپور سرور کی حالت میں، اچانک ایک مصیبت آجاتی ہے اور پُرامن خوش خوش لوگوں کو آپکڑتی ہے:

"اس پر ایک تیز آندھی آجاتی ہے"

اور پھر وہ مصیبت انہیں چاروں طرف سے گھیر لیتی ہے:

"ہر طرف سے لہریں آجاتی ہیں"

کشتی ڈگمگاتی ہے اور سوار مضطرب ہو جاتے ہیں۔ موجیں تھپیڑے لگاتی ہیں اور کشتی کو اچھالتی ہیں، کشتی اس طوفان میں ایک تنکا نظر آتی ہے، کشتی والے موت کو آنکھوں کے سامنے دیکھ رہے ہیں، اور وہ سمجھتے ہیں کہ بس ہم گھیرے گئے"

اور اب نجات کی کوئی صورت نظر نہیں آتی، اس وقت ایک طلاطم خیز سمندر کے ہول میں ان کی فطرت تمام پردوں کے اٹھ جانے کے باعث عریاں ہو جاتی ہے۔ اور ان کے دل کفر و شرک کے جمے ہوئے تصورات کو جھاڑ کر پرے پھینک دیتے ہیں۔ اس ہولناک صورتِ حال میں توحیدِ خداوندی کی اصلی فطرت کھل کر سامنے آجاتی ہے۔ اور وہ:

"عبادت اور دعا کو صرف اللہ کے ساتھ خاص کر کے اللہ تعالیٰ کو پکارتے ہیں کہ اگر تو ہم کو اس مصیبت سے نجات دیدے تو ہم شکر گزار بن جائیں گے"۔

اب آندھی تھم جاتی ہے، موجیں غائب ہو جاتی ہیں، دھڑکتے ہوئے دل آرام پاتے ہیں، پھولے ہوئے سانس اپنی اصل حالت پر آجاتے ہیں، ڈرے ہوئے دل ساکن ہو جاتے ہیں، کشتی ساحل پر پہنچ جاتی ہے، اور لوگوں کو زندگی کا یقین ہو جاتا ہے، ان کے پاؤں خشک زمین پر کھڑے ہوتے ہیں، اس وقت معلوم ہے کیا ہوتا ہے؟

"پھر جب اللہ انہیں نجات دیتا ہے تو وہ زمین میں ناحق بغاوت کرنے لگتے ہیں"۔

یعنی جس طرح اچانک طوفان آیا تھا اور انہوں نے اللہ کے حضور میں گریہ و زاری کی تھی، اسی طرح اچانک اب یہ نافرمان ہو جاتے ہیں۔

یہ ایک کامل اور سچا نظارہ ہے جس میں سے کوئی حرکت ہم سے پوشیدہ نہیں ہوئی۔ لیکن یہ نظارہ نفسِ انسانی اور فطرتِ انسانی کی تصویر کھینچتا ہے، نسلِ انسانی میں ہر دور کے اندر اس قسم کے لوگوں کی بڑی تعداد رہی ہے۔ نام نہاد مسلم کہلانے والوں میں بھی ہے، یہی وجہ ہے کہ اس کے نتیجے میں ساری نسلِ انسانی کو مخاطب کیا گیا ہے۔

انسان کی سرکشی کا وبال خود اُسی پر ہے!

"اے انسانو! تمہاری سرکشی خود تمہارے اُوپر ہے"۔

سب انسان ایک ہی جان کی حیثیت رکھتے ہیں، لہٰذا ان میں سے ایک بڑی تعداد کی بغاوت گویا تمام انسانوں کے خلاف ہے، لوگ اگر بدی کو مٹانے کا داعیہ اپنے اندر نہ رکھیں تو وبال سب پر ہوگا، اور خود اس قسم کا کام کرنے والوں پر تو وبال ہے ہی! ایسا انسان اپنے آپ کو ہلاکت کے موارد میں جا پھینکتا ہے۔ اور سب سے بڑی بغاوت اللہ کی الوہیت کے خلاف بغاوت ہے۔ خود قرآن کا ارشاد ہے کہ شرک بہت بڑا ظلم ہے۔ پس اللہ کی ربوبیت و حاکمیت کو جو انسان خود اختیار کرے گا، وہی سب سے بڑا ظالم اور باغی ہوگا۔ اور جب لوگ اس قسم کی بغاوت اختیار کرتے ہیں تو اس کا انجام اپنی دنیوی زندگی میں بھی چکھ لیتے ہیں۔ قبل اس کے کہ دوسرے جہان میں اس کا بدلہ چکھیں۔ اس کا انجام دنیا بھر کا فساد ہوتا ہے۔ جس کے باعث ہر شخص بدبخت ہو جاتا ہے۔ اس کے باعث انسانیت، عزت و فضیلت، آزادی اور شرافت کو نقصان پہنچتا ہے۔ لوگ یا تو اپنی دینونت کو اللہ کے لیے خاص کریں گے اور یا پھر باغی و طاغی انسان انہیں اپنے بندے بنالیں گے، تیسرا راستہ اور کوئی نہیں ہے۔ زمین میں اللہ وحدہٗ کی الوہیت کو قائم کرنے کی جدوجہد کرنا، اور انسانوں کی زندگی میں اکیلے برحق رب کی ربوبیت کو نافذ کرنا، یہ انسانیت، آزادی، عزت و شرافت اور فضیلت کی راہ میں جنگ کرنا ہے۔ یہ مقابلہ ہر اسی شریف مطلب کے لیے ہے، جس سے انسان قید کی ذلت سے سربلند ہو، غلاظت کی پلیدی سے، معاشرے کے فساد سے اور زندگی

کی کبیدگی سے نجات پائے۔ اس آیت میں متاع الحیوٰۃ الدنیا کا لفظ تو واضح طور پر دنیوی زندگی کے لیے ہے۔ ثم الینا مرجعکم سے آخرت کا حساب و جزاء مراد ہے۔ پس بغاوت کی سزا کا تعلق دونوں جہانوں کے ساتھ ہے۔ دنیوی زندگی کی بدبختی اور عذاب کے بعد آخرت کا حساب اور جزاء و سزا، دوسری شقاوت اور بدبختی ہے۔ معاذ اللہ منہ۔

دنیوی زندگی کی قیمت

آیت: ۲۴ میں اللہ تعالیٰ نے دنیوی زندگی کی قیمت اور حقیقت بڑے موثر انداز میں ایک متحرک تصویر کی مانند پیش کی ہے، یہ ایک زندہ تصویر ہے، اور ہر شخص کا روزمرہ کا مشاہدہ ہے۔ ارشاد فرمایا ہے کہ:

"دنیوی زندگی کی مثال اس پانی کی مانند ہے جسے ہم نے آسمان سے (اوپر سے) اتارا، پھر اس کے ساتھ زمین کی نباتات خلط ملط ہو کر نکلی، ان چیزوں سے جن کو انسان اور چار پائے کھاتے ہیں۔ حتیٰ کہ جب زمین نے اپنی رونق حاصل کر لی اور وہ مزین ہو گئی اور اس کے رہنے والوں نے گمان کیا کہ وہ اس پر قادر ہیں تو اس پر ہمارا حکم رات کو یا دن کو آگیا، پس ہم نے اسے کاٹ پھینکا گویا کہ کل وہ تھی ہی نہیں۔ اسی طرح ہم آیات کی تفصیل ، غور و فکر کرنے والوں کے لیے بیان کرتے ہیں۔"

دنیوی زندگی کی مثال یہ ہے کہ جس کے صرف بعض فوائد اور ساز و سامان کے ہی لوگ مالک ہیں۔ وہ اس پر راضی ہوتے ہیں اس پر ٹھٹک کر ٹھہر جاتے، اور اس سے زیادہ باعزت اور زیادہ دیر باقی رہنے والی دنیا کی طرف نگاہ نہیں اٹھاتے۔ یہ دیکھیے پانی جو اوپر سے اترتا ہے، یہ نباتات ہے جو اسے چوستی، اس کے ساتھ خلط ملط ہوتی اور سرسبز و شاداب ہو جاتی ہے۔ اور یہ زمین ہے جو ایک دلہن کی طرح سجی ہوئی اور مزین ہے اور زمین والے بھی اس پر نازاں ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ یہ ان کی کوشش کے باعث تر و تازہ اور خوبصورت ہوتی ہے اور ان کے عمل و ارادے سے مزین ہوئی ہے۔ وہ اس کو اپنی ملک جانتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہمیشہ انہی کے قبضے میں رہے گی۔ اس پر بادل، خوبصورتی، فرحت و سرور اور اطمینان کے وقت میں کیا ہوتا ہے؟:

"رات کو یا دن کو ہمارا حکم اس پر آگیا اور ہم نے نابود کر دیا، چورا چورا کر دیا، گویا کہ وہ کبھی تھی ہی نہیں۔"

ایک ہی چمک میں، ایک ہی لمحے میں، ایک ہی جھپک میں سب کچھ ختم ہو گیا۔ سارا کھیل دھرے کا دھرا رہ گیا۔ اتنی لمبی بات کا یہی مختصر مطلب و مقصد ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے یہاں بیان فرمایا ہے۔ یہ ہے دنیا اور یہ ہے اس کا انجام! لوگ اس کو حاصل کرنے کی خاطر آخرت کو تباہ و برباد کر دیتے ہیں پھر بھی کبھی اس کا کوئی حصہ ملتا ہے اور کبھی وہ بھی نہیں ملتا! یہ ہے دنیا جس میں امن و اطمینان مفقود ہے، ثبات و استقرار ناپید ہے، جو عارضی ہے اور تھوڑی سی ہے۔

Marfat.com

اللہ سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے!

آیت ۲۵ میں فرمایا ہے کہ:

"اور اللہ سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے اور جسے چاہتا ہے صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت دیتا ہے۔"

دنیا عارضی ہے، بیوفا ہے، بے اعتبار ہے، بھروسے کے قابل نہیں، اس کے برعکس دارالسلام (جنت) دائمی ہے۔ ہمیشہ کی ساتھی ہے، لائق بھروسہ ہے اور اللہ کی رضا کا گھر ہے، اس میں داخل ہونے والا رنج و غم سے محفوظ ہوگا، یہ خطرہ نہ رکھے گا کہ یہ گھر اس سے چھن جائے گا، یا اُسے اُس سے نکال دیا جائے گا۔

لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ ؕ وَلَا يَرْهَقُ
وُجُوْهَهُمْ قَتَرٌ وَّلَا ذِلَّةٌ ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۶﴾
وَالَّذِيْنَ كَسَبُوا السَّيِّاٰتِ جَزَآءُ سَيِّئَةٍ ۢ بِمِثْلِهَا ۙ وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ؕ
مَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ كَاَنَّمَآ اُغْشِيَتْ وُجُوْهُهُمْ قِطَعًا مِّنَ
الَّيْلِ مُظْلِمًا ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۷﴾ وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ
جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا مَكَانَكُمْ اَنْتُمْ وَشُرَكَآؤُكُمْ ۚ فَزَيَّلْنَا
بَيْنَهُمْ وَقَالَ شُرَكَآؤُهُمْ مَّا كُنْتُمْ اِيَّانَا تَعْبُدُوْنَ ﴿۲۸﴾ فَكَفٰى بِاللّٰهِ
شَهِيْدًا ۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اِنْ كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغٰفِلِيْنَ ﴿۲۹﴾ هُنَالِكَ
تَبْلُوْا كُلُّ نَفْسٍ مَّآ اَسْلَفَتْ وَرُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ وَضَلَّ عَنْهُمْ
مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۳۰﴾ ع قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اَمَّنْ (ع ۳ / ۸)
يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ
الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ ؕ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ ۚ فَقُلْ اَفَلَا
تَتَّقُوْنَ ﴿۳۱﴾ فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ ۚ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ ۚ

Marfat.com

فَاَنّٰی تُصْرَفُوْنَ ﴿۳۲﴾ كَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ فَسَقُوْٓا
اَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۳﴾ قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ
ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ۭ قُلِ اللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿۳۴﴾
قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ ۭ قُلِ اللّٰهُ يَهْدِيْ
لِلْحَقِّ ۭ اَفَمَنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ يُّتَّبَعَ اَمَّنْ لَّا يَهِدِّيْٓ
اِلَّآ اَنْ يُّهْدٰى ۚ فَمَا لَكُمْ ۣ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَمَا يَتَّبِعُ اَكْثَرُهُمْ اِلَّا
ظَنًّا ۭ اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْـًٔا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۳۶﴾
وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰي مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ
الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ
الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۷﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۭ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا
مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۳۸﴾ بَلْ كَذَّبُوْا
بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا بِعِلْمِهٖ وَلَمَّا يَاْتِهِمْ تَاْوِيْلُهٗ ۭ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ
مِنْ قَبْلِهِمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۳۹﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ
يُّؤْمِنُ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهٖ ۭ وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِالْمُفْسِدِيْنَ ﴿۴۰﴾ ع ۹
وَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ لِّيْ عَمَلِيْ وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ ۚ اَنْتُمْ بَرِيْۗـُٔوْنَ مِمَّآ اَعْمَلُ
وَاَنَا بَرِيْۗءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۴۱﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ ۭ اَفَاَنْتَ
تُسْمِعُ الصُّمَّ وَلَوْ كَانُوْا لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۴۲﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْظُرُ اِلَيْكَ ۭ اَفَاَنْتَ
تَهْدِي الْعُمْيَ وَلَوْ كَانُوْا لَا يُبْصِرُوْنَ ﴿۴۳﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ
شَيْـًٔا وَّلٰكِنَّ النَّاسَ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۴۴﴾ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ كَاَنْ لَّمْ

يَلْبَثُوا إِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ يَتَعَارَفُونَ بَيْنَهُمْ ۚ قَدْ خَسِرَ الَّذِينَ
كَذَّبُوا بِلِقَاءِ اللَّهِ وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ ﴿٤٥﴾ وَإِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ
الَّذِي نَعِدُهُمْ أَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَإِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ اللَّهُ شَهِيدٌ عَلَىٰ مَا
يَفْعَلُونَ ﴿٤٦﴾ وَلِكُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولٌ ۖ فَإِذَا جَاءَ رَسُولُهُمْ قُضِيَ بَيْنَهُم
بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿٤٧﴾ وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا الْوَعْدُ إِن
كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿٤٨﴾ قُل لَّا أَمْلِكُ لِنَفْسِي ضَرًّا وَلَا نَفْعًا إِلَّا مَا شَاءَ
اللَّهُ ۗ لِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ ۚ إِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً ۖ وَ
لَا يَسْتَقْدِمُونَ ﴿٤٩﴾ قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَتَاكُمْ عَذَابُهُ بَيَاتًا أَوْ نَهَارًا
مَّاذَا يَسْتَعْجِلُ مِنْهُ الْمُجْرِمُونَ ﴿٥٠﴾ أَثُمَّ إِذَا مَا وَقَعَ آمَنتُم بِهِ ۚ آلْآنَ
وَقَدْ كُنتُم بِهِ تَسْتَعْجِلُونَ ﴿٥١﴾ ثُمَّ قِيلَ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا ذُوقُوا عَذَابَ
الْخُلْدِ هَلْ تُجْزَوْنَ إِلَّا بِمَا كُنتُمْ تَكْسِبُونَ ﴿٥٢﴾ وَيَسْتَنبِئُونَكَ أَحَقٌّ هُوَ ۖ
قُلْ إِي وَرَبِّي إِنَّهُ لَحَقٌّ ۖ وَمَا أَنتُم بِمُعْجِزِينَ ﴿٥٣﴾ وَلَوْ أَنَّ لِكُلِّ ع ٥ ١٥
نَفْسٍ ظَلَمَتْ مَا فِي الْأَرْضِ لَافْتَدَتْ بِهِ ۗ وَأَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَأَوُا
الْعَذَابَ ۖ وَقُضِيَ بَيْنَهُم بِالْقِسْطِ ۚ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿٥٤﴾ أَلَا إِنَّ لِلَّهِ
مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۗ أَلَا إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا
يَعْلَمُونَ ﴿٥٥﴾ هُوَ يُحْيِي وَيُمِيتُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٥٦﴾ يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ
جَاءَتْكُم مَّوْعِظَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَشِفَاءٌ لِّمَا فِي الصُّدُورِ وَهُدًى
وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ ﴿٥٧﴾ قُلْ بِفَضْلِ اللَّهِ وَبِرَحْمَتِهِ فَبِذَٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوا
هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ ﴿٥٨﴾ قُلْ أَرَأَيْتُم مَّا أَنزَلَ اللَّهُ لَكُم مِّن

Marfat.com

رِزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَّحَلٰلًا ؕ قُلْ آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ اَمْ عَلَى
اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ ﴿٥٩﴾ وَمَا ظَنُّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ يَوْمَ
الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿٦٠﴾ ع ۶ ۱۱
وَمَا تَكُوْنُ فِيْ شَاْنٍ وَّمَا تَتْلُوْا مِنْهُ مِنْ قُرْاٰنٍ وَّلَا تَعْمَلُوْنَ مِنْ
عَمَلٍ اِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُوْدًا اِذْ تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ؕ وَمَا يَعْزُبُ عَنْ
رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ وَلَآ اَصْغَرَ مِنْ
ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرَ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿٦١﴾ اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ
عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٦٢﴾ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿٦٣﴾ لَهُمُ الْبُشْرٰى
فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ؕ لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُوَ
الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿٦٤﴾ وَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۘ اِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ؕ هُوَ
السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿٦٥﴾ اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ ؕ
وَمَا يَتَّبِعُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُرَكَآءَ ؕ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا
الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ﴿٦٦﴾ هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ
لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ﴿٦٧﴾
قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ هُوَ الْغَنِيُّ ؕ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا
فِي الْاَرْضِ ؕ اِنْ عِنْدَكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍۭ بِهٰذَا ؕ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا
لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿٦٨﴾ قُلْ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا
يُفْلِحُوْنَ ﴿٦٩﴾ مَتَاعٌ فِي الدُّنْيَا ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ نُذِيْقُهُمُ
الْعَذَابَ الشَّدِيْدَ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ﴿٧٠﴾ ع ۷ ۱۲

Marfat.com

(ترجمہ) جن لوگوں نے نیکی کی ان کے لیے اچھائی ہے اور زیادہ بھی، اور ان کے چہروں پر مایوسی اور ذلت نہ چھائے گی وہی ہیں جنت والے، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ (۲۶) اور جنہوں نے برائیاں کمائیں، تو برائی کا بدلہ اسی کی مانند ہو گا، اور ان پر ذلت چھائے گی۔ انہیں کوئی اللہ سے بچانے والا نہ ہو گا، گویا کہ ان کے چہروں پر رات کا ایک تاریک ٹکڑا ڈھانک دیا گیا ہو۔ وہی ہیں آگ والے جو اس میں ہمیشہ رہیں گے (۲۷) اور جس دن ہم ان سب کو اکٹھا کریں گے، پھر ہم کہیں گے ان لوگوں سے جنہوں نے شرک کیا: اپنی جگہ پر رہو تم اور تمہارے شریک، پھر ہم جدائی کر دیں گے ان کے درمیان اور کہیں گے ان کے شریک کہ تم ہماری عبادت نہیں کرتے تھے (۲۸) پس کافی ہے اللہ گواہ ہمارے اور تمہارے درمیان، یقیناً ہم تمہاری عبادت سے بے خبر تھے (۲۹) وہاں پر پالے گا ہر کوئی جو اس نے آگے کے لیے کیا، اور انہیں لوٹایا جائے گا اللہ کی طرف جو ان کا برحق مالک ہے، اور گم ہو جائیں گے ان سے جو وہ جھوٹ باندھتے تھے (۳۰) تو کہہ کہ کون ہے جو تم کو رزق دیتا ہے آسمان سے اور زمین سے؟ یا وہ کون ہے جو مالک ہے کانوں کا اور آنکھوں کا؟ اور کون نکالتا ہے زندہ کو مُردہ سے اور نکالتا ہے مُردہ کو زندہ سے؟ اور کون ہے جو امر کی تدبیر کرتا ہے؟ پس وہ فوراً کہیں گے: اللہ۔ پس کہو کہ کیا تم خدا سے ڈرتے نہیں ہو؟ (۳۱) پس وہی ہے اللہ تمہارا برحق رب، پس کیا ہے حق کے بعد سوائے گمراہی کے؟ پھر تم کہاں پھرے جا رہے ہو؟ (۳۲) اسی طرح ثابت ہو گئی تیرے رب کی بات ان لوگوں پر جو فاسق ہوئے کہ وہ ایمان نہ لائیں گے (۳۳) کہو کہ کیا تمہارے شریکوں میں سے کوئی ہے جو پہلی بار پیدا کرے اور پھر دوبارہ پیدا کرے؟ کہو کہ اللہ پہلی بار پیدا کرتا ہے پھر اس کو لوٹائے گا پھر تم کو کہاں پھیرا جا رہا ہے (۳۴) کہو کہ کیا تمہارے شریکوں میں سے کوئی ہے جو حق کی ہدایت دے؟ کہہ کہ اللہ حق کے لیے راہنمائی کرتا ہے، سو کیا جو حق کی ہدایت دیتا ہے وہ اتباع کا زیادہ حقدار ہے یا وہ جو ہدایت نہیں پاتا، مگر یہ کہ اس کو ہدایت دی جائے۔ پس تم کو کیا ہے کیسے فیصلے کرتے ہو؟ (۳۵) اور نہیں اتباع کرتے ان میں سے اکثر مگر گمان کی، بلاشبہ ظن حق کے کسی کام نہیں آتا، بلاشبہ اللہ خوب جانتا ہے جو وہ کرتے ہیں (۳۶) اور یہ نہیں ہو سکتا تھا کہ اس قرآن کو گھڑ لیا جائے اللہ کے سوا، بلکہ یہ تصدیق ہے ان کتابوں کی جو اس سے پہلے تھیں۔ اور کتاب کی تفصیل ہے، اس میں شک نہیں کہ یہ رب العالمین کی طرف سے ہے (۳۷) کیا یہ کہتے ہیں کہ پیغمبر نے اسے بنا لیا ہے؟ کہو، پھر لاؤ تم ایک سُورت اس جیسی اور بلاؤ جس کو بلا سکو اللہ کے سوا اگر تم سچے ہو (۳۸) بلکہ انہوں نے تکذیب کی اس کی جس کے علم کا احاطہ نہ کر سکے اور ابھی نہیں آئی ان کے پاس اس کی تاویل (انجام)۔ اسی طرح تکذیب کی ان لوگوں نے جو ان سے پہلے تھے۔ پس دیکھ تو کہ کیسا ہوا انجام ظالموں

Marfat.com

کا؟ (۳۹) اوران میں سے بعض اس پر ایمان لاتے ہیں اور بعض ایمان نہیں لاتے، اور تیرا رب خوب جانتا ہے فسادیوں کو (۴۰) اور اگر وہ تیری تکذیب کریں۔ تو کہہ کہ میرے لیے میرا عمل ہے اور تمہارے لیئے تمہارا عمل ہے، تم بری ہو اس سے جو میں کرتا ہوں اور میں بری ہوں اس سے جو تم کرتے ہو (۴۱) اوران میں سے بعض کان لگاتے ہیں تیری طرف، کیا بس تو سنا سکتا ہے بہروں کو اگرچہ وہ عقل نہ رکھیں؟ (۴۲) اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو تیری طرف دیکھتے ہیں، سو کیا تو اندھوں کو راہ دکھا سکتا ہے؟ اگرچہ وہ نہ دیکھتے ہوں (۴۳) بلاشبہ اللہ بالکل لوگوں پر ظلم نہیں کرتا، لیکن لوگ اپنے اوپر خود ظلم کرتے ہیں۔ (۴۴) اور جس طرح وہ انہیں اکٹھا کرے گا، گویا کہ وہ نہ ٹھہرے تھے مگر دن کی ایک گھڑی۔ آپس میں جان پہچان کریں گے۔ بلاشبہ خسارہ پایا انہوں نے جنہوں نے اللہ کی ملاقات کی تکذیب کی اور نہ ہوئے وہ ہدایت یافتہ (۴۵) اور یا تو ہم دکھائیں گے تجھ کو بعض وہ چیزیں جن کا ہم ان سے وعدہ کرتے ہیں یا تجھ کو قبض کرلیں گے۔ پھر ہماری ہی طرف ان کی واپسی ہو گی، پھر اللہ ہی گواہ ہے اس پر جو وہ کرتے ہیں (۴۶) اور ہر امت کے لیے ایک رسولؐ ہے پس جب ان کا رسول آگیا تو ان کے درمیان انصاف کا فیصلہ کیا جائے گا اور ان پر ظلم نہ کیا جائے گا (۴۷) اور وہ کہتے ہیں کہ کب ہو گا یہ وعدہ اگر تم سچے ہو؟ (۴۸) تو کہہ کہ میں مالک نہیں ہوں اپنے لیئے کسی نقصان کا اور نہ نفع کا مگر جو اللہ چاہے، ہر امت کے لیئے ایک مدت ہے، جب ان کی مدت آئے تو وہ ایک گھڑی پیچھے نہ ہوں گے اور نہ آگے ہوں گے (۴۹) تو کہہ کہ کیا تم نے دیکھا ہے، اگر آئے تم پر اس کا عذاب رات کو یا دن کو تو مجرم کس چیز سے جلدی مچائیں گے؟ (۵۰) کیا پھر جب وہ واقع ہو گیا تو تم اس پر ایمان لاؤ گے؟ اب ایمان لائے ہو اور تم اس میں جلدی مچاتے تھے؟ (۵۱) پھر کہا جائے گا ظالموں سے کہ چکھو دائمی عذاب تمہیں صرف اسی کی جزا دی جائے گی جو تم کماتے تھے۔ (۵۲) اور تم سے پوچھتے ہیں کہ کیا یہ حق ہے؟ تو کہہ کہ ہاں میرے رب کی قسم وہ ضرور حق ہے اور تم عاجز کرنے والے نہیں ہو (۵۳) اور اگر ہر ظالم جان کے لیے وہ سب کچھ ہو جو زمین میں ہے تو وہ اس کا فدیہ دیدے اور وہ شرمندگی کو چھپائیں گے جب کہ عذاب کو دیکھیں گے، اور فیصلہ کیا جائے گا ان کے درمیان انصاف کے ساتھ اور ان پر ظلم نہ کیا جائے گا (۵۴) خبردار! بلاشبہ اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ خبردار! اللہ کا وعدہ برحق ہے، مگر ان میں سے اکثر نہیں جانتے (۵۵) وہی زندہ کرتا اور مارتا ہے اور اسی کی طرف تم کو واپس کیا جائے گا (۵۶) اے انسانو! بے شک آگئی ہے تمہارے پاس نصیحت تمہارے رب کی طرف سے اور شفا ہے اس کے لیئے جو سینوں میں ہے اور ہدایت اور رحمت مومنوں کیلئے (۵۷) تو کہہ کہ اللہ کے فضل کے ساتھ اور اس کی رحمت کے ساتھ، پس اسی کے ساتھ انہیں

Marfat.com

خوش ہونا چاہیئے، وہ بہتر ہے اس سے جو وہ جمع کرتے ہیں (۵۸) کہو کہ بھلا بتاؤ تو سہی کہ اللہ نے تمہارے لیے جو رزق اتارا، پس تم نے اس میں سے حرام اور حلال بنا لیا، کہو کہ کیا اللہ نے تمہیں اس کا اذن دیا ہے۔ یا تم اللہ پر بہتان لگاتے ہو؟ (۵۹) اور کیا گمان ہو گا ان لوگوں کا جو اللہ پر جھوٹا بہتان لگاتے ہیں، قیامت کے دن؟ بلاشبہ اللہ بڑے فضل والا ہے انسانوں پر مگر ان میں سے اکثر شکر نہیں کرتے (۶۰) اور نہیں ہوتا تو کسی حالت میں، اور تو کسی حالت میں قرآن کی تلاوت نہیں کرتا، اور تم کوئی عمل نہیں کرتے، مگر ہم تم پر گواہ ہوتے ہیں جب کہ تم اس میں لگے ہوتے ہو، اور نہیں اوجھل ہوتا تیرے رب سے ایک ذرّہ کی مقدار پر نہ زمین میں اور نہ آسمان میں، اور نہ اس سے کوئی چھوٹی چیز اور نہ بڑی چیز مگر وہ ایک روشن کتاب میں ہے (۶۱) خبردار! یقیناً جو اللہ کے دوست ہیں ان پر کوئی خوف نہیں۔ اور نہ وہ غمگین ہوں گے (۶۲) وہ جو ایمان لائے اور تقویٰ شعار تھے (۶۳) انہی کے لیئے ہے خوشخبری دنیوی زندگی میں اور آخرت میں، نہیں تبدیلی اللہ کی باتوں کی، یہی ہے عظیم کامیابی (۶۴) اور ان کی بات تجھے غمگین نہ کرے، بلاشبہ عزت ساری اللہ کے لیئے ہے وہ ہی بہت سننے والا بہت جاننے والا ہے (۶۵) خبردار! بلاشبہ اللہ ہی کے لیے جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں، اور خدا کے سوا پکارنے والے جن کا اتباع کرتے ہیں، وہ صرف گمان کے پیچھے چلتے ہیں اور صرف اٹکل چلاتے ہیں (۶۶) وہ وہی ہے جس نے تمہارے لیئے رات بنائی تاکہ تم اس میں سکون پاؤ اور دن کو روشن بنایا، بلاشبہ اس میں سننے والے لوگوں کے لیئے دلائل ہیں (۶۷) انہوں نے کہا کہ اللہ نے اولاد اختیار کی ہے، وہ پاک ہے وہی غیر محتاج ہے، اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے۔ تمہارے پاس اس کی کوئی دلیل نہیں کیا تم اللہ پر وہ کچھ کہتے ہو جو جانتے نہیں؟ (۶۸) کہو کہ جو لوگ اللہ پر جھوٹا افتراء کرتے ہیں وہ فلاح نہیں پاتے (۶۹) وہ فائدہ ہے دنیا میں، پھر ہماری ہی طرف ہے ان کی واپسی، پھر ہم ان کو شدید سزا چکھائیں گے، اس وجہ سے کہ وہ کفر کرتے تھے (۷۰)

خلاصۂ آیاتِ بالا

یہ سارا درس وجدانی لمسات پر مشتمل ہے جن سب کا منتہائے مقصود یہ ہے کہ انسانی فطرت کا سامنا تین چیزوں کے ساتھ کیا جائے:

(۱) توحیدِ الٰہی کے دلائل۔

(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت۔

Marfat.com

(۳) قیامت کے دن لوراس میں عدل و انصاف پر یقین و ایمان ۔

یہ ایسے وجدانی مؤثرات ہیں جو نفس کو ہر طرف سے قابو میں کر لیتے ہیں اور اسے کائنات کے اطراف تک لے جاتے ہیں، اُسے ایک وسیع و عریض میدان میں سیر کراتے ہیں، زمین سے آسمان تک دوڑاتے ہیں، پھر کائنات کے آفاق سے نفس کے آفاق تک لے جاتے ہیں، زمانہ ماضی سے زمانۂ حاضر تک لاتے ہیں۔ دنیا سے آخرت تک پہنچاتے ہیں۔

گزشتہ درس میں بھی یہ مؤثرات و جولات موجود تھے، مگر ذرا مدھم انداز میں، یہاں یہ بہت واضح اور صاف ہیں۔ یہاں میدانِ حشر کی پیشی سے لے کر کائنات کے مناظر تک، نفس کی ذات تک، قرآنِ مجید سے تحدی تک، گذشتہ مکذبین کے انجام سے تذکیر تک، یک لخت عذاب آ جانے سے تخویف تک اور پھر ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا علم کامل و شامل، کائنات کے بعض دلائل، اللہ تعالیٰ پر افترا کرنے والوں پر قیامت کا عذاب، سب چیزیں بیان ہوئی ہیں۔ ان آیات کی تاثیر کا یہ عالم ہے کہ کوئی فطرتِ سلیم کا مالک انسان متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ کفار جب لوگوں کو قرآن سننے سے منع کرتے تھے کہ مبادا ان پر اثر ہو جائے اور وہ ایمان لے آئیں، تو وہ قرآن کی تاثیر کو ماننے اور جانچنے میں واقعی سچے تھے۔

ہدایت یافتوں اور غیر ہدایت یافتوں کی جزا کے قواعد

درس سابق کی آخری آیت میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد گزرا ہے کہ: اللہ تعالیٰ سلامتی کے گھر کی طرف دعوت دیتا ہے اور جسے چاہے صراطِ مستقیم کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔ اس درس میں ہدایت پانے والوں اور نہ پانے والوں کی جزار کے قواعد کا بیان ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و رحمت اور قسط و عدل کا اظہار ہے۔ آیت: ۲۶ اور ۲۷ میں اسی مضمون کا بیان ہے، فرمایا ہے کہ:

> "نیکی کرنے والوں کے لیے اچھائی ہے اور کچھ اور بھی، اور ان کے چہروں پر پالوسی اور ذلت نہ چھائے گی۔ وہی جنتی ہیں جو اس میں ہمیشہ رہیں گے اور جنہوں نے برائیوں کی کمائی کی تو برائی کی جزار اُسی کی مانند ہے۔ اور ان پر ذلت چھا جائے گی، ان کے لیے اللہ سے بچانے والا کوئی نہ ہو گا، گویا کہ ان کے چہروں پر تاریک رات کا ایک ٹکڑا ڈھانک دیا گیا ہے۔ وہی لوگ ہیں آگ والے جو اس میں ہمیشہ رہیں گے۔"

آیت: ۲۶ کی ابتدار میں جو اَحسَنُوا فرمایا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ: ان کا عقیدہ بھی اچھا تھا، عمل بھی اچھا تھا اور اس نے صراطِ مستقیم کی معرفت کو اچھی طرح سے حاصل کر لیا تھا، وہ کائناتی قانون پا لیا تھا جو انسان کو سلامتی کے گھر میں پہنچاتا ہے، ایسے لوگوں کی جزار بھی ان کے عقیدے اور عمل کے مطابق احسن ہے اور اسی پر فضلِ خداوندی کے ساتھ بغیر محدود اضافہ ہے اور یہ لوگ روزِ محشر کے مصائب و کربات سے نجات پانے والے ہیں، اور آخری فیصلہ ہونے سے پہلے کی ہولناکی سے بچ جائیں گے۔ قتر کا معنیٰ ہے، غبار اور سیاہی، جو غم اور تنگی کے باعث چہرے پر آجاتی

ہے۔ وانتہائی مایوسی کے عالم میں انسان کے چہرے پر جو کیفیت ظاہر ہوتی ہے اس سے مراد یہی ہے، ذلت سے مراد انکسار و اہانت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ان کے چہروں سے غم و الم کی بے رنگی اور ذلت کی رسوائی نہ ٹپکے گی۔ اس تعبیر کا مطلب یہ ہے کہ میدان قیامت کے طویل وقوف، خوف و کرب، ہولناکی اور اہانت کے باعث ان کے چہرے صاف بتائیں گے کہ ان کے دلوں کی کیا کیفیت ہے۔ ان سب آثار سے نجات پا جانا غنیمت ہوگا۔ جو محض فضل الٰہی اور جزار کے اوپر اضافے کی وجہ سے ہوگا۔ یہی جنت والے ہیں جو اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ برائیوں کی کمائی کرنے والے خسارے کا سودا کریں گے۔ دنیا سے انہیں لے دے کے یہی نفع ملے گا۔ یہ عدل الٰہی کے مستوجب تو ضرور ہوں گے کہ انہیں صرف ان کی برائی کی سزا ملے گی اور اس پر کوئی اضافہ نہ ہوگا۔ لیکن ان کی اپنی بداعمالیوں کے باعث ان کے چہرے سیاہ ہوں گے۔ گویا کہ رات کا کوئی سیاہ ٹکڑا ہے کہ ان کے چہروں پر مل دیا گیا ہے، رات کی سیاہی ان کے چہروں کے ساتھ چپکا دی گئی ہے۔ اس قسم کے سیاہ چہروں والے کچھ لوگوں کو جب اکٹھا کھڑا کیا جائے گا، تو یوں معلوم ہوگا کہ رات کی سیاہ چادر چھائی ہوئی ہے، پھر ایسے وقت میں ان کے شریک اور برائے نام شفعاء انہیں کہیں نہ ملیں گے۔ وہ گم ہو چکے ہوں گے۔

عابد و معبود ٹکرا جائیں گے!

آیات: ۲۸ ——— ۳۰ میں میدان محشر کا ایک ایسا منظر پیش کیا گیا ہے۔ جس میں بت پرستوں کے لیے مایوسی کے سوا کچھ نہ ہوگا۔ معبود عابدوں کا رد کریں گے، اور اپنے معبود ہونے سے مکر جائیں گے:

”اور جس دن ہم ان سب کو جمع کریں گے، پھر مشرکوں سے کہیں گے: اپنی جگہوں پر رہو تم اور تمہارے شریک! پھر ہم ان میں جدائی کریں گے اور ان کے شریک کہیں گے: تم ہماری عبادت نہ کرتے تھے۔ پس کافی ہے اللہ گواہی دینے والا ہمارے اور تمہارے درمیان، یقیناً ہم تو تمہاری عبادت سے بے خبر تھے۔ وہاں پر پالے گا ہر کوئی جو اس نے آگے بھیجا، اور انہیں اللہ کی طرف لوٹایا جائے گا۔ جو ان کا برحق مالک ہے اور ان سے گم ہو جائے گا جو وہ افترا باندھتے تھے۔“

میدان قیامت میں سفارشیوں اور شریکوں کا یہ قصہ ہے۔ یہ قیامت کے مناظر میں سے ایک منظر ہے، ایک زندہ منظر جو صرف خبر سے زیادہ مؤثر و بلیغ ہے کہ شرکاء و شفعاء جن کو لوگوں نے از خود بنا رکھا ہے، میدان قیامت میں اپنے عابدوں کے کسی کام نہ آئیں گے۔ وہ انہیں نجات اور خلاصی نہ دلا سکیں گے، ان سب کو وہاں پر جمع کیا جائے گا، عابدوں کو بھی اور معبودوں کو بھی وہ عابد دنیا میں ان کو اللہ کا شریک سمجھتے تھے مگر قرآن ان کو ازراہ تہکم: شرکاءھم کہتا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ان کے خود ساختہ شریک تھے، درحقیقت وہ اللہ کے شریک کبھی نہ تھے! پھر ان سب کو حکم ہوگا کہ اپنی اپنی جگہ پر کھڑے رہو۔ اور پھر ان میں جدائی کی جائے گی، عابد و معبود الگ الگ ہو جائیں گے، عابد تو

مارے ندامت وخوف کے بول نہ سکیں گے، مگر معبود کہیں گے کہ: اے عابدو! تم ہماری عبادت تو نہ کرتے تھے؟ یعنی ہم میں تو کوئی الوہیت نہیں تھی۔ تم نے جو کچھ کیا اپنے وہم وگمان اور شرک کے باعث کیا، ہم اس کے ذمہ دار نہیں ہیں۔ خدا گواہ ہے کہ ہم کو تمہاری عبادت کا علم تک نہ تھا! اس وقت ہر شخص کا کیا اس کے سامنے آجائے گا۔ اور ایک اللہ وحدہٗ برحق مالک کے سامنے اپنے اپنے اعمال کی جزا وسزا کے لیے پیش ہوں گے۔ سب کذب وافترا کھل کر سامنے آجائے گا اور خود مشرک اس کے باطل ہونے کی شہادت دیں گے کہ ان کا شرک باطل تھا۔

آفاق وانفس کے دلائل توحید

میدانِ حشر کے منظر سے ہٹا کر اب مشرکوں کو ان کی روزمرہ کی زندگی اور گردوپیش کی طرف متوجہ کیا جاتا ہے کہ ان کے دلائل بھی یہی کہتے ہیں کہ اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ ہے:

"کہو کہ کون تم کو رزق دیتا ہے آسمان سے اور زمین سے یا کون ہے جو کانوں اور آنکھوں کا مالک ہے، اور کون ہے جو زندہ کو مردہ سے اور زندہ سے مردہ کو نکالتا ہے؟ اور کون ہے جو ہر امر کی تدبیر کرتا ہے؟ سو وہ کہیں گے کہ وہ اللہ ہے، تو تُو کہہ کہ کیا تم خدا سے نہیں ڈرتے ہو (کہ اس اعتراف کے باوجود مشرک ہو؟) پس وہی ہے اللہ تمہارا برحق رب، سو حق کے بعد گمراہی کے سوا اور کیا ہے؟ تو تمہیں پھر کہاں پھیرا جا رہا ہے؟" (آیات: ۳۱ ——— ۳۲)

اُوپر گزر چکا ہے کہ مشرکین رب اللہ کے وجود کے منکر نہ تھے، نہ اس کے خالق ورازق اور مدبر ہونے کا انکار کرتے تھے۔ وہ صرف اس کا تقرب پانے کے لیے شرکاء بناتے تھے یا یہ کہ ان شریکوں کو اللہ کی قدرت کے پہلو میں کچھ قدرت حاصل ہے، ان آیات میں مشرکوں کو خود ان کے عقیدے اور اقرار پر پکڑا جا رہا ہے تاکہ ان کی فطرت ہی خود ان کے اقرار سے ان کی ضلالت اور گڑبڑ واضح کی جائے۔ آسمان اور زمین کا رزق تو بہت وسیع ہے، اس کے اسباب ومقتضیات تو بے حدوحساب ہیں، مگر ان سے ایک سادہ سا سوال کیا جاتا ہے کہ بارش جو رزق کا بڑا سبب ہے، پرندے، چرندے، نباتات، غلے، حیوانات، بحروبر کی زندہ وغیر زندہ اشیاء کو کون پیدا کرتا ہے اور تمہارے لیے رزق کا سامان مہیا کرتا ہے؟ انسان ہمیشہ آسمان وزمین کے رزق کی بے شمار نئی چیزیں، نئے اسباب، نئے تقاضے اور نتیجے دریافت کرتا رہے گا اور کبھی وہ اس سے اچھا اور کبھی بُرا مقصد حاصل کرے گا۔ نئی نئی دریافتوں اور ایجادات کو اپنے اور دوسرے انسانوں کی بھلائی میں اور اکثر برائی میں بھی استعمال کرتا رہے گا۔ خدا کا رزق زمین کی سطح پر، زمین کے پیٹ میں، سمندر کے اُوپر اور نیچے، ہواؤں میں، غرض ہر جگہ افراط سے اور وافر موجود ہے۔ سورج، چاند، ستارے، پانی، ہوا، روشنی، تاریکی، ہر چیز انسان کی خدمت میں لگی ہوئی ہے۔ زمین کی عفونت اور غلاظت سے بھی کئی دوائیں اور تریاق نکالے گئے ہیں پھر اللہ تعالیٰ نے انسان کو کان اور آنکھیں بخشیں، وہی ان کا مالک ہے، بخشے یا نہ بخشے، یا بخش

Marfat.com

کو واپس لے لے، تندرست رکھے یا بیمار کر دے۔ جدید علم نے ان دونوں اعضاء کے خواص، فوائد، بیماریاں، علاج، ترکیب، ان کے اجزاء کے اعمال و فوائد دریافت کیے ہیں جو واقعی حیرت انگیز ہیں۔ طب جدید نے تو انسانی جسم کے ایک ایک عضو کے الگ الگ ماہرین پیدا کیے ہیں۔ ان باریکیوں پر غور کیا جائے تو واقعی خالق کائنات کی صنعت و توحید پر اطمینان ہو جاتا ہے۔

زندہ سے مردہ اور مردہ سے زندہ کی پیدائش

پہلے یہ سمجھا جاتا تھا کہ ساکن چیز میت ہے اور متحرک و نامی زندہ ہے۔ پس زندہ سے مردہ اور مردہ سے زندہ کی پیدائش کا مدلول ان کے ہاں یہ تھا کہ دانے سے نباتات نکلتی ہے اور نباتات سے دانہ پیدا ہوتا ہے۔ اسی طرح انڈے سے چوزہ پیدا ہونا اور مرغی سے انڈا نکلنا بھی اسی کی مثال سمجھی جاتی تھی، یہ اشیاء اور ان کی تفاصیل و اسباب واقعی بڑے عجیب و غریب ہیں۔ حتیٰ کہ یہ دریافت ہونے کے بعد بھی عجیب ہیں کہ دانہ اور انڈا مردوں میں شامل نہیں بلکہ زندوں میں سے ہیں لہٰذا آسانی سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ ایک حیثیت سے وہ زندہ ہیں اور ایک حیثیت سے مردہ۔ پس دونوں باتیں درست ہیں! کیونکہ ان میں زندگی پوشیدہ ہے اور اس کی استعداد موجود ہے۔ ان چیزوں میں زندگی کا اپنی ساری استعداد اور دلائل کے ساتھ پایا جانا اور بھی باعث حیرت ہے اور اللہ تعالیٰ کی خلق و قدرت اور صفت پر واضح دلیل ہے۔ دانے اور گٹھلی سے نباتات اور کھجور کا نکلنا، بڑ اور پیپل کے ذرا سے بیج سے اتنا بڑا تناور اور عظیم درخت بن جانا حیرت انگیز ہے۔ اسی طرح انڈے سے چوزے کا نکلنا اور نطفے کے جرثومے سے انسان اور حیوان پیدا ہونا نہایت ہی عجیب و غریب ہے۔ ماننا پڑتا ہے کہ نہایت چھوٹی مقداریں یہ سب بڑی بڑی چیزیں اپنے اصل میں پوشیدہ تھیں، دانے میں درخت، پورے کا پورا درخت، جرثومے میں انسان اور بڑے سے بڑا حیوان، چھپا ہوا تھا، کھجور کی گٹھلی میں ایک بہت طویل تنا، شاخیں، گچھے، چھال، رنگ برنگی کھجوریں، ان کا مزا اور خوبصورتی، غرض ہر چیز پوشیدہ تھی۔ انڈے میں چوزے کا پورا جسم، رنگ، کلغی، آواز اور زندگی کے تمام عناصر و مقتضیات چھپے ہوئے تھے۔ اس کی ہڈیاں، گوشت، کھال، پنکھ، بازو، غرض ہر چیز پوشیدہ تھی۔ انسانی نطفے کے جرثومے میں انسان کے جسم کا ہر ذرہ، دل و دماغ، طاقت، گفتگو، سماعت و بصارت کی قوتیں، انسانی دماغ کے حیرت انگیز کارنامے، اس کی نیکی بدی، اس کی حرکت و سکون، آواز، گرفت، بھاگ دوڑ، سوچ، رفتار و گفتار، یعنی ہر چیز پوشیدہ تھی۔ اور بطور اختصار یوں کہہ سکتے ہیں کہ یہ سارا جہان اپنی تمام رنگا رنگی سمیت دانے، گٹھلی، انڈے اور جرثومے میں چھپا ہوا تھا۔ اور اس کی علت و تفسیر سوائے قدرت خداوندی کے اور کچھ نہیں ہو سکتی۔

موت و حیات کے اسرار و رموز!

انسان ہمیشہ موت و حیات کے اسرار، ان کی نیرنگیاں، مردہ سے زندہ اور زندہ سے مردہ کے پیدا

Marfat.com

ہونے کے عجیب و غریب مظاہر سے لوراسرار، عناصر کا موت سے حیات تک حیات سے موت تک سفر کرنا دریافت کر نا رہے گا- اور یہ موت و حیات کا سوال اپنی گہرائی، وسعت اور حیرت افزائی میں بہر صورت بڑھتا رہے گا کھانے کی بیشمار چیزیں جو پس کر، پک کر اور جل کر موت کا شکار ہو جاتی ہیں، زندہ چیزوں کے جسم میں جا کر خون میں تبدیل ہو جاتی ہیں جو جسم کے ذرے ذرے میں گردش کرتا ہے اور سبب حیات ہے پھر یہ خون، اور خوراک کا کچھ حصہ جل کر فضلہ بن جاتا ہے اور اپنے اپنے مقررہ مخرج سے حکمت خداوندی کے ساتھ جسم سے باہر نکلتا ہے- پس یہ بھی مردہ سے زندہ اور زندہ سے مردہ کے نکلنے کی ایک واضح مثال ہے۔ سوال یہ ہے کہ یہ سب کچھ کیسے اور کیوں ہوتا ہے؟ اس کا کوئی جواب اس کے علاوہ تسلی بخش نہیں کہ ایک مقتدر خالق کائنات موجود ہے، جو یہ سب کچھ کرتا ہے، ورنہ ہر دم کے اندر حیات کا پیدا ہونا کس کا فیضان ہے؟

تدبیر امر

کائنات کے ہر گوشے میں، ہر زندہ چیز میں، ہر نبات میں، شمس و قمر میں، زمین و آسمان کے تمام اطراف میں سکون و حرکت، زندگی اور موت کا مالک و خالق ایک ہی خالق و مالک کائنات ہے، یہ اسی خدائے واحد کی تدبیر ہے، حیرت انگیز کائنات بشری کی تدبیر و ترتیب اسی ایک الٰہ برحق کے ہاتھ میں ہے، وہی تمام سُنن انفرادیہ و اجتماعیہ کی تدبیر کرتا ہے، اگر اس کے سوا کوئی ہے تو بتایا جائے مشرک بھی کسی اور کا اتہ پتہ نہیں بتاتے جو یہ کام کر سکے- کائنات کے ذرے ذرے میں ایسی تنظیم و ترتیب اور تدبیر و تقدیر کارفرما ہے- جو ایک لمحہ غافل نہیں ہوتی-

مشرک وجودِ خداوندی کے منکر نہ تھے!

جب گزشتہ تمام عجائبِ قدرت و تحقیق کے متعلق سوال کیا گیا کہ یہ سب کچھ کرنے والا کون ہے؟ تو مشرکوں کا جواب بھی یہ تھا کہ: وہ اللہ ہے! پس وہ اللہ کے وجود و قدرت کے منکر نہ تھے، ان کی فطرت کا تقاضا ان سے یہ کہلواتا تھا کہ کچھ قدرت فلاں اور فلاں میں بھی ہے، اللہ قادر ہے، مگر اس نے اپنا کچھ اختیار ان زندہ یا مردہ خداؤں کو بخش دیا ہے- پس یہ اصلی خدا نہیں، لیکن عطائی خدا ضرور ہیں! معاذ اللہ منہ، نتیجہ اس کا یہ تھا کہ رسوم و شعائر عبادت دوسروں کے لیے ادا کرتے تھے- اور قانون ساز، حاکم دوسروں کو مانتے تھے- یہ تھا ان کا شرک- انکارِ خداوندی کا نام کفر و الحاد ہے نہ کہ شرک- منکر لوگ دنیا میں ہمیشہ تھوڑے رہے ہیں اور آج بھی تھوڑے سے ہیں- مگر اکثریت مشرکوں کی ہے، کافروں میں بھی اور نام نہاد مسلمانوں میں بھی اس لیے فرمایا گیا ہے کہ جب یہ سب کام کرنے والا اللہ ہے تو کیا دوسروں سے دعا کرتے، ان کی عبادت کرتے انہیں صاحب اقتدار مانتے، تمہیں شرم نہیں آتی؟ تم خدا سے کیوں نہیں ڈرتے؟ جو تمہارا ربّ برحق اور الٰہ حق ہے، حق ایک ہے نہ کہ متعدد- اور حق کے بعد باطل کے سوا اور کچھ نہیں رہ جاتا، تم جانتے بوجھتے اور آنکھوں دیکھے گمراہی کو کیوں کر اختیار کرتے ہو؟

Marfat.com

تیرے رب کی بات ثابت ہوگئی!

مشرک توحید کے واضح حق کے دلائل و مقدمات کا اقرار و اعتراف کرتے تھے مگر ان کے نتائج کے منکر تھے۔ حالانکہ وہ نتائج عقلاً ثابت و لازم تھے۔ اور جب وہ نتائج کے منکر تھے تو ان کے واجب تقاضوں پر بھی ان کا عمل نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ کے قوانین و نوامیس میں یہ ایک طے شدہ تقریر ہے کہ جو لوگ فطرت کے منطق اور عقل کے لازمی تقاضوں سے انحراف کریں وہ ایمان نہیں لاتے، گزشتہ قرون کی سنت یہی بتاتی ہے۔ اس سلسلے میں فرمایا:

"اور اسی طرح تیرے رب کی بات ان لوگوں پر ثابت ہوگئی جو فاسق ہیں کہ وہ ایمان نہ لائیں گے۔"

اس لیے نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جبراً ان کو ایمان سے روک دیا ہے۔ بلکہ اس لیے کہ وہ خود ایمان لانا نہیں چاہتے، کائنات میں دلائل ایمان تو قائم ہیں۔ بلکہ ان کے مقدمات بھی ان کے عقیدے میں قائم ہیں جن کا اوپر ذکر ہوا، مگر یہ مشرک اس راستے پر چلنے سے کتراتے ہیں جو ایمان تک پہنچانے والا ہے اور ان دلائل کا انکار کرتے ہیں جو ان کے سامنے ہیں، اور اس منطق کے منکر ہیں، جو خود ان کی فطرت میں موجود ہے۔

کیا مظاہر قدرت میں تمہارے شریکوں کا کوئی حصہ ہے؟

آیات: ۳۴ ——— ۳۵ میں ارشاد ہے کہ:

"کہو کہ کیا کوئی تمہارے شریکوں میں ایسا ہے جو پہلی دفعہ پیدا کرتا ہے اور پھر دوبارہ پیدا کرے گا؟ (جب ایسا نہیں ہے تو) پھر تم کو کہاں اٹھایا جا رہا ہے؟ کہو کہ تمہارے شریکوں میں سے کیا کوئی ایسا ہے جو حق کی طرف راہنمائی کرے؟ کہو کہ اللہ ہی حق کی طرف راہ دکھاتا ہے، پس کیا وہ جو حق کی طرف راہ دکھاتا ہے اس کا زیادہ حقدار ہے کہ اس کی پیروی کی جائے یا وہ جو ہدایت نہیں پا سکتا مگر اس صورت میں کہ اسے ہدایت دی جائے (کسی کو راہ دکھانا تو رہا ایک طرف!) پھر تمہیں کیا ہو گیا ہے، تم کیسے فیصلے کرتے ہو؟"

ان آیات میں جو کچھ مشرکوں سے پوچھا گیا ہے وہ ان کے مسلمات میں سے نہیں ہے، نہ وہ اس کا مشاہدہ کر سکتے ہیں، یعنی دوبارہ پیدا کرنا اور ہدایت دینا، مگر یہ سوال ان سے اس لیے کیے گئے ہیں کہ اوپر بیان کردہ ان کے مسلمات سے یہ خود بخود لازم آتا ہے کہ وہ یہ بھی تسلیم کریں کہ اللہ کے سوا نہ کوئی دوبارہ پیدا کر سکتا ہے اور نہ ہدایت دے سکتا ہے، یہ بات ان کے مسلمات سے خود بخود لازم آجاتی ہے، بس ذرا سا تدبر و تفکر درکار ہے۔ پھر ان سے یہ مطالبہ بھی نہیں کہ جواب دیں، اور ان کے جواب کا ذکر بھی نہیں فرمایا گیا، یہ بھی اس لیے کہ ان کے مسلمہ مقدمات سے یہ جواب خود لازم آتا ہے، جو یہاں اللہ تعالے نے خود دیا ہے، کیونکہ نتائج بالکل واضح ہیں۔

Marfat.com

تخلیق سے توحید کا استدلال

مشرک یہ تو مانتے تھے کہ پہلی بار پیدا کرنا فقط اللہ تعالیٰ کا کام تھا، مگر وہ دوسری بار تخلیق کے اعادے کے قائل نہ تھے، نہ بعث و نشور کے اور نہ حساب و جزا کے قائل تھے۔ مگر خالق مدبر کی حکمت صرف پہلی بار کی تخلیق سے پوری نہیں ہو سکتی، کہ پھر مخلوقات کا خاتمہ کر دیا جائے اور بس۔ کیونکہ اس طرح مخلوقات اس کمال تک نہیں پہنچ سکتی جو ان کے لیے مقدر ہے، نہ وہ اپنی نیکی بدی کا بدلہ پاتی ہے۔ اس صورت میں تو مخلوق کا سفر اس دنیا میں ناقص رہتا جو خالق مدبر، حکیم کی تخلیق و تدبیر اور حکمت و مصلحت کے تقاضے کے خلاف تھا۔ اللہ تعالیٰ کے وجود، اس کے خالق ہونے کی مصلحت و حکمت اور تدبیر و عدل و رحمت کا تقاضا یہ نہ ہوتا، کیونکہ آخرت کا عقیدہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات پر عقیدہ رکھنے کا لازمی جز اور نتیجہ ہے۔ اور مشرک خود تسلیم کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ زندہ کو مُردہ سے اور مُردہ کو زندہ سے نکالتا ہے۔ اور آخرت کی زندگی بھی موت میں سے زندگی نکالنے کی ایک صورت ہے، اسی لیے فرمایا ہے کہ:

"کہو اللہ کی تخلیق کی ابتدا کرتا ہے اور پھر وہی اس کا اعادہ کرے گا۔"

اور یہ بات بڑی عجیب ہے کہ اس حقیقت کے مقدمات کو تسلیم کر لینے کے بعد وہ اس کا انکار کریں!:

"پس تم کہاں پھیرے جاتے ہو؟"

یہ بات حق سے بعید ہے اور افک ہے، تم اس میں کہاں گمراہ پھر رہے ہو؟

ہدایت سے استدلال توحید

"کہو کہ تمہارے شریکوں میں سے کیا کوئی ایسا ہے جو حق کی طرف راہنمائی کرے؟"

یعنی کوئی کتاب نازل کرے اور کوئی رسول بھیجے، کوئی نظام حیات وضع کرے، کوئی شریعت پیش کرے، بدی کے انجام سے خبردار کرے اور نیکی کی طرف لوگوں کا رُخ پھیرے، کائنات میں اور نفس میں اللہ کے دلائل کو کھول کر بتائے، غافل دلوں کو بیدار کرے، عقل و ادراک و شعور کو متحرک کرے، جیسا کہ تمہیں معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اور اس کے بھیجے ہوئے رسولؐ نے یہی کام کیے ہیں اور حق و ہدایت کی طرف تمہاری راہنمائی کی ہے۔ یہ چیز ان کے معمات سے نہیں تھی، مگر اس کے وقائع ان کے سامنے موجود تھے، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ ان لوگوں کے سامنے یہ مطالبہ رکھیں، اور انہیں اس سلسلے میں ماخوذ کریں، چنانچہ فرمایا ہے کہ:

"کہو کہ اللہ ہی حق کے لیے ہدایت دیتا ہے۔"

اور یہیں سے وہ قضیہ پیدا ہوتا ہے جس کا جواب بالکل واضح اور صاف ہے کہ یہ کام اللہ تعالیٰ کے ہیں اور اس کے رسولؐ کے ہاتھوں سے انجام پائے، اور کوئی یہ نہیں کر سکتا، پس اللہ کے سوا معبود بھی کوئی نہیں:

Marfat.com

"کیا پس وہ جو حق کی طرف راہنمائی کرتا ہے، وہ پیروی کیے جانے کے زیادہ لائق ہے، یا وہ جو خود ہدایت نہ پا سکے، جب تک کہ اس کو ہدایت نہ دی جائے"

حقیقی ہادی ہی پیروی کا حق دار ہے!

اُوپر جو سوال مذکور ہوا، اس کا جواب تو مسلم و معلوم ہے کہ جو لوگوں کو ہدایت دیتا ہے، حق کی طرف بلاتا ہے، وہی اتباع کا زیادہ مستحق ہے، نہ وہ کہ کسی کو ہدایت نہ دے سکے، بلکہ خود دوسروں کی ہدایت کا محتاج ہو۔ اور یہ بات سب معبودانِ باطل پر منطبق ہوتی ہے، خواہ وہ پتھر ہوں یا درخت یا ستارے یا پھر انسان، اور خواہ وہ عیسیٰ علیہ السلام ہی کیوں نہ ہوں، کیونکہ وہ بھی ہدایت میں اللہ کی راہنمائی کے محتاج تھے، گو ان کو لوگوں کا ہادی بنا کر بھیجا گیا تھا، اور عیسیٰ علیہ السلام کے سوا جن اوروں کو معبود مانا گیا وہ تو بدرجۂ اولیٰ اس حقیقت کے منطبق ہونے کے حق دار ہیں، آخر میں فرمایا ہے کہ:

"پھر تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ تم کیسے فیصلے کرتے ہو؟"

یعنی اتنے واضح عقلی و منطقی اور شرعی و عرفی جواب کے خلاف تم کیونکر چلتے ہو؟ اور راہِ حق سے منحرف کیوں ہوتے ہو؟

نظر و استدلال اور عقیدے کا فیصلہ!

مشرکوں سے سوال و جواب ہو چکا، ان کے مسلمہ مقدمات کا ذکر و تقاضا بتا دیا گیا ہے، اور ثابت ہو گیا کہ جن چیزوں کو وہ پوجتے ہیں، ان کے ثبوت میں کوئی دلیل نہیں رکھتے۔ ان کے عقیدے کھوکھلے اور بے وزن ہیں، عقل و فکر، فطرت و حقیقت کے خلاف ہیں، ان کے پاس وہم و گمان کے سوا کچھ نہیں، انہی پر ان کا گزارہ ہے اور یہ مسلم حقیقت ہے کہ حق کے مقابلے میں، یا اس کے معاملے میں وہم و گمان بے کار اور باطل ہے، چنانچہ فرمایا ہے:

"اور ان میں سے اکثر لوگ ظن کے پیچھے چلتے ہیں، ظن حق سے بے نیاز نہیں کر سکتا، اللہ تعالیٰ ان کے فعل سے خوب آگاہ ہے"

نظر و استدلال اور عقیدے کا تقاضا ہے کہ صرف حق کی پیروی کی جائے۔

مشرکوں کے وہم و گمان کی مثالیں

مشرکوں کا ایک گمان یہ ہے کہ اللہ کے کچھ شریک ہیں، مگر اس کو وہ حق ثابت نہیں کر سکتے، اور علمی و عقلی طور پر اس کا کوئی ثبوت نہیں دے سکتے۔ دوسرا وہم و گمان ان کا یہ ہے کہ ان بتوں کی عبادت ان کے آباؤ اجداد نے بھی کی تھی، اگر یہ عبادت کے حق دار نہ ہوتے تو وہ ایسا نہ کرتے اور نہ ایسے خرافات کے قائل ہوتے۔ تیسرا وہم ان کا یہ ہے کہ وہ اندھی تقلید کی قید سے اپنے آپ کو آزاد نہیں کرتے۔ چوتھا وہم و گمان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان میں سے کسی مرد کی طرف وحی نہیں بھیج سکتا مگر وہ اس

Marfat.com

کی کوئی دلیل نہیں دیتے اور نہ یہ بتاتے ہیں کہ یہ بات اللہ تعالیٰ پر محال کیوں ہے؟ ان کا پانچواں گمان یہ ہے کہ یہ قرآن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی بناوٹ ہے۔ پھر وہ نہیں بتا سکتے کہ بشر ہوتے ہوئے اگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا قرآن بنا سکتے ہیں تو وہ سب مل کر، اور دوسرے لوگوں کو بھی ساتھ ملا کر، اس جیسی ایک چھوٹی سی سورت کیوں نہیں لا سکتے؟ اس طرح وہ اوہام و ظنون کے ایک مجموعے کے درمیان زندگی بسر کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ جو عالم الغیب والشہادہ ہے ان کے افعال سے بخوبی آگاہ ہے۔

ممکن نہ تھا کہ قرآن کو اللہ کے سوا کوئی اور بنا سکتا

آیات ۳۷ ــــــــــ ۴۴ میں پہلے تو اس امکان کی نفی ہے کہ اللہ کے سوا کوئی اس قرآن کو بنا سکتا ہے، اور ان میں تحدی کی گئی ہے کہ اس جیسی ایک سورت بنا کر لے آئیں۔ پھر فرمایا ہے کہ وہ بے دلیل اٹکل پچو باتیں کرتے ہیں، ان باتوں پر ان کا خود یقین نہیں، نہ انہوں نے ان کو ثابت کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا گیا ہے کہ آپ اپنی راہ پر قائم رہیں اور ان لوگوں کی پرواہ نہ کریں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ ایمان لائیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ نہ لائیں۔ گمراہ فریق تو گمراہ رہے گا ہی، ان کی وجہ سے دل چھوٹا کرنا غلط ہے، ان کا انجام اچھا نہیں ہوگا۔ کیونکہ وہ اس کے حق دار ہیں:

"اور یہ نہ ہو سکتا تھا کہ اس قرآن کو اللہ کے سوا کوئی اور خود گھڑ لے، بلکہ یہ پہلی کتابوں کی تصدیق ہے اور ان کی تفصیل ہے، اس میں کوئی شک نہیں رب العالمین کی طرف سے ہے، کیا یہ کہتے ہیں کہ پیغمبر نے اس کو خود گھڑا ہے؟ تو کہہ کہ پھر تم اس جیسی ایک سورت بنا لاؤ اور اللہ کے سوا جسے ہو سکے بلا لو اگر تم سچے۔ بلکہ جس چیز کے علم کو وہ محیط نہ ہو سکے، اس کی انہوں نے تکذیب کر دی اور ابھی تک اس کی تاویل ان کو نہ پہنچی اس طرح تکذیب کی تھی ان لوگوں نے جو ان سے پہلے تھے۔ پس تو دیکھ کہ کیسا ہوا تھا انجام ظالموں کا۔ اور ان میں سے بعض اس پر ایمان لائے اور ان میں سے بعض ایمان نہ لائے۔ اور تیرا رب فسادیوں کو خوب جانتا ہے۔ اور اگر یہ تیری تکذیب کریں تو تو کہہ کہ میرے لیے میرا عمل ہے اور تمہارے لیے تمہارا عمل ہے، تم بری ہو اس سے جو میں عمل کرتا ہوں اور میں بری ہوں اس سے جو تم عمل کرتے ہیں، اور ان میں سے بعض تیری طرف کان لگاتے ہیں، پس کیا تو بہروں کو سنا سکتا ہے اگرچہ وہ عقل نہ رکھتے ہوں؟ اور ان میں سے بعض تیری طرف دیکھتے ہیں، پس کیا تو اندھوں کو راستہ دکھا سکتا ہے اگرچہ وہ دیکھتے نہ ہوں؟ بلاشبہ اللہ لوگوں پر بالکل ظلم نہیں کرتا، مگر لوگ اپنے آپ پر خود ظلم کرتے ہیں۔"

قرآن کا من دون اللہ ہونا ممکن نہ تھا!

آیت: ۳۷ میں جو اس قرآن کے غیر اللہ کی طرف سے ہونے کے امکان کی نفی کی گئی ہے اس کا

Marfat.com

سبب یہ ہے کہ قرآن اپنے موضوعی اور تعبیری خصائص کے باعث، اپنے نظم ونسق اور تناسب کے کمال کے باعث، اپنے پیش کردہ عقیدے کے کمال کے باعث، اس انسانی نظام کے باعث جس کو وہ متضمن ہے۔ حقیقت الوہیت کی اس تصویر کے باعث اس میں جو کمال موجود ہے، انسانی فطرت و طبیعت کی تصویر کشی کے کمال میں، حیات کی تصویر کشی میں، کائنات کی طبیعت و فطرت کی تصویر کشی میں یہ ممکن نہیں کہ غیر اللہ کی طرف سے ہو۔ کیونکہ اسے پیش کرنے کی قدرت صرف اللہ تعالیٰ میں تھی، یہی قدرت اوائل و اواخر کو محیط ہے۔ ظواہر اور پوشیدگیوں کو محیط ہے۔ اور یہی قدرت ہے جو نقص و قصور سے پاک اور جہل و عجز کے آثار سے پاک راہِ عمل پیش کر سکتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس قرآن سے افتراء کے وجود کا امکان منفی کر دیا ہے کہ یہ ہو سکتا ہی نہ تھا کہ اسے کوئی غیر اللہ پیش کر سکے۔ پس نفی افتراء کی نہیں بلکہ اس کے وجود کے جواز کی نفی ہے۔

پہلی کتابوں کی تصدیق

قرآن نے ان کتابوں کی تصدیق کی ہے جو پہلے انبیاء پر نازل ہوئی تھیں۔ بنی اسرائیل نے ان کتابوں میں جو تحریف اور تبدیلی کی تھی قرآن نے اس کا رد کیا ہے۔ اور اس عمل پر ان کی برائی بیان فرمائی ہے، معلوم ہوا کہ تصدیق صرف آسمانی کتب کی ہے نہ کہ محرّف و مُبدّل تعلیم کی یہ چیز تو ان لوگوں کے جرائم میں مذکور ہوئی ہے لہٰذا یہ تصدیق سے خارج ہے۔

تفصیل الکتاب

تمام رسولوں کی کتاب دراصل ایک تھی جو مختلف اوقات و ممالک میں مختلف رسولوں پر حسب ضرورت کم بیش اترتی رہی اور کامل و مکمل صورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن کی شکل میں سب رسولوں کی کتاب کے اصول ایک تھے مگر تفاصیل میں حسبِ ضرورت و مصلحت اختلاف تھا۔ یہ قرآن اسی ایک خدائی کتاب واحد کی تفصیل ہے اور ان ذرائع خیر کی تفصیل ہے جسے قرآن نے پیش کیا ہے۔ قرآن نے کتاب اللہ کی تحقیق اور اس کی حفاظت کے وسائل کا بھی بیان فرمایا ہے۔ اللہ کا عقیدہ ہمیشہ سے ایک رہا ہے، نیکی کی دعوت ہمیشہ سے ایک رہی ہے، مگر خیر کی صورتیں مختلف تھیں، خدا کی شریعت کی تفاصیل ہر دور میں مختلف تھیں ضروریاتِ زمانہ اور انسانی ترقی ونشوونما کا اس تفصیل میں لحاظ رکھا جانا ضروری تھا، نزولِ قرآن کے دور میں انسانیت سنِ رشد و بلوغت کو پہنچ گئی تھی، لہٰذا قرآن کا خطاب گویا بالغ امت کے ساتھ تھا، یہی سبب ہے کہ معجزات کی کثرت کے باوجود اسلام نے ان پر انحصار نہیں کیا، بلکہ اصل بنیاد عقل و فکر اور تدبر پر رکھی ہے۔ اس آیت کے آخر میں فرمایا ہے کہ:

"اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ یہ رب العالمین کی طرف سے ہے۔"

Marfat.com

مشرکوں کو مقابلے کا چیلنج!

کافر کہتے تھے کہ یہ قرآن معاذاللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا افترا ہے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انسان تھے، وہی زبان بولتے تھے جو قریش بولتے تھے، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام بھی انہی حروف سے مرکب ہوتا تھا جن سے اُن کا کلام مرکب تھا: الف لام را۔ الف لام میم۔ الف لام میم صاد، اوران کفار قریش کا اپنا مجمع بھی بہت تھا، فصاحت و بلاغت بھی ان کے گھر کی لونڈی تھی، وہ دوسروں کو ساتھ ملا کر ان سے مدد بھی لے سکتے تھے، پس انہیں اللہ تعالیٰ نے کھلا چیلنج دیا کہ تم یہ سارا مجمع اپنے ساتھ لے کر بقول تمہارے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذاللہ اگر اللہ تعالیٰ پر افترا کر لیا ہے تو تم بھی ایسا کرو پورا قرآن نہیں، نصف نہیں، اس جیسی صرف ایک سورت بنا لاؤ:

"یہ کہتے ہیں کہ پیغمبر نے اس قرآن کو خود گھڑ کر اللہ پر افترا کیا ہے (استغفراللہ نقلِ کفر کفر نباشد!) تم کہو کہ پھر تم اس جیسی ایک سورت لے آؤ اور بلا لو جس کو بلا سکتے ہو اللہ کے سوا اگر تم سچے ہو"

یہ تحدی برحق ثابت ہوئی اوران لوگوں کا اس سے عجز بھی ثابت ہو گیا ہمیشہ سے ثابت ہے۔ اور ہمیشہ ثابت رہے گا۔ جو لوگ عربی زبان کی بلاغت کو جانتے ہیں، اور وہ فنی جمال اور تناسق بھی پالیتے ہیں۔ جو اس میں پایا جاتا ہے، انہیں یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ قول کے اس نسق کی طاقت کسی انسان میں نہیں ہے اسی طرح وہ لوگ جو اجتماعی نظاموں کا مطالعہ کرتے ہیں، اصول قانون کو پڑھتے ہیں، اور اس نظام کا مطالعہ کرتے ہیں، جن کو یہ قرآن لے کر آیا ہے، وہ یہ بخوبی جان لیتے ہیں کہ اس قرآن نے انسانی جماعتوں کی تنظیم اور ان کی زندگی کے تمام شعبوں کے تقاضے، ہر قسم کے احوال کے بچے اس کے احکام کی آسانی اور عملیت، یہ سب چیزیں انسانی عقل کے احاطے سے باہر ہیں۔ ایک نسل کی تمام عقلیں بلکہ تمام انسانوں کی عقلیں کسی زمانے اور کسی ملک میں ان کا احاطہ نہیں کر سکتیں۔ اسی طرح نفسِ انسانی کا مطالعہ کرنے والے اور ان میں تاثیر کے وسائل کے اصول کو پڑھنے والے جب قرآن کا مطالعہ کریں گے تو شہادت دیں گے کہ یہ مضامین انسانی بس سے باہر ہیں۔

قرآن کے وجوہ اعجاز

قرآن کے وجوہِ اعجاز پر، طریقِ ادا پر، اسلوب بیان پر ایک مستقل کتاب کی ضرورت ہے یہ اعجاز صرف لفظی نہیں، صرف تعبیر اور طرزِ ادا کا نہیں بلکہ ان کے علاوہ معانی و مطالب کا، موضوعاتِ بیان کا، قوانین و نفسیات کا اعجاز بھی ہے، میں یہاں اس مضمون پر ایک چلتی ہوئی نظر ڈالوں گا۔ قرآن کا طرزِ ادا انسانی طریقِ ادا سے ممتاز اور مختلف ہے۔ اس کا دلوں پر ایسا عجیب غلبہ و تسلط ہوتا ہے جو بشری طرزِ ادا کا نہیں ہوتا، حتیٰ کہ بعض دفعہ اس کی تلاوت کا اثر ان لوگوں پر بھی ہوتا ہے جو عربی زبان کا ایک حرف تک نہیں جانتے، کئی ایسے حوادث و واقعات ہوئے ہیں۔ جن کی تفسیر اس کے بغیر نہیں

Marfat.com

ہوسکتی جو ہم کہتے ہیں۔ اگرچہ یہی ایک قاعدۂ کلیہ نہیں ہے، مگر ان کا وقوع تفسیر و تعلیل کا محتاج ہے۔ میں یہاں دوسرے لوگوں کے تجربات واقعات نہیں بیان کرتا، بلکہ خود اپنا واقعہ بتاؤں گا، یہ خود میرے ساتھ پیش آیا تھا اور میرے ساتھ اس کے کچھ گواہ بھی تھے، یہ کم و بیش ۱۵ برس کی بات ہے، ہم چھ مسلمان مصر سے بحر اٹلانٹک میں ایک مصری جہاز پر نیویارک جارہے تھے، ہمارے علاوہ اس جہاز میں ایک سو بیس غیر مسلم مسافر بھی تھے، کچھ مرد اور کچھ عورتیں، ہمارے دل میں خیال آیا کہ سمندر کے اندر جہاز میں نماز جمعہ ادا کریں۔ اس جہاز پر ایک عیسائی پادری بھی تھا جو اپنا مشنری کام سرانجام دیتا تھا۔ اللہ جانتا ہے کہ ہمارے دل میں نماز قائم کرنے سے زیادہ دینی غیرت کا سوال تھا، اس پادری نے اپنا کام ہم پر بھی کرنا شروع کیا۔ جہاز کے کیپٹن نے ہمیں جہاز پر نماز قائم کرنے کی اجازت دے دی تھی۔ یہ کیپٹن ایک انگریز تھا۔ اس نے جہاز کے سب چھوٹے ملازموں کو، جو سب نوبی مسلمان تھے، اس شرط کے ساتھ جمعہ پڑھنے کی اجازت دے دی کہ اس وقت جن کی ڈیوٹی نہ ہو وہ نماز پڑھ لیں ملازم اس بات پر بہت خوش ہوئے، کیونکہ یہ پہلا واقعہ تھا کہ جہاز پر جمعہ قائم کیا جارہا تھا، میں نے جمعہ کا خطبہ دیا اور نماز پڑھائی اور غیر ملکی سوار زیادہ تر ہمیں گھیرے ہوئے تھے اور ہماری نماز کو دیکھ رہے تھے۔ وہ کثیر تعداد میں نماز کے بعد ہمیں اس بات پر مبارک باد دینے آئے کہ قداس کامیاب رہا! اور نماز کا وہ اتنا ہی مطلب سمجھتے تھے، لیکن اس مجمعے میں سے ایک یوگوسلاوی عیسائی خاتون جو مارشل ٹیٹو کے جہنم اور اس کے کمیونزم سے بھاگ کر آرہی تھی، وہ اس نماز سے بہت متاثر تھی، اس کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور وہ اپنے احساسات پر قابو نہ پاسکتی تھی۔ وہ گرمجوشی کے ساتھ ہم سے ہاتھ ملاتی اور کہتی تھی کہ: تمہارے قسیس (عالم) نے کس زبان میں باتیں کی تھیں؟

وہ بے چاری یہی سوچ سکتی تھی کہ نماز صرف قسیس ہی پڑھا سکتا ہے! جیسا کہ عیسائیوں کے گرجے میں یہی ہوتا ہے۔ ہم نے اس کے فہم کی تصحیح کی اور اسے جواب دیا، اس نے کہا کہ جس زبان میں تمہارا پادری بات کر رہا تھا، اس کی تاثیر اور موسیقی بہت عجیب تھی! لیکن امام کی گفتگو میں پہلی قسم کے کلام کے علاوہ کچھ اور فقرے بھی تھے جو پہلے کلام جیسے نہ تھے، بلکہ ان کا اثر زیادہ گہرا اور اس کی موسیقی زیادہ مؤثر تھی۔ یہ فقرے خاص کر جسم پر رعشہ طاری کرتے تھے۔ وہ کوئی اور چیز ہے، یوں معلوم ہوتا تھا کہ امام روح القدس سے بھرا ہوا تھا۔ (یہ اس کی عیسائی تعبیر تھی!) ہم نے کچھ غور کیا تو پتہ چلا کہ اس کی مراد وہ قرآنی آیات تھیں جو خطبۂ جمعہ کے درمیان واقع ہوتی ہیں اور نماز میں پڑھی جاتی ہیں! اور اس کے باوجود یہ بات ہمارے لئے واقعی حیرت افزا تھی کہ ایک خاتون عربی نہ سمجھتے ہوئے یہ باتیں کہہ رہی تھی۔

جیسا کہ میں نے اوپر بیان کیا کہ یہ کوئی قاعدہ نہیں، مگر اس واقعہ کا وقوع اور اس قسم کے اور واقعات کا وقوع، جو مجھے کئی لوگوں نے بتائے ہیں، یہ دلالت کرتا ہے کہ اس قرآن میں ایک بھید ہے جو بعض قلوب صرف اس کی تلاوت کے ساتھ چن لیتے ہیں، یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس خاتون کا اپنے دین پر ایمان، اور اس کے اپنے ملک میں جو کمیونزم کا جہنم دیکھ رہا تھا، اس سے اس کا فرار، ان چیزوں نے اس کے احساس

کو اس عجیب طریقے پر اللہ کے کلمات کے بارے میں تیز کر دیا ہو، لیکن سوال یہ ہے کہ ہمیں تو اس پر تعجب ہو رہا ہے اور ہمارے لاکھوں عوام جو قرآن کو غور سے سنتے ہیں، ان کی عقلیں اس سے متاثر نہیں ہوتیں، مگر ان کی تاثیر ان کے دلوں پر ہوتی ہے، اور اس کا راز یہ ہے کہ قرآن کی زبان کو سمجھنے میں وہ اس یوگوسلاوی خاتون سے مختلف نہیں ہوتے۔

قرآن کے عجیب مخفی اثرات کے اسباب

جو لوگ فن تعبیر کی مزاولت کرتے ہیں اور تفکیر و شعور کا تجربہ کرتے ہیں، ان پر قرآن کے اثرات کے بیان سے پہلے میں چاہتا ہوں کہ اس کے اس عجیب مخفی اثرات کی بات کروں۔

(۱) قرآنی طرز ادا بہت بڑے بڑے معالات اور مدلولات کی تعبیر میں ایسا طریقہ اختیار کرتا ہے کہ ان اغراض کو ادا کرنے کے لیے انسان اسے محال پاتا ہے، قرآن کا مدلول وسیع تر، تعبیر دقیق تر زیادہ خوبصورت اور زیادہ موثر ہوتی ہے۔ اس کی عبارت اور مدلول میں اور اثر انگیزی، سائے، فضا میں عجیب تناسب و توازن ہے، اس کے ایک لفظ کی جگہ اگر اسی قسم کا اسی معنیٰ کا دوسرا لفظ رکھ دیں تو مقصد حاصل نہیں ہوتا۔ ہمارا لفظ کام نہیں دیتا۔ قرآن کا جمال دقت پر اور دقت جمال پر غالب نہیں ہوتی، دوسرے لوگ ایسا کرنے سے عاجز ہیں، جو لوگ عملاً فن تعبیر کو تجربے میں لاتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ اس میدان میں انسانی طاقت کی مجال کیا ہے، اور اسی لیے وہ واضح طور پر جان لیتے ہیں کہ یہ میدان انسانی طاقت سے یقیناً بلند تر ہے۔

(۲) قرآنی ادا میں اس واضح بات کے علاوہ ایک اور نمایاں بات سامنے آتی ہے کہ ایک ہی آیت کئی مدلولات و مضامین پر مشتمل ہے۔ اور ان میں سے ہر مدلول بیان اور وضاحت میں ادا کے اضطراب کے بغیر اور مدلولات کے اختلاط کے بغیر اپنا پورا معنی دیتا ہے۔ ہر حقیقت اور ہر قضیہ اس مقام کو حاصل کرتا ہے، جو اس کے لیے مناسب ہے۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ایک ہی نص سے کئی موضوعات و معانی پر استدلال کیا جا سکتا ہے، اور ہر استدلال میں وہ پختہ اور درست ہوتی ہے، جونسا موضوع لے لو، معلوم ہوتا ہے کہ یہ نص ابتداءً اسی کے لیے آئی ہے۔ اس سورت کی تمہید میں ہم نے جو کچھ لکھا ہے اس سے یہ مضمون بخوبی ثابت ہو سکتا ہے کہ ایک ہی آیت کئی مقاصد پر دلالت کے لیے آتی ہے، اور ہر جگہ یہی نظر آتا ہے کہ آیت کا اصل موضوع اور غرض یہی ہے۔

(۳) قرآنی طرز ادا واقعات، مشاہد و مناظر کو یوں بیان کرتا ہے گویا پڑھنے والے اسے اپنے سامنے دیکھتے ہیں، اور یہ بات انسانی کلام میں مطلقاً تجربہ میں نہیں آئی، نہ انسان اس طرز ادا کی تقلید کر سکتا ہے، کیونکہ وہ اپنے آپ کو اس وقت اسلوب کتابت کے ساتھ مضطرب پائے گا اور ادائیگی میں گڑ بڑ کرے گا۔ اس کی مثالیں ملاحظہ کیجیے: (۱)۔ بنی اسرائیل کے سمندر پار کرنے کا قصہ بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ان کے پار اترنے اور فرعون کے لاؤ لشکر سمیت داخل سمندر ہونے کا ذکر فرمایا ہے جب وہ غرق ہونے لگا تو اس نے کہا کہ میں اس الٰہ پر ایمان لاتا ہوں جو بنی اسرائیل کا معبود ہے اور میں مسلم

Marfat.com

ہوں۔ یہاں تک تو قصے کا بیان ہے۔ اس کے بعد یکایک فرعون سے خطاب آجاتا ہے کہ : عصیت قبل وکنت من المفسدین؟ فالیوم ننجیک ببدنک لتکون لمن خلفک آیۃ

دکیا اب؟ حالانکہ پہلے تو نافرمان تھا اور فسادی تھا، بس آج ہم تیرے بدن کو بچائیں گے تاکہ تو اپنے بعد میں آنے والوں کے لیے عبرت کا نشان بن جائے۔! پھر حسب معمول واقعہ کا انجام بیان ہونے لگتا ہے۔

ب۔ "کہو کہ کیا چیز شہادت میں سب سے بڑی ہے؟ کہو اللہ گواہ ہے میرے اور تمہارے درمیان، اور یہ قرآن میری طرف بذریعہ وحی بھیجا گیا ہے تاکہ اس کے ساتھ میں تم کو ڈراؤں اور ان سب کو جن کو یہ پہنچے۔"

یہاں تک خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا اور اس کا جواب آپ کی طرف سے دیا گیا ہے۔ پھر اچانک ہم دیکھتے ہیں کہ رسولؐ اپنی قوم سے سوال کر رہا ہے :

"کیا تم یہ شہادت دیتے ہو کہ اللہ کے ساتھ اور معبود بھی ہیں؟"

پھر اگلی عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ قوم نے گویا آپؐ کے سوال کا جواب دیا ہے اور آپؐ فرما رہے ہیں :

"اللہ نے فرمایا کہ تو کہہ، میں گواہی نہیں دیتا۔ تو کہہ کہ وہ تو صرف ایک ہی معبود ہے اور بلاشبہ میں تمہارے شرک سے بیزار ہوں۔"

ج۔ یہی حال ان بار بار کے التفاتوں کا ہے جو اس جیسی آیات میں وارد ہیں :

"اور جس دن ان سب کو اکٹھا کرے گا، (پھر یکایک التفات آگیا) اے جنوں کی جماعت! تم نے کثیر انسانوں کو گمراہ کر دیا تھا، اور انسانوں میں سے ان کے دوست کہیں گے : اے ہمارے رب فائدہ پایا ہم میں سے بعض نے بعضوں سے اور ہم اس مدت کو آپہنچے جسے تو نے ہمارے لیے مقرر کیا تھا۔ (اللہ تعالیٰ) فرمائے گا :

"آگ ہی تمہارا ٹھکانہ ہے، تم اس میں ہمیشہ رہو گے مگر جو اللہ چاہے۔ بلاشبہ تیرا رب بہت حکمت والا ہے، بہت علم والا ہے اور یوں ہم بعض ظالموں کو بعض پہ ان کی کمائی کے باعث مسلط کرتے ہیں (پھر یک لخت خطاب آگیا ہے) اے جنوں اور انسانوں کی جماعت! کیا تمہارے پاس تم میں سے رسول نہ آئے تھے جو تم پر میری آیات پڑھتے تھے اور تمہیں تمہارے اس دن کی ملاقات سے خبردار کرتے تھے؟ وہ کہیں گے کہ ہم نے اپنے اوپر شہادت دی ہے، اور ان میں دنیوی زندگی نے دھوکا دیا، اور انہوں نے اپنے خلاف گواہی دی کہ وہ بلاشبہ کافر تھے، یہ اس لیے تھا کہ تیرا رب بستیوں کو ظلم سے ہلاک کرنے والا نہیں، جب کہ ان کے باشندے غافل ہوں۔"

قرآن میں اس کی مثالیں بہت سی ہیں، اور یہ اسلوب ہر لحاظ سے انسانی اسلوب سے ممتاز ہے ورنہ جو شخص اس بارے میں جھگڑے اسے اس طرح کی تعبیر خود پیش کرنی چاہیے، مگر کلام درست ہو اور سمجھا جا سکے اور اس پر مزید یہ کہ اس میں اسی قسم کا چونکا دینے والا اجمال ہو، اس قسم کا مؤثر انداز ہو، اور البیاہی

Marfat.com

کامل تناسق ہو۔ یہ طرز ادا میں اعجاز کے بعض پہلو تھے جو ہم نے جلدی جلدی پیش کیے ہیں۔ ان میں اعجاز موضوعی اور خدائی اندازِ کلام انسانی انداز کی نسبت بالکل ممتاز ہے۔

قرآنی خطاب کے بعض خصائص

قرآن پورے وجودِ انسانی کو مخاطب بناتا ہے، یہ نہیں کہ کبھی تو وہ اس کے محض ذہن کو مخاطب بنائے، کبھی شعور رکھنے والے دل کو اور کبھی حس کو۔ بلکہ وہ سارے انسانی وجود کو مخاطب بناتا ہے، اور مختصر ترین راہ سے خطاب کرتا ہے۔ جب خطاب کرے تو اس کے استقبال اور حصول کے تمام آلات سے خطاب کرتا ہے۔ اور اس میں وجود کے تمام حقائق کے تصورات و تاثرات پیدا کرتا ہے۔ اس حقیقت کی وضاحت کے لیے میں کتاب: خصائص التصور و مقوماتہ کے دوسرے حصے سے کچھ اقتباسات پیش کرتا ہوں۔ ان کا موضوع ہے: اسلامی تصور کو پیش کرنے میں قرآن کا طریقہ۔ اسلامی تصور کی واضح ترین خصوصیت یہ ہے کہ وہ تمام دوسرے طریقوں سے ان چیزوں میں ممتاز ہے:

(۱) وہ حقیقت کو پیش کرتا ہے جیسی کہ وہ واقعاتی دنیا میں موجود ہے، اس کے لیے وہ ایسا اسلوب اختیار کرتا ہے جو اس کے تمام زاویوں، تمام اطراف و جوانب، تمام رابطوں اور تمام تقاضوں کو کھول دیتا ہے، مگر وہ اس کے باوجود حقیقت کو مستور نہیں بناتا۔ اس کو دھند میں نہیں لپیٹتا بلکہ اس کے تمام میلانات سمیت اس کے ساتھ انسانی وجود کو مخاطب کرتا ہے۔ بندوں پر اللہ تعالیٰ کی یہ رحمت ہے کہ اس نے ان کے ساتھ خطاب میں ان کے پچھلے علم پر اسکو موقوف نہیں فرمایا، کیونکہ عقیدہ ان کی زندگی کی اولین ضرورت ہے، اور یہ عقیدہ ان کی عقلوں اور دلوں میں جو تصور پیش کرتا ہے وہی سارے وجود کے ساتھ ان کے عملدرآمد کی حد بندی کرتا ہے، اسی طرح کسی علم و معرفت کو حاصل کرنے کے لیے ان کی توجہ کی حد بندی کرتا ہے، اسی سبب سے اللہ تعالیٰ نے اس عقیدے کے ادراک کو کسی سابق علم پر موقوف نہیں فرمایا۔ اس کا ایک سبب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ چاہتا تھا کہ عقیدے کے حقائق جس تصور کو پیدا کرتے ہیں، وہی انسانی علم و معرفت کی بنیاد ہے، کیونکہ انسانوں کے لیے اپنے ماحول میں پھیلی ہوئی کائنات کی تفسیر کی خاطر عقیدہ ہی بنیاد تھا، تاکہ ان کے علم و معرفت کی بنیاد ایک یقینی حق پر ہو۔ اس کے سوا باقی سب ظن ہے اور اس کے نتائج قطعی نہیں، بلکہ ظنی و احتمالی ہیں، حتیٰ کہ تجربی علم کا بھی یہی حال ہے۔ کیونکہ اس کی بنیاد قیاس ہے نہ کہ استقراء و استقصاء۔ انسان کے لیے کسی تجربے میں بھی استقراء میسر نہیں ہوتا۔ اور یہ بھی اس مفروضے کی بنیاد پر کہا جا سکتا ہے کہ تمام ملاحظات اور نتیجے اور انسانی احکام ظواہر پر ہیں۔ علم کی تو یہی حد ہے کہ تجربوں کی ایک تعداد پر قائم ہو اور پھر اس کے نتائج پر قیاس کرے، اور سائنس خود تسلیم کرتی ہے کہ اس قیاس سے حاصل شدہ نتائج محض ظنی ہیں، احتمالی ہیں، قطعی و یقینی نہیں ہیں۔ اور اس پر یہ اضافہ بھی کر دو کہ ہر علیحدہ تجربہ علیحدہ احتمال پر قائم ہوتا ہے۔ نہ کہ یقین و قطع پر۔ پس علم یقینی صرف وہی باقی رہ جاتا ہے، جو علیم و خبیر خدا کی طرف سے حاصل ہو۔

(۲) انسانی ادا کے اسلوب کُل کے اطراف و جوانب کو الگ الگ بیتے ہیں مگر قرآن اس انقطاع و

Marfat.com

متفرق سے مبرا ہے۔ وہ کل کو کل کے طور پر لیتا ہے، عالم غیب کو عالم شہادت کے ساتھ مربوط کرتا ہے، اس میں کائنات اور حیات اور انسان کے حقائق حقیقت الوہیت کے ساتھ متصل ہیں۔ دنیا آخرت کے ساتھ متصل ہے، زمین کی حیات ملأ اعلیٰ کی حیات کے ساتھ متصل ہے، اور اس کا اسلوب ایسا ہے جس کی تقلید محال ہے۔ انسان اگر اس اسلوب کی تقلید کرنا بھی چاہے تو حقائق مضطرب اور مختلط ہو جائیں گے۔

قرآنی سیاق میں یہ جو بہت سے حقائق کو ایک ہی سیاق میں مربوط و متصل کیا جاتا ہے۔ اس میں مرکزیت کبھی کسی حقیقت کو اور کبھی کسی کو دی جاتی ہے، لیکن ربط و اتصال ہمیشہ قائم رہتا ہے۔ بطور مثال اگر کسی مقام پر مرکزی مضمون لوگوں کو ان کے برحق رب کا تعارف کراتا ہے تو اس میں یہ حقیقت کبریٰ قدرتِ الٰہیہ کے آثار میں ظاہر کی جاتی ہے، خواہ کائنات میں ہو خواہ حیات میں اور خواہ انسان میں، اور اس کا تعلق ظاہری اور غیبی جہان سے برابر ہوتا ہے۔ اگر کہیں یہ مرکزی مضمون حقیقتِ کائنات ہو تو الوہیت اور کائنات ہر دو کی حقیقت میں تعلق ظاہر کیا جاتا ہے، اور بار بار سیاق میں حیات اور زندوں کی حقیقت بھی بیان ہوتی ہے اور ان میں اللہ تعالیٰ کی سنت کا بیان آتا ہے۔ اور جب مرکزیت حقیقتِ انسان کو حاصل ہو تو اس کا ربط حقیقتِ الوہیت کے ساتھ، کائنات کے ساتھ اور زندہ چیزوں کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے، اور جب مرکزیت عالم آخرت کو دی جائے، تو دنیوی زندگی کا بھی ذکر کیا جاتا ہے اور ان کا ربط اللہ سے اور دیگر حقائق سے ظاہر کیا جاتا ہے۔ اسی طرح جب دنیوی زندگی کے معاملات کا ذکر ہو تو حسب معمول دوسری چیزوں کا بھی ذکر ہوتا ہے۔

(۳) حقیقت کے جوانب و اطراف میں پورا تعلق قائم رہتا ہے، مثلاً الوہیت کا مضمون آنے گا تو اس کی حقیقت و خصائص اور عبودیت کے ساتھ اس کا تعلق واضح کیا جائے گا۔ اسی طرح جب عالم غیب کی حقیقت زیرِ بحث ہو گی تو اس کے تمام پہلو واضح کیے جائیں گے۔ اسی طرح حقیقتِ انسان، حقیقتِ کائنات، حقیقتِ حیات کے مضامین کا بھی حال ہے۔ جب ان میں سے کسی ایک حقیقت کا بیان کیا جائے تو دوسرے حقائق کو نظر انداز نہیں کیا جاتا۔ ہر حقیقت اس کی جگہ پر رہتی ہے اور ہر ایک کو اس کا پورا حق ملتا ہے۔ افراط و تفریط اور غلو و مبالغہ سے کامل گریز ہوتا ہے۔ ایک حقیقت دوسرے حقائق کو اوجھل نہیں کرتی، توازن و تناسب بہرحال قائم رہتا ہے۔ یہ چیز وہ ہے جو انسان کے بس سے باہر ہے۔

(۴) قرآنی طریقِ ادا سے زندگی پھوٹ پھوٹ کر نکلتی ہے، اس کے ساتھ ساتھ اس میں گہرائی، گیرائی اور فیصلہ کن تحدید ہے۔ اور یہ چیزیں قرآن کے بیان کردہ حقائق کو زندگی، رُعب، ہیبت اور جلال بخشتی ہیں۔ انسان کا طرزِ ادا اور بیان اور اس کو پیش کرنا اُن کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اس طرزِ بیان میں وقت بھی ہے اور فیصلہ کن حد بندی بھی ہے، مگر یہ گہرائی اس کے جمال پر اور جمال اس گہرائی پر غالب نہیں آتا۔ تحدید ہیبت اور اثر اندازی پر غالب نہیں آتی۔ اور نہ اس کا عکس ہوتا ہے۔ ہم اپنے انسانی طرزِ بیان اور طریقِ ادا میں قرآنی منہج کی علامت و دلائل کو بیان نہیں کر سکتے اور اس طرح ہم

Marfat.com

اس ساری بحث کے ساتھ، اسلامی تصور کے خصائص اور اس کی بنیادوں اور اجزاء کو بیان نہیں کر سکتے۔ یہ بیان کرنا تو قرآن کا ہی کام ہے۔ اس بحث سے ہماری مراد صرف یہ ہے کہ ان لوگوں کے سامنے قرآن کے بارے میں کچھ بیان کریں جو قرآن سے دور ہو گئے ہیں۔ کیونکہ اب اس قسم کی فضا اور زندگی مفقود ہے جس میں قرآن کا نزول ہوا تھا۔ جن لوگوں پر قرآن اترا تھا وہ جس ڈھنگ سے زندگی گزارتے تھے جو اہتمام وہ کرتے تھے وہ آج کل کے لوگ نہیں کرتے، وہ قرآن کو اپنی زندگی میں داخل کرتے تھے، قرآن کی فضا اور اوامر و احکام اپنے اوپر طاری کرتے تھے، اسی میں اور اسی کے لیے زندہ رہتے تھے، آج کل حال دوسرا ہے اور یہی سبب ہے کہ لوگ قرآنی راستے کے ذوق سے بے بہرہ ہیں۔

قرآن میں حقائق عقیدہ کی تقدیر

قرآن بعض دفعہ عقیدے کے حقائق کو ایسے میدانوں میں ثابت کرتا ہے جو عادۃً انسانی فکر سے باہر ہیں۔ مثلاً سورۃ الانعام میں علم الٰہی کی حقیقت اور اس کے میدانوں کا ذکر یوں آیا ہے:

"اور غیب کی کنجیاں اسی کے پاس ہیں، اس کے سوا نہیں کوئی جانتا، اور وہ جانتا ہے جو کچھ خشکی اور تری میں ہے۔ اور جو پتا بھی گرتا ہے وہ اس کو جانتا ہے۔ اور زمین کی تاریکیوں میں جو دانہ بھی ہے، اور ہر تر و خشک کھلی کتاب میں ہے۔"

اس آیت میں علم الٰہی کے جو نشان بتائے گئے ہیں، انہیں حاصل کرنے کی فکر انسانی کبھی خواہش نہیں کر سکتی۔ علم کے عموم و شمول کی تصویر یہ انسان اس طرح نہیں کھینچ سکتا، اگر وہ ایسا کرنا چاہے گا تو ان کا ذکر نہیں کر سکتا، وہ اپنی عقل و فکر اور اپنے مختصر ماحول اور جہان کو پیش نظر رکھے گا، اس آیت پر کلام کرتے ہوئے ہم نے ساتویں پارہ میں لکھا تھا کہ:

"ہم اس آیت کی طرف اس آیت کے موضوع کے لحاظ سے دیکھیں تو اولین قدم پر یہ یقین آجاتا ہے کہ یہ بشری کلام نہیں ہے۔ انسان ایسی بات نہیں کر سکتا، علم کے شمول اور احاطے کے بارے میں فکر انسانی جب بات کرے تو وہ ان آفاق کو طے نہیں کر سکتا۔ انسانی فکر کی یہ مجال نہیں ہے۔ انسان اس مضمون کو ادا کرنا چاہے گا تو وہ اپنے ماحول، اپنے اہتمام کی بات کرے گا۔

سورۃ الانعام کی آیت کا اعجاز

اوپر درج شدہ آیت کی تفسیر میں ہم نے ساتویں پارہ میں لکھا تھا کہ: "ہم اس مختصر آیت کو کسی جانب سے بھی دیکھیں تو ہمیں قرآن کے مصدر کا اعجاز نظر آئے گا۔ ہم اس کو اس کے موضوع کی جانب سے دیکھیں تو اول وہلہ میں ہمیں یقین ہو جائے کہ یہ انسانی کلام نہیں کیونکہ اس پر انسانی کلام کی مہر (علامات) نہیں ہے۔ انسانی فکر جب اس قسم کے موضوع یعنی علم کے شمول اور احاطے کی بات کرے تو وہ ان آفاق و جوانب میں نہیں جا سکتا کیونکہ انسانی علم کے میدان اپنی مجال اور حدود میں اور قسم کے ہوتے ہیں۔ انسان کسی درخت کے گرنے والے پتے کی بات نہیں کر سکتا جو زمین کے کسی گوشے میں گر رہا ہو

یہ مسئلہ ابتدائی طور پر انسانی فکر پر نہیں گزرتا اور اسی لیئے وہ اس کی یہ تعبیر اور اس سے یہ دلیل نہیں اخذ کرسکتا۔ یہ تعبیر اور یہ استدلال صرف خالق کی شان ہے۔ اسی طرح " ہر رطب و یابس" کی تعبیر بھی انسانی فکر سے باہر ہے۔ اس سلسلے میں جو چیز انسانی فکر میں آسکتی ہے وہ" رطب و یابس" سے فائدہ اٹھانا ہے۔ مگر اس کو اللہ تعالیٰ کے علم محیط کلی کی دلیل بنانا، یہ انسانی توجہ اور تعبیر سے باہر کی چیز ہے، اسی طرح "ہر خشک و تر" کی تعبیر صرف خالق ہی کا کام ہے۔

فِی کِتَابٍ مُّبِیْنٍ

اس طرح انسانی فکر میں یہ بات نہیں آسکتی کہ ہر گرنے والا ورق، ہر پوشیدہ دانہ اور ہر خشک و تر کتاب مبین میں ہے۔ وجہ یہ ہے کہ سجلِ محفوظ، یا لوحِ محفوظ سے انسانوں کا کیا کام؟ یہ چیز تو اللہ خالقِ کائنات ہی کی ہے اور وہی اسے ظاہر کرسکتا ہے۔ انسان نہ اسے محفوظ کرتے ہیں اور نہ اس میں کچھ لکھتے ہیں، اسے محفوظ کرنا، سنبھالنا اور اس میں محفوظ کرنا یہ مالک الملک کا کام ہے، جس سے کہ اپنی سلطنت کی کوئی چیز اوجھل نہیں ہوتی۔ چھوٹی ہو یا بڑی، حقیر ہو یا جلیل، پوشیدہ ہو یا ظاہر، مجہول ہو یا معلوم، بعید ہو یا قریب۔

زمین کے تمام درختوں کے گرنے والے پتے، زمین کے تمام اطراف میں پوشیدہ دانے، مشرق و مغرب اور شمال و جنوب میں ہر خشک و تر چیز۔ یہ نظارہ بہت عجیب و غریب ہے، مگر انسانی فکر اس کی طرف متوجہ نہیں ہوتی۔ نہ انسان اسکا کوئی زیادہ اہتمام کرتا ہے۔ اسی طرح انسانی آنکھ بھی اسے نہیں دیکھتی اور لوگ اسے دیکھنے کی ضرورت بھی محسوس نہیں کرتے۔ یہ نظارہ پورے کا پورا محض اللہ وحدہ خالقِ کائنات کے علم میں ہے اور اسی کے سامنے پیش آتا ہے۔ وہی ہر چیز کو محیط، ہر شئے کو جاننے والا اور ہر چیز کا حافظ و نگران ہے۔ اس کی تدبیر و تقدیر اور مشیئت و قدرت ہر شئے سے متعلق ہے۔ اس کے نزدیک چھوٹی بڑی چیز کا کوئی فرق نہیں۔ حقیر و جلیل برابر ہے۔ پوشیدہ و ظاہر ایک جیسی ہے۔ مجہول بھی معلوم کی مانند ہے اور بعید بھی قریب جیسی۔

یہ مشہد و تعبیر خدائی ہے، انسانی نہیں

انسانوں میں سے جو لوگ شعور و تعبیر کا ذوق رکھتے ہیں وہ انسانی شعور و تعبیر کی حدود کو خوب جانتے ہیں اور انہیں یہ معلوم ہے کہ یہ تعبیر اور یہ مشہد انسانی نہیں ہے، یہ ان کا انسانی تجربہ ہے کہ یہ تعبیر اور یہ نظارہ انسان کے بس سے باہر ہے۔ اور جو اس بات کو نہ مانے وہ یہ کرکے دکھائے۔ یا کسی انسان کا کیا ہوا پیش کرے! قرآن کریم میں اکیلی یہی آیت اسی معرفت کے لیئے کافی ہے کہ قرآن کریم کا مصدر ذاتِ حق ہے نہ کہ کوئی انسان یا جن۔

Marfat.com

فنی تعبیر کا اعجاز

اگر ہم اس آیت کو فنی اعجاز کے نقطۂ نگاہ سے دیکھیں تو اس میں جمال و تناسق کے اس قدر پائے جاتے ہیں جو انسانی اعمال سے باہر ہیں: "وعندہ مفاتح الغیب لا یعلمھا الا ھو۔" یہ ج کچھ فرمایا گیا ہے۔ یہ زمان و مکان، اطراف و جہات، ماضی، حال اور مستقبل، زندگی کے ہنگاموں او کے تصورات سے ماوراء اور وسیع و عریض تر ہے۔ اس طرح: ویعلم ما فی البر والبحر میں بھی ا قدر طول و عرض، اطراف و جوانب، بلندی و گہرائی اور شمول و احاطہ ہے جسے کوئی اور لفظ ادا نہیں ک سکتا۔ اور: وما تسقط من ورقۃ الا یعلمھا میں موت وفنا کی ایک عجیب حرکت پائی جاتی ہے، اُوپر سے نیچے گرنے کی حرکت اور زندگی سے موت کی طرف جانے کی حرکت! اور: ولا حبۃ فی ظلمت الارض میں نشوونما اور اس کے ظہور کی حرکت ہے جو گہرائی سے سطح تک آتی ہے اور پوشیدگی سے نکل کر آزادی میں داخل ہوتی ہے۔

ولا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین ۔ یہ ایک ایسی تعمیم ہے جو زندگی اور موت دونوں کو حاوی ہے۔ تروتازگی اور مرجھانا، دونوں اس میں داخل ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ سارے کام جن کا اُوپر ذکر ہوا اللہ کے سوا کوئی نہیں کرسکتا۔ اسی طرح یہ آیت بھی علم الٰہی کے احاطے پر مشتمل ہے:

"اور وہ جانتا ہے جو کچھ زمین میں داخل ہوتا ہے اور جو کچھ آسمان سے اترتا ہے، اور اس میں عروج کرتا ہے، اور وہی ہے رحیم و غفور!"

یہ چند کلمات کا جو پھیلا ہوا صفحہ ہے، وہ اپنے آپ کو اشیاء و حرکات، اور مختلف حجم کی چیزوں مختلف شکلوں اور صورتوں، معانی، ہیئتوں کے سامنے پائے گا۔ جن تک خیال کی رسائی ممکن نہیں۔ آیت نے جن چیزوں کی طرف اشارہ کیا ہے، اگر تمام اہل زمین اپنی زندگیاں اس کام پر وقف کر دیں ک ان چیزوں کا پیچھا کریں اور ان کا احاطہ کریں تو یقینی طور پر وہ عاجز رہیں گے۔ زمین میں کتنی بے شمار چیزیں اس ایک لمحے میں داخل ہوتی ہیں اور کتنی چیزیں نکلتی ہیں۔ کتنی چیزیں اُوپر سے نیچے آتی ہیں اور کتنی چیزیں نیچے سے اُوپر عروج کرتی ہیں؟ کتنے دانے، گٹھلیاں، کیڑے مکوڑے، حشرات الارض سانپ، بچھو، مردے، درندے، رینگنے والے جانور، گیس کے کتنے ذرے اور پانی کے کتنے قطرے کہربائی شعاعیں اور کتنی بے شمار چیزیں جن کا ہم نام بھی نہیں جانتے وہ زمین میں ہر لحظہ داخل ہوتی ہیں اور کتنی نباتات، درخت، کیڑے مکوڑے، پٹرول، تیل، گیس، معدنیات، سونا، چاندی، لوہا پیتل، تانبا، لاوا، مائع چیزیں، غیر مائع چیزیں، کتنی معلوم و غیر معلوم چیزیں زمین سے باہر نکلتی ہیں اور انسانوں کو، سب انسانوں کو اجتماعی حیثیت سے بھی، ان چیزوں کی اقسام و انواع اور اجناس معلو نہیں ہو سکتیں، آسمان سے نازل ہونے والی بیشمار چیزیں ہیں، بارش کے بے شمار قطرے، اور شہاب ثاقب، اجرام فلکی کی صحیح و سالم اور جلی ہوئی شعاعیں، سورج اور چاند کی روشنی کی بے پنا مقدار، اللہ کی بے شمار رحمتیں اور برکات۔ کتنے اللہ تعالیٰ کے تکوینی احکام، کس قدر فرشتے جو آسما

Marfat.com

پر مقرر ہیں، کتنی رزق اور فضل واحسان خداوندی کی وسعتیں، کتنے تدبیری وتقدیری احکام اور کس قدر چیزیں ہیں جن کا علم اللہ کے سوا اور کسی کو نہیں، پھر کس قدر چیزیں اوپر کو صعود کرتی ہیں، مثلاً ارواح بیشمار مخلوق کے سانس، انسانوں کی دعائیں، عبادات، کلماتِ طیبہ، یہ سب چیزیں اوپر جاتی ہیں اور انہیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ کتنے فرشتے، کارکنانِ قضا وقدر جو ہر وقت، ہر آن اوپر نیچے آمدورفت رکھتے ہیں، کیونکہ وہ مشیئتِ خداوندی سے بہت سے کاموں پر مامور ہیں، پھر سمندروں سے اوپر چڑھنے والے بخارات، طیارے، قسم قسم کے نئے نئے ہتھیار جن کو انسانوں نے اپنی تباہی کے لیے تیار کیا ہے انہیں لے کر کس قدر خطرناک طیارے ہر وقت فضائے آسمان میں گھومتے ہیں، کتنے پرندے ہیں جو اوپر کی فضا میں اونچے اڑتے ہیں، کس قدر گیس ہے جو اوپر کو صعود کرتی ہے۔

یہ دیکھ لیجئے کہ ایک ہی لحظہ میں کیا کچھ اور کتنا کچھ اور کہاں کہاں واقع ہوجاتا ہے، انسانی علم اس ایک لحظے کی چیزوں کو ہرگز گھیر نہیں سکتا خواہ وہ کتنی طویل عمریں ان چیزوں کو گننے میں لگادیں، اور اللہ تعالیٰ کا علمِ کامل ومحیط ان سب چیزوں کا احاطہ رکھتا ہے۔ ہر زمان اور ہر مکان میں وہ ہر ہر چیز کو دیکھتا، جانتا اور سنبھالتا ہے۔ ہر ایک کے دل کی نیتوں، ارادوں، خواطر، حرکات وسکنات کو وہ اپنی آنکھ کے نیچے رکھتا ہے، اس کے ساتھ ساتھ وہ پردہ پوشی کرتا اور بخشتا ہے کیونکہ وہ بخشنے والا ہے رحیم ہے۔

اس ایک آیت کی دلالت

قرآن کی یہی ایک آیت لے لو تو معلوم کرلوگے کہ قرآن انسانی کلام نہیں ہے۔ یہ کائناتی خیال جو اس میں پیش کیا گیا ہے کسی انسان کے دل میں نہیں گزر سکتا۔ انسانی فطرت کے اندر سے بھی کوئی ایسا رجحان یا جذبہ انسانی تصور میں آنا ممکن نہیں ہے۔ ایک ہی بار کے چھونے سے ممکن نہیں ہے کہ انسان کے اندر اس قسم کا احاطہ پیدا ہو سکے، یہ کام تو وجودِ کائنات کے خالق ہی کا کام ہے، جس کی نظر، قدرت اور علم ساری کائنات پر محیط ہے۔

قرآن کا اچھوتا طرزِ استدلال

قرآن نے جو بعض چھوٹی چھوٹی چیزوں اور حوادث سے استدلال کیا ہے یہ بھی اس کی دلیل ہے کہ یہ کلامِ الٰہی ہے، بظاہر چھوٹی ہونے کے باوجود وہ چیزیں عظیم حقیقت رکھتی ہیں، مثلاً اللہ تعالیٰ کا یہ قول کہ:

"ہم نے تم کو پیدا کیا ہے تو تم تصدیق کیوں نہیں کرتے؟ کیا تم نے اس کو دیکھا ہے جو منی تم ٹپکاتے ہو؟ کیا تم اسے پیدا کرتے ہو یا ہم ہی خالق ہیں؟ ہم نے مقدر کی ہے تمہارے درمیان موت اور ہم سے کوئی آگے نہیں گزر سکتا کہ ہم تمہارے جیسوں کو تبدیل کریں اور تمہیں پیدا کریں، اس حالت میں جس کو تم نہیں جانتے ہو، اور بیشک

جان لیا ہے تم نے پہلی پیدائش کو پھر تم کیوں نصیحت نہیں پاتے؟ سو کیا تم نے وہ پانی دیکھا ہے جو پیتے ہو، کیا تم نے اس کو بادل سے اتارا ہے۔ یا ہم اتارنے والے ہیں؟ اگر ہم چاہیں تو اس کو نہایت کڑوا بنا دیں تو تم شکرگزار کیوں نہیں ہوتے ہو؟ کیا تم نے اس آگ کو دیکھا ہے جو تم جلاتے ہو؟ کیا تم نے اس کا درخت پیدا کیا ہے یا ہم پیدا کرنے والے ہیں؟ ہم نے اس کو باعثِ نصیحت اور مسافروں کا سامان بنا دیا ہے، پس تو اپنے عظیم رب کے نام کی تسبیح پڑھو۔

قرآن کا استدلال انسانی مالوفات اور بار بار ہونے والے حوادث سے ہے!

قرآن انسانی مالوف چیزوں سے اور اس کے بار بار پیش آنے والے حوادث سے کائناتی استدلال کرتا ہے، جس میں وہ وجود کے اندر الٰہی قوانین کو کھول کر بیان فرماتا ہے۔ اُن سے وہ ایک کامل عقیدہ اور اس وجود کا ایک محیط و کامل تصور پیش کرتا ہے جسے وہ غور و فکر کے لیے پیش کرتا ہے۔ وہ ارواح و قلوب کی زندگی اور شعور و حواس کی بیداری کا ذریعہ بنتا ہے۔ وہ روزانہ نظر آنے والی اس وجود کی اُن چیزوں کو پیش کرتا ہے جن سے لوگ غافل ہیں گو ان کو صبح و شام دیکھتے ہیں۔ وہ وجود میں پیش آنے والے عجائب و معجزات کو بیداری کا سبب ٹھہراتا ہے۔ وہ لوگوں کو کائنات کے اتفاقیہ پیش آنے والے حوادث اور گنے چنے معجزات کے سپرد نہیں کرتا۔ اسی طرح وہ یہ نہیں کہتا کہ اپنی جانوں سے بعید معجزات کو تلاش کریں۔ وہ زندگی کے مالوفات کو سامنے لاتا ہے اور کائنات کے ان قریبی ظواہر سے استدلال کرتا ہے، جو انسانوں کے ہاں معروف ہیں۔ وہ انہیں پیچیدہ فلسفوں میں نہیں الجھاتا۔ عقلی معموں میں نہیں پھنساتا، ان علمی تجربات سے دوچار نہیں کرتا، جو ہر کسی کے بس میں نہیں ہیں۔ وہ ان کے دلوں سے عقیدے کو اُبھارتا ہے کائنات اور حیات کا ایک تصور پیش کرتا ہے جو اس عقیدے پر قائم ہے۔

اللہ کی ہر صفت میں معجزہ ہے

انسان کی جان اللہ تعالیٰ کی صفت ہے، اس کے اردگرد کائنات کے مظاہر اللہ کی قدرت کے معجزات ہیں۔ اللہ کا دستِ قدرت جس چیز کو بھی وجود میں لائے اس میں ایک معجزہ پنہاں ہوتا ہے انسان کے اردگرد ہر طرف معجزے پھیلے ہوئے ہیں۔ قرآن اللہ کا قرآن ہے جو لوگوں کو ان معجزات کی طرف متوجہ کرتا ہے جو ان میں پوشیدہ ہیں۔ لوگ ان معجزات کو دیکھتے ہیں مگر ان میں اعجاز کی حقیقت کو محسوس نہیں کرتے، وجہ یہ ہے کہ انسان ایک طرح سے ان چیزوں سے مالوف و مانوس ہے۔ لہٰذا اسے ان میں کوئی معجزہ دکھائی نہیں دیتا

قرآن یہ چیزیں لوگوں کے سامنے پیش کر کے ان کی غفلت زدہ آنکھوں کو کھولنا چاہتا ہے۔ جب آنکھیں کھل جائیں تو انسان ان سب چیزوں میں ہولناک بھید پا لے گا۔ یعنی ایجاد کرنے والی قدرت کا بھید اور وحدانیتِ مطلقہ کا بھید، اور ازلی ناموس کا بھید جو خود انسانوں کے نفوس میں کارفرما ہے،

Marfat.com

جس طرح کہ ان کے اردگرد کی کائنات میں بھی وہی کارفرما ہے اس میں ایمان کے دلائل پائے جاتے ہیں اور ان کے وجود میں عقیدہ توحید کے براہین کارفرما ہیں۔ قرآن ان کی فطرت میں ان دلائل کو ابھارنا چاہتا ہے۔ چنانچہ اسی راہ پر چلتے ہوئے قرآن کھیتی سے استدلال کرتا ہے جس کو خود انسانوں نے بویا ہوتا ہے۔ اس پانی سے بھی جسے وہ پیتے ہیں۔ اس آگ سے بھی جسے وہ سُلگاتے ہیں۔ یہ چیزیں انسانی زندگی کی سادہ ترین مالوفات ہیں۔ اسی طرح وہ دنیوی زندگی کے آخری لمحے اور اُخروی زندگی کے پہلے لمحکی تصویر بھی کھینچتا ہے اور یہ وہ لمحہ ہے جو ہر ایک کو پیش آتا ہے۔ اس وقت کسی کا کوئی حیلہ نہیں چلتا۔ انسان اللہ کی مطلق قدرت کے آمنے سامنے کھڑا ہوتا ہے۔ اس وقت وہ بے بس ہوتا ہے، سب دلائل بیکار اور سب بہانے ختم ہو جاتے ہیں۔

انسانی فطرت سے خطاب

قرآن جس طرح فطرت انسانی کو مخاطب بناتا ہے، وہ خود اس کے مصدر پر دلالت کرتا ہے، یہ وہی مصدر ہے جس سے کائنات صادر ہوئی ہے۔ انسانی بنیاد کا طریقہ وہی ہے جو کائنات کی بنیاد کا ہے کائنات کے نہایت سادہ مواد سے سب سے بڑی مشکل گتھی اور سب سے ضخیم مخلوق پیدا ہوتی ہے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ کائنات کا مادہ ذرہ ہے اور زندگی کی بنیاد کا مادہ خلیہ ہے۔ ذرہ چھوٹا ہونے کے باوجود اپنی ذات میں ایک معجزہ ہے۔ اسی طرح خلیہ بہت کمزور ہونے کے باوجود اپنی ذات میں قدرت الٰہی کی ایک بڑی نشانی ہے۔ اور قرآن میں سادہ ترین مالوف مشاہدے کو لے کر اسے سب سے بڑے دینی عقیدے کی بنیاد بنایا جاتا ہے۔ یعنی وہ مشاہدے جو ہر انسان کے تجربے میں آچکے ہوتے ہیں، یعنی نسل، کھیتی، پانی، آگ اور موت۔ دنیا کا وہ کون سا انسان ہے جس کو ان مشاہدات کا تجربہ نہ ہوا ہو۔ کون سا غار کا باشندہ ہے جس نے جنین کی زندگی کی نشوونما کا مشاہدہ نہیں کیا؟ نباتاتی زندگی کا مشاہدہ نہیں کیا؟ پانی کے گرنے کی جگہ، آگ کا چولہا اور وفات کا لمحہ نہیں دیکھا۔ یہ ہر انسان کے مشاہدے ہیں جن سے قرآن عقیدہ پیدا کرتا ہے، کیونکہ وہ ہر نسل اور ہر قوم کے انسان سے خطاب کرتا ہے۔ یہ سادہ مشاہدے بذات خود بڑے بڑے کائناتی حقائق ہیں، بہت بڑے ربانی اسرار ہیں، یہ سادہ ہونے کے باوجود ہر انسان کی فطرت سے خطاب کرتے ہیں اور درحقیقت یہ سب سے بڑے عالم کی دراست کا دنیا کے آخر تک موضوع رہے گا۔ اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا ہے کہ:

"یہ قرآن اللہ کے سوا کوئی اور نہ بنا سکتا تھا"

اگر یہ قرآن افتراء ہے تو اس جیسی ایک سورت لے آؤ!

یہ مضمون گزشتہ صفحات میں گزر چکا ہے کہ قرآن نے مخالفین کو غیر مشروط، کھلا اور دائمی چیلنج دیا تھا کہ:

"کیا یہ کہتے ہیں کہ پیغمبر نے اسے گھڑ لیا ہے؟ تو کہہ کہ پھر تم اس جیسی ایک سورت لے

Marfat.com

لاؤ اور اللہ کے سوا جسے بلا سکو بلا لو (یعنی اپنی مدد کے لیے) اگر تم سچے ہو"۔
اور جب وہ ایسا نہ کر سکے (اور نہ کر سکتے تھے)، تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اوہام وظنون اور خرافات کے متبع قرار دیا، کیونکہ وہ بے سوچے سمجھے لاعلمی کی بناء پر فیصلے کرتے تھے، حالانکہ فیصلہ کرنے سے قبل علم کا ہونا ضروری ہے، اور یہ لازم ہے کہ حکم لگانے والا اور فیصلہ کرنے والا محض خواہش اور ظن کا تابع نہ ہو اور یہاں مشرک جس چیز پر حکم لگاتے تھے کہ یہ افتراء ہے وہ وحی خداوندی تھی اور اس کا وعدہ اور وعید برحق تھی، انہوں نے قرآن کی تکذیب کی مگر یہ تکذیب کسی بنیاد پر قائم نہ تھی اور اس کے وقوع کی واقعی تاویل (مطلب یا انجام) ابھی انہوں نے نہیں دیکھی تھی۔ محض اندازے سے اندھا دھند تکذیب کرتے تھے۔

بے بنیاد تکذیب

فرماتا ہے کہ:
"بلکہ انہوں نے اس چیز کی تکذیب کی جس کے علم کو وہ نہیں گھیرتے تھے اور تاحال ان کے پاس اس کی تاویل نہ آئی تھی۔ اسی طرح ان سے پہلے لوگوں نے بھی تکذیب کی تھی سو تو دیکھ کہ ان ظالموں کا انجام کیسا ہوا تھا" (۳۹)
ظالم سے مراد یہاں مشرک ہیں، شرک ہی سب سے بڑا ظلم ہے اور کفار اس کے مرتکب تھے، اس کے ارتکاب نے انہیں کیفر کردار کو پہنچایا۔

فسادی کون ہیں؟

پس ان میں سے اکثر تو ظن وگمان کے پیرو ہیں۔ مگر تاہم بعض ایمان بھی لے آئے ہیں چنانچہ آیت: ۴۰ میں فرمایا ہے کہ:
"اور ان میں سے بعض اسی پر ایمان لاتے ہیں اور بعض نہیں لاتے، اور تیرا رب فسادیوں کو خوب جانتا ہے"
فسادی وہ ہیں وہ ایمان نہیں لاتے، زمین میں سب سے بڑا فساد شرک وکفر سے ہی واقع ہوتا ہے، ایمان سے گمراہی اور رب واحد کی عبادت سے انحراف ہی سب سے بڑا فساد ہے۔ فساد کی جڑ یہی تھا کہ لوگوں نے اللہ کی دینونت سے انحراف کیا اور دوسروں کی عبادت و ربوبیت والوہیت کے قائل ہو گئے۔ ایسا کرنے والا صراطِ مستقیم سے بھٹک جاتا ہے اور یہی گمراہی اور فساد کی جڑ ہے۔ اس کا نتیجہ ہمہ گیر خرابی اور فساد ہوتا ہے۔ لوگ ہوائے نفس کے تابع ہو جاتے ہیں۔ آسمانی خدا کے علاوہ زمینی خداؤں کو رب، الٰہ اور کارساز بنا لیتے ہیں، یہی سب سے بڑا فساد ہے۔ اس سے لوگوں کے عقائد و اعمال، اخلاق و تصورات اور زندگی کے تمام شعبے بگڑ جاتے ہیں۔ پھر ان کی مصلحتیں اور احوال تک بگڑ جاتے ہیں۔ قدیم وجدید جاہلیت کے آثار ونتائج سے یہی معلوم ہوتا ہے۔

مکذبوں کی تکذیب کی پرواہ مت کرو!

اگلی آیت : ۴۱ میں فرمایا ہے کہ مکذبین کی تکذیب سے متاثر مت ہو۔ ان سے ہاتھ دھو ڈالو ان سے برسرِ عام اعلانِ بیزاری کرو، اور ان کی پرواہ مت کرو :

"اور اگر یہ تیری تکذیب کریں تو تو کہہ کہ میرے لیئے میرا عمل ہے اور تمہارے لیئے تمہارا عمل ہے، تم میرے اعمال سے بری ہو اور میں تمہارے اعمال سے بیزار ہوں"

یہ دراصل ان کے وجدان کو ایک ٹھوکا لگایا ہے کہ ان میں ان کے اعمال کے سپرد کر دو۔ انہیں ان کی راہ پر اکیلا چلنے دو۔

جیسے کہ تم اپنے نافرمان بچے کو سمجھا بجھا کر دیکھ لو اور جب وہ تمہاری بات نہ مانے، تمہارے ساتھ چلنے پر آمادہ نہ ہو، تو تم اس کو راستے کے درمیان میں یہ کہہ کر اکیلا چھوڑ دو کہ لو! تم جانو اور تمہارا کام! یہ تہدید کا ایک ایسا انداز ہے جو بارہا کامیاب ثابت ہوتا ہے اور غفلت کے مارے ہوئے انسان اس سے ہوش میں آجاتے ہیں۔

جب دل مُردہ ہو تو حواس بھی بیکار ہوتے ہیں!

اگلی آیت : ۴۲ ——— ۴۳ میں ان لوگوں کا حال بیان ہوا ہے، جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت سے کوئی فائدہ نہ اٹھایا، خداداد حواس کو گم کر بیٹھے، دل کے دروازے بند کر لیئے تو آنکھوں اور کانوں کی قوتیں بھی بے نتیجہ رہیں :

"اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو تیری طرف کان لگاتے ہیں، پس کیا تو بہروں کو سُنا سکتا ہے اگرچہ وہ سمجھتے نہ ہوں؟ اور ان میں سے بعض تیری طرف دیکھتے ہیں، پس کیا تو اندھوں کی راہنمائی کر سکتا ہے اگرچہ وہ دیکھتے نہ ہوں؟"

یہ لوگ جو کان لگاتے ہیں مگر سمجھتے نہیں کہ کیا سُنا ہے؟ اور دیکھتے تو ہیں مگر جن چیزوں کو دیکھتا ہے ان میں تمیز نہیں کر سکتے۔

اس قسم کے لوگ ہر زمانے میں اور ہر جگہ بہت سے ہوتے ہیں، انہوں نے اپنے حواس اور قلب و عقل کے رابطے کو توڑ دیا ہوتا ہے لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (اور یا کوئی بھی اور ہدایت کنندہ) ان کے لیئے کسی چیز کے مالک نہیں تھے۔ جو شخص اپنے حواس کو خود معطل کر لے۔ برائے نام سُنے اور برائے نام دیکھے، اسے دنیا کا کوئی انسان بھی راہِ ہدایت نہیں دکھا سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے کسی کو یہ طاقت نہیں دی کہ اس قسم کے دل کے بہروں اور دل کی آنکھوں کے اندھوں کو راہِ حق دکھا سکے۔ بہروں اور اندھوں کو تو اللہ ہی سنا اور دکھا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اس سلسلے میں ایک سنت ہے کہ جو خود نہ دیکھنا چاہے اُسے نہ دکھائے۔ اور جو خود نہ سننا چاہے اُسے نہ سنائے۔ اللہ کی عطا کردہ قوتوں کو جو ضائع کر دے اُسے سنانا اور دکھانا کسی کے بس میں نہیں ہوتا۔

Marfat.com

اللہ ظالم نہیں انسان ہی ظالم ہے

جو انسان اللہ کی بخشی ہوئی غور و فکر، سننے اور دیکھنے کی قوتوں کو معطل کر دیتا ہے، سنتِ الٰہی یہ ہے کہ اس کو ہدایت نصیب نہیں ہوتی۔ اور اس میں اللہ تعالیٰ کا کوئی قصور نہیں، قصور خود بندے کا ہے جو خدا داد قوتوں کو استعمال نہیں کرتا۔ اس مضمون کو یوں فرمایا گیا ہے کہ:

"بلاشبہ اللہ لوگوں پر کچھ بھی ظلم نہیں کرتا۔ لیکن لوگ اپنے آپ پر خود ظلم کرتے ہیں (آیت: ۴۴)

ان آیات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تسلی کا سامان ہے۔ آپ کے دل میں کفار کی تکذیب و عداوت سے جو غم پیدا ہوتا تھا اس کے دُور کرنے کا سامان ہے۔ کفار کی تکذیب و کفر میں اللہ یا اس کے رسولؐ کا تو کوئی قصور نہیں، خود مشرکین و کفار ہی کا قصور ہے، تو ان کے اعتراضات اور مخالفت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گھبرانا اور تنگ دل ہونا نہ چاہیئے۔ آپؐ کی تبلیغ حق اور سعی و جہد میں تو کوئی کوتاہی نہیں آپؐ نے اپنا فریضہ ادا کیا، اب نہ ماننے والے خود اپنے فعل کے ذمہ دار ہیں، ان آیات سے یہ بھی ثابت ہوا کہ بہت بڑا درجہ اور مقام ہونے کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی آخر بشر ہیں، خدائی کی طاقت و اقتدار صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔

میدانِ قیامت کا نقشہ

آیت: ۴۵ میں دنیا کی عارضی زندگی کے مقابلے میں میدانِ قیامت کا ایک نقشہ سامنے لایا گیا ہے فرمایا گیا ہے:

"اور جس دن ہم ان کو جمع کریں گے تو (وہ محسوس کریں گے کہ) گویا انہوں نے دنیا میں صرف دن کی ایک گھڑی گزاری تھی جہاں وہ باہم تعارف کرتے رہے تھے بلاشبہ ان لوگوں نے خسارہ پایا ہے۔ جنہوں نے اللہ کی ملاقات کی تکذیب کی، اور وہ ہدایت پانے والے نہ ہوئے"

مطلب یہ ہے کہ میدانِ حشر میں لوگوں کو یوں نظر آئے گا کہ انہیں اچانک پکڑ لیا گیا ہے، وہ سمجھیں گے کہ ان کا دنیوی سفر بہت ہی کم تھا، یوں کہ گویا دن کی ایک گھڑی ان کو باہم گزارنے کا موقع ملا تھا، صرف باہمی تعارف ہی ہوا تھا کہ انہیں واپس بلا لیا گیا

اسے ہم دنیوی زندگی کی ایک تشبیہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ لوگ دنیا میں داخل ہوئے اور پھر جلدی ہی باہر نکال لیئے گئے گویا صرف باہمی تعارف کا موقع ملا تھا اور بس! اگر یہ تشبیہ ہے تو بھی حق الیقین ہے کہ دنیا میں واقعی انسان کی مہلت اتنی ہی ہے کہ ایک دوسرے سے ملتے ہیں، باہم تعارف ہوتا ہے اور بس یہ مہلت ختم ہو جاتی ہے! بلکہ اگر غور کریں تو پورا تعارف بھی نہیں ہوتا، ورنہ یہ لوگ جو آپس میں ذرا ذرا سی بات پر لڑتے جھگڑتے ہیں، باہم غلط فہمیاں پیدا ہو جاتی ہیں اور پھر اسی عالم میں کوچ کا نقارہ بج جاتا ہے، ظاہر ہے کہ ان کی تو باہمی جان پہچان بھی پوری نہیں ہو پاتی! مختلف افراد و اقوام اور ممالک کا باہمی تنازع اور تخاصم

Marfat.com

حق پر نہیں ہوتا۔ بلکہ دنیوی زندگی کے ساز و سامان پر اور نفسانی و طبقاتی و خاندانی اغراض پر ہوتا ہے!
پھر ایک خصومت ابھی ختم نہیں ہوتی کہ دوسری شروع ہو جاتی ہے۔ تنازعہ میں سے تنازعہ اور اختلاف میں
سے نیا اختلاف نکل آتا ہے۔ یہ تشبیہ بظاہر بالکل مختصر ہے مگر یہ مبنی بر حقیقت ہے۔

ناقابل تلافی نقصان

جن لوگوں نے اپنی ساری ہمت کو اس عارضی دنیا کے فوائد میں لگا دیا۔ ان کا نقصان بے پناہ ہے قرآن نے ایسے لوگوں کو عمل کے لحاظ سے سب سے زیادہ نقصان پانے والے" فرمایا ہے اور یہ لوگ ہیں جن کی کوشش ارشاد قرآنی کے مطابق اس دنیا کی زندگی میں گم ہو کر رہ گئی۔ اور یہ "بے وزن" لوگ ہیں۔ یہ لوگ عارضی حلت میں کھُب کر رہ گئے اور اللہ کی ملاقات کے لیئے تیار نہ ہوئے۔ نہ انہوں نے یہ سوچا کہ آخرت کی زندگی میں ایک طویل اقامت ہو گی۔ اس کے لیئے تیاری ضروری ہے۔ اور یہاں پر فرمایا ہے کہ:

"ان لوگوں نے بلاشبہ خسارہ پایا جنہوں نے اللہ کی ملاقات کی تکذیب کی اور وہ ہدایت یافتہ نہ ہوئے۔"

ہر امت کے لیئے ایک مقرر مدّت ہے!

میدانِ محشر کے اس سرسری نظارے کے بیان کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مکذبین کے بارے میں مخاطب کیا ہے کہ مکذبین کو جو وعید سنائی گئی ہے، ہو سکتا ہے کہ اس کا ظہور کل ہی ہو جائے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اسے فیصلے کے دن تک مؤخر کیا جائے، یہ بات اللہ کی مرضی اور مصلحتِ کائنات پر مبنی ہے۔ دھمکی کا یہ انداز اس لیئے ہے کہ ممکن ہے ان مکذبین کو کچھ عبرت و نصیحت حاصل ہو سکے اور وہ اپنی اصلاح کی طرف توجہ کریں۔ آہستہ آہستہ اس وعید کو قرآن کے طریقے کے مطابق آخرت تک لے جایا گیا ہے، قرآن کا یہ قاعدہ ہے کہ وہ آخرت کا تعلق دنیا سے جوڑتا ہے۔ ویسے بھی آخرت دنیا ہی کا نتیجہ ہے۔ اور یہ دونوں جہان درحقیقت متصل ہیں۔ فرماتا ہے کہ:

"اور یا تو ہم جن بعض چیزوں کا ان سے وعدہ کرتے ہیں وہ تجھے دکھا دیں گے (آپ کے حین حیات میں ان کا وقوع ہو جائے گا) یا ہم تجھ کو قبض کر لیں گے، پھر ان کی واپسی ہماری طرف ہو گی پھر اللہ ان کے افعال پر گواہ ہے، اور ہر امت کے لیئے ایک رسول ہے۔ پھر جب ان کا رسول آیا تو ان کے درمیان انصاف کا فیصلہ کیا جائے گا، اور ان پر ظلم نہ کیا جائے گا۔ اور کہتے ہیں کہ کب ہے یہ وعدہ اگر تم سچے ہو؟ تو کہہ کہ میں اپنے لیئے نفع نقصان کا مالک نہیں ہوں۔ مگر جو اللہ چاہے وہی ہوتا ہے!) ہر امت کے لیئے ایک مدّت ہے، جب ان کی مدت آئے گی تو وہ ایک گھڑی آگے پیچھے نہ کیئے جائیں گے تو کہہ کہ کیا تم نے دیکھا ہے کہ اگر اس کا عذاب تم پر رات کو آ جائے یا دن کو آ جائے۔ مجرم کس چیز پر جلدی مچا رہے ہیں؟ کیا پھر جب وہ واقع ہو گیا تو تم اس پر ایمان لاؤ گے؟

Marfat.com

اب دشکایت کرتے ہو حالانکہ تم اسے جلدی طلب کرتے تھے، پھر ان لوگوں سے کہا جائے گا جو مشرک تھے کہ تم ہمیشہ کا عذاب چکھو، تمہیں وہی بدلے لے گا جو تم کماتے تھے۔ اور وہ تجھ سے پوچھتے ہیں کہ کیا وہ برحق ہے؟ تو کہہ کہ ہاں میرے رب کی قسم وہ برحق ہے۔ اور تم عاجز کرنے والے نہیں ہو۔ اور اگر ہر مشرک جان کو جو کچھ زمین میں ہے، وہ سب کچھ مل جائے تو وہ اس کو فدیے میں دے دیں گے، اور وہ ندامت کو چھپائیں گے جب عذاب کو دیکھیں گے، اور ان کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا جائے گا، اور ان پر ظلم نہ کیا جائے گا "

واپسی اللہ ہی کی طرف ہوگی

یہ قطعہ اس تقریر سے شروع ہوتا ہے کہ اس قوم کی واپسی اللہ ہی کی طرف ہوگی۔ خواہ بعض وہ وعیدیں جن کو پہنچانے کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکلف بنایا گیا ہے، آپ کی زندگی میں واقع ہوں یا اس کے بعد۔ دونوں حالتوں میں بہر حال واپسی اللہ ہی کی طرف ہوگی۔ اور دونوں حالتوں میں اللہ تعالیٰ ان کے افعال پر گواہ ہوگا۔ ان کے اعمال میں سے نہ تو کچھ ضائع کیا جائے گا۔ اور نہ وعدہ پورا ہونے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات انہیں روکے گی۔

★ "اور یا تو ہم تم کو وہ کچھ دکھا دیں گے جن کا ان سے وعدہ کرتے ہیں یا ہم تمہیں قبض کر لیں گے پھر ان کی واپسی ہماری طرف ہی ہوگی، پھر اللہ گواہ ہوگا ان افعال پر جو وہ کرتے ہیں "

سب امور کی تدبیر ہو چکی ہے جس کے مطابق ان کا وقوع ہوتا ہے۔ ایک حرف کی کمی بیشی نہ ہوگی، واقعات وظروف سے ان میں کوئی تبدیلی نہ ہوگی۔ لیکن ہر قوم کو ڈھیل دی جاتی ہے، جب تک کہ ان کا رسول آجائے، انہیں خبردار کرے اور معاملات کی وضاحت کرے، اس طور پر وہ اپنا حق پا لیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے اور اپنے اوپر فرض کیا ہے کہ کسی قوم کو رسالت بھیجے بغیر سزا نہ دے گا۔ جب تبیین ہو گئی اور اس قوم کا عذر ختم ہو گیا، تو اس وقت پیغمبر کو ماننے یا نہ ماننے کے مطابق ان کا فیصلہ کیا جائے گا، چنانچہ فرمایا ہے کہ :

★ "اور ہر امت کے لیے ایک رسول ہے، پھر جب ان کا رسول آئے گا تو ان کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا جائے گا اور ان پر ظلم نہ کیا جائے گا "

اور ان دو آیتوں سے ہم حقیقت الوہیت اور حقیقت عبودیت کے سامنے کھڑے ہوتے ہیں جن پر کہ اسلامی عقیدہ سارے کا سارا مرکوز ہے۔ قرآن کا طرز بیان اس کی توضیح و تقریر کے لیے ہر مناسبت میں بہت زیادہ زور لگاتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان آیات میں فرمایا جا رہا ہے کہ اس عقیدے کا معاملہ اور اس قوم کا معاملہ جو اس کی مخاطب ہے یہ سب کا سب اللہ کا ہے اور اس میں آپ کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ آپ کا کام اس میں فقط تبلیغ کرنا ہے۔ اور اس کے بعد جو کچھ ہے وہ اللہ کا ہے، ہو سکتا ہے کہ آپ کی مدت حیات ختم ہو جائے، اور آپ اس مکذب و معاند اور موذی قوم کا انجام نہ دیکھ سکیں، اللہ کے

ذمہ یہ کوئی فریضہ نہیں ہے کہ آپؐ کو ان کا انجام دکھائے اور وہ عذاب جو ان پہ نازل ہوگا وہ دکھائے یہ کام سارے کا سارا اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ کا ہے۔ رسولوں کا کام صرف ابلاغ ہے۔ لہٰذا آپؐ کا فریضہ بھی بس یہی ہے۔ یہ اس لیئے کہ بندے اپنی جد وجہد کا میدان جان لیں اور داعیانِ حق کی مدّتِ دعوت گو طویل ہو جائے، مگر وہ انجام میں جلدی نہ کریں۔ اور گو ان کو اس سلسلے میں اذیتوں کا سامنا کرنا پڑے پھر بھی صبر کریں۔

یہ وعدہ کب آئے گا؟

مشرکین بطور تحدی اور ازراہِ عجلت کہا کرتے تھے کہ یہ وعدہ کب پورا ہوگا، فرمایا ہے:

"اور وہ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب ہوگا اگر تم سچے ہو؟"

یعنی وہ اس وعید کے وقوع میں، جس سے نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کو ڈراتے تھے، جلدی مچاتے تھے، کہتے تھے کہ ہمارے بارے میں اللہ کا فیصلہ جلد پورا ہو جائے۔ جس طرح کہ رسولوں کی تکذیب قوموں پر اللہ کا فیصلہ نافذ ہوا تھا اور اللہ تعالیٰ نے ان کو گرفت میں لے لیا تھا۔ اس کا جواب اللہ تعالیٰ نے یوں دیا ہے کہ:

"تو کہہ کہ میں اپنی جان کے لیئے بھی ضرر اور نفع کا مالک نہیں ہوں، مگر جو اللہ چاہے وہی ہوگا، ہر امت کے لیئے ایک مدت ہے، جب ان کی مدت آ جائے تو وہ ایک گھڑی نہ پیچھے ہوں گے اور نہ آگے ہوں گے۔"

یعنی جب پیغمبرؐ اپنے لیئے نفع نقصان کے مالک نہیں ہیں تو واضح بات ہے کہ دوسروں کے لیئے بھی مالک نہیں ہیں۔ پس انہیں ضرر مانگنے میں جلدی نہ کرنی چاہیئے اور نہ اُس کے آنے میں عجلت کرنی چاہیئے، اور چونکہ وہ لوگ ضرر مانگنے میں جلدی کرتے تھے، لہٰذا یہاں پر ضرر کا ذکر پہلے اور نفع کا بعد میں کیا گیا ہے۔ گو حکم اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ ملا تھا کہ آنجنابؐ اپنے بارے میں بتائیں کہ اور تو رہے الگ، میں تو اپنے نفع و نقصان کا مالک بھی نہیں ہوں۔ گویا یہاں پر ضرر کے ذکر کا مقدم کرنا بابِ تناسق سے متعلق ہے۔ ایک اور موقع پر سورۃ الاعراف میں نفع کا لفظ مقدم ہے کیونکہ انسان کے لیئے انسب یہی ہے کہ اپنے لیئے نفع طلب کرے، وہاں فرمایا ہے کہ:

"اور اگر میں غیب کو جانتا ہوتا تو میں بہت سی خیر (مال وغیرہ) جمع کر لیتا اور مجھے برائی (نقصان دہ چیز) نہ چھوتی۔"

اور یہاں پر جو یہ فرمایا ہے کہ: قل لا املک لنفسی ضرا ولا نفعا الا ما شاء اللہ
پس معلوم ہوا کہ امر اللہ کا ہے، وہ جب چاہے اپنی وعید کو وقوع میں لے آئے، سنتِ الٰہی نہیں بدلتی، اور وقت سے پیچھے ہوتی ہے، اور جو مدت اس نے مقرر کی ہے اس میں عجلت نہیں ہوتی، اور یہ بھی اسی سلسلے کی بات ہے کہ:

"ہر امت کے لیئے ایک مقرر وقت ہے، جب ان کا وقت آئے تو ایک گھڑی آگے پیچھے نہ ہوں گے۔"

Marfat.com

امتوں کی مدت کے اختتام کی صورتیں

اللہ تعالیٰ کے ہاں کسی امت کی مدت کے اختتام کی کئی صورتیں ہوتی ہیں، کبھی تو ایسا ہوتا ہے کہ مادی و حسی ہلاکت سے ان کی مدت ختم ہوتی ہے، یہ ہلاکت جڑ مار ہلاکت ہوتی ہے۔ جیسی کہ بعض پچھلی امتوں پر طاری ہوئی تھی، اور کبھی معنوی ہلاکت ہوتی ہے، یعنی شکست خوردگی اور ضائع ہو جانے کی ہلاکت۔ اس کی پھر دو صورتیں ہیں۔ بعض قوموں کی معنوی ہلاکت کے بعد، جو عارضی اور کچھ وقت کے لیے ہوتی ہے، از سرِ نو ان کو زندگی مل جاتی ہے۔ اور بعض کی ہلاکتِ معنوی اضمحلال اور محو ہو جانے کی صورت میں پیش آتی ہے۔ اس صورت میں وہ امت آہستہ آہستہ ختم ہو جاتی ہے۔ اس کی شخصیت مٹ جاتی ہے اور بحیثیتِ امت کا وجود محو ہو جاتا ہے۔ اگرچہ اس کے افراد پھر بھی باقی رہتے ہیں، یہ سب صورتیں اللہ تعالیٰ کی سنتِ جاریہ کے مطابق ہوتی ہیں اس میں کوئی ظلم نہیں، کسی کی رو رعایت نہیں، یہ کوئی اتفاقی صورت نہیں ہوتی اور محض اٹکل پچو یا ڈھکوسلا نہیں ہوتا، حقیقت ہے، وہ امتیں جو اسبابِ حیات کو اختیار کریں، وہ زندہ رہتی ہیں، اور وہ قومیں جو ان سے انحراف کریں، وہ ضعیف یا مضمحل یا موت کا شکار ہو جاتی ہیں۔ یہ سب صورتیں انحراف کی مقدار اور صورت کے مطابق ہوتی ہیں امتِ اسلامیہ کے بارے میں نصوصِ قرآنی سے یہ ثابت ہے، اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حدیث میں اس کی مزید وضاحت کر دی ہے کہ اس کی زندگی اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع میں ہے، اور رسولؐ جس طرف جاتا ہے اسی میں اس امت کی زندگی ہے اس کی زندگی محض عقیدے (اور زبانی دعوائے محبت) پر منحصر نہیں ہے عقیدے کو زندگی کے مختلف ادوار اور شعبہ جات میں عمل کی صورت میں اجاگر کرنے کی ضرورت ہے۔ اللہ نے جو شرع و قانون ٹھہرایا ہے۔ جب تک اس پر عمل نہ کیا جائے مومن مسلم نہیں بن سکتا۔ اللہ کی سنت یہی ہے کہ قوموں کی حیات کے لیے جو طرز و طریقہ مقرر ہے اسے اختیار کرنا لازم ہے۔

غضبِ خداوندی سے ڈرو!

گزشتہ آیات میں تو ان مشرکوں کا موقف ایک تحدی کرنے والے، استہزاء کرنے والے سائل کا ظاہر فرمایا گیا ہے، مگر اب ان کا موقف اس سے تبدیل ہو کر اس شخص کا ہو جاتا ہے کہ جسے ڈرایا جا رہا ہے۔ کہ دن یا رات کے کسی بھی وقت میں تم پر عذابِ الٰہی نازل ہو سکتا ہے :

> "کہو کہ بھلا یہ تو بتاؤ کہ اگر تم پر اللہ کا عذاب رات کو یا دن کو آ جائے تو مجرم کس بات میں جلدی مچا رہے ہیں؟"

سو یہ ہے وہ پوشیدہ ڈراؤنا عذاب جس کا وقت بھی معلوم نہیں ہے، نہ اس کی کیفیت، کمیت اور مقدار کا علم ہے۔ یہ عذاب رات کو بھی آ سکتا ہے جب کہ تم سوئے پڑے ہو اور دن کو بھی آ سکتا ہے جب کہ تم بیدار ہو، جب بھی آئے تم اسے رد نہیں کر سکتے۔ اب بولو کہ مجرم کس چیز میں جلدی کر رہے ہیں؟ وہ تو بہر حال عذاب ہے جس کو جلدی مانگنے میں کوئی بھلائی نہیں ہے۔

کیا جب عذاب آ ہی گیا تو ایمان لاؤ گے؟

آیت: ۵۰ میں یہی بات فرمائی گئی ہے کہ:

"کیا پھر جب وہ واقع ہو گیا تو تم اس پر ایمان لاؤ گے؟ کیا اب (ایمان لائے ہو؟) حالانکہ تم تو اس کے مانگنے میں جلدی کرتے تھے"

گویا کہ وہ عذاب واقع ہو چکا ہے اور گویا کہ وہ اس پر ایمان لا چکے ہیں اور وہ زجر و توبیخ کے انداز میں مخاطب بنائے جا رہے ہیں اور وہ عذاب ان کے سامنے ہے! پھر اس کا تتمہ یوں بیان فرمایا گیا ہے کہ:

"پھر کہا گیا (یا کہا جائے گا) ان ظالموں سے کہ ہمیشگی کا عذاب (یعنی دائمی عذاب) چکھو۔ تمہیں اسی چیز کی سزا تو دی جا رہی ہے جو تم کما رہے تھے"

کچھ عرصہ پیشتر ہم اللہ تعالیٰ کا وہ خطاب سن رہے تھے جو اس نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا، دو نیا میں کیا) اور اب اس آیت میں جو بات کہی جا رہی ہے اس کا تعلق عالم آخرت کے ساتھ ہے جہاں عذاب اور حساب کے میدان میں اُن مکذبین سے یہ گفتگو ہوگی۔

ہاں! مجھے اپنے رب کی قسم یہ حق ہے

آیت: ۵۳ پر اس قطعہ کا اختتام اس بیان پر ہوا ہے کہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھتے ہیں کیا یہ واقعی حق ہے؟ گویا اس کے سامنے اندر سے اُن پر زلزلہ طاری ہے۔ یقین پھر بھی نہیں اور کانپتے جسم کے ساتھ وثوق حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ جواب قسم کے ساتھ مؤکد آیا ہے جو فیصلہ کُن ہے:

"اور تم سے یہ پوچھتے ہیں کہ کیا یہ حق ہے؟ تم کہو ہاں میرے رب کی قسم یہ حق ہے، اور تم عاجز کرنے والے نہیں ہو"

اِیْ وَرَبِّیْ کا مفاد یہ ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کی قیمت اور حقیقت کو پہچانتا ہوں، لہٰذا جھوٹی قسم نہیں کھاتا، بہ یقین اور بڑے اعتماد انداز میں قسم کھاتا ہوں کہ وہ عذاب تم پر آ کر رہے گا اور تم اس کو ٹالنے کی قوت نہیں رکھتے، نہ یہ طاقت رکھتے ہو کہ تمہارا محاسبہ کیا جائے اور تمہیں سزا دی جائے۔

فدیہ ناممکن، ندامت برحق!

اب حساب و جزا کے میدان کا ایک منظر دیکھیے:

"اور بالفرض اگر ظلم کرنے والی جان کو ساری زمین کی چیزیں دے دی جائیں تو وہ انہیں فدیے میں دے دیں گے، اور وہ ندامت کو چھپائیں گے جب عذاب کو دیکھیں گے اور ان کے درمیان انصاف کا فیصلہ کیا جائے گا۔ اور اُن پر ظلم نہ کیا جائے گا"

آخرت میں فدیے اور تاوان کا لین دین نہ ہوگا، مگر فرض کرو کہ کافروں کو ساری زمین کی چیزیں مل جائیں اور وہ انہیں فدیے میں دے دیں تو بھی عذاب سے خلاصی نہ ہوگی اور یہ تاوان ناقابلِ قبول ہوگا۔ اچانک وہ عذاب

Marfat.com

کے رُوبرُو ہوں گے، چہرے اندرونی غم واندوہ کی تصویر ہوں گے، گو وہ ندامت کو چھپانا چاہیں گے، فیصلہ عدل و انصاف کا ہوگا، اور کسی کی حق تلفی نہ ہوگی۔ اس آیت پر وہ منظر ختم ہوا، جس کا نصف حصہ فرض پر مبنی تھا اور اگلا نصف واقعی اور حتمی تھا، یہ ہے قرآن کا طریق بیان ہے۔

دلائلِ قدرتِ الٰہی

حشر وحساب کے بیان کے آخر میں ایک اور قطعہ یہ ہے جس میں آسمان و زمین میں اور زندگی و موت میں قدرتِ الٰہی کا اظہار ہے، پھر قرآن سے استفادے کی ندائے عام ہے تاکہ لوگ اس سے فائدہ اٹھائیں، فرماتا ہے:

"سن لو کہ اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے، سُن لو کہ اللہ کا وعدہ برحق ہے۔ مگر ان میں سے اکثر نہیں جانتے وہی زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے، اور اسی کی طرف تم کو لوٹایا جائے گا۔ اے انسانو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نصیحت آگئی ہے اور وہ دلوں کی بیماریوں کے لیے شفا ہے، اور ایمان والوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے کہو کہ اللہ کے فضل کے ساتھ اور اس کی رحمت کے ساتھ، سو اس چیز پر ان کو خوش ہونا چاہیے ان چیزوں سے بہتر ہے جن کو وہ جمع کرتے ہیں۔"

اَلَآ کلمہ تنبیہ ہے جس کو توجہ و تاکید کے لیے لایا گیا ہے۔ فرمایا ہے کہ جو اللہ کائنات کا مالک اور شہنشاہِ حقیقی ہے، اس کے لیے یہ بات مشکل نہیں کہ وہ وعدوں کو پورا کرے، کوئی رکاوٹ اور کوئی روکنے والا اس کے ارادے میں حائل نہیں ہو سکتا۔ وہ زندگی اور موت کا مالک ہے تو دوبارہ پیدا کرنے اور جزا و سزا کا مالک کیوں نہیں؟ یہ آیات: ۵۵ ——— ۵۶ کا مضمون ہے۔

قرآن کی بعض صفات

آیات ۵۷ ——— ۵۸ میں قرآنِ مجید کی یہ صفات بیان ہوئی ہیں: تمہارے رب کی[۱] نصیحت، دلوں کی شفا[۲]، ہدایت[۳]، مومنوں کے لیے[۴] رحمت۔

پہلی صفت میں مشرکوں کی اس بات کا جواب ہے کہ یہ قرآن معاذاللہ من گھڑت ہے، فرمایا ہے کہ یہ تمہارے رب کی طرف سے موعظت ہے، کسی اور کا افترا اور گھڑنت نہیں ہے، یہ انسانی کلام نہیں ہے۔ بلکہ الٰہی کلام ہے۔ دوسری صفت کا مطلب یہ ہے کہ یہ کتاب تمہارے دلوں کی زندگی اور شفا کے لیے آئی ہے۔ شک وریب، خرافات اور کجی کی بیماریوں کا پورا علاج ہے۔ تیسری صفت کا معنی یہ ہے کہ یہ کتاب بھٹکتی ہوئی مخلوق کے لیے راہِ ہدایت ہے۔ اللہ نے دنیا بناکر تمہارے سپرد کی ہے اور یہ قرآن ایک گائیڈ بک کے طور پر بھیجا ہے تاکہ تم اس دنیا کا صحیح استعمال کر سکو۔ اس میں عافیت، یقین و اطمینان اور سلامتیِ ایمان ہے، چوتھی صفت کا یہ مطلب ہے کہ یہ قرآن ضلالت اور عذاب سے بچاکر مومنوں کو رحمتِ خداوندی میں داخل کرتا ہے۔

اللہ کے فضل و رحمت پر خوش ہو جاؤ

فرمایا ہے کہ: "قل بفضل اللہ وبرحمتہ فبذالک فلیفرحوا ھو خیر مما یجمعون ہ" اللہ نے اپنا یہ فضل جو اپنے بندوں کو دیا ہے اور یہ رحمت جو اس نے ان پر نازل کی ہے (قرآن اسلام اور ایمان) لوگوں کو صرف اس پر خوش ہونا چاہیئے۔ خوشی کی چیز صرف یہ ہے اسی پر خوش ہونا سجتا ہے۔ دنیا عارضی ہے، زندگی چند روزہ ہے، رحمتِ حق اور فضلِ خداوندی دائمی ہے۔ یہی خوشی باقی ہے مال اور اس دنیا کا سامان اس کے مقابلے میں کچھ نہیں۔ یہی دائمی خوشی انسان کو عارضی زندگی کی عارضی اور زائل ہونے والی خوشی اور دلچسپی سے باہر نکال سکتی ہے۔ قرآن کی فرحت دنیوی ساز و سامان کو خادم بنا دیتی ہیں نہ کہ مخدوم۔ انسان کو ان کا حاکم بناتی ہے۔ نہ کہ غلام۔ دوسری طرف اسلام دنیوی ساز و سامان کو اسی لیے حقیر نہیں ٹھہرا تا کہ لوگ اسے یکسر ترک کر دیں اور اس سے نفرت کرنے لگیں وہ تو صرف ان کو اس سامان کی صحیح قیمت اور اصلی وزن بتایا ہے تاکہ وہ ان کی اصلی حقیقت جان کر اس سے فائدہ اٹھائیں نہ کہ اس پر ریجھ کر آخرت کو بھلا دیں۔ ان کا مطمح نظر ان سے بلند تر ہو۔ اور ان کے آفاق دنیوی احاطے سے وسیع تر ہوں، ایمانداروں کے نزدیک اصل نعمت ایمان ہی ہے۔ دنیا کو وہ اس لیے استعمال کرتے ہیں کہ خدا و رسولؐ کا حکم یہی ہے، اسے استعمال کرتے وقت ان کا ارادہ آزاد اور ہاتھ کسی پابندی کے بغیر ہوتے ہیں۔ ان کا اصلی ہدف یہی ہے کہ ایمان کے تقاضوں پر عمل کیا جائے اور اس کے فرائض ادا ہوں۔ دنیا ان کی مملوک ہے نہ کہ مالک، وہ اس پر سوار ہو کر آخرت کا سفر کرتے ہیں۔

حضرت عمرؓ کی تفسیر آیت

ایفع بن عبداللہ کلاعی نے کہا کہ جب عراق کا خراج حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا تو حضرت عمرؓ اپنے ایک آزاد کردہ غلام کو ساتھ لے کر باہر نکلے، پہلے اور سامان دیکھا اور پھر اونٹوں کو شمار کیا۔ اونٹ دیگر سامان سے زیادہ تھے تو حضرت عمرؓ کہنے لگے: الحمد للہ تعالیٰ۔ ان کے آزاد کردہ غلام نے کہا: واللہ یہ اللہ کا فضل اور اس کی رحمت ہے (جس کا قرآن میں ذکر وارد ہے) جناب عمرؓ نے فرمایا: تو نے غلط کہا، یہ وہ چیز نہیں ہے، جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ: قل بفضل اللہ وبرحمتہ فبذالک فلیفرحوا ھو خیر مما یجمعون۔ حضرت عمرؓ کا مطلب یہ تھا کہ اس آیت میں فضل و رحمتِ الٰہی سے مراد اسلام اور قرآن ہے نہ کہ دنیوی ساز و سامان، گو وہ بھی رحمت و برکت و فضلِ خداوندی ہے!

صفِ اوّل والوں نے دنیا کو کیسے دیکھا؟

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس واقعہ سے پتہ چل جاتا ہے کہ مسلمانوں کی صفِ اوّل کے نزدیک زندگی کی قدریں کیا تھیں، وہ اوّل درجے کا فضل و رحمت اس موعظت و ہدایت (قرآن) کو جانتے تھے جو ان کی طرف اللہ کی طرف سے نازل ہوا تھا۔ مال و دولت اور فتح و نصرت اسی فضل کے تابع ہے۔ یہی سبب تھا کہ

Marfat.com

نصرت ان پر آتی تھی اور مال پانی کی طرح بہتا تھا اور دولت ان کی تلاش میں پھرتی تھی۔ یہی اس امت کا راستہ ہے جو کتاب و سنت اور تاریخ نے واضح ہے۔ اس راستے کی راہنمائی قرآن نے کی ہے اور صدر اوّل کے مردانِ کار اس پر کاربند ہوئے تھے، یہی ہے راہِ حق!

رزق اور مادی قیمتوں کا اصل مقام

مادی رزق اور مادی قیمتیں اس زمین پر انسان کا مقام متعین نہیں کرتیں، یہ تو اس دنیا میں ایسا نہیں کر سکتیں، چہ جائیکہ آخرت میں کریں۔ اس کے برعکس ہو سکتا ہے کہ مادی ارزاق، مال و دولت اور مادی قیمتیں انسانیت کی بدبختی کا سبب بن جائیں، نہ صرف دیر سے آنے والی آخرت میں، بلکہ اس واقعی زندگی میں بھی، ہم اس چیز کا مشاہدہ موجودہ بدنصیب مادہ پرستی کے دور میں بخوبی کر سکتے ہیں، اس سے یہ ثابت ہوا کہ انسانی زندگی کو چلانے اور اس کے فیصلے کرنے کے لیے کچھ اور قیمتیں درکار ہیں، اور یہی وہ قیمتیں ہیں جن کو وہ مقام ملنا چاہیئے جو آج کل دنیوی مال و دولت اور مادی رزق کو دیا جاتا ہے، اور انہی قیمتوں کو انسان کی سعادت یا شقاوت کا معیار بنایا جا سکتا ہے۔ زندگی گزارنے کا وہ ڈھنگ جو انسان کی مجموعی زندگی پر حاکم اور فیصلہ کن ہو سکتا ہے، اور وہ بشر کی مجموعی زندگی کی سعادت چاہتا ہے وہی مادی ارزاق اور دنیوی مال و دولت پر بھی حاکم اور فیصلہ کن ہو سکتا ہے۔ وہی یہ بتا سکتا ہے کہ یہ قیمتیں انسانی سعادت کا ذریعہ ہیں یا شقاوت کا، وہی بتا سکتا ہے کہ یہ انسانی ترقی کا سبب ہیں یا تنزل کا۔ یہی سبب تھا کہ دین داروں کی زندگی میں دین کو ہی مرکزی حیثیت رہی ہے۔ ذرا ایک دفعہ پھر اس آیت کو تلاوت کیجیئے:

> "اے انسانو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نصیحت آگئی ہے اور وہ دلوں کی شفا کا سبب ہے اور مومنوں کے لیئے ہدایت و رحمت ہے۔ تو کہہ کہ اللہ کے فضل کے ساتھ اور اس کی رحمت سے ہی لوگوں کو خوش ہونا چاہیئے، وہ اس سے بہتر ہے جو وہ جمع کرتے ہیں"

قرآن والوں کی صفِ اوّل حقیقت سے آشنا تھی

یہی سبب تھا کہ جن لوگوں نے سب سے پہلے قرآن کو حاصل کیا وہ اس بلند قیمت کو پا لیتے تھے، اور جنابِ عمر رضی اللہ عنہ کے اس قول کا بھی یہی مطلب ہے جو انہوں نے مال اور جانوروں کے متعلق فرمایا تھا کہ:

> "یہ وہ نہیں ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تو کہہ بفضلِ خدا اور اس کی رحمت سے اور ان کو اسی پر خوش ہونا چاہیئے، وہ اس مال سے بہتر ہے جسے وہ جمع کرتے ہیں"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے دین کو خوب سمجھتے تھے، وہ جانتے تھے کہ اللہ کا فضل اور اس کی رحمت بدرجۂ اولیٰ اس قرآن میں متمثل ہوتے ہیں، جسے اللہ تعالےٰ نے نازل فرمایا ہے، جو ان کے رب کی طرف سے موعظت ہے اور دلوں کے لیئے شفا بخش ہے اور مومنوں کے لیئے ہدایت و رحمت

ہے، نہ اس مال، جانوروں اور ارزاق میں جن کو وہ جمع کرتے ہیں وہ اس عظیم انقلاب کی قیمت کو جانتے تھے جو ان کے لیے اس دین نے برپا کیا ہے کہ ان کو جاہلیت کی اس پستی سے نکالا ہے جس میں وہ پڑے ہوئے تھے، ہر زمان و مکان کی جاہلیت کا اگر مقابلہ کیا جائے تو یہ انقلاب بہت بڑا نظر آئے گا۔ بیسویں صدی عیسوی کی جاہلیت کے مقابلے میں بھی اسلام کی یہی حیثیت ہے۔

بنیادی اسلامی انقلاب

سب سے بڑا بنیادی انقلاب جو اس دین نے برپا کیا تھا وہ یہ ہے کہ بندوں کی گردنوں کو ان جیسے بندوں کی غلامی سے آزاد کر دیا، انہیں اس غلامی سے نجات دلائی اور صرف اللہ وحدہ کی غلامی میں دے دیا، ان کی پوری زندگی کو اس اسلامی آزادی اور انقلاب پر استوار کیا۔ یہ دین ان کی قیمتوں کو، تصورات کو، اخلاق اور پوری زندگی کو رفعت بخشتا ہے۔ دنیوی مال و دولت، مادی رزق، مادی حکومت، یہ سب کچھ اس آزادی کے تابع ہے۔ پہلی مسلم جماعت کے دور میں اسی طرح واقع ہوا تھا اور اسی ترتیب سے تبدیلی آئی تھی۔ اس جماعت نے ہر قسم کی جاہلیت پر پھاڑ و پھیر دیا تھا۔ زمینی سلطنت کی نگرانی کی تھی، انسانیت کی راہنمائی اللہ کی طرف کی تھی۔

مادہ پرستوں کا انقلاب

جو لوگ مادی قدروں اور مادی ترقی کو ہی اصل مقام دیتے ہیں اور اس بنیادی اسلامی عظیم قدر سے غافل ہیں، وہ بشریت کے دشمن ہیں جو اس کا حیوانیت سے بلند ہونا پسند نہیں کرتے، ان کے پیش نظر انسان کے صرف حیوانی تقاضے ہیں۔ وہ مادی انقلاب کی دعوت کو محض ایک دعوت کے طور پر نہیں پھیلاتے بلکہ اصل ارادہ ان کا یہ ہے کہ ایمانی قدروں کو ختم کریں اور اس عقیدے کو ملیا میٹ کر دیں جو انسانی قلوب میں حیوانی قدروں سے زیادہ عزیز تر ہے۔ حالانکہ یہ عقیدہ انسان کی حیوانی ضرورتوں کو نظر انداز نہیں کرتا اور روٹی، کپڑے، مکان اور جنس میں گھر کر نہیں رہ جاتا، جس میں کہ حیوان محدود ہوتا ہے۔

مادی قدروں کی چیخ و پکار

مادی قدروں کو ہی انسانی زندگی میں اہم ترین مقام دینے کا شور و غوغا، مادی پیداوار کی ترقی کا شور کہ انسان اس میں کھو جائے اور انسانی زندگی، انسانی غور و فکر اور تمام انسانی تصورات پر وہی محیط ہو کر رہ جائے، اور انسان ایک مشین بن کر رہ جائے، وہ صرف کمائی کا آلہ نظر آئے اور ہر وقت اسی قدر و قیمت کے پیچھے ہانپتا رہے، اور اسی کو انسانی زندگی کا اولین مقصود بنا لے اور پیداوار، پیداوار .... میں اضافے کی دائمی تیز آندھی میں ہر اخلاقی و روحانی قدر و قیمت دب کر رہ جائے، اور مادی پیداوار کی راہ میں ہر روحانی قدر و قیمت کو لتاڑ دیا جائے، یہ شور و غل بے کار نہیں ہے، یہ ایک سوچی سمجھی ہوئی سکیم ہے جس کا مقصد پہلی جاہلیت کے بتوں کی جگہ پر جدید جاہلیت کے جدید بتوں کو

Marfat.com

ڈالتا ہے۔ یا کم از کم یہ کہ مادی قدروں کو اولیت مل جائے اور یہی زندگی کا اعلیٰ مقصد بن جائیں۔ جب مادی پیداوار اور اس میں اضافے کو ہی معبود کا درجہ دے دیا جاتا ہے اور اس کے لیے تمام قدروں اور امتیازات کو قربان کر دیا جاتا ہے، مثلاً اخلاق، خاندان، عزت و ناموس، آزادیاں، ذمہ داریاں، جب یہ سب یا ان میں سے بعض مادی قدروں اور پیداوار میں اضافے کے ساتھ ٹکرا جائیں تو انہیں مٹا دینا، لتاڑ دینا واجب ہے۔ سو بتایا جائے کہ اگر یہ معبود نہیں تو پھر اور بت کسے کہا جاتا ہے؟ ضروری نہیں کہ باطل معبود پتھر یا دھات یا مٹی یا لکڑی کا ہو، کبھی کبھی قدر و قیمت، اعتبار، جھوٹا اثر و رسوخ، غرور و تکبر، اور لقب بھی بت بن جاتا ہے! واجب ہے کہ اعلیٰ قدر و قیمت اعلیٰ روحانی قدروں کو ملے۔ یعنی اللہ کے فضل و رحمت کو جو ہدایت الٰہی میں متمثل ہوتی ہیں اور ان سے دلوں کو شفا ملتی ہے، اور غلامی سے نجات حاصل ہوتی ہے، اس سے انسان میں اعلیٰ انسانی اقدار پیدا ہوتی اور پرورش پاتی ہیں۔ اسی بلند قدر و قیمت کے سائے میں اللہ کے رزق سے نفع مل سکتا ہے، جو اللہ نے لوگوں کو اس زمین میں عطا فرمایا ہے۔ اسی سے مادی پیداوار بڑھ سکتی ہے۔ اسی سے انسانی بوجھ ہلکا ہو سکتا ہے، محنت و مشقت کم ہو سکتی ہے، اور وہ ساری اقدار قائم ہو سکتی ہیں، جن کے لیے جاہلیت ڈھول پیٹتی ہے (سید مرحوم کے بعد آج جو وقت گزر رہا ہے، اس میں اشتراکیت کا جادو اپنا اثر کھو چکا ہے۔ اور اب اس کا طوطی زمین میں اس انداز سے نہیں بولتا جس انداز میں سید مرحوم کے وقت میں بولتا تھا، اب اشتراکیت پٹ چکی ہے اور لوگوں کی آنکھوں سے اس کا خمار اتر چکا ہے!)

یہ قدر و قیمت جس کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے، اس کے بغیر رزق، مال و دولت اور پیداوار ایک لعنت ہے، جس کے باعث لوگ بدقسمتی کا شکار ہوتے ہیں کیونکہ ان اقدار کو حیوانی اور مشینی اقدار کی بلندی کے لیے استعمال کیا جاتا ہے (آج کل دنیا میں سائنس کی بے انتہا ترقی، پیداوار کی بے پناہ زیادتی سامانِ تعیش کی فراوانی کے باوجود انسانیت بدبختی کا شکار ہے) کسی ملک میں، کسی معاشرے میں، کسی طرزِ حیات میں اور کسی قوم میں امن و سلامتی اور صلح و آشتی نہیں، انسان انسان کو درندوں کی مانند کھاتا ہے۔ عزت و آبرو، جان و مال اور دینی و اخلاقی اقدار، بلکہ دنیوی و مادی اقدار تک محفوظ نہیں وہی کیفیت سامنے ہے کہ:

"ان لوگوں کی مانند مت ہو جاؤ جنہوں نے اللہ کو بھلایا، تو اس نے انہیں ان کی جانیں بھلا دیں"

پس خدائے بزرگ و برتر نے سچ فرمایا ہے کہ: یا ایھا الناس قد جاءتکم موعظۃ من ربکم وشفاء لما فی الصدور وھدی ورحمۃ للمؤمنین ۝ قل بفضل اللہ وبرحمتہ فبذلک فلیفرحوا ھو خیر مما یجمعون ۝

جاہلیت کی خود ساختہ تحلیل و تحریم

آیات ۵۹ ـــــــــ ۶۰ میں جاہلیت کا رد کیا ہے جو حرام و حلال کو اپنے ہاتھ میں لے لیتی

Marfat.com

ہے، حالانکہ وہ صرف اللہ خالقِ کائنات کا حق ہے۔ انسان تحریم و تحلیل کے معاملے کو اللہ کے فضل و رحمت اور کتابِ خداوندی کے سپرد کرنے کے بجائے انسانی خواہشات و مرغوبات کے تابع کر دیتا ہے۔ یہی جاہلیت ہے خواہ قدیم ہو یا جدید۔ فرماتا ہے کہ :

"کہو کہ دیکھو تو سہی، اللہ نے جو رزق تمہارے لیے اتارا ہے تم نے اس میں سے بعض حصوں کو حرام اور بعض کو حلال کر لیا، (اپنی مرضی اور اپنی ہوائے نفس کے ساتھ!) کہو کہ کیا اللہ نے تم کو اس کی اجازت دی ہے یا کہ تم اللہ پر افتراء کرتے ہو؟ اور کیا گمان ہو گا کافروں کا جو اللہ پر جھوٹا افتراء باندھتے ہیں، قیامت کے دن؟ بلاشبہ اللہ فضل والا ہے انسانوں پر مگر ان میں سے اکثر شکر گزاری نہیں کرتے۔"

یعنی یہ رزق جو تمہیں ملتا ہے یہ بھی، روحانی و مادی ہر طور پر اللہ کی طرف سے نازل ہوتا ہے غلے، پھل اور ہر استعمال کی چیز کو بارش، سورج اور چاند کا فیض ملتا ہے۔ اب چاہیئے تو یہ تھا کہ تم اس کو اللہ کے اذن و امر کے مطابق استعمال کرتے، مگر ہوا یہ کہ تم نے اس میں اپنی مرضی کو داخل کر دیا ہے، بعض چیزوں کو اپنی خواہشات و شہوات کے مطابق حلال اور بعض کو حرام کر لیا ہے۔ تحلیل و تحریم کا ہی دوسرا نام تشریع یعنی قانون سازی ہے۔ گویا تم اپنے قانون ساز خود بن بیٹھے ہو۔ قانون سازی حاکمیت ہے۔ حاکمیت کا مطلب ربوبیت ہے، جو رب العالمین کے ساتھ خاص ہے مگر تم خود اپنے رب آپ بن بیٹھے ہو!

کیا یہ اللہ کے اذن سے ہے یا افتراء ہے؟

تحلیل و تحریم کے معاملے کو قرآن نے بار بار بیان کیا ہے اور اس سلسلے میں بار بار جاہلیت کا رد کیا ہے سبب یہ ہے کہ لا الٰہ الا اللہ کی شہادت کا یہ تقاضا ہے کہ صرف خدائے واحد و برحق کو قانون ساز مانا جائے اس کے بغیر کلمۂ توحید معنیٰ ہی نہیں بنتا۔ اللہ کو خالق و رازق ماننے کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ اُسی کو رب و معبود مانا جائے، وہی قانون ساز ہے، وہی فیصلہ کرنے والا ہے: ان الحکم الا للہ۔ رزق جسمانی ہو یا روحانی سارا اللہ سے ملتا ہے، پس رب اور معبود بھی وہی ہے۔ جاہلی عرب وجود الٰہی کے منکر نہ تھے۔ اسے خالق و رازق بھی مانتے تھے۔ اُسی طرح جس طرح کہ آج کل نام نہاد "مسلمان" بھی یہ سب کچھ مانتے ہیں۔

——— زبانی طور پر مانتے ہیں! ——— پھر وہ اللہ کے دیئے ہوئے رزق میں تحلیل و تحریم کا اختیار اپنے ہاتھ میں لیتے تھے، جس طرح کہ آجکل کے نام نہاد مسلمانوں کا حال ہے یہ کام ان میں سے ایک گروہ کرتا تھا، یعنی ان کا مذہبی طبقہ، کاہن اور بت خانوں کے منتظم۔ بالکل یہی حال آج کے نام نہاد مسلمانوں کا ہے۔ قرآن ان کے اس تناقض کو ان پر کھولتا ہے کہ اللہ تم اللہ کو موجود، خالق اور رازق مانتے ہو تو اس کی ربوبیت میں خود یا دوسروں کو شریک کیوں کرتے ہو؟ قانون سازی کا دوسرا نام ربوبیت ہے یہ نرا تناقض ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کو شرک فرمایا ہے۔ یہ شرک جہاں بھی ہو، جس میں بھی ہو اور جب بھی ہو شرک ہے۔ فاعل کے اختلاف سے فعل کی حقیقت نہیں بدلتی، مشرکوں کی انواع کے اختلاف سے

شرک شرک ہی رہتا ہے، اسلام نہیں ہوجاتا۔

کیا یہ شریعۃ اللہ یا من جانب اللہ ہے؟

عرب مشرک بھی آج کل کے برائے نام مسلمانوں کی طرح یہ سمجھتے تھے کہ یہ جو تحریم و تحلیل کا کام وہ کرتے ہیں، اللہ کی اجازت (یا حکم) کے ساتھ کرتے ہیں۔ اور یا پھر وہ اس کے متعلق کہتے تھے کہ یہ اللہ کی شریعت ہے۔ سورۃ الانعام میں آیا ہے کہ ان کا دعویٰ یہ تھا کہ جو کچھ وہ حرام کرتے ہیں اور جو کچھ وہ حلال کرتے ہیں یہ شریعۃ اللہ ہے:

"اور انہوں نے کہا کہ یہ چار پائے اور کھیتی ممنوع ہے صرف وہی ان کو کھا سکتا ہے، جسے ہم چاہیں اور بعض جانوروں کی پشت کو حرام کر دیا گیا (یعنی ان پر سواری کو گناہ جانتے تھے) اور بعض جانوروں پر (بوقت ذبح) اللہ پر افتراء کرکے اللہ کے نام کا ذکر نہ کرتے تھے۔ عنقریب اللہ ان کے وصف کی انہیں جزا دے گا، اس لیے کہ وہ افترار کرتے تھے۔"

گویا بالفاظِ دیگر وہ یہ کہتے تھے کہ اللہ یہ چاہتا ہے اور یہ نہیں چاہتا، اور یہ ان کا اللہ پر افترا تھا، (مشیتِ الٰہی کا انہیں کیونکر علم ہوگیا؟) اسی طرح آج بھی بعض نام نہاد مسلمان اپنی طرف سے قانون سازی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی شریعت ہے (کچھ عرصہ پہلے سے اب تک مسلم سیاستدان اور مسلم حکام اپنی خواہشاتِ نفس کو امرِ الٰہی ٹھیراتے رہے ہیں، اسلام کے نام پر برسرِ اقتدار آتے ہیں اور حکومت مل جاتی ہے تو سب سے پہلے اسلام کی گردن پر چھری چلاتے ہیں، ایسے حالات پیدا کرنے کی دن رات کوشش کرتے ہیں کہ ان کے ممالک سے اسلام کا نام و نشان مٹ جائے، ایسے لوگ پیدا ہوجائیں جو زبان سے کہہ دیں کہ ہم کو اسلام درکار نہیں ہے، آج دنیا کے چپے چپے پر جو مسلمان ذلیل و خوار ہیں، اس کا سب سے بڑا باعث یہی ہے)

اس افتراء کا جواب

اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو جواب دیتا ہے، جو اوپر گزرا، پھر ان سے دریافت کرتا ہے کہ قیامت کے دن تمہارے خیال میں تمہارا رب تمہارے ساتھ کیا سلوک کرے گا، حالانکہ تم اللہ پر افتراء کرتے ہو: وما ظن الذین یفترون علی اللہ الکذب یوم القیامۃ؟ خطاب کا صیغہ نہیں بولا بلکہ غائب کا لفظ استعمال فرمایا ہے، تاکہ سب مفترین کو مشتمل ہو جائے۔ اور سوال جو کیا ہے اس کا انداز اور مضمون ایسا ہے کہ اس کے آگے پہاڑ بھی پگھل جائیں۔

اللہ پھر بھی لوگوں پر فضل والا ہے!

فرمایا ہے کہ اکثر لوگ ناشکر گزار ہیں، لیکن اللہ پھر بھی ان پر اپنا فضل فرماتا ہے، انہیں ان کی

Marfat.com

نالائقیوں، نافرمانیوں اور شرک کے باوجود رزق دیتا ہے، جسے اس نے اس کائنات میں ہی رکھ دیا ہے کہ لوگ اسے خود نکال لیں۔ انہیں اس رزق کے مصادر کا علم دے دیا ہے، آلات مہیا کر دیئے ہیں، قوت اور علم دے دیا ہے، قوانین ٹھہرا دیئے ہیں کہ جو ان کے ماتحت رزق حاصل کرنا چاہے گا اسے مل جائے گا، اور پھر اللہ تعالیٰ کا یہ بھی رزق ہے جو اس کے فضل و رحمت پر مبنی ہے اور ہدایت و شفاء ہے یعنی قرآن مجید، تاکہ لوگوں کو سیدھی، مضبوط راہ کی ہدایت دے۔ جو لوگ اپنے اندر کی بہتر انسانی صفات کو بروئے کار لائیں انہیں اس قرآن کی ہدایت اور شفاء حاصل ہو جائے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو دنیا و آخرت کی خیر کو جمع کرتے ہیں، جس طرح کہ اپنی فطرت اور کائنات کی فطرت کو یکجا کرتے ہیں۔

مگر اکثر لوگ ناشکرے ہیں!

یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ کے رزقِ جسمانی و روحانی پر شکریہ ادا نہیں کرتے، ان کے تقاضے پورے نہیں کرتے، وہ صراطِ مستقیم سے اور شرع خداوندی سے انحراف اختیار کرتے ہیں، اللہ کے ساتھ اوروں کو شریک بناتے ہیں۔ دلی بیماریوں سے شفاء نہیں پاتے کیونکہ قرآن سے نفع حاصل نہیں کرتے یہ قرآن ہر لحاظ سے اور شفاء کے ہر معنی کے لحاظ سے شفاء ہے، یہ بیمار دلوں میں اسی طرح سرایت کرتا ہے، جس طرح بیمار جسم میں دوائی داخل ہو کر اس کی شفاء کا سبب بنتی ہے، قرآن کا اقتدار و تسلط قلوب پر چھا جاتا ہے، انسان میں اسبابِ تاثر کو بیدار کرتا ہے اور اسے قبولیتِ حق کے لیے تیار کرتا ہے۔ یہ شفاء ہے، ان معاشرتی، معاشی اور سیاسی بیماریوں کا جس نے انسانیت کو بیمار کر رکھا ہے اور اس کی بیماری کی کوئی دوا و شفاء اسے نہیں مل رہی۔ یہ رنگ، نسل، طبقات، ملک اور علاقے، زبان اور معاشرت کے اختلافات کے لیے شفا ہے، انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے لئے شفاء کا باعث ہے۔ یہ شفاء ہے، جو شکستہ دلوں کو ڈھارس بندھاتا ہے، ان میں اطمینان اور تسلی پیدا کرتا ہے۔

اللہ کے دوست خوف اور غم سے بری ہیں

ناشکرے اللہ تعالیٰ کا شکر نہیں کرتے حالانکہ وہ ان کے سب بھیدوں اور کائنات کے ذرّے ذرّے کو جانتا ہے، ہر پوشیدہ اور ظاہر پر محیط ہے، عالم الغیب والشہادۃ ہے، اس سے آسمانوں میں یا زمین میں ایک ذرہ بھی دُور یا پوشیدہ نہیں ہے۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے اصحاب کے احوال سے بھی پوری طرح آگاہ ہے، وہ تسلی رکھیں کہ وہ اپنے دوستوں سے بے وفائی کرنے والا نہیں ہے فرمایا ہے کہ:

> "اور تو جس حال میں ہوتا ہے، اور جب بھی قرآن کی تلاوت کرتا ہے (تبلیغ کرتا ہے) اور تم جو کام بھی کرتے ہو ہم تم پر حاضر و موجود ہوتے ہیں، جب تم وہ کام کر رہے ہوتے ہو، اور تیرے رب سے زمین میں اور آسمان میں کوئی ذرّہ کی مقدار بھی پوشیدہ نہیں رہتی، اور اس سے

Marfat.com

چھوٹی چیز ہو یا بڑی ہو، وہ کھلی کتاب میں ہے۔ سن لو کہ بلاشبہ اللہ کے دوستوں پر کوئی خوف نہیں اور نہ وہ غمگین ہوں گے، یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور تقویٰ شعار رہے، انہی کے لیے بشارت ہے دنیوی زندگی میں اور آخرت میں، اللہ کی باتوں میں تبدیلی نہیں ہوتی، وہی بڑی کامیابی ہے۔ اور تجھ کو ان کی بات غمگین نہ کرے، بیشک عزت ساری اللہ ہی کے لیے ہے، وہی بہت سننے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔ خبردار! جو آسمان میں اور جو زمین میں ہیں، سب اللہ ہی کے لیے ہیں، اور اللہ کے سوا اوروں کو پکارنے والے ان کا اتباع نہیں کرتے، بلکہ بالکل وہم و گمان کا اتباع کرتے ہیں۔ اور بلاشبہ وہ اٹکل پچو اندازے کرتے ہیں، وہ وہی ہے جس نے تمہارے لیے رات بنائی تاکہ تم اس میں سکون پاؤ اور دن کو روشن بنایا، بیشک اس میں سننے والوں کے لیے دلائل ہیں۔ (آیات: ۶۱ ——— ۶۷)

مومن کا شعور باللہ

ان آیات میں سے پہلی آیت اللہ تعالیٰ کے متعلق جس قسم کا شعور و عقیدہ پیدا کرتی ہے وہ بیک وقت اطمینان اور خوف کا شعور ہے، اُنس اور ڈر کا شعور ہے۔ ذرا اس انسانی مخلوق کا خیال کرو کہ وہ اپنے کسی کام میں معروف ہے اور اس کا احساس ہے کہ اللہ اس کے ساتھ ہے، اس کے معاملات پر حاضر ہے، اللہ اپنی پوری عظمت و جبروت کے ساتھ اس کے ساتھ ساتھ ہے وہ اسی کائنات کا خالق و مدبر ہے۔ اگر وہ انسان کا مدبر نہ ہو، اس کی نگرانی نہ کرے، اس پر محیط نہ ہو تو وہ ایک ذرہ ہے جو ہوا میں اُڑتا پھرے، مگر اللہ تعالیٰ کی یہ مہربانی، فضل و کرم اور نگرانی ہے کہ وہ اس ذرۂ بے مقدار کو تنہا نہیں چھوڑتا، اس سے بڑھ کر فضل و کرم اور رحمت اور کیا ہوگی؟ پس اس پہلی آیت سے تو اللہ کے علم کا شمول اور احاطہ ثابت ہوتا ہے اور دوسری آیت یہ بتاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کی نگرانی بھی بندے کو حاصل ہے، زمین و آسمان میں ایک ذرہ بھی نہیں جو اللہ تعالیٰ سے بعید اور اوجھل ہو، اس سے بھی چھوٹی چیزیں اور بڑی چیزیں سب اللہ کی کتاب مبین (لوح محفوظ) میں ہیں۔ زمین و آسمان کی فضاؤں میں تیرتے والے ذرے اللہ کے علم سے باہر نہیں، انسان تو ایک ایچ جگہ میں تیرنے والے ذرات کے شمار سے عاجز ہے، مگر خالق کائنات دنیا جہان اور ساری کائنات کے سب ذروں کی تعداد، مقدار اور ان کی ہر متعلقہ چیز سے پورا پورا آگاہ ہے، جب انسان ذرا گہرائی میں جاکر اس پر غور کرے تو وہ مارے خوف اور دہشت کے کانپ اٹھے گا۔

اولیاء اللہ!

ولایت کے لیے کسی خاص لباس، رسم و رواج، دعوے اور رنگ کی حاجت نہیں بلکہ صرف ایمان و تقویٰ واجب ہے، اور جب یہ حاصل ہو تو مومن کا اطمینان ساری کائنات کی پہنائیوں اور رفعتوں سے بڑھ جاتا ہے، فرماتا ہے:

Marfat.com

"سن لو کہ اولیاء اللہ پر کوئی خوف نہیں اور نہ وہ غمگین ہوں ۔ یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور تقویٰ شعاری کو تھامے رہے ۔ انہی کے لیے بشارت ہے ، دنیوی زندگی میں اور آخرت میں ، اللہ کی باتیں بالکل نہیں بدلتیں ۔ یہی ہے بڑی کامیابی"

جب اللہ کے دوستوں کا یقین ہے کہ اللہ ان کے ساتھ ہے تو انہیں خوف اور غم کیونکر ہو سکتا ہے؟ ہر کام ، ہر بات ، ہر حال ، ہر دن رات اور ہر حرکت و سکون میں جب اللہ تعالیٰ ساتھ ہے تو غم کاہے کا ہے؟ اسی عقیدے والے اولیاء اللہ ہیں ۔ کوئی خاص چولا ، خاص رنگ کا لباس ، خاص قسم کی حرکات کا نام ولایت نہیں ہے ۔ بلکہ ایمان و تقویٰ کا نام ولایت ہے اور اولیاء اللہ حبیب اللہ تعالیٰ کے ساتھ متصل اور اس کے مقرب ہیں تو وہ ڈریں کس بات سے اور غمگین کیوں ہوں؟ یہ خوشخبری جو ان کے لیے ہے اس کا تعلق دنیا و آخرت دونوں کے ساتھ ہے ، یہ ایک غیر متبدل اور برحق وعدہ ہے ، اللہ کی باتیں بدلتی نہیں اور یہی بڑی کامیابی ہے ۔

خدا کے دوستوں کی علامت اور تعریف !

یہ قرآنی آیات جن لوگوں کو اولیاء اللہ ٹھہراتی ہیں ، وہ برحق مومن لوگ ہیں ، برحق متقی ہیں ، ایمان وہ ہے جو دل میں جاگزیں ہوتا ہے اور عمل اس کی تصدیق کرتا ہے ۔ عمل سے مراد اللہ کے حکم کو بجا لانا اور اس کی نہی سے باز رہنا ہے ۔ ولایت اللہ کا یہی معنیٰ ہے ۔ نہ کہ عوام کالانعام کے برائے نام اولیاء جو نشہ باز ، مجنون ، بے عمل بلکہ لاعمل ، بدلو دار اور لائق نفرت و حقارت ہوتے ہیں ۔

سب سے بڑے ولی اللہ سے خطاب !

نبی سب سے بڑا ، سب سے پہلا اور سب سے سچا ولی اللہ ہوتا ہے ، اوپر کی آیت میں جو اولیاء اللہ کے ساتھ حمایت و رعایت کا وعدہ کیا گیا ہے ، اسی کے ضمن میں اس اگلی آیت : ۶۵ میں کائنات کے سب سے بڑے ، اعلیٰ و اولیٰ ولی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یوں خطاب فرمایا گیا ہے :

"اور ان کی بات تجھے غمگین نہ کرے ، بے شک عزت ساری اللہ کے لیے ہے ، وہی ہے خوب سننے والا خوب جاننے والا ۔"

سورۃ توبہ کی ایک آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ : العزۃ للہ ولرسولہ وللمؤمنین مگر زیرِ نظر آیت میں اللہ تعالیٰ نے عزت کو اپنی ہی طرف مضاف و منسوب فرمایا ہے ، وجہ یہ ہے کہ یہاں پر یہ مضمون ثابت کرنا مدنظر ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کی حمایت کرتا ہے ۔ لہٰذا دراصل عزت پوری کی پوری صرف اللہ کے لیے ہے ۔ اور پھر اس کی طرف عزت رسول کو اور ایمانداروں کو عطا ہوتی ہے ۔ جس کا ذکر سورۃ توبہ کی مذکورۃ بالا آیت میں ہے ۔ یہاں عزت کو سب انسانوں سے مجرد کیا گیا ہے ۔ اور سرکش مشرکینِ قریش ان انسانوں میں داخل ہیں ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی خاص حمایت و رعایت میں ہیں ، اور یہ حمایت اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے دوستوں

کو ملتی ہے۔ لہٰذا آپ غمگین نہ ہوں اور ان اعدائے دین کی مخالفت اور ان کی باتوں کی پرواہ نہ کریں۔ اللہ ان کی باتیں سنتا ہے کہ وہ سمیع ہے اور اس کو ان کی ہر بات کا علم ہے کیونکہ وہ علیم ہے اور کائنات کی حکومت اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے، مشرک جن نام نہاد موہوم شریکوں کا اتباع کرتے ہیں۔ ان مشرکوں کو خود بھی ان برائے نام شریکوں کے شریک اور داخل ربوبیت و الوہیت ہونے کا یقین نہیں ہے۔ وہ وہم و گمان کے پیرو ہیں اور اٹکل پچلاتے ہیں، اندازے سے کام لیتے ہیں، ورنہ انہیں معلوم ہے کہ ان کے ہاتھ میں کچھ نہیں ہے۔

مظاہر قدرت سے استدلال

اب بعض کائناتی مناظر و مشاہد کو قدرت و الوہیت کی دلیل کے طور پر پیش کیا جاتا ہے، قدرت کے ان نشانوں سے لوگ اس وجہ سے غافل ہیں کہ انہیں بار بار دیکھتے ہیں، فرماتا ہے کہ:

"وہ وہی ہے جس نے تمہارے لیے رات بنائی تاکہ تم اس میں سکون پاؤ اور دن کو روشن بنایا، بلاشبہ اس میں ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو سنتے ہیں"۔(آیت: ۶۷) ۶۷/۱۰

حرکت و سکون کی کنجیاں اسی رب کے ہاتھ میں ہیں جو رات اور دن کا مالک ہے، حرکت و سکون کا مالک ہے۔ جس نے رات کو لوگوں کے سکون کی خاطر بنایا اور دن کو روشن کیا، وہ لوگوں کی قیادت کرتا ہے تو وہ حرکت میں آتے ہیں۔ اور انہیں دیکھنے کی قوت دیتا ہے (یعنی اللہ تعالیٰ) تو وہ دیکھتے ہیں، اس کی قدرت لوگوں پر محیط ہے، وہ اپنے دوستوں کو لوگوں کی عداوت کے خلاف بچانے اور ان کی حمایت کرنے پر قادر ہے، اولیاء اللہ دوستانِ خدا ہیں سے اوّل نمبر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے، ان سب چیزوں میں سننے والوں کے لیے دلائلِ قدرت ہیں، جو سنتے ہیں تو جو کچھ سنا، اس پر تدبر کرتے ہیں۔

الوہیت و عبودیت کے معاملے میں دلائلِ آفاق و کائنات

قرآن کا طریق استدلال یہ ہے کہ وہ اکثر الوہیت و عبودیت کے قضیئے میں کائناتی دلائل و مناظر کو پیش کرتا ہے، کیونکہ یہ کائنات اپنے وجود و نظم و نسق اور اپنے مشاہد و مناظر میں فطرتِ الٰہی کی دلیلِ ناطق ہے۔ اسی طرح وہ کائنات کے وجود کے ساتھ حضرتِ انسان کے تعلق و اتصال کو بھی بطور دلیل لاتا ہے۔ انسان اپنی عملی زندگی میں ان دلائل اور ان کے مشاہد کو برملا دیکھتا ہے، انسان رات میں سکون پاتا ہے اور دن کو روشن پاتا ہے، جس میں انسان دیکھتا ہے، یہ دونوں کائناتی مظاہر ہیں، جن کا انسان کے ساتھ شدید تعلق و اتصال ہے۔ ان اتصال کو انسان اپنی زندگی میں محسوس کرتا ہے، اگرچہ وہ سائنس اور تحقیق میں باریکیوں کو نہیں جانتے۔ وجہ یہ ہے کہ انسان کی داخلی فطرت کائنات کی مخفی زبان کو خوب سمجھتی ہے۔ اس زبان سے انسان آشنا تھا حتیٰ کہ اس کے پاس سائنس اور جدید علوم آئے۔ انسان اپنے پورے وجود کے ساتھ اس فطری زبان سے واقف تھا، یہی سبب ہے کہ علیم و خبیر خدا صدیوں سے انسان کے ساتھ ایسی فطری زبان میں باتیں کرتا تھا۔ علم کے تجدد کے ساتھ یہ زبان بھی جدید ہو گئی، اور

Marfat.com

انسان جوں جوں علمی ارتقاء حاصل کرے گا، اس فطری زبان کو سمجھنے پر زیادہ قادر ہوگا، بشرطیکہ اس کا دل ایمان کے نور سے وا ہوجائے اور وہ الٰہی روشنی کے ساتھ ان آفاق کو دیکھے۔

اللہ پر افترائے عظیم اور اس کا جواب

اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس پر یہ عظیم بہتان ہے کہ اس کی طرف اولاد کو منسوب کیا جائے، مشرکین عرب فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہتے تھے۔ اس درس کے آخر میں آیات ۶۸ ——— ۷۰ میں اللہ تعالیٰ نے اسی شرک و افتراء کا رد کیا ہے، جو دنیا میں دلیل و حجت سے شروع ہوکر آخرت کے عذاب کے بیان تک پہنچتا ہے، فرمایا:

"انہوں نے کہا کہ اللہ نے اولاد اختیار کی ہے، وہ پاک ہے اور اولاد کا محتاج نہیں آسمانوں اور زمین کی ہر چیز اسی کی ہے، اسے اولاد کی کیا ضرورت؟ تمہارے پاس اس دعویٰ کی کوئی دلیل نہیں، کیا تم اللہ پر وہ بہتان باندھتے ہو جس کا تمہیں علم نہیں؟ کہو کہ بلاشبہ جو لوگ اللہ پر جھوٹا بہتان لگاتے ہیں وہ کبھی فلاح نہیں پاتے۔ دنیا میں ان کو کچھ سامان ملے گا، پھر ان کی واپسی ہماری طرف ہوگی، پھر ہم ان کو ان کے کفر کے باعث شدید عذاب چکھائیں گے۔"

اللہ کے لیے اولاد کا عقیدہ حماقت اور سادگی پر مبنی ہے

اللہ کی اولاد کا عقیدہ سادگی پر مبنی ہے، جس کا منشاء سوچ کا قصور ہے، انسانی تصور جب اللہ کی ازلی و ابدی طبیعت اور مخلوق و فانی انسان کی طبیعت میں ایک ہولناک فرق کو معلوم کرنے سے عاجز رہتا ہے تو اس شرک میں مبتلا رہوتا ہے۔ اس طرح فانی مخلوق کے توالد و تناسل کی حکمت سے بھی انسان جب عاجز ہوجاتا ہے تو اس شرکیہ عقیدے کا قائل ہوجاتا ہے، انسانی توالد و تناسل تو اس نقص و قصور کے باعث ہے جو انسان میں موجود ہے، بڑی بات یہ کہ وہ باقی رہنے والا نہیں ہے لہٰذا بقائے نسل کا طبعی داعیہ اپنے اندر پاتا ہے، انسان کی زندگی محدود و فانی ہے اور اس پر موت آجاتی ہے۔ قدرت الٰہی کا تقاضا یہ ہوا کہ ایک معین مدت تک انسان کو بذریعہ توالد و تناسل دنیا میں باقی رہنے دیا جائے، اور اولاد اس کا ذریعہ بنتی ہے۔ انسان پر ضعف اور بڑھاپا طاری ہوجاتا ہے، اور اولاد ان کے بڑھاپے کا سہارا ہوتی ہے، بوڑھی قوت کو جوان اور مضبوط قوت سہارا دیتی ہے، ایک نسل کے بعد دوسری نسل آتی ہے اور تقاضائے فطرت کو پورا کرتی ہے، انسانوں کو مصائب، درندوں اور نقصان دہ چیزوں نے گھیرا ہوتا ہے، پس نوجوان نسل انسانوں کی حفاظت کا فریضہ ادا کرتی ہے، اس نسل میں سے بھی اولاد سب سے قریب ذریعہ ہوتی ہے جو انسان کی نصرت و حفاظت کرتی ہے، اولاد باپ کو مزدوری، کسب، ملازمت، صنعت و حرفت میں مدد دیتی ہے، ان کے علاوہ زمین کی آبادی کے بے شمار کام ہیں جو اولاد کی مدد کے بغیر انجام نہیں پا سکتے، ان تمام چیزوں میں سے کوئی بھی ذات خداوندی

Marfat.com

سے متعلق نہیں ہے۔ اسے نہ نسل کی بقا کی حاجت، نہ اس پر اس پر بڑھاپا آئے کہ اس میں جوان اولاد کی نصرت و خدمت درکار ہو۔ نہ اس پر موت طاری ہوتی ہے کہ نام اور کام باقی رکھنے کے لیے اگلی نسل کی ضرورت ہو۔ نہ اسے مال و دولت کی ضرورت ہے نہ اسے دوسروں کی مدد درکار ہے، پس ذاتِ الٰہی سے اولاد کی حاجت کی بہر صورت نفی ہو جاتی ہے، ذاتِ خداوندی کی کوئی غرض اولاد پر اٹکی ہوئی نہیں ہے یہی سبب ہے کہ اللہ تعالیٰ پر جنہوں نے اولاد بہتان لگایا انہیں جو جواب دیا گیا وہ یہ ہے کہ:

"وہ پاک ہے، وہی غیر محتاج ہے، ساری کائنات اور اس کی اشیاء اسی کی ہیں!"

سُبحانہٗ کا لفظ اللہ تعالیٰ کی ذات سے ہر عیب، ہر نقص، ہر حاجت کی نفی کرتا ہے، وہ ہر اس شئے سے غنی ہے جس کی مخلوق محتاج ہے، غنیٌ کا معنیٰ دیگر صفاتِ کمال کی مانند اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس غنیٰ کو ثابت کرتا ہے جو بے نظیر و بے مثال غنیٰ ہے، جب اس کی ذات ہر حاجت سے غنی ہے تو اسے اولاد کی کیا ضرورت ہے! جب ساری کائنات اور اس کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی ملک ہے تو اُسے اولاد کی حاجت کیونکر ہو سکتی ہے؟ اولاد کا تصور اس ذات کے متعلق عبث ہے۔ قرآن کے دلائل یونانی منطق و فلسفہ سے بالاتر اور اعلیٰ تر ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ان جدلی دلائل اور ابحاث کو نہیں چھیڑتا جو نزولِ قرآن کے کافی دیر بعد مسلمانوں میں پھیلائے گئے تھے۔ بس قرآن بالکل فطری اور سادہ انداز میں اولاد کی نفی کی دلیل دیتا ہے جو ہر عاقل و غیر عاقل انسان کی سمجھ میں آ جائے۔

کیا تمہارے پاس اس کی کوئی پختہ دلیل ہے؟

اسی گزشتہ آیت: ۶۸ کے آخر میں ہے کہ:

"تمہارے پاس اس کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ کیا تم اللہ پر وہ باتیں کہتے ہو جو خود نہیں جانتے۔"

سلطان کا لفظ جو اس آیت میں ہے وہ بُرہان کا مترادف ہے، بُرہان وہ دلیل ہے جسے تسلیم کیے بغیر چارہ نہ ہو، ظاہر ہے کہ شرک اور اللہ کی اولاد کے عقیدے پر کسی کے پاس کوئی بُرہان موجود نہیں ہے۔ سلطان کا اصل معنیٰ اقتدار ہے۔ صاحبِ برہان اقتدار کا مالک ہوتا ہے، کوئی اس کے سامنے ٹھہر نہیں سکتا۔ اور جب مشرکین کے پاس ان کے قول کی کوئی بُرہان نہیں ہے تو ان کی بات بلا دلیل و برہان ہوئی۔ محض اٹکل اور اندازے کا نتیجہ ہوئی۔ بے علمی کی بات انسان کے لیے باعثِ نقص ہے، اور جب یہ بات اللہ پر ہو تو بہت بڑا جرم اور شدید قسم کا شرک ہوا۔ بندوں کا فرض یہ ہے کہ اللہ کی تنزیہہ کریں، اور یہ قول اس تنزیہہ و احترام کے قطعی خلاف ہے۔ اس میں حدوث، عاجزی، نقص اور قصور پایا جاتا ہے۔ خالق و مخلوق کے درمیان جو تعلق واجب ہے یہ قول اس کے بھی خلاف ہے، اس شرک سے انسان کے انفرادی و اجتماعی معاملات بگڑتے ہیں۔ ضلالت کی بہت سی اقسام پیدا ہوتی ہیں، ساری انسانی زندگی، اپنے تمام شعبوں سمیت، اسی تصورِ توحید یا شرک کا پرتو اور اس کی فرع ہوتی ہے، یہ تصور جب بگڑ گیا تو انسان انفرادی اور اجتماعی طور پر بگڑ گیا۔ بت پرستوں نے کاہنوں کے لیے جو اختیارات و امتیازات ایجاد کیے ہیں۔

کلیسا نے اپنے لیے اور اپنے افراد کے لیے جو خدائی کے اختیارات ایجاد کیے تھے وہ سب ضلالتیں اسی تصور کی ضلالت کی فروع تھیں۔ یہ تصور جو مشرکوں نے ایجاد کیا یہ اس عقیدے کی فرع تھی کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں۔ اور کلیسا کا شرک اس تصور کا نتیجہ تھا کہ اللہ اور عیسیٰ بن مریم میں باپ بیٹے کا رشتہ ہے معاذاللہ۔ یہیں سے اعتراف کا مسئلہ نکلا کہ جو شخص کسی عیسائی مذہبی لیڈر کے آگے گناہوں کا اعتراف کرے وہ بخشا گیا۔ یہیں سے یہ عقیدہ نکلا کہ مسیحؑ کا کلیسا لوگوں کو مسیح کے باپ (خدا معاذاللہ) تک پہنچاتا ہے۔ غرض جب خالق و مخلوق کے مابین فساد عقیدہ کی ابتداء ہوگئی تو ضلالتوں اور شرک و کفر کی ایک لمبی زنجیر وجود میں آگئی جس میں زندگی کے تمام حلقے فاسد ہوگئے۔

اصل مسئلہ کیا ہے؟

اصل مسئلہ صرف تصور اعتقادی کا فساد نہیں، بلکہ اس کے نتیجے میں ساری زندگی کا تمام شعبوں سمیت فساد ہے۔ کلیسا اور عقل و سائنس کی جنگ کا نتیجہ یہ ہوا کہ مغرب دین و مذہب ہی کو ترک کر بیٹھا، اور یہ فساد بھی اسی تصور کا نتیجہ تھا۔ یعنی خالق و مخلوق کے درمیان تعلق کے فساد نے ان تمام فسادات کو جنم دیا۔ اسی کے دامن میں وہ شر کثیر پرورش پا کر جوان ہوا جس نے انسان کو تباہی و بربادی کے طوفانوں سے دوچار کیا اور اب بھی کر رہا ہے۔ صرف مادی ترقی اور سائنس کی ترقی کافی نہیں، بلکہ اگر یہ اخلاق کی بندش سے آزاد ہو تو انسان بھیڑیا اور سانپ بچھو بن جاتا ہے۔

اسلامی عقیدے میں توحید کی اہمیت

یہی سبب ہے کہ اسلامی عقیدے نے خالق و مخلوق کے تعلق کو پاک و صاف کرنے کی بے پناہ کوشش کی ہے، اس کے بنائے ہوئے عقیدۂ توحید میں کوئی الجھن اور ابہام نہیں۔ اللہ خالق ذات ہے۔ ازلی و ابدی اور غیر فانی ہے، اس میں اور مخلوق میں صرف خالق و مخلوق کا رشتہ ہے نہ کہ کوئی اور تعلق، اس کے نزدیک کائنات، زندگی اور زندوں کے لیے کچھ قوانین و نوامیس ہیں، جو نہ تخلف کرتے ہیں اور نہ کسی کا لحاظ کرتے ہیں۔ جو ان کائناتی قوانین و سنن کا اتباع کرے گا وہ فوز و فلاح پائے گا، اور ان سے انحراف ہونے والا ضال اور خائب و خاسر ہوگا۔ اس معاملے میں سب انسان برابر ہیں اور سب کی واپسی اللہ کی طرف ہوگی، سفارشی اور شرکا کا کوئی وجود نہیں ہے۔ ہر شخص میدانِ قیامت میں اللہ کے سامنے اکیلا پیش ہوگا۔ ہر جان کو اپنے عمل کا بدلہ ملے گا اور تیرا رب کسی پر ظلم نہ کرے گا، یہ ایک سادہ اور واضح عقیدہ ہے، جو کسی فاسد تاویل کی مجال نہیں چھوڑتا اور دل کو ٹیڑھے میڑھے راستوں پر نہیں لے جاتا، نہ بادلوں اور کہر میں گم کرتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ اللہ کے سامنے سب لوگ برابر ہیں، ہر ایک شریعت کا مخاطب ہے اور اسی کا مکلف ہے اور ہر کوئی اس کا محافظ و نگران ہے، اسی عقیدے سے انسانوں کے باہمی تعلقات درست ہوتے ہیں اور یہ نتیجہ ہے اس امر کا کہ خدا اور انسانوں کے باہمی تعلقات درست ہو چکے ہیں۔

Marfat.com

مفتری فلاح نہ پائیں گے۔

آیت : ۶۹ ——— ۷۰ ، میں فرمایا ہے کہ :

"کہو بلاشبہ جو لوگ اللہ پر افتراء کرتے ہیں فلاح نہیں پاتے ، دنیا میں کچھ سامان لیں گے ، پھر ان کی واپسی ہماری طرف ہی ہوگی ، پھر ہم ان کو شدید عذاب ان کے کفر کی پاداش میں چکھائیں گے "۔

یہ اسی قطعہ کی آخری دو آیات ہیں۔ فرمایا ہے کہ اللہ پر افترار کرنے والے کوئی فلاح نہ پائیں گے۔ کسی دوسرے بارے میں فلاح نہ پائیں گے ، دنیا و آخرت ہر دو میں فلاح نہ پائیں گے۔ حقیقی فلاح وہی ہے جو سننِ صحیحہ پر عمل کرنے سے حاصل ہوتی ہے ، یہی سننِ صحیحہ انسانی خیر و فلاح اور ارتقاء کی ضامن ہیں۔ اور انہی پر معاشرہ کی فلاح منحصر ہے۔ یہی زندگی کو بلند کرتی ہیں آگے کی طرف لے جاتی ہیں۔ انسانی قدروں کو فنا کر کے مادی پیداوار کا اضافہ کوئی فلاح نہیں ہے۔ اب تو اخبارات میں آرہا ہے کہ روسی ڈکٹیٹر سٹالن کے مظالم کا شکار ہونے والوں کو قومی ہیرو قرار دیا جائے ، سبحان اللہ کیا انقلاب روزگار ہے ! انسان کا حیوانی قدروں کو اپنا کر انسانیت سے نیچے گر جانا کوئی فلاح نہیں ہے۔ یہ ظاہری اور عارضی فلاح ہے ، جو انسان کو درجہ کمال تک پہنچنے سے روکتی ہے۔ یہ صرف عارضی اور وقتی سامانِ دنیا ہے ، جس کا نتیجہ آخرت کا دائمی شدید عذاب ہے۔ معاذ اللہ منہ۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ نُوحٍ إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ يٰقَوْمِ إِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَقَامِي وَتَذْكِيرِي بِآيٰتِ
اللّٰهِ فَعَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ فَأَجْمِعُوا أَمْرَكُمْ وَشُرَكَاءَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُنْ
أَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوا إِلَيَّ وَلَا تُنْظِرُونِ ﴿٧١﴾ فَإِنْ تَوَلَّيْتُمْ
فَمَا سَأَلْتُكُمْ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى اللّٰهِ وَأُمِرْتُ أَنْ
أَكُونَ مِنَ الْمُسْلِمِينَ ﴿٧٢﴾ فَكَذَّبُوهُ فَنَجَّيْنٰهُ وَمَنْ مَعَهُ فِي الْفُلْكِ
وَجَعَلْنٰهُمْ خَلٰٓئِفَ وَأَغْرَقْنَا الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيٰتِنَا فَانْظُرْ كَيْفَ
كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِينَ ﴿٧٣﴾ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِ رُسُلًا إِلَىٰ قَوْمِهِمْ
فَجَاءُوهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا بِمَا كَذَّبُوا بِهِ مِنْ قَبْلُ
كَذٰلِكَ نَطْبَعُ عَلَىٰ قُلُوبِ الْمُعْتَدِينَ ﴿٧٤﴾ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ
مُوسَىٰ وَهٰرُونَ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ بِآيٰتِنَا فَاسْتَكْبَرُوا وَكَانُوا

Marfat.com

قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ۝۷۵ فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْٓا اِنَّ هٰذَا
لَسِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۷۶ قَالَ مُوْسٰٓى اَتَقُوْلُوْنَ لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَكُمْ ؕ اَسِحْرٌ
هٰذَا ؕ وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُوْنَ ۝۷۷ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا
عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا وَتَكُوْنَ لَكُمَا الْكِبْرِيَآءُ فِى الْاَرْضِ ؕ وَمَا نَحْنُ لَكُمَا
بِمُؤْمِنِيْنَ ۝۷۸ وَقَالَ فِرْعَوْنُ ائْتُوْنِيْ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ۝۷۹ فَلَمَّا
جَآءَ السَّحَرَةُ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰٓى اَلْقُوْا مَآ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ۝۸۰ فَلَمَّآ اَلْقَوْا
قَالَ مُوْسٰى مَا جِئْتُمْ بِهِ ۙ السِّحْرُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَيُبْطِلُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا
يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِيْنَ ۝۸۱ وَيُحِقُّ اللّٰهُ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَلَوْ كَرِهَ
الْمُجْرِمُوْنَ ۝۸۲ فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰٓى اِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ عَلٰى خَوْفٍ
مِّنْ فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهِمْ اَنْ يَّفْتِنَهُمْ ؕ وَاِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِى
الْاَرْضِ ۚ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الْمُسْرِفِيْنَ ۝۸۳ وَقَالَ مُوْسٰى يٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ
اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ ۝۸۴ فَقَالُوْا عَلَى
اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ۚ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝۸۵ وَنَجِّنَا
بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝۸۶ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰى وَاَخِيْهِ
اَنْ تَبَوَّاٰ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوْتًا وَّاجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ؕ
وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۸۷ وَقَالَ مُوْسٰى رَبَّنَآ اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَ
مَلَاَهٗ زِيْنَةً وَّاَمْوَالًا فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِكَ ۚ
رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى
يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ۝۸۸ قَالَ قَدْ اُجِيْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا فَاسْتَقِيْمَا وَ

Marfat.com

لَا تَتَّبِعٰٓنِّ سَبِيْلَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۸۹﴾ وَجٰوَزْنَا بِبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ
الْبَحْرَ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُوْدُهٗ بَغْيًا وَّعَدْوًا ۭ حَتّٰٓي اِذَآ اَدْرَكَهُ
الْغَرَقُ ۙ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِيْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِيْلَ
وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۹۰﴾ آٰلْئٰنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ
الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۹۱﴾ فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ
اٰيَةً ۭ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰيٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ ﴿۹۲﴾ وَلَقَدْ بَوَّاْنَا
بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ مُبَوَّاَ صِدْقٍ وَّرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ۚ فَمَا
اخْتَلَفُوْا حَتّٰى جَآءَهُمُ الْعِلْمُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ يَوْمَ
الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۹۳﴾ فَاِنْ كُنْتَ فِيْ شَكٍّ مِّمَّآ
اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ فَسْئَلِ الَّذِيْنَ يَقْرَءُوْنَ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَقَدْ جَآءَكَ
الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۹۴﴾ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ
الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَتَكُوْنَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۹۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ
حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۹۶﴾ وَلَوْ جَآءَتْهُمْ كُلُّ
اٰيَةٍ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿۹۷﴾ فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ
فَنَفَعَهَآ اِيْمَانُهَآ اِلَّا قَوْمَ يُوْنُسَ ۭ لَمَّآ اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ
الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۹۸﴾ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ
لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا ۭ اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى
يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۹۹﴾ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ
اللّٰهِ ۭ وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ قُلِ انْظُرُوْا

Marfat.com

مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَمَا تُغْنِي الْاٰيٰتُ وَالنُّذُرُ عَنْ
قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿١٠١﴾ فَهَلْ يَنْتَظِرُوْنَ اِلَّا مِثْلَ اَيَّامِ الَّذِيْنَ
خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ قُلْ فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴿١٠٢﴾
ع ۱۰ ۱۱ ۱۵ ثُمَّ نُنَجِّيْ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كَذٰلِكَ ۚ حَقًّا عَلَيْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٠٣﴾

(ترجمہ) اور تو ان پر نوحؑ کی خبر پڑھ، جب اس نے اپنی قوم سے کہا: اے میری قوم! اگر تم پر شاق ہے میرا کھڑا ہونا اور اللہ کی آیات کی یاد دہانی کرانا، تو میں نے اللہ ہی پر بھروسہ کیا ہے پس تم جمع کر لو اپنے امر کو اور اپنے شریکوں کو، پھر تمہارا معاملہ تم پر مخفی نہ رہے، پھر تم میرے بارے میں فیصلہ کرو اور مجھے ڈھیل مت دو (۷۱) پھر اگر تم منہ پھیر لو تو میں نے تم سے کوئی اجر نہیں مانگا، میرا اجر تو صرف اللہ پر ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں مسلمانوں میں سے ہو جاؤں (۷۲) پھر انہوں نے اس کی تکذیب کی تو ہم نے اس کو نجات دی اور ان کو بھی جو اس کے ساتھ کشتی میں تھے، اور ہم نے انہیں حاکم بنایا، اور ان لوگوں کو ہم نے غرق کیا جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا تھا، سو تو دیکھ کہ کیسا ہوا انجام ان خبردار کیے ہوؤں کا (۷۳) پھر اس کے بعد ہم نے رسولؑ بھیجے ان کی قوموں کی طرف، پس وہ لائے روشن دلائل، مگر وہ ایمان لانے والے نہ ہوئے اس چیز پر جس کی پہلے تکذیب کی تھی، اس طرح ہم مہریں لگاتے ہیں حد سے گزرنے والوں کے دلوں پر (۷۴) پھر ان کے بعد ہم نے موسیٰؑ اور ہارونؑ کو فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس اپنے معجزات دے کر بھیجا سو انہوں نے تکبر کیا اور وہ مجرم لوگ تھے (۷۵) پس جب ہماری طرف سے ان کے پاس حق آیا تو انہوں نے کہا: بلاشبہ یہ ایک کھلا جادو ہے (۷۶) موسیٰؑ نے کہا: کیا تم حق کو جادو کہتے ہو جب کہ وہ تمہارے پاس آیا؟ کیا یہ جادو ہے؟ اور جادوگر فلاح نہیں پاتے (۷۷) انہوں نے کہا کہ کیا تو ہمارے پاس اس لیے آیا ہے کہ تو ہم کو اس چیز سے برگشتہ کر دے جس پر ہم نے اپنے آباؤ اجداد کو پایا؟ اور زمین میں تم دونوں کی بڑائی ہو؟ اور ہم تم پر ایمان لانے والے نہیں (۷۸) اور فرعون نے کہا: میرے پاس ہر عالم جادوگر کو لاؤ (۷۹) پس جب جادوگر آئے تو موسیٰؑ نے ان سے کہا کہ: پھینکو جو تم پھینکنے والے ہو (۸۰) پس جب انہوں نے پھینکا تو موسیٰؑ بولے: جو کچھ تم لائے ہو یہ جادو ہے، بیشک اللہ ابھی اس کو مٹا دے گا، بلاشبہ اللہ فسادیوں کے کام کو درست نہیں کرتا (۸۱) اور اللہ حق کو اپنے کلمات کے ساتھ حق کرے گا۔ اگرچہ مجرم ناپسند کریں (۸۲) پس موسیٰؑ کی بات نہ مانی مگر اس

Marfat.com

کی قوم کے کچھ نوجوانوں نے، فرعون اور اس کے سرداروں سے ڈرتے ڈرتے، کہ وہ ان کو مبتلائے عذاب کرے گا۔ اور یقیناً فرعون زمین میں تکبر کرنے والا تھا اور بلاشبہ وہ حد سے گزر نے والوں میں سے تھا (۸۳) اور موسیٰؑ نے کہا کہ اے میری قوم اگر تم اللہ پر ایمان لائے ہو تو اسی پر بھروسہ کرو اگر تم مسلم ہو (۸۴) سو انہوں نے کہا: ہم نے اللہ پر بھروسہ کیا۔ اے ہمارے رب ہمیں مشرک قوم کے لیے محلِ عذاب نہ بنا (۸۵) اور ہم کو اپنی رحمت کے ساتھ کافر قوم سے نجات دے (۸۶) اور ہم نے موسیٰؑ اور اس کے بھائی کی طرف وحی بھیجی کہ تم اپنی قوم کے لیے مصر میں گھر بناؤ اور اپنے گھروں کو قبلہ رُخ بناؤ، اور نماز کو قائم رکھو اور مومنوں کو بشارت دو (۸۷) اور موسیٰؑ نے کہا کہ اے ہمارے رب! بیشک تو نے فرعون اور اس کے سرداروں کو دنیوی زندگی میں زینت اور مال دیئے ہیں اے ہمارے رب! نتیجہ یہ ہے کہ وہ تیری راہ سے گمراہ کرتے ہیں، اے رب ان کے اموال کو مٹا دے اور ان کے دلوں پر سختی ڈال دے، پس وہ اس وقت تک ایمان نہ لائیں، جب تک کہ دردناک عذاب نہ دیکھ لیں (۸۸) فرمایا کہ تمہاری دعا قبول کی گئی سو تم ڈٹے رہو اور ان لوگوں کی راہ پر مت چلو جو نادان ہیں (۸۹) اور ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر سے پار کیا تو فرعون اور اس کے لشکر ان کے پیچھے ازراہِ بغاوت و عداوت لگے، حتیٰ کہ جب اس کو غرق نے آلیا تو اس نے کہا: میں ایمان لایا ہوں کہ اس معبود کے سوا کوئی معبود نہیں جس پر کہ بنی اسرائیل ایمان لائے، اور میں مطیع ہونے والوں میں سے ہوں (۹۰) کیا اب! حالانکہ تو پہلے نافرمان تھا اور فسادیوں میں سے تھا (۹۱) پس آج ہم تیرے بدن کو بچائیں گے تاکہ تو اپنے پچھلوں کے لیے نشانی بن جائے، اور بلاشبہ بہت سے لوگ ہماری آیات سے غافل ہیں (۹۲) اور بلاشبہ ہم نے بنی اسرائیل کو صدق کا ٹھکانا دیا اور ان کو ہم نے پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا، سو انہوں نے اختلاف نہ کیا جب تک کہ ان کے پاس علم نہ آگیا، بلاشبہ تیرا رب ان میں قیامت کے دن ان باتوں کا فیصلہ کرے گا، جن میں وہ اختلاف کرتے تھے (۹۳) پس اگر تو کسی شک میں ہے اس کتاب کے متعلق جو ہم نے تم پر اتاری، تو ان لوگوں سے پوچھ لے جو تجھ سے پہلے کتاب پڑھتے ہیں۔ بلاشبہ تیرے پاس تیرے رب کی طرف سے حق آگیا سو تو شک کرنے والوں میں سے مت ہو (۹۴) اور ان لوگوں میں سے ہرگز نہ ہو جنہوں نے اللہ کی آیات کی تکذیب کی مبادا تو خسارہ پانے والوں میں سے ہو جائے (۹۵) بلاشبہ وہ لوگ جن پر تیرے رب کی بات ثابت ہوگئی وہ ایمان نہیں لاتے۔ (۹۶) اگرچہ ان کے پاس ہر آیت آجائے، حتیٰ کہ وہ عذاب الیم دیکھ لیں (۹۷) سو کیوں نہ ہوئی کوئی بستی جو ایمان لاتی تو اس کا ایمان اسے نفع دیتا، یونسؑ کی قوم کے سوا، جب وہ ایمان لائے تو ہم نے ان سے ذلت کا عذاب دنیوی زندگی میں دُور کر دیا اور ان کو ایک مدت تک فائدہ دیا (۹۸) اور اگر

Marfat.com

تیرا رب چاہتا تو زمین میں جس قدر لوگ ہیں سب ایمان لے آتے ، پس کیا تو لوگوں کو مجبور کرے گا تاکہ وہ ایمان لے آئیں ؟ (۹۹) اور نہیں ہے کسی جان کے لیئے کہ وہ ایمان لائے مگر اللہ کے اذن کے ساتھ ، اور ڈال دیتا ہے وہ پلیدی ان لوگوں پر جو بے عقل ہیں (۱۰۰) کہو کہ دیکھو کہ کیا کچھ ہے آسمانوں اور زمین میں ، اور نہیں کام آتیں آیات اور ڈراوے اس قوم کے جو بے ایمان ہے (۱۰۱) سو کیا انتظار کرتے ہیں وہ مگر ان لوگوں کے ایام کی مانند جو ان سے پہلے گزرے ، کہو کہ پھر انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ منتظر ہوں (۱۰۲) پھر ہم نجات دیں گے اپنے رسولوں کو اور ایمانداروں کو ، اسی طرح برحق ہے ہم پر کہ ہم مومنوں کو نجات دیتے ہیں (۱۰۳)

رسولوں کی تکذیب کا انجام

اس سورت میں گزشتہ قوموں اور ان کی اپنے رسولوں کی تکذیب کا انجام اور ان کے بعد اوروں کو حاکم بنانے کا ذکر ہو چکا ہے ، جب کہ فرمایا :

"اور بلاشبہ ہم نے تم سے پہلی قوموں کو ہلاک کر دیا ، جب کہ انہوں نے ظلم کیا اور ان کے پاس ان کے رسول معجزات لے کر آئے اور وہ ایمان لانے والے نہ تھے ، اسی طرح ہم مجرم قوم کو جزا دیتے ہیں پھر ہم نے ان کے بعد تم کو زمین میں حاکم بنایا تاکہ دیکھیں کہ تم کیسے عمل کرتے ہو"

اور اس طرف بھی اشارہ گزر چکا ہے کہ ہر امت کا ایک رسول ہوتا ہے ، جب ان کا رسول آجائے تو ان کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا جاتا ہے :

"اور ہر امت کے لیئے ایک رسول ہے ، پھر جب ان کا رسول آ گیا تو ان کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا جاتا ہے ، اور ان پر ظلم نہیں کیا جاتا"

اب یہ قطعہ جو پیش نظر ہے اس میں ان دونوں اشاروں کی تفصیل بیان فرمائی گئی ہے ، اس میں کچھ تو نوحؑ اور ان کی قوم کا واقعہ بیان فرمایا گیا ہے ، اور کچھ موسیٰؑ کا قصہ فرعون اور اس کے اہل دربار کے ساتھ بیان ہوا ہے ۔ ان دونوں میں تکذیب کا انجام ظاہر ہوتا ہے ، اور رسول کے آجانے کے بعد اس کی امت کا فیصلہ ، رسول کا اپنی امت کو اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچانا اور مخالفت کے انجام سے ڈرانا بیان ہوا ہے ۔

قوم یونس کی طرف ایک اشارہ

اس طرح ان آیات میں قوم یونسؑ کی طرف بھی ایک چلتا ہوا اشارہ موجود ہے ، کہ ان کی بستی ایمان لے آئی ، جب کہ اس پر عذاب آنے ہی کو تھا (ابھی آنے کا قطعی فیصلہ نہ ہوا تھا ، صرف اس کے بعض مقدمات شروع ہوئے تھے) ، وہ ایمان لے آئی اور اللہ تعالیٰ نے اس سے اپنا عذاب ہٹا لیا ، اس میں مکذبین کے

Marfat.com

لیے ایک عبرت و موعظت ہے کہ عذاب کے وقوع سے قبل ایمان لے آئیں تو بچ جائیں گے، اور ان کا حال قوم نوحؑ اور قوم موسیٰؑ جیسا نہ ہو گا۔ پچھلے درس کا اختتام پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی حکم پر ہوا تھا کہ مفترین کا انجام بر سر عام بذریعہ اعلان بتا دیں۔ یہ لوگ اللہ پر بہتان لگاتے اور اس کے لیے شریک بناتے ہیں :

"کہو کہ جو لوگ اللہ پر جھوٹا بہتان لگاتے ہیں وہ فلاح نہ پائیں گے۔ ان کے لیے دنیا میں ساز و سامان ہے، پھر ان کی واپسی ہماری طرف ہو گی، پھر ہم ان کو ان کے کفر کے باعث عذاب شدید چکھائیں گے۔"

اور اس سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اطمینان دلایا ہے کہ :

"اور ان کا قول تجھے غم میں نہ ڈالے، بلاشبہ عزت ساری اللہ کے لیے ہے۔"

اور یہ کہ اللہ کے دوستوں پر خوف اور غم نہ ہو گا۔ آیاتِ زیرِ بحث میں اسی گزشتہ مضمون کے ربط میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک جدید حکم دیا ہے کہ آپ ان مکذبین کے سامنے نوحؑ کا قصہ بیان کریں۔ نوحؑ نے اپنی قوم کو تحدی کی تھی، قوم نے ان کی بات نہ مانی تو غرق ہوئی، پھر اللہ تعالیٰ نے کشتی میں سوار ہو کر بچنے والوں کو زمین میں صاحبِ سلطنت و اقتدار کیا، مکذبین جن کی تعداد اور قوت ایمانداروں سے کہیں زیادہ تھی، ان کو نجات دی گئی۔

قرآنی قصوں کا مقصد

اس سورت کے سیاق میں یہ قصہ بیان کرنے کی مناسبت ظاہر ہے، اور ان معنوں کی مناسبت کے لحاظ سے بھی جو اس سے کچھ دیر پہلے گزرے ہیں۔ قصے قرآن میں ایک خاص غرض کے لیے آتے ہیں اور ان کو مختلف سورتوں میں کئی بار بیان کیا گیا ہے اور ہر جگہ ان کی مناسبت موجود ہے۔ قصے مختلف جگہوں پر مختلف انداز و الفاظ میں آتے ہیں، کہیں مختصر کہیں مفصل، کہیں اجمالاً کہیں تفصیلاً، ہر جگہ پر قصے کے اس حصے کی مناسبت موجود ہوتی ہے، جو حصہ وہاں مذکور ہوتا ہے۔ یہاں پر جو تین قصے نوحؑ، موسیٰؑ اور یونسؑ کے آئے ہیں، عنقریب ان کا سبب اور قریشِ مکہ کے احوال سے ان کی مناسبت آئے گی، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور مومن قلیل جماعت کا مکہ میں جو حال تھا اسے ان قصوں میں پوری طرح مدِ نظر رکھا گیا ہے۔ انبیاءؑ کی قلیل جماعت جس طرح دشمنوں کی کثیر تعداد پر غالب آئی وہ بیان ہوئی ہے۔

نوحؑ اور قومِ نوحؑ کا واقعہ

آیات ۷۱ ــــــ ۷۳ میں نوح علیہ السلام اور ان کی مشرک قوم کا واقعہ بیان فرمایا گیا ہے:

"اور تو ان پر نوحؑ کی خبر پڑھ، جب کہ اس نے اپنی قوم سے کہا: اے میری قوم! اگر میرا کھڑا ہونا (وعظ و تذکیر کی خاطر) اور میرا اللہ کی آیات کو یاد دلانا تم پر شاق ہے تو

دجو چاہو کرلو!) میں نے تو اللہ پر ہی بھروسہ کیا ہے، سو تم جمع کرلو اپنا معاملہ (مشورے سے جو کرنا ہے طے کرلو!) اور اپنے شریک، پھر تمہارا معاملہ تم پر باعثِ غلط فہمی نہ ہو پھر میرے متعلق جو چاہو فیصلہ کرلو اور مجھے ڈھیل مت دو، پھر اگر تم منہ پھیر لو تو میں تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا، میرا اجر تو اللہ پر ہی ہے اور مجھے حکم ملا ہے کہ میں مسلم ہو جاؤں۔ پس انہوں نے اس کی تکذیب کی تو ہم نے اس کو اور اس کے ساتھیوں کو کشتی میں نجات دی اور اُن کو (زمین کا) حاکم بنایا۔ اور جن لوگوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی تھی ان کو ہم نے غرق کردیا، سو تو دیکھ کہ کیسا ہوا تھا انجام تکذیب کرنے والوں کا؟"

نوح علیہ السلام کے واقعہ کا جو حلقہ یہاں بیان ہوا ہے یہ اس کا آخری حلقہ ہے، آخری چیلنج کا حلقہ جو طویل انداز، طویل تذکیر اور طویل تکذیب کے بعد ظاہر ہوا، اس حلقے میں نہ تو کسی کا ذکر ہے، نہ اس میں سوار ہونے والوں کا، نہ طوفان کا اور نہ اس حلقہ کی دیگر تفصیلات کا۔ کیونکہ یہاں پر جو مقصد ہے، وہ یہ ہے کہ تحدی اور اللہ وحدہٗ سے استعانت کو برسرِ عام ظاہر کیا جائے، اور رسول کو اور اس کے قلیل ساتھیوں کو بچانے کا ذکر کیا جائے، اور مکذبین کو ان کی کثرت و شوکت کے باوجود ہلاک کئے جانے کا واقعہ بتایا جائے، یہی سبب ہے کہ یہاں پر قرآنی سیاق تفصیلات کو ایک ہی حلقے میں سمیٹ رہا ہے، اور اس آخری حلقے کے نتائج بتا رہا ہے اور اس جگہ پر سیاق کا تقاضا یہی ہے، آیت: ۷۱ کی تفسیر یہ ہے کہ نوحؑ اپنی قوم سے فرماتے تھے، اگر معاملہ تمہاری تنگی تک آپہنچا ہے اور اب تم اپنے اندر میری بقا اور دعوت کو برداشت نہیں کرتے، نہ آیات اللہ کی تذکیر تمہیں پسند ہے تو تم جانو اور تمہارا ارادہ، جو کرنا چاہو کرلو، میں اپنی راہ پر چلتا رہوں گا، اللہ کے سوا میرا کسی پر اعتماد نہیں ہے، وہی میرے لیے کافی ہے، کوئی اور نہ مددگار ہے اور نہ دلی دوست، تم اپنے معاملات کے مالہٗ و ما علیہ پر غور کرلو، مل کر تیاریاں کرلو، شرحِ صدر سے اور کھلے دل سے جو کرنا چاہتے ہو کرلو، کوئی غلط فہمی اور کوئی اُلجھن تمہارے دل میں نہ رہے، تردّد اور جھجک کو پرے جھٹک دو، سیدھے ہو کر آجاؤ، خم ٹھونک کر آجاؤ، پھر اپنا ارادہ اور فیصلہ بروئے کار لے آؤ، سوچا سمجھا ہوا فیصلہ کھلے دل کے ساتھ بروئے کار لے آؤ، مجھ کو تیاری کی مہلت نہ دو، سوچنے سمجھنے کی مہلت مت دو، میرا سارا اعتماد، پورا توکل، ہر طرح کا سہارا ذاتِ خدائی عزوجل پر ہے۔

نوح علیہ السلام کی یہ تحدّی بتاتی ہے کہ انہیں اپنی فتح اور غلبے کا پورا یقین تھا، کیونکہ جو باتیں انہوں نے کہیں اور جس انداز سے جن الفاظ میں کہیں، وہ صرف وہی شخص کہہ سکتا ہے جس کو اپنے اوپر، اپنی قوت پر پورا بھروسہ ہو، خاص کر جب کہ وہ قوت اللہ وحدہٗ کی ہو، ایسا شخص دشمن کو اپنے اوپر اشتعال دلانے، اسے بھڑکانے اور صریح اور فیصلہ کن الفاظ میں چیلنج دینے سے بالکل نہیں گھبراتا۔ نوحؑ میں یہ قوت کہاں سے آئی تھی؟ وہ کونسا خزانہ قوت تھا جو اس نے دریافت کرلیا تھا، اور اکیلا، غیر مسلح ہونے کے باوجود یوں دشمنوں کو للکار رہا تھا؟

Marfat.com

ایمانی قوت ہر قوت سے برتر ہے!

نوحؑ کے پاس ایمان تھا جو ایسی قوت ہے کہ اس کے آگے سب قوتیں صغیر ہیں، اس کے سامنے کثرت ضعیف ہے اور تدبیر عاجز ہے۔ اس کی پشت پر اللہ تعالیٰ تھا جو اپنے دوستوں کو شیطان کے دوستوں کے لیے نہیں چھوڑتا۔ یہ اللہ وحدہٗ پر ایمان تھا، جس کے باعث مومن قوت کے اصل مصدر کے ساتھ واصل ہو جاتا ہے۔ جو قوت اس کائنات پر محیط اور غالب ہے۔ پس نوحؑ کی یہ تحدی غرور نہ تھا، حقیقت تھی۔ یہ تہور اور خود کشی بھی نہ تھی، یہ تحدی سب سے بڑی قوت کی تھی، جس کے سامنے سب قوتیں عاجز کمزور اور لاشئی ہیں، جس میں ایمان ہوتا ہے وہ ان قوتوں کی پرواہ نہیں کرتا۔

اصحاب دعوت کیلئے نمونہ اللہ کے رسولوں میں ہے

دعوتِ حق والوں کا دل وثوقِ ایمان اور توکل علی اللہ سے پُر ہونا ضروری ہے، حتیٰ کہ دل لبریز بھی ہو جائے ہر طاغوت کے سامنے ان کو ایک اللہ پر بھروسہ کرنا ضروری ہے۔ طاغوت انہیں اذیت ضرور پہنچائے گا مگر ضرر نہیں دے سکے گا۔ یہ اذیت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ابتلاء ہے جو دلوں کو اور صفوں کو چھانٹتا ہے اور آخری فتح ایمانداروں کی ہے، ان کے لیے مدد اور تمکین کا وعدہ خداوندی برحق ہے۔ نوح علیہ السلام نے اس تحدی کے بعد یہ بھی فرمایا کہ:

> "اگر تم نے منہ پھیر لئے تو میں نے تم سے کوئی اجر نہیں مانگا (جس کے نقصان کا خدشہ ہو!) میرا اجر تو اللہ پر ہی ہے اور مجھ کو حکم ملا ہے کہ میں مسلمین میں سے ہو جاؤں"

یعنی اگر تم اعراض کرو تو تم جانو اور تمہارا کام جانے، میرا کوئی ذاتی نقصان نہیں ہے، میں تم سے کسی مزدوری کا طالب یا امیدوار نہ تھا، جس کے نہ ملنے کا خطرہ ہو اور میں اس خطرے کے باعث تمہارا ذلیل ہو جاؤں! میں اللہ کا رسول ہوں، اسی کے حکم پر چل رہا ہوں، میرا اجر اسی کے ذمہ ہے اور مجھے میرے عقیدے سے کوئی ہٹا نہیں سکتا کیونکہ میں جو کچھ کر رہا ہوں اللہ کے حکم سے کر رہا ہوں۔

نتیجہ تکذیب اور تباہی کی صورت میں نکلا

نتیجہ یہ نکلا کہ قوم نوحؑ نے ان کی تکذیب کی، وہ اور ان کے ساتھی بچ گئے اور مکذبین کو اللہ تعالیٰ نے غرق کر دیا، اب تم دیکھ لو کہ ان کا انجام کیا تھا اور کیوں تھا؟ جو چاہے یہ دیکھ لے اور اس سے نصیحت و عبرت حاصل کرے! قرآن نے نوحؑ اور ان کے قلیل ساتھیوں کی نجات کا اعلان اس لئے کیا ہے کہ نوحؑ کی تحدی کے باعث وہ اور ان کی مٹھی بھر جماعت دشمنوں سے گھری ہوئی تھی اور خطرہ محسوس کر رہی تھی پس نتیجہ صرف کثرت کی ہلاکت نہ تھا، بلکہ مومنوں کی قلت کی نجات کی صورت میں بھی نمودار ہوا تھا اور اس قلت کو زمین کا اقتدار بھی دیا گیا تاکہ وہ زمین کی تعمیر و ترقی میں حصہ لے کر اپنا فریضہ پورا کریں۔

سنۃ اللہ

زمین میں سنۃ اللہ یہی ہے اور وہ اپنے دوستوں سے یہی وعدہ کرتا ہے۔ راستہ طویل بھی نظر آئے تب بھی راستہ بہر صورت یہی ہے، اور نتیجہ مومنوں کے غلبے اور حکومت کی صورت میں نکلنا ہے۔ باقی عجلت کا اظہار اور تنگ دلی درست نہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کو دھوکا نہیں دیتا، نہ وہ اپنی قوت کے باعث ان کی مدد سے عاجز ہے، وہ انہیں دشمنوں کے سپرد نہ کرے گا، مگر وہ ان کی تعلیم و تدریب کرتا ہے اور ابتلاء میں زادِ سفر مہیا کرتا ہے۔

نوحؑ کے بعد دوسرے رسولوں کا اجمالی ذکر

آیت: ۷۴ میں فرمایا ہے کہ:

"پھر ہم نے اس کے بعد کئی رسول ان کی قوموں کی طرف بھیجے اور وہ ان کے پاس معجزات لائے پس جس چیز کو وہ پہلے جھٹلا چکے تھے اس پر ایمان لانے والے نہ ہوئے، یوں ہم مُہر کرتے ہیں حد سے گزرنے والوں کے دلوں پر"

یعنی جس طرح وہ پہلے تکذیب کرتے تھے، معجزات کو دیکھنے کے بعد بھی اسی طرح تکذیب کی اور ایمان نہ لائے۔ معجزات نے ان کے عناد میں کوئی فرق نہ ڈالا، یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ مکذب چاہے کسی زمانے میں اور کسی نسل میں ہوں، ایک ہی جماعت کے افراد تھے، جس طرح پہلے رسولوں کو جھوٹا کہا تھا، اس طرح اس جماعت نے بعد میں آنے والے رسولوں کو بھی جھوٹا ہی کہا۔ ان سب کی طبیعت ایک جیسی تھی۔ لہٰذا ایک رسول کا جھٹلانا سب کا جھٹلانا ہوا۔ اور جو کچھ پہلے رسولوں کے ساتھ کیا وہی سلوک انہوں نے بعد والوں سے بھی کیا۔ یہ اپنے اسلاف کے ہی اخلاف تھے۔ لہٰذا ایمان لانے والے نہ تھے۔ مشرکین و مکذبین کا سلوک ہر دَور کے رسولوں کے ساتھ ایک ہی جیسا رہا تھا، ان کے قلوب ہدایت کی طرف سے بند تھے اور ان کی عقلیں تدبّر سے عاری تھیں، وہ حد سے گزرنے والے تھے، خداداد شعور و ادراک کو انہوں نے استعمال نہ کیا، بلکہ معطل رکھا۔ اور سنۃ اللہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص اپنے دل کو ہدایت کی طرف سے بند کر لیتا ہے۔ تو اس پر مُہر کر دی جاتی ہے۔ یعنی وہ سنگدل ہو جاتا ہے اور اس میں قبولیت کی استعداد باقی نہیں رہتی، یہ مطلب نہیں کہ ابتداءً ہی اس پر مُہر لگا دی جاتی ہے۔

موسیٰؑ و ہارونؑ کا واقعہ

اس واقعہ کو اس سورت میں نوحؑ کے واقعہ سے ذرا تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، اس کی ابتداء تکذیب و تحدی کے مرحلہ سے ہوتی ہے اور انتہاء فرعون اور اس کے لشکروں کے غرق ہونے پر ہو جاتی ہے۔ اس واقعہ کو یہاں پر پانچ مرحلوں میں تقسیم فرمایا گیا ہے اور اس کے بعد وہ عبرت و موعظت پیش کی گئی ہے، جس کی خاطر اللہ تعالیٰ نے اسے یہاں پر بیان فرمایا ہے، یہ پانچ مواقف یوں یکے بعد دیگرے

Marfat.com

آتے ہیں :

"پھر ان کے بعد ہم نے موسیٰؑ و ہارونؑ کو اپنے دلائل و معجزات کے ساتھ فرعون اور اس کے لشکروں کے پاس بھیجا، پس انہوں نے تکبر کیا اور وہ مجرم لوگ تھے، پس جب ہماری طرف سے ان کے پاس حق آیا تو انہوں نے کہا کہ بلاشبہ یہ تو کھلا جادو ہے۔ موسیٰؑ نے کہا کہ یہ بات تم حق کے متعلق کہتے ہو جب کہ وہ تمہارے پاس آیا ہے، کیا یہ جادو ہے؟ حالانکہ جادوگر فلاح نہیں پاتے۔ انہوں نے کہا کیا تو اس لیے ہمارے پاس آیا ہے کہ ہم کو اس طریقے سے ہٹائے جس پر ہم نے اپنے آباؤ و اجداد کو پایا؟ اور اس سرزمین میں تمہاری بڑائی ہو جائے؟ پس ہم تجھ پر ایمان لانے والے نہیں ہیں۔" (آیات: ۷۵ — ۷۸)

جن آیات کے ساتھ موسیٰؑ و ہارونؑ کو بھیجنے کا یہاں ذکر آیا ہے، ان سے مراد وہ نو آیات ہیں جو سورۂ اعراف میں مذکور ہیں۔ مگر چونکہ سیاق کا تقاضا نہیں ہے، لہٰذا ان کی تفصیل بیان نہیں کی گئی۔ اور اس موقع پر اجمال کافی ہے، یہاں ضرورت اس بات کی ہے کہ فرعون اور اس کے درباریوں کے ان آیات کے ساتھ سلوک کو بیان کیا جائے۔ فرعون اور اس کے حوالی موالی منکر ہو گئے اور اپنے مجرم ہونے کا پختہ ثبوت بہم پہنچا دیا۔

محض سرکشی اور ہٹ دھرمی

ان لوگوں نے پیغام خداوندی کا استقبال یہ کہہ کر کیا کہ یہ تو کھلا جادو ہے، مگر اس کے جادو ہونے کی کوئی دلیل بیان نہ کی، دلیل ہوتی تو بیان کرتے۔ مکذب کے پاس دلیل کوئی نہیں ہوتی ہٹ دھرمی اور عناد کا مظاہرہ کر کے حق کی تکذیب کرتا ہے، ہر زمانے کے رسول کو یہی کچھ کہا گیا تھا جو یہاں پر موسیٰؑ و ہارونؑ کو کہا گیا، یوں معلوم ہوتا ہے کہ کفر و تکذیب کی فطرت و طبیعت ہر دور میں ایک تھی، جیسے کہ حق و صداقت کی طبیعت بھی ہر دور میں ایک ہی رہی ہے، معجزاتِ موسیٰؑ کو جو کچھ کہا گیا وہی قرآن کے حق میں مکذبین نے کہا تھا، دونوں جگہ حق پر جادو ہونے کا الزام لگایا گیا، موسیٰؑ کے اندازِ سوال میں تعجب و تہکم دونوں پائے جاتے ہیں کہ: "کیا یہ جادو ہے؟" جادو کے پیشِ نظر لوگوں کی ہدایت تو نہیں ہوتی، نہ اس کے پاس کوئی پیغام ہوتا ہے۔ وہ کوئی نظریہ پیش نہیں کرتا۔ خالق و مخلوق کے بارے میں اس کے پاس کچھ نہیں ہوتا، وہ کوئی عقیدہ پیش نہیں کرتا، پیغمبر جاہلیت کو مٹا کر ایک صالح معاشرے کی بنیاد رکھتا ہے، جادو میں یہ چیز کہاں؟

آیاتِ الٰہی کے انکار کا باعث

فرعون کے درباریوں نے آیات اللہ کو تسلیم نہ کرنے کا جو سبب ظاہر کیا تھا وہ لائق غور ہے:

"انہوں نے کہا کیا تو ہمیں اس راہ سے ہٹانے کے لیے آیا ہے جس پر ہم نے اپنے آباؤ اجداد کو پایا تھا، اور یہ کہ اس سرزمین میں تمہاری بڑائی ثابت ہو جائے! ہم تم

پر ایمان نہیں لائیں گے "

یعنی انہوں نے کفر کے دو اسباب بیان کئے ایک یہ کہ وہ باپ دادوں کے باطل مذہب پر رہنا چاہتے تھے۔ دوسرا یہ کہ ان کے نزدیک موسیٰ و ہارون سرزمین مصر میں بڑائی حاصل کرنا چاہتے تھے پس انہیں جو خوف تھا وہ یہ تھا کہ موروثی عقائد برباد نہ ہو جائیں، انہی پرانے عقائد پر ان کا سیاسی و اقتصادی نظام قائم تھا۔ اور انہیں یہ خوف بھی تھا کہ انہیں اس سیاسی نظام کے برباد ہونے کا خوف تھا، یہ نظام ان کے موروثی خرافاتی عقائد کی بنیاد پر قائم تھا۔

باغی و طاغی ہمیشہ یہی بہانہ پیش کرتے رہے ہیں!

دعوات حق کے مقابلے میں قدیم و جدید جاہلیت ہمیشہ یہی علت پیش کرتی رہی ہے اور بھی کئی عذر تراشے گئے، مگر سب سے بڑا بہانہ یہی تھا جس کا ان آیات میں ذکر ہے: موروثی عقائدِ باطلہ پر اصرار اور اقتدار کے مٹ جانے کا ڈر اسی کی خاطر داعیوں کو طعن و تشنیع اور تعذیب کا نشانہ بنایا جاتا رہا ہے، حق کی آوازیں باطل کو اپنی موت، اپنے سیاسی و مذہبی نظام اور عقائد کی موت نظر آتی رہی ہے۔ جابر چاہتے ہیں کہ یہی باطل عقائد جو عوام الناس کے دلوں میں نقش ہیں، قائم رہیں، کیونکہ انہی پر حکام اور سیاستدانوں کی خدائی قائم ہوتی ہے، یہ عقائد کھوٹ اور فساد پر مبنی ہوتے ہیں، اوہام وخرافات پر قائم ہوتے ہیں، باطل کے علمبردار کوشش کرتے ہیں کہ صحیح عقیدے کی خاطر ان کے قلوب نہ کھلیں، نئے نور سے ان کی عقول روشن نہ ہوں۔ موروثی اقدار اور باطل پرست طاغیوں کی جھوٹی خدائی کا مدار انہی چیزوں پر ہوتا ہے، اوہام وخرافات اور بت پرستی کو قائم و دائم رکھنے کی کوشش اسی لیے کی جاتی ہے کہ اگر یہ نظام نہ رہا تو نہ باطل مذہب باقی رہے گا نہ اس پر قائم باطل نظام حکومت وشہنشاہی زندہ بچے گا، عوام کے دل اگر توحید کی روشنی سے منور ہو گئے تو وہی وقت باطل کے علمبرداروں کی موت کا ہوگا یہی سبب ہے کہ سیاسی لیڈر، حکومت کے عہدیدار اور مذہبی گدی نشیں، جن کے گٹھ جوڑ پر اس باطل نظام کی رونق قائم ہوتی ہے، ہر حق کی آواز کو خوفناک بنا کر عوام کے سامنے پیش کرتے ہیں، فتوے لگائے جاتے ہیں، الزامات کی بوچھاڑ ہوتی ہے، دھمکیاں اور ڈراوے دیئے جاتے ہیں، اپنے مشرک آباؤ اجداد کی تقدیس کا ڈھنڈورا پیٹا جاتا ہے تاکہ عوام کو اسی ڈگر پر قائم رکھا جائے جس پر وہ قائم چلے آتے ہیں دعوتِ اسلام کو خوفناک اور مضر بنا کر پیش کیا جاتا ہے، لوگوں کو اس سے ڈرایا جاتا ہے اس پر تہمت تراشی کی غلاظت پھینکی جاتی ہے۔ قریش کے سمجھدار اور ذہین لوگ جان چکے تھے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت میں ان کے لیے کیا خطرات پوشیدہ ہیں، گو وہ یہ بھی بخوبی جانتے تھے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صادق و امین ہیں، شرک کا سارا نظام حماقت کا تانا بانا ہے، مگر وہ اپنی موروثی ریاست اور قدیم سرداری کو ہاتھ سے نہیں جانے دینا چاہتے تھے، اور یہ سرداری انہی باطل عقائد پر قائم تھی، فرعون اور اس کے درباریوں کو بھی یہی خوف لاحق ہوا تھا اور اس کا انہوں نے ان آیات میں اظہار بھی کر دیا ہے!

Marfat.com

جادو کی حکایت کا سہارا کیوں لیا گیا؟

فرعون اور اس کے اہل دربار نے جادو کی جو حکایت بنائی، اس سے اغلباً ان کی مراد یہ تھی کہ اس دلدل میں جمہور کو پھنسا دیں۔ جادو کے بعض کارنامے بظاہر موسیٰؑ کے معجزات سے مشابہ ہوتے تھے۔ لہٰذا انہوں نے چاہا موسیٰؑ کی دعوت کی آواز کو جادو، جادو کے شور وغل میں پھنسا کر رد کر دیں، لوگوں کی توجہ اس اصل چیز سے ہٹ جائے۔ جو موسیٰؑ و ہارون علیہما السلام کی دعوت کی اصل تھی، یعنی اللہ کی ربوبیت والوہیت کا برحق ہونا اور مصری علم الاصنام کا حماقت وسخافت اور حکمران طبقے کی بے ایمانی اور چالاکی پر مبنی ہونا، ان کی کوشش تھی کہ موسیٰؑ کی انقلابی آواز کو بالکل ابتداء میں ہی دبا دیا جائے اور اُسے جادوگروں کا سردار کہہ کر لوگوں کی توجہ کو اس سے پھیر دیا جائے، چنانچہ اسی کی خاطر موسیٰؑ کا مقابلہ جادوگروں سے کرایا گیا۔

موسیٰؑ کا مقابلہ جادوگروں کے ساتھ

آیات ۷۹ ــــــ ۸۲ میں فرمایا ہے کہ:

"اور فرعون نے کہا کہ میرے پاس ہر عالم جادوگر کو لاؤ۔ پھر جب جادوگر آگئے تو موسیٰؑ نے ان سے کہا: پھینکو جو کچھ تم پھینکنے والے ہو، پھر جب انہوں نے پھینکا تو موسیٰؑ نے کہا کہ تم نے جو کچھ پیش کیا ہے وہ جادو ہے، بلاشبہ اللہ ابھی اس کو مٹا دے گا۔ بیشک اللہ فسادیوں کے عمل کو کامیاب نہیں کرتا، اور اللہ اپنے کلمات کے ساتھ حق کو حق ثابت کر دے گا اگرچہ مجرم ناپسند کریں"

موسیٰ علیہ السلام کا یہ قول حقیقت کی گہرائیوں کا پتہ دیتا ہے کہ:

"جو کچھ تم نے پیش کیا ہے یہ جادو ہے"

یعنی مجھ پر جادوگر ہونے کا الزام تو افتراء ہے، دراصل جادو یہ ہے جو تم لائے ہو اور ابھی اس کو اللہ تعالیٰ مٹا دے گا، حق کامیاب ہوگا اور باطل مٹ جائے گا۔ جادو کا مقصد انسانی عقل وفکر سے کھیلنا، نظر بندی کی شعبدہ بازی اور عوام کی نظروں میں دھول جھونکنا ہوتا ہے، وہ کسی برحق مقصد یا اصول پر مبنی نہیں ہوتا اور یہی اس کے باطل ہونے کی علامت ہے۔ پھر کیا ہوا؟ وہی جو موسیٰؑ نے کہا تھا۔ مگر یہاں پر اس کی تفصیل نہیں آئی اور قرآنی سیاق آگے بڑھ گیا ہے، مجرموں نے لاکھ بُرا مانا، باطل پرستوں نے حق کے مقابلے کی ہر کوشش کر دیکھی مگر حق کو غالب آنا ہی تھا اور باطل کو مٹنا ہی تھا!

مقابلے کے نتائج

آیت ۸۳ ــــــ ۸۷ میں ارشاد خداوندی ہے کہ:

"پس موسیٰؑ پر اس کی قوم کے کچھ نوجوانوں کے سوا کوئی ایمان نہ لایا، وہ بھی فرعون اور اس

Marfat.com

کے درباریوں سے ڈرتے تھے کہ مبادا وہ انہیں تعذیب کا شکار بنائیں اور بلاشبہ فرعون اس سرزمین میں بہت متکبر تھا اور حد سے گزرنے والوں میں سے تھا، اور موسیٰؑ نے کہا کہ اے میری قوم! اگر تم اللہ پر ایمان لائے ہو تو اسی پر بھروسہ کرو اگر تم مسلم ہو۔ پس انہوں نے کہا کہ ہم نے اللہ پر بھروسہ کیا، اے ہمارے رب ہمیں ظالم قوم کا تختۂ مشق نہ بنا، اور ہم کو اپنی رحمت کے ساتھ کافروں کی قوم سے نجات دے، اور ہم نے موسیٰؑ اور اس کے بھائی کو وحی بھیجی کہ تم اپنی قوم کے لیے مصر میں گھر بناؤ اور اپنے گھروں کو قبلہ رخ رکھو، اور نماز قائم کرو، اور تو مومنوں کو بشارت دے۔"

مومن کون تھے؟

ان آیات سے پتہ چلا کہ اظہار ایمان کر کے موسیٰ علیہ السلام کی جماعت میں شامل ہونے والے چھوٹے نوجوان تھے، بنی اسرائیل کی ساری جماعت اور ساری اسرائیلی نسل نہ تھی، پھر یہ مومن بھی ابتلاء و تعذیب سے خائف تھے کہ مبادا فرعون انہیں اسلام سے پھیر نہ دے اور ان کو قوم کے بڑے لوگ جو حکومت اور اس کے عہدیداروں سے ذاتی اغراض رکھتے تھے وہ بھی اس معاملے میں فرعون اور اس کے سرداروں کے حامی تھے، کیونکہ ان کے ذاتی، قومی اور دنیوی مفاد ان کے ساتھ وابستہ تھے، ہر قوم کے ذلیل لوگ اسی طرح ارباب اختیار کے ساتھ چمٹے رہتے ہیں، فرعون جس طرح سرکشی اور طغیان میں حد سے گزرا ہوا تھا اسی طرح شدید تسلط و جبروت کا مالک بھی تھا۔ وہ کسی حد پر نہ ٹھہرتا تھا اور نہ کسی سنگ دلی سے گریز کرتا تھا۔

ایمان کا تقاضا توکل علی اللہ ہے

اس ظلم و ستم اور طغیان و جبروت کا مقابلہ صرف ایمان سے ہی ممکن تھا، وہ ایمان جس کا پلڑا ابتلاء و فتنہ سے راجح ہو (جھکا ہوا ہو)، خوف کے اسباب و واقعات پر غالب آ جائے، دلوں کو اطمینان بخشے اور انہیں حق پر قائم رکھے، یہی بات موسیٰؑ نے فرمائی جسے قرآن نے یوں نقل کیا ہے کہ:

"اور موسیٰؑ نے کہا کہ اے میری قوم! اگر تم اللہ پر ایمان لے آئے ہو تو صرف اسی پر توکل کرو، اگر تم مسلم (مطیع) ہو۔"

مطلب یہ کہ ایمان کی دلیل اور اس کا تقاضا اللہ پر توکل و اعتماد ہے۔ یہی قوت کا وہ عنصر ہے جو ایک کمزور قلب کو باغی و طاغی کثرت پر زیادہ قوت و طاقت اور ثابت قدمی بخشتا ہے، موسیٰ علیہ السلام نے ان کے سامنے ایمان و اسلام ہر دو کا ذکر فرمایا اور توکل کو ہر دو کا تقاضا قرار دیا، یہی اللہ پر اعتقاد کا تقاضا ہے اور یہی نفس کے اس کے سامنے جھکنے اور عمل صالح کا تقاضا ہے، یہی سبب تھے کہ ایمانداروں نے اثبات میں جواب دیا، توکل علی اللہ کا اعلان کیا اور یہ مخلصانہ دعا مانگی کہ ان کو ظالموں کے لیے فتنہ نہ بنایا جائے۔

Marfat.com

ظالموں کے لیے فتنہ نہ بنائے جانے کا مطلب

اس دعا کا یہ مطلب تھا کہ ظالم ان پر مسلط نہ ہوں، ورنہ وہ یہ خیال کریں گے کہ مومن حق پر نہیں۔ بلکہ وہ ظالم و مشرک حق پر ہیں، اور یہ بات ان کے اسلام سے دور رہنے اور اپنے باطل مذہب پر قائم رہنے کی دلیل اور بہانہ بن جائے گی۔ پس ظالموں کا تسلط ایک بڑا فتنہ ہوگا جس کا نقصان خود اسلام کو پہنچے گا، اور اس کی مزید وضاحت اس سے اگلی آیت: (۸۶) میں آئی ہے کہ:

"اور اپنی رحمت کے ساتھ ہم کو کافر قوم سے نجات عطا فرما۔"

یہ دعا، توکل و تقویٰ کے خلاف نہیں بلکہ ان کا تقاضا ہے، کیونکہ اس سے اللہ پر اعتماد و اتکال واضح ہوجاتا ہے۔ مومن کی شان (بموجب حدیثِ صحیح) یہ ہے کہ مصیبت کی تمنا نہ کرے، لیکن اگر اس کا سامنا ہوجائے تو ثابت قدم رہے۔

تنظیم اور سفرِ جہاد کی تیاری ابتداء

آیت: ۸۷ میں اللہ تعالیٰ کا موسیٰؑ و ہارونؑ کو یہ حکم دینا مذکور ہے کہ وہ بنی اسرائیل کے لیے اجتماعی محلے اور گلیاں اور گھر بنائیں اور نماز کے قیام کے لیے اپنے گھروں کو قبلہ رُخ رکھیں۔ دیا یہ کہ گھروں میں نماز ادا کریں۔ قبلہ سے مراد یہاں پر وہی کعبۂ ابراہیمؑ ہے، جیسا کہ بعض محققین کی رائے ہے، کیونکہ بیت المقدس تو ابھی تعمیر نہ ہوا تھا۔ یا پھر وہ عبادت گاہ ہے جس کی تعمیر یعقوب علیہ السلام نے شروع کی تھی اور آگے چل کر یہی بیت المقدس ٹھہرائی گئی۔ واللہ اعلم) معلوم ہوتا ہے کہ موسیٰؑ کا حکم یہ تھا کہ بنی اسرائیل کی آبادی مصریوں سے الگ رہے، تاکہ مشورہ کرنے، تیاری اور پھر مصر سے نکلنے میں آسانی رہے، گھروں کی تیاری تو ظاہری تیاری تھی مگر اصل اور باطنی و روحانی تیاری توکل اور نماز تھی، اور تجربہ بتاتا ہے کہ اس دوسری تیاری کے بغیر پہلی تیاری بھی نامکمل بلکہ بیکار ہوتی ہے، عقیدہ پہلا ہتھیار ہے، ورنہ بے عقیدہ، منافق اور کھوکھلے دل کے سپاہی کو اگر سوا لاکھ ہتھیار بھی دے دو تو وہ اسے استعمال کیسے کرے گا؟ اس کے لیے تو عقیدہ اور ہدف اور مقصد درکار ہوتا ہے۔

خالص ایمانی تجربہ دائمی اور عالمگیر ہے

یہ تجربہ جس کو اللہ تعالیٰ نے موسیٰؑ کے مومن ساتھیوں پر پیش کیا تھا، بہ صرف ان کے ساتھ خاص نہ تھا بلکہ یہ ایمانِ خالص کا ایک دائمی تجربہ ہے، جب بھی مسلمان جاہلی معاشرے میں گھر جائیں، فتنہ عام ہوجائے اور طاغوت بڑا جابر اور مغرور ہو، لوگ بگڑ جائیں اور معاشرہ گندا ہوجائے تو انہی تدبیروں کو اختیار کرنے کا حکم ہے:

۱۔ جاہلیت کو اس کی غلاظت، بدبو، فساد اور شر سمیت چھوڑ کر الگ ہوجانا اور حتی الامکان اس سے الگ تھلگ ہوجانا، مومن جماعت کی اندرونی صالح تنظیم تاکہ اس کی تمام قوتیں مجتمع

Marfat.com

ہو جائیں۔ وہ منظم ہو کر مضبوط ہو جائے اور اس کے افراد ایک دوسرے کی اصلاح و تزکیہ کرتے رہیں۔

ب۔ جاہلیت کی عبادت گاہوں سے گریز کرنا اور اپنے گھروں کو مسجدیں بنا لینا تاکہ ان میں اللہ سے لو لگائی جائے۔ اس سے دعائیں کی جائیں۔ اور اپنی اندرونی تنظیم کو مضبوط سے مضبوط تر کیا جائے۔

موسیٰؑ کی دعا اور اس کی قبولیت

موسیٰؑ جب محنت اور تجربے کے بعد اس یقین پر جا پہنچے کہ اب فرعون اور اس کے سرداروں کے ایمان سے پوری مایوسی ہو گئی ہے، وہ سنگدل ہیں اور ان کی واپسی کی امید نہیں رہی۔ تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی جو آیات ۸۸ ——— ۸۹ میں اللہ تعالیٰ کے جواب سمیت یوں مذکور ہے:

"اور موسیٰؑ نے کہا: اے ہمارے رب! تو نے فرعون اور اس کے درباریوں کو دنیوی زندگی میں زینت اور اموال دیئے ہیں، اے ہمارے رب! نتیجہ یہ کہ وہ لوگوں کو تیری راہ سے گمراہ کرتے ہیں، اے ہمارے رب! ان کے اموال کو مٹا دے اور ان کے دلوں کو سخت کر دے، پس وہ ایمان نہ لائیں حتیٰ کہ دردناک سزا کو دیکھ لیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تمہاری دعا قبول کی گئی، سو تم ڈٹے رہو اور ان لوگوں کی راہ پر مت چلو جو جاہل و نادان ہیں!"

فرعون اور آلِ فرعون اس وقت سرزمینِ مصر کے در و بست پر قابض تھے، خزانہ، فوج، پولیس، عدالت، سب انتظامی امور ان کے پاس تھے، انہوں نے ہمیشہ کی مانند ——— کہ باغی و طاغی خداداد اختیارات و احوال و حکومت کو باطل کے فروغ اور حق کے خلاف استعمال کرتے ہیں ——— اس دنیوی زینت و اموال کو اللہ کے دین سے روکنے کے لیے استعمال کیا، جب تک نظام حکومت حق کے ہاتھ نہ ہو وہ دنیا میں خدا کی مرضی کو کیونکر پورا کرنے کے قابل ہو سکتا ہے؟ مقابلے میں کمزور و ضعیف و بے دست و پا عوام تھے جو ظاہری شان و شوکت اور زیب و زینت پر فریفتہ ہوتے ہیں۔

مال و منال اگر باطل کے پاس ہو تو ضلالت کا ذریعہ ہوتا ہے

موسیٰؑ کی دعا کا مطلب یہ ہے کہ مال و دولت اور دنیوی چمک دمک لوگوں کی گمراہی اور ان کو دین سے ہٹانے کا ذریعہ ہیں۔ مال و دولت سے قوت و شوکت پیدا ہوتی ہے، اور یہ قوت دینِ حق کے خلاف استعمال ہوتی ہے کیونکہ مالدار اور قوی لوگ دوسروں کو اپنا غلام بناتے ہیں، ان سے مراسم عبودیت ادا کراتے ہیں، انہیں حق کے قریب نہیں آنے دیتے، بہت سے ضعیف القلب لوگ اس حقیقت کا ادراک نہیں کر سکتے کہ مال و منال دراصل خدائی ابتلاء ہے، وہ صرف ظواہر کو دیکھتے ہیں، اور ان کا عقیدہ ٹوٹ جاتا ہے، باطل کے آگے جھک جاتے ہیں، مفسدین کے ہاتھوں میں جب مال و دولت

Marfat.com

اور قوت ہو تو وہ دنیا میں بُرے عقائد، بُرے اعمال، بدمعاشی، نشہ بازی، شراب خوری، بُری عادتیں پھیلاتے ہیں۔ لہٰذا ضروری ہے کہ گمراہی کے یہ سامان ان کے ہاتھوں سے چھین لیے جائیں یا کم از کم ان کے پاس نہ رہنے دیے جائیں، موسیٰ علیہ السلام کے سامنے عوام الناس اور ضعیف البنیان لوگوں کا اغوا ہو رہا تھا، وہ دیکھ رہے تھے کہ دنیوی زیب و زینت کی چکا چوند انہیں گمراہ کرتی ہے، یہ سبب ہے کہ انہوں نے اس مال و قوت کی بربادی کی دعا مانگی تھی۔ دیکھ کے باغی و طاغی سرمایہ دار جب تک بدر میں لقمۂ اجل نہ ہو گئے، اسلام کا راستہ رُکا رہا۔ جب تک مدینہ کے سود خوار سرمایہ پرست یہودی راستے سے ہٹا نہ دیے گئے اسلام کی گاڑی آگے نہ چل سکی۔ یہ ایک فطری بات تھی۔ ضلالت کی قوت جب تک بے بس نہ ہو جائے وہ ہدایت کا راستہ روکے رہے گی۔ پس یہ قوتیں جو ضلالت و اغوا کا باعث تھیں، موسیٰؑ نے ان کی بربادی کی دعا فرمائی اور چونکہ موسیٰؑ دشمنوں کی ہدایت سے مایوس ہو گئے تھے اس لیے انہوں نے ان کے دلوں کے مزید سخت ہونے اور عذاب الیم کا مورد بننے کی دعا کی، اللہ تعالیٰ نے موسیٰؑ و ہارون علیہما السلام کی دعا کو قبول فرما لیا اور انہیں استقامت و صبر کا حکم دیا۔

آخری خوفناک نظارہ

جب دعا قبول ہو گئی تو اسے نافذ کرنے کا وقت آ گیا جس کا ذکر ان آیات میں آتا ہے (۹۰ تا ۹۲)

"اور ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر سے پار کیا تو فرعون اور اس کے لشکر بغاوت و عداوت کے ساتھ ان کے پیچھے لگ گئے، حتیٰ کہ جب اس کو غرق نے پا لیا (فرعون غرق ہونے لگا) تو بولا: میں ایمان لایا کہ اس خدا کے سوا کوئی الٰہ نہیں، جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں اور میں مسلمانوں میں سے ہوں۔ کیا اب؟ حالانکہ تو نے پہلے نافرمانی کی تھی اور تو فسادیوں میں سے تھا۔ پس آج ہم تجھ کو، یعنی تیرے بدن کو بچائیں گے تاکہ تو اپنے بعد والوں کے لیے نشانی ہو جائے اور بہت سے لوگ ہماری نشانیوں سے غافل ہیں"

تحدی و تکذیب کے قصے کا یہ فیصلہ کن مرحلہ ہے اور فساد کا آخری نظارہ ہے، یہاں پر اسے مختصر و مجمل انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ کیونکہ اس سورت میں اس قصے سے یہی غرض ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دوستوں کے لیے حمایت و نصرت اور رعایت کا اظہار کیا جائے، اور بتایا جائے کہ دشمنانِ خدا پر کیونکر عذاب نازل ہوتا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی تکوینی آیات اور رسولوں کے معجزات و دلائل و کتب سے غافل رہتے ہیں حتیٰ کہ انہیں وہ عذاب آ لیتا ہے۔ جو پھر آ کر ہٹایا نہیں جاتا، ندامت اور توبہ اس وقت بے فائدہ ہوتی ہے، اس سے پہلے ولکل امۃ رسول .... چار آیات کے آخر تک، جو مضمون گزرا تھا، یہ اس کا مصداق ہوتا ہے۔

یہاں پر فرمایا ہے کہ ہم نے اپنی ہدایت و قیادت میں بنی اسرائیل کو سمندر پار کرایا تو فرعون اور اس کے لشکر از راہِ بغاوت و عداوت ان کے پیچھے آ گئے، نتیجہ یہ ہوا کہ فرعون لاؤ لشکر سمیت غرق ہو گیا۔ ڈوبتے وقت اس نے بنی اسرائیل کے خدائے برحق پر ایمان کا اعلان کیا، مگر اب کیا فائدہ؟ اب تو ایمان کی

Marfat.com

قمویت کا وقت گزر چکا تھا، جب موت کا فرشتہ سامنے آجائے، غرغرے کی حالت ہو تو ایمان نامقبول ہے، مگر اس کا فائدہ یہ ہوا کہ اس کے غرور و تکبر اور جھوٹی خدائی کا جوڑا اس نازک وقت میں اتر گیا اس نے اپنی کمزوری کا معائنہ کر لیا اور معلوم کر لیا کہ میں نہیں بلکہ خدا وہی سچا خدا ہے جو بنی اسرائیل کا خدا ہے، تیرے غلاموں کا خدا! اس نے ایسے خوفناک وقت میں صرف ایمان کا نہیں بلکہ اسلام (اطاعت و فرمانبرداری اور جھک جانے) کا بھی اعلان کیا، مطلب اس کا یہ تھا کہ مجھے اپنی جھوٹی خدائی کا غلط ہونا تسلیم ہے، خدا نے برحق کی سچی خدائی قبول ہے، میرے تکبر اور غرور کا باطل ہونا تسلیم ہے! مگر اللہ کا جواب یہ تھا کہ اب جب کہ تیرا نہ اختیار ہے نہ تجھ کو طاقتِ فرار ہے، عذاب تیرے سامنے ہے، اب ایمان لانے کا کیا فائدہ؟ اب جھک جانے اور عاجزی کے اعلان سے کیا حاصل؟ جب اس توبہ و اعلان کا وقت تھا اس وقت تو تو متکبر و مغرور تھا! فرمایا کہ آج ہم تیرے بدن کو مچھلیوں کے کھانے سے اور مدو جزر کے ساتھ کہیں دور بہہ جانے سے بچائیں گے۔ تاکہ تیرا یہ جسم تیری مخلوقیت اور جھوٹی خدائی کا اعلان کرنے کے لئے تیرے بعد بطور عبرت محفوظ رہے! (چنانچہ وہ ماضیٔ قریب تک اسکندریہ کے عجائب گھر میں محفوظ رہا، اب پتہ چلا ہے کہ اس کے مصالحے میں ناقابلِ اصلاح نقص پیدا ہو گیا ہے، لہٰذا اسے وہاں سے ہٹا کر کہیں پیچھے رکھ دیا گیا ہے!) لوگ اگر تیری لاش کو دیکھیں تو عبرت و نصیحت پائیں کہ خدا و رسول کی تکذیب اللہ کے حق پر تعدی اور اس کی تکذیب کا پھل کیا ہوتا ہے، لیکن بہت سے لوگ جو اپنے دل و دماغ اور عقل کو کام میں نہیں لاتے، وہ آیات اللہ سے غافل ہیں۔

بغی و فساد کا افسوسناک انجام

بنی اسرائیل ہوں یا کوئی اور قوم، اللہ کا تو کسی کے ساتھ کوئی رشتہ نہیں، جو کوئی بھی بھلائی یا برائی کرے گا وہ اپنے کیے کی جزا و سزا پائے گا، بنی اسرائیل کو اگر فرعون سے نجات دی گئی اور اسے غرق کیا گیا تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اگر وہ نافرمانی کرتے تو اپنے عمل کی پاداش سے بچ جاتے، ہاں! یہ افسوس ضرور ہے کہ جس قوم پر اتنی مہربانیاں ہوئیں ان کا انجام کیا ہوا اللہ فرماتا ہے کہ:

> اور بلاشبہ ہم نے بنی اسرائیل کو صدق کا ٹھکانہ دیا اور ان کو پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا، سو انہوں نے اختلاف نہ کیا، حتیٰ کہ ان کے پاس علم آگیا۔ بلاشبہ تیرا رب ان کے درمیان قیامت کے دن ان چیزوں کا فیصلہ کرے گا جن میں وہ اختلاف کرتے تھے (یونس ۹۳)

صدق میں ثبات و قرار ہوتا ہے جب کہ کذب و افتراء میں اضطراب اور بے ثباتی ہوتی ہے، اس بنا پر مبوأ صدق فرمایا ہے، یعنی سکون و اطمینان کا ٹھکانہ، امن و ثبات کی جگہ۔ قرآن کا بیان یہاں پر مختصر ہے کیونکہ موقع و محل کی ضرورت ہی کا یہ تقاضا ہے۔ کچھ دیر تک طویل تجربوں کے بعد بنی اسرائیل کو سکون و اطمینان اور امن و آشتی کا موقع دیا گیا، انہیں رزقِ حلال کی پاکیزہ چیزیں دی گئیں۔ مگر افسوس! کچھ مدت کے بعد ان میں فسق و فجور پیدا ہو گیا (تورات کے بیان کے مطابق ان میں شرک، زنا اور نشہ بازی کی کثرت ہو گئی) ان میں فرقہ بندی پیدا ہوئی، خانہ جنگیاں شروع ہو گئیں، ان کا ہر اعلیٰ و ادنیٰ طبقہ برائی کا شکار ہو گیا، حاکم، علماء

Marfat.com

اور رہبان سب نے بدکاریاں کیں، دنیوی اور خالص دینی دونوں طرح کا اختلاف ان میں نمودار ہو گیا، ان کے عالموں نے کتاب اللہ میں لفظی و معنوی تحریف کی۔ مفتیوں نے فتویٰ فروشی کو شعار بنا لیا، غرض ہر طرح کی بدی عام ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں شدید سزائیں دیں۔ جن کا اس مختصر بیان میں ذکر نہیں فرمایا گیا۔ ان کی مفصل تاریخ سورۃ البقرہ میں آئی ہے یہاں صرف یہ فرمایا ہے کہ ان کا پروردگار ان کے اختلاف کا فیصلہ قیامت میں کرے گا۔ اگر غور کیا جائے تو اس آیت میں بھی ایک تاریخی قوم کے لئے دھمکی کا انداز موجود ہے۔

مکذبین کے لیئے اللہ کی سُنّت

اگلی آیات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خطاب ہے اور نوحؑ اور موسیٰؑ کے قصوں کا انجام اور نتیجہ بیان فرمایا گیا ہے، آپ کی قوم کی تکذیب کی علت بیان ہوئی ہے اور گزشتہ رسولوں کے حوادث و واقعات کے ساتھ تسلی کا انداز اختیار فرمایا گیا ہے، فرمایا ہے کہ آپ کی قوم آیات و بینات کے لحاظ سے کمی کا شکار نہیں، بلکہ یہ ان سے پہلے مکذبین کے لیئے سنت ہے اور انسان کی پیدائش میں اللہ کی سنت ہے کہ اس نے انسان میں دونوں قسم کی استعداد پیدا فرمائی ہے، خیر کی بھی اور شر کی بھی، ہدایت کی بھی اور ضلالت کی بھی، پھر ایک مختصر اشارہ یونسؑ کی قوم کے واقعہ کی طرف فرمایا ہے جن پر عذاب آنے ہی والا تھا، مگر ان کے رجوع اور سچی توبہ کے باعث ٹل گیا، یہ قصہ اس لیئے بیان ہوا ہے کہ شاید آج کے مکذبین کے لیئے باعثِ عبرت و موعظت بنے، آخر میں ان تمام واقعات کا خلاصہ درج کیا گیا ہے اور یہ کہ اللہ کی سنت جو پہلے لوگوں میں گزری ہے وہی پچھلوں میں قائم رہے گی۔ مکذبین پر عذاب و ہلاکت اور رسولوں اور ان کے ساتھیوں کے لیئے نجات اور خلاصی۔ فرمایا ہے کہ یہ حق ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر واجب کر لیا ہے اور اس کی نہ بدلنے والی سنت ہے۔ یہ مضمون آیات ۹۴ ——— ۱۰۳ تک پھیلا ہوا ہے :

> "پس اگر تو کسی شک میں ہے، اس چیز میں جو ہم نے تجھ پر نازل کی ہے تو ان سے پوچھ لے جو تجھ سے پہلی کتاب کو پڑھتے ہیں، بلاشبہ تیرے پاس تیرے رب کی طرف سے حق آ گیا ہے۔ سو تو ہرگز شک کرنے والوں میں سے مت ہو، اور تو مت ہو ان لوگوں میں سے جو اللہ کی آیات کی تکذیب کرتے ہیں، ورنہ تو خسارہ پانے والوں میں سے ہو جائے گا، بیشک جن پر تیرے رب کا حکم صادق آ گیا وہ ایمان نہیں لاتے، اگرچہ ان کے پاس ہر قسم کی آیات آ جائیں، حتیٰ کہ وہ دردناک سزا کو دیکھیں، پس کیوں نہ ہوئی کوئی بستی جو ایمان لاتی اور اس کا ایمان اسے نفع دیتا سوائے یونسؑ کی قوم کے، جب وہ ایمان لے آئے تو ہم نے ان سے دنیا کی ذلت کا عذاب دور کر دیا اور ایک مدت تک انہیں فائدہ پہنچایا، اور اگر تیرا رب چاہتا تو جتنے لوگ زمین میں ہیں سب کے سب ایمان لے آتے، سو کیا تو لوگوں کو ایمان لانے پر مجبور کر سکتا ہے؟ اور کوئی جان بھی اللہ کے اذن کے بغیر ایمان نہیں لا سکتی، اور وہ

Marfat.com

نہ سمجھنے والوں پر پلیدی ڈال دیتا ہے۔ کہو کہ دیکھو کیا کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں، اور معجزات اور ڈراوے ایمان نہ لانے والوں کے کام نہیں آتے، پس کیا یہ انتظار کر رہے ہیں ان لوگوں کے ایام کی مانند جو ان سے پہلے گزرے تھے؟ کہو کہ پھر تم انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ منتظر ہوں۔ پھر ہم نجات دیتے ہیں اپنے رسولوں کو اور ایمانداروں کو، اس طرح برحق ہے ہم پر کہ ہم مومنوں کو نجات دیتے ہیں "

آیت ؛ ۹۴ کے اندازِ بیان کا سبب

موسیٰؑ کا واقعہ یہودیوں کی کتابوں میں موجود تھا اور وہ اسے پڑھتے تھے۔ اسی طرح نوح علیہ السلام کا واقعہ جو ان کی قوم کے ساتھ گزرا تھا یہود اسے بھی خوب جانتے تھے۔ آیت : ۹۴ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب فرما کر ایک ایسا لفظ استعمال فرمایا ہے جو بعض کم فہم لوگوں کے لیے باعث تشویش و اضطراب بن جاتا ہے۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو تو اللہ کی وحی اور اس کے مندرجات کے متعلق کوئی شک و شبہ نہ تھا پھر اللہ تعالیٰ نے شک کے الفاظ کا اطلاق کیوں فرمایا ہے؟ احادیث میں وارد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کے متعلق فرمایا تھا: "نہ مجھے شک ہے اور نہ میں اہلِ کتاب سے پوچھتا ہوں"! بات دراصل یہ تھی کہ ان آیات کے نزول کے وقت مکہ میں حالات بہت سنگین ہو چکے تھے۔ اسرآء کا واقعہ پیش آچکا تھا، اور بعض نومسلم اس میں شک و شبہ کی بنا پر مرتد ہو گئے تھے، جس کا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شدید صدمہ تھا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور ابوطالب کی وفات واقع ہو چکی تھی اور جو کافر ان کے لحاظ کی وجہ سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت دینے سے شرماتے تھے، اب وہ کھل کھیلتے تھے، آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم پر کفار کی اذیت کا حلقہ تنگ ہو چکا تھا۔ مکہ میں اس وقت دعوتِ اسلامی جامد ہو کر رہ گئی تھی اور مسلمانوں کی تعداد میں کوئی اضافہ نہ ہو رہا تھا، قریش کا عناد اور مخالفت بیش از بیش تھا۔ ان تمام چیزوں کا غم و اندوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل پر پڑتا تھا، ان وجوہ کے باعث اللہ تعالیٰ نے اس اندازِ تخاطب میں دراصل جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی ہے اور شک و شبہ کرنے والوں پر یہ آیات تعریض کے طور پر نازل ہوئی ہیں، یہ الفاظ اس کی وضاحت کرتے ہیں کہ ؛ ولا تکونن من الذین کذبوا بآیات اللہ فتکون من الخاسرین۔ یہ تعریض واپس لوٹنے کا ارادہ کرنے والوں کے لیے واپسی کا راستہ کھلا چھوڑتی ہے، کیونکہ جب یہ فرمایا گیا کہ اگر (معاذ اللہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی شک و شبہ ہے تو وہ اہلِ کتاب سے سوال کریں، آپؐ نہ سوال کرتے ہیں اور نہ آپؐ کو شک ہے۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپؐ کو اس حق کی حقانیت کا پورا یقین ہے جو آپؐ پر نازل ہوا ہے، اور ان آیات میں دوسروں کے لیے یہ تعریض ہے کہ وہ شک کرنے والوں میں نہ ہوں۔ اور پھر اس آیت کے مضمون سے یہ بھی واضح ہوا کہ شک و شبہ کے وقت سوال کرنا اور وثوق حاصل کرنا واجب ہے : فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون ٥ پس جو بات خود سمجھ میں نہ آئے اُسے دریافت کرنا اور اس کے متعلق تحقیق و یقین حاصل کرنا اور اندھا دھند پیروی سے باز رہنا ضروری ہے۔ مسلمان کو یہ حکم ہے کہ

Marfat.com

عقیدے اور عمل میں تیقن پر بنیاد رکھے۔ پھر شک کے وقت سوال کے مباح ہونے میں اور فلا تکونن من الممترین میں کسی قسم کا تعارض نہیں ہے، کیونکہ جس چیز کی ممانعت کی گئی ہے وہ ہے شک اور اس پر باقی رہنا کہ شک ہی صفت دائمہ بن جائے، من الممترین۔ اور یہ اس وقت ہوتا ہے جبکہ شک والا یقین کو حاصل کرنے کی کوشش نہ کرے، معرفت حاصل کرنے سے گریز کرے اور ظاہر ہے کہ یہ ایک ردی حالت ہے جس کے ہوتے ہوئے یقین و ثبات حاصل نہیں ہوسکتا۔

مکذبین کے اصرار کا باعث

اب یہاں پر ایک اہم سوال اور پیش ہوتا ہے کہ: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل شدہ تعلیم برحق ہے، اس میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے، تو پھر کیا وجہ ہے کہ ایک قوم پھر بھی تکذیب پر مصر ہے اور اس پر شدت اختیار کرتی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس کی تعلیل اللہ تعالیٰ کا کلمہ اور اس کی وہ سنت ہے کہ جو شخص ہدایت کے اسباب کو اختیار نہ کرے، وہ ہدایت نہیں پاتا، جو شخص نور پر اپنی بصیرت کو نہ کھولے وہ اس روشنی کو نہیں دیکھ سکتا، جو شخص اپنے مدارک کو معطل کردے وہ ان کے وظائف سے نفع حاصل نہیں کرسکتا تو اس کا نتیجہ ضلالت ہے۔ اللہ تعالیٰ کے کلمہ اور سنت کے ان لوگوں پر حق اور ثابت ہو جانے کا یہی مطلب ہے جو اس آیت میں فرمایا گیا ہے کہ:

"بلاشبہ جن لوگوں پر تیرے رب کی بات ثابت ہوگئی وہ ایمان نہیں لاتے، اگرچہ ان کے پاس ہر دلیل آجائے حتیٰ کہ وہ عذاب الیم کو دیکھ لیں" (۹۶ ——— ۹۷)

عذاب الیم کو دیکھ کر جو شخص فرعون کی مانند اعلان ایمان کرے اس کا ایمان اختیاری نہیں ہوتا بلکہ اضطراری ہوتا ہے، لہٰذا اس کا کوئی اعتبار شرع نے نہیں رکھا، اوپر ایسے ہی وقت میں فرعون کے ایمان کا حال گزر چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے ایمان کو قبول نہ فرمایا تھا۔

قوم یونسؑ کا ایمان

اللہ تعالیٰ نے ایسے وقت میں جب کہ اس کی سنت کا حتمی ہونا ثابت ہونے ہی والا ہوتا ہے اور اپنے مقدر انجام کو پہنچنے والی ہوتی ہے، امید کی ایک آخری کرن کا موقع بھی رکھ دیا ہے تاکہ اس کے فضل میں سے اگر کوئی حصہ پا سکے تو پالے، یہ امید کی شعاعوں میں سے آخری شعاع ہوتی ہے، جس کے جھلکنے پر رحمت خداوندی کا ظہور ہوتا ہے، وہ اس وقت ہوتا ہے جب کہ مکذب بالکل آخری وقت میں ——— اس کے بعد بس عذاب ہی ہو ——— سچے دل سے ایمان لے آئیں، اور وقوع عذاب سے پہلے اپنی حالت کو درست کرلیں تو عذاب ٹل سکتا ہے۔ فرمایا ہے کہ:

"پس کیوں نہ کوئی بستی ایمان لائی اور اس کے ایمان نے اسے فائدہ پہنچایا، سوائے یونسؑ کی قوم کے، جب وہ ایمان لائے تو ہم نے ان سے دنیا کا ذلت ناک عذاب دور کر دیا۔ اور انہیں ایک مدت تک فائدہ پہنچایا"

Marfat.com

اس آیت کی تحضیض (ترغیب) فلولا کانت قریۃ الخ ماضی کے ساتھ متعلق ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کا مدلول واقع نہیں ہوا تھا۔ مطلب یہ ہے کہ: یہ آبادیاں جن کا ذکر پچھلی آیات میں گزرا ہے، ان میں سے کوئی بستی ایمان کیوں نہ لائی؟ یعنی وہ بستیاں ایمان نہ لائیں لہٰذا ان پر عذاب آگیا اور اس سے استثناء اگر ہے تو قوم یونس ؑ کی بستی کا ہے، پس ان بستیوں کی غالب صفت عدم ایمان رہی ہے، اور ان میں سے ایک بستی ایمان لے آئی تھی۔ قریہ کے لفظ کا معنیٰ یہاں پر قوم ہے۔ اور قوم کا یہ نام رکھنا: قریہ، یہ بتاتا ہے کہ پیغمبروں کی بعثت شہری آبادیوں میں ہوئی ہے نہ کہ خانہ بدوشوں کے بیابانوں اور صحراؤں میں، کیونکہ انہیں قریہ نہیں کہا جاتا۔ قرآنی سیاق نے یہاں پر قوم یونس ؑ کا حال مفصلاً بیان نہیں فرمایا، صرف اس کی طرف ایک اشارہ کیا ہے، اور اس اشارے کا تعلق اس واقعہ کے انجام کے ساتھ ہے اور موجودہ سیاق میں وہی مقصود ہے اور مختصراً یہ فرمایا ہے کہ یونس ؑ کی قوم کو عذاب دھمکیاں دے رہا تھا، جب اس عذاب کے وقوع سے پہلے وہ آخری مہلت میں ایمان لے آئے تو ان سے عذاب کو ہٹا لیا گیا، عذاب آنے والا تھا مگر آیا نہیں، ان کو ایک مدت تک مہلت دے دی گئی، اور ظاہر ہے کہ اگر وہ ایمان نہ لاتے تو سنتہ اللہ کے مطابق اُن پر عذاب کا کوڑا برس پڑتا، اس سے دو نتیجے حاصل ہوتے ہیں:

(۱) ایک یہ کہ مکذبین کو نجات کے آخری دھاگوں کو ——— کم از کم ——— ضرور پکڑ لینا چاہیئے تاکہ وہ بھی قوم یونس ؑ کی مانند نجات پالیں۔ یہی نتیجہ یہاں پر اس قصے کا مقصود ہے۔

(۲) دوسرا یہ کہ قوم یونس ؑ کو مہلت ملنے سے سنتہ اللہ معطل نہیں ہوئی، کیونکہ اُس کا مقتضیٰ تو یہی تھا کہ اگر وہ لوگ تکذیب پر قائم و مُصر رہتے تو ان پر عذاب وارد ہو جاتا۔

لیکن ایسا نہیں ہوا، انہوں نے اصرار چھوڑ کر ایمان کی راہ اختیار کر لی تو اللہ تعالیٰ نے ان سے عذاب کو ہٹا دیا۔ اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ لوگوں کے تصرفات میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی جبریت نہیں ہے، ہاں جبریت اسی بات میں ہے کہ لوگوں کے تصرفات پر ان کے آثار ضرور مرتب ہوتے ہیں

ایمان و کفر کا قاعدہ کلیہ

آیت: ۹۹ ——— ۱۰۰ میں ارشادِ خداوندی ہے:

"اور اگر تیرے رب کی مشیئت ہوتی تو زمین والے سب کے سب ایمان لے آتے، سو کیا تو لوگوں کو ایمان لانے پر مجبور کر سکتا ہے؟ اور کسی جان کا یہ کام نہیں ہے کہ وہ ایمان لائے مگر اللہ کے اذن کے ساتھ، اور وہ لا یعقل لوگوں پر رجس ڈال دیتا ہے۔"

یعنی اگر اللہ چاہتا تو اس انسانی جنس کو موجودہ حالت پر پیدا نہ کرتا، بلکہ اسے ایک اور ہی جنس بنا دیتا، اس صورت میں وہ ملائکہ کی مانند ایمان کے راستے کے علاوہ اور کوئی راستہ نہ جانتے، یا وہ اس میں ایک ہی استعداد پیدا کرتا جو اس کے تمام افراد کو ایمان کی طرف لے جاتی، اور اگر وہ چاہتا تو لوگوں کو ایمان پر جبر و قہر کے ذریعے سے لاتا، ان کا اس بارے میں اپنا کوئی اختیار نہ ہوتا، مگر خالق کی حکمت ———

Marfat.com

جس کے بعض مقاصد ہمیں معلوم ہو جاتے ہیں اور بعض معلوم نہیں ہوتے، اور جب اس کے مقاصد معلوم نہ ہوں تو بھی اس کے وجود کی نفی نہیں ہوتی ——— اس حکمتِ خداوندی کا تقاضا یہ تھا کہ وہ اس بشری وجود میں خیر و شر ہر دو کی قابلیت پیدا کرے، ہدایت و ضلالت ہر دو میں سے جسے وہ اختیار کرنا چاہے اس کے اختیار کی قوت و استعداد اس کے اندر موجود ہو، جب وہ مثلاً نیکی کا راستہ اختیار کرنا چاہے تو اس کے سب اسباب و بواعث مہیا ہو سکیں اور اس کی تمام قوتیں، حواس، مشاعر و مدارک نیکی میں اس کا ساتھ دیں، وہ ان دلائل سے فائدہ اٹھا سکے، جن کو اللہ تعالیٰ نے کائنات کے وجود میں، آفاق و انفس میں رکھ دیا ہے۔ پیغمبروں کی آیات و بینات سے اسے ہدایت حاصل ہو سکے۔ وہ ایمان کی راہ کو اختیار کرکے نجات اور خلوص کی طرف راہ پا سکے۔ اس کے برعکس جب وہ اپنے مواہب و مدارک کو معطل کر دے، مشاعر و حواس کو بند کر لے۔ ان کے ذریعے سے دلائلِ ایمان پر غور نہ کرے، تو اس کا دل سخت ہو جاتا ہے، اس کی عقل مستور ہو جاتی ہے، اور وہ تکذیب یا جمود تک جا پہنچتا ہے اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے منکروں اور مکذبوں کا جو انجام مقدر کیا ہے وہ اسی تک جا پہنچتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ایمان کو اختیار پر چھوڑا گیا ہے۔ رسول اس پر کسی کو مجبور نہیں کر سکتا، کیونکہ دل کے مشاعر میں اور ضمیر کی توجہات میں اکراہ و جبر کی کوئی مجال نہیں ہے، ان الفاظ کا یہی مطلب ہے کہ:

"کیا تو لوگوں کو مومن بننے پر مجبور کر سکتا ہے؟"

یہ استفہام انکاری ہے، مطلب یہ کہ یہ جبر و اکراہ نہیں ہو سکتا۔

اللہ تعالیٰ کی سنتِ جاریہ و ماضیہ

ارشادِ خداوندی ہے کہ:

"اور یہ کسی جان کا کام نہیں کہ وہ اذن اللہ کے بغیر ایمان لائے"

یعنی اللہ تعالیٰ کی وہی سنتِ جاریہ جو اوپر بیان ہوئی ہے، جو شخص کفر کی راہ پر چلتا ہے وہ ایمان تک کیونکر پہنچے گا؟ اس کا تو راستہ ہی دوسرا ہے، جس کے مسافر ایمان کی منزل پر نہیں بلکہ کفر کی منزل پر پہنچتے ہیں، یہ نہیں ہوتا کہ ایک شخص چلے تو ایمان کی راہ پر اور پہنچ جائے کفر کی منزل پر، خدانخواستہ ایسا نہیں ہوتا، مطلب یہ ہوا کہ اللہ کا اذن و مشیئت یہی ہے کہ ایمان کو پانے کے لیے اسی کی راہ پر چلنا ضروری ہے۔ ہر چیز کا وقوع اس کی اس خاص تقدیر سے ہوتا ہے جو اس کے لیے مقرر ہے۔ راستے پر چلنا خود مسافر کا کام ہے اور منزل پر پہنچانا اللہ کا فضل و احسان ہے، اس کی وضاحت اس نص سے بھی ہوتی ہے کہ: و یجعل الرجس علی الذین لا یعقلون - یعنی ان لوگوں نے اپنی عقلوں کو تدبر سے معطل رکھا ہے، اللہ تعالیٰ ان پر بدترین روحانی گندگی ڈال دیتا ہے، اور یہ نتیجہ ان کے اپنے فعل کا ہے کہ انہوں نے عقل و فکر سے تدبر و تفکر کرنا ترک کر دیا۔ لا یعقلون پر غور کریں تو بات واضح ہو جاتی ہے۔ اور اس گندگی کا نتیجہ تکذیب و کفران ہے، اس کی اس سے بھی زیادہ وضاحت اگلی آیت سے ہوتی ہے۔ غیر مومن آیات و نذر سے فائدہ نہیں اٹھاتے۔ یہ آیات و نذر ان کے سامنے آفاق و انفس میں پیش کی گئی ہیں، اور یہ لوگ جب ان سے

کام نہ لیں تو قصور اُن کا اپنا ہے۔

آسمان وزمین پر نظر ڈالو!

آیت ۱۰۱ میں فرمایا ہے کہ:

"کہو کہ دیکھو کیا کچھ ہے آسمانوں اور زمین میں، اور ایمان نہ لانے والوں کو دلائل اور ڈراوے کام نہیں دیتے"

آیت کا دوسرا حصہ خبر بھی ہو سکتا ہے (جیسا کہ ہمارے ترجمے سے ظاہر ہے) اور استفہام بھی ہو سکتا ہے، پھر معنی یوں ہوگا:

"دلائل اور ڈراوے ایمان نہ لانے والوں کے کس کام آتے ہیں؟"

آیاتِ ارضی وسماوی

آگے چلنے سے پہلے مناسب ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے سامنے ایک لحظہ کھڑے ہو جائیں کہ:

"قل انظروا ماذا فی السموت والارض وما تغنی الایات والنذر عن قوم لا یومنون ٥

اس قرآن کے اولین مخاطب علمی معرفت، آسمانوں اور زمین کی طبیعت کے بارے میں بہت کم جانتے تھے، مگر وہ واقعی حقیقت جس کی طرف ہم نے کئی بار اشارہ کیا ہے، وہ یہ ہے کہ اس کائناتِ ارضی وسماوی کے اندر اور فطرتِ انسانی کے اندر ایک مخفی زبان ہے جسے دونوں خوب سمجھتے ہیں، انسانی فطرت جب بیدار ہو، اپنی اندرونی آنکھیں کھولے اور غور و فکر کے کان لگائے تو کائنات سے بہت کچھ سنتی ہے۔ موجودہ مادی لوگ تو اسی مادی جہان کو انسان کا خدا بنا بیٹھے ہیں —— جیسا کہ قدیم جاہلیت نے مظاہرِ قدرت کو معبود قرار دیا تھا —— لیکن قرآن نے انسان کو اس پر غور کرنے، آنکھ، کان اور دل کو اس کی طرف لگانے کی دعوت دی ہے، موجودہ دَور کی "سائنٹیفک اشتراکیت" قدیم دَور کے مظاہر پرستی کے شرک سے مختلف چیز نہیں ہے، قرآن نے مادی جہان کو انسان کا خادم بنایا ہے جب کہ قدیم وجدید جاہلیت اس کو معبود قرار دیتی ہے، کائنات پر غور و فکر انسان کو اس نتیجے پر پہنچاتا ہے جس پر قرآن نے اسے پہنچنے کی دعوت دی ہے، اس غور و فکر سے کائنات کا ایک یونٹ ہونا معبودِ برحق کی مخلوق ہونا، اس پر دلیل ہوتا اور انسان کو اس کے فرائض کی طرف متوجہ کرتا ثابت ہوتا ہے قرآن نے فرمایا ہے کہ ہر چیز اللہ کی تسبیح پڑھتی ہے، مگر تم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے۔ ہر چیز سے خدا تک پہنچنے کا راستہ نکلتا ہے، لیکن شقی اور بدبخت لوگ اس پر نہ غور کرتے ہیں، نہ فائدہ اٹھاتے ہیں۔ وہی بات جو اس آیت میں فرمائی گئی ہے کہ:

"وما تغنی الایات والنذر عن قوم لا یومنون ٥

Marfat.com

جب قلوب میں غفلت ہو، آنکھیں بند ہوں، کان فطرت کی آواز کو نہ سنیں تو آیات و نذر سے کیا فائدہ؟ جب عقل جامد ہو جائے، استقبال کے آلات معطل ہو جائیں، انسان وجود کائنات سے، بلکہ خود اپنے وجود سے مخفی ہو جائے تو آیات و نذر سے کیا حاصل؟

اپنی مخلوق کو خالق ہی بہتر جانتا ہے!

قرآنی حکمت جو لوگوں کو آفاق و انفس پر تدبر کی دعوت دیتی ہے اس کا سبب ایک بنیادی حقیقت ہے، وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ خالق کائنات ہے اور خالق ہی مخلوق کو بہتر طور پر جانتا ہے: الا یعلم من خلق اور ایک آیت میں ہے کہ:

"ہم نے انسان کو پیدا کیا اور ہم ہی خوب جانتے ہیں کہ اس کے جی میں کیا کیا وسوسے اور خیال آتے ہیں۔"

انسانی فطرت میں دین و مذہب کی ضرورت ذاتی طور پر موجود ہے، اور وہ کسی نہ کسی الٰہ کی ضرور قائل ہوتی ہے (رب العالمین کا انکار کرے گی تو کسی زمینی خدا کو خدا مانے گی۔ سٹالین کو خدائی کا مقام دے گی۔ اور سارے لوازم الوہیت اس میں ثابت کرے گی) بلکہ جب فطرتِ بشری صحیح اور مستقیم ہوگی تو الٰہ واحد کی قائل ہوگی، اپنے دل کی گہرائیوں میں الٰہ واحد کی ضرورت اور اس کے وجود کی حقانیت کو پائے گی، یہ چیز انسانی فطرت میں مرکوز ہے۔ لہٰذا دینِ حق اور اس کی کتابِ حق کا کام یہ ہے کہ وہ الٰہ برحق کے ساتھ انسان کے عہد اور معاملے کو درست کرے، اس کی صحیح تعریف و تعارف انسان کے ساتھ کرائے، اس کی حقیقت و صفات کا علم دے، نہ کہ صرف الٰہ کے وجود کو ثابت کرنے کی کوشش کرے۔ الٰہ کا وجود تو فطرت کے تقاضے سے ثابت ہے، پھر دینِ حق اور کتابِ حق الٰہِ حق کی تعریف اس کے تقاضائے الوہیت و ربوبیت کے مطابق کریں گے۔ خدا کا انکار یا اس کی صفات کا انکار، اس کے وجود میں شک و ریب اس بات کی واضح دلیل ہے کہ انسان کی بشری حقیقت اور ذاتی وجود میں کوئی خلل موجود ہے جو اسے خدا کے صحیح تصور سے روکتا ہے۔ یہ خلل اور تعطل جدل و مناظرے سے دور نہیں ہو سکتا، نہ وہ اس کا طریق علاج ہے۔

کائنات کا ایمان و اسلام

یہ کائنات مومن و مسلم ہے جو اپنے خالق کو پہچانتی اور اس کے سامنے جھکتی ہے، اس کی ہر چیز اللہ کی تسبیح پڑھتی ہے، ہاں کچھ انسان اور جن نافرمان ہیں۔ انسان اسی کائنات کا باشندہ ہے، جس میں ایمان و اسلام کی صدائیں گونجتی ہیں، تسبیح و رکوع و سجود کی صدائیں ہر طرف سے آتی ہیں، خود انسان کے وجود کے ذرات، اس کی ذات اور اس کے خلیے ان صداؤں میں شریک ہیں۔ اس کے وجود، ذات و صفات کی ہر حرکت و سکون اللہ تعالیٰ کے فطری قوانین و نوامیس کے تابع ہیں۔ جو مخلوق ان آوازوں کو نہ سنے۔ جس کی فطرت ان کا شعور و ادراک نہ رکھے، وہ معطل ہے اور اس میں الٰہی قوانین کا جواب دینے کی قوت معطل ہے۔ اس کا علاج جدل و فلسفہ اور منطق نہیں بلکہ اس کی فطرت کو اور اس کی صفات کو بیدار کرنا

Marfat.com

اس کا علاج ہے۔ آسمان و زمین کی طرف دل و دماغ اور عقل و فکر کی قوتوں کو لگا دینا قلبِ انسانی کی بیداری کا ذریعہ ہے، تاکہ وہ دھڑکے، بیدار ہو جائے اور فطرت کی آوازوں کو سن سکے۔ مگر جاہلیت کے مارے ہوئے عرب اور ان جیسے دیگر جاہل ان فطری آوازوں کو نہیں سنتے، تدبر و تفکر و استجابت نہیں کرتے۔ سو وہ سوچیں کہ انہیں کس چیز کا انتظار ہے۔ اللہ کی سنت نہیں بدلتی۔ اور مکذبین کا انجام معلوم ہے وہ اللہ کی سنت سے یہ توقع نہ رکھیں کہ اس کے خلاف ہوگا۔ کبھی کبھی اللہ تعالیٰ ان کو مہلت دیتا ہے اور جٹر مار عذاب میں مبتلا نہیں کرتا، مگر تکذیب پر اصرار کرنے والوں پر عذاب کا آنا یقینی ہے۔

کیا اُن کو عذاب کا انتظار ہے؟

"سو اب وہ کس انتظار میں ہیں! کیا اپنے سے پہلے لوگوں کے (عذاب کے) دنوں جیسا انتظار ہے؟ کہو کہ پھر انتظار کرو، میں بھی انتظار کرنے والوں میں ہوں۔"

اس آیت میں ایک شدید دھمکی ہے وہ جدل تو نہیں، مگر دلوں کو کھوکھلا کر دیتی ہے۔

آخری نتیجہ

ہر رسالت اور ہر تکذیب کا آخری نتیجہ یہ ہوا کہ:

"پھر ہم نجات دیتے ہیں اپنے رسولوں کو اور ان لوگوں کو جو ایماندار ہوں، یوں ہی ہم پر حق ہے کہ ہم مومنوں کو نجات دیتے ہیں۔"

یعنی یہ نتیجہ ہم نے خود اپنے اوپر فرض کر رکھا ہے، جس میں تخلف کا بالکل امکان نہیں ہے ایمان کا بیج بہر صورت باقی رہتا ہے، اگتا ہے، ہر خطرے کے بعد بھی بچ جاتا ہے اور ہر تکذیب و تعذیب کے باوجود نجات پاتا ہے۔ اسی طرح ہوتا رہا ہے اور اسی طرح آئندہ بھی ہوگا۔ اس سورت کے واقعات و قصص کی گواہی بھی یہی ہے۔

قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْ دِيْنِيْ فَلَاۤ اَعْبُدُ الَّذِيْنَ
تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ اَعْبُدُ اللّٰهَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ ۖۚ وَ
اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۴﴾ وَاَنْ اَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ
حَنِيْفًا ۚ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۰۵﴾ وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا
لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ ۚ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰۶﴾ وَ

Marfat.com

وَإِن يَمْسَسْكَ اللَّهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهُ إِلَّا هُوَ ۖ وَإِن يُرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَادَّ لِفَضْلِهِ ۚ يُصِيبُ بِهِ مَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ ۚ وَهُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ﴿١٠٧﴾ قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمُ الْحَقُّ مِن رَّبِّكُمْ ۖ فَمَنِ اهْتَدَىٰ فَإِنَّمَا يَهْتَدِي لِنَفْسِهِ ۖ وَمَن ضَلَّ فَإِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۖ وَمَا أَنَا عَلَيْكُم بِوَكِيلٍ ﴿١٠٨﴾ وَاتَّبِعْ مَا يُوحَىٰ إِلَيْكَ وَاصْبِرْ حَتَّىٰ يَحْكُمَ اللَّهُ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحَاكِمِينَ ﴿١٠٩﴾

ع ۱۱/۱۶

(ترجمہ) کہو کہ اے انسانو! اگر تم میرے دین کے متعلق شک میں ہو تو میں ان کی عبادت نہیں کرتا جن کی تم کرتے ہو اللہ سے ورے، بلکہ میں اس اللہ کی عبادت کرتا ہوں جو تم کو قبض کرتا ہے، اور مجھ کو حکم دیا گیا ہے کہ میں ایمانداروں میں سے ہو جاؤں (۱۰۴) اور یہ کہ سیدھا رکھ تو اپنا چہرہ دین کے لیے موحد ہو کر اور ہرگز نہ ہو تو مشرکوں میں سے (۱۰۵) اور مت پکار تو اللہ کے سوا ان کو جو نہ تجھے نفع دے سکیں اور نہ نقصان پہنچا سکیں۔ پھر اگر تو نے ایسا کیا تو تو بھی مشرکوں میں سے ہو گا (۱۰۶) اور اگر پہنچائے تجھ کو اللہ کوئی نقصان تو اسے اس کے سوا کوئی دور کرنے والا نہیں، اور اگر وہ ارادہ کرے تیری بھلائی کا تو اس کے فضل کو کوئی ہٹانے والا نہیں۔ وہ اسے پہنچاتا ہے جس کو چاہے اپنے بندوں میں سے، اور وہی بہت بخشنے والا بہت مہربان ہے (۱۰۷) تو کہہ کہ اے انسانو! تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس حق آ گیا ہے، پس جو ہدایت یافتہ ہو تو وہ اپنے ہی لیے ہدایت یافتہ ہو گا اور جو گمراہ ہوا تو وہ اپنے ہی لیے گمراہ ہو گا اور میں تم پر کوئی کارساز نہیں ہوں (۱۰۸) اور پیچھے چل تو اس حکم کے جو بذریعہ وحی تیری طرف بھیجا گیا اور صبر کر حتیٰ کہ اللہ فیصلہ کرے اور وہی بہتر فیصلہ کرنے والا ہے (۱۰۹)

سورۃ یونس کا خاتمہ

یہ سورت کا خاتمہ ہے جس پر ہم محسوس کرتے ہیں کہ آفاق کائنات اور انفس میں طویل سیاحتوں کے بعد، فکر و شعور اور تامل کے کئی جہانوں کی سیاحت کے بعد ہم واپس لوٹ رہے ہیں۔ اسی سورت

Marfat.com

میں اسلام کے بنیادی عقیدے کے بڑے بڑے رئیسی و بنیادی عقائد و مسائل بیان ہوئے ہیں مثلاً:
ربوبیت و توامینت و حاکمیت کی توحید الٰہی، شرکاء و شفعاء کی نفی، ہر معاملے کو اللہ کی طرف لوٹانا اللہ تعالیٰ کی وضع شدہ سنن جن کو کوئی پھیر یا ہٹا نہیں سکتا، وحی اور اس کی صداقت، وہ حق خالص جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں، دوبارہ زندگی اور پچھلا دن اور اس کی جزا و سزا یہی وہ بنیادی عقائد و مسائل ہیں جن کے گرد یہ سورت گھومتی ہے، انہی کے یہ واقعات و قصص کا بیان ہوا ہے، اور انہی کے بیان کے لیے مثالیں بیان کی گئی ہیں، اور اب دیکھئے یہ خاتمے میں ان کی تلخیص دی جا رہی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں میں ان کا اعلانِ عام کریں۔ اور فیصلہ کن کلمۂ آخر کی صورت میں انہیں پیش فرمائیں، کہ میں اپنی راہ پر چلتا رہوں گا، اپنے طریقے پر قائم رہوں گا حتیٰ کہ احکم الحاکمین خدا آخری فیصلہ فرما دے۔

اے لوگو! میرا آخری فیصلہ سُن لو!

آیت: ۱۰۴ میں فرمایا ہے کہ اے پیغمبر! آپ لوگوں سے فرما دیں کہ اگر تم کو میرے دین و مذہب کے بارے میں کسی قسم کا کوئی شک و شبہ ہے تو اسے دُور کر دو، اور کان کھول کر میرا اعلان سُن لو کہ:

(۱) گو میرے پہلے مخاطب مشرکینِ قریش اور مشرکینِ عرب ہیں مگر میرا خطاب ساری انسانی کائنات کے ساتھ ہے۔
(۲) اگر تمہیں میرے دین کے متعلق کسی قسم کا شبہ ہے تو میری فیصلہ کن بات سُن لو۔
(۳) میں جس دینِ اسلام کی تمہیں دعوت دیتا ہوں یہی برحق ہے اور اس کے سوا باقی جو کچھ ہے وہ باطل ہے۔
(۴) میں تمہارے خود ساختہ جعلی خداؤں کو نہیں پکارتا۔
(۵) میں اس اللہ کی عبادت کرتا ہوں جس کے دستِ قدرت میں تمہاری زندگی، موت، عمر اور عزت و ذلت ہے۔
(۶) اور مجھے اللہ کا حکم یہی ہے کہ میں مومن رہوں، شرک و کفر سے گریز کروں۔

پھر آیت: ۱۰۵ میں یہ فرمایا ہے کہ:

(۱) اللہ تعالیٰ کا مجھے براہِ راست یہی حکم ہے کہ میں اپنا منہ موحد بن کر اللہ کے سامنے قائم رکھوں اور اِدھر اُدھر نہ دیکھوں۔
(۲) اور مجھے یہ حکم ملا ہے کہ میں مشرک نہ بنوں بلکہ توحید پر قائم رہوں۔

عقیدۂ توحید کی سب سے واضح اور بڑی نشانی

آیت: ۱۰۶ میں عقیدۂ توحید کی عظیم ترین علامت بتائی گئی ہے، اور وہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو براہِ راست خطاب کے طور پر حکم دے کر فرمائی گئی ہے کہ:

(۱) اللہ کے سوا کسی سے دعا مت کرو۔

Marfat.com

(۲) اللہ کے سوا کوئی اور نفع یا نقصان کا مالک نہیں ہے۔
(۳) یہ مشرکوں کے جعلی شریک اور خودساختہ سفارشی سب بیکار ہیں، گو مشرک ان کو حصولِ نفع اور دفعِ ضرر کی ہی خاطر پکارتے ہیں۔
(۴) اگر خدانخواستہ تو نے غیر اللہ سے دعا کی اور نفع و ضرر کے معاملے میں کسی اور کو پکارا تو تو بھی انہی ظالموں، مشرکوں میں سے ہو گا۔
(۵) توحید کے معاملہ میں جب سید الکائنات تک کو یہ سخت حکم دیا جا رہا ہے، اور اس معاملے میں ان کا بھی لحاظ نہیں ہے تو اور کون ہے جسے چھوڑا جائے؟

خیر و شر صرف من جانب اللہ ہے

آیت: ۱۰۷ میں فرمایا ہے کہ:
(۱) اگر اللہ تعالیٰ تجھ کو کوئی ضرر پہنچائے تو اس کو دور کرنے والا بھی فقط وہی ہے۔
(۲) اگر اللہ تعالیٰ کا ارادہ تجھے خیر پہنچانے کا ہو تو یہ فضلِ خداوندی ہے جس کو اور کوئی رد نہیں کر سکتا
(۳) خیر اور ضرر اللہ تعالیٰ کی سنتِ جاریہ کے مطابق ظاہر ہوتے ہیں اور انسان جب ان میں سے کسی کے اسباب کو اختیار کرتا ہے تو حسبِ مشیئتِ خداوندی ان کا ظہور ہوتا ہے، یہ کسی اور کے ہاتھ میں نہیں ہیں، خیر کا حصول اور ضرر کا دفعیہ بامرِ الٰہی ہوتا ہے، ان میں کسی کی سفارش کا بھی دخل نہیں ہے۔
(۴) شر کو کوئی انسان ہٹا نہیں سکتا اس کا ہٹانا اللہ کے بس میں ہے جو اس کی مقرر کردہ سُنن کے مطابق ہوتا ہے۔ اسباب اگر معلوم ہوں تو خیر کے لیے انہیں اختیار کرنا اور شر کے لیے انہیں ترک کرنا واجب ہے، اگر مجہول ہوں تو دعا و التجاء فقط اللہ تعالیٰ سے ہو گی تاکہ وہ انسان کو ان کے اختیار یا ترک کی ہدایت دے اور نتیجہ وہ برآمد ہو جو انسان کے حق میں مفید ہو۔
(۵) اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے کہ جو کچھ بے خبری میں ہو گیا یا سُننِ الٰہی کے خلاف عملاً یا عمداً سے واقع ہوا اس پر جب بندہ تائب ہو تو اللہ تعالیٰ اس کو معاف فرما دیتا ہے، گناہوں کو دور کرتا ہے، ان کے نتائج سے محفوظ رکھتا ہے، بشرطیکہ بندے کی توبہ صحیح ہو اور امرِ الٰہی کے مطابق ہو۔

اسلامی عقیدے کا خلاصہ

یہی اسلامی عقیدۂ توحید کا خلاصہ ہے، یہی عقیدہ اس سورت کا موضوع ہے۔ سورت کے اواخر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کا مکلف بنایا گیا ہے کہ آپ برسرِ عام اس عقیدے کا ایک بھرا اعلان کریں، گویا کہ سب انسان سامنے موجود ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی موجودگی میں ان کے سامنے براہِ راست خطاب کے ذریعے سے یہ بات فرما رہے ہیں۔ اس اعلانِ عام سے اور اس کے انداز سے اس بنیادی عقیدے کی اہمیت ثابت ہو رہی ہے۔

Marfat.com

اے لوگو! تمہارے پاس حق آچکا ہے

آیت: ۱۰۸ میں فرمایا ہے کہ اے انسانو! (اس سورت میں میرا آخری اعلان سُن لو!) یہ میری فیصلہ کُن بات ہے کہ تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس حق آگیا ہے۔ اسے مانو تو فائدہ تمہارا ہے، نہ مانو تو نقصان خود تمہارا ہی ہے۔ میں نے ضلالت و ہدایت کے اندر فاصلہ اور فرق بتا دیا ہے، میں تو صرف مبلغ ہوں تمہارا وکیل (کارساز) نہیں ہوں۔ ارادہ اور عمل خود تمہارا ہے، آیت: ۱۰۹ میں فرمایا ہے کہ اے پیغمبر! آپ وحیٔ الٰہی کے تابع رہیں اور فیصلہ اللہ پر چھوڑ دیں، وہی بہتر فیصلہ کرنے والا ہے، اور اس کا فیصلہ بہرصورت حق ہو گا۔

الحمد للہ کہ آج بروز شنبہ بتاریخ ۲۰ رجب ۱۴۰۸ھ سورۂ یونس اختتام پذیر ہوئی

سید قطب مرحوم نے پارہ ۱۱ کو سورۂ یونس پر ختم کر کے سورۂ ہود سے پارہ ۱۲ شروع کیا ہے ہمارے ہاں کے مصاحف میں سورہ ہود کی پہلی پانچ آیات بھی گیارہویں پارے میں شامل ہیں اور بارہواں پارہ چھٹی آیت: وَمَا مِن دَابَّةٍ سے شروع ہوتا ہے۔ چنانچہ ہم نے عوام کو تشویش اور شکوک وشبہات کی اُلجھن سے بچانے کی خاطر پاکستانی مصاحف کی پابندی کی ہے۔ یہ بات ہر شخص کو معلوم رہنی ضروری ہے کہ قرآن میں صرف سُورتوں اور آیات کی تقسیم ہے، اجزاء کی تقسیم صرف تسہیلِ تلاوت وحفظ کے لئے کی جاتی ہے۔ اور یہ تقسیم خدا و رسولؐ کی طرف سے نہیں ہے، لہٰذا لازم نہیں ہے۔

Marfat.com

سورۃ ھود مکی ہے اور اس کی آیات : ۱۲۳ ہیں -

یہ ساری سورت مکی ہے

یہ سورت پوری کی پوری مکی ہے۔ اس کے برخلاف مصحف امیری میں آیات ۱۲، ۱۷ اور ۱۱۴ کا مدنی ہونا بتایا گیا ہے، لیکن جس سیاق میں یہ آیات وارد ہیں خود اس کا تقاضا یہی ہے کہ یہ مکی آیات ہیں، اگر ان کو اس سیاق سے الگ کر دیں تو مضمون اور عبارت کی بات نہیں بنتی۔ علاوہ ازیں ان آیات کا تعلق اسلام کے جن بنیادی عقائد کے ساتھ ہے، وہ بھی ان کو مکی ٹھہراتے ہیں -

ان تینوں آیات کے مکی ہونے کے دلائل

اس سورت کی آیت : ۱۲ یہ ہے :

"فلعلك تارك بعض مایوحی الیك وضائق به صدرك ان یقولوا لولا انزل علیه کنز اوجاء معه ملك ، انما انت نذیر واللہ علی کل شیئ وکیل ٥"

اس آیت کی تحدی، اس میں بیان شدہ قریش کا عناد، اور اس کی یہ آخری حد کہ اس کے باعث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دلی تنگی محسوس ہوئی اور اللہ تعالیٰ کا آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا اور وحی پر ثابت قدم رہنے کا حکم دینا، ظاہر ہے کہ یہ چیزیں مکہ ہی میں تھیں۔ بالخصوص ان احوال میں جب کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور ابو طالب کی وفات ہو چکی تھی، واقعۂ اسراء پیش آچکا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا رسانی پر مشرکین جری ہو گئے تھے، اسلامی دعوت کی رفتار تقریباً رک گئی تھی، اور مکہ میں دعوتِ اسلامی پر گزرنے والا یہ شدید ترین حادثہ تھا۔

آیت : ۱۷ کی عبارت یہ ہے :

"افمن کان علی بینة من ربه ویتلوه شاهد منه ومن قبله کتاب موسی اماما ورحمة اولئك یؤمنون به ومن یکفر به من الاحزاب فالنار موعده فلا تك فی مریة منه انه الحق من ربك ولکن اکثر الناس لا یؤمنون ٥"

یہ آیت بھی واضح طور پر قرآن کے مکی حصے میں سے ہے، اس میں مشرکین قریش کے مقابلے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے قرآن کی شہادت پیش کی گئی ہے کہ یہ اللہ کی طرف سے بذریعہ وحی بھیجا گیا ہے، گزشتہ کتابوں کی شہادت، بالخصوص موسیٰؑ کی کتاب کی شہادت پیش کی گئی ہے، اور یہ کہ بعض اہل کتاب نے اس امر کی تصدیق کی ہے، اور یہ گواہی ان بعض اہل کتاب کی ہے جو مکہ میں تھے اور اس بات کو مشرکین کے رد کی دلیل بنایا گیا ہے اور ان کے کئی گروہوں کو جہنم کی دھمکی دی گئی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حق پر

Marfat.com

ثابت قدم رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔ جس پر کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ اور اہلِ مکّہ اور ارد گرد کے قبائل کی اکثریت کی عداوت و عناد بیان ہوا ہے، جو مکّہ میں دعوت کے مقابلے میں کھڑے تھے، اور اس میں موسیٰؑ کی کتاب کا ذکر اس آیت کے مدنی ہونے کی دلیل نہیں ہے، کیونکہ یہ بنی اسرائیل کو خطاب یا تحدّی نہیں ہے جو اس کے مدنی ہونے کی علامت بن سکے، لیکن یہاں ان میں سے بعض کے مؤقف تصدیق کی شہادت منور ہے اور موسیٰؑ کی کتاب کی شہادت بھی کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ پیش کرتے ہیں یہ برحق ہے، اور یہ مکّی آیت ہونے کی دلیل ہے، کیونکہ اس کا مضمون مکّی مواقف کے مشابہ ہے، جو اس شدید عرصے میں دی گئی تھی

اب رہی آیت: ۱۱۴، اس کا موضوع، ماحول اور عبارت قطعاً بتاتی ہے کہ یہ مکّی ہے، کیونکہ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو موسیٰؑ کے ساتھ لوگوں کے اختلاف کی کیفیت بتا کر تسلّی دی گئی ہے، چنانچہ آیات: ۱۱۰ سے لے کر ۱۱۵ تک سب اس امر کی تائید کرتی ہیں کہ یہ آیت بھی مکّی ہے۔

زمانۂ نزول اور سببِ نزول

یہ سورت ساری کی ساری سورۂ یونس کے بعد اور یونس اسراء کے بعد نازل ہوئی تھی۔ اور اس سے پتہ چل جاتا ہے کہ سورتوں کا درمیانی فاصلہ اور اس کے مفارق و معالم کیا تھے، اور یہ مدت جس کا اُوپر ذکر ہوا، مکّہ میں دعوتِ اسلامی کے لیے نہایت دشوار اور سخت مدت تھی، اس سے پہلے حضرت خدیجہؓ اور ابوطالب کی وفات ہو چکی تھی، مشرک ان اذیتوں پر دلیر ہو چکے تھے، جن کی ان میں اس سے پہلے جرأت نہ ہوتی تھی۔ خاص کر واقعۂ اسراء کے بعد اور مشرکوں کے اس سے استہزاء کے بعد، اور بعض نومسلموں کے ارتداد کے بعد، اور اس وقت جب کہ قریش آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کی دعوت کے خلاف علانیہ ایذا رسانی کی جرأت کر رہے تھے اور آپؐ کی زندگی کی ساتھی خدیجہؓ موجود نہ تھیں جو ہر ایسے موقع پر دلیری اور حوصلہ دلایا کرتی تھیں۔ آپؐ کے خلاف اور اسلامی دعوت کے خلاف مکّہ میں تقریباً اعلانِ جنگ ہو چکا تھا اور ابھی انصارِ مدینہ نے آکر پہلی یا دوسری بیعتِ عقبہ نہ کی تھی، جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قلیل التعداد ایمانداروں پر ایک نیا پرسکون راستہ کھولا تھا۔ ابنِ اسحاق نے کہا ہے کہ خدیجہ بنتِ خویلد اور ابوطالب کی وفات ایک ہی سال میں واقع ہو گئی۔ خدیجہؓ جو جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی غمخوار اور وزیر تھیں، ان کی وفات سے حضورؐ پر پے در پے مصائب کے پہاڑ ٹوٹ پڑے، ابوطالب کے دست و بازو اور باعثِ حفاظت تھے۔ اور اپنی قوم سے آپؐ کو محفوظ رکھتے تھے۔ اور یہ واقعہ ہجرت سے تین سال پہلے پیش آیا، ابوطالب کی وفات کے بعد آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ تکلیفیں پہنچائی گئیں جو اس سے پہلے نہ پہنچی تھیں، حتیٰ کہ قریش کے ایک آوارہ مزاج شخص نے آپؐ کے سرِ مبارک پر مٹی ڈال دی، جب آپؐ کے سرِ مبارک پر مٹی ڈالی گئی تو آپؐ اسی حالت میں گھر میں داخل ہوئے، آپؐ کی ایک بیٹی آپؐ کے سر پر سے مٹی دھوتی تھی اور رو رہی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے، اے پیاری بیٹی مت رو اللہ تعالیٰ تیرے باپ کو بچائے گا اور اس دوران میں یہ بھی فرماتے تھے قریش نے مجھے .....

ابوطالب کی وفات سے پہلے اتنی تکلیف کبھی نہیں پہنچائی تھی۔

مقریزی نے امتاع الاسماع میں کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس سال عظیم مصیبت آئی، اور آپؐ نے اس کا نام عام الحزن (غم کا سال) رکھا۔ ابوطالب کی زندگی میں ایسا نہ ہوا کیونکہ آپؐ کے خاندان اور چچاؤں میں وہی آپؐ کا حامی تھا اور وہی آپؐ کا دفاع کرتا تھا۔

پس ان حالات میں پہلے سورۃ یونس اور پھر سورۃ ہود نازل ہوئی۔ ان دونوں سے پہلے سورۂ اسراء اور فرقان اتر چکی تھی۔ ان سب سورتوں میں اس زمانے کا ٹھپہ موجود ہے، اور ہر ایک قریش کی تحدی اور تعدی کا حال ظاہر کرتی ہے، اس وقفے کے آثار، فضا اور سائے اس سورت کے موضوع، فضا اور سائے میں واضح طور پر موجود ہیں۔ خاص کر جو مضامین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی اور حوصلہ دینے اور ہمت بندھانے سے، اور آپؐ کے ساتھیوں کو ثابت قدم رکھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔ جاہلی معاشرے میں جو گھٹن اور وحشت پائی جاتی تھی اور جس غریب الوطنی، تنہائی، تنگی کا احساس ہوتا تھا اس کے مقابلے میں آپؐ کو اور آپؐ کے ساتھیوں کو تسلی دی گئی ہے۔ اس سورت میں اس مذکورہ مدت کے نشانات اور تقاضے کی علامات میں پائے جاتے ہیں، جن کی طرف ہم اشارہ کریں گے۔

سورت کے بنیادی مضامین

(۱) اس سورت کو تمام انسانی تاریخ میں عقیدۂ اسلامیہ کی تحریک کے لیے پیش کیا گیا ہے، نوح علیہ السلام کے زمانے سے لے کر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک تک، اور یہ ثابت کیا گیا ہے کہ یہ تاریخ ایک ہی بنیادی حقیقت پر قائم ہے، جو یہ ہے: اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ کی دینونت (کسی تنازعہ کے بغیر اللہ وحدہٗ کی عبدیت، اور ساری انسانی تاریخ میں اس دین و عبودیت میں اللہ کے رسولوں سے احکام حاصل کرنا، اور یہ عقیدہ کہ یہ دنیا دار امتحان ہے نہ کہ دار الجزاء، اور جزاء صرف آخرت میں ہوگی، اس ابتلاء کی بنیاد وہ آزادئ اختیار ہے۔ جو انسان کو دی گئی ہے، اس لیے فرمایا ہے کہ:

"یہ ایک ایسی کتاب ہے جس کی آیات محکم ہیں پھر ان کی تفصیل ایک دانا و خبردار کی طرف سے کی گئی ہے۔"

اور اس بنیادی کتاب کا مضمون یہ ہے کہ:

"تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، بلاشبہ میں تمہارے لیے اس کی طرف سے بشیر و نذیر ہوں۔ اور اپنے رب سے بخشش مانگو، پھر اس کی طرف توبہ کرو جو تمہیں ایک مدت تک اچھا سامان عطا فرمائے گا اور ہر صاحب فضیلت کو اس کی فضیلت کی جزاء دے گا۔ اور اگر تم منہ پھیرو تو میں تم پر ایک بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں، تمہاری واپسی اللہ ہی کی طرف ہوگی اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔"

مگر یہ کوئی انوکھی دعوت اور بالکل نئی بات نہ تھی، اس سے پہلے نوحؑ، ہودؑ، صالحؑ، شعیبؑ اور موسیٰؑ وغیرہم نے یہی بات کہی تھی، فرمایا ہے کہ:

Marfat.com

"اور بلاشبہ ہم نے نوحؑ کو اس کی قوم کی طرف بھیجا، اس نے کہا کہ میں تمہارے لئے کھلا خبردار کرنے والا ہوں۔ کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت مت کرو، میں تم پر ایک دردناک دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔"

اور عادؔ کی طرف ان کا بھائی، ہودؑ آیا، اس نے کہا:

"اے میری قوم! اللہ کی ہی عبادت کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں، تم تو صرف افترا کرنے والے ہو، اے میری قوم میں اس پر تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا، میرا اجر اسی پر ہے جس نے مجھے پیدا کیا، اور کیا تم سمجھتے نہیں ہو؟ اور اے میری قوم! اپنے رب سے استغفار کرو، پھر اُسی کی طرف توبہ کرو، وہ تم پر موسلا دھار بارش برسائے گا۔ اور تمہاری قوت پر اور قوت کا اضافہ کرے گا اور مجرم ہو کر مت پھر جاؤ۔"

اور ثمودؔ کی طرف ان کا بھائی صالحؑ بھیجا، اس نے کہا:

"اے میری قوم! اللہ کی ہی عبادت کرو، تمہارا اُس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، اس نے تم کو زمین سے پیدا کیا اور اس میں آباد کیا، پھر تم اُسی سے استغفار کرو، پھر اسی کی طرف توبہ کرو، بلاشبہ میرا رب قریب ہے جواب دینے والا ہے۔"

اور مدین کی طرف ان کا بھائی شعیبؑ بھیجا اس نے کہا:

"اے میری قوم! تمہارے لئے اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور تم ناپ تول میں کمی مت کرو، میں تمہاری خیرخواہی چاہتا ہوں اور میں تم پر ایک گھیرنے والے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔ اے میری قوم! ناپ تول کو انصاف کے ساتھ پورا کرو، اور لوگوں کو ان کی چیزوں میں کمی کر کے نہ دو اور زمین میں فساد مت پھیلاتے پھرو۔ اللہ کا بقیہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم مومن ہو اور میں تم پر کوئی نگران نہیں ہوں۔"

اس کا مطلب یہ ہے کہ سب کا کلمہ اور سب کی دعوت ایک تھی۔

قوموں کے مقابلے میں رسولوں کا موقف

(۲) دوسری بنیادی چیز یہ ہے کہ پیغمبروں کو قوموں کی طرف سے اعراض، تکذیب، ٹھٹھا، استہزاء، دھمکیاں اور اذیت ملی، مگر انہوں نے صبر، وثوق، حق پر یقین، نصرتِ الٰہی پر بھروسہ، دنیا و آخرت کے انجام کی تصدیق کا اظہار کیا، کیونکہ وہ جانتے تھے کہ ان کا قادر و عظیم دوست (اللہ تعالیٰ) مومنوں کو نجات دے گا اور مکذبین کو برباد کرے گا۔ مثلاً ہم نوحؑ کے قصے میں یہ نظارہ پاتے ہیں کہ:

"پس اس کی قوم کے کافر سردار بولے: ہم تجھے اپنے ہی جیسا انسان پاتے ہیں اور تیرا اتباع کرنے والوں کو بالکل پہلی نظر میں اپنے رذیل لوگ دیکھتے ہیں، اور اپنے آپ پر تمہاری کوئی فضیلت نہیں پاتے، بلکہ ہم تمہیں کاذب یقین کرتے ہیں۔ اُس نے کہا: اے میری قوم! دیکھو تو سہی! اگر میں اپنے رب کی کھلی دلیل پر ہوں اور اس نے مجھے اپنی طرف

Marfat.com

سے رحمت دی ہے اور یہ بات تم کو نظر نہیں آتی۔ کیا ہم یہ بات تم پر لازم کر دیں جب کہ تم اسے ناپسند کرنے والے ہو؟ اور اے میری قوم! میں اس پر تم سے کوئی مال نہیں مانگتا، میرا اجر تو صرف اللہ پر ہے۔ اور میں ایمانداروں کو دھتکارنے والا نہیں ہوں وہ تو اپنے رب سے ملنے والے ہیں، مگر میں تم کو ایک جاہل قوم پاتا ہوں۔ اور اے میری قوم! اگر میں ان کو دھتکار دوں تو کون ہے جو اللہ کے سامنے میری مدد کرے گا؟ کیا تم سوچتے نہیں ہو؟ اور میں تم کو یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ میں غیب جانتا ہوں اور نہ یہ کہتا ہوں کہ میں کوئی فرشتہ ہوں۔ اور جو تمہاری نظروں میں حقیر ہیں، ان کے متعلق میں یہ نہیں کہتا کہ اللہ ان کو ہرگز بھلائی نہ دے گا، اللہ ہی خوب جانتا ہے جو کچھ ان کے دلوں میں ہے۔ تب تو میں ظالموں میں سے ہوں گا، انہوں نے کہا: اے نوحؑ! تو نے ہم سے جھگڑا کیا، اور بہت جھگڑا کیا، سو لے آ تو جو ہم سے وعدہ کرتا ہے، اگر تو سچا ہے اس نے کہا کہ اس کو تو تمہارے پاس اللہ ہی لائے گا، اگر وہ چاہے گا تو اور تم عاجز کرنے والے نہیں ہو۔"

پھر اس کے بعد طوفان، مومنوں کی نجات اور مکذبین کی ہلاکت کا نظارہ آتا ہے، اور ہودؑ کے قصے میں ہم یہ نظارہ پاتے ہیں۔ انہوں نے کہا:

"اے ہودؑ! تو ہمارے پاس کوئی کھلی دلیل لے کر نہیں آیا اور تیرے کہنے سے ہم اپنے معبودوں کو چھوڑنے والے نہیں ہیں اور ہم تجھ پر ایمان لانے والے بھی نہیں ہیں۔ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ ہمارے بعض معبودوں نے تجھ کو بری طرح سے چھوا ہے۔ اس نے کہا کہ میں اللہ کو گواہ ٹھہراتا ہوں اور تم بھی گواہ رہو کہ میں ان شریکوں سے بیزار ہوں، جن کو تم اس کے سوا شریک بناتے ہو، پس تم سب مل کر میرے خلاف تدبیر کرو، پھر مجھے مہلت مت دو، میں نے اللہ اپنے رب اور تمہارے رب پر توکل کیا ہے۔ کوئی جانور نہیں جس کی پیشانی کے بالوں کو وہ پکڑنے والا نہیں، میرا رب بیشک سیدھی راہ پر ہے۔ پھر اگر تم منہ پھیر لو تو میں نے تم کو وہ پیغام پہنچا دیا ہے، جو دے کر مجھے تمہاری طرف بھیجا گیا۔ اور میرا رب تمہارے علاوہ کسی اور قوم کو حاکم بنا دے گا اور تم اس کا کچھ بگاڑ نہ سکو گے۔ یقیناً میرا رب ہر چیز پر نگران ہے۔"

پھر انجام یوں آتا ہے کہ:

"اور جب ہمارا حکم آ گیا تو ہم نے ہودؑ کو اور اس کے ایماندار ساتھیوں کو اپنی رحمت کے ساتھ نجات دے دی اور ہم نے انہیں ایک بھاری عذاب سے بچا لیا۔ اور وہ تھے عاد جنہوں نے اپنے رب کی آیات کا انکار کیا اور اس کے رسولوں کی نافرمانی کی اور ہر ہٹ دھرم جبار کے کے پیچھے چلے، اور ان کے پیچھے اس دنیا میں بھی لعنت کی گئی اور قیامت کے دن بھی، سن لو کہ عاد نے اپنے رب کا انکار کیا، سن لو کہ لعنت تھی عاد کے لیے جو ہودؑ کی قوم تھی۔"

اور صالحؑ کے واقعہ میں ہم یہ نظارہ پاتے ہیں:

"انہوں نے کہا: اے صالح! اس سے پہلے تو ہم میں ایسے ہوں کا مرکز تھا۔ کیا تو ہمیں روکتا ہے کہ ہم ان چیزوں کی عبادت کریں جن کی عبادت ہمارے آباؤ اجداد کرتے تھے، اور بلاشبہ ہم اس چیز کے متعلق بہت بڑے شک میں ہیں جس کی طرف تو ہمیں دعوت دیتا ہے۔ اس نے کہا: اے میری قوم! دیکھو تو سہی کہ اگر میں اپنے رب کی طرف سے دلیل پر ہوں اور اس کی طرف سے مجھ پر رحمت آئی ہے پس کون میری مدد کرے گا اللہ کی طرف سے اگر میں اس کی نافرمانی کروں؟ سو تم میرے نقصان کے سوا اور کسی چیز میں اضافہ نہ کرو گے"

پھر انجام آتا ہے جو اونٹنی کے پاؤں کاٹنے اور تکذیب کا نتیجہ تھا:

"پھر جب ہمارا حکم آگیا، ہم نے صالحؑ کو اور اس کے ایماندار ساتھیوں کو نجات دی، اپنی رحمت کے ساتھ اور اس دن کی ذلت سے۔ بلاشبہ تیرا رب ہی بہت قوت والا اور بہت غالب ہے اور ظالموں کو چیخ نے پکڑ لیا تو وہ اپنے گھروں میں گھٹنوں کے بل پڑے رہ گئے گویا کہ وہ وہاں کبھی تھے ہی نہیں۔ سن لو کہ ثمود نے اپنے رب سے کفر کیا، سن لو کہ لعنت ہے ثمود کے لیے"

اور شعیبؑ کے قصے میں ہم یہ نظارہ پاتے ہیں کہ:

"انہوں نے کہا: اے شعیبؑ! کیا تیری نماز تجھے یہ حکم دیتی ہے کہ ہم ان کو چھوڑ دیں جن کی عبادت ہمارے باپ دادا کرتے تھے؟ یا ہم اپنے اموال میں اپنی مرضی سے جو چاہیں کریں بے شک تو ہی تو بردبار نیک بخت ہے! (طنزیہ لہجہ ہے) اس نے کہا: اے میری قوم! کیا تم نے دیکھا ہے کہ اگر میں اپنے رب کی طرف سے کھلی دلیل پر ہوں، اور اس نے مجھے اپنی طرف سے اچھا رزق دیا ہے! اور میں نہیں چاہتا کہ تمہاری اس بات میں مخالفت کروں، جن سے میں تم کو روکتا ہوں، میں تو امکان بھر اصلاح چاہتا ہوں اور میری توفیق اللہ ہی کے ساتھ ہے، اسی پر میں نے بھروسہ کیا اور اسی کے آگے میں جھکتا ہوں، اور اے میری قوم! تمہیں میری عداوت اس پر آمادہ نہ کرے کہ تمہیں وہ عذاب پہنچے جو قوم نوحؑ یا قوم ہودؑ یا قوم صالحؑ کو پہنچا، اور لوطؑ کی قوم تم سے دور نہیں ہے، اور تم بخشش مانگو، اپنے رب سے، پھر اس سے توبہ کرو، بلاشبہ میرا رب رحیم ہے بہت محبت والا ہے۔ انہوں نے کہا کہ: اے شعیبؑ! ہم تیری زیادہ باتیں نہیں سمجھتے، اور ہم تجھ کو اپنے اندر ضعیف دیکھتے ہیں، اور اگر تیری برادری نہ ہوتی تو ہم تجھ کو پتھروں سے مار دیتے اور تو ہم پر غالب نہیں ہے۔ اس نے کہا: اے میری قوم! کیا میری برادری تمہارے نزدیک اللہ سے عزیز تر ہے۔ اور تم نے اس کو اپنے پس پشت ڈال رکھا ہے، بے شک میرا رب تمہارے اعمال کو گھیرنے والا ہے۔ اور اے میری قوم! تم اپنی طاقت بھر کام کرلو، میں بھی عمل کرتا ہوں، کچھ دیر کے بعد تم دیکھو گے کہ کس پر عذاب آئے گا، جو اسے ذلیل کردے گا اور وہ جو جھوٹا ہوگا، اور تم

Marfat.com

انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ منتظر ہوں"
پھر خاتمہ آتا ہے:
"اور جب ہمارا امر آگیا تو ہم نے شعیبؑ کو اور اس کے ایماندار ساتھیوں کو اپنی رحمت کے ساتھ بچایا، اور پکڑ لیا ظالموں کو چیخ نے، پھر ہو گئے وہ اپنے گھروں میں گھٹنوں کے بل گویا وہ ان میں تھے ہی نہیں، سن لو کہ لعنت ہے مدین کے لیے، جس طرح لعنت ہوئی ثمود پر"

دلالت قصص انبیاءؑ

تیسری بنیادی چیز یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان واقعات کے بیان کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی دلالت کی طرف متوجہ فرمایا ہے۔ اور پچھلے انبیاءؑ کے واقعات پیش کر کے آپؐ کو تسلی دی ہے۔ اور حوصلہ دلایا ہے اور ظاہر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کس وقت پر کس طرح ان کی مدد فرمائی۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرف متوجہ کیا ہے کہ اپنی قوم کے مکذبین سے کامل جدائی اختیار کریں جس طرح کہ پچھلے رسولوں نے اپنی اقوام سے اس حق پر مفاصلہ کیا تھا جس کے ساتھ انہیں بھیجا گیا تھا اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ یہ قصے آپؐ کے دعوائے نبوت کے صدق پر دلالت کرتے ہیں۔

انبیاءؑ کے واقعات سے آنحضورؐ کی صداقت پر استدلال

نوح علیہ السلام کے قصے کے بعد یہ فرمایا گیا ہے کہ:
"یہ غیب کی خبروں میں سے ہے جن کو ہم آپؐ پر وحی کرتے ہیں، اس سے پہلے نہ تو آپؐ اور نہ آپؐ کی قوم ان کو جانتی تھی، پس تو صبر کر، بیشک انجام کار متقین کے لیے ہے"
اور ان واقعات کے بیان کے بعد سورت کے خاتمے تک اللہ تعالیٰ نے ایک طویل نتیجہ بیان فرمایا ہے جس میں یہ بھی ہے کہ:
"یہ آبادیوں کی خبروں میں سے ہیں، جن کو ہم آپؐ پر پڑھتے ہیں، ان میں سے بعض کھڑی ہیں اور بعض برباد شدہ ہیں، اور ہم نے ان پر ظلم نہ کیا تھا، بلکہ انہوں نے خود اپنے اوپر ظلم کیا، پس وہ جھوٹے خدا جن کو وہ اللہ کے سوا پکارتے تھے ان کے کسی کام نہ آئے، جب کہ تیرے رب کا حکم آگیا، اور ان خداؤں نے انہیں تباہی کے سوا کچھ نہ دیا۔ اور یوں ہوتی ہے گرفت تیرے رب کی، جب وہ آبادیوں کو بحالت ظلم پکڑے۔ بے شک اس کی گرفت دردناک ہے سخت ہے"
"اور بے شک ہم نے موسیٰؑ کو کتاب دی تو اس میں اختلاف کیا گیا، اور اگر تیرے رب کا ایک کلمہ نہ گزرا ہوتا تو ان کے درمیان فیصلہ ہو جاتا، اور بلاشبہ وہ اس کے بارے میں بہت ہی بڑے شک میں گرفتار ہیں، اور تیرا رب ہر ایک کو ان کے اعمال بالضرور پورے

Marfat.com

پورے دے گا۔ بلاشبہ وہ ان کے اعمال سے خوب باخبر ہے، پس تو قائم رہ جیسا کہ تجھ کو حکم دیا گیا اور وہ بھی ڈٹے رہیں جو تیرے ساتھ تائب ہوئے (یعنی اسلام لانے والے لوگ) اور حد سے مت گزرو، بلاشبہ وہ تمہارے اعمال کو خوب دیکھ رہا ہے۔ اور مت جھکو ان کی طرف جو مشرک ہوئے، ورنہ تمہیں آگ چھوئے گی، اور نہ ہوں گے تمہارے اللہ کے سوا کوئی دوست، پھر تمہاری مدد نہ کی جائے گی اور نماز کو قائم رکھ دن کے دونوں اطراف میں اور رات کی گھڑیوں میں، بلاشبہ نیکیاں برائیوں کو کھا جاتی ہیں۔ یہ یادداشت ہے ذکر کرنے والوں کے لیے۔ اور تو صبر کر، بلاشبہ اللہ نیکوں کا اجر ضائع نہ کرے گا۔"
اور رسولوں کی سب خبریں جو ہم تمہیں سناتے ہیں، وہ تیرے دل کو مضبوط رکھنے کے لیے ہیں، اور تیرے پاس اس امت میں حق آیا ہے اور نصیحت ایمانداروں کے لیے ہے، اور ایمان نہ لانے والوں سے کہو کہ تم بھی امکان پر عمل کرو ہم بھی عمل کر رہے ہیں، اور انتظار کرو ہم بھی انتظار کرنے والے ہیں، اور اللہ ہی کے لیے ہے غیب آسمانوں کا اور زمین کا، اور اسی کی طرف لوٹایا جاتا ہے ہر کام، سو تو اسی کی عبادت کر اور اسی پر بھروسہ کر، اور تیرا رب تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں ہے۔"

قرآنی توجیہ میں تحریکی جانب کی وضاحت و صراحت

قرآنی توجیہ و تبلیغ میں اس طرح ہمارے سامنے تحریکی جانب واضح ہوتی ہے اور اس طرح ہم قرآن کو ہر مرحلے میں ضروری ساز و سامان کے ساتھ دعوت و تحریک کے معاملات کی نگرانی کرتا دیکھتے ہیں، ہر مرحلہ میں اس کے حسب حال ضروری انتظامات ہوتے ہیں قصے تحریک اور معرکے کے تقاضوں کے مطابق جاہلیت کے ساتھ مقابلہ کرتے، قصہ بھی وہی کام کرتا ہے جو سورت کے باقی حصوں کا ہوتا ہے، اور وہ قصہ اسی سورت کے سیاق، اس کی فضاء اور موضوع کے ساتھ تناسب و تناسق رکھتا ہے، قصے کے مقاصد و اہداف بھی وہی ہوتے ہیں جو باقی سورت کے ہوتے ہیں۔

سورۂ یونس اور سورۂ ہود کی باہمی مشابہت کی صورتیں

سورۂ یونس کے مقدمے میں ہم نے بتایا تھا کہ سورۂ انعام اور اعراف ترتیب نزول میں تو پے در پے نہیں مگر ترتیب جمع میں پے در پے اور ساتھ ساتھ ہیں، اور سورۂ یونس اور سورۂ ہود ترتیب مصحف میں بھی یکے بعد دیگرے ہیں اور ترتیب نزول میں بھی، اور یہ بات بہت عجیب ہے کہ ان دو سورتوں میں . . .
. . . . . بہت مشابہت پائی جاتی ہے، موضوع میں بھی اور اس کو پیش کرنے کے طریقے میں بھی۔
اب ہم اس مجمل اشارے کی تفصیل بیان کریں گے: سورۂ یونس میں واقعات مجملاً بیان ہوئے ہیں ایک اشارہ قصہ نوحؑ کی طرف، ایک اشارہ ان کے بعد کے رسولوں کی طرف، قصہ موسیٰؑ کی معمولی سی تفصیل یونس کے قصہ کی طرف ایک مجمل اشارہ، لیکن اس سورت میں یہ واقعات ان اعتقادی حقائق کی تصدیق کے

Marfat.com

کے لیے آتے ہیں جن کا بیان اس میں پیش نظر ہے، مگر سورۃ ھود کا جہاں تک تعلق ہے، قصے اور واقعات پر سورت کا مم ہیں، اگرچہ واقعات کا بیان اس میں بھی حقائق اعتقاد کی تصدیق کے لیے بطور مثال و شاہد ہے مگر اس میں یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ربانی عقیدے کی تحریک کا پیش کرنا، انسانی تاریخ میں، یہ اس سورت اصل مقصد و مقتضیٰ ہے۔

سورۃ ھود کے تین الگ قطعات

اس سورت میں تین قطعات آتے ہیں؛

(۱) پہلا قطعہ سورت کی ابتدا میں حقائق عقیدہ پر مشتمل ہے۔

(۲) دوسرا قطعہ تاریخ میں اس حقیقت کی تحریک پر مشتمل ہے۔ اور سورت کا بڑا حصہ یہی ہے۔

(۳) ایک محدود سورت میں اس تحریک کے نتائج پر گفتگو کی گئی ہے۔

اور یہ بات تو واضح ہے کہ سورت کے تمام قطعات حقائق اعتقاد کی تقریر میں متفق اور متعاون ہیں کیونکہ سورت کا اصل مقصد یہی مضمون ہے، اور ہر قطعہ اپنے اپنے انداز میں اسی حقیقت کا بیان کرتا ہے، صرف تقریر اور واقعات اور توجیہ میں اختلاف ہوتا ہے۔

سورت کے بنیادی حقائق

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور پہلے انبیاء و رسل ایک ہی حقیقت لائے تھے جو اللہ تعالیٰ کی طرف بذریعہ وحی نازل ہوئی تھی اور اس حقیقت کے اجزا تین ہیں: پہلا جزء اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک لہٗ کی عبادت و دینونت۔ دوسرا جزء اس دینونت کے حقائق کو اللہ تعالیٰ کے رسولوں سے حاصل کرنا تیسرا جزء اس حقیقت کی بنا پر لوگوں کے درمیان مفاصلہ۔

چنانچہ سورت کی ابتدا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی حقیقت یوں آئی ہے؛

"الف لام را۔ یہ ایک کتاب ہے جس کی آیات محکم کی گئیں، پھر مفصل کی گئیں ایک حکیم و خبیر کی طرف سے کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت مت کرو۔ بلاشبہ میں تمہارے لیے اس کی طرف سے نذیر اور بشیر ہوں۔ کیا یہ کہتے ہیں کہ اس نے یہ قرآن از خود بنا لیا ہے؟ کہو کہ پھر تم لے آؤ دس سورتیں اس طرح کی گھڑی ہوئی اور بلا لو جس کو بلا سکو اللہ کے سوا اگر تم سچے ہو، پھر اگر یہ تمہاری بات نہ مانیں تو تم جان لو کہ یہ اللہ کے علم کے مطابق اتاری گئی ہے، اور یہ کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، سو کیا تم اسلام لانے والے ہو؟"

رسولوں کی دعوت کی حقیقت اور اس کی بنیاد پر امتیاز

رسولوں کے واقعات میں ان کی دعوت کی حقیقت وارد ہوتی ہے، ان میں اور ان کی قوم میں امتیاز

Marfat.com

نا ہے جو عقیدے کی بنیاد پر ہے:

"اور بے شک ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا (اس نے کہا کہ) بلاشبہ میں اس کی طرف سے تمہارے لیے واضح طور پر خبردار کرنے والا ہوں، یہ کہ تم اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت مت کرو، بلاشبہ مجھے تم پر ایک دردناک دن کے عذاب کا خوف ہے۔"

"اس نے کہا: اے میری قوم! دیکھو اگر میں اپنے رب کی طرف سے کھلی دلیل پر ہوں، اور اس نے مجھے اپنی طرف سے رحمت دی ہے اور وہ تم سے اوجھل ہوگئی ہے، کیا ہم تم پر اس کو لازم کر سکتے ہیں، جب کہ تم اس کو ناپسند کرتے ہو؟"

"اور نوح نے اپنے رب کو پکارا اور کہا: اے میرے رب بلاشبہ میرا بیٹا میرے اہل سے ہے اور بلاشبہ تیرا وعدہ برحق ہے اور تو سب حاکموں سے بڑھ کر فیصلہ کرنے والا ہے۔ اس نے کہا: اے نوح! وہ تیرے اہل میں سے نہیں، وہ ایک غیر صالح عمل ہے، پس تو مجھ سے اس بات کا سوال نہ کر جس کا تجھ کو علم نہیں، میں تجھے نصیحت کرتا ہوں، مبادا تو نادانوں میں سے ہو جائے۔"

اور عاد کی طرف ان کا بھائی ہود بھیجا:

"اس نے کہا: اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو، تمہارے لیے اس کے سوا کوئی معبود نہیں تم تو صرف افترا کرنے والے ہو۔"

اور ثمود کی طرف ان کا بھائی صالح بھیجا اس نے کہا:

"اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں، اسی نے تم کو زمین سے پیدا کیا اور اس میں آباد کیا، سو تم اس سے استغفار کرو پھر اسی کی طرف توبہ کرو، بلاشبہ میرا رب قریب ہے جواب دینے والا ہے۔"

"اس نے کہا: اے میری قوم! دیکھو اگر میں اپنے رب کی طرف سے کھلی دلیل پر ہوں اور اس نے مجھے اپنی طرف سے رحمت دی ہے تو کون ہے جو اللہ کے مقابلے میں میری مدد کرے گا، اگر میں اس کی نافرمانی کروں! پس تم نے مجھے نقصان پہنچانے کے سوا کچھ اور نہیں دے سکو گے۔"

اور مدین کی طرف اس کا بھائی شعیب بھیجا اس نے کہا کہ:

"اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے۔"

"اس نے کہا: اے میری قوم! دیکھو اگر میں اپنے رب کی طرف سے کھلی دلیل پر ہوں اور اس نے مجھ کو اپنی طرف سے بہتر رزق دیا ہے!"

اور آخر میں یہ آیات حقیقتِ دعوت کے بارے میں اور اسی کی بنیاد پر لوگوں کے درمیان فرق و امتیاز کے بارے میں یہ آیات وارد ہوئی ہیں:

"اور مت جھکو ظالموں کی طرف مبادا تمہیں آگ چھوئے اور اللہ کے سوا تمہارا کوئی دوست نہ

Marfat.com

ہو، پھر تمہاری مدد نہ کی جائے۔"

"اور اللہ ہی کے لیے ہے غیب آسمانوں اور زمین کا اور اسی کی طرف سب معاملات لوٹائے جائیں گے، پس تو اسی کی عبادت کر اور اس پر بھروسہ کر، اور تیرا رب تمہارے اعمال سے غافل نہیں ہے۔"

اور اس طرح تینوں قطعات (اس سورت کے قطعات) اس حقیقت کی توثیق پر باہم مل جاتے ہیں۔

ربوبیت الٰہی کا مضمون

یہ سورت اللہ سبحانہ کی تعریف لوگوں کو بتاتی ہے تاکہ وہ لوگ صرف اس کی ربوبیت کے ساتھ اس کی (عبودیت) اختیار کریں، اور وہ بتاتی ہے کہ لوگ اس دنیا میں اسی کے قبضے میں ہیں۔ اور آخری جزا کے لیے اسی کی طرف واپس لوٹنے والے ہیں، چنانچہ اس سورت کے تینوں قطعات اس مضمون پر متفق ہیں۔ پہلے مقطع (یعنی سورت کے مقدمہ) میں وارد ہے کہ:

"سن لو کہ وہ اپنے سینے موڑتے ہیں تاکہ اس سے مخفی ہو جائیں، سن لو کہ جب وہ اپنے کپڑے اوپر لیتے ہیں تو وہ ان کے بھیدوں کو اور ان کے علانیہ کو جانتا ہے۔ بلاشبہ وہ دلوں کی بات جانتا ہے۔ اور زمین میں کوئی بھی جاندار ایسا نہیں جس کا رزق اللہ پر نہ ہو۔ اور وہ اس کا ٹھکانہ بھی جانتا ہے۔ اور اس کے سونپے جانے کی جگہ (قبر) کو بھی (قبل از وقت) جانتا ہے۔ سب چیزیں ایک کھلی کتاب میں ہیں، اور وہ وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا چھ دن میں، اور اس کا عرش پانی پر تھا، تاکہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے بہتر عمل والا کون ہے؟ اور اگر تو کہے کہ تم کو موت کے بعد اٹھایا جانے والا ہے تو کافر کہیں گے کہ یہ تو کھلا جادو ہے! اور اگر ہم ان کے عذاب کو مؤخر کریں ایک خاص مدت تک تو وہ کہیں گے کہ کیا چیز اس کو روک رہی ہے؟ خبردار! جس دن وہ ان پر آجائے گا تو وہ ان سے ہٹایا جانے والا نہ ہوگا، اور لے ڈوبے گا ان کو جو کچھ وہ استہزا کرتے تھے۔"

"جو شخص دنیا کی زندگی اور اس کی زینت چاہتا ہے۔ ہم اسی میں ان کے اعمال ان کو پورے پورے دیں گے اور ان کو دنیا میں گھاٹا نہ دیا جائے گا۔ (یعنی جزائے اعمال میں) یہ وہی لوگ ہیں کہ ان کے لیے آخرت میں آگ کے سوا کچھ نہیں ہے، اور دنیا کا سب کیا دھرا ضائع ہو جائے گا اور جو کچھ وہ عمل کرتے تھے مٹ جائے گا۔"

رسولوں کے واقعات کے مضامین

رسولوں کے قصوں میں اس قسم کی تعریفات وارد ہیں:

"میں اپنے رب، اللہ پر بھروسہ کیا جو تمہارا بھی رب ہے، اور وہ ہر جانور کو مطیع رکھنے

والا ہے۔ بیشک میرا رب سیدھی راہ پر ہے پھر اگر تم منہ پھیر لو تو میں نے تم کو وہ پیغام پہنچا دیا جو دے کر مجھے تمہاری طرف بھیجا گیا تھا اور میرا رب تمہارے سوا اور قوم کو تمہارا نائب بنا دے گا اور تم اس کو کوئی نقصان نہیں دے سکو گے، بے شک میرا رب ہر چیز پر نگران ہے۔"

"اور ثمود کی طرف ان کا بھائی صالح بھیجا گیا اس نے کہا اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو تمہارا اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں ہے، اس نے تم کو زمین سے پیدا کیا اور اس میں تم کو آباد کیا، پس تم اس سے استغفار کرو پھر اسی سے توبہ کرو، بلاشبہ میرا رب قریب ہے جواب دینے والا ہے۔"

انجام کار!

رسولوں کے اپنی اقوام کے ساتھ واقعات کے انجام کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"اور اس طرح ہے پکڑ میرے رب کی، جب وہ بستیوں پر گرفت کرتا ہے، بے شک اس کی گرفت دردناک ہے شدید ہے۔"

"اور ہر ایک کو اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کی پوری جزا دے گا، وہ ان کے اعمال سے باخبر ہے۔"

"اور تیرا رب آبادیوں کو ظلم کے ہلاک کرنے والا نہیں، جب کہ ان کے باشندے نیک ہوں، اور اگر تیرا رب چاہتا تو لوگوں کو ایک ہی امت بنا دیتا اور وہ ہمیشہ اختلاف کرتے رہیں گے، مگر جس پر تیرا رب رحم فرمائے، اور اسی لیے ان کو پیدا کیا اور پوری ہو گئی تیرے رب کی بات کہ میں ضرور جہنم کو بھر دوں گا جنوں سے اور انسانوں سے، سب سے۔"

پس سورت کے تینوں قطعات اسی طرح الوہیت اور آخرت کی حقیقت پر بھی اپنے سباق میں متفق ہیں۔

محل اختلاف الوہیت تھی یا ربوبیت

اس سورت کا مقصد اللہ تعالیٰ کے وجود کا اثبات نہیں ہے (جو مشرکین مکہ کے بھی مسلمات میں سے تھا!) اختلاف اگر تھا تو انسان کی زندگی میں اللہ وحدہٗ کی ربوبیت کی کارفرمائی میں تھا۔ یہی ربوبیت کائنات کے نظام میں بھی کارفرما ہے، پس اُلوہیت کا قضیہ محل اختلاف نہ تھا، بلکہ رسالتوں کا مقابلہ اگر ہوتا تھا تو قضیہ ربوبیت میں تھا، اور آخری رسالت کا مقابلہ بھی اسی میں ہوا تھا۔ بالفاظ دیگر یہ قضیہ اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ کے لیے دینونت کا تھا، اور کسی متنازعہ کے بغیر اللہ تعالیٰ کے بے خضوع (جھکنا) اور تمام لوگوں کے معاملے کو اسی کے تسلط اور فیصلے اور شریعت اور حکم کی طرف پھیرنا محل اختلاف تھا، جیسا کہ یہ بات اس سورت کے تمام ٹکڑوں کے اقتباسات سے واضح ہو چکی ہے (میرے خیال میں سید مرحوم یہاں پر الوہیت کا لفظ منتظم کے معنی میں اور ربوبیت کا لفظ معبود کے معنی میں استعمال کر رہے ہیں جیسا کہ عبارت سے ہی معلوم

Marfat.com

ہو رہا ہے!)

سورت کے مختلف مؤثرات

انسانی ضمیروں میں اعتقادی حقائق کو پیدا کرنے، نفوس میں ان کو جاگزیں کرنے اور انسانی وجود میں ان کو گہرا کر کے جمانے اور ان میں زندہ، دھڑکتی ہوئی زندگی کو پیدا کرنے کی خاطر تاکہ وہ ایک ایجابی قوت میں تبدیل ہو جائے اور شعور و ادراک، تصورات اور اعمال و حرکات کا جزء بن جائے، اس مقصد کی خاطر اس سورت میں بہت سے مؤثرات وارد ہیں، جو انسانی وجود کے تاروں کو ہلا دیتے ہیں، ان میں سے بعض کا ذکر ہم ذیل میں کریں گے۔

ترغیب و ترہیب

یہ سورت ان لوگوں کے لیے دنیا و آخرت کی ترغیب پیش کرتی ہے، جو اللہ وحدہ لاشریک لہٗ کی عبادت و اطاعت کے داعی کی بات مان جائیں کیونکہ انسانیت کی صلاح و فلاح اسی میں مضمر ہے اور جو لوگ داعی سے اعراض کریں ان کے لیے دنیا و آخرت کی خیر سے محرومی کی ترہیب ہے وہ جن طاغوتوں کی بات مانیں گے وہی ان کو آخرت میں جہنم میں لے جانے کا سبب ہوں گے۔ اس ترغیب و ترہیب کے چند نمونے دیکھیے:

"یہ کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، بلاشبہ میں تمہارے لیے خبردار کرنے والا اور بشارت دینے والا ہوں۔ اور یہ کہ تم اپنے رب سے استغفار کرو پھر اس کی طرف توبہ کرو، وہ تمہیں ایک مقررہ مدت تک اچھا سامان دے گا، اور ہر فضیلت والے کو اس کی فضیلت دے گا، اگر تم منہ پھیر لو تو میں تم پر ایک بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔ اللہ ہی کی طرف ہے تمہاری واپسی، اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔"

"جو دنیا کی زندگی اور اس کی زینت چاہتا ہے، ہم ان کے اعمال ان کو اسی دنیا میں پورے دیتے ہیں اور اس میں ان سے کمی نہیں کی جاتی۔ وہی وہ لوگ ہیں کہ ان کے لیے آخرت میں آگ کے سوا کچھ نہیں، اور برباد ہو گیا جو کچھ انہوں نے دنیا میں آخرت کے لیے (درحقیقت خود کیا۔ یا دنیا کی خاطر کیا) اور مٹنے والا ہے جو کچھ وہ کرتے تھے۔"

"سو کیا وہ شخص جو اپنے رب کی طرف سے واضح دلیل پر ہے اور اس کے پیچھے اس کا ایک گواہ آتا ہے، اور اس سے پہلے موسیٰؑ کی کتاب (بھی اس کی گواہ تھی) درانحالیکہ وہ رہنما اور رحمت تھی، وہی لوگ ہیں جو اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور ان گروہوں میں سے جو اس کے ساتھ کفر کرے گا تو آگ اس کے وعدے کی جگہ ہے، پس تو اس کے متعلق کسی شک میں نہ ہو، حق تیرے رب کی ہی طرف سے ہے، لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے اور اس سے بڑا ظالم کون ہے جو اللہ پر جھوٹا بہتان لگائے؟ وہی لوگ ہیں جن کو ان کے رب کے حضور پیش کیا جائے گا، اور گواہ کہیں گے کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب پر جھوٹ بولا تھا۔ سن لو کہ ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے، جو کہ اللہ کی راہ سے روکتے ہیں اور اس میں کجی تلاش کرتے ہیں، اور وہ

Marfat.com

آخرت کا انکار کرتے ہیں ۔ وہی لوگ نہ تھے عاجز کرنے والے زمین میں ، اور نہ تھا ان کا اللہ کے سوا کوئی دلی دوست ، ان کے لیے عذاب دُگنا کیا جائے گا ۔ وہ سننے کی طاقت نہ رکھتے تھے اور نہ وہ دیکھتے تھے ۔ وہی وہ لوگ ہیں ، جنہوں نے اپنا نقصان کیا اور ان سے گم ہو گیا جو وہ افترا کرتے تھے ، خواہ مخواہ وہی آخرت میں بہت خسارہ پانے والے ہیں ، بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے اور اپنے رب کی طرف عاجز ہو گئے ۔ وہی ہیں جنت والے ، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ۔ دونوں فریقوں کی مثال یوں ہے جیسے ایک اندھا بہرا ہو اور دوسرا سمیع آنکھوں والا اور سننے والا ۔ کیا ان دونوں کی مثال برابر ہے ؟ کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے ہو ؟ "

" اور اے میری قوم ! تم لوگ اپنے رب سے استغفار کرو ، پھر اس کی طرف توبہ کرو ، وہ تم پر موسلا دھار بارش بھیجے گا ، اور تمہاری قوت میں اور قوت کا اضافہ کرے گا اور مجرم ہو کر منہ مت پھیرو ۔ "

" پھر اگر تم منہ پھیرلو تو میں نے پیغام تم کو پہنچا دیا جو مجھ کو دے کر بھیجا گیا تھا اور میرا رب تمہارے علاوہ کسی اور قوم کو لے آئے گا اور تم اس کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکو گے ۔ بلاشبہ میرا رب ہر چیز پر خوب نگران ہے ۔ "

" اور بلاشبہ ہم نے موسیٰؑ کو اپنی آیات دے کر اور کھلی دلیل دے کر بھیجا ، فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف ، تو انہوں نے فرعون کا حکم مان لیا ، اور فرعون کا معاملہ کوئی شریفانہ نہ تھا ، وہ قیامت کے دن اپنی قوم کے آگے آگے ہو گا ، پھر ان کو آگ میں لے جائے گا اور یہ بُرا ٹھکانا ہے جہاں کسی کو پہنچایا جائے ۔ اور ان کے پیچھے اس دنیا میں لعنت بھیجی گئی اور قیامت کے دن بہت بُری مہمانی ہو گی جو ان کی کی جائے گی ۔ "

ترغیب و ترہیب میں نوح علیہ السلام کا طویل قصہ

اس قصے میں عقیدۂ توحید کی تاریخ میں ایک ترغیب و ترہیب کا طویل واقعہ مذکور ہے جس میں مومنوں کی نجات اور مکذبین کی بربادی کا ذکر ہے ، اور طوفان کا نظارہ ایک خاص صفت میں ظاہر ہوتا ہے اور اس قصے کے دوران میں اس سورت کی نبض اپنی انتہا کو پہنچ جاتی ہے ۔ فرمایا ہے کہ :

" اور نوحؑ کو وحی بھیجی گئی کہ تیری قوم میں سے جو ایمان لا چکے ہیں ان کے سوا اور کوئی ہرگز ایمان نہ لائے گا ، پس تو ان کے افعال پر غمگین مت ہو ۔ اور تو ہمارے سامنے اور ہماری وحی کے ساتھ کشتی بنا اور مجھ سے ان لوگوں کے متعلق خطاب نہ کرنا جو مشرک ہیں کیونکہ وہ غرق کیے جانے والے ہیں ، اور وہ کشتی بنا رہا تھا ، اور جب بھی اس کی قوم کے سردار اس پر گزرتے تو اس سے ٹھٹھا کرتے ۔ اُس نے کہا : اگر تم ہم سے ٹھٹھا کرتے ہو تو ہم بھی تم سے ٹھٹھا کریں گے جیسا کہ تم ہم سے ٹھٹھا کرتے ہو ۔ پھر تم جان لو گے کہ کس پر عذاب آئے گا اور اُس پر ٹھہرنے والا

Marfat.com

عذاب اترے گا، حتیٰ کہ جب ہمارا حکم آگیا اور تنور اُبل پڑا تو ہم نے کہا: اس میں ہر چیز کا جوڑا جوڑا سوار کرا لے اور اپنے اہل کو بھی، سوائے ان کے جن کے متعلق پہلے بات ہو چکی ہے اور ایمانداروں کو بھی سوار کرلے۔ اور اس پر ایمان لانے والے تھوڑے سے ہی تھے، اور نوحؑ نے کہا کہ اس پر سوار ہو جاؤ۔ اللہ کے نام سے ہے اس کا چلنا اور اس کا ٹھہرنا، بلاشبہ میرا رب بہت بخشنے والا ہے، بہت رحم والا ہے۔ اور وہ کشتی ان کو لے کر پہاڑوں جیسی لہروں میں چل رہی تھی، اور نوحؑ نے اپنے بیٹے کو پکارا ——— اور وہ الگ ایک طرف کھڑا تھا ——— اے میرے پیارے بیٹے! ہمارے ساتھ سوار ہو جا، اور کافروں کے ساتھ نہ رہ۔ اس نے کہا: میں ابھی کسی پہاڑ پر پناہ لوں گا جو مجھ کو پانی سے محفوظ رکھے گا نوحؑ نے کہا کہ آج بچانے والا اللہ کے حکم سے وہی ہے جس پر وہ رحم کرے، اور ان دونوں میں ایک لہر حائل ہو گئی، اور وہ غرق ہو گیا، اور کہا گیا: اے زمین تو اپنا پانی نگل جا اور اے آسمان تھم جا اور پانی جذب ہو گیا اور امر کا فیصلہ ہو گیا اور کشتی جودی پر ٹھہر گئی، اور کہا گیا: لعنت ہے ظالم قوم کے لئے۔"

حوادث کے سامنے نفس انسانی کی مختلف حالتیں

اس سورت کا سیاق راحت اور تکلیف کے حوادث میں نفس انسانی پر گزرنے والے بعض حوادث کا ذکر کرتا ہے۔ وہ مکذبین جو عذاب طلب کرنے میں جلدی کرتے تھے اور انذار کے سامنے ڈھیٹ پن کا مظاہرہ کرتے تھے، وہ ان کے سامنے خود ان کی تصویر پیش کرتا ہے، جبکہ ان پر عذاب آتا ہے، حوادث کے الٹ پھیر میں ان پر جو حسرتیں طاری ہوتی ہیں، نعمت کے چھن جانے یا نہ ملنے پر ان کا جو مایوسانہ حال ہوتا ہے، غرور و تکبر میں ان کی جو کیفیت ہوتی ہے، اس کا حال ان کے سامنے پیش کرتا ہے کہ:

"اور اگر ہم ایک گنی چنی مدت تک ان سے عذاب کو موخر کر دیں تو وہ کہیں گے کہ کیا چیز عذاب کو روک رہی ہے؟ خبردار! جب وہ عذاب آئے گا تو اس کو کوئی ان سے ہٹا نہ سکے گا، اور ان کا استہزاء ان کو لے ڈوبے گا، اور اگر ہم انسان کو اپنی طرف سے رحمت چکھائیں اور پھر اس کو اس سے دُور کر دیں تو وہ مایوس ہوتا ہے ناشکر گزار ہوتا ہے، اور اگر ہم اس کو انہیں پہنچنے والے ضرر کے بعد راحت پہنچائیں تو وہ کہتا ہے کہ: مجھ سے برائیاں جاتی رہیں، بلاشبہ وہ بڑا خوش ہوتا ہے، بہت فخر کرتا ہے، سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے صبر کیا اور نیک عمل کئے، وہی ہیں کہ ان کے لئے بخشش اور بڑا اجر ہے۔"

مناظرِ قیامت

اس سورت کا سیاق بعض مناظرِ قیامت پر بھی مشتمل ہے، کہ مکذبین کی صورتیں اس میں کیسی ہوں گی اور وہ کس طرح اپنے رب کا سامنا کریں گے جس کی وحی کا انہوں نے انکار کیا، رسولوں سے منہ پھیرا، اور اس

Marfat.com

میں انہیں اس دن جو ذلت و رسوائی ہوگی، اور اس سے ان کو نہ کوئی شریک بچائے گا، نہ کوئی سفارشی اور نہ کوئی مجھوٹا رب، اس سلسلے میں فرمایا ہے:

"اور اس سے بڑھ کر ظالم اور کون ہے جو اللہ پر جھوٹ موٹ افترا کرے؟ ان لوگوں کو ان کے رب کے سامنے پیش کیا جائے گا اور گواہ کہیں گے کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب پر جھوٹ بولا۔ سن لو کہ اللہ کی لعنت ظالموں پر ہے۔ جو لوگ اللہ کی راہ سے روکتے ہیں اور اس میں کجی چاہتے ہیں اور وہی آخرت کے منکر ہیں۔ یہ لوگ زمین میں عاجز کرنے والے نہ تھے اور ان کا اللہ کے سوا کوئی دوست نہ تھا، انہیں کئی گنا عذاب دیا جائے گا، وہ سننے کی طاقت نہ رکھتے تھے اور نہ وہ دیکھتے تھے۔ انہی لوگوں نے اپنا نقصان کیا اور ان سے گم ہو گیا جو کچھ وہ افتراء کرتے تھے۔ خواہ مخواہ آخرت میں وہی بہت خسارہ پانے والے ہوں گے":

"بلاشبہ اس میں بڑی نشانی ہے اس شخص کے لیے جو آخرت کے عذاب سے ڈرے، وہ دن ہے جس کے لیے لوگوں کو جمع کیا جائے گا اور وہ حاضری کا دن ہوگا، اور ہم اس کو صرف ایک گنی چنی مدت کے لیے پیچھے ڈال رہے ہیں، جس دن آئے گا نہ بات کرے گا کوئی بھی مگر اللہ کے حکم سے پس ان میں سے بعض بدبخت اور بعض نیک بخت ہوں گے۔ پس جو لوگ بدبخت ہوئے وہ آگ میں ہوں، وہ اس میں آہیں بھریں گے اور شور مچائیں گے، وہ اسی میں ہمیشہ رہیں گے، جب تک کہ آسمان اور زمین باقی رہیں گے، مگر جو تیرا رب چاہے۔ بلاشبہ تیرا رب جو چاہے کرنے والا ہے، اور جو لوگ نیک بخت ہوں گے تو وہ جنت میں ہوں گے، اسی میں ہمیشہ رہیں گے، جب تک کہ آسمان اور زمین رہیں گے، مگر جو تیرا رب چاہے، یہ عطا ہے جو نہ منقطع ہوگی۔"

اللہ دلوں کے بھید جانتا ہے

دلوں پر لرزہ طاری کرنے والے موثرات میں سے ایک یہ ہے جو اس سورت کے سیاق میں وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ ان مخفی چیزوں پر حاضر ہے اور انہیں جانتا ہے، جن کو انسان دلوں میں چھپاتے ہیں جب کہ وہ دھوکا دینا چاہیں اور انہیں معلوم بھی نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ حاضر و ناظر ہے اور اس کا علم ہر چیز پر محیط ہے۔ لوگ مخلوقات پر اللہ کے غلبے اور احاطے کو محسوس نہیں کر سکتے، حالانکہ وہ خود باقی مخلوقات کی مانند اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت و احاطۂ علم کے اندر ہیں۔ وہ فرماتا ہے کہ:

"ان سب کی واپسی اللہ ہی کی طرف ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے، خبردار وہ اپنے سینے دوہرے کرتے ہیں، تاکہ اس سے چھپ جائیں، خبردار! جب وہ اپنے کپڑوں کو لپیٹ رہے ہوتے ہیں، وہ ان کی پوشیدگیوں اور علانیہ کو جانتا ہے، بلاشبہ وہ دلوں کے بھید کو جانتا ہے اور زمین میں کوئی جاندار نہیں ہے، مگر اس کا رزق اللہ پر ہے اور وہ اس کے ٹھکانے اور سونپے جانے کی جگہ کو جانتا ہے، سب کچھ ایک کھلی کتاب میں ہے۔"

Marfat.com

"بلاشبہ میں نے اللہ پر توکل کیا جو میرا رب اور تمہارا رب ہے، کوئی جانور نہیں مگر وہ اس کی پیشانی کے بال پکڑنے والا ہے۔ اس پر قابض ہے، بیشک میرا رب راہِ راست پر ہے۔"

رسولوں کی قیادت میں ایمان کا جلوس

اس سورت کی مؤثر چیزوں میں سے ایک ایمانی جلوس بھی ہے جس کو پیش کیا گیا ہے۔ جو رسلِ کرام کی قیادت میں چلتا ہے، ہر زمانے میں جاری رہا ہے، ان میں سے ہر رسول گمراہ جاہلیت کا مقابلہ کلمۂ حق کے ساتھ کرتا رہا ہے، یہ ایک واحد تھا، فیصلہ کن اور پُر از یقین تھا، بڑا صریح اور واضح تھا، اس میں وثوق و اطمینان اور یقین تھا، اس پر کچھ گزشتہ اقتباسات میں گفتگو ہو چکی ہے۔ باقی تفسیر میں اپنی جگہ پر عنقریب آئے گا اور اس میں شک نہیں کہ بزرگ رسولوں کا مؤقف، اس حقیقت کی وحدت جس کے ساتھ وہ جاہلیت کا مقابلہ کرتے ہیں اور اس حقیقت کو بیان کرنے والی ان کی عبارات کی وحدت اپنی سلوٹوں میں بہت مضبوطی اور تاثیر رکھتی ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓرٰ كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ﴿۱﴾ اَلَّا
تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنَّنِيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ ﴿۲﴾ وَّاَنِ اسْتَغْفِرُوْا
رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّيُؤْتِ
كُلَّ ذِيْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ ؕ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ
يَوْمٍ كَبِيْرٍ ﴿۳﴾ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۴﴾ اَلَآ
اِنَّهُمْ يَثْنُوْنَ صُدُوْرَهُمْ لِيَسْتَخْفُوْا مِنْهُ ؕ اَلَا حِيْنَ يَسْتَغْشُوْنَ
ثِيَابَهُمْ ۙ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۚ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۵﴾

(ترجمہ) الف لام را۔ یہ ایک کتاب ہے، جس کی آیات کو مضبوط کیا گیا ہے، پھر مفصل کیا گیا ہے ایک بڑے دانا بڑے خبردار کی طرف سے (۱) کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، بیشک میں تمہارے لیے اس کی طرف سے خبردار کرنے والا ہوں اور بشارت دینے والا ہوں۔ (۲)

اور یہ کہ تم اپنے رب سے استغفار کرو، پھر اس کی طرف توبہ کرو، وہ تم کو اچھا سامان دے گا ایک مقررہ مدت تک، اور ہر فضیلت والے کو اس کی فضیلت دے گا۔ اور اگر تم منہ پھیرتے ہو تو میں تم پر ایک بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔ (۳) اللہ ہی کی طرف تمہاری واپسی ہوگی اور وہ ہر چیز پر قادر ہے (۴) خبردار، وہ اپنے سینوں کو دوہرا کرتے ہیں تاکہ اس سے چھپ جائیں۔ خبردار جب وہ اپنے کپڑے لپیٹتے ہیں وہ جانتا ہے جو کچھ وہ پوشیدہ کرتے ہیں اور جو کچھ وہ ظاہر کرتے ہیں۔ بلاشبہ وہ سینوں کے بھید کو خوب جاننے والا ہے۔ (۵)۔

بنیادی مضمون!

ان آیات میں اسلام کے اساسی عقیدے یعنی توحید الٰہی پر مختصر گفتگو کی گئی ہے۔ ان میں فرمایا گیا ہے کہ دینونت صرف اللہ وحدہ لا شریک لہ کے لیے ہے اور اس کا کوئی شریک و سہیم یا منازع نہیں ہے۔ اور یہ کہ عبادت فقط اللہ وحدہ کے لیے ہے، پہلی چار آیات کے مضامین مختصراً یہ ہیں:

(۱) وحی و رسالت کا اثبات۔

(۲) ایک اللہ کی عبودیت بلا کسی شریک کے۔

(۳) اللہ کی ہدایت پانے والوں اور اس کا منہج حیات اختیار کرنے والوں کے لیے دنیا و آخرت کی جزاء۔

(۴) آخرت میں مکذبین کی سزا، اور سب انسان کیا فرمانبردار کیا گناہ گار اللہ ہی کی طرف واپس جائیں گے۔

(۵) اس کی مطلق قوت اور اس کا غیر محدود تسلط۔

تفسیر آیات اربعہ اولیٰ

الف، لام، را، مبتدا ہے اور اس کی خبر ہے: کتاب احکمت ایاتہ ثم فصلت من لدن حکیم خبیر ہ اور حروف مقطعات کا مطلب یہ ہے کہ یہ کتاب اسی قسم کے حروف سے مرکب ہے، پھر یہ لوگ اس کی تکذیب تو کرتے ہیں مگر اس کی مثل یا اس کے کسی حصے کی مثل لانے سے عاجز ہیں: احکمت ایاتہ، اس کی آیات بناء میں قوی ہیں، ان کی دلالت بہت گہری ہے، اس کا ہر کلمہ، ہر مقصود عبارت، ہر معنی، ہر مطلوب توجیہ، ہر اشارہ، ہر معلوم مقصد کا ایمار، یہ سب ایک نسق و نظام میں بندھے ہوئے ہیں، ان میں کوئی اختلاف نہیں، ان کا نظام ایک ہے۔ ثم فصلت مختلف ضروری اغراض و مقاصد کی خاطر اس کی آیات کو تقسیم کیا گیا ہے، موضوعات کے لحاظ سے ان کے باب بنے ہوئے ہیں، اور ہر آیت کی ایک جز ہے جو اس کے تقاضے کے عین مطابق ہے۔ ان آیات کو محکم و مفصل بنانے والا اللہ وحدہٗ ہے، رسول نہیں۔ من لدن حکیم خبیر۔ وہ اس کتاب کو اپنی حکمت سے محکم بناتا ہے اور اپنی خبر و علم سے مفصل کرتا ہے۔ یہ کام اللہ تعالیٰ کے ہیں، رسول پر تو یہ کتاب اتاری گئی

Marfat.com

ہے۔ کوئی اس میں تغیر و تبدل نہیں کر سکتا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی نہیں کر سکتے! اور ان آیات محکم و مفصلہ کا مضمون کیا ہے؟ وہ یہ کہ یہ کتاب عقیدے کی بنیاد اور اس کے اصول کو بیان کرتی ہے:

"کہ تم اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت مت کرو"

یہ دینونت، عبودیت، اتباع اور طاقت کی توحید ہے، اور پھر فرمایا:

"بلاشبہ میں تمہارے لیے اس کی طرف سے خبردار کرنے والا ہوں کھلا کھلا"

یہ دوسرا بنیادی عقیدہ ہے یعنی رسالت اپنی نذارت و بشارت سمیت۔ ان استغفروا ربکم ثم توبوا الیہ۔ توبہ سے مراد یہ ہے کہ شرک و معصیت سے باز آکر اللہ کی طرف لوٹ آؤ، توحید و دینونت الٰہی کو مان جاؤ۔ یمتعکم متاعا حسنا الی اجل مسمی ویؤت کل ذی فضل فضلہ۔ یہ استغفار کرنے والوں اور تائب ہونے والوں کی جزا ہے۔ وان تولوا فانی اخاف علیکم عذاب یوم کبیر۔ یہ منہ پھیرنے والوں کے لیے وعید ہے۔ الی اللہ مرجعکم۔ یہ دنیا و آخرت میں اللہ کی طرف واپسی ہے۔ واللہ علیٰ کل شیئ قدیر اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی قدرت مطلقہ اور پورا تسلط ہے۔

اسلامی نظام کے قواعد

یہ جو کچھ اوپر بیان کیا گیا ہے، یہ کتاب ہے، یا یوں کہیے کہ یہ آیات کتاب ہیں، اور یہی وہ اہم قواعد ہیں جن کو منوانے اور قائم کرنے کی خاطر یہ کتاب آئی تھی، جب تک ان قواعد کو تسلیم نہ کیا جائے اسلامی نظام کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوسکتا۔ بطور مثال: عالم عقیدہ میں ایک اللہ کے لیے دینونت ہی انارکی اور نظام کے درمیان فیصلہ کن بات ہے۔ اگر نظام ہے تو انسانیت وہم و خرافات اور جھوٹے تسلط سے آزاد ہو جائے گی، انارکی ہے تو وہ متفرق ارباب کی خواہشات نفس کی غلام بن جائے گی، یہ متفرق ارباب وہ ہیں جو مخلوق خدا میں سے خدا اور بندوں کے درمیان واسطہ بنے بیٹھے ہیں، اسی ضمن میں بادشاہ، رؤسار، لیڈر اور حکام آتے ہیں، جو الوہیت کے مخصوص ترین خصائص کو غصب کرتے ہیں، یعنی: ربوبیت، حاکمیت، سلطنت اور قوامیت، یہ لوگ بندوں کو اپنی جھوٹی خدائی کے جال میں پھانستے ہیں۔

عقیدۂ توحید کے بغیر کوئی نظام نہیں

جب تک عقیدۂ توحید اس طرح اپنے بسط و وقت سمیت قائم نہ ہو جائے، جم نہ جائے، کوئی... سیاسی، اجتماعی، اخلاقی یا قومی یا بین الاقوامی نظام قائم نہیں ہو سکتا، جس کی بنیادیں واضح، فیصلہ کن اور ثابت ہوں، انسانی ذلت، خوف اور اضطراب سے چھوٹ نہیں سکتے، عزت و اکرام سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے، (یعنی وہ عزت و اکرام، جو اللہ تعالیٰ نے انسان کو عطا فرمایا ہے!) جب تک کہ صرف اللہ کو ربوبیت قوامیت، تسلط و حاکمیت کے ساتھ خاص نہ کیا جائے اور بندوں کو ہر حیثیت سے اور ہر حال میں ان چیزوں سے بری قرار نہ دیا جائے۔

Marfat.com

اسلام اور جاہلیت کے معرکے کی اصل بنیاد

ساری انسانی تاریخ میں جاہلیت اور اسلام کے درمیان جو اختلاف ہمیشہ برپا رہا۔ حق و باطل میں جو معرکہ قائم و دائم رہا۔ اللہ کی سچی الوہیت کے کائنات پر قائم ہونے اور طاغوت کی الوہیت کاذبہ کے درمیان ہمیشہ سے یہی ایک وجہ اختلاف رہی ہے، عالم اسباب و نوامیس کو نبہ میں کیا خدائے واحد کی خدائی ہے یا طاغوتوں کی؟ انسانوں کا رب آیا اللہ وحدہ ہے یا طاغوت؟ کس کی شریعت و قانون چلے گی؟ کون کائنات کا معاملہ اور انسانوں کی زندگی کے معاملات کو چلائے گا؟ کون اپنی طاعت بندوں سے منوائے گا؟ آیا ایک اللہ وحدہ یا طاغوت؟ بس یہی فیصلہ کن سوال تھا۔ جس پر ہمیشہ سے اسلام اور جاہلیت کا معرکہ برپا رہا ہے۔ ساری تاریخ انسانی میں اسلام اور جاہلیت کے درمیان اختلاف اور حق و باطل کے درمیان معرکہ کائنات کے لیے اللہ کی الوہیت کے بارے میں اور عالم اسباب کے معاملات میں تصرف کرنے اور کائناتی نوامیس میں تصرف کرنے میں نہ تھا۔ بلکہ اختلاف اور معرکہ اس امر میں رہا ہے کہ انسانوں کا رب کون ہے؟ جو ان پر اپنے قانون کے ساتھ حکم چلائے۔ اپنے اوامر و نواہی کے ساتھ ان کا الٹ پھیر کرے۔ اور اپنی اطاعت کا ان کو پابند بنائے، مجرم طاغوت اللہ تعالیٰ کے اس حق پر ڈاکہ مارتے تھے اور انسانوں کی زندگی میں اس کو چلاتے تھے، اللہ کی سلطنت پر رہزنی کر کے انسانوں کو ذلیل کرتے تھے، اور انسانوں کو اللہ کی بندگی سے ہٹا کر اپنے غلام بناتے تھے۔ رسالتیں، رسول اور اسلام دعوتیں ہمیشہ اس چھینے ہوئے حق کو طاغوتوں کے ہاتھوں سے نکالنے کی کوشش کرتے تھے، تاکہ اس کو اس کے شرعی مالک یعنی اللہ سبحانہ کی طرف لوٹایا جائے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ جہان والوں سے بے نیاز ہے، گنہ گاروں کا گناہ اور طاغیوں کا طغیان اس کی سلطنت کا کچھ نقصان نہیں کرتا، اسی طرح اطاعت گزاروں کی اطاعت اور عبادت گزاروں کی عبادت اس کی بادشاہت میں کچھ اضافہ نہیں کرتی، لیکن خود انسان جب اپنے جیسے بندوں کی غلامی کرتے ہیں تو ذلیل، چھوٹے اور پست ہو جاتے ہیں، اور جب وہ صرف اللہ وحدہ کے بندے بن جاتے ہیں تو معزز، مکرم اور بلند ہو جاتے ہیں اور بندوں کی غلامی سے آزاد ہو جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ چونکہ اپنے بندوں کی عزت واکرام اور سربلندی چاہتا ہے، اس لیے اس نے اپنے رسول بھیجے تاکہ وہ لوگوں کو اللہ وحدہ کی بندگی کی طرف موڑ دیں اور بندوں کی غلامی سے انہیں نکالیں، اس میں خود الٰہی انسانوں کا بھلا تھا، اور اللہ جہان والوں سے غنی ہے۔

انسانی زندگی کی عزت واکرام

اللہ تعالیٰ انسان کو جس بلند سطح پر فائز کرنا چاہتا ہے، انسان زندگی میں اس پر صرف اس صورت فائز ہوتا ہے، جب کہ وہ ایک اللہ کی دینونت کا پختہ ارادہ کر لیں اور اپنی گردن سے غیر اللہ کی غلامی کا جوا نکال دیں، یہ جوا جس صورت اور جس نام سے بھی ہو، انسان کی ذلت و اہانت کا سبب ہے، اور ایک اللہ کی دینونت لوگوں کے لیے ایک اللہ کی ربوبیت میں متمثل ہوتی ہے، اور ربوبیت سے یہ مراد کہ انسان پر

Marfat.com

اللہ کی توامیت ہو اور ان کی زندگی اللہ کی شرع اور اسی کے حکم کے مطابق گزرے، نہ کہ کسی اور کی مرضی اور قانون کے مطابق، اس سورتِ کریم کا مطلع یہی بتاتا ہے کہ اللہ کی کتاب کا موضوع اور معنیٰ یہی ہے:
کتاب احکمت آیاتہ ثم فصلت من لدن حکیم خبیر ان لا تعبدوا الا اللہ
اللہ تعالیٰ کی کتاب کریم جن عربوں کی زبان میں اُتری تھی وہ اپنی زبان میں عبارت کا یہی معنیٰ سمجھتے تھے۔

اقرار بالرسالت

رسالت کا اقرار کرنا یہی معنیٰ رکھتا ہے کہ ان قضایا کی تصدیق کی جائے، جن کی توثیق کرنے کے لیے رسالت آئی تھی۔ اگر اس میں کسی قسم کا شک ہو کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے تو اس سے رسالت کا احترام عالم ضمیر میں ختم ہو جاتا ہے، جو لوگ یہ خیال (د بالیقین) رکھتے ہیں کہ اسلامی احکام و عقائد محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہیں، نہ کہ اللہ کی طرف سے، چاہے وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کا کتنا اقرار و اعتراف کریں، یہ ممکن نہیں کہ ہمیں ان کے دلوں میں وہ ضروری احترام ملے، جس کے باعث وہ ان عقائد و اعمال میں سے کسی چھوٹے یا بڑے کو نہ چھوڑ سکیں۔ یہ شعور کہ یہ عقیدہ اللہ کی طرف سے ہے، یہی نافرمانوں کے دلوں کو اس بات پر آمادہ کرتا ہے کہ آخر کار وہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں توبہ کریں، اور یہی شعور اطاعت گزاروں کے دلوں کو تردد و اضطراب سے محفوظ رکھتا ہے، پھر اقرار بالرسالت کا یہی عقیدہ ہے، جو یہ ضابطہ بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جو کچھ چاہتا ہے وہ بندوں کو ان میں سے ایک بہترین انسان کی معرفت بتاتا ہے، اور یہی ایک مصدر ہے جس سے اللہ کی دینونت و عبادت کا پیغام اور حکم ملتا ہے، اس کا فائدہ ہے کہ ہر باغی و طاغی اٹھ کر اپنے قانون و شرع کو نہیں چلا سکتا، نہ اس کا ڈھنڈورا پیٹنے کی جرأت کر سکتا ہے کہ یہ اللہ کی شرع و قانون ہے، حالانکہ وہ خود اس مفتری کا افتراء ہے، اللہ کا حکم نہیں ہے، ایسا ہر جاہلیت میں ہوتا رہا ہے کہ اپنا قانون و شرع چلانے والا ہر انسان اسے خدا کا قانون بنا کر پیش کرتا تھا، انارکی کا یہ دروازہ صرف رسول ہی بند کر سکتا ہے، جو دینِ حق کا مصدرِ واحد ہے۔

شرک و معصیت سے استغفار کا فائدہ اور مطلب!

یہ استغفار دل کے احساس اور اس کی کپکپی کی دلیل ہے، اور یہ کہ اس میں گناہ کا شعور ہے اور توبہ کی طرف ترغیب موجود ہے، اس کے بعد توبہ کا مطلب یہ ہے کہ ایسا کرنے والا عملاً گناہ کو چھوڑ چکا ہے، اور اس کے برعکس وہ نیکی کے اعمال کو اختیار کر چکا ہے، ان دو دلیلوں کے بغیر توبہ کا کوئی سوال نہیں ہے، یہ توبہ کا عملی ترجمہ ہیں اور انہی سے توبہ کا فعلی وجود ثابت ہوتا ہے، اور اس کے ساتھ مغفرت و قبولیت کی امید ہے، جب کوئی شخص شرک سے تائب ہونے کا دعویٰ کرے اور اسلام میں داخل ہو جائے، حالانکہ وہ ایک اللہ وحدہٗ کی دینونت اختیار نہیں کرتا اور اس کے عقائد و احکام کو صرف اس کے نبی کی راہ سے حاصل نہیں کرتا، تو اس کا دعویٰ بے قیمت ہے، کیونکہ واقعات اس کا رد کرتے ہیں، توبہ کرنے والوں کے لیے بشارت اور منہ پھیرنے والوں کے لیے وعید ہے

Marfat.com

رسالت کا قوام ہے، اور یہ دونوں ترغیب و ترہیب کے عنصر بھی ہیں۔ بشری طبیعت سے اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے کہ یہی دو چیزیں مضبوط اور گہری رکاوٹ ہیں۔

زندگی کی حکمت کا شعور عقیدۂ آخرت کے بغیر ممکن نہیں ہے

آخرت کا عقیدہ اس لیے ضروری ہے کہ اس کے بغیر یہ شعور کامل نہیں ہوتا کہ زندگی کے پیچھے کوئی حکمت موجود ہے، اور جس خیر کی دعوت رسالت نے دی ہے وہی حیات کی غایت و مقصود ہے، لہٰذا ضروری ہے کہ انسان اپنی جزا پائے اگر اس دنیا میں نہ پائے گا تو آخرت میں ضرور پائے گا، جہاں کہ انسانی زندگی اس کمال کو پہنچے گی جو اس کے لیے مقدر ہے، جو لوگ اس زندگی میں اللہ کے طریقے اور حکمت سے کجی اختیار کرتے ہیں وہی لوگ عذاب میں پڑ کر ناکام ہو جائیں گے۔ پس اس عقیدے میں فطرت سلیمہ کے لیے اس بات کی ضمانت موجود ہے کہ وہ بھٹکنے نہ پائے، لیکن اگر اس پر شہوت غالب آجائے یا ضعف چھا جائے تو پھر توبہ کرلے، اور نافرمانی میں آگے نہ جائے، اور اسی طرح سے یہ زمین انسانی زندگی کے لیے درست رہ سکتی ہے اور زندگی بھر کی راہ میں اپنی صحیح راہ پر چل سکتی ہے، اس سے معلوم ہوا، آخرت پر ایمان صرف آخرت کے ثواب کے لیے نہیں ہے، جیسا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے، بلکہ وہ دنیوی زندگی میں بھی انسان کو خیر کی طرف توجہ دلانے والا ہے اور اس کی اصلاح و نشوونما پر ابھارنے والا ہے۔ گو یہ نشوونما ہی اپنی ذات کی حد تک مقصد و ہدف نہیں ہے، بلکہ صرف انسان کو وہ زندگی گزارنے کے لائق بنانے کا ذریعہ ہے جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے اس میں اپنی خاص روح پھونکی تھی اور اس کو اپنی بے شمار مخلوق پر فضیلت دی تھی اور اس کو حیوانات سے سربلند کیا تھا، تاکہ اس کے مقاصد حیوانی زندگی سے بلند تر ہوں اور اس کی ضروریات حیوانی زندگی کی ضروریات سے اعلیٰ و ارفع ہوں، اور یہی وجہ ہے کہ رسالت کا مضمون، کتاب اللہ محکم و مفصل آیات کا مضمون، اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی ربوبیت کے اثبات کے بعد شرک سے توبہ و استغفار کی دعوت کا مضمون ہے، یہ چیزیں صرف چند شعائر ہی نہیں ہیں جن کا قائم کیا جانا مد نظر ہو، بلکہ یہ اصلاح کے ہر معنی کے لحاظ سے زمین کی اصلاح بھی ہے۔ مثلاً اسے بنانا، تعمیر کرنا، پیداوار میں اضافہ، اس کی ہر طرح کی نشوونما کی کوشش کرنا اور اس کی دنیوی و اخروی جزا، یہی مضمون ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا ہے کہ: یمتعکم متاعا حسنا الی اجل مسمی و یؤت کل ذی فضل فضلہ۔ اور متاع حسن کبھی نوع کے ساتھ ہوتی ہے جیسا کہ کبھی اس دنیا میں کمیت کے ساتھ ہوتی ہے۔ مگر آخرت میں نوع کے لحاظ سے، کمیت کے لحاظ سے اور ہر اس لحاظ سے ہو گی جو کسی انسان کے دل میں آسکے، اس دنیوی زندگی میں ہم بہت سے پاکباز نیکوکاروں کو دیکھتے ہیں، جو استغفار اور توبہ کرنے والے بھی ہوتے ہیں اور زندگی میں عمل کرنے والے بھی، مگر ان پر رزق تنگ ہوتا ہے تو سوال پیدا ہو گا کہ متاع حسن کہاں ہے؟

متاع حسن کہاں ہے؟

ہمارے خیال میں یہ ایک ایسا سوال ہے جو بہت سوں کی زبان پر آتا ہے، لہٰذا یہ نص قرآنی جس کبیر

Marfat.com

معنی کو متضمن ہے اس کے ادراک کے لیے ضروری ہے کہ ہم زندگی کو وسیع تر زاویے سے دیکھیں، محض ایک عبوری حیثیت سے نہیں بلکہ ایک محیط و شامل نقطۂ نگاہ کو مدِ نظر رکھیں۔ بات دراصل یہ ہے کہ دنیا میں جس جماعت کے اندر اسلام کا صالح نظام قائم ہوگا، جو ایمان باللہ پر قائم ہو اور صرف اللہ وحدہٗ کی دینونت پر قائم ہو اور اس میں دینونت و ربوبیت صرف اللہ وحدہٗ کے لیے ہو، اس کے اعمال پاکیزہ ہوں اور زندگی میں نتیجہ خیز ہوں تو اجتماعی طور پر عام معنوں میں پاکیزہ زندگی ضروری پائی جائے گی اور افراد کے خاص احوال کے نقطۂ نگاہ سے اس جماعت اور اس کے معاشرے میں عدل ہوگا، محنت اور اس کے پھل میں انصاف ہوگا، اس کے افراد میں رضا، اور اطمینان ہوگا، اور جب ہم کسی جماعت میں یہ دیکھیں کہ نیکوکار اور پاکیزہ لوگ بہت تنگ دست ہیں تو ہمیں یقین کر لینا چاہیے کہ اس معاشرے میں وہ صالح نظامِ حیات قائم نہیں ہے جو ایمان باللہ سے حاصل ہوتا ہے، اور محنت اور اس کی مزدوری کے اندر عدل و انصاف پر قائم ہوتا ہے۔

متاعِ حسن کا معنیٰ اور تصور کیا ہے؟

اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی مدِ نظر رہے کہ متاعِ حسن سے مراد وہ "معیارِ زندگی" نہیں، جس کا آج کل نفس پرست، دھوکا باز اور فریبی لیڈر اور سیاست دان ڈھنڈورا پیٹتے ہیں۔ معیارِ زندگی ایک بالکل مبہم اصطلاح ہے جو تقریباً بے معنی ہے، اس معیارِ زندگی کا کوئی ترازو اور کنڈا موجود نہیں ہے جس پر سب لوگوں کی زندگی کو پرکھا جا سکے اور بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ اچھے لوگ بظاہر تنگ دستی کی زندگی گزارتے ہیں مگر ان میں سرور اور اطمینانِ قلب بادشاہوں سے بھی زیادہ ہوتا ہے۔ (اسی کو دیکھ کر گوتم بدھ دلی بے اطمینانی کا علاج تلاش کرنے کے لیے نکلا تھا۔ اور آخر اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ خواہش کو ختم کردو تو اطمینان ملے گا!) اور اجتماعی زندگی میں ان کو مشکلات، مقابلے اور اذیت کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اس کی بہت سی مثالیں ہیں، ایک مثال مکی زندگی میں اصحابؓ کی ہے کہ جاہلیت انہیں جینے نہ دیتی تھی، مگر وہ اپنے حال میں مست تھے اور ہر قسم کے مخالف حالات کے باوجود انہیں اطمینان اور مسرت حاصل تھی، لیکن اس کا مطلب یہ بھی نہیں ہے کہ مظلوموں کو ان کی مظلومیت پر مطمئن کرنے کی کوشش کی جائے تاکہ عیاش اور بدقماش لوگ خوب مزے لوٹیں، اسلام ان حالات کو مٹانا چاہتا ہے اور اس قسم کی حالت پر کبھی راضی نہیں ہو سکتا۔ وہ کچھ خاص قسم کے عارضی حالات ہوتے ہیں جن کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے۔

ہر صاحبِ فضیلت کو اس کی جزا دے گا!

اس سے مراد بعض مفسرین کے قول کے مطابق صرف اخروی جزا نہیں ہے، بلکہ میرے نزدیک یہ جزا دنیا و آخرت دونوں کو محیط ہے۔ دنیوی زندگی کا "متاعِ حسن" جس کا اوپر ذکر ہوا وہ بھی اس میں داخل ہے، صاحبِ فضیلت کی رضائے نفسی بھی اس جزا کا حصہ ہے، اللہ پر اطمینان و اتصال بھی اس میں داخل ہے انسان جو مال یا محنت یا وقت اچھائی اور نیکی میں لگاتا ہے وہ بھی اسی فضیلت کا حصہ ہے۔ آخرت کی جزا

Marfat.com

تو اللہ تعالیٰ کا خاص فضل و رحمت ہے جسے کسی پیمانے اور ترازو سے ناپا نہیں جا سکتا، اور آگے فرمایا ہے کہ : وان تولوا فانی اخاف علیکم عذاب یوم کبیر۔ اس سے مراد روزِ قیامت کا عذاب ہے، نہ کہ عذاب یوم بدر، جیسا کہ بعض مفسرین کا قول ہے یوم کبیر کا لفظ قیامت کے دن پر ہی بولا جاتا ہے اور اس کی تائید آیت کا اگلا حصہ کرتا ہے کہ : الی اللہ مرجعکم۔ اس مرجع سے مراد قیامت ہے۔ اگرچہ ہر لحظہ، ہر لمحہ، ہر وقت اور ہر گھڑی انسان کا مرجع دنیا میں آخرت میں اللہ کی طرف ہے، اور پھر آیت کا آخری جملہ : وھو علی کل شیئٍ قدیر اس کا فیصلہ کر دیتا ہے، کیونکہ یہ تعبیر اور یہ کل شئی کی تلمیح یہی بتاتی ہے۔

وہ دلوں کے بھید جانتا ہے!

آیت : ۵ میں بتایا گیا ہے کہ اس کتابِ محکم و مفصّل کی آیات کو ان میں سے ایک فریق کس طرح حاصل کرتا تھا، ان کے مقابلے میں کیا کچھ کرتا تھا، سر جھکانا، سینے موڑنا اور مخفی ہونے کی کوشش کرنا، یہ سبھی حرکتیں ان سے سرزد ہوتی تھیں تاکہ کسی نہ کسی طور سے قرآن کی تعلیم سے پیچھا چھڑا سکیں، فرماتا ہے :

"سن لو کہ وہ اپنے سینے موڑتے ہیں تاکہ اس سے چھپ جائیں، خبردار! جب وہ اپنے کپڑے لپیٹتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کی پوشیدگیوں اور ان کے علانیہ کو جانتا ہے"

اس آیت میں یا تو انسانوں کے خداوند تعالیٰ کے حضور میں حاضری کے وقت کی بعض حرکات کا ذکر ہے جو اُن سے غیر شعوری طور پر ازراہِ خوف سرزد ہوں گی اور یا پھر یہ وہ خاص کیفیت ہے جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قرآنی احکام پیش کرنے کے وقت کفارِ مدینہ کی ہوتی تھی کہ وہ سینہ موڑتے، سر جھکاتے، اور قرآن کی تاثیر سے بچنا چاہتے تھے، وہ بھلا کیسے بچ سکتے تھے، جب کہ اللہ تعالیٰ ان کی حالت کو اس وقت بھی خوب جانتا تھا، جب کہ وہ اپنے بستروں پر لحاف، کمبل اور چادریں اوڑھ کر سوتے تھے، جب یہ چیزیں ان کو خداوند تعالیٰ سے نہیں چھپا سکتی تھیں تو وہ حرکات جن کا ذکر اوپر ہو چکا، بھلا انہیں اللہ تعالیٰ کے علم محیط سے کیونکر بچائیں گی؟

الحمد للہ تعالیٰ کہ گیارہواں جزء بخیر و خوبی ختم ہوا، اور اب ہم ان شاء اللہ تعالیٰ اگلا جزء شروع کریں گے۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ رسولہ محمد وآلہ وصحبہ اجمعین

Marfat.com

وما آتاکم الرسول فخذوہ وما نہاکم عنہ فانتہوا

سنن ابو داؤد شریف (مترجم)

۴۸۰۰ - احادیث نبوی ﷺ کا مستند اور گراں بہا مجموعہ
جس کو شیخ الاسلام زین المحدثین امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث سجستانی
نے پانچ لاکھ احادیث نبوی ﷺ کے مجموعے سے منتخب فرمایا تھا۔

ترجمہ و فوائد

حضرت علامہ وحید الزمان رحمہ اللہ

اسلامی اکادمی ۰ اردو بازار
لاہور ۰ پاکستان

Marfat.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

پارہ ۱۲

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا
وَمُسْتَوْدَعَهَا ۭ كُلٌّ فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝۶ وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَي الْمَاۗءِ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ
اَحْسَنُ عَمَلًا ۭ وَلَىِٕنْ قُلْتَ اِنَّكُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ مِنْۢ بَعْدِ الْمَوْتِ لَيَقُوْلَنَّ
الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۷ وَلَىِٕنْ اَخَّرْنَا عَنْهُمُ
الْعَذَابَ اِلٰٓى اُمَّةٍ مَّعْدُوْدَةٍ لَّيَقُوْلُنَّ مَا يَحْبِسُهٗ ۭ اَلَا يَوْمَ يَاْتِيْهِمْ
لَيْسَ مَصْرُوْفًا عَنْهُمْ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۸ وَ ع
لَىِٕنْ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنٰهَا مِنْهُ ۚ اِنَّهٗ لَيَـُٔوْسٌ كَفُوْرٌ ۝۹
وَلَىِٕنْ اَذَقْنٰهُ نَعْمَاۗءَ بَعْدَ ضَرَّاۗءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ ذَهَبَ السَّيِّاٰتُ
عَنِّيْ ۭ اِنَّهٗ لَفَرِحٌ فَخُوْرٌ ۝۱۰ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ
لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ۝۱۱ فَلَعَلَّكَ تَارِكٌۢ بَعْضَ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ
وَضَاۗىِٕقٌۢ بِهٖ صَدْرُكَ اَنْ يَّقُوْلُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ جَاۗءَ مَعَهٗ
مَلَكٌ ۭ اِنَّمَآ اَنْتَ نَذِيْرٌ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ۝۱۲ اَمْ يَقُوْلُوْنَ
افْتَرٰىهُ ۭ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ
مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۱۳ فَاِلَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ فَاعْلَمُوْٓا
اَنَّمَآ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ وَاَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝۱۴

مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا نُوَفِّ إِلَيْهِمْ أَعْمَالَهُمْ فِيهَا
وَهُمْ فِيهَا لَا يُبْخَسُونَ ﴿۱۵﴾ أُولٰٓئِكَ الَّذِينَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ
إِلَّا النَّارُ ۖ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوا فِيهَا وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۶﴾ أَفَمَنْ
كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ وَيَتْلُوهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ
مُوسٰٓى إِمَامًا وَّرَحْمَةً ۚ أُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُونَ بِهٖ ۚ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ
الْأَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ ۚ فَلَا تَكُ فِي مِرْيَةٍ مِّنْهُ ۚ إِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ
رَّبِّكَ وَلٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿۱۷﴾ وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى
عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۚ أُولٰٓئِكَ يُعْرَضُونَ عَلٰى رَبِّهِمْ وَيَقُولُ الْأَشْهَادُ هٰٓؤُلَآءِ
الَّذِينَ كَذَبُوا عَلٰى رَبِّهِمْ ۚ أَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِينَ ﴿۱۸﴾ الَّذِينَ
يَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ وَيَبْغُونَهَا عِوَجًا ۖ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ
كٰفِرُونَ ﴿۱۹﴾ أُولٰٓئِكَ لَمْ يَكُونُوا مُعْجِزِينَ فِي الْأَرْضِ وَمَا كَانَ لَهُمْ
مِّنْ دُونِ اللّٰهِ مِنْ أَوْلِيَآءَ ۘ يُضٰعَفُ لَهُمُ الْعَذَابُ ۚ مَا كَانُوا يَسْتَطِيعُونَ
السَّمْعَ وَمَا كَانُوا يُبْصِرُونَ ﴿۲۰﴾ أُولٰٓئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوٓا أَنْفُسَهُمْ وَ
ضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿۲۱﴾ لَا جَرَمَ أَنَّهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ
الْأَخْسَرُونَ ﴿۲۲﴾ إِنَّ الَّذِينَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَأَخْبَتُوٓا إِلٰى
رَبِّهِمْ ۙ أُولٰٓئِكَ أَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيهَا خٰلِدُونَ ﴿۲۳﴾ مَثَلُ الْفَرِيقَيْنِ
كَالْأَعْمٰى وَالْأَصَمِّ وَالْبَصِيرِ وَالسَّمِيعِ ۚ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا ۚ أَفَلَا
تَذَكَّرُونَ ﴿۲۴﴾ ع ۲

ترجمہ: "اور زمین میں کوئی جاندار بھی نہیں جس کا رزق اللہ پر نہ ہو، اور وہ اس کے ٹھکانے کو، اور اس کے سونپے جانے کی جگہ کو جانتا ہے، یہ سب ایک روشن کتاب میں ہے (۶) اور وہ وہی خدا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا، اور اس کا تخت پانی پر تھا تاکہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے کون بہتر عمل والا ہے۔ اور اگر تو کہے کہ تمہیں موت کے بعد اٹھایا جائے گا تو کافر بالضرور کہیں گے کہ یہ تو کھلا جادو ہے (۷) اور اگر ہم ان کے عذاب کو مؤخر کردیں ایک گنی ہوئی مدت تک، تو وہ کہیں گے کہ اس کو کیا چیز روکتی ہے؟ سن لو کہ جس دن وہ ان کے پاس آئے گا تو ان سے ہٹایا نہ جانے والا ہوگا۔ اور انہیں برباد کردے گا، جو وہ استہزاء کرتے تھے (۸) اور اگر ہم انسان کو اپنی طرف سے رحمت چکھائیں، پھر ہم اس کو اس سے کھینچ لیں، تو وہ بہت مایوس، بہت ناشکرا ہوتا ہے (۹) اور اگر ہم اس کو مصیبت کے بعد راحت چکھائیں تو وہ ضرور کہے گا، کہ مجھ سے برائیاں جاتی رہیں، بلاشبہ وہ بہت خوش بہت فخر یلا ہوتا ہے (۱۰) سوائے ان کے جنہوں نے صبر کیا اور نیک عمل کیے۔ وہی لوگ ہیں، جن کے لیے بخشش ہے اور بڑا اجر ہے (۱۱) سو شاید تو چھوڑنے والا ہے بعض وہ چیزیں جو تیری طرف وحی کی گئیں، اور اس پر تیرا دل تنگ ہونے والا ہے کہ وہ کہیں کہ کیوں نہ اتارا گیا ان پر کوئی خزانہ، یا کیوں نہ آیا اس کے ساتھ کوئی فرشتہ، بلاشبہ تو تو ایک خبردار کرنے والا ہے، اور اللہ ہر چیز پر کارساز ہے (۱۲) کیا وہ کہتے ہیں کہ اس نے اس کو گھڑ لیا ہے، تو کہہ کہ پھر لاؤ تم اس جیسی دس گھڑی ہوئی سورتیں، اور بلاؤ جس کو بلا سکو، اللہ کے سوا، اگر تم سچے ہو (۱۳) پھر اگر وہ تمہاری بات نہ مانیں تو جان لو کہ اس کو اتارا گیا اللہ کے علم کے ساتھ اور یہ کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، تو کیا تم اسلام لانے والے ہو؟ (۱۴) جو دنیوی زندگی کو چاہے اور اس کی سجاوٹ کو، تو ہم اسی میں ان کے اعمال ان کو پورے دے دیں گے اور ان کو اس دنیا میں کم نہ دیا جائے گا (۱۵) یہ وہی لوگ ہیں کہ ان کے لیے آخرت میں آگ کے سوا کچھ نہیں، اور ضائع ہو جائے گا جو کچھ انہوں نے بنایا، اور مٹ جانے والا ہے جو کچھ وہ کرتے تھے (۱۶) پس جو شخص ہو اپنے رب کی طرف سے کھلی دلیل پر، اور اس کے پیچھے آئے اس کا ایک گواہ، اور اس سے پہلے موسیٰ کی کتاب اسی حال میں کہ وہ امام اور رحمت تھی، وہی لوگ اس پر ایمان لاتے ہیں۔ اور جو اس کا انکار کرے ان گروہوں میں سے، تو اس کا ٹھکانہ آگ ہے پس تو نہ ہو اس کے متعلق کسی شک میں، بے شک وہ حق ہے تیرے رب کی طرف سے، لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے (۱۷) اور اس سے بڑا ظالم اور کون ہے جو اللہ پر جھوٹا بہتان لگائے، ان کو پیش کیا جائے گا، ان کے رب کے سامنے، اور کہیں گے گواہ، یہ ہیں وہ لوگ جنہوں نے اپنے رب پر جھوٹ بولا، خبردار! ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے (۱۸) جو روکتے ہیں اللہ کی راہ سے، اور اس میں کجی چاہتے ہیں اور وہ آخرت کے منکر ہیں (۱۹) وہ لوگ نہ تھے عاجز کرنے والے زمین میں اور ان کے لیے اللہ کے سوا کوئی دوست نہ تھا، ان کے لیے عذاب دگنا

Marfat.com

کیا جاتے گا ، وہ سُننے کی طاقت نہیں رکھتے ، اور نہ وہ دیکھتے تھے (۲۰) وہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنا ہی نقصان کیا ، اور گم ہو گیا ان سے جو کچھ وہ افترا کرتے تھے (۲۱) خواہ مخواہ آخرت میں وہی سب سے بڑے خسارہ پانے والے ہوں گے (۲۲) بلاشبہ وہ لوگ جو ایمان لاتے اور انہوں نے نیک اعمال کیے ، اور اپنے رب کے آگے عاجزی کی ، وہی ہیں جنت والے جو اس میں ہمیشہ رہیں گے (۲۳) ان دونوں فریقوں کی مثال یوں ہے جیسے ایک اندھا بہرا ہو ، اور دوسرا دیکھنے سننے والا ہو ۔ کیا یہ دونوں مثال میں برابر ہیں ؟ کیا تم نصیحت نہیں پاتے ہو؟ (۲۴)

ابتدائی کلام

سورت کی پہلی پانچ آیات پارہ نمبر ۱۱ کے آخر میں گذر چکی ہیں ، اور ان پر گفتگو وہاں ہوئی ہے ۔ سورت کا یہ ابتدائی درس ایک مقدمے کی مانند ہے جو قصوں سے پہلے آیا ہے ، اور انجام کا بیان قصوں کے بعد ہے۔ اس درس میں اسلامی عقائد کے بنیادی حقائق کا بیان ہے جو یہ ہیں ، خدائے واحد کی ربوبیت بغیر کسی نزاع کے ، اور اللہ کی عبودیت بغیر کسی شریک کے ۔ اور بعث و قیامت کا عقیدہ تاکہ لوگوں کے دارالعمل اور دارالابتلاء (یعنی دنیا) میں کیے ہوئے عمل اور کسب پر ان کا حساب ہو ، اور انہیں جزا دی جائے ۔ لوگوں کے سامنے ان کے برحق رب کی تعریف کی جائے ، ان کے وجود میں ، اور ان کے اردگرد کائنات کے وجود میں اس کی کارفرما صفات کا ذکر کیا جائے ، الوہیت کی حقیقت ، اور عبودیت کی حقیقت کی تعریف بیان کی جائے ۔ اور بتایا جائے کہ انسان کی زندگی میں ان کا تقاضا کیا ہے ۔ اور یہ کہ آخرت میں ربوبیت صرف اللہ تعالیٰ کی ہے جس طرح کہ دنیا میں بھی ہے ، اسی طرح یہ مقدمہ رسالت کی طبیعت اور رسولؐ کی طبیعت کے بیان پر بھی مشتمل ہے ۔ اور اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی اور ترویج کا سامان بھی ہے کہ وہ دشمنوں کے عناد اور تکذیب سے نہ گھبرائیں اور تحدی اور مکابرہ کا مقابلہ کریں جو اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکی زندگی میں درپیش تھا ، جیسا کہ ہم اس سورت کے تعارف میں بتا چکے ہیں ۔ اس کے ساتھ ساتھ قرآن کے مکذب مشرکوں کو مقابلے کی تحدی بھی کی گئی ہے کہ وہ اس جیسی دس گھڑی ہوئی سورتیں لے آئیں ——— جیسے کہ وہ کہتے ہیں کہ یہ قرآن افترا سے گھڑا گیا ہے ۔ معاذاللہ ۔ یہ ظاہر ہے کہ مشرک اس تحدی کے مقابلے سے عاجز رہے ۔ اور اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قلیل مومن جماعت کو تسلی اور اطمینان دلایا گیا ہے ۔ اس تحدی کے ساتھ ساتھ مکذبین کے لیے ایک کرتوڑ دھمکی بھی ہے کہ ایک بڑا عذاب آخرت میں ان کا منتظر ہے ۔ اور افسوس یہ ہے کہ وہ عذاب میں جلدی مچاتے ہیں ، حالانکہ ان میں یہ ہمت بھی نہیں ہے کہ ان سے دنیا کی رحمت کو کھینچ لیا جائے ، اور وہ دنیا کے ابتلاء پر صبر نہیں کر سکتے ، حالانکہ وہ آخرت کے عذاب سے کہیں آسان ہے ۔ پھر ان کے سامنے قیامت کے نظاروں میں سے ایک نظارہ پیش کیا گیا ہے ، جس میں مکذبین قرآن کا موقف دکھایا گیا ہے ، ان کا عجز اور ان کے اولیاء و شرکا کا عجز ظاہر کیا گیا ہے اور قرآن کے طریقے کے مطابق فریقین کی ایک تصویر کھینچی گئی ، جس میں اندھے بہرے ایک طرف ہیں ، اور دیکھتے سنتے دوسری طرف ۔ ظاہر ہے کہ یہ دونوں اور ان کی مثال برابر نہیں ہو سکتی ۔

Marfat.com

اللہ تعالیٰ کا علم شامل و کامل

"اور زمین میں کوئی جاندار ایسا نہیں ہے، جس کا رزق اللہ کے ذمہ نہ ہو، اور وہ اس کا ٹھکانہ اور آخری آرام گاہ نہ جانتا ہو، یہ سب کچھ ایک روشن کتاب میں ہے۔"

یہ اسی سورت کی چھٹی آیت ہے، جس میں اللہ تعالیٰ کے کامل و مکمل علم کی صورت بتائی گئی ہے۔ دآبہ سے مراد ہر وہ چیز ہے جو زمین پر متحرک ہوتی ہے۔ انسان ہو یا حیوان ہو رینگنے والی چیزیں ہوں یا کیڑے مکوڑے، یہ سب جاندار جو سطح زمین پر یا اس کے اندر ہیں۔ ان کا شمار اور حساب اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اللہ ان سب کو جانتا ہے، اور ان سب کا رزق اسی کے ذمہ ہے، وہی جانتا ہے کہ یہ چیزیں کہاں ٹھہرتی ہیں اور کہاں چھپتی ہیں۔ کہاں سے آتی ہیں اور کہاں جاتی ہیں۔ ایک ایک کا حساب اللہ کے پاس ہے۔ کسی انسان کا تصور ان تمام جانداروں کو نہیں پا سکتا۔ جو زمین کے اوپر یا نیچے رہتے ہیں، بہت سے ممالک کی بے شمار اور بے حد و حساب مخلوقات جیسے سوچنے سے انسان مرعوب ہو جاتا ہے۔ ان سب کا علم اور رزق اللہ کے پاس ہے انسان جب اس آیت پر غور کرے تو کانپ جائے گا۔

کائنات کے رزق کی ذمہ داری

اس آیت میں صرف اللہ تعالیٰ کا علم شامل و کامل ہی بیان نہیں ہوا، بلکہ اس کے ساتھ ہر جاندار کے رزق کی ذمہ داری کا ذکر بھی ہے، ان مخلوقات کے تصور سے بھی خیال عاجز رہتا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ کا ارشاد یہ ہے کہ ان سب کی ذمہ داری مجھ پر ہے کہ میں ان کی ہر ضروری چیز ان کو مہیا کروں۔ اللہ تعالیٰ نے اس زمین میں ان تمام مخلوقات کی حاجات کے پورا کرنے کا سامان رکھ دیا ہے۔ بری مخلوق کو رزق خشکی میں، اور بحری کو سمندر میں ملتا ہے۔ ہوا کے پرندوں کے رزق کا بھی کما حقہٗ انتظام موجود ہے۔ تمام مخلوقات میں اللہ تعالیٰ نے یہ طاقت پیدا فرمادی ہے کہ اپنے ماحول سے اپنے رزق کو حاصل کرے۔ انسان اس رزق کو خام مال کی صورت میں حاصل کر کے عقل خداداد اور سازو سامان خداداد کے ساتھ اسے پکاتا اور کھانے کے قابل بناتا ہے، قسم قسم کے کھانے، طرح طرح کی مزیدار چیزیں تیار کرتا ہے۔ کھانوں کو ایک دوسرے سے ملاتا ہے، سالن کے لئے قسم قسم کے مصالحے مہیا کرتا ہے، جن کو اللہ تعالیٰ نے خبر نہیں کہاں کہاں، کس کس صورت میں پیدا فرمایا ہے۔ ایک کھانے اور اس کی کیفیت و فوائد پر اگر گہرا غور کریں تو حیرانی ہوتی ہے، اور پھر اس قدر کھانے، پھل، غلے، کچے پکے میوے، ٹھوس اور مائع شکل میں موجود ہیں کہ انسان شمار نہیں کر سکتا۔ بعض مخلوقات مثلاً مچھر، مکھی، پسو وغیرہ اپنی روزی ہضم شدہ خون کی صورت میں حاصل کرتے ہیں۔ سبحان اللہ العظیم۔

اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کو جن میں صورتوں پر پیدا کیا ہے وہی ان کے لائق تھیں اور انہی صورتوں اور جسم و جان میں وہ قابلیت اور استعداد میں پیدا ہو سکتی تھیں، جن کو کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں ودیعت فرمایا ہے خاص کر انسان کو جس کو اللہ تعالیٰ نے زمین میں نائب بنایا ہے، اور اس کو تحلیل و ترکیب کی قدرت دی ہے، پیداواری قوتوں کے استعمال کے نشوونما بڑھانے کی طاقت بخشی ہے۔ سطح زمین کو درست کرنے اور زندگی کی

Marfat.com

اوضاع کو بنانے کی عقل بخشی ہے۔ وہ رزق حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے جس کا وہ خود خالق نہیں ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ نے رزق کو جو خزانے کائنات ارضی (بحوبر) میں رکھے ہیں، وہ عقل خداداد سے ان کو حاصل کرتا ہے، زمین کو اس کام میں استعمال کرتا ہے جس کے ذریعے سے وہ تخلیق رزق کا ذریعہ بنتی ہے۔

خدائی ذمہ داری کا مطلب

عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے افراد کا رزق اس طرح مہیا فرمایا ہے کہ انہیں اس کے حصول کے لیے محنت و مشقت نہ کرنی پڑے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھے رہنے سے اور غفلت اور سستی سے، بلکہ حصول کے برخلاف کوشش کرنے سے بھی کوئی نقصان نہیں ہوتا، بلکہ رزق بہرصورت مل جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے توکل کا حکم دیا ہے نہ کہ تعطل کا۔ یہ تعطل ہے، توکل نہیں۔ توکل تو یہ ہے کہ کائناتی اسباب کو کام میں لایا جائے کہ ہمت اور کوشش صرف کی جائے۔ لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ کا مطلب قانونِ قدرت یہی ہے کہ محنت و مشقت کو تو انہیں فطرت کا ایک حصہ مانا جائے۔ انسان کی خلافتِ ارضی کا مطلب یہی ہے کہ وہ زمین پر اپنا فرض ادا کرے، اور جو قوتیں اسے دی گئی ہیں، ان سے کام لے، فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ گویا توکل بعد میں ہے اور عزم و ہمت پہلے۔ یہ برحق ہے کہ ہر مخلوق کا رزق مقدر ہے۔ مگر یہ رزق اس کائنات میں بطور ذخیرہ جمع کر دیا گیا ہے۔ مگر اس کا حصول اللہ تعالیٰ کی ان سنن کے مطابق ہوتا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ محنت اور جدوجہد کا نتیجہ ہے۔ کسی کو سعی و جہد سے نہیں بیٹھے رہنا چاہیئے، کیونکہ یہ تو معلوم ہے کہ آسمان سونا چاندی نہیں برساتا بلکہ بارش برساتا ہے جس کے نتیجے میں زمین کے اندر سے رزق کے خزانے ظاہر ہوتے ہیں۔ اور یہ خزانے ان لوگوں کو ملتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی سنت کے مطابق ان کو تلاش کرتے اور محنت سے حاصل کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی سنت کسی کے لیئے نہیں بدلتی، اور نہ کسی کی محنت ضائع جاتی ہے۔ کمائی یا تو طیب ہوگی یا خبیث، دونوں کا حصول محنت اور جدوجہد سے ہوتا ہے، مگر نوع اور وصف کا اختلاف ہے۔ اور جیسا کسب ہوگا، ویسا ہی اس کا حکم ہوگا۔ یہ دونوں آیات (۵ - ۶) جن میں ۵ تو پارہ ۱۱ میں گذری، اور چھٹی یہاں ہے، انسانوں کو ان کے حقیقی رب سے متعارف کراتی ہیں کہ اس کے سوا کسی کی دینونت (عبادت) نہ کریں۔ وہی اپنی مخلوق کا ایسا عالم ہے۔ اس کا علم ساری مخلوق پر محیط ہے، وہی ایسا رازق ہے جو اپنی ساری مخلوق کو رزق دیتا ہے۔ خالق و مخلوق کا (تعلق) جاننے کے لیئے اس بات کا علم ضروری ہے تاکہ بندے صرف اسی ایک خالق برحق کی عبادت کریں۔

خالق ورب کائنات کی تعریف

تعریف سے مراد پہچان کرانا ہے۔ آیت نمبر۷ میں انسانوں کو ان کے رب کی تعریف اور اس کی قدرت و حکمت کے آثار بتائے گئے ہیں کہ اس نے کائناتِ ارضی و سماوی کو ایک خاص نظام کے ساتھ کئی اطوار میں اور محکم مدتوں میں اپنی خاص حکمت سے پیدا فرمایا۔ اور پھر اللہ تعالیٰ نے یہاں پر اس سے بعث و جزاء اور عمل و حساب کا معاملہ ثابت فرمایا ہے۔

Marfat.com

"اور وہ وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا فرمایا۔ اور اس کا عرش پانی پر تھا، تاکہ تم کو آزمائے کہ تم میں سے کس کا عمل احسن ہے۔ اور اگر تو کہے کہ تمہیں موت کے بعد اُٹھایا جائے گا، تو کافر کہیں گے۔ یہ تو ایک کھلا جادو ہے۔"

جہاں تک چھ دن میں آسمان و زمین کی پیدائش کا تعلق ہے۔ اس کے بارے میں ہم سورۃ یونس (پارہ ۱۱) میں بیان کر چکے ہیں۔ یہاں پر یہ بیان نظام کائنات اور انسانوں کی زندگی کے نظام کے مابین ربط کے لیے آیا ہے اور وہ ربط یہ ہے کہ "تاکہ وہ تم کو آزمائے کہ تم میں سے عمل میں احسن کون ہے؟" اور یہاں پر زمین و آسمان کی پیدائش کے بارے میں یہ جملہ آیا ہے کہ "اور اس کا عرش پانی پر تھا" اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آسمان و زمین کی پیدائش سے پہلے پانی موجود تھا۔ اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کا تختِ جلال پانی کے اوپر تھا۔ مگر یہاں پر یہ نہیں بتایا گیا کہ وہ پانی کہاں تھا؟ اس کی کیفیت کیا تھی؟ وہ اپنے حالات میں سے کس حالت میں تھا؟ اور اللہ کا عرش اس پانی پر کس طرح تھا؟ ان چیزوں کو نصِ قرآنی میں نہیں بتایا گیا۔ کسی مفسر کا یہ کام نہیں کہ نصِ قرآنی کے مدلول پر اضافہ کرے۔ یہ اس کے اپنے مقام سے تجاوز ہوگا۔ یہ اس غیب کا معاملہ ہے جس کو جاننے کا ہمارے پاس سوائے قرآنی نصوص کے اور کوئی ذریعہ نہیں ہے۔

نصوصِ قرآنی اور سائنسی نظریات

ہمارے لیے یہ روا نہیں ہے کہ ہم قرآنی نصوص مصداق ان نظریات سے تلاش کریں جن کو سائنسی نظریات کہتے ہیں، اگرچہ نص کا ظاہر اس نظریے سے متفق ہو۔ اور اس پر منطبق ہوتا ہو۔ کیونکہ سائنسی نظریات ہمیشہ انقلاب اور ہیر پھیر کے قابل رہتے ہیں، بدلتے رہتے ہیں، چند روز کی بہار دکھا کر غائب ہو جاتے ہیں (فرائڈ، ہیگل اور فارس کے نظریات کا آج قرآنی باتوں میں شمار ہے جن کو قدیم اور تبدیل شدہ کہا جاتا ہے۔ سائنس کے علماء جب بھی کوئی جدید مفروضہ معلوم کرتے ہیں، اور اس کا امتحان لیتے ہیں تو اس کو پرانے مفروضے کی نسبت کائناتی ظواہر کی تفسیر سے قریب تر پاتے ہیں۔ پہلا نظریہ بھی مفروضے پر قائم تھا، وہ ختم ہو جاتا ہے اور دوسرے مفروضے پر ایک جدید نظریہ قائم ہو جاتا ہے۔ درآنحالیکہ نصِ قرآنی اپنی ذات کے لحاظ سے سچی اور برحق ہے خواہ سائنس اس کی قائم کردہ حقیقت تک پہنچے چاہے نہ پہنچے۔ اور سائنسی حقیقت اور سائنسی نظریئے میں بڑا فرق ہے۔ سائنسی حقیقت تجربے کے لائق ہوتی ہے۔ اگرچہ قطعی نہیں ہوتی اور ہمیشہ احتمالی ہوتی ہے، اور سائنسی نظریہ ایک مفروضے پر قائم ہوتا ہے، جو کسی کائناتی مظہر یا متعدد ظواہر کی تفسیر کرنے کا مدعی ہوتا ہے۔ اور وہ ہر وقت تغیر تبدل اور انقلاب کے قابل ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کو اس پر اور اس کو قرآن پر محمول نہیں کیا جا سکتا۔ اس کا طریق قرآنی طریق سے الگ ہے۔ اور اس کا میدان قرآنی میدان سے جداگانہ ہے۔ قرآنی نصوص کے لیے موافق سائنسی نظریات کی تلاش ایمان کی شکست خوردگی ہے جس کا قرآنی صدق و صحت پر ایمان ہو وہ ایسا نہیں کرتا، قرآن تو حکیم و خبیر خدا کی طرف سے ہے جبکہ سائنسی نظریات انسانی ہیں۔ یہ شکست خوردگی سائنس پر مفتون ہونے کے باعث ہے۔ سائنس کا اپنا ایک دائرہ اور اپنا ایک میدان ہے جو صرف مادی اور طبعی ہے، اس کے آگے نہ اس کا میدان ہے نہ اس کی تصدیق کی جاتی ہے جو لوگ قرآن کو سائنسی نظریات سے تطبیق دیتے ہیں وہ قرآن یا عقیدۂ اسلام کی کوئی خدمت بجا نہیں لاتے

Marfat.com

کل اگر وہ نظریات بدل جائیں تو پھر کیا ہوگا ؟

انسانی سائنس اور ایمان

جو ایمان ثبوت کے لیے ہر دم بدلنے والے انسانی علم کی تصدیق کا منتظر ہو ، اس ایمان پر نظر ثانی کی ضرورت ہے ۔ ایمان تو یہ ہے کہ قرآن ہی اصل ہے ، سائنسی نظریات خواہ اس کی موافقت کریں یا مخالفت اس کے لیے برابر ہے ۔ جہاں تک سائنس کے تجرباتی حقائق کا سوال ہے ، ان کا میدان اور ہے اور قرآن کا میدان اور ہے ۔ قرآن نے تجرباتی مادی میدان کو عقل انسانی کے لیے چھوڑ رکھا ہے کہ وہ پوری آزادی کے ساتھ اس میدان میں کام کرے اور اپنے تجربات سے نتائج تک پہنچے ۔ اور اپنے آپ کو اس نے عقل کی صحت پر تربیت کے لیے مقرر کر رکھا ہے " تاکہ عقل سیدھی رہے ۔ سلامت رہے ۔ اوہام و خرافات اور فرضی افسانوں سے محفوظ رہے ۔ اس نے اس بات کی ذمہ داری بھی لی ہے کہ ایسا نظام حیات قائم رہے جو عقل کو مستقیم ، سلامت ، آزاد اور بیدار رکھے ۔ پھر اس کے بعد اس نے عقل کو چھوڑ دیا ہے کہ اپنے خاص دائرے میں کام کرے اور اپنے تجربات کے ساتھ واقعات کے جزئی حقائق تک پہنچے ۔ قرآن سائنسی حقائق پر شاذ و نادر ہی بات کرتا ہے ۔ مثلاً یہ کہ پانی حیات کی اصل ہے اور تمام زندوں میں یہ ایک مشترک عنصر ہے ۔ اور مثلاً یہ کہ تمام زندہ چیزوں کے جوڑے ہیں ۔ حتیٰ کہ نباتات میں بھی تذکیر و تانیث کے خلیے موجود ہیں ۔ اور اسی قسم کے بعض اور حقائق جن کی نصوص قرآنی نے صراحت کی ہے ۔

اب یہاں سے ہم دوبارہ نصوص قرآنی کی طرف لوٹتے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ " اور وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا ۔ اور اس کا عرش پانی پر تھا ۔ تاکہ تم کو آزمائے کہ تم میں سے کس کا عمل اچھا ہے ۔ "

آسمان اور زمین کے چھ دن کے پیدا کرنے کے ذکر کے بعد بہت سے محذوف فقرے ہیں جن پر ان کا مابعد دلالت کرتا ہے ، لہٰذا ان کی ضرورت نہیں سمجھی گئی ۔ اللہ تعالیٰ نے کائنات ارضی وسماوی کو اس مدت میں پیدا فرمایا " تاکہ وہ انس کی جنس کی زندگی کے لیے صالح اور تیار ہو جائے ۔ اور تم کو پیدا کیا اور زمین کو تمہارے لیے مطیع کیا ۔ اور جتنی چیزیں آسمانوں کی تمہارے لیے مفید تھیں ، ان کو تمہارے لیے مسخر فرمایا ۔ اور وہ پاک ذات ساری کائنات پر غالب اور نگران ہے ۔ " تاکہ تم کو آزمائے کہ تم میں کس کا عمل احسن ہے ۔ " اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی ذمہ داری کس قدر ہے ۔ اور اسے اپنے ابتلاء کا کتنا خیال رکھنا چاہیے ۔

انسانی ابتلاء اور عطائی اختیار

خالق کائنات نے جس طرح زمین و آسمان کی تخلیق فرمائی ، اور انہیں اس مخلوق کے رہنے کے قابل بنایا جس کا ان میں رکھنا مطلوب تھا ۔ اسی طرح جنس انسانی کو کچھ خاص استعدادیں اور قوتیں بخشیں ۔ اور اس کی فطرت اسی قانون کے مطابق بنائی جو کہ کائنات پر حکمران ہے ۔ اور اس میں ایک زائد چیز یہ رکھی کہ اسے کچھ اختیار بھی بخشا ۔ جس کے ساتھ وہ ہدایت اور ضلالت کی راہوں میں ایک کو چن لے ۔ جس راہ کو بھی وہ اپنے لیے منتخب کرے

Marfat.com

گا۔ اللہ تعالیٰ اس پر چلنا اس کے لیے آسان کر دے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے انسان کو چھوڑ دیا تاکہ وہ عمل کرے اور جدھر کو جانا ہے جائے۔ یہی مطلب ہے اسی آیت کا کہ۔ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا۔ اللہ کی آزمائش جاننے کے لیے نہیں ہوتی کیونکہ وہ تو عالم الغیب والشہادۃ ہے۔ بلکہ اس لیے ہوتی ہے تاکہ جو کچھ انسان کے اندر چھپا ہوا ہے وہ باہر نکلے۔ پھر وہ اپنی نیکی یا بدی کے مطابق اللہ تعالیٰ کے ارادے اور عدل کے مطابق جزا و سزا پائیں۔ یہی سبب ہے کہ انسانی تکذیب بعث و حساب اور جزاء و سزا کے متعلق بڑی عجیب و غریب دکھائی دیتی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بتلا دیا ہے کہ ابتلاء کا ربط تکوینِ کائنات کے ساتھ قائم ہے۔ اس وجود کے نظام اور اس کی سنن کے ساتھ مربوط ہے۔ پھر مکذبین کا اس آیت کی رُو سے بے خبر غافل ہونا اور حقائق سے بے خبر ہونا بھی معلوم ہوتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ جب ان کے سامنے آخرت کا مضمون آئے تو وہ اس کو "واضح جادو" ٹھہراتے ہیں۔ فرمایا ہے کہ "اگر تو کہے کہ بلاشبہ تم کو موت کے بعد اُٹھایا جائے گا۔ تو کافر کہتے ہیں کہ یہ تو ایک کھلا ہوا جادو ہے۔" (آیت، کا بقیہ) ان کا یہ قول بڑا عجیب و غریب ہے اور نہایت جھوٹا قول ہے۔

دنیوی عذاب کے متعلق بھی ان کا یہی حال ہے

مکذبین نے جس طرح دوبارہ اُٹھائے جانے کی تکذیب کی ہے۔ اور اس طرح "قانونِ فطرت اور ناموس وجود سے اپنی جہالت کا ثبوت دیا ہے۔ ان کی تکذیب وجہالت دنیوی عذاب کے بارے میں بھی یہی حال ہے۔ وہ اسے جلدی لانا چاہتے ہیں، اور ایک دوسرے سے اس میں تاخیر کے سبب کے سوال کرتے ہیں جبکہ اللہ کی ازلی حکمت یہ ہے کہ دنیوی عذاب ایک مدت تک ان سے متاخر رہے۔" اور اگر ہم ان سے عذاب کو ایک معدود مدت تک مؤخر کر دیں تو وہ ضرور کہیں گے کہ اسے کون چیز روک رہی ہے؟ سن لو لوکہ وہ جس دن وہ ان پر آئے گا تو پھر ہٹایا نہ جائے گا۔ اور وہ استہزاء جو وہ اس کے بارے میں کرتے تھے انہیں لے ڈوبے گا۔" پہلی قوموں کو جڑ سے مٹا دینے والے عذاب سے ہلاک کیا جاتا تھا جبکہ وہ اپنے رسولوں سے منہ مانگے معجزات لانے کا مطالبہ کرتے تھے، وہ معجزات آجاتے تھے، مگر وہ پھر بھی ایمان نہ لاتے تھے اور تکذیب پر ڈٹ کر رہتے تھے۔ اس صورتِ احوال کا سبب یہ تھا کہ وہ رسالتیں وقتی اور ہنگامی تھیں۔ یہ ان کا تعلق کسی خاص وقت اور خاص قوم یا خاص نسل کے ساتھ ہوتا تھا۔ اور وہ معجزہ بھی وہی قوم اور وہی نسل دیکھتی تھی۔ اور اس کو اس لیے باقی نہ رکھا جاتا تھا کہ آنے والی نسلیں اسے دیکھیں۔ اور نہ ہی معذب نسل سے بڑھ کر ایمان وار ثابت ہوں۔

رسالتِ محمدی آخری رسالت ہے اور آفاقی و دائمی ہے

رسالتِ محمدیہ تمام رسالتوں کا خاتمہ تھی، تمام اقوام اور سب نسلوں کے لیے تھی، اور یہ رسالت خود ایک ایسا معجزہ تھی کہ اس کے ساتھ ایک غیر مادی معجزہ آیا تھا (یعنی یہ قرآن مجید) پس یہ رسالت باقی رہنے کے قابل ہے، اور اس قابل ہے کہ اس میں نسلیں یکے بعد دیگر غور و تدبر کریں۔ ہر نسل اور قوم کے لوگ اس پر ایمان لائیں۔ یہی باعث ہے کہ حکمتِ الٰہیہ کا یہ تقاضا ہوا کہ اس امت کو جڑ مار عذاب میں نہ پکڑا جائے، اور

Marfat.com

اس کے صرف بعض افراد پر کسی معلوم و عارضی وقت اور مدت میں عذاب آتے۔ یہی حال اس سے پہلی کئی امتوں کا بھی تھا کہ ان پر جڑ مار عذاب نہیں آیا، لیکن مشرک اپنی جہالت کے باعث امانت (قدرت اختیار) جس کا اوپر ذکر ہوا، اور کائنات کی پیدائش کی اس اہمیت سے کہ وہ انسان کو عمل و نشاط پر آمادہ کرتے ہیں اور ابتلاء کا سبب ہیں۔ ایسی باتوں سے ناواقف و جاہل ہیں۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ وہ بعث و نشور کے منکر ہیں۔ اور عذاب جب ان سے ایک مدت تک مؤخر رہا ہے، وہ باہم سوال کرتے ہیں کہ عذاب کیوں رکا ہوا ہے؟ یہ اس لیے ہے کہ وہ رسالتوں کے معجزات اور عذاب کے بارے میں اللہ کی سنت سے ناواقف ہیں وہ اللہ کی رحمت و حکمت سے ناآشنا ہیں کہ عذاب اگر آیا تو پھر ٹلے گا نہیں، ان کے لیے یہی غنیمت ہے کہ رکا رہے۔ ان کا سوال استہزاء اور بے حیائی پر دلالت کرتا ہے جو کہ عذاب کے اسباب میں داخل ہے۔

عذابِ الٰہی بے پناہ ہوگا

ان احمقوں کو کیا یہ معلوم نہیں کہ اللہ کا عذاب جب آجاتے تو وہ بے پناہ ہوتا ہے "سن لو کہ جس دن وہ آنے گا تو ان سے ہٹایا نہ جائے گا۔ اور ان کے استہزاء کا نتیجہ ان کو گھیرے گا!" کوئی مومن یا سمجھدار انسان اللہ کے عذاب کا سوال نہیں کرتا۔ عذاب میں تاخیر ہونا خدا کی رحمت اور حکمت کے باعث ہے تاکہ لوگوں کو ایمان لانے کا موقع مل جائے۔ جب تک جنگِ بدر کا عذاب مشرکوں پر نہ آیا تھا۔ پھر فتح مکہ کے وقفے تک کتنے ہی کافروں کو ایمان لانا نصیب ہوا۔ اور اس وقفے میں ان کی پیدا ہونے والی اولاد بعد میں حالتِ اسلام میں پلی بڑھی تھی، اور یہ اللہ تعالیٰ کی ظاہری حکمت تھی، باطن کی حکمت کو خدا جانے۔ لیکن خاسر اور جلد باز انسان ان حقائق سے بے خبر ہے۔

انسان کی تلوّن مزاجی اور جلد بازی

یہ انسانی مخلوق بھی بڑی عجیب و غریب ہے، ہاں اس کے ثبات اور استقامت کی ایک صورت ہے، یعنی ایمان!

"اور اگر ہم انسان کو اپنی طرف سے رحمت چکھائیں، پھر اس کو اس سے دور کر دیں تو وہ بڑا مایوس اور بڑا ناشکرا ہے۔ اور اگر مصیبت کے بعد اس کو راحت چکھائیں تو وہ ضرور کہے گا کہ مجھ سے برائیاں جاتی رہیں۔ ایک تو وہ بہت خوش اور بہت فخر کیا ہوتا ہے، سوائے ان کے جنہوں نے صبر کیا اور نیک عمل کیے۔ وہی لوگ ہیں جن کیلئے بخشش ہے اور بڑا اجر ہے۔" (آیات ۹ —— ۱۱)

یہ صورت جس کو ان آیات میں بیان کیا گیا ہے، وہ اس جلد باز "فاصر انسان" پر صادق آتی ہے۔ انسان اپنے حالیہ لمحے میں جیتا ہے، اور اسی میں مستغرق ہوتا ہے، نہ ماضی کو یاد رکھتا ہے نہ مستقبل کا اسے کوئی خیال ہے نتیجہ ہے کہ وہ خیر سے بہت مایوس ہے اور نعمت کا نہایت ناشکرا ہے، جونہی وہ اس سے چھن جاتے تو اس کی یہ کمزور یاں فوراً ظاہر ہو جاتی ہیں۔ حالانکہ وہ خیر اور نعمت اللہ ہی کی بخشش ہے۔ اور وہ بہت خوش، متکبر اور مغرور ہوتا ہے جونہی کہ شدت سے نرمی کی کیفیت کی طرف تجاوز کرے۔ شدت میں نہ صبر کرتا ہے،

Marfat.com

نہ اللہ کی رحمت کی امید رکھتا ہے ، نہ اس کی کشائش پر نظر رکھتا ہے ۔ اس کی خوشی اور فخر توازن پر نہیں ہوتا ، اور نہ اس کے زوال سے عبرت حاصل کرتا ہے ۔ فرمایا کہ صابر لوگ اس سے مستثنیٰ ہیں جو نعمت پر بھی اسی طرح صبر کرتے ہیں جس طرح کہ شدت پر کرتے ہیں ۔ توازن و اعتدال کا دامن نہیں چھوڑتے ۔ بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں جو بہادری کے اظہار کرنے کے لیے صبر کرتے ہیں ، اور ضعف اور بزدلی کا اظہار نہیں ہونے دیتے ۔ مگر کچھ لوگ وہ بھی ہیں جو نعمت پر صبر کرتے ہیں اور نہ مغرور ہوتے ہیں ، اور نہ تکبر کرتے ہیں ۔ وہ شدت بھی برداشت اور صبر کے ساتھ نیک عملی کا ثبوت دیتے ہیں اور نعمت میں شکر اور نیکی کے ساتھ ۔ یہی لوگ ہیں جن کے صبر و شکر کے باعث ان کے لیے مغفرت ہے (صبر کی وجہ سے) اور اجر کبیر ہے (شکر کے باعث) کتاب و سنت کی تعلیم یہ ہے کہ عمل صالح میں متشکل ہونے والا ایمان ہی انسانی نفس کو شدت کی حالت میں کافرانہ مایوسی سے بچاتا ہے اور آسائش میں فاجرانہ غرور سے محفوظ رکھتا ہے ۔ اور یہی انسانی دل کو تکلیف اور راحت ہر دو حالتوں میں راہ راست پر قائم رکھتے ہیں ، اور دونوں حالتوں میں اس کا ربط اللہ کے ساتھ قائم رکھتے ہیں ۔ اسے وہ دکھ کے تھپیڑوں کے نیچے مضطرب اور بے چین نہیں ہوتے ، اور راحت و آسائش میں مغرور اور سر بلند نہیں ہوتے ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق مومن کے لیے دونوں حال خیر پر مبنی ہیں ۔

رسالت کی قدر سے جاہل لوگ

حکمت تخلیق اور سنن کائنات سے بے خبر لوگ یہ حکمت نہیں پا سکتے کہ رسولوں کے بھیجنے میں کیا حکمت ہے ۔ لہٰذا وہ مطالبہ کرتے ہیں کہ رسول خود فرشتہ ہو یا اس کے ساتھ فرشتہ نازل ہو ۔ یا رسول کے پاس کوئی خزانہ ہو ۔ یہ معاند مکذب ہیں ، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ! آپ کا ان سے کوئی واسطہ یا لین دین نہیں ہے ۔

"پس شاید تو بعض ان چیزوں کو ترک کرنے والا ہے اور تیرا دل اس پر تنگ ہونے والا ہے ، اگر وہ یہ کہیں کہ کیوں نہیں اتارا گیا اس رسول پر ایک خزانہ یا کیوں نہیں آیا اس کے ساتھ کوئی فرشتہ ؟ بلاشبہ تو تو فقط خبردار کرنے والا ہے ۔ اور اللہ ہر چیز پر کارساز ہے ۔" (آیت ۱۲)

اس آیت کی ابتدا میں جو لعل کا لفظ ہے یہ استفہام کا معنی رکھتا ہے ، گویا یہ خالص استفہام نہیں ہے اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ انسانی جان سے یہ توقع ہے کہ مخالفین کی اس جہالت سے تنگ دل ہو جائے ۔ (جس کا ذکر آیت میں کیا گیا ہے) اور اسی تعنت پر اسے افسوس ہو ، اور ان گھٹیا سوالات سے اس کا سینہ تنگ ہو جن سے پتہ چل جاتا ہے کہ یہ لوگ رسالت کی فطرت اور اس کے فرائض سے بالکل دور اور جاہل ہیں ۔ اس لیے فرمایا کہ اے اللہ کے رسول ! کیا آپ تنگ دل ہوں گے ؟ اور یہ دل تنگی آپ کو اس بات پر آمادہ کرے گی کہ آپ اللہ کے بعض پیغامات کی تبلیغ ان لوگوں کو نہ کریں ؟ مبادا یہ اس کا جواب بھی وہی ہو جو اس قسم کے احکام کی تبلیغ پر ان سے متوقع ہے ؟ ہرگز نہیں ! آپ ہرگز ایسا نہ کریں گے ، نہ بعض احکام کی تبلیغ ترک کریں گے اور نہ ان کے قول پر تنگ دل ہوں گے ۔ کیونکہ آپ تو فقط خبردار کرنے والے ہیں ، آپ کا فریضہ بس انذار ہے —— نذیر کا لفظ یہاں پر بالکل برمحل اور انسب ہے جیسا کہ بالکل ظاہر ہو رہا ہے —— مطلب یہ ہے کہ آپ اپنا

کام کریں، اپنا فرض ادا کریں "اور اللہ ہر چیز پر کارساز ہے"۔ وہی ان کے کاموں پر بھی متوکل ہے، اپنی سنت کے موافق جس طرح چاہے انہیں پھیرے اور ان کے عمل کا محاسبہ اور جزاء دے: ہاں، تو ان کے کفر یا ایمان کا ذمہ دار نہیں، صرف نذیر ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تنگ دلی کے اسباب

اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس تنگ دلی اور عداوت اور مقابلے کے دور میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کیا کچھ گذرتی تھی؟ تاریخ دعوت میں یہ کتنا نازک اور سنگین وقت تھا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل خاندان اور دلجوئی کرنے والی بیوی دنیا سے گذر چکے تھے، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تنہائی اور وحشت کا احساس تھا۔ ایسی حالت میں سرکش اور پراز عناد جاہلیت سے مقابلہ کرنا پڑتا تھا۔ مسلمانوں کی ایک قلیل جماعت تھی جس پر اس محیط جاہلیت کے باعث کرب و اندوہ چھایا ہوا تھا۔ غم والم کی اس شدت میں یہ آیت تسلی اور اطمینان کے لیے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اُتری تاکہ آپ کے دل میں کشادگی اور بشاشت پیدا ہو اور غم والم کی شدت دور ہو۔

قرآن جیسی دس سورتیں لانے کا چیلنج

یہ بات دشمنانِ اسلام نے بار بار کی۔ اور اس کا جواب بھی انہیں ساتھ ہی ساتھ دیا جاتا رہا، کہ یہ قرآن انسان کا افتراء ہے (معاذ اللہ) اس کا جواب یہ دیا گیا کہ اگر یہ انسان نے بنایا ہے تو تم سب مل کر (خطیب، ادیب اور شاعر وغیرہم کو ساتھ لے کر) اس جیسی دس سورتیں بنا لاؤ، اور جس سے چاہو مدد حاصل کر لو۔ تحدی غیر مشروط تھی۔ اس کے لیے کوئی وقت بھی مقرر نہ تھا۔ فرمایا "کیا یہ کہتے ہیں کہ پیغمبر نے اس کو گھڑ لیا ہے؟ کہو کہ پھر تم اس جیسی دس گھڑی ہوئی سورتیں لے آؤ، اور اگر سچے ہو تو اللہ کے سوا جسے چاہو، مدد کے لیے بلا لاؤ۔

ایک سورت، دس سورتیں یا پورا قرآن؟

(سورۃ یونس میں ایک سورۃ کا چیلنج گذرا ہے۔ ایک جگہ پورے قرآن کے متعلق چیلنج ہے۔ اور یہاں دس سورتوں کے لانے کی تحدی ہے۔ اس کا سبب کیا ہے؟ قدیم مفسرین کا قول یہ ہے کہ تحدی اس ترتیب سے ہوئی تھی (۱) پہلے پورے قرآن کی (یعنی جتنا اس وقت تک نازل ہو چکا تھا) تحدی تھی (۲) پھر دس سورتیں لانے کی تحدی کی گئی (۳) اور آخر میں معاملہ ایک سورت پر آکر ٹھہر گیا جو کہ مکی اور مدنی ہر دو سورتوں میں موجود ہے! مگر اس ترتیب پر کوئی دلیل نہیں ہے۔ بلکہ ظاہر یہ ہے کہ سورۃ یونس کا نزول پہلے ہوا تھا جس میں ایک سورت کی تحدی ہے۔ اور سورۃ ہود بعد میں نازل ہوئی تھی جس میں دس سورتوں کی تحدی ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ نزول میں آیات کی ترتیب سورتوں کی ترتیب کے تابع نہ تھی۔ بعض دفعہ کوئی آیت اُترتی تھی تو اس کو نزول میں سابق یا بعد والی سورت کے ساتھ ملایا جاتا تھا۔ لیکن یہ بات بھی ثبوت کی محتاج ہے۔ اور اسباب نزول میں کوئی دلیل اس امر کی نہیں ہے کہ سورۃ کی آیت (ایک سورت کی تحدی والی)، سورۃ ہود کی آیت کے بعد اُتری تھی، اور

اس قسم کے مواقع میں زبردستی کی ترتیب جائز نہیں ہے۔

سید رشید رضا کی تاویل

سید رشید رضا نے تفسیر المنار صفحہ ۳۲–۴۱ میں دس سورتوں کی علت بیان کرتے ہیں بہت نکا دینے والی کوشش کی: "یہاں پر تحدی سے مقصود قرآنی قصے ہیں۔ اور شمار سے معلوم ہوتا ہے کہ سورہ ھود کے نزول سے پہلے جو ایسی سورتیں نازل ہو چکی تھیں، جن میں طویل قصے تھے، وہ دس سورتیں تھیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان کو دس سورتوں کی تحدی کی۔ کیونکہ ایک سورۃ کی تحدی سے ان کا عجز دس سورتوں کی نسبت زیادہ ترثابت ہو جاتا ہے۔ کیونکہ قصے پہلے ہونے تھے اور ان کے اسلوب الگ الگ تھے، اور دس سورتوں کا جن کو چیلنج کیا گیا تھا وہ اس لیے تھا کہ "اگر وہ لوگ ان کی محاکات کرنا چاہیں تو کرلیں"۔۔۔۔۔ الخ۔ اور ہمارے خیال میں مسئلہ اس پیچیدگی سے آسان تر ہے۔ اور تحدی میں قائلین کی حالت اور نزول کے احوال ملحوظ رکھے جاتے تھے۔

تحدی کے اختلاف کا سبب

قرآن مختلف احوال کی صورتوں کا مقابلہ کرتا تھا۔ کبھی کہتا تھا کہ اس قرآن کی نقل بنا کر لے آؤ، کبھی یہ کہ ایک سورت لے آؤ، اور کبھی یہ کہ دس سورتیں لے آؤ۔ اور اس میں کوئی زمانی حد بندی اور ترتیب مد نظر نہ ہوتی تھی کیونکہ غرض فقط یہ تھی کہ اس قرآن کا یا اس میں سے کسی حصے یا جزء کا مقابلہ کرنے کو کہا جائے۔ پس چیلنج دراصل قرآن کی نوعیت کا تھا نہ کہ مقدور کا۔ اس سورت میں خواہ پورے قرآن کا چیلنج ہو خواہ دس سورتوں کا اور خواہ ایک سورت کا، برابر تھا۔ اور قرآن کا عجز بہرصورت قائم تھا۔ اور ترتیب بھی مد نظر نہ تھی کہ پہلے اتنا چیلنج تھا، اور پھر اس کی مقدار یہ رہ گئی۔ مد نظر صرف وہ حالت ہوتی تھی جس میں وہ مخاطب لوگ ہوتے تھے۔ پس اس لیے کبھی ایک سورت کبھی دس سورتیں اور کبھی پورا قرآن کہا گیا۔ اور قرآن نے خود جن طلابات مثل واحوال کا ذکر نہیں کیا ان کا ذکر ہمارے لیے ممکن نہیں ہے۔

جس سے مدد لے سکتے ہو، لو!

چونکہ یہ کلام خداوندی ہے، لہٰذا مخالفین کو تحدی میں کسی اس شرط کا پابند نہیں کیا گیا جس کے باعث وہ یہ کہہ سکیں کہ تحدی کی فلاں شرط ہمیں مقابلے سے باز رکھتی ہے۔ بلکہ مقابلہ کھلا رکھا گیا ہے، غیر مشروط ہے، کسی زمانے، موسم، ملک کی شرط نہیں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تم جس جس کو بھی اپنی مدد کے لیے بلا سکو بلا لو "اور تم اللہ کے سوا جس کو بھی بلا سکو، بلا لو اگر تم سچے ہو" اپنے خطبار، ادبا، شاعروں، فصیح و بلیغ لوگوں کو بلا لاؤ، جن و انس کو بلا لاؤ۔ اگر (تمہارے بقول) یہ قرآن غیر اللہ کا کلام ہے تو پھر سب مل کر ایسا کیوں نہیں بنا سکتے؟ اس جیسی دس سورتیں کیوں نہیں لا سکتے؟ اگر تم قرآن کی مخالفت میں، ایمان لانے میں سچے ہو تو آجاؤ۔ اور پھر ساتھ ہی اس سے بھی بڑی اور بوجھل بات فرمائی گئی ہے کہ "پھر اگر وہ تمہاری بات نہ مانیں" اور دس سورتیں گھڑ کر نہ لا سکیں۔ کیونکہ وہ اس معاملے میں تمہاری مدد سے عاجز ہیں، اور تمہارا حال یہی کہتا ہے کہ تم بھی

Marfat.com

عاجز ہو۔ کیونکہ اگر تم عاجز نہ ہوتے تو کسی کو مدد کے لیے کیوں بلاتے؟

جب مقابلہ ممکن نہیں تو ایمان لاؤ!

شرافت کا تقاضا یہ ہے کہ جب ایک شخص کسی بات میں جھوٹا ثابت ہو جائے تو اپنی غلطی کو تسلیم کرے اور ضد یا ہٹ دھرمی سے باز آجائے، اس سلسلے میں فرمایا ہے کہ "اگر وہ تمہاری بات نہ مانیں" یعنی وہ دس سورتیں نہ لا سکیں تو "پھر جان لو کہ یہ قرآن اللہ کے علم کے ساتھ اُتارا گیا ہے" یعنی صرف اللہ ہی اسے اتارنے پر قادر ہے "اور اس کتاب کے الفاظ و معانی، مضامین و محاورات، فصاحت و بلاغت، دلائل و آیات، کائناتی اور آفاقی علامات، عبر، انسانوں کا ماضی و حال اور مستقبل جو اس میں بیان ہوا ہے، اس کے قصے اور امر و نواہی، اس کی زبان اور اس کی تاثیر، ہر چیز کا مدلول یہ ہے کہ کتاب صرف اللہ تعالیٰ ہی کی نازل کردہ ہے۔ اسی کا بنایا ہوا معاشی و معاشرتی نظام، انفرادی و اجتماعی فلاح کے احکام صرف اللہ تعالیٰ ہی کا کلام ہو سکتا ہے۔ اور اس سے یہ بھی ڈنکے کی چوٹ ثابت ہوتا ہے کہ اس خدائے واحد کے سوا اور کوئی الٰہ نہیں ہے" "اور یہ کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں" تمہارے معبودان باطلہ تمہارے ساتھ مل جائیں، تو بھی سارے مل کر اس جیسا کلام بنانے سے عاجز محض ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ معبودِ برحق صرف ایک اللہ ہے۔

مانے بغیر چارہ نہیں ہے

اوپر جو چیلنج اور استدلال مذکور ہوا ہے، اس کے ہوتے ہوئے مشرکین کو بھی یہ مانے بغیر چارہ نہیں کہ یہ قرآن اللہ کی کتاب ہے جو اس نے نازل کی ہے۔ اوپر کے دلائل کی روشنی میں اب یہاں پر ایک سوال مذکور ہے جس کا صرف ایک جواب ہے، فرمایا "پس کیا تم اسلام لانے والے ہو؟" ظاہر ہے کہ اگر بغض و عناد اور لعنت نہ ہو تو اس سوال کا فقط ایک ہی جواب ہے کہ جی ہاں! ہم مسلمان ہیں! مگر افسوس کہ وہ ہٹ دھرم پھر بھی ضد پر اڑے رہے، اور ایمان نہ لائے۔

ڈر کس بات کا تھا؟

اب حق تو واضح ہو چکا تھا، مگر وہ دنیوی زندگی کے منافع اور فوائد کے بارے میں خوفزدہ تھے۔ کہ یہ منافع اور ان کے اٹھائے جانے والے ذاتی فوائد برباد ہو جائیں گے، یہ لیڈری، یہ گدیاں، یہ نذر و نیاز، اور یہ لوگوں کی غلامی جس کے جال میں انہوں نے عوام کو پھنسا رکھا تھا۔ ان چیزوں کے چھن جانے کا اندیشہ تھا جس کے باعث وہ آزادی، عزت و کرامت، اور عدل و انصاف کے داعی کی بات ماننے سے گریز کرتے تھے، یعنی جو لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ کی طرف دعوت دیتا تھا صلی اللہ علیہ وسلم۔ لہٰذا قرآنی سیاق ان کے مناسب احوال بیان کرتا ہے اور ان کا انجام بیان فرماتا ہے "جو دنیا کی زندگی اور اس کی آرائش چاہیں، ہم ان کے اعمال ان کو اسی دنیا میں پورے کے پورے دیں گے، اور ان کو دینے میں کمی نہ کی جائے گی۔ یہ وہی لوگ ہیں کہ ان کے لیے آخرت میں آگ کے سوا کچھ نہیں ہے، اور انہوں نے جو کچھ دنیا میں کیا وہ ضائع ہو جاتا ہے۔ اور ان کے اعمال

مٹ جانے والے ہیں" (آیت ۱۵ ــــ ۱۶)

کوشش اور عمل ضائع نہ ہوگا

اس زمین میں جدوجہد کا پھل ضرور ملے گا، خواہ کام کرنے والا ایک بلند نزاکت کی طرف دیکھے یا قریبی فوائد اور اپنی محدود ذات کی طرف توجہ کرے۔ پس جو شخص دنیوی زندگی اور اس کی آرائش کو حاصل کرنا چاہے اور اس کے لیے کام کرے تو اس کو پائے گا۔ اور وہ نتیجہ اسے اسی دنیا میں مل جائے گا۔ اور وہ اپنے ارادے کے مطابق اس دنیا میں ــــــــــــــــ ہی اس سے تمتع کرے گا۔ مگر آخرت میں اس کے لیے آگ کے سوا کچھ نہیں ہے۔ کیونکہ اس نے آخرت کی خاطر کچھ آگے بھیجا ہی نہیں۔ اور وہ اس کے شمار و قطار ہی میں رہتی۔ پس ہر دنیا میں کام کرنے والا اس کے نتیجے کو اس دنیا میں ہی پالے گا۔ مگر آخرت کے لحاظ سے اس کا عمل باطل ہے۔ اس کا وہاں کوئی وزن نہ ہوگا۔ حبط کا معنیٰ ہے جانور کے پیٹ کا بیماری سے اُبھر جانا اور جانور کی موت کا باعث بن جانا، یہ اس عمل کی ایک مناسب تعبیر ہے جو دنیا میں تو بہت پھولا ہوا ہو۔ مگر نتیجے کے لحاظ سے وہاں بالکل ناپید اور بیکار ہو۔

دنیا کی خاطر کیے ہوئے اعمال اور ان کی جزاء

آج کل ہم دنیا میں بہت سے افراد واقوام اور جماعتوں کو دیکھتے ہیں، جو اس دنیا کی خاطر عمل کرتے ہیں، اور ان اعمال کا بدلہ یہیں پالیتے ہیں۔ ان اعمال کی دنیا خوبصورت ہے اور بھوئی نظر آتی ہے۔ پس یہ جائز نہیں کہ ہم حیران ہوں۔ یا یہ سوال کریں کہ ایسا کیوں ہے؟ کیونکہ زمین میں اللہ تعالیٰ کی سُنّت یہی ہے کہ "جو شخص دنیوی زندگی اور اس کی زینت کا ارادہ کرتا ہے۔ تو ہم ایسے لوگوں کے اعمال کا نتیجہ ان کو یہیں پورا پورا دے دیتے ہیں اور ان کو کم نہیں دیا جاتا۔" لیکن اللہ کی اس سنت کو ماننا، اور اس کے نتائج کو تسلیم کرنا ہمیں اس حقیقت سے غافل نہ کر دے کہ ان لوگوں کے لیے یہ ممکن تھا کہ یہی اعمال کرتے، مگر آخرت کا ارادہ اور نیت کرتے اور عمل میں اور دنیوی حال کے مقابلے میں اللہ سے جزاء کی توقع رکھتے۔ پھر وہ دنیوی زندگی کی متاع کو بھی پالیتے۔ اس میں کمی نہ ہوتی۔ اور اسی طرح اُخروی متاع کو بھی وہ پالیتے۔

اُخروی عمل اور دُنیوی عمل میں فرق

اُخروی زندگی کے لیے عمل کرنا دنیوی زندگی کی خاطر عمل کرنے کی راہ میں حائل نہیں ہوتا۔ اور عمل میں اللہ کی رضا کو طلب کرنا اس کی مقدار کو کم نہیں کرتا، نہ اس کے آثار میں نقص پیدا کرتا ہے، بلکہ وہ کوشش اور پھل کو بڑھاتا اور ان میں برکت دیتا ہے، وہ کسب کو اور اس کے حاصل شدہ متاع کو پاک بنا دیتا ہے۔ پھر دنیوی متاع میں اُخروی متاع کا اضافہ کر دیتا ہے۔ مگر یہ کہ دنیوی متاع سے غرض حرام شہوات کا حصول ہو تو یہ امر دیگر ہے۔ یہ شہوات تو صرف آخرت میں نہیں، بلکہ اس دنیا میں بھی برباد ہونے والی ہیں۔ یہ چیز امتوں کی زندگی میں بھی اور افراد کی زندگی میں بھی ظاہر و باہر ہے۔ تاریخ نے یہ بتایا ہے کہ ہر شہوت پرست اور

Marfat.com

شہوت پسند امت کا انجام اچھا نہیں۔

قرآن کی شہادت اور ایک گواہ کی گواہی

اگلی آیات میں یہ بتایا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں مشرکین کا مؤقف کیا تھا، آپ کے لائے ہوئے قرآن کے متعلق وہ کیا سوچتے اور کرتے تھے، اور قرآن کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے من جانب ہونے کی گواہی دیتا ہے۔ اور یہ کہ آپ اپنے رب کی طرف سے کھلی دلیل پر ہیں اور مرسل من اللہ ہیں۔ اس سے پہلے اُترنے والی موسیٰ کی کتاب بھی آپ کی گواہی دیتی ہے۔ یہ سب کچھ اس غرض کے لیے فرمایا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دل مطمئن ہو جائے۔ اور آپ کے ساتھ کے قلیل التعداد مومن بھی تسلی حاصل کریں۔ اور مشرکوں کافروں کو جہنم کی وعید سُنائی گئی ہے۔ اور ان کے سامنے قیامت کے عذاب کی ایک صورت پیش کی گئی ہے۔ جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ تکبر و غرور کی سزا ذلت و رسوائی ہوگی۔ یہ معاندین سرکش اور باطل پرست اللہ کی سزا سے نہیں چھوٹ سکیں گے۔ اور ان کا کوئی یار و مددگار بھی اللہ کے ہاں نہ ہوگا۔ آخرت میں بالضرور یہ لوگ بہت خسارہ پانے والے ہوں گے۔ اور ان کے مقابلے میں جہاں تک اصل ایمان کا سوال ہے۔ ان میں اور کفار میں، ان کے انجام میں اور کفار کے انجام میں واضح فرق ہوگا۔ آیت ۱۷ ——— ۲۴ تک کا مضمون یہ ہے:-

"کیا جو شخص اپنے رب کی طرف سے کھلی دلیل پر ہو، اور اس کے پیچھے اس کا ایک گواہ ہو اور اس سے پہلے موسیٰ کی کتاب بھی گواہ ہو۔ درآنحالیکہ وہ رہنما اور رحمت تھی، وہی لوگ اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور ان گروہوں میں سے جو اس کا انکار کرے، تو اس کے وعدہ کی جگہ آگ ہے، سو تُو اس کے متعلق کسی شک میں نہ ہو، بلاشبہ وہ برحق ہے تیرے رب کی طرف سے۔ لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔ اور اس سے بڑا ظالم کون ہے جو اللہ پر جھوٹا بہتان لگائے؟ ان کو ان کے رب کے سامنے پیش کیا جائے گا اور گواہ کہیں گے۔ یہ ہیں وہ لوگ جنہوں نے اپنے رب پر جھوٹ بولا، سُن لو کہ ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے۔ جو اللہ کی راہ سے روکتے ہیں اور اس میں کجی چاہتے ہیں، اور وہ آخرت کے منکر ہیں۔ وہی لوگ ہیں جو زمین میں عاجز کرنے والے نہ تھے۔ اور اللہ کے سوا ان کا کوئی ولی دوست نہ تھا۔ ان کے لیے کئی گنا عذاب ہوگا۔ اور وہ سُننے کی طاقت نہ رکھتے تھے اور دیکھتے نہ تھے۔ جن لوگوں نے اپنی جانوں کا نقصان کیا، اور ان سے گُم ہو گیا جو وہ افترا کرتے تھے۔ بہر حال آخرت میں وہی بہت خسارہ پانے والے ہیں۔ بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے اور اپنے رب کے آگے عاجزی کی، وہی جنت والے ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے دونوں فریقوں کی مثال اندھے بہرے اور دیکھنے سننے والے کی ہے، کیا ان دونوں کی مثال برابر ہے؟ کیا تم نصیحت نہیں پاتے ہو؟"

مکی زندگی کے اس وقفے کی دشواریاں

یہ طویل حملہ ، یہ قسم قسم کے ارشارات و مؤثرات ظاہر کرتے ہیں کہ اس زمانے میں مکی زندگی کے اندر قلیل مسلمان کن دشواریوں میں مبتلا تھے ۔ اس سے دو باتوں کا پتہ چلا ۔ ایک یہ کہ اس معرکہ کے بیان کی ضرورت کیا ہے ؟ اور دوسرا یہ کہ ان واقعاتی حالات میں قرآن کس طرح ایک تحریکی صورت کو پیش کرتا تھا ۔ دراصل قرآن کا پورا ذوق صرف ان لوگوں کو حاصل ہوتا ہے جو خود اس قسم کے معرکے میں داخل ہوں جو اس وقت کہ میں بپا تھا ۔ گھروں میں بیٹھے رہنے والے قرآن کا ذوق حاصل نہیں کر سکتے ۔ ایسے لوگ قرآن کی دراست تو کرتے ہیں ، مگر یہ محض بیانی اور فنی دراست ہوتی ہے ۔ مگر وہ اپنی اس ٹھنڈی مجلس میں قرآن کی حقیقت کو نہیں پاتے ، جو بیٹھک میدانِ معرکہ سے اور حرکت سے بعید ہو ۔ اس سے قرآن کا ذوق کیونکر ملے گا ؟ اس کا ذوق حاصل کرنا قاعدین کا کام نہیں جو سلامتی اور راحت کو ، اور غیر اللہ کی عبودیت کو حقیقی اسلام پر ترجیح دیتے ہیں ۔ اور اللہ سے ڈرے طاغوت کی عبادت و عبودیت اختیار کرتے ہیں ۔

اپنے رب کی دلیل پر کون ہے ؟ اور گواہ کون ہے ؟

آیت ، اس اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ اور وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ سے کیا مراد ہے ؟ اور رَبِّهٖ کی ضمیر کا مرجع کیا ہے ؟ اور يَتْلُوْهُ اور مِنْهُ کی ضمیریں کس طرف لوٹتی ہیں ؟ اس کے متعلق کچھ روایات وارد ہوئی ہیں ۔ اور میرے نزدیک راجح تر روایت یہ ہے کہ اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس ہے اور آپ کی بعیت میں ہر ایماندار اس میں داخل ہے ۔ اور اللہ تعالیٰ کے اس قول وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی نبوت پر آپ کا گواہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے جو یہ قرآن ہے جو اپنی ذات میں یہ گواہی دیتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی وحی ہے ۔ انسان ایسا کلام پیش کرنے سے عاجز ہے ۔ اور مِنْ قَبْلِهٖ یعنی اس قرآن سے پہلے کتابِ موسیٰ بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کی گواہ ہے اس میں جو اصل تعلیم تھی وہ قرآن کے موافق تھی ، اور اس میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت بھی موجود ہے ۔ اور میرے نزدیک اسے راجح قرار دینے والی چیز یہ ہے کہ اس سورت میں قرآنی تعبیر رسولوں کے مابین اور ان کے رب کے مابین واحد ہے ۔ وہ ایک واضح دلیل ہے جس کو وہ اپنے دلوں میں پاتے تھے ، اور اس کے باعث انہیں یقین ہوتا تھا کہ وہ اللہ ہی ہے جو ان کی طرف وحی بھیجتا ہے ۔ وہ اس واضح دلیل کے باعث وہ اپنے رب کو اپنے دلوں میں پاتے تھے ، اور انہیں اس کا یقین ہوتا تھا کہ یہ ہمارا اور کائنات کا رب ہے ، اس یقین کے ہوتے ہوئے ان میں کسی قسم کا شک و شبہ نہ ہوتا تھا ۔ مثلاً نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا تھا : " اے میری قوم ! بھلا یہ تو بتاؤ کہ اگر میں اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہوں اور اس نے مجھ کو اپنی طرف سے رحمت عطا کی ہے جو تم اندھوں کو نظر نہیں آتی تو کیا تمہاری ناپسندیدگی کے باوجود ہم اسے تم پر لازم گردانتے ہیں " ؟ اور صالح علیہ السلام نے بھی بالکل یہی بات فرمائی تھی " اس نے کہا اے میری قوم ! یہ بتاؤ کہ اگر میں اپنے رب کی طرف سے کھلی دلیل پر ہوں ، اور اس نے مجھ کو اپنی طرف سے رحمت سے نوازا ہے ۔ تو اگر میں اس کی نافرمانی کروں تو کون میری مدد کر سکتا ہے ؟ اس صورت میں تم میرا نقصان ہی

Marfat.com

بڑھاؤ گے ؟" اور یہی بات شعیب علیہ السلام نے بھی کہی تھی : " اس نے کہا ، اے میری قوم ! بھلا بتاؤ تو سہی کہ اگر میں اپنے رب کی طرف سے واضح دلیل پر ہوں ، اور وہ مجھے اپنی طرف سے رزق بخشے ...... پس یہ بزرگ رسولوں کی اپنے رب کے ساتھ جو ایک خاص حالت تھی ، اس کے متعلق ان سب کی ایک ہی تعبیر ہے ۔ یہ اس حقیقت کا تصور پیش کرتی ہے جس کو وہ اپنے دل کے ایک یقینی رؤیت کے طور پر دیکھتے تھے ، وہ رؤیت ان کو اپنے قلوب میں الوہیت کی حقیقت دکھاتی تھی ۔ اور وحی کی رو سے جو ان کا سچا اتصال اپنے رب کے ساتھ تھا اسے ظاہر کرتی تھی ۔ اور ہم اوپر بتا چکے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت اپنے رب کے ساتھ اور اس وحی کے بارے میں جو آپ پر اترتی تھی ، وہی حالت تھی جو تمام رسولوں کی کیفیت تھی ۔ اور اس سے مشرکوں کے وہ جھوٹے افترا ختم ہو جاتے ہیں جو وہ آنحضورؐ کے بارے میں بطورِ دعوٰی کرتے تھے ۔ اور اس قسم کی آیت کا نزول آپؐ کی تسلی اور مٹھی بھر ایمانداروں کے اطمینان کی خاطر بھی تھا ۔ کیونکہ یہ وہی حق ہے جس کو تمام رسولوں نے پیش کیا ، اور تمام رسولوں کے مومن ساتھی اس پر ایمان لاتے تھے ۔

اس آیت کا کلی معنیٰ

اس آیت نمبر ۱۷ کا کلی مطلب یہ ہے کہ یہ نبیؐ وہ ہے جس کے صدق پر اور جس کے ایمان کی پختگی پر بے شمار دلائل و شواہد موجود ہیں ۔ کیونکہ ایک تو وہ اپنے دل میں ایک واضح اور پُر از یقین پختہ دلیل اس کے بارے میں موجود پاتا ہے ۔ اور اس کا اور اس کے پختہ یقین کا ایک سچا گواہ بھی موجود ہے جو اپنے خصائص کے ساتھ اپنے ربانی مصدر کی دلیل قوی ہے ۔ یعنی یہ قرآن مجید ۔ اور پھر اس کے صدق و دیانت پر اس سے پہلے کا ایک گواہ بھی موجود ہے ۔ یعنی موسیٰؑ کی کتاب جو بنی اسرائیل کی قیادت کے لیے امام (قائد و رہنما) تھی ، اور اللہ کی ایک رحمت تھی جو ان پر نازل ہوئی تھی ۔ یہ کتاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرتی ہے ، اس میں آنجناب کی بشارت موجود ہے اور اس میں قرآن کے پیش کردہ اصولی عقائد و اعمال کی تصدیق بھی موجود ہے ۔ اللہ کا دین ہمیشہ انہی بنیادوں پر قائم رہا ہے ۔ پس جس رسول کی صداقت کا یہ عالم ہو ، وہ تکذیب اور کفر و عناد کا محل ہو سکتا ہے ؟ مشرکوں کے مختلف ٹولے اس کی جو عداوت و تکذیب کر رہے ہیں ۔ کیا یہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اسی سلوک کا حقدار تھا ؟

قرآن کے متعلق مومنوں کا موقف

قرآن کے متعلق اہلِ ایمان کا اور کافر ٹولوں کا موقف کیا ہے ؟ اور آخرت میں ان کی جزاء و سزا کیا ہے ؟ اس کا ذکر اسی آیت ۱۷ میں یوں آیا ہے کہ " وہ لوگ اس پر ایمان لاتے ہیں ۔ اور مختلف جماعتوں میں سے جنہوں نے اس کا انکار کیا ہے ان کا وعدہ جہنم ہے ۔ پس تو اس کے متعلق شک میں نہ رہ ، بلاشبہ وہ برحق ہے تیرے رب کی طرف سے ، مگر اکثر لوگ نہیں مانتے " یعنی ایمانداروں کو تکذیب کافروں کی حالت قلق و اضطراب میں نہیں ڈالتی (حالانکہ اس وقت انہی مکذبین و کافرین کی کثرت تھی !)

Marfat.com

ایک اشکال اور اُس کا جواب

اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں بعض مفسرین کو ایک اشکال ہوا ہے کہ یہ جو اُولٰئِکَ یُؤْمِنُوْنَ بِہٖ فرمایا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد، اَفَمَنْ کَانَ عَلٰی بَیِّنَۃٍ مِّنْ رَّبِّہٖ وَیَتْلُوْہُ شَاہِدٌ مِّنْہُ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس وطاہر ومطہر، جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے، مراد ہے۔ تو اُولٰئِکَ یُؤْمِنُوْنَ بِہٖ میں اُولٰئِکَ کا اشارہ مومنوں کی جماعت کی طرف ہے جو وحیِ خداوندی اور بَیِّنَہ پر ایمان لاتے ہیں۔ اس صورت میں کوئی اشکال نہیں ہے اور بِہٖ کی ضمیر شاہد کی طرف یعنی قرآن کی طرف لوٹتی ہے۔ اور اسی طرح مِنْ قَبْلِہٖ کی طرف بھی قرآن کی طرف راجع ہے۔ اس صورت میں اُولٰئِکَ یُؤْمِنُوْنَ بِہٖ کے معنی یہ ہیں کہ وہ لوگ اسی شاہد پر، یعنی اس قرآن پر ایمان لاتے ہیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی نازل کردہ کتاب پر اور وحی پر سب سے پہلے ایمان لانے والے ہیں۔ اور پھر مومن ایمان لاتے ہیں جیسا کہ البقرہ کی آیت میں ہے اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْہِ مِنْ رَّبِّہٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ، کُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَمَلٰٓئِکَتِہٖ وَکُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ اور یہاں پر (سورۃ ہود) میں آیت کا اشارہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے۔ اور یہ آیت آپ کے ساتھ مومنوں کو بھی مراد لیتی ہے کیونکہ وہ بھی ان چیزوں پر ایمان لاتے ہیں جن پر آپ کا ایمان ہے۔ اور قرآنی تعبیر میں یہ ایک مالوف طریقہ ہے۔ لہٰذا یہاں پر بھی کوئی اشکال نہیں ہے۔ اس سے آگے یہ فرمایا ہے کہ "اور ان گروہوں میں سے جو اس کا انکار کرے گا تو اس کا ٹھکانا آگ ہے۔" اور ظاہر ہے کہ اس وعدہ کی خلاف ورزی نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ یہ مدبر وقادر خدا کا وعدہ ہے۔ "سو تو اس کے متعلق کوئی شک نہ کر۔ بلاشبہ یہ حق ہے تیرے رب کی طرف سے، مگر اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔"

اس آیت میں شک کی مخالفت کا مطلب

اللہ تعالیٰ کی وحی کے متعلق آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بالکل کوئی شک وشبہ نہ تھا۔ آپ کو پروردگار کی طرف سے روشن دلیل (بَیِّنَۃ) حاصل تھی۔ پھر اس آیت میں مِرْیَۃ کا لفظ جو آیا ہے۔ اس کا سبب وہ دل تنگی، گھٹن، وحشت اور تھکن تھی جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت کے کام کی تاثیر کے رُک جانے کے باعث آپ کو اس وقت لاحق تھی، علاوہ ازیں معاندوں، ہٹ دھرموں اور ضدی لوگوں کی کثرت تھی۔ یہ سب چیزیں تقاضا کرتی تھیں کہ آپ کو ان الفاظ سے تسلی دی جائے اور آپ کو ثابت قدمی کی تاکید کی جائے۔ اسی طرح مسلمانوں کی قلیل جماعت کے دل میں تنگی، کرب اور قلق واضطراب تھا جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نزولِ رحمت ونزولِ اطمینان کا تقاضا کرتا ہے۔

اسلامی دعوت کے کارکنوں کے فرائض

دنیا میں جب بھی اور جہاں بھی دعوتِ اسلامی کے کارکن اس قسم کے احوال سے دوچار ہوں، اور اعراض وعداوت کا ان کو سامنا ہو۔ مسخرے اور استہزاء ان کا استقبال کریں، تو وہ لوگ ان ہدایات کے سخت محتاج

ہیں۔ اور ان کا فرض ہے کہ صبر و ثبات اور دلجمعی سے کام لیں۔ جب ان کی مخالفت و عداوت ہر مادی ذریعے کے ساتھ کی جائے، قومی اور بین الاقوامی جاہلیت ان کے راہ روکے۔ ان کے خلاف جنگ کے بدترین طریقے اختیار کرے۔ پھر وہ پروپیگنڈا کے تمام ذرائع و وسائل ان کے خلاف استعمال کرے تو یہ اسلامی فوجیں اس آیت پر غور و فکر کی بہت محتاج ہیں۔ وہ ہر وقت اسی ربانی ہدایت کو پیش نظر رکھیں کہ "تو اس کے متعلق کسی شک میں نہ رہ۔ بلاشبہ وہ تیرے رب کی طرف سے برحق ہے۔ لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے"۔ اسلامی دعوت کے کارکنوں کو اس دعوت سے پہلے اور اصلی داعی یعنی انبیائے کرام کی سیرت اور سوچ کا سایہ اپنے دلوں پر ڈالنا چاہیے کہ ان کے پاس ان کے رب کی کھلی اور روشن دلیل تھی۔ رحمت الٰہی ان پر سایہ افگن تھی۔ اور ایک لمحہ بھی اس سے جدا نہ تھی۔ راستہ کتنا بھی کٹھن کیوں نہ ہو، انہیں بہرحال اسی پر چلنا ہے۔ "اس نے کہا، اے میری قوم! یہ تو دیکھو کہ اگر میں اپنے رب کی طرف سے روشن دلیل پر ہوں، اور اس نے مجھ کو اپنی طرف سے رحمت عطا کی ہے، تو اگر میں اس کی نافرمانی کروں تو اس کے مقابلے میں میری مدد کون کرے گا؟ لہٰذا تم تو میرا نقصان کے سوا کچھ بھی بڑھا نہیں سکتے"۔ اسلامی دعوت کے لشکر وہ کام کرنے اٹھے ہیں جو وہ بزرگ رسول کرتے تھے، ان کے سامنے بھی جاہلیت اسی طرح ہے جس طرح ان پیغمبروں کے سامنے تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد پر زمانہ پھر گھوم پھر کر وہیں آگیا ہے جہاں پہلے تھا۔ آپ ساری انسانیت کے سامنے یہ دین لے کر تشریف لاتے تھے، اور آپ کا مقابلہ بھی جاہلیت نے اسی طرح پر کیا جس طرح ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب، اسباط، یوسف، موسیٰ، ہارون، داؤد، سلیمان، یحییٰ اور عیسیٰ اور باقی سب نبیوں علیہم السلام نے کیا تھا۔

جاہلیت بہرصورت جاہلیت ہے!

یہ جاہلیت ہے جو اللہ کے وجود کا اعتراف کرتی ہے اور بعض دفعہ نہیں کرتی، مگر وہ زمین میں لوگوں کے لیے رب بنانی ہے جو اللہ کے حکم کے بغیر لوگوں پر حکومت کرتے اور اس کے فیصلے کے خلاف فیصلے دیتے ہیں لوگوں کے لیے ایسی اقدار، تقالید اور طریقے بناتے ہیں، جن کے باعث لوگوں کی عبادت اللہ کے لیے نہیں، بلکہ ان زمینی معبودان باطل کے لیے ہوتی ہے۔ دنیا کے تمام انسانوں کے لئے یہ اسلام کی پکار ہے کہ ان ارباب باطلہ کو ان کی گدیوں سے اتار دیں، اپنی زندگیوں، طریقوں، سوسائٹیوں، اقدار اور قوانین سے ان کا عمل دخل ختم کردیں۔ اور صرف اللہ وحدہٗ کی طرف لوٹ آئیں۔ اُسی کو رب مانیں اور ان باطل خداؤں کو نہ مانیں، صرف خدائے واحد کی عبادت کریں، صرف اسی کی شرع و قانون کا اتباع کریں، اُسی کے امر و نہی کو مانیں۔ یہ توحید و شرک کے درمیان ایک شدید معرکہ ہے۔ جاہلیت اور اسلام کے درمیان ایک کھلی کشتی ہے، اطراف ارضی میں اسلامی لشکروں اور ان طاغوتوں کے درمیان کھلی جنگ ہے۔ پھر ان اسلامی لشکروں پر فرض ہے۔ کہ اپنی ہر چیز کو اسی قرآن سے حاصل کریں، اور یہ وہی بات ہے جسے ہم کہتے ہیں کہ اس قرآن کا ذوق اس شخص کو حاصل ہوسکتا ہے جو اس قسم کے معرکے میں گھُسے، اس معرکے کی ضروریات کو پہچانے، اسے اپنے اسلامی ڈھب پر لائے اور اس سے دینی کام لے۔ صرف بیٹھ رہنے والے قرآن کے معانی اور دلالتوں کو بیٹھے بیٹھے نہیں جان سکتے۔ قرآن صرف بیانی دراست سے نہیں آتا، صرف فنی مطالب سمجھنے سمجھانے سے اس کا حق ادا نہیں ہوسکتا، بیٹھ

رہنے والے اس کی گہرائی کو نہیں پا سکتے ۔ معرکے سے دور رہ کر قرآن نہیں آتا ۔

مفتری بچ نہ سکیں گے

اب قرآنی سیاق اُن لوگوں کی پیشی کا حال بیان کرتا ہے جو قرآن کو جھوٹا ، افترا قرار دیتے ، اور اس کی تکذیب کرتے تھے ۔ یہ پیشی حضورِ خداوندی میں ہوگی ۔ مفتری اور تکذیب کرنے والے خواہ کسی طرح کے اور کسی رنگ کے ہوں ، بہر حال وہ اس پیشی میں ذلیل و رسوا ہوں گے ۔ دوسری طرف ایمانداروں کا اعزاز و اکرام ہوگا ۔ دونوں فریقوں کی تمثیل بیان فرمائی گئی ہے :

" اور اس سے زیادہ ظالم کون ہوگا ؟ جو اللہ پر جھوٹا بہتان لگائے ؟ ان کو اللہ کے سامنے پیش کیا جائے گا اور گواہ کہیں گے کہ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ پر جھوٹ بولا تھا ۔ خبردار ، ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے ۔ جو اللہ کی راہ سے روکتے ہیں ، اور اس میں کجی چاہتے ہیں ، اور وہی آخرت کے بھی منکر ہیں ۔ یہ لوگ زمین میں عاجز کرنے والے نہ تھے اور اللہ کے سوا ان کا کوئی دوست نہ تھا ۔ انہیں کئی گنا زیادہ عذاب دیا جائے گا ۔ وہ سننے کی طاقت نہ رکھتے تھے اور نہ دیکھتے تھے ۔ یہی ہیں وہ لوگ جنہوں نے اپنا نقصان کیا ، اور ان کا افترا ان سے گم ہوگیا ۔ بہر صورت یہ لوگ آخرت میں بہت خسارہ پانے والے ہیں ۔ بلاشبہ ، جو لوگ ایمان لائے ، اور انہوں نے نیک عمل کیے ، اور اپنے رب کے سامنے عاجزی کی ، وہی ہیں جنت والے جو اس میں ہمیشہ رہیں گے ۔ دونوں فریقوں کی مثال اندھے بہرے اور دیکھنے سننے والے کی مانند ہے ۔ کیا ان دونوں کی مثال برابر ہو سکتی ہے ؟ تم لوگ نصیحت کیوں نہیں پاتے ؟ "

(آیات ۱۸ ـــ ۲۴)

جھوٹ گھڑنا بذاتِ خود ایک بہت بڑا جرم ہے ، یہ حقیقت پر بھی ظلم ہے اور خود اس پر بھی جس پر بہتان لگایا جائے ، پھر سوچ لو کہ جب یہ افترا ذاتِ خداوندی پر ہوگا تو اس کا گناہ کس قدر بڑھ جائے گا ۔ اسی سبب سے اللہ تعالیٰ میدانِ قیامت میں مفتریوں کے خلاف شہادتیں پیش کرے گا ۔ گواہ برسرِ عام ان کے افترا علی اللہ کی شہادت دیں گے ، ان کی تشہیر ہوگی ۔ اور اس سے بڑی تشنیع اور کیا ہوگی کہ گواہ اشارہ کرکے ان کے خدا پر جھوٹ باندھنے کی گواہی دیں گے کہ یہ ہیں وہ لوگ ! اور ان کی جرأت دیکھو کہ انہوں نے اپنے ربِ قدیر پر جھوٹ باندھا تھا ۔ رسوائی کے لیے تو یہی بہت ہوگا ، مگر پھر گواہ ظالموں پر اللہ کی لعنت کا اعلان کریں گے ۔ گواہ فرشتے بھی ہوں گے ، پیغمبر بھی اور اہلِ ایمان بھی ۔ یا سب لوگ جو موجود ہوں گے وہ لعنت کا اعلان کریں گے ۔ اس سے بڑی ذلت اور تشہیر اور نہیں ہوسکتی ۔ پھر اتنا بڑا مجمع اور کہاں ہو سکتا ہے ؟ یہ بھی ممکن ہے کہ گواہوں کی شہادت کے بعد یہ اعلانِ لعنت اللہ تعالیٰ کی طرف سے کیا جائے ۔ اور ظالم سے مراد مشرک ہیں جو اللہ کی راہ سے روکنے کے لیے اللہ تعالیٰ پر بہتان لگاتے اور اس پر جھوٹ باندھتے ہیں ۔

اِستقامت کے بجائے کجی چاہنے والے!

وَيَبْغُونَهَا عِوَجًا ۔ یعنی یہ لوگ استقامت اور جادۂ حق نہیں چاہتے ۔ بلکہ راستے ، دین ، زندگی اور تمام امور میں کجی کے طلبگار ہیں ۔ اور وہ آخرت کے بھی منکر ہیں ۔ جب ان مشرکوں نے صراطِ مستقیم سے گریز کیا دوسری راہوں پر ہولئے تو اسلام کو چھوڑ کر چونکہ ہر راستہ کج ہے ، لہٰذا انہوں نے کجی کو پسند کیا ۔ غیر اللہ کی عبادت ہر طرف سے انسان کو گمراہی سے محیط کر دیتی ہے ۔ ایسا انسان سیدھی راہ سے صریحاً منحرف ہوتا ہے ۔ اور اس کی زندگی کے ہر شعبے پر ، ہر طرف سے کجی حملہ آور ہو جاتی ہے ۔

عزت و ذلت کا اصل معیار

اللہ تعالیٰ انسانوں کو عزت و اکرام سے نوازنا چاہتا ہے ۔ مگر جب لوگ غیر اللہ کی عبودیت میں مبتلا ہو جاتے ہیں تو وہ ذلیل ہو جاتے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ انسانوں کو قسط و عدل پر پیدا فرماتا ہے ۔ مگر غیر اللہ کی عبودیت لوگوں میں ظلم و عداوت پیدا کرتی ہے ۔ لوگ زمینی خداؤں کو اِلٰہ بناتے ہیں ، ان کے گرد ڈھول بجاتے ہیں اور کانے بجاتے ، فضول سلام قائم کرتے ہیں ۔ ان زمینی خداؤں کو پھونکیں مار مار کر پھلایا جاتا ہے ، تاکہ وہ پھول کر حقیقی خدا کی جگہ حاصل کر لیں ۔ اور چونکہ یہ خدایانِ ارضی بالکل جعلی اور بناوٹی ہیں ، اپنی ذات میں دبلے پتلے اور چھوٹے ہیں ۔ لہٰذا ممکن نہیں کہ یہ خدائے حقیقی کی جگہ لے سکیں ، لہٰذا ان کے عابد بیچارے ایک دائمی تکلیف میں مبتلا رہتے ہیں ۔ وہ دن رات ان باطل خداؤں کے لیے محنت کرتے ، انہیں پھلاتے ، ان میں تکبر و غرور کی پھونکیں مارتے رہتے ہیں ۔ ان پر روشنیاں اور منارے قائم کرتے ہیں ، ان کے ارد گرد دف اور آلاتِ موسیقی بجاتے ہیں ۔ تسابیح اور ترانیم (گیت وغیرہ) کا شور مچاتے ہیں ۔ حتیٰ کہ تمام انسانی کوششیں بے کار اور بے نتیجہ ثابت ہوتی ہیں ۔ ظاہر ہے کہ اس سے بڑا کوئی التواء اور کجروی نہیں ہے ، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ یہ ملعون اور رحمت سے دور اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے ، گو وہ ان کے عذاب کا فیصلہ کیوں نہ کرے ۔ ان کے کوئی ایسے اولیاء نہیں ہیں جو ان کی مدد کریں یا انہیں اللہ کے عذاب سے بچا سکیں ۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو آخرت کے عذاب کے لیے اس لیے چھوڑا ہے کہ وہ دنیا اور آخرت دونوں جگہوں کا عذاب اُٹھائیں ، انہیں دوگنا عذاب دیا جائے گا ۔ انہوں نے اپنی دیکھنے اور سننے کی قوتوں کو معطل رکھا ، گویا کہ ان کی آنکھیں اور کان نہیں ہیں ۔

اپنی جانوں کا خسارہ پانیوالے

سب سے بڑا اور سب سے بُرا خسارہ یہ ہے کہ انسان دنیا میں اپنے آپ کو ، اپنی قوتوں کو ، اپنی جان کو گنوا دے ، جو اپنے آپ کو گنوا دے ، جو اپنی آدمیت کا نقصان خود کرے ، اللہ تعالیٰ کی بخشی ہوئی عزت و اکرام کو خاک میں ملا دے ، آدمیت کے درجے سے نیچے گر جائے ۔ اللہ تعالیٰ جو خالق کائنات ہے ، اس نے سب بندوں کو بندگی کے نقطۂ نظر سے ایک سطح پر بنایا ہے ، جو انسان دوسرے انسان کو ـــــ زندہ باد مردہ باد کو ـــــ خدا بنا لے ، اس جیسا بے عزت و اکرام اور کوئی نہیں ہوتا ۔ انسانی عزت و اکرام

Marfat.com

غیر اللہ کی بندگی سے بالاتر ہے ، دنیوی زندگی اور اس کے لالچ سے بلند تر ہے ۔ جو آدمی اپنے آپ کو ان ذلتوں میں ملوث کرے ، اس نے اپنے آپ کو ضائع کر دیا ۔ آخرت کا انکار کرنے والے ، دنیا پر ریجھ کر اپنے اصل مقام سے گر جانے والے انسانیت کے مقام ارفع و اعلیٰ سے نیچے گر جاتے ہیں ۔ دنیا و آخرت دونوں میں ذلیل و رسوا ہو جاتے ہیں ۔ ان کا افترا دنیا و آخرت میں ان کے کام نہیں آتا ۔ انہی لوگوں کے بارے میں فرمایا ہے کہ ان کا افترا ان سے گم ہو جائے گا ۔ اور بہرصورت وہ آخرت میں بہت خسارہ پانے والے ہوں گے ۔ ان کے خسارے جیسا کسی اور کا خسارہ نہ ہوگا ۔

اصحابُ الجنّۃ

دوسری طرف اہل ایمان ہیں ، جن کے ایمان کے ساتھ عمل صالح بھی ہے ۔ ان کے قلوب اپنے رب کے آگے اطمینان و ثبات سے قائم اور مستقر ہیں ، پُر ذوق اور صاحب تسلیم ہیں ۔ رب کریم کے حضور میں ایمان اور اصل ایمان کی یہی کیفیات ہیں ۔ ان کا دل مطمئن ، نفس ساکن و پُر امید ، جان اضطراب سے محفوظ اور مامون ہوتی ہے ، فرمایا ہے کہ :

" بلاشبہ ایمان والے اور نیک عمل کرنے والے ، اور اپنے رب کے حضور عاجزی اور سکون پیش کرنے والے ہی جنت والے ہیں جو اس میں ہمیشہ رہیں گے ۔"

مومن اور کافر فریق کی تمثیل

مومن اور کافر فریق کی مثال اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمائی ہے کہ کافر فریق تو اندھا بہرا ہے اور مومن فریق دیکھنے اور سننے والا ہے ، ان دونوں کی مثال برابر نہیں ہے ، ذرا سا غور کرنے کی ضرورت ہے ، بات خود بخود سمجھ میں آجاتی ہے ۔ کافر فریق نے مقصدِ اعظم سے آنکھیں بند کیں اور کان بہرے کر لیے ۔ نہ مجھ کو دیکھا نہ سنا ، قلب و عقل کو معطل کر لیا ۔ مومن فریق نے خدا داد جوارح سے کام لیا ۔ جوارح کو جس مقصد کے لیے بنایا گیا ہے ، اسی مقصد میں انہیں بنایا ۔ ان دونوں کی مثال برابر نہیں ہو سکتی ۔ سمجھنے سوچنے والے کے لیے اس مثال کا سمجھنا مشکل نہیں ہے ۔ پس مومن و کافر کا فرق نظری نہیں بلکہ بدیہی ہے ۔ قرآن اس قسم کے مشکل مسائل و قضایا کو مخصوص اور واضح تصاویر کی صورت میں پیش کرتا ہے تاکہ سمجھنے والے سمجھیں ، اور ایمان کی راہ کی طرف رجوع کریں ۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖٓ اِنِّىْ لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿٢٥﴾
اَنْ لَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ اَلِيْمٍ ﴿٢٦﴾ فَقَالَ
الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا وَمَا نَرٰىكَ
اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِىَ الرَّاْىِ ۚ وَمَا نَرٰى لَكُمْ عَلَيْنَا

Marfat.com

مِنْ فَضْلٍۭ بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِيْنَ ﴿٢٧﴾ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ
كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَاٰتٰىنِيْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِهٖ فَعُمِّيَتْ
عَلَيْكُمْ ؕ اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَاَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْنَ ﴿٢٨﴾ وَيٰقَوْمِ لَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ
عَلَيْهِ مَالًا ؕ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ وَمَاۤ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ
اِنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَلٰكِنِّيْۤ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ﴿٢٩﴾ وَيٰقَوْمِ مَنْ
يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ طَرَدْتُّهُمْ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿٣٠﴾ وَلَاۤ اَقُوْلُ
لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَاۤ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَاۤ اَقُوْلُ اِنِّيْ مَلَكٌ
وَّلَاۤ اَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ تَزْدَرِيْۤ اَعْيُنُكُمْ لَنْ يُّؤْتِيَهُمُ اللّٰهُ خَيْرًا ؕ اَللّٰهُ
اَعْلَمُ بِمَا فِيْۤ اَنْفُسِهِمْ ۚۖ اِنِّيْۤ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٣١﴾ قَالُوْا يٰنُوْحُ
قَدْ جٰدَلْتَنَا فَاَكْثَرْتَ جِدَالَنَا فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ
الصّٰدِقِيْنَ ﴿٣٢﴾ قَالَ اِنَّمَا يَاْتِيْكُمْ بِهِ اللّٰهُ اِنْ شَآءَ وَمَاۤ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿٣٣﴾
وَلَا يَنْفَعُكُمْ نُصْحِيْۤ اِنْ اَرَدْتُّ اَنْ اَنْصَحَ لَكُمْ اِنْ كَانَ اللّٰهُ يُرِيْدُ
اَنْ يُّغْوِيَكُمْ ؕ هُوَ رَبُّكُمْ ۫ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿٣٤﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ
قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ فَعَلَيَّ اِجْرَامِيْ وَاَنَا بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُجْرِمُوْنَ ﴿٣٥﴾ ع ٣
وَاُوْحِيَ اِلٰى نُوْحٍ اَنَّهٗ لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ
فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿٣٦﴾ وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَ
وَحْيِنَا وَلَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۚ اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ﴿٣٧﴾ وَيَصْنَعُ
الْفُلْكَ ۫ وَكُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ مَلَاٌ مِّنْ قَوْمِهٖ سَخِرُوْا مِنْهُ ؕ قَالَ اِنْ
تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُوْنَ ﴿٣٨﴾ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ
مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿٣٩﴾ حَتّٰۤى

Marfat.com

اِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ ۙ قُلْنَا احْمِلْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ
اثْنَيْنِ وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ وَمَنْ اٰمَنَ ؕ وَمَآ
اٰمَنَ مَعَهٗۤ اِلَّا قَلِيْلٌ ﴿۴۰﴾ وَقَالَ ارْكَبُوْا فِيْهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا ؕ
اِنَّ رَبِّيْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۴۱﴾ وَهِيَ تَجْرِيْ بِهِمْ فِيْ مَوْجٍ كَالْجِبَالِ قف
وَنَادٰى نُوْحُ ࣙابْنَهٗ وَكَانَ فِيْ مَعْزِلٍ يّٰبُنَيَّ ارْكَبْ مَّعَنَا وَلَا تَكُنْ
مَّعَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۴۲﴾ قَالَ سَاٰوِيْۤ اِلٰى جَبَلٍ يَّعْصِمُنِيْ مِنَ الْمَآءِ ؕ قَالَ
لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ ۚ وَحَالَ بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ
فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِيْنَ ﴿۴۳﴾ وَقِيْلَ يٰۤاَرْضُ ابْلَعِيْ مَآءَكِ وَيٰسَمَآءُ
اَقْلِعِيْ وَغِيْضَ الْمَآءُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُوْدِيِّ وَ
قِيْلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۴﴾ وَنَادٰى نُوْحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ
ابْنِيْ مِنْ اَهْلِيْ وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَاَنْتَ اَحْكَمُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۴۵﴾
قَالَ يٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ ۖ فَلَا تَسْـَٔلْنِ
مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنِّيْۤ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۴۶﴾ قَالَ رَبِّ
اِنِّيْۤ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَسْـَٔلَكَ مَا لَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ وَاِلَّا تَغْفِرْ لِيْ وَتَرْحَمْنِيْۤ
اَكُنْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۴۷﴾ قِيْلَ يٰنُوْحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَبَرَكٰتٍ عَلَيْكَ وَ
عَلٰۤى اُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَكَ ؕ وَاُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمْ ثُمَّ يَمَسُّهُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۴۸﴾
تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَاۤ اِلَيْكَ ۚ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَاۤ اَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ
مِنْ قَبْلِ هٰذَا ۛؕ فَاصْبِرْ ۛؕ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۹﴾

(ترجمہ) اور بلاشبہ ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا۔ اس نے کہا، میں تمہارے لیے واضح خبردار کرنے والا ہوں (۲۵) کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، میں تم پر ایک دردناک

Marfat.com

دن کے عذاب سے خائف ہوں (۲۶) پس اس کی قوم کے سرداروں نے کہا، ہم تجھ کو نہیں دیکھتے مگر انسان ہماری مانند، اور ہم نہیں دیکھتے تیرے پیچھے چلنے والوں کو مگر جو ہم میں سے گھٹیا ہیں بالکل واضح نظر میں، اور ہم نہیں دیکھتے کہ تمہیں ہم پر کوئی فضیلت حاصل ہو، بلکہ ہم تم کو جھوٹا گمان کرتے ہیں (۲۷) اس نے کہا، اے میری قوم! ذرا یہ تو دیکھو کہ اگر میں اپنے رب کی طرف سے واضح دلیل پر ہوں، اور اس نے مجھ کو اپنی طرف سے رحمت دی ہے، پھر وہ تم سے اوجھل ہوگئی، کیا تمہاری ناپسندیدگی کے باوجود ہم اسے تم پر لازم کر سکتے ہیں (۲۸) اور اے میری قوم! میں تم سے کوئی مال نہیں مانگتا، میرا اجر تو صرف اللہ پر ہے۔ اور میں ان لوگوں کو دھکا دینے والا نہیں ہوں جو ایمان لاتے ہیں۔ بلاشبہ وہ اپنے رب سے ملنے والے ہیں لیکن میں نہیں دیکھتا ہوں کہ تم ایک نادان قوم ہو (۲۹) اور اے میری قوم! کون ہے جو اللہ کی طرف سے میری مدد کرے گا اگر میں انہیں دھتکار دوں، کیا تم سمجھتے نہیں ہو (۳۰) اور میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں، اور نہ میں غیب جانتا ہوں اور نہ میں یہ کہتا ہوں کہ میں کوئی فرشتہ ہوں۔ اور نہ میں ان لوگوں سے یہ کہتا ہوں جنہیں تم حقارت کی نظر سے دیکھتے ہو کہ اللہ ان کو کبھی بھلائی نہ دے گا، اللہ ہی خوب جانتا ہے جو ان کے دلوں میں ہے۔ بلاشبہ تب تو میں ظالموں میں سے ہوں گا! (۳۱) انہوں نے کہا، اے نوحؑ تو نے ہم سے جھگڑا کیا اور بہت جھگڑا کیا، پس لے آ تو جس کا تو ہم سے وعدہ کرتا ہے اگر تو سچا ہے (۳۲) اس نے کہا کہ اس کو تو تمہارے پاس اللہ ہی لائے گا، اگر چاہے گا، اور تم عاجز کرنے والے نہیں ہو (۳۳) اور میری نصیحت تم کو فائدہ نہ دے گی ـــــ اگر میں تمہیں نصیحت کرنا چاہوں ـــــ اور اللہ ہی تم کو گمراہ کرنا چاہتا ہے، وہی تمہارا رب ہے، اور تم کو اسی کی طرف واپس کیا جائے گا (۳۴) کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ پیغمبر نے اس کو گھڑ لیا ہے، تو کہہ کہ اگر میں نے اس کو گھڑ لیا ہے تو مجھ پر ہی اس کا گناہ ہوگا، اور میں تمہارے جرموں سے بیزار ہوں (۳۵) اور نوحؑ کی طرف وحی بھیجی گئی کہ تیری قوم میں سے اب اور کوئی ہرگز ایمان نہ لائے گا سوائے ان کے جو ایمان لا چکے ہیں، پس تو ان کے افعال پر بددل نہ ہو (۳۶) اور تو ہمارے سامنے ہماری وحی کے ساتھ کشتی بنا، اور مجھ سے مخاطب مت ہونا ان لوگوں کے بارے میں جو مشرک ہیں، بلاشبہ وہ غرق ہونے والے ہیں (۳۷) اور وہ کشتی بنا رہا تھا، اور جب بھی اس کی قوم کے سرداروں کا کوئی گروہ وہاں سے گذرتا تو وہ اس سے ٹھٹھا کرتا، وہ کہتا کہ اگر تم ہم سے مسخری کرتے ہو تو ہم بھی تم سے ٹھٹھا کریں گے جس طرح تم ہم سے تمسخر کرتے ہو (۳۸) سو تم جان لوگے کہ کس پر عذاب آئے گا جو اسے رسوا کر دے گا، اور اس پر عذاب مقیم اترے گا (۳۹) حتیٰ کہ جب ہمارا حکم آگیا، اور تنور ابل پڑا تو ہم نے کہا، اس میں ہر چیز کا جوڑا جوڑا لاد لے، اور اپنے اہل کو بھی، مگر وہ جس کے متعلق پہلے بات ہو چکی ہے، اور جو ایماندار ہیں ان کو بھی لاد لے۔

Marfat.com

اور نہ ایمان لائے اس کے ساتھ ، مگر تھوڑے سے (۴۰) اور کہا اس نے کہ اس میں سوار ہو جاؤ ، اللہ کے نام سے ہے اس کا چلنا اور اس کا ٹھہرنا بلاشبہ میرا رب بہت بخشنے والا ہے بہت مہربان ہے (۴۱) اور وہ انہیں لے کر پہاڑ جیسی موج میں چلتی تھی ، اور نوحؑ نے اپنے بیٹے کو پکارا جو کہ ایک طرف علیحدہ تھا ، اے میرے پیارے بیٹے ہمارے ساتھ سوار ہو جا اور کافروں کے ساتھ مت رہ (۴۲) اس نے کہا کہ میں کسی پہاڑ پر پناہ لوں گا جو مجھے پانی سے بچائے گا ۔ نوحؑ نے کہا ، کہ آج اللہ کے حکم سے وہی بچے گا جس پر وہ خود رحم کرے گا ، اور ان کے درمیان لہر حائل ہوگئی ، اور وہ غرق ہوگیا (۴۳) اور کہا گیا : اے زمین تو اپنا پانی نگل لے ۔ اور اے آسمان : تو کھل جا ۔ اور پانی جذب ہوگیا اور معاملے کا فیصلہ ہوگیا ، اور وہ کشتی جودی پر ٹھہر گئی ، اور کہا گیا دوری ہے مشرک قوم کے لیے : (۴۴) اور نوحؑ نے اپنے رب کو پکارا : اے میرے رب : بلاشبہ میرا بیٹا میرے اہل میں سے تھا ۔ اور بلاشبہ تیرا وعدہ بھی برحق تھا ، اور تو سب حاکموں سے بڑا حاکم ہے : (۴۵) فرمایا ، اے نوحؑ ! بلاشبہ وہ تیرے اہل میں سے نہ تھا ، بلاشبہ اس کا عمل غیر صالح تھا ۔ پس تو مجھ سے مت سوال کر ۔ جس کا تجھ کو علم نہیں ، بلاشبہ میں تجھ کو نصیحت کرتا ہوں کہ مبادا تو نادانوں میں سے ہو جاتے : (۴۶) اس نے کہا ، اے میرے رب : بلاشبہ میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں کہ میں تجھ سے وہ سوال کروں جس کا مجھے علم نہیں ، اور اگر تو مجھے نہ بخشے اور مجھ پر رحم نہ کرے تو میں نقصان پانے والوں میں سے ہو جاؤں گا (۴۷) کہا گیا ، اے نوحؑ ! ہماری سلامتی کے ساتھ اُتر اور برکتوں کے ساتھ ، تجھ پر اور ان امتوں پر جو تیرے ساتھ والوں سے ہوں گی ، اور کچھ امتوں کو ہم فائدہ پہنچائیں گے ، پھر ان کو ہماری طرف سے دردناک عذاب پہنچے گا (۴۸) یہ غیب کی خبروں میں سے ہے جن کو ہم تمہاری طرف وحی کرتے ہیں ، تو نہ جانتا تھا ان کو ، نہ تو نہ تیری قوم اس سے پہلے ، پس تو صبر کر ، بلاشبہ انجام کار خوف خدا والوں کے لیے ہے (۴۹)

اس سورت کے قصوں کے بعض خصائص

اس سورت کی بنیادی بات اس کے قصے ہیں ، مگر یہ قصے اس میں مستقل طور پر نہیں آئے ۔ بلکہ ان عظیم حقائق کی تصدیق کے لیے آئے ہیں جن کے اثبات کے لیے یہ سورت آئی ہے ۔ اور ان حقائق کا اجمال اس سورت کی ابتدا میں آگیا ہے :

" یہ ایک ایسی کتاب ہے جس کی آیات کو محکم کیا گیا ۔ پھر ایک حکیم خبیر خدا کی طرف سے ان کو مفصل کیا گیا کہ تم اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت مت کرو ، بلاشبہ میں تمہارے لیے اس کی طرف سے خبردار کرنے والا اور بشارت دینے والا ہوں ۔ اور یہ کہ تم اپنے پروردگار

سے استغفار کرو، پھر اس کی طرف لوٹ کر آؤ، وہ تم کو ایک مقررہ مدت تک اچھا سامان عطا کرے گا۔ اور ہر فضیلت والے کو اس کی فضیلت دے گا۔ اور اگر تم منہ پھیرلو تو میں تم پر ایک بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔ تمہاری واپسی اللہ ہی کی طرف ہے، اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔"

مضامین سورت کی تقسیم

گذشتہ حقائق کے اثبات میں اس سورت کے ابتدائی حصوں میں کئی باتیں بیان ہوئی ہیں۔ مثلاً آسمانوں اور زمین کی بادشاہت، نفس انسانی کے بعض پہلو، میدان حشر کے کچھ واقعات۔ پھر یہ نیا مضمون شروع ہوا، جو اس وقت پیش نظر ہے، جس میں کچھ زمینی واقعات ہیں، بعض تاریخی واقعات ہیں، جن میں گذشتہ لوگوں کے حالات بیان ہوتے ہیں۔ ان کا بنیادی مضمون یہ ہے کہ تاریخ انسانی میں جاہلیت کے مقابلے میں اسلامی عقیدے کا کیا کردار رہا ہے۔ اور ان آیات میں جو قصہ بیان ہوا ہے، یہ کچھ مفصل ہے، بالخصوص نوحؑ اور طوفان کا قصہ۔ اور اس میں وہ جدل پایا جاتا ہے جو اسلامی عقیدے کے بارے میں ہوا اور جس کا ذکر سورت کی ابتدا میں ہے۔ ہر رسول اسی عقیدہ کی توثیق و تصدیق کے لئے آیا تھا، ہر زمانے کے مکذب ایک جیسے تھے۔ اور ان کی فطرت ایک ہی تھی۔ اور ساری تاریخ میں ان کی عقلیت بھی ایک ہی تھی۔ اس سورت میں واقعات کی ترتیب تاریخی ترتیب کے مطابق ہے۔ پہلے نوحؑ، پھر ہودؑ، پھر صالحؑ، پھر ابراہیمؑ و لوطؑ، پھر شعیبؑ کا واقعہ ہے، اور پھر موسیٰؑ کی طرف اشارہ ہے۔ چنانچہ ہم پہلے تاریخی واقعات اور اس سورت کے پہلے قصے (نوحؑ کے قصے) کے ساتھ بات شروع کریں گے۔

نوح علیہ السلام کا واقعہ

آیات ۲۵ ——— ۲۶ میں ہے کہ: "اور بلاشبہ ہم نے نوحؑ کو اس کی قوم کی طرف بھیجا، اس نے کہا کہ میں تمہارے لیے کھلا خبردار کرنے والا ہوں کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت مت کرو، میں تم پر ایک دردناک دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔"

نوحؑ کی رسالت کا پیغام بالکل وہی ہے جو کہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا پیغام ہے، اور تقریباً یہی الفاظ اس کتاب کے ہیں جس کے متعلق اس سورت کے ابتدا میں آیا ہے، اس کی آیات ایک حکیم خبیر کی طرف سے محکم اور مفصل کی گئی ہیں۔ ہر پیغمبر کا پیغام رسالت تقریباً انہی الفاظ سے ادا ہوا ہے، الفاظ اور بنیادی معانی کا یہ اتفاق بتاتا ہے کہ تمام پیغمبروں کی رسالت کا پیغام ایک ہی تھا، عقیدہ ایک ہی تھا، مقصد رسالت اور خود رسالت میں وحدت تھی۔ نوحؑ کی زبان کا ہمیں علم نہیں، مگر بہر حال اللہ تعالیٰ نے ان کے پیغام کو انہی الفاظ میں بیان فرمایا ہے، اور راجح تربات یہی ہے کہ یہ نوحؑ کے الفاظ کی قرآنی و الٰہی تعبیر ہے، الفاظ ان کی اپنی زبان کے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ کے بعد نوحؑ کے قول کا ذکر نہیں فرمایا، یہ نہیں کہا کہ قال ...... بلکہ نوحؑ کے پیغام کو بیان فرمایا۔ یہ قرآنی تعبیر کا ایک انداز ہے۔ کہ وہ

Marfat.com

گذشتہ واقعات کو حاضر اور موجود کرکے ظاہر کرتا ہے ۔ گویا کہ واقعہ اب سامنے پیش آ رہا ہے ۔ یہ اس کی خاص طرز بیان ہے ۔ علاوہ ازیں مقصد یہ بھی ہوتا ہے کہ تمام رسالتوں کے کام اور فریضے کو قرآن بطور تخلیص اور بطور ترجمہ پیش کرتا ہے ۔ رسالت کے مقصد اور ہدف کو سننے والوں کے وجدان میں ان الفاظ سے ظاہر کرنے میں بہت زور پیدا ہوتا ہے کہ : اِنِّیْ لَكُمْ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ۝ اور اگلے الفاظ میں رسالت کا قوام اور انداز کا خلاصہ پیش کیا گیا ہے کہ : اَنْ لَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ۔ اور جب یہ مقصد پیش کیا گیا کہ : اِنِّیْٓ اَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ یَوْمٍ اَلِیْمٍ تو ابلاغ و انذار مکمل ہو گیا ۔ اور الیم کو یوم کی صفت لانے کا مطلب کیا ہے ، در آنحالیکہ یوم الیم نہیں بلکہ مولم ہے ، اور الیم تو اسم مفعول ہے بمعنی ما لوم ۔ اور اس دن الم زدہ ہونے والے وہ لوگ ہوں گے نہ کہ خود وہ دن ۔ لیکن اس تعبیر سے یہ ظاہر کیا جاتا ہے کہ جب وہ دن الم ناک ہے تو ان لوگوں کے الم کا کیا ٹھکانہ ہوگا جن کو وہ الم پہنچے گا ۔

کفار کا شبہ کہ بشر رسول نہیں ہو سکتا

آیت ۲۷ میں قوم نوح کے تین اعتراض مذکور ہیں (۱) یہ کہ تو ہماری مانند ایک انسان ہے اور انسان رسول نہیں ہو سکتا (۲) تیرے متبع گھٹیا لوگ ہیں (۳) تمہیں ہم پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ، بلکہ تم کاذب ہو ، یہ اور یہ قوم کے سرداروں اور متکبرین کا قول ہے ۔ تقریباً اسی قسم کے اقوال قریش کے بھی تھے جو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کہے تھے ۔ ان اقوال میں شبہات ، اتہامات ، تکبر اور جاہلانہ گفتگو پائی جاتی ہے ۔ جاہل انسانوں کے جی میں گھسا رہنے والا یہ ایک پرانا شبہ ہے کہ جنس انسانی اللہ کی رسالت کو اٹھانے کی اہل نہیں ، انسان بہت چھوٹا ہے اور رسالت کا کام اس سے بہت اونچا ہے ۔ اول تو رسالت کوئی چیز نہیں ہے ، اگر ہے تو انسان سے بلند تر کسی مخلوق —— مثلاً فرشتے —— کو رسول بنایا جانا چاہیے تھا ۔ یہ ایک گھٹیا اور جاہلانہ شبہ ہے ۔ اس شبہ کا مطلب یہ ہے کہ ان معترضین کو انسان پر وثوق و اعتماد نہیں تھا ۔ جسے اللہ تعالیٰ نے پیدا ہی اسی لیے کیا تھا کہ وہ اللہ کی خلافت (نیابت) کا فریضہ ادا کرے ۔ آدم کو زمین پر بھیجتے وقت ہی اعلان کر دیا گیا تھا کہ تمہارے پاس اللہ کی ہدایت آئے گی ، اور تم پر فرض ہوگا کہ اس کی پابندی کرو ۔ جس خدا نے انسان کو خلافت بخشی تھی ، اس نے اس میں رسالت خداوندی کی اہلیت ضرور رکھی تھی ۔ انسانوں کے پاس انسان ہی رسول کی حیثیت سے بھیجے جانے لازم تھے ، اللہ جس نے یہ انتظام فرمایا تھا وہ خوب جانتا تھا کہ انسان میں رسالت کو برداشت کرنے اور دنیا والوں تک پہنچانے ہمت و استعداد موجود ہے ۔

متکبر لوگوں کا ایک شبہ

متکبرین کا ایک شبہ اسی قسم کا اور بھی ہے ۔ اور وہ یہ کہ اگر اللہ کو کوئی رسول بھیجنا ہی تھا تو پھر ہم میں سے جو اپنی قوم کے سردار ہیں ، بڑے لوگ ہیں ، دولتمند ہیں ، معزز ہیں ، ہم میں سے رسول کیوں نہ بھیجا گیا ؟ یہ شبہ بھی جاہلانہ ہے ۔ اور اللہ تعالیٰ کی انسان کے لیے ٹھہرائی ہوئی اقدار کے یکسر خلاف ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے اس زمین میں انسان کو خلیفہ بنایا تھا ، خلافت کی شرط : مال و دولت ، دنیوی وجاہت اور ظاہری سرداری کو قرار نہیں دیا

Marfat.com

تھا۔ اللہ کی رسالت کو دنیا والوں تک پہنچانے کے لیے جن ذہنی و قلبی اور اخلاقی قابلیتوں کی ضرورت تھی وہ اللہ نے مال و دولت یا قوم و قبیلہ کی سرداری کے ساتھ مخصوص نہیں کیں۔ انسانوں میں سے جو اعلیٰ ترین دماغی، اخلاقی و جسمانی اہلیتوں کے مالک تھے، ان کو ہی اللہ تعالیٰ نے اس منصب کے لیے چنا تھا: اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ۔ رسالت کی اہلیت کا تعلق بہترین نفسانی قابلیتوں اور ملأ اعلیٰ کے ساتھ اتصال کی قابلیت سے ہے۔ نہ کہ کوئی خالص دنیوی معیار۔ پیغمبروں میں ہر قسم کی ذہنی و دماغی اور قلبی و جسمانی قابلیتوں کے ساتھ ساتھ صبر و ثبات، امانتِ خداوندی کو اٹھانے کی اہلیت، اور اسے دنیا والوں تک پہنچانے کی قابلیت بدرجۂ اتم پائی جاتی تھی۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے انہیں نبوت و رسالت کا محور و مرکز قرار دیا۔ لیکن قومِ نوح کے سرداروں نے ہر نبی کی قوم کے سربرآوردہ لوگوں کی طرح اپنے خود ساختہ معیاروں پر زور دیا، اور نوحؑ کا انکار کر دیا۔ جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے۔ نوحؑ پر ان کے تین اعتراض تھے۔ پہلا یہ کہ وہ انسان ہے۔ دوسرا یہ کہ وہ نوحؑ کے ساتھیوں اور مومنوں کو اپنے دنیوی مالی معیار سے بہت پست جانتے تھے اور غیر مالداروں کا نام اراذل (حقیر، گھٹیا، پست لوگ) رکھتے تھے۔ ہر زمانے میں متکبر لوگ متوسط طبقہ اور غیر مالدار لوگوں کا یہی نام رکھتے رہے ہیں۔ زیادہ تر رسولوں کے متبع، ایمان میں سبقت لے جانے والے یہی لوگ رہے ہیں۔ کیونکہ فطرۃً یہی لوگ اس دعوت کی قبولیت کا داعیہ اپنے اندر پاتے ہیں، جس کو وہ انسان کو انسان کی غلامی سے چھڑانے کا ذریعہ جانتے ہیں۔ ان کے دلوں میں انسانی مساوات کا، اور خدائے واحد و برتر کے سامنے سب لوگوں کی بندگی کا جذبہ دوسروں کی نسبت زیادہ مؤثر اور کارفرما ہوتا ہے۔ علاوہ ازاں ان کی فطرت کو غرور و تکبر اور تعیش نے ابھی فاسد نہیں کیا ہوتا۔ اور ان کے سامنے کوئی مصلحت اور رکاوٹ نہیں ہوتی۔ جو ان کو استجابت سے روکے۔ انہیں یہ خوف بھی نہیں ہوتا کہ جھوٹی اور چوری کی سربلندی اور چودھراہٹ جاتی رہے گی تو عوام جو اپنی غفلت کے باعث "بڑے لوگوں" کی پوجا میں مصروف رہتے ہیں، انہیں گھاس بھی نہیں ڈالیں گے! بت پرستانہ خرافات و اوہام لوگوں کو پتھروں، درختوں، جانوروں اور زندہ و مردہ انسانوں کی خدائی کے جال میں پھانستے ہیں۔ اور ان جالوں کا توڑنا عوام کے لیے نسبتہً آسان ہوتا ہے، جاہلیت اور بت پرستی کا پہلا مظہر یہی ہے کہ ایک خدائے واحد کے بجائے عبادت و عبودیت اور اطاعت و اتباع کو فانی اشخاص کے آگے پیش کیا جائے۔ پس توحید کی رسالت و نبوت کا پیغام انسان کی حقیقی آزادی کا پیغام ہوتا ہے، جو ہر زمان و مکان اور ہر غیر اللہ کے لیے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ باغیوں اور طاغیوں نے ہمیشہ اس آواز کا مقابلہ کیا ہے اور عوام کو اس سے روکا ہے، اور داعیانِ حق کو طرح طرح کے اتہامات کا نشانہ بنایا ہے۔ قومِ نوحؑ نے ان عوام کو، جنہوں نے نوحؑ کی آواز پر لبیک کہا تھا، رذیل اور کمینہ قرار دیا تھا، اور نوح علیہ السلام سے کہا تھا کہ تیرے ماننے والوں کو بلا تامل اور بلا غور و فکر کمینہ قرار دیتے ہیں۔

سابقینِ اولین پر تہمت اور الزام تراشی

قومِ نوحؑ کے سرداروں کا یہ قول کہ یہ ہم بے سوچے سمجھے نوحؑ کے ساتھیوں کو گھٹیا اور رذیل ٹھہراتے ہیں۔ یہ الزام ہمیشہ عیش پرست سرمایہ داروں اور اونچے طبقے کے لوگوں نے عامۂ مومنین پر لگایا ہے، انہیں اس عالم

نہیں ٹھہرایا کہ وہ ان کے ساتھ ایک مجلس میں بیٹھ سکیں ۔ آنحضورؐ نے بھی یہی مطالبہ بار بار کیا کہ آپ ان تیسرے درجے کے لوگوں کو اپنی محفل سے اٹھا دیں تو ہم آپ کی مجلس میں آکر بیٹھ سکتے ہیں ۔ ان کے ساتھ بیٹھنا ہمارے لیے باعثِ اہانت ہے ۔ بڑے لوگ ہمیشہ یہی کہتے رہے ہیں کہ ان عوام نے معاذاللہ اپنی حماقت اور ناسمجھی کے باعث فوراً کلمۂ ایمان کا اقرار کر لیا ہے ۔ غور و فکر اور تدبر سے یہ لوگ خالی ہیں ۔ لہٰذا ہم عاقل و فرزانہ ہوتے ہوئے ان کا راستہ اختیار نہیں کر سکتے ۔ وہ ایمان لائے ہیں تو ہم نہیں لائیں گے ۔

تمہیں ہم پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے

تعیش پسند امراء نے داعیٔ حق کو بھی اس کے ساتھیوں کی مانند (خدانخواستہ) اراذل میں سے شمار کیا اور کہا کہ تم میں ہم کو کوئی ایسی فضیلت نظر نہیں آتی جس بناء پر ہدایت کے قریب تر اور حقیقت کو زیادہ جاننے والے ٹھہرائے جاؤ ۔ اگر یہ طریقہ اور دین جس کو تم نے اختیار کیا ہے ، اس میں کوئی بھلائی اور اچھائی ہوتی تو تم ہم پر اسے ماننے میں سبقت نہ لے جاتے ۔ ہم ہی پہلے اس کو مانتے ۔ اور جب ہم نے اسے نہیں مانا ، بلکہ تم نے مانا ہے ، لہٰذا یہ راہِ حق و صواب نہیں ہو سکتا ! مطلب یہ کہ ان دین داروں نے ہدایت کے معاملے میں بھی مال و دولت کو ، جاہ و جلال کو اور حکومت و سلطنت کو معیار بنایا ، ان کے بقول مالدار افضل ہے ۔ جاہ و جلال والا زیادہ سمجھدار ہے اور حکومت والا زیادہ علم و معرفت رکھتا ہے ۔ جب کسی معاشرے سے عقیدۂ توحید غائب ہو جائے تو اس کے آثار مدہم پڑ جاتے ہیں اور مال و جاہ اور حکومت و سلطنت ہی بڑائی اور فضیلت کے معیار بن جاتے ہیں ۔ یہی جاہلیت ہے اور یہی اس کے دلائل و علامات ہیں ، خواہ قدیم جاہلیت ہو خواہ جدید لباس میں وہی قدیم ضلالت و جہالت جلوہ گر ہے ع نئے جال لائے پرانے شکاری اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ انسانیت کی توہین ہے ، جن اقدار کے باعث انسان انسان بنا ہے یہ ان کی نفی ہے ۔ یہ خلافت کا انکار ہے ، آسمان سے کٹ کر ارضی حیوانیت سے جڑنے کے مترادف ہے ۔

تیسری تہمت

رسول اور اس کے ساتھیوں کے منہ پر مشرکوں کی طرف سے پھینکی جانے والی یہ تیسری تہمت ہے ۔ گر ارسٹوکریسی کے رکھ رکھاؤ کے مطابق وہ اس تہمت کو بڑے محتاط انداز میں پیش کرتے ہیں ۔ یہی ارسٹوکریسی کا اندازِ سیاست ، اور اندازِ بیان ہے ۔ ان کے خیال میں یک لخت کسی بات کو مان لینا اور اسی پر جازم یقین کر لینا تو اراذل کا کام ہے جو بے سوچے سمجھے ایمان لے آتے ہیں ، لہٰذا انہوں نے یہ نہ کہا کہ یقیناً تم جھوٹے ہو ، بلکہ ڈپلومیسی کے انداز ارسٹوکریسی کو اپناتے ہوئے کہا " بلکہ ہم تمہیں جھوٹا سمجھتے ہیں " متکبر سرداروں اور سیاست دانوں کا یہی اندازِ تخاطب ہوتا ہے ۔ نوح علیہ السلام کے دور سے کر آج تک اُس دل کے اندھے گانٹھ کے پورے طبقے نے اس ہوا کے باعث جو ان کی رگوں اور شریانوں میں ان کو پھلانے کا سبب بنتی ہے ، ایسے مواقع پر اختیار کیا ہے ۔ آج کل کی بولی میں ان کو سیاست دان کہا جاتا ہے ۔

Marfat.com

نوح علیہ السلام کا حلم و حوصلہ

نوح علیہ السلام قوم کے اس مغرورانہ و متکبرانہ اندازِ بیان کا جواب پیغمبرانہ حوصلہ، وثوق، حلم و بُردباری اور حق پسندی کے ساتھ دیتے ہیں جس سے ان کا اطمینان و سکونِ قلب ظاہر ہوتا ہے، مومنانہ یقین واضح ہوتا ہے، صبر و استقامت کا اظہار ہوتا ہے۔ وہ قوم کے سب و شتم کا جواب ان کی زبان میں نہیں، بلکہ اپنی زبان میں دیتے ہیں۔ ان کے انداز میں تہمت طرازی اور ادعائے باطل نہیں پایا جاتا۔ ان کا انداز فطری، سادہ اور مؤثر ہے۔

"اس نے کہا، اے میری قوم! دیکھو تو سہی اگر میں اپنے رب کی طرف سے واضح دلیل پر ہوں اور اس نے مجھ کو اپنی طرف سے رحمت عطا فرمائی ہے اور تم اس سے اندھے ہو گئے ہو، اگر تم اسے ناپسند کرو تو کیا ہم اس کو زبردستی لازم کر سکتے ہیں؟ اور اے میری قوم! میں اس پر تم سے کوئی مال نہیں مانگتا، میرا اجر تو اللہ پر ہے۔ اور میں ایمان لانے والوں کو دھکا دینے والا نہیں ہوں وہ تو اپنے رب کے پاس جانے والے ہیں۔ لیکن میں تم کو دیکھتا ہوں کہ تم نادانی اختیار کر رہے ہو، اور اے میری قوم! اگر میں ان کو دھتکار دوں تو اللہ کے مقابلے میں میری کون مدد کرے گا؟ کیا تم سوچتے نہیں ہو؟ اور میں یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں، اور نہ میں غیب جانتا ہوں، اور نہ میں یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں، اور نہ میں ان لوگوں سے، جن کو تم حقیر جانتے ہو، یہ کہتا ہوں کہ اللہ ان کو ہرگز بھلائی نہ دے گا۔ اللہ ہی خوب جانتا ہے جو کچھ ان کے دلوں میں ہے۔ تب تو میں ظالموں میں سے ہوں گا۔"

مشرکوں کے مقابلے میں نوحؑ کا رویہ نہایت ہمدردانہ اور مشفقانہ تھا۔ وہ ان کو اپنی قوم کہتے ہیں، اپنی طرف منسوب کرتے ہیں اور اپنے آپ کو ان میں سے قرار دیتے ہیں۔ "یاقوم" کا یہی معنٰی ہے۔ فرمایا کہ تم بطورِ اعتراض کہتے ہو کہ "ہم تو تجھ کو اپنے ہی جیسا ایک انسان جانتے ہیں" مگر یہ سوچو کہ اگر میرا پروردگار کے ساتھ خاص تعلق ہو، مجھے اپنے دعوائے رسالت پر پورا یقین و اعتماد ہو، میرے پاس اس کی واضح دلیل موجود ہو، اللہ نے مجھے اپنی رسالت کے لیے چن کر مجھ پر خاص رحمت کی ہو۔ مجھے رسالت کے خاص خصائص عطا فرمائے ہوں جن کی وجہ سے میں اس ذمہ داری کو اٹھانے کے قابل سمجھا گیا ہوں۔ تم سے ان چیزوں کو پوشیدہ رکھا گیا ہو، تم ان چیزوں کی طرف سے اندھے ہو گئے ہو، اور ان کا ادراک نہ کر سکتے ہو۔ آنکھیں کھول کر ان میں دیکھ نہ سکتے ہو۔ جب تم اسے ناپسند کرتے ہو تو میں زبردستی تو اس کو تم پر ٹھونس نہیں سکتا۔ تم زبردستی تو ایمان لانے سے رہے۔ نوح علیہ السلام نے ان لوگوں کے خفیہ احساس کو بیدار کرنے اور ان کے وجدان کو متأثر کرنے کے لیے یہ نرم لہجہ اختیار فرمایا تاکہ وہ لوگ ان انذار کو پا سکیں جو ان پر مخفی تھیں۔ اور رسالت اور اس کے حقوق کے متعلق ان کی غفلت دُور ہو جائے اور انہیں پتہ چل جائے کہ یہ معاملہ سطحی ظاہر پر مبنی نہیں ہے جن پر کہ وہ اسے قیاس کرتے ہیں۔ اور انہیں یہ بھی معلوم ہو جائے کہ عقیدے کا معاملہ اختیار اور خوشی پر مبنی ہے، اور اس کا تعلق نظر و تدبر کے ساتھ اطمینان حاصل کرنے پر ہے نہ کہ جبر و قہر اور رعب و داب پر، انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ میں تمہیں نیکی کی راہ دکھاتا ہوں، ریاکار اور تصنع پسند، جاہ

طلب اور شہرت پسند نہیں ہوں ۔ میں تم سے کوئی مال و دولت طلب نہیں کرتا ۔ میں جس پروردگار کے حکم سے اس کی رسالت پہنچاتا ہوں ، وہی مجھے اس کا اجر و ثواب دے گا ۔ میں تمہارے کہنے پر ایمانداروں کو دھتکار دینے والا نہیں ہوں ان کا حساب اللہ پر ، مجھ پر یا تم پر نہیں ۔ جن لوگوں کو تم گھٹیا اور حقیر کہتے ہو ۔ انہوں نے میری دعوت پر لبیک کہا ۔ اور ایمان لے آئے ، میرا ان پر کوئی زور نہیں ۔ صرف دعوت دے سکتا ہوں ، اور وہ فرض میں نے ادا کر دیا ۔ نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے دعوتِ اسلام کو قبول کر لیا ۔ میں تم سے مال نہیں مانگتا کہ دولت مندوں سے تعلق رکھنے والا اور فقراء کو دھکے دینے والا ہوں ۔ میرے نزدیک سب لوگ برابر ہیں ۔ جو شخص لوگوں کے مال سے مستغنی ہو ۔ سب لوگ اس کے نزدیک برابر ہوتے ہیں ، کیا مالدار کیا غریب ۔

متکبرین کا مطالبہ اور اس کا جواب

نوح علیہ السلام کے جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن سے ایمانداروں کو اپنی مجلس سے نکال دینے کا مطالبہ ہُوا تھا ۔ بعینہ یہی مطالبہ بار بار جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوتا رہا ۔ اور آپ نے بھی اس کا یہی جواب دیا جو نوح علیہ السلام نے دیا تھا ۔ مشرکوں نے کہا تھا کہ تم ان گھٹیا درجے کے لوگوں کو (معاذ اللہ منہ) دھتکار دو تو ہم ایمان لانے پر غور کرنے کو تیار ہیں ۔ وہ نوح ؑ کی مجلس میں ان " ارازل " کے ساتھ بیٹھنا پسند نہ کرتے تھے ۔ شاید ان کا یہ بھی خیال ہو کہ وہ اس دین پر کیونکر ایمان لائیں جس پر تیسرے درجے کے لوگ لا چکے ہیں ، اس طرح تو ہم اور وہ برابر قرار پائیں گے ۔ اور ہمیں کوئی امتیاز حاصل نہ رہے گا ۔ نوح ؑ نے اس سے صاف انکار کر دیا ۔ اور انہیں ایسا کرنا چاہیے ہی تھا ۔ اللہ کے دین میں یہ امتیاز تو روا نہیں رکھا جا سکتا ۔ نوح ؑ کے جواب کا مطلب یہ تھا کہ تمہاری مغرور و متکبر نگاہوں سے حقیقی اقدار اوجھل ہو چکی ہیں ۔ اللہ کی ترازو میں تو انسان اور انسان میں کوئی فرق نہیں ، فرق صرف اخلاقی ہے جس کی بنیاد ایمان و عمل ہے ۔ اگر میں ان کو نکال باہر کروں تو اللہ تعالیٰ جو سب کا رب ہے ، فقراء کا بھی اور اغنیاء کا بھی ، کمزوروں کا بھی اور طاقتوروں کا بھی ، مالداروں کا بھی اور محتاجوں کا بھی ۔ وہ تو سب کو ایک ترازو میں تولتا ہے جو ایمان ہے ، لہٰذا یہ مومن لوگ اللہ کی حمایت و رعایت میں ہیں ۔ نوح ؑ نے کہا ، اگر میں اللہ کی میزان میں خلل ڈالوں تو اس کے غضب سے مجھے کون بچا سکے گا ؟ ایمان والے تو اللہ کی میزان میں زیادہ باعزت ہیں (اکرم ہیں) اور اسی میزانِ عدل کو قائم کرنے کے لیے تو میں آیا ہوں ، لہٰذا میں اس میزان کے تقاضوں کے خلاف کیونکر کر سکتا ہوں ؟ تم پر تو تمہاری جعلی خود ساختہ ارضی میزان غالب آ چکی ہے ، مگر میں اسے ماننے کو تیار نہیں ہوں ۔

رسول کی اصلی حیثیت

نوح علیہ السلام نے اپنی شخصیت اور رسالت کو بالکل سادہ الفاظ میں ہر قسم کے تکلفات سے بری ہو کر اور ہر قسم کی دنیوی اقدار سے بالاتر ہو کر بطورِ تذکیر پیش کیا ۔ تاکہ قوم کے سامنے حقیقی اقدار کو ظاہر کریں ۔ اور ظاہری کھوٹی اقدار کی حقارت ظاہر کریں اور بتائیں کہ میں ان سے بالکل الگ ہوں اور بالاتر ہوں ۔ رسالت کی بالکل اصلی سادہ اور حقیقی شکل و صورت یہی ہے ۔ میں نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں ، جن کی بنا پر میں ثروت کا یا

اس پر قدرت کا دعویٰ کروں۔ اور نہ میں غیب جانتا ہوں، کیونکہ وہ تو انسان کی قدرت سے باہر ہے۔ نہ میرا اللہ کے ساتھ رسالت کے ماسوا کوئی اور تعلق ہے۔ اور میں یہ بھی نہیں کہتا کہ میں فرشتہ ہوں، کیونکہ یہ صفت تو انسانیت کی صفت سے تمہارے نزدیک ماوراء ہے، تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ دعویٰ کرنے میں میں تمہاری نگاہوں میں بلند ہو جاؤں اور تم پر فضیلت جتاؤں۔ اور جن کو تم بنگاہِ حقارت دیکھتے ہو، میں تمہارے نزدیک مقرب ہونے کی خاطر اور تمہیں راضی کرنے کے لیے، یا تمہاری عارضی زمینی اقدار کو تسلیم کرکے انہیں یہ نہیں کہتا کہ اللہ تعالیٰ ان کو بھلائی نہ دے گا۔ میں تو انہیں صرف ظاہر سے دیکھتا ہوں، اللہ ہی بہتر جانتا ہے، کہ ان کے دلوں میں کیا کچھ ہے۔ ان کا ظاہر ان کی تعظیم و تکریم کا تقاضا کرتا ہے، اور اُمید ہے کہ وہ اللہ کے ہاں بھی بھلائی پائیں گے۔ اگر میں مندرجہ بالا دعووں میں سے کوئی بھی دعویٰ کروں تو میں ظالموں میں سے ہوں گا، جو حق پر ظلم کرتے ہیں، حالانکہ میں تو آیا ہی حق کی تبلیغ کے لیے ہوں۔ اور پھر تو میں اپنے اوپر بھی ظلم کروں گا کہ اپنی جان کو عذاب خداوندی کے لیے پیش کروں گا۔ اور میں لوگوں پر بھی ظلم کروں گا کہ ان کی حق تلفی کروں گا اور ان کے مقام سے انہیں فروتر ٹھہراؤں گا۔

نوحؑ کی تقریر کا اصلی مطلب

نوح علیہ السلام کی اس تقریر کا خلاصہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنی جان سے، اور اپنی رسالت سے ہر وہ جھوٹا اعتراض دُور کیا، ہر اس کھوٹی قیمت کا انکار کیا، اور ہر مصنوعی ہالہ سے اظہارِ نفرت کیا۔ جن کو ان کی قوم کے سردار رسول اور رسالت میں بغور تلاش کرنے تھے۔ انہوں نے اپنی رسالت کو اصلی اور حقیقی رنگ میں پیش کیا جو کسی مصنوعی لیپا پوتی کی محتاج نہ تھی۔ ان کا طرزِ بیان بہت سادہ، صاف اور صریح تھا، ان میں کسی بناوٹ، ریا اور شہرت طلبی کا شائبہ نہ تھا۔ ان کا خطاب رہتی دنیا تک آنے والے داعیانِ حق کے لیے ایک نمونہ تھا۔ اور یہ کہ حکومت و اقتدار کے سامنے حق کو کس طرح اور کس انداز میں پیش کرنا چاہیئے۔ ان کے بیان میں نہ تو تملق تھا اور نہ نفرت و غضب۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سردارانِ قوم دلیل کا جواب دلیل کے دینے سے عاجز ہو گئے اور انہی ہتھکنڈوں کا سہارا لیا جن کا سہارا ہمیشہ باطل پرست لیتے رہے ہیں۔

باطل پرست سرداروں کا جواب

طبقۂ اُمراء کی جھوٹی عزت نے انہیں گناہ پر آمادہ کر دیا۔ حجت ان پر غالب آگئی تھی، مگر جھوٹی عزت یہ ماننے کو تیار نہ تھی، لہٰذا انہوں نے تکبر کا اظہار کیا۔ عقلی و فطری برہان کو قبول کرنے کے بجائے وہ جدل سے تحدی پر اُتر آئے، کہنے لگے:

"اے نوح تُو نے ہم سے جھگڑا کیا، اور بہت جھگڑا کیا۔ پس اگر تُو سچا ہے تو عذاب لے آ، جس کا تُو ہم سے وعدہ کرتا ہے"۔

یہ عزت کے لباس میں عاجزی کا اظہار تھا، کمزوری نے قوت کی چادر اوڑھ لی تھی۔ علیہ حق کے خوف نے اہانت اور چیلنج کی صورت اختیار کر لی۔ ان کا یہ قول اسی کی غمازی کرتا ہے کہ: "اگر تو سچا ہے تو اپنے وعدے

کے مطابق عذاب کو لے آ۔" ہم تیری تصدیق نہیں کرتے، نہ تیری وعید کی پرواکرتے ہیں۔ اگر تیرے پاس عذاب الیم ہے تو اسے لے آ۔

جہالت کا جواب

نوح ؑ کا پیغمبرانہ وقار اپنی جگہ سے نہ ہلا۔ اس نے اس تکذیب و تحقیر کا جواب ان کی زبان میں نہیں دیا۔ بلکہ شفقت، محبت اور بزرگانہ نصیحت سے بیانِ حق اور ارشادِ حقیقت میں لگے رہے۔ نوح ؑ نے بُرے باوقار لہجے میں فرمایا کہ میں فقط ایک رسول ہوں، مبلّغ ہوں۔ خدائی کے اختیارات نہیں رکھتا۔ عذاب بھیجنا یا نہ بھیجنا وہ تو اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ دنیا کے سب معاملات کی تدبیر اسی کے دستِ قدرت میں ہے۔ وہ عذاب کو جلدی بھیجے یا اس میں تاخیر کرنے کی مصلحت کو خود جانتا ہے۔ پیغمبر نہ تو عذاب کو لا سکتا ہے نہ آنے کی صورت میں اُسے لوٹا سکتا ہے۔ وہ فقط رسول ہے۔ حق کو کھولنے والا، اور سچائی کی تبلیغ کرنے والا۔

"نوح ؑ نے کہا کہ وہ عذاب تو صرف اللہ ہی لائے گا، اگر چاہے گا۔ اور (آنے کی صورت میں) تم عاجز کرنے والے نہیں ہو۔ میں اگر تم کو نصیحت کرنا چاہوں تو میری نصیحت و خیرخواہی تمہیں کوئی نفع نہ دے گی اگر اللہ تمہیں گمراہ کرنا چاہے۔ وہی تمہارا رب ہے، اور اسی کی طرف تم کو لوٹایا جائے گا۔"

پس اگر سنۃ اللہ یہی چاہتی کہ اگر تم اپنی گمراہی سے ہلاک ہو جاؤ تو تم پر یہ سنت جاری ہو کر رہے گی، کیونکہ تم نے گمراہی کو کسی قیمت پر کسی صورت میں نہیں چھوڑا، گویا میں تم کی نصیحت نہیں کر چکا ہوں اس نصیحت سے فائدہ اُٹھانے سے تم کو اللہ نے منع نہیں فرمایا، بلکہ یہ تمہارا فعل ہے جو تم پر اس سنتِ خداوندی کو نافذ کرکے رہنے والا ہے، جب تم گمراہی سے باز نہیں آتے تو سنۃ اللہ کا تقاضا یہی ہے کہ تم گمراہ رہو۔ اللہ کا عذاب اگر تم پر آیا تو تم اس کو ہٹا نہ سکو گے، تدبیر و تقدیر تو اللہ ہی کے قبضہ میں ہے۔ "وہی تمہارا رب ہے۔ اسی کی طرف واپس جاؤ گے۔"

قرآنی سیاق کا ایک عجیب و غریب التفات

نوح علیہ السلام کے قصے کے اس مقطع پر قرآنی سیاق نے ایک عجیب و غریب موڑ کاٹا ہے، وہ یہ کہ اس قسم کے قصے میں مشرکین قریش کی طرف خطاب کا رُخ موڑا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ ان کا معاملہ بھی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کچھ اسی قسم کا تھا۔ اور ان کا بھی دعوے تھا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس واقعہ کے بیان میں معاذ اللہ افتراء کر رہے ہیں۔ لہٰذا نوح علیہ السلام کے قصے کی تکمیل سے پہلے قوم کا رُخ ان کی طرف مڑ گیا ہے اور فرمایا ہے کہ:

"کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس نے اس قرآن کو (یا اس قصے کو) گھڑ لیا ہے۔ تو کہہ کہ اگر میں نے اس کو گھڑ لیا ہے، تو اس کی ذمہ داری کا بوجھ مجھ پر ہے، اور میں تمہارے جرموں سے بیزار ہوں۔"

افتراء کرنا گویا ایک بڑا جرم۔۔ کرنا ہے۔ تو کہہ کہ اگر میں نے بقول تمہارے یہ افتراء کیا ہے تو اس کا

بوجھ مجھ پر ہے ، اور مجھے معلوم ہے کہ یہ ایک جرم ہے ، لہٰذا یہ بات بہت بعید ہے کہ میں یہ جرم کروں ، اور تم جو شرک اور تکذیب اور استہزاء کے میرے خلاف جرم کا ارتکاب کرتے ہو ۔ میں اس سے بالکل بری ہوں ۔ یہ آیت (نمبر ۳۵) بطور جملہ معترضہ ایک خاص غرض سے بیان قصہ نوحؑ کے درمیان واقع ہوئی ہے ۔ تاکہ مشرکین کو ان کے جرائم پر خبردار کرے ، اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سے ان کے اعتراضات کو دفع کرے ۔

عذاب کی تیاری اور اطلاع

آیات ۳۶ ـــــ ۳۷ میں ارشاد ہے کہ : " اور نوحؑ کو وحی کی گئی ، کہ تیری قوم میں سے جو ایمان لا چکے ہیں ، ان کے سوا اور کوئی ایمان نہ لائے گا ۔ لہٰذا تو ان کے فعل پر مایوس مت ہو ، اور کشتی بنا ہماری آنکھوں کے سامنے ، اور ہماری وحی کے مطابق ، اور ظالموں کے بارے میں مجھ سے خطاب نہ کرنا ، کیونکہ وہ تو بالضرور غرق کیے جانے والے ہیں ۔"

مطلب یہ کہ انذار اور دعوت کا وقت گذر چکا ، اور قوم سے جدال و نزاع بھی ہو چکی ۔ جو دل ایمان کے لیے تیار تھے ، وہ لا چکے ، باقی لوگوں میں نہ استعداد ہے نہ توجہ ، اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی فطرت ، حالات اور مستقبل سے خوب آگاہ ہے ۔ ممکنات و ممتنعات کی اسے پوری خبر ہے ۔ اب وقت نہ رہا تھا کہ غیر مفید دعوت کا سلسلہ جاری رکھا جائے ۔ اس کافر قوم کے افعال ، امتناع ، استہزاء اور تکذیب پر مایوس ہونے کی ضرورت نہیں ہے ۔ تو کسی قلق و اضطراب کا اظہار نہ کر ، اور جو یہ لوگ پہلے کر چکے ہیں ، اس کی پرواہ نہ کر اب تو عذاب کے آنے کا انتظار کر ، اور اپنے مومن ساتھیوں کو بچانے کی خاطر کشتی ہماری ہدایت اور تعلیم کے مطابق تیار کر ۔ ظالموں کے انجام کا فیصلہ ہو چکا ہے ۔ لہٰذا اب جو کچھ مشیت الٰہی کا تقاضا ہے ، اسے ہونے دے ، اور کسی کی سفارش نہ کرنا ۔ اب دعوت کا کام بھی ختم ہو چکا ۔ اب تو دیکھ کہ پردۂ غیب سے کیا نمودار ہونے والا ہے ۔

کشتی کی تیاری اور قوم کا تمسخر

آیات ۳۸ ـــ ۳۹ میں فرمایا کہ : " اور وہ کشتی بنا رہا تھا ، اور جب بھی اس پر اس کی قوم کے سردار گذرتے ، تو وہ اس سے تمسخر کرتے ، اس نے کہا ، اگر تم ہم سے تمسخر کرتے ہو تو ہم بھی تم سے تمسخر کریں گے ۔ جس طرح تم کرتے ہو ۔ سو کچھ دیر بعد تمہیں پتہ چل جائے گا کہ کس پر عذاب آئے گا جو اس کو رسوا کر دے گا ، اور اس پر ایک ٹھہرنے والا عذاب اترے گا ۔"

یَصْنَعُ کے ساتھ کشتی بنانے کی تعبیر فعل حال سے کی گئی ہے ، حالانکہ واقعہ یہ ماضی کا ہے ، یہ تعبیر اس واقعہ کو زندگی اور تازگی بخشتی ہے ، گویا ہم چشم تصور سے نوحؑ کو کشتی بناتا دیکھ رہے تھے ، اور ہم دیکھتے ہیں کہ ان کی قوم کے متکبر سرداروں کی جماعتیں وہاں سے گذرتی ہیں (بات بہت مشہور ہو چکی ہے ، اور لوگ بغرض تماشا آ رہے ہیں !) تو وہ ان سے ٹھٹھا مخول کرتی ہیں کہ یہ شخص تو اپنے آپ کو رسول کہتا ہے ، انہیں دعوت دیتا تھا ۔ اور ان کے ساتھ طویل مباحثہ و مناظرہ کرتا تھا ۔ اب اسے کیا ہو گیا ہے کہ ناگہاں ایک بڑھئی بن گیا ہے اور کشتی تیار کر رہا ہے ۔ بھلا یہاں خشکی میں کشتی کی کیا ضرورت ؟ کیا یہ کشتی خشکی پر چلے گی ؟ یہ لوگ ظاہر پرست تھے اور

ظاہر پرستوں کا ہمیشہ یہی قاعدہ ہوتا ہے، وہ ظواہر سے پرے باطن میں نگاہ نہیں ڈال سکتے، خدائی حکمت و تدبیر سے یہ لوگ بے خبر ہوتے ہیں۔ ویسے بھی تمسخر اور مذاق کا انہیں کوئی نہ کوئی بہانہ درکار تھا۔ نوح ؑ حسب معمول بڑے پر وقار انداز میں انہیں بتانے تھے کہ ہم تمہارے تمسخر کا جواب کچھ دیر بعد تمسخر سے دیں گے۔ ہم تمہیں بتائیں گے کہ دیکھو، کشتی کی ضرورت تھی یا نہیں؟ ہمارا بڑھئی کا کام بیکار تو نہیں تھا؟ اور تمہیں کچھ دیر کے بعد معلوم ہو جائے گا کہ اللہ کا ذلیل کن عذاب کس پر آئے گا اور ایک ٹھہرنے والی سزا کس پر اترے گی؟ یہ پتہ اس دن چلے گا جبکہ پردے کھل جائیں گے، اور واضح ہو جائے گا کہ کس نے نفع پایا اور کس نے نقصان اٹھایا؟

آخر طوفان کا عذاب آگیا

آیات ۴۰ ــــ ۴۱ میں اس وقت کا ذکر ہے، جس کا دوست دشمن کو انتظار تھا:

"حتیٰ کہ جب ہمارا حکم آگیا، اور تنور اُبل پڑا، ہم نے کہا: اس میں سوار کرا لے ہر جاندار کا ایک ایک جوڑا، اور اپنے گھر والے ــــ سوائے ان کے جن کا پہلے فیصلہ ہو چکا ہے ــــ اور ان کو جو ایمان دار ہیں، اور اس کے ساتھ ایمان لانے والے تھوڑے ہی تھے۔ اور نوح ؑ نے کہا کہ: اس میں سوار ہو جاؤ، اللہ کے نام سے ہے اس کا چلنا اور اس کا ٹھہرنا، بے شک میرا پروردگار بہت بخشنے والا ہے، بہت مہربان ہے۔"

تنور کے اُبلنے سے کیا مراد ہے؟ اس میں متفرق اقوال ہیں۔ بعض اقوال کے بارے میں خیال دور تک جاتا ہے۔ اور ان میں اسرائیلی روایات کی بو آتی ہے۔ بلکہ طوفان کے تمام قصے ہیں یہ واضح ہے۔ ہم دلیل کے بغیر انہیں اندھا دھند قبول نہیں کر سکتے۔ یہ غیبی خبر ہے جس کا علم ہمیں صرف وحی اور نقل سے ہو سکتا ہے۔ ہم تنور کے بارے میں زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ تنور کا اُبلنا اس طرح بھی ممکن تھا کہ اس میں پانی کا چشمہ اُبل پڑے، یا کوئی آتش فشاں کا فوارہ لاوا پھینکے، اور ممکن ہے کہ یہ تنور کا اُبلنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے نوح علیہ السلام کے لیے علامت ہو، یا یہ بعض طوفان کا ایک مقدمہ ہو کہ زمین سے بھی پانی کا چشمہ اُبل پڑا، اور آسمان سے بھی موسلا دھار شدید بارش ہونے لگی، اور نوح علیہ السلام کو جو ہدایات دی گئیں، وہ مرحلہ وار تھیں کہ جب یوں ہو تو تم یوں کرنا۔ اور جب پانی اُبل پڑے تو کشتی میں جانوروں اور مومن انسانوں کو سوار کر لینا۔ پہلے نوح ؑ کو کشتی بنانے کا حکم ملا، اور سیاق قرآنی کشتی بنانے کے حکم کی غرض نہیں بتاتا۔ نہ یہ بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نوح ؑ کو اس کا مقصد بتا دیا تھا۔ اور یہ دوسرا مرحلہ تھا کہ تنور اُبل پڑا اور بامر الٰہی نوح ؑ نے کشتی میں مومنوں کو اور جانوروں کے ایک ایک جوڑے کو لاد لیا۔

ہر چیز کا ایک جوڑا

اس کے متعلق بھی بہت سے تفسیری اقوال ہیں جن میں سے اسرائیلیات کی بو آتی ہے، ہم اس آیت سے سادہ بات جو سمجھتے ہیں وہ یہ ہے کہ اس وقت نوح ؑ کے پاس جو زندہ جانور طوفان کے علاقے میں موجود تھے انھوں نے ان کا ایک ایک جوڑا کشتی میں لاد لیا۔ اور یہ بھی حکم تھا کہ جو لوگ تیرے اہل میں سے عذاب کے مستحق ہیں ــــ مثلاً ان کی بیوی اور ایک لڑکا جو غرق ہوا ــــ انھیں دا ایمان لائے بغیر کشتی میں سوار نہ کرنا۔ پھر نوح علیہ السلام

Marfat.com

نے کشتی کو اللہ کے نام پر پانی میں چھوڑ دیا کہ "اس کا چلنا اور لنگر انداز ہونا اللہ رحیم و صاحب مغفرت کے نام سے ہے" وہ کشتی اللہ کی نگرانی میں اس کے فضل وکریم سے چل رہی تھی۔ ورنہ اتنے بڑے سرکش طوفان کے آگے اس کشتی کی کیا حقیقت تھی؛

طوفانی لہروں میں پسر نوح کی غرقابی

آیات ۴۲—۴۳ کا نظارہ بڑا ہولناک اور خوفناک ہے۔ فرمایا کہ:

"اور وہ کشتی انہیں لے کر پہاڑ جیسی لہروں میں جاری تھی۔ اور نوحؑ نے اپنے بیٹے کو پکارا جو الگ تھلگ تھا، میرے پیارے بیٹے! ہمارے ساتھ کشتی میں سوار ہو جا اور کافروں کے ساتھ مت رہ۔ اس نے کہا تھا کہ میں عنقریب کسی پہاڑ پر پناہ لوں گا جو مجھ کو پانی سے بچائے گا، نوحؑ نے کہا کہ آج اللہ کے حکم سے بچانے والا اور کوئی نہیں مگر وہی، جس پر وہ رحم کرے۔ اور ان کے درمیان لہر حائل ہوگئی اور وہ غرق ہو گیا"

ان آیات میں دو ہولناکیوں کا ذکر ہے۔ ایک تو خاموش فطرت کی ہولناکی تھی، اور دوسری انسانی نفس کی ہولناکی تھی، اور ان دونوں کا ملاپ ہوگیا۔ جب کشتی پہاڑ جیسی موجوں میں تھپیڑے کھاتی ہوئی جاری تھی تو نوحؑ نے دیکھا کہ ان کا ایک بیٹا ان سے الگ تھا اور ان کے ساتھ کشتی پر سوار نہ تھا۔ یہ دیکھ کر نوحؑ کی معیت جاگ اٹھی، اور وہ بچھڑے لڑکے کو پکارنے لگے، کہ اے بیٹا! ہمارے ساتھ سوار ہو جا اور کافروں کے ساتھ مت رہ۔ لیکن نافرمان بیٹے نے بوڑھے پریشان حال باپ کی پروا نہ کی، مغرور جوانی گھیرنے والی ہولناکی کا اندازہ نہ کر سکی۔ بیٹا بولا کہ میں کسی پہاڑ پر چڑھ کر پانی سے محفوظ ہو جاؤں گا۔ مگر پریشان حال محبت بھری پدر آغوش رحمت سے آخری ندا دیتی ہے، کیونکہ اسے حقیقت حال کا اندازہ تھا اور وہ ہولناکی کی گہرائی سے واقف تھی، اس نے کہا کہ آج کوئی پہاڑ، کوئی غار، کوئی حامی کار، اور کوئی بچانے والا، اللہ کے حکم سے بچا نہیں سکتا۔ ہاں اللہ کا رحم جس پر ہو، وہ منزد بچ جائے گا۔ اسی لمحہ میں نظارے کا صفحہ بدل جاتا ہے، اور ایک بپھری ہوئی موج بیٹے کو نگل جاتی ہے! اب بوڑھے باپ کے سامنے پانی ہی پانی تھا، ہزاروں سال کے بعد جب ہم ان آیات کو پڑھتے ہیں تو ڈر کے مارے سانس روک لیتے ہیں، گویا کہ خوفناک نظارہ ہماری آنکھوں کے سامنے ہے۔ طوفان وادیوں کو نگل چکا ہے اور اس کی ایک تیز بپھری ہوئی موج نوحؑ کے بیٹے کو نگل چکی ہے۔ خاموش کائنات میں اور نفس انسانی میں یکساں ہیجان برپا تھا، پانی میں طوفانی ہیجان اور نوحؑ کی پدرانہ شفقت میں انسانی محبت کا ہیجان۔

طوفان تھم گیا مقصد پورا ہو گیا

طوفان کے تھمنے، سکون چھا جانے، اور مقصد کے پورا ہو جانے کو جن الفاظ میں بیان فرمایا گیا ہے انہیں پڑھ کر بھی یہی احساس ہوتا ہے کہ واقعی سکون و اطمینان کی کیفیت لوٹ آئی ہے۔ آیت نمبر ۴۴ میں یہی بیان فرمایا گیا ہے:

Marfat.com

" اور کہا گیا کہ اے زمین اپنا پانی چوس لے ، اور اے آسمان تو کھل جا ، اور پانی سما گیا اور امر کا فیصلہ ہو گیا ۔ اور کشتی جودی پر اٹک گئی ۔ اور کہا گیا کہ ظالم قوم کے لیے دوری ہے ۔ لعنت ہے ۔ "

زمین و آسمان کی طرف اس آیت کا خطاب یوں ہے جیسے وہ عاقل ہوں ۔ اللہ کے حکم کے سامنے تو ایسے ہی ہیں ۔ اس مختصر آیت میں دو امر اور چار خبریں دی گئی ہیں ، یہ فصاحت و بلاغت ، یہ روانی ، یہ اثر انگیزی مختصر الفاظ میں اتنے مضامین کا یہ اجتماع صرف اللہ وحدہ کے کلام کا خاصہ ہے ۔ انسان سے یہ بن نہیں پڑ سکتا ۔

غمزدہ باپ کی محبت جاگ اٹھی

اب جبکہ طوفان ختم ہو گیا تھا ، ہول ساکن ہو چکا تھا ۔ اور کشتی جودی پر اٹک گئی تھی ۔ نوح علیہ السلام بوڑھے والد کے دل میں مصیبت زدہ باپ کا دکھ بیدار ہو گیا ۔ آیت نمبر ۴۵ میں ہے کہ :

" اور نوحؑ نے اپنے رب کو پکارا ، اور کہا : اے میرے رب بلاشبہ میرا بیٹا میرے اہل میں سے تھا ، اور بلاشبہ تیرا وعدہ بھی برحق ہے (مگر وہ پھر بھی غرق ہو گیا) اور تو سب حاکموں سے بڑا حاکم ہے ۔ "

یعنی اے میرے پروردگار ! تو نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ تو میرے اہل کو (آل کو) بچائے گا ۔ تیرا وعدہ سچا تھا ، اور تیرا فیصلہ بھی سب سے بہتر اور بڑا ہے ، جو ضرور کسی حکمت و تدبیر پر مبنی ہو گا ۔

تیرا بیٹا تیری آل میں سے نہ تھا !

اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں وہ حقیقت بیان فرمائی جس کے ادراک سے وہ محبتِ پدری کی وجہ سے دورِ غفلت میں اللہ کے دین و میزان میں خونی قرابت دار نہیں ہوتے ، بلکہ عقیدے کے قرابت دار ہوتے ہیں ، اور یہ لڑکا مومن نہ تھا ۔ لہٰذا وہ نوحؑ کے اہل (اہل اور آل ایک ہی چیز ہے آل کا لفظ اہل سے ہی بگڑا ہوا ہے) میں سے نہ تھا ۔ نوحؑ تو مومن لوگوں کے سردار نبی تھے ۔ اور یہ بیٹا کافر تھا ۔ یہ جواب بڑی تاکید کے ساتھ زور دار الفاظ اور قوی عبارت میں وارد ہوا ، الفاظ اور لہجہ ایسا تھا کہ گویا ان میں تہدید و تشدید ہے ۔ فرمایا :

" اے نوحؑ ! یہ تیرے اہل میں سے نہ تھا ، اس کے اعمال غیر صالح تھے ، سو تو مجھ سے وہ بات نہ پوچھ جس (کی حکمت) کا تجھ کو علم نہیں ہے ۔ میں تجھ کو نصیحت کرتا ہوں مبادا تو نادانوں میں سے ہو جائے ۔ " (آیت نمبر ۴۶)

اسلام کی یہ ایک بہت بڑی حقیقت ہے کہ اصل حیثیت اس لڑکے کی ہے جس سے جا کر سب دھاگے ملتے ہیں ، اور وہ عقیدے کا کڑا ہے جو فرد اور فرد کو اس طرح جوڑتا ہے کہ نسب و قرابت بھی اس طرح نہیں جوڑ سکتے ۔ پس اے نوحؑ ! وہ تم سے کٹ گیا اور تم اس سے جدا ہو گئے ، اگرچہ وہ تمہارا صلبی بیٹا ضرور تھا ، پس جب پہلا کڑا (ربط و تعلق) قطع ہو گیا تو اس کے بعد کوئی تعلق در رابطہ تمہیں باہم نہیں جوڑ سکتا ۔ اور

Marfat.com

چونکہ نوحؑ کی دُعا ایک ایسے شخص کی دعا معلوم ہوتی تھی جو ایک وعدے کی یاد دہانی کراتا ہو، جو اس کی نظر میں پورا نہ ہوا ہو، لہٰذا اللہ تعالیٰ کے جواب میں تہدید و تانیب کا انداز پایا جاتا ہے۔ فرمایا کہ مجھ سے ایسی چیز مت مانگ جس کی حکمت (حقیقت) سے تو ناآشنا ہے۔ تو روابط و قرابت کے حقائق سے بے خبر ہے۔ اور تجھے نہیں معلوم خدائی وعدے کی حقیقت اور اس کی تاویل کیا ہے۔ اللہ کا وعدہ تو پورا ہو چکا ہے۔ تیرے گھر والے جو دراصل باعتبار حقیقت تیرے اہل تھے، نجات پاگئے، اب تو اور کیا مانگتا ہے؟ نوحؑ کی التجا معاندانہ نہ تھی نہ کہ معاندانہ۔ لہٰذا وہ اس حقیقت کا اظہار سُن کر لرز گیا، اسے ڈر تھا کہ مبادا میں اپنے رب کے حق میں کوتاہی کر گیا ہوں۔ پس وہ دوبارہ اللہ سے پناہ مانگنے لگا کہ:

"اس نے کہا، اے میرے رب! میں تجھ سے اس بات سے پناہ مانگتا ہوں کہ ایسی چیز کا سوال کروں جس کی حقیقت سے میں آشنا نہ ہوں، اور اگر تو مجھے نہ بخشے، اور مجھ پر رحم نہ کرے تو میں نقصان اُٹھانے والوں میں سے ہو جاؤں گا۔" (آیت ۴۷)

سلامتی اور برکتوں کے ساتھ کشتی سے اُتر آ

اللہ کی رحمت نوحؑ پر اُتری، تاکہ اس کے دل کو مطمئن کرے، اور اس کو اور اس کی صالح نسل کو مبارک کرے، اور ان کے ساتھیوں پر رحمت بھیجے، مگر دوسروں کو عذاب الیم پہنچنا مقدر تھا۔

"کہا گیا کہ: اے نوحؑ! تو ہماری سلامتی کے ساتھ، اور تجھ پر برکتوں کے ساتھ (کشتی سے) نیچے اُتر۔ اور تیرے ساتھ والی بعض امتوں پر سلام و برکت ہوگی۔ اور بعض قوموں کو ہماری طرف سے دردناک سزا ملے گی۔"

معاملے کی انتہا یہ تھی کہ نوحؑ اور ایمانداروں کے لئے نجات اور بشارت تھی، اور ان میں سے مادہ پرستوں صرف دنیوی متاع کے طالبوں کو عذاب کی دھمکی دی گئی۔ یہ بشارت اور وعید دراصل تو وہی تھے جو سورت کے مقدمہ میں گذرے۔ یہ واقعہ اس لیے بیان فرمایا گیا کہ عالم شہادت کے عملی واقعہ کی صورت میں اسے ظاہر فرمایا جائے، یہی وجہ ہے کہ بطور نتیجہ یہ فرمایا گیا ہے:

"یہ غیب کی خبروں میں سے ہے، جن کو ہم تمہاری طرف بذریعۂ وحی بھیج رہے ہیں۔ نہ تم اس سے پہلے اسے جانتے تھے نہ تمہاری قوم جانتی تھی، پس صبر کرو، بلاشبہ انجام متقین کے لئے ہے۔" پس اس نتیجے میں اس قصّے اور دیگر قرآنی قصّوں کے یہ مقاصد بتائے گئے ہیں۔

قرآنی قصّوں کے مقاصد

(۱) منکرین وحی کے سامنے وحی کی حقیقت کا بیان، کیونکہ یہ واقعات تو غیب میں سے ہیں، جن کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کی قوم ..... نہ جانتے تھے، یہ علیم وخبیر خدا کی وحی ہے (۲) آدمؑ تانوحؑ علیہ السلام سے لے کر بعد میں ہمیشہ تک عقیدہ کی حقیقت واحد رہی ہے، اس کی تعبیر میں زمان ومکان کے اختلاف سے کوئی فرق نہیں پڑا (۳) مکذبین وکفار نے رسولوں پر ہمیشہ یکساں قسم کے اعتراض کیے ہیں۔ اور ان کے لگائے ہوئے اتہامات کی حقیقت ہر دور میں واحد رہی ہے۔ باوجودیکہ پچھلے ادوار میں انہیں باطل

کیا جا چکا تھا۔ مگر ہر آنے والی نسل کے منہ سے وہی کچھ سننے میں آیا جو پہلے کہا جا چکا تھا (۴) انسانوں کے لیے بشارت و نذارت ہمیشہ ایک رہتی ہے۔ ہر نبی نے یہی دو کام کیے ہیں جن کی تاریخِ انسانیت نے واضح شہادت دی ہے (۵) اللہ تعالیٰ کی جاری و قائم سُنّت کی حقیقت کبھی نہیں بدلی۔ وہ نہ کسی کا لحاظ کرتی ہے نہ کسی پر زیادتی کرتی ہے۔ انجام کار متقین کے لیے ہے۔ دُنیا و آخرت میں نجات اور فوز و فلاح انہی کا مقدر ہے (۶) افراد اور جماعتوں میں ربط پیدا کرنے والی چیز اسلام کے نزدیک نقطۂ عقیدہ ہے۔ سارے مومن ایک عقیدۂ توحید کے بندھن میں مربوط ہوتے ہیں۔ خدا ایک، رب ایک، دین و مذہب ایک، اور رُخ ایک ہی طرف۔

نوحؑ کی بعثت کا علاقہ اور سرزمینِ طوفان

ایک اہم سوال جو طوفانِ نوحؑ کے سلسلے میں پیش ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ کیا یہ طوفان ساری زمین پر آیا تھا یا صرف وہی سرزمین اس کا مورد تھی جہاں نوحؑ کی بعثت ہوئی تھی؟ اور یہ کہ وہ سرزمین کون سی تھی؟ اور موجودہ زمانے میں اس سرزمین کا اتہ پتہ کیا ہے؟ ان سوالات کے جواب میں ظن کے سوا کچھ نہیں ہے۔ اور یا پھر وہ اسرائیلی روایات ہیں جو کسی صحیح دلیل پر مبنی نہیں ہیں۔ اور قرآنی قصوں کی تفسیر میں ان کا کوئی مقام نہیں ہے۔ مگر یہ سب ہمیں یہ کہنے سے نہیں روک سکتا کہ جس زمانے کا یہ قصہ ہے، اس میں اور اس قصہ میں وارد ہونے والی نصوص بظاہر یہی بتاتی ہیں کہ اس دَور میں انسانیت صرف قومِ نوحؑ پر ہی مشتمل تھی۔ اور جس علاقے میں ان کی رہائش تھی اس وقت وہی علاقہ آباد تھا، اور طوفان نے اس سارے علاقے کو اپنی لپیٹ میں لیا تھا، اور اس میں بسنے والی تمام مخلوق اس کے احاطے میں آتی تھی۔ اور صرف وہی مخلوق بچی تھی جو کشتی میں سوار تھی۔ اس حادثے کے بارے میں ہمارے پاس یہی ایک معتبر خبر ہے جو معتبر اور موثوق ذریعے (کتاب و سنت) سے ہمارے پاس آئی ہے۔ اس زمانے کے بارے میں تاریخ کچھ نہیں جانتی اور نہ کچھ بتاتی ہے۔ گویا یہ واقعہ زمانۂ ماقبلِ تاریخ میں پیش آیا تھا۔ تاریخ تو مولود ہے جس نے بشریت کے کم ہی واقعات محفوظ کیے ہیں۔ اور تاریخ میں جو کچھ لکھا ہے وہ صحیح اور غلط دو احتمال رکھتا ہے۔ اس میں صدق و کذب دونوں کا احتمال موجود ہے۔ اس کی جرح و تعدیل کی جا سکتی ہے۔ اور جس چیز کے بارے میں صادق صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر ہمیں مل چکی ہے اس میں کسی اور سے استفادہ قطعاً نامناسب بلکہ حتماً ناجائز ہے۔

طوفانِ نوحؑ اور افسانہ ہائے اقوام

مختلف اقوام کے افسانے طوفانِ نوحؑ کے ذکر سے پُر ہیں، اور اس کا سبب معصیت اور نافرمانی ہی بتایا گیا ہے۔ اور بنی اسرائیل کے افسانے جو عہد قدیم کے نام سے مدوّن ہوئے تھے، ان میں بھی طوفانِ نوحؑ کا ذکر موجود ہے۔ مگر یہ ایسی چیزیں ہیں جن کا ذکر تفسیرِ قرآن میں یا طوفانِ نوحؑ کی قرآنی تعبیر میں درست نہیں ہے۔ عہد قدیم کے مصادر اور اسناد بالکل نامعلوم ہیں اور انہیں قرآن کی خبرِ صادق و معتبر کے ساتھ ملانا قطعاً ناجائز ہے۔ اگرچہ ان سب مذکورہ بالا اقوام کے افسانوں میں طوفان کے ذکر کا یہ مطلب سمجھا جا سکتا ہے کہ

Marfat.com

طوفان ان اقوام کے علاقے اور ان کی سرزمین میں آیا تھا۔ یا کم از کم یوں کہیے کہ طوفان سے نجات پاکر اطراف زمین میں پھیل جانے والوں کے ساتھ ساتھ یہ قصہ اپنی بہت تفصیلات سمیت اِدھر اُدھر پھیل گیا تھا، دراصل ان سب کے بیان کا مطلب وہ سرزمین تھی جس میں طوفان آیا تھا مگر کچھ عرصہ بعد یہ غلط فہمی پیدا ہونے کے امکانات پیدا ہوگئے کہ طوفان ان سب اقوام کے مختلف علاقوں اور مختلف سرزمینوں میں آیا تھا۔

موجودہ عہدِ قدیم اور عہدِ جدید کی اصل حیثیت

اور یہ بات جان لینا اور اسے یاد رکھنا بھی ازلس ضروری ہے کہ یہودی نوشتوں پر مشتمل کتاب عہدِ قدیم اور نصرانی نوشتوں پر مشتمل کتاب عہدِ جدید جس کا مجموعہ کتاب مقدس (بائبل) کہلاتا ہے، یہ وہ کتابیں نہیں ہیں جو اللہ کی طرف سے نازل ہوئی تھیں۔ اللہ کی نازل کردہ تورات کا اصل نسخہ اس وقت ضائع ہوگیا تھا (جل گیا تھا) جب اہل بابل نے یہودیوں کو قید کر لیا تھا۔ بیت المقدس اور یروشلم کو جلا کر راکھ کر دیا گیا تھا۔ اور یہود کو قید کرکے بھیڑ بکریوں کی مانند ہانک کر سرزمین بابل لے گئے تھے (حادثۂ بخت نصر یا بتوکد نصر) اور کتب مقدسہ کی کتابت اس واقعہ کے صدیوں بعد مسیح کی پیدائش سے تقریباً پانچ صدی قبل ہوئی تھی۔ یہ کتابیں عزرا نے (جو شاید عزیر تھے) کی اور اس نے ان میں تورات کے کچھ بقایا حصے جمع کیے۔ جہاں تک اور کتابوں کا تعلق ہے تو وہ محض ایک تالیف کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اسی طرح اناجیل کا حال ہے کہ ان میں صرف انجیل کا وہ حصہ جمع ہے جو مسیحؑ کے شاگردوں کو زبانی یاد تھا، اور ان کے بھی شاگردوں کو مسیح علیہ السلام کے رفع کے تقریباً ایک سو سال بعد (یہود و نصاریٰ کے نزدیک مسیحؑ وفات پا چکے ہیں) پھر ان میں بہت سی حکایات اور افسانے بھی خلط ملط ہوگئے۔ یہی سبب ہے کہ ان تمام کتابوں میں سے کسی امر پر یقین کا طلب کرنا جائز نہیں۔ اب ہم اس عظیم واقعہ کی بعض عبرتیں بیان کریں گے، اور پھر ہود علیہ السلام کے واقعہ کی طرف منتقل ہوں گے۔

قوم نوح میں جاہلیت اور شرک کیونکر پیدا ہوئے؟ ✓

نوح علیہ السلام کی یہ مشرک اور جاہل قوم، جس کے شرک و کفر پر اصرار، اور بحالتِ کفر طوفان میں غرق ہونے کا حال بیان ہوا، یہ قوم آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے تھی۔ آدم علیہ السلام کا ذکر اس سے پہلے سورۃ البقرہ اور الاعراف میں گزر چکا ہے، وہ اس دنیا میں خلافتِ ارضی کا تاج پہن کر آئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں بھیجنے سے پہلے انہیں خلافت کے لوازم سے مسلح کر دیا تھا، اور جو لغزش ان سے ہوئی تھی اس سے معافی مانگنے کا طریقہ بھی اللہ تعالیٰ نے بتایا، اور تجربے سے ان پر واضح ہوگیا تھا کہ ان کا اصل دشمن ابلیس ہے۔ اور ان سے عہد لیا گیا کہ وہ دنیا میں ہدایتِ الٰہی کے پابند رہیں گے اور شیطان سے بچ کر رہیں گے۔ پس آدمؑ مسلم تھے، اور انھوں نے اپنی اولاد کو بھی اسلام ہی سکھایا تھا۔ زمین میں انسانیت نے سب سے پہلا جو مذہب پہچانا تھا، وہ اسلام ہی تھا۔ اس کے علاوہ اس وقت اور کوئی عقیدہ تھا ہی نہیں۔ پھر کافی عرصہ گزرا، جس کی مقدار کو صرف اللہ ہی جانتا ہے پھر ہم قومِ نوحؑ شرک و جاہلیت میں انسانیت پر غیر اللہ کی پوجا، افسانوں، اوہام و خرافات، بتوں، تصورات و تقالید سب چیزوں سے مل جل کر ہی ہوئی، اور یہ بعد کی چیز تھی، پہلے انسانوں کا دین و مذہب صرف اسلام تھا۔

اس سے انحراف انسانوں کے دشمن شیطان کے گمراہ کرنے ۔ اور توحید و اسلام کے دین سے نکال دینے کے باعث پیدا ہوا ۔ اس نے انسانی طبیعت میں کچھ سرحدیں بنائیں ، جن کے ذریعے سے وہ آہستہ آہستہ ان کے دلوں پر قابو یافتہ ہوگیا ۔ وہ دشمنِ خدا اور دشمنِ انسانیت اسی طرح انسان میں دخل انداز ہوتا ہے ۔ جب کبھی زلالِ الٰہی ہدایت سے انسان کے پیچھے ہٹنے کا واقعہ پیش آیا وہ دشمنِ خدا اور دشمنِ انسانیت دخل انداز ہوگیا ۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو خلافتِ ارضی کی خلعت پہنائی ۔ اور اس کے ساتھ ایک حد تک اختیار بھی دیا ہے ۔ اور آزمائش و امتحان کا دار و مدار اسی اختیار پر ہے ۔ اس اختیار کے باعث وہ اللہ کی فرماں برداری اور نافرمانی دونوں راستوں میں سے ایک کو پسند کرتا اور اسی پر چل سکتا ہے ۔ اگر وہ ایک بال کے برابر بھی ہدایتِ الٰہی سے منحرف ہو جائے تو شیطان اس کو لے بھاگتا ہے ۔ اور چند مراحل سے گذار کر اس کو اسی قسم کی سیاہ جاہلیت میں گرا دیتا ہے جس میں اولادِ آدم ان چند صدیوں کے بعد گر گئی تھی جن کا ذکر اوپر گذر چکا ۔

انسان کا پہلا دین اسلام تھا نہ کہ کفر

اوپر کی مختصر بحث سے معلوم ہوگیا ہوگا کہ انسان کا اوّلین عقیدہ توحید تھا ۔ اور شرک بعد میں پیدا ہوا ۔ اس کا پہلا دین اسلام تھا ۔ اور کفر بعد کی پیداوار ہے ۔ اس سے ان نام نہاد علمائے ادیان کا خبط واضح ہو جاتا ہے جو انسان کا اوّلین عقیدہ شرک و کفر ٹھہراتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ توحید تک پہنچنے کے لیے انسان نے پہلے ارواح کی ، درختوں کی ، آباؤ اجداد کی پرستش کی تھی ، اور پھر آہستہ آہستہ انسان توحید تک پہنچا ۔ دراصل اس تصوّر سے غرض وحی و رسالت کی نفی ہے ۔ اور اس تصوّر کی کہ حضرت آدمؑ کو خلیفہ ... بنا کر بھیجا گیا تھا اور اس کی اولاد کافی دیر تک توحید پر کاربند رہی ۔ اور شرک و جاہلیت بعد میں طاری ہوئے ۔ ان جدید محققین مذاہب کا اصل نقطۂ نظر یہ ہے کہ تمام مذاہب انسانی تصنیف ہیں ۔ وحی و رسالت کوئی چیز نہیں ، انسان خود ہی آہستہ آہستہ شرک و کفر اور الحاد سے توحید تک پہنچتا ہے ۔ اس سے وہ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ اسلام اور توحیدِ الٰہی دینِ فطرت نہیں ہے ، بلکہ یہ بھی دیگر مذاہب کی مانند انسان کا اپنا ساختہ و پرداختہ ہے ۔ بعض وہ لوگ جو اسلام کا دفاع کرنا چاہتے ہیں ، اس کے خلاف اعتراضات پر حمیّت کا اظہار کرتے ہیں ، وہ بھی وہی بولیاں بولنے لگتے ہیں جو اسلام کی بنیاد کو ہی ڈھا دینے کا ارادہ کرنے والے بولتے ہیں ۔ قرآن نے صراحتہً اور وضاحتہً اس بات کا اعلان کیا ہے کہ آدمؑ اور ان کی ذرّیت کا دین اسلام تھا جسے آدمؑ جنّت سے لے کر دنیا میں اُترے تھے ۔ نوح علیہ السلام کا مقابلہ اسی ذرّیتِ آدم سے ہوا تھا ، جس کو شیطان نے بہکا کر توحید سے منحرف کیا اور شرک کی راہ پر ڈال دیا ۔ پھر نوح علیہ السلام کے بعد جب بھی لوگ اسلام سے نکل کر جاہلیت کی طرف گئے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کو اسلام کی توحیدِ خالص سکھانے کے لیے انبیاء و رُسل کو بھیجا — دین واحد تھا ، صرف زمان و مکان کے تقاضوں کے مطابق قوانین و شرائع میں کچھ اختلاف ہوتا رہا ، اور وہ ایک ضروری اور ناگزیر اختلاف تھا ۔

ترقی شرک سے توحید کی طرف نہیں ہوئی ، بلکہ اصل عقیدۂ توحید ہمیشہ سے ایک تھا اور اب بھی ہے ۔ عقیدۂ توحید انسانی تاریخ میں قدیم ترین اور اوّلین عقیدہ ہے ، جو ہمیشہ سے جُوں کا توں رہا ہے ۔ یہی چیز قرآن سے ثابت ہے ، لہٰذا کسی محقق کا ، جبکہ وہ مسلم بھی ہو ۔ اور خاص اسلام کا دفاع کرنے کا دعویدار ہو ۔ یہ کام ہرگز نہیں ہے

Marfat.com

کہ ارتقائے مذہب وادیان کے اس نظریے کو اپناتے جو بالعموم دین و مذہب کی بحث کرنے والے یہود و نصاریٰ کے علماء کا ہے۔

عباس محمود العقاد کی غلط فہمی

جس بحث کی طرف ہم نے اوپر اشارہ کیا ہے، یہ ایک الگ مستقل تصنیف کی محتاج ہے اور مؤلف تفسیر نے اس پر ایک کتاب بنام: "تصویبات فی الفکر الدینی المعاصر" لکھنی شروع کی تھی، جیساکہ ان کی تفسیر سورۂ ہود کے ایک . . . حاشیہ پر درج ہے) مگر ہم یہاں پر اس بحث کی طرف کچھ توجہ کرتے ہیں، اور عباس محمود العقاد کی کتاب: "اللہ" کی فصل اصل العقیدہ میں ہے کہ: "انسان نے علوم و منصب میں ترقی کی، اسی طرح عقائد میں بھی ترقی کی۔ اس کے اولین عقائد اس کی پہلی زندگی کے مساوی تھے۔ اور یہی حال اس کے علوم اور صنعتوں کا بھی ہے۔ ابتدائی علوم و صناعات اولین مذاہب و عبادات سے زیادہ ترقی یافتہ نہ تھیں، حقیقت کے عناصر ان دونوں اطراف میں برابر تھے۔ اور مناسب یہ ہے کہ دین کی راہ میں انسان کی کوشش علوم و صناعات کی راہ کی کوششوں سے طویل تر اور مشکل تر ہوں گی۔ کیونکہ کائنات کی سب سے بڑی حقیقت مطلب میں شدید تر، اور راستے میں طویل تر ہے۔ بہ نسبت ان چیزوں کی حقیقت کے جن کو کبھی تو علم اختیار کرتا ہے اور اس کی صناعت ان کو کام میں لاتی ہے، اور لوگ اس چمکدار سورج کے حال سے جاہل ہیں، حالانکہ آنکھوں دیکھی چیزوں میں سے اور اجسام کی محسوس کردہ چیزوں میں سے یہ ظاہر تر ہے۔ اور زیادہ عرصہ نہیں گذرا کہ لوگ سورج کے گرد گھومنے کے قائل تھے۔ اور اس کی حرکتوں اور عوارض کی تفسیر اس طرح کرتے تھے جس طرح کہ معموں اور خوابوں کی تفسیر و تعبیر کی جاتی ہے۔ اور ان میں سے کسی کے دل میں یہ خیال نہ آیا کہ سورج کے وجود کا انکار کرے، کیونکہ عقلیں اس کے بارے میں تاریکی در تاریکی میں تھیں، اور شاید آئندہ بھی ہمیشہ اسی طرح رہیں گی۔

ابتدائی جاہلیت کے دور کے متعلق جب ہم ادیان کے اصول کی طرف رجوع کریں تو اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ مذہب و دین باطل تھا اور یہ بھی غلط ہے کہ ادیان کے اصول کسی محال چیز کی کھود کرید میں تھے۔ زیادہ سے زیادہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حقیقتِ کبریٰ کسی ایک زمانے میں پوری کی پوری لوگوں پر نہیں کھلی اور لوگ مختلف ادوار میں قدم بہ قدم اس کی حقیقت کو معلوم کرنے کی طرف بڑھتے رہے ہیں۔ چھوٹے حقوق کو جاننے کی طرف ترقی کرنے کا بھی یہی حال رہا ہے۔ بلکہ حقیقتِ کبریٰ کی معرفت ان چھوٹے حقائق کے علم سے شدید تر اور سخت تر تھی۔ علم تقابلِ ادیان نے بہت سی ضلالتوں اور افسانوں کو ننگا کر دیا ہے، جن پر پہلے زمانے کے انسانوں کا ایمان تھا۔ اور وحشی قبائل کے اندر اب بھی ان افسانوں اور گمراہیوں کے آثار موجود ہیں۔ بلکہ بعض ان تہذیبوں میں بھی یہ نشان موجود ہیں جو بہت عظیم کہلاتی ہیں۔ سائنس کے انکشافات کا یہی حال ہونا چاہیے تھا۔ اور قدیم مذاہب و ادیان کا بھی اپنی جہالتوں اور ضلالتوں پر ہونا ضروری تھا، جن پر کہ وہ عملاً ثابت ہوئی ہیں۔ یہی وہ معقول نتیجہ تھا جو کہ عقلاً ثابت ہونا لازم تھا، اور اس نتیجے میں کوئی ایسی چیز نہیں جس کو علماء عجیب و غریب شمار کریں یا نئے سرے سے اس بنیاد پر دین کے جوہر پر حکم لگانے کا سوچیں، کیونکہ جو عالم ابتدائی مذاہب کی چھان بین اس خیال سے کرے کہ ان پہلے لوگوں نے حقیقتِ کبریٰ کا عرفان حاصل

کر دیا تھا، وہ ایک محال بات کی کوشش کرتا ہے

العقاد کے نزدیک ابتدائی مذاہب کے تین دور

العقاد نے اسی مذکورہ بالا کتاب میں فصل "الٰہی عقیدے کی ترقی کے ادوار" میں لکھا ہے کہ تقابل ادیان کے علماء جانتے ہیں کہ ابتدائی انسانی اقوام خداؤں اور ارباب کے عقیدے کے بارے میں تین ادوار سے گذری ہیں

(۱) تعدد کا دور (پولی تھی ازم) (۲) تمیز و ترجیح کا دور (ہینو تھی ازم) (۳) وحدانیت کا دور (مونو تھی ازم)۔ پس پہلے یعنی۔ تعدد کے دور میں پہلے قبائلی لوگ درجنوں بلکہ سینکڑوں خداؤں کو اختیار کرتے تھے، اور اس دور میں ہر بڑے خاندان کا ایک رب اور معبود ہوتا تھا، یا وہ رب کا نائب کوئی پناہ گاہ ہوتی تھی جو اس کی دعاؤں اور قربانیوں کو قبول کرتی تھی۔ اور دوسرے دور میں، جو کہ تمیز و ترجیح کا دور تھا۔ کثیر ارباب باقی رہتے تھے، اور ان میں سے ایک رب باقی ماندہ پر ترجیح اور غلبہ پالیتا تھا۔ یا تو اس لیے کہ وہ کسی بڑے قبیلے کا رب ہوتا تھا جس کے آگے دیگر قبائل جھک جاتے تھے کہ وہ ان کا سردار ہے، اور دفاع اور معاش کے معاملات میں ان پر اعتماد کرتے تھے۔ اور یا اس لیے کہ وہ معبود اپنے تمام بندوں کا وہ مطلب پورا کرتا تھا جو کوئی اور معبود پورا نہ کرسکتا تھا۔ مثلاً یہ کہ وہ بارش کا دیوتا ہے اور اس سارے علاقے کو اس کی ضرورت ہے۔ یا یہ کہ وہ بگولوں اور آندھیوں کا رب ہے اور اس کی اُمید یا خوف دوسرے ارباب یا دیوتاؤں سے بہت زیادہ ہے۔ تیسرے دور میں اُمت متحد ہو جاتی ہے۔ اور مختلف علاقوں اور قبائل کے ارباب کی عبادت کے کم ازکم ایک طریقے پر متحد ہو جاتی ہے۔ جیسے کہ بعض دفعہ بعض علاقوں کے سیاسی لیڈر اور حاکم اور تاجدار کسی ایک رسم پر یا ایک طریقے پر متفق ہو جاتے ہیں، یا چھوٹے حکام کے ساتھ ساتھ ایک بڑے حاکم پر جمع ہو جاتے ہیں۔ اور کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ فاتح قوم یا فوج مفتوح کے معبود کے سامنے جھک جاتی تھی، اور اپنے خداؤں کے ساتھ ساتھ اُسے بھی پوجتی ہے۔ یا اس کو سب سے بڑا خدا مان لیتی ہے۔ اور کوئی اُمت اس ناقص وحدانیت تک پہنچنے سے قبل تہذیب حضارت کے کئی ادوار میں سے گزرتی ہے۔ اور اس وقت بالکل ابتدائی دور کے اوہام و خرافات کو اس کی عقل قبول نہیں کرتی۔ لہٰذا وہ پہلے معبودوں کی نسبت اللہ کو ان صفات کے ساتھ موصوف کرتی ہے جو پاکیزگی اور بزرگی کے کمال پر ہوتی ہیں، حالانکہ پہلے وہ بہت سے خداؤں کو اس کمال کے قریب قریب کے درجے تک مانتی تھی۔ اس دور میں عبادت کائنات میں غور و فکر اور اللہ تعالیٰ کے ارادے اور حکمت سے منسوب ہونے لگتی ہے۔ بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ اس قسم کی امتوں کا خدا ربِ اکبر کی صفات کے قریب جا پہنچتا تھا۔ اور دوسرے خدا ملائکہ کے درجے تک پہنچ جاتے ہیں، یا انہیں وہ خدا سمجھا جاتا تھا جو آسمانی دربار سے نکالے جا چکے ہوتے ہیں۔

اس بحث کا خلاصہ اور نتیجہ

عباسی محمود العقاد کی یہ بحث اپنی ہو یا اس نے اپنے ہم عمر دیگر علمائے تقابلِ ادیان سے نقل کی ہو۔ اس سے ایک بات واضح ہے کہ اس کی رو سے انسان اپنے عقائد خود بناتے ہیں۔ اس لیے ان میں ان کے عقلی

Marfat.com

علمی اور تہذیبی و تمدنی اور سیاسی اطوار و ادوار ظاہر ہوتے ہیں، اور یہ کہ متعدد خداؤں کے دو تک اور دو سے ایک تک کا ارتقاء ایک فطری سا ارتقاء ہے جو مرور زمانہ کے ساتھ از خود پیدا ہوتا ہے۔ اور یہ نتیجہ تو اس کتاب کے مؤلف نے اپنی کتاب کی تمہید و تقدیم میں خود پیش کر دیا ہے۔ اس نے لکھا ہے کہ:

"اس کتاب کا موضوع یہ ہے کہ انسان کا عقیدۂ خدا اس وقت سے ارتقاء پذیر رہا ہے، جب سے کہ انسان نے کسی کو رب بنایا ہے۔ یہاں تک کہ اس نے ایک اللہ کو دریافت کیا۔ اور نزاہتِ توحید کی ہدایت پائی۔"

حالانکہ اس حقیقت میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب کریم میں واضح اور حتمی طور پر مصنف کے اس خیال کے خلاف بیان فرماتا ہے، اور العقاد جو اللہ نامی کتاب کا مؤلف ہے، وہ علمائے تقابل ادیان کے خیالات اور طریق سے متاثر ہے۔

کتاب اللہ کا واضح اور حتمی اعلان

قرآن واضح طور پر اور حتمی انداز میں بار بار بتاتا ہے کہ آدم اوّلین انسان تھے، اور انہوں نے توحید کی کامل حقیقت کو پہچان لیا تھا، ان کا عقیدۂ توحید تعدد و تثنیہ کے شائبہ سے پاک تھا۔ ان پر اللہ کی وحی اتری تھی، جس سے انہوں نے اللہ وحدہٗ کی عبادت و اتباع کو بخوبی پہچانا تھا۔ اور انہوں نے یہی عقیدہ اپنی اولاد کو بتایا تھا۔ انسان کی تاریخ کے ابتدائی ادوار میں عقیدۂ توحید اور عبادتِ خدائے واحد کے سوا کوئی دین و مذہب نہ تھا، ان کا مذہب اسلام تھا۔ توحید سے انحراف بعد میں ہوا، جبکہ اولادِ آدم پر لمبا عرصہ گزر گیا پھر لوگ تعدد الٰہہ اور تثنیہ میں مبتلا ہوئے، حتیٰ کہ نوح علیہ السلام آئے، اور انہوں نے از سر نو عقیدۂ توحید پیش کیا۔ جاہلیت پر جمے رہنے والے سب کے سب طوفان میں غرق ہو گئے، اور صرف موحد مسلم باقی بچے۔ جو توحید کی نزاہت کو جانتے تھے۔ اور تثنیہ و تعدد اور باقی ارباب اور جاہلی ارباب کا انکار کرتے تھے۔ اور ہمیں یہ بھی یقین ہے کہ ان طوفان سے نجات پانے والوں کی اولاد کئی نسلوں تک توحید پر قائم رہی۔ جب ان پر بھی ایک طویل عرصہ گزر گیا تو اغوائے شیطانی سے یہ لوگ پھر انحراف میں مبتلا ہو گئے۔ ہر رسول کا یہی اعلان تھا۔ قرآن کہتا ہے: وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْٓ اِلَیْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ۝

قرآن کی صراحت علمائے تقابل ادیان کے بیان کے خلاف ہے!

اس میں کوئی شک نہیں کہ اس ضمن میں قرآن کا بیان کچھ اور ہے، اور تقابل ادیان کے علماء کا بیان اس کے خلاف دوسرا ہے۔ اور اس کتاب "اللہ" کا مؤلف (عباس محمود العقاد) اس بیان میں ان علمائے ادیان مقارنہ کا تتبع ہے نہ کہ قرآن کے صریح بیان کا۔ یہ دونوں الگ الگ نظریات ہیں جن میں تضاد پایا جاتا ہے۔ اور علمائے تقابل ادیان کے پاس خالی خولی نظریات اور وہم و گمان ہے، یہ نظریات ایک دوسرے کے خلاف ہیں۔ اور ان کو انسانی مباحث میں بھی حرفِ آخر کی حیثیت حاصل نہیں ہے۔ اور ایمان داروں کے لئے قرآن کا قطعی و حتمی بیان ہی لائق اعتماد و لائق اعتماد ہے۔ دینِ حق وحیِ الٰہی سے آیا تھا نہ کہ کسی انسان کے ذاتی خیالات سے۔ اور اسلام

Marfat.com

نے قدیم ترین ادوارِ تاریخ میں بھی توحید کا اعلان کیا تھا ۔ اور اس اعلان کو اللہ تعالیٰ نے انبیاء کی زبانی قرآن میں بیان کیا ہے ۔ نوحؑ ، ہودؑ ، صالحؑ ، شعیبؑ ، ابراہیمؑ سب انبیائے بنی اسرائیل ، اور آخری رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی اعلان ہے ۔ اس کے برخلاف علمائے تقابلِ ادیان کا نظریہ غلط ہے ۔ وہم و خرافات ہے ، کسی پختہ دلیل پر مبنی نہیں ، محض ظن و تخیل کا نتیجہ ہے ۔ اور ان کے بیانات اسلام کے بنیادی عقائد کے خلاف ہیں ، بلکہ یہ عقلِ صحیح اور تاریخ بیانات کے بھی خلاف ہیں ۔ ان علماء نے ہر چیز کو اپنے وہمی ذہنی نظریہ تعاد کا پابند بنا دیا ہے جو ایک خیالِ باطل ہے ۔ یہ خیالات مغرب کے آئے ہیں اور ان کے پیچھے وہ مقاصد کار فرما ہیں جنہیں اسلام کی ضد کہا جا سکتا ہے ۔

نوحؑ اور پسرِ نوح علیہ السلام

آیات ۴۶ —— ۴۷ پر پھر ایک دفعہ غور کیا جائے تو یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ان میں اسلامی تحریک کے ایک زندہ و پائندہ عقیدے کا نام وارد ہوا ہے ۔ دینِ برحق میں جس تعلق اور رشتے پر لوگ جمع ہوتے ہیں وہ ایک اچھوتا اور عجیب و غریب تعلق ہے ۔ یہ نام و نسب خون اور نسل ، زمین اور وطن ، خاندان اور قوم ، رنگ اور زبان ، جنس اور نوع ، وقت اور طبقہ کا رشتہ نہیں ہے ۔ ان تعلقات کی موجودگی میں بھی افراد کا باہمی رشتہ منقطع ہو جاتا ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے نوحؑ کا قول اور اپنا جواب ان آیات میں بیان فرمایا ہے ۔ نوحؑ نے کہا کہ : " اے میرے پروردگار ! بلاشبہ میرا بیٹا میرے اہل میں سے تھا " مگر اللہ تعالیٰ جواب دیتا ہے کہ " اے نوحؑ وہ تیرے اہل میں سے نہ تھا " پھر واضح فرمایا کہ اس کا بیٹا اتنے قریبی رشتے کے باوجود اس کی آل سے باہر کیوں تھا ؟ إِنَّهُ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ ۔ یعنی اے نوحؑ ! تم دونوں کے درمیان ایمان کا رشتہ منقطع تھا ۔ " سو جس چیز کا تجھے علم نہیں وہ مجھ سے مت مانگ " تو سمجھتا ہے کہ وہ تیری آل میں سے تھا ، مگر یہ گمان غلط ہے ۔ جو بات معلوم اور یقینی ہے وہ یہ ہے کہ وہ تیری آل میں سے نہ تھا ، اگرچہ وہ تیری پشت سے ضرور پیدا ہوا تھا ، یعنی تیری حقیقی اولاد ہونے کے باوجود تیری آل سے باہر تھا ، کیونکہ دینی آل فقط وہ ہے جس کا رشتہ ایمان و عقیدہ و عمل منقطع نہ ہو ۔ یہاں پہ واضح اور بلند نشان یہ ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام کے نزدیک رشتوں اور رابطوں کی کیا حیثیت ہے ؟ اور جاہلیت کے نزدیک کیا ہے ؟ جاہلیت کے رابطے یہ ہیں ۔ رنگ ، زبان ، جنس و عنصر ، حرفت و طبقہ ، مشترکہ مصالح ، مشترک تاریخ ، مشترک سفر ، مشترک منزل اور اس ضمن میں یہ تمام جاہلی تصورات ہیں ، اور ان کا اسلامی عقیدے کے ساتھ بنیادی اختلاف ہے ۔ اسلام نے اس امت کی یہی تعریف کی ہے ۔ اور جماعت بندی کے لیے صرف عقیدے کو بنیاد بنایا ہے ۔ یہی مثال ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں نوحؑ اور ان کے بیٹے کے سلسلے میں بیان فرمایا ہے ۔

ابراہیمؑ اور آزر کی مثال

قرآن نے سورۃ ہود میں تو مسلم باپ کی غیر مسلم بیٹے کے مقابلے میں مثال بیان فرمائی ہے ۔ مگر قرآن کے دیگر مقامات پر ابراہیم علیہ السلام ، ان کے باپ اور قوم کی مثال کو بھی اسی اسلامی عقیدے کی بنیاد کے سلسلے

Marfat.com

میں بیان کیا ہے ۔ وہاں پر بیٹا مسلم ہے اور باپ اور قوم غیر مسلم ، سورۃ مریم میں ہے :

" اور تو کتاب میں ابراہیمؑ کا ذکر کر ۔ بلاشبہ وہ صدیق نبی تھا ، جب اس نے اپنے باپ سے کہا ، اے میرے پیارے باپ ! تو ان چیزوں کو کیوں پوجتا ہے جو نہ سنتی ، نہ دیکھتی ، اور نہ تیرے کسی کام آتی ہیں ؟ اے میرے باپ : بلاشبہ میرے پاس وہ علم آچکا ہے جو تیرے پاس نہیں آیا ، سو تو میرا اتباع کر ۔ میں تجھ کو سیدھی راہ پر چلاؤں گا ۔ اے میرے باپ ! تو شیطان کی عبادت مت کر ۔ (غیر اللہ کی عبادت دراصل شیطان ہی کی عبادت ہے !) بلاشبہ شیطان رحمان کا بہت بڑا نافرمان ہے ۔ اے میرے پیارے باپ ! مجھے ڈر ہے کہ تجھ کو رحمان کا عذاب نہ چھو جائے ۔ تو تو شیطان کا دوست ہو جائے گا ۔ اس نے کہا ؛ اے ابراہیم کیا تو میرے خداؤں سے منہ پھیرنے والا ہے ؟ اگر تو باز نہ آیا تو میں تجھ کو رجم کر دوں گا ، اور تو مجھے ہمیشہ کے لیے چھوڑ جا ۔ اس نے کہا : تجھ پر سلام ہو ، میں ابھی تیرے لیئے اپنے رب سے استغفار کروں گا ۔ بلاشبہ وہ مجھ پر بہت مہربان ہے ۔ اور میں تم سے الگ ہوتا ہوں اور ان سے جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو ، اور میں اپنے رب کو ہی پکارتا ہوں ، عنقریب میں اپنے رب کو پکار کر ناکام نہ ہوں ۔ پھر جب اس نے ان کو اور ان کے معبودوں کو چھوڑ دیا تو ہم نے اس کو اسحاقؑ اور یعقوبؑ بخشے ، اور ان سب کو ہم نے نبی بنایا ، اور ہم نے ان کو اپنی رحمت بخشی ، اور ان کی سچائی کی زبان بلند کر دی "۔ (مریم ۴۱ — ۵۰)

ابراہیم اور اُن کی اولاد کی مثال

اور عقیدے کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے ان تعلقات کو مثال کے طور پر بیان کیا ۔ جو ابراہیمؑ اور ان کی اولاد کے درمیان تھے ۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو بتایا جبکہ وہ ان سے عہد و میثاق لے رہا تھا ۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان کے ذکر کے باقی رہنے ، اور ان کی نسل میں رسالت کے قائم ہونے کا ذکر فرمایا ہے :

" اور جب اللہ نے ابراہیم کو آزمایا چند باتوں میں ، پس اس نے انہیں پورا کر دیا ، فرمایا کہ میں تجھ کو لوگوں کا پیشوا بنانے والا ہوں ۔ اس نے کہا کہ : کیا میری اولاد میں سے بھی ؟ فرمایا کہ میرا عہد ظالموں کو نہیں ملے گا "۔ " اور جب ابراہیمؑ نے کہا : اے میرے رب اس شہر کو امن کا شہر بنا دے ، اور اس کے رہنے والوں کو پھلوں کا رزق دے —— جو ان میں سے اللہ اور آخرت پر ایمان لائے —— فرمایا کہ جو کافر ہو گا تو میں اس کو تھوڑا سا فائدہ دوں گا ۔ (یعنی دنیوی ساز و سامان) پھر اس کو جہنم کے عذاب کی طرف مجبور کر دوں گا ، اور وہ بُرا ٹھکانہ ہے "۔

(البقرہ ۱۲۴ —— ۱۲۶)

عقیدے کے متعلق خاوند بیوی کی مثال

اور اللہ تعالیٰ نے عقیدے کے معاملے میں اس تعلق کو بھی بطورِ تمثیل پیش کیا ہے جو خاوند بیوی کے درمیان

Marfat.com

ہوتا ہے ۔ جیسے کہ نوحؑ اور اس کی بیوی ، اور لوطؑ اور اس کی بیوی کا معاملہ تھا ۔ اور دوسری طرف فرعون کی بیوی اور فرعون کے باہمی معاملے کی مثال ۔ چنانچہ سورۃ تحریم کی آیات ۱۰ —— ۱۱ میں فرمایا ہے کہ : اللہ

" اللہ تعالیٰ نے کافروں کے لیے نوحؑ کی بیوی اور لوطؑ کی بیوی کی مثال پیش فرمائی ہے ۔ یہ دونوں عورتیں ہمارے دو نیک بندوں کے ماتحت تھیں (ان کے نکاح میں تھیں) پھر انہوں نے ان سے خیانت کی تو وہ دونوں بندے ان کے کسی کام نہ آئے ۔ اور کہا گیا کہ تم جہنم میں داخل ہونے والوں کے ساتھ داخل ہو جاؤ ۔ اور اللہ تعالیٰ ایمان والوں کے لیے فرعون کی بیوی کی مثال پیش کی ہے ۔ جبکہ اس نے کہا :۔ اے میرے رب ! میرے لیے اپنے پاس جنت میں ایک گھر بنا ، اور مجھے فرعون اور اس کے عمل سے نجات دے ۔ اور مجھے ظالم لوگوں سے نجات عطا فرما ۔"

ایمانداروں اور ان کے سب دنیوی رشتوں اور مال ومتاع کی مثال

اور عقیدے کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ان تعلقات اور معاملات کی مثال دی ہے جو ایمانداروں اور ان کے گھر والوں ، قوم والوں ، ان کے وطن ، اور سرزمین اور علاقوں اور اموال ومصالح ، اور ماضی ومستقبل کی مثال یوں بیان فرمائی ہے ، جو کہ ابراہیم اور ان کے مومن ساتھیوں کی ان کی قوم کے ساتھ تھی اصحاب کہف کی ان کے گھر والوں ، ان کی قوم ، ان کے گھروں اور زمین کے متعلق تھی ؛

" یقیناً تمہارے لیے ابراہیمؑ اور اس کے ساتھیوں میں بہتر نمونہ تھا ۔ جب کہ انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ ہم تم سے ، اور تمہارے ان معبودوں سے بری ہیں جن کو تم خدا کے سوا پوجتے ہو ۔ ہم نے تمہارا انکار کیا اور ہمارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ کے لیے عداوت وبغض واضح ہو گیا ہے ، حتیٰ کہ تم اللہ وحدہٗ پر ایمان لاؤ ۔" (ممتحنہ ، ۴) " کیا تیرا یہ گمان ہے کہ کہف اور رقیم والے ہماری نشانیوں میں سے بڑے عجیب تھے ؟ جبکہ وہ جوان غار کی طرف پناہ گیر ہوئے ، اور بولے : اے ہمارے رب ! ہم کو اپنی طرف سے رحمت دے ، اور ہمارے لیے ہمارے معاملے میں بھلائی تیار کر ، پس ہم نے غار میں چند سال تک ان کے کان بند کر دیئے ، پھر ہم نے انہیں اٹھایا ، تاکہ ہم جان لیں کہ ان دونوں فریقوں میں سے ان کے ٹھہرنے کی مدت کو کون زیادہ یاد رکھنے والا ہے ؟ ہم ان کا برحق واقعہ تمہارے سامنے بیان کرتے ہیں ، وہ چند نوجوان تھے ، جو اپنے رب پر ایمان لائے ، اور ہم نے ان کی ہدایت زیادہ کر دی اور ان کے دلوں میں ربط پیدا کیا ، جب وہ اُٹھے اور کہنے لگے :۔ ہمارا رب آسمانوں اور زمین کا رب ہے ہم اس کے سوا ہرگز کسی اور معبود کو نہ پکاریں گے ۔ ورنہ تو ہم ایک بڑی بات کہیں گے ۔ ہماری اس قوم نے اللہ کے سوا معبود بنائے ہیں ، ان پر وہ کوئی کھلی دلیل کیوں نہیں لاتے ؟ سو اس سے بڑا ظالم کون ہے جو اللہ پر جھوٹا بہتان لگائے ؟ اور جب تم نے ان سے کنارہ کر لیا ہے اور ان کے معبودوں سے بھی ، اللہ کے ماسوا ۔ تو غار میں پناہ لے لو ۔ تمہارا رب اپنی رحمت تم پر پھیلائے

Marfat.com

گا۔ اور تمہارے لیے تمہارے کام میں آسانی پیدا کرے گا" (الکہف ۹ - ۱۶)

نشانِ راہ :

اللہ تعالیٰ نے گذشتہ انبیاء اور مومنوں کی بزرگ جماعت کی مثال اُمتِ مسلمہ کے لیے ان آیات میں بیان فرمائی ہے۔ یہ بزرگ لوگ مختلف اوقات میں ایمانی جلوس میں رواں دواں رہے ہیں، ان مثالوں سے راستے کے نشان واضح ہو کر سامنے آ گئے ہیں۔ اور یہ حقیقت کھل گئی ہے کہ مسلم جماعت کی بنیاد کن رشتوں اور کن روابط پر ہے۔ ایمانی رشتوں کے علاوہ اس کی کوئی بنیاد نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اُمتِ مسلمہ سے یہ مطالبہ کیا ہے کہ وضاحت و صراحت کے ساتھ حتمی طور پر اسی راہ پر قائم رہے۔ یہ چیز بہت سے مواقف میں، اور قرآن کے بہت سے احکام میں متمثل ہے۔ ان کے کچھ نمونے یہ ہیں:

——— (۱) سورۂ مجادلہ میں ہے کہ: "تو اس قوم کو جو اللہ اور پچھلے دن پر ایمان رکھتے ہوں، نہ پائے گا کہ وہ اللہ اور اس کے رسول سے دشمنی رکھنے والوں سے محبت کریں۔ اگرچہ وہ ان کے باپ، بیٹے بھائی یا اہلِ خاندان ہوں۔ وہی لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان لکھ دیا ہے، اور اپنی طرف سے ایک روح کے ساتھ ان کی تائید کی ہے، اور وہ ان کو ان باغوں میں داخل کرے گا، جن کے نیچے نہریں چلتی ہیں، وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اس سے راضی ہوئے یہی ہے اللہ کی پارٹی۔ سن لو کہ اللہ کی پارٹی ہی فلاح پانے والی ہے" (آیۃ ۲۲)

——— (۲) اے ایمان والو! تم میرے دشمن اور اپنے دشمن کو دوست مت بناؤ، تم ان سے اظہارِ محبت کرتے ہو۔ حالانکہ انہوں نے اس حق کا انکار کر دیا ہے جو تمہارے پاس آیا۔ وہ رسول کو اور تم کو نکالتے ہیں۔ اس جرم میں کہ تم اللہ اپنے رب پر ایمان لاتے ہو، اگر تم نکلے ہو میری راہ میں جہاد کرنے کو اور میری رضا تلاش کرنے کو۔ تم ان کو محبت کا خفیہ پیغام بھیجتے ہو، حالانکہ میں خوب جانتا ہوں جو کچھ تم نے پوشیدہ کیا اور جو کچھ تم نے علانیہ کیا۔ اور تم میں سے جو ایسا کرے گا تو وہ سیدھے راہ سے بھٹک گیا" (ممتحنہ ۱)

——— (۳) تمہارے رشتہ اور تمہاری اولاد تمہیں ہرگز نفع نہ دے گی، قیامت کے دن اللہ تمہارے درمیان جدائی کر دے گا۔ اور اللہ تمہارے اعمال کو خوب دیکھنے والا ہے۔ تمہارے لیے ابراہیمؑ اور ان کے ساتھیوں میں بہت نمونہ تھا۔ (ممتحنہ ۳ — ۴)

——— (۴) اے ایمان لانے والو! مت بناؤ اپنے باپوں کو اور اپنے بھائیوں کو دلی دوست، اگر وہ پسند کریں کفر کو ایمان پر، اور تم میں سے جو ان کو دوست بنائے گا تو ... وہی لوگ ظالم ہوں گے (توبہ ۲۳)

——— (۵) اے ایمان والو! یہود و نصاریٰ کو دلی دوست مت بناؤ، وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ اور تم میں سے جو ان کو دوستی کرے گا تو وہ ان میں سے ہوگا۔ بلاشبہ اللہ ظالم قوم کو راہ نہیں دیتا۔ (المائدہ ۵۱)

اِسلامی معاشرے کے بُنیادی اُصول

پس اسلامی معاشرے کی بنیاد ان مضبوط ، حتمی اور واضح اُصولوں پر قائم کی گئی ہے ۔ انہی کی بنا پر یہ معاشرہ قدیم و جدید جاہلی معاشروں سے ممتاز رہے گا ۔ اس بات کی گنجائش نہیں ہے کہ اسلامی اور غیر اسلامی قواعد و ضوابط کو ملا کر ایک معجونِ مرکب بنائی جائے ۔ اور اس پر اسلامی معاشرے کو مبنی کیا جائے ۔ جو لوگ یہ کوشش کریں گے کہ اسلامی اور غیر اسلامی اصولوں کو ملا کر ایک معاشرہ بنایا جائے ، یا سرے سے معاشرے کی بنیاد غیر اسلامی قواعد و ضوابط پر رکھی جائے ۔ پھر بھی اسے اسلامی معاشرہ کہنے پر اصرار کیا جائے ۔ وہ یا تو اسلام کو جانتے نہیں اور یا پھر وہ اسلام کو پرے پھینک کر غیر اسلام کو اختیار کرنے کے خواہش مند ہیں ، گو بزدلی اور موافقت کی بنا پر حوصلہ نہیں رکھتے کہ اسلام کا انکار کریں ۔ ایسے لوگ اسلام کے نزدیک بہرحال مسلم نہیں ہیں ، گو اپنے آپ کو یا اوروں کو دھوکا دینے کے لیے اسلام کا دعوے کریں ۔

عقیدے پر معاشرے کی بنیاد رکھنے کی حکمت

اب ایک سوال باقی رہ گیا ہے جس پر کچھ بحث کی ضرورت ہے اور جو اس عنوان کی زینت ہے ۔ اس سلسلے میں ہمیں جو کچھ کہنا ہے وہ یہ ہے کہ :-

(۱) انسان اور حیوان کے درمیان فرق کرنے والی اصل چیز عقیدہ ہی ہے ۔ یہ انسان کا ایک اعلیٰ ترین خاصہ ہے ، کیونکہ یہ چیز انسان کے جسم و جان اور ترکیب میں حیوان کی ترکیب و ہوئیت و کینونت کی نسبت زائد ہے ۔ اس کے باعث یہ مخلوق انسان بنی ہے اور اشرف مخلوق قرار پائی ہے ۔ جو لوگ اپنے الحاد میں شدید ترین تھے ، اور مادہ پرستی میں بہت آگے تھے ۔ وہ بھی آخر کار یہ ماننے پر مجبور ہوئے ہیں کہ عقیدہ انسان کا ہی خاصہ ہے ، جو انسان کو بنیادی حیثیت سے حیوان سے جدا کرتا ہے ۔ پس انسانی معاشرے میں جو کہ انسانی تہذیب و تمدن کی چوٹی پر پہنچتا ہے ۔ ضروری ہے کہ اس کی بنیاد عقیدے پر ہو کیونکہ عقیدہ ہی معاشرے کو جوڑنے والی رسی ہے ۔ یہی تو وہ خاصہ ہے جو انسان کو حیوان سے جدا کرتا ہے ۔ انسانی تہذیب و تمدن کی بنیاد کوئی ایسا رابطہ نہیں ہو سکتا جو انسان اور حیوان میں مشترک ہو ۔ مثلاً زمین ، چراگاہ ، مصلحتیں ، اور وہ حدود جو ایک باڑے کو دوسرے باڑے سے (ایک ملک کو دوسرے ملک سے) جُدا کریں ۔ اور خون ، نسب ، خاندان ، قوم ، جنس عنصر ، رنگ اور زبان ایسی چیزیں نہیں جن پر تہذیب و حضارت اور معاشرہ مبنی ہو سکے ۔ یہ سب چیزیں انسان اور حیوان میں مشترک ہیں ، صرف عقلی و قلبی معاملات و شئون ہی ایسی چیزیں ہیں جو انسان سے مخصوص ہیں اور بہائم میں نہیں پائی جاتیں ۔

(۲) اسی طرح عقیدے کا تعلق ایک اور عنصر سے ہے جو صرف انسان میں پایا جاتا ہے ، حیوان میں نہیں ۔ یہ ارادے اور اختیار کا عنصر ہے ۔ ہر انسانی فرد علیحدہ طور پر بلوغت کی عمر تک پہنچنے پر اس چیز کا مالک ہے کہ جو عقیدہ چاہے اختیار کرے ، اس میں کوئی جبر نہیں اور جبر ممکن بھی نہیں ، اگر بعض اقوام و ملل نے دوسروں پر جبر کرکے انہیں اپنی ملت میں داخل کر لیا ہے ۔ ہم ان مجبور و مقہور اقوام میں ایسے افراد ضرور تھے جنہوں

نے جبر و تشدد کے آگے جھکنے پر موت اور تعذیب کو ترجیح دی۔ اصحاب الاخدود کا قصہ خود قرآن نے بیان کیا ہے۔ شاہ قسطنطین جب تیسری صدی مسیحی میں عیسائیت کا پیرو بن گیا تو اس نے اپنی رعایا کو عیسائی بنانے کے لیے ہر حربہ اختیار کیا اور جبر و تشدد کی پالیسی اختیار کی، سپین کی مسلم آبادی کو زبردستی عیسائیت میں داخل کیا گیا۔ اور نہ ماننے والوں پر بے پناہ ناقابلِ بیان ظلم و تشدد کیا گیا۔ یہ واقعات تاریخ کا حصہ بن چکے ہیں۔ ایران کی صفوی سلطنت نے اور متحدہ ہندوستان میں اودھ کی شیعہ حکومتوں نے لوگوں کو جبر و تشدد سے شیعہ بنایا تھا اور یہ تاریخ سے ثابت ہے۔ تاہم ان واقعات سے انسانی اختیار و ارادہ کی آزادی کی نفی نہیں ہوتی آپ کہہ سکتے ہیں کہ یہ غیر فطری اور استثنائی واقعات تھے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو بھی مبتلائے فتنہ و تعذیب کیا گیا تھا۔ مگر انہوں نے ظلم و تشدد کے سامنے سپر ڈالنے سے انکار کر دیا تھا، اور تشدد کے سامنے نہ جھکنے والوں کی عظمت کو ہر زمان و مکان میں برملا تسلیم کیا گیا (احترام)، پس ہر فرد عقیدہ اختیار کرنے اور نہ کرنے پر تو مختار ہے مگر رنگ و خون، نام و نسب، قوم اور جنس کو اپنی آزاد مرضی سے اختیار کرنے پر قادر نہیں ہے وہ جس علاقے میں، جس قوم میں اور جس خاندان میں پیدا ہوا، اُسی کی طرف منسوب ہوگا، اگر ایسا نہ کرے تو یہ شریف انسان کے نزدیک ذلیل و رسوا ہوگا۔ انسان اعتقادی، اجتماعی، سیاسی اور اقتصادی و خلقی مسلک اور طریقہ اختیار کرنے میں آزاد ہے۔ اگر کوئی چاہے کہ میں فلاں سرزمین میں پیدا ہوں تو یہ ایک ناممکن آرزو ہوگی بلکہ مضحکہ خیز بھی۔ انسان کے دنیا میں آنے سے پہلے ان تمام چیزوں کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ اس سے مشورہ نہیں لیا جاتا۔ اور نہ یہ ممکن ہے۔ یہ باتیں اس کے بس میں نہیں، چاہے وہ مانے چاہے نہ مانے۔ پس اگر وہ اپنے عقیدے کے معاملے میں بھی آزاد نہ ہوتا، یا اس کی آزادی چھین لی جاتی، تو پھر اس کے اختیار میں کچھ نہ رہتا اور وہ حیوانات کی صف میں آ کھڑا ہوتا۔ پس اسلام نے انسان کی انسانیت، آزادی، عزت و احترام ارادہ و اختیار کی آزادی کی حفاظت کی خاطر تہذیب و معاشرے کی بنیاد عقیدے پر رکھی، ورنہ دوسری چیزوں میں تو انسان اور حیوان میں فرق نہ تھا۔ نہ وہ انسان کے اختیار میں تھیں۔

(۳) چونکہ معاشرہ عقیدے پر قائم ہوتا ہے نہ کہ اضطراری عوامل پر، لہٰذا جو معاشرہ عقیدے پر قائم ہوگا وہ انسانی عالمی کھلا معاشرہ ہوگا۔ اس میں مختلف اجناس کے لوگ رنگ و نسل، نام و نسب، زبان، قوم، علاقے، وطن کے اختلاف کے باوجود اپنی آزاد مرضی سے آکر داخل ہوں گے۔ کوئی ان کو ایسا کرنے سے روک نہ سکے گا، اور ان کے ارادے اور اختیار میں حائل نہ ہو سکے گا۔ نہ مصنوعی حد بندیاں اس کی راہ میں حائل ہو سکیں گی اس معاشرے میں ہر انسانی خاصہ اور طاقت جمع ہوگی۔ اس سے ایک "انسانی تہذیب" وجود میں آئے گی، جو انسانی اجناس کے تمام دوسرے خصائص سے مستفید ہو سکے گی۔ کسی مصنوعی سبب سے یہاں کسی کے آنے میں کوئی رکاوٹ نہ ہوگی۔ یہ معاشرہ تمام زبانوں، رنگوں، اجناس و اطراف کے لیے کھلا ہوگا (وَكُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ امت اسلامیہ تمام اقوام و اجناس میں سے صالح افراد کو نکال کر وجود میں لائی گئی تھی، اور صحیح معنوں میں "انسانی عالمی بین الاقوامی" امت تھی) اس اسلامی معاشرے میں عربی، فارسی، شامی، مصری، مغربی، ترکی، چینی، ہندی، رومی، یونانی، انڈونیشی اور افریقی عناصر جمع تھے۔ اگر کوئی اور قوم اور جنس بھی ہو تو یہ امت اسے بھی قبول کرتی ہے۔ ان تمام کے خصائص

Marfat.com

اس امت میں جمع ہو گئے تھے اور ان میں امتزاج، تعاون، مودت، اخوت کے مضبوط جذبات پیدا تھے۔ یہ تہذیب عربی نہ تھی بلکہ اسلامی تھی۔ یہ حضارت کبھی بھی قومی نہ تھی، بلکہ عقیدے پر مبنی تھی۔

صحیح مسلم معاشرے کے علائم و خصائص

اس معاشرے کے افراد میں مساوات، محبت اور یک جہتی پیدا ہوتی ہے۔ اولین اسلامی معاشرے کے افراد نے اپنی انتہائی ہمتیں صرف کیں، اور اپنی اپنی اجناس و اقوام کے بہترین خصائص لاکر اس معاشرے میں انڈیل دیئے۔ اپنے شخصی و قومی اور تاریخی تجربات سے اس جدید معاشرے کو چار چاند لگا دیئے۔ تاریخ میں اس قسم کا عجیب و غریب اور بے مثال معاشرہ کبھی برپا نہیں ہوا۔ پرانی تاریخ میں مشہور ترین انسانی معاشرہ رومی شہنشاہی کا معاشرہ تھا جس نے بالفعل متعدد جنسوں، زبانوں، رنگوں اور مزاجوں کو جمع کر لیا تھا۔ مگر یہ سب کچھ انسانیت کی بنیاد پر جمع نہ ہوا تھا، نہ اس کی اساس عقیدے پر تھی۔ یہ مختلف طبقوں کا اجتماع تھا جس میں ایک طبقہ اشراف تھا۔ اور ایک غلاموں کا طبقہ تھا۔ پھر اس میں رومی جنس کی سرداری کا تصور بنیادی تصور تھا۔ دوسری تمام جنسیں غلام تھیں۔ لہٰذا یہ اسلامی معاشرے کی بلندی تک نہ پہنچ سکا (اس کی مثال ہندو معاشرہ ہے جو ذات پات کی بنیاد پر قائم تھا۔ برہمن کو خدائی حقوق حاصل تھے۔ مگر شودر کا کوئی حق نہ تھا، وہ بہائم سے بدتر تھا) جدید تاریخ میں برطانوی شہنشاہی کا بھی ایک معاشرہ قائم ہوا تھا جو دراصل رومی معاشرے کا وارث تھا، مگر یہ بھی ان ہی صفات کا حامل تھا جو رومی معاشرے میں تھیں۔ یہ ایک قومی استحصالی معاشرہ تھا جس کا مقصد دراصل یہ تھا کہ دنیا بھر کی اقوام کو غلام بنا کر لوٹا جائے۔ اس کی بنیاد انگریز قوم کی سربلندی اور سرداری پر تھی۔ اور مقصد نوآبادیاتی نظام قائم کر کے محکوم اقوام کو سیاسی اور اقتصادی شکنجے میں جکڑنا تھا۔ یہی حال یورپ کی تمام شہنشاہیوں کا تھا، مثلاً ہسپانوی شہنشاہی، پرتگالی شہنشاہی اور فرانسیسی شہنشاہی اشتراکیت نے ایک اور قسم کا معاشرہ قائم کرنا چاہا جو جنس و قوم، زمین، رنگ و زبان کی پابندیوں کے ماورا [illegible] مگر طبقاتی بنیادوں پر قائم ہو، نہ کہ انسانیت کی بنیادوں پر۔ پس یہ معاشرہ بھی قدیم رومی معاشرے کا ایک اور رخ تھا۔ رومی معاشرہ طبقہ اشراف کی بنیاد پر قائم تھا۔ اور یہ اشتراکی معاشرہ مزدور کسان کی بنیاد پر قائم ہونے کا مدعی تھا۔ اس طبقے کو پرولتاریہ کہا گیا ہے اور اس کا عربی ترجمہ صعالیک ہے۔ اور اس طبقے کی سیادت حسد و بغض اور عداوت پر تھی۔ یہی سبب ہے کہ اس کا پھل ایسا ٹپکا جو بدترین انسانی پھل کہلا سکتا ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ اس کی بنیاد ہی محض حیوانی صفات پر ہے، یعنی روٹی، مکان اور جنس، اور یہی حیوان کی بنیادی ضروریات ہیں۔ اس معاشرے نے یہ پروپیگنڈا کیا ہے کہ ساری انسانی "تاریخ صرف روٹی کی تلاش کی تاریخ ہے۔ ایک صحیح معاشرہ قائم کرنے میں اسلام منفرد ہے، کیونکہ وہ انسان کے اعلیٰ خصائص کو ظاہر کرتا، اور انہیں ترقی دینا چاہتا ہے۔ اور کوئی معاشرہ خواہ کسی بھی بنیاد پر کھڑا ہو وہ انسانیت کا خیر خواہ نہیں، بلکہ دشمن ہے۔ وہ مصنوعی تفریقات کو ابھارتا ہے قوم، جنس، وطن اور طبقے کا سوال سامنے لاتا ہے۔

Marfat.com

اِسلامی معاشرے کی قوّت کا راز عقیدہ ہے

دینِ اسلام کے دشمن جو اس کی طبیعت و تحریک کے مواضع قوّت کو خوب جانتے ہیں ، اور وہ وہی لوگ ہیں جن کے متعلق ارشادِ الٰہی ہے :۔

"جن کو ہم نے کتاب دی تھی ، وہ پیغبر کو یوں پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں"۔

وہ اس بات کا ادراک کرنے میں ناکام نہیں رہے کہ اسلام کی قوّت کے رازوں میں سے ایک راز اس کی جماعت بندی کے عقیدے پر قائم ہونے میں ہے ، اور اس بنیاد پر قائم ہونے والے اسلامی معاشرے کی قوّت بھی اسی میں پوشیدہ ہے ، اور چونکہ وہ اصلی معاشرے کو مٹانا چاہتے ہیں ، یا کم از کم اُتنا کمزور کر دینا چاہتے ہیں کہ اس پر غلبہ پانا ان کے لیے آسان ہو جائے ۔ وہ اسلام اور اہلِ اسلام کو مٹا کر اپنے سینے کی آگ بجھانا چاہتے ہیں ۔ مسلمانوں کا استیصال چاہتے ہیں ۔ ان کی محنت ، املاک اور اموال کا استحصال چاہتے ہیں ۔ پس اس معرکے میں وہ اس اساس کو مٹانا یا کمزور کرنا چاہتے تھے ۔ اور اس میں وہ بڑی حد تک کامیاب رہے ہیں ۔ انہوں نے مسلمانوں کے لیے ایک عقیدے سے منسلک رہنے کے بجائے طرح طرح کے بُت بنائے ہیں تاکہ وہ ان کی پُوجا کریں اور ان کے اتحاد کی بنیاد ڈھے جائے ۔ ان بتوں کے نام یہ ہیں : ، قوم جنسی ہے ، اور یہ بُت تاریخ میں کبھی تو شعوبیت کے نام سے ظاہر ہوئے تھے ، کبھی تورُوی قومیت کے نام سے ، اور کبھی عربی قومیت کے نام سے ' اور کبھی ان ناموں کے علاوہ مختلف اطراف کے بے مختلف ناموں کے اور بُت بنائے گئے ، جو کہ مسلم معاشرے کے اندر باہم گتھم گتھا رہتے ہیں ، مقصد یہ ہے کہ عقیدے پر قائم ہونے والا ایک اسلامی معاشرہ قائم نہ رہے ۔ احکامِ شرعی پر اس کی تنظیم نہ ہو سکے ، یہانتک کہ پے در پے ہتھوڑوں کی ضربوں سے بنیاد کمزور پڑ گئی ، خبیث زہریلے اثرات کے ماتحت اسلامی معاشرہ "اسلامی" نہ رہا ، اور وہ بُت جو ابھی گھڑے گئے تھے ، وہ مقدس بن گئے ۔ اور ان کا منکر اپنی قوم کے دین سے خارج قرار دیا گیا ۔ یا یہ کہ وہ اپنے ملکی مصالح کا غدار ٹھہرا دیا گیا ۔

خبیث یہُودی لشکر گاہ

یہ لشکر ، جو ہماری مضبُوط بنیاد کو خراب کرنے میں برابر لگا رہا ہے ، اور اب بھی لگا ہُوا ہے ، وہ خبیث و مکّار یہُودی لشکر ہے ۔ یہ اسلامی قومیت کی اساس کو ڈھانے میں سب سے زیادہ خبیث اور مکّار ثابت ہُوا ہے ، اس نے عیسائی اُمّت کے ٹکڑے کرنے کے لئے قومیت کا ہتھیار آزمایا ہے ۔ اب وہ کئی سیاسی قومیتوں میں تبدیل ہو چکی ہے ، جن میں ہر ایک کے قوم کا کلیسا الگ الگ ہیں ، اور اس طرح یہودیوں نے مسیحی حصار کو ڈھا دیا ہے جو کہ یہودی جنس کے خلاف کھنچا ہُوا تھا ۔ پھر یہودیوں نے اپنی نا شکری جنس کے خلاف جو اسلامی حصار تھا ، اسے بھی اسی مکر و فریب ، اور اسی ہتھیار سے ڈھایا ہے ۔

Marfat.com

خبیث صلیبی لشکرگاہ!

جو کام یہودی لشکرگاہ نے کیا تھا وہی کام عیسائی صلیبی لشکرگاہ نے انجام دیا۔ صدیوں کی بڑی محنت و مشقت کے بعد صلیبیوں نے اسلامی معاشرے کے اندر جنسیت، قومیت اور وطنیت کے نعرے ایجاد کیے۔ اور اس طریقے سے انہوں نے اس دین کے خلاف کئی صدیوں کی عداوت، حسد، بغض و ضد کے صلیبی ہتھیار آزمائے۔ اور اس دین کے ماننے والوں کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ ان کو پھاڑ کر انہوں نے اپنے استعماری و استحصالی مقاصد پورے کیے گئے۔ یورپ کے صلیبی و استعماری مقاصد اب تک مسلمانوں کے ممالک کے خلاف برسرِ عمل ہیں۔ وہ یہی کچھ کرتے رہیں گے۔ جب تک کہ اللہ تعالیٰ ان خبیث، ملعون بتوں کو برباد نہیں کرتا، تاکہ اسلامی معاشرہ ایک بار پھر از سرِ نو اپنی مضبوط اور انوکھی بنیاد پر قائم ہو جائے۔

بت پرستانہ جاہلیت کا واحد علاج

اس سلسلے کی آخری بات یہ ہے کہ لوگ پوری طرح سے صنم پرستانہ جاہلیت کے نہیں نکلیں گے جب تک کہ ان کی جماعت بندی کا واحد ذریعہ عقیدہ نہ ہو جائے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک اللہ کی عبادت کا کام مکمل نہیں ہو سکتا۔ جبتک کہ لوگوں کے تصورات، اور جماعت بندی میں صرف یہی ایک قاعدہ کار فرما ہو جائے ایک مقدس کے لیے ایک ہی نداست کا ہونا ضروری ہے۔ مقدس متعدد نہیں ہو سکتے۔ ایک ہی شعار کا ہونا واجب ہے۔ لہٰذا شعار متعدد نہیں ہو سکتے۔ ایک ہی قبلہ کا ہونا لازمی ہے تاکہ سب لوگ پورے پورے اسی کی طرف متوجہ ہوں۔ قبلے اور رخ متعدد نہ ہوں۔ بت پرستی کسی ایک صورت کا نام نہیں ہے جس کے بت پتھر کے ہوں، اور فرضی دیوتا ہوں، بلکہ بت پرستی کی متعدد صورتیں ہیں اور بت بھی کئی صورتوں کے ہوتے ہیں اور فرضی انسانوں کے بت اور دیوتا بھی بہت سے ہیں جن کے ایک بار پھر مختلف ناموں اور مقامات کے لحاظ ہونے کا امکان موجود ہے۔ ان کے نام اور مراسم بھی الگ الگ ہو سکتے ہیں۔ اسلام نے لوگوں کو [illegible] اور فرضی دیوتاؤں سے نجات دلائی تھی۔ اب وہ اس بات پر راضی نہیں ہو سکتا کہ لوگ جنس و قوم اور وطن کے بت پوجیں۔ ان کے جھنڈوں کے نیچے لڑیں اور ان کے شعار اختیار کریں۔ حالانکہ وہ ان کو ایک ہی خدا کی طرف بلاتا ہے اور صرف اسی کی عبادت کی دعوت دیتا ہے کہ وہ اس کی مخلوق میں سے کسی چیز کی عبادت نہ کریں۔

اسلام کے نزدیک انسانوں کی صرف دو امتیں ہیں

یہی سبب ہے کہ اسلام انسانوں کو صرف دو امتوں میں تقسیم کرتا ہے۔ اس کے نزدیک تیسری اور کوئی امت نہیں ہے۔ ساری انسانی تاریخ میں ایک تو مسلمانوں کی امت رہی ہے جو رسولوں کی پیروی تھی۔ یہ رسول اپنے اپنے زمانے میں آتے رہے۔ حتیٰ کہ آخری رسول تمام انسانوں کے لیے تشریف لائے صلی اللہ علیہ وسلم۔ دوسری امت سب غیر مسلموں کی ہے جو طاغوتوں اور مختلف رنگوں اور اقسام و انواع کے بتوں کی پوجا کرنے والی ہے۔ یہ بت مختلف زمانوں اور مکانوں میں مختلف رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جب یہ چاہا کہ مسلمانوں کو ان کی امت بنائے جو تاریخ

Marfat.com

انسانی میں ان کے اکٹھ کا باعث رہی ہے ، تو یہ فرمایا کہ یہ اُمت رسولوں کے پیروکاروں کی ہے ۔ ہر رسول اپنے زمانے میں آتا رہا ، حتیٰ کہ آخری رسولؐ سب کے آخر میں آئے ۔ فرمایا :۔

” بلاشبہ یہ تمہاری اُمت ایک ہی اُمت ہے ، اور میں تمہارا رب ہوں ، سو تم میری ہی عبادت کرو “

اور عربوں سے یہ نہیں کہا کہ یہ تمہاری عربی اُمت ہے ، جو زمانہ جاہلیت اور اسلام میں برابر تھی ، نہ یہودیوں سے کہا کہ تمہاری اُمت بنو اسرائیل ہے ۔ یا عبرانی اُمت ہے جو جاہلیت اور اسلام میں ایک ہی رہی ہے ۔ اور نہ سلمانؓ فارسی سے یہ فرمایا کہ تیری اُمت فارسی ہے ۔ اور نہ صہیبؓ رومی سے فرمایا کہ تیری اُمت رومی ہے ۔ اور نہ بلالؓ حبشی سے کہا کہ تیری امت حبشی ہے ۔ بلکہ اس نے سب مسلمانوں سے عرب ہوں یا فارسی یا رومی یا حبشی ۔ یہ فرمایا کہ تمہاری امت مسلم ہے جو موسیٰؑ و ہارونؑ کے دنوں میں برحق اسلام لائے تھے ۔ اور ابراہیمؑ لوطؑ ، نوحؑ ، داؤدؑ ، سلیمانؑ ، ایوبؑ ، اسماعیلؑ ، ادریسؑ ، ذوالکفلؑ ، ذوالنونؑ ، زکریاؑ ، یحییٰؑ اور مریمؑ کے دنوں میں مسلم ہوئے تھے (الانبیاء ۴۸ —— ۹۱) اللہ تعالیٰ کی تعریف کے مطابق مسلمانوں کی امت یہ ہے ۔ اب جو کوئی اللہ کے راستے کے سوا کوئی اور راستہ اختیار کرنا چاہتا ہے تو کرے ، لیکن وہ یہ کہے کہ میں مسلم نہیں ہوں ۔ مگر ہم جو اللہ تعالیٰ کے سامنے مسلم ہوئے ہیں ہمارا کوئی طریقہ اسلام کے سوا نہیں ، کوئی اُمت اُمتِ مسلمہ کے علاوہ نہیں ۔ یہی ہمارے اللہ نے ہمیں بتایا ہے :“ اور اللہ برحق کہتا ہے اور سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے “

میزانِ الٰہی میں مٹھی بھر مُسلم جماعت کی قیمت

نوح علیہ السلام کی پیروکار مٹھی بھر جماعت کی تعداد بعض روایات کے مطابق صرف بارہ اشخاص پر مشتمل تھی ۔ (بعض لوگوں نے ان کی تعداد صرف سات بتائی ہے ۔ اور یہ نوحؑ سمیت ، ان کے تین بیٹوں اور تین بہوؤں پر مشتمل تھی) یہ جماعت نوحؑ کی ۹۵۰ برس کی دعوت کا پھل تھی ، قرآن نے نوحؑ کی یہی دعوتِ عمر بتائی ہے ۔ اتنی لمبی عمر کی یہ مٹھی بھر کمائی تھی ، جس کے لیے اتنی طویل و شدید جدوجہد کی گئی ۔ اور یہ جماعت اس بات کی حقدار ٹھہرائی گئی کہ اللہ تعالیٰ اس کی خاطر کائنات کا ظاہری نظم و ضبط تبدیل کر دیا ، اور وہ طوفان برپا کیا جس نے اس کائنات کو ، اور اس کی ہر زندہ چیز کو ڈبو دیا —— سوائے کشتی والی مٹھی بھر جماعت کے اور کشتی پر بیٹھے جانوروں کے —— اور اس مٹھی بھر جماعت کو زمین کا وارث قرار دیا ، اور یہی جماعت اس کے بعد زمین کی آبادی کا بیج بنی ، اور اسی سے از سرِ نو انسان دنیا میں پھیلے ۔ اور ظاہر ہے کہ یہ امر ایک بڑا خطیر امر ہے ، اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے پیش رو لشکر جو ساری زمین میں جاہلیت کا مقابلہ کرتے ہیں ۔ اس جاہلیت اور وحشت میں غریب الوطن ہیں ، ان کو اذیت ، مقابلے اور تعذیب و تنکیل کا نشانہ بنایا جاتا ہے ۔ اس پیش رو لشکر کو اس امرِ خطیر پر بہت زیادہ غور و فکر کرنا چاہیے ، اس کی قدر و قیمت سوچنی چاہیے ۔ اللہ تعالیٰ کی میزان میں مسلم بیج کا وجود اس کائنات کے لیے ایک بڑی چیز ہے ۔ یہ ایک ایسی چیز ہے جس کی خاطر وہ جاہلیت کو ، اس کی سرزمین کو ، اس کی آبادی کو ، اس کے مکانات و تعمیرات کو ، اس کی قوتوں اور خزانوں کو ، سب کو تباہ کر سکتا ہے ۔ وہ اس بیج کی حفاظت کی خاطر ساری کائنات کو فنا کر سکتا ہے ، اس کی نجات کے لیے کشتی نوحؑ

Marfat.com

بنوا سکتا ہے۔ اسے طوفانی موجوں اور تھپیڑوں کے اوپر محفوظ رکھ سکتا ہے، تاکہ وہ صحیح وسالم رہے۔ نجات پائے اور از سرِ نو زمین کو آباد کرے۔ نوحؑ اللہ کی نگاہ میں اس کی وحی کے ساتھ کشتی بناتے تھے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

"اور تو ہماری آنکھوں کے سامنے اور ہماری وحی کے ساتھ کشتی بنا، اور ظالموں کے متعلق مجھ سے بات نہ کرنا، کیونکہ وہ تو یقیناً غرق ہونے والے ہیں"

اور جب نوحؑ نے قوم کے مقابلے کے وقت ان کی زجر و توبیخ اور افتراء کے وقت اللہ تعالیٰ سے التجا کی، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ القمر میں فرمایا ہے:۔

"ان سے پہلے قوم نوحؑ نے تکذیب کی، سو انہوں نے ہمارے بندے کی تکذیب کی، اور کہا کہ یہ مجنون ہے اور اس کو جھڑکا گیا۔ پس اس نے اپنے رب کو پکارا کہ میں مغلوب ہوں میری مدد کر"

پس اس وقت اللہ تعالیٰ نے ہولناک کائناتی قوتوں کو آزاد کر دیا، تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کے مغلوب بندے کی مدد کا سامان بنیں۔

"پس جب ہم نے آسمان کے دروازے کھول تیز رو پانی کے ساتھ کھول دیئے، اور زمین میں پانی کے دھارے کھول دیئے، اور دونوں طرف کا پانی آ ملا ایک مقدر امر کی تکمیل پر"

اور جب یہ ہولناک قوتیں اس عظیم کائنات میں اپنا کام کرنے پر لگی ہوئی تھیں تو اللہ تعالیٰ اپنی بلند و بالا ذاتِ اقدس کے ساتھ اپنے مغلوب بندے کی مدد پر تھا۔

"اور ہم نے اس کو تختوں اور کیلوں والی کشتی پر سوار کیا، وہ ہماری آنکھوں کے سامنے چل رہی تھی، یہ بدلہ تھا اس کا جس کا انکار کیا گیا تھا"

اسلام کا کام کرنے والوں کو ہر زمان و مکان میں اس صورتِ حال پر گہرا غور کرنا چاہیئے کہ جاہلیت اور کفر و شرک کے مقابلے میں اللہ ان کی مدد پر ہے۔ اور وہ اس بات کے حقدار ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی خاطر عظیم و ہولناک کائناتی قوتوں کو مسخر کرے، یہ ضروری نہیں کہ یہ قوت طوفان ہی ہو۔ وہ قوالٰہی قوتوں میں سے محض ایک قوت کا نام ہے۔

"اور تیرے رب کے لشکروں کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا"

پس اسلامی قوتوں کا کام فقط یہ ہے کہ ثابت قدم رہتے ہوئے اپنی راہ پر چلتے رہیں، اپنی قوت کے مصدر کو پہچانیں، اور لوقتِ ضرورت اسی سے التجا کریں، جب تک اللہ تعالیٰ کا حکم آئے۔ یقین رکھیں کہ ان کا کارساز قدیر ہے اور کوئی چیز اس کو عاجز نہیں کر سکتی۔ نہ زمین میں نہ آسمان میں، اور یہ کہ وہ اپنے دوستوں کو ان کے دشمنوں کے لیئے نہیں چھوڑے گا۔ مگر تیاری اور ابتلاء کے مرحلے ہیں، اور جب وہ اس منزل سے گزر جائیں گے، تو اللہ تعالیٰ ان کے لیئے زمین میں جو چاہے گا کرے گا۔

طوفانِ نوحؑ کی ایک عظیم عبرت

اس عظیم کائناتی حادثے کی یہ ایک بہت بڑی عبرت ہے کہ اسلام کے لیئے کام کرنے والوں کو، جبکہ وہ

Marfat.com

خالص عبادتِ الٰہی اور ربوبیتِ الٰہی کی دعوت دے رہے ہوں، اللہ تعالیٰ جاہلیت کے رحم و کرم نہیں چھوڑتا۔ جب وہ جاہلیت کا غلبہ دیکھیں تو انہیں بزبانِ نوح یہ دعا کرنی چاہیئے کہ:-

" میں مغلوب ہوں۔ میری مدد فرما، اور میرا بدلہ لے "۔

یہ دونوں قوتیں درحقیقت برابر اور مساوی نہیں ہیں۔ جاہلیت کے پاس اپنی قوتیں ہیں مگر اللہ کی طرف دعوت دینے والا قوتِ خداوندی کا سہارا لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ اس کے لئے بعض کائناتی قوتوں کو مسخر کر دے جب چاہے اور جس طرح چاہے۔ اور ان قوتوں میں سے معمولی قوت بھی جاہلیت کو فنا کر سکتی ہے۔

امتحان کی مدت مصلحۃً طویل ہو سکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کسی مصلحت کے لئے ابتلاء کے عارضی وقفے کو لمبا کر سکتا ہے۔ جیسے کہ نوح نے اپنی قوم میں ۹۵۰ برس گذارے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ کی مقدر و مقرر مدت بعد میں ظہور پذیر ہوئی تھی۔ اور پھر اس لمبے عرصے کا حاصل کیا تھا؟ صرف ۱۲ مومن! مگر اللہ تعالیٰ کی میزان میں یہ مٹھی بھر جماعت ساری کائنات سے بھاری تھی، جس کی خاطر اللہ تعالیٰ نے ان ہولناک قوتوں کو مسخر کیا، اور اس وقت کی ساری گمراہ انسانیت کو فنا کر دیا۔ پھر اس مٹھی بھر جماعت کو ساری زمین کا وارث بنایا، تاکہ وہ زمین کو از سرِ نو آباد کرے اور اس میں حکومت کرے۔ معجزات کا زمانہ ختم نہیں ہو گیا، خوارق تو ہر گھڑی ظاہر ہوتے ہیں جیسی کہ اللہ تعالیٰ کی آزاد مشیت کی مرضی ہوتی ہے۔ ہاں! اتنا ضرور ہے کہ خوارق و معجزات کی کیفیت و حیثیت بدل جاتی ہے۔ ہر زمانے کے معجزات اسی دور کے موافق و مناسب ہوتے ہیں۔ بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ بعض عقلیں کسی معجزے یا خارق کی گہرائی تک نہیں پہنچ سکتیں۔ لیکن وہ لوگ جن کا اللہ کے ساتھ تعلق ہوتا ہے، وہ ہمیشہ ہر کام میں اللہ کا ہاتھ کارفرما دیکھتے ہیں۔

مسافرانِ راہِ حق کا فرض

اللہ کی راہ پر چلنے والوں کا فرض یہ ہے کہ اپنا فرض اچھی طرح ادا کریں۔ امکان بھر طاقت صرف کر کے جدوجہد کریں۔ پھر وثوق و اطمینان کے ساتھ معاملات کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیں۔ اور جب بھی مغلوب ہوں تو اپنے پروردگار خدا سے التجا کریں۔ اسی کے سامنے عاجزی کریں، جس طرح کہ اللہ کے نیک بندے نوح نے کی تھی:-

" پس اس نے اپنے رب کو پکارا، کہ میں مغلوب ہوں میری مدد فرما "۔

پھر دعا کے بعد وہ اللہ تعالیٰ کی مدد و کشائش کا انتظار کریں۔ یہ انتظار بھی ایک عبادت ہے، لہٰذا اس انتظار پر بھی انہیں اجر ملے گا۔

قرآنی اسرار کن پر کھلتے ہیں؟

قرآنی اسرار صرف ان لوگوں پر کھلتے ہیں جو قرآن کو ساتھ لے کر معرکۂ جنگ میں گھستے ہیں، اور بہت بڑا جہاد کرتے ہیں، یہی لوگ اس فضا میں زندگی گذارتے ہیں جو نزولِ قرآن کی فضا تھی، قرآن کا ذوق پاتے ہیں

Marfat.com

اور اس کی حقیقت میں اُترتے ہیں۔ کیونکہ انہیں محسوس ہوتا ہے کہ وہی اس کے خطابات سے مخاطب ہیں، جس طرح کہ وہ پہلی جماعت مخاطب تھی جس پر یہ قرآن بالفعل اُترا تھا۔ والحمدللہ فی الاولیٰ والآخرۃ۔

آیات ۵۰ ——— ۶۰

وَإِلَىٰ عَادٍ أَخَاهُمْ
هُودًا ۚ قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۖ إِنْ أَنتُمْ إِلَّا
مُفْتَرُونَ ﴿٥٠﴾ يَا قَوْمِ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا ۖ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى الَّذِي
فَطَرَنِي ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿٥١﴾ وَيَا قَوْمِ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ
يُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُم مِّدْرَارًا وَيَزِدْكُمْ قُوَّةً إِلَىٰ قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا
مُجْرِمِينَ ﴿٥٢﴾ قَالُوا يَا هُودُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ وَمَا نَحْنُ بِتَارِكِي آلِهَتِنَا عَن
قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِينَ ﴿٥٣﴾ إِن نَّقُولُ إِلَّا اعْتَرَاكَ بَعْضُ
آلِهَتِنَا بِسُوءٍ ۗ قَالَ إِنِّي أُشْهِدُ اللَّهَ وَاشْهَدُوا أَنِّي بَرِيءٌ مِّمَّا
تُشْرِكُونَ ﴿٥٤﴾ مِن دُونِهِ ۖ فَكِيدُونِي جَمِيعًا ثُمَّ لَا تُنظِرُونِ ﴿٥٥﴾ إِنِّي
تَوَكَّلْتُ عَلَى اللَّهِ رَبِّي وَرَبِّكُم ۚ مَّا مِن دَابَّةٍ إِلَّا هُوَ آخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا ۚ
إِنَّ رَبِّي عَلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿٥٦﴾ فَإِن تَوَلَّوْا فَقَدْ أَبْلَغْتُكُم مَّا أُرْسِلْتُ
بِهِ إِلَيْكُمْ ۚ وَيَسْتَخْلِفُ رَبِّي قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّونَهُ شَيْئًا ۚ إِنَّ
رَبِّي عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ حَفِيظٌ ﴿٥٧﴾ وَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا نَجَّيْنَا هُودًا وَالَّذِينَ
آمَنُوا مَعَهُ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَنَجَّيْنَاهُم مِّنْ عَذَابٍ غَلِيظٍ ﴿٥٨﴾ وَ
تِلْكَ عَادٌ ۖ جَحَدُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَعَصَوْا رُسُلَهُ وَاتَّبَعُوا أَمْرَ كُلِّ
جَبَّارٍ عَنِيدٍ ﴿٥٩﴾ وَأُتْبِعُوا فِي هَٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ ۗ أَلَا
إِنَّ عَادًا كَفَرُوا رَبَّهُمْ ۗ أَلَا بُعْدًا لِّعَادٍ قَوْمِ هُودٍ ﴿٦٠﴾ وَإِلَىٰ ثَمُودَ أَخَاهُمْ

Marfat.com

صٰلِحًا ۘ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ هُوَ اَنْشَاَكُمْ
مِّنَ الْاَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيْهَا فَاسْتَغْفِرُوْهُ ثُمَّ تُوْبُوْۤا اِلَيْهِ ؕ اِنَّ رَبِّيْ
قَرِيْبٌ مُّجِيْبٌ ﴿۶۱﴾ قَالُوْا يٰصٰلِحُ قَدْ كُنْتَ فِيْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَاۤ اَتَنْهٰىنَاۤ
اَنْ نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا وَاِنَّنَا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَاۤ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ ﴿۶۲﴾
قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَاٰتٰىنِيْ مِنْهُ رَحْمَةً
فَمَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ عَصَيْتُهٗ ۫ فَمَا تَزِيْدُوْنَنِيْ غَيْرَ تَخْسِيْرٍ ﴿۶۳﴾
وَيٰقَوْمِ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْۤ اَرْضِ اللّٰهِ وَ
لَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ قَرِيْبٌ ﴿۶۴﴾ فَعَقَرُوْهَا فَقَالَ
تَمَتَّعُوْا فِيْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ ؕ ذٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوْبٍ ﴿۶۵﴾ فَلَمَّا جَآءَ
اَمْرُنَا نَجَّيْنَا صٰلِحًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَمِنْ خِزْيِ
يَوْمِئِذٍ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ﴿۶۶﴾ وَاَخَذَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا
الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۶۷﴾ كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ؕ اَلَاۤ
اِنَّ ثَمُوْدَا۟ كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ؕ اَلَا بُعْدًا لِّثَمُوْدَ ﴿۶۸﴾

(ترجمہ) اور قوم عاد کی طرف ان کے بھائی ہود کو بھیجا، اس نے کہا، اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو، تمہارے لیے اس کے سوا کوئی اور معبود نہیں، تم تو محض افترا کرتے ہو (۵۰) اے میری قوم! میں اس پر تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا، میرا اجر تو اسی پر ہے جس نے مجھ کو پیدا کیا کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے؟ (۵۱) اور اے میری قوم! تم اپنے رب سے استغفار کرو پھر اس کی طرف توبہ کرو، تو وہ تم پر موسلا دھار بارش کرے گا اور تمہاری طاقت پہلے سے زیادہ کرے گا۔ اور تم مجرم ہو کر مت پھرو (۵۲) انہوں نے کہا، اے ہود! تو ہمارے پاس کوئی کھلی دلیل نہیں لایا اور ہم تیرے کہنے سے اپنے معبودوں کو نہیں چھوڑیں گے۔ اور ہم تجھ پر ایمان لانے والے نہیں ہیں (۵۳) ہم تو صرف یہ کہتے ہیں کہ تجھ کو ہمارے کسی معبود نے برائی کے ساتھ چھوا ہے، اس نے کہا، میں اللہ کو گواہ بناتا ہوں، اور تم بھی گواہ

Marfat.com

رہو کہ میں تمہارے شرک سے بیزار ہوں (۵۴) اس کے سوا، سو تم سب مل کر میرے خلاف تدبیر کرو، پھر مجھ کو مہلت نہ دو (۵۵) میں نے اللہ پر ہی بھروسہ کیا ہے، جو میرا اور تمہارا رب ہے۔ کوئی جاندار نہیں، مگر وہ اس کی پیشانی کو پکڑنے والا ہے، بیشک میرا رب سیدھی راہ پر ہے (۵۶) پھر اگر تم نے منہ پھیرا تو میں نے تم کو وہ پیغام پہنچا دیا ہے جو مجھے تمہاری طرف دے کر بھیجا گیا تھا۔ اور میرا رب تمہارے علاوہ کسی اور قوم کو نائب بنائے گا، اور تم اس کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکو گے۔ بلاشبہ میرا رب ہر چیز پر نگران ہے (۵۷) اور جب ہمارا حکم آیا تو ہم نے ہود کو اور اس کے ایماندار ساتھیوں کو نجات دی، اپنی طرف سے رحمت کے ساتھ اور ہم نے ان کو شدید عذاب سے بچایا (۵۸) اور یہ قوم عاد تھی جس نے اپنے رب کی آیات کا انکار کیا۔ اور اس کے رسولوں کی نافرمانی کی اور ہر ہٹ دھرم جبار کی بات مانی (۵۹) — ان کے پیچھے اس دنیا میں لعنت لگائی گئی، اور قیامت کے دن بھی! خبردار بے شک عاد نے اپنے رب سے کفر کیا۔ سن لو کہ لعنت ہے عاد پر، جو ہود کی قوم تھی (۶۰) اور قوم ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو بھیجا، اس نے کہا: اے میری قوم! اللہ کی ہی عبادت کرو، تمہارے لیئے اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اس نے تم کو زمین سے پیدا کیا اور تم کو اس میں آباد کیا، سو تم اس سے استغفار کرو، پھر اس کی طرف توبہ کرو، بلاشبہ میرا رب قریب ہے توبہ قبول کرنے والا ہے (۶۱) انہوں نے کہا:- اے صالح! اس سے پہلے ہم کو تجھ سے امیدیں تھیں، کیا تو ہمیں اس بات سے روکتا ہے کہ ہم ان کی عبادت کریں جن کی ہمارے باپ دادا عبادت کرتے تھے، اور بلاشبہ ہم اس سے جس کی طرف تو ہمیں بلاتا ہے، سخت شک میں مبتلا ہیں (۶۲) اس نے کہا، اے میری قوم! بھلا یہ تو دیکھو! کہ اگر میں اپنے رب کی طرف سے کھلی دلیل پر ہوں، اور وہ مجھے اپنی طرف سے رحمت دے تو اللہ سے میری مدد کون کرے گا اگر میں اس کی نافرمانی کروں تو تم نقصان کے سوا میرے لیے کوئی اضافہ نہ کرو گے (۶۳) اور اے میری قوم یہ اللہ کی اونٹنی ہے جو تمہارے لیئے ایک معجزہ ہے، پس اس کو چھوڑ دو کہ اللہ کی زمین میں کھائے، اور اسے برائی کے ساتھ مت چھوؤ، ورنہ تم کو ایک قریب سزا پکڑے گی (۶۴) سو انہوں نے اس کے پاؤں کاٹے تو صالح نے کہا کہ فائدہ اٹھا لو اپنے گھر میں تین دن تک، یہ ایک ایسا وعدہ ہے جس کو جھوٹا نہیں کیا جائے گا (۶۵) پھر جب ہمارا حکم آیا تو ہم نے صالح کو اور اس کے مومن ساتھیوں کو بچایا اپنی رحمت کے ساتھ، اور اس دن کی رسوائی سے بھی، بلاشبہ تیرا رب ہی بڑا طاقتور، بڑا غالب ہے (۶۶) اور پکڑ لیا ان ظالموں کو چیخ نے تو ہو گئے وہ اپنے گھروں میں گھٹنوں کے بل (۶۷) گویا کہ وہ اس علاقے میں نہ رہے تھے۔ سن لو کہ ثمود نے اپنے رب کا انکار کیا، سن لو کہ لعنت ہے ثمود کے لیئے (۶۸)

Marfat.com

نوحؑ کے ساتھ خدائی وعدہ پورا ہوا

نوحؑ کی قوم جاتی رہی "تاریخ کا حصہ بن گئی۔ اکثر کو، جو مکذب تھے، طوفان نے اپنی لپیٹ میں لے لیا اور تاریخ نے ان کو نگل لیا۔ زندگی اور خوفِ خداوندی دونوں سے بعید ہو گئے، نجات پانے والے جو چند ہی تھے، زمین کے وارث ہوئے "تاکہ اللہ کی سنت اور اس کا وعدہ پورا ہو کر "انجام خدا سے ڈرنے والوں کے لیے ہے" اور نوح علیہ السلام کے ساتھ اللہ نے وعدہ فرمایا تھا کہ :" اے نوحؑ! تو اتر ہماری طرف سے سلامتی اور برکتوں کے ساتھ تجھ پر بھی، اور تیرے ساتھیوں سے پیدا ہونے والی جماعتوں پر بھی۔ اور کچھ اُمتوں کو ہم دنیوی متاع دیں گے۔ پھر انہیں عذاب الیم آئے گا۔ جس طرح آدمؑ کی اولاد میں سے مسلم نسلوں کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا، وہ اسلام پر رہیں اور پھر جاہلیت نمودار ہو گئی۔ اسی طرح چند نسلوں کے بعد نوحؑ کی اولاد میں بھی جاہلیت لوٹ آئی۔ آدمؑ اور حوا علیہما السلام کا دینِ اسلام تھا، زمین میں ان کی چند نسلیں ضرور مسلم رہیں کہ اسلام ان کے والدین کا دین تھا حتیٰ کہ شیاطین نے ان کو ان کے دین سے گمراہ کر دیا اور وہ جاہلیت نمودار ہوئی جس کا مقابلہ نوح علیہ السلام نے کیا۔ پھر نوحؑ کی باری آئی۔ اور ان کے ساتھ کشتی میں نجات پانے والے ایمانداروں کی بھی۔ اور زمین پر کافروں کا کوئی گھر آباد نہ رہا۔ خدا جانتا ہے کہ کتنی نسلوں تک نوحؑ کی اولاد کا دین اسلام رہا۔ پھر شیطان نے انہیں دوبارہ گمراہ کیا اور وہ منحرف ہو کر جاہلیت میں چلے گئے۔ اس جاہلیت کی امتوں میں سے عاد اور ثمود کی اقوام بھی تھیں۔

اقوامِ عاد و ثمود اور اُن کے مسکن

عاد ایک قبیلہ تھا جو احقاف میں رہتا تھا۔ یہ علاقہ جزیرۂ عرب کے جنوب کی طرف واقع تھا۔ حقف کا معنیٰ ہے۔ ریت کا بننے والا ٹیلہ۔ اس علاقے میں اسی قسم کے ریتلے ٹیلے تھے، لہٰذا اس کا نام الاحقاف ہوا۔

ثمود ایک قبیلہ تھا جو جزیرۂ عرب کے شمال میں الحجر کے علاقوں میں ساکن تھے، اور یہ علاقہ تبوک اور مدینہ کے درمیان تھا۔ یہ دونوں قبیلے اپنے اپنے دور میں انتہائی زور آور، مضبوط، مالدار اور دنیوی مال و متاع کے مالک تھے۔ لیکن ان دونوں نے امرِ الٰہی کی نافرمانی کی اور عذاب کے مستوجب ہوئے۔ انہوں نے توحید کو چھوڑ کر بت پرستی اختیار کی۔ اللہ کی عبادت کے بجائے بندوں کی عبادت میں مبتلا ہوئے۔ اور رسولوں کی بہت برے انداز میں تکذیب کی۔ نوحؑ کے واقعہ کی مانند عاد و ثمود کے قصوں میں بھی سورت کے مطلع کا مصداق موجود ہے۔ چنانچہ اب قوم عاد کا قصہ شروع ہوتا ہے۔

ہودؑ کی رسالت

آیات ۵۰ ــــــــ ۵۲ میں ارشادِ خداوندی ہے کہ :۔

"اور ہم نے عاد کی طرف اُن کے بھائی ہودؑ کو بھیجا۔ اس نے کہا، اے میری قوم! اللہ ہی کی عبادت کرو، جس کے سوا تمہارا کوئی الٰہ نہیں ہے۔ تم نو بس افترا کر رہے ہو، اے میری قوم: میں اس پر تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا، میرا اجر تو اس ذات پر ہے جو میرا خالق ہے۔

کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے ؟ اور اے میری قوم! اپنے رب سے استغفار کرو، پھر اس کی طرف توبہ کرو، وہ تم پر موسلادھار بارش بھیجے گا۔ اور تمہاری قوت میں اضافہ کرے گا۔ اور مجرم ہو کر مت پھرو"۔

ہودؑ عاد میں سے تھا۔ لہٰذا ان کا بھائی تھا۔ ایک قبیلے کے افراد کو جمع کرنے والا اور رشتہ ان سب کو جمع کرتا تھا۔ ان آیات میں اس رشتے کو واضح انداز میں بیان فرمایا گیا ہے کیونکہ اس رشتے کے باعث وثوق، باہمی جھکاؤ، باہمی ہمدردی پیدا ہوتی ہے۔ اور سب افراد بھائی بھائی ٹھہرتے ہیں۔ اس اخوت کا ذکر اس لیے بھی ان واضح انداز میں فرمایا ہے کہ اس قوم کا موقف اپنے نبی اور اپنے بھائی کے بارے میں نہایت بیگانہ اور نہایت قبیح نظر آئے۔ اور پھر جب نبی میں اور دیگر افراد قبیلہ میں جدائی ہو تو وہ عقیدے کی بناء پر ہو۔ جب عقیدے کا رشتہ کٹ جائے تو دیگر سب علائق منقطع ہو جائیں۔ اس کے اظہار فوائد میں سے ایک فائدہ یہ ہے کہ اسلام کی تحریکی حیثیت بالکل واضح ہو جائے۔ جب دعوت کی ابتداء ہوتی ہے تو قرابت، رشتے، خون نسب، خاندان اور زمین کے تعلقات نبی کو اس کی قوم کے ساتھ جوڑے ہوتے اور منسلک کیے ہوئے ہوتے ہیں۔ پھر جب اختلاف عقیدہ کی بناء پر جدائی واقع ہوتی ہے تو ایک قوم دو اُمتوں میں بٹ جاتی ہے، اُمت مسلمہ اور اُمتِ مشرکہ۔ ان دونوں میں مشرق و مغرب کا فاصلہ اور فرق ہو جاتا ہے۔ اس باہمی فرق اور فاصلے کی بنیاد پر مومنوں کے متعلق اللہ تعالیٰ کی مدد کا وعدہ اور مشرکوں کو ہلاک کرنے کا وعدہ پورا ہوتا ہے۔ اور اللہ کا یہ وعدہ نہیں آتا، نہ متحقق ہوتا ہے جب تک کہ مفاصلہ و مفارقہ پورا نہ ہو جائے۔ اور مومنوں اور کافروں کی صفوں میں پورا امتیاز نہ ہو جائے۔ اور نبی اور ایماندار اپنی قوم سے الگ نہ ہو جائیں۔ اور اپنے پچھلے خونی رشتے اور تعلقات منقطع نہ کر دیں، اپنی قوم اور اپنی پہلی قیادت سے پوری بیزاری کا ثبوت نہ دیدیں۔ اور وہ اپنی دوستی اور دلی تعلق صرف اللہ وحدہٗ کے ساتھ خاص نہ کر دیں۔ اور اس مسلم قیادت کے دلی دوست اور ولی نہ بن جائیں۔ جس نے ان کو اللہ کی طرف بلایا، اللہ وحدہٗ کی عبادت کی دعوت دی۔ اور بندوں کی عبادت وعبودیت سے نکالا۔ اللہ کی مدد صرف اسی وقت —— نہ کہ اس سے پہلے —— نازل ہوتی ہے۔

ہودؑ کی بعثت اور دعوت

اللہ تعالیٰ نے جس طرح پہلے نوحؑ کو ان کی قوم کی طرف بھیجا۔ اسی طرح نوحؑ کے بعد —— طوفان کے بعد ہودؑ کو ان کی قوم میں مبعوث فرمایا۔ انہوں نے بڑی محبت و شفقت، دل سوزی اور مودت کے ساتھ انہیں اپنی قوم کو پکارا۔ تاکہ انہیں یہ احساس ہو کہ ہودؑ ان کا ہمدرد اور خیر خواہ نہیں۔ انہیں دھوکہ نہیں دینا بلکہ ان کی خیر سگالی کا جذبہ اپنے اندر رکھتا ہے۔ ہودؑ کی دعوت وہی تھی، جو تمام رُسل و انبیاء علیہم السلام کی دعوت تھی، وہی توحیدِ الٰہی کی دعوت۔ یہ لوگ خدائے واحد کی عبادت سے منحرف ہو چکے تھے۔ نوحؑ اور ان کے مومن ساتھی جب طوفان ختم جانے کے بعد کشتی سے نیچے اُترے تو ان کا دین و مذہب، اسلام اور توحیدِ الٰہی تھا شاید اس انحراف کا پہلا قدم یہی تھا کہ اس قوم نے نوحؑ کے ساتھیوں کی یاد کے لیے کچھ علامات بنائیں جو آہستہ آہستہ عبادت اور پوجا میں تبدیل ہو گئیں۔ ان کی ارواح کی تعظیم درختوں اور پتھروں میں تبدیل ہو گئی، اور

Marfat.com

ان کے نافع و ضار ہونے کا عقیدہ پیدا ہو گیا۔ اور یہ درخت اور پتھر معبود بنا لیئے گئے۔ اور ان کے لیئے کچھ گدی نشین اور منتظم تیار ہو گئے۔ جنہوں نے ان کی خدائی کا ڈھنڈورا اپنے پیٹ کی خاطر پیٹا اور شرک و کفر مکمل ہو گیا یہ کاہن وساون اپنی نفسانی اغراض کی خاطر عوام سے شرک کراتے تھے۔ اور شرک و کفر کی کمائی ہڑپ کرتے تھے۔ انحراف اور شرک ایک قدم ہوتا ہے جو توحید کے خلاف اٹھتا ہے، اور پھر آہستہ آہستہ پورے انحراف میں بدل جاتا ہے۔ ہر قوم میں یہی ہوتا رہا۔ اور قوم ہود میں بھی یہی ہوا۔ ہود علیہ السلام نے اسی لیے اپنی قوم سے فرمایا تھا کہ تم لوگ مفتری ہو۔ غیر اللہ کی پوجا اور عبادت کرتے کراتے ہو۔ اور اس کی تمہارے پاس سوائے اپنی خواہشات نفس کے کوئی دلیل نہیں ہے۔

انبیاء و رسل کی دعوت خالص ہوتی ہے۔

ہود علیہ السلام نے دعوتِ توحید اور اپنی قوم کے افتراء کا اعلان کر کے یہ بھی فرمایا کہ میں تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا۔ میری خیر خواہی خالص ہے، اور میری دعوت دنیوی لالچ اور ذاتی مفاد سے بالاتر ہے۔ میں صرف اپنے خالق کے اجر کا طالب ہوں۔ ایک دنیا پرست، خادم نفس ہیں۔ اور ایک خدا پرست خادم حق میں یہی فرق ہے کہ پہلا تو محض ذاتی مفاد کا طالب ہوتا ہے۔ اور دوسرا اس سے بالاتر ہو کر صرف رضائے الٰہی کے لیئے کام کرتا ہے۔ ہودؑ کے اس برملا اعلان سے یہ ٹپکتا ہے کہ بعض لوگ شاید ان پر یہ الزام لگاتے تھے کہ یہ شخص کسی ذاتی منفعت کا طالب ہے۔ اور اس کی خاطر (خدانخواستہ) یہ نبوت کا ڈھونگ رچا رکھا ہے۔ اللہ کا پیغمبر انسانوں سے رزق نہیں مانگتا۔ اسی لیئے اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ کہہ کر ہودؑ نے ان پر اظہارِ تعجب کیا کہ تم اتنی موٹی اور واضح بات کو نہیں دیکھتے کہ رازقِ متعال تو ایک ذاتِ خداوندی ہے۔ میں خدا کا نبی ہو کر کسی غیر سے رزق کیسے مانگ سکتا ہوں؟ وہ لوگ صحرا کے باشندے تھے۔ اور اپنی، جانوروں کی اور زراعت کی خاطر بارش کے شدید محتاج تھے۔ اسی لیے ذکر فرمایا گیا ہے کہ تم اپنے رب سے استغفار کرو، اپنی اصلاح کرو، اللہ تعالیٰ تمہیں بارش عطا کرے گا۔ اور تمہیں موجودہ قوت کے ساتھ مزید قوت بخشے گا۔ بارش کا آنا اور کسی قوم کی قوت میں اضافہ اللہ تعالیٰ کی جاری سنت، اور ثابت شدہ قوانین کے مطابق ہوتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ اس آیت میں ان دونوں کو استغفار اور توبہ کا نتیجہ کیوں ٹھہرایا گیا ہے!

توبہ و استغفار کا بارش کے نزول اور قوت میں اضافہ سے کیا تعلق ہے؟

جہاں تک قوت میں اضافے کا تعلق ہے، اس کا معاملہ تو بہت آسان اور قریب ہے۔ کیونکہ دل کی پاکیزگی اور زمین میں نیک عمل کو اختیار کرنا کام کرنے والے ہاتھوں کی قوت میں اضافہ کرتے ہیں۔ ان کی جسمانی صحت بھی برقرار رہتی ہے۔ کیونکہ اعتدال سے اور پاکیزہ رزق پر اکتفاء کرنے سے جسم میں تندرستی، روحانی راحت، اعصابی سکون، اللہ پر بھروسہ اور اطمینان، اور ہر آن اس کی رحمت پر وثوق پیدا ہوتا ہے۔ جب اس قسم کے لوگ جمع ہو کر ایک صالح معاشرہ قائم کرتے ہیں تو اس میں لوگ اپنے جیسے انسانوں کی غلامی سے آزاد ہوتے ہیں۔ اس میں مساوات و اخوت بڑھتی ہے، بہت سی چوکھٹوں پر جبہ سائی کرنے کے بجائے ایک ہی جبار و قہار کے

Marfat.com

سامنے پیشانی جھکا دینے سے دلوں میں سکون و اطمینان پیدا ہوتا ہے ۔ انسانوں کو آزادانہ زمین اپنی طاقتیں صرف کرنے اور اس کی تعمیر و تزئین میں اضافہ کرنے کا موقع ملتا ہے ۔ لوگ اپنے جیسے انسانوں کو خدا بنا کر زندوں یا مُردوں کے آگے اگر بتیاں سُلگانے اور ڈھول بجانے سے آزاد ہو جاتے ہیں ۔ جھوٹے زندہ خدا اسی بات کے محتاج ہوتے ہیں کہ ان میں دن رات جھوٹی خدائی کی جھوٹی پھونکیں ماری جائیں ، کیونکہ انسانی فطرت ہے کہ اگر وہ الرحمٰن کو سجدہ نہیں کرے گا تو اپنے دل و دماغ کے خلاء کو پُر کرنے کے لیے جھوٹے خدا کی خدائی کا ڈھول پیٹے گا ۔ اور مراسم عبادت و عبودیت ان کے آگے بجائے گا ۔ نتیجہ اس کا ذلت و رسوائی اور توہینِ انسانیت کے سوا کچھ نہیں ہے ۔

جھوٹے خُداؤں پر صفاتِ اُلوہیت کی خلعت

یہ حقیقت تو سامنے نظر آتی ہے کہ زمینی خدا بھی اور ان کے خادم ، گدی نشین ، سادن ، کاہن اور مجاور اس امر کے محتاج ہوتے ہیں کہ ان پر قدرت ، علم ، احاطہ ، قہر اور رحمت جیسی بعض صفاتِ اُلوہیت کی خلعت ڈالی جائے اور جہلاء کے دلوں میں ان کا یہ اعتقاد جمایا جائے کہ باوجود بے جان اور لاشئی ہونے کے یہ سب کچھ کر سکتے ہیں ۔ (حالانکہ مشاہدہ یہ ہے کہ وہ ایک تنکا دوہرا کرنے کی طاقت بھی نہیں رکھتے) یہ سب کچھ اس لیے کیا جاتا ہے کہ لوگ ان کی خُدائی کے آگے جُھکیں اور ان کی پُوجا کریں (گو وہ خود دائمی مہلک امراض کے مریض کیوں نہ ہوں ۔ ہم نے ایسے لوگ بھی دیکھے ہیں جن کی خدائی کا ڈنکا لوگوں میں بجایا جا رہا تھا ، اور وہ اسی مجمع میں کسی خطرناک مرض کے باعث کراہ رہے تھے ، اور آنکھوں کے اندھے گانٹھ کے پورے مُرید کہتے تھے کہ یہ بھی ان کی کوئی کرامت ہے !) اس کا سبب یہ ہے کہ ربوبیت اپنے ساتھ اُلوہیت کی محتاج ہے تاکہ اس کے باعث لوگ مطیع ہو سکیں ۔ اور یہ سارا سلسلہ گدی نشینوں اور مجاوروں کی تھکا دینے والی جدوجہد کا محتاج ہے ۔ اور جو لوگ زمین کی رونق کی خاطر صرف ایک اللہ کے سامنے جھکتے ہیں ، ان کا فرض ہے کہ وہ زمین میں تکالیفِ خلافت کو برداشت کرنے کے لیے اُٹھیں ۔ زمینی خداؤں کے زمینی پجاری اپنے جعلی معبودوں کا ڈھنڈورا ڈھول اور آلاتِ موسیقی بجا کر پیٹتے ہیں مگر اصلی خدا کے ماننے والوں کا فرض ہے کہ وہ سچے خدا کی خدائی کے قیام کے لیے ... لوٹ محنت کریں ۔

کبھی اللہ کے قانون کے مخالفوں کو بھی قوت ملتی ہے ، کیوں ؟

یہ ایک بڑا چبھتا ہوا سوال ہے ۔ کبھی کبھی ان لوگوں کو بھی قوت حاصل ہو جاتی ہے جو اپنے آپ پر ، اور اپنے معاشرے پر اللہ کے قانون کو جاری و نافذ نہیں کرتے ، مگر یہ قوت عارضی ہے جو اس وقت تک ہے جب تک کہ سنتِ الٰہیہ کے مطابق معاملات اپنے طبعی انجام کو پہنچیں ۔ اس وقت یہ قوت ٹوٹ جاتی ہے جو کسی گہری بنیاد پر قائم نہیں ہوتی ۔ یہ قوت کائناتی سنتوں کی ایک جانب پر مبنی ہے ۔ مثلاً جسمانی محنت ، نظم و ضبط ، وافر پیداوار ۔ اور صرف یہ چیزیں دائمی نہیں ہوتیں ۔ شعوری اور اجتماعی زندگی کا فساد ان کو ختم کر دیتا ہے ۔

مُوسلا دھار بارش کا معاملہ

جہاں تک موسلا دھار بارش کا تعلق ہے، انسان کے لیے یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ کائناتی نظام میں یہ چیز اللہ کے ثابت شدہ نظام کے مطابق آتی ہے، اور اس کا تعلق طبیعی سنن کے ساتھ ہے۔ لیکن طبیعی سنت کا قانون اس بات سے نہیں روکتا کہ کسی زمان و مکان میں تو بارش زندگی کا باعث بنے، اور کسی زمان و مکان میں تباہ کن ثابت ہو۔ کوئی قوم اس کے باعث زندگی حاصل کرے، اور کوئی دوسری قوم موت اور ہلاکت پائے۔ طبعی عوامل کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کبھی تو اپنی بشارت کو بروئے کار لاتا ہے۔ اور کبھی انہی عوامل کو شر کی وعید بنا دیتا ہے۔ ان عوامل کو پیدا کرنے والا، اور ہر گھڑی ان سے وہ کام لینے والا، جو وہ چاہے، وہی ہے۔ اسباب تو بہر حال اسباب ہیں اور مسبب الاسباب وہی ذاتِ برحق ہے۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ظاہری اسباب کچھ اور چاہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی آزاد مشیت اور مطلق ارادہ کچھ اور ہی کر دے۔

ہُودؑ کی دعوت کیساتھ بظاہر کوئی معجزہ نہ تھا!

چونکہ طوفانِ نوحؑ کو گذرے ابھی زیادہ مدت نہ گذری تھی، لہٰذا بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ ہود علیہ السلام کی دعوت کے ساتھ کوئی خارقِ عادت معجزہ نہ تھا۔ طوفان ابھی لوگوں کے ذہن و دماغ میں تازہ تھا، اور ایک سورت میں ہے کہ ہودؑ نے انہیں طوفان کی یاد دلائی بھی تھی، مگر اے ... انسانی فطرت کی دورنگی! ہودؑ کی قوم نے ان کے بارے میں خدا جانے کیا کچھ سوچا، اور انہوں نے خدا کے اس سچے پیغمبر کو کتنے اوہام و ظنون کا نشانہ بنایا۔ چنانچہ اللہ فرماتا ہے کہ:

"انہوں نے کہا: اے ہودؑ! تو ہمارے پاس کوئی معجزہ نہیں لایا، اور ہم تیرے کہنے سے اپنے خداؤں کو نہیں چھوڑ سکتے۔ اور ہم تجھ پر ایمان نہیں لائے۔ ہمارا تو خیال ہے کہ ہمارے کسی خدا نے تجھے بُرائی کے ساتھ چھُوا ہے۔" (آیات ۵۳ — ۵۴) گویا اس قوم کا انحراف اس حد تک پہنچ گیا تھا کہ انہوں نے یہ گمان کیا کہ ہودؑ یونہی کہتا ہے۔ معاذ اللہ منہ) اور یہ نتیجہ اس بات کا ہے کہ ہمارے کسی الٰہ نے اسے چھو کر بے ہوش اور بے دماغ کر دیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ صرف تیرے قول پر تو ہم اپنے خدا کو چھوڑنے والے نہیں۔

ہُودؑ کا زور دار علانیہ چیلنج

اب ہودؑ کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ کار نہ رہا کہ ڈنکے کی چوٹ انہیں تحدّی کرے اور اللہ وحدہٗ کی طرف توجہ کرے اور اسی پر بھروسہ کرے، اور مکذبین کو آخری وعید اور انذار سُنا دے۔ اپنے اور ان کے درمیان جُدائی کا اعلان کرے۔ اور اگر وہ تکذیب پر اصرار کریں تو ان سے ہاتھ دھو لے۔ چنانچہ اس نے کہا:

"میں اللہ کو گواہ ٹھہراتا ہوں، اور تم بھی گواہ رہو کہ میں ان سب سے بیزار ہوں جن کو تم اس کے سوا شریک بناتے ہو، پس تم سب جمع ہو کر میرے خلاف خفیہ تدبیریں کر لو، اور مجھے مُہلت مت دو۔ میں نے اللہ پر ہی بھروسہ کیا ہے، جو میرا اور تمہارا رب ہے، وہ ہر جاندار

Marfat.com

کی پیشانی کو پکڑنے والا ہے۔ (قابو یافتہ ہے!) بلاشبہ میرا رب سیدھی راہ پر ہے، پھر اگر تم نے منہ پھیر لیا۔ تو میں نے تمہیں وہ پیغام پہنچا دیا ہے جس کے ساتھ مجھے تمہاری طرف بھیجا گیا ہے اور اللہ تمہارے علاوہ کسی اور قوم کو دنیا کا حاکم بنا دے گا اور تم اس کا کچھ بھی نقصان نہ کر سکو گے بلاشبہ میرا رب ہر چیز پر نگران ہے۔" (آیات ۵۴ —— ۵۷)

لوگوں نے راہِ خدا کے سوا ایک اور راستہ اختیار کر لیا تھا۔ اور ہودؑ نے ان سے ہاتھ جھاڑ لیے۔ دونوں فریق کی ایک ہی ذات، برادری اور ایک ہی قبیلہ تھا، مگر جب عقیدے کے اختلاف نے ان میں جدائی ڈال دی تو پھر ان کا باہم اور کوئی تعلق کارآمد نہ رہا۔ وہ قوم سے بیزاری اور علیحدگی پر قوم کو چیلنج کرتا اور اللہ کو گواہ ٹھہراتا ہے پھر وہ خود ان کو بھی اس جدائی اور علیحدگی پر گواہ بنا رہا ہے۔ یہ ایمان کی عزت اور سربلندی کا اظہار ہے، اور ہودؑ کو ایمان پر وثوق و اطمینان ہے۔

ایک ہی شخص اتنی سخت اور مخالف قوم کا مقابلہ کیسے کر سکا؟

انسان یہ دیکھ کر دہشت زدہ ہو جاتا ہے کہ ایک ہی شخص اتنی سخت اور کھردری قوم کو کھری کھری سنا رہا ہے، اور ان حماقت کے ماروں کا مقابلہ کر رہا ہے۔ وہ اس قدر حماقت زدہ اور جہالت مآب ہیں کہ پتھر کی مورتیوں کے متعلق جھوٹے خداؤں کے متعلق یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ کسی انسان کو چھو کر اسے ..... مجنون بنا سکتے ہیں! وہ دعوت الی اللہ کو جنون وغیرہ کا نتیجہ خیال کرتے ہیں۔ جن لوگوں کو اپنے جھوٹے معبودوں پر اتنا بھروسہ ہے۔ یہ بات واقعی دہشت ناک ہے کہ ایک شخص ان کے مقابلے میں تنہا کھڑا ہے، ان کے عقیدے کی حماقت اور سفاہت کا اعلان کرتا ہے اور پھر چیلنج دے کر ان کی غیرت اور شدت کو چیلنج کرتا ہے، وہ ان سے کسی تیاری کی مہلت بھی نہیں مانگتا، نہ ان کو غضب ٹھنڈا کرنے کی مہلت دیتا ہے۔ ایک ہی انسان کا اتنی جاہل، احمق، شدید مخالف، بُت پرست قوم کے سامنے یوں کھڑا ہو جانا اور انہیں یوں چیلنج کرنا بڑا حیرت انگیز ہے۔ یہ ایمان و وثوق اور اطمینانِ قلب ہے جو اسے ایسی جرأت و شہامت پر آمادہ کرتا ہے۔ اللہ پر ایمان، اس کے وعدوں پر یقین، اور اس کی نصرت پر اطمینان۔ یہ وہ ایمان ہے جو دل کی گہرائیوں میں جاگزیں ہے۔ پھر جب اللہ تعالیٰ ایسے دل سے مدد کا وعدہ فرمائے تو وہ اس دل کی ایک حقیقت بن جاتا ہے۔ اس میں ایک لحظہ بھر تک شک و ریب کا گذر نہیں ہوتا، یہ حقیقت اس کا سرمایہ اور اس کے دل کا اطمینان ہوتا ہے۔ ضمیر و قلب اس کو دیکھتے ہیں اور اس کے ساتھ مطمئن ہوتے ہیں۔ اسی لیے اس کے رؤیں رؤیں سے یہ آواز اٹھتی ہے کہ "میں اللہ کو گواہ بناتا ہوں اور تم بھی گواہ رہو کہ میں تمہارے شریکوں سے بیزار ہوں" تم میری علانیہ بیزاری کے گواہ رہو، پھر تم بھی اور تمہارے یہ جھوٹے نام نہاد معبود بھی اکٹھے ہو کر آجاؤ جن کے متعلق تمہارا گمان ہے کہ ان میں سے ایک نے چھو کر مجھے مجنون کر دیا ہے۔ پھر تم سب یک لخت، بلا مہلت و تاخیر مجھ پر گر جاؤ۔ مجھے تم سے اور تمہارے خداؤں سے کوئی خوف نہیں ہے۔ میرا بھروسہ اللہ پر ہے جو سب کا رب ہے، تم جتنا چاہو انکار کرو، جھوٹ بولو، مگر یہ حقیقت اپنی جگہ اٹل ہے، یعنی اللہ کی ربوبیت تمہارے لیے بھی اور میرے لیے بھی۔

Marfat.com

پیشانی کے پکڑنے کا مطلب

یہ جو فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر جاندار کی پیشانی کو پکڑنے والا ہے۔ زمین پر جانوروں کو پیشانی کے بالوں سے قابو میں لایا جاتا ہے، یہ یہاں پر غلبے اور قدرت کی ایک محسوس صورت ہے۔ ناصیۃ کا معنی ہے پیشانی کا بلند ترین مقام۔ پس پیشانی کو قابو میں کرنا قہر و غلبہ اور قدرت و ملک کا نشان ہے جو اس موقف کے مناسب ہے جو یہاں پیش کیا جا رہا ہے۔ علاوہ ازیں اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ وہ قوم بڑی شدید، طاقتور اور مضبوط تھی جسے اللہ کے غلبے کی یہ حسی صورت سنائی جا رہی ہے۔ یہ الفاظ اس قوم کے تن و توش کی مضبوطی اور ان کے قد کاٹھ کی بلندی پر دلالت کرتے ہیں۔ اور یہ جو فرمایا ہے کہ " میرا رب صراطِ مستقیم پر ہے "۔ ان الفاظ سے اللہ تعالیٰ کی قدرت و استقامت اور مضبوطی کا اظہار ہو رہا ہے۔ علاوہ ازیں ان الفاظ کو پیش نظر رکھ کر ہود علیہ السلام کی تحدی پر غور کیا جائے تو پتہ چل جاتا ہے کہ اللہ کے نبی ہودؑ نے قوم کے مقابلے میں قدرتِ الٰہی کی حقیقت کو کس طرح محسوس کیا تھا۔ وہ چشمِ قلب و روح میں اپنے رب اور مخلوقات کے رب کی قوت اور سربلندی کو سمایا ہوا پاتا تھا۔ اس کی قوم کے لوگ چاہے کتنے ہی طاقتور ہوں، مگر وہ ان طاقتور جانوروں سے تو زیادہ مضبوط نہ تھے، جن کی پیشانی کے پکڑنے اور انہیں مطیع کرنے کا ہود علیہ السلام نے یہاں پر ذکر کیا ہے۔ پس جس طرح وہ دیگر جانوروں اور چھوٹے موٹے دواب کی پروا نہیں کرتا تھا، اسی طرح وہ ان انسانی جانوروں کی بھی کوئی پروا نہیں کرتا۔ ساری کائنات کے مالک و رب کے سامنے ان کیڑے مکوڑوں کی کیا حیثیت ہے؟ صاحبِ دعوت کا دل اللہ تعالیٰ کے ساتھ متصل ہوتا ہے۔ لہٰذا وہ اس حقیقتِ ربوبیت کو واشگاف دیکھتا ہے۔ اسے اپنے انجام میں کوئی شک و شبہ نہیں ہوتا، وہ اپنی کامیابی کے یقین سے سرشار ہوتا ہے۔ یہ حقیقتِ اُلوہیت ہے جو ہمیشہ مومن بندہ دل پر جلوہ گر ہوتی ہے۔ اس قوت کی جلوہ گری نے ہودؑ سے یہ الفاظ کہلوائے تھے کہ اگر تم منہ پھیر لو تو مجھے پروا نہیں ہے۔ میں نے تم کو وہ پیغام پہنچا دیا ہے جو پہنچانے پر مجھے مامور کیا گیا تھا۔ میں نے اپنا فرض ادا کر دیا، اب میں تم کو اللہ کے سپرد کرتا ہوں کہ تم اس کی زبردست، وحید و مزید قوت کا مقابلہ کر سکتے ہو تو کر لو۔ اللہ تم کو ہلاک کر دے گا، اور تمہارے سوا کسی اور قوم کو زمین کا وارث بنا دے گا جو میری نبوت اور اللہ تعالیٰ کی ربوبیت و اُلوہیت کو مانے گی، میری دعوت کو قبول کرے گی، راہِ حق پر مستقیم ہوگی، اور تم اللہ کا کچھ بگاڑ نہ سکو گے۔ یہ وہ فیصلہ کن الفاظ تھے جن پر دعوت اور جدل و کلام کا معاملہ ختم ہو گیا۔ وعدۂ الٰہی پورا ہونے کو تھا۔ لہٰذا انذار اپنی انتہا کو پہنچ گیا۔

دوگونہ وعدے کا پورا ہونا

اب اللہ کا دوگونہ وعدہ پورا ہونے کا وقت آ چکا تھا، اہلِ ایمان کی نجات، اور اہلِ کفر کی ہلاکت، ہر دو کا برملا اظہار ہو گیا۔

" اور جب ہمارا حکم آیا تو ہم نے ہودؑ کو اور اس کے ایماندار ساتھیوں کو اپنی رحمت کے ساتھ نجات دی "۔ (آیت ۵۸)

Marfat.com

اللہ کے حکم سے مراد وعدہ پورا کرنے کا حکم اور قوم ہود کی ہلاکت کا حکم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہودؑ کو اور ان کے مومن ساتھیوں کو نجات دی۔ ان کی قوم پر عذابِ عام نازل ہوگیا، اور یوں وعدۂ خداوندی کا ظہور ہوا۔

یہ تھی قوم عاد اور اس کا بُرا انجام

قوم عاد کی ہلاکت کے ذکر کے بعد ان پر لعنت کا اشارہ کیا جا رہا ہے، اور یہ کہ انھوں نے جو نافرمانی اور گناہ کیا تھا اس کے باعث ان پر ہلاکت اور لعنت کا فیصلہ کیا گیا تھا۔ یہ لعنت دنیا و آخرت میں ان کے ساتھ رہے گی، فرمایا ہے کہ :۔

اور یہ عاد تھے، جنہوں نے اپنے رب کی آیات کا انکار کیا، اور اس کے رسولوں کا انکار کیا۔ اور ان لوگوں کا اتباع کیا جو ہٹ دھرم تھے، جبار تھے۔ ان پر اس دنیا میں بھی لعنت ڈالی گئی اور آخرت میں بھی۔ سُن لو کہ بے شک عاد نے اپنے رب کا کفر کیا۔ سن لو کہ عاد کے لیے لعنت تھی جو قوم ہودؑ تھی۔"

قوم عاد اور ان کی سزا کا ذکر کرنے کے بعد یہ قول بڑا موثر ہے کہ یہ تھے عاد جنہوں نے اپنے رب کا انکار کیا اور اس کے رسولوں کی نافرمانی کی۔ ربِّ کریم کی بات نہ ماننا کفر ہے۔ اور اس کے ایک رسول کی نافرمانی سب رسولوں کا انکار ہے۔ ہدایت کا مصدر و منبع ایک ہی ہے۔ پس ایک رسول کا انکار سب رسولوں کا انکار ہے۔ سب رسولوں کی رسالت واحد تھی۔ پس کسی ایک رسول کی رسالت کا انکار گویا اس رسالت کا انکار ہے جو سب کو دی گئی۔ اور اس جگہ یہ بھی مدِّنظر ہے کہ قومِ عاد کا جرم کوئی معمولی جرم نہ تھا، بلکہ انہوں نے اللہ کے سب رسولوں کی نافرمانی کی تھی، لہٰذا ان کا جرم بہت عظیم تھا۔ اور انہوں نے ہر اس انسان کی بات مانی جو ان پر مسلط ہو چکا تھا، ان کا فرض تھا کہ صرف اللہ اور اس کے رسول کی بات مانتے۔ مگر انہوں نے اس کے برخلاف جباروں اور ہٹ دھرم اعدائے خدا کی بات مانی۔ وہ لوگ جو از خود عوام پر مسلط ہو جاتے ہیں۔ ان کے پاس خدا و رسول کی کوئی صحیح دلیل نہیں ہوتی، ان کا اتباع انسانیت و اخلاق کے خلاف ہے۔ اسلام تو انسانوں کے لیے آزادیٔ فکر، اور آزادیٔ رائے اور حریتِ عمل کی راہ پیش کرتا ہے۔ جو شخص اس کی بات نہ مانے وہ غلام در غلام ہے۔ ایک اللہ کی غلامی چھوڑی تو بے شمار غلامانِ شیطان کی غلامی کا طوق گردن میں پڑ گیا۔ قوم ہودؑ اور پیغمبر (ہودؑ) کے مابین جو اختلاف تھا، اس کی توضیح ان آیات سے ہوگئی کہ یہ اختلاف اللہ کی ربوبیت واحدہ کا اختلاف تھا۔ انہوں نے ایک کی ربوبیت کو ترک کرکے کئی اور ربوبیتیں بنائی تھیں، جبکہ اللہ اور اس کے رسول کا مطالبہ یہ تھا کہ فقط اللہ وحدہٗ کی ربوبیت و دینونیت کو تسلیم کرو۔ حاکمیت اور اتباع فقط ایک اللہ کا ہو، جس کا طریقہ یہی ہے کہ اس کے رسول کا اتباع کرو۔

دعوتِ توحید کا اوّلین تقاضا

اللہ تعالیٰ نے جو یہ فرمایا کہ :" اور یہ عاد تھے، جنہوں نے اپنے رب کی آیات کا انکار کیا اور اس کے رسولوں کی نافرمانی کی، اور ہر جبار ہٹ دھرم کا اتباع کیا۔"

اس آیت میں دعوتِ دین کا اوّلین تقاضا بتایا گیا ہے کہ وہ ہے : آیاتِ رب کا اقرار کرنا اور اس کے رسول

Marfat.com

کی فرمانبرداری کرنا۔ اور جباروں، سرکشوں کی بات نہ ماننا۔ اسلام اور جاہلیت کے درمیان یہی دوراہا ہے جس کے ایک طرف اسلام اور دوسری طرف کفر ہے۔ دعوتِ توحید کا سب سے پہلا اصرار اس پر ہے کہ غیر اللہ کی عبادت و دیونت کا انکار کیا جائے۔ ان طاغی ارباب کے خلاف سرکشی کی جائے۔ شخصیت کی نفی، خرنیت سے بے نیازی، متکبر جباروں کا اتباع اسلام کے نزدیک شرک و کفر کا جرم ہے۔ جس کی سزا دنیا میں ہلاکت، اور آخرت میں عذاب ہے۔ اللہ تعالیٰ انسانوں کو آزاد پیدا کیا تاکہ صرف ایک خدا کی بندگی کریں۔ اور اس کی مخلوق میں سے کسی کی بندگی نہ کریں۔ یہ ان کی آزادی کا مقام ہے، جسے کسی طاغی یا رئیس یا لیڈر کی خاطر چھوڑنا جائز نہیں ہے، یہ انسانوں کی تکریم کی اساس ہے۔ اگر وہ اس کی حفاظت نہ کریں تو وہ اللہ کے نزدیک بے وزن ہیں۔ غیر اللہ کی عبادت کرنے والا، کسی مخلوق کی دیونت اختیار کرنے والا اپنی انسانیت کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ جابر و سرکش انسان دنیا میں بہت تھوڑے ہیں۔ اور دوسرے لوگوں کی کثرت ہے۔ لہٰذا جو یہ کہے کہ یہ غیر اللہ کی بندگی میں مجبور و معذور ہوں۔ وہ جھوٹا اور فریبی ہے۔ اگر وہ آزادی چاہیں تو اپنے آپ کو ان خود ساختہ جعلی معبودوں کے تسلط سے چھڑا سکتے ہیں۔ ضرورت صرف قربانی کی ہے۔ قربانی بھی اس سے کم ہی دینا پڑے گی، جو وہ ان جھوٹے معبودوں کی خاطر دیتے ہیں۔ وہ اس ذلت سے چھوٹ سکتے ہیں جس کا ٹیکس عزت و مال صحبت ان جھوٹے معبودوں کے لیے ادا کرتے ہیں۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے قوم عاد کی ہلاکت کا سبب یہ بیان فرمایا ہے کہ انہوں نے ہر جبار و عنید کا حکم مانا تھا۔ ان کی صرف ہلاکت پر ہی بس نہیں کی گئی۔ بلکہ دنیا و آخرت میں ان پر لعنت ڈالی گئی۔ اور پھر ان کے دفع اور دور ہونے کا یوں اعلان فرمایا گیا کہ "سن لو! قوم ہود، عاد کیلئے لعنت اور دربارِ خداوندی سے دوری ہے۔

اسلامی تحریک کی فضار کیلئے نشانِ راہ

ہود علیہ السلام کے واقعہ میں اسلامی تحریک کے ماضی، حال اور مستقبل کے لیے راستے کے نشان مقرر ہوئے ہیں۔ دعوتِ توحید ہر دور میں ایک رہی ہے۔ داعیانِ حق کا کردار بھی یکساں رہا ہے۔ اور انسانی فطرت کے انحراف کی صورتیں بھی ایک جیسی رہی ہیں،

اسلامی دعوت کی تحریک اور اس کے منازل و وقفات صرف پہلی اس اسلامی تحریک کے لیئے ہی نہ تھے جس نے ڈیڑھ ہزار برس پہلے برپا ہو کر انقلاب برپا کیا تھا، بلکہ ہر زمانے میں اس تحریک کی منازل اور راستے کے نشانات ایک جیسے رہے ہیں۔ پچھلے انبیاء کی دعوت کے ڈانڈے نبی آخر الزماں کی تحریکِ اسلامی کے ساتھ ملانے میں قرآن اپنے بارے میں یہ ثابت کرتا ہے کہ یہ ایک دائمی انقلابی دعوت کا پیغام ہے۔ اس سلسلے میں بعض اشارے ہم او پر تفسیرِ آیات میں کر چکے ہیں۔ اب ہم اس سلسلے میں ذرا تفصیلی بات کریں گے۔

دعوتِ توحید عبادت و عبودیت

ہر زمانے میں ہر جگہ رسولوں کی دعوت کا نقطۂ ابتدار یہی رہا ہے کہ عبادت و عبودیت ایک اللہ وحدہٗ کے لیئے ہے۔ ہر رسول کی پہلی دعوت یہی تھی کہ

"اے میری قوم! اللہ کی بندگی کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی الٰہ نہیں۔"

Marfat.com

اور ہم نے بار بار اللہ وحدہٗ کی عبادت کی تعبیر یہ بیان کی ہے کہ اس سے مراد ہے، اللہ وحدہٗ کی پوری اور کامل بندگی، دنیا و آخرت کے ہر معاملے میں اسی ایک معبود کی کامل و شامل عبادت و عبودیت۔ عَبَدَ کا معنی لغت میں ہے اَدَانَ وَخَضَعَ۔ جھکا اور فرماں بردار ہوا۔ وَذَلَّلَ، اور اس نے اپنے آپ کو اسی کے آگے ذلیل کیا۔ پختہ راستے کو طریق مُعَبَّد کہا جاتا ہے جس پر ہر وقت آمد و رفت رہتی ہو۔ عَبَّدَہٗ کا معنی ہے اس نے اس کو جھکنے والا اور ذلیل کیا۔ قرآن کے اوّلین مخاطب عرب تھے، وہ اس لفظ کے مدلول کو عبادتی رسوم و شعائر میں بند نہیں سمجھتے تھے، اور اسلام نے اس وقت تک ابھی تعبدی شعائر فرض بھی نہ کیے تھے۔ اس لفظ عبادت سے مراد قرآن کا مخاطب فوراً دینونت سمجھتا تھا، یعنی ہر کام میں صرف ایک خدائے واحد کی بندگی کرنا، اسی کے آگے جھکنا اور اسی کے سامنے عاجز ہونا، غیر اللہ کی ساری دینونت کو اپنی گردن سے باہر نکال پھینکنا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نص موجود ہے کہ عبادت کا معنی غیر مشروط اتباع ہے نہ کہ عباداتی شعائر و رسوم و عبادات۔ آپؐ نے عدیؓ بن حاتم سے دریافت کرنے پر یہ فرمایا تھا۔ آنحضورؐ نے اس کے سامنے آیت: اِتَّخَذُوْا اَحْبَارَھُمْ وَرُھْبَانَھُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ الخ پڑھی تو اس نے اس بات سے انکار کیا کہ یہود و نصاریٰ اپنے احبار و رہبان کو اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ بناتے تھے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ: کیوں نہیں؟ انہوں نے ان کے لیے حرام کو حلال اور حلال کو حرام کیا تو انہوں نے ان کا اتباع کیا۔ پس یہی ان کی ان کے لیے عبادت تھی۔ عبادت کا لفظ تعبدی شعائر اللہ پر اس لیے بولا گیا کہ یہ شعائر بھی اللہ کی دینونت کی صورتوں میں سے ایک صورت ہے مگر عبادت کا یہ پورا اور کامل مفہوم نہیں ہے، اور شعائرِ تعبدیہ بالتبع عبادت ہیں نہ کہ بالاصل۔ لوگوں کے ذہنوں میں جب دین اور عبادت کا مفہوم محدود رہ گیا تو انہوں نے سمجھا کہ غیر اللہ کی وہ عبادت، جس کے ساتھ لوگ اللہ کی عبادت سے نکل کر غیر اللہ کی عبادت میں داخل ہو جاتے ہیں، اسلام سے نکل کر جاہلیت میں داخل ہو جاتے ہیں، وہ فقط عباداتی رسوم و شعائر کو غیر اللہ کے آگے، مثلاً بتوں اور مورتیوں کے آگے پیش کرنا ہے اور انسان جب اس صورت کی عبادت سے بچا رہے، اسے غیر اللہ کے لیے پیش نہ کرے تو شرک و جاہلیت سے باہر ہوتا ہے، اور مسلم بن جاتا ہے، اس کی تکفیر جائز نہیں، اور اسے خون کی حفاظت، عزت و آبرو کی حفاظت اور مال کی حفاظت کے وہ تمام حقوق حاصل ہو جاتے ہیں جو ایک مسلم کا حق ہے۔

لفظ عبادت کا اصلی اور پورا مطلب

عبادت کا صرف وہ معنی سمجھنا جو اوپر بیان ہوا، وہ باطل ہے، اور اس لفظ کی ایک نامکمل اور بالکل ضمنی تعبیر ہے۔ بلکہ صحیح تر یہ ہے کہ یہ لفظ عبادت کے مطلب کو بدلنا اور بگاڑنا ہے۔ وہ عبادت جس کے ساتھ ایک مسلم اسلام میں داخل رہتا اور اس کی نفی سے اس سے خارج ہو جاتا ہے، وہ مفہوم کامل دینونت ہے جو ہر بات، اور ہر کام اور ہر حال میں اللہ کے لیے ہو، اور کسی حال میں غیر اللہ کے لیے نہ ہو۔ اہل لغت میں اس لفظ کا یہی مفہوم ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بطور نص اِتَّخَذُوْا اَحْبَارَھُمْ وَرُھْبَانَھُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ کی تفسیر میں بیان فرمایا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تفسیر کے بعد کسی اصطلاح جاری کرنے والے کو اپنی نئی اصلاح

نکالنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ لے

دین کی تحریکی حیثیت

ہم نے فی ظلال القرآن میں اور اور کتابوں میں جن کے لکھنے کی ہمیں اللہ نے توفیق دی ، دینِ حق ، اس کی فطرت اور اس کے تحریکی مزاج کے بارے میں بہت کچھ بار بار لکھا ہے۔ اب ہودؑ کا قصہ جس کو یہ سورۃ پیش کرتی ہے اس میں ہم اس قصے کا موضوع ، اور اس معرکے کا محور پاتے ہیں ، جو ہودؑ اور ان کی قوم کے درمیان تھا ، بالفاظ دیگر اسلام اور جاہلیت کے درمیان تھا۔ یہ سورت بتاتی ہے کہ جب ہودؑ اپنی قوم سے کہہ رہے تھے کہ ، یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ۔ ہودؑ کا مطلب فقط یہ نہ تھا کہ : اے میری قوم ! تم عباداتی شعائر و رسوم کو غیر اللہ کے آگے مت پیش کرو۔ یہ ان لوگوں کا خیال ہے جن کے مفہومات میں عبادت کا مدلول بہت مختصر اور مجمل ہو کر رہ گیا ہے۔ وہ عبادت کو صرف تعبدی شعائر تک محدود مانتے ہیں۔ ہودؑ کا مطلب یہ تھا کہ ساری زندگی میں ایک اللہ کا حکم اور اسی کی دینونت اختیار کرو۔ اور ہر طاغوت اور سرکش متکبر و جابر کی اطاعت و اتباع کو ساری زندگی میں سے ختم کر دو۔ اور وہ فعل جس کے باعث قوم ہودؑ تباہی و بربادی سے دوچار ہوئی وہ صرف عباداتی شعائر و رسوم کی غیر اللہ کے لیے پیشکش نہ تھی ، یہ تو شرک کی بہت سی اقسام میں سے ایک صورت ہے ، اور ہودؑ ان کو تمام شرکیہ صورتوں سے باہر نکالنا چاہتے تھے۔ جس فعل کے باعث وہ بربادی و ہلاکت سے دوچار ہوئے وہ اللہ کی آیات کا انکار اس کے رسول کی نافرمانی ، اللہ تعالیٰ کے جبار و سرکش بندوں کی اطاعت تھی ، ارشاد خداوندی ہے : وَتِلْكَ عَادٌ جَحَدُوا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَعَصَوْا رُسُلَهٗ وَاتَّبَعُوْٓا اَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ

جحودِ آیات سے کیا مراد ہے ؟

ان کا جحودِ آیات رسول کی نافرمانی میں ظاہر ہوتا تھا ، اور جباروں کے اتباع میں متمثل ہوتا تھا ، یہ دراصل ایک ہی بات تھی ، متعدد نہ تھیں۔ جب کوئی قوم اوامر الٰہی کی نافرمانی کرتی ہے ، جو اوامر کہ اس کو رسولوں کی طرف سے پہنچتے ہیں ، اور رسول وہ اوامر انہیں اللہ کی طرف سے پہنچاتے ہیں کہ تم اللہ کے سوا کسی کے آگے مت جھکو ، کسی کی اطاعت و اتباع مت کرو۔ اور وہ قوم طاغوتوں کی بات مانتی ہے تو گویا اس قوم نے اپنے رب کی آیات کی تکذیب کی اور اس کے رسولوں کی نافرمانی کی ، اور اسلام سے نکل کر شرک میں داخل ہو گئی ، اور یہ بات ہمیں اس سے پہلے معلوم ہو چکی ہے کہ اسلام ہی وہ دین تھا جس نے اس دنیا میں انسانی زندگی کو شروع کیا۔ آدمؑ جنت سے یہی دین لے کر اترے تھے ، اور اس دنیا کی خلافت سنبھالی تھی۔ اور یہی وہ دین تھا جس کو لے کر نوحؑ کشتی سے اترے تھے اور اس دنیا کی خلافت سنبھالی تھی۔ لوگ جب بھی دین سے نکل کر جاہلیت میں داخل ہوتے تھے اللہ کا کوئی رسول نئے سرے سے وہی پہلی دعوت پیش کرتا تھا اور انہیں جاہلیت سے نکال کر اسلام میں داخل

لے یہاں پر سید قطبؒ نے سید ابوالاعلیٰ مودودی امیر جماعت اسلامی پاکستان کی کتاب "قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں" پڑھنے کا مشورہ دیا ہے

Marfat.com

کرتا تھا۔ اور یہ سلسلہ آج تک جاری رہا ہے۔

حقیقت عبادت

اور واقعہ یہ ہے کہ اگر عبادت کی حقیقت صرف تعبدی شعائر ہی تھے تو اس کے لیے بزرگ رسولوں کے جلوس کی اور ان ساری رسالتوں کی ضرورت نہ تھی، نہ اس شدید محنت اور جدوجہد کی ضرورت تھی جو اللہ کے ان بزرگ رسولوں نے کی، اور اس راہ میں ناگفتہ بہ تعذیبات اور تکلیفات برداشت کیں جو انسانی تاریخ میں ان لوگوں کی طرف سے ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی۔ داعی اور مومن اس سلسلے میں جن حالات سے دوچار ہوتے ہیں، وہ تاریخ کا حصہ بن چکے ہیں۔ یہ بے پناہ قربانیاں صرف اسی مقصد کی خاطر کی گئیں کہ انسان کو بندوں کی اطاعت سے، غیر اللہ کی دینونت واتباع سے نکالا جائے۔ اور انسانوں کی پوری زندگی میں ان کو صرف اللہ وحدہ کے اوامر ونواہی کا پابند بنایا جائے، زندگی کی ہر بات میں صرف اللہ کا حکم نافذ کیا جائے۔

ہمہ جہتی توحید

جس مقصد کے لیے یہ سب رسول بھیجے گئے، اتنی محنت ہوئی، اتنی قربانیاں دی گئیں، وہ یہ توحید تھی، جس کا اظہار زندگی کے مختلف حصوں میں اور حیات کے تمام شعبوں میں ہوتا ہے۔ توحید الوہیت، توحید ربوبیت، توحید قوامیت، توحید حاکمیت، توحید مصدر شریعت، توحید منہج حیات، زندگی کی تمام شئون واحوال میں خدائے واحد کا حکم ماننا۔ اور اس ضمن میں زندگی کو ایک یونٹ ماننا۔ اللہ تعالیٰ اس بات کا محتاج نہیں ہے کہ بندے اس کو واحد مانیں، بلکہ انسانی زندگی اس کے بغیر درست ہی نہیں ہوتی کہ اس توحید پر ایمان لایا جائے، اور اس کے مذکورہ تمام پہلوؤں سمیت اسے دل سے مانا جائے۔ انسانی زندگی فقط اس وقت "انسانی" بنتی ہے جب اس کے ہر پہلو میں یہ توحید جاگزیں ہو جائے۔

ایمانی اقدار اور زندگی کی واقعاتی اقدار کا باہمی تعلق

یہ سورۃ بتاتی ہے کہ ہودؑ نے اپنی قوم سے فرمایا:

"اور اے میری قوم! اپنے رب سے استغفار کرو، پھر اس کی طرف توبہ کرو، وہ تم پر موسلا دھار بارش بارش برسائے گا اور تمہاری قوت میں اضافہ کرے گا۔ اور تم مجرموں کی حیثیت سے منہ مت پھیرو!"

یہ وہی حقیقت ہے جس کا ذکر سورت کے مقدمہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی قوم کو دعوت دینے کے سلسلے میں ہو چکا ہے، بسلسلہ کتاب کریم جس کی آیات محکم ہیں اور حکیم وخبیر کی طرف سے ان کی تفصیل کی گئی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ:۔

لہ یہ مضمون مفصل ہماری ان کتابوں میں بیان ہوا ہے: معالم فی الطریق، خصائص التصور الاسلامی و مقوماتہ، ہذا الدین، المستقبل لہذا الدین، الاسلام ومشکلات الحضارۃ، العدالۃ الاجتماعیۃ، السلام العالمی والاسلام ۱۲

Marfat.com

"اور یہ کہ تم اپنے رب سے استغفار کرو، پھر اس کی طرف توبہ کرو، وہ ایک مقررہ مدت تک تم کو اچھا سامان بخشے گا، اور ہر فضیلت والے کو اس کا پھل دے گا۔ اور اگر تم منہ پھیرو تو مجھے تم پر ایک بڑے دن کے عذاب کا خوف ہے۔"

یہ حقیقت دراصل ایمانی اقدار کے مابین، اور انسانی زندگی میں واقعاتی و عملی اقدار کے درمیان تعلق کی حقیقت ہے۔ فطرتِ کائنات اور اس کے کلی قوانین اس حق کے ساتھ متفق اور ہم آہنگ ہیں جسے اسلام نے پیش کیا ہے۔ اس حقیقت کو اُجاگر اور قائم کرنے کی بہت ضرورت ہے۔ بالخصوص ان لوگوں کے دلوں میں زیادہ ضرورت ہے جو صرف ظاہری دنیوی زندگی کو جانتے ہیں، جن کی ارواح صیقل نہیں ہوتیں۔ اور اتنی صاف و شفاف نہیں ہوتیں جو اس نقص کو دیکھ سکیں یا کم از کم محسوس کر سکیں۔

حق واحد ہے خواہ کہیں ہو

دینِ اسلام کا پیش کردہ حق اس حق سے جدا نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ کی اُلوہیت میں متمثل ہے اور وہ حق جس کے ساتھ کائناتِ ارضی و سماوی کو پیدا کیا گیا ہے۔ یہی وہ حق ہے جو کائنات کی طبیعت میں اور ازلی قوانین میں تجلی کر رہا ہے۔ قرآن مجید اُلوہیتِ الٰہی میں متمثل ہونے والے حق کو اس کے ساتھ مربوط کرتا ہے جس کے بل پر زمین و آسمان قائم ہیں۔ اور وہ حق جو اللہ وحدہٗ کی ربوبیت میں جلوہ گر ہے، اور وہ حق جو قیامت کے دن ایک خاص رنگ میں ظاہر ہوگا، اور وہ حق جو دُنیا و آخرت میں نیکی کی جزاء اور بدی کی سزا میں ظاہر ہوگا۔ اور اس حق کا اعلان قرآن مجید کی ان آیات میں ہوا ہے:-

معرکۂ حق و باطل

"اور ہم نے آسمان و زمین کو اور ان کے درمیان کی چیزوں کو کھیل تماشے کے طور پر پیدا نہیں کیا، اگر ہم لہو کو اختیار کرنا چاہتے تو اپنی طرف سے اختیار کرتے، اگر ہمیں ایسا کرنا ہوتا۔ بلکہ ہم حق کو باطل پر پھینکتے ہیں، اور حق اس کو بھسم کر دیتا ہے اور وہ ختم ہو جاتا ہے، اور تمہارے لیے نہایت افسوس ہے ان اوصاف پر جو تم بیان کرتے ہو۔ اور اسی کا ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہے، اور جو اس کے پاس ہیں وہ اس کی عبادت سے تکبر نہیں کرتے اور نہ تھکتے ہیں، وہ دن رات تسبیح پڑھتے ہیں، کمزور نہیں پڑتے۔ کیا ان لوگوں نے زمین سے خدا بنا لیے ہیں جو ان کو اٹھائیں گے۔ اگر کائنات میں اللہ کے سوا اور معبود ہوتے تو زمین و آسمان میں فساد مچ جاتا سو اللہ پاک ہے عرش کا رب ان اوصاف سے جو یہ بیان کرتے ہیں۔ اس سے نہیں پوچھا جا سکتا اس سے جو وہ کرتا ہے اور لوگوں کو پوچھا جائے گا۔ کیا انہوں نے اس کے سوا معبود بنا لیے ہیں؟ تُو کہہ کر لاؤ اپنی دلیل، یہ بیان ہے ان کا جو میرے ساتھ ہیں اور ذکر ہے پہلوں کا، بلکہ ان میں سے اکثر نہیں جانتے کہ حق کیا ہے۔ لہٰذا منہ پھیر لیتے ہیں، اور تجھ سے پہلے ہم نے کوئی رسول نہ بھیجا، مگر ہم اس کی طرف وحی کرتے تھے کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں، لہٰذا صرف

Marfat.com

میری عبادت کرو۔" (الانبیاء ۱۶ ——— ۲۵)

بعثت کی دلیل برحق

"اے لوگو! اگر تم اٹھائے جانے کے متعلق شک میں ہو تو ہم نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا، پھر نطفہ سے، پھر بستہ خون سے جو پیدا کیا ہوا اور (کبھی) نہ پیدا کیا ہوا ہوتا ہے تاکہ ہم تجھ پر واضح کریں۔ اور ہم ارحام میں جب تک چاہیں ٹھہرائے رکھتے ہیں ایک مقررہ مدت تک۔ پھر ہم تمہیں بچہ بنا کر نکالتے ہیں، پھر تم اپنی جوانی کو پہنچتے ہو۔ اور تم میں سے بعض کو قبض کیا جاتا ہے، اور بعض کو بہت گھٹیا عمر کی طرف لوٹایا جاتا ہے تاکہ علم کے بعد کچھ بھی نہ جانے اور تو زمین کو بنجر دیکھتا ہے، تو جب ہم اس پر پانی برساتے ہیں تو وہ سرسبز و شاداب ہوتی اور تازہ ہو جاتی ہے، اور ہر قسم کے خوشنما جوڑے اگاتی ہے، یہ اس لیے کہ اللہ ہی برحق ہے، اور وہی مُردوں کو زندہ کرے گا۔ اور وہی ہر چیز پر قادر ہے۔ اور بلاشبہ قیامت آنے والی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں اور اللہ قبروں والوں کو اٹھائے گا۔" (الحج ۵۱ ——— ۷)

تاکہ اہل علم جان لیں

"اور تاکہ اہل علم جان لیں کہ وہ برحق ہے تیرے رب کی طرف سے، اور ان کے دل اس کے لیے عاجز ہیں، اور بلاشبہ اللہ ایمانداروں کو سیدھی راہ کی طرف راہنمائی کرنے والا ہے، اور منکر برابر اس کی طرف سے شک میں رہیں گے حتیٰ کہ قیامت اچانک ان پر آجائے، یا ایک بانجھ دن کا عذاب ان پر آجائے، بادشاہت اس دن اللہ ہی کی ہے، وہ ان میں فیصلہ کرے گا۔ پس جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے وہ نعمتوں کے باغوں میں ہوں گے۔ اور جن لوگوں نے کفر کیا، اور ہماری آیات کی تکذیب کی تو ان کے لیے رسوا کن عذاب ہے، اور جنہوں نے ہجرت کی اللہ کی راہ میں، پھر وہ قتل ہوئے یا مر گئے، تو اللہ ان کو بالضرور اچھا رزق دے گا۔ اور بلاشبہ اللہ ہی بہتر رزق دینے والا ہے۔ ان کو وہ ضرور ایسی جگہ داخل کرے گا جس کو وہ پسند کریں گے، اور بلاشبہ اللہ ہی بہت عالم ہے، بہت بُردبار ہے۔ یہ تو ہُوا، اور جس نے بدلہ لیا اس طرح جس طرح کہ اس کو سزا دی گئی، پھر اس پر زیادتی کی گئی تو اللہ بالضرور اس کی مدد کرے گا۔ بے شک اللہ ضرور ہی بہت بخشنے والا ہے، بہت معافی دینے والا ہے۔ یہ اس لیے کہ اللہ رات کو دن میں داخل کرتا ہے، اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور بلاشبہ اللہ بہت سُننے والا ہے، بہت دیکھنے والا ہے۔ یہ اس لیے بلاشبہ اللہ ہی برحق ہے اور جن کو وہ اس کے سوا پکارتے ہیں، وہ باطل ہے، اور بلاشبہ اللہ ہی بہت بلند ہے بہت بڑا ہے۔ کیا تو نے دیکھا نہیں کہ اللہ نے آسمان سے پانی اُتارا، تو زمین سرسبز ہو جاتی ہے۔ بلاشبہ اللہ ہی بہت باریک بین ہے، بہت خبردار ہے۔ اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور

Marfat.com

جو کچھ زمین میں ہے، اور بلا شبہ اللہ ہی غنی ہے لائق تعریف ہے۔ کیا تو نے دیکھا نہیں کہ اللہ نے مطیع کیا تمہارے لیے جو زمین میں ہے۔ اور جہاز سمندر میں اس کے حکم سے چلتے ہیں، اور وہ روکتا ہے آسمانوں کو کہ مبادا زمین پر گر جاتے، مگر اسی کے حکم سے۔ بے شک اللہ لوگوں پر بہت شفقت کرنے والا ہے بہت مہربان ہے۔ اور وہ وہی ہے جس نے تم کو زندہ کیا۔ پھر تمہیں مارے گا۔ پھر تمہیں زندہ کرے گا۔ بلا شبہ انسان بڑا ناشکرا ہے۔ ہر امت کے لیے ہم نے ایک طریقۂ عبادت بنایا ہے جس کو وہ اختیار کرتے ہیں، پس وہ تجھ سے اس معاملے میں جھگڑا نہ کریں اور تو اپنے رب کی طرف بلا، بلا شبہ تو سیدھی ہدایت پر ہے۔ (الحج ۶۴ ــــ ۶۷)

اللہ برحق ہے اس کی کائنات بھی برحق ہے

اس طرح تم قرآن کی ان نصوص میں اور ان جیسی اور آیات میں اللہ تعالیٰ کا برحق ہونا، اس کائنات کو برحق پیدا کرنا، کائنات کے قوانین کے مطابق اس کی تدبیر کرنا اور اس کی مشیئت کا برحق ہونا۔ واضح طور پر دیکھو گے۔ اور کائنات کے ظواہر کے درمیان جو حق کے ساتھ تام ہوتی ہیں۔ اور کتاب اللہ کے برحق کرنے کو اور لوگوں کے اندر دنیا اور آخرت میں برحق فیصلہ کرنے کو پاؤ گے۔ ہر جگہ حق ہی حق ہے، اور حق ہر جگہ ایک ہے، اور اس سے اللہ کی تقدیر و مشیئت کا جاری ہونا اور نفاذ نکلتا ہے۔ اور اللہ ہی کی مشیت سے کائنات کی خیر و شر کی قوتیں جس پر وہ چاہے اور جتنی اور جہاں چاہے، ظاہر ہوتی ہیں۔ اس دارالابتلاء میں اسی کے مطابق انسانوں کے خیر و شر کا صدور ہوتا ہے۔ اور یہیں سے توبہ و استغفار میں، اور آسمان سے موسلا دھار بارش برسانے میں ربط سمجھ میں آتا ہے۔ یہ سب کچھ ایک ہی مصدرِ حق سے ملا ہوا ہے جو اللہ عزّوجلّ کی ذاتِ برحق ہے۔ اور اس کی قضا و قدر کا کائناتِ ارضی و سماوی کے ساتھ بھی ربط و تعلق ہے۔ اور اس کی تدبیر و تصریف اور حساب اور جزا و سزا میں خواہ خیر میں ہو یا خواہ شر میں۔

ایمانی اقدار اور عملی اقدار

اور اسی ارتباط سے واضح ہو جاتا ہے کہ ایمانی اقدار انسانوں کی زندگی کی عملی اقدار سے جدا نہیں ہیں، زندگی میں دونوں کا اثر ہوتا ہے، چاہے اللہ تعالیٰ کی غیبی تقدیر کی راہ سے ہو جو انسانی علم و عمل کے پیچھے عالمِ اسباب میں کار فرما ہے۔ یا ان نظر آنے والے عملی آثار کی راہ سے ہو۔ جن کا دیکھنا اور ضبط کرنا انسان کے لیے ممکن ہے یعنی وہ آثار جن کو ایمان یا عدمِ ایمانی انسان زندگی میں پیدا کرتا ہے، اس سے مراد وہ نتائج ہیں جن کو محسوس کیا جا سکے اور جن کا ادراک کیا جا سکے۔

واقعاتی عملی زندگی کے آثار کی مثال

ہم نے ایک بار ان میں سے بعض آثار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ خدائی منہج کے کسی معاشرے میں غالب اور برسرِ کار ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ہر مزدور کو اس کی عادلانہ مزدوری ملے، اور ہر فرد کو امن و سکون اور

اجتماعی استقرار نصیب ہو جائے جو ایمانی و قلبی امن و سکون اور استقرار سے بالاتر ایک اور چیز ہے۔ اور اس سبب کا تقاضا و نتیجہ یہ ہے کہ انسانوں کو آخرت کی جزاء سے قبل اسی دنیا میں متاع حسن مل جائے۔ ارشادِ الٰہی ہے کہ مومنوں کی دعا یہ ہے، رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّ فِی الاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ

اور اسی بارے میں ایک بار ہم نے یہ کہا تھا کہ کسی معاشرے میں صرف اللہ وحدہ کے آگے جھکنے (اس کی بندگی) کا مطلب یہ ہے کہ انسانی کوشش اور طاقت ان لغو اور بے فائدہ چیزوں میں صرف نہ ہو۔ ڈھول بجانا، ناچ پیٹنا، سارنگی بجانا اور طبلے کی تھاپ، چونکیں مارنا اور بڑبڑانا، تبت گانا، رقص و سرور، جو جھوٹے خداؤں کے اردگرد کیا جاتا ہے، تاکہ ان معبودانِ باطل کو بندوں کی گردنیں ان کے آگے جھکنے کے لیے بعض خدائی خصائص کی خلعت پہنائی جائے۔ اور اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کوششوں اور محنتوں کو زمین کی آبادی، تعمیر اور ضروری زینت و رونق میں صرف کیا جائے۔ تاکہ خلافت فی الارض کا مقصد پورا ہو سکے، اور انسانوں کو عزت و آبرو حریت و مساوات اور سکون و اطمینان کی دولت کے علاوہ وافر حصہ مہیا ہو سکے۔ یہ چیزیں فقط بندگی الٰہی کے سائے میں میسر آتی ہیں (بندگی اپنے تمام و کمال مفہوم میں) یہ ایمان کے کچھ تھوڑے سے پھل ہیں جو اس کی حقیقت کے سائے مل سکتے ہیں۔ اس پر مزید گفتگو انشاء اللہ تعالیٰ پیغمبروں کے واقعات کے بعد ہوگی۔

ہودؑ کا ان کی قوم کے ساتھ کھلا مقابلہ

حضرت ہودؑ نے قوم کو جو کھلی تحدی کی تھی، جس طرح ان کی غیرت کو للکار کر مطالبہ کیا تھا کہ اپنے بیکار اور نفع و نقصان سے عاری معبودانِ باطل کو مجھے نقصان پہنچانے کے لیے سامنے لے آؤ، میں ان سے ہرگز نہیں ڈرتا۔ وہ لاشئ محض ہیں۔ ان کے ہاتھ میں کچھ بھی نہیں اور میں اسی باعث پورے اعتماد کے ساتھ تم سے کہتا ہوں کہ اگر ہمت ہے تو سامنے آؤ اور اپنے خداوندانِ باطل کو بھی لے آؤ۔ میں اللہ کو گواہ ٹھہراتا ہوں، اور تم بھی گواہ رہو کہ میں تمہارے شرک اور شریکوں سے قطعی بیزار ہوں۔ میرا بھروسہ اللہ وحدہ پر ہے جو میرا اور تمہارا اور ساری کائنات کا رب ہے۔ ہر جاندار اس کے قبضے میں ہے۔ اگر تم باز نہیں آتے تو عذاب سے برباد ہو جاؤ گے۔ اور اللہ تعالیٰ تمہارے سوا کسی اور قوم کو پیدا کر دے گا۔

ہودؑ کے اعتماد علی اللہ اور اپنی کامرانی کے یقین کو دنیا بھر کے اصحاب دعوت کے لیے نمونہ بنایا جا سکتا ہے۔ ایک اکیلا شخص ہے جس کے ساتھ اس کے صرف چند مومن ساتھی ہیں۔ وہ زمین کے سب سے بڑے نافرمان، اکھڑ، وحشی اور جاہل لوگوں کو، جو اپنے زمانے میں مادی حضارت اور قوت و شوکت کا بھی اعلیٰ نمونہ پیش کرتے تھے۔ وہ فرد اوران عظیم، قوی، متکبر انسانوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کس برتے پر چیلنج کر رہا ہے محض اللہ کی مدد اور اس کی نگرانی اور حفاظت کے بھروسے پر، ایک جگہ سورہ شعراء میں (۱۲۳ــــ۱۳۹) اس صورتِ حال پر یوں روشنی ڈالی گئی ہے:۔

"قومِ عاد نے رسولوں کی تکذیب کی (ایک رسول کی تکذیب سب کی تکذیب ہے) جبکہ ان کے لیے ان کے بھائی ہودؑ نے کہا: تم کیوں خدا سے نہیں ڈرتے؟ بلاشبہ میں تمہارے لیے امانتدار رسول ہوں۔ سو تم اللہ سے ڈرو، اور میری بات مانو، اور میں سے کوئی اجر نہیں مانگتا، میرا

Marfat.com

اجر تو رب العالمین پر ہے ۔ کیا تم ہر ٹیلے پر ایک نشانی بنا لیتے ہو کہ اسے عبث استعمال کرو اور تم کارخانے بناتے ہو کہ شاید تم ہمیشہ رہو گے ۔ اور جب تم گرفت کرتے ہو تو جباروں کی مانند گرفت کرتے ہو ۔ پس تم اللہ سے ڈرو ، اور میری بات مانو ۔ اور اس اللہ سے ڈرو ، جس نے تمہیں وہ امداد دی جو تم جانتے ہو ۔ اس نے چار پایوں اور بیٹوں سے اور باغوں اور چشموں سے تمہاری مدد کی ۔ مجھے تم پر ایک بڑے دن کے عذاب کا خوف ہے ۔ انہوں نے کہا کہ ہم پر برابر ہے کہ تم نصیحت کرو یا تم نصیحت کرنے والوں میں سے نہ ہو ۔ یہ تو پہلوں کا طریقہ ہے ۔ اور ہم معذب نہ ہوں گے ۔"

سو یہ تھے نافرمان ۔ زبردست ۔ جابر ، جو لوگوں پر رحم کے بغیر گرفت کرتے تھے ۔ اور نعمت نے انہیں مغرور کر دیا تھا ۔ اور کارخانے بنا کر یہ امید رکھتے تھے کہ لمبی زندگی اور ہمیشہ کی زندگی پائیں گے ، یہی تھے ، وہ لوگ جن کا مقابلہ ہودؑ سے ہوا تھا ۔ اس مقابلے میں ایک مومن کی شجاعت ، سرفرازی ، بھروسہ اور اطمینان پایا جاتا تھا ۔ اس نے ان کے ساتھ یہ فیصلہ کن حتمی طریقہ اختیار کیا ، درآنحالیکہ وہ اس کی اپنی قوم تھی ، مگر معاملہ دین و عقیدے کا تھا ۔ اس نے انہیں چیلنج کیا کہ وہ اسے مہلت دیئے بغیر اس کے خلاف خفیہ تدابیر اختیار کریں اور جو کچھ ان کے بس میں ہے کر گزریں ۔ وہ کسی حال میں بھی ان کی پروا نہیں کرتا ۔ ہودؑ کا یہ موقف قوم کی کامل خیر خواہی اور حسب وسعت وعظ و خطاب کے بعد بنا تھا ۔ اس نے انہیں پیار سے سمجھایا ، حد سے زیادہ خیر خواہی کا اظہار کیا ۔ انہیں تکبر و غرور اور عناد و عتو کے انجام سے خبردار کر دیا ۔

حقیقت کی معرفت

ہود علیہ السلام نے یہ فیصلہ کن موقف اس بنا پر اختیار کیا کہ انہیں اپنے پروردگار کی صحیح حقیقت حاصل تھی ۔ وہ ان مغرور و متکبر جابروں کو ڈھور ڈنگر سمجھتا تھا اور اس کو یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ ہر جاندار پر قابض ہے ، اس کی پیشانی کے بال قابو میں لانے والا ہے ۔ لہٰذا اسے ان جانوروں کی پروا نہ تھی ، ان کی بیدائش اللہ کے قبضے میں تھی ۔ جو کچھ ان کو دیا تھا وہ اللہ نے دیا تھا ۔ مال و اولاد ، صحت و طاقت ، شان و شوکت ، یہ سب اللہ تعالیٰ کی دین ہے ، بندے کی ذاتی قابلیت اور "حق" کا اس میں کوئی دخل نہیں ، یہ تو ابتلاء ہے ۔ اللہ جس قوم کو چاہے نابود کر دے ، اور اس کے بجائے کسی اور قوم کو دنیا میں لے آئے ۔ اس سے یہ عبرت حاصل ہوتی ہے کہ دعوت الی اللہ کا کام کرنے والوں کو اپنے دلوں میں اپنے پروردگار کی حقیقت اچھی طرح پا لینی چاہیے ، تاکہ جاہلیت کے سامنے پوری قوت و استعلاء کے ساتھ کھڑے ہو سکیں ۔ مادی قوت بظاہر عظیم نظر آتی ہے ، مگر حقیقت میں کچھ نہیں ہے صناعت کی قوت ، مال کی طاقت ، کثرت اولاد کی طاقت حقیقت سب کو جان لینے والوں کے آگے کچھ نہیں ہے ۔ انسانی علم کی قوت ۔ نظام اور تیاری اور تجربے کی قوت الٰہی قوت کے آگے کچھ نہیں ہے ۔ ہر جاندار کی پیشانی اللہ رب العالمین کے ہاتھ میں ہے ۔ انسان خواہ کتنا طاقتور ، عاقل و فرزانہ ، علم و فضل کا مالک کیوں نہ ہو ، اللہ کی طاقت کے آگے اس کی حیثیت ڈھور ڈنگر سے زیادہ نہیں ہے ۔ جب اصحاب دعوت اس مقام پر فائز ہوں گے تو ایک قوم (ان کی اپنی قوم) دو امتیں بن جائے گی ، ایک امت وہ جو اللہ وحدہٗ

Marfat.com

کے آگے جھکنے والی ہوگی اور اس کے سوا ہر ایک کی دینونت کو پرے پھینک دے گی۔ اور دوسری اُمت اللہ کے سوا ارباب اختیار کرنے والی اور اس کے سامنے مخالفانہ طور پر کھڑی ہونے والی ہوگی۔ اور جب یہ کامل فاصلہ اور فیصلہ متحقق ہوگا اس وقت اللہ کی مدد اس کے دوستوں کو حاصل ہوگی۔ اس وقت وہ حق کے دشمنوں کو برباد کرے گا۔ اس کی بربادی کی صورت کبھی تو محسوس ہوتی ہے اور کبھی غیر محسوس۔ تاریخ دعوت الی اللہ میں جب تک اللہ کے دوستوں اور دشمنوں میں کامل جدائی نہ ہو جائے، اور جب تک اللہ کے دوست عقیدے کی بنیاد پر صرف اللہ وحدہٗ کو اختیار نہ کرلیں۔ کامل طور پر حزب اللہ نہ بن جائیں۔ ان کا اعتماد فقط ذاتِ خداوندی پر نہ ہو، اور وہ صرف اسی کو اپنا حامی و ناصر نہ قرار دے لیں۔ اللہ اپنے دوستوں اور دشمنوں میں فاصلہ وامتیاز نہیں فرماتا۔ اور جب یہ فیصلہ ہو جاتا ہے تو اللہ کی مدد اس کے اولیاء کے لیے بالضرور نازل ہوتی ہے۔

حضرتِ صالحؑ اور ثمودؑ کا قصہ ✓

قصۂ ہودؑ سے فراغت کے بعد اب ہم ثمود اور ان کے نبی صالح علیہ السلام کے قصے کی طرف آتے ہیں فرمایا کہ:-

"اور ثمود کی طرف ان کے بھائی صالحؑ کو بھیجا، اس نے کہا: اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے۔ اسی نے تم کو زمین سے نکالا۔ اور تم کو اس میں آباد کیا، پس تم اس سے استغفار کرو، پھر اسی کی طرف توبہ کرو، بلاشبہ میرا رب قریب ہے، مجیب ہے۔ انہوں نے کہا: اے صالح! تجھ پر تو ہمیں اس سے پہلے بہت اُمیدیں تھیں۔ کیا تو ہمیں اس بات سے روکتا ہے کہ ہم ان کی عبادت کریں جن کی عبادت ہمارے باپ دادا کرتے تھے؟ اور ہم تو اس چیز کے بارے میں بہت بڑے شک کا شکار ہیں جس کی طرف تو ہمیں بلاتا ہے۔ اس نے کہا: اے میری قوم! بھلا یہ تو دیکھو کہ اگر میں اپنے رب کی طرف سے کھلی دلیل پر ہوں، اور وہ مجھے اپنی طرف سے رحمت عطا کرے تو اگر میں اس کی نافرمانی کروں تو کون ہے جو اللہ کے مقابلے میں میری مدد کر سکے گا؟ پس تم تو نقصان کے سوا مجھے اور کسی بات میں نہ بڑھاؤ گے۔ اور اے میری قوم! یہ اللہ کی اونٹنی ہے جو تمہارے لیے ایک معجزہ ہے۔ سو تم اس کو چھوڑ دو کہ یہ اللہ کی زمین میں کھائے اور اس کو برائی کے ساتھ مت چھوؤ، ورنہ تم کو ایک قریب کا عذاب پکڑے گا۔ سو انہوں نے اس کی ٹانگیں کاٹ دیں تو اس نے کہا: فائدہ اٹھاؤ تم اپنے علاقے میں تین دن تک یہ ایک وعدہ ہے جو جھوٹا نہیں ہے۔ پھر جب ہمارا حکم آیا تو ہم نے صالحؑ کو اور اس کے ساتھیوں کو، جو ایماندار تھے، نجات دے دی اپنی رحمت کے ساتھ، اور اس دن کی رسوائی سے، بلاشبہ تیرا رب ہی بڑا طاقتور ...... بڑا غالب ہے۔ اور آ پکڑا ان ظالموں کو چیخ نے تو ہو گئے وہ اپنے گھروں میں گھٹنوں کے بل اوندھے، گویا کہ وہ ان میں کبھی نہ رہے تھے۔ سُن

Marfat.com

لوکہ ثمود نے انکار کیا اپنے رب کا، سُن لوکہ ثمود کے لیے لعنت ہے"۔

غیر مُتبدل دائمی تعلیم

صالحؑ کا یہ قول کہ "اے میری قوم! اللہ ہی کی عبادت کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں" کی تعلیم میں اور رسولوں کی دعوت میں ایک غیر متبدل کلمہ ہے، اسی طرح "سو تم اس سے استغفار کرو، پھر اسی کی طرف توبہ کرو" یہ بھی ایک غیر متبدل راستہ ہے۔ اور اس کے بعد حقیقتِ الوہیت کا اعلان جسے نبی اپنے دل کی گہرائیوں میں پاتا ہے کہ: "بلاشبہ میرا رب قریب ہے، مجیب ہے"۔ پھر صالحؑ نے انہیں یاد دلایا کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو زمین سے پیدا کیا۔ (یعنی آدمؑ کی پیدائش مٹی سے ہوئی۔) اور یہ بتایا کہ تمہارے افراد کی جسمانی نشو و نما زمینی غذا سے ہوتی ہے۔ وہی عناصر تمہاری نشو و نما کے بھی ہیں جو تمہاری جسمانی تکوین کے تھے۔ اور پھر زمین ہی سے پیدا ہونے اور اسی سے نشو و نما پانے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے تمہیں زمین کا حاکم بنایا تاکہ تم اس کی تعمیر کرو۔ تمہاری جنس کو بھی یہ فضیلت بخشی۔ اور بعض قوموں کے دنیا سے اٹھائے جانے کے بعد تمہاری قوم کو۔ اور تمہارے اشخاص کو اللہ تعالیٰ نے پہلوں کا خلیفہ ٹھہرایا۔ لیکن افسوس کہ تم اس کے باوجود شرک وکفر میں مبتلا ہو۔ لہٰذا اپنے گناہوں کی معافی مانگو، اور توبہ کرو۔ صالحؑ نے اللہ تعالیٰ کے لیے پہلے تو رب کا لفظ بولا۔ اور پھر قریب اور مجیب کے دو لفظ استعمال کیے۔ جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے مقدس قلب میں ذاتِ الٰہی اور اس کی صفاتِ کمالیہ کی کیا حقیقت تھی؛ ان الفاظ میں اُنس، مودّت اور محبت پائی جاتی ہے جو بندے کو اپنے رب کے قریب اور متصل کرتی ہے۔ اور پھر انہی صفات کا اثر تو سننے والوں پر پڑتا ہے۔ اللہ کے قرب و وصال کا اثر پیغمبرؑ کے قلبِ مبارک پر پڑا، اور آپؑ کے قلبِ صافی کا اثر سننے والوں پر ہونا لازم تھا۔ مگر اس قوم کے دل اتنے بجھے ہوئے، اتنے غلیظ و فاسد اور اس قدر بند تھے کہ نہ تو ان پر پیغمبرِ وقت کے جمال و جلال کا اثر پڑا اور نہ اس کے اس نرم و ملائم قول کا ان پر کوئی اثر ہوا۔ انہوں نے یہ سمجھا کہ صالحؑ ہم سے ایک ایسی بات کہہ رہا ہے جس کی ہمیں اس سے توقع نہ تھی۔

ہمیں تو تجھ سے بڑی اُمیدیں تھیں!

وہ اپنے بھائی صالحؑ کے بارے میں بہت سے اوہام و ظنون کا شکار ہوئے اور بولے: "اے صالحؑ، تجھ سے تو ہمیں اس سے پہلے بہت اُمیدیں تھیں (مگر ان سب کے برخلاف) کیا تو ہمیں اس بات سے روکتا ہے کہ ہم ان کی عبادت کریں جن کی عبادت ہمارے باپ دادا کرتے تھے اور ہمیں تیری دعوت کے بارے میں بہت گہرے شکوک ہیں"۔

ہمیں تجھ سے بہت اُمیدیں تھیں، تو ہماری قوم کا گلی سر ستید تھا۔ اپنے علم و عقل، تدبیر اور صدق کے باعث ساری قوم کی اُمیدیں تجھ سے وابستہ تھیں۔ پھر تو ہمارے لیے ایک کمر توڑ بات ہے کہ تو ہمیں ہمارے بزرگوں کے معبودوں سے منع کرنے لگا۔ ہمیں یہ اُمید نہ تھی کہ تو ایسی بات کہے گا۔ افسوس تیرے متعلق ہماری سب اُمیدیں بیکار گئیں، اور تیری بات کے بارے میں ہم بہت بڑے شک کا شکار ہیں۔ تو جو دعوت ہمیں

دے رہا ہے یہ تو ہماری ساری توقعات کے خلاف ہے۔ ہم یہ ہرگز نہ سوچ سکتے تھے کہ تمہاری زبان سے اس قسم کے الفاظ ادا ہوں گے۔

تعجب پر تعجب

جن لوگوں کے عقلی دین، مصنوعی خداؤں، طفلانہ عقائد و اعمال پر انسانیت کو حیرت ہے، وہ صالحؑ اور ان کی دعوت پر اظہار تعجب کرتے ہیں۔ سبحان اللہ، کیا الٹی گنگا بہ رہی ہے۔ جو بات ان کے لیے واجب اور برحق تھی، اس کو نظر انداز کرنے کا یہ بڑا انوکھا ڈھنگ تھا۔ وہ اس بات پر دہشت زدہ رہ گئے کہ ان کا قومی بھائی صالحؑ۔ جو کل تک ان کی امیدوں کا واحد مرکز تھا، انہیں اللہ وحدہ کی عبادت کی طرف بلا رہا ہے کسی دلیل و حجت یا غور و فکر کی بنا پر یہ حیرانی نہ تھی، بلکہ محض اس لیے کہ ان کے آباؤ اجداد ان بتوں کی پوجا کرتے تھے۔ ان لوگوں کی سنگ دلی یہاں تک پہنچ گئی کہ حق مبین پر تعجب کرتے تھے، اور عقائد کو آباء کے فعل پر مبنی کرتے تھے۔ اور یوں ایک، دو، تین بار یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ عقیدۂ توحید جب خالص ہو تو وہ کامل آزادی اور سچی آزادی کی دعوت ہے۔ اور انسانی عقل کے لیے آباؤ اجداد کی اندھی تقلید سے آزادی کا پیغام ہے۔ اور وہم و خرافات جن کا تعلق کسی دلیل سے نہیں ہوتا، اس سے آزادی کی دعوت ہے۔

قوم صالحؑ اور قوم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مشابہت

قوم صالح کا یہ قول کہ "تجھ سے تو اس سے قبل ہماری بہت سی امیدیں وابستہ تھیں" ہمیں قریش سے اسی عہد سے اور اعتماد کی یاد دلاتا ہے جو قریش کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت پر تھا کہ وہ آپؐ کو صادق و امین کہتے تھے، آپؐ سے پیار کرتے تھے، آپؐ کا احترام کرتے تھے۔ لیکن جب آپؐ نے ان کو اللہ کی ربوبیت کی طرف بلایا تو وہ اسی طرح بیگانہ ہو گئے جس طرح قوم ثمود حضرت صالحؑ سے ہو گئی تھی۔ اور انہوں نے آنجنابؐ کو جادوگر، مفتری و شاعر کہنا شروع کر دیا۔ اور اپنے پہلے وثوق و اطمینان کو بالائے طاق رکھ دیا۔ سچ کہا ہے کہ تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے۔ انسانی فطرت بھی ایک ہے اور تاریخی روایت بھی واحد ہے جو صدیوں اور عصور و دھور کے ساتھ تکرار سے کر رہتی رہتی ہے۔

رسول کے پاس بینہ تھی اور قوم کے پاس اوہام و خرافات

صالح علیہ السلام نے اپنے بزرگ، مورث اعلیٰ نوح علیہ السلام کی مانند ڈنکے کی چوٹ اعلان فرمایا کہ "اے میری قوم! ذرا یہ تو دیکھو کہ اگر میں اپنے رب کی طرف سے بیّنہ (واضح دلیل) پر ہوں، اور میرے پاس اس کی رحمت (وحی) آئی ہے۔ تو اگر میں اس کی نافرمانی کروں گا تو اللہ کے مقابلے میں مجھ کو کون بچائے گا؟ تم تو صرف مجھے گھاٹے ہی میں بڑھاتے ہو"۔ یعنی اے میری قوم! تمہارا کیا خیال ہے کہ اگر میں اپنے جی میں اپنے رب کی حقیقت کو واضح اور صاف طور پر پاتا ہوں، وہ مجھے یقین دلاتی ہے کہ راہ حق یہ ہے۔ اور اس نے مجھے اپنی رحمت سے نوازا ہے، اور مجھے اپنی رسالت کے لیے چنا ہے، اور مجھے وہ خصائص بخشے ہیں جو مجھے رسالت کا اہل ٹھہراتے

Marfat.com

ہیں، اگر میں اللہ کی رسالت کو تمہیں پہنچانے میں کوتاہی کروں، اور تمہاری اس امید پر بھی بھروسہ کر کے بیٹھ جاؤں جو تمہیں مجھ سے تھی، تو کیا اس سے مجھے کچھ نفع ہونے کی توقع ہے؟ ہرگز ایسا نہ ہوگا۔ تمہاری بات ماننے سے تو سراسر خسارہ ہوگا۔ اللہ کا غضب الگ اور میری شرف رسالت سے محرومی الگ۔ پھر تو یہ دنیا و آخرت کا دوہرا خسارہ ہوا؛ اس سے مجھے تو نہ یہاں کچھ فائدہ رہے گا اور نہ وہاں!

هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ

"اور اے میری قوم! یہ اللہ کی اونٹنی ہے جو تمہارے لیے ایک نشانی ہے (میری نبوت کی نشانی ہے، معجزہ ہے)، پس تم اس کو اللہ کی زمین سے کھانے دو، اسے برے ارادے سے مت چھوؤ، ورنہ تمہیں ایک عذاب قریب پکڑلے گا"۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ یہ ایک خاص اونٹنی تھی جو قدرتِ الٰہی کی نشانی تھی، اور اس کی طرف سے معجزہ تھی۔ اس میں کوئی خاص صفت تھی جس کے باعث وہ ارض اللہ، بیت اللہ، رسول اللہ کی طرح خاص ذاتِ خداوندی کی طرف منسوب ہوئی۔ اور ہمارے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ اس کی اس خاص صفت کو ذہن میں رکھیں اور اسرائیلی روایات اور افسانوں کی طرف نہ دیکھیں جو اس سلسلے میں بیان ہوئے ہیں۔ اس ضمن میں مفسرین کے اقوال بہت مختلف اور عجیب و غریب ہیں۔ فَيَأْخُذَكُمْ عَذَابٌ قَرِيبٌ میں ایک تو فائے ترتیب ہے۔ اور دوسرے لفظ قریب، جو عجلت پر دلالت کرتے ہیں۔ اور مس کی نسبت اخذ کے لفظ کی حرکت زیادہ سریع اور شدید ہے۔ ان منکروں پر صالحؑ کی بات کا اثر نہ ہوا۔ انہوں نے اونٹنی کے پاؤں تلوار کے ساتھ کاٹ دیئے، عقر کے لفظ کا یہی معنیٰ ہے۔ جب وہ یہ فعل کر چکے تو صالحؑ نے اللہ کی طرف سے ان کو تین دن کی مہلت دی، کہ اس دنیوی ساز و سامان سے فائدہ اٹھانے کی تمہارے لیے بس اتنی ہی مدت رہ گئی ہے۔ اور فرمایا۔ یہ ایک سچا وعدہ ہے۔ اس کے بعد پھر فاء کا لفظ حرف فَلَمَّا الخ میں بتاتا ہے کہ عذاب فوراً نازل ہو گیا۔ ایک چیخ سے ان ظالموں کا صفایا ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جن پر عذاب آیا، وہ تو رسوا ہو گئے، پھر ہم نے صالحؑ اور اس کے مومن ساتھیوں کو محفوظ رکھا۔ قومِ ثمود پر صاعقہ (گرنے والی بجلی) کا عذاب آیا، ایک خوفناک چیخ آئی، اور وہ سب اپنے گھروں میں گھٹنوں کے بل گرے پڑے رہ گئے۔ ان پر رحمتِ الٰہی نہیں ہوئی، بلکہ لعنت پڑی، انہیں رحمتِ خداوندی سے دور کر دیا گیا، فرمایا ہے کہ اَلَا بُعْدًا لِّثَمُوْدَ۔

عبرت و موعظت

قومِ ثمود کا واقعہ تاریخ کے عبرت انگیز واقعات میں سے ہے۔ ان کے مورثِ اعلیٰ بھی قومِ عاد کے مورثوں کی مانند مسلم تھے۔ یہ بھی ان لوگوں کی اولاد تھے، جن کو نوحؑ کے ساتھ کشتی پر بٹھا کر عذابِ طوفان سے بچایا گیا تھا کچھ دیر تک یہ لوگ اسلام پر قائم رہے، اور پھر قومِ عاد کی مانند ان میں بھی انحراف پیدا ہو گیا۔ ان کے واقعہ میں ہم قومِ نوحؑ اور عاد کی مانند اسلام اور جاہلیت کا مقابلہ دیکھتے ہیں۔ اسلام سے انحراف ہوا تو جاہلیت

Marfat.com

نے اس کی جگہ لے لی۔ پھر رسالتِ الٰہی نے انہیں راہِ حق کی طرف بلایا۔ اس قوم نے خود ہی ایک معجزہ طلب کیا۔ اور ان کا مطالبہ پورا کر دیا گیا۔ پھر انہوں نے اس معجزے کے ساتھ تصدیق و ایمان کا نہیں، بلکہ انکار و کفر کا سلوک کیا۔ جب ان کا مطالبہ پورا کر دیا گیا تھا تو انہیں سیدھی طرح سے ایمان لے آنا چاہیے تھا مگر وہ اکڑ گئے، خدا کے رسول کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔ اس کے ساتھ جمود و عناد کا رویہ اختیار کیا۔ اور اپنے کیفر کردار کو پہنچ گئے۔ اس واقعہ سے بھی دیگر کئی واقعات کی مانند، یہ ثابت ہو گیا کہ ایمان معجزات کا محتاج نہیں ہوتا۔ ایمان تو دل و عقل کے تدبر و تفکر اور قبول و خلوص کا نام ہے۔ یہ ایک سادہ دعوت ہوتی ہے مگر جاہلیت عقول و قلوب کو ٹیڑھا اور الٹا کر دیتی ہے، ان سے کام نہیں لینے دیتی۔

حقیقتِ اُلوہیت

اس واقعہ میں ہم ایک دفعہ پھر یہ دیکھتے ہیں کہ اللہ کے مخصوص و منتخب طبقے، پیغمبرانِ کرام پر اُلوہیت کی حقیقت کس طرح منکشف ہوتی ہے۔ اپنی پوری آب و تاب، جمال و کمال اور جلال و زینت کے ساتھ ان کے قلوب کو منور کرتی ہے۔ صالحؑ نے اپنی قوم سے فرمایا تھا: اِنَّ رَبِّیْ قَرِیْبٌ مُّجِیْبٌ اور پھر اپنے اس قول میں جس کو اللہ تعالیٰ نے نقل فرمایا ہے، اس کی مزید وضاحت فرمائی تھی کہ:

"اس نے کہا: اے میری قوم! بھلا یہ تو بتاؤ کہ اگر میں اپنے رب کی طرف سے بیّنہ پر ہوں اور اس نے مجھے اپنی طرف سے رحمت عطا فرمائی ہے، تو اگر میں اس کی بات نہ مانوں تو اس کے مقابلے میں میرا کون مددگار ہو گا؟ تم تو صرف میرے خسارے میں اضافہ کرو گے۔"

اس سے یہ واضح ہو گیا کہ حقیقتِ اُلوہیت کی چمک جس طرح انبیاء علیہم السلام کے قلوب صافی پر پڑتی ہے، اور کہیں اس کی اتنی تجلی نہیں ہوتی۔ وہ حق کو اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ رہے ہوتے ہیں۔

قلبِ بشری کا انحراف اسے کہاں لے جاتا ہے؟

جاہلیت ہدایت کو ضلالت، اور حق کو باطل تصور کرتی ہے۔ اس سے پتہ چل گیا کہ اسلامی عقیدے سے اگر ذرا سا بھی انحراف ہو جائے تو انسان کہاں کہاں چلا جائے گا۔ انحراف کی ابتداء تو بالکل معمولی سی نظر آتی ہے۔ مگر نتیجۃً وہ انسان کو لاکھوں کروڑوں میل حق و صداقت سے دور لے جا کر پھینکتی ہے۔ قلبِ انسانی جب بال برابر بھی عقیدۂ صحیحہ سے منحرف ہو جائے تو وہ اپنی ضلالت اور آوارہ گردی میں کسی حد پر نہیں ٹھہرتا۔ اور ایک وقت وہ بھی آ جاتا ہے کہ فطری، سادہ، صاف اور منطقی حق بھی اسے عجیب و غریب نظر آنے لگتا ہے، وہ حق کو تو برداشت نہیں کرتا، مگر باطل کا شہتیر اس کی آنکھ میں خود اس کو بھی دکھائی نہیں دیتا۔ دوسروں کی آنکھ کا تنکا اسے نظر آتا ہے مگر اپنی آنکھ کا شہتیر وہ نہیں دیکھ سکتا۔ صالحؑ کی قوم کہتی ہے کہ اے صالحؑ! ہمیں تو تجھ سے بڑی بڑی اُمیدیں تھیں۔ یہ تو نے کیا کیا کہ ہمارے باپ دادوں کے معبودوں کا رد شروع کر دیا؟ وہ اپنی اس اندھی تقلید کے نشے میں صالحؑ کی عقل و فکر کی بلندی کو بھی بھلا بیٹھے، حالانکہ کل تک وہ اسے ساری قوم کی آنکھ کا تارا جانتے تھے! اس نے کیا غضب ڈھا دیا تھا؟ صرف یہی کہ اس نے ان کو توحیدِ الٰہی، اطاعت

Marfat.com

الٰہی اور ربوبیتِ الٰہی کی طرف پکارا تھا ! پھر تو ان کی تمام اُمید یں خاک میں مل گئیں

جاہلیت دلیل فطرت سے منحرف ہے۔

صالحؑ نے ــــــ دیگر انبیاء کرام کی طرح سے انہیں اس شہادت کی طرف پکارا جو خود ان کے وجود نشو و نما اور پیدائش میں موجود تھی :۔

" اے میری قوم ! اللہ کی ہی عبادت کرو ، تمہارا اس کے سوا کوئی معبود نہیں ، اُسی نے تم کو زمین سے پیدا کیا۔ اور اس میں تم کو بسایا۔"

یہ ایک ایسی فطری ، منطقی ، سادہ دلیل تھی جس کے ردّ کی ان میں طاقت نہ تھی ۔ وہ یہ نہیں کہتے تھے، کہ انہوں نے خود اپنے آپ کو پیدا کیا ہے ، اور ان کا نشو و نما خود ان کے یا کسی اور انسان کے ہاتھ میں ہے۔ نہ ان کا یہ خیال تھا کہ رزقِ الٰہی کی جو بے شمار چیزیں اُن کو ملتی ہیں ، ان کے خالق وہ خود تھے۔ مطلب یہ کہ وہ بظاہر اللہ تعالیٰ کے خالق و رازق ہونے کے منکر نہ تھے ۔ مگر اس کا جو تقاضا تھا کہ صرف ایک اللہ کی ربوبیت والوہیت و ربوبیت کا اعتراف کیا جائے ۔ وہ اس کے قائل نہ تھے ۔ یہی وہ شرک ہے جس کا ردّ رسولوں نے کیا۔

آیات ۶۹ ــــــ ۸۳

وَلَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَآ
اِبْرٰهِیْمَ بِالْبُشْرٰى قَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ سَلٰمٌ فَمَا لَبِثَ اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ
حَنِیْذٍ ﴿۶۹﴾ فَلَمَّا رَاٰۤ اَیْدِیَهُمْ لَا تَصِلُ اِلَیْهِ نَكِرَهُمْ وَ اَوْجَسَ مِنْهُمْ
خِیْفَةً ؕ قَالُوْا لَا تَخَفْ اِنَّاۤ اُرْسِلْنَاۤ اِلٰى قَوْمِ لُوْطٍ ﴿۷۰﴾ وَ امْرَاَتُهٗ قَآئِمَةٌ
فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ ۙ وَ مِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ یَعْقُوْبَ ﴿۷۱﴾ قَالَتْ
یٰوَیْلَتٰۤى ءَاَلِدُ وَ اَنَا عَجُوْزٌ وَّ هٰذَا بَعْلِیْ شَیْخًا ؕ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عَجِیْبٌ ﴿۷۲﴾
قَالُوْۤا اَتَعْجَبِیْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَ بَرَكٰتُهٗ عَلَیْكُمْ اَهْلَ
الْبَیْتِ ؕ اِنَّهٗ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ﴿۷۳﴾ فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ اِبْرٰهِیْمَ الرَّوْعُ وَ
جَآءَتْهُ الْبُشْرٰى یُجَادِلُنَا فِیْ قَوْمِ لُوْطٍ ﴿۷۴﴾ اِنَّ اِبْرٰهِیْمَ لَحَلِیْمٌ
اَوَّاهٌ مُّنِیْبٌ ﴿۷۵﴾ یٰۤاِبْرٰهِیْمُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ۚ اِنَّهٗ قَدْ جَآءَ
اَمْرُ رَبِّكَ ۚ وَ اِنَّهُمْ اٰتِیْهِمْ عَذَابٌ غَیْرُ مَرْدُوْدٍ ﴿۷۶﴾ وَ لَمَّا جَآءَتْ

رُسُلُنَا لُوطًا سِيٓءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّقَالَ هٰذَا يَوْمٌ عَصِيبٌ
وَجَآءَهٗ قَوْمُهٗ يُهْرَعُوْنَ اِلَيْهِ ۭ وَمِنْ قَبْلُ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ۭ
قَالَ يٰقَوْمِ هٰٓؤُلَاۗءِ بَنَاتِيْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ
فِيْ ضَيْفِيْ ۭ اَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِيْدٌ ﴿٧٨﴾ قَالُوْا لَقَدْ عَلِمْتَ مَا
لَنَا فِيْ بَنٰتِكَ مِنْ حَقٍّ ۚ وَاِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِيْدُ ﴿٧٩﴾ قَالَ لَوْ اَنَّ لِيْ
بِكُمْ قُوَّةً اَوْ اٰوِيْٓ اِلٰى رُكْنٍ شَدِيْدٍ ﴿٨٠﴾ قَالُوْا يٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ
لَنْ يَّصِلُوْٓا اِلَيْكَ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ
اَحَدٌ اِلَّا امْرَاَتَكَ ۭ اِنَّهٗ مُصِيْبُهَا مَآ اَصَابَهُمْ ۭ اِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ ۭ
اَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيْبٍ ﴿٨١﴾ فَلَمَّا جَاۗءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا
وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ڏ مَّنْضُوْدٍ ﴿٨٢﴾ مُّسَوَّمَةً
عِنْدَ رَبِّكَ ۭ وَمَا هِيَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ بِبَعِيْدٍ ﴿٨٣﴾

(ترجمہ) اور بلاشبہ ہمارے بھیجے ہوئے ابراہیمؑ کے پاس خوشخبری لے کر گئے۔ انہوں نے کہا: ہم سلام کہتے ہیں۔ اس نے کہا: سلام ہے، پھر جلدی سے ایک بھنا ہوا بچھڑا لے کر آگیا (۶۹) پھر جب اس نے دیکھا کہ ان کے ہاتھ اس کی طرف نہیں جاتے، تو انہیں بیگانہ سمجھا اور ان سے دل میں خوف کیا، وہ بولے: مت ڈر، ہمیں قومِ لوطؑ کی طرف بھیجا گیا ہے (۷۰) اور اس کی بیوی کھڑی تھی تو وہ ہنس پڑی، پس ہم نے اس کو اسحاقؑ کی خوشخبری دی، اور اسحاقؑ کے بعد یعقوبؑ کی خوشخبری دی (۷۱) وہ بولی کہ ہائے خرابی! کیا میں جنوں گی، حالانکہ میں بڑھیا ہوں اور میرا خاوند بوڑھا ہے؟ بلاشبہ یہ تو ایک بڑی عجیب چیز ہے (۷۲) انہوں نے کہا: کیا تو حیران ہوتی ہے اللہ کے حکم سے؟ اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہوں تم پر اے گھر والو، بلاشبہ وہ بڑا لائقِ تعریف ہے، بڑا بزرگ ہے (۷۳) پھر جب ابراہیمؑ سے خوف جاتا رہا اور اسے خوش خبری مل گئی، تو وہ قومِ لوط کے متعلق ہم سے جھگڑنے لگا (۷۴) بلاشبہ ابراہیمؑ بڑا بُردبار، آہیں بھرنے والا، اور عاجزی کرنے والا تھا (۷۵) اے ابراہیم! اس بات کو جانے دے، تیرے رب کا فیصلہ آچکا ہے، اور ان پر وہ عذاب آکر رہے گا جو

Marfat.com

روز نہ ہوگا (۷۶) اور جب ہمارے ایلچی لوط کے پاس آگئے تو اس نے دلی غم کا اظہار کیا اور ان پر دل تنگ ہوا، اور کہا یہ ایک بڑا مشکل دن ہے (۷۷) اور اس کی قوم اس کے پاس اندھا دھند آگئی، اور وہ اس سے پہلے بُرائیاں کرتے تھے۔ اس نے کہا: اے میری قوم! یہ میری بیٹیاں ہیں جو تمہارے لیے بہت پاکیزہ ہیں، پس تم اللہ سے ڈرو، اور میرے مہمانوں کے بارے میں مجھ کو رسوا مت کرو، کیا تم میں کوئی بھی بھلا آدمی نہیں ہے؟ (۷۸) انہوں نے کہا کہ تو جانتا ہے ہمارا تیری بیٹیوں پر کوئی حق نہیں، اور تجھے معلوم ہی ہے جو ہم چاہتے ہیں (۷۹) وہ بولا: اے کاش! مجھ میں تمہارے مقابلے کی قوت ہوتی۔ یا میں کسی مضبوط رکن کی پناہ لے سکتا (۸۰) انہوں نے کہا: اے لوط بلاشبہ! بلاشبہ ہم تیرے رب کے بھیجے ہوئے ہیں وہ لوگ ہرگز تجھ تک نہ آسکیں گے، پس رات رہے اپنے گھروالوں کو لے کر نکل جا، اور تم میں سے کوئی مڑ کر نہ دیکھے، سوائے تیری بیوی کے، بلاشبہ اسے بھی وہی مصیبت پہنچنے والی ہے جو ان کو پہنچی، بلاشبہ ان کا وعدہ صبح کا ہے، کیا صبح قریب نہیں ہے؟ (۸۱) پھر جب ہمارا حکم آگیا تو ہم نے اس علاقے کو زیروزبر کر ڈالا اور اس پر کنکر کے پتھر برسائے جو مضبوط تھے (۸۲) نشان زدہ تیرے رب کی طرف سے، اور وہ ظالموں سے دُور نہیں ہے (۸۳)

نزولِ برکات وعذاب کے واقعات

سورۂ ہود کی آیات نے ہمیں نوح علیہ السلام کی معذب قوم دکھائی۔ پھر نوحؑ کی اولاد میں سے ان لوگوں کا ذکر ہوا، جن پر فضل ورحمت کے دروازے کھولے گئے تھے۔ پھر ہود اور صالح کی دو معذب قوموں کا ذکر کیا گیا۔ ان آیات میں ابراہیم علیہ السلام کے قصے کے بعض واقعات بیان ہوئے ہیں۔ پھر لوط علیہ السلام کی معذب قوم کا ذکر آیا ہے ابراہیمؑ و لوطؑ کے واقعات میں اللہ کے اس وعدے کے دونوں حصے پورے ہوگئے جو اس نے نوحؑ کے ساتھ طوفان کے بعد کشتی سے اترتے وقت کیا تھا:۔

"اے نوح! تو ہماری سلامتی اور برکتوں کے ساتھ نیچے اتر! یہ فضل ورحمت تجھ پر، اور ان لوگوں پر بھی ہو گی جو تیرے ساتھیوں میں سے پیدا ہوں گے۔ اور بعض قوموں کو ہم دنیوی ساز و سامان دیں گے، پھر ان کو ہماری طرف سے عذاب الیم مس کرے گا"

اور یہ برکات ابراہیم کے دو بیٹوں کی اولاد میں ظاہر ہوئیں، یعنی اسماعیلؑ واسحاقؑ۔ اسماعیل کی نسل سے سید الوجود خاتم النبیین تشریف لائے اور اسحاق کی نسل سے انبیائے بنی اسرائیل تھے۔

ابراہیمؑ کیلئے فرشتے بشارت لائے ✓

اللہ فرماتا ہے کہ: "اور ہمارے فرشتے ابراہیمؑ کے پاس بشارت لے کر گئے" وہی بشارت جس کا آگے ذکر آتا ہے۔ "انہوں نے سلام کیا۔ اور ابراہیمؑ نے بھی سلام کا جواب سلام سے دیا" ابراہیمؑ اپنی جائے پیدائش کلدانیوں کے ملک

عراق سے نکل کر اور اردن کو عبور کرکے صحرا کے اندر سرزمین کنعان میں آکر فروکش ہو گئے تھے۔ بادیہ نشین مہمان نواز تو ہوتے ہی ہیں، ابراہیمؑ تو پیغمبر تھے، چنانچہ وہ اپنی مہمان نوازی کی عادت کے مطابق انہیں مہمان جان کر کھانا پکوا کر لے آئے۔ "وہ زیادہ دیر نہ ٹھہرا، مگر ایک بچھڑا بھُون کر لے آیا"۔ یہ بچھڑا گرم کیے گئے پتھروں پر بھُونا گیا تھا اور موٹا تازہ تھا۔ لیکن فرشتے ہماری مانند کھانا نہیں کھاتے لہٰذا "پس جب اس نے دیکھا کہ ان کے ہاتھ اس کی طرف نہیں بڑھتے، تو ابراہیمؑ کے دل میں نکارت و بیگانگی کا احساس اُبھرا، اور دل ہی دل میں ان سے ڈرا"۔ مبادا یہ میرے دشمن ہوں۔ آپ کے دسترخوان پر جو کھانا نہ کھائے۔ وہ مُبتلائے شک و ریب ہوتا ہے اور سمجھتا ہے کہ میزبان سے کوئی خیانت یا غدر کرنا چاہتا ہے تو یہ صحرانشینوں کی عادات ہیں۔ اور شہری، مہذب لوگ جس کے ساتھ کھانا کھالیں، اُسے دکھ دینا یا اس سے کوئی دھوکہ یا فریب کرنا ناجائز اور خلافِ اخلاق جانتے ہیں۔ اور جب کسی کا نمک نہ کھائیں، تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ اس کے ساتھ کسی شر کا ارادہ رکھتے ہیں یا کم از کم میزبان کی نیت کے متعلق انہیں شکوک و شبہات ہوتے ہیں۔ جب ابراہیمؑ نے انہیں کھانا نہ کھاتے دیکھکر شک و شبہ کا اندیشہ دل میں رکھا، اور فرشتے سمجھ گئے کہ اسے غلط فہمی ہے۔ انہوں نے کہا کہ: "ہمیں قوم لوطؑ کی طرف بھیجا گیا ہے"۔ یعنی ہم لوطؑ کی قوم کے لیے فرشتگانِ عذاب ہیں۔ ابراہیمؑ نے بھانپ لیا کہ قوم لوطؑ کی طرف یوں فرشتوں کے بھیجے جانے کا کیا مطلب ہے۔ لیکن اسی وقت ایک اور واقعہ پیش آیا جس نے بات کا رُخ موڑ دیا۔ وہ یہ کہ ابراہیمؑ کی بیوی سارہؓ کھڑی تھیں، وہ ہنس پڑیں، ہنسنے کا سبب شاید ظالم قوم کی تباہی تھی۔ یا یہ کہ ہم کو پہلے سے معلوم نہ ہوسکا اور ان کی مہمانی کے لیے اتنا تکلف و تردد کیا۔ مگر بعد میں ثابت ہوا کہ یہ فرشتے ہیں، جو قوم لوطؑ پر عذاب لائے ہیں۔ فرمایا کہ:۔

"پس ہم نے اس کو اسحاقؑ کی، اور اس کے بعد یعقوبؑ کی خوشخبری دی"

یعنی صرف بیٹے کی نہیں، بلکہ ساتھ ہی پوتے کی بھی خوش خبری تھی۔ اور وہ دونوں عظیم پیغمبر تھے۔ وہ بانجھ تھی، اب تک اس نے کوئی بچہ نہ جنا تھا۔ اور اب وہ بُڑھیا ہو چکی تھی۔ جب اس کو یہ دوہری خوش خبری ملی تو عورت بالخصوص ایک بانجھ بُڑھیا عورت کا تو سارا وجود ہی اس خوش خبری سے خوشی اور حیرت کے ملے جلے جذبات کے باعث ہل گیا۔ اور یہ اچانک خوش خبری اس کے لیے مزید حیرت کا باعث ہوئی:

"وہ بولی، ہائے ری کم بختی! کیا میں جنوں گی، اور یہ میرا خاوند بوڑھا ہو چکا ہے۔ یہ تو ایک بڑی عجیب بات ہے"

واقعی یہ بات تھی تو بڑی عجیب، عورت کا حیض ایک خاص عمر میں بند ہوجاتا ہے، اور پھر وہ حمل کے اور ولادت کے قابل نہیں رہتی۔ لیکن اللہ تعالیٰ جو خود خالقِ کائنات ہے، اس کے آگے تو کچھ بھی عجیب نہیں ہوتا چنانچہ جواب ملا:۔

"انہوں نے کہا کہ کیا تُو اللہ کے امر سے حیران ہوتی ہے؟ اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہوں تم پر، اے اس گھر والو! بلاشبہ وہی بڑا لائقِ تعریف ہے، بڑا بزرگ ہے"

سنت اور عادت کا فرق

اللہ کے امر سے کوئی تعجب نہیں ہوسکتا۔ جب کسی کام میں ایک عادت جاری ہو تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ یہ ایک غیر متبدل سنتِ الٰہیہ ہے۔ اللہ کسی حکمت کے ارادے سے عادتِ جاریہ کو بالکل بدل سکتا ہے۔ اور یہاں پر اللہ کی رحمت تھی اور اس گھرانے پر اللہ کی برکات تھیں، جن کا وعدہ مومنوں سے کیا جاتا ہے۔ پس یہاں پر خلافِ عادت کا واقعہ ہونا حیرت افزا نہیں تھا، اور یہ جو کچھ ہو رہا تھا، اللہ کی سنت کے موافق تھا۔ جس کی حد کو ہم نہیں جانتے۔ اللہ کی عادت اگر ایک خاص مدت، اور خاص وقفے تک ایک مخصوص طریقے سے جاری رہے تو وہ غیر متبدل سنت بھی بن جاتی۔ اور ہم وجود کے اندر پیش آنے والے تمام حوادث کا استقرا نہیں کرسکتے۔

مشیتہ اللہ غیر محدود ہے، آزاد ہے

کچھ لوگ وہ ہیں، جو اپنے علم کے مطابق بعض چیزوں کو قوانین و نوامیسِ الٰہی جان کر اللہ تعالیٰ کی مشیت کو محدود کرنا چاہتے ہیں، یہ لوگ حقیقتِ اُلوہیت سے ناواقف ہیں، جس کو اپنی کتاب میں بالتاکید بیان کرتا ہے۔ اس کا قول فیصلہ کن ہے۔ اور اس قول کے متعلق کسی انسانی قول کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ نہ محض عقلِ بشری اس کا احاطہ کرسکتی ہے۔ بلکہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے ناموس کو ——— جسے وہ خود اپنا قانون و ناموس ٹھہراتا ہے ——— اس کی آزاد و مطلق مشیت پر حاکم بنانا چاہتے ہیں، وہ بھی حقیقتِ اُلوہیت کو نہیں جانتے۔ مشیتِ خداوندی اس کے قوانین و نوامیس پر بھی آزاد ہے، مطلق ہے، وہ کسی چیز سے مقید نہیں ہوسکتی۔ يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَ يُثْبِتُ اسی کا قول ہے۔ یعنی اللہ جو چاہتا ہے مٹاتا ہے، اور جو چاہتا ہے قائم رکھتا ہے۔

کائنات کا نظام اللہ تعالیٰ کے ٹھہرائے ہوئے نوامیس و قوانین کے مطابق چلتا ہے، مگر یہ ایک چیز ہے اور اللہ تعالیٰ کے ارادے اور اس کی مشیت کو ان قوانین کے ساتھ مقید کرنا دوسری چیز ہے۔ قانون چلتا اور نافذ ہوتا ہے، مگر اللہ کی قدرت کے ساتھ، اپنے ہی آپ ایک مشین کی مانند نہیں چلتا۔ اگر اللہ تعالیٰ ایک بار یہ فیصلہ کرلے کہ آپ کا قانون دوسری صورت میں ظاہر ہو، اور پہلے تو کوئی طاقت، شخص یا خود وہ ناموس اس کی راہ میں کھڑا نہیں ہوسکتا۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ تمام قوانین کے اوپر ایک یہ قانون بھی ہے کہ اللہ کی مشیت و قدرت آزاد ہے۔ اور وہ ناموس یا قانون جب بھی جاری اور نافذ ہوا تو اسی آزاد مشیت وارادے کے ماتحت ہوا۔

بشارت کے بعد ابراہیمؑ کی کیفیت کیا تھی؟

جب ابراہیمؑ کو پتہ چل گیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے مامور فرشتے ہیں تو وہ مطمئن ہوگیا، اور اس کا دل بشارت پر ساکن ہوگیا۔ لیکن لوطؑ اور اس کی قوم اسے نہ بھولی تھی۔ لوطؑ اس کا بھتیجا تھا۔ اس کے ساتھ ہجرت کرکے یہاں آیا تھا۔ ابراہیمؑ فطری طور پر بھی بہت شفیق و ودود تھا۔ پھر اسے یہ بھی معلوم تھا کہ قومِ لوط کن گناہوں کا شکار ہے۔ لہٰذا اس کا دل بھر آیا، اور اپنے بھتیجے کی قوم کی ہلاکت و استیصال کو بآسانی برداشت نہ کرسکا، ارشادِ خداوندی ہے کہ:

Marfat.com

"پھر جب ابراہیمؑ سے ہیبت جاتی رہی، اور اسے بشارت مل گئی تو وہ ہمارے ساتھ قوم لوطؑ کے بارے میں جدال کرنے لگا۔ بلاشبہ ابراہیمؑ بُردبار، آہیں بھرنے والا، اور عاجزی کرنے والا تھا:
حلیم وہ ہے، جو ناراضگی کے اسباب کو صبر کے ساتھ برداشت کرے، آہستہ رو ہو، اور بھڑکے نہیں۔

اوّاہ وہ ہے جو تقویٰ کے باعث دُعا میں عاجزی اختیار کرے۔ اور منیب وہ ہے جو تیزی کے ساتھ اپنے رب کی طرف لوٹے۔ ان تمام صفات نے ابراہیمؑ کو آمادہ کیا کہ وہ اللہ کے مامور فرشتوں کے ساتھ جدال کرے، اور قوم لوطؑ کے ساتھ ہمدردی ظاہر کرے۔ یہ معلوم نہیں کہ اس جدال کی کیفیت کیا تھی؟ مگر قرآنی نص یہ بتاتی ہے کہ ابراہیمؑ کو بتا دیا گیا کہ یہ ایک فیصلہ شدہ امر ہے جس پر نظرِ ثانی نہ ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے (دل میں وحی ڈال کر یا اپنے فرشتوں کے ذریعے سے) فرمایا کہ:

"اے ابراہیمؑ: اس بات کو جانے دے، تیرے رب کا امر آچکا ہے۔ اور ان پر عذاب آکر رہے گا جو ٹالا نہ جائے گا۔"

اب ابراہیمؑ خاموش تھے اور قرآنی نص بھی مزید گفتگو سے خاموش ہے۔ اب اگلا نظارہ دکھایا جاتا ہے کہ:

لوطؑ مہمانوں کے آنے سے تنگ دل ہوتا ہے

"اور جب ہمارے ایلچی لوطؑ کے پاس گئے تو اس نے بُرا منایا (قوم کی غیر فطری کاری کے باعث) اور ان کی خاطر دل تنگ ہوا۔ اور بولا:- یہ بڑا شدید دن ہے۔"

وہ اپنی قوم کو اور ان کی غیر فطری گنہ گاری اور انحراف کو جانتا تھا۔ وہ عورتوں سے نہیں، بلکہ مردوں سے تسکینِ شہوت کا کام لیتے تھے۔ یہ فعل انسانی تاریخ میں سب سے پہلے ان ہی میں پیدا ہوا تھا۔ یہ خلافِ فطرت تھا اللہ تعالیٰ نے سب جانداروں کے، بلکہ سب چیزوں کے جوڑے بنائے ہیں، تاکہ ہر چیز کی نسل قائم رہے۔ مگر اس خلافِ فطرت فعل سے نسل کشی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جوڑوں کے ملاپ میں ایک فطری لذت رکھی ہے تاکہ وہ ازلی و ابدی حکمت کو پا سکیں، اور دنیا کی آبادی اور زینت کا سبب بن سکیں۔

قومِ لوطؑ کا نفسی قومی مرض

افراد کے امراض اور ان کے فطرت سے انحراف کے باعث عجیب وغریب احوال کو تو انسانیت پہچانتی ہے، مگر قومِ لوطؑ کی بیماری سب سے زیادہ عجیب تھی۔ اسے دیکھ کر ثابت ہو جاتا ہے کہ نفسی بیماریاں بھی حسی بیماریوں کے مانند متعدی ہو جاتی ہیں۔ کسی نسل میں اس قسم کی نفسی بیماری کے عام طور پر رائج ہو جانے کا باعث غالباً اقدار و مقائس کا مختل ہو جانا ہوتا ہے۔ باوجودیکہ ایک فعل خلافِ فطرت تھا مگر وہ ایک قوم کا گویا شعار بن گیا، وجہ اس کی بآسانی سمجھ میں نہیں آسکتی، اس کے سوا اور کیا کہا جائے گا کہ یہ انسان کا انسانیت سے گر جانا ہے۔ فطرتِ سلیمہ اس سے انکار کرتی ہے۔ وہ کون احمق ہوگا جو زرخیز اور لائق تو تربت کو چھوڑ کر شور پتھریلی اور بنجر زمین میں قیمتی بیج پھینک دے۔ انسانی فطرت اگر انحراف کا شکار نہیں تو وہ فطرت کی آواز پر لبیک کہنے میں لذت محسوس کرے گی، نہ کہ خلافِ فطرت فعل میں۔ فطرتِ سلیمہ فطری، اخلاقی، دینی اور

Marfat.com

عرفی طور پر عملِ قومِ لوط سے انکار کرتی ہے، اور اس فعل کا شوق رکھنے والوں کو فطرت و اخلاق کے ساتھ متصادم قرار دیتی ہے۔ لذت تو بعض دفعہ موت میں بھی ملتی ہے۔ جبکہ موت دنیوی زندگی کے ساتھ متصادم نہیں ہے بلکہ وہ زندگی کو ایک دوسرے راستے سے بچانے، بلند کرنے، اور اس کی اقدار کو سر بلند کرنے کی خاطر ہے۔ یہ زندگی کا عدم نہیں بلکہ حقیقت میں اس کا احیاء ہے۔

لوطؑ کو مہمانوں کا آنا کیوں بُرا لگا؟

لوطؑ مہمانوں کے باعث اس سبب سے غمگین ہوا کہ اسے اپنی قوم کی بدکاری کا بخوبی علم تھا اور فرشتے اتفاق سے خوبصورت لڑکوں کی صورت میں آئے تھے۔ قومِ لوطؑ نے اس وقت جو کچھ کیا وہ دراصل بجھتے ہوئے چراغ کی آخری بھڑک تھی۔ لوطؑ نے اس دن کو یومِ عصیب کہا تھا، سو واقعی وہ دن ایسی حیثیت سے ظاہر ہونے لگا جبکہ: "اس کی قوم اندھا دھند اس کی طرف آئی": ان کی حالت اس شخص کی مانند تھی جو بخار میں مبتلا ہو چکا ہو" اور وہ اس سے قبل برائیوں پر عامل تھے" اور یہی وہ چیز تھی جس نے اس کو مہمانوں کے بارے میں افسوس اور غم میں مبتلا کیا، اور اسی سبب سے وہ تنگ دل ہوا، اور اسی باعث اس نے اس دن کو" یومِ عصیب" قرار دیا۔

کیا تم میں کوئی بھلا آدمی نہیں ہے؟

لوطؑ نے جب ان شہوات غیر فطریہ کے اندھوں کو دیکھا، جو اس کے گھر پر حملہ آور ہوئے تھے۔ اور اس کی اور اس کے مہمانوں کی عزت و آبرو کو برباد کرنا چاہتے تھے، تو اس نے چاہا کہ ان لوگوں میں ان کی فطرتِ سلیمہ کو بیدار کرے اور انہیں اس جنس کی طرف متوجہ کرے، جس کو اللہ تعالیٰ نے مردوں کے لیے پیدا کیا ہے۔ اور اس کے پاس اپنے گھر میں وہ جنس اس کی بیٹیوں کی شکل میں موجود تھی۔ اس نے انہیں شرم و حیاء دلانے کے لیے حالات کی سنگینی کے پیشِ نظر بیٹیوں کی پیشکش کر دی کہ اگر تم چاہو تو جائز طریقے سے، جس کا اللہ نے حکم دیا ہے یعنی نکاح و زواج کا طریقہ سے تم انہیں حاصل کر سکتے ہو۔ اس نے کہا کہ:

"اے میری قوم! یہ میری بیٹیاں ہیں، جو تمہارے لیے بہت پاکیزہ ہیں۔ سو تم اللہ سے ڈرو، اور میرے مہمان کے بارے میں مجھے رسوا مت کرو، کیا تم میں کوئی بھلا آدمی نہیں ہے"

اَطۡهَرُ کا لفظ ظاہر کرتا ہے کہ مرد کا تعلق اگر عورت کے ساتھ اللہ کے احکام کے مطابق ہو تو وہ پاکیزہ تعلق ہے۔ یہ تعلق فطری، عرفی، اخلاقی اور عرفی لحاظ سے بہت پاکیزہ ہے۔ اور لوطؑ نے انہیں فطرت کے لحاظ سے متاثر کرنے کے لیے فرمایا کہ تم اللہ سے ڈرو، اور ان کی بدوی نخوت کو اُبھارنے کے لیے جو لوگوں کو مہمان نوازی پر آمادہ کرتی ہے، یہ کہا کہ:" اور مجھ کو میرے مہمانوں کے متعلق ذلیل نہ کرو" اور چونکہ یہ معاملہ عقل و صحافت کا تھا فطرت و دین اور مروت کا تھا۔ اور اگر ان سے انحراف ہو تو فطری انحراف و بے دینی اور بے مروتی کا تھا۔ لہٰذا لوطؑ نے یہ سب الفاظ استعمال کیے کہ شاید کوئی لفظ ان پر اثر انداز ہو جائے۔

Marfat.com

منحرف اور مریض فطرت پر اثر ـــــ نہ ہُوا۔

مگر بوڑھی، مریض فطرت ٹس سے مس نہ ہوئی۔ اور بدبودار، مُردہ دل اس فطری پکار پر کان نہ دھر سکے۔ ماؤف و مریض عقلیں ان الفاظ کی گہرائی کو نہ جانچ سکیں، انہوں نے اس طرح اپنا دفاع کیا کہ:

"انہوں نے کہا، تو جانتا ہے کہ ہمیں تیری بیٹیوں پر کوئی حق نہیں اور تو یہ بھی بالیقین جانتا ہے کہ ہم کیا چاہتے ہیں؟"

ان کا مطلب یہ تھا کہ تجھے معلوم ہے کہ اگر ہم تیری بیٹیوں کو چاہتے تو ان سے نکاح کر لیتے، یہ ہمارا حق ہوتا۔ اب ہمارا ان پر کوئی حق نہیں کیونکہ تو جانتا ہے کہ ہم کیا چاہتے ہیں۔ یعنی ہمارا ارادہ تو اس غیر فطری خبیث فعل کا ہے۔

لوطؑ کی بے چارگی

اس وقت لوطؑ نے اپنے آپ کو بے بس پایا، اپنا ضعف محسوس کیا درآنحالیکہ وہ اس قوم میں غریب الوطن بھی تھا، دُور سے آکر ان میں بس گیا تھا۔ اس کا حمائتی کوئی خاندان وہاں پر نہ تھا، نہ خود اس میں اتنی قوت تھی کہ وہ اس شدید مصیبت کے وقت میں اس سے کام لے سکتا۔ اس عالمِ مایوسی و بے چارگی میں اس کی زبان سے یہ غم و الم کا کلمہ نکلا کہ:۔

"اس نے کہا؛ کاش! مجھ میں تمہارے مقابلے کی طاقت ہوتی، یا میں کسی مضبوط رکن کی پناہ لیتا!"

اس کے گھر میں جو فرشتے خوبصورت نوجوانوں کی صورت میں آئے تھے، لوطؑ انہیں اتنا زور آور اور مضبوط نہ سمجھتا تھا کہ ان پر ایسے نازک وقت میں امید لگا سکتا۔ اس نے ان کی طرف مُڑ کر یہ کلمات ادا کیے۔ شدتِ کرب و مصیبت میں لوطؑ کے ذہن سے یہ بات نکل گئی تھی کہ گو دنیا والوں کا اس عالمِ اسباب میں قاعدہ یہی ہے کہ اس قسم کے سنگین اوقات میں اپنی قوت کو روبکار لاتے ہیں یا اعزہ و اقارب سے کچھ مدد کی توقع رکھتے ہیں۔ مگر وہ بہرحال ایک پیغمبر تھا، گو وہاں پر غریب الوطن اور بیگانہ تھا۔ مگر شدتِ کرب و مصیبت میں اس کے منہ سے یہ کلمات ادا ہو گئے مگر اس قسم کی حالتِ نسیان نہ ہوتی تو وہ جان لیتا کہ وہ ایک سب سے بڑے رکن، عظیم ترین ستون، مضبوط ترین قلعے کی پناہ میں تھا، یعنی ذاتِ خداوندی کی پناہ میں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کو پڑھ کر فرمایا تھا؛ لوطؑ پر اللہ کی رحمت ہو کہ وہ تو ایک رُکنِ شدید کی پناہ میں تھا۔

حقیقت کا انکشاف

جب مصیبت انتہا کو پہنچ گئی، تنگی اور شدت کے حلقے نہایت تنگ اور مستحکم ہو گئے تو لوطؑ کے مہمان بول اُٹھے۔ انہوں نے حقیقت کھول کر رکھ دی کہ تُو تو پہلے ہی ایک مضبوط رکن کی پناہ میں ہے۔ اس سے بڑا سہارا اور اس سے مضبوط ستون تو اور کوئی ہے ہی نہیں! لوطؑ کا قول دراصل عالمِ پریشانی و بے چارگی میں مہمانوں کے سامنے ایک معذرت کے طور پر تھا کہ میں بے بس ہوں، مجبور و مقہور ہوں۔ تمہارے لیے ان حالات میں اس سے زیادہ کیا کر سکتا ہوں جو کچھ میں نے تمہارے سامنے کیا کہ اس بدکار قوم کی منت و سماجت میں آخری حدود کو بھی چھو لیا

Marfat.com

مگر عین وقت پر مہمان بول پڑے کہ :

"انہوں نے کہا : اے لوطؑ ! ہم تیرے رب کے بھیجے ہوئے (فرشتے) ہیں ، یہ بدتہذیب لوگ تجھ تک ہرگز نہ پہنچ سکیں گے ۔"

یعنی تو اللہ تعالیٰ کی پناہ میں ہے ۔ فکر مند مت ہو ۔ ہم تو آئے ہی اس غرض سے ہیں کہ اس قوم کا تیاپانچہ کر ڈالیں ۔ تو اپنے مومن گھر والوں اور ساتھیوں سمیت یہاں سے رات کو نکل جا :

"پس تو رات کا کچھ حصہ گئے اپنے اہل کے ساتھ یہاں سے نکل جا ، اور تم میں سے کوئی مڑ کر پیچھے کو نہ دیکھے ، سوائے تیری بیوی کے ، اس کو بھی وہی عذاب پہنچنے والا ہے جو ان کو پہنچے گا ۔ ان کا وعدہ کا وقت صبح ہے ۔ کیا صبح قریب نہیں ہے ؟"

اسریٰ کا معنی ہے رات کو چلنا ۔ بِقِطْعٍ مِّنَ اللَّيْلِ کا معنی ہے کچھ رات گئے ۔ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنكُمْ أَحَدٌ کا معنی ہے کہ تم میں سے کوئی پیچھے نہ رہے اور نہ رکے ۔ عذاب آنے کا وقت صبح ہے ، اس وقت جو بھی شہر میں ہوگا وہ ہلاک ہو جائے گا ۔ أَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيبٍ میں لوطؑ کی دلجوئی ہے ۔ جس نے اتنا کرب اور اس قدر تحقیر جھیلی تھی مطلب یہ ہوا کہ صبح بہت قریب ہے ۔ پھر اللہ تعالیٰ اس قوم کا وہ حال کرے گا جو لوطؑ کی آرزو کردہ قوت بھی نہ کر سکتی !

خوفناک تباہی کا منظر

فرمایا کہ : "پھر جب ہمارا حکم آگیا تو ہم نے وہ علاقہ زیر و زبر کر دیا اور اس پر مضبوط کھنگر کے پتھر برسا دیئے ، جن پر تیرے رب کی طرف سے نشان لگائے گئے تھے ، اور وہ انجام ظالموں سے بعید نہ تھا ۔"

جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا کا مطلب یہ ہے کہ ان کی کامل بربادی ہوگئی ، ہر شئی پر تباہی غالب آگئی ۔ اس بربادی نے ہر قسم کے نشانات مٹا ڈالے ۔ یہ زیر و زبر کرنا اس قوم کی بلندی سے گر کر پست ہونے والی فطرت کے عین مطابق تھا ۔ وہ لوگ انسانیت سے گر کر حیوانی فطرت تک ، بلکہ اس سے بھی پست تر مقام پر اتر چکے تھے ۔ حیوان بھی اپنی فطرت پر قائم رہتا ہے ۔ لہٰذا یہ حیوان سے بھی گئے گزرے تھے ، ان پر وہ پتھر گرائے گئے جو کیچڑ آلود تھے ، اور یہ پتھر پکے لعد دیگرے تہ بہ تہ گرتے تھے ۔ یا یہ کہ وہ کھنگر دیکھنے میں تہ بہ تہ تھے ۔ کھنگر کو دیکھنے سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ کئی اجزاء کا مجموعہ ہے جو تہ بہ تہ اس میں شامل ہیں ۔ یہ پتھر علامت زدہ بھی تھے اور تیرے رب کے ہاں اس کام کے لیے ذخیرہ شدہ تھے تاکہ بوقتِ ضرورت ان سے کام لیا جائے ، اور وہ ظالموں سے بعید نہ تھے ، گو مغرور انسان اپنے آپ کو بالکل محفوظ و مامون سمجھتا ہے ۔ اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ پتھر نافرمان ظالموں پر برسے تھے ۔ اور اس وقت کے ظالموں پر بھی ان کا برس جانا بعید نہیں ہے ، یا یہ کہ وہ علاقہ (اردن ، ثمودیہ ، اور سدوم) ان موجودہ اعدائے اسلام کے قریب ہی ہے ۔ وہ جا کر خود اس تباہی کا منظر اب بھی دیکھ سکتے ہیں ۔

حادثہ کے ظاہری اسباب و مظاہر

سیاقِ قرآنی نے یہاں پر اس حادثے کی جو تصویر کھینچی ہے ، یہ بعض آتش فشاں حوادث سے بہت مشابہ ہے

Marfat.com

جن میں زمین دھنس جاتی ہے اپنے اوپر کی چیزوں کو نگل جاتی ہے۔ اور اس کے ساتھ کوئلے، پتھر اور کیچڑ نمودار ہوتے ہیں۔ ہمارا مطلب یہ نہیں ہے کہ یہ حادثہ بھی آتش فشانی کا ایک واقعہ تھا۔ ممکن ہے کہ بظاہر ایسا ہی ہو، مگر یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ وہ ذاتِ قادرِ مطلق اور قوی و توانا سب کچھ جب چاہے اور جہاں چاہے کر سکتا ہے۔ ممکن ہے اللہ کی تقدیر میں عین اس واقعہ کے ساتھ یہ بھی مقدر ہو کہ ادھر اس قوم پر عذاب کا فیصلہ ہو۔ اور اُدھر وہ آتش فشاں لاوا پھوٹ پڑے۔ اس کے خلاف بھی ممکن ہے کہ آتش فشانی اور لاوے کا نکلنا تو وجود میں نہ آئے۔ مگر براہِ راست اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس نافرمان قوم کو تباہ کر دیا جائے۔

---

٨٤ تا ٩٥

وَإِلَىٰ مَدْيَنَ أَخَاهُمْ
شُعَيْبًا ۚ قَالَ يَٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۖ وَلَا تَنقُصُوا
الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ ۚ إِنِّي أَرَاكُم بِخَيْرٍ وَإِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ
يَوْمٍ مُّحِيطٍ ﴿٨٤﴾ وَيَٰقَوْمِ أَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ ۖ وَلَا تَبْخَسُوا
النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ﴿٨٥﴾ بَقِيَّتُ اللَّهِ
خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ۚ وَمَا أَنَا عَلَيْكُم بِحَفِيظٍ ﴿٨٦﴾ قَالُوا
يَٰشُعَيْبُ أَصَلَوٰتُكَ تَأْمُرُكَ أَن نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ آبَاؤُنَا أَوْ أَن نَّفْعَلَ
فِي أَمْوَالِنَا مَا نَشَاءُ ۖ إِنَّكَ لَأَنتَ الْحَلِيمُ الرَّشِيدُ ﴿٨٧﴾ قَالَ يَٰقَوْمِ
أَرَأَيْتُمْ إِن كُنتُ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّي وَرَزَقَنِي مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا ۚ
وَمَا أُرِيدُ أَنْ أُخَالِفَكُمْ إِلَىٰ مَا أَنْهَاكُمْ عَنْهُ ۚ إِنْ أُرِيدُ إِلَّا الْإِصْلَاحَ
مَا اسْتَطَعْتُ ۚ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ ۚ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ ﴿٨٨﴾
وَيَٰقَوْمِ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِي أَن يُصِيبَكُم مِّثْلُ مَا أَصَابَ قَوْمَ نُوحٍ
أَوْ قَوْمَ هُودٍ أَوْ قَوْمَ صَالِحٍ ۚ وَمَا قَوْمُ لُوطٍ مِّنكُم بِبَعِيدٍ ﴿٨٩﴾ وَاسْتَغْفِرُوا
رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ ۚ إِنَّ رَبِّي رَحِيمٌ وَدُودٌ ﴿٩٠﴾ قَالُوا يَٰشُعَيْبُ مَا
نَفْقَهُ كَثِيرًا مِّمَّا تَقُولُ وَإِنَّا لَنَرَاكَ فِينَا ضَعِيفًا ۖ وَلَوْلَا رَهْطُكَ

لَرَجَمْنٰكَ ۡ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْنَا بِعَزِيْزٍ ﴿٩١﴾ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَهْطِيْٓ اَعَزُّ عَلَيْكُمْ
مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاتَّخَذْتُمُوْهُ وَرَآءَكُمْ ظِهْرِيًّا ؕ اِنَّ رَبِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿٩٢﴾
وَيٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ ؕ سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ يَّاْتِيْهِ
عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَمَنْ هُوَ كَاذِبٌ ؕ وَارْتَقِبُوْٓا اِنِّيْ مَعَكُمْ رَقِيْبٌ ﴿٩٣﴾ وَلَمَّا
جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا شُعَيْبًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَاَخَذَتِ
الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿٩٤﴾ كَاَنْ لَّمْ
يَغْنَوْا فِيْهَا ؕ اَلَا بُعْدًا لِّمَدْيَنَ كَمَا بَعِدَتْ ثَمُوْدُ ﴿٩٥﴾

ترجمہ : اور مدین کی طرف ان کا بھائی شعیبؑ بھیجا، اس نے کہا، اے میری قوم! اللہ کی ہی عبادت کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ اور کمی نہ کرو ناپ میں اور تول میں، میں تمہیں مالدار دیکھتا ہوں، اور میں تمہارے متعلق ایک گھیرنے والے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں (۸۴) اور اے میری قوم! پورا کرو ناپ اور تول انصاف کے ساتھ، اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم مت دو اور مت پھرو زمین میں فساد کرتے (۸۵) اللہ کا بقیہ تمہارے لیے بہتر ہے، اگر تم مومن ہو اور میں تمہارا کوئی نگران نہیں ہوں (۸۶) انہوں نے کہا: اے شعیب! کیا تیری نماز تجھ کو یہ حکم دیتی ہے کہ ہم چھوڑ دیں ان کو جنہیں ہمارے باپ دادا پوجتے تھے، یا ہم کریں اپنے مالوں میں جو چاہیں یقیناً تو ہی تو ایک بردبار بھلا آدمی ہے (۸۷) اس نے کہا! اے میری قوم! یہ تو دیکھو کہ اگر میں اپنے رب کی طرف سے کھلی دلیل پر ہوں، اور وہ مجھے اپنی طرف سے بہتر رزق دے۔ اور میں نہیں چاہتا کہ جس چیز سے تم کو روکوں، اس میں تمہاری مخالفت کروں۔ میں تو صرف اصلاح چاہتا ہوں جتنی مجھ سے ہو سکے، اور میری توفیق صرف اللہ کے ساتھ ہے، اسی پر میں نے بھروسہ کیا اور اسی کی طرف میں جھکتا ہوں (۸۸) اور اے میری قوم! نہ آمادہ کرے تم کو میری دشمنی اس پر کہ پہنچے تمہیں وہ عذاب، جو نوحؑ کی قوم کو پہنچا، یا ہودؑ کی قوم کو یا صالحؑ کی قوم کو۔ اور لوطؑ کی قوم تم سے کوئی دُور نہیں ہے (۸۹) اور تم اپنے رب سے بخشش مانگو، پھر اس کی طرف توبہ کرو۔ بلاشبہ میرا رب بہت مہربان ہے، بہت محبت کرنے والا ہے (۹۰) انہوں نے کہا! اے شعیب! ہم تیری بہت سی باتوں کو نہیں سمجھتے، اور ہم تجھے اپنے اندر کمزور دیکھتے ہیں اور اگر تیری برادری نہ ہوتی تو ہم تجھ کو رجم کر دیتے، اور تو ہم پر کوئی غالب نہیں ہے (۹۱) اس نے کہا: اے میری قوم! کیا میری برادری تم پر اللہ سے زیادہ عزیز ہے؟ اور تم نے اس کو

Marfat.com

پس پشت ڈال دیا ہے، بلاشبہ میرا رب تمہارے اعمال کو گھیرنے والا ہے (۹۲) اور اے میری قوم: تم عمل کرو اپنے امکان بھر، یقیناً میں بھی عمل کرنے والا ہوں۔ کچھ دیر بعد تم جان لو گے کہ کس پر عذاب آتے گا جو اسے رسوا کر دے گا۔ اور کون ہے جو جھوٹا ہے، اور تم انتظار کرو، میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں ہوں (۹۳) اور جب ہمارا حکم آگیا، تو ہم نے شعیب کو اور اس کے ایماندار ساتھیوں کو اپنی رحمت کے ساتھ نجات دی۔ اور آ پکڑا ظالموں کو چیخ نے، پس وہ اپنے گھروں میں گھٹنوں کے بل پڑے رہ گئے (۹۴) گویا وہ اس میں کبھی تھے ہی نہیں۔ سن لو کہ لعنت ہے مدین کے لیے جس طرح لعنت ہوئی تھی قوم ثمود پر (۹۵)

عقیدے اور باہمی انسانی معاملات کا تعلق

شعیب علیہ السلام کا واقعہ ایک ہی الٰہی پیغام کے ساتھ ایک ہی عقیدۂ خالدہ کے ادوار میں سے ایک دور تھا۔ جیسے کہ شعیبؑ اپنی قوم اہل مدین میں مبعوث ہوا۔ توحید الٰہی کی دعوت کے ساتھ یہاں ایک اور معاملہ بھی تھا۔ یعنی امانت وعدالت کا معاملہ ہو۔ لوگوں کے باہمی تعامل سے تعلق رکھتا تھا۔ اور اس کا الٰہی عقیدے کے ساتھ مضبوط تعلق ہے۔ اور یہ بھی اللہ وحدہ کی دینونت کا ہی ایک حصہ ہے۔ اور اس سے ہی پتہ چلتا ہے کہ بندے اس کی شرع وقانون کو مانتے ہیں یا نہیں۔ اہل مدین نے اس پیغام امانت ودیانت کا بڑی دہشت کے ساتھ استقبال کیا۔ وہ یہ نہ سمجھ پائے کہ مالی معاملات کا نماز کے ساتھ کیا تعلق ہے جو کہ اللہ کی دینونت کی تعبیر کرتی ہے۔ یہ واقعہ اپنے نسق میں اسی طرح کا ہے جیسا ہودؑ کا قصہ عاد کے ساتھ اور صالح کا واقعہ ثمود کے ساتھ تھا۔ ہاں! انجام کے لحاظ سے اسلوب بیان اور خاتمہ کی تعبیر میں یہ صالحؑ کے قصہ کے ساتھ زیادہ مشابہ ہے۔ حتیٰ کہ عذاب کی نوع میں اور عذاب کی عبارت میں بھی اس کے ساتھ مشترک نظر آتا ہے۔

اسلامی عقائد کی خشتِ اوّل

آیت نمبر ۸۴ میں ارشادِ الٰہی ہے کہ: "اور مدین کی طرف ان کے بھائی شعیبؑ کو بھیجا۔ اس نے کہا:
اے میری قوم: اللہ کی عبادت کرو، تمہارے لیے اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔"

یہ خدائے واحد کی عبادت ہے جو عقیدے کی پہلی بنیاد ہے اور زندگی کی بھی پہلی بنیاد ہے، نیز شریعت کی بھی اوّلین بنیاد، اور معاملات کی بھی پہلی بنیاد ہے۔ یہ ایک ایسی بنیاد ہے جس کے بغیر عقیدہ، عبادت اور معاملہ کچھ بھی قائم نہیں ہو سکتا۔ شعیبؑ نے کہا:

"اور ناپ تول میں کمی مت کرو۔ میں تمہیں مالدار دیکھتا ہوں۔ اور میں تم پر ایک محیط دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔ اور اے میری قوم! ناپ اور تول کو انصاف کے ساتھ پورا کرو، اور لوگوں کی چیزیں کم مت کرو، اور زمین میں فساد مت پھیلاتے پھرو۔ اگر تم ایماندار ہو تو اللہ کا بقیہ تمہارے لیے بہتر ہے۔ اور میں تم پر کوئی نگران نہیں ہوں۔"

Marfat.com

امانت وعدالت کا معاملہ

عقیدہ اور عبادت کے بعد یہ امانت وعدالت کا معاملہ تھا، یا دوسرے لفظوں میں یوں کہو کہ یہ عقیدے اور دینونت کے قاعدے سے پھوٹنے والا شریعت اور معاملات کا قاعدہ تھا۔ مدین والوں کا علاقہ حجاز سے شام کو جانے والی راہ پر واقع تھا۔ وہ ناپ تول میں کمی کرتے تھے، اور لوگوں کو ان کی چیزوں سے محروم کر دیتے تھے یعنی معاملات میں ان کی اشیاء کی قیمت میں نقص پیدا کر دیتے تھے۔ یہ ایک رذیلہ ہے جو دل کی صفائی اور ہاتھ کی نظافت کو تنگ کر دیتا ہے۔ اس سے مروت وشرافت بھی متاثر ہوتی ہے۔ یہ لوگ اپنے علاقے کے محل وقوع سے فائدہ اٹھا کر ان قافلوں پر رہزنی بھی کرتے تھے۔ جو جزیرۂ عرب کے شمال وجنوب میں آمد ورفت رکھتے تھے۔ قافلوں کی راہ میں وہ کئی ظالمانہ کاروبار کے بھی مالک تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں بیان فرمایا ہے۔ اور یہیں سے ظاہر ہوتا ہے کہ عقیدۂ توحید اور ایک اللہ کی عبادت کا امانت ونظافت اور معاملاتی عدالت اور لین دین کی شرافت کے ساتھ بہت گہرا اور بڑا تعلق ہے۔ اور خفیہ چوری کا قلع قمع کرنا چاہے یہ کام افراد کریں اور چاہے سلطنیں بجا لائیں، یہ انسان کی اعلیٰ انسانی زندگی کی ضمانت ہے۔ اس سے لوگوں کے اندر عدل وسلامتی پیدا ہوتی ہے۔ اور یہی ایک ایسی واحد ضمانت ہے، جس کا منشا خوف الٰہی اور اس کی رضا طلبی ہے۔ یہی ایک ایسی اصل اور بنیاد ہے۔ جو مصلحتوں اور خواہشات نفس کے تابع نہیں ہو سکتی۔

معاملات اور اخلاق کی مضبوط بنیاد

معاملات اور اخلاق کا کسی قائم وثابت اور گہری بنیاد پر مبنی ہونا ضروری ہے۔ وہ بنیاد جو روز مرہ کے بدلتے ہوئے عوامل پر مبنی نہ ہو، معاملات واخلاق کے بارے میں اسلام کا نظریہ یہی ہے۔ اور یہ نظریہ بنیادی، اور جوہری لحاظ سے دوسرے تمام اجتماعی واخلاقی نظریات سے یکسر مختلف ہے۔ وہ نظریات محض انسانی سوچ پر مبنی ہوتے ہیں، اور ان سے انسانی تصورات واوضاع اور ظاہری مصلحتیں ٹپکتی ہیں۔ لیکن جب وہ اس بنیادی مضبوط اصل پر قائم ہوں تو مادی ونفسانی مصلحتیں معدوم ہو جاتی ہیں۔ اور رائج الوقت عوامل اور ماحول کے اثرات پیچھے رہ جاتے ہیں۔ انسانی اخلاق میں اور ان کے باہمی معاملات میں اصل کار فرما قوت اخلاقی نقطۂ نظر سے یہ نہیں ہوتی کہ ان کی گذران زراعت پر ہو یا تجارت پر، وہ جانوروں کے چرواہے ہیں یا صنعت کار۔ ان مادی عوامل کا اثر اخلاقی عوامل کے سامنے بالکل ناپید ہوتا ہے۔ جب زندگی کے قواعد وضوابط کا مصدر اللہ کا قانون ہو اور جب اخلاق کا بنیادی قاعدہ خوفِ خدا اور رضائے الٰہی ہو۔ اس کے ثواب کا انتظار، اور اس کے عذاب اور ناراضگی سے بچنا ہو تو محض مادی اقتصادی نظریات اور اجتماعی اصول جو کسی مادی معاشرے میں کار فرما ہوتے ہیں، وہ اس اصولی نظریۂ اخلاق کے سامنے لغو ٹھہرتے ہیں۔

اِنِّیْٓ اَرٰىكُمْ بِخَیْرٍ

شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم سے تاکید واصرار کے ساتھ فرمایا کہ ناپ تول میں کمی مت کرو۔ میں دیکھ رہا ہوں

Marfat.com

کہ اللہ نے تمہیں بہت اچھا رزق عطا فرمایا ہے۔ تم بفضلِ خدا مالدار ہو مال و دولت میں اضافہ کرنے کے لیے تم اس
کمینگی کے ضرور تمند نہیں ہو کہ لوگوں کا حق مارو، اور ناپ تول میں کمی کرو۔ اگر تم ناپ تول میں بے ایمانی سے باز رہو
گے تو بھی تمہیں کوئی نقصان نہ ہو گا۔ بلکہ نقصان اگر ہو سکتا ہے تو ناپ تول میں بے ایمانی سے ہو سکتا ہے کیونکہ:۔

"مجھے خوف ہے کہ تم پر ایک محیط دن کا عذاب نہ آجائے"

یہ عذاب آخرت میں بھی ہو سکتا ہے، اور اس دنیا میں بھی جبکہ یہ بد دیانتی اور غدر رنگ لائے گا۔ اور اس
شجرۂ خبیثہ کے کڑوے پھل تم پر ٹپکیں گے۔ اس قسم کے اخلاقی جرائم سے معاشرہ برباد ہو جاتا ہے، تجارت کم
ہو جاتی ہے، اور انسانی باہمی کاروبار میں نقص واقع ہو جاتا ہے۔ بغض و حسد، مایوسی اور عداوت، اور احساس
محرومی اس بد اخلاقی کے لازمی نتائج ہیں۔ لہٰذا شعیبؑ نے مکرر سہ کرر وہی بات دہرائی جو اس سوسائٹی میں عام
رواج پکڑ چکی تھی۔ یعنی ناپ تول میں کمی کرنا اور لوگوں کو دھوکہ دے کر ان کا مال ہڑپ کر جانا۔ پہلے وہ انہیں کمی
کرنے سے منع کر چکے تھے، یہ ایک سلبی پہلو تھا، معاملے کا مثبت پہلو یہ تھا کہ انہیں صرف ناپ تول میں کمی کرنے
سے روکا نہ جائے، بلکہ ناپ تول کو پورا کرنے کا حکم دیا جائے۔ پس انہوں نے فرمایا:۔

"اے میری قوم! ناپ اور تول میں ایفا کرو انصاف کے ساتھ"

لوگوں کی اشیاء میں کمی مت کرو

یہ ناپ تول کی چیزوں سے زیادہ عام ہے، اس میں کیل و وزن کے علاوہ نرخ اور اندازہ بھی شامل ہے، بلکہ
اشیاء کی مادی قدر و قیمت سے بھی وسیع تر ہے کیونکہ ایسی چیزوں کی معنوی تقویم بھی شامل ہے۔ بلکہ اس میں کبھی اعمال
وصفات بھی داخل ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ شئی کا لفظ بعض دفعہ بولا جاتا ہے تو اس سے مراد غیر محسوس اشیاء ہوتی ہیں،
لوگوں کے اموال چھین لینا یا بے ایمانی، چالاکی اور ہوشیاری کے ساتھ ان کی چیزوں کو مار جانا مایوسی وبغض اور رنج
والم کے جذبات پیدا کرتا ہے۔ عوام عدل و انصاف اور خیر سگالی کے جذبات سے عاری ہو جاتے ہیں اور جب
کسی معاشرے میں ان چیزوں کا چلن عام ہو جائے تو زندگی اور باہمی تعامل اجیرن ہو جاتا ہے۔ اجتماعی رابطے بگڑ جاتے
ہیں۔ نیکی کا تصور ختم ہو جاتا ہے۔ اور جب تک بدی کو شامل نہ کرو نیکی بھی انسان کو کشش سے عاری نظر آتی ہے۔
اس سے ضمیر کے اعلیٰ جذبات ختم ہو جاتے ہیں، اور سفلی جذبات ابھر آتے ہیں۔ انہی چیزوں سے معاشروں میں فساد
ظلم و تعدی اور باہمی بے انصافی عام ہو جاتی ہے۔ یہی سبب ہے کہ اس کے بعد منطقی طور پر شعیبؑ کو یہ کہنا کہ:۔
وَلَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ۔

زمین میں فسادات مت پھیلاؤ۔

عَثَوْا کا معنی ہے فساد پھیلانا۔ وَلَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ کا مطلب یہ ہے کہ عمداً ایسے کام
مت کرو جو باعثِ فساد ہیں۔ اللہ کو فساد پسند نہیں۔ اللہ کے فرشتے بھی فساد سے نفور ہیں۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْفَسَادَ
اور اَتَجْعَلُ فِیْھَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْھَا الخ۔ جن کاموں، چیزوں یا باتوں سے انسانی ضمائر ایک دوسرے کے خلاف عداوت
کے جذبات سے بھر جائیں وہ فساد ہے اور قابلِ نفرت ہے۔

بَقِيَّتُ اللّٰه

شعیب علیہ السلام نے جو فرمایا کہ " اگر تم مومن ہو تو اللہ کا بقیہ تمہارے لیے ہے"۔ اس سے مراد یہ ہے کہ نیکی کا اثر دیرپا ہوتا ہے، وہ قرنہا قرن تک زندہ و پائندہ رہتی ہے۔ اور کچھ نہیں تو نیکی کا اور نیکو کار دوں کا نام ہی زندہ رہتا ہے

دونوں جہان کی فلاح و صلاح نیکی، خیرسگالی، ہمدردی اور باہمی شفقت و ترحم پر ہے۔ اگر یہ لطیف جذبات نہ ہوں تو دُنیا بھیڑیوں کا بھٹ بن کر رہ جائے۔ اَلْبَاقِيَاتُ الصَّالِحَات کی کمائی ہی اصل کمائی ہے اس عارضی جہان میں بھی باقی رہنے والی چیز یہی ہے اور آخرت کا مدار بھی اسی پر ہے۔

پیغمبر کی اصلی حیثیت

شعیب علیہ السلام نے قوم کو وعظ و تذکیر کے بعد یہ حقیقت واشگاف الفاظ میں سُنا دی کہ:۔

"اور میں تم پر کوئی محافظ اور نگران نہیں ہوں"

پیغمبر کا منصب تبلیغ رسالتِ الٰہی ہے۔ اس کے بعد اگر کوئی مان لے تو بہتر، ورنہ وہ ان پر محافظ نہیں ہوتا۔ وہ انہیں شر اور عذاب سے بچانے کا ذمہ دار نہیں۔ یہ قوم کا اپنا فعل ہے کہ نیکی کو اختیار کریں، اور بدی سے کنارہ کش ہو جائیں۔ ہدایت و ضلالت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ اس قسم کے خطاب سے پیغمبر کا مادیات سے بالاتر ہونا اور لوگوں کے نفع و نقصان کا مالک نہ ہونا ظاہر ہوتا ہے (ایک جگہ فرمایا ہے کہ اِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ اَحْبَبْتَ۔ از مترجم)

خطیب الانبیاء کی آواز

شعیب علیہ السلام کی ساری فصاحت و بلاغت، دردمندی، دلی ہمدردی و خیرخواہی، زورِ بیان' اسی فسادی اور ڈھیٹ قوم پر اثر انداز نہ ہوئی۔ چنانچہ شعیبؑ کی تقریر کے بعد وہ بولے کہ:۔

"اے شعیب! کیا تیری نماز تجھے یہ حکم دیتی ہے کہ ہم اپنے بڑوں کے معبودوں کو ترک کر دیں۔ یا یہ کہ (تم ہمیں اس سے باز رکھنا چاہتے ہو کہ) ہم اپنے اموال میں جو چاہیں کریں؟ یقیناً تو ہی تو ایک بُردبار بھلا انسان ہے"

اس جواب میں غرور و تکبّر اور ڈھٹائی کا واضح عنصر صاف دکھائی دے رہا ہے، وہ لوگ تمسخر پر اُتر آئے۔ کہ تیری نماز کیا تجھے یہ کہتی ہے کہ ہم اپنے قدیم معبودوں کو چھوڑ دیں؟ یا یہ کہ ہم اپنے اموال میں من مانی کریں؟

نماز کا عقیدے اور مالی معاملات سے تعلق ✓

قوم شعیبؑ کے لوگ یہ نہ سمجھتے تھے، یا سمجھنا نہ چاہتے تھے کہ نماز عقیدے کے تقاضوں میں سے ہے یہ وحدت و عبودیت کی صورتوں میں سے ایک صورت ہے۔ اور یہ کہ عقیدۂ توحید اس کے بغیر قائم نہیں ہوتا کہ غیر اللہ کی عبادت

Marfat.com

وجودیت سے دستبرداری دی جائے ۔ پھر یہ بھی نماز کا ہی تقاضا ہے کہ تجارتی اور کاروباری معاملات میں ، بلکہ زندگی کے تمام شعبوں میں اللہ کے احکام دنواہی کو قائم کیا جائے ۔ پس عقیدہ ، نماز ، کاروبار اور مالی معاملات ایک دوسرے سے جدا نہیں ہیں ۔

عقیدے اور عمل کی جدائی کا جاہلی تصوّر

آگے چلنے سے پہلے یہ بات بتانا نہایت ضروری ہے کہ یہ گمراہی صرف قوم شعیبؑ میں نہ تھی ، بلکہ آج کل بھی موجود ہے ۔ آج کل بھی یہی کہا جاتا ہے کہ نماز اپنی جگہ پر ہے اور کاروباری معاملات اپنی جگہ پر ہیں ۔ ان میں کوئی باہمی ربط نہیں ہے ۔ موجودہ جاہلیت بھی قدیم جاہلیت کی مانند دین و دنیا کی تفریق کی قائل ہے ۔ اس کا یہ عقیدہ ہے کہ کاروبار میں جو چاہو کرو ، اس کا نماز ، روزے اور عقیدے کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے ۔ عبادت گاہ میں جاؤ تو نماز پڑھ لو ۔ باہر نکلو تو سودی کاروبار اور ہر قسم کی بے ایمانی کرلو ۔ زندگی کے یہ دونوں حصے الگ الگ ہیں ۔ ایک کا دوسرے سے کوئی بھی تعلق نہیں ہے ۔

اصل شرف

درحقیقت یہ ملحدانہ تصور نہایت مہلک ہے جو انفرادی و اجتماعی زندگی سے نیکی کی جڑوں کو کھود کر باہر پھینک دیتا ہے ۔ یہ تصور قدیم جاہلیت کی میراث ہے ، جسے من وعن جدید جاہلیت نے اپنا لیا ہے ۔ جدید جاہلیت اس قدیم جاہلیت سے افضل و اعلم نہیں ہے ۔ جو شرک شعیبؑ کی قوم میں تھا ، وہی دورِ جدید کی جاہلیت میں بھی ہے ۔ آج دنیا کے ہر خطے کے لوگ یہودی یا عیسائی یا مسلمان ، عقیدے اور عمل کی تفریق کے قائل ہیں ۔ شریعت اور تعامل کو الگ الگ سمجھتے ہیں ۔ ان کے خیال میں عقیدہ و شعائر ایسی چیزیں ہیں جن کا تعلق اللہ سے ہے مگر قانون اور تعامل دوسری چیز ہے جو غیر اللہ کے لیے ہونی چاہیئے ، اور اصلی شرک یہی ہے ۔

یہودیوں کی خصوصیّت

آج کل صرف یہودی قوم ہی وہ قوم ہے جو اپنے اوضاع و معاملات کو اپنے زعم کے مطابق عقیدے سے ہم آہنگ رکھتے ہیں ۔ ان کے عقیدے ، کتابوں ، شعائر و رسوم عبادت ، ہر چیز میں انحراف کا چلن ہے ۔ مگر جس چیز کو وہ اپنا عقیدہ قرار دیتے ہیں ، اس پر عمل پیرا ہوتے ہیں ۔ سلطنتِ اسرائیل میں ان کی کنشت یعنی مجلس قانون ساز میں ایک مقدمہ پیش کیا گیا ۔ جس کا مضمون یہ تھا کہ ایک یہودی بحری جہاز میں اپنے غیر یہودی سواروں کو غیر شرعی کھانے پیش کرتا تھا ۔ چنانچہ فیصلہ یہ ہوا کہ جہاز ران کمپنی کو اگر خسارہ ہوتا ہے تو ہوتا رہے ، مگر وہ اپنے گاہکوں اور سواروں کو غیر شرعی کھانے پیش نہ کرسکے گا ! اب مسلمان دیکھیں کہ اس یہودی قوم کے اپنی شریعت پر عمل کرنے اور کرانے کا جذبہ کیا ہے ۔ اور مقابلۃً مسلمانوں کا زندگی کے سب معاملات میں کیا حال ہے ؟ آج بہت سے مسلمان وہ ہیں جو عقیدے اور عمل کو ، اور عقیدے اور اخلاق کو الگ الگ شمار کرتے ہیں ۔ خاص کر مادی معاملات کے اخلاق کو تو وہ عقیدے اور عبادات سے بالکل الگ تھلگ ٹھہراتے ہیں ۔ ان کے نزدیک دین کا تقاضا صرف عقیدہ

توحید کا اعلان کرنے، اور بعض شعائرِ دین کی پابندی کرلینے تک محدود ہے، اس کے بعد انسان اپنے قول و فعل میں بالکل آزاد ہے۔

یونیورسٹیوں کے مُسلم فضلاء

ہمارے معاشروں میں آجکل مسلم کہلانے والے ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو عقیدے اور اخلاق کے درمیان کسی تعلق کو بیگانگی کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ خاص کر مادی معاملات کا اخلاق ان کے نزدیک عقیدے سے قطعی جداگانہ چیز ہے۔ ہماری یونیورسٹیوں اور دنیا کی دوسری یونیورسٹیوں سے ڈگریاں حاصل کرنے والے اول تو از راہِ بیگانگی سوال کرتے ہیں کہ: اسلام کا ہمارے شخصی معاملات سے کیا لین دین ہے؟ اسلام کا سمندروں کے کناروں پر عریاں رہنے کے ساتھ کیا واسطہ ہے؟ اسلام کا راستوں پر عورتوں کے نئے نئے فیشن کے ساتھ کیا تعلق ہے؟ اسلام کا جنسی قوت کو کسی بھی طریقے سے صرف کرنے کے ساتھ کیا تعلق ہے؟ اسلام کا اصلاحِ مزاج کی خاطر ایک پیالہ شراب پی لینے سے کیا نقصان ہے؟ اسلام کا ان کاموں سے کیا واسطہ جو یہ مہذب و متمدن لوگ کرتے ہیں؟ اب دیکھنے والے غور سے دیکھ لیں کہ ان لوگوں کے سوالات میں اور اہلِ مدین کے اس سوال میں کیا فرق ہے کہ:

"تیری نماز تجھے یہ حکم دیتی ہے کہ ہم ان چیزوں کو ترک کردیں جن کی ہمارے بڑے بزرگ پوجا کیا کرتے تھے؟"

پھر وہ دوسرے نمبر پر سوال کرتے ہیں۔ بلکہ شدت اور اکھڑپن کے ساتھ اس بات کا انکار کرتے ہیں، کہ دین اقتصادی معاملات میں دخل دے۔ اور معاملات کا صلہ عقیدے سے قائم کیا جائے۔ یا دنیا کا ان اخلاق سے کیا واسطہ جن کو غیر اقتصادی اخلاق کہا جاتا ہے؟ دین کا سُودی کاروبار سے کیا واسطہ ہے؟ دین کو اس پر کیا اعتراض ہے کہ اگر کوئی آدمی رائج الوقت قانون کی زد میں آئے بغیر دھوکہ بازی اور چوری کرے؟ بلکہ وہ لوگ از راہِ حیرانی یہ پوچھتے ہیں کہ اخلاق اگر اقتصادیات میں دخل انداز ہو تو اس کا کیا بگاڑ دے گا؟ اگر کوئی شخص مغربی اقتصادی نظریات کو تسلیم کرتے ہوئے ان میں اخلاق کا بھی کوئی دخل سمجھے یا اس پر زور دے تو ان گریجویٹ حضرات کو حیرت ہوتی ہے۔

نئی جاہلیت مدین والوں کی جاہلیت سے شدید تر ہے

ہمیں اہلِ مدین کی جاہلیت پر زیادہ تعجب نہ کرنا چاہیئے۔ کیونکہ ہماری صفوں میں اس قدیم جاہلیت کے شدید تر جاہلیت موجود ہے۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ وہ جاہلیت صرف جاہلیت تھی، اور موجودہ جدید جاہلیت سائنس، روشن خیالی اور تہذیب و ثقافت کے نام سے جلوہ گر ہوتی ہے، اور ان لوگوں پر بہتان طرازی اور تہمت تراشی کرتی ہے، جو عقیدۂ توحیدِ خداوندی میں اور زندگی کے شخصی معاملات میں کوئی رابطہ مانتے ہیں، ان کا خیال یہ ہے کہ بازاری معاملات کا لین دین کے کاروبار کا اور روزی کمانے کے طریقوں کا دین سے کیا تعلق ہے؟ اور تعلق ماننے والوں کو وہ رجعت پسندی، تعصب اور جمود کا طعنہ دیتے ہیں۔ حالانکہ توحیدِ خداوندی کا عقیدہ دل میں راسخ ہو ہی نہیں سکتا، جبکہ انسان الٰہی اوامر و نواہی اور قوانین و نوامیس کو ترک کرکے دُنیا کے خود ساختہ قوانین کو اپنالے۔ ایک دل میں توحید اور شرک کا اجتماع ناممکن ہے، توحید ہوگی تو شرک نہ ہوگا، اور اسی طرح

Marfat.com

اگر شرک ہوگا تو توحید رخصت ہو جائے گی۔ شرک کے کئی رنگ، اور کئی اقسام ہیں۔ اس کا ایک رنگ وہ ہے، جس میں ہم آجکل زندہ ہیں۔ یہ وہ اصلی اور حقیقی شرک ہے جس پر ہر زمانے اور قوم کے مشرک متفق رہے ہیں۔

تو ہی تو ایک عاقل اور بھلا آدمی ہے۔

اہلِ مدین شعیبؑ سے تمسخر کرتے ہیں۔ جس طرح کہ آجکل کے "مہذب لوگ" داعیانِ توحید کے ساتھ تمسخر کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں: "بے شک تو ہی تو ایک حلیم و رشید ہے۔" یہ انہوں نے ازراہِ تمسخر کہا تھا، کیونکہ ان کے نزدیک حلم و رشد کا معیار یہ تھا کہ اندھا دھند وہ کام کیا جائے جو آباء و اجداد کرتے تھے مثلاً غیر اللہ کی عبادت! اور عبادت اور کاروباری معاملات میں جدائی کی جائے۔ یہی معیار آجکل کے نام نہاد مہذب و مثقف لوگوں کا ہے جو دینداروں کو رجعت پسند اور متعصب قرار دیتے ہیں۔

شعیبؑ کا حلیمانہ و حکیمانہ جواب

شعیبؑ واقعی بڑا حلیم و دانا تھا۔ وہ قوم کی اشتعال انگیزی پر جوش میں نہیں آیا۔ بڑی نرمی اور بردباری سے ——— جو صاحب دعوت کا خاصہ ہے ——— قوم کے تمسخر پر کان نہ دھرتے ہوئے، نپے تُلے الفاظ میں بولا کہ:

> "اے میری قوم! دیکھو، اگر میں اپنے رب کی طرف سے کھلی دلیل پر ہوں، اور وہ مجھ کو رزقِ حسن عطا کرے (تو کیا پھر بھی تم میری بات نہ سنو گے؟) اور جن باتوں سے میں تمہیں منع کرتا ہوں، میں نہیں چاہتا کہ ان میں تمہاری مخالفت کروں، میں تو صرف امکان بھر اصلاح چاہتا ہوں اور مجھے اللہ ہی اس کی توفیق دے گا، اسی پر میرا بھروسہ ہے اور اسی کے آگے میں جھکتا ہوں۔"

یہ ایک داعیٔ حق کی آواز ہے جس کو اپنے برحق ہونے، صاحبِ بینہ ہونے، اپنی دعوت کے تقاضوں پر خود عامل ہونے کا کامل یقین حاصل ہے۔ اور پھر وہ یہ بھی اعلان کرتا ہے کہ اس تبلیغِ حق میں میری کوئی ذاتی غرض نہیں ہے میں صرف اصلاح چاہتا ہوں۔ مجھے اس بات کا پختہ اور کامل یقین ہے کہ میری دعوت وحیٔ الٰہی پر مبنی ہے، میرے پاس میرے رب کی بینہ (روشن دلیل) ہے۔ اگر اور کوئی معجزہ نہ بھی ہو تو پیغمبر کی اپنی ذات، اس کی تعلیم، اس کی جرأت و لیاقت، اس کی حق پسندی اور حق جوئی، یہ سب کچھ خود ایک بینہ ہی ہوتی ہے۔ اس نے کہا کہ میرے پاس اللہ کا دیا ہوا رزقِ حسن موجود ہے۔ کسبِ معیشت کے لیے میں کوئی غلط کام نہیں کرتا، ناپ تول میں کمی نہیں کرتا، جس چیز کا تمہیں حکم دیتا ہوں اس پر پہلے خود عمل کرتا ہوں، جس چیز سے تمہیں منع کرتا ہوں اس سے خود بھی باز رہتا ہوں۔ کمائی خالصتہً حلال ہونے کے باوجود اللہ کا دیا سب کچھ میرے پاس ہے۔ میں تمہاری طرح اس غلط فہمی کا شکار نہیں ہوں کہ اگر ناجائز ذرائع اختیار نہ کیے جائیں تو مال و دولت کا حصول ناممکن ہے۔ میں زندگی کی عام اصلاح چاہتا ہوں، معاشرے کی اصلاح چاہتا ہوں، ہر فرد کی اصلاح چاہتا ہوں، اخلاق کی درستی، کسب کی درستگی، مال کی درستی، تصور و عقیدہ کی درستی اور اعمال و معاملات کی درستی میرے پیشِ نظر ہے۔ میں اس سلسلے میں اپنی کوشش پر بھی نازاں نہیں ہوں، اللہ ہی مجھے اس کی توفیق دیتا ہے، اسی پر میرا

توکل ہے ۔ اور اسی کی طرف میں جھکتا ہوں ۔ ہر کام میں میرا رجوع اسی کی طرف ہے ، جو کام آپڑے میں صرف اسی طرف رجوع کرتا ہوں ۔ میری نیت ، کوشش اور عمل اسی کے لیے ہے ۔

تذکیر کا ایک اور میدان

اس کے بعد شعیبؑ نے ـــــ جنہیں حدیث میں خطیب الانبیاء کے لقب سے یاد فرمایا گیا ہے ـــــ انہیں گذشتہ معذب قوموں کی موت کے میدان دکھائے ۔ نوحؑ ، ہودؑ ، صالحؑ اور لوطؑ کی قوموں کا حوالہ دیا اور فرمایا کہ ان کے احوال سے عبرت حاصل کرو ۔ قوم لوطؑ تو تم سے زمان و مکان کے لحاظ سے قریب ہی ہے ، یہ اس لیے فرمایا کہ مدین کا علاقہ حجاز اور شام کے درمیان تھا ۔ اس ضمن میں ارشاد ہوا ہے :۔

"اور اے میری قوم ! تمہیں میری عداوت اس پر نہ اُبھارے کہ تمہیں وہ عذاب پہنچ جائے جو قوم نوحؑ یا قوم ہودؑ یا قوم صالحؑ کو پہنچا تھا ۔ اور قوم لوطؑ تو تم سے کوئی دور نہیں ہے ۔"

مطلب یہ تھا کہ خدا سے ڈرو ، میری مخالفت اور عناد کے باعث کہیں تمہارا بھی وہ حال نہ ہو جو ان لوگوں کا ہوا تھا ۔ یہ نظارے شعیبؑ نے ان کے لیے اس لیے پیش کیے کہ ممکن ہے کسی دل میں ہدایت کا کلمہ داخل ہو کر اثر انداز ہو جائے ۔ اسے ہم واقعاتی اور عملی دلیل کہہ سکتے ہیں ۔ شعیب علیہ السّلام نے یہ بھی کہا کہ میری مخالفت اور عناد کے باعث تم تکذیب مت کرو ۔ کیونکہ تم سے پہلے جن قوموں کو عذاب ہوا تھا ، ان کے حالات بھی کچھ اس قسم کے ہیں ۔ اس لیے وہ ان کے سامنے مغفرت اور توبہ کا دروازہ کھولتے ہیں کہ تکذیب و عناد کی راہ کے بجائے تم اس دروازے میں داخل ہو جاؤ ، تاکہ تمہارا وہ حال نہ ہو جو مخالفت و تکذیب والوں کا ہوا تھا ۔"

اس طرح شعیبؑ ان لوگوں کو نصیحت و تذکیر اور خوف و طمع کے میدانوں میں لے کر پھرتا رہا ، اس امید پر کہ شاید ان کے دلوں کے بند دروازے کھل جائیں ، ان میں عاجزی اور نرمی پیدا ہو جائے ۔

ہم تیری باتیں نہیں سمجھ سکتے ۔

مگر قوم شعیبؑ دلی فساد ، غلط فہمی اور سوئے تصور کے اس مقام پر پہنچ چکی تھی کہ پہلے تو انہوں نے تمسخر سے کام لیا ۔ اب ہٹ دھرمی اور دھمکیوں پر اُتر آئے ۔

"انہوں نے کہا ، اے شعیبؑ ! ہم تیری بہت سی باتوں کو سمجھ نہیں سکتے ، اور ہم تجھ کو اپنے اندر کمزور پاتے ہیں اور اگر تیری برادری نہ ہوتی تو ہم تجھے پتھروں سے مار ڈالتے اور تو ہم پر کوئی غالب نہیں ہے ۔"

(آیت نمبر ۹۱)

مطلب یہ ہوا کہ انہوں نے واضح حق کی طرف سے اپنے دلوں کے دروازے بند کر لیے ، اور صاف طور کہا کہ ہم تیری بات کو سمجھنا چاہتے بھی نہیں ، وہ زندگی کی اقدار کو مادی قیمتوں کے ساتھ ناپتے تھے ، اسی لیے انہوں نے یہ کہا کہ تو ایک کمزور انسان ہے ۔ اور ہمیں تیرا نہیں ، بلکہ تیری برادری اور خاندان کا لحاظ ہے ورنہ ہم تجھ پر پتھراؤ کر دیتے ۔ وہ اعتقاد کو کوئی اہمیت نہیں دیتے ، بلکہ ذات ، برادری اور خاندان کو دیتے ہیں ۔ دل کے تعلق کے قائل نہیں بلکہ خونی تعلق کی اہمیت کا اعلان کرتے ہیں ۔ شعیبؑ کو یہ کہہ کر ، وَمَا أَنْتَ عَلَيْنَا بِعَزِيزٍ ۔ وہ غیرت الٰہی کو

تبلیغ کرتے ہیں۔ انہیں یہ نہیں معلوم کہ اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کی خاطر بڑے سے بڑا کام بھی کر دیا کرتا ہے۔

ہم تو صرف ایک حساب سے باخبر ہیں

قوم شعیبؑ کے اس اعلان عام کا مطلب یہ تھا کہ ہم رشتے اور برادری کے حساب سے علاوہ اور کوئی حساب نہیں جانتے، تو نبی ہے تو ...... ہمیں کیا؟ اگر تیرا خاندان نہ ہوتا تو ہم تجھے مزا چکھ دیتے اور تو اس طرح بڑھ بڑھ کر باتیں نہ بنایا کرتا! انسان کا دل جب حقیقی قدروں سے خالی ہو جائے تو پھر وہ دنیا کی لطف اور بے قیمت چیزوں پر گر جاتا ہے۔ جب حالت یہ ہو جائے تو کسی بڑی حقیقت اور کسی باعزت دعوت کی کوئی قدر و قیمت نہیں رہتی۔ اس قسم کے لوگ داعیوں کی توہین، مارپیٹ بلکہ قتل تک سے دریغ نہیں کرتے۔ ہاں! اگر داعی کا کوئی محافظ قبیلہ اور قومی برادری ہو تو وہ ایسا نہیں کرتے۔ یا پھر داعی کے پاس اگر کوئی مادی قوت موجود ہو تو وہ اس کی حمایت کے لیے اٹھ کھڑی ہوتی ہے۔ حق کو حق جان کر نہیں، بلکہ حق والے کی رشتہ داری کے باعث! عقیدے، حق، اور دعوت کا ان کے نزدیک کوئی وزن نہیں ہوتا۔

شعیب علیہ السلام کی غیرت حق

قوم کی باتیں سن کر شعیبؑ کے دل میں غیرتِ حق نے جوش مارا۔ اس نے اپنے رب کے جلال اور وقار پر اظہار غیرت کیا۔ اس نے قوم کو اس بات پر ڈانٹا کہ تم وجود کائنات میں قائم اصلی قوت کا غلط اندازہ کرتے ہو۔ اور سوئے ادب کا مظاہرہ کرتے ہو۔ اب شعیبؑ نے ان سے آخری بات کہہ دی، اور فیصلہ کن انداز میں ان سے جدا ہو گیا، اسے یہ معلوم ہو چکا تھا کہ اب اتمام ہو چکی ہے، اور یہ قوم ایمان لانے والی نہیں، لہٰذا اس نے برسرِ عام اعلان کیا کہ:

"اے میری قوم! کیا میرا قبیلہ تمہارے نزدیک اللہ سے زیادہ عزیز ہے اور اس کو تم نے پس پشت ڈال دیا ہے، بلاشبہ میرا رب تمہارے اعمال کو محیط ہے۔ اور اے میری قوم! تم اپنے امکان بھر کام کرو، میں بھی کام کر رہا ہوں، تم جان لوگے کہ کس پر رسواکن عذاب آئے گا۔ اور وہ کون ہے جو جھوٹا ہے، اور تم بھی انتظار کرو، میں بھی تمہارے ساتھ منتظر ہوں۔" (آیات ۹۲ - ۹۳)

کیا میرا قبیلہ تمہیں اللہ سے عزیز ہے؟

کوئی انسانی جماعت خواہ کتنی قوی اور مضبوط ہو، بہرحال وہ انسانی جماعت ہے، خدا تو نہیں۔ وہ انسان ہیں، کمزور ہیں، اللہ کے بندوں میں سے بندے ہیں، کیا یہ تمہیں اللہ کی نسبت عزیز تر ہیں؟ کیا تمہارے دلوں میں اپنے جیسے چند کمزور انسانوں کا وقار اللہ تعالیٰ کی نسبت زیادہ ہے؟ اور تم نے اللہ تعالیٰ کو پس پشت ڈال دیا ہے، باوجودیکہ تم اس کی مخلوق ہو اور وہ تمہارا خالق ہے، تم اُسے یوں نظر انداز کر رہے ہو کہ گویا تم نے اس کو پیٹھ کے پیچھے پھینک دیا ہے۔ یہ چونکہ اعراض اور نظر انداز کرنے کی ایک مخصوص صورت ہے۔ لہٰذا اسے اختیار فرمایا گیا۔ اور شعیبؑ کا یہ قول کہ: بلاشبہ میرا رب تمہارے اعمال کو گھیرنے والا ہے۔ اس میں علم الٰہی کی انتہائی حسی

Marfat.com

صورت پیش کی گئی ہے۔ کسی چیز کو پوری طرح جاننے اور اس پر قدرت ہونے کو ان الفاظ سے ظاہر کیا جاتا ہے، کہ فلاں شخص فلاں چیز پر محیط ہے۔ شعیب علیہ السلام نے جب دیکھا کہ ان کی قوم ان کے قبیلے اور برادری کو اللہ تعالیٰ سے عزیز تر جانتی ہے، انہیں اللہ کا رسولؐ اور نبی جان کر ان کا لحاظ نہیں کرتی، بلکہ ان کے قبیلے کے باعث ان پر ہاتھ نہیں ڈالتی، اور پھر وہ یہ احسان بھی جتاتی ہے تو اس صورت حال کو دیکھ کر شعیبؑ پر غیرت حق طاری ہو گئی اَلْحُبُّ لِلّٰہِ وَالْبُغْضُ فِی اللّٰہِ کو حدیث صحیح میں ایمان کی اعلیٰ تر علامت بتایا گیا ہے۔ اگر کسی دنیا دار، مادہ پرست انسان کو یہ بات کہی جاتی، جو شعیبؑ کو اس کی قوم نے کہی تھی تو وہ پھول جاتا، گردن اٹھالیتا، اکڑتا اور کبر و غرور کی نمائش کرتا کہ لوگ اس کی ذات برادری سے ڈرتے ہیں۔ مگر یہاں پر معاملہ ایک نبی کا تھا، جس کی نگاہ میں مادی رشتے اتنی زیادہ اہمیت نہیں رکھتے تھے۔ شعیبؑ کے جواب کا مطلب یہ بھی تھا کہ اصل محافظ تو اللہ تعالیٰ ہے اور اسی پر میرا توکل ہے، اسے تو تم پس پشت ڈالتے ہو، اور میری برادری کا نام لے کر مجھ پر احسان دھرتے ہو کہ ہم تیری اس برادری کی خاطر تجھے سنگسار نہیں کر رہے۔ ایمان دار کی عزت خونی رشتوں کے ساتھ نہیں، بلکہ اللہ کے ساتھ ہے۔ وہ اس بات پر خوش نہیں ہوتا کہ لوگ اس کی برادری سے ڈریں اور خدا سے نہ ڈریں۔ مسلم کی عصبیت قوم اور قبیلے کے باعث نہیں، بلکہ اس کے رب اور دین کے باعث ہے۔ اسلام اور جاہلیت کے درمیان یہی ایک فیصلہ کن چیز ہے، ہر زمانے اور ہر جگہ پر مومن اگر کسی سے جڑتے ہیں تو ایمان کے باعث، اور کٹتے ہیں تو فریق ثانی کے کفر کے باعث، اسی الٰہی غضب و غیرت پر شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کو آخری چیلنج دے دیا کہ تم اپنی راہ پر چلو، میں اپنی راہ پر چلتا ہوں، تمہیں عنقریب پتہ چل جائے گا کہ کون حق پر تھا اور کون ناحق پر تم بھی انجام کار کا انتظار کرو، میں بھی کرتا ہوں۔ اس چیلنج سے پتہ چل جاتا ہے کہ شعیب علیہ السلام کو اپنے رب پر، اپنے برسر حق ہونے پر، اپنے اچھے انجام پر کس قدر اعتماد تھا۔

ظالموں کو چیخ نے پکڑ لیا

شعیب علیہ السلام کی آخری فیصلہ کن بات سے پردہ گر گیا، مگر یہ اتنا ضرور پتہ چل گیا کہ اب کچھ ہو کر رہے گا۔ پس اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس قصے کا آخری نظارہ یہ دکھایا ہے کہ شعیبؑ کی قوم اپنے گھروں میں اوندھی، گھٹنوں کے بل گری پڑی ہے۔ ان پر وہ صاعقہ گری ہے جو قوم صالحؑ پر گری تھی، پس ان کا انجام بھی انہی کی مانند ہوا۔ ان کے گھر اور علاقہ ان سے خالی ہو گیا۔ یوں نظر آتا تھا کہ یہ مکان ہمیشہ سے خالی پڑے تھے، ان میں کوئی بسنے والا متنفس نہ آیا تھا۔ یہ بھی انہی کی مانند لعنت لے کر دنیا سے چلتے بنے، چنانچہ آیات نمبر ۹۴ ۹۵ میں فرمایا ہے کہ:

> "اور جب ہمارا حکم آگیا، تو ہم نے اپنی رحمت سے شعیبؑ اور اس کے ساتھیوں کو بچا لیا، اور ظالموں (مشرکوں) کو چیخ نے آپکڑا، پس وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے، گویا کہ وہ کبھی ان گھروں میں بسے ہی نہ تھے۔ سن لو کہ مدین کے لیے بھی لعنت ہے، جس طرح کہ ثمود کے لیے لعنت تھی!" اور اس اعلان پر سیاہ صفحات میں سے ایک اور صفحہ لپیٹ دیا گیا، جن لوگوں نے وعید کی تکذیب کی تھی، ان پر آخر کار وعید ثابت ہو گئی۔

Marfat.com

آیات ۹۶ تا ۹۹

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۹۶﴾ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَاتَّبَعُوْٓا اَمْرَ فِرْعَوْنَ ۚ وَمَآ اَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيْدٍ ﴿۹۷﴾ يَقْدُمُ قَوْمَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ ۭ وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُوْدُ ﴿۹۸﴾ وَاُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهٖ لَعْنَةً وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ بِئْسَ الرِّفْدُ الْمَرْفُوْدُ ﴿۹۹﴾

(ترجمہ) اور بلاشبہ ہم نے موسیٰؑ کو اپنی آیات کے ساتھ اور واضح دلیل کے ساتھ بھیجا (۹۶) فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف، پس انہوں نے فرعون کے حکم کا اتباع کیا، اور فرعون کا حکم ہدایت کے خلاف تھا (۹۷) وہ قیامت کے دن اپنی قوم کے آگے آگے ہوگا، پھر ان کو جہنم میں لے جائے گا، وہ بہت ہی برا گھاٹ ہے جس پر کوئی جائے (۹۸) اور ان پر اس دنیا میں لعنت پیچھے لگائی گئی، اور قیامت کے دن بری مہمانی ہوگی، جس پر وہ پہنچیں گے (۹۹)

اِس سُورت کے قِصّوں کا خاتمہ

اِس سورت میں جو واقعات بیان ہوئے ہیں، اُن کا خاتمہ موسیٰؑ اور فرعون کے قصے کی طرف اس ارشاد پر ہے جو مختصراً ان آیات میں بیان ہوا ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ فرعون اور اس کے حوالی موالی سردار کا انجام ظاہر کیا جائے، جس قوم نے اس کے حکم کی تعمیل کی تھی، اس کا انجام بتایا جائے۔ اور اس اشارے میں ان واقعات کی طرف بھی مخفی اشارے پائے جاتے ہیں جو یہاں پر بیان نہیں ہوئے۔ ان آیات میں قیامت کے زندہ متحرک نظاروں میں سے بھی ایک نظارہ موجود ہے۔ ان سب سے ایک بنیادی بات ظاہر ہوتی ہے جو اسلام کے بنیادی مسائل میں سے ہے اور وہ ہے انسان کی انفرادی ذمہ داری جس کو رؤساء اور بزرگوں کا اتباع کرنا ساقط نہیں کرسکتا۔

موسیٰؑ کی بعثت دلائل و معجزات کے ساتھ

موسیٰ علیہ السلام کا قصہ اس مقام پر مجملاً بیان ہوا ہے۔ ابتداء یہاں سے ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنے معجزات اور کھلی دلیل کے ساتھ فرعون اور اس کے اُمراء و وزراء کی طرف بھیجا، مگر ان معجزات و دلائل کی کوئی تفصیل نہیں دی گئی۔ بات فوراً فرعون کی قوم کی نافرمانی کی اور فرعون کے احکام کے مانے جانے کی شروع

ہوگئی" "پس انہوں نے فرعون کے حکم کا اتباع کیا" اگرچہ فرعون کے حکم میں حماقت وجہالت اور افراط وتفریط پائی جاتی تھی " اور فرعون کا حکم بھلائی کا نہ تھا" وہ دنیا میں بھی اپنی قوم کا راہنما تھا، آخرت میں بھی اس کا یہی حال ہوگا کہ " وہ قیامت کے دن اپنی قوم کے آگے آگے چلے گا" اور قوم فرعون دنیا میں بھی اندھا دھند اس کی پیروی تھی۔ لہٰذا میدان قیامت سے جہنم تک لے جانے میں بھی فرعون اس کا قائد، اور قوم اس کی مطیع ہوگی۔ نتیجہ کیا ہوگا؟ "پس وہ انہیں آگ میں جا داخل کرے گا" دنیا میں اس نے انبیاء کی مخالفت میں قوم کی سربراہی کی۔ وہاں جہنم کے داخلے میں وہ ان کا مہ براہ اور راہنما ہوگا، جس طرح چرواہا اپنی بھیڑ بکریوں کو پانی کے حوض میں پہنچا دیتا ہے اسی طرح فرعون اپنی قوم کو، جو بھیڑ بکریوں کی مانند اندھا دھند اس کی فرماں بردار تھی، جہنم میں لے جائے گا۔ جس طرح اس قوم نے دنیا میں اپنے ارادے اور اختیار کی حریت کو استعمال نہیں کیا تھا، وہاں بھی وہ بھیڑ بکریوں کے ریوڑ کی مانند اس کے پیچھے ہوگی، جس طرح دنیا میں اس نے قوم کو کسی اچھے کام کی طرف راہنمائی نہیں کی تھی، یہی حال وہاں بھی ہوگا۔ "اور وہ گھاٹ جس پر فرعون انہیں لے جائے گا، بہت برا ہوگا۔ نہ اس سے کسی کی پیاس بجھے گی نہ کسی کی تسلی ہوگی۔" "اور ان کا گھاٹ جس پر جائیں گے، بہت ہی برا ہوگا" انہوں نے دونوں جہان کی لعنت کمائی۔ دنیا کا ہر شریف انسان ان کے افعال پر لعنت کرتا ہے، اور آخرت میں پھر وہ مستحق لعنت وعذاب ہوں گے "یہ ایک برا تحفہ ہوگا جو فرعون اپنی قوم کو عطا کرے گا" جادوگروں کو موسیٰ کے مقابلے میں لاکر کھڑا کرنے والا، اور ان سے بھرپور انعام واکرام کا وعدہ کرنے والا، اپنے انعام واکرام کو جہنم کی آگ کی صورت میں پورا کرے گا، کیا ہی برا تحفہ ہے، کیا ہی بری مہمانی ہے جو ان کو ملے گی۔

---

۱۰۰ تا ۱۲۳ ———— ذٰلِكَ مِنْ

اَنۡۢبَآءِ الۡقُرٰى نَقُصُّهٗ عَلَيۡكَ مِنۡهَا قَآٮِٕمٌ وَّحَصِيۡدٌ (۱۰۰) وَمَا ظَلَمۡنٰهُمۡ

وَلٰكِنۡ ظَلَمُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ فَمَاۤ اَغۡنَتۡ عَنۡهُمۡ اٰلِهَتُهُمُ الَّتِىۡ يَدۡعُوۡنَ

مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ مِنۡ شَىۡءٍ لَّمَّا جَآءَ اَمۡرُ رَبِّكَ ؕ وَمَا زَادُوۡهُمۡ غَيۡرَ تَتۡبِيۡبٍ (۱۰۱)

وَكَذٰلِكَ اَخۡذُ رَبِّكَ اِذَاۤ اَخَذَ الۡقُرٰى وَهِىَ ظَالِمَةٌ ؕ اِنَّ اَخۡذَهٗۤ

اَلِيۡمٌ شَدِيۡدٌ (۱۰۲) اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّمَنۡ خَافَ عَذَابَ الۡاٰخِرَةِ ؕ ذٰلِكَ

يَوۡمٌ مَّجۡمُوۡعٌ ۙ لَّهُ النَّاسُ وَذٰلِكَ يَوۡمٌ مَّشۡهُوۡدٌ (۱۰۳) وَمَا نُؤَخِّرُهٗۤ اِلَّا

لِاَجَلٍ مَّعۡدُوۡدٍ ؕ (۱۰۴) يَوۡمَ يَاۡتِ لَا تَكَلَّمُ نَفۡسٌ اِلَّا بِاِذۡنِهٖ ۚ فَمِنۡهُمۡ

شَقِىٌّ وَّسَعِيۡدٌ (۱۰۵) فَاَمَّا الَّذِيۡنَ شَقُوۡا فَفِى النَّارِ لَهُمۡ فِيۡهَا زَفِيۡرٌ وَّ

شَهِيْقٌ ﴿۱۰۶﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ
رَبُّكَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ﴿۱۰۷﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ سُعِدُوْا فَفِي الْجَنَّةِ
خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ؕ عَطَآءً
غَيْرَ مَجْذُوْذٍ ﴿۱۰۸﴾ فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ مِّمَّا يَعْبُدُ هٰٓؤُلَآءِ ؕ مَا يَعْبُدُوْنَ
اِلَّا كَمَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُهُمْ مِّنْ قَبْلُ ؕ وَاِنَّا لَمُوَفُّوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ غَيْرَ
مَنْقُوْصٍ ﴿۱۰۹﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِيْهِ ؕ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ ۹ ع۹ ۹
سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ؕ وَاِنَّهُمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ﴿۱۱۰﴾
وَاِنَّ كُلًّا لَّمَّا لَيُوَفِّيَنَّهُمْ رَبُّكَ اَعْمَالَهُمْ ؕ اِنَّهٗ بِمَا يَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۱۱۱﴾
فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا ؕ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ
بَصِيْرٌ ﴿۱۱۲﴾ وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ۙ وَمَا لَكُمْ
مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ
طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ ؕ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ؕ
ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ وَاصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ
الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۱۵﴾ فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ قَبْلِكُمْ اُولُوْا بَقِيَّةٍ
يَّنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِي الْاَرْضِ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّنْ اَنْجَيْنَا مِنْهُمْ ۚ
وَاتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَآ اُتْرِفُوْا فِيْهِ وَكَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿۱۱۶﴾ وَمَا كَانَ
رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ
لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ ﴿۱۱۸﴾ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ
رَبُّكَ ؕ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ ؕ وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ

Marfat.com

الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ﴿١١٩﴾ وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنبَاءِ الرُّسُلِ
مَا نُثَبِّتُ بِهِ فُؤَادَكَ ۚ وَجَاءَكَ فِي هَٰذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَذِكْرَىٰ
لِلْمُؤْمِنِينَ ﴿١٢٠﴾ وَقُل لِّلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ اعْمَلُوا عَلَىٰ مَكَانَتِكُمْ
إِنَّا عَامِلُونَ ﴿١٢١﴾ وَانتَظِرُوا إِنَّا مُنتَظِرُونَ ﴿١٢٢﴾ وَلِلَّهِ غَيْبُ السَّمَاوَاتِ
وَالْأَرْضِ وَإِلَيْهِ يُرْجَعُ الْأَمْرُ كُلُّهُ فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ ۚ
وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿١٢٣﴾

(ترجمہ) یہ بستیوں کی خبروں میں سے ہیں جو ہم تیرے سامنے بیان کرتے ہیں، ان میں سے بعض کھڑی ہیں اور بعض کٹی ہوئی ہیں (۱۰۰) اور ہم نے ان پر ظلم نہ کیا، بلکہ انہوں نے خود اپنے اوپر ظلم کیا۔ پھر ان کے وہ معبود ان کے کسی کام نہ آئے جن کو وہ خدا کے سوا پکارتے تھے۔ جبکہ تیرے رب کا حکم آگیا، اور انہوں نے ان کی تباہی کے سوا کوئی اضافہ نہ کیا (۱۰۱) اور اسی طرح ہوتی ہے پکڑ اللہ کی، جب وہ آبادیوں کو پکڑے، درآنحالیکہ وہ ظالم ہوں بلاشبہ اس کی گرفت دردناک ہے، شدید ہے (۱۰۲) بلاشبہ اس میں ضرور دلیل ہے اس کے لیے جو آخرت کے عذاب سے ڈرے، وہ ایک دن ہے جس کے لیے لوگوں کو جمع کیا جائے گا، اور وہ ایک دن ہے جس میں حاضری ہوگی (۱۰۳) اور ہم اس کو مؤخر نہیں کرتے مگر ایک گنی ہوئی مدت کے لیے (۱۰۴) جس دن وہ وقت آئے گا، کوئی جی بات نہ کرے گا مگر اس کے اذن سے، سو ان میں بدبخت ہوں گے اور نیک بخت ہوں گے (۱۰۵) سو وہ لوگ جو بدبخت ہوئے، وہ جہنم میں ہوں گے، ان کے لیے اس میں آہیں بھرنا، چیخیں مارنا ہوگا (۱۰۶) وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے، جب تک کہ آسمان و زمین رہیں گے، مگر جو تیرا رب چاہے۔ بلاشبہ تیرا رب کرنے والا ہے جو چاہے (۱۰۷) اور وہ لوگ جو نیک بخت ہوں گے، وہ جنت میں ہوں گے، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے، جب تک کہ آسمان و زمین رہیں گے، مگر جو تیرا رب چاہے گا، یہ عطا ہے جو کٹی ہوئی نہیں ہوگی (۱۰۸) سو تو مت ہو کسی شک میں ان چیزوں کے متعلق جن کو یہ لوگ پوجتے ہیں، یہ نہیں پوجتے۔ مگر جس طرح پوجتے تھے ان کے باپ دادا اس سے قبل، اور بے شک ہم ضرور پورا پورا دیں گے، ان کو ان کا حصہ کم نہ کیا ہوا (۱۰۹) اور بلاشبہ دی ہم نے موسیٰ کو کتاب تو اس میں اختلاف کیا گیا، اور اگر نہ ہوتی ایک بات جو پہلے ہو چکی تیرے رب کی طرف سے تو ضرور ان کے درمیان فیصلہ کر دیا جاتا، اور یقیناً وہ اس کے بارے میں بہت سخت شک میں مبتلا ہیں (۱۱۰) اور بلاشبہ سب

Marfat.com

کو ضرور پورا پورا دے گا، تیرا رب ان کے اعمال (کا بدلہ)، بلاشبہ وہ ان کے کاموں سے
ضرور خبردار ہے (۱۱۱) پس تو ڈٹا رہ جس طرح تجھ کو حکم دیا گیا۔ اور وہ جو تائب ہوئے ہیں
تیرے ساتھ، اور حد سے مت گذرو، بلاشبہ وہ تمہارے اعمال کو دیکھنے والا ہے
(۱۱۲) اور مت جھکو ان لوگوں کی طرف جو مشرک ہوں، ورنہ تمہیں آگ چھوئے گی، اور
نہ ہوگا تمہارے لیئے اللہ کے سوا کوئی دوست، پھر تمہاری مدد نہ کی جائے گی (۱۱۳) اور
قائم رکھ تو نماز کو دن کے دونوں اطراف میں، اور رات کی گھڑیوں میں، بلاشبہ نیکیاں
برائیوں کو لے جاتی ہیں، یہ یاد داشت ہے یاد کرنے والوں کے لیے (۱۱۴) اور تو صبر کر، سو
بیشک اللہ ضائع نہ کرے گا نیکوں کے اجر کو (۱۱۵) پس کیوں نہ ہوئے ان قوموں میں جو تم
سے پہلے تھیں، نیکی والے جو زمین میں فساد سے روکتے، مگر تھوڑے سے ان میں سے
جن کو ہم نے ان میں سے نجات دی۔ اور اتباع کیا ظالموں نے اس کا جو انہیں مال و
دولت دیا گیا تھا۔ اور وہ مجرم تھے (۱۱۶) اور نہیں ہے تیرا رب کہ آبادیوں کو ظلم سے
ہلاک کرے، جبکہ ان کے باشندے اصلاح کرنیوالے ہوں (۱۱۷) اور اگر چاہتا تیرا رب
تو بنا دیتا لوگوں کو ایک ہی امت، لیکن وہ برابر اختلاف کرتے رہیں گے (۱۱۸) مگر جس
پر اللہ رحم کرے۔ اور اسی لیئے ان کو پیدا کیا۔ اور پوری ہوئی تیرے رب کی بات کہ میں
ضرور بھروں گا جہنم کو جنوں اور انسانوں سے، سب سے (۱۱۹) اور سب بیان کرتے
ہیں ہم تجھ پر رسولوں کی خبروں سے، تاکہ ثابت رکھیں ہم تیرے دل کو، اور آگیا ہے تیرے
پاس اس سورت میں حق اور نصیحت، اور یاد دہانی ایمانداروں کے لیے (۱۲۰) اور کہو ان
لوگوں سے جو نہیں ایمان لاتے ہیں کہ تم عمل کرو اپنی بساط بھر، ہم بھی عمل کرنے والے ہیں (۱۲۱)
اور انتظار کرو، ہم بھی منتظر ہیں، اور اللہ ہی کے لیے ہے غیب آسمانوں اور زمین کا، اور
اسی کی طرف لوٹایا جاتا ہے ہر کام، پس تو اس کی عبادت کر (۱۲۲) اور اسی پر بھروسہ رکھ، اور
تمہارا رب بے خبر نہیں تمہارے کاموں سے (۱۲۳)

سورۂ ہود کا خاتمہ

یہ اسی سورۃ کا خاتمہ ہے جو کچھ تشریحات پر اور کچھ قسم قسم کے نتائج پر مشتمل ہے۔ جو سورت کے
گذشتہ مضامین اور مقدمے پر مبنی ہیں۔ ان تشریحات و نتائج کا سورت کے گذشتہ مضامین کے ساتھ شدید
اتصال ہے۔ اور ان کا مقصد بھی وہی ہے جو ان کا تھا۔ اس درس میں پہلا نتیجہ تو براہ راست قصوں سے متعلق ہے
فرمایا ہے:۔

"یہ ان بستیوں کے واقعات میں سے ہیں جو ہم تمہارے سامنے بیان کرتے ہیں۔ ان میں سے کچھ
کھڑی ہیں کچھ کٹی ہوئی ہیں۔ اور ہم نے ان پر ظلم نہ کیا، بلکہ انہوں نے خود اپنے اوپر ظلم کیا۔ پھر ان

Marfat.com

کے وہ معبود ان کے کسی کام نہ آئے، جن کو وہ اللہ کے سوا پکارتے تھے، جب کہ تیرے رب کا حکم آگیا۔ اور انہوں نے ان کی بربادی کے سوا کوئی اضافہ نہ کیا، اور اسی طرح ہے گرفت تیرے رب کی جب وہ بستیوں کو پکڑتا ہے، درآنحالیکہ وہ ظالم ہوں، یقیناً اس کی گرفت المناک ہے، شدید ہے۔"

دوسرا نتیجہ اس عذاب سے ماخوذ ہے جو کہ ان بستیوں پر نازل ہوا، اور اس میں آخرت کے عذاب کا اشارہ موجود ہے، جو کہ قیامت کے نظاروں میں ایک خوفناک نظارہ ہوگا۔

"یقیناً اس کے اندر ضرور ایک نشانی ہے اس شخص کے لیے جو آخرت کے عذاب سے ڈرے۔ وہ دن ایسا ہوگا کہ سب لوگوں کو اس کے لیے جمع کیا جائے گا اور وہ ایک حاضری کا دن ہوگا۔ اور ہم اسے صرف گنتی کی ایک مدت کے لیے مؤخر کر رہے ہیں۔ جس دن وہ آئے گا کوئی انسان نہیں بولے گا، مگر اس کے اذن سے۔ سو ان میں سے کچھ بدبخت، اور بعض نیک بخت ہوں گے۔ وہ لوگ جو بدبخت ہوں گے وہ آگ میں ہوں گے، ان کے لیے اس میں آہیں بھرنا اور چیخنا ہے، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے، جب تک کہ آسمان و زمین رہیں گے، مگر جو تیرا رب چاہے۔ عطا کے طور پر، جو غیر منقطع ہوگی۔"

اس کے بعد ایک اور نتیجہ سامنے آتا ہے جو آبادیوں کے انجام سے اور قیامت کے نظارے سے کیا گیا ہے، تاکہ اس بات کی توثیق کی جائے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقابلہ کرنے والے مشرکوں کا انجام ویسا ہی ہوگا جیسا ان سے پہلے لوگوں کا ہوا تھا دونوں حالات میں، اور اگر برباد کن عذاب ان پر زمین میں واقع نہیں ہو رہا ہے، تو اس کا سبب ایک بات ہے جو پہلے ہی تیرے رب کی طرف سے ہو چکی ہے کہ عذاب ایک مدت تک نہ آئے گا۔ جس طرح کہ موسیٰ کی قوم پر عذاب ایک مقرر وقت پر آیا تھا۔ حالانکہ انہوں نے اللہ کی طرف سے آنے والی کتاب میں اختلاف کیا تھا۔ مگر ان کو اور ان کو تاکیدی طور پر ان کے اعمال کا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ پس اے رسولؐ! تم اور تمہارے مومن ساتھی اپنی راہ پر ڈٹے رہو، اور ظالم مشرکوں کی طرف مت جھکو۔ اور نماز قائم کرو اور صبر کرو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ محسنین کے اجر کو ضائع نہیں کیا کرتا۔

"سو تم شک میں مت ہو ان معبودوں سے جن کو یہ پوجتے ہیں۔ یہ اسی طرح پوجتے ہیں جس طرح اس سے پہلے ان کے باپ دادوں نے باطل معبود پوجے تھے۔ اور ہم بلاشبہ ان کا حصہ ان کو پورا پورا کمی کے بغیر دیں گے۔ اور بلاشبہ ہم نے موسیٰ کو کتاب دی، پھر اس میں اختلاف کیا گیا۔ اور اگر ایک گذشتہ بات نہ ہوتی، جو تیرے رب کی طرف سے گذر چکی ہے تو ان کے درمیان فیصلہ کر دیا جاتا۔ اور یہ لوگ اس کے متعلق بڑے شک میں ہیں۔ پس تو سیدھا قائم رہ اللہ کے حکم پر، اور وہ لوگ بھی جو تائب ہوئے ہیں تیرے ساتھ، اور مت جھکو تم ظالموں کی طرف، ورنہ تمہیں آگ چھوئے گی، اور اللہ کے سوا تمہارا کوئی دوست نہ ہوگا، پھر تمہاری مدد نہ کی جائے گی۔ اور تو نماز کو قائم رکھ دن کے دونوں اطراف میں، اور رات کے حصوں میں، بلاشبہ نیکیاں برائیوں کو لے جاتی ہیں، یہ یاد کرنے والوں کے لیے یاد دہانی ہے۔ اور تو صبر کر، کیونکہ اللہ نیکوکاروں کے اجر کو ضائع

Marfat.com

نہیں کرتا ۔"

پھر گذشتہ ادوار کی طرف ایک نگاہ بازگشت ہے ، جن میں تھوڑے سے لوگ تھے ، جو زمین میں فساد سے روکتے تھے ۔ کثرت دوسرے ہی کاموں میں لگی ہوئی تھی ، لہٰذا وہ ہلاکت کی حقدار بنی ۔ اور تیرا رب آبادیوں کو اس وقت ہلاک کرنے والا نہیں ہے جبکہ وہ اصلاح کرنے والے ہوں ۔

" پس کیوں نہ ہوئے ان قوموں میں جو تم سے پہلے تھیں ، نیکی والے ، جو زمین میں فساد سے روکتے تھے ، مگر تھوڑے سے جن کو ہم نے ان میں سے بچا لیا تھا ۔ اور ظالم عیش و عشرت کے پیچھے لگے رہے ، اور وہ مجرم تھے ۔ اور تیرا رب آبادیوں کو ظلم کے ساتھ ہلاک کرنے والا نہیں ہے ، جبکہ ان کے باشندے نیکوکار ہوں ۔"

اور اللہ تعالیٰ نے یہاں پر سنتہ اللہ کو واشگاف کیا ہے کہ لوگ اپنے طریقوں اور توجہات میں مختلف ہوتے ہیں ۔ اور اگر تیرا رب چاہتا تو انسانوں کو ایک ہی اُمت بنا دیتا ۔ مگر اس کے ارادے کا یہ تقاضا ہوا کہ انسانوں کو قدرے اختیار بخشے ۔

" اور اگر تیرا رب چاہتا تو لوگوں کو ایک ہی امت بنا دیتا ، لیکن لوگ ہمیشہ اختلاف کرتے رہیں گے ۔ مگر جس پر تیرا رب رحم فرمائے ۔ اور اسی لیے ان کو پیدا کیا ہے ، اور پوری ہوئی تیرے رب کی بات ، کہ میں ضرور بھر دوں گا جہنم کو جنوں سے اور انسانوں سے ، سب سے ۔"

اور آخر میں اللہ تعالیٰ نے ان قصوں کی اغراض میں سے ایک غرض بیان فرمائی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کو مضبوط کیا جائے ۔ اور رسولؐ کو حکم دیا جا رہا ہے کہ مشرکین کے آگے اپنی آخری بات رکھ دیں ، اور انہیں اس غیب کے سپرد کریں جو ان کا منتظر ہے ، اور اللہ کی عبادت کریں اور اس پر توکل کریں ۔ اور لوگوں کو ان کے اعمال کے مطابق گرفت کرنے کا کام اللہ کے سپرد کریں ، فرمایا :-

" اور ہم یہ سب نبیوں کی خبریں آپ کے سامنے اس لیے بیان کرتے ہیں ، تاکہ آپ کے دل کو مضبوط کریں ۔ اور اس سورت میں آپ پر حق نازل ہوا ہے ، اور نصیحت اور یاد دہانی ایمانداروں کے لیے ۔ اور ان لوگوں سے کہو ، جو ایمان نہیں لاتے کہ تم عمل کرو اپنی بساط بھر ، ہم بھی عمل کرنے والے ہیں ، اور انتظار کرو ہم بھی انتظار کرنے والے ہیں ۔ اور اللہ ہی کے لیے غیب آسمانوں کا اور زمین کا ، اور اسی کی طرف لوٹایا جاتا ہے سب کام ، پس تو اسی کی عبادت کر ، اور اسی پر بھروسہ کر اور تیرا رب غافل نہیں ہے ان اعمال سے ، جو تم کرتے ہو ۔"

یہ ہیں آبادیوں کی خبریں !

اقوام کی قتل گاہیں پیش کی گئی ہیں ، ان کے نظارے پڑھنے سننے والوں کے دلوں کو اور خیال کو چکرا دیتے ہیں ۔ ان میں سے بعض تو ہیں تو گہرے طوفان کی سرکش موجوں میں غرق ہوئے ، اور بعض تباہ کن آندھی میں ماخوذ ہوئی بعض کو اس کے گھر بار سمیت زمین میں دھنسا دیا گیا ۔ اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو قیامت کے دن اپنی قوم راہنمائی جہنم کی طرف کریں گے ، یہ تو قیامت کے دن کا نظارہ ہے ، جو کچھ ان پر دنیا میں گذر چکی ، اس سے

Marfat.com

قلب و نظر چکرا جاتے ہیں۔ اس سلسلے میں یہ فرمایا گیا ہے:۔

"یہ بستیوں کی خبروں میں سے ہیں جو ہم تمہارے لیے بیان کرتے ہیں، ان میں سے بعض تو قائم ہیں اور بعض کٹی ہوئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہی اپنے غیب سے آپ کو یہ خبر دی ہے، آپ کو ان کا پہلے سے علم نہ تھا۔"

یہ وحی کا دیا ہوا علم ہے۔ ان معذب بستیوں میں سے بعض کے آثار ابھی تک قائم ہیں، جن سے پتہ چلتا ہے کہ وہاں کے باشندے تہذیب و تمدن کے کس مقام پر پہنچ چکے تھے، اور کتنے طاقتور تھے۔ مثلاً قوم عاد کے بقایا، جو احقاف میں ہیں۔ اور قوم ثمود کے بقایا جو الحجر میں ہیں۔ اور بعض معذب بستیاں کٹی ہوئی کھیتیوں کی مانند ہیں کہ انہیں جڑ سے مٹا دیا گیا ہے، مثلاً قوم نوحؑ اور قوم لوطؑ۔ اور قومیں اور ان کی تہذیب و تمدن کیا ہیں؟ انسانوں کے کھیت ہیں جس طرح کہ نباتات اور غلے کے کھیت ہوتے ہیں۔ بعض کھیتیاں نشوونما پاتی ہیں اور بعض مر جاتی ہیں۔ بعض بہت اچھی ہوتی ہیں، اور بعض خبیث ہوتی ہیں۔ اور ان پر جو کچھ گذری، اس میں کسی اور کا قصور نہ تھا۔ بلکہ:۔

"اور ہم نے ان پر ظلم نہ کیا، بلکہ انہوں نے خود اپنے آپ پر ظلم کیا تھا۔ اپنے مدارک کو معطل نہ کرنا، ہدایت سے منہ پھیرنا، آیات کی تکذیب، وعید کا استہزاء، یہ سب ان کے اپنے کام تھے، اللہ کا قصور نہ تھا۔ وہ مظلوم نہ تھے، بلکہ اپنے آپ پر زیادتی کرنے والے ظالم تھے۔

ان کے باطل معبود کسی کام نہ آئے

آیت نمبر ۱۰۱ میں فرمایا ہے کہ: "ان کے وہ خدا، جنہیں وہ اللہ سے ورے پکارتے تھے، ان کے کسی کام نہ آئے، جبکہ تیرے رب کا حکم آگیا، اور انہوں نے تباہی کے سوا ان کا کچھ نہ بڑھایا۔"

اس آیت میں جو کچھ فرمایا گیا ہے، یہ ان قصوں کے مقاصد میں سے ایک مقصد ہے۔ اس سورت کی ابتدا ان لوگوں کے انذار سے ہوئی تھی، جو اللہ سبحانہ کے غیر کی عبادت کرتے ہیں۔ اور یہی انذار ہر رسول کے ساتھ بار بار آتا رہا اور ان سے کہا گیا کہ: یہ خود ساختہ ارباب ان کو اللہ سے نہ بچائیں گے۔ اب سورت کے اواخر میں بھی اسی انذار کی تصدیق ہو رہی ہے کہ ان کے خدا ان کے کسی کام نہ آئیں گے۔ اور جب تیرے رب کا حکم آگیا تو یہ ان سے عذاب کو دور نہ کر سکیں گے، بلکہ ان جعلی خداؤں نے اپنے عابدوں کا خسارہ اور بربادی پہلے سے زیادہ بڑھا دی۔ لفظ تتبیب اپنی لفظی بناء اور شدید آواز میں بہت قوی ہے۔ یہ اس لیے کہ ان عابدوں نے ان جعلی معبودوں پر بھروسہ کیا اور اس کے باعث ان کی تکذیب اور بے شرمی اور زیادہ ہو گئی۔ اور بطور نتیجہ اللہ تعالیٰ نے ان کا عذاب اور تباہی پہلے سے بھی بڑھا دی۔ "مَا زَادُوْهُمْ" کا یہی معنی ہے کہ وہ معبودان کے نفع و نقصان کے قطعاً مالک نہیں ہیں۔ لیکن ان کے سبب سے انہیں کئی گنا خسارہ ہوا، کئی گنا عذاب ہوا۔

تیرے رب کی گرفت اس طرح پر ہے

آیت نمبر ۱۰۲ میں فرمایا ہے کہ: "اور اسی طرح ہوتی ہے تیرے رب کی گرفت، جب وہ آبادیوں کے

ظلم پر ان کو پکڑتا ہے" یعنی ان واقعات کی مانند جو ہم نے بیان کیے ہیں ، اور اسی عذاب کی طرح جس کا بیان کیا گیا ہے ، تیرا رب آبادیوں کو گرفت میں لیتا ہے ، جبکہ وہ آبادیاں ظالم ہوتی ہیں ، مشرک ہوتی ہے ، غیر اللہ کی ربوبیت کے آگے جھکتی ہیں ۔ اپنے آپ پر شرک ، فساد فی الارض ، دعوتِ توحید سے اعراض کے ساتھ ظلم کرتی ہیں ۔ ظلم ان پر چھا جاتا ہے ، اور ظالم ان کے سربراہ بن جاتے ہیں ۔ تو اس وقت تیرا پروردگار ان کو پکڑ لیتا ہے ۔

اس کی گرفت المناک اور شدید ہے

یہ گرفت تمام حجتیں تمام کرنے کے بعد کی جاتی ہے ۔ مثلاً مہلت دینا ، دنیوی ساز و سامان کی فراوانی مہیا کرنا ، آزمائش کرنا ، رسول بھیجنا ، اور معجزات دکھانا ، امت میں ظلم کا غلبہ ، ظالموں کا تسلط ، داعیانِ حق کی قلت و ضعف ، کہ اجتماعی زندگی میں اس کا عمل دخل نہ رہے ، مومن جماعت میں اور بدِ مقابل میں پورا فاصلہ اور جدائی ہو جانا ۔ جب یہ سب کچھ نمودار ہو چکے تو اللہ کی گرفت نمودار ہوتی ہے اور اپنا کام کر کے رہتی ہے ۔ دنیا میں یہ شدید گرفت اخروی عذاب کی علامت ہوتی ہے ۔ جن لوگوں کی چشم بصیرت کھلی ہو وہ دیکھ لیتے ہیں کہ جو ربِ کائنات اس دنیا میں سرکشوں کو مبتلائے عذاب کرتا ہے وہ آخرت میں بھی بالضرور سزا دے گا ۔ اگلی آیات پڑھیے :۔

قیامت کے خوفناک نظارے

آیات ۱۰۳ ۔۔۔۔ ۱۰۸ میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ : " بیشک اس میں بڑی دلیل ہے اس کے لیے جو آخرت کے عذاب سے ڈرے ، یہ وہ دن ہے جس کے لیے لوگوں کو جمع کیا جائے گا ، اور ایک حاضری کا دن ہوگا ۔ اور ہم اس کو صرف ایک معدود مدت کے لیے مؤخر کر رہے ہیں جس دن وہ وقت آئے گا کوئی جی اللہ کے اذن کے بغیر بات نہ کرے گا ۔ پس ان میں سے بعض بد بخت ۔ اور بعض نیک بخت ہوں گے ۔ سو وہ لوگ جو بدبخت ہوں گے ۔ وہ جہنم میں ہوں گے ، ان کے لیے اس میں آہیں بھرنا اور چیخ و پکار ہوگی ، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ، جبتک کہ آسمان و زمین رہے ، مگر جو تیرا رب چاہے ۔ بلاشبہ تیرا رب جو چاہے کرنیوالا ہے ۔ اور وہ لوگ جو نیک بخت ہوں گے وہ جنت میں ہوں گے ، ہمیشہ اسی میں رہیں گے ، جبتک کہ آسمان و زمین رہے ، مگر جو تیرا رب چاہے ، بطور غیر منقطع عطاء کے "

یعنی اللہ تعالیٰ نے جو دردناک شدید گرفت کی تھی ، اس میں آخرت کے عذاب کی مشابہت پائی جاتی ہے اس دنیا میں اس کے ساتھ تذکیر کی جاتی ہے اور خوف دلایا جاتا ہے ، مگر اس کو دل کی آنکھوں کے ساتھ صرف وہی لوگ دیکھتے ہیں جو آخرت کے عذاب سے ڈرتے ہیں ۔ ان کا تقویٰ انہیں بصیرتوں اور قلوب کی روشنی کے ساتھ سب کچھ دکھا دیتا ہے ۔ اور جو لوگ آخرت کا خوف نہیں رکھتے ، ان کے قلوب سخت ہو جاتے ہیں ، آیات و بصائر سے نہیں کھلتے اور نہیں فائدہ اٹھاتے ۔ انہیں خلق کی حکمت اور اعادے کی حکمت کا پتہ نہیں چلتا ۔ وہ صرف

Marfat.com

اسی دنیا کو، اپنے گرد و پیش کو ہی دیکھتے ہیں۔ بلکہ اس دنیا کی عبرتوں سے بھی فائدہ نہیں اٹھاتے۔ پھر اس دن کے ہولناک نظارے پیش کیے گئے ہیں۔ جن کا خلاصہ یوں پیش کیا جا سکتا ہے:۔

(۱) تمام انسان چار و ناچار جمع کیے جائیں گے (۲) وہ حاضری کا دن ہے، ہر ایک کی حاضری ضروری ہے۔ کوئی بھی چھپ نہیں سکے گا (۳) سب پر ایک ہولناک خاموشی طاری ہوگی (۴) اللہ تعالیٰ کے اذن کے بغیر کوئی بول نہیں سکے گا۔ جسے اللہ تعالیٰ بلانا چاہے گا، اس کی مہر خاموشی ٹوٹے گی۔ اور کسی کی نہیں (۵) انسان دو قسموں میں تقسیم ہوں گے، بدبخت اور نیک بخت (۶) بدبخت جہنم میں آہیں بھریں گے، سسکیاں لیں گے اور چیخیں گے (۷) نیک بخت جنت میں ہوں گے (۸) جنت و جہنم کی زندگی دائمی ہے، اور اس کا دوام مشیئتِ الٰہی کے تابع ہے، یعنی اللہ نے ایسا ہی چاہا ہے۔ یہی اس کی مشیئت کا تقاضا ہے مَادَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ کی تعبیر دوام و استمرار کے لیے ہے عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ کا لفظ سعادت مندوں کی مزید تسلی و اطمینان کے لیے ہے:۔

تاخیرِ عذاب کا سبب

اگلی آیات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو، اور اہل ایمان داروں کی قلیل جماعت کو، جو مکہ میں گھری ہوئی تھی، اور مصائب کا شکار تھی۔ بطورِ تسلی و تثبیت بڑے مربیانہ اور محبانہ انداز میں فرمایا گیا ہے کہ ان اہل مکہ کا حال بھی انہی معذب قوموں جیسا ہے۔ عذاب اگر ان سے مؤخر کیا گیا ہے تو اسی طرح موسیٰ کی قوم سے بھی عذاب استیصال کو مؤخر کیا گیا تھا۔ اس لیے نہیں کہ وہ برحق تھے، بلکہ اللہ کی مشیئت کے مطابق، کسی مصلحت کے ماتحت ایسا کیا گیا تھا۔ فرمایا ہے کہ:۔

"پس تو ان لوگوں کے معبودوں کے بارے میں کسی شک و شبہ میں نہ رہ۔ یہ بھی اپنے بڑوں کے معبودوں کی مانند اپنے باطل معبودوں کی عبادت کرتے ہیں، اور ان کا حصہ ان کو بلاکم و کاست پورا پورا ملے گا۔ اور یقیناً ہم نے موسیٰ کو کتاب دی تو اس میں اختلاف کیا گیا۔ اور اگر نہ ہوتی ایک بات جو گذر چکی ہے تیرے رب کی طرف سے، تو ان کے درمیان فیصلہ کر دیا جاتا۔ اور وہ اس کے متعلق بہت بڑے شک میں پڑے ہوئے ہیں۔ اور تیرا رب بالضرور، ہر ایک کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دے گا، و بلاشبہ وہ ان کے اعمال سے باخبر ہے۔ (آیات ۱۰۹ - ۱۱۱)

ان لوگوں کی عبادت کے فساد میں تجھے کوئی شک نہ رہے

یہ خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہے، اور سُنانا مقصود ہے آپ کی قوم کو، اور یہ طریقہ تعبیر بعض دفعہ دلوں میں زیادہ اثر انداز ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ ایک فیصلہ شدہ امر ہے جو اللہ نے اپنے رسولؐ کو بذریعۂ وحی بتایا ہے۔ اور اس میں کسی غلطی یا تکلف یا مبالغے یا غلو کا کوئی سوال نہیں ہے۔ اس معاملے میں اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کو لائقِ خطاب نہیں جانا، اگر کسی میں سمجھ ہو تو یہ طریق بیان بہت ہی مؤثر اور

Marfat.com

جاندار ہے، اتنا مؤثر کہ اگر انہیں مخاطب بنایا جاتا تو بھی اس کا اتنا اثر نہ ہوتا۔ مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں کا انجام بھی انہی معذب لوگوں کی طرح ہے، جن کا ذکر ان واقعات میں گذر چکا ہے۔ اور ان کے عذاب کا حصہ انہیں ضرور مل کر رہے گا۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ انہیں اس دنیا میں جڑ سے مٹانے والا عذاب نہ آئے جس طرح کہ موسیٰ کی قوم پر نہ آیا تھا۔ قوم موسیٰ میں بہت سے اختلافات ہو گئے۔ ان کے عقائد و اعمال میں بہت اختلاف تھا۔ پھر بھی ان پر جڑ مار عذاب نہ بھیجا گیا۔ اور مشیت کا تقاضا یہی تھا کہ ان کا حساب کامل قیامت میں ہو۔

عذاب استیصال کے نہ آنے میں حکمت

بنی اسرائیل کی تاریخ میں بڑے بڑے نشیب و فراز آئے۔ انہیں بڑی بڑی سزائیں دی گئیں، بڑی بڑی بربادیاں اور تباہیاں ان کے مقدر میں تھیں، مگر عذاب استیصال ان پر نہیں آیا۔ اس سلسلے میں ارشاد ہوا ہے کہ:۔

" اور اگر نہ ہوتا ایک کلمہ، جو گذرا تیرے رب کی طرف سے، تو ان کے درمیان فیصلہ کر دیا جاتا "

اور اس کلمے میں بھی کوئی حکمت خداوندی تھی۔ سبب اس کا یہ ہے کہ انہیں ایک کتاب دی گئی تھی۔ اور رسولوں کی امتوں میں سے جن کو کتابیں دی گئیں تھیں، ان کا پورا پورا آخری حساب روز قیامت پر مؤخر کیا گیا ہے کیونکہ کتاب ہدایت کی ایک باقی اور قائم دلیل ہے۔ آئندہ نسلیں اس پر تدبر کر سکتی ہیں۔ جیسا تدبر کہ اس نسل نے کیا جو نزول کتاب کے وقت موجود تھی۔

مطلب یہ ہوا کہ کتاب ایک دائمی معجزہ ہے۔ جب بھی کوئی نسل اس کی طرف متوجہ ہو گی۔ اس سے فائدہ اٹھا کر سرفراز ہو گی۔ مادی معجزات کا یہ حال نہیں ہے۔ ان کا مشاہدہ صرف وہی نسل کر سکتی ہے جس میں ان کا وقوع ہوتا ہے۔ وہ قوم یا تو اس پر ایمان لے آئے گی یا نہ لائے گی، اور اس پر عذاب نازل ہو گا۔ تورات اور انجیل دونوں آخری کتاب کے نزول تک کامل تھیں، اس وقت تک انہی کا دور تھا۔ آخری کتاب اپنے سے پہلے نازل شدہ تورات اور انجیل کی مصدق ہے۔ اب دنیا میں بس ایک ہی کتاب ہے، یعنی قرآن کریم۔ سب لوگوں کا حساب اب اسی کی بنیاد پر ہو گا۔ اور یہ جو فرمایا ہے کہ "اور یقیناً وہ اس کے بارے میں بہت شک میں گرفتار ہو چکے ہیں" اس کا مطلب یہ ہے کہ قوم موسیٰ کو کتاب موسیٰ کے بارے میں بہت شک ہے کہ یہ اصلی ہے یا نہیں ہے، کیونکہ اس کی کتابت کئی نسلوں کے بعد ہوئی ہے۔ اس میں روایات مختلف اور مضطرب ہیں، اصلی کتاب کہیں موجود نہیں ہے۔ خود اس کتاب کو ماننے کا دعویٰ رکھنے والے اسے صحیح اور اصلی نہیں مانتے۔

اعمال کی پوری جزاء ملے گی

جب عذاب مؤخر کیا گیا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ خیر و شر کی جزاء و سزا ہی نہ ملے، نہیں بلکہ اعمال خیر کی جزاء، اور اعمال بد کی سزا بالضرور ملے گی۔ اور اس آیت کی تعبیر میں کئی قسم کی تاکیدیں ہیں تاکہ کسی کو بھی جزاء و سزا میں شک و شبہ نہ رہے۔ اور تاکہ ہر شخص کو یہ علم ہو جائے کہ مشرکین کس باطل پر ہیں۔ اور یہ وہی شرک ہے، جس کو ان سے پہلے کے مشرکوں نے اختیار کیا تھا۔ یہ تاکیدات جو اختیار کی گئیں، ان کا تقاضا اس دور کے عملی واقعات میں بھی موجود تھا۔ مشرک اسلامی تحریک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدمقابل بن کر

Marfat.com

کھڑے ہو گئے۔ دعوت میں تقریباً جمود پیدا ہو گیا تھا۔ درآنحالیکہ اللہ تعالیٰ کا موعود عذاب ابھی آیا نہ تھا۔ مومنوں کی قلیل جماعت کو بے پناہ دکھ دیے جا رہے تھے۔ اور اسلامی تحریک کے دشمن صحیح و سلامت پھر رہے تھے۔ اس قسم کے وقفوں میں بعض دل لرز جاتے ہیں۔ مضبوط اور ثابت قدم دلوں میں بھی وحشت کا اثر ہو جاتا ہے۔ اور ان کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ انہیں اس قسم کے اطمینان دلائے جائیں، اور انہیں مضبوط کیا جائے۔ مومنوں کے دلوں کی تسلی جس طرح اس بات سے ہوتی ہے کہ ان کے دشمن اللہ کے بھی دشمن ہیں۔ اس طرح اور کسی چیز سے نہیں ہوتی۔ اور یہ کہ یہ اعدائے اسلام بلاشک و شبہ باطل پر ہیں۔ اسی طرح مومن قلوب کی تسلی اور مضبوطی جس طرح ظالموں کو مہلت دینے کی حکمت کو واضح کرنے میں ہوتی ہے، اور یہ بتانے میں کہ طاغیوں کو ایک معلوم دن تک مہلت دی گئی ہے جس میں وہ اپنے کیے کی جزاء سزا پائیں گے اور بچ نہ سکیں گے، ایسی تشفی کسی اور چیز سے نہیں ہو سکتی۔ یوں ہم دیکھتے ہیں کہ قرآنی نصوص میں عقیدۂ توحید کی تحریک کے تقاضے ہمیں دم بدم نظر آتے ہیں اور نشان ہائے راہ کھلتے جاتے ہیں۔

اللہ کے حکم پر ڈٹ جاؤ۔

گذشتہ بیان اپنی تمام تاکیدوں سمیت دل میں یہ بات بٹھاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی سُنّت اس کی مخلوق میں اور اس کے دین، وعدے اور وعید میں مستقیم رہتی ہے۔ لہٰذا مومنوں اور دینِ حق کے داعیوں کا فرض ہے کہ وہ اپنی راہ پر مستقیم ہو جائیں، جیسا کہ ان کو استقامت کا حکم ملا ہے۔ دین میں کوئی غلو اور اضافہ نہ کریں۔ اس میں کوئی کمی اور نقص نہ ڈالیں۔ ظالم خواہ کتنے قوی ہوں، ان کی طرف نہ جھکیں۔ راستہ خواہ کتنا طویل ہو جائے، غیر اللہ کی دعوت اور عبادت کا راستہ اختیار نہ کریں۔ پھر وہ زادِ راہ لے کر چلیں، اور صبر کریں۔ حتیٰ کہ جب اللہ چاہے اس کی سُنّت متحقق ہو جائے۔ اس سلسلے میں ارشادِ خداوندی ہے کہ:-

"پس تو ڈٹ جا، جس طرح تجھے حکم دیا گیا، اور وہ بھی ڈٹے رہیں جو تیرے ساتھ ہیں اور نافرمانی کی راہ مت اپناؤ۔ بلاشبہ! وہ تمہارے اعمال کو دیکھ رہا ہے۔ اور مت جھکو ان لوگوں کی طرف، جو ظالم ہیں، ورنہ تمہیں آگ چھو جائے گی۔ اور تمہارے اللہ کے سوا کوئی دوست نہ ہوں گے، پھر تمہاری مدد نہ کی جائے گی۔ اور تو نماز کو قائم رکھ، دن کے دونوں اطراف میں، اور رات کی گھڑیوں میں، بلاشبہ نیکیاں برائیوں کو زائل کر دیتی ہیں، یہ یادداشت ہے یاد رکھنے والوں کے لیے۔ اور تو صبر کر، کیونکہ اللہ تعالیٰ نیکوکاروں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔"

استقامت کا حکم شدید تھا

استقامت کا حکم اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو، اور آپ کے مومن ساتھیوں کو دیا تھا۔ اس حکم کا بوجھ اور رُعب اتنا قوی تھا کہ روایات میں آتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ "مجھ کو سورۂ ہود اور اس جیسی اور سورتوں نے بوڑھا کر دیا ہے۔" یہ جواب تھا حضرت ابو بکر صدیق رضؓ کی بات کا، جنہوں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض سفید بال دیکھ کر کہا تھا، یا رسول اللہ! آپ تو بوڑھے ہو گئے

Marfat.com

ہیں! واقعی استقامت جوانوں کو بوڑھا کر دیتی ہے۔ استقامت کا معنی ہے اعتدال اختیار کرنا اور راہ پر انحراف کے بغیر چلنا۔ اس کے لیے دائمی بیداری، ہمیشہ کے تدبر اور راستے کی حدود پر ہمیشہ کے لیے ہوشیاری کے ساتھ قائم رہنا ضروری ہے۔ انسانی تاثرات و انفعالات کو جو توجہ کو کم و بیش ادھر ادھر مائل کر دیتے ہیں، تھامنا اور ضبط و نظم میں رکھنا لازم ہوتا ہے، اسی وجہ سے زندگی کی حرکات میں سے ہر حرکت میں یہ ایک دائمی مشغولیت کا نام ہے۔

استقامت کے امر کے بعد نہی کس چیز سے ہے!

یہاں پر ایک بات یاد رکھنے کی ہے کہ استقامت کے امر کے بعد ان آیات میں جو نہی وارد ہے۔ یہ نقص و تقصیر سے نہیں ہے۔ بلکہ طغیان اور تجاوز عن الحق سے نہی کی گئی ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ استقامت کا حکم اور اس کے بعد جو ضمیر کی بیداری اس سے پیدا ہوتی ہے، اس سے یہ خدشہ ہو سکتا ہے کہ آدمی تعمیل حکم میں مبالغے اور غلو سے کام لے گا جو دین کو یسر سے عسر کی طرف منتقل کر دیتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی مرضی یہ ہے کہ دین اسی طرح رہے جیسا کہ اس نے اتارا ہے، اور دین آسان ہے۔ . . . افراط و غلو بھی اس دین کو اس کی اصل طبیعت و فطرت سے خارج کر دیتے ہیں جیسے کہ تفریط و تقصیر نکال دیتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی یہ نہی بہت قیمتی ہے۔ تاکہ انسانی نفوس صراط مستقیم پر قائم رہیں، ان میں کسی قسم کا انحراف نہ ہو، نہ افراط کا نہ تفریط کا۔ نہ اہمال کا نہ غلو کا، انتہا پسندی کی دونوں اطراف مذموم ہیں (احادیث میں صراحتہً ان کی مذمت وارد ہے) آخر میں جو فرمایا ہے کہ ! بلاشبہ میں تمہارے اعمال پر بصیر ہوں۔ البصر کا لفظ یہاں بصیرت سے ہے، اور اس مقام کے بھی مناسب ہے۔ کیونکہ یہ مقام، مقامِ بصیرت ہے!

ظالموں کا سہارا مت لو!

وَلَا تَرْكَنُوْا، رکون سے مشتق ہے، جس کا معنی ہے جھکنا، سہارا لینا، اعتماد کرنا۔ مطلب یہ کہ ظالموں کے آگے مت جھکو، راہِ حق کو چھوڑ کر ان کی طرف میلان مت کرو۔ ان سے مت دبو، تمہارا بھروسہ، توکل اور اعتماد محض اللہ پر ہونا لازم ہے۔ وہ جابر و ظالم، اور طاغی جو زمین میں صاحبِ قوت ہیں، جو بندوں کو دباتے ہیں، ان پر غلبہ پا کر ظلم کرتے ہیں، انہیں اپنا یا کسی اور غیر اللہ کا بندہ بناتے ہیں، ان کے آگے مت جھکو یہ اصول کا سوال ہے۔ دین کی بنیادِ اوّل یعنی کلمۂ توحید کا سوال ہے۔ لہٰذا فرمایا ہے کہ اگر تم ان کی طرف مائل ہو جاؤ گے تو تم کو آگ چھونے گی جو اس انحراف کی سزا ہوگی، اور پھر تمہارا کوئی مددگار نہ ہوگا، کوئی ساتھی نہ ہوگا۔

زادِ راہ

جس قسم کے احوال کا ذکر ہو رہا ہے ان میں راہ پر استقامت مشکل ہے، اِلّا یہ کہ اللہ تعالیٰ توفیق دے۔ اور اس کی توفیق حاصل کرنے کے لیے راہِ حق کے مسافروں کا زادِ سفر نماز ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے ساتھ والی قلیل مومن جماعت کو حکم دیتا ہے کہ: "اور تو دن کے دونوں

Marfat.com

اطراف میں نماز کو قائم رکھ ، اور رات کی گھڑیوں میں " اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ جب ہر زادِ سفر فنا ہو جائے تو یہی ایک زادِ راہ ہے جو باقی رہتا ہے ، اور یہ روحانی بنیاد کو قائم کرتا ہے ۔ اور دلوں کو حق پر قائم رکھتا ہے جس کی تکالیف بہت شاق ہیں ، یہ زادِ سفر دلوں کو ان کے رحیم و ودود رب کے ساتھ ملاتا ہے ، جو قریب و مجیب ہے ، یہ دلوں پر وحشت کے وقت میں ، اور تنہائیوں میں انس کی نسیم چلاتا ہے اور جاہلیت کے مصائب میں سہارا دیتا ہے ۔ آیت میں دن کی دو طرفوں کا ذکر ہے ، یعنی اوّل و آخر ۔ اور زُلَفًا مِنَ اللَّيْلِ کے معنی ہے رات کے قریب ، اور یہ اوقات فرض نماز کے اوقات کو مشتمل ہیں ، گو ان کا عدد اس آیت میں نہیں آیا ۔ اور عدد اور موافیت کو سنت نے محدود کیا ہے ، اقامتِ الصلوٰۃ کا معنی ہے اس کو کامل اور پورا پورا ، فرائض و واجبات و سنن سمیت ادا کرنا کرنا ۔ اور اس کے بعد فرمایا ہے کہ نیکیاں برائیوں کو زائل کر دیتی ہیں ۔ اور ایک عام نص ہے جو ہر حسنہ کو شامل ہے ، اور نماز سب سے بڑی حسنہ ہے اور یہ سمجھنا درست نہیں ہے کہ صرف نماز کی یہ خاصیت ہے کہ وہ برائیوں کو زائل کرتی ہے ، آگے فرمایا ہے کہ " یہ یاد کرنے والوں کے لیے ایک یاد دہانی ہے " یہ فقرہ نماز کے ذکر میں اس لیے مناسبت رکھتا ہے کہ صلاۃ بنیادی طور پر خود ایک ذکر ہے ۔ اور استقامت چونکہ صبر کی محتاج ہے ، اور اسی طرح مکذبین کے متعلق اللہ تعالیٰ کی سنت کو پورا کرنے کے لیے بھی وقت کا انتظار صبر کا محتاج ہے ، لہٰذا فرمایا ہے کہ " اور تو صبر کر ، کیونکہ اللہ نیکوکاروں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا ۔ یہاں محسنین سے مراد استقامت اختیار کرنے والے ہیں کیونکہ استقامت خود ایک احسان ہے اور نماز کو اس کے اوقات میں ادا کرنا بھی احسان ہے ۔ اور تکذیب کی خفیہ تدبیر پر صبر کرنا بھی احسان ہے ۔ اور فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ صبر و استقامت والوں ، یعنی نیکو کاروں کا اجر ضائع نہیں کرتا ۔

آبادیوں میں فساد سے روکنے والے کیوں نہ ہوئے ؟

آیات نمبر ۱۱۶ ـــــ ۱۱۷ میں فرمایا گیا ہے کہ ان معذب بستیوں میں ایسے لوگ کیوں نہ ہوئے جن میں نیکی کی رمق باقی ہوتی ، وہ اللہ تعالیٰ سے اپنے لیے خیر مانگتے ، اور لوگوں کو زمین میں فساد کرنے سے روکتے ظالموں کو ظلم سے باز رکھتے ! اگر ایسا ہوتا تو اللہ تعالیٰ ان بستیوں کو جڑ مار عذاب میں مبتلا نہ کرتا ، کیونکہ اللہ تعالیٰ بستیوں کو عذاب نہیں بھیجتا ، جبکہ ان کے باشندے مصلح ہوں ۔ یعنی ان مصلحین میں یہ قدرت اور طاقت ہو کہ وہ ظلم و فساد کا قلع قمع کر سکیں ۔ ان معذب بستیوں میں بہت کم ایماندار تھے ، جن کا نفوذ و قوت اس قدر نہ تھا کہ ظلم و فساد کو روک سکتے ۔ پس اللہ نے ان کو تو بچا لیا ۔ اور ان بستیوں میں کثرت عیش پرست مالداروں کی تھی اور ان کے ماتحتوں کی ، اور ان کے سامنے ذلت اختیار کرنے والوں کی ۔ پس وہ بستیاں اپنے ان ظالم باشندوں کے باعث ہلاک کی گئی تھیں ، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :-

" پس کیوں نہ ہوئے تم سے پہلے زمانوں میں نیکی والے جو زمین میں فساد سے روکتے ، مگر تھوڑے سے جن کو ان میں سے ہم نے نجات دی تھی ، اور ان ظالموں نے اسی عیش کا پیچھا کیا جو انہیں حاصل تھی ، اور وہ مجرم تھے ۔ اور تیرا رب ایسا نہیں ہے کہ آبادیوں کو ظلم سے ہلاک کرے ، درآنحالیکہ ان کے باشندے اصلاح

Marfat.com

کرنے والے ہوں۔"

نجات پانے والی اور برباد ہونے والی قومیں

ان آیات کا اشارہ اللہ تعالیٰ کی ایک سنت کو کھول کر بیان کرتا ہے۔ پس وہ امت جس میں غیر اللہ کی بندگی و غلامی کا ——— کسی نہ کسی صورت میں ——— فساد برپا ہو جائے، اور اس امت میں اس فساد کو دفع کرنے والے مل جائیں تو وہ قوم نجات پانے والی ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے عذاب اور بربادی میں نہیں پکڑتا۔ مگر وہ اقوام و ملل جن میں ظالم ظلم کریں، مفسد فساد کریں، اور فساد اور ظلم کو دور کرنے والا کوئی نہ اٹھے، یا بدی کے خلاف آواز اٹھانے والے تو ہوں، مگر فساد پر اثر انداز نہ ہو سکیں۔ تو اللہ کی سنت اس امت پر پوری ہو جاتی ہے، یا بجز مار عذاب کے ساتھ۔ یا ضعف اور غلامی کے عذاب کے ساتھ۔ پس قوموں اور ملتوں کے لیے بچاؤ کا ذریعہ وہ اصحاب دعوت ہیں جو ایک اللہ کی ربوبیت کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ اور زمین کو اس فساد سے پاک کرتے ہیں جو عبادت لغیر اللہ کے باعث آتا ہے۔ دراصل یہی لوگ قوموں، امتوں اور ملتوں کے بچاؤ کا ذریعہ ہیں۔ یہیں سے پتہ چلتا ہے کہ ایک اللہ کی ربوبیت کا اعلان کرنے والوں اور اس کی خاطر جہاد کا علم اٹھانے والوں کا کام کس قدر قیمتی ہے۔ یہ لوگ صرف اپنا فریضہ ہی ادا نہیں کرتے بلکہ یہ قوموں کے بچاؤ اور غضب الٰہی سے حفاظت کا سبب بھی ہیں۔

ہدایت و ضلالت کا اختلاف تقاضائے مشیت ہے!

آیت نمبر ۱۱۹ میں ہدایت و ضلالت میں انسانی اختلاف کا راز بتایا گیا ہے:-

" اور اگر تیرا رب چاہتا تو لوگوں کو ایک ہی امت بنا دیتا۔ اور وہ ہمیشہ اختلاف کرتے رہیں گے، مگر وہ جس پر تیرا رب رحم کرے، اور اسی لیے انہیں پیدا کیا ہے۔ اور تیرے رب کی بات تمام ہوئی کہ میں جہنم کو جنوں اور انسانوں سے بالضرور بھروں گا۔"

یعنی اللہ کی مشیت اگر ہوتی تو وہ تمام انسانوں کو ایک جیسا پیدا کر دیتا، ان کی ایک جیسی استعداد ہوتی۔ دہرائے جانے والے نسخوں کے طور پر، ان میں کوئی تفاوت اور تنوع نہ ہوتا، مگر زمین پر مقدر کی ہوئی زندگی کی طبیعت یہ نہیں ہو سکتی تھی۔ انسان کو کافی حد تک اختیار دیا گیا ہے، وہ اس زمین میں خلافت کے منصب پر فائز کیا گیا تھا، اس گوناگوں استعداد میں اور قسم قسم کی قابلیتیں رکھی گئی ہیں۔ جو کام اس کے سپرد تھا، اور جس مقصد سے اس کو خلافت دی گئی تھی، وہ پورا نہ ہو سکتا تھا۔ جب تک کہ انسان کو ارادے اور اختیار کی آزادی نہ دی جاتی۔ اور اللہ تعالیٰ کی مشیت یہ تھی کہ اس مخلوق کی استعدادیں اور توجہات کئی اقسام کی ہوں اور اسے اختیار اور توجہ کی آزادی دی جائے، اور پھر اس اختیار کی ذمہ داری اس پر ڈالی جائے، وہ اپنا راستہ خود منتخب کرے۔ اور اس کو ہدایت یا ضلالت اختیار کرنے پر جزا دی جائے۔ یہ اللہ کی سنت کا تقاضا تھا اور اس کے مطابق اس کی مشیت جاری ہوئی۔ سو جو کوئی ہدایت کو اختیار کرتا ہے وہ مخلوق کے اندر خدائی سنت میں اس کی مانند ہے جو ضلالت کو اختیار کرے۔ فرق ایک اور حیثیت سے ہوگا۔ پس اس مشیت

Marfat.com

نے انسانوں کو اختیار اور ارادے کی آزادی بخشی، اور بالفاظِ دیگر یہ اس کی مشیّت تھی کہ لوگ ایک اُمت نہ ہوں۔ اس کے دیے ہوئے اختیار سے ان میں اختلاف کا ہونا ناگزیر تھا، ہاں جن کو رحمتِ خداوندی سے ہدایت کا راستہ مل گیا تو چونکہ حق متعدد نہیں ہوتا، لہٰذا ان میں اتفاق ہو گیا، مگر اس سے اس بات کی نفی نہیں ہوتی کہ وہ اہلِ ضلالت سے مختلف ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے جو اہلِ ضلالت کا انجام بیان کیا ہے کہ "اور پوری ہو گئی بات تیرے رب کی کہ میں بالضرور بھروں گا جہنم کو جنوں سے اور انسانوں سے، سب سے!" اس کے مقابلے میں جو رحمتِ الٰہی والے ہیں، ان کا انجام خود معلوم ہو گیا کہ جنت ہے۔

انبیاء کے واقعات بیان کرنے کی غرض

سورت کے خاتمے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خطاب ہے کہ ان قصّوں کے بیان کرنے میں آپ کے لیے اور ایمانداروں کے لیے کیا حکمت ہے۔ جہاں تک غیر مومنوں کا حال ہے، ان کے متعلق یہ فرمایا گیا ہے کہ آپ ان کے ساتھ ایک آخری فیصلہ کن بات کریں اور ان سے قطعی جدائی اختیار کر لیں۔ ان کو اللہ کے حوالہ کریں، جو کچھ اس کے غیب میں ان کے انتظار میں ہے وہ ان پر آکر رہے گا۔ پیغمبر کو صرف اللہ کی عبادت، اور صرف اسی پر توکل کرنا چاہیے۔ اور اس قوم کو ان کے عملوں سمیت چھوڑ دینا چاہیے۔ چنانچہ فرماتا ہے کہ:

> "اور سب واقعات جو ہم بیان کرتے ہیں انبیاء کی خبروں کے، ان کے ساتھ ہم آپ کے دل کو مضبوط بناتے ہیں۔ اور آیا ہے آپ کے پاس اس سورت میں حق، اور نصیحت اور یاد دہانی ایمانداروں کے لیے۔ اور ان لوگوں سے کہو، جو ایمان نہیں لاتے، عمل کرو تم اپنے امکان بھر، ہم بھی عمل کرنے والے ہیں، اور انتظار کرو ہم بھی انتظار کرنے والے ہیں۔ اور اللہ ہی کے لیے ہے غیب آسمانوں کا اور زمین کا، اور اُسی کی طرف لوٹایا جاتا ہے ہر امر، سو تو اسی کی عبادت کر، اور اسی پر بھروسہ کر، اور تیرا رب تمہارے اعمال سے غافل نہیں ہے (آیات ۱۲۰، ۱۲۲)

پیغمبر کو بھی تسلی اور تثبیت کی ضرورت ہوتی تھی

دوست تو ایک طرف، دشمن بھی اس بات کو مانتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہت ہی صابر، بہت ہی باہمت، بہت ہی ثابت قدم، اور اپنے رب پر مطمئن تھے۔ پھر بھی ان آیات کا مضمون بتاتا ہے کہ آپ کو تثبیت و تسلی کی ضرورت تھی: اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ رسالت کا جو بوجھ آپ پر ڈالا گیا تھا وہ کس قدر عظیم تھا۔ پس اللہ تعالیٰ آپ کو گذشتہ انبیاء کے واقعات سنا کر مزید تسلی و اطمینان پیدا فرماتا ہے اور رسولوں کے قصے، امرِ دعوت کا حق، اللہ کی سنن اور بشارت و وعید کی تصدیق، یہ چیزیں بیان کر کے اللہ تعالیٰ آپ کی ہمت مزید مضبوط فرماتا ہے۔ گذشتہ قوموں کے واقعات میں اہلِ ایمان کے لیے بھی نصیحت ہے اور انہیں سننِ الٰہیہ کی یاد دہانی ہے۔ جو لوگ کسی حال میں ایمان لانے پر تیار ہی نہیں، ان کو کوئی نصیحت کوئی تذکیر مفید اور کارگر نہیں ہوتی، ان کے لیے تو بس یہ فیصلہ کن آخری بات ہے کہ:

"تم اپنی جگہ اپنی استطاعت کے مطابق عمل کرو، اور ہم اپنی جگہ اپنے طور پر عمل کرتے ہیں۔ تم بھی مستقبل کا انتظار کرو، ہم بھی کریں گے۔"

پہلے انبیاء بھی اسی طرح اپنی ہٹ دھرم اقوام کے ساتھ فیصلہ کن بات کرتے رہے ہیں۔ شعیب علیہ السلام کا آخری فیصلہ تقریباً انہی الفاظ کے ساتھ کچھ صفحے پہلے گذر چکا ہے۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سورت میں آخری نصیحت

اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آخری بات جو فرمائی ہے وہ یہ ہے کہ اے (۱) آسمانوں اور زمین کی پوشیدگیاں اللہ پر واضح ہیں (۲) اللہ کی ہی عبادت کرو (۳) اللہ ہی پر توکل کرو (۴) اللہ جو تمہارا رب ہے وہ تمہارے کاموں سے بے خبر نہیں ہے۔ وہی تمہارا کارساز اور مددگار ہے۔ کسی کی جزا کو وہ ضائع نہیں کرے گا۔

یہ سورت توحید فی العبادت کے ساتھ شروع ہوئی تھی، اور اس نے توبہ، انابت الی اللہ اور اس کی طرف رجوع کے احکام کے ساتھ اپنا اختتام کیا ہے۔ پس انذار و انتہاء دونوں آپس میں بہت تناسب و تناسق ہیں۔ ؏ اول وباآخر نسبتے دارد!

اس سورت کے مضامین کی محوری بنیاد

اگر غور سے دیکھا جائے تو اس سورت کے تمام مضامین کی ایک مرکزی و محوری بنیاد ہے۔ صرف اس سورت کی نہیں، بلکہ سارے قرآن کی یہ محوری اور مرکزی اور اصلی مضبوط بنیاد ہے۔ اس محور کے گرد اس سورت کے، بلکہ سارے قرآن کے مضامین گھومتے ہیں۔ وہ بنیاد کیا ہے؟ وہ بنیاد عقیدہ ہے، اس پر خدائی نظام قائم ہے جو انسانی زندگی کی اجمالی اور تفصیلی راہنمائی کرتا ہے۔ اب آگے چلنے سے پہلے ضروری ہے کہ ہم اس بنیاد اور اصولی محور پر چند وقفوں میں گہری نظر ڈالیں۔ ان میں سے بعض پر کچھ اشارات پہلے بھی کیے جا چکے ہیں۔

پہلی واضح حقیقت

اس سورت کے مقدمے میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی کتاب کا مضمون اجمالاً پیش کیا گیا ہے۔ اس کے قصوں میں انسانی تاریخ کے طول و عرض میں اسلامی عقیدے کی تحریک پیش کی گئی ہے اور اختتامی نتیجے میں وہ آخری نتائج بیان ہوئے ہیں جو ان قصوں سے اخذ ہوتے ہیں۔ ان سب میں ایک ہی واضح حقیقت ہے جس کو مرکزی اور بنیادی حیثیت حاصل ہے، اور وہ ہے اللہ وحدہٗ کی عبادت کا حکم، اور غیر اللہ کی عبادت کی نفی۔ سورت میں اس کو اس حیثیت سے پیش کیا گیا ہے کہ یہی مکمل دین ہے جس کی تفصیل اس کے تمام عقائد و اعمال اور معاملات میں کی گئی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ وعدہ اور وعید کو اور حساب و جزاء اور ثواب و عقاب کو اسی ایک قاعدے پر قائم کرنا، جیسا کہ ہم نے اس کے متعلق بعض باتیں اوپر بھی بتائی ہیں، یہ بھی اسی مرکزی و بنیادی قاعدے کا حصہ ہے۔

Marfat.com

اس حقیقت کی تعبیر کا قرآنی قاعدہ

یہ حقیقت کہ عبادت فقط ایک اللہ وحدہٗ کی ہے، دو قسم کے صیغوں میں وارد ہوتی ہے:۔

(۱) يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۚ

(۲) أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ ۚ إِنَّنِي لَكُم مِّنْهُ نَذِيرٌ وَبَشِيرٌ

اور یہ بات تو بالکل ظاہر ہے کہ ان دونوں صیغوں کا اختلاف امر اور نہی میں ہے۔ پہلے میں امر ہے، دوسرے میں نہی۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا ان دونوں کا مطلب و مدلول ایک ہی ہے؟ پہلے صیغے کا مدلول یہ ہے کہ اللہ کی عبادت کا حکم دیا گیا ہے اور یہ کہ اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں، جس کی عبادت کی جائے اور دوسرے صیغے کا مدلول یہ ہے کہ غیر اللہ کی عبادت سے نہی کی گئی ہے۔ دوسرے کا مدلول وہی ہے جو پہلے کا مقتضیٰ اور مفہوم ہے۔ مگر پہلا منطوق ہے اور دوسرا مفہوم ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی حکمت کا اقتضاء یہ ہوا کہ صرف مفہوم پر اکتفاء نہ کیا جائے یعنی صرف غیر اللہ کی عبادت کی نہی نہ ہو۔ اور پھر اس نہی کو ایک مستقل منطوق طریقے سے ثابت کیا جائے اگرچہ وہ امر اول میں ہی ضمنی طور پر مفہوم ہوتا تھا۔ اس سے ہمیں پتہ چل جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس عظیم حقیقت کی قیمت کیا ہے، اور اللہ کی میزان میں اس کا وزن کیا ہے؟ اس کو صرف عبادت الٰہی کے امر میں ضمنی حیثیت سے ہی بیان نہیں کیا گیا، بلکہ اس امر کی توثیق و تاکید کی گئی ہے کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں ہے جس کی عبادت کی جائے۔ اور غیر اللہ کی عبادت کی نہی کو ایک الگ نص میں بیان کیا جائے، منطوق کے طور پر نہ کہ مفہوم ضمنی کی حیثیت سے! اور نہ مقتضائے لازم کے طور پر! پس یہاں پر دو باتیں ہیں۔ ایک یہ کہ عبادت صرف اللہ کی ہو۔ اور دوسری یہ کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ ہو۔ یہ دونوں لازم و ملزوم مطالب ہیں، مگر ان کو الگ الگ مستقل طور پر بیان فرمایا گیا ہے۔ اس کا باعث یہ تھا کہ ایک زمانہ ایسا آنے والا تھا کہ لوگ اللہ کا انکار نہ کریں گے، اور اس کی عبادت کو ترک نہ کریں گے، مگر وہ اس کے باوجود اوروں کی بھی عبادت کریں گے پس وہ اپنے آپ کو مسلمان سمجھتے ہوئے بھی مشرک ہوں گے، یہی سبب ہے کہ حقیقت توحید کی قرآنی تعبیر دونوں طرح سے وارد ہوئی ہے امر سے بھی اور نہی سے بھی، اس سے شرک کے لیے کوئی دراڑ باقی نہیں رہتی۔ اس کے بعض نمونے اس سورت سے اور دیگر سورتوں سے یہ ہیں:۔

"الف۔ لام۔ را۔ یہ ایک کتاب ہے جس کی آیات محکم ہیں، پھر ان کو مفصل کیا گیا ہے ایک حکیم و خبیر کی طرف سے، کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ بلاشبہ میں تمہارے لیے اس کی طرف سے نذیر اور بشیر ہوں" (ہود ۱۔۲)

"اور بلاشبہ ہم نے نوحؑ کو اس کی قوم کی طرف بھیجا، اس نے کہا کہ میں تمہارے لیے کھلا خبردار کرنے والا ہوں، کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، میں تم پر ایک دردناک عذاب کے دن سے ڈرتا ہوں" (ہود ۲۵ - ۲۶)

"اور عاد کی طرف ان کے بھائی ہودؑ کو بھیجا، اس نے کہا: اے میری قوم! اللہ ہی کی عبادت کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں، تم تو صرف افترا کرنے والے ہو" (ہود ۵۰)

Marfat.com

" اور اللہ نے فرمایا کہ تم دو الٰہ مت اختیار کرو۔ بلاشبہ وہ ایک ہی معبود ہے۔ پس تم صرف مجھ سے ہی ڈرو۔" (النحل ۵۱)

" ابراہیم نہ تو یہودی تھا نہ عیسائی، لیکن وہ خالص مسلم تھا اور مشرکوں میں سے نہ تھا۔" (آل عمران ۶۷)

" بلاشبہ میں نے اپنا چہرہ اس ذات کی طرف کر لیا ہے، جس نے آسمان اور زمین کو ایجاد کیا۔ میں خالص مومن ہوں، اور مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔" (الانعام ۷)

پس عقیدۂ توحید کے بارے میں یہ قرآن کا ایک عام قاعدہ اور مقررہ ضابطہ ہے، یہ افراط و تفریط سے بالکل پاک، بالکل صاف، واضح اور مستقیم راستہ ہے، اس کی نصوص بالکل منطوق ہیں۔ اس نے اس سلسلے میں اللہ کی مخلوقِ ارضی و سماوی کو، اور انسان اور اس کی جسمانی و روحانی قوتوں کو بطور دلیل پیش کیا ہے۔

عبادت کا مطلب

اس سلسلے میں گفتگو کرتے ہوئے یہ بھی ضروری ہے کہ لفظِ عبادت کا مطلب بیان کیا جائے جو اسی سورت میں قرآن کے دوسرے مقامات پر وارد ہوا ہے تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کا حکم اور غیر اللہ کی عبادت سے نہی پر اتنا زور کیوں دیا ہے؟ اس سے پہلے ہم نے ہود کے قصے کے خاتمے پر واضح اور صریح انداز میں بتایا ہے کہ عبادت کا معنیٰ کیا ہے جس کی بنا پر قرآن نے اس پر منطوق و مفہوم کے لحاظ سے اتنا زور دیا ہے، انبیائے کرام نے اس کی خاطر اتنی جدوجہد اور محنت کی ہے اور اتنی ناقابلِ بیان تکالیف برداشت کی ہیں۔ اب اپنے سابق بیانات پر یہاں بعض اضافہ کریں گے۔

عبادت کے لفظ کو محض شعائرِ تعبدیہ کے معنوں میں لینا، اور صرف ان چیزوں پر عبادت کا اطلاق کرنا جو عابد و معبود کے مابین ہوتی ہیں، اور اس کے مقابلے میں بندوں کے باہمی تعامل پر معاملات کا لفظ بولنا، یہ اطلاق نزولِ قرآن کے زمانے کے بعد میں پیدا ہوا تھا، عہدِ اول میں یہ تقسیم معروف نہ تھی۔ ہم نے اس سے پہلے کتاب "خصائص التصور الاسلامی و مقوماتہ" میں اس مسئلے کی کچھ تاریخ لکھی ہے جس کے بعض فقرات کو ہم یہاں پر درج کرتے ہیں:۔

انسانی اعمال کی تقسیم عبادات اور معاملات میں اس وقت ہوئی تھی جبکہ فقہ کی تالیف ہو چکی تھی اور باوجودیکہ پہلے پہل یہ محض ایک نئی تقسیم تھی، جو علمی تالیف کی ضرورت سے ہوئی تھی، مگر افسوس کی بات ہے کہ آگے چل کر اس کے غلط نتائج نکلے۔ لوگوں نے یہ سمجھ لیا کہ عبادت کا تعلق صرف انہی چیزوں کے ساتھ ہے جن کو فقہی تالیف میں قسمِ اول میں رکھا گیا ہے۔ اور قسمِ ثانی کا تعلق عبادت سے بالکل نہیں ہے۔ اور یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ یہ چیز اسلامی تصور سے انحراف کا نتیجہ ہے۔

اسلامی تصور کی رو سے انسانی عمل کا کوئی حصہ بھی ایسا نہیں ہے جس پر عبادت کا معنیٰ منطبق نہ ہو سکے، یا اس میں یہ وصف مطلوب نہ ہو۔ اسلامی تصور کی رو سے انسانی اعمال میں عبادت ایک محیط عنصر کی حیثیت رکھتی ہے۔ اگر انسان کا علم و عمل، رویہ اور وطیرہ، مرضیاتِ خداوندی کے مطابق ہو تو ہمہ وقت عبادت میں رہتا ہے۔ اور جب وہ اس بات سے انحراف کر جائے تو اس کے انحراف کے مطابق اس کی زندگی

Marfat.com

میں شیطنت اور شرک داخل ہوجاتا ہے۔ اسلامی طرز حیات میں عدل، اقتصاد، فوجداری قوانین، دیوانی قوانین، خاندانی و معاشرتی قوانین، اور دوسرے تمام قوانین اس لیے ہیں کہ انسان کی زندگی میں عبادت کے معنے کو ثابت کیا جائے۔ جب زندگی کے تمام شعبے ربانی احکام کے مطابق ہوجائیں تو وہ سب "عبادت" شمار ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ہی کو الٰہ واحد و برحق ماننا، اور اس کی ہی عبودیت کا اعتراف کرنا، اور زندگی کے ہر معاملے میں اسی اقرار و اعتراف کو پیش نظر رکھنا، اور زندگی کے معاملات میں خدا اور رسولؐ کی ہدایت کو بروئے کار لانا، یہی عبادت ہے۔ ورنہ یہ عبودیت سے خروج ہے، بالفاظ دیگر انسانی وجود کے مقصد سے خروج ہے اور اس لیے اللہ کے دین سے خروج ہے۔

عبادات و معاملات

جن کاموں پر فقہاء نے عبادات کا لفظ بولا ہے، جب ہم قرآن میں انہیں دیکھتے ہیں تو یہ واضح حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ وہ ان کاموں کے بغیر یا ان سے الگ تھلگ ہوکر نہیں آتے، جن پر انہوں نے معاملات کا لفظ بولا ہے۔ قرآنی سیاق سے دونوں ملے جلے اور اکٹھے آتے ہیں۔ عبادت انسانی وجود کا مقصد ہے۔ لہٰذا اس کے تمام افعال و اعمال میں اس کا ظہور ضروری ہے۔ آپ شعائر عبادت کے علاوہ جن چیزوں پر عبادت کا اطلاق ہوتا ہے انہیں عبودیت (بندگی) کے معنی میں لے سکتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کو الٰہ واحد ماننے کا مطلب یہی ہے کہ زندگی کے تمام شعبوں میں اس کا حکم نافذ کیا جائے۔ عبادات اور معاملات کی اس تقسیم نے بعض لوگوں کو یہ کہنے اور سمجھنے کا موقع دے دیا ہے کہ صرف چند شعائر عبادت کو ادا کرلینے کے بعد مسلم اور مومن ہونے کے لیے کسی اور کام کی ضرورت نہیں ہے۔ حتیٰ کہ اگر معاملات سارے کے سارے غیر اسلامی طرز حیات اور غیر اسلامی احکام کے مطابق ادا ہوں، تو انسان کے مسلم ہونے میں کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔ مگر یہ ان لوگوں کا ایک وہم ہے۔ اسلام کے نزدیک زندگی ایک وحدت کا نام ہے جس میں کوئی تقسیم نہیں ہے۔ جو شخص بھی اس کو دو حصوں میں تقسیم کرے گا تو وہ دین سے باہر ہوجائے گا۔ جس قدر تعبدی شعائر ضروری ہیں، اسی قدر معاملات میں اسلامی احکام کی پابندی لازم ہے۔ زکوٰۃ دینا اگر اسلامی کام ہے تو سُود سے بچنا بھی بالکل اتنا ہی ضروری اور اتنا ہی بڑا اسلامی کام ہے۔ ہر مسلم کو اس حقیقت کبریٰ کا جان لینا نہایت ضروری ہے، ورنہ وہ مسلم نہیں ہو سکے گا۔

مکہ میں عبادت کا مفہوم کیا تھا؟

مکہ میں ابھی عباداتی شعار و اسلام فرض نہ ہوئی تھیں، جبکہ عبادت کا حکم مل چکا تھا اس وقت عبادت کا معنی یہی تھا کہ الٰہ اور رب صرف اللہ کو مانا جائے، اور اس کی ربوبیت کا اقرار کیا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عدیؓ بن حاتم کو بطورِ نص واضح الفاظ میں بتا دیا تھا کہ یہود و نصاریٰ اپنے عالموں اور درویشوں کا جو اندھا دُھند اتباع کرتے تھے، یہی ان کی عبادت تھی۔ آنحضورؐ نے فرمایا تھا کہ ان کے احبار و رہبان نے حلال کو حرام کیا اور حرام کو حلال کیا۔ اور یہود و نصاریٰ نے اس امر میں ان کا اتباع کیا، تحریم و تحلیل کا اختیار ان کو سونپ دیا گیا۔ یہی ان کی عبادت تھی۔ شعائرِ عبادت پر لفظ عبادت اس لیے نہیں بولا جاتا کہ عبادت بس یہی ہے۔ بلکہ اس لیے کہ عبادت کی صورتوں میں سے ایک صُورت یہ ہے۔ اگر عبادت کا مفہوم صرف اتنا ہی ہے

جیسا کہ ان شعائر عبادت سے ظاہر ہوتا ہے تو انبیاء کا یہ عظیم جلوس بھیجنے کی، ان کی اتنی شدید جدو جہد کی، اتنی قربانیاں پیش کرنے کی، اس راہ میں قتل و نہب میں سے گذرنے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ یہ سب کچھ اس لیے پیش آیا کہ وہ حضرت انسان کو غیر اللہ کی غلامی سے نکالنا چاہتے تھے اور صرف ایک اللہ کی دبوبیت قائم کرنا چاہتے تھے۔

مقصد رسالت

جس مقصد کے لیے اتنے عظیم انسانوں کا یہ عظیم الشان جلوس دنیا میں ظاہر ہوا، وہ یہ مقصد تھا کہ ان چیزوں میں توحید قائم کی جائے : الوہیت، ربوبیت، قوامیت، حاکمیت، مصدر قانون و شرع، دبوبیت یہی مقاصد تھے جن کے لیے اتنے عظیم انسانوں کا یہ عظیم انسان جلوس نکالا گیا، اور انہوں نے پتھر کھائے گالیاں کھائیں، وطن چھوڑے، قتل ہوئے، زخمی ہوئے، ان پر تہمت تراشی اور بہتان طرازی ہوئی۔ یہ سارے عذاب اور ناقابل بیان آلام انہوں نے صرف اسی لیے برداشت کیے۔ غرض یہ نہ تھی کہ اللہ تعالیٰ کو اس کی ضرورت تھی، بلکہ حقیقت یہ تھی کہ انسانی زندگی اس کے بغیر سنور ہی نہ سکتی تھی۔ اس میں استقامت، صلاحیت اور رفعت آ ہی نہ سکتی تھی۔

انسانی زندگی میں حقیقت توحید کی قدر و قیمت

سب سے پہلے ہم خود انسانی وجود میں اس کے ذاتی وجود کی حیثیت سے نظر ڈالتے ہیں۔ اس کی فطری ضرورت، اس کی انسانی ترکیب پر نظر ڈالتے ہیں کہ اس کا اس کے تصور پر کیا اثر ہوتا ہے اور اس تصور کا اس کے وجود پر کیا اثر ہوتا ہے۔ یہ عقیدہ اپنی کامل و شامل اور محیط حیثیت کے ساتھ ہر جانب سے انسانی وجود سے مخاطب ہوتا ہے، اس کے ہر شوق و آرزو، ہر تمنا، ہر حاجت اور ہر توجہ پر اثر ڈالتا ہے، ان تمام کو ایک جہت کی طرف لاتا ہے، وہ جہت اس عقیدے کی وحدانیت ہے۔ انسان ہر چیز کے ساتھ، ہر چیز کے پاس، ہر چیز کے لیے، اسی ایک طرف کو پکارتا، اسی کی طرف راغب ہوتا، اسی کی طرف متوجہ ہوتا، اسی کی رضاء و خوشنودی چاہتا ہے، یعنی اس کا خالق و مالک، رازق اور محیی و ممیت خدا۔ پس یہ عقیدہ انسان کو ہر حیثیت سے وحدت کے رنگ میں رنگ دیتا ہے :-

صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً

یہ عقیدہ انسانی وجود کو ایک مصدر کی طرف لوٹاتا ہے جس سے انسان اپنے تصورات، مفہومات، قدر و قیمت، موازین، شرائع اور قوانین حاصل کرتا ہے۔ اس کے ہر سوال کا جواب اسی کے پاس ہے، ساری کائنات، انسان اور جنات (انسانی ہو یا غیر انسانی) انسان کی مانند اسی ایک مصدر کی محتاج ہے۔ پس انسان اس کی طرف متوجہ ہو کر گویا کائنات کے ساتھ ہم آہنگ ہو جاتا ہے۔ یہاں آکر زندگی، وجود، کائنات ہر چیز کا ایک مصدر و محور بن جاتا ہے۔ انسانی وجود جب یوں اپنے آپ میں جمع ہوتا ہے تو وہ اپنے سب سے بہتر حال میں ہوتا ہے، کیونکہ اس وقت وہ وحدت کا مظہر ہوتا ہے، اور یہی وحدت ساری کائنات میں جاری و ساری اور کارفرما ہے۔ اس کائنات کی حقیقت وحدت ہے، گو اس کے مظاہر و مشاہد اور اجناس و انواع

میں تنوع پایا جاتا ہے۔ وحدت ہی زندوں اور زندگی کی حقیقت ہے۔ وحدت ہی انسان کی حقیقت ہے، گو اسی کے افراد اور ان کی استعدادوں میں تنوع موجود ہے، وجود انسانی کی غایت و مقصد وحدت ہے اور یہ عبادت ہے۔ گو انسانی زندگی میں عبادت کی ہیئتیں اور مجال گوناگوں اور مختلف ہیں۔ انسانی وجود جب حقیقت سے ہم آہنگ ہو تو وہ اپنی ذاتی قوت کے اوج پر ہوتا ہے۔ کیونکہ کائنات کی حقیقت میں بھی وحدت ہے۔ انسان جب اس مقام پر فائز ہوگا تو ہر چیز کی حقیقت سے ہم آہنگ ہو جائے گا، کیونکہ دراصل ہر چیز کی حقیقت بھی وحدت ہے۔ کائنات کا نظم و ترتیب اور تناسب و تناسق ہر لمحہ اس کی شہادت دے رہا ہے۔ اگر یہ ایک وحدت (یونٹ) نہ ہوتی تو اس کا یوں چلنا محال ہو جاتا۔

یہی وحدت کی حقیقت تھی جو مسلمانوں کی پہلی برگزیدہ صف میں کارفرما ہو گئی تھی، اور انہوں نے زمین میں سیاسی، فوجی، معاشرتی اور معاشی معجزے ظاہر کیے تھے۔ اور ان کے یہ آثار انسانی تاریخ میں دیرپا ہیں، بلکہ زندہ و پائندہ ہیں۔ اور اس وقت گو راستے میں بہت سی رکاوٹیں ہیں، مگر انشاء اللہ یہ ہو کر رہے گا کہ یہ حقیقت توحید جب ایک بار پھر پائی گئی تو یہ ایک غیر مفتوح قوت بنے گی۔ اس حقیقت کی اہمیت صرف ایمانی تصور کی تصحیح نہیں ہے۔ اگرچہ یہ تصحیح اپنی ذات میں ایک بہت بڑی چیز ہے اور اسی پر زندگی کی بنیاد ہے۔ بلکہ اسی طرح اس کی اہمیت زندگی کے حسن ذوق میں بھی ہے۔ جب انسان اور انسانیت کی ہر چیز عبادت قرار پائے تو اس کا ذوق حسن اور حسن ذوق بھی عبادت قرار پاتا ہے۔ اس ذوق حسن اور حسن ذوق کا اکمل ترین مقام معراج تھا جس پر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فائز ہوئے تھے:۔

"بابرکت ہے وہ خدا جس نے اپنے بندے پر قرآن اتارا، تاکہ وہ سب جہان والوں کو خبردار کرنے والا ہو" (الفرقان ۱)

"پاک ہے وہ خدا جو لے گیا اپنے بندے کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک، جس کے ماحول کو ہم نے بابرکت کیا تاکہ ہم اس کو اپنی آیات قدرت دکھائیں۔ بلاشبہ وہ اللہ سمیع و بصیر ہے۔ (الاسراء ۱)

حقیقت توحید کی دوسری قدر و قیمت ــــ انسانی آزادی

توحید عبادت کا معنی جب ہم اللہ وحدہ کی دینونت لیتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ انسانی زندگی میں اس کے آثار کیا ہیں؟ تو ہمیں بالیقین نظر آتا ہے کہ ایک اللہ کی دینونت کا معنی ہے غیر اللہ کی دینونت سے انسانی آزادی، بندوں کی غلامی سے آزادی، بندے جس کے ہیں اس کی عبادت کریں تو ہر دوسری ذات شخص، طاقت سے آزاد ہو کر ایک اللہ کی صحیح بندگی ـــــ عبادت ـــــ میں داخل ہو جاتے ہیں انسان اللہ وحدہ کا خلیفہ ہے۔ اس آزادی سے اس کی اصل بزرگی، اکرام و اعزاز اور رفعت ثابت ہو جائے گی۔ انسان کا یہ مقام اسلام کے سوا کسی اور دین و مذہب اور نظام میں نہیں ہے۔ دوسرے تمام نظام بندوں کی خدائی پر قائم ہیں۔ بندوں کی خدائی کی بہت سی صورتیں ہیں، مثلاً ملوکیت، جدید جمہوریت، اشتراکیت، نازیت وغیرہ۔ توحید کی آزادی انسان کو اعتقادی آزادی، عملی آزادی اور معاملاتی آزادی بخشتی ہے۔ انسان

Marfat.com

ہر بت کو توڑ دیتا ہے، خواہ پتھر کا ہو، لکڑی کا ہو، دھات کا ہو، ذہنی غلامی کا ہو، قوم، ذات، برادری رنگ، نسل اور زبان و خون کا ہو۔ یہ سب بت ہیں جو انسان سے عبودیت اور مراسم عبادت ادا کرنے کا مطالبہ کرتے ہیں۔

دین ناگزیر ہے، صحیح ہو یا غلط!

فطرت، تجربہ، تاریخ اور انسانی ضروریات بتاتی ہیں کہ انسان کے لیے دین کا اختیار کرنا ــــــ دینونت، بالفاظ دیگر عبادت ــــــ ناگزیر ہے۔ جو لوگ ایک اللہ کی عبادت و دینونت اختیار نہیں کرتے، وہ بے شمار خود ساختہ یا دوسروں کے ساختہ و پرداختہ خداؤں کی بندگی و عبادت کرنے پر مجبور ہیں۔ کئی لوگ اپنی اہواء کو خدا بنا تے ہیں۔ اپنی شہوات و خواہشات و مرضیات کو خدا بنا لیتے ہیں اور انسانیت سے گر کر غیر انسانیت کو اختیار کر لیتے ہیں:

"اور جو لوگ کافر ہیں، وہ شہوات کے غلام ہیں۔ اور ڈھور ڈنگروں کی مانند کھاتے پیتے ہیں۔ اور آگ ہی ان کا ٹھکانہ ہے۔" (محمد۔ ۱۲)

پھر کچھ لوگ اپنے جیسے بندوں کی غلامی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ بندوں کی غلامی کی بھی کئی اقسام ہیں۔ حکام و رؤسا کی غلامی بدترین ہے، جو اپنے بندوں کو اپنی مرضی، اپنے قوانین و شرائع پر چلاتے ہیں۔ مقصد صرف ان کے نفسانی، خاندانی، موروثی، فرقہ وارانہ اغراض ہوتے ہیں۔ یہ خدائی ایک فرد میں متمثل ہو سکتی ہے اور حکمران طبقے میں بھی، نوکر شاہی میں بھی، اور خاندانی اقتدار میں بھی، کوئی صورت بھی ہو، یہ غلامی بہر حال غیر اللہ کی غلامی ہے اور کوئی اسے بندگی شمار کرے نہ کرے۔ بہر حال یہ شرک ہے تقاضائے توحید کے خلاف ہے۔

بعض لوگوں کا خدا فیشن ہے جس کی خاطر وہ ہر حد تک جانے کو تیار ہیں۔ فیشن کپڑوں میں بھی ہے بالوں کی تراش خراش میں بھی ہے، عادات و رسوم میں بھی ہے، مردوں کے زنانہ فیشن ہیں، اور عورتوں کے مختلف مردانہ فیشنوں میں بھی ہے، یہ فیشن بھی ایک خدا ہے جس نے ایک دنیا کو اپنی معبودیت میں جکڑ رکھا ہے۔ غیر قوموں، غیر اشخاص، غیر طبقات کی اندھا دھند، بے ضرورت اور بے جواز اندھی تقلید بھی ان خداؤں میں سے ایک خدائی ہے، جس میں مشرک لوگ ــــــ خواہ مسلم نام رکھتے ہوں، اور مسلم ہونے کی غلط فہمی میں مبتلا ہوں، گرفتار ہوتے ہیں۔ جدید جاہلیت کی بیشتر رسوم و عادات بے فائدہ، بے جواز اور غیر مفید ہیں، مگر لوگ انہیں نبھانے کے لیے اپنی زندگی میں عذاب کا شکار رہتے ہیں۔ مگر اصلاح احوال کیلیے تیار نہیں ہوتے۔ یہ بڑے بڑے نام تہذیب و ثقافت اور حضارت بہت سے لوگوں کو اسی دنیا میں عذاب جہنم کا شکار بنائے رکھتی ہے۔ بعض مردوں کو مضحکہ خیز لباس پہننے، مضحکہ خیز حرکات کرنے، نشست و برخاست میں مبتلائے عذاب ہونے پر کوئی دیکھ سکتا ہے۔ پھر عورتوں اور ان کے بالوں، کپڑوں اور نئے نئے فیشنوں اور بالوں کی نئی نئی تراش خراش کو دیکھو۔ یہ بیچاریاں معلوم نہیں کس غلط فہمی کا شکار ہو کر اپنے تمام کپڑے اتار پھینکنا چاہتی ہیں، مغربی آوارگی اور مادر پدر آزادی کو اپنانی ہیں، اپنے لیے، اہل خاندان کے لیے اور

Marfat.com

ملک و قوم کے لیے عذاب بن جاتی ہیں۔ فلمی دوستی میں بھی ایک شدید قسم کی آوارگی کی قسم ہے ، جس نے بہت انسانوں ، خاندانوں اور شرفاء کو برباد کیا ہے۔ بعض دفعہ ہم ان بیچاری عورتوں کو دیکھتے ہیں جو بے پردہ لباس پہنتی ہیں۔ اس لباس میں سے ان کا ستر ظاہر ہوتا ہے۔ یہ لباس ان کی شکل وصورت اور تکوین کے لیے بھی نامناسب ہوتا ہے۔ بعض دفعہ کپڑے کے رنگ ، نقش و نگار عورت کو بدنمائی اور ہنسی مذاق کا ہدف بناتے ہیں۔ مگر وہ فیشن اور تراش خراش کے خدا کی بندی کسی اور طرف دیکھنے کو تیار نہیں ہوتی ، اپنے اسی معبود کی عبادت میں مصروف ہے۔ مگر بعض دفعہ سے محسوس ہوتا ہے اور اکثر نہیں ہوتا کہ وہ اس خود ساختہ خدائے فیشن کی دلدادگی اور عبادت و عبودیت میں کہاں تک آگے جا چکی ہے۔ خدائے واحد کے سوا اور خداؤں میں سے صرف ایک جھوٹے خدا کی بندگی کی ہم نے یہ مثال پیش کی ہے۔ مگر انسان کی انسانوں کے لیے بندگی کی صرف یہی ایک مثال نہیں ہے۔ انسان انسانوں کی بندگی صرف سرداروں اور رئیسوں کی حاکمیت اور حاکموں کی حاکمیت کی صورت ہی میں نہیں کرتا۔ اس کی اور شکلیں بھی ہیں۔

توحیدِ عبادت کے فوائد

غیر اللہ کی بندگی اور دینونت کی صورت میں لوگوں کی ارواح ، عزت و آبرو اور احوال کوئی چیز محفوظ نہیں ہوتی جبکہ ایک اللہ کی عبادت و دینونت میں انسان ان سب چیزوں کو غیروں سے آزاد کر لیتا ہے۔ اعتقاد و تصور میں غیر اللہ کے دین و عبادت کو قبول کرنے کا معنی یہ ہے کہ انسان اوہام و خرافات اور افسانوں کے پنجوں میں جکڑا جائے ، اور ان کی کوئی حد نہیں ہوتی۔ بت پرستانہ جاہلیتیں اس کی مثال پیش کرتی ہیں۔ انسان اشرف المخلوقات ہو کر بندروں ، خنازیر ، چھچھوندروں ، چھپکلیوں ، کیڑوں مکوڑوں ، درندوں ، پرندوں ، درختوں ، پتھروں ، دھاتوں ، غرض ہر شئی کو خدا بنا لیتا ہے۔ اور دیوی دیوتاؤں کو خوش کرنے کے لیے مالی قربانیاں اور نذر نیاز پیش کرتا ہے۔ قحط ، زلزلے ، خشک سالی ، سیلاب ، تیز بارش ، غرض ہر نقصان دہ چیز کے لیے منوں تیل جلاتا ہے۔ سمندر ، دریاؤں ، پہاڑوں اور نالابوں میں کھانے پینے کی چیزیں ڈالتا ہے اور اس غلط فہمی میں مبتلاء ہوتا ہے کہ اس نے دیوی ، دیوتاؤں کو راضی کر لیا ہے۔ کبھی کبھی جاہل لوگ اولاد کی قربانی بھی دیتے ہیں۔ پہلے یہ چیز صرف بت پرستوں میں تھی ، اب مسلم کہلانے والوں میں بھی آگئی ہے۔ لوگ وہمی و خرافاتی خداؤں سے ڈرتے ہیں اور ان کے خوف اور جہالت کا فائدہ ان جھوٹے خداؤں کے پروہتوں ، بھائیوں اور گدی نشینوں کو پہنچتا ہے۔ ان باطل خداؤں کے جلو میں ان کے آس پاس بہت بڑی بڑی بدمعاشیاں ، زناکاریاں ، اغلام ، جوا ، شراب خوری بے کھٹکے ہوتی ہے۔ بعض جادوگر جن کا تعلق شیاطین اور جنوں سے ہوتا ہے وہ خدا ، چیلے ، بزرگ ، غیب داں بن کر عوام کو لوٹتے ہیں۔ فیشن ہاؤسوں ، مقابلہ حسن کے اداروں پر بے پناہ دولت صرف ہوتی ہے۔ ان کے ملازم مختلف حیثیتوں میں کام کرنے والے کارکن حیرت انگیز تنخواہیں پاتے ہیں ، لوگ وہاں جاتے ہیں ، دولت بھی خرچ کرتے ہیں ، جسم بھی فروخت کرتے ہیں ، اور حاصل سوائے ذلت و رسوائی کے کچھ نہیں ہوتا۔ ان کے مالک یہودی ہیں۔ اس شیطنت کے موجد اور مربی یہودی ہیں ، جو اپنی صدیوں کی ذلتوں کا بدلہ ساری انسانیت سے لینا

چاہتے ہیں۔ ہر مذہب، ہر اخلاق، ہر شرافت کو برباد کرنا ان کے مقاصد میں داخل ہے۔ توحید عبادت و بندگی کو اختیار کرنے والا ان تمام ذلتوں اور رسوائیوں اور قربانیوں اور نذرونیاز سے بچ جاتا ہے اس سے دین اگر کوئی مطالبہ کرتا ہے تو صرف یہ کہ اپنی حلال کمائی کا ایک حصہ نیک کاموں میں، بعض نادار اور محتاج انسانوں پر خرچ کردے، اور بس۔

بشری قانون سازی کی تکالیف

اللہ کا عبادت گذار، جو مالی قربانی اللہ کے لیے دیتا ہے، غیر اللہ کی عبادت و بندگی والے اس سے بدرجہا زیادہ قربانیاں "حاکم ارباب" کی خاطر پیش کرتے ہیں۔ مال، جان اور عزت کی بے پناہ قربانیاں انسان وطن، قوم، جنس، ذات برادری، طبقہ، معیار زندگی، پیداواری اضافہ اور اس قسم کے اور کئی بت کئی خود تراشتا ہے اور خود ہی پوجنے لگتا ہے۔ ان بتوں کے لیے ڈھول پیٹے جاتے ہیں جھنڈے گاڑے جاتے ہیں۔ اور ان بتوں کے پجاریوں کو دعوت دی جاتی ہے تاکہ وہ ان معبودوں کے لیے بے سوچے سمجھے جانی اور مالی اور آبرو کی قربانی پیش کریں۔ اگر کوئی لیس و پیش کرے گا تو وہ غدار کا خطاب پائے گا اور اسے عار کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اور جب ان بتوں کے مطالبات اور عزت کا مقابلہ ہو تو آخرکار عزت ہی کی قربانی لی جاتی ہے۔ پس وہ خدا ہیں جن کے گرد خون بہائے جاتے ہیں۔ اس قربانی کا نام شرف رکھا جاتا ہے اور احمق عوام سے ان کی قربانی لی جاتی ہے۔ جہاد فی سبیل اللہ میں جس قدر جانی و مالی قربانیاں دینی پڑتی ہیں ان سے کئی گنا زیادہ قربانیاں غیر اللہ کی عبادت و بندگی کے لیے دینی پڑتی ہیں۔ یہ قربانیاں جان و مال، عزت و آبرو، اور کاروباری خسارے، غرض ہر شکل میں ہوتی ہیں۔ جہاد فی سبیل اللہ میں ان قربانیوں سے ڈرنے والے سوچیں کہ انہیں غیر اللہ کے لیے کون کون سی، کتنی اور کیسی کیسی قربانیاں دینی پڑتی ہیں۔ وطن، قوم کا بت جو کچھ انسانوں سے مانگتا ہے۔ معبود برحق اس سے زیادہ تو طلب نہیں کرتا۔

انسانی جدوجہد کی حفاظت

اللہ تعالیٰ کے لیے عبادت و بندگی کی توحید۔ اور اس کی مخلوق میں سے بندوں کے لیے عبادت و بندگی کی نفی کرنا، دوسرے لفظوں میں انسانی جدوجہد کو جھوٹے خداؤں کی خدائی کے لیے صرف کرنے سے بچانا ہے اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ یہ ساری جدوجہد زمین کی آبادی اور ترقی میں اور اس کے اندر حیات کی ترقی میں صرف ہوگی۔ اور ہم نے بارہا اس سے قبل اسی تفسیر کی اس جلد میں اس طرف اشارہ کیا ہے کہ اللہ کے بندوں میں سے جب کوئی بندہ اپنے آپ کو طاغوت بنانا ہے تاکہ اللہ سے ورے وہ لوگوں کو اپنی شخصیت کا بندہ بنائے تو یہ طاغوت چاہتا ہے کہ تمام قوتوں اور طاقتوں کو اپنی شخصیت کی حمایت میں لگا دے۔ پھر وہ اپنے آپ کو خدا بنا لیتا ہے اور اسے حاشیہ نشینوں چمچوں، خوشامدیوں، ذرائع نشر و اشاعت، بلکہ اور اخبارات، ریڈیو، ٹیلی ویژن سے یہ چاہتا ہے کہ یہ سب اس کی حمد و ثناء کے ترانے گائیں۔ اس کے ذکر کی ترتیل کریں۔ اس کی کمزور بندگی کی صورت میں پھونکیں تاکہ وہ موٹا ہو جائے اور عظیم اُلوہیت کے مقام کو پُر کر دے، اس کمزور، فانی صورت میں ہر وقت پھونکا

Marfat.com

جائے تاکہ اس کا موٹاپا برقرار رہے، اور اس کی خدائی کا ڈھول بجتا رہے ۔ اس کے اردگرد اس کی خدائی کی حمد و ثنا کے گیت گائے جاتے رہیں ، اس کے سامنے ہاتھ باندھے ہوئے صفوں کی صفیں چوکس کھڑی رہیں ۔ اور اس کی جھوٹی خدائی کو غذا بہم پہنچاتی رہیں ۔ مختلف قسم کے مجمع اس کے اردگرد لگائے جائیں تاکہ اس کے نام کی تسبیح و تقدیس کی جائے اور اس کے لئے عبادت کی رسوم ادا کی جاتی رہیں ۔ یہ ایک دائمی ، تھکا دینے والی جدوجہد ہے ، کیونکہ یہ کمزور بندگی کی تصویر اس وقت کمزور اور دبلی پتلی دکھائی دینے لگتی ہے ۔ جب اس کے گرد حمد و ثنا کے گیت ذرا تھمتے ہیں ، ڈھول خاموش ہو جاتے ہیں ، اس کی تسبیح و تقدیس کے زمزمے ذرا سانس لینے کے لیے چُپ ہو جاتے ہیں ، اس کے گرد جلائی جانے والی اگربتیاں بجھ جاتی ہیں ، اور تسبیح و ترتیل کے نغمے ذرا دھیمے پڑ جاتے ہیں ، اس وقت یہ جھوٹی خدائی پھر از سرِ نو ان تمام چیزوں کا انتظام کرتی ہے تاکہ اس کی معبودیت برقرار رہ سکے ۔ (یہ جھوٹے خدا مبکیاولی کے ڈکٹیٹر ہوتے ہیں جو اپنی آمریت کا ڈھول انہی ذرائع سے بجواتے ہیں جن کا ذکر اوپر گذرا) اس تھکا دینے والی جدوجہد کی راہ میں طاقت اور اموال کی قربانیاں پیش کی جاتی ہیں ۔ اور بعض دفعہ تو واقعی جان اور عزت کی قربانی دی جاتی ہے ، دوحیں پیش ہوتی ہیں ، مٹی اور گوشت کے پُتلے پیش کیے جاتے ہیں ، یہ قربانیاں اگر زمین کی آبادی ، زندگی کی ترقی اور خدمتِ انسانیت کی نشوونما کے لیے دی جاتیں تو واقعی بشریت کو ان کا بہت فائدہ پہنچے ، مگر جب تک ایک اللہ کی عبادت ، وحدت قائم نہ ہو ، ایسا نہیں ہو سکتا ۔ لوگ ایک اللہ ، خدائے واحد کے لیے نہیں ، بلکہ گوناگوں جھوٹے خداؤں کے لیے یہ قربانیاں پیش کرتے رہیں گے ۔ اگر غور کیا جائے تو پتہ چلے گا کہ طاقت ، اقدار ، ارواح و اموال کی کتنی خطیر و عظیم قربانیاں ہیں جو ان جھوٹے خداؤں کے لیے ضائع کی جاتی ہیں کتنی عزتیں ہیں جن کو ان کی خاطر برباد کیا جاتا ہے ، کتنے اخلاق ہیں جو تباہ کیے جاتے ہیں ۔ یہ سب کچھ تمام دنیوی نظاموں میں ہوتا ہے ۔ خواہ ان کے مظاہر کس قدر مختلف ہوں ۔ واقعات بتاتے ہیں کہ غیر اللہ کی عبودیت ، انسانیت کے اعزاز و اکرام کو کھا جاتی ہے ، جس طرح الٰہ برحق کا ایک سجدہ ہزاروں سجدوں سے نجات دیتا ہے اسی طرح خدائے باطل کا ایک سجدہ ہزار ہا سجدے انسان کے گلے میں ڈال دیتا ہے ، جس سے چھٹکارا حاصل کرنا سخت مشکل ہو جاتا ہے ۔

یوروپ کی مثال

یورپ نے جب کلیسا کے ظلم و ستم اور آمریت سے نجات حاصل کرنے کی جنگ میں خدائے واحد سے بھی فرار اختیار کیا تو اس کے سامنے مطلق دین نہ تھا ، بلکہ وہ منجمد اور ظالم مذہب تھا ، جس کی نمائندگی کلیسا کرتا تھا ۔ کلیسا اقتدارِ مطلق کا مالک بن چکا تھا ، اپنے آپ کو خدا بنا کر پیش کرتا تھا ۔ کوئی معقول بات سننے یا ماننے کو ہرگز تیار نہ تھا ۔ ظاہر ہے کہ یہ مذہب کا حکم نہیں تھا ، نہ ہو سکتا تھا ، مگر چونکہ کلیسا کو اپنی غیر محدود خدائی پر اصرار تھا ۔ لہٰذا جب اس نے شکست کھائی تو صرف غلط مذہب ہی شکست خوردہ نہ ہوا ، بلکہ لوگ خدا سے بھی بھاگ چکے تھے ۔ اور افراط کے مقابلے میں تفریط قائم ہو چکی تھی ۔ اس وقت لوگوں نے یہ سمجھا کہ وہ جمہوریت کے نظام کے سائے میں اپنی انسانیت اور عزت و آبرو کو حاصل کر سکیں گے ۔ انہوں نے اپنی امیدیں انفرادیت

Marfat.com

پر معلق کردیں جو انسان کے خود ساختہ تھے ، اور پارلیمانی نظام جو آزادی اور انسانی کرامت انہیں دیتا تھا ، وہ اس پر ریجھ گئے ۔ انہوں نے نیابتی پارلیمانی اداروں سے دھوکا کھایا ۔ اخبارات و رسائل جس آزادی کا ڈھنڈورا پیٹتے تھے وہ پادر ہوا ثابت ہوئیں ۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ایک بے قید ، اندھا دھند سرمایہ داری انسانیت پر مسلط ہوگئی ۔ سب نیابتی ادارے ، پارلیمنٹ ، پریس ، قانون ادارے اور منڈیاں غلط نکلیں بے قید سرمایہ داری نے ان تمام اداروں کو نگل لیا ۔ اقوام و ملل اور حکومتیں چند بڑے مالداروں ، جاگیرداروں اور زمینداروں کی مٹھی میں آگئیں ۔ الیکشن میں وہی کامیاب ہوتا تھا جس کی تجوری میں رقم زیادہ ہو ، اور وہ اسے خرچ کر سکے ۔

نتیجہ یہ ہوا کہ جمہوریت ایک بے لفظ ، بے معنی ہو کر رہ گیا ۔ قانون ، تجارت ، زراعت ، تعلیم غرض ہر چیز پر سرمایہ داری کا قبضہ ہو گیا ۔ چند بڑے سرمایہ دار ، ہر چیز کے مالک بن بیٹھے ۔ وہ جدھر چاہتے جمہوریت ، انتخاب اور پارلیمنٹ کی گاڑی اسی طرف کو چلتی تھی ۔ پارلیمانی اکثریت بے کار ثابت ہوئی ۔ وضعی دستور ناقابلِ عمل ٹھہرے ، اخباری آزادیاں بالکل جھوٹ نکلیں ، سارا ملک سرمائے کا غلام بن گیا ۔ اور چند بڑے سرمایہ دار ہر چیز کے مالک بن بیٹھے ۔

جمہوریت اور اشتراکیت

پھر لوگوں کے ایک طبقے نے یہ سمجھا کہ شاید طبقاتی جنگ اور اشتراکیت کے سائے میں انسانیت کو چین ملے گا ۔ وہ مٹھی بھر سرمایہ داروں کے طبقے سے بھاگ کر " مزدوروں " کے نام نہاد طبقے کی طرف چلے گئے ، گویا انہوں نے دولت اور لمیٹڈ کمپنیوں کے بجائے مزدوروں کی آمریت کے خدا کے سائے میں پناہ لینا مناسب سمجھا ۔

نتیجہ اس کا یہ ہوا کہ یہ مزدوروں کا اندھا آمر جو سلطنت کے ساتھ ساتھ دولت کے بھی تمام منابع و مصادر پر قابض ہو چکا تھا ۔ جسے چاہے کھانا دے اور جسے چاہے بھوکا مار دے ، اس جھوٹے خدا نے رازقیت کا سہارا لے کر انسانیت کو ایسے عذابوں میں مبتلا کیا ، جس کا تصور بھی سرمایہ دارانہ نظام نہ کر سکتا تھا ۔ جس جس ملک میں اشتراکی نظام قائم ہوا وہ ملک دریائے خون میں ڈوب کر نکلے ۔ اور جب اگلے کنارے پر پہنچے تو انہیں دیو اشتراکیت کے سامنے سجدہ ریز ہونا پڑا ، جو کوئی ہچکچایا ، یا جس نے انکار کیا ، اُسے اسی خون کے سمندر میں پھینک دیا گیا جو عوام کے لیے ٹھاٹھیں مار رہا تھا ۔ اشتراکی نظام نے مال و دولت اور سلطنت و قانون کے ساتھ ساتھ عزت و آبرو بھی لوگوں سے چھین لی ۔ حقیقت یہ ہے کہ ہر انسانی نظام مال و دولت ، اجسام ، ارواح اور عزت و کرامت کی قربانی کا طالب ہے ۔ انسان خدا کے لیے ان چیزوں کی قربانی سے بے نیاز ہونے کی جد و جہد میں ایسے درندوں کے چنگل میں پھنس گیا جو بڑے بے رحم اور اندھے بہرے تھے ۔ بندگی بہر حال ضروری نکلی ، خدا کی ہو یا کسی اور کی ؛ خدا کی بندگی ہوگی تو انسان اپنے جیسے انسانوں سے آزاد ہو جائے گا ، باعزت و کرامت ہوگا ، اس کی شرافت و بلندی محفوظ ہوگی ۔ غیر اللہ کی بندگی ہوگی تو وہ لوگوں کی انسانیت ، عزت و آبرو اور شرافت و فضیلت ، ہر چیز کو نگل جائے گی ۔ اور آخر کار ان کے مال و دولت اور مادی مصلحتوں کو بھی کھا جائے گی ۔

Marfat.com

خدا کی رسالتوں میں اُلوہیت و عُبودیت کو اتنی اہمیت کیوں دی گئی ہے؟

ہم نے جو کچھ اوپر بیان کیا ہے، اسے ذہن میں رکھیے تو پتہ چل جائے گا کہ اللہ کے رسولوں اور کتابوں نے اس قضیئے (الوہیت و عبودیت) کو اس قدر اہمیت کیوں دی ہے؟ اور یہ سورۂ ہود اس اہمیت کا ایک نمونہ پیش کرتی ہے۔ یہ قضیہ پرانی سادہ جاہلیتوں کے بُت پرستوں کا قضیہ نہیں ہے، بلکہ یہ ہر زمان و مکان کے ہر انسان کے ساتھ متعلق ہے۔ اور اسی طرح اس کا تعلق تمام جاہلیتوں سے بھی ہے ما قبل التاریخ کی جاہلیتوں اور تاریخ کی جاہلیتوں سے بھی، اور پھر بیسویں صدی کی جدید جاہلیت سے بھی، اور ہر اس جاہلیت سے جو بندوں کے لیے بندوں کی بندگی پر قائم ہوتی ہے۔

گذشتہ مباحث کا خُلاصہ

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ قرآنی تقریرات سے، جس کا ایک نمونہ یہ سُورت ہے، یہ بات بالکل واضح ہے، کہ دینونت، اتباع اور حاکمیت جس کو اس سُورت میں "لفظِ عبادت" سے تعبیر کیا گیا ہے، یہ دراصل عقیدے، ایمان اور اسلام کا قضیہ ہے۔ محض فقہ، سیاست یا نظامِ حکومت کا قضیہ نہیں ہے۔ یہ ایک عقیدے کا معاملہ ہے۔ اگر عقیدہ ہے تو اسلام اور دین قائم ہے، ورنہ نہیں۔ اسی پر ایمان اور اسلام کا وجود و تحقق منحصر ہے۔ پھر اس کے بعد یہ واقعاتی و عملی زندگی کا معاملہ بھی ہے کہ وہ اس پر قائم ہے یا نہیں ہے؟ اگر قائم ہے تو شریعت، نظام اور احکام سب کچھ اسی سے حاصل ہوگا۔ اور قانونی ادارے اور سیاسی و معاشی و معاشرتی نظام اسی پر قائم ہوں گے، ورنہ نہیں۔ اور عبادت کا معاملہ محض شعائر و رسوم کا معاملہ نہیں ہے، بلکہ وہ دینونت، اتباع، نظام، شریعت، احکام، فقہ اور واقعی زندگی کے طور طریقے، اجتماعات وغیرہا ہر چیز کو محیط ہے۔ یہی سبب ہے کہ دینِ خداوندی میں، اللہ کی برحق رسالتوں میں، آسمانی کتابوں میں اس پر اتنا زور دیا گیا۔ اور اسے اس کا مستحق قرار دیا گیا کہ اس کی خاطر اتنی بڑی بڑی قربانیاں پیش کی جائیں۔

اِس سُورت کے قصّوں کی روشنی میں عقیدۂ اِسلام کا تحریکی پہلو!

اس سے پہلے بتایا جا چکا ہے کہ ابو البشر حضرت آدم علیہ السلام نے دُنیا میں جس دین و مذہب کو پھیلایا، وہ اسلام تھا۔ اس دین کو ابو البشر ثانی حضرت نوح علیہ السلام نے، اور پھر ان کے بعد تمام انبیاء و رُسل نے پیش کیا تھا۔ اسلامی تعلیمات کی رُو سے اسلام کا مطلب ہے، عقیدہ و تصوّر کے لحاظ سے اور عبادت و مراسمِ عبادت کی رُو سے اُلوہیتِ خداوندی کو واحد ماننا، اور دینونت، اتباع، اطاعت و خشوع کے لحاظ سے توحیدِ ربوبیت کا اعتقاد رکھنا، بالفاظِ دیگر قوامیت، حاکمیت اور توجیہ و تشریع کے نقطۂ نگاہ سے ربِّ کائنات کو واحد تسلیم کرنا۔

اِسلام پہلے تھا یا شرک ؟

اس سے پہلے یہ بھی بتایا جاچکا ہے کہ جاہلیت، چاہے وہ اعتقاد و تصور اور عبادت و شعائر کی جاہلیت ہو، یا دینونت و اتباع اور اطاعت و خشوع کی جاہلیت ہو، یا دونوں بیک وقت ہوں۔ انسانیت کا پہلا مذہب عقیدہ نہ تھا، بلکہ از روئے نادانی و مادہ پرستی اور باغوائے شیطانی رسولوں کی تعلیم سے اسلام کو جان لینے کے بعد طاری ہوتی رہی ہے۔ یہ جاہلیت انسانوں کے عقائد و تصورات میں بگاڑ پیدا کرتی تھی۔ ان کی زندگی اور اطوار کو فاسد کرتی تھی، زندگی میں غیر اللہ کی دینونت کو رائج کرتی تھی، خواہ یہ دینونت ٹوٹم کی ہو، یا پتھر کی، یا درخت کی، یا ستارے کی، یا روح کی یا کئی ارواح کی۔ یا پھر یہ دینونت کسی انسان کی ہوتی تھی، خواہ وہ کاہن ہو یا ساحر یا حاکم، بہرصورت یہ دینِ توحید اور فطری اسلام سے انحراف تھا اور اس لیے شرک تھا اور اسلام سے نکل کر جاہلیت میں داخل ہونا تھا۔ یہیں سے اس راز کا پتہ چل جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآنی قصوں میں یہ تاریخی تتابع کیوں ملحوظ رکھا ہے؟ اور یہیں سے یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ جدید دور کے علمائے تقابلِ مذاہب یہ غلط کہتے ہیں کہ شرک و کفر پہلے تھا اور توحید و اسلام بعد میں وارد ہوا۔ ان لوگوں نے مسئلے کو معلوم کرنے کے لیے غلط نہج اختیار کیا ہے۔

توحید و شرک کے تقابل کا غلط طریقہ

غلط نہج کا اس لیے کہ تقابلِ ادیان و مذاہب کا یہ طریقہ جو فی الوقت رائج ہے، یہ جاہلیتوں کی نمائندگی تو بدرجۂ اتم کرتا ہے، ان پر پوری گفتگو کرتا ہے، مگر جو توحید انبیاء و رسل علیہم السلام لے کر آئے تھے، ان کے خط کو صحیح طور پر پیش نہیں کرتا۔ اور تعجب تو یہ ہے کہ جاہلیتوں کے بیان میں بھی وہ انہی چیزوں کو پیش کرتے ہیں، جنہیں جاہلیت کے ادوار کے آثار نے محفوظ رکھا ہے۔ اس سلسلے میں وہ اصل یا فرضی تاریخی شواہد کا حوالہ دیتے ہیں، حالانکہ تاریخ خود ایک نومولود اور حادث ہے، اور اسے انسانی تاریخ کا بہت کم حصہ معلوم یا یاد ہے۔ اکثر اندازے اور غلط نتائج ہیں جن کو تاریخ کا نام دے دیا گیا ہے، اور پھر اس تاریخ کا بھی یہ حال ہے کہ آج اس کا ایک نظریہ زور شور سے پیش ہوتا ہے، اس کے لیے دلائل کا ڈھیر لگایا جاتا ہے، مگر کل اسے غلط ٹھہرا کر ایک اور نظریہ اپنا لیا جاتا ہے، اور اسے بھی بڑے دھوم دھڑکے کے ساتھ مدلل طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ ایسے بے شمار نظریات ہیں اور خود تقابلِ ادیان و مذاہب کے مضمون میں بھی موجود ہیں، بلکہ اس مضمون کی ابتدا ہی محض اندازوں اور گھڑے ہوئے نظریات پر مبنی ہے۔ تاریخ کا بہت تھوڑا سا حصہ جو بشریت کو معلوم ہے، وہ بھی محض ظن و ترجیح پر مبنی ہے۔ اور ان لوگوں کا یہ حال ہے کہ اپنے بیانات میں اگر کہیں رسالت یا توحید کا ذکر کرتے بھی ہیں تو نہایت غلط انداز میں توڑ مروڑ کر پیش کرتے ہیں۔ قدیم مصری مذاہب میں توحیدِ اخناتون کا ذکر آتا ہے تو یہ بھی ایک تاریخی جاہلیت تھی، جو توحید کی صورت میں تھی۔ اس کو علمائے تقابلِ ادیان و مذاہب گول کر گئے ہیں، اور اس کا بیان بڑے غلط انداز میں کیا ہے۔ اخناتون کی مصر میں آمد یوسف علیہ السلام کے بعد کا واقع ہے۔ یوسف

Marfat.com

علیہ السلام نے اپنے دو قیدی ساتھیوں کو علی الاعلان توحید کا درس اس طرح دیا تھا :۔

" میں نے ان لوگوں کا طریقہ ترک کر دیا ہے جو اللہ پر ایمان نہیں لاتے ، اور آخرت کا انکار کرتے ہیں ۔ اور میں نے اپنے آباؤ اجداد ، ابراہیمؑ ، اسحاقؑ اور یعقوبؑ کی ملت کا اتباع کیا ہے ، ہمیں یہ زیب نہیں دیتا کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کریں ، یہ ہم پر اور لوگوں پر اللہ کا فضل ہے ، لیکن اکثر لوگ ناشکرے ہیں ۔ اے میرے دو قیدی ساتھیو ! کیا بکھرے ہوئے رب بہتر ہیں یا ایک زبردست اللہ بہتر ہے ؟ تم اس کے سوا جن کی عبادت کرتے ہو وہ صرف نام ہی نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے رکھ لیے ہیں ، اللہ نے ان کی کوئی دلیل نہیں اُتاری ۔ فیصلہ تو صرف اللہ کا ہے ۔ اس نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرو ، یہی سیدھا دین ہے مگر اکثر لوگ نہیں جانتے ۔

(یوسف ۳۷ ، ۴۰)

یہ غلط طریقہ کیوں اپنایا گیا ؟

ان علمائے تقابلِ ادیان و مذاہب نے یہ طریقہ اس لیے اپنایا کہ ان کا مضمون اور اس کا منہج ہی دین و مذہب اور ریاست و حکومت کی باہم عداوت پر قائم ہوا ہے ۔ اور اس عداوت کا باعث وہ داخلی جنگ تھی جو یورپ میں کلیسا اور علمی تحقیق کے درمیان ہر حکومت اور ہر منزل پر چھڑی تھی ، اور آخرکار اس میں سائنس کو فتح اور کلیسا کو شکست فاش ہوئی تھی ۔ پس یہ تقابلِ ادیان و مذاہب کا منہج شروع ہی میں یہاں سے ہوا تھا کہ کلیسا کے لڑنے والے اس منزل پر پہنچیں جہاں وہ کلیسا اور اس کی مزعومات کی تکذیب کر سکیں ، تاکہ خود کلیسا کو زیر و زبر کیا جا سکے ۔ اور اس کے ذریعے سے جو غلط مذہبی آمریت کارفرما تھی ، اسے ختم کیا جائے ۔ یہی سبب تھا کہ یہ طریقہ ابتدا سے ہی انحراف اور عداوت پر مبنی تھا اور اس سے کسی خیر کی توقع نہ تھی ، کیونکہ اس کی منزل پہلے سے متعین تھی ، جبکہ سائنسی تحقیق کی منزل کبھی اس طرح متعین نہیں ہوئی ۔ آخرکار کلیسا کی علمی ، سیاسی اور اقتصادی بادشاہت تو مٹ گئی ، مگر اس کے خلاف تعصب و عداوت علیٰ حالہٖ قائم ہے ۔ کیونکہ وہ اس بنیاد سے جدا نہ ہو سکا جس پر پہلے دن سے قائم ہوا تھا ، حتیٰ کہ یہی چیز اس علمی نہج کی اساس بن گئی ، اور اب اس سے کسی خیر کی توقع نہ رہی ۔ جب بنیاد غلط ہو تو عمارت بالضرور ٹیڑھی بنے گی ، اور اس کو کسی منزل پر درست کرنا ممکن نہ رہے گا ۔ یہی وہ خطا تھی جس نے اس طریقے کو اول سے آخر تک غلط رنگ میں رنگ دیا ہے ۔

مذاہب کا تقابلی مطالعہ اور قرآن

تقابلِ ادیان کا مضمون خواہ کچھ ہو ، اس کے نتائج خواہ کچھ ہوں ، مگر ایک بات بہرحال طے شدہ ہے کہ یہ ان تقریرات کے خلاف ہے جن کو قرآنِ کریم نے صراحت کے ساتھ پیش کیا ہے ۔ ایک غیر مسلم اگر ان نتائج کو تسلیم کرے ، اور ان پر اپنے دین و مذہب کی بنیاد رکھے تو اس کی مرضی ، مسلم تو بہرحال انہیں تسلیم نہیں کر سکتا ۔ جس انداز میں وہ توحید و شرک کو پیش کرتے ، اور اس سے نتائج اخذ کرتے ہیں ، وہ سراسر قرآن کے

پیش کردہ تاریخی حقائق کے خلاف ہے۔ قرآن تو کہتا ہے کہ اسلام اور جاہلیت کی جنگ میں اسلام سابق تھا اور جاہلیت بعد میں بصورتِ انحراف طاری ہوئی۔ اور جب بھی طاری ہوئی تو اس کے خلاف کوئی نبوت و رسالت بھیجی گئی۔ توحید شرک پر مقدم تھی، پہلے انسان کا دین و مذہب اسلام تھا۔ آدمؑ کا پہلا انسان ہونا، اور اس کا بالیقین نبی ہونا ضروریاتِ دین میں سے ہے، اس کے خلاف کا تصور بھی ایک مسلمان کے لیے محال ہے۔ علمائے ادیان کا قول اس کے سراسر خلاف ہے اور وہ کہتے ہیں کہ ابتدائی انسان پہاڑوں کی غاروں میں ننگے رہتے تھے، مظاہرِ فطرت کو پوجتے تھے۔ بارش، بجلی، کڑک، درندوں اور ہر خوفناک چیز کی پرستش کرتے تھے۔ اب یہ ایک مسلم کہلانے والے کا فرض ہے کہ پہلے قول کو اختیار کرے۔ اور دوسرے کو سرے سے رد کردے۔ پہلے کی بنیاد وحیٔ قرآنی ہے اور دوسرا محض ظن و تخمین کی پیداوار ہے۔

قرآن کے قصے کیا کہتے ہیں ؟

عقیدۂ اسلام کی تحریکی رفتار اور جدوجہد سے جو بات قرآنی قصوں کے ضمن میں بالکل واضح ہے وہ یہ ہے کہ اسلام اور جاہلیت کا مقابلہ انسانی تاریخ کی ابتداء سے ہی جاری رہا ہے، اور یہ دونوں باری باری اپنا اپنا کردار ادا کرتے رہے ہیں۔ جب بھی اس اسلام سے انحراف ہوا جس کو لے کر پہلا انسان دنیا میں آیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے کوئی نہ کوئی نبی بھیجا جس نے لوگوں کو پھر اسی ابتدائی منہج کی طرف دعوت دی۔ کچھ لوگوں نے پیغمبر کی بات مان لی، اور وہ اس کے ساتھ عذابِ خداوندی سے بچ گئے، جنہوں نے الٰہی تعلیم کو نہ مانا اور اس کے مدِمقابل بن کر کھڑے ہوگئے، وہ مٹا دیے گئے، اور دُنیا کو شرک و کفر سے پاک کر دیا گیا۔ بار بار انحراف کا باعث یہ تھا کہ اس انسانی مخلوق کو دوہری قابلیت دی گئی ہے۔ وہ چونکہ اس دنیا میں خلیفہ بنایا گیا تھا، لہٰذا اسے ایک گونہ اختیارِ تمیزی بخشا گیا، اسے ارادے کی قوت دی گئی۔ دونوں راہیں اس کے سامنے کھول دی گئیں، اور اسے اختیار دیا گیا کہ چاہے تو شرک کی راہ اختیار کرے اور چاہے تو شکر کا راستہ اپنا لے: اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّ اِمَّا كَفُوْرًا۝ مگر اس کا مطلب یہ نہ تھا کہ اسے بے مہار چھوڑ دیا گیا۔ بلکہ مطلب یہ تھا کہ راہِ حق دکھا دی گئی، یہی بات ہے جسے اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ میں فرمایا گیا ہے۔ پھر اس پر کوئی جبر نہیں، بلکہ راہِ حق اور راہِ باطل (شیطانی راہ) میں انتخاب اس کا اپنا کام ہے۔ اسلام کی راہ سے بھٹک جانے والی پہلی چیز غیر اللہ کی دینونت و بندگی ہے، متفرق ارباب کا اتباع ہے۔ اور اس سے بچانے والی، اور غیر اللہ کی بندگی سے ہٹانے والی پہلی چیز زندگی کے ہر معاملے میں اللہ کی دینونت ہے، صرف عباداتی شعائر کو اختیار کر لینے سے تقاضائے عقیدہ پورا نہیں ہوسکتا، اور نہ صرف قلبی اعتقاد سے ہوسکتا ہے۔ قلب و روح، اور جسم و جان ہر چیز کو اس میں لگانا ضروری ہے۔

بندگیٔ الٰہی میں آج کی بشریت کا موقف

اوپر جو کچھ کہا گیا ہے، اور اسلام و جاہلیت کے معرکے کا اصل سبب جو بتایا گیا ہے اس سے ہمیں بخوبی معلوم ہوسکتا ہے کہ آج کی انسانیت کا موقف دینونتِ الٰہی کے متعلق کیا ہے۔ جب یہ بات سمجھ میں آ

جائے تو پھر یہ طے کیا جا سکتا ہے کہ آج دعوتِ اسلامی کی اہمیت اور اس کا طریقہ کیا ہے۔ آخری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس مکمل، از سرتاپا، جاہلیت سے انسانیت کو باہر نکالا تھا۔ آج کی بشریت دوبارہ اسی جاہلیت میں کامل طور پر رجعت اختیار کر چکی ہے۔ اس کی بہت سی صورتیں آج ... ہمیں نظر آتی ہیں، جن میں یہ کامل و مکمل جاہلیت متمثل ہو چکی ہے۔

جدید جاہلیت کی مختلف صورتیں

موجودہ جدید جاہلیت کی ایک صورت الحاد، اور اللہ تعالیٰ کے وجود کا انکار ہے۔ یہ عقیدے اور تصور کی جاہلیت ہے۔ مثلاً اشتراکیوں کی جاہلیت۔ اس کی دوسری صورت یہ ہے کہ بظاہر اللہ کے وجود کا اقرار و اعتراف کیا جائے، مگر عباداتی شعائر میں، دینونت و اتباع میں، اور اطاعت میں اس سے انحراف اختیار کیا جائے۔ مثلاً ہندو وغیرہ بت پرستوں کی جاہلیت، اور اسی طرح یہود و نصاریٰ کی جاہلیت، کہ باوجود اصولاً آسمانی دین و مذاہب کی طرف منسوب ہونے کے اس دین کی اصلی صورت نہ ان کے پاس ہے، اور نہ دنیا میں اور کسی کے پاس) جاہلیت کی تیسری قسم وہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ کے وجود کا صحیح اعتراف و اقرار موجود ہے۔ عباداتی شعائر کی آدائیگی بھی ہے مگر لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کی شہادت کی دلالت و مطلب کے تصور میں بہت بڑا انحراف واقع ہو چکا ہے۔ اور دینونت و اتباع اور طاعت میں کامل شرک موجود ہے۔ ا یہ ان لوگوں کی جاہلیت ہے جو اپنا نام مسلم رکھتے ہیں، اپنے آپ کو مسلم سمجھتے ہیں۔ اور ان کا یہ خیال ہے کہ انہوں نے اسلام کی صفت اور حقوق کو حاصل کر لیا ہے۔ ان کے نزدیک بس صرف توحید و رسالت کی شہادت کا زبانی اقرار و اعتراف اور عباداتی شعائر و رسوم کی آدائیگی کافی ہے، حالانکہ وہ "شہادتین" کا صحیح معنی نہیں سمجھتے، اور غیر اللہ کی، اللہ کے بندوں کی دینونت و استسلام میں مبتلا ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ سب جاہلیتیں ہیں، اللہ کا انکار ہیں (مثلاً اشتراکی اور ہندو جاہلیت) یا اللہ کے ساتھ شرک میں مبتلا نام نہاد اہل کتاب کی اور برائے نام مسلم عوام ——— اور بعض خواص ——— کی جاہلیت۔

پس جب ہم موجودہ انسانیت کا رنگ و روپ اس واضح انداز میں دیکھتے ہیں تو ہمیں یہ بات بالتاکید محسوس ہوتی ہے کہ آج کی انسانیت ساری کی ساری جاہلیت کی گرفت میں جا چکی ہے۔ فطرت سے اس نے انحراف اختیار کر لیا ہے۔ اسلام نے جس جاہلیت سے بشریت کو نکالا تھا، اب بشریت پھر اس کی طرف واپس ہو چکی ہے۔ اسلام کی آخری کامل و شامل اور مکمل صورت وہ ہے، جسے لے کر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تھے۔ دعوتِ اسلام کے لشکروں کو اس سے سبق سیکھنا چاہیئے، اور اپنے فرائض کا تعین اس صورتِ حال کو دیکھ کر کرنا ہے۔ اسلامی دعوت کو ابتدائی نقطے سے شروع کرنے کی ضرورت ہے تاکہ بنیاد درست ہو جائے۔ اور اس پر اٹھنے والی عمارت سیدھی ہو۔

داعیانِ اسلام کا پہلا کام

اسلامی عقیدے کی دعوت دینے والوں کا اولین کام یہ ہے کہ پہلے خود نئے سرے سے سمجھ کر اسلام میں

Marfat.com

داخل ہوں ، اور انسانیت کو بھی از سرِ نو ایک بار پھر پوری آمادگی اور سمجھداری کے ساتھ اسلام میں داخل ہونے کی دعوت دیں۔ اس جاہلیت سے خود نکلیں اور انسانیت کو نکالیں ، جس کی طرف وہ رجعت کر کے ازسر نو داخل ہو چکی ہے ۔ انسانیت کے لیے اسلام کا مدلولِ اساسی متعین اور محدود کریں جو یہ ہے :-

" صرف اللہ وحدہٗ کی اُلوہیت کا اعتقاد ۔ عبادانی شعائر کو صرف اللہ وحدہٗ کے سامنے پیش کرنا ، اپنی پوری زندگی میں دینونت ، اتباع ، اطاعت اور خضوع صرف اللہ وحدہٗ کے لیے اختیار کرنا "

جب تک ان تمام مدلولات پر ایمان نہ لایا جائے ، اسلام میں پورا داخلہ نہیں ہوتا ۔ اور اس کے اختیار کرنے والے کو مسلم کی صفت حاصل نہیں ہوتی ، انہیں وہ حقوق نہیں ملتے جو اسلام نے ان کے نفوس واموال میں تسلیم کیے ہیں ۔ ان مدلولات میں سے ایک کو بھی اگر چھوڑ دیا جائے تو یہ ان سب کا ترک ہوگا ۔ یہ ترک لوگوں کو اسلام سے نکال کر جاہلیت میں داخل کر دے گا ۔ اور ان پر کفر یا شرک کا قطعی نشان لگا دیگا ۔

موجودہ جاہلیت کی حیثیت

تاریخ بشریت بتاتی ہے کہ دنیا میں اسلام اور جاہلیت باری باری سے آتے رہے ہیں ۔ جاہلیت کا موجودہ دَورہ بھی اسلام کے بعد آنے والا ایک شدید اور جدید دورہ ہے ۔ پس اس کا مقابلہ بھی اسلام کا ایک ایسا دَورہ ہی کر سکتا ہے جس میں جاہلیت کے ہمہ پہلو مقابلے کا دم خم ہو ۔ مقصد یہ ہے کہ انسانیت کو ایک بار پھر اللہ کی طرف لایا جائے ۔ لوگوں کو بندوں کی بندگی سے نکال کر ایک اللہ کی بندگی میں داخل کیا جائے ۔ اس جاہلیت کا مقابلہ کرنے والی جماعت کا مقصد ، کام ، جدوجہد ، خطرات ، قربانیاں مشکلات ۔ غرض ہر چیز خوب واضح اور ظاہر ہونی ضروری ہے تاکہ آگے بڑھنے سے پہلے اسلامی قافلہ اپنی قوت کو خوب جانچ لے ۔ جب تک ہر بات واضح اور کھلی نہ ہوگی ، اسلامی دعوت کے قافلے کا کام واضح اور آسانی نہ ہو سکے گا ۔ جاہلیت تو ہمیں مسلم جماعت سمجھتی ہے ۔ اور اسی حیثیت سے ہمارا تعاقب کرتی ، اور دُنیا کے ہر میدان میں ہمیں شکست دینے پر تلی بیٹھی ہے ۔ اگر غلط فہمی سے اسلامی دعوت کا کام کرنے والے بھی ساری مسلم تعداد کو "مسلم" سمجھ بیٹھیں تو سخت غلطی اور عظیم غلطی کا ارتکاب کریں گے ۔ منزل بعید ہے ۔ اور سازوسامان کم ، آگے بڑھنے سے پہلے اپنا اور دشمن کا جائزہ لینا ضروری ہے ۔

انبیاء ورُسُل اور ان کی اقوام کا مؤقف

ہر قوم کی طرف جو رسول بھیجا گیا وہ انہیں میں کا ایک فرد تھا ، وہ ان کو اسلام کی طرف یوں دعوت دیتا تھا ، جیسی دعوت کہ بھائی اپنے بھائیوں کو دیتا ہے ۔ وہ اپنے بھائیوں کی خیرخواہی کرتا ، اور ان کی بھلائی کی خاطر انہیں یہ اچھی دعوت دیتا تھا ۔ اور اس کے پاس اس دعوت پر کھلی دلیل ہوتی تھی ۔ دعوت کے ابتدائی نقطے پر ہر رسول کا اپنی قوم کے بارے میں یہ موقف ہوتا تھا ، لیکن اختتام کے وقت ان میں سے کسی کا یہ موقف نہ ہوتا تھا ۔ ہر رسول پر اس کی قوم کا ایک گروہ ایمان لے آیا ، اور رسول کی ہدایت پر اللہ وحدہٗ کی عبادت کرنے لگا ۔ اس گروہ کے افراد نے اپنی گردنوں سے مخلوق کی دینونت کا جُوا اتار پھینکا تھا اور اس لیے وہ

Marfat.com

صحیح معنی میں مسلم بن گئے تھے ۔ پھر باہمی اخوت میں یہ اُمتِ مسلمہ بن گئے ۔ لیکن رسول کی قوم کا دوسرا گروہ اس پر ایمان نہ لایا ، بلکہ اس کے پیغام کا صریح منکر ہو گیا ۔ وہ جب حسبِ سابق غیر اللہ کی عبادت و دینونت میں مصروف رہے ، جاہلیت سے نکل کر اسلام کی طرف نہ آئے ، اس لیے یہ لوگ اُمتِ مشرک بن گئے ۔

تفریق و اختلاف

دعوتِ رسول کے سامنے اس کی قوم ایک کے بجائے دو اُمتوں میں تقسیم ہو گئی ۔ ایک اُمتِ مسلمہ اور دوسری اُمتِ مشرکہ ، رسالت سے قبل یہ قوم ایک ہی اُمت تھی ، مگر اب وہ دو امتوں میں تقسیم ہو گئی ۔ حالانکہ نسل و جنس کے اعتبار سے وہ اب بھی ایک تھے ۔ قوم ایک تھی ، مگر امتیں اور ملتیں دو ہو گئیں ۔ لیکن اب یہ فرق پڑا تھا کہ جنس و نسل ، زمین اور مشترک مصالح قبل از رسالت کے دور کی طرح فیصلہ کن نہ رہے تھے اب رسالت کے ظہور سے ایک قوم کی وحدت یا اختلاف کا ایک اور معیار بن گیا ، پہلے معیار کارگر نہ رہے ، یہ نیا معیار اب عقیدے ، منہج اور عبادت کا معیار تھا ، اس معیار نے ایک قوم میں تفریق پیدا کر دی ۔ اس نے ایک قوم کی دو مختلف امتیں بنا دیں جو نہ باہم مل سکتی تھیں نہ اکٹھی زندہ رہ سکتی تھیں ۔ سبب اس کا یہ تھا کہ عقیدے کے فرق نے دونوں امتوں کو الگ الگ کر دیا ۔ عقیدے ، طریق حیات اور دینونت نے رسول اور اس کے مومن ساتھیوں کو اس بات پر مجبور کیا کہ وہ اپنی مشرک قوم سے جدائی اور تفرقہ اختیار کریں ، اب جنس اور رنگ و خون اور وطن و قبیلہ کی وحدت کے باوجود ایک قوم کی دو امتیں وجود میں آگئیں ، جب دونوں طریقہ ہائے زندگی جدا جدا تھے تو ایک قوم کی دو امتیں ہو گئیں ، جن کے اختلاف کی بنیاد عقیدہ اور طریقہ حیات اور دینونت تھی ، اس جدائی اور تفرقہ کے بعد مشرک امت ہلاکت سے دوچار ہوئی ، اور مسلم امت نے نجات پائی ۔ اب اسلامی تاریخ کا یہی ایک مقررہ قاعدہ بن گیا ، جیسا کہ ہم اس سورت کے واقعات میں دیکھ لیا ہے ۔

مسلم اور مشرک کا تفرقہ کب ہوا ؟

اسلامی دعوت کے کارکنوں کے لیے یہ جان لینا واجب ہے کہ بالیقین اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ نے مسلمانوں اور ان کی قوم میں سے ان کے دینی دشمنوں میں جدائی نہیں ڈالی جب تک کہ مسلمانوں نے اپنے اعداء کے ساتھ آخری فیصلہ نہیں کر لیا اور انہیں علی الاعلان یہ نہیں بتا دیا کہ ہم تم سے تمہارے شرک کے باعث بیزار اور بری ہیں ۔ ہم صرف اللہ وحدہٗ کے دیندار ہیں اور تمہارے اربابِ باطلہ کے دیندار نہیں ہیں ۔ ہم خود سر طاغیوں کا اتباع نہیں کرتے ۔ ہمارا اپنے معاشرے کے ساتھ ، ان کے طاغیوں کے ساتھ ، ان کی خود ساختہ شریعتوں اور قوانین کے ساتھ کوئی واسطہ نہیں ہے ۔ ہم عقیدے ، شعائر اور شرائع میں تم سے بالکل الگ تھلگ ہیں ۔ جب مسلمانوں نے اس طرح اپنے دشمنوں کے ساتھ کھلم کھلا مفاصلہ کر لیا ، ہر لحاظ سے ان سے الگ ہو گئے ، تو اسی وقت اللہ تعالیٰ کی گرفت نے ان دشمنوں کو اپنے قابو میں لے لیا ۔ اللہ کا ہاتھ اس معاملے میں دخل انداز نہیں ہوا ، جب تک کہ مسلمانوں نے اپنی مشرک قوم سے مفاصلہ نہیں کیا ۔ ان سے اظہارِ برأت نہیں کیا اور اپنے دین کے ان کے دین سے الگ ہونے کا اعلان نہیں کر دیا ، انہوں نے کہا کہ ہمارا طریقِ زندگی تمہارے طریقِ زندگی سے الگ ، ہمارا نظریہ تم سے جدا ، ہمارا

Marfat.com

نظامِ حیات تمہارے نظامِ حیات سے جداگانہ ہے۔ اس وقت اللہ کا ہاتھ دخل انداز ہوا اور مسلمانوں کے ساتھ کیئے ہوئے مدد کے وعدے اور مشرکوں کی بربادی کی وعید کو سچ کر دکھایا۔ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ہجرت سے کچھ عرصہ پہلے یہ فرمایا گیا تھا کہ: قل یایھا الکافرون لا اعبد ما تعبدون ۱/۲ اور آخر میں یہ فیصلہ کن اعلان یوں ختم ہوا کہ: لکم دینکم ولی دین ۵ بہ الفاظِ دیگر اس بات کا اعلان تھا کہ اب مشرکوں پر کسی نہ کسی رنگ میں عذابِ الٰہی ضرور آئے گا، چنانچہ تھوڑا ہی عرصہ بعد یہ عذاب جنگِ بدر کی صورت میں ان پر نازل ہوا، جس نے ان کی دائمی ذلت و رسوائی پر اور اسلام کے غلبے پر مُہر لگا دی! المترجم) اسلامی دعوت کے کارکنوں کو اللہ تعالیٰ کا یہ دائمی قاعدہ اچھی طرح سے معلوم ہونا چاہیئے، اور انہیں اپنی تحریک کی بنیاد اس پر رکھنی چاہیئے کہ دعوت کا پہلا قدم یہاں سے شروع ہوتا ہے، کہ لوگوں کو اسلام میں داخل ہونے کی دعوت دی جائے، اور یہ کہ ربوبیت بلا شریک اللہ عز و جل کے لیئے ہے، اس کی مخلوق میں سے کسی کی نہیں۔ اس کے بعد ایک قوم دو قسموں میں بٹ جائے گی: موحد مومن جو ربوبیت کو اللہ کے لیئے خاص کرتے ہیں، وہ ایک صف یا ایک امت ہوں گے اور مخلوقِ خدا میں سے کسی کی ربوبیت کو ماننے والے دوسری صف میں یا دوسری امت میں ہوں گے۔ پھر مومن مشرکوں سے جدائی کا اعلان کریں گے پھر اللہ تعالیٰ کا برحق وعدہ سچا ثابت ہو گا کہ وہ مومنوں کی مدد کرے گا اور مشرکوں کو تباہ کرے گا، جیسا کہ انسانی تاریخ میں ہمیشہ سے یہی ہوتا چلا آیا ہے، اور کبھی یہ ہو سکتا ہے کہ عملی مفاصلہ سے پہلے دعوت کا عرصہ طویل ہو جائے مگر جہاں تک عقیدے اور شعور کے مفاصلے کا تعلق ہے اس کا پورا ہونا پہلے ہی لمحے میں ضروری ہے۔

دعوت کے مرحلے کی طوالت

ہو سکتا ہے کہ بعض دفعہ دعوت کا مرحلہ طویل ہو جائے اور ایک قوم سے بٹ کر دو امتیں بننے والی جماعتوں کے اندر فیصلہ کن مرحلہ دیر سے آئے۔ پھر یہ ہو گا کہ داعی امت کو بہت سی قربانیاں دینا پڑیں گی، بہت سے عذابوں میں سے گزرنا پڑے گا۔ داعیوں کی ایک نسل یا زیادہ نسلیں آلام و مصائب کا شکار رہوں گی، مگر داعیوں کے دل میں مومنوں کی مدد اور کامیابی کا وعدہ ہر پیش آنے والی عملی چیز سے صادق تر ہونا ضروری ہے۔ وہ دونوں ضرور آکر رہے گی، ساری انسانی تاریخ میں آتی رہی ہے، اور اب بھی ضرور آئے گی۔ اللہ تعالےٰ اپنے وعدے کے خلاف نہ کرے گا۔

اس سنت کا یقین لازم ہے

یہ فیصلہ کن اور واضح سنت اسلامی تحریک کے داعیوں کے ذہن میں رہنی ضروری ہے، تبھی وہ جاہلیت کا مقابلہ کر سکیں گے۔ یہ ایک سنتِ جاریہ ہے، اس میں زمان و مکان کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔ انسانی جماعتوں نے جب بھی اسلام سے جاہلیت کی طرف ارتداد اختیار کیا ہے، رسولوں کی ساری تاریخ بتاتی ہے کہ اس انحراف کو دُور کرنے کے لیئے اسلام میدان میں نکلتا اور جاہلیت کا مقابلہ کرتا رہا ہے۔ یہ پہلے بھی ہوتا رہا ہے اور اب بھی ایسا ہونا ضروری ہے، مسلم جماعت کو ابتدائی نقطہ اور انتہائی نقطہ ذہن میں رکھتے ہوئے اپنی راہ پر چلنا اور اپنا کام جاری رکھنا ضروری ہے، ان دونوں نقطوں کے درمیان دعوت کا عرصہ ہے، جس کے کارکنوں کے خلوص اور یقینِ کامل پر

ہی کامیابی کا مدار ہے۔

اسلامی نظام کی فطرت

ہم جب ان قصوں پر غور کرتے ہیں، جو اسی سورت میں، اور قرآن حکیم کے مختلف مقامات پر وارد ہوئے ہیں، تو ہمیں اسلامی طریق حیات اور نظام عقیدہ وعمل کی فطرت واضح طور پر نظر آجاتی ہے۔ یہ ایک تحریک ہے معروف معنوں میں "مذہب" نہیں ہے۔ یہ تحریک انسانوں کے عملی مسائل کا حل پیش کرتی ہے۔ میدان مقابلہ میں اترتی ہے اور دلیل کی زبان سے بات کرتی ہے۔ یہ قصے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اتر رہے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قلیل التعداد مسلم جماعت کے ساتھ مکہ کی گھاٹیوں میں محصور تھے، اسلامی دعوت مکہ میں رکی ہوئی تھی، آگے نہیں چلتی تھی، گاڑی تھم گئی تھی، راستہ طویل اور مشکل تھا، لائن صاف نہ تھی مسلمانوں کو اپنے مصائب و آلام کا خاتمہ ہوتا نظر نہ آتا تھا، یہ واقعات مسلمانوں کے سامنے دعوت کی انتہا اور مشرکوں کے انجام کو پیش کرتے تھے، راستے کا اونچ نیچ، علامات ان کی مٹھی بھر مسلمانوں کو سمجھاتے تھے۔ یہ قرآنی قصے ان کا ہاتھ پکڑ کر انہیں راہ پر چلاتے تھے، ان کے سامنے یہ مبارک اور بزرگ جلوس پیش کرتے تھے، جو ساری انسانی تاریخ میں وقتاً فوقتاً روشن نظر آتا ہے، یہ ایک مانوس اور مالوف جلوس ہے، جس کی راہنمائی ساری تاریخ میں بزرگ رسولوں کے ہاتھ میں رہی ہے۔ دعوت اسلام والوں کی جماعت کوئی ایسا مجموعہ نہ تھا جو کسی اتفاق سے جماعت کی شکل اختیار کر گیا تھا۔ نہ یہ طویل جلوس کہیں کسی مقام پر کٹا ہوا اور اپنے دوسرے حصوں سے الگ تھلگ تھا۔ ایک لمبی ملی ہوئی لائن ہے جو اوپر سے نیچے تک چلی آتی ہے، اور وہ ایک معروف راستے پر گامزن ہے۔ ان کی رفتار ابتدائی نقطے سے انتہائی منزل تک ایک سنت جاریہ کی صورت میں ہے، ان کی رفتار اور اٹھان کوئی اتفاق محض اور اٹکل پچو نہیں ہے۔

قرآن مسلم صف اور داعی جماعت کا راہنما ہے

داعیان اسلام کی جماعت کی رہنمائی بطور ایک تحریک کے خود قرآن کے ہاتھ میں ہے، وہ راستے کے نشیب و فراز، مشکلات اور گھاٹیاں خود واضح کرتا ہے۔ داعی جماعتوں کا فرض ہے کہ قرآن سے راہنمائی حاصل کریں، اپنے دعوتی کام کو ان لائنوں پر منظم کریں اور چلائیں، جن پر سورۂ ہود اور اس مضمون کی دوسری سورتوں نے ان کو چلایا ہے۔ قدم بقدم، مرحلہ بمرحلہ اسی نہج اور اسی راستے کو اختیار کریں، اور راستے کی جو مشکلات اس نے بتائی ہیں انہیں اچھی طرح سے مدنظر رکھیں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قرآن صرف برکت کی خاطر پڑھنے کی ایک کتاب نہیں ہے، بلکہ وہ اپنے ماننے والوں کو دعوت دیتا ہے کہ میرے ساتھ ساتھ، پیچھے پیچھے، میری ہدایت پر چلتے جاؤ۔ قرآن ایک متحرک جماعت کی، ایک تحریک کی راہنمائی کرتا ہے۔ اور وہ راہنمائی تفصیلی ہے بشرطیکہ کوئی اس کے ساتھ ساتھ چلے۔ یہی وہ حقیقت ہے جس کا اظہار ہم نے بار بار کیا ہے کہ قرآن کے اسرار صرف اس مسلم جماعت پر کھلتے ہیں، جو اس کے ساتھ ساتھ متحرک رہے۔ تبھی یہ ممکن ہوگا کہ واقعاتی جہان میں اسلامی انقلاب برپا ہو سکے۔ قرآن کے اسرار ان لوگوں پر نہیں کھلتے جو صرف تبرک کے طور پر اس کی تلاوت کرتے ہیں

Marfat.com

اور عملی زندگی میں اس کی جاندار اور زندہ راہنمائی کو عملاً قبول نہیں کرتے۔ قرآن کی قرأت محض فنی دراست اور علمی موشگافیوں کے لیئے بھی نہیں ہے۔ نہ یہ اپنے اسرار اُن لوگوں پر کھولتا ہے جو اس کے بیانی ادا، فصاحت و بلاغت اور لفظی و عباراتی اعجاز کو تلاش کرنا چاہتے ہیں، گو یہ سب چیزیں اس میں موجود ہیں، مگر اس کے نزول کا اصل مقصد یہ تھا کہ اسے اپنایا جائے، اپنے آپ کو اس کے مطابق بنایا جائے، ورنہ قرآن کی اصل غرض کو حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ قرآن کی اصل غرض کو جاننے والے اور اس کے معانی کی تہہ میں اترنے والے وہ لوگ ہیں جو سرکش جاہلیت کا مقابلہ کریں، دینِ اسلام حنیف کو میدان میں لا کر غالب کریں، گمراہ بشریت کو قرآنی ہدایات سے بہرہ ور کریں، طاغوتوں کا مقابلہ کر کے انہیں خدائے واحد کی دینونت و عبادت کی طرف موڑیں، بندوں سے بندوں کی خدائی کو ہٹائیں۔ ایک خدائے واحد کی الوہیت و ربوبیت کو عملاً دنیا میں قائم کریں۔

قرآن فہمی کا تقاضا کون پورا کرتا ہے

صرف وہی لوگ قرآن کی فقاہت سے حصہ پاتے ہیں جو قرآن کو اپنے اندر داخل کرتے اور خود اس کے اندر داخل ہو کر اس جماعت کے افراد کی مانند بنتے ہیں، جن پر قرآن نازل ہوا تھا، انہوں نے اسلام کو بطور تحریک اپنایا، اسے اپنی حیاتِ دارین کا راہنما بنایا، اسلامی حرکت کے دوران اس کو چکھا، اسے ہضم کیا، اس کے ساتھ زندہ رہے یا شہید ہو کر زندہ جاوید ہو گئے۔ انہوں نے دنیوی حوادث و واقعات میں قرآنی ہدایت کو حقائق میں ممثل دیکھا تھا، جب قرآن بولتا تھا تو وہ جانتے تھے کہ وہ "ہم سے مخاطب ہے، ہم سے بات کر رہا ہے اور ہمارا فرض ہے کہ اپنے آپ کو اس کے رنگ میں رنگیں: صبغة الله ومن احسن من الله صبغة۔ قرآن کو لے کر، اس کے اندر اتر کر جب کوئی آگے چلتا ہے تو راستے کی مشکلات و مصائب اسے محبوب نظر آتی ہیں قُلْ بِفَضْلِ اللَّهِ وَبِرَحْمَتِهِ فَبِذَٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوا هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ (یونس ۵۸)

والحمد لله العظيم رب الفضل العميم والكرم العظيم

Marfat.com

سورۂ یوسف مکی ہے اور اس کی آیات: ۱۱۱ ہیں۔

زمانۂ نزول!

یہ سورت مکی ہے اور اس کا زمانۂ نزول سورۂ ہود کے بعد کا ہے، یہ اسلامی تاریخ کا ایک سخت مشکل دور تھا، ہم نے اس کا کچھ ذکر سورۂ یونس اور سورۂ ہود کی تمہید میں کیا ہے۔ یہ دور عام الحزن یعنی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور ابوطالب کی وفات کے سال اور عقبہ کی پہلی بیعت کے درمیان کا زمانہ تھا، خدیجہؓ آپ کی شریک حیات اور دمساز رفیق زندگی تھیں۔ جبکہ ابوطالب آپ کا چچا اور بنی ہاشم کا سردار ہونے کے ناطے سے آپ کا مونس و غمخوار تھا۔ عقبہ کی دو بیعتوں میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اور مٹھی بھر مسلم کمزور جماعت کے لیے کشائش اور مصائب سے نکلنے کی راہ ہجرت مدینہ کی شکل میں بنائی تھی۔ اس بنا پر یہ سورت ان سورتوں میں سے ہے جو تاریخ دعوت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زندگی میں سے اس نہایت مشکل اور تنگ دور میں اتری تھیں جو مکی زندگی کا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اور مسلم جماعت کے لیے بہت مشکل زمانہ تھا، یہ سورت ساری کی ساری مکی ہے۔ لیکن اس کے برخلاف مصحف امیری کی بیں آیات ۱، ۲، ۳، ۷ کو مدنی ٹھہرایا گیا ہے۔ مگر حقیقت واقعہ یہ ہے کہ یہ آیات بھی مکی ہیں۔ مثلاً آیات: ۱ تا ۳ یہ ہیں کہ: الٓر تلك آیات الكتاب المبين ٥ انا انزلنه قرءٰنا عربیا لعلكم تعقلون نحن نقص علیك احسن القصص بما اوحینا الیك هٰذا القراٰن وان كنت من قبله لمن الغافلین ٥ یہ تین آیات اپنے بعد آنے والی آیات کا ایک طبیعی مقدمہ ہیں، چنانچہ ان کے بعد یہ آیت آتی ہے: اذ قال یوسف لابیه یا ابت انی رایت احد عشر كوكبا والشمس والقمر رایتهم لی سٰجدین ٥ اور اس کے بعد واقعہ انتہا تک بیان فرمایا گیا ہے۔

پس اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد جو اس قصے کی تمہید ہے: نحن نقص علیك احسن القصص بما اوحینا الیك هٰذا القراٰن وان كنت من قبله لمن الغافلین ٥ یہی اس قصے کے نزول کی فطری تمہید بھی ہے۔ اس طرح یہ حروف مقطعات جو سورت کی بالکل ابتدا میں ہیں، اور یہ کہ: تلك آیات الكتاب المبین ٥ پھر اللہ تعالیٰ کا یہ تاکیدی ارشاد کہ اس نے اس کتاب کو قرآن عربی کی شکل میں اتارا ہے، یہ بھی، گزشتہ سب باتوں کی مانند، قرآن مکی کی فضا کو ثابت کرتا ہے۔ مکہ میں عربی قرآن سے مشرکین کا مقابلہ اس لیے کیا گیا تھا کہ ان کا دعویٰ یہ تھا کہ ایک عجمی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ قرآن سکھاتا اور پڑھاتا ہے، اس لیے ان آیات میں فرمایا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس قرآن کے موضوع اور اس کے مضمون سے ناآشنا تھے اور یہ محض بطور وحی آپ پر نازل فرمایا گیا ہے، پھر یہ تمہید اس اختتام کے عین مطابق ہے جو سورت کے اختتام پر پیش فرمائی گئی ہے کہ: ذلك من انباء الغیب نوحیه الیك وما كنت لدیهم اذ اجمعوا امرهم وهم یمكرون ٥ پس قصے کی تمہید اور اختتام میں ایک تناسب و تناسق پایا جاتا ہے، جس سے یہ پتہ چلتا

ہے کہ تمہید، اختتام اور قصہ سب ایک ہی بار، ایک ہی دور میں نازل ہوئے تھے۔

اب جہاں تک آیت: ۷ کا تعلق ہے، وہ اپنے سیاق و سباق سے بالکل جدا نہیں ہوسکتی، اس کے بغیر سیاق درست نہیں بیٹھتا، اور یہ ممکن ہی نہیں کہ سوچا جائے کہ یہ سورت تو مکہ میں اتری تھی اور یہ آیت: ۷ اس میں سے نہیں ہے، بلکہ اس کو بعد میں مدنی دور میں اس کے اندر شامل کیا گیا تھا۔ آیت: ۸ میں ایک ضمیر ہے جس کا تعلق یوسفؑ اور ان کے بھائیوں کے ساتھ ہے، اور ان کا ذکر آیت: ۷ میں ہے، دیکھیے: لقد کان فی یوسف و اخوتہ ایات للسائلین ہ اذ قالوا لیوسف و اخوہ احب الی ابینا منا ونحن عصبۃ ان ابانا لفی ضلال مبین ہ پس اس آیت: ۸ کا لفظ قالوا یہ بتاتا ہے کہ اس کا اور اس سے پچھلی آیت کا زمانہ نزول ایک ہی تھا۔

سورت کے مکی ہونے کے داخلی دلائل

سورۂ یوسف ساری ایک یونٹ ہے، جس کے موضوع اور ماحول میں مکی ہونے کی کھلی دلیل موجود ہے اس کے دلائل، اشارے اور مدلولات سب مکی ہیں۔ بلکہ اس سورت پر خاص اس وحشت ناک عارضی دور کی چھاپ موجود ہے، جس میں یہ اتری تھی، یہ عام الحزن (غم کا سال) تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھرے شہر میں تنہائی، غربت اور وحشت محسوس کرتے تھے۔ غمخوار رخصت ہو چکے تھے اور دشمنوں کی عداوت کی گرفت بیش از بیش تھی۔ ان احوال میں اللہ تعالیٰ اپنے نبی کریمؐ پر آپؐ کے ایک کریم بھائی یوسفؑ کا قصہ بیان کر رہا تھا جو بروئے حدیث کریم بن کریم بن کریم بن کریم یعنی یوسف ابن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم صلوات اللہ علیہم اجمعین تھا، یوسفؑ نے کئی دکھ اور آزمائشیں برداشت کیں، بھائیوں کی خفیہ مکارانہ تدبیر کا دکھ، اندھے کنویں کا دکھ، اس میں تنہائی اور موت کا خوف۔ غلامی کا دکھ، جب کہ وہ ایک فروخت کے مال کی حیثیت سے ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں منتقل ہو رہا تھا، وہ خود حیران تھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟ والدین اور رشتہ دار پاس نہ تھے اور وہ ان دکھوں میں ناکردہ گناہ کی سزا بھگت رہا تھا۔ پھر اس پر عزیز کی بیوی کی مکاری اور خود غرضی کا دکھ آیا اور زنانِ مصر نے اسے پھانسنا چاہا، وہ بے قید شہوت کا نشانہ بنایا گیا، اور پھر وہ عزیز مصر کے محل کی پر آسائش زندگی سے قید و بند کی محنت میں مبتلا ہوا۔ پھر ایک اور آزمائش اس کی منتظر تھی، یعنی حکومت واقتدار اور سلطنت کی آزمائش، اب وہ لوگوں کی روٹی اور ان کی گردنوں کا مالک تھا، ان کی روزی اور روٹی کا لقمہ اس کے ہاتھوں میں تھا۔ پھر جب بھائی غلے کی بھیک مانگنے کو آئے تو اس کے مشاعر و احساسات کا کڑا امتحان ہوا۔ بظاہر یہی بھائی اس کے ان تمام ابتلاؤں اور آزمائشوں کا باعث تھے، وہ ان سب میں صابر نکلا۔ کٹھالی میں پڑ کر کھرا سونا ثابت ہوا، پھر بھائیوں کی ملاقات، والدین کی ملاقات، آہ! کیسے درد ناک اور پر تاثیر نظارے ہوں گے جو پیش آئے تھے۔

خواب اور اس کی تعبیر کے الگ الگ ماحول

سوچیے کہ جب یوسفؑ نے خواب دیکھا اور اسے اس کی تعبیر محض اشارۃً بتائی گئی، اور پھر وہ دور جب وہ تعبیر مجسم ہو کر سامنے آگئی، ان دونوں اوقات میں، دونوں وقتوں اور واقعات کے ماحول میں کتنا فرق

Marfat.com

تھا، ابتدا یہ تھی کہ :

" جب یوسف نے اپنے باپ سے کہا : اے میرے پیارے باپ ! میں نے گیارہ ستارے اور سورج چاند اپنے آپ کو سجدہ کرتے پائے ہیں "

اور جب اس خواب کی عملی تعبیر سامنے آئی تو اس کا دل بھر آیا ، اس کی زبان ایک مخلصانہ دعا کے لیے کھل گئی :

" پس جب وہ یوسف پر داخل ہوئے تو اس نے اپنے والدین کو اپنے پاس ٹھکانہ دیا اور کہا ؛ مصر میں داخل ہو جاؤ ، انشاء اللہ بحالتِ امن ۔ اور اس نے اپنے والدین کو تخت پر بٹھایا اور وہ سب اس کے سامنے سجدے میں گر گئے اور اس نے کہا : اے میرے باپ ! یہ ہے میرے پہلے خواب کی تعبیر جس کو اللہ نے ثابت کر دیا ہے ۔ اور اس نے مجھ پر احسان کیا جب کہ مجھے قید خانے سے نکالا اور آپ لوگوں کو صحرا سے لایا ۔ بعد اس کے کہ شیطان نے میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان دراڑ ڈال دی تھی ۔ یقیناً میرا رب باریک بین ہے جو چاہے کرے ، بلاشبہ وہ بہت عالم ہے ، بہت دانا ہے ۔ اے میرے رب ! تو نے مجھے بادشاہت دی اور خوابوں کی تعبیر کا علم بخشا ۔ اے زمین و آسمان کے موجود ! تو ہی میرا حقیقی دوست ہے دنیا میں اور آخرت میں ، مجھے بحالتِ اسلام فوت کر اور مجھے نیکوکاروں کے ساتھ ملا "

پس یہ اس کی حقیقی اور آخری آرزو تھی ، درانحالیکہ وہ اقتدار ، سلطنت اور آسائش کی گہرائیوں میں تھا اس کی آرزو اس راحت و آسائش میں یہ تھی کہ اس کا رب اسے بحالتِ اسلام موت دے اور اسے نیکوکاروں کے ساتھ ملائے ۔ اور یہ سب کچھ ایک طویل آزمائش اور محنت اور طویل صبر اور عظیم کامیابی کے بعد طلب کیا گیا ۔

سورۂ یوسف ایک پیام تسلّی ہے

اس نبی کریم ـــــــــ یوسف علیہ السلام ـــــــــ کے قصے پر مشتمل یہ سورت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ضعیف مسلم جماعت کے لیے ایک تسلّی و تشفی کا پیغام تھی ، کیونکہ جن حالات میں اور جس ماحول میں یہ نازل ہوئی تھی اس کا تقاضا یہی تھا ، جیسا کہ ہم نے اوپر بتایا ہے کہ ادھر تو داخلی طور پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے احوال و واقعات وحشت ناک اور غیر تسلّی بخش تھے اور ادھر خارجی طور پر مشرکین کا حلقہ آپ کے اور مسلم جماعت کے خلاف تنگ سے تنگ تر ہوتا جا رہا تھا ، جس طرح یوسف علیہ السلام کو اس کے باپ کی تربیت اور پر شفقت گود سے نکال کر پہلے صحرائی کنوئیں میں اور پھر مصر میں پہنچا دیا گیا تھا ، اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی کمزور مسلم جماعت کو ہجرت پر مجبور کیا جا رہا تھا پھر جس طرح مصر میں یوسف کی نصرت کی گئی اور اسے تمکین فی الارض سے نوازا گیا ، اسی طرح بہت سی مشکلات و مصائب میں سے گزر کر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے نصرت و تمکین فی الارض کے حالات استوار کیے

Marfat.com

گئے۔ یوسفؑ نے ایک بکے ہوئے غلام کی حیثیت سے عزیزِ مصر کے محل میں قدم رکھا تھا، اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قوم و ملک کو چھوڑ کر ایک بیگانہ سرزمین کو اپنا مرکز بنایا تھا۔

واقعۂ یوسفؑ کی خدائی تعبیر

ایک وقت وہ تھا جب کہ یوسفؑ صحرائی کنوئیں میں پھینکا گیا تھا، دوسرا قدم یہ تھا کہ اس نے بکے ہوئے غلام کی حیثیت سے مصر کے گورنر کے محل میں قدم رکھا اور اس سلسلے میں ارشادِ خداوندی ہے کہ:

"اور اسی طرح ہم نے یوسف کو اس سرزمین میں ٹھکانا بخشا، اور تاکہ ہم اس کو تعبیرِ خواب کا علم سکھائیں، اور اللہ اپنے امر پر غالب ہے گو اکثر لوگ نہیں جانتے۔"

اور انجام جس نصرت و تمکین کی صورت میں ہوا، اس پر خدائی تبصرہ لائقِ دید و شنید ہے کہ:

"اور ہم نے تجھ سے پہلے جو رسول بھیجے وہ مرد تھے، جن کی طرف ہم بستیوں والوں میں سے وحی بھیجتے تھے، پس کیا یہ زمین میں چلے پھرے نہیں تاکہ دیکھ لیتے کہ ان سے پہلوں کا انجام کیسا ہوا تھا اور آخرت کا گھر اللہ کے تقویٰ شعاروں کے لیے بہتر ہے، کیا تم سمجھتے نہیں ہو؟ حتیٰ کہ جب رسول مایوس ہو جانے کو تھے اور لوگوں کو گمان ہوا کہ ان سے جھوٹے وعدے کیے گئے تھے تو ان کے پاس ہماری مدد آگئی، پھر جن کو ہم نے چاہا انہیں نجات دی گئی، اور مجرم قوم سے ہمارا عذاب ہٹایا نہیں جا سکتا۔ ان کے واقعے میں عقلمندوں کے لیے بالضرور عبرت تھی، یہ کوئی خود ساختہ بات نہیں بلکہ یہ تصدیق ہے پہلی کتابوں کی اور ایمان دار قوم کے لیے ہدایت اور رحمت ہے۔"

گویا یہ اس شدید گھڑی میں جب کہ رسول بھی مایوس ہونے کو آئیں، اللہ کی سنت کے جاری ہونے کا ایک اشارہ ہے، یوسفؑ ایسی ہی طویل محنت میں مایوسی کے قریب پہنچ گیا تھا اور یہ اس بات کی تلمیح ہے کہ ناپسندیدہ احوال سے نجات دلا کر اللہ تعالیٰ اس قسم کے حالات میں پسندیدہ آسائش و آرام مہیا کرتا ہے، اس اشارے اور تلمیح کو وہ مومن قلوب حاصل کرتے ہیں۔ جو اس قسم کے احوال سے گزرتے ہیں اور اس قسم کے عارضی وحشت ناک واقعات کا ذوق حاصل کرتے ہیں۔

سورۂ یوسف کی خصوصیت

سورۂ یوسف میں یوسف علیہ السلام کا پورا قصہ ایک ہی جگہ وارد ہو گیا ہے، جب کہ قرآنی قصوں کا قاعدہ یہ ہے کہ وہ مختلف سورتوں میں حلقوں کی شکل میں آتے ہیں کسی جگہ قصے کا کوئی حصہ اور دوسری جگہ کوئی اور حصہ آتا ہے، ایک مقام پر بالکل اجمالی یا اجمالی اشارہ ہوتا ہے اور دوسری جگہ کچھ تفصیل آتی ہے، ایک ہی واقعہ حسبِ ضرورت مختلف مقامات پر وارد ہوتا ہے۔ مقصد عبرت و موعظت ہوتی ہے جس مقام پر کسی قصے کا کوئی واقعہ اس مقصد کے لیے ضروری ہوتا ہے، اس کو حسبِ ضرورت وہاں پر بیان کر دیا جاتا ہے، مگر سورۂ یوسفؑ میں اس قصے ——— یوسفؑ کے قصے ——— کو مفصل ایک

Marfat.com

ہی جگہ بیان کر دیا گیا ہے، اور یہ اس قرآنی قصے کی خصوصیت ہے۔ وجہ یہ سمجھ میں آتی ہے کہ یہ قصہ یوسف علیہ السلام کے خواب سے شروع ہوا ہے، اور اس کی عملی تعبیر پر ختم ہو گیا ہے۔ پس اس کو کاملاً ایک ہی جگہ آنا چاہیے تھا۔ یہ مناسب نہ تھا کہ اس کے حلقوں میں سے ایک حلقہ کہیں ——— مثلاً خواب کہیں ——— اور دوسرا حلقہ ——— مثلاً تعبیر ——— کسی اور مقام پر بیان کی جاتی گویا یوں اس قصے کو کامل و مکمل از اول تا آخر بیان کرنا خود اس واقعہ کی فطرت کا تقاضا تھا۔

فنی نکتہ نظر سے!

سورۂ یوسف میں ایک ہی مقام پر جو یہ واقعہ یوسف علیہ السلام یہاں پر بیان ہوا ہے اس پر قرآنی فنی تعبیر اور طرز ادا کی ایک خاص چھاپ لگی ہوئی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اس میں ادائے نفسی، ادائے عقیدی، ادائے تربیتی اور ادائے تحریکی بھی موجود ہے، اور باوجودیکہ قرآن کا طریقہ اپنے موضوع اور ادا میں واحد ہے۔ پھر بھی یوں دکھائی دیتا ہے کہ فنی ادا کے معاملے میں سورۂ یوسف ایک مخصوص نمونہ پیش کرتی ہے، یہ سورت حضرت یوسف علیہ السلام کی شخصیت کو پیش کرتی ہے جو اس قصے کے روح رواں اور رئیسی کردار ہیں یہ پیشکش ایک کامل اور منفرد انداز رکھتی ہے، اس میں یوسف علیہ السلام کی زندگی کے تمام پہلو اور تمام حصے نمایاں ہیں۔ زندگی کا کوئی شعبہ باہر نہیں ہے، سب شعبوں کی متعلقہ چیزیں، واقعات، مشکلات و مصائب، صبر و سکون شخصیت کا توازن و تناسب، غرض ہر چیز نمایاں ہے۔ جو مصائب و ابتلاء اس عظیم شخصیت کو پیش آئے تھے، وہ اپنی فطرت و طبیعت اور اثرات میں گوناگوں تھے، ان میں شدت کے ابتلاء بھی تھے، آسائش کے ابتلاء بھی تھے، فتنۂ النساء اور ان کی طرف سے خواہش نفس کے جال میں پھانسنے کی عظیم کوششوں کے ابتلاء بھی تھے۔ پھر اقتدار کی آزمائش بھی آئی۔ انسانی احساس و شعور کے فتنے اور ابتلاء بھی پیش آئے جن میں مختلف شخصیتوں، اعزہ، رشتہ داروں، بوڑھے والدین، مظلوم بھائی، ظالم بھائی، سب نمایاں نظر آتے ہیں، ان تمام ابتلاؤں، آزمائشوں، فتنوں اور امتحانوں سے وہ اللہ کا نیک بندہ پاک صاف، کھرا، خالص، بے لاگ اور بے لوث باہر نکل گیا، ان امتحانات کے آخر میں اس عبدِ صالح کی جو دعا، سورۂ یوسف میں وارد ہے، اس سے اس کی عظیم، خالص، مخلص، پاکیزہ شخصیت بالکل نمایاں ہے۔ یہ دعا، ہم نے اوپر درج کی ہے، اور اپنے مناسب وقت پر آئے گی انشاء اللہ تعالیٰ۔

یوسف علیہ السلام کے علاوہ اس قصے کی دوسری مرکزی شخصیتیں

یہ سورت یوسف علیہ السلام کی رئیسی شخصیت کے علاوہ بعض اور مرکزی شخصیتوں کو بھی، ان کے مختلف و متنوع درجوں اور کارناموں کے لحاظ سے پیش کرتی ہے۔ یہ شخصیتیں عظمت و رفعت، محبت و نفرت خلوص و حسد کے نقطۂ نظر سے مختلف ہیں، ان میں سب سے اول اور اعلیٰ نمونہ بوڑھے، محب، صابر، متوکل والا یعقوب علیہ السلام کا خصوصی نمونہ اور اسوۂ کاملہ و حسنہ ہے، اس شخصیت کا اطمینان بے مثال ہے غم و الم اور مصیبت کی گھٹاؤں میں وہ صبر و ثبات کی ایک بے نظیر مثال ہے، پھر برادرانِ یوسفؑ کا نمونہ ہے

Marfat.com

جس میں حسد و غیرت ، خفیہ مشورے ، بوڑھے والدین کو دکھ دینے ، چھوٹے بھائیوں کو ستانے کے اذیت ناک واقعات پائے جاتے ہیں ، انہوں نے جرم کے آثار کا مقابلہ کس طرح کیا ؟ ان پر ضعف و حیرت کے کیا کیا مناظر پیش ہوئے ؟ اور پھر ان میں سے ایک ابتداء سے انتہا تک ایک منفرد شخصیت کا مالک بھی دکھائی دیتا ہے ، جس کی شخصیت ہر فیصلہ کن مرحلے پر سب سے جداگانہ نظر آتی ہے ، مشورۂ قتل ہی میں ہے ، بن یامین کے مصر میں پکڑے جانے پر بھی اور حسرت و ندامت کے آنسو بہانے ہوئے بھی ، یہ شخصیت ان سب میں ممتاز و منفرد ہے ، پھر ایک شخصیت عزیز مصر کی بیوی کی بھی ہے ، جو اپنی صنفی خصائص اور کمزوریوں کا پورا مظاہرہ کرتی ہے ، اس کی شدتِ شہوت ، اس کا مکر و فریب ، تسکینِ شہوت کی خاطر عجیب و غریب وسائل و ذرائع کا انتخاب مگر ناکامی ، ناکامی پر بھڑک اٹھنا ، اور محبوب کے خلاف ہر غلط کارروائی اور ہر ناجائز حربہ استعمال کرنا ، اپنی بریت کے لیے ایک معصوم بے گناہ پر الزام تراشی ، اُسے دھمکیاں دینا ، دوسری حرافہ عورتوں اور جاگیردارانہ معاشرے کی بگڑی ہوئی " بیگمات " سے مدد حاصل کرنا ، مگر اس موقع پر بھی اپنا مقصد حاصل نہ کرسکنا اور اپنے الفاظ سے یہ ثابت کر دینا کہ اس کی محبت محض جی کی لذت کے حصول کی خاطر تھی ، پھر یوسف علیہ السلام کو قید کرانا اور آخر کار جب بھید کھلتا ہے تو اب بے کسی و بے بسی کی تصویر بن کر پیش ہونا ۔

اس واقعہ نے مصر کے حاکم خاندان کی " بگڑی ہوئی بیگمات " کی جو تصویر پیش کی ہے اس سے پتہ چل جاتا ہے کہ حکومت و اقتدار کے ساتھ جب خوفِ خدا نہ ہو تو کیا گل کھلاتا ہے ، بڑے لوگوں کے گھروں میں کس طرح بڑے بڑے جرائم پرورش پاتے ہیں ، بڑے لوگ اپنے آپ کو اپنی سرکش ، منہ زور بیگمات کے آگے کس طرح بے بس پاتے ہیں ۔ مصری معاشرہ اُس وقت اندر سے جس طرح ایک کھوکھلا معاشرہ بن چکا تھا ، سورۂ یوسف اس کی صحیح تصویر پیش کرتی ہے ، محلاتی سازشیں کیا کچھ اور کس طرح کرتی ہیں ، اسے دیکھنا ہو تو سورۂ یوسف کو غور سے پڑھو ، محلاتی دیواروں ، خوبصورت اور منقش پردوں اور پہروں کے پیچھے کس قسم کے جرائم ، گھناؤنے جرائم پرورش پاتے ہیں ، ان کی تصویر زنانِ مصر اور عزیزِ مصر کی بیوی پیش کرتی ہے ۔ پھر شاہِ مصر کی شخصیت ہے جو ایک تھوڑے عرصے کے لیے سامنے آتی ہے اور گم ہو جاتی ہے ، اسی طرح عزیزِ مصر کی شخصیت بھی ہے جو اپنی چلتر باز بیوی کے سامنے بالکل بے بس دکھائی دیتا ہے ، اس کی شخصیت کے بعض کمزور پہلو سامنے آتے ہیں ، مگر اس کے بعد وہ اس قصے کی گہرائیوں میں دفن ہو جاتا ہے ۔ غرض اس قصے نے بعض شخصیتوں ، ان کے کردار ، ماحول ، معاشرے ، شاہی دربار کے بعض اندرونی مناظر کو اجاگر کیا ہے اور خوب ہی اُجاگر کیا ہے ۔

قصے کی فنی اداء میں خالص اسلامی اثرات و مظاہر

اس قصے نے جہاں واقعات کی عملی حیثیت و خصائص کو ملحوظ رکھا ہے ، وہاں اپنی شخصیتوں ، اس کے خصائص و واقعات ، معاشرے اور اس کی خصوصیات کے بیان میں اُس حقیقت کو از اول تا آخر پیشِ نظر رکھا ہے ، جس کو اسلامی طرزِ حیات اور اسلامی طرزِ ادا کا سچا نمونہ کہا جا سکتا ہے ، قصے کے بیان میں ، بڑے

بڑے نازک احوال کی پیشکش میں، کرداروں کی گفتگوؤں اور باہمی مکالمات میں، غرض ہر چیز میں، ہر موقع کی تصویر کشی میں، اسلامی طرزِ ادا اور طریقِ بیان کو خوب خوب نبھایا ہے۔ مثلاً عزیزِ مصر کی بیوی کا واقعہ اس کی گفتگو، اس کی فریفتگی، اس کی خواہشِ نفسانی کا جوش، ان چیزوں کو اگر کوئی مؤرخ، ادیب، ڈرامہ نویس، شاعر یا افسانہ نگار پیش کرتا تو طرزِ بیان اتنا پاکیزہ، صاف، نکھرا اور ستھرا ہوا نہ ہوتا جتنا ہمیں سورۂ یوسف میں نظر آتا ہے۔ عجائب پسند طبائع نے نظم و نثر میں جب اس واقعہ کو لکھا ہے تو ایک عشق و عاشقی کا قصہ بن کر رہ گیا ہے قرآن نے اس کو جس منفرد انداز میں پیش کیا ہے، وہ صرف اسی کا حصہ ہے امرأة العزیز کی شخصیت سورۂ یوسف کے بیان اور طرزِ ادا سے بالکل ظاہر و باہر ہے، مگر کیا مجال جو عظمت و عصمت کی بلندیوں سے یہ بیان کہیں گر جائے! بشری کمزوری کے اس واقعہ اور اس کے کمزور حصّوں کے بیان میں کہیں بھی ثقاہت و نزاہت کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوٹتا اور بیسویں صدی کی جدید جاہلیت میں جسے واقعہ نگاری اور واقعیت کہا جاتا ہے، جو دراصل غلاظت کا ایک کیچڑ ہے، اس کا ظہور ہمیں کہیں بھولے سے بھی نظر نہیں آتا۔ اس واقعیت کا دوسرا نام فحش نگاری اور فحش پسندی ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ غلاظت کے ڈھیروں پر سے پردہ اٹھا دو، تاکہ ان کی بدبو دُور دُور تک پھیل جائے، اور ہر شخص اسی قسم کا ڈھیر اپنے آس پاس لگا لے۔ قرآن کی شخصیت نگاری اور بیانِ واقعات کے کچھ نمونے درج ذیل ہیں۔

برادرانِ یوسفؑ

یہ قصہ شخصی کردار کی تصویر کشی میں، گوناگوں شخصیات و تشخص و اخلاق کے باوجود ایک پاکیزہ صورت پیش کرتا ہے، مثلاً برادرانِ یوسفؑ کا معاملہ لیجئے، ان کے دلوں میں چھوٹے چھوٹے حقد و حسد اور رشک و عداوت بہت بڑے ہو گئے، حتیٰ کہ جرم کا خوف اور اس سنگینی ان کے ذہن سے اوجھل ہو گئی، وہ خانوادۂ نبوت کے افراد تھے، یعقوبؑ جیسے عظیم الشان نبی کی اولاد تھے جس کا نام و لقب، یعقوبؑ و اسرائیل زندۂ جاوید ہے لہٰذا جب ان کے ضمیر نے انہیں اس بدعملی پر ملامت کی جو ان سے سرزد ہو رہی تھی، تو انہیں "شرعی حیلہ" سوجھا جس کے بل پر انہوں نے یہ سمجھا کہ ان کا یہ جرم معاف یا کم از کم ہلکا ہو جائے گا، اور پھر نہیں تو اتنا فائدہ انہیں ضرور ہوا کہ وہ ضمائر کی خلش سے بچ گئے، قرآن کہتا ہے:

"بیشک یوسفؑ اور اس کے بھائیوں میں پوچھنے والوں کے لیئے بہت سی نشانیاں ہیں۔ جب انہوں نے کہا کہ یوسفؑ اور اس کا بھائی ہماری نسبت ہمارے باپ کو محبوب تر ہیں، حالانکہ ہم ایک مضبوط جماعت ہیں، بلاشبہ ہمارا باپ کھلی غلطی پر ہے، یوسف کو قتل کر دو یا اُسے کسی (دُور دراز) زمین میں پھینک دو، تمہارے باپ کی توجہ خالص تم پر ہی مرکوز ہو جائے گی اور اس کے بعد تم نیکوکار جماعت بن جانا، ان میں سے ایک کہنے والا بولا کہ یوسفؑ کو قتل نہ کرو اور اس کو کسی ویران کنویں میں ڈال دو، کوئی قافلہ اسے نکال لے جائے گا اگر تم نے کرنا ہی ہے تو (یعنی اوّل تو تمہاری سوچ غلط ہے اس لیئے باز رہو اور اگر ایسا نہیں کر سکتے تو پھر اس کا بدل یہ ہے یہ کر لو!) وہ بولے اے ہمارے باپ یہ کیا بات ہے کہ تو

Marfat.com

ہم پر یوسفؑ کے بارے میں اعتماد نہیں کرتا، حالانکہ ہم بھائی ہونے کے ناطے سے اس کے بڑے ہی خیر خواہ ہیں۔ اس کو کل ہمارے ساتھ بھیج تاکہ سیر و تفریح اور کھیل کود میں مصروف ہو اور ہم اس کی ضرور حفاظت کریں گے، اس نے کہا کہ مجھے یہ بات غمگین کرتی ہے کہ تم اسے لے جاؤ اور مجھے ڈر ہے کہ اسے تمہاری غفلت کی حالت میں بھیڑیا کھا جائے گا، انہوں نے کہا کہ ہماری مضبوط جماعت کی موجودگی میں اگر اسے بھیڑیا کھا گیا تو پھر ہم بالکل ہی ناکارہ ٹھہریں گے پھر جب وہ اسے لے گئے اور اتفاق کر لیا (پختہ ارادہ کر لیا) کہ اسے ویران کنویں میں پھینک دیں، اور ہم نے اس کی طرف وحی کی کہ تو انہیں ان کا یہ فعل ضرور یاد دلائے گا، جب کہ انہیں شعور بھی نہ ہوگا۔ اور وہ رات کو اپنے باپ کے پاس روتے ہوئے آئے۔ بولے! اے ہمارے باپ! ہم دوڑ لگا رہے تھے اور یوسف کو اپنے سامان کے پاس چھوڑ گئے تھے تو اس کو بھیڑیا کھا گیا، اور ہم سچے بھی ہوں تو تو ہماری بات نہ مانے گا، اور وہ اس کی قمیص پر جھوٹا خون لگا لائے، اس نے کہا کہ نہیں۔ بلکہ تمہارے نفسوں نے تمہارے لیے ایک سازش کی ہے، مگر صبر ہی اچھا ہے، اور جو کچھ تم کہتے ہو، اس پر اللہ ہی کی مدد درکار ہے!"

اور اس کے بعد ہم واقعہ کے تمام مواقف میں اس کے بعد ان کا یہی موقف پاتے ہیں، ہاں! ان میں سے ایک کا موقف ہر جگہ خصوصی طور پر سب سے الگ اور نرالا ہے۔ جب یوسفؑ نے، جسے وہ عزیز مصر سمجھتے تھے اور پہچانتے نہ تھے، جب ان کی پہلی مصر میں آمد پر ان سے مطالبہ کیا کہ اب وہ اپنے بھائی کو ساتھ لے کر آئیں۔ کنعان میں قحط تھا اور وہ غلہ خریدنے پر مجبور تھے، اور غلہ مصر کے سوا کہیں اور ملتا نہ تھا، اللہ تعالیٰ نے ایک خاص خفیہ تدبیر سے یوسفؑ کو موقع بہم پہنچایا کہ وہ اپنے بھائی (بن یامین) کو پاس رکھ لے تو یوسفؑ کے خلاف ان کی پرانی عداوت عود کر آئی اور انہوں نے یوسفؑ پر چوری کا جھوٹا الزام لگا دیا:

"انہوں نے کہا کہ اگر اس نے چوری کی ہے تو اس سے پہلے اس کا بھائی بھی چوری کر چکا ہے، یوسف نے یہ بات اپنے دل میں پوشیدہ رکھی اور ان پر ظاہر نہ کی، اس نے کہا: تمہارا اخلاقی مرتبہ ہی بدترین ہے، اور اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ تم بیان کر رہے ہو"

اس دوسرے المناک حادثے پر جو یعقوبؑ کو اس کے بڑھاپے میں پہنچا، اس کا پرانا غم تازہ ہو گیا، اور اس نے یوسفؑ پر غم و الم کا اظہار کیا تو برادرانِ یوسفؑ کا پرانا حسد و عداوت از سرِ نو تازہ ہو گیا، انہوں نے باپ کے بڑھاپے اور اس کے عظیم غم و الم کا بھی کوئی لحاظ نہ کیا اور اسے مزید المناک الفاظ سے طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا، قرآن کہتا ہے کہ:

"اور یعقوبؑ ان سے منہ پھیر گیا اور بولا: ہائے افسوس یوسف پر، اور غم سے اس کی آنکھیں سفید ہو گئیں تو وہ غم کو اندر ہی اندر دبا رہا تھا، انہوں نے کہا کہ خدا کی قسم تو یوسفؑ کو برابر یاد کرتا رہے گا، حتیٰ کہ تو غم سے گھل ہو جائے یا ہلاک ہی ہو جائے"

اسی قسم کا واقعہ اس وقت پیش آیا، جب کہ یوسفؑ نے اس قصہ کے اواخر میں اپنی قمیص اپنے باپ کی طرف بھیجی اور اس وقت وہ کھل کر بھائیوں پر ظاہر ہو چکا تھا، یوسفؑ کے بھتیجوں نے دیکھا کہ ان کا بزرگ دادا یوسفؑ

Marfat.com

کی خوشبو سونگھ رہا ہے تو انہیں اس کا یہ باطنی اتصال، جو اتنے عرصے کے بعد بھی تازہ تھا، اور اس سے اس کی اندرونی محبت ظاہر ہوتی تھی، تو وہ یہ کہے بغیر نہ رہ سکے کہ :

"واللہ! آپ اس پرانے خیال (محبت یوسف) میں گم ہیں!"

یہ جواب اس بات کا تھا جو یعقوبؑ نے فرمائی تھی کہ :

"جب قافلہ جدا ہوا تو ان کے باپ نے کہا: اگر تم مجھے نہ جھٹلاؤ ـــــ تو میں یوسف کی خوشبو پاتا ہوں"

عزیز مصر کی بیوی کا موقف!

اس کو خواہش نفس نے اندھا کر دیا ہے۔ بار بار اس پر شہوت کے دورے پڑتے ہیں، جن میں وہ نسوانی شرم وحیاء اور ذاتی بڑائی اور بلند مقام کی پرواہ نہیں کرتی، اسے اجتماعی مرکز اور گھریلو تذلیل کی بھی پرواہ نہیں ہوتی۔ وہ اس کے ساتھ ساتھ ہر نسوانی مکر و فریب اور سازش کو کام میں لاتی ہے۔ کبھی اپنے ہی پروردہ یوسفؑ کو پھانسنے کے لیے اور کبھی اپنی براءت کے لیے! کبھی دھمکی سے کام لیتی ہے کبھی منت سماجت سے۔ کبھی حکم دیتی ہے اور کبھی بھیک کی طالب ہے، پھر جب اس کے طبقے کی بلند مرتبہ "بیگمات" اُسے سرزنش کرتی ہیں کہ: اپنے پروردہ غلام پر ریجھ گئی اور پھر کامیاب بھی نہ ہوئی! اور اُسے معلوم ہے کہ وہ بھی شہواتِ نفسانی کے ہاتھوں اسی طرح مجبور رہیں، جس طرح کہ وہ خود بے بس تھی، وہ ایک ایسی مغلوب الشہوۃ اور بگڑے ہوئے معاشرے کی بگڑی ہو بیگم ہے، جسے شرم وحیاء نامی کسی چیز سے واسطہ نہیں، وہ تو محض اپنی شہوت رانی کے درپے ہے، جس طرح بھی ہو، جس حیلے بہانے سے بھی ہو، دھمکی سے ہو، جھوٹ سے ہو یا منت و سماجت سے، یا سازش اور مکر و فریب سے! بہر صورت اُسے اپنے کام سے کام ہے، قرآن نے اس کے اس سارے پیچ و تاب کو، ساری شہوت کی غلامی کو، تمام بے شرمی و بے حیائی کو بیان کیا ہے مگر کیا مجال جو ثقاہت و نظافت اور طہارت کا دامن ایک لمحے کے لیے بھی ہاتھ سے چھوٹ جائے، آج کل کے ڈرامہ نویس، افسانہ طراز، نام نہاد "واقع نگار" اور "طبیعت و مادیت نویس" اس بلندی کا تصور بھی نہیں کر سکتے، اب اس سلسلے میں خود سورۂ یوسف کی زبانی یہ قصہ سنیے جو اُوپر گزرا:

"اور مصر کے جس شخص نے اس کو خریدا تھا، اس نے اپنی بیوی سے کہا کہ اسے عزت و احترام کا ٹھکانہ دے، کیا پتہ یہ ہمیں نفع دے یا ہم اس کو بیٹا بنالیں (معلوم ہوتا ہے کہ وہ خود بے اولاد تھے۔ اور شاید عزیزِ مصر میں کوئی جسمانی نقص یا بیماری بھی تھی!) اور یوں ہم نے اس سرزمین میں یوسف کو عزت و آبرو بخشی، اور تاکہ ہم اس کو تعبیرِ خواب کا علم سکھائیں، اور اللہ اپنا کام کرنے پر غالب ہے مگر اکثر لوگ اس بات کو نہیں جانتے، اور جب وہ اپنی جوانی کو پہنچا تو ہم نے اس کو حکمت اور علم دیا اور ہم نیکو کاروں کو اس طرح جزاء دیتے ہیں، اور جس کے گھر میں وہ رہتا تھا اس عورت نے اس کو نفسانی خواہش کی ترغیب دی اور دروازے بند کر

لیئے اور بولی: اب تیرا کیا ارادہ ہے؟ اس نے کہا: اللہ کی پناہ! بیشک وہ میرا مالک ہے جس نے مجھے اچھا ٹھکانہ دیا۔ بلاشبہ ظالم فلاح نہیں پاتے، اور اس عورت نے اس کا قصد کیا اور اگر وہ اپنے رب کی کھلی دلیل نہ دیکھ لیتا تو وہ بھی اس کا ارادہ کر لیتا، یوں اس لیئے ہوا کہ ہم اس سے برائی اور بے حیائی کو دُور کر دیں، بلاشبہ وہ ہمارے خالص بندوں میں سے تھا، اور دروازے کی طرف دوڑے اور اس عورت نے اس کی قمیص کو پچھلی طرف سے پھاڑ دیا، اور ان دونوں نے اس عورت کے خاوند کو دروازے کے پاس پایا، وہ بولی: اس کا بدلہ کیا ہونا چاہیئے، جو تیری گھر والی سے برائی کا ارادہ کرے، مگر یہ کہ اسے قید کر دیا جائے یا اسے سخت سزا دی جائے؟ یوسف نے کہا: اسی نے مجھ کو نفسانی خواہش کی ترغیب دی تھی، اور اس عورت کے گھر والوں میں سے ایک گواہ نے گواہی دی کہ: اگر اس کی قمیص آگے سے پھٹی ہے تو وہ سچی ہے اور وہ جھوٹا ہے اور اگر اس کی قمیص پیچھے سے پھٹی ہے تو وہ جھوٹی ہے اور یہ سچا ہے۔ پھر جب اس نے دیکھا کہ اس کی قمیص پیچھے سے پھٹی تھی تو عزیز بولا یہ بھی تم عورتوں کی مکاریوں میں سے ایک ہے، یقیناً تمہاری مکاری بہت بڑی ہوتی ہے۔ اے یوسف! اس سے منہ پھیر لے، اور اے عورت تو اپنے گناہ کی معافی مانگ یقیناً تو ہی خطا کار تھی! اور شہر میں کچھ عورتوں نے کہا کہ عزیز کی بیوی اپنے غلام کو خواہش نفسانی کی ترغیب دیتی ہے، وہ اس کے عشق میں مبتلا رہے، ہم تو اسے صریحاً غلطی پر پاتی ہیں، جب اس عورت نے ان کی خفیہ تدبیر کو سنا تو انہیں بلا بھیجا، اور ان کے لیئے نشست گاہ بنائی، اور ان میں سے ہر ایک کو ایک چھری دے دی اور بولی: نکل تو ان کی طرف! پس جب انہوں نے اس کو دیکھا تو اسے بہت بڑا سمجھا اور انہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لیئے اور بولیں: خدا کی قسم یہ انسان نہیں ہے یہ تو کوئی بزرگ فرشتہ ہے، وہ بولی کہ پھر یہی ہے وہ جس کے بارے میں تم نے مجھ پر ملامت کی، اور میں نے اُسے پھسلایا اور نفسانی ترغیب دی ہے، مگر وہ بچ گیا ہے اور اگر وہ میرا حکم نہ مانے گا تو قید کیا جائے گا اور ذلیل ہو جائے گا، اس نے کہا: اے میرے پروردگار! قید خانہ مجھے اس کام سے زیادہ محبوب ہے جس کی طرف یہ مجھے بلاتی ہیں۔ اور اگر تو مجھ سے ان کی خفیہ تدبیر کو دُور نہ کرے گا تو میں ان کی طرف مائل ہو جاؤں گا اور جاہلوں میں سے ہو جاؤں گا، پس اس کے رب نے اس کی دعا قبول کی اور ان کے مکر و فریب کو اس سے ہٹا دیا، بلاشبہ وہی بہت سننے والا بہت جاننے والا ہے۔"

اور پھر ہماری ملاقات اس عورت کے ساتھ اس وقت ہوتی ہے جب یوسفؑ اس عورت کے مکر و فریب کے باعث قید خانے میں ہے، کافی وقت گزر چکا ہے، بادشاہ خواب دیکھتا ہے اور یوسفؑ کا قید خانے کا ساتھی جو رہا ہو کر بادشاہ کا مقرب بن چکا ہوتا ہے اور قید خانے کو بھول چکا ہے، بادشاہِ مصر کے خواب دیکھنے اور اس کی تعبیر پر پریشان ہونے پر اس شخص کو یاد آتا ہے اور وہ یوسفؑ کا ذکر کرتا ہے۔ اسے یوسفؑ سے ملنے کی اجازت مل جاتی ہے، بادشاہ خواب کی تعبیر سن کر پھڑک جاتا ہے اور یوسفؑ کو اپنا مقرب بنانے کے لیئے

Marfat.com

بلاتا ہے۔ مگر یوسف علیہ السلام اس وقت تک قید سے رہا ہونے پر راضی نہیں ہوتا، جب تک کہ اس کے معاملے کی تحقیق و تفتیش ہو کر اس کی بے گناہی ثابت نہ ہو جائے، بادشاہ کو معاملے کی خبر ملتی ہے اور وہ پوچھ گچھ کرتا ہے۔ عزیز مصر کی بیوی جانتی ہے کہ اب تو معاملہ کھل کر سامنے آ چکا ہے، لہٰذا کچھ چھپانا لاحاصل ہے تو وہ اب اپنی زبان سے یوسف علیہ السلام کی نزاہت و طہارت ظاہر کرتی ہے اور اپنی گنہگاری کا اعتراف کرتی ہے، اب اس کے اندر کی عورت ظاہر ہو جاتی ہے۔ جس کا یوسف علیہ السلام کی طہارت کے ساتھ ساتھ خدائے واحد پر بھی ایمان ظاہر ہوتا ہے۔"

"اور بادشاہ نے کہا کہ اس کو میرے پاس لاؤ۔ جب ایلچی اس کے پاس گیا تو اس نے کہا تو اپنے آقا کے پاس واپس جا اور اس سے پوچھ کہ ان عورتوں کا معاملہ کیا تھا جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹے تھے؟ بلاشبہ میرا رب تو ان کی سازش کو خوب جانتا ہے، بادشاہ نے کہا کہ وہ کیا بات تھی کہ جب تم نے یوسف علیہ السلام کو اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کی تھی، انہوں نے کہا کہ اللہ کی قسم ہم نے اس میں کوئی برائی نہ دیکھی۔ عزیز کی بیوی بولی! اب حق واضح ہو گیا ہے۔ میں نے اس کو اپنی طرف راغب کرنے کی سعی کی تھی اور بلاشبہ وہ سچا ہے، یہ میں اس لیے کہتی ہوں کہ اسے معلوم ہو جائے کہ میں نے پیٹھ پیچھے اس سے خیانت نہیں کی، اور یہ کہ اللہ خیانت کاروں کو کامیابی کی راہ نہیں دیتا، اور میں اپنے آپ کو بری نہیں ٹھہراتی بیشک نفس برائی کا بہت حکم دینے والا ہے مگر یہ کہ اللہ ہی کسی پر رحم کرے، بلاشبہ میرا رب بڑا بخشنے والا بڑا رحم والا ہے۔"

یوسف صدیق کا موقف

یوسف جو عبد صالح تھا، ایک انسان تھا۔ قرآنی طریق ادا و بیان نے اس کو اس کی انسانی شخصیت میں پیش کرنے سے ایک لمحہ کے لیے بھی دریغ نہیں کیا۔ جب کہ وہ اپنی پوری بشریت کے ساتھ فتنے کا مقابلہ کر رہا تھا اس کی پیدائش اور نشو و نما اور تربیت ایک نبوی گھرانے میں ہوئی، اس کی بشریت اس کی نشو و نما، تربیت اور دین، ہر حیثیت میں واضح ہے ——— امراۃ العزیز نے جب اسے ترغیب دی اور اسے پھانسنے کا پختہ ارادہ کر کے ہر ممکن انتظام کر لیا، ہو سکتا تھا کہ اس عظیم فتنے میں اس کی بشریت اس میں ضعف پیدا کر دیتی، مگر وہ بشر ہونے کے ساتھ نبی بھی تھا، لہٰذا عصمت کے دھاگے سے اسے باندھ دیا، روک لیا، عام انسان اس موقع پر نہ بچ سکتا مگر اسے اللہ تعالیٰ نے بچا لیا اور وہ فعلاً گڑھے میں گرنے سے محفوظ رہا، عزیز مصر کے محل میں جب امراۃ العزیز کی طرف سے رغبت و ترغیب کی حد ہو گئی، زنان مصر نے بھی اسے لبھانے میں کمی نہ کی، اپنے ہاتھ کاٹ لیے، تو اس نے اپنا انسانی ضعف اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کیا، محلاتی فضا تھی، زنان عشوہ طراز کا جال اس کے گرد تنا ہوا تھا، مگر اس نے عصمت کے مضبوط کڑے کو تھامے رکھا، یوسف کی شخصیت کی اہلیت و واقعیت کو پیش کرنے میں قرآنی طرز ادا نے ایک لمحہ کے لیے بھی جعل سازی اور تصنع کو اختیار نہیں کیا۔ اور اس کے باوجود جاہلیت کا وہ کچرا یہاں نہ ملے گا جسے فن کا نام

Marfat.com

دیا گیا ہے، وجہ یہ ہے یہ واقعہ ہر طرف سے اور ہر لحاظ سے صحیح و سالم اور اصلی ہے۔

عزیز مصر کی شخصیت

عزیز مصر کی شخصیت اُس دَور کے مصری حاکموں کی صحیح عکاس ہے۔ اس میں غیرت کی کمی ہے بیوی سے دبتا ہے، جان لیتا ہے کہ وہ قصوروار ہے مگر اسے سوائے چند زبانی کلمات کے کچھ کہنے کی ہمت نہیں رکھتا۔ اس کے گھر میں اتنے بڑے واقعات پیش آتے ہیں مگر عورت اس پر حاوی ہے اور وہ خاوند کو خبر تک نہیں ہونے دیتی، پھر وہ عورت کی بدنامی کو چھپانے کی خاطر بے گناہ یوسفؑ کو قید خانے کی کوٹھڑی میں ڈال دیتا ہے۔ حالانکہ مدلل طور پر جانتا ہے کہ قصور اس کی بیوی کا ہے۔ اس پر اجتماعی ریاکاری کا غلبہ ہے اُس وقت کے شہرت پسند امراء کے تمام خصائص اس میں موجود ہیں، ذرا قرآن کا یہ بیان پڑھو اور عزیز مصر کی شخصیت ——— عورت کے ہاتھوں بے بس شخصیت ——— کھل کر سامنے آجائے گی:

"پھر جب اس کی قمیص کو دیکھا جو پیچھے سے پھٹی ہوئی تھی تو کہنے لگا: بلاشبہ یہ تمہارے فریبوں میں سے ہے، یقیناً تم عورتوں کا فریب بہت بڑا ہے۔ اے یوسف! اس بات سے منہ پھیرلے اور اے عورت! تو اپنے گناہ کی معافی مانگ بلاشبہ تو ہی خطا کار تھی۔"

زنانِ مصر

سورۂ یوسف سے مصری معاشرے کی عورتیں پوری طرح کھل کر سامنے آتی ہیں، یہ اُونچے طبقے اور اعلیٰ گھرانوں کی "بیگمات" ہیں، عزیز مصر کی بیوی کی سیرت پر پردے دے ہوتی ہے اور اس کا معاملہ عورتوں میں زیرِ بحث آتا ہے، وہ اس بات پر اُسے ملامت کرتی ہیں کہ وہ اپنے غلام پر ریجھ گئی ہے، اور اسے بدکاری کی دعوت دیتی ہے، پھر وہ کامیاب بھی نہیں ہوتی، ان کا انکار زیادہ تر اس بات پر ہے کہ وہ کامیاب کیوں نہیں ہوئی، غالباً اس سلسلے میں عورتوں کی ملامت گری عزیز کی بیوی کو پہنچتی ہے، عورتوں کا انکار زیادہ تر اس بات پر ہے کہ وہ ناکام کیوں رہی ہے؟ پھر وہ یوسفؑ کو دیکھ کر مبہوت ہوجاتی ہیں اور عزیز کی بیوی کو معذور قرار دیتی ہیں۔ ان عورتوں کا طرزِ عمل عزیز کی بیوی کو مزید ہمت دلاتا ہے، اور وہ برسرِعام اعلان کرتی ہے کہ اگر یوسفؑ میرا کہا نہ مانے گا تو قید خانے میں رہے گا یا کسی اور شدید مصیبت میں پڑے گا، ان عورتوں نے مل کر یوسفؑ کو اشتعال دلایا اور ہر ایک نے اسے اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کی حالانکہ وہ اسے دیکھتے ہی اس کی طہارت و نظافت کا ——— باوجود اس بے مثال حسن و جمال کے ——— اقرار و اعتراف کر چکی تھیں۔

"واللہ یہ انسان نہیں، یہ تو کوئی بزرگ فرشتہ ہے!"

اور ان کے مکروفریب کا مقابلہ یوسفؑ نے جب اس دعا سے کیا کہ:

"اے میرے پروردگار! قید خانہ مجھے اس کام کی نسبت محبوب تر ہے، جس کی طرف یہ مجھے

دعوت دینی ہیں، اور اگر تونے ان کے فریب کو مجھ سے نہ ہٹایا تو میں ان پر ممکن ہے فریفتہ ہو جاؤں اور جاہلوں میں سے ہو جاؤں!"

اس سے پتہ چلا کہ صرف عزیز کی بیوی ہی اس کی خواستگار نہ تھی، بلکہ مصر کی ساری بیگمات اس خواہشِ بد میں مبتلا تھیں اور اُسے برائی کی دعوت دے رہی تھیں!

مصری ماحول

گزشتہ تمام کرداروں سے اور اس قصے کے واقعات سے اُس وقت کے مصری معاشرے کی تصویر سامنے آجاتی ہے، یوسفؑ کی براءت ثابت ہو چکی تھی۔ عزیز کی بیوی اور اس کی سہیلیاں یوسفؑ کی پاکیزگی کی شہادت دے چکی تھیں، خود عزیزِ مصر دلائل و واقعات کی روشنی میں جانتا تھا کہ یوسفؑ طاہر و مطہر اور بالکل بے قصور ہے۔ اس کے باوجود سزا اُس وقت کے اسی بندہ ضعیف پر کیوں ملی؟ گناہگاروں کو سزا دینے کے بجائے بے گناہ کو ناکردہ گناہ قید کیوں کیا گیا؟ اس سے اس وقت کا مصری معاشرہ، اس کا تصنع اور کھوکھلا پن، ریاکاری اور منافقت واضح ہو جاتی ہے، اس سے اصل مقصد تو یہ تھا کہ عزیزِ مصر کی رسوائی اور بدنامی کو چھپایا جائے اور اس کے لیے یوسفِ صدیق کو قیدی بنا یا جائے۔ چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے کہ:

"دلائل و آیات دیکھنے کے بعد بھی اُن کی رائے یہ ہوئی کہ یوسف کو کچھ وقت کے لیے قید کر دیا جائے"

یعنی طوفان ختم جائے، گناہگار اپنی بدنامی کا داغ دھو لیں اور معاشرے میں ان کو جو مقام حاصل ہے اُس پر کوئی الزام یا حرف نہ آئے، مگر اس کا طریقہ یہ اختیار کیا گیا کہ جس نے ہر ترغیب اور برائی کے ہر حملے کا ڈٹ کر مقابلہ کیا تھا، اُس کو قید خانے میں ڈال دیا جائے، اور بدکاری کی ترغیب دینے والیاں اور معاشرے کے سڑے ہوئے اعضاء بدستور دندناتے پھریں!

قصے کی نمایاں ترین شخصیت

قصے کے پے در پے واقعات میں ایک شخصیت اپنی رفعت اور ذاتی کردار کی انتہائی بلندیوں پر فائز دکھائی دیتی ہے، یہ شخصیت العبد الصالح، انسانِ اعلیٰ یوسف کی ہے جو اپنی بشریت کی انتہائی رفعتوں پر ہوتے ہوئے ہر جگہ یہ ظاہر کرتی ہے کہ وہ نبوت کے گھرانے کے پروردہ ہے، اسی میں پیدا ہوئی، اور وہیں اس نے دینی و اخلاقی تربیت حاصل کی ہے، وہ قید خانے کی تنہائیوں میں ہے، ظلم اور ظلمات کے اندر محبوس ہے، مگر جونہی موقع ملتا ہے تو دینی دعوت سے غفلت اختیار نہیں کرتا، اور دعوت کو عزم و حزم اور حکمت و موعظت کے ساتھ پیش کرتا ہے، وہ ماحول کی گہرائیوں میں اترتا ہے، مصری معاشرے کی خاصیتوں سے آگاہ ہے اور انسانی نفوس کی اندرونی فطرت و کیفیت سے صرفِ نظر نہیں کرتا، وہ اس دعوت میں یعقوبؑ کے گھرانے کا ایک داعی نبی نظر آتا ہے، اپنی بے مثال شخصیت، ادب، طرزِ ادا، طریقِ خطاب

ہر چیز سے زیر تبلیغ جوانوں کو متاثر کرتا ہے :

"اور اس کے ساتھ قید خانے میں دو جوان داخل ہوئے، ان میں سے ایک نے کہا کہ میں نے اپنے آپ کو شراب نچوڑتے دیکھا ہے، اور دوسرا بولا کہ میں نے دیکھا ہے کہ اپنے سر پر روٹیاں اٹھائے ہوئے ہوں جن میں سے پرندے کھا رہے ہیں، ہمیں اس کا مطلب بتا، ہم دیکھتے ہیں کہ تو ایک نیکوکار انسان ہے، اس نے کہا کہ تمہیں جو کھانا دیا جاتا ہے اس کے آنے سے پہلے میں تم کو اس کی تعبیر بتا دوں گا۔ یہ علم میرے رب نے مجھے دیا ہے۔ میں نے ان لوگوں کا طریقہ چھوڑ کر جنہوں نے اسے اختیار نہیں کیا، جو اللہ پر ایمان نہیں لاتے اور آخرت کے منکر ہیں اور میں نے اپنے آباؤ اجداد ابراہیم، اسحاق اور یعقوب کا طریقہ اختیار کیا ہے، ہمیں یہ روا نہیں ہے کہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک کریں۔ یہ ہم پر اور لوگوں پر اللہ کا فضل ہے لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے۔ اے میرے قیدی ساتھیو! کیا متفرق رب بہتر ہیں یا ایک زبردست اللہ بہتر ہے؟ تم اس کے سوا جن کی عبادت کرتے ہو وہ صرف تمہارے نام ہی نام ہیں، جو تم نے اور تمہارے آباؤ اجداد نے رکھ لئے ہیں، اللہ نے ان کی کوئی دلیل نہیں اتاری۔ فیصلہ تو صرف اللہ ہی کا ہے۔ اس نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کی جائے یہی ہے ثابت و قائم دین مگر اکثر لوگ جانتے نہیں۔ اے میرے قیدی ساتھیو! تم میں سے پہلا تو اپنے آقا کو شراب پلائے گا اور دوسرے کو سولی پر چڑھایا جائے گا اور پرندے اس کے سر میں سے کھائیں گے، تمہارے پوچھے ہوئے معاملے کا فیصلہ ہو گیا ہے۔"

لیکن یوسفؑ اس کے باوجود ایک انسان ہے اس میں انسانی صفت موجود ہے، وہ قیدسے رہائی کے لیئے بادشاہ کے کانوں تک اپنی بے گناہی کی خبر پہنچانے کی کوشش کرتا ہے (مگر یہ کوئی کمزوری کی بات نہیں، ظاہری اسباب کو اختیار کرنے کا حکم تو اسلام نے صراحۃً دیا ہے! المترجم)

اس کا مطلب یہ تھا کہ شائد بادشاہ اس ظالم سازش کو کھول دے جو یوسفؑ کو قید میں ڈالنے کا باعث تھا، مگر اللہ تعالیٰ اس کی امید کو ہر ایک سے کاٹ کر صرف اپنے اوپر لگانا چاہتا تھا (ظاہری اسباب کو اختیار کرنا اس توکل و تجرد کے خلاف نہیں ہے! المترجم)

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ :

"اور یوسف نے ان دو میں سے جسے رہا ہونے والا گمان کیا اس سے کہا کہ اپنے آقا کے پاس میرا ذکر کرنا، پس شیطان نے اس شخص کو اپنے آقا سے ذکر کرنا بھلا دیا تو یوسف چند سال قید ہی میں رہا"

پھر ہم نے دیکھا کہ اس شخصیت کے بعض آثار چند سال کے بعد ظاہر ہوئے، جب کہ بادشاہ نے خواب دیکھا اور کاہن اور درباری اور گدی نشین اس کی تعبیر سے عاجز آ گئے۔ اب اس رہا شدہ قیدی کو یوسفؑ یاد آیا۔ اتنی دیر میں اس نیکوکار بندے کی ربانی تربیت پوری ہو چکی تھی، اب وہ راضی برضا تھا اور اسے انجام کی پرواہ نہ تھی، حتیٰ کہ جب اس نے شاہی خواب کی تعبیر بیان کی اور بادشاہ نے اسے اپنے

Marfat.com

پاس بلایا تو یوسف نے آہستگی اور اطمینان کے ساتھ جواب دیا کہ : میں تو اس معاملے کی تحقیق و تفتیش اور فیصلے کے بعد ہی باہر آسکتا ہوں جو میری قید کا باعث تھا! اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ :

"اور بادشاہ نے کہا کہ میں خواب میں سات موٹی تازی گائیں دیکھتا ہوں جن کو سات سوکھی ہوئی دُبلی پتلی گائیں کھا جاتی ہیں ۔ اور سات سر سبز بالیاں اور سات خشک بالیاں ، اے درباریو! میرے خواب کا مجھے مطلب بتاؤ اگر تم خواب کی تعبیر جانتے ہو ! انہوں نے کہا کہ یہ پریشان خواب ہے ، اور ہم پریشان خوابوں کی تعبیر نہیں جانتے ، اور وہ شخص بولا جو اُن دو قیدیوں میں سے رہا ہوا تھا اور اُسے ایک عرصے کے بعد یاد آیا تھا کہ : میں آپ لوگوں کو اس کا مطلب بتاؤں گا ، مجھکو قید خانے میں بھیجو ۔ اے یوسف ! اے نہایت ہی صادق القول انسان ! ہم کو بتایئے سات موٹی تازی گائیوں میں جن کو سات دبلی پتلی کھاتی ہیں ، اور سات سر سبز بالیوں میں اور سات خشک بالیوں ہیں ، تاکہ میں لوگوں کے پاس واپس جاؤں اور وہ جان لیں (کہ خواب کا مطلب کیا ہے !) اس نے کہا کہ تم متواتر سات سال زراعت کرو گے ، پس جو کچھ تم کاٹو اس کو اس کی بالیوں میں رہنے دو ، مگر وہ تھوڑا سا جسے تم کھا لو ، پھر اس کے بعد سات شدید سال آئیں گے جو اس سب کچھ کو کھا جائیں گے جو تم نے ان کے لیے پہلے سے رکھا ہوگا ، مگر وہ تھوڑا سا جسے تم بچا کر رکھو گے پھر اس کے بعد ایک سال آئے گا جس میں لوگوں پر بارش ہوگی اور اس میں وہ انگور کا رس نچوڑیں گے ۔ اور بادشاہ نے کہا کہ اس کو میرے پاس لاؤ ، پس جب ایلچی اس کے پاس گیا تو اس نے کہا کہ تو اپنے آقا کے پاس واپس جا اور اس سے پوچھ کہ ان عورتوں کا معاملہ کیا تھا جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹے تھے ؟ بلاشبہ میرا رب تو ان کی خفیہ تدبیر کو خوب جانتا ہے ۔ بادشاہ نے کہا ؛ تمہارا کیا ارادہ تھا جب تم نے یوسف کو اپنی طرف مائل کرنا چاہا تھا ! انہوں نے کہا : اللہ کی پناہ ! ہم نے اس میں کوئی برائی نہ دیکھی ۔ عزیز کی بیوی بولی : اب تو حق واضح ہو چکا ہے (چھپانے سے کیا حاصل ؟) میں نے اس کو نفسانی ترغیب دی تھی اور یقیناً وہ سچا ہے ، یہ میں اس لیے کہتی ہوں کہ وہ جان لے کہ میں نے پیٹھ پیچھے اس سے خیانت نہیں کی اور بلاشبہ اللہ خیانت کاروں کی خفیہ تدبیر کو کامیاب نہیں کرتا ، اور میں اپنے آپ کو بری نہیں کرتی ، بلاشبہ نفس تو برائی کا بہت حکم دینے والا ہے ، مگر جو میرا پروردگار رحم فرما دے یقیناً میرا رب بہت بخشنے والا ہے بہت مہربان ہے ، اور بادشاہ نے کہا : اس کو میرے پاس لاؤ تاکہ میں اس کو اپنے لیے خالص کر رکھوں ، پھر جب اس سے گفتگو کی تو کہا : بلاشبہ تو آج ہمارے پاس بڑا باعزت ہے ، امانت دار ہے ، یوسف نے کہا کہ اگر یہ بات ہے تو پھر مجھے اس زمین کے خزانوں کا اختیار دے دے یقیناً میں بہت حفاظت کرنے والا ہوں بہت عالم ہوں ۔"

اس موقع پر یوسف علیہ السلام کی شخصیت پوری کی پوری ، کامل و مکمل ، مطمئن ، ساکن اور پر تیقن

ظاہر ہوئی، اس کے بعد ہم دیکھتے ہیں کہ سورۂ یوسف میں صرف یہی ایک شخصیت نمایاں ہے۔ سب واقعات میں اس کی تدبیر اور اس کا ہاتھ کارفرما نظر آتا ہے۔ اب بادشاہ، عزیز مصر اور زنانِ مصر اور مصری معاشرہ، سب کے سب پیچھے رہ جاتے ہیں یوسفؑ کی قد آور شخصیت ان سب کو چھپا لیتی ہے قرآن نے اس سلسلے میں ایک مختصر اور جامع بات فرمائی ہے کہ:

"اور یوں ہم نے یوسف کو اُس سرزمین میں اقتدار دیا۔ وہ وہاں جو چاہتا کر تا تھا۔ ہم جس پر چاہیں اپنی رحمت کرتے ہیں اور نیکوکاروں کا اجر ضائع نہیں کرتے، اور آخرت کا اجر تو ایمان والوں اور تقویٰ شعاروں کے لیے بہت ہی بہتر ہے"

مگر اس واقعہ کے بعد یوسفؑ کی عظیم شخصیت کچھ اور رنگ کے امتحانوں میں سے گزرتی ہے، یہ امتحان اپنی فطرت میں پہلے امتحانات سے مختلف ہیں، ان کا استقبال بھی یوسفؑ نے اُسی اطمینان و سکون اور جرأت و ہمت اور اعلیٰ کردار کے ساتھ کیا جو کہ اُن کی سیرت کا خاصہ تھے۔

یوسف بھائیوں کے رُوبرُو!

زندگی کے اس جدید دَور میں ہم دیکھتے ہیں کہ یوسفؑ پہلی بار بھائیوں کے رُوبرُو ہوتا ہے جو اس کے ساتھ وہ عظیم بدسلوکی کر چکے تھے جس کا سوچنا بھی اندوہناک ہے۔ اس استقبال میں یوسفؑ کا کردار بھائیوں کی نسبت بہت بلند، بہت اعلیٰ اور بہت فیاضانہ و مشفقانہ ہے، مگر اور آپ کے تاثرات اور افعال میں ضبط کی صفت بہت نمایاں رہتی ہے، قرآن نے کہا:

"اور یوسف کے بھائی آئے تو اس نے انہیں پہچان لیا مگر وہ نہ پہچان سکے، اور جب اس نے ان کی رخصت کا سامان کیا تو کہا: تم اپنے سگے بھائی کو ساتھ لانا، کیا تم دیکھتے نہیں کہ میں پورا ناپتا ہوں اور اچھا مہمان نواز ہوں! اگر تم اس کو میرے پاس نہ لائے تو میرے پاس تمہارے لیے کوئی غلہ نہ ہو گا اور میرے قریب مت آنا، انہوں نے کہا کہ ہم اس کے باپ کو اس کی ترغیب دیں گے اور ہم ضرور ایسا کریں گے، اور اس نے اپنے ملازموں سے کہا: ان کی پونجی ان کے کجاوں میں رکھ دو، تاکہ جب وہ اپنے گھر واپس جائیں تو اسے پہچان لیں اور پھر واپس آئیں!"

یوسفؑ اور بن یامین

اب ہم دیکھتے ہیں کہ یوسفؑ اللہ کی تدبیر کے ساتھ کس طرح اپنے بھائی کو اپنے پاس رکھ لیتا ہے، اس موقع پر اس کی حکیم، صابر، ہوشیار اور پختہ شخصیت کھُل کر سامنے آتی ہے:

"اور جب وہ یوسف پر داخل ہوئے تو اس نے اپنے پاس ٹھہرایا۔ اس نے کہا کہ میں ہی تیرا بھائی (یوسفؑ) ہوں، تو ان بھائیوں کے کاموں پر غمگین مت ہو، پھر جب اس نے ان کی رخصت کا سامان کیا تو پینے کا برتن اپنے بھائی کے کجاوے میں رکھ دیا۔ پھر ایک

Marfat.com

اعلان کرنے والے نے پکارا کہ: اے قافلے والو! تم تو بلاشبہ چور ہو۔ انہوں نے ان کی طرف منہ کر کے کہا: تمہیں کس چیز کی تلاش ہے؟ انہوں نے کہا کہ ہم بادشاہ کا پیمانہ ڈھونڈتے ہیں، اور جو اسے لائے اس کو ایک اونٹ کا بوجھ ملے گا اور میں اس کا ضامن ہوں۔ وہ بولے کہ اللہ کی قسم تم جانتے ہو کہ ہم اس سرزمین میں فساد کرنے نہیں آئے اور نہ ہم چور رہیں، انہوں نے کہا کہ پھر اس کا بدلہ کیا ہے اگر تم جھوٹے ہو؟ انہوں نے کہا کہ اس کا بدلہ یہ ہے کہ جس کے لجاوے میں سے وہ ملے وہی اس کا بدلہ ہے۔ ہم ظالموں کو اسی طرح سزا دیتے ہیں، پس اس نے شروع کیا ان کے سامان کو اس کے بھائی کے سامان سے پہلے۔ پھر اس کو اس کے بھائی کے سامان سے نکالا۔ یوں تدبیر کی ہم نے یوسف کے لیے۔ یہ نہ ہو سکتا تھا کہ بادشاہ کے قانون میں اپنے بھائی کو رکھ لے، مگر یہ کہ اللہ چاہتا، ہم جس کے چاہیں درجے بلند کرتے ہیں، اور ہر علم والے کے اوپر ایک بڑا عالم ہے۔ انہوں نے کہا کہ اگر اس نے چوری کی ہے تو اس سے پہلے اس کے بھائی نے بھی چوری کی تھی۔ پس یوسف نے اس کو دل میں چھپائے رکھا اور ان کے لیے ظاہر نہ کیا، اس نے کہا کہ اصل میں تم بدتر ہو اور اللہ خوب جانتا ہے، جو کچھ تم بیان کرتے ہو۔ انہوں نے کہا: اے عزیز! بلاشبہ اس کا باپ ہے، بہت بوڑھا شخص، سو تو اس کی جگہ ہم میں سے ایک کو لے لے، ہم دیکھ رہے ہیں کہ تو نیکو کار ہے، اس نے کہا: اللہ کی پناہ! کہ ہم اس کے سوا کسی کو پکڑیں، جس کے پاس ہم نے اپنا سامان پایا، تب تو ہم ظالم ہوں گے!"

یوسفؑ اور یعقوبؑ

پھر ہم یوسفؑ سے اس وقت ملتے ہیں، جب کہ یعقوبؑ کی آزمائش کی مدت تمام ہو چکی ہے اور اللہ کی تقدیر سے اس پر اترنے والے امتحانات اور اس کے گھرانے کے امتحانات ختم ہو چکے ہیں، اب یوسفؑ اپنے والدین اور گھر والوں کا بہت مشتاق ہے۔ اس کے بھائی قحط زدہ ہیں، ان پر ضرر کی علامات واضح ہیں، لہذا وہ اپنے بھائیوں کے لیے رقیق القلب ہوتا ہے۔ پس وہ ان کے سامنے اپنی حقیقت ظاہر کر دیتا ہے، ازم دلی سے شکوہ کرتا اور کریم النسان جیسی معافی کا اظہار کرتا ہے، ان کی باری گزر چکی اور اب اس کی باری ہے، اس کی شخصیت اپنے تمام آثار و علائم سمیت ظاہر ہو جاتی ہے:

"پس جب وہ اس پر داخل ہوئے تو بولے: اے عزیز! ہم کو اور ہمارے گھر والوں کو ضرر پہنچا ہے اور ہم برائے نام پونجی لائے ہیں، پس تو ہمیں پورا ناپ دیدے اور ہم پر مہربانی کر۔ بلاشبہ اللہ مہربانی کرنے والوں کو جزا دے گا، اس نے کہا کہ کیا تمہیں معلوم ہے جو تم نے دور جاہلیت میں یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا؟ انہوں نے کہا: کیا تو ہی یوسف ہے؟ اس نے کہا ہاں میں یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے، اللہ نے ہم پر احسان کیا ہے، بلاشبہ جو خدا سے ڈرے اور صبر کرے تو اللہ تعالیٰ نیکو کاروں کا اجر ضائع نہیں کرتا، انہوں نے کہا:

Marfat.com

خدا کی قسم اللہ نے تجھ کو ہم پر ترجیح دی ہے اور بلاشبہ ہم ہی خطا کار تھے ۔ اس نے کہا:
آج تم پر کوئی ملامت نہیں، اللہ تم کو بخشے اور وہ سب سے بڑا رحم کرنے والا ہے ، میری یہ
قمیص لے جاؤ ، پھر اس کو میرے باپ کے منہ پر ڈال دو وہ دیکھنے لگے گا ۔ اور اپنے سب
گھر والوں کو میرے پاس لاؤ "

بچھڑے ہوئے ملتے ہیں !

آخر کار وہ بہت بڑا ، عظیم اور ہیبت ناک منظر آتا ہے جو ملاقات کا منظر تھا، جب کہ یوسفؑ اپنے اقتدار کی بلندی پر تھا، اب وہ اس بلندی سے اپنے خواب کی تعبیر ظاہر کرتا ہے جو لفظ بلفظ پورا ہو چکا تھا، ہم دیکھتے ہیں کہ وہ یہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر ایک جانب ہو جاتا اور اپنے رب کے ساتھ تنہا ہو جاتا ہے وہ بڑے خلوص کے ساتھ اس سے مناجات کرتا ہے ، دنیا کو پیچھے چھوڑ کر آخرت میں مصروف ہو جاتا ہے :

"اے میرے رب ! تو نے مجھ کو حکومت دی ہے اور مجھے خوابوں کی تعبیر کا علم دیا ہے ، اے آسمانوں اور زمین کے خالق ! تو ہی میرا کارساز ہے ، دنیا میں اور آخرت میں ، مجھ کو بحالتِ اسلام وفات دے اور نیکوکاروں کے ساتھ ملا "

گزشتہ مختصر بیان سے معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ یوسفؑ کی کامل شخصیت ایک منفرد حیثیت رکھتی ہے ، جس کے آثار و علائم اس کی زندگی کے تمام واقعات میں موجود ہیں ، ان واقعات میں اس کی تربیت اور ماحول کھل کر سامنے آجاتا ہے ۔

یعقوبؑ ، ایک غمزدہ محبّ باپ کی حیثیّت سے !

یعقوبؑ ایک غمزدہ ، دکھ اٹھانے والا ، شدید محبت کرنے والا باپ ہے ، اس کے ساتھ ساتھ ملاقات کا یقین رکھنے والا ، راضی برضا اور مطمئن شخصیت ، وہ اپنے محبوب بیٹے یوسفؑ کے خواب سے بیک وقت بشارت اور خوف کا سامنا کرتا ہے ، وہ خواب ہی ایک حیثیت سے عظمت کا وعدہ ہے مگر دوسری حیثیت سے غم والم کا آغاز ہے ، وہ یوسفؑ کی عظمت کی بشارت پاتا ہے مگر شیطان کی دسیسہ کاری سے ڈرتا ہے جو بھائیوں کے دلوں میں حسد و رقابت اور بغض و عداوت کے جراثیم ڈالے بغیر نہ رہے گا ، یعقوبؑ کی ہمہ پہلو شخصیت کا اظہار یوں ہوتا ہے :

"جب یوسف نے اپنے باپ سے کہا : اے میرے پیارے باپ ! میں نے خواب میں گیارہ ستاروں اور سورج چاند کو اپنے آپ کو سجدہ کرتے دیکھا ہے ، اس نے کہا : پیارے بیٹے ! اپنا خواب کسی کے سامنے بیان نہ کرنا ، ورنہ وہ تیرے خلاف خفیہ تدبیریں کریں گے ، بلاشبہ شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے ، اور اس طرح تیرا رب تجھ کو چنے گا اور تجھ کو خوابوں کی تعبیر کا علم دے گا اور اپنا انعام تجھ پر پورا کرے گا اور آلِ یعقوبؑ

Marfat.com

پر بھی، جس طرح اس نے اس سے قبل تیرے دو بزرگوں ابراہیمؑ اور اسحاقؑ پر پورا کیا تھا، بلاشبہ تیرا رب بہت عالم بہت صاحب حکمت ہے ۔"

یعقوبؑ کی بشری نبوی شخصیت بیٹوں کے اصرار کے سامنے!

ہم اس واقعہ میں یعقوبؑ کی نبوی و بشری شخصیت کو عملی میدان میں پاتے ہیں، جب کہ ان کے بیٹے ان سے یوسفؑ کو ساتھ بھیجنے پر شدید اصرار کرتے ہیں اور پھر اس وقت جب کہ وہ اسے گھر آکر خوفناک مصیبت کی خبر سناتے ہیں۔ قرآن کا بیان ہے:

"انہوں نے کہا: اے ہمارے باپ! کیا بات ہے کہ تو ہم پر یوسفؑ کے بارے میں اعتماد نہیں کرتا اور ہم یقیناً اس کے خیر خواہ ہیں۔ کل تو اس کو ہمارے ساتھ بھیج تاکہ تفریح اور کھیل کود سے دل بہلائے اور ہم اس کی حفاظت کریں گے۔ اس نے کہا کہ مجھ کو یہ بات غمگین کرتی ہے کہ تم اس کو لے جاؤ اور میں ڈرتا ہوں کہ اسے بھیڑیا نہ کھا جائے، درانحالیکہ تم اس سے غافل ہو۔ انہوں نے کہا کہ ہماری مضبوط جماعت کے ہوتے ہوئے اگر اس کو بھیڑیا کھا گیا تو تب تو ہم بہت خسارہ پانے والے ہوں گے۔ پھر جب وہ اس کو لے گئے اور پختہ ارادہ کر لیا کہ اس کو ویران کنوئیں میں پھینک دیں اور ہم نے اس کی طرف وحی بھیجی کہ تو ضرور ان کو ان کا یہ امر بتائے گا، جب کہ انہیں شعور نہ ہوگا اور وہ رات کو روتے ہوتے اپنے باپ کے پاس گئے۔ وہ بولے: اے باپ! ہم دوڑ لگا رہے تھے اور یوسفؑ کو اپنے سامان کے پاس چھوڑ رکھا تھا تو اس کو بھیڑیا کھا گیا، اور تو ہماری بات ماننے والا نہیں گو ہم سچے ہوں اور وہ اس کی قمیص پر جھوٹا خون لگا لائے۔ اس نے کہا: بلکہ تمہارے نفسوں نے تمہارے لیے ایک خفیہ سازش کی ہے۔ پس صبر ہی بہتر ہے اور جو کچھ تم کہتے ہو اس پر اللہ کی مدد ہی درکار ہے!"

بن یامین کی جدائی کا صدمہ

یوسفؑ کی جدائی کے بعد یعقوبؑ کے لیے جو تسلی کا سامان رہ گیا تھا وہ اس کا چھوٹا بھائی بنیامین تھا۔ قرآن کے ظاہری الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ دونوں ماں جائے بھائی تھے اور دوسرے دس بھائیوں کی ماں اور تھی، تورات اس کی تصدیق کرتی ہے، مگر مؤلفین تورات نے حسب عادت یہاں پر یعقوب علیہ السلام پہ بڑے بڑے گھناؤنے الزام لگائے ہیں، جنہیں دہرانے کو پتھر کا کلیجہ درکار ہے۔ بہرحال جب یوسفؑ نے (جو اس وقت عزیز مصر تھے!) کہہ دیا کہ اگلے سفر میں اپنے اس بھائی کو بھی ساتھ لانا ورنہ یہاں سے نہ غلہ ملے گا نہ مصر میں داخلے کی اجازت ہوگی۔ اب بوڑھے یعقوبؑ پر ایک اور زخم لگتا ہے، اور ہم اس کی شخصیت سے اب وہاں پہ ملاقات کرتے ہیں جہاں برادران یوسفؑ باپ سے بنیامین کو مصر بھیجنے کا مطالبہ کر رہے ہیں، مگر وہ جھجکتا ہے، انکار کرتا ہے اور کچھ اصرار کے بعد مان جاتا ہے، سورۃ یوسف

Marfat.com

کا بیان ہے کہ :

"پھر جب وہ اپنے باپ کی طرف واپس گئے تو بولے : اے ہمارے باپ ! ہم سے غلہ روک دیا گیا ہے، پس تو ہمارے ساتھ ہمارے بھائی کو بھیج تاکہ غلہ لائیں اور ہم اس کی ضرور نگرانی کریں گے۔ اس نے (تعریض و عتاب کے طور پر شدتِ غم میں) کہا کہ کیا میں اس پر بھی تمہارا اعتماد کروں جس طرح اس سے پہلے میں نے اس کے بھائی پر تمہارا بھروسہ کیا تھا ؟ مگر اللہ ہی بہتر محافظ ہے اور وہ سب سے بڑا رحم کرنے والا ہے۔ اور جب انہوں نے اپنا سامان کھولا تو انہوں نے دیکھا کہ ان کی رقم انہیں واپس کر دی گئی ہے، وہ بولے : اے ہمارے باپ ! ہمیں اور کیا چاہیئے ؟ یہ دیکھ ہماری رقم ہمیں واپس کر دی گئی ہے اور ہم اپنے گھر والوں کے لیئے غلہ لائیں گے اور اپنے بھائی کی حفاظت کریں گے اور ایک اونٹ کا بوجھ غلہ بھی زیادہ لائیں گے، یہ تو بڑا سستا سودا ہے۔ اس نے کہا کہ میں اس کو ہرگز تمہارے ساتھ نہ بھیجوں گا۔ حتیٰ کہ تم مجھے اللہ کی طرف سے پختہ عہد دو کہ تم اسے ضرور واپس لاؤ گے۔ اِلّا یہ کہ تم گھر جاؤ، پھر جب انہوں نے اس کو اپنا پختہ عہد دیا تو اس نے کہا کہ اللہ ہمارے قول پر کارساز ہے۔ اور اس نے کہا : اے میرے پیارے بیٹو ! ایک دروازے سے داخل نہ ہونا اور الگ الگ دروازوں سے داخل ہونا، اور میں تمہارے کسی کام نہیں آسکتا حکم تو اللہ ہی کا ہے، میں نے اسی پر توکل کیا اور توکل کرنے والوں کو اسی پر توکل کرنا چاہیئے، اور جب وہ مصر میں اس طرح داخل ہوئے جس طرح ان کے باپ نے ان کو حکم دیا تھا، وہ اللہ کے مقابلے میں ان کے کسی کام نہ آسکتا تھا، مگر یہ ایک خواہش تھی جو یعقوبؑ کے دل میں تھی اور اس نے اس کو پورا کر لیا، اور جو چیز ہم نے اس کو سکھائی وہ اس کا عالم تھا۔ مگر اکثر لوگ نہیں جانتے۔"

یعقوبؑ پر دوسری ناگہانی مصیبت !

پھر ہم یعقوبؑ سے اس کی دوسری ناگہانی مصیبت کے وقت ملتے ہیں، وہ ایک مصیبت زدہ باپ اور اللہ سے مضبوط رابطے والا نبی ہے۔ اللہ نے یوسفؑ کے لیئے تدبیر کی ہے کہ وہ اپنے بھائی کو کس طرح روک لے، پس یعقوبؑ کا ایک فرزند جو ایک خاص شخصیت کا مالک ہے، اس قصے کے تمام مواقف میں اس کا ایک اپنا منفرد کردار ظاہر ہوتا ہے، وہ یہ کہ پیچھے رہ جاتا ہے کہ میں باپ کو کیا منہ دکھاؤں گا؟ ہم تو پختہ عہد کر چکے تھے کہ بنیامین کو ضرور ساتھ واپس لے کر آئیں گے! اس نے کہا کہ باپ اجازت دے یا اللہ کوئی فیصلہ کرے تو وہ واپس جائے گا ورنہ نہیں۔ قرآن کہتا ہے کہ :

"پھر جب وہ اس سے مایوس ہو گئے تو مشورے کے لیئے ایک طرف ہو گئے، ان میں سے بڑا بولا ! کیا تمہیں معلوم نہیں کہ تمہارے باپ نے تم سے اللہ کی قسم کے ساتھ وعدہ لیا تھا، اور تمہیں وہ غلطی بھی معلوم ہے جو اس سے پہلے تم نے یوسفؑ کے متعلق کی تھی، پس میں

Marfat.com

تو اس سرزمین میں ہی رہوں گا، حتیٰ کہ میرا باپ مجھے اجازت دے یا اللہ میرے بیچ کوئی فیصلہ کرے، اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے، اپنے باپ کی طرف واپس جاؤ اور کہو: اے ہمارے باپ! بلاشبہ تیرے بیٹے نے چوری کی، اور ہم وہی شہادت دیتے ہیں جو ہمیں معلوم ہے اور ہم غیب تو جانتے نہیں، اس بستی سے پوچھ جس میں ہم تھے اور اس قافلے سے پوچھ جس میں ہم آئے اور بلاشبہ ہم سچے ہیں، اس نے کہا: بلکہ تمہارے دلوں نے تمہارے لیے ایک سازش کی ہے، پس صبر ہی اچھا ہے، ہو سکتا ہے کہ اللہ ان سب کو میرے پاس لائے، بلاشبہ وہ بہت عالم ہے بہت دانا ہے۔ اور اس نے ان سے منہ پھیرا اور کہا: ہائے افسوس یوسفؑ پر (جس کا غم اب تازہ ہو گیا تھا) اور غم سے اس کی آنکھیں سفید ہو گئیں اور وہ غم کو دبا رہا تھا۔ انہوں نے کہا: واللہ تو برابر یوسفؑ کو یاد کرتا رہے گا حتیٰ کہ تو بیمار ہو جائے یا ہلاک ہی ہو جائے، اس نے کہا کہ میں اپنے اضطراب اور غم کا شکوہ اللہ کے سامنے کرتا ہوں اور اللہ کی طرف سے جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ اے میرے بیٹو جاؤ اور یوسفؑ اور اس کے بھائی کو تلاش کرو اور اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو، کیونکہ اللہ کی رحمت سے تو کافروں کے سوا کوئی مایوس نہیں ہوتا۔"

میں یوسفؑ کی خوشبو پاتا ہوں

بوڑھے باپ اور مقدس نبی کی بہت لمبی آزمائش ہوئی۔ مگر اپنے رب پر اس کا سچا بھروسہ پہلے دن کی مانند تازہ اور قائم رہا۔ کوئی مصیبت بھی اس کے عزم کو جنبش نہ دے سکی۔ اب جب کہ وہ یوسفؑ کی خوشبو اس کی قمیص سے سونگھتا ہے تو اللہ پر اس کا صدق ظن ابھر کر سامنے آجاتا ہے، اولاد اسے ملامت کرتی ہے کہ تو اپنے پرانے عشق میں مبتلا ہے۔ کہاں یوسفؑ اور کہاں اس کی خوشبو! مگر وہ ہمت نہیں ہارتا، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"اور جب قافلہ جدا ہوا تو ان کے باپ نے کہا کہ میں بالضرور یوسفؑ کی خوشبو پاتا ہوں، اگر تم میری بات نہ جھٹلاؤ تو، انہوں نے کہا: خدا کی قسم تو اپنے پرانے خیال (محبت یوسف) میں مگن ہے، پھر جب خوشخبری دینے والا آیا تو اس نے قمیص کو اس کے چہرے پر ڈال دیا، پس وہ بصیر ہو گیا (آنکھیں درست ہو گئیں) وہ بولا: کیا میں نے تمہیں کہا نہ تھا کہ میں اللہ کی طرف سے وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ انہوں نے کہا: اے ہمارے باپ ہمارے گناہ کی معافی مانگ یقیناً ہم خطا کار تھے، اس نے کہا کہ میں تمہارے لیے اپنے رب سے استغفار کروں گا۔ بلاشبہ وہی بخشنے والا ہے رحیم ہے۔"

یہ ایک ایسی شخصیت ہے، جس کے خصائص و آثار منفرد ہیں، اس کے تصرفات اور مشاعر میں واقعیت و اصلیت ہے۔ ہر قسم کے واقعات اور ظروف کے لحاظ سے یہ شخصیت امتیازی شان میں متمثل ہے اس میں کوئی فریب نہیں، نقص نہیں، تحریف نہیں۔ سادگی، حقیقت اور فطرت ہے۔

Marfat.com

قصہ یوسفؑ کی واقعیت کے مظاہر

اس قصے کی واقعیت کے مظاہر صرف انسانی شخصیات تک محدود نہیں ہیں، بلکہ یہ واقعیت کئی اور مظاہر اور کئی اور میدانوں میں ظاہر و باہر ہوتی ہے، مثلاً احداث، روانی بیان، پیشکش، سچائی، مکان و زمان کی فطرت، ماحول اور اس کے متعلقات۔ قصے کا ہر کلمہ، ہر حرکت، ہر کشمکش اپنی جگہ پر ہے، اس سے ایک نقطہ برابر ادھر ادھر ہٹی ہوئی نہیں ہے، ہر آنے والا واقعہ توقع اور انتظار کے مطابق آتا ہے، اسی طرح پیش کیا جاتا ہے جس طرح کہ اس کا حق تھا۔ نہ اس پر زیادہ سایہ ہے نہ وافر روشنی ہے۔ شخصیات میں بھی یہی فنی و ادبی امور ملحوظ رکھے گئے ہیں جیسا کہ ہم نے اوپر واضح کر دیا ہے۔

حتیٰ کہ قصے میں جنس کے لمحے اور مواقف بھی اپنا پورا پورا مناسب مقام پاتے ہیں، انہیں ایسے انداز میں پیش کیا گیا ہے جو کہ انسان کے لائق انداز ہے، اس میں کوئی فریب، نقص، واقعیت کی تحریف اور انسانیت سے ہٹی ہوئی بات نہیں ہے، اور پھر ان کا مقام پورے قصے میں وہی ہے جو کہ فطرتاً انہیں حاصل ہے۔ بشریت اپنی اصلی، صحیح اور واقعی صورت میں ہمارے سامنے موجود ہے۔ جاہلیت جس طرح شخصیتوں اور ان کی بشریت پر مکر و فریب اور ریاء کے پردے ڈالتی ہے، وہ چیز یہاں ہرگز نہیں ہے۔ جاہلیت فنی سچائی کے نام پر انسانیت کو مسخ کر کے پیش کرتی ہے۔ اور جنس کو ہی انسانیت کا محور و مرکز بنا لیتی ہے اس کے برخلاف اس قصے کے بیان میں ایسا ہرگز نہیں ہے۔ اس قصے نے انسانیت کو جنس کا غلام بنا کر ایک غلیظ گڑھے میں نہیں پھینکا۔ بلکہ جنس کو وہیں رکھا ہے جہاں اس کا مناسب اور فطری مقام ہے۔ جاہلیت جنس کے گندے جوہڑ کے ارد گرد شیطانی پھول کھلا کر اسے خوشنما بنا کر پیش کرتی ہے، مگر انداز بیان نہایت آوارہ اور غیر ذمہ دارانہ ہوتا ہے۔

وہ اس لیے ایسا نہیں کرتی کہ واقعہ یہی ہے اور نہ اس لیے کہ وہ اس واقعیت کی تصویر کشی میں مخلص ہے بلکہ وہ اس لیے ایسا کرتی ہے کہ صہیونی پروٹوکول ایسا چاہتے ہیں، وہ انسان کو حیوانیت کے علاوہ ... سے محروم کرنے کا داعیہ رکھتے ہیں، مقصد یہ ہے کہ یہود پر یہ الزام نہ رکھا جائے کہ وہ ہر خیر، مادی قدر و قیمت اور شعار سے معرا و مبرا ہیں۔ اور جاہلیت یہ چاہتی ہے کہ ساری انسانیت گندے جوہڑ کے کیچڑ میں گر جائے اور پھر وہ صہیونیت کے ہر مقصد کو پورا کر سکے۔ انسانیت کی ہر طاقت، ہر اخلاق، ہر شرافت اور ہر انسانی قدر زائل ہو جائے تاکہ بشریت تباہ ہو جائے اور صہیونیت کی طاقت اور بادشاہت کے آگے گھٹنے ٹیک دے۔ صہیونیت اس مقصد کے لیے شر کا ہر طریقہ استعمال کرتی ہے، وہ سائنٹفک مذاہب کا پروپیگنڈا کرتی ہے۔ اور ان کا مقصد بھی یہی ہے جو اوپر مذکور ہوا۔ ڈارون کا نظریۂ ارتقاء ہو یا فرائڈ کی جنسیت و حیوانیت، مارکیست ہو یا سائنٹفک سوشلزم، یہ سب دراصل ملعون صہیونیت کے ہتھیار ہیں جن سے وہ دنیا کو فتح کرنا چاہتی ہے۔

Marfat.com

قصۂ یوسفؑ کی تاریخی حیثیت

یہ قصہ اس دور کے مصری معاشرے کی صحیح تصویر پیش کرتا ہے، اوپر ہم نے بعض واقعات اور شخصیات پر مختصر گفتگو کی ہے۔ قصہ بیان کردہ واقعات اور شخصیات کی تصویر کشی کے علاوہ بھی بہت کچھ بتاتا ہے۔ جہاں تک حاکم خاندان کا تعلق ہے وہ فرعونوں کا نہ تھا جن کا تعلق مصری باشندوں کے ایک خاندان سے تھا، بلکہ اس وقت کے حاکم رعاۃ (چرواہے بادشاہ) تھے، جن کے قریب ابراہیم و اسماعیل اور اسحاق و یعقوب علیہم السلام کی رہائش تھی۔ ان حاکم خاندان کے افراد نے ان حضرات سے اللہ کے دین کے بارے میں کچھ نہ کچھ سن کر یاد رکھا تھا۔ اس زمانے کا بادشاہ قرآنی بیان کے مطابق اَلْمَلِکُ کہلاتا تھا، جبکہ موسیٰ علیہ السلام کے دور کے بادشاہوں کا لقب فرعون تھا۔ اس سے یوسف علیہ السلام کے مصر میں موجود ہونے کی حد بندی کرنا اور وہ زمانہ معلوم کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ یہ دور تیرہویں اور سترہویں خاندان کا درمیانی زمانہ تھا، اور یہ رعاۃ، چرواہوں کا دور تھا۔ جن کو مصری ہکسوس کہتے اور ان کے خلاف نفرت رکھتے تھے، کیونکہ کہا جاتا ہے کہ ہم کی قدیم زبان میں اس کلمے کا معنیٰ ہے خنازیر۔ یا خنازیر کو چرانے والے، اور یہ دور تقریباً ڈیڑھ صدی تک رہا تھا۔

یوسفؑ کی رسالت

یوسف علیہ السلام کی رسالت کا دور یہی تھا، انہوں نے دینِ خالص، اسلام کی دعوت قید خانے سے شروع کی تھی اور بتایا تھا کہ اسلام ان کے آباؤ اجداد ابراہیمؑ، اسحاقؑ اور یعقوبؑ کا دین ہے۔ اس کی دعوت کو انہوں نے صاف، واضح، صریح اور بھرپور انداز میں پیش کیا تھا، انہوں نے کہا تھا:

"میں نے ان لوگوں کا طریقہ ترک کر رکھا ہے جو اللہ پر ایمان نہیں لاتے اور آخرت کے منکر ہیں اور میں نے اپنے باپ دادا ابراہیمؑ، اسحاقؑ اور یعقوبؑ کا طریقہ اختیار کیا ہے، ہمارے لیے روا نہیں کہ ہم اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک بنائیں، یہ ہم پر اور لوگوں پر اللہ کا فضل ہے مگر اکثر لوگ شکر نہیں کرتے۔ اے میرے دو قیدی ساتھیو! کیا متفرق رب بہتر ہیں یا اللہ واحد و قہار بہتر ہے؟ تم اس کے سوا جن کی عبادت کرتے ہو وہ فقط نام ہی ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے رکھ لیے ہیں، اللہ نے اس کی کوئی دلیل نہیں اتاری۔ حکم تو صرف اللہ کا ہے، اس نے حکم دیا کہ اس کے سوا کسی اور کی عبادت مت کرو۔ یہی سیدھا دین ہے، مگر اکثر لوگ نہیں جانتے۔"

یہ اسلام کی کامل و شامل دعوت تھی!

یہ اسلام کی پوری، جامع اور واضح تصویر تھی جسے یوسفؑ نے کھینچا، اور یہی وہ تعلیم ہے جو اللہ تعالیٰ کے سب رسول لے کر آئے تھے، اصولِ عقائد کے لحاظ سے یہی اسلام ہے جو ان اجزاء پر مشتمل ہے: ایمان باللہ

ایمان بالیوم الآخر، اللہ کی توحید اور اس کے ساتھ کسی کو بھی شریک نہ ٹھہرانا اور اللہ تعالیٰ کی معرفت اس کی صفات کے ساتھ مثلاً: واحد، قہار ہونا اور اس کے سوا کسی اور کے لیے حقیقت اور تسلط و قانون کا اختیار نہ ہونا اور ان ارباب کی نفی کرنا جو بندوں کی گردنوں پر مسلط ہو جاتے ہیں اور اللہ وحدہ کے لیے ہی اقتدار و حکم کا اعلان کرنا، اور اس کا یہ حکم کہ اس کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کی جائے اور اقتدار و حکم اور ربوبیت کے بارے میں بھی یہ سمجھنا کہ اگر غیر اللہ کے لیے مانے جائیں تو یہ لوگوں کو غیر کا بندہ بنانا ہے۔ اور یہی اللہ وحدہ کی عبادت کے خلاف ہے، اور عبادت کے معنی کی یہ حد بندی کرنا کہ اس سے مراد کسی کے تسلط و حکم اور اس کی ربوبیت کو تسلیم کرنا ہے۔ اور دینِ قیم کی تعریف یہی ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو عبادت کے ساتھ خاص اور منفرد مانا جائے اور یہ دونوں باتیں مترادف و متلازم ہیں: "حکم صرف اللہ کا ہے، اس نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرو، یہی دینِ قیم ہے"۔ بس یہ عقائد اسلام کی واضح ترین اور کامل ترین صورت ہے۔

حصولِ اقتدار کے بعد تبلیغ دین کرنا

یہ بات تو واضح ہے کہ یوسف علیہ السلام نے جب معاملات کی باگ ڈور سنبھالی تو اس کامل و مکمل صورت میں اسلام کی دعوت جاری رکھی۔ اور ضروری ہے کہ ان کے ہاتھوں پر مصر میں اسلام پھیلا ہو گا کیونکہ وہ صرف لوگوں میں فیصلے کرنے کا اختیار نہ رکھتے تھے بلکہ لوگوں کی روزی کے خزانوں پر بھی انہیں اقتدار حاصل تھا، اور یوسفؑ نے اپنے علم و تدبیر کے ساتھ غلے کے خزانے جمع کر رکھے تھے اور اردگرد کے وفد غلہ لینے اور قوت لا یموت کے حصول کی خاطر مصر میں آتے تھے۔ لہٰذا لازم ہے کہ اسلام مصر کے اردگرد بھی پھیل گیا ہو گا۔ دیگر قافلوں کے علاوہ ہم دیکھتے ہیں کہ برادرانِ یوسفؑ اردن کے ملحقہ علاقے کنعان سے غلہ حاصل کرنے کے لیے مصر گئے تھے۔ کیونکہ قحط نے مصر کے علاوہ اس کے ماحول کو بھی اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔

اسلامی عقیدے کی نشر و اشاعت

چرواہے بادشاہ بعض اسلامی عقائد رکھتے تھے اور مصری سوسائٹی میں ان عقائد کے کچھ اثرات قصہ یوسفؑ میں پائے جاتے ہیں، مثلاً یوسفؑ کو دیکھ کر مصری عورتوں کا یہ قول کہ:

"پس جب انہوں نے اسے دیکھا تو اس کی عظمت بیان کی اور کہا: واللہ یہ انسان نہیں ہے، یہ تو ایک بزرگ فرشتہ ہے۔"

اسی طرح اسلامی عقیدے کی ایک جھلک عزیز مصر کے اس قول میں بھی موجود ہے جو اس نے اپنی بیوی سے کہا تھا کہ:

"اے یوسفؑ! تو اس سے درگزر کر اور اے عورت! تو اپنے گناہ سے استغفار کر کیونکہ بلاشبہ تو ہی خطاکار ہے۔"

Marfat.com

پس ان دونوں آیات میں سے پہلی میں کسی نیک پاک انسان کو بزرگ فرشتہ کہنا اور دوسری میں عزیز مصر کا اپنی بیوی کی خطا کاری پر اسے استغفار کی تلقین کرنا، یہ اسلامی عقائد کے ہی اثرات ہیں، اور قصۂ یوسفؑ سے اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ یوسفؑ اپنی رسالت کی نشر و اشاعت اور اسلامی عقائد کو پھیلانے میں بہت مستعد رہا ہوگا، اس کا ثبوت ہمیں عزیز مصر کی بیوی کے اس قول سے ملتا ہے جو شاہی تفتیش کے موقع پر اس نے بادشاہ کے سامنے ظاہر کیا تھا کہ :

"عزیز مصر کی بیوی نے کہا کہ اب حق واضح ہو گیا ہے (بات چھپائے نہیں چھپ سکتی) میں نے اس کو ورغلایا اور پھسلایا تھا اور وہ یقیناً سچا ہے۔ یہ اس لیے کہتی ہوں کہ اسے علم ہو جائے کہ میں نے پیٹھ پیچھے اس سے خیانت نہیں کی (گو سامنے گنہ گار رہی اور میرے ہی باعث وہ مبتلائے مصیبت رہا) اور یہ کہ اللہ خیانت کاروں کے مکر و فریب کو کامیاب نہیں کرتا، اور میں اپنے آپ کو بری نہیں کرتی، یقیناً نفس تو بدی کا حکم دینے والا ہے، مگر جب میرا رب رحم کرے، بلاشبہ میرا رب غفور ہے رحیم"

اس بیان سے معلوم ہوا کہ یہ اسلامی تصورات و عقائد مصر میں اب پھیل چکے تھے اور بدی کی اتنی شدید جدوجہد کے بعد اب وہ عورت بھی ان آیات کی رو سے انہی عقائد کا اظہار کر رہی تھی! اور اب یہ ثابت ہو گیا کہ توحید کا دین یوسفؑ نے مسندِ اقتدار پر جاگزیں ہونے سے قبل ہی کچھ نہ کچھ مصر میں معروف تھا، تو اس کے اقتدار میں آنے کے بعد تو لازماً وہ مصر میں مزید پھیلا ہوگا۔ اور اس کا ایک ثبوت یعقوبؑ اور ان کے خانوادۂ نبوت و رسالت کی مصر میں بڑی شاندار پذیرائی سے بھی ملتا ہے۔ اور تورات کی کتاب پیدائش نے اس تاریخی واقعہ کی بعض تفاصیل بیان کی ہیں، جن سے پتہ چلتا ہے کہ مصر میں یعقوبؑ اور ان کے گھرانے کا شاندار استقبال ہوا تھا۔ اور استقبال کرنے والوں میں خود شاہِ مصر اور اس کے امراء و وزراء بھی تھے! اور پھر مصر کے علاقۂ جشن یا جوشن یا گشن میں ان کو بڑی عزت و احترام کے ساتھ بسایا گیا اور ان کی حیثیت شاہی خاندان جیسی ہو گئی تھی!۔

انقلاب حکومت اور نئی حکومت کی پالیسی

رُعاۃ (چرواہے بادشاہ، باہر سے آکر مصر پر حکمران بنے تھے) عہد یوسفؑ کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ مصر میں کوئی شدید قسم کی قومی و مقامی تحریک اٹھی اور فرعونوں نے رُعاۃ سے اقتدار چھین لیا (اور یہ رُعاۃ کے ۱۸ ویں خاندان کی حکومت کا دور تھا) تو فرعونوں نے عقیدۂ توحید کا مقابلہ اور اس کا رد شروع کر دیا، یہ عقیدہ اس وقت یعقوب علیہ السلام کی اولاد میں مختص تھا، جو مصر میں بہت کثرت سے پھیل چکی تھی، فرعونوں نے بت پرستی کے مذہب کو واپس لانے کی پوری جدوجہد کی، اور فرعونیت کی بنیاد یہی مصری بت پرستی اور اس کے مقامی دیوتا اور جعلی معبود تھے، پس نئی حکومت کی پالیسی یہ ٹھہری کہ بنی اسرائیل کو ظلم و تشدد کا نشانہ بنایا جائے۔

Marfat.com

دورِ فراعنہ میں بنی اسرائیل کی مظلومی و بے بسی

پس قرآن نے موسیٰ علیہ السلام کے دور کے واقعات میں مصر کے اندر بنی اسرائیل کی جو مظلومانہ حالت بیان کی ہے اس کا اصل سبب یہی تھا ایک طرف تو بنی اسرائیل کا عقیدۂ توحید و رسالت فرعونوں کی نئی حکومت کے یکسر خلاف تھا اور دوسری طرف اس کا ایک سیاسی سبب بھی تھا جس کے باعث فرعونی سلسلۂ حکومت انہیں برداشت نہ کرتا تھا۔ وہ یہ کہ چرواہے بادشاہ خود باہر سے آئے تھے اور انہوں نے کنعان سے آنے والے یعقوبؑ کے گھرانے کو بہت پذیرائی دی تھی اور بنی اسرائیل کی مصر میں بہت تعداد اور طاقت ہو چکی تھی، جسے توڑے بغیر فرعون اپنی سلطنت کو خطرے میں پاتے تھے، جب مصری فرعونوں نے ایک قومی و ملکی تحریک کے ذریعے سے چرواہے بادشاہوں کو مصر سے بے دخل کیا، ان کے حلفاء اور منظورِ نظر بنی اسرائیل کو بھی مسلسل ظلم و تشدد کا نشانہ بنایا، اور ان کی طاقت کو توڑنے کے لیے ہر ناجائز حربہ اختیار کیا، ہمارے خیال میں اس کا سب سے بڑا سبب مذہب اور عقیدے کا اختلاف تھا، بنی اسرائیل کا دین و مذہب اسلام اور توحید تھا، جب کہ فرعونیوں کا دین بت پرستی اور دیوتاؤں کے ایک عظیم سلسلے کی عبادت تھا فرعونوں کی حکومت کی بنیاد جس عقیدہ وثنیت پر تھی، بنی اسرائیل کا عقیدۂ توحید اس کے بالکل خلاف تھا۔ توحید کا عقیدہ اس جڑ بنیاد کو بھی مٹا دیتا ہے جس پر جاہلیت اور غیر اللہ کی پوجا کا مذہب قائم ہوتا ہے۔

سورۂ غافر کی گواہی

یہ جو کچھ ہم نے کہا اس کی تصدیق اس اشارے سے ہوتی ہے، جو فرعون کے دربار میں مومنِ آلِ فرعون کی تقریر میں پایا جاتا ہے۔ اس نے فرعونِ وقت کے بھرے دربار میں اسلامی عقیدے کے دفاع میں اور موسیٰؑ کی حمایت میں فرعون کے اس ارادے کا رد کیا تھا کہ موسیٰؑ کو قتل کر دیا جائے کیونکہ اس کا وجود ملک و قوم اور سلطنت کے لیے ایک عظیم خطرہ ہے:

"اور فرعون نے کہا مجھے موسیٰؑ کو قتل کرنے دو اور وہ اپنے رب کو پکار لے۔ مجھے خوف ہے کہ وہ تمہارے دین کو بدل دے گا یا زمین میں فساد برپا کر دے گا، اور موسیٰؑ نے کہا کہ میں نے پناہ لی اپنے رب سے اور تمہارے رب سے ہر اس متکبر سے جو حساب کے دن پر ایمان نہیں لاتا، اور ایک مردِ مومن نے کہا آلِ فرعون میں سے جو اپنا ایمان چھپاتا تھا: کیا تم ایک مرد کو قتل کرو گے جو کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے؟ اور وہ آیا ہے تمہارے پاس معجزے لے کر تمہارے رب کی طرف سے اور اگر وہ جھوٹا ہوا تو اس کا جھوٹ اسی پر ہے اور اگر وہ سچا ہوا تو تمہیں بعض وہ وعدے پہنچ جائیں گے جو وہ تم سے کرتا ہے۔ بیشک اللہ ہدایت نہیں دیتا اس کو جو حد سے گزرنے والا بہت جھوٹا ہو۔ اے میری قوم! تمہارے لیے ہے بادشاہت آج کل، درانحالیکہ تم اس سرزمین میں غالب ہو۔ سو کون ہماری مدد کرے گا

Marfat.com

اللہ کے عذاب سے اگر وہ ہمارے پاس آگیا۔ فرعون نے کہا کہ میں تو تمہیں وہی بتاتا ہوں جو میری رائے ہے اور میں تمہیں بھلائی کی طرف ہی راہنمائی کرتا ہوں۔ اور اس مومن نے کہا: اے میری قوم! میں تم پر ڈرتا ہوں لشکروں کے دن جیسے عذاب سے۔ یعنی قوم نوح جیسے حال سے اور عاد و ثمود اور ان کے بعد والوں کے حالات سے اور اللہ بندوں کے لئے ظلم نہیں چاہتا اور اے میری قوم! مجھے تم پر پکار کے دن کا خوف ہے جس دن کہ تم پشت پھیر کر چلے جاؤ گے تمہیں اللہ سے بچانے والا کوئی نہ ہو گا۔ اور جس کو اللہ گمراہ کرے اسے ہدایت دینے والا کوئی نہیں، اور اس سے پہلے تمہارے پاس یوسفؑ آیا تھا دلائل کے ساتھ تو تم ہمیشہ اس کے لائے ہوئے سے شک میں رہے، حتیٰ کہ جب وہ مرگیا تو تم نے کہا کہ اللہ اس کے بعد کوئی اور رسول نہ بھیجے گا۔ اسی طرح گمراہ کرتا ہے اللہ اس کو جو حد سے گزرنے والا ہو، شک کرنے والا ہو۔ جو اللہ کی آیات میں بلا کسی آنے والی دلیل کے جھگڑتے ہیں۔ یہ اللہ کے ہاں بڑی ناراضگی کا باعث ہے۔ اور ایمان والوں کے نزدیک بھی۔ اسی طرح اللہ مہر لگاتا ہے ہر متکبر جبار کے دل پر۔ (سورۃ المومن یا غافر)

اصل جنگ کے فریقین کون تھے؟

ان آیات سے معلوم ہوا کہ حقیقی مقابلہ عقیدۂ توحید اور فرعونیت میں تھا، عقیدۂ توحید اللہ وحدہٗ کو ربوبیت و عبادت کے ساتھ خاص کرنا ہے، یعنی یہ کہ دینونت، خضوع اور اتباع صرف اسی کی حاکمیت کے آگے ہے، اور فرعونیت یہ کہتی تھی کہ عقیدۂ توحید کوئی چیز نہیں، اور اس کا قیام وثنیت پر تھا، اس کا قیام بت پرستی کے سوا کسی اور چیز پر ہو سکتا ہی نہ تھا (کیونکہ اس پر فرعون کی حاکمیت و ربوبیت والوہیت قائم ہوتی تھی۔ یہ بنیاد نہ رہتی تو فرعونیت ختم تھی) اور شاید وہ بگڑی ہوئی، ناقص توحید جو اخناتون کی طرف منسوب ہے، وہ یوسف علیہ السلام کی پھیلائی ہوئی توحید کا ہی بقیہ تھی۔ اس اصلی توحید کے کچھ مضطرب آثار باقی رہ گئے تھے اور بعد کے کچھ مذاہب پر گفتگو کرنے والوں نے اسی کو موضوع سخن بنا کر کہہ دیا کہ یہ توحید شرک و کفر سے برآمد ہوئی تھی۔ اور ہمارے اس قول کی دلیل یہ بھی ہے کہ کہا جاتا ہے:

اخناتون کی ماں آسیوی تھی اور فرعونی نہ تھی!

یوسفؑ کے تاریخی دور پر بیرونی غیر مصری اثرات

جب ہم تاریخ کے اس زمانے پر غور کرتے ہیں جس میں یہ واقعات پیش آرہے تھے تو صاف نظر آتا ہے کہ اس زمانے کے آثار و واقعات پر مصری چھاپ نہیں بلکہ بیرونی دنیا بھر کی، اس زمانے کی مجموعی، خوابوں اور نبوتوں کی چھاپ ہے، اور نبوت کسی ایک سرزمین کا ورثہ نہیں ہوتی نہ کسی معین قوم میں محدود ہوتی ہے ہم اس واضح چیز کو یوسفؑ کے خواب، اس کی تعبیر اور آخرکار اس کے نتیجے میں ظاہر و باہر دیکھ سکتے ہیں۔ اور اسی طرح دو قیدی نوجوانوں کا خواب اور آخر میں بادشاہ کا خواب، ان سب کا دیکھنے والوں اور سننے

Marfat.com

والوں کی طرف سے بڑا اہتمام کیا گیا۔ اور ان سے اس سارے زمانے کی چھاپ نظر آتی ہے۔ کہ اس دور کے خیالات و افکار کیا تھے۔

قصے کے فنی اور انسانی عناصر

اجمالی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ اس قصے میں بہت سے فنی عناصر اور اسی طرح انسانی عناصر پائے جاتے ہیں۔ اس میں تاثر اور حرکت وافر ہے اور طریقہ ادا ان عناصر کو واضح طور پر ظاہر کرتا ہے۔ قرآنی منوثر انداز بیان اور خصائص تعبیر اس پر مستزاد ہیں۔ قرآنی سیاق جس ماحول کو بھی پیش کرتا ہے اسی قسم کا مناسب انداز موسیقی اختیار کرتا ہے۔ انسانی عناصر میں سے حُبّ پدری کا ظہور اس قصے میں کتنی صورتوں اور کتنی درجات میں ہوتا ہے۔ یعقوبؑ کی محبت یوسفؑ اور بنیامین کیلئے اور اپنے دوسرے بیٹوں کے لیے حُبّ پدری اور اس کے مختلف درجات کی ایک واضح مثال ہے۔ حُبّ پدری کے آثار و نتائج قصے کے اوّل سے آخر تک ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ انسانی عناصر میں سے ایک عنصر حسد اور غیرت کا ہے جو مختلف ماؤں کے پیدا ہونے والے بیٹوں کے درمیان پایا جاتا ہے۔ اور اس کے درجات شفقت و محبت پدری کے ساتھ ساتھ مختلف رنگ اور مختلف درجات اختیار کرتے ہیں۔ اسی طرح بھائیوں کے قلوب میں بھی حسد و عداوت کے مختلف درجات ہیں۔ کوئی تو یوسفؑ کے قتل کی رائے دیتا ہے اور کوئی اس کے خلاف محض ایک ویران کنوئیں میں پھینکنے کی۔ پھر مکر و فریب کے عناصر کا بھی اسی واقعہ میں کافی تفاوت و اختلاف ہے، مثلاً بھائیوں کا مکر یوسفؑ کے ساتھ اور عزیز کی بیوی کا مکر جو اس نے یوسفؑ اور اپنے خاوند اور زنانِ مصر کے ساتھ کیا۔ اسی طرح زنانِ مصر کا مکر اور عشوہ طرازی انسانی عناصر میں سے شہوت کا عنصر بھی اس سورت میں کم و بیش دکھائی دیتا ہے۔ ایک طرف سے اصرار ہے دوسری طرف سے انکار ہے اور پھر زنانِ مصر کی طرف سے عشق و محبت کا اظہار ہے۔ یہ شہوت کے مختلف درجات ہیں۔ انسانی عناصر میں ایک ندامت کا عنصر ہے، جس کا مورد ایک طرف برادران یوسفؑ ہیں اور دوسری طرف امراۃ العزیز ہے اور ان سب کی ندامت و پشیمانی کا اپنا اپنا درجہ اور اپنا اپنا رنگ ہے۔

علاوہ ازیں جاہلی مصری معاشرے کے اثرات کا رنگ سوسائٹی کے اعلیٰ طبقات میں درجہ بدرجہ نظر آتا ہے۔ مثلاً امراۃ العزیز میں، عزیز مصر میں، زنانِ مصر میں، عزیز مصر کے اندرونِ خانہ میں اور کنعانی سوسائٹی میں۔

قصے کی ابتداء، وسط اور انتہاء

قصہ ایک خواب سے شروع ہوتا ہے۔ یعقوبؑ اپنے بیٹے سے اس کے خواب پر کہتا ہے کہ اس کی عظیم شان ہوگی اور نصیحت کرتا ہے کہ بھائیوں کے سامنے اسے بیان نہ کرے، ورنہ وہ اس کے خلاف سازش کریں گے لیکن بھائی اس کے بغیر بھی عظیم سازش کرتے ہیں، قصہ جوں جوں آگے چلتا ہے ہم دیکھتے ہیں کہ وہ یعقوبؑ کی بیان کردہ تعبیر کے مطابق آگے بڑھ رہا ہے، حتیٰ کہ جب قصہ انتہاء کو پہنچتا ہے تو اس کی اصلی تعبیر سامنے آجاتی ہے، اور وہ

Marfat.com

یعقوبؑ کے بیان کے عین مطابق نکلتی ہے۔ بائبل کے لکھنے والوں نے تو اسے ایک افسانہ بنا کر پیش کیا ہے مگر قرآن اسے ایک عبرت، انقلابی واقعہ اور انسانی بلندی اور پستی کے نصیحت آموز واقعہ کی طرح پیش کرتا ہے اور آج کل جس چیز کو فنی تجسس کہا جاتا ہے، وہ قصے کو اول سے آخر تک گھیرے رہتا ہے۔ جب تک خواب کی عملی تعبیر، تاویل، سامنے نہیں آجاتی، اس وقت تک اس قصے پر تجسس کا اندھیرا محیط رہتا ہے۔ یہ گرہ آخر میں کھلتی ہے، جب کہ سورج چاند اور گیارہ ستارے یوسفؑ کی عظمت کے آگے سجدہ ریز ہو جاتے ہیں، اور یہ قصہ مختلف حلقوں میں تقسیم ہے، ہر حلقہ کئی مناظر و مشاہد پر مشتمل ہے۔ قرآنی سیاق ہر دو حلقوں کے درمیان کچھ فاصلے چھوڑ دیتا ہے، جسے قاری کا ذہن و ذہانت پُر کر لیتی ہے اور یہ بھی اس قصے کا ایک فنی کمال ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ان فاصلوں میں تشویق و انتظار بھی ہوتا ہے جو ادبیت کی جان ہے۔

تحریک اسلامی میں قصے کی عبرت اور قدر و قیمت

یہ قصہ اسلامی تحریک کے بعض مراحل میں اس کی حاجات کو پورا کرتا ہے، مثلاً ہم اوپر اشارہ کر چکے ہیں کہ اس قصے کا نزول جن حالات میں ہوا نفاذہ مکہ میں اسلامی تحریک کے مشکل اور تنگ حالات تھے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے قلیل مومن ساتھیوں سمیت مشکل احوال میں سے گزر رہے تھے، اس وقت اللہ تعالیٰ نے نبی الرم صلی اللہ علیہ وسلم کو آپؐ کے ایک بزرگ بھائی یوسف علیہ السلام کا واقعہ سنایا کہ وہ کس طرح مشکلات و مصائب میں سے گزرا اور پھر آہستہ آہستہ تختِ حکومت تک پہنچا تھا، یہ اس وقت میں اسلامی تحریک کی راہنمائی کا ایک طریقہ تھا جو تحفہ کہ شدید مشکلات و مصائب سے پُر تھا، اس سے پتہ چلتا ہے کہ قرآن اس تحریک و دعوت کو کس طرح زادِ سفر مہیا کرتا ہے اور راستہ طے کرنے والوں کو کس طرح صبر و ہمت اور حوصلہ دلاتا ہے اس سورت کے اشارات و واقعات اور اس میں بیان کردہ یوسف علیہ السلام کے قصے کے اجمال و تفصیل سے پتہ چلتا ہے کہ اسلامی عقیدہ ہر زمانے اور ہر دور میں ایک ہی رہا ہے، ہر نبی و رسول نے اسی عقیدے کو پیش کیا ہے۔ اور اس کی کامیابی کے لیے جدوجہد کی ہے۔ یہ عقیدہ اللہ سبحانہ کی توحیدِ کامل ہے اور آخرت کا واضح عقیدہ ہے جو اسلامی عقیدے کا ایک عظیم جزء ہے۔ انسان کے لیے صرف ایک رب و الٰہ ہے جس کی دینونت و عبادت انسان پر فرض ہے اور اس کے بغیر وہ اپنے مقصدِ وجود اور مقصدِ تخلیق کو پورا نہیں کر سکتا، اور جب ایسا ہے تو خائب و خاسر ہو کر آخرت کے عذاب اور دنیا کی ناکامی کا شکار ہوتا ہے۔ اس سے جدید دور کے مضمون "تقابلِ ادیان" کے راستے کی جڑ کٹ جاتی ہے جو اس بات پر زور دیتا ہے کہ انسانیت نے توحید و آخرت کا عقیدہ بہت ہی دیر میں اختیار کیا ہے اور ابتدا سے انسان مشرک و کافر رہا ہے اور توحید و آخرت کے عقیدے تک پہنچنے میں انسان کو شرک کے کئی مراحل سے گزرنا پڑا ہے، وہ ہمیشہ دو یا اس سے زیادہ خداؤں کا قائل رہا ہے۔ جس طرح انسان نے علوم و صنعت میں ترقی کی ہے۔ اسی طرح عقیدے کی معرفت میں بھی ترقی کی ہے۔ اس سے چالاک لوگ یہ ثابت کرتے ہیں کہ جس طرح علوم و صناعات انسانی کوشش کا نتیجہ ہیں، اسی طرح دین و مذاہب بھی انسانی بناوٹ ہے اور ان میں وحیِ الٰہی وغیرہ کا کوئی دخل نہیں ہے۔ اسی طرح اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ تمام انبیاء و رسل نے جو عقیدۂ توحید پیش کیا ہے وہ صرف توحیدِ الوہیت نہیں ہے

Marfat.com

بلکہ اس کے ساتھ ساتھ توحید ربوبیت بھی ہے۔ انسانوں کے تمام معاملات میں فیصلہ کن چیز فقط رب کائنات کا حکم ہے۔ اور یہ دراصل اس عقیدے کا لازمی نتیجہ ہے کہ عبادت فقط اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ کی ہے، عبادت کا مطلب اس قضیئے میں فقط چند مراسم عبادت نہیں بلکہ اس کا مطلب بڑا وسیع ہے جو پوری انسانی زندگی کو محیط ہے۔ حکم من جانب اللہ ہے اور دینونت واتباع وعبادت انسان کی طرف سے ہے۔ یعنی حکم صرف اللہ وحدہٗ کا ہے اور انسان کا فرض ہے کہ اسی کی عبادت وعبودیت اور دینونت کو اختیار کرے۔

جب لوگ اپنی زندگی کے احوال اور مختلف شعبوں میں غیر اللہ کی عبادت واتباع کریں گے تو وہ اس شعبے میں مشرک ہوں گے۔ توحید الوہیت کا تقاضا توحید ربوبیت ہے حکم اللہ کا ہے اور عبادت اُسی کی ہے یہ دونوں باتیں مترادف اور ہم معنیٰ ہیں۔ جس عبادت سے کسی کے مسلم یا غیر مسلم ہونے کا فیصلہ ہوتا ہے اس سے مراد خضوع واتباع ہے کہ آیا وہ اللہ کے لیے ہے یا غیر اللہ کے لیے؟ اگر یہ اللہ کے لیے ہے تو اسے دین قیم کہا جائے گا۔ اور غیر اللہ کے لیے ہے تو یہ شرک وکفر ہے۔ پس یہ عقیدہ ضروریات دین میں سے ہے۔ جو زندگی کے کسی معاملے میں غیر اللہ کا مطیع ہوا اور اس نے غیر اللہ کو کسی معاملے میں حاکم ٹھہرایا، وہ اس معاملے میں مشرک ہوا، وہ مومن ومسلم نہیں ہے، بلکہ مشرک وکافر ہے۔

خالص ایمان کی ایک عملی مثال

اس قصے کی رُو سے ایمانِ خالص ومتجرد کی مثال فقط وہ ہے جو یعقوبؑ ویوسفؑ کے دل میں جلوہ گر تھا۔ یوسف علیہ السلام کے بارے میں تو اُوپر بتایا جا چکا ہے کہ یہ حقیقت اس کی دعا سے ثابت ہوتی ہے جو اس نے یوں مانگی تھی:

> "اے میرے رب! تو نے حکومت دی اور تعبیر خواب کا علم سکھایا، اے آسمانوں اور اور زمین کے مُوجد! تو ہی دنیا وآخرت میں میرا کارساز ہے، مجھے اس حالت میں اٹھا کر میں مسلم ہوں اور مجھ کو نیکوں کے ساتھ ملادے۔"

مگر اس کا ثبوت فقط یہ آخری موقف ہی نہ تھا، بلکہ وہ اس قصے میں از اوّل تا آخر اپنے پروردگار کے ساتھ واصل نظر آتا ہے، اللہ سبحانہٗ کو اپنے قریب اور دعائیں سننے والا جانتا ہے۔ جب اسے اشتعال دلایا گیا اور برائی کی ترغیب کا فتنہ اس پر مسلط تھا تو اس نے کہا:

> "اللہ کی پناہ، بلاشبہ وہ رب ہے جس نے مجھ کو بہت اچھا ٹھکانہ دیا۔ بلاشبہ ظالم فلاح نہیں پاتے۔"

اور اس کے بعد ایک اور موقع پر اس نے اپنی جان کی عاجزی کو اللہ تعالیٰ کے حضور میں پیش کیا، اور کہا:

> "اے میرے مالک! جس بات کی طرف یہ عورتیں مجھے بلاتی ہیں اس سے تو مجھ کو قید خانہ محبوب تر ہے۔ اور اگر تو مجھ سے ان کے مکر و فریب کو نہ ہٹائے گا تو ہو سکتا ہے میں

Marfat.com

ان کی خواہش میں مبتلا ہو جاؤں اور جاہلوں میں سے ہو جاؤں۔"

یہ اس کی خداوند تعالیٰ کے حضور میں عاجزی تھی جس کا اس نے اظہار کیا، ورنہ وہ پیغمبر معصوم تھا اور اس کا اس فعلِ بد میں مبتلا ہو جانا ممکن نہ تھا۔ مگر حالات کی سنگینی نے اس سے یہ کہلوایا تھا۔

اور جب اس نے اپنے بھائیوں سے اپنا تعارف کرایا اس وقت بھی اس نے اللہ کے فضل و کرم اور نعمت کا برملا اظہار کیا:

"انہوں نے کہا کہ کیا تو ہی یوسفؑ ہے؟ اس نے کہا کہ ہاں! میں یوسفؑ ہوں اور یہ میرا بھائی ہے۔ اللہ نے ہم پر احسان کیا ہے۔ بلاشبہ جو تقویٰ اور صبر اختیار کرے تو اللہ نیکوکاروں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔"

ان تمام مواقف کے اشارات مکہ کی اسلامی تحریک کی ضرورت سے آگے گزر کر ہر زمان و مکان کی ضرورت کے لیے کافی ہیں۔

یعقوب علیہ السلام کا موقف

یعقوب علیہ السلام کے قلبِ مطہر میں حقیقتِ ربانیہ اپنے پورے لطف و کرم اور اُنس کے ساتھ جلوہ گر ہوئی۔ جوں جوں امتحان طویل اور شدید ہوتا رہا، ان کے دل میں یہ حقیقت توں توں زیادہ صفائی اور تیزی کے ساتھ جاگزیں ہوتی گئی۔ ابتدا میں جب یوسفؑ نے اپنا خواب بیان کیا تو یعقوبؑ نے اپنے ربِ کریم کا ذکر و شکر ادا کیا اور کہا:

"اور اسی طرح تیرا رب تجھے چن لے گا اور تجھ کو خوابوں کی تعبیر سکھائے گا۔ اور اپنی نعمت کو تجھ پہ تمام کرے گا، جس طرح کہ اس نے اس سے پہلے تیرے دادا و پردادا ابراہیمؑ و اسحاقؑ پر کی تھی۔ بلاشبہ تیرا رب بہت عالم اور بہت دانا ہے۔"

اور جب یوسف علیہ السلام کا پہلا صدمہ پہنچا تو وہ اپنے رب کی طرف متوجہ ہوا، اور اسی سے مدد طلب کی:

"اس نے کہا بلکہ تمہارے نفوس نے ایک امر کو تمہارے لیے بطورِ سازش پسند کر لیا ہے پس صبر ہی اچھا ہے، اور جو کچھ تم کہتے ہو میں اس پر اللہ ہی سے مدد طلب کرتا ہوں۔"

اور جب وہ شفقتِ پدری کے باعث اپنے بیٹوں کو وصیت کر رہا تھا کہ ایک ہی دروازے سے مصر میں داخل نہ ہوں، بلکہ مختلف دروازوں سے جائیں۔ اس تدبیر کے ساتھ ساتھ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ یہ محض ایک تدبیر ہے جو اللہ کے حکم کو ٹال نہیں سکتی، اور نافذ ہونے والا حکم محض خدائے وحدہٗ لاشریک لہٗ کا ہے۔ یہ محض ایک دلی خواہش ہے جو اللہ کے فیصلے کو بدل نہیں سکتی:

"اور اس نے کہا اے میرے بیٹو! ایک ہی دروازے سے اندر مت جانا، بلکہ متفرق دروازوں سے داخل ہونا۔ اور میں اللہ کے سامنے تمہارے کسی کام نہیں آسکتا، فیصلہ صرف اللہ کا ہے، اسی پر میں نے بھروسہ کیا اور توکل کرنے والوں کو اسی پر بھروسہ کرنا چاہیے۔"

اور جب اسے غم والم، ضعف اور بڑھاپے میں دوسرا صدمہ آیا تو بھی اللہ کی رحمت سے مایوسی ایک لمحے کے لیے بھی اس کے دل میں داخل نہ ہو سکی:

"اس نے کہا، بلکہ تمہارے لیے تمہارے نفوس نے ایک سازش کی ہے۔ پس صبر ہی اچھا ہے، ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ عنقریب ان سب کو میرے پاس لائے، بلاشبہ وہی علیم و حکیم ہے۔"

ربانی حقیقت کی جلوہ گری انتہا کو پہنچ گئی

حقیقت کی جلوہ گری قلب یعقوبؑ میں اس وقت اپنی انتہا کو پہنچی جب کہ اس کی اولاد نے اس کو یوسفؑ کے غم والم کے باعث، حتیٰ کہ غم کو دبانے کی کوشش میں اس کی آنکھیں بھی سفید ہو گئیں، ملامت کی۔ پھر جب مصر سے کنعانی قافلہ یوسفؑ کا قمیص لے کر چلا اور یعقوبؑ نے کہا کہ مجھے یوسفؑ کی خوشبو آ رہی ہے۔ اس نے بتایا کہ اس کے دل میں حقیقتِ ربانی جلوہ گر ہے اور اسے وہ کچھ معلوم ہے جو انہیں معلوم نہیں، یہی سبب ہے کہ وہ فقط اللہ کی طرف متوجہ ہے، اپنے غم والم اور اضطراب کا شکوہ اسی سے کرتا ہے اور اس کی رحمت اور فضل پر بھروسہ رکھتا ہے؛ اور وہ ان سے منہ پھیر کر تنہا ہو گیا اور کہنے لگا: ہائے افسوس! یوسفؑ! اور غم سے اس کی آنکھیں سفید ہو گئیں اور وہ غم کو پی رہا تھا۔ انہوں نے کہا کہ واللہ تو برابر یوسفؑ کو یاد کرتا رہے گا۔ حتیٰ کہ شدید بیمار ہو جائے یا ہلاکت کا ہی شکار ہو جائے۔ اس نے کہا کہ میں تو اپنے اضطراب اور غم کی شکایت فقط اللہ سے کرتا ہوں اور اللہ کی طرف سے جانتا ہوں جو کچھ تم نہیں جانتے۔ اے میرے بیٹو! جاؤ اور یوسفؑ اور اس کے بھائی کو تلاش کرو اور اللہ کی رحمت سے ناامید مت ہو کیونکہ کافروں کے سوا اللہ کی رحمت سے کوئی بھی مایوس نہیں ہوتا۔"

یوسفؑ کی خوشبو جو آ رہی تھی اللہ تعالیٰ نے اس کو سچ کر دکھایا، جو ربانی حقیقت اس کے دل میں جلوہ گر تھی اس کا کھلا ظہور ہوا:

"اور جب قافلہ مصر سے جدا ہوا تو ان کے باپ نے کہا: میں یقیناً یوسفؑ کی خوشبو پا رہا ہوں اگر تم مجھے نہ جھٹلاؤ۔ انہوں نے کہا کہ واللہ تو اپنے پرانے خیال میں گم ہے۔ پھر جب خوشخبری دینے والا آیا تو اس نے قمیص کو اس کے منہ پر ڈال دیا اور اس کی آنکھیں درست ہو گئیں، اس نے کہا: کیا میں نے تم سے کہا نہ تھا کہ میں اللہ کی طرف سے جانتا ہوں جو کچھ تم نہیں جانتے۔"

یہ حقیقتِ حق کی واضح تجلی کی ایک کھلی صورت ہے۔ جو ہرگز بدگمانِ الٰہی پر جلوہ فگن ہوتی ہے، اور یہ مکہ کی قلیل مسلم جماعت کو شدت کی گھڑی میں راہنمائی اور اطمینان کا سبق دے رہی تھی۔ بلکہ یہ ایک دائمی حقیقت ہے جو ہر جگہ، ہر زمان و مکان میں مسلم جماعت اور اسلامی تحریک کی مناسب راہنمائی کرتی ہے۔

Marfat.com

قصہ یوسف ؑ کے نتائج

اس قصے کا پہلا نتیجہ قریش کی تکذیب ہے، کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وحی الہٰی کے سوا کوئی ذریعہ علم نہیں، آپ پڑھے ہوئے بھی نہیں کہ کہیں سے خود پڑھ لیتے، نہ آپ اس وقت وہاں حاضر تھے جہاں یہ واقعہ پیش آ رہا تھا۔ فرمایا ہے کہ:

"یہ غیب کی خبروں میں سے ہے جن کو ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں۔ آپ ان کے پاس موجود نہ تھے جب کہ وہ اپنے مشورے پر متفق ہوئے اور وہ خفیہ سازش کر رہے تھے۔"

اور اس نتیجے کو اس آیت کے ساتھ ملایا جا سکتا ہے۔ جس میں اللہ تعالیٰ نے اس قصے کو پیش کرتے وقت فرمایا:

"ہم تجھے بہترین واقعہ سناتے ہیں جیسے کہ ہم نے یہ قرآن بذریعہ وحی آپ پر اتارا اگرچہ اس سے پہلے آپ بے خبر تھے۔"

اور یہ پیشکش اور یہ نتیجہ مل کر ان کثیر مؤثرات کی تالیف کرتے ہیں جو اس سورت کے سیاق میں ہیں، تاکہ وہ حقیقت ثابت کی جائے جسے وہ پیش کرتی ہیں۔

دوسرا نتیجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کو تسلی دینا ہے اور یہ بتانا کہ مکذبین کا معاملہ کچھ اتنا زیادہ لائق توجہ نہیں ہے، انہوں نے آیاتِ کونیہ کا انکار کیا ہے۔ حالانکہ وہ فطرتِ سلیمہ کو ایمان کی طرف راہنمائی کرنے میں کافی ہیں۔ اور ایسے لوگوں پر اچانک عذابِ الہٰی کا آجانا بعید نہیں ہے:

"اکثر لوگ تیری حرص کے باوجود مومن نہیں ہیں۔ آپ ان سے اس پر کوئی اجر طلب نہیں کرتے، یہ تو دنیا والوں کے لیے ایک نصیحت ہے، اور زمین و آسمان کی کس قدر آیات ہیں، جن پر یہ گزرتے ہیں اور ان سے منہ پھیرے رہتے ہیں، اور ان میں سے اکثر اللہ پر ایمان نہیں لاتے مگر اس حالت میں کہ وہ مشرک ہوتے ہیں۔ کیا وہ اس بات سے بے خوف ہو گئے ہیں کہ ان پر اللہ کا ڈھانپ لینے والا عذاب آجائے گا، جو اچانک ان کی غفلت کی حالت میں آئے گا۔"

ان آیات میں خاص طور پر یہ آیت ان لوگوں کے لیے بہت مؤثر ہے جو دینِ صحیح پر ایمان لانے کو تیار نہیں ہوتے: وما یؤمن اکثرھم باللہ الا وھم مشرکون ۰ اکثر لوگوں کے برائے نام ایمان کے متعلق یہ ایک بڑی مؤثر تعبیر ہے کہ ایمان بھی لائے تو کیا لائے، مشرک کے مشرک ہی رہے۔

تیسرا نتیجہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ دیگر ہر طریقے سے ممتاز ہے، اور مخاطبین کے ساتھ اسی بنا پر فیصلہ کن بات کی جا رہی ہے:

"کہو یہ میرا راستہ ہے کہ میں علی وجہ البصیرت اور میرے متبعین بھی، اللہ کی طرف دعوت دیتے ہیں اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔"

Marfat.com

عبرتِ قصۂ یوسفؑ

سورۂ یوسفؑ کا اختتام ایک عبرت کے اظہار پر ہوا ہے۔ اس عبرت کا تعلق اس قصے کے ساتھ بھی ہے اور دیگر قرآنی قصوں کے ساتھ بھی۔ اس عبرت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے قلیل ساتھی ایمانداروں کے سامنے پیش کیا گیا ہے۔ اس عبرت کے ساتھ صبر اور ثابت قدمی ہے اور تسلی و اطمینان کی بشارت ہے منکرین اور معاندوں کے لیے اس میں تذکیر و نصیحت اور انذار ہے۔ جبکہ اس میں صدقِ رسولؐ اور صدقِ وحی کے لیے تاکید و تقریر ہے حقیقتِ رسالت و وحی کی توثیق کی گئی ہے اور اس حقیقت کے بارے میں ذہنوں کے اندر جو اوہام اور افسانے بیٹھے ہوئے تھے ان کا رد ہے۔ فرمایا ہے کہ:

"اور تجھ سے پہلے ہم نے جن کو رسول بنا کر بھیجا تھا وہ آبادیوں کے مرد ہی تھے جن پر ہم وحی بھیجتے تھے کیا انہوں نے اسی سرزمین میں چل پھر کر نہیں دیکھا تا کہ وہ دیکھ لیتے کہ ان سے پہلے لوگوں کا انجام کیسا ہوا تھا؟ اور آخرت کا گھر خوفِ خدا والوں کے لیے بہتر ہے، کیا تم سمجھتے نہیں ہو؟ حتیٰ کہ جب رسول مایوسی کے قریب پہنچ گئے اور لوگوں نے سمجھا کہ ان کے ساتھ جھوٹا وعدہ کیا گیا تھا تو ان کے پاس ہماری مدد آ گئی، پھر جسے ہم چاہتے تھے اس کو نجات دی گئی اور مجرم قوم سے ہمارا عذاب ہٹایا نہیں جاتا۔ ان کے قصے میں عقلمندوں کے لیے عبرت ہے۔ یہ کوئی گھڑی ہوئی بات نہیں ہے، بلکہ یہ ان کتابوں کی تصدیق ہے جو اس سے پہلے تھیں اور ہر چیز کی تفصیل ہے۔ اور ایماندار قوم کے لیے ہدایت اور رحمت ہے۔"

اس سورت کی یہ آخری ٹھوکر ہے اور واقعی ایک بڑی ٹھوکر ہے!

اب یہ بھی مناسب نظر آتا ہے کہ ہم ادائے قرآنی میں، جہاں تک اس سورت کا تعلق ہے، تناسق کے بعض لطائف پر روشنی ڈال دیں۔ اس سورت میں چند خاص تعبیرات کا بار بار تکرار ہوا ہے جو اس سورت کا ماحول اور اس کی خاص شخصیت بناتا ہے۔ مثلاً اس میں علم کا ذکر بہت دفعہ آتا ہے اور اس کے مدمقابل میں جہالت اور قلتِ علم ہے اسے بھی بار بار بیان فرمایا گیا ہے۔ مثلاً:

"اور اسی طرح تیرا رب تجھے چن لے گا اور تجھ کو خوابوں کی تعبیر کا علم سکھائے گا۔ اور اپنا انعام تجھ پر اور آلِ یعقوبؑ پر پورا کرے گا۔ جس طرح کہ اس نے اسے اس سے پہلے تیرے دو باپوں ابراہیمؑ اور اسحاقؑ پر پورا کیا تھا، بلاشبہ تیرا رب بہت عالم ہے بہت دانا ہے۔"

"اور اسی طرح ہم نے یوسفؑ کے لیے اس سرزمین میں تمکین بخشی اور تاکہ اس کو خوابوں کی تعبیر کا علم سکھائیں، اور اللہ اپنے امر پر غالب ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔"

"اور جب وہ اپنی جوانی کو پہنچا تو ہم نے اس کو حکمت اور علم بخشا اور اسی طرح ہم نیکو کاروں کو جزا دیتے ہیں۔"

"پس اس کے رب نے اس کی دعا قبول کر لی اور اس سے ان کی خفیہ سازش کو دور کر دیا، بلاشبہ وہی بہت سننے والا بہت جاننے والا ہے۔"

Marfat.com

"اس نے کہا کہ جو کھانا تمہیں ملتا ہے وہ تمہارے پاس نہ آئے گا مگر میں تم کو اس کا مطلب بتا دوں گا اس کے آنے سے پہلے، یہ وہ علم ہے جو میرے رب نے مجھ کو سکھایا ہے۔"

"حکم اور فیصلہ تو فقط اللہ کا ہے، اس نے حکم دیا ہے کہ تم اس کے سوا کسی اور کی عبادت مت کرو، یہی سیدھا دین ہے، مگر اکثر لوگ نہیں جانتے۔"

"انہوں نے کہا کہ یہ پریشان خواب ہے اور ہم پریشان خوابوں کی تعبیر نہیں جانتے۔"

"اے یوسفؑ! اے نہایت سچے! ہم کو بتائیے سات موٹی گائیوں میں جن کو سات دُبلی پتلی کھاتی ہیں اور سات سرسبز بالیوں میں اور دوسرے جو خشک ہیں۔ تاکہ میں لوگوں کی طرف واپس جاؤں کہ وہ جان لیں۔"

"اور بادشاہ نے کہا کہ اس کو میرے پاس لاؤ۔ پھر جب قاصد اس کے پاس گیا تو یوسفؑ نے کہا: تو واپس جا اپنے آقا کے پاس اور اس سے پُوچھ کہ ان عورتوں کا معاملہ کیا تھا جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹے تھے۔ بیشک میرا رب تو اُن کی سازش کو خوب جانتا ہے۔"

"یہ اس لیے ہے کہ وہ جان لے کہ بلاشبہ میں نے پیٹھ پیچھے اس کی خیانت نہیں کی اور یہ کہ اللہ خیانت کاروں کی تدبیر کو کامیاب نہیں کرتا۔"

"اس نے کہا مجھ کو زمین کے خزانوں پر مقرر کر دے، بے شک میں حفاظت کرنے والا ہوں امانت دار ہوں۔"

"اور بلاشبہ وہ ان چیزوں کو خوب جاننے والا تھا جو ہم نے اسے سکھائیں، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔"

"انہوں نے کہا واللہ تم جانتے ہو کہ ہم اس سرزمین میں فساد کرنے نہیں آئے اور نہ ہم چور تھے۔"

"اس نے کہا تم بہت بُرے درجے میں ہو اور اللہ خوب جانتا ہے جو تم بیان کرتے ہو۔"

"پھر جب وہ اس سے مایوس ہو گئے تو ایک طرف ہو کر مشورہ کرنے لگے، ان میں سے بڑے نے کہا: کیا تمہیں معلوم نہیں کہ تمہارے باپ نے تم سے ایک پختہ عہد لیا تھا اللہ کی طرف سے۔"

"اور ہم صرف اسی کے گواہ ہیں جو ہم جانتے ہیں اور ہم غیب کی حفاظت کرنے والے نہیں ہیں۔"

"قریب ہے کہ اللہ ان سب کو میرے پاس لائے، بلاشبہ وہی علیم ہے حکیم ہے۔"

"اس نے کہا کہ میں تو اپنے اضطراب اور غم کی شکایت اللہ سے کرتا ہوں اور اللہ کی طرف سے وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔"

"اس نے کہا کیا تم جانتے ہو کہ اس سے پہلے تم نے یوسفؑ کے اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا کیا تھا! جب کہ تم جاہل تھے۔"

"اس نے کہا کیا میں نے تم سے کہا نہ تھا کہ میں اللہ کی طرف سے وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔"

"اے میرے مالک! تو نے مجھ کو حکومت بخشی اور مجھے خوابوں کی تعبیر کا علم سکھایا۔"

Marfat.com

سورۂ یوسف میں خصائص الوہیت کا بیان

ان خصائص میں سے ایک تو الحکم ہے جو کبھی تو یوسف علیہ السلام کی زبان سے ادا ہوتا ہے جس کا معنی حاکمیت ہے۔ یعنی بندوں کی دینونت اور ارادی طاعت کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کا حاکم علی الاطلاق ہونا، کبھی یعقوب علیہ السلام کی زبان سے ادا ہوتا ہے جب کہ اس کا معنی اللہ کی بندوں میں حاکمیت ہے۔ ان کے اللہ کے مطیع ہونے کے لحاظ سے اور مراد اس سے اس دینونت کی قاہریت اور قدریت ہوتی ہے اور حکم کے مدلول اور معنی میں یہ دونوں معنی کامل طور پر مل جاتے ہیں، اور حقیقتِ الوہیت کا اظہار کرتے ہیں، مثلاً یوسف علیہ السلام مصر کے حاکموں کی ربوبیت (خود ساختہ) اور اس کے الوہیتِ واحدہ کے خلاف ہونے کے بارے میں فرماتے ہیں:

"اے میرے دو قیدی ساتھیو! کیا متفرق رب بہتر ہیں یا ایک اللہ جو واحد و قہار ہے۔ دزبردست ہے، تم اس کے سوا جن کی بھی پوجا اور عبادت کرتے ہو وہ تمہارے نام نہاد اور تمہارے آباؤ اجداد کے نام نہاد خدا ہیں۔ اللہ نے ان کی کوئی دلیل نہیں اتاری، حکم صرف اللہ کا ہے۔ اس نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ یہی سیدھا اور درست دین ہے۔"

اور یعقوب علیہ السلام یہ بتانے کے لیے کہ اللہ کی تقدیر نافذ ہے اور اس کا فیصلہ ہو کر رہتا ہے فرماتے ہیں کہ:

"اے میرے بیٹو! ایک دروازے سے مت داخل ہونا اور متفرق دروازوں سے داخل ہونا اور میں اللہ کی طرف سے تمہارے کسی کام نہیں آسکتا۔ حکم تو اللہ ہی کا ہے، اس نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ میں نے اسی پر بھروسہ کیا ہے، اور بھروسہ کرنے والوں کو اسی پر بھروسہ کرنا چاہیئے۔"

حکم کے مدلول میں یہ تکامل اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ دین اس وقت تک مستقیم نہیں ہوتا جب تک کہ حکم اور فیصلے میں ارادی اطاعت و دینونت اللہ کے لیے نہ ہو جس طرح کہ تقدیر میں غیر ارادی دینونت اللہ تعالیٰ کی ہے۔ ان دونوں کا تعلق عقیدۂ اسلام کے ساتھ ہے۔ لوگ غلط سمجھتے ہیں کہ اعتقاد کے معاملے میں فقط دوسری قسم کی دینونت و اطاعت داخل ہے، بلکہ ارادی و اختیاری اطاعت و دینونت بھی اسی طرح اعتقاد میں داخل ہے۔ اور اس سورت کے تناسق کے لطائف میں سے ایک یہ ہے کہ یوسف علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی صفت لطیف کو اس موقع پر زور دے کر بیان کیا جہاں پر کہ اللہ تعالیٰ کا لطف و کرم ظاہر ہو رہا تھا، ارشاد ہے:

"اور اس نے اپنے والدین کو تخت پر اٹھایا، اور وہ لوگ اس کے سامنے سجدے میں گر گئے، اُس نے کہا: اے میرے باپ یہ ہے میرے اس خواب کا مطلب جو میں نے بہت پہلے دیکھا تھا، اللہ نے اسے سچ کر دکھایا، اور اس نے مجھ پر احسان فرمایا جب کہ مجھ کو قید خانے سے نکالا اور آپ لوگوں کو صحرا سے لایا جب کہ شیطان نے میرے اور میرے بھائیوں کے

Marfat.com

درمیان اختلاف ڈال دیا تھا۔ بلاشبہ میرا رب جو چاہے "تدبیر سے" کرنے والا ہے
بلاشبہ وہی علیم و حکیم ہے۔

اس سورت کے تناسق میں ایک لطیفہ یہ بھی ہے کہ سورۃ کی ابتدا میں جب کہ اس قصے کو پیش کیا گیا ہے اور نتیجے میں مطابقت پائی جاتی ہے اور اس طرح ابتدا و انتہا میں مطابقت ہو جاتی ہے۔
والحمد للہ اولاً و آخراً

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓرٰ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝١ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ
تَعْقِلُوْنَ ۝٢ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَآ اَوْحَيْنَآ
اِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ ۖ وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ ۝٣ اِذْ قَالَ
يُوْسُفُ لِاَبِيْهِ يٰٓاَبَتِ اِنِّيْ رَاَيْتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ
رَاَيْتُهُمْ لِيْ سٰجِدِيْنَ ۝٤ قَالَ يٰبُنَيَّ لَا تَقْصُصْ رُءْيَاكَ عَلٰٓى اِخْوَتِكَ
فَيَكِيْدُوْا لَكَ كَيْدًا ۭ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝٥ وَكَذٰلِكَ
يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ وَيُتِمُّ نِعْمَتَهٗ
عَلَيْكَ وَعَلٰٓى اٰلِ يَعْقُوْبَ كَمَآ اَتَمَّهَا عَلٰٓى اَبَوَيْكَ مِنْ قَبْلُ اِبْرٰهِيْمَ وَ
اِسْحٰقَ ۭ اِنَّ رَبَّكَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝٦ لَقَدْ كَانَ فِيْ يُوْسُفَ وَاِخْوَتِهٖٓ ع ۱
اٰيٰتٌ لِّلسَّاۗىِٕلِيْنَ ۝٧ اِذْ قَالُوْا لَيُوْسُفُ وَاَخُوْهُ اَحَبُّ اِلٰٓى اَبِيْنَا مِنَّا وَ
نَحْنُ عُصْبَةٌ ۭ اِنَّ اَبَانَا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنِ ۝٨ اقْتُلُوْا يُوْسُفَ
اَوِ اطْرَحُوْهُ اَرْضًا يَّخْلُ لَكُمْ وَجْهُ اَبِيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا مِنْ بَعْدِهٖ قَوْمًا
صٰلِحِيْنَ ۝٩ قَالَ قَاۗىِٕلٌ مِّنْهُمْ لَا تَقْتُلُوْا يُوْسُفَ وَاَلْقُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ
الْجُبِّ يَلْتَقِطْهُ بَعْضُ السَّيَّارَةِ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ۝١٠ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا

Marfat.com

مَا لَكَ لَا تَاْمَنَّا عَلٰى يُوْسُفَ وَاِنَّا لَهٗ لَنٰصِحُوْنَ ﴿۱۱﴾ اَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا
يَّرْتَعْ وَيَلْعَبْ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴿۱۲﴾ قَالَ اِنِّيْ لَيَحْزُنُنِيْٓ اَنْ تَذْهَبُوْا
بِهٖ وَاَخَافُ اَنْ يَّاْكُلَهُ الذِّئْبُ وَاَنْتُمْ عَنْهُ غٰفِلُوْنَ ﴿۱۳﴾ قَالُوْا لَئِنْ
اَكَلَهُ الذِّئْبُ وَنَحْنُ عُصْبَةٌ اِنَّآ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿۱۴﴾ فَلَمَّا ذَهَبُوْا بِهٖ
وَاَجْمَعُوْٓا اَنْ يَّجْعَلُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ ۚ وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ
بِاَمْرِهِمْ هٰذَا وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۵﴾ وَجَآءُوْٓ اَبَاهُمْ عِشَآءً يَّبْكُوْنَ ﴿۱۶﴾
قَالُوْا يٰٓاَبَانَآ اِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ وَتَرَكْنَا يُوْسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا فَاَكَلَهُ
الذِّئْبُ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صٰدِقِيْنَ ﴿۱۷﴾ وَجَآءُوْ عَلٰى
قَمِيْصِهٖ بِدَمٍ كَذِبٍ ۭ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ۭ فَصَبْرٌ
جَمِيْلٌ ۭ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ﴿۱۸﴾ وَجَآءَتْ سَيَّارَةٌ فَاَرْسَلُوْا
وَارِدَهُمْ فَاَدْلٰى دَلْوَهٗ ۭ قَالَ يٰبُشْرٰى هٰذَا غُلٰمٌ ۭ وَاَسَرُّوْهُ بِضَاعَةً ۭ
وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍۢ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُوْدَةٍ ۚ
وَكَانُوْا فِيْهِ مِنَ الزّٰهِدِيْنَ ﴿۲۰﴾ ع ۲ / ۱۲

(ترجمہ) الف لام را ۔ یہ کتابِ مبین کی آیات ہیں (۱) ہم نے اس کو قرآنِ عربی اتارا ہے تاکہ تم سمجھو (۲) ہم تجھ پہ بہترین قصہ بیان کرتے ہیں، جیسا کہ ہم نے تیری طرف بہ قرآن وحی کیا ہے ۔ اگرچہ تو اس سے پہلے غافلوں میں سے تھا (۳) جب یوسفؑ نے اپنے باپ سے کہا: اے میرے باپ! میں نے گیارہ ستاروں کو اور سورج اور چاند کو خواب میں دیکھا ہے کہ وہ مجھ کو سجدہ کر رہے تھے (۴) اس نے کہا: اے میرے پیارے بیٹے! اپنا خواب اپنے بھائیوں کے سامنے بیان نہ کرنا ورنہ وہ تیرے لیے خفیہ سازش کریں گے ۔ بلاشبہ شیطان انسان کے لیے کھلا دشمن ہے (۵) اور اسی طرح تیرا رب تجھ کو برگزیدہ کرے گا ۔ اور تجھے تعبیرِ خواب کا علم دے گا اور اپنی نعمت تجھ پر اور یعقوب کے گھرانے پہ پوری کرے گا جس طرح کہ اس نے وہ نعمت اس سے پہلے تیرے دو باپوں ابراہیمؑ و اسحاقؑ پر پوری کی تھی، بلاشبہ

Marfat.com

تیرا رب علیم ہے حکیم ہے (۶) بلاشبہ یوسفؑ اور اس کے بھائیوں میں پوچھنے والوں کے لیے دلائل ہیں (۷) جب انہوں نے کہا کہ یوسفؑ اور اس کا بھائی ہمارے باپ کو ہم سے زیادہ پیارے ہیں حالانکہ ہم ایک مضبوط جماعت ہیں، بلاشبہ ہمارا باپ کھلی غلطی پر ہے (۸) یوسفؑ کو قتل کر دو یا اس کو کسی ایسی زمین میں پھینک دو کہ تمہارے باپ کی توجہ صرف تمہارے لیے ہو جائے اور اس کے بعد تم نیک جماعت بن جانا (۹) ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا: یوسفؑ کو قتل مت کرو اور اس کو ویران کنوئیں میں ڈال دو، کوئی مسافر اس کو نکال لے جائے گا، اگر تم ضرور ہی کرنا چاہتے ہو (۱۰) انہوں نے کہا: اے ہمارے باپ کیا بات ہے تو یوسفؑ کے متعلق ہم پر اعتماد نہیں کرتا اور ہم بلاشبہ اس کے خیر خواہ ہیں (۱۱) اس کو کل ہمارے ساتھ بھیج کہ سیر و تفریح کرے اور کھیلے اور ہم اس کی ضرور حفاظت کریں گے (۱۲) اس نے کہا کہ مجھے یہ بات غمگین کرتی ہے کہ تم اس کو لے جاؤ اور ڈرتا ہوں کہ اس کو بھیڑیا نہ کھا جائے اور تم اس سے بے خبر ہو (۱۳) انہوں نے کہا کہ اگر اس کو بھیڑیا کھا گیا حالانکہ ہم ایک مضبوط جماعت ہیں، تب تو ہم بہت ہی ناکام ہوں گے (۱۴) پھر جب وہ اس کو لے گئے اور پختہ ارادہ کر لیا کہ اس کو ویران کنوئیں میں ڈالیں، اور ہم نے اس کی طرف وحی کی کہ تو ان کو ضرور ان کا یہ معاملہ بتائے گا جب کہ انہیں شعور تک نہ ہو گا (۱۵) اور وہ عشاء کے وقت اپنے باپ کے پاس روتے ہوئے آئے (۱۶) کہنے لگے: اے ہمارے باپ! ہم دوڑ لگانے چلے گئے تھے اور یوسفؑ کو اپنے سامان کے ساتھ چھوڑ گئے تھے، پس اس کو بھیڑیا کھا گیا، اور تو ہماری بات نہیں مانے گا گو ہم سچے ہیں (۱۷) اور وہ اس کی قمیص پر جھوٹا خون لگا لائے۔ اس نے کہا: بلکہ تمہارے نفسوں نے تمہارے لیے ایک کام کی سازش کی ہے، پس صبر ہی بہتر ہے اور جو کچھ تم کہتے ہو اس پر اللہ سے ہی مدد مانگی جاتی ہے (۱۸) اور ایک قافلہ آیا، انہوں نے اپنا پانی لانے والا بھیجا تو اس نے اپنا ڈول لٹکایا، اس نے کہا: اے خوشخبری ہو! یہ ایک لڑکا ہے، اور انہوں نے اس کو ایک قیمتی سامان سمجھ کر چھپا لیا اور اللہ ان کے عمل کو خوب جاننے والا تھا (۱۹) اور انہوں نے اس کو ایک معمولی قیمت پر بیچ دیا، یعنی چند درہموں پر، اور وہ اس میں بے رغبت تھے (۲۰)

یہ درس اس سورت کا مقدمہ بھی ہے اور اس قصے کا پہلا حلقہ بھی ہے، اور یہ چھ مناظر سے مرکب ہوتا ہے۔

اس کی ابتداء یوسفؑ کے خواب سے ہوتی ہے اور انتہا بھائیوں کے مشورے کے انجام پر اور اس کے مرحلہ پہنچنے پر ہوتی ہے اس سورت کے بارے میں جو ابتدائی گفتگو اوپر کی جا چکی ہے، اس کے بعد اب کسی تمہید کی مزید گنجائش نہیں ہے، لہٰذا اب ہم اس کے نصوص پر ہی گفتگو کریں گے۔

Marfat.com

قصّے کی ابتداء

سب سے پہلی آیت کی ابتداء میں جو الف لآم را تین حروف ہیں، اور ان کی جنس کے دوسرے حروف لوگوں کے جانے پہچانے حروف ہیں اور انہیں وہ اپنے محاورات، اشعار و خطابات وغیرہا میں استعمال کرتے تھے۔ مگر ان کے معانی و مطالب کی حقیقت کو انسان کی طاقت سے بلند رکھا گیا ہے۔ پس یہی وہ آیاتِ کتابِ مُبین ہیں جو بہت بلند ہیں اور قریب تر ہوتے ہوئے بھی بعید ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کو عربی قرآن کی صورت میں اتارا ہے جو اِن حروف سے مرکب ہے۔ الف اور لام اور را یہ ایسے حروف ہیں کہ بار بار الفاظ میں ان کا کثرت سے استعمال ہوتا ہے، تاہم یہ ایک معجز کتاب ہے۔ انسانی کلام جن حروف سے مل کر بنتا ہے انہی سے مرکب ہونے کے باوجود یہ ایک بے نظیر و بے مثال کتاب ہے، اور انسان کا فرض ہے کہ وہ سوچے: لعلکم تعقلون کہ انہی عام حروف سے مرکب کیا ہوا کلام انسانی طاقت سے بالاتر ہے، معجزہ ہے۔ لہٰذا انسانی کلام نہیں ہے۔ اور جب یہ ہے تو عقلاً یہ بات لازم آئی کہ وحیٔ الٰہی ہے جو انسانوں کے سردار، بہترین انسان، صادق و مصدوق صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی گئی ہے۔ اور چونکہ یہ عقل سے سمجھنے اور جاننے کی بات ہے۔ لہٰذا عقل کو مخاطب بنایا گیا ہے، اور چونکہ یہ سُورت از اوّل تا آخر ایک قصّے پر مشتمل تھی۔ لہٰذا خاص طور پر اس قصّے کے مادے کو ظاہر کیا گیا ہے کہ:

"ہم تجھ پر بہت اچھا قصہ بیان کرتے ہیں، اور قرآن وحی ہے۔ لہٰذا یہ قصّہ بھی وحیٔ الٰہی کا حصّہ ہے، اور یہ احسن القصص ہے۔"

اور اس قصّے کے نزول سے قبل جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس قصّے کو نہ جانتے تھے، کہیں سے پڑھا نہ تھا، سُنا نہ تھا، اُمّی تھے اور اُمّی قوم کے فرد تھے۔ وہ قوم اپنی اُمیّت کے باعث اس قسم کے قصّوں سے آشنا نہ تھی۔ پس یہاں تک کی تین آیات بطورِ مقدمہ ہیں۔ اس کے بعد حلقۂ اُولیٰ کے پہلے منظر سے پردہ اُٹھایا گیا ہے اور ہم دیکھتے ہیں کہ یوسف علیہ السلام نامی ایک بچہ اپنے باپ کے سامنے اپنا خواب بیان کر رہا ہے۔

یوسف علیہ السلام کا خواب اور باپ کی نصیحت

یوسف علیہ السلام بچہ تھا، لیکن عام بچوں میں سے نہ تھا، ورنہ وہ گیارہ ستاروں اور چاند سُورج کو اپنے سامنے یا گود میں یا آس پاس دیکھتا۔ مگر اس نے کیا دیکھا؟ اُس نے دیکھا کہ وہ سب اس کے سامنے سجدہ ریز ہیں جس طرح کوئی غافل اپنا سر کسی کے آگے تعظیماً جھکاتا ہے۔ پس یوسف علیہ السلام بچہ تھا مگر اس کا خواب بچگانہ نہ تھا، نہ عام لڑکوں کی مانند تھا، پس ہوا یہ کہ:

"جب یوسف علیہ السلام نے اپنے باپ سے کہا: اے میرے پیارے باپ! میں نے گیارہ ستاروں اور سورج چاند کو دیکھا کہ وہ مجھے سجدہ کر رہے تھے۔"

باپ نے اپنی پیغمبرانہ فراست و عقل سے پہچان لیا کہ اس خواب کے پیچھے کوئی بڑی بات پوشیدہ

ہے۔ اس بچے کو تو ابھی معلوم نہیں مگر اس کا خواب بتاتا ہے کہ اس پر ابراہیمؑ و اسحاقؑ اور یعقوبؑ کے گھرانے میں سے اللہ کا فضل ہوگا اور یہ نبوت سے سرفراز ہوگا، گو بچہ نہیں بتا سکا، نہ باپ نے اس وقت بتایا مگر باپ کے کلام کا مطلب یہی تھا، ہاں! انہوں نے بچے سے بالتاکید یہ کہہ دیا کہ اپنا خواب بھائیوں کے سامنے بیان نہ کرے، مبادا وہ اس کے خلاف کوئی تدبیر کریں اور شیطان انہیں حسد و عداوت پر اُبھارے قرآنی سیاق تو یہ ظاہر نہیں کرتا کہ یوسفؑ نے یہ خواب اپنے دوسرے بھائیوں کو بتایا تھا۔ اس کے برخلاف قرآن یہ بتاتا ہے کہ بھائیوں نے اپنے باپ کی خصوصی محبت جو یوسفؑ سے دیکھی اس کے باعث ان کے دل میں حسد و عداوت کے شدید جذبات پیدا ہوئے۔ مگر موجودہ تورات کی کتاب پیدائش جس میں یہ قصہ بطور ایک افسانے کے مروی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یوسفؑ سے کسی نہ کسی طرح اس کے دوسرے بھائیوں نے یہ خواب سُن لیا اور وہ حسد و بغض کی بھڑکتی آگ میں جل گئے کہ ہمارا یہ سوتیلا بھائی ——— جس کی ماں راخیل فوت ہو چکی تھی اور دونوں بھائی بقولِ تورات یتیم تھے! ——— ہم سے بڑھنا چاہتا ہے، اور اب ہم اس کے آگے کیا سجدہ ریز ہوں گے؟ قرآن نے صراحۃً تو نہیں بتایا مگر اس کے اشارات موجود ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ واقعی یوسفؑ اور بن یامین دوسری بیوی کی اولاد تھے، اور دس بڑے بھائی پہلی بیوی سے تھے جس کا نام تورات نے لیاہ بتایا ہے۔ (المترجم)

یعقوبؑ خود نبی تھے اور ان کے باپ دادا بھی جلیل القدر نبی تھے، لہٰذا انہوں نے خواب سے پہچان لیا کہ اس خانوادۂ نبوت کی فضا میں ایک نیا سورج طلوع ہونے والا ہے، یوسفؑ نبی ہوگا اور دین و صلاح اور معرفت کی وادی میں اس کا بڑا نام ہوگا۔ جس سے یہ خانوادہ بیش از بیش چمکے گا۔ اس لیے یعقوبؑ نے بتایا کہ اے بیٹے! تیرا رب تجھے بابرکت اور برگزیدہ کرے گا اور نسلِ ابراہیمؑ سے اب تو نبی ہوگا، اللہ تعالیٰ تجھ کو تاویل الاحادیث سکھائے گا۔ تاویل الاحادیث سے مراد تعبیرِ خواب کا علم بھی ہے اور آگے چل کر اس معنیٰ کی تائید خود سیاقِ قرآنی سے ہو جائے گی، اور تاویل الاحادیث سے مراد یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ یوسفؑ کو صادق حس، ناقد بصیرت اور کامل عقل بخشے گا، جس کی بناء پر وہ بات کو سنتے ہی اور کسی کام کی ابتداء کو دیکھتے ہی انجام کار کا اندازہ کر لیا کرے گا یعنی وہ بڑا صاحب بصیرت و فراست ہوگا۔ یہ دونوں معنے درست ہیں اور آگے چل کر پہلے کی مانند یہ دوسرا معنیٰ بھی صحیح ثابت ہو جائے گا۔

رؤیا، احلام اور ان کی تعبیرات

خواب اور اس کی تعبیر اس سورت اور اس قصے کا موضوع ہے، لہٰذا اس کے متعلق کچھ نہ کچھ بیان کرنا ضروری ہے۔ اسلامی عقیدے کی رُو سے بعض خواب مستقبل قریب یا بعید کے متعلق کچھ خبروں پر مشتمل ہوتے ہیں۔ اس کا سبب اول تو یہی یوسفؑ کا خواب ہے جو اس وقت زیرِ بحث ہے۔ پھر یوسفؑ نے جو اپنے دو قیدی ساتھیوں کے خواب سُن کر ان کی تعبیر بتائی اور بادشاہ کے خواب کی جو تعبیر ظاہر کی اور ہو بہو اُسی طرح عالم واقعات میں پیش آگیا، اس سے ہم یہ عقیدہ رکھنے پر مجبور ہیں کہ بعض خواب سچے ہوتے ہیں اور ان کی تعبیر حرف بحرف واقع ہو جاتی ہے۔ علاوہ ازیں ہماری شخصی زندگی میں ایسے واقعات

Marfat.com

پیش آتے ہیں جن کا تعلق سچے خواب اور اس کی تعبیر کے ساتھ ہوتا ہے، اور یہ ہمارا روزمرہ کا تجربہ ہے خواب کے بارے میں عقیدے کی پختگی کا پہلا سبب ہی کافی تھا، مگر ہم نے یہ دوسرا سبب اس لئے بیان کیا کہ اس کا تعلق ہم میں سے تقریباً ہر شخص کے ساتھ ہے۔ اس کا انکار ممکن نہیں ہے۔ لہٰذا یہاں پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ خواب کی فطرت و طبیعت اور حقیقت کیا ہے؟۔

تحلیل نفسی کے قائلین (اور بالکل اسی طرح سے ہومیو پیتھی طب کے ماہرین) کہتے ہیں کہ خواب ان دبائی گئی رغبتوں اور خواہشاتِ نفس کی صدائے بازگشت ہے، جن کو دبا دیا گیا ہو اور وہ انسان کے تحت الشعور میں یا لاشعور میں جمع رہیں، پس خواب انہی کی صدائے بازگشت ہے۔ یہ خواب کا صرف ایک حصہ ہے، اور ظاہر ہے کہ سب خواب ایسے نہیں ہوتے۔ فرائڈ باوجود اپنی پوری لادینیت کے اور اپنے نظریات پر پختگی کے باوجود مانتا ہے کہ بعض خواب مستقبل کے واقعات کے بارے میں ہوتے ہیں اور صحیح ہوتے ہیں، گو وہ ان کی کوئی وجہ نہیں بتا سکتا۔ حدیث صحیح میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ خواب کی تین قسمیں ہیں: (۱) شیطانی خواب (۲) حدیث النفس (۳) مومن کے سچے خواب۔

اخبار مستقبل کے خواب کیا ہیں؟

خوابوں کے وجود میں تو کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ اور یہ بھی واقعہ ہے کہ بعض دفعہ کافر کو بھی ایسا خواب آتا ہے جس کی تعبیر مستقبل میں برحق ہوتی ہے۔ اس کی مثال اس سورت میں دو قیدیوں اور بادشاہ کا خواب ہے۔ یہ تینوں کافر تھے اور انہیں مستقبل کے بارے میں جو کچھ دکھایا گیا اس کی تعبیر برحق تھی۔ انسانی مخلوق ایک بڑی عجیب مخلوق ہے اور اس میں بھی شک و شبہ نہیں کہ اس کے بارے میں وجودِ کائنات کے اندر اللہ تعالیٰ کی سنن برحق ہیں، ان خوابوں کی طبیعت کے بارے میں ہم یوں تصور کر سکتے ہیں کہ زمان و مکان کے رکاوٹیں ہی وہ چیزیں ہیں جو انسان میں اور ماضی و مستقبل کی وسعتوں میں حائل ہوتی ہیں، یہی حال اس حاضر یا حال کا ہے جو غیب میں ہیں، یعنی ہم سے پوشیدہ ہے۔ جس چیز کا نام ہم ماضی یا مستقبل رکھتے ہیں، اس کو ہم سے صرف زمانے کی رکاوٹ دور رکھتی ہے۔ جیسا کہ زمانۂ حال (حاضر) کی وہ چیزیں جو ہم سے دور ہیں۔ ان میں اور ہم میں رکاوٹ مکان کی ہے۔ یہ بات بھی مسلم ہے کہ انسان کے اندر ایک حاسۂ البساب، جس کی حقیقت کو ہم نہیں جانتے وہ بعض دفعہ بیدار یا طاقتور ہو جاتا ہے لہٰذا زمانے کی رکاوٹ پر غالب آجاتا ہے اور جو کچھ اس سے پرے ہے اس کو ایک مبہم صورت میں دیکھ لیتا ہے، اسے علم نہیں کہا جا سکتا، مگر ایک انکشاف ضرور ہوتا ہے۔ یہ بعض لوگوں کو بیداری میں اور بعض کو خواب میں پیش آتا ہے اور یہ زمانے کی رکاوٹ پر یا مکان کی رکاوٹ پر غالب آجاتا ہے اور بعض دفعہ ان دونوں پردوں پر غالب آجاتا ہے اگرچہ ہم اس وقت میں زمانے کی حقیقت کے متعلق کچھ نہیں جانتے اور اسی طرح مکان کی حقیقت ہمیں معلوم نہیں، مکان کو ہی مادہ کہا جاتا ہے۔ حق یہی ہے کہ ہم ان دونوں کی حقیقت سے ناآشنا ہیں: وما اوتیتم من العلم الا قلیلا۔ (سید قطب رحمہ اللہ نے حاشیئے پر یہاں اپنا ایک سچا خواب لکھا ہے)

بہرحال یوسف علیہ السلام نے یہ خواب دیکھا جو اوپر گزرا اور اس کی تاویل

Marfat.com

ہم کو بعد میں معلوم ہو گی۔

برادران یوسفؑ کا مشورہ

آیات: ۷تا ۱۰ میں فرمایا ہے کہ:

بیشک یوسفؑ اور اس کے بھائیوں میں پوچھنے والوں کے لیے قدرت کی نشانیاں ہیں جب انہوں نے کہا کہ: یوسفؑ اور اس کا بھائی ہماری نسبت ہمارے باپ کو زیادہ محبوب ہیں، حالانکہ ہم ایک جماعت ہیں، بلاشبہ ہمارا باپ بالضرور کھلی غلطی پر ہے، یوسفؑ کو قتل کر دو یا اس کو کسی ایسی سرزمین پر پھینک دو کہ تمہارے باپ کی توجہ صرف تمہاری طرف ہو جائے اور اس کے بعد تم نیک لوگ بن جانا۔ ان میں سے ایک کہنے والا بولا کہ یوسفؑ کو قتل نہ کرو اور اس کو کسی جنگلی کنوئیں میں ڈال دو تاکہ کوئی آنے جانے والا اسے نکال لے جائے، اگر تم ضرور ہی ایسا کرنا چاہتے ہو۔"

آیت: ۷ میں یہ جو فرمایا ہے کہ یوسفؑ اور اس کے بھائیوں میں پوچھنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ چھان بین کرنے والے ان واقعات و اشخاص میں بہت سے حقائق کی چھان بین کر سکتے ہیں۔ یہ ابتداء گویا ایک تنبیہ ہے کہ یہ واقعہ نہایت اہم ہے۔ اب ہم برادرانِ یوسفؑ کے سامنے ہیں جو یوسفؑ کے خلاف سازشی مشورہ کر رہے ہیں۔ قرآن نے برادرانِ یوسفؑ کے اس کے خلاف مشورے کا اصل سبب یہ نہیں بتایا کہ یوسفؑ نے ان کو اپنا خواب بتایا تھا۔ اور وہ اس پر بھڑک اٹھے تھے کہ اچھا! اب ہم تمہیں سجدہ کریں گے، کیا تم بادشاہت کا خواب دیکھ رہے ہو؟ (ان دنوں میں بادشاہوں اور بڑوں کے سامنے تعظیمی سجدہ کیا جاتا تھا) عہدِ قدیم کی پہلی کتاب پیدائش یہی بتاتی ہے کہ یوسفؑ نے (باپ کی مخالفت کے علی الرغم) یہ خواب بھائیوں کو بتا دیا اور وہ مارے حسد کے پیچ و تاب کھانے لگے۔ قرآن کے نزدیک برادرانِ یوسفؑ کے غصے اور حسد کا باعث یہ تھا کہ یعقوبؑ ان دونوں سگے بھائیوں ——— یوسفؑ اور بن یامین ——— کو ان دس بڑے بھائیوں پر ترجیح دیتے تھے۔ پس یعقوبؑ کو یوسفؑ کے بیانِ خواب کی صورت میں جو خدشہ لاحق تھا وہ ایک طرح سے پورا ہو گیا کہ بھائیوں نے یعقوبؑ پر ان دونوں بھائیوں کو ترجیح دینے کا الزام لگایا (اس ترجیح کا سبب شائد ان دونوں کی والدہ کی وفات ہو، جیسا کہ بائبل کہتی ہے۔ یا اس لیے کہ یعقوبؑ کو ان میں آثارِ نجابت و نبوت نظر آتے ہوں، وہ ان کے ساتھ امتیازی سلوک روا رکھتے ہوں جو شرعی وجوہ کی بنا پر جائز ہو۔ یا شائد اس خصوصی محبت کا سبب ان دونوں کا چھوٹا ہونا ہو جو دوسری بیوی سے ہونے کے ساتھ ساتھ عمر میں بھی چھوٹے تھے۔)

انہوں نے کہا کہ ہم ایک بڑی جماعت ہیں جو باپ کے کام آ سکتی ہے، دشمن سے دفاع کر سکتی ہے اور بوقت ضرورت حملہ آور ہو سکتی ہے، کہنے لگے کہ ہمارا باپ بلاشبہ سخت غلطی پر ہے، نفع و نقصان سے بے خبر ہے، ایک لڑکے اور اس کے بہت چھوٹے بھائی کی محبت میں اتنی بڑی جماعت اور اس کے فوائد کو نظر انداز کرتا ہے۔

Marfat.com

حسد کی ہنڈیا اُبل کر لبریز ہو جاتی ہے!

اب ان کا حسد اُبل پڑتا ہے۔ شیطان درمیان میں آکر اپنا کام کرتا ہے وہ واقعات اور اشیاء کا صحیح اندازہ نہیں کر پاتے۔ چھوٹی چیزیں بہت بڑی نظر آتی ہیں مگر جائی کے قتل یا جلاوطنی جیسا عظیم جرم انہیں معمولی دکھائی دیتا ہے۔ ایک معصوم بچہ جو ان کا بھائی بھی ہے۔ جو صغیر سنی کی وجہ سے اپنا دفاع بھی نہیں کر سکتا۔ بالکل بے گناہ ہے۔ آئندہ زندگی میں نبی ہونے والا ہے۔ وہ اس کو قتل کرنا چاہتے ہیں، جو خود تو نبی نہیں مگر وہ ایک عظیم نبی کی اولاد ہیں، اس کا بھی ان میں کوئی لحاظ نہیں ہے۔ یہ سب کچھ انہیں بالکل معمولی دکھائی دیتا ہے، مگر ان کے باپ کی یوسفؑ اور اس کے بھائی کے ساتھ زیادہ محبت صغیر سنی کے ناطے سے، اور اس لیے بھی کہ وہ ماں کی وفات کے باعث زیادہ محبت و توجہ کے محتاج ہیں، یہ بات ان کے نزدیک بہت بڑی ہے ناقابلِ معافی ہے، حتیٰ کہ وہ اس کے مقابلے میں قتل جیسے شدید ترین جرم کا ارتکاب کرنے سے گریز کرنے کو تیار نہیں ہیں، وہ اسے قتل کرنا چاہتے ہیں یا اس معصوم بچے کو کسی دور دراز زمین میں پھینک دینا چاہتے ہیں۔ اور اس بچے کے لیے یہ صدمہ بھی قتل سے کم نہیں تھا۔

قتل کا مقصد کیا تھا؟

آیت: ۹ کے الفاظ یخل لکم وجہ ابیکم "تمہارے باپ کی توجہ صرف تمہاری طرف ہو جائے" سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کا مقصد دراصل اتنا بُرا نہ تھا، مگر اس کے حصول کے لیے وہ ایک نہایت ناجائز ذریعہ اختیار کرنا چاہتے تھے، لیکن اس کی گہرائی میں اتر کر دیکھیں تو پتہ چلتا ہے کہ باپ کی توجہ کو اپنی طرف پھیرنے میں بھی دراصل حسد کا جذبہ کارفرما تھا اور بروئے حدیث؛ حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح کہ آگ خشک ایندھن کو کھا جاتی ہے، ان کا خیال یہ تھا کہ جب باپ یوسفؑ کو اپنے سامنے نہ دیکھے گا تو اس کا دل اس کی محبت سے خالی ہو جائے گا اور یہ محبت جو اب اس سے ہے دوسروں کی طرف متوجہ ہو جائے گی۔ اور پھر انہوں نے آپس کے مشورے میں کہا کہ جہاں تک جرم کا تعلق ہے، سو اس سے تم توبہ کر لینا اور اس کے ارتکاب سے تم نے جو بگاڑ پیدا کیا ہوگا اس کی اصلاح کر لینا۔

شیطان کی مکارانہ چال

شیطان انسان کو برائی پر مائل کرتے وقت یہی حربہ استعمال کرتا ہے کہ کوئی بات نہیں، توبہ کر لینا اور اپنے آپ کو درست کر لینا، اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔ نفسِ انسانی کی زمام جب غضب کے ہاتھ میں آجائے تو نتیجہ یہی ہوتا ہے۔ پھر وہ اشیاء اور واقعات کے غلط اندازے لگاتا ہے، غلط نتائج اخذ کرتا ہے۔ برادرانِ یوسفؑ کے دل میں جب حسد و عداوت کی ہنڈیا اُبلی تو شیطان نے ان سے کہا کہ قتل کر ڈالو کوئی بات نہیں، اصلاحِ مافات کے لیے توبہ موجود ہے۔ لیکن توبہ تو اس گناہ سے ہوتی ہے جس کی طرف انسان غفلت و جہالت کے باعث مائل ہوا اور اسے یاد تک نہ رہے کہ وہ کیا کر رہا ہے اور جب تذکرہ ہو تو نادم

ہو جائے اور اس کے دل میں توبہ کا جوش پیدا ہو جائے۔ جو کچھ یہ لوگ کر رہے تھے وہ غفلت و جہالت سے نہ تھا بلکہ عمداً تھا، لہٰذا ان کی توبہ، توبہ نہ تھی بلکہ گناہ کو چھپانے کا ایک بہانہ تھا، شیطان کی ایک تزئین تھی کہ وہ برائی کے انجام کو کم کر کے ان سے برائی کا ارتکاب کرانا چاہتا تھا۔

ان میں سے ایک مستثنیٰ تھا!

مگر ان میں ایک ضمیر ایسی تھی جو ان کے اقدام پر کانپ رہی تھی، اس نے ایک تیسرا راستہ نکالا کہ نہ تو یوسفؑ کو قتل کرو۔ نہ اسے ہلاکت کے لئے کسی دور دراز کی سرزمین میں پھینکو۔ بلکہ اسے کسی جنگلی کنوئیں میں ڈال دو جو کہ آنے جانے والے قافلوں کی راہ پر ہو، ہو سکتا ہے کسی قافلے کو اس کا پتہ چل جائے اور وہ اسے نکال لے جائے۔ پس اس کا یہ کہنا کہ:

"یوسفؑ کو قتل مت کرو بلکہ اس کو جنگلی کنوئیں میں ڈال دو کوئی آنے جانے والا اسے نکال لے جائے گا، اگر تم کرنے ہی والے ہو"

مطلب اس کا یہ معلوم ہوتا ہے کہ تمہیں یوسفؑ کے بارے میں یہ نہ سوچنا چاہیے۔ لیکن اگر تمہیں اپنی اس سوچ اور فیصلے پر اصرار ہے تو اسے قتل مت کرو بلکہ زندہ کسی کنوئیں میں پھینک دو۔ ان کنتم فاعلین کے لفظ میں تشکیک و تثبیط کی روح پائی جاتی ہے۔ جس سے دراصل مقصد یہ تھا کہ اسے اذیت مت پہنچاؤ، لیکن اگر تم باز نہیں آتے اور ضرور ہی کچھ کرنا چاہتے ہو تو پھر اس کو کسی جنگلی کنوئیں میں ڈال دو، تاکہ اس کی جان بچ جائے اور کوئی آنے جانے والا اس کو نکال لے جائے۔ مگر یہ وہ کم سے کم چیز تھی جس سے ان کے بغض و حسد کی تسلی ہوتی تھی، ورنہ وہ یوسفؑ کو اذیت پہنچانے سے باز آنے والے نہ تھے جس کا ثبوت اگلے نظارے میں ہے۔

بوڑھے باپ کے سامنے

برادران یوسفؑ کے اگلے فعل کا نظارہ یہ ہے کہ انہوں نے باپ کو باصرار ترغیب دی کہ کل یوسفؑ کو ہمارے ساتھ باہر بھیجو تاکہ وہ ذرا سیر و تفریح کر آئے، سورت کہتی ہے کہ:

"انہوں نے کہا اے ہمارے باپ کیا وجہ ہے کہ تو یوسفؑ کے بارے میں ہم پر اعتماد نہیں کرتا؟ حالانکہ ہم تو اس کے خیر خواہ ہیں۔ کل اس کو ہمارے ساتھ بھیج تاکہ وہ ذرا تفریح کر آئے اور کھیل لے اور ہم بالضرور اس کی حفاظت کریں گے۔ اس نے کہا کہ میں اس بات پر غمگین ہوں کہ تم اس کو لے جاؤ اور ڈر ہے کہ کہیں اس کو تمہاری غفلت کی حالت میں بھیڑیا کھا جائے، انہوں نے کہا کہ اگر ہماری ایک مضبوط جماعت کے ہوتے ہوئے اسے بھیڑیا کھا جائے تو تب تو ہم بہت ناکام ہیں!" (آیات: ۱۱ —— ۱۴)

Marfat.com

عظیم دسیسہ کاری

بوڑھے باپ کے دل میں اپنے چھوٹے بچے یوسفؑ کے متعلق جو محبت و تعلق تھا، برادرانِ یوسفؑ نے باپ کے دل کو بہلانے اور دھوکا دینے کی پوری کوشش کی، گزشتہ آیات کی تعبیر اور عبارت سے یہی نکلتا ہے، باپ کا دل یوسفؑ پر غالباً اس لیے زیادہ مائل تھا کہ وہ ابراہیمؑ کی وراثتِ نبوت کے علائم و آثار اس میں پاتا تھا، انہوں نے اس کو "اے ہمارے باپ" کہہ کر مائل کرنا چاہا، اور پھر سوال ایسا کیا جس میں شکایت و عتاب کا پہلو نمایاں تھا اور در پردہ انکار بھی تھا، اور اس عبارت سے گویا وہ اپنے باپ سے بے اعتمادی اور جنبہ داری کا داغ دھونا چاہتے تھے، باپ تو یوسفؑ کو ازراہِ شفقت و محبت اپنے سے جدا نہ کرتا تھا اور بڑے بھائیوں کے ساتھ باہر نہ بھیجتا تھا، مبادا وہ باہر کی مشقت کو برداشت کرنے کی ہمت نہ پائے اور دکھ اٹھائے، اس کا باعث بے اعتمادی نہ تھی لیکن برادرانِ یوسفؑ نے یہ کہہ کر گویا اس کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھ دیا:

"تو یوسفؑ کے متعلق ہم پر اعتماد کیوں نہیں کرتا؟"

اس طرح وہ باپ کو جوش دلا کر اپنا مقصد حاصل کرنا چاہتے تھے، وہ چھوٹا بھائی ہونے کے ناطے سے اس کی محبت و خیر خواہی کا دم بھرتے ہیں اور دراصل جو چور اپنے قلوب میں پوشیدہ تھا اس کی تسلی کرنا چاہتے تھے، خلوص و محبت کا اظہار اس لیے تھا کہ باپ انکار نہ کر سکے اور یوسفؑ کو کھیل کود اور تفریح کے لیے باہر جانے کی اجازت دینے سے گریز کی کوئی راہ باقی نہ رہے، یعقوبؑ نے بیٹوں پر بے اعتمادی کے الزام کو براہِ راست ردّ نہ کیا بلکہ اظہارِ علت کے طور پر ایک ایسا لفظ منہ سے نکال دیا جو کل کو اسی کے خلاف استعمال ہونے والا تھا! اس نے کہا:

"مجھے یہ بات غمگین کرتی ہے کہ تم اس کو لے جاؤ اور تمہاری غفلت کے باعث اسے بھیڑیا کھا جائے۔"

یعنی میں اس کے فراق کی طاقت نہیں رکھتا۔ اور اس طرح کے اظہارِ محبت سے شائد اُن کا بُغض و حسد کئی گنا بڑھ گیا ہوگا کہ باپ اس لڑکے کی جُدائی کو تھوڑی دیر کے لیے بھی برداشت نہیں کرتا، حالانکہ وہ تو سیر و تفریح اور خوش طبعی کے لیے جائے گا! خدا کی قدرت دیکھو کہ شدّتِ تعلق کی بنا پر یعقوبؑ کی زبان سے یہ لفظ نکل تو گیا مگر ان حسد و بغض کے ماروں کے ہاتھ میں ایک دلیل آگئی جسے انہوں نے یعقوبؑ کے منہ پر لا کر اسی کے خلاف استعمال کیا۔

ہو سکتا ہے کہ انہوں نے دل میں اس بہانے کو جما لیا ہو مگر باپ کا شک دُور کرنے کے لئے بہت بہادرانہ انداز میں بولے کہ: اگر ہماری مضبوط جماعت کی موجودگی میں اس کو بھیڑیا کھا گیا تب تو ہم خسارہ پانے والے ہوں گے اتنا سا کام اگر ہم سے نہ ہو سکا تو اور ہم کس کام کے ہوں گے؟ نتیجہ ان کے اصرار کا اور اظہارِ شجاعت کا یہ ہوا کہ بوڑھا باپ جوان اولاد کے سامنے ہتھیار ڈال گیا۔ چنانچہ وہ دوسرے دن یوسفؑ کو صحرا میں لے ہی گئے۔

برادرانِ یوسفؑ اپنے برے ارادے پر عمل کرتے ہیں!

آیت: ۱۵ کہتی ہے کہ:

"پھر جب وہ اس کو لے گئے اور پختہ ارادہ کر لیا کہ اس کو جنگلی کنوئیں میں ڈالیں اور ہم نے اس کی طرف وحی بھیجی کہ تو ضرور ان کو ان کا یہ کام بتائے گا، جب کہ ان کو پتہ نہ ہوگا"۔

وہ لوگ بلطائف الحیل یوسفؑ کو باپ سے جدا کر کے لے گئے اور اس کو گمنام کنوئیں میں ڈالنے کی پوری تیاری کر لی تو اللہ تعالیٰ نے اس کے دل میں یہ بات القاء فرمائی کہ فکر مت کر، تو محفوظ رہے گا اور ایک وقت آ رہا ہے جب کہ تیری باری آئے گی اور تو ان کو ان کا یہ برا فعل یاد دلائے گا اور وہ اس وقت تجھے پہچانتے نہ ہوں گے۔ یہ وحی جو یوسفؑ کو ہوئی اسے الہام یا القاء کہا جا سکتا ہے یا شائد حسب ضرورت اللہ تعالےٰ انبیاء و رسل کو چالیس برس کی عمر سے پہلے بھی باضابطہ وحی بھیجتا ہو گا۔ یوسفؑ اس پر یقیناً مطمئن ہو گیا ہو گا، اس نے جزع و فزع کا اظہار نہ کیا ہو گا۔ ویسے بھی وہ بے چارہ ایک معصوم بچہ تھا، اور دوسری طرف دس کڑیل جوان تھے، جن کے رعب اور خوف سے وہ بے چارہ خاموش ہو گیا ہو گا اور دل میں جو بات اللہ کی طرف سے ڈال دی گئی تھی، وہ اس کی مضبوطی اور دل جمعی کا باعث بنی ہو گی۔

ریاکاروں کا باپ کے سامنے واویلا

اب یوسفؑ تو بے چارہ صحرائی گمنام کنوئیں میں پڑا تھا اور بلاشبہ وہ الٰہی وحی پر مطمئن تھا، مگر بھائی ایک ڈرامہ بنا کر بوڑھے باپ کے پاس لے آئے، خون آلود قمیص لا کر پیش کی اور روتے، چیختے چلاتے بوقت عشاء گھر آ پہنچے۔ آیات: ۱۶ ——— ۱۸ کا مضمون یہ ہے کہ:

"اور وہ بوقت عشاء اپنے باپ کے پاس روتے ہوئے آئے، کہنے لگے: اے ہمارے باپ! ہم تو دوڑ کا مقابلہ کرنے چلے گئے تھے اور یوسفؑ کو ہم نے اپنے سامان کے پاس چھوڑا، پس اسکو بھیڑیا کھا گیا، اور تو ہماری بات ماننے والا نہیں ہے گو ہم سچے ہیں، اور وہ اس کی قمیص پر جھوٹا خون لگا لائے۔ اس نے کہا کہ: بلکہ تمہارے لیئے تمہارے دلوں نے ایک سازش کی ہے، پس صبر ہی بہتر ہے اور جو کچھ تم کہتے ہو اس پر اللہ ہی کی مدد مانگی جا سکتی ہے"۔

برادرانِ یوسفؑ جلد باز نکلے۔ پہلی ہی بار اسے لے گئے اور یہ "کارنامہ" کر کے واپس آ گئے، یہ نہ سوچا کہ زیادہ بہتر یہ ہو گا کہ پہلی بار ایسا نہ کیا جائے اور اس فعلِ بد کو کسی دوسری بار پر ملتوی رکھا جائے، شائد اسی طرح ان کے باپ کو ان پر کچھ یقین ہو جاتا۔ مگر انہوں نے شاید یہ سوچا کہ آج تو اس کو باہر نکال لائے ہیں، اس کے بعد شائد کسی بہانے سے بھی باپ اسے باہر لانے کی اجازت نہ دے، لہٰذا جو کرنا ہے آج ہی کر لو۔ باپ نبی تھا، صاحبِ فراست تھا، تاڑ گیا ہو گا کہ یہ تو شدتِ محبت میں میرے منہ سے نکلی ہوئی بات کو میرے خلاف استعمال کر رہے ہیں، مگر کیا کرتا؟ وہ بوڑھا، اکیلا، دس کڑیل جوان ایک بات پر متفق ہیں اور ایک ماتمی جلوس بنا کر، خون آلود قمیص کی نمائش کرتے اور روتے پیٹتے آ رہے ہیں، اب انہیں جھٹلائے تو کس طرح۔ یہ ضرور سوجھ گئی ہو گی کہ انہوں نے میری

Marfat.com

بات میرے منہ پر لگی ہے۔ مگر جس طرح جھوٹا قسمیں کھاتا، اپنی صفائی کا ماحول بنانے کی کوشش کرتا ہے اور دل کا چور اندر سے خود بول پڑتا ہے کہ تو جھوٹا ہے، ہو سکتا تھا کہ باپ مدلل طور پر ان کی بات کو رد کر دیتا مگر وہ پیشگی پکار اٹھے کہ:

”گو ہم سچے ہوں مگر تو ہماری بات ماننے والا نہیں۔“

یہ الفاظ اندر سے بول رہے ہیں کہ وہ سچے نہ تھے اور یہ دفع دخل مقدر نہ بیان کی ہوئی غلط فہمی، جو وہ کر رہے تھے یہ بھی ان کے کذب و افتراء کی دلیل تھی۔

یعقوبؑ نے تاڑ لیا کہ یہ کاذب ہیں!

دلائل حال سے اور صورتِ احوال سے یعقوبؑ کو ادراک ہو گیا کہ یہ جھوٹے ہیں، اندر سے دل نے بھی یہ آواز دی کہ یوسفؑ زندہ ہے، اسے بھیڑیئے نے نہیں کھایا، یہ یوسفؑ کا خون نہیں بلکہ جعلی خون ہے، اب یعقوبؑ کہہ تو کچھ نہ سکا، کر سکتا بھی کیا تھا! مگر یہ کہنے سے باز نہ رہا کہ یہ تمہاری ایک سازش ہے، اور میں اس کے مقابلے میں صبر کروں گا، جزع فزع اور شکوہ نہ کروں گا، اللہ سے مدد مانگوں گا کہ تمہارے حیلوں بہانوں اور جھوٹ سے مجھے نجات دے دے، صورتِ احوال ہی کچھ اسی قسم کی تھی کہ یعقوبؑ کچھ نہ کر سکتے تھے، دس کے دس جوان ایک طرف ہیں، اور ان کا بوڑھا باپ اکیلا ایک طرف ہے، وہ کہیں بھاگ دوڑ بھی نہیں سکتا صراحتہً بیٹوں کی مخالفت بھی مشکل ہے۔

صحرائی کنوئیں کا منظر!

اب ہمیں بہت جلدی سے واپس کنوئیں کی طرف لوٹنا ہے تاکہ قصے کے حلقات میں سے اس پہلے حلقے کا آخری نظارہ دیکھیں: آیات: ۱۹ ۔۔۔۔۔ ۲۰

”اور ایک قافلہ آیا، انہوں نے اپنا پانی لانے والا بھیجا تو اس نے اپنا ڈول اس کنوئیں میں لٹکایا، (یوسفؑ ڈول سے چمٹ گیا اور جب اوپر آیا تو) وہ شخص بولا: اے خوشخبری ہو! یہ ایک لڑکا ہے اور انہوں نے اس کو ایک قیمتی مال سمجھ کر چھپا لیا، اور اس کو معمولی قیمت پر یعنی چند درہم پر بیچ ڈالا تاکہ اس سے خلاصی پائیں اور چوری یا اغواء یا ڈاکے کا الزام نہ لگ جائے، اور وہ اس میں بے رغبت تھے (جلدی اس سے خلاصی پانا چاہتے تھے)۔“

یہ ویران کنواں قافلوں کے راستے پر تھا، قافلے والے عموماً ایسی جگہوں سے پانی کی تلاش کرتے تھے جہاں اس کا پایا جانا ممکن ہو۔ یعنی کنوئیں، باؤلیاں اور اس جیسے غیر آباد کنوئیں جن میں بارش کا پانی جمع ہوتا تھا اور کچھ دیر باقی رہتا تھا، اور بعض اوقات وہ کنوئیں خشک ہوتے تھے۔ قافلے کو سیارہ کہا گیا ہے، کیونکہ وہ طویل سیر و سفر میں رہتا ہے، قافلوں میں بعض سمجھ دار قسم کے لوگ ہوتے ہیں جو پانی کی تلاش کے ماہر ہوتے ہیں، انہیں علم ہوتا ہے کہ فلاں فلاں جگہوں میں پانی کا پایا جانا ممکن ہے، ایسے لوگوں کو وارد کہتے ہیں۔ قرآن نے حسب عادت یہاں قصہ بہت مختصر کر دیا ہے کہ قاری محذوف چیزوں کو خود سمجھ سکتا ہے۔ قافلے والوں نے جب اپنے وارد سے یہ خوشخبری سنی کہ کنوئیں کے ڈول

Marfat.com

سے تو ایک لڑکا برآمد ہوا ہے تو انہوں نے اس کو ایک خفیہ مال بنا کر چھپا لیا، مبادا کوئی الزام ان کے سر آئے اور کسی الجھن میں پڑ جائیں۔ وہ اس کو غلام بنا کر بیچنا چاہتے تھے اور چونکہ وہ غلام نہ تھا لہٰذا قافلے والے کچھ حقیقت حال کو بھانپ کر اسے چھپانے میں مصروف ہوتے، مبادا کسی کی اس پر نظر پڑ جائے اور اسے پھینکنے والا پیچھا کر رہا ہو یا کہیں ادھر اُدھر چھپا بیٹھا ہو۔ پھر انہوں نے اس کو مصر میں لے جا کر جہاں یہ قافلہ جا رہا تھا، چند دراہم پر بیچ دیا۔ رواج یہ تھا کہ کم دراہم کو شمار کرتے تھے اور زیادہ کو تول کر ان کا لین دین کرتے تھے، اور وہ اس سے اظہارِ بے رغبتی کرتے تھے تاکہ سرقہ یا ڈاکے وغیرہ کا الزام نہ آئے، مگر معلوم ہوتا ہے کہ اس سارے عرصے میں یوسفؑ ساکت و صامت رہا، شاید وحیٔ الٰہی پر قانع ہو کر مطمئن ہو گیا تھا! یا ابھی اس قدر ہوش نہ تھا کہ کسی کو حقیقت بتا سکتا۔ اس پاک نبی کی زندگی کی یہ پہلی مشقت تھی جو یہاں پر اختتام پذیر ہو گئی۔

وَقَالَ الَّذِي اشْتَرَاهُ مِن مِّصْرَ لِامْرَأَتِهِ أَكْرِمِي مَثْوَاهُ عَسَىٰ أَن يَنفَعَنَا أَوْ نَتَّخِذَهُ وَلَدًا ۚ وَكَذَٰلِكَ
مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي الْأَرْضِ وَلِنُعَلِّمَهُ مِن تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ ۚ
وَاللَّهُ غَالِبٌ عَلَىٰ أَمْرِهِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٢١﴾ وَلَمَّا
بَلَغَ أَشُدَّهُ آتَيْنَاهُ حُكْمًا وَعِلْمًا ۚ وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ﴿٢٢﴾
وَرَاوَدَتْهُ الَّتِي هُوَ فِي بَيْتِهَا عَن نَّفْسِهِ وَغَلَّقَتِ الْأَبْوَابَ وَقَالَتْ
هَيْتَ لَكَ ۚ قَالَ مَعَاذَ اللَّهِ ۖ إِنَّهُ رَبِّي أَحْسَنَ مَثْوَايَ ۖ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ
الظَّالِمُونَ ﴿٢٣﴾ وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهِ ۖ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَا أَن رَّأَىٰ بُرْهَانَ رَبِّهِ ۚ
كَذَٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوءَ وَالْفَحْشَاءَ ۚ إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِينَ ﴿٢٤﴾
وَاسْتَبَقَا الْبَابَ وَقَدَّتْ قَمِيصَهُ مِن دُبُرٍ وَأَلْفَيَا سَيِّدَهَا لَدَى الْبَابِ ۚ
قَالَتْ مَا جَزَاءُ مَنْ أَرَادَ بِأَهْلِكَ سُوءًا إِلَّا أَن يُسْجَنَ أَوْ عَذَابٌ
أَلِيمٌ ﴿٢٥﴾ قَالَ هِيَ رَاوَدَتْنِي عَن نَّفْسِي ۚ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ أَهْلِهَا
إِن كَانَ قَمِيصُهُ قُدَّ مِن قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكَاذِبِينَ ﴿٢٦﴾
وَإِن كَانَ قَمِيصُهُ قُدَّ مِن دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصَّادِقِينَ ﴿٢٧﴾

Marfat.com

فَلَمَّا رَاٰ قَمِيْصَهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ اِنَّهٗ مِنْ كَيْدِكُنَّ ؕ اِنَّ كَيْدَكُنَّ
عَظِيْمٌ ﴿۲۸﴾ يُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ٚ وَاسْتَغْفِرِيْ لِذَنْۢبِكِ ۖۚ
ع ۳ ۱۳ اِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخٰطِـِٕيْنَ ﴿۲۹﴾ وَقَالَ نِسْوَةٌ فِی الْمَدِيْنَةِ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ
تُرَاوِدُ فَتٰىهَا عَنْ نَّفْسِهٖ ۚ قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا ؕ اِنَّا لَنَرٰىهَا فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۰﴾
فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ اَرْسَلَتْ اِلَيْهِنَّ وَاَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكَاً وَّاٰتَتْ
كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّيْنًا وَّقَالَتِ اخْرُجْ عَلَيْهِنَّ ۚ فَلَمَّا رَاَيْنَهٗۤ اَكْبَرْنَهٗ
وَقَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ وَقُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا ؕ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا مَلَكٌ
كَرِيْمٌ ﴿۳۱﴾ قَالَتْ فَذٰلِكُنَّ الَّذِیْ لُمْتُنَّنِیْ فِيْهِ ؕ وَلَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ
نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ ؕ وَلَئِنْ لَّمْ يَفْعَلْ مَاۤ اٰمُرُهٗ لَيُسْجَنَنَّ وَلَيَكُوْنًا
مِّنَ الصّٰغِرِيْنَ ﴿۳۲﴾ قَالَ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا يَدْعُوْنَنِیْۤ اِلَيْهِ ۚ
وَاِلَّا تَصْرِفْ عَنِّیْ كَيْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَيْهِنَّ وَاَكُنْ مِّنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۳۳﴾
فَاسْتَجَابَ لَهٗ رَبُّهٗ فَصَرَفَ عَنْهُ كَيْدَهُنَّ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۳۴﴾

(ترجمہ) اور اس شخص نے جس نے اس کو مصر میں خریدا تھا، اپنی بیوی سے کہا: اسے بہت اچھا ٹھکانہ دے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ ہم کو نفع دے یا ہم اس کو اولاد بنا لیں (معلوم ہوتا ہے کہ وہ خود لاولد تھے)، اور اس طرح ہم نے یوسفؑ کو اس سرزمین میں عزت و احترام دیا اور تاکہ ہم اس کو خوابوں کی تعبیر سکھائیں، اور اللہ اپنے معاملے پر غالب ہے مگر اکثر لوگ نہیں جانتے (۲۱)، اور جب وہ اپنی جوانی کو پہنچا تو ہم نے اسے فیصلے کی قوت اور علم دیا۔ اور اسی طرح ہم نیکوں کو جزا دیتے ہیں (۲۲)، اور جس گھر میں وہ رہتا تھا اس عورت نے اس کو نفسانی خواہش کی ترغیب دی، اور دروازے بند کر دیئے۔ اور بولی: تیری کیا صلاح ہے؟ اس نے کہا کہ اللہ کی پناہ۔ میرا وہی رب ہے جس نے مجھے اچھا ٹھکانہ بخشا۔ بلاشبہ ظالم فلاح نہیں پاتے (۲۳)، اور اس عورت نے تو اس کا ارادہ کر لیا تھا۔ اور اگر وہ اپنے رب کی کھلی دلیل نہ دیکھتا تو وہ بھی اس عورت کا ارادہ کر لیتا۔ یوں ہوا تاکہ ہم اس سے برائی اور بے حیائی کو دور ہٹائیں۔ بلاشبہ وہ ہمارے خالص بندوں میں سے تھا (۲۴) اور وہ

Marfat.com

دونوں دروازے کی طرف بھاگے اور اس عورت نے اس کا قمیص پیچھے سے پھاڑ دیا ۔ اور انہوں نے اس کے خاوند کو دروازے پر پایا۔ وہ بولی: اس شخص کا کیا بدلہ ہے جو تیری گھر والی کے ساتھ برائی کا ارادہ کرے، سوائے اس کے کہ اسے قید کیا جائے یا دردناک سزا دی جائے؟ (۲۵) وہ بولا کہ اس نے مجھے خواہش نفس کی ترغیب دی۔ اور اس عورت کے گھر والوں میں سے ایک گواہ نے گواہی دی کہ اگر اس کی قمیص آگے سے پھٹی ہے تو وہ سچی ہے اور یہ جھوٹا ہے (۲۶) اور اگر اس کی قمیص پیچھے سے پھٹی ہے تو وہ جھوٹی ہے اور یہ سچا ہے (۲۷) جب اس نے دیکھا کہ اس کی قمیص پیچھے سے پھٹی ہے تو اس نے کہا: یہ تم عورتوں کی چالوں میں سے ہے بلاشبہ تمہاری چال بہت بڑی ہے (۲۸) اے یوسفؑ! تو اس سے اعراض کر اور تو اے عورت اپنے گناہ کی معافی مانگ کیونکہ بلاشبہ تو ہی خطا کار تھی (۲۹) اور شہر میں کچھ عورتوں نے کہا کہ عزیز کی بیوی اپنے غلام کو اس کے نفس سے پھسلاتی ہے، اس کی محبت اس کے دل میں جاگزیں ہے بے شک ہم اس کو کھلی غلطی پر سمجھتی ہیں (۳۰) جب اس نے ان کا خفیہ مشورہ سنا تو انہیں بلا بھیجا اور ان کے لیے ایک باعزت جگہ تیار کی اور ان میں سے ہر ایک کو ایک چھری دی اور بولی: نکل ان کی طرف! جب انہوں نے اس کو دیکھا تو اسے بہت بڑا جانا اور اپنے ہاتھ کاٹ لیے اور کہنے لگیں: خدا کی قسم یہ انسان نہیں، یہ تو کوئی باعزت فرشتہ ہے (۳۱) وہ بولی کہ یہی ہے وہ جس کے متعلق تم نے مجھ کو ملامت کی تھی، اور میں نے اس کے نفس کو آمادہ کرنے کی کوشش کی ہے مگر یہ بچ نکلا ہے۔ اور اگر اس نے وہ کام نہ کیا جس کا میں اسے حکم دیتی ہوں تو ضرور قید کیا جائے گا اور ضرور ذلیل ہو جائے گا (۳۲) وہ بولا: اے میرے رب! مجھے قید خانہ اس کی نسبت زیادہ پسند ہے، جس کی یہ عورتیں دعوت دیتی ہیں، اور اگر تو مجھ سے ان کے مکر کو نہ ہٹائے گا تو ان کی طرف مائل ہو جاؤں گا اور جاہلوں میں سے ہو جاؤں گا (۳۳) پس اس کے رب نے ——— اس کی دعا قبول کر لی، اور ان کے مکر کو اس سے دور کر دیا۔ بلاشبہ وہی بہت سننے والا بہت جاننے والا ہے (۳۴)

یہ اس قصے کا دوسرا حلقہ ہے، یوسفؑ مصر پہنچ چکا ہے اور غلاموں کی طرح بک گیا ہے۔ مگر اس کے خریدار نے تاڑ لیا کہ اس میں نجابت و شرافت اور خیر کے آثار موجود ہیں۔ بھلائی کو خوبصورت چہروں میں تاڑا جا سکتا ہے۔ خاص کر جب کہ ان کے مالکوں کی عادات و خصائل بھی اچھی ہوں۔ پس اس مرد نے اپنی بیوی کو اس کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کا حکم دیا، اور یہاں سے یوسفؑ کے خواب کے پورا ہونے کی بسم اللہ ہوتی ہے لیکن یوسفؑ کے بالغ ہونے پر ایک اور نوعیت کا شدید ابتلاء اس کا منتظر تھا۔ مگر اب اس کے پاس حکمت و علم تھا، جن کے ساتھ وہ اس ابتلاء کا مقابلہ کر سکتا تھا، یہ ایک بہت بڑی پھسلن تھی جس سے وہی بچ سکتا تھا جس پر اللہ کا خاص رحم اور فضل ہو۔ یہ ابتلاء کیا تھا؟ محلاتی ماحول میں گمراہی اور نفس پرستی کی کھلی دعوت دعوت دینے والی نام نہاد "اونچے طبقے" کی بیگمات میں سے تھی، جن میں فسق و فجور کا پایا جانا کوئی حیرت

انگیز نہیں ہوتا۔ یوسف اس سے بالکل صاف بچ گیا، اس کا دین بھی بچ گیا اور اخلاق بھی محفوظ رہ گیا، لیکن اس کے ساتھ ساتھ اسے ایک شدید مشقت کا شکار ہونا پڑا۔

تمکین فی الارض

آیت : ۲۱ کا ارشاد ہے کہ :

"اور جس شخص نے اس کو مصر میں خریدا، اس نے اپنی بیوی سے کہا کہ : اسے اچھا ٹھکانا دے ہو سکتا ہے کہ یہ ہمیں نفع دے یا ہم اس کو بیٹا بنالیں، اور اس طرح ہم نے یوسف کو اس سرزمین میں ٹھکانہ دیا، اور تاکہ اس کو تعبیر خواب کا علم سکھائیں۔ اور اللہ اپنے امر پر غالب ہے مگر اکثر لوگ نہیں جانتے۔"

قرآنی سیاق نے ابھی تک یہ نہیں بتایا کہ یوسف کو خریدنے والا کون تھا؟ مگر کچھ دیر کے بعد پتہ چلے گا کہ وہ عزیز مصر تھا، عزیز شاید بڑے حاکموں کا لقب ہوتا تھا، آگے چل کر برادران یوسف نے بھی لفظ یوسف کے لیے استعمال کیا ہے۔ بہرحال یہ کوئی بڑا حاکم تھا۔ کہا جاتا ہے کہ وہ بڑے وزراء میں سے تھا! لیکن اس آیت سے یہ معلوم ہو چکا ہے کہ اب یوسف ایک پرامن مقام پر جا پہنچا ہے اور اس کی پہلی مشقت ختم ہو چکی ہے اور اب خیر اس کی منتظر ہے۔ مثویٰ کا معنیٰ ہے : آرام کرنے، رات گزارنے اور ٹھہرنے کی جگہ۔ اکرام مثویٰ کا مطلب ہے یوسف کا اکرام، اور یہ لفظ مبالغہ ظاہر کرتا ہے، جب یوسف کے ٹھکانے کا اکرام ہوا تو اس کا اکرام تو خود بخود ہو گیا۔ اس سے پہلے وہ ایک ویران کنوئیں میں رہ چکا تھا۔ خوف والم کا شکار رہا تھا۔ اب اس کی جگہ اللہ تعالیٰ نے یہ سامان پیدا کیا کہ نہ صرف اس کا بلکہ اس کے ٹھہرنے کا بھی اکرام کیا جا رہا ہے!

عزیز مصر کو اس سے امیدیں تھیں، شاید وہ بے اولاد تھا، اور اب اللہ نے اسے یہ موقع دیا کہ یوسف کو ہی بیٹا بنالے، اسی طرح آگے چل کر فرعون اخمیس نے اپنی بیوی آسیہ کے کہنے پر موسیٰ کو بیٹا بنا لینے پر رضامندی کا اظہار کیا تھا، دونوں قصوں میں اتنی سی مشابہت ضروری ہے۔ بہرحال یہ ایک الٰہی تدبیر تھی جس سے یوسف کو تمکین فی الارض نصیب ہوئی، سب سے پہلے تو اس کا مقام عزیز مصر کے دل میں اور اس کے گھر میں بنا جو آئندہ ایک بڑی تمکین کا پیش خیمہ ثابت ہوا، اللہ کی قدرت ہر شیٔ پر غالب ہے، جو نہیں جانتے وہ سخت غلطی پر ہیں بھائیوں نے کیا سوچا؟ قافلے والوں نے کس طرح اس کو چند سکوں کے عوض بیچ ڈالا۔ مگر اللہ تعالیٰ کا ارادہ کچھ اور تھا، آخر اللہ کا ارادہ ہی پورا ہوا کیونکہ وہ غالب ہے۔

یوسف کو حکمت و علم دیا گیا

جسمانی راحت و آسائش مہیا ہونے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے یوسف کی بلوغت پر اس کو حکمت و علم بخشا اور محسنین کی جزا ایسی ہی ہوتی ہے، آیت : ۲۲ کا ارشاد ہے :

"اور جب وہ اپنی جوانی کو پہنچا تو ہم نے اس کو حکم اور علم دیا اور ہم محسنین کو ایسی ہی جزا دیتے ہیں۔"

یوسف کو معاملات میں فیصلہ کرنے کی قوت دی گئی یہ حکم تھا، اور اسے حوادث و واقعات کا انجام اور

تعبیر خواب کا علم سکھایا گیا، یہ علم تھا۔ علم سے مراد علم حیات بھی ہو سکتا ہے۔ صحیح الاعتقاد، صحیح العمل اور خوش اخلاق انسانوں کو اللہ تعالیٰ اسی طرح کامیابی دیتا ہے۔

دوسرا ابتلاء جو پہلے سے شدید تر تھا!

یہ ابتلاء محلاتی سازشوں کا تھا جو اُفِ اور سازشی عورتوں کے شہوانی جال کا تھا، جس عورت کے گھر میں وہ رہتا تھا۔ جس کے خاوند نے اسے خریدا اور بیٹا بنانے کی خواہش کا اظہار کیا تھا، اس عورت کے اصرار و ترغیب کا ابتلاء تھا۔ اُس معاشرے کا ابتلاء تھا، جو ایک جاہلی معاشرہ تھا اور جس میں عورتوں کا کسی سادہ لوح انسان کو پھانس کر اس کا ایمان و اخلاق لوٹ لینا کوئی معیوب بات نہ تھی، یہ ایک ایسا معاشرہ تھا جس میں بگڑی ہوئی عورت کا قصور واضح و ثابت ہو جانے پر بھی اسے کچھ نہ کہا جاتا اور اس کی بدنامی کا داغ مٹانے کے لیے بے گناہ انسان کو قید و بند کے حوالہ کیا جاتا تھا۔ یہ ابتلاء یوسفؑ کی جوانی میں پیش آیا، جب کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رحمت و فضل کے ساتھ اسے علم و حکمت عطا فرما دی تھی تاکہ وہ آنے والے سنگین حالات کا بخوبی مقابلہ کر سکے۔

آیات: ۲۲ ——— ۲۹ میں اسی ابتلاء کا ذکر ہے۔ ارشاد فرمایا:

”اور جس عورت کے گھر میں وہ رہتا تھا اس نے اس کو نفسانی خواہش کی ترغیب دی اور دروازے اچھی طرح سے بند کر لیے اور بولی: اب تو کس انتظار میں ہے؟ اس نے کہا: اللہ کی پناہ! بلاشبہ وہ میرا رب ہے جس نے مجھے اچھا ٹھکانہ دیا۔ بلاشبہ ظالم فلاح نہیں پاتے، اور وہ عورت تو اس کا ارادہ کر چکی تھی اور اگر وہ اپنے رب کا برہان نہ دیکھ چکا ہوتا تو وہ بھی اس کا ارادہ کر لیتا۔ یوں ہی ہوا تاکہ ہم اس سے برائی اور بے حیائی کو دور کر دیں۔ بلاشبہ وہ ہمارے برگزیدہ بندوں میں سے تھا، اور وہ دونوں دروازے کی طرف دوڑے اور عورت نے یوسفؑ کی قمیص کو پیچھے سے پھاڑ دیا۔ اور انہوں نے اس کے خاوند کو دروازے پر پایا، وہ بولی: اس شخص کی کیا سزا ہے جس نے تیرے گھر والوں کے ساتھ برائی کا ارادہ کیا، سوائے اس کے کہ اس کو قید کیا جائے یا دردناک سزا دی جائے؟ یوسفؑ نے کہا کہ اسی نے مجھے نفسانی خواہش کی ترغیب دی تھی، اور اس کے گھر والوں میں سے ایک گواہ نے گواہی دی کہ اگر یوسفؑ کی قمیص آگے سے پھٹی ہے تو وہ سچی ہے اور یہ جھوٹا ہے، اور اگر اس کی قمیص پیچھے سے پھٹی ہے تو وہ جھوٹی ہے اور یہ سچا ہے، پس جب اس نے دیکھا کہ اس کی قمیص پیچھے سے پھٹی ہوئی تھی تو بولا: یہ تم عورتوں کی مکاری ہے، بلاشبہ تمہاری مکاری بہت بڑی ہے، اے یوسفؑ! اس سے اعراض کر اور اے عورت! تو اپنے گناہ کی معافی مانگ، بلاشبہ تو ہی گناہ گار تھی۔“

فریقین کی عمروں کا تفاوت

قرآنی سیاق نے یہ نہیں بیان کیا کہ اس حادثے کے وقت یوسفؑ کی عمر اور اس عورت کی عمر کیا تھی؟

Marfat.com

اندازے سے یوں کہا جا سکتا ہے کہ یہ بات تو ثابت ہے کہ جب یوسفؑ کو قافلے والوں نے کنوئیں سے نکالا اور مصر میں لے جا کر بیچا اس وقت یوسفؑ غلام تھا، اور یہ چودہ سال کی عمر ہو سکتی ہے۔ کم کا امکان تو ہے مگر زیادہ کا نہیں کیونکہ یہی وہ عمر ہے جس میں غلام کا لفظ صادق آتا ہے۔ اس کے بعد فتیٰ ہوتا ہے، پھر شاب اور پھر رجل۔ اور یہی ۱۳ یا ۱۴ سال کی عمر ہو سکتی ہے۔ جس کے بارے میں یعقوبؑ یوں کہہ سکتے تھے کہ:

"مجھے خوف ہے کہ اس کو بھیڑیا کھا جائے گا۔"

اور اس وقت میں وہ عورت شادی شدہ تھی، عزیز کی بیوی تھی۔ اور ان کے ہاں اولاد نہ تھی جیسا کہ عزیز کے اس قول سے ظاہر ہے کہ:

"یا ہم اس کو بیٹا بنا لیں گے۔"

کسی غیر کی اولاد کو متبنیٰ بنانے کی خواہش یا خیال اسی وقت پیدا ہو سکتا ہے جب کہ بنانے والے کی اپنی اولاد نہ ہو۔ نہ صرف یہ، بلکہ مایوسی ہو چکی ہو یا تقریباً مایوسی ہو، اور یہ بھی ضروری ہے کہ ان دونوں کی شادی پر کچھ عرصہ گزر چکا ہو گا اور بہر حال مصر کے وزیر اعظم کے بارے میں یہی امید ہے کہ اس کی عمر ۴۰ سال سے کم نہ ہو گی اور اس کی بیوی کی عمر اس وقت ۳۰ کے لگ بھگ ہو گی۔ اور اسی طرح یہ امید ہے کہ جب یوسفؑ کی عمر ۲۵ سال کی ہو گی تو اس عورت کی عمر کم از کم ۴۰ برس ہو گی یا اس کے قریب، اور ہمارے خیال میں یہی وہ عمر تھی جب کہ یہ حادثہ پیش آیا تھا۔ ہم اس بات کو ترجیح اس لیے دیتے ہیں کہ حادثے کے وقت عورت اپنی عمر کے کمال عروج پر تھی اور جرأت مند تھی، اپنی سازش کی مالک تھی اور اسی طرح وہ اپنے غلام پر مرمٹی ہوئی تھی اس کے بعد عورتوں کا یہ لفظ اس کو ترجیح دیتا ہے کہ:

"عزیز کی بیوی اپنے فتیٰ کو نفسانی خواہش کے لیے پھسلاتی ہے۔"

اگرچہ فتیٰ کا لفظ غلام کے معنے میں بھی بولا جاتا ہے، لیکن اس وقت جب کہ اس کا اصلی مدلول اس کے اندر پایا جائے۔ اور حالات کے شواہد یوسفؑ کی عمر کے بارے میں اسی بات کو ترجیح دیتے ہیں۔

اس بحث کا فائدہ

ہم یہ بحث اس لیے کر رہے ہیں تاکہ اس سے ایک معین نتیجے پر پہنچیں، وہ یہ کہ یہ تجربہ یا فتنہ جس میں سے یوسفؑ کو گزرنا پڑا، یہ فقط اس خاص موقع پر نفسانی خواہش پر اصرار کا معاملہ ہی نہ تھا، بلکہ یہ بات بھی تھی کہ یوسفؑ جب قریب البلوغ تھا تو وہ عورت ۳۰ اور ۴۰ کے درمیان تھی، اس کے ساتھ ساتھ وہ ایک محلاتی ماحول تھا اور وہ ایک ایسا معاشرہ تھا جس کی تصویر عزیز کا یہ قول کھینچ رہا ہے کہ:

"اے یوسفؑ! اس بات سے اعراض کر اور اے عورت تو اپنے گناہ کی معافی مانگ، تو ہی قصوروار ہے۔"

اور بس یہی کہنے پر اکتفا کرتا ہے، کوئی ایکشن نہیں لیتا، کسی غیرت یا شرم و حیاء کا اظہار نہیں کرتا۔ اور جب عورتوں میں یہ بات چلتی ہے کہ عزیز کی بیوی نے یہ یہ کیا ہے، تو اس کا جواب یہ ہوتا ہے کہ وہ ان کی دعوت کر ڈالتی ہے اور یوسفؑ کو عین اس وقت باہر آنے کا حکم دیتی ہے جب کہ وہ کھانے میں مصروف تھیں

Marfat.com

کھانے میں چھری کانٹا استعمال ہوتا تھا، یا فروٹ کھایا جا رہا تھا، وہ عورتیں یوسفؑ پر مفتون ہو جاتی ہیں، اور اپنے عشق و محبت کا کھلا اظہار کرتی ہیں، پھر وہ عورت کہتی ہے کہ:

"میں نے اس کے نفس کو پھسلایا ہے مگر یہ بچ گیا ہے، اور اگر یہ میرا حکم مان کر وہ کام نہ کرے گا جس کا میں حکم دیتی ہوں تو اسے قید کیا جائے گا اور ذلیل ہو جائے گا۔"

اس وقت کا مصری معاشرہ

اس سے ثابت ہوا کہ جس معاشرے میں یہ واقعات پیش آ رہے تھے، ایک خاص معاشرہ تھا، اور عیش پسند طبقے کا معاشرہ ہمیشہ ایسا ہی ہوتا ہے، یوسفؑ نے اس ماحول میں محل میں پرورش پائی تھی اور فتنے کے زمانے میں پروان چڑھا تھا، وہ جوان تھا، حسین تھا، نبوت کے گھرانے کا فرد تھا اور تاریخ و سیرت اور حدیث کی رُو سے حسن جمال میں یگانہ تھا، پس یہ ہے وہ شدید مشقت جس میں سے یوسفؑ گزرا تھا، اور وہ تمام فتنوں سے، ان کے نتائج سے اور خبیث احوال سے بفضلہ تعالیٰ صاف بچ کر نکل گیا تھا، اس کی عمر کو اور عزیز کی بیوی کی عمر کو بھی اس معاملے میں خاص دخل تھا، اور اتنی مدت تک اس چھت کے نیچے رہ چکا تھا، اگر یہ معاملہ اتفاقیہ طور پر اچانک پیش آ جاتا تو اس سے بچ نکلنا یوسفؑ کے لیے اتنا زیادہ مشکل نہ ہوتا مگر یہاں تو صورت حال کچھ اور تھی، ایک طویل عرصے کی ترغیب تھی، ڈورے ڈالے جا رہے تھے، اور اس کی طرف سے ڈالے جا رہے تھے، جو یہ طویل عرصہ اسی محل میں اس کی سرپرست رہ چکی تھی، اچانک یہ حادثہ ہوتا تو یوسفؑ مطلوب تھا اور وہ عورت طالب، اور عورت جب کسی مرد پر مرمٹے تو ایسا ہو جاتا ہے کہ مرد اس کی بات ماننے سے ابا کرے اور وہ عورت مرمٹنے والی عاشقہ تھی۔

اس بار کی ترغیب بالکل واضح اور عریاں تھی!

آیت ۲۳ کے تین الفاظ بتا رہے ہیں کہ یہ دعوت اب بالکل کھلی اور بے پردہ تھی، پہلا لفظ رَاوَدَتْهُ ہے، دوسرا لفظ غلقت الابواب ہے، تیسرا لفظ هيت لك ہے۔ ان سے پتہ چلتا ہے کہ یہ دعوت واضح طور پر بے حیائی کی تھی۔ علاوہ ازیں دروازوں کو خوب بند کر لینا آخری لمحے میں ہی ہو سکتا ہے۔ مطلب یہ کہ وہ عورت اب فیصلہ کن مرحلہ پر پہنچ گئی تھی، اور اس نے فریق ثانی کو ہیجان نفس میں مبتلا کرنے کی کوشش کر ڈالی تھی، اور پھر یہ هيت لك کہنا کسی عورت کی طرف سے پہلی دعوت نہیں ہو سکتی، یہ تو آخری دعوت ہے اور عورت کی طرف سے یہ دعوت، اس انداز میں، ان اسباب و عوامل کے ساتھ صرف اس وقت ہو سکتی ہے جب کہ وہ حالت اضطرار تک جا پہنچی ہو۔ یوسفؑ اب کامل مرد تھا، اس عورت کے سامنے جوان ہوا تھا، پس لازماً اس کی طرف سے اس سے پہلے لطیف قسم کی ترغیبات اور اغراء ہو چکے ہوں۔ اور آج کی ترغیب نے تو کوئی رکاوٹ راستے میں نہیں رہنے دی، ہاں مادی رکاوٹیں نہیں تھیں، لیکن عصمت کی شدید رکاوٹ موجود تھی!

معاذ اللہ !

یوسفؑ نے کہا:

"اللہ کی پناہ! وہ میرا رب ہے جس نے مجھے اچھا ٹھکانہ دیا ہے۔"

میں اس کی نعمت اور احسانات کی ناشکری نہیں کر سکتا۔ اس نے مجھے ویران کنوئیں سے نکالا اور اس آرام و آسائش کے ٹھکانے پر پہنچایا:

"بلاشبہ ظالم فلاح نہیں پاتے۔"

جو لوگ حدود اللہ سے تجاوز کرتے ہیں اور ان افعال کا ارتکاب کرتے ہیں جس کی تو مجھے اس وقت دعوت دے رہی ہے، وہ بلاشبہ ظالم ہیں جو دونوں جہان میں فلاح نہ پائیں گے۔ اس نص صریح سے ثابت ہوگیا کہ اس عورت کی طرف سے اقدام در اقدام اور ترغیب در ترغیب کے باوجود یوسفؑ عصمت و پاکیزگی کا پہاڑ ثابت ہوا جو ذرا بھی جنبش نہیں کھاتا۔

هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا

اس آخری واقعہ کے بارے میں قدیم وجدید مفسرین نے بہت کچھ کہا ہے۔ اسرائیلی روایات کی پیروی کرنے والوں نے بہت سے لایعنی اور طویل افسانے لکھے ہیں۔ جن میں انہوں نے یوسفؑ کی تصویر یہ کھینچی ہے کہ اسے ہیجان تو ہوا مگر اللہ تعالیٰ نے اسے بہت سے براہین دکھائے اور ان کے باوجود اس پر جوانی کے جوش کا غلبہ چھایا رہا حتیٰ کہ اس کے باپ یعقوبؑ کی صورت اس کو کوٹھڑی کی چھت میں نظر آئی جس نے اپنی انگلی حیرت و استعجاب کے ساتھ دانتوں میں داب رکھی تھی، بعض افسانوں میں یہ ہے کہ اس کے سامنے ایک تختی پیش کی گئی جس پر "قرآنی آیات" لکھی ہوئی تھیں۔ (حالانکہ ابھی قرآن کا نزول ہوا بھی نہ تھا!) اور ان آیات میں اس فعل کی برائی کو واضح کیا گیا تھا، حتیٰ کہ یوسفؑ (خدانخواستہ، خاکم بدہن) پھر بھی باز نہ آیا، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دے کر جبریلؑ کو بھیجا کہ: میرے بندے کو روک لے! جبریلؑ آیا اور یوسفؑ کے سینے پر چوٹ لگائی الخ۔ اور اسی طرح کے اور کئی افسانے ہیں جو عجائب پسند طبائع نے گھڑے ہیں یا یہودی اساطیر سے لیے ہیں، اور ان کا جعلی ہونا بالکل واضح اور ظاہر و باہر ہے۔

جمہور مفسرین کے نزدیک همّت بها کا معنی یہ ہے کہ اس عورت نے اس سے بے حیائی کا ارادہ کیا اور همّ بها کا مطلب یہ ہے کہ یوسفؑ کے دل میں ایک ذرا سا نفسانی خیال پیدا ہو گیا، مگر پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے برہان کی تجلی کے ساتھ اس کو بچا لیا۔

تفسیر المنار میں مرحوم سید رشید رضا مصری نے جمہور مفسرین کی رائے کو رد کر دیا ہے اور اور کہا ہے کہ همّت به کا معنی یہ ہے کہ پرورش کنندہ اور گھر کی مالکہ ہونے کی حیثیت سے اس عورت نے یوسفؑ کو اس کے انکار کی سزا کے طور پر مارنا پیٹنا چاہا تھا، اور یوسفؑ نے اپنا بچاؤ کیا تھا (همّ بها) اور بھاگ پڑا تھا، وہ عورت پیچھے سے چمٹ گئی اور یوسفؑ کا دامن پھاڑ ڈالا۔

مگر سید مرحوم نے ھمت اور ھم کا جو معنی بیان کیا ہے۔ قرآنی الفاظ و عبارت میں اس کی کوئی دلیل نہیں ہے، یہ صرف ایک رائے ہے جو اس لیے اختیار کی گئی ہے کہ سید رشید رضا یوسفؑ سے میلانِ نفس کو بہت بعید جانتے ہوئے یہ تاویل ان کی بلندئ اخلاق و عصمت کے لیے کر رہے تھے، اور اس تاویل میں تکلف ہے اور نص سے بہت دُوری ہے۔ میرے نزدیک همت به وهم بها کا مطلب یہ ہے کہ اس عورت نے تو اس فعلِ قبیح کا پختہ ارادہ کر ہی لیا تھا، مگر یوسفؑ کے دل میں اُدھیڑ بُن کی کیفیت تھی، آخر کار اللہ تعالیٰ نے اسی کیفیت کو دُور کر دیا اور یوسفؑ بچ گیا، یوسفؑ بھی آخر ایک بشر تھا، ہاں! بشرِ مختار تھا، یہی سبب ہے کہ اس کا ھم میلانِ نفس سے آگے نہ بڑھا، اور یہ بات جو ہم نے اختیار کی ہے یہ بشری طبیعت کے اور نبوی عصمت کے عین مناسب ہے۔ اور برہانِ رب سے مراد یہ ہے کہ اس کے ضمیر و قلب میں اللہ تعالیٰ کا برہان متجلی تھا جو اس وقت شدید جوش میں آیا اور نبض کی مانند دھڑکنے لگا۔ اور جو بشری ضعف طاری ہو سکتا تھا، نہ ہوا۔

(مترجم عرض کرتا ہے کہ یہ سارے تکلفات جو کرنے پڑے اور سید قطب مرحوم بھی ان میں سے بعض کے سبب سے لفظِ ھم کی بعض گہرائیوں میں اترتے رہے، اس وقت بے کار ہو جاتے ہیں، جب کہ ہم لولا ان را برهان ربه کو وهم بها کے ساتھ متعلق مان لیں، اور اس صورت میں مطلب یہ ہے کہ:

"اگر وہ اپنے رب کا برہان نہ دیکھ چکا ہوتا تو وہ بھی اس عورت کا قصد کر لیتا۔"

یعنی وہ عورت تو بُرا ارادہ کر ہی چکی تھی مگر یوسفؑ نے ایسا نہیں کیا کیونکہ برہانِ رب کو دیکھ چکا تھا، وہ سمجھ چکا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے نبوت کے لیے برگزیدہ کیا ہے۔ اس پر اس کا خواب اور کنوئیں میں گرائے جاتے وقت وحئ الٰہی کا آنا اور بعد کے سارے واقعات جن میں تائید و فضلِ الٰہی صاف طور پر نظر آ رہا تھا، روشن دلیل کی حیثیت رکھتے تھے، پس یوسفؑ سے وہ ھم سرزد نہیں ہوا جو کسی درجے میں بھی نبوت کی عصمت کے منافی ہوتا، اس پر مدلل و مفصل گفتگو ہمارے حضرتِ استاذ شیخ الاسلام عثمانیؒ کے فوائدِ قرآن میں لائقِ دید ہے۔ واللہ اعلم۔ اور یہ جو کچھ ہم نے کہا ہے، آیت کا اگلا حصہ اس کی مزید صراحت و وضاحت کرتا ہے:

"یوں ہی ہوا تا کہ ہم اس سے برائی اور بے حیائی کو پرے ہٹا دیں۔ (یعنی اس کے قریب نہ آنے دیں۔) بے شک وہ ہمارے برگزیدہ بندوں میں سے تھا۔"

سید مرحوم نے حاشیے پر علامہ زمخشری کا ایک سوال و جواب اپنے خیال کی تائید میں لکھا ہے، مگر کون نہیں جانتا کہ زمخشری اپنے تمام علم و فضل کے باوصف معتزلی، بلکہ معتزلہ کے سردار تھے، اور بہت سے اعتقادی و کلامی مسائل میں سے ایک یہ مسئلہ عصمتِ انبیاء بھی ہے، جس میں اہلِ سنت اور معتزلہ میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ پس زمخشری کی رائے کا یہاں کوئی وزن نہیں ہے، ادبی و بلاغی مسائل میں اور لغت و عربیت میں زمخشری امام ہے، لیکن اعتقادی و کلامی مسائل میں نہیں، یہ فرقِ مراتب کا سوال بھی ہے۔)

امراۃ العزیز کی ناکامی اور جھنجلاہٹ

پھر کیا ہوا؟ قرآن اس کا نقشہ یوں پیش کرتا ہے کہ : وہ دونوں دروازے کی طرف دوڑے۔ یوسف اس عورت سے بچنے کے لیے اور وہ عورت اس کے پیچھے اس کو پکڑنے کے لیے کیونکہ وہ حیوانی وشہوانی ہیجان میں مبتلا تھی۔ چنانچہ اس نے یوسف کو دروازے سے پیچھے کھینچنے کے لیے اس کی قمیص کو پکڑا اور زور سے کھینچا تو قمیص پھٹ گئی۔ اچانک یہ ہوا کہ اسی حالت میں خود عزیز مصر کو انہوں نے دروازے پر موجود پایا جو شائد اندر آنے والا تھا یا غلام گردش میں سے گزر رہا تھا۔ اس صورت حالات کا تقاضا یہ تھا کہ دیکھنے والے کے دل میں یہ سوال پیدا ہوتا کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟ یوسف بے گناہ تھا، اس گھر کا پروردہ غلام تھا۔ لہٰذا وہ تو خاموش رہا۔ عورت گناہ گار تھی، جھوٹی تھی، منہ پھٹ تھی اور منہ چڑھی تھی، کیونکہ اونچے گھرانے کی "بیگم" تھی۔ پس وہ اس کے سوال کے بغیر حرافانہ انداز میں خود ہی بول پڑی کہ :

"جو شخص تیری گھر والی کے ساتھ برائی کا ارادہ کرے اس کا بدلہ کیا ہونا چاہیے؟"

یعنی اس طرح وہ عزیز کی غیرت کو پکار رہی تھی اور پھر سوال کا جواب اس سے نہیں پوچھتی بلکہ اپنے آپ پوچھ کر خود ہی جواب دیتی ہے کہ :

"مگر یہ کہ اسے قید کیا جائے یا کوئی دردناک سزا دی جائے۔"

یہ اس کے دل کا چور بول رہا تھا۔ وہ اپنی صفائی کرنا چاہتی تھی، گھر کی مالکہ تھی خود ہی دعویٰ کرتی ہے اور خود ہی فیصلہ دے دیتی ہے!

یوسفؑ کا جواب اور عورت کے رشتہ دار کی گواہی

اب تک یوسفؑ پر جو ڈورے ڈالے گئے تھے، جتنی ترغیبات نفس اور آزمائشوں میں سے اس کو گزرنا پڑا تھا، وہ اس گھر کا پروردہ ہونے کے باعث شرم وحیاء اور خوف کے مارے خاموش رہا تھا مگر اب جب کہ براہ راست اس کے دامن عصمت پر یہ چھینٹے ڈالنے کی کوشش ہوئی تو وہ خاموش نہ رہ سکا۔ وہ بول پڑا کہ :

"اس عورت نے مجھے نفسانی خواہش کی ترغیب دی تھی۔"

اب یہاں پر قرآن کہتا ہے کہ اس عورت کے گھر والوں میں سے ایک شخص نے گواہی دی کہ اگر یوسفؑ کی قمیص آگے سے پھٹی ہو تو وہ جھوٹا اور عورت سچی۔ کہ یہ بچاؤ کرنا چاہتی تھی اور وہ پیچھے دوڑ کر حملہ آور ہو رہا تھا۔ اور اگر اس کی قمیص پیچھے سے پھٹی ہے تو وہ جھوٹی اور یہ سچا ہے، کیونکہ وہ بچ کر بھاگ رہا تھا اور یہ اس کی دامنگیر ہو کر اس کو پکڑنا چاہتی تھی۔ اب سوال یہ ہے کہ یہ گواہ کب، کہاں سے اور کیسے آگیا جس نے یہ شہادت دی؟ اس کو کس نے بلایا تھا؟ اگر خود وہاں موجود تھا تو از خود آگے بڑھ کر گواہی کیسے دے ڈالی؟ کیا وہ عزیز مصر کے اس وقت ساتھ تھا؟ اور جس طرح عزیز مصر اس صورت حال کا معائنہ کر چکا تھا کیا اس نے بھی یہ صورت دیکھی تھی؟ یا کیا عزیز نے اسے بلوایا تھا اور خود اس سے سوال کیا تھا؟ کیونکہ اس قسم کے حالات

میں رواج یہ ہے کہ مرد بیوی کے رشتہ داروں میں سے کسی بڑی عمر کے آدمی کو بلاتا اور اس کے سامنے صورت حالات رکھ کر مشورہ لیتا ہے، یا بطور شکوہ و شکایت اسے بتاتا ہے کہ تمہارے ہاں کی عورت کا یہ معاملہ ہے۔ اب بتاؤ کیا کیا جائے؟ خاص کر یہ طبقہ جو "طبقۂ اشراف" کہلاتا ہے، بڑے لوگ ہوتے ہیں اور ان کے ہاں کی عورتیں بگڑی ہوئی اور چھوٹ ہوتی ہیں، ان کی رگوں میں ٹھنڈا خون ہوتا ہے، اشیاء کی قدر و قیمت کا احساس انہیں کم ہی ہوتا ہے۔ بہرحال صورت یہ ہو یا وہ جو اوپر گزری، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا، اور اس کے قول کو اللہ تعالیٰ نے شہادت فرمایا ہے، کیونکہ جب جانبین کی بات اس کے سامنے بیان ہوئی اور فریقین کا نزاع سامنے آیا تو اس کا فتویٰ شہادت کہلایا کیونکہ اصل فیصلہ تو اس کے ہاتھ میں نہیں بلکہ عزیز کے ہاتھ میں تھا، اس کا قول شہادت کی مانند تھا کیونکہ اس سے نتیجے تک پہنچنے اور حقیقت حال کو پا لینے میں مدد ملتی تھی اور شاہد کی شہادت کا یہی فائدہ ہوتا ہے۔ اور گواہ نے دو فرضوں میں سے یہ فرض پہلے بیان کیا کہ:

"اگر اس کی قمیص آگے سے پھٹی ہے تو وہ سچی ہے اور یہ جھوٹا ہے۔"

کیونکہ گھر کی مالکہ وہ تھی اور یوسفؑ بہرحال غلام تھا، پس بابِ ادب کا تقاضا یہی تھا کہ یہ فرض پہلے رکھا جاتا اور فرض کرنا تو بہرحال فرض ہی تھا!

کشف حقیقت اور مابعد

جب عزیز نے دیکھا کہ یوسفؑ کی قمیص پشت سے پھٹی ہے تو واقعات کی شہادت سے اس پر یہ واضح ہو گیا کہ قصوروار اس کی عورت تھی، اور اگلی بات خود بخود ثابت ہو گئی کہ جھوٹی ہونے اور قصوروار ہونے کے باوجود اس نے یوسفؑ پر تہمت تراشی بھی کی ہے۔ مگر وہ اپنی منہ چڑھی "بیگم صاحبہ" سے کچھ نہ کہہ سکا سوائے ایک نرم فہمائش کے کہ یہ تیری مکاری ہے اور عورتوں کی مکاری زبردست ہوتی ہے۔ یہ اس لیے کہا کہ یہ حقیقت اس کے سامنے تھی، مگر وہ صرف اپنے وقت اور ماحول کی عورتوں پر ہی یہ حکم لگا سکتا تھا سب پر نہیں، مکار مرد بھی ہوتے ہیں، اور بڑے بڑے مکار ہوتے ہیں۔ اس لیے بطور قاعدہ کلیہ یہ سمجھنا غلط ہے کہ سب عورتیں مکار اور سب مرد بھولے بھالے ہوتے ہیں! ہزاروں سال پہلے کی جاہلیت میں اونچے طبقے کی عورتوں کا کیا حال تھا اور ان کے مرد شرم و حیاء اور غیرت کے معاملات میں عورتوں کے سامنے کس طرح بے بس تھے، اس بات کو اگر سمجھنا ہو تو اسی طبقے پر آج پھر نظر ڈال لو، جنسی معاملات میں ہر جاہلیت کی عورتیں غالباً اسی قسم کی رہی ہیں اور آج بھی ہیں۔ پھر کوشش ہمیشہ یہی ہوتی ہے کہ اس قسم کی رذالتوں کو عوام سے چھپایا جائے۔ چنانچہ قرآن نے عزیز کا قول یوں بیان کیا ہے کہ:

"اس نے کہا یہ تم عورتوں کا فریب ہے اور تمہارا مکر و فریب عظیم ہے، اے یوسفؑ! تو اس سے اعراض کر اور اے عورت تو اپنے گناہ کی معافی مانگ، بلاشبہ تو ہی خطاکار ہے۔"

وہ اپنی بیوی کے گناہ کو ساری جنسِ اناث کے سر تھوپتا ہے تاکہ اس کی بیوی کا گناہ اگر لاشئی نہیں تو کم از کم ہلکا ضرور ہو جائے۔ معاملہ تو غیرت اور حیاء کا تھا مگر وہ اسے یوں چھپا گیا کہ تم سب عورتوں کا یہی حال ہے، ایک لحاظ سے اس نے ٹھیک ہی کہا، کیونکہ اس کے طبقے کی عورتوں کا مکر و فریب واقعی عظیم

Marfat.com

تھا اور آج بھی ہے، اور اس طبقے کے مردوں کی بے غیرتی بھی بے مثال تھی، اُس وقت بھی اور آج بھی یہی حال ہے، اور اگر گہری نظر سے دیکھیں تو اس کا یہ قول اس طبقے کی عورتوں کی مذمت نہیں بلکہ تعریف تھی! ان کیدکن عظیم۔ گویا وہ کہہ رہا تھا تو ایک مثالی عورت ہے جو اس قسم کے چھل فریب کی ماہر ہے۔ اور یوسف علیہ السلام سے جو کچھ کہا گیا اس کا مطلب یہ تھا کہ کچھ نہیں ہوا۔ تو اس کا کوئی خیال نہ کر، اور کسی سے اس کا ذکر نہ کر، نہ تو اس عورت کو عار دلا۔ ایک معمولی بات ہے! ظاہرداری کو قائم رکھنا اور نبھانا زیادہ اہم ہے۔ اور جو کچھ عزیز نے اپنی بیوی سے کہا۔ ہر جاہلیت کی ارسٹوکریسی کے اسی قسم کے خیالات ہوتے ہیں یعنی صرف یہ کہ: تو اپنے گناہ کی معافی مانگ۔ بلاشبہ تو ہی گناہ گار تھی! اور بس! معاملہ ختم!! بلکہ گھر کے مالک نے آئندہ کو اس بگڑی ہوئی عورت کی اصلاح کی کوئی تدبیر نہ کی اور معاملات حسبِ معمول چلتے رہے۔ محلات کے معاملے یوں ہی ہوتے ہیں!

دیوار بھی کان رکھتی ہے!

مگر اس قسم کے راز ہمیشہ راز تو نہیں رہتے، مشہور محاورہ ہے کہ دیوار کے بھی کان ہوتے ہیں اور دیوار جتنی اونچی ہوگی کان بھی اتنے ہی لمبے ہوں گے، اور سب جانتے ہیں کہ محلات کی دیواریں بہت اونچی ہوتی ہیں وہاں خدام و حشم بھی ہوتے ہیں جو اس ماحول کے واقف کار ہوتے ہیں۔ وہ بھی جس قدر منہ چڑھے ہوتے ہیں اتنی ہی منہ پھٹ اور غیر ذمہ دار بھی ہوتے ہیں۔ محلات میں پیش آنے والے واقعات مستور نہیں رہتے، خاص کر ارسٹوکریسی کے درمیان جہاں کی عورتیں بات کا بتنگڑ بنانے کی ماہر ہوتی ہیں۔ محلات کی باتیں بہت جلدی شہروں بازاروں، گھروں اور گلی کوچوں کی باتیں بن جاتی ہیں چنانچہ اس قصے میں بھی یہی ہوا۔

نہاں کے ماند آں رازے کزو سازند محفلہا

آیت: ۳۰ میں ارشادِ الٰہی ہے کہ:

"اور شہر میں کچھ عورتوں نے کہا کہ عزیز کی بیوی اپنے غلام پر نفسانی خواہش کے ڈورے ڈالتی ہے۔ وہ اس کی محبت میں مبتلا ہے، ہم تو اسے کھلی غلطی پر سمجھتے ہیں!"

یہ ایک ایسی بات ہے کہ ہر جاہلی معاشرے میں اس قسم کے واقعات میں اسی انداز میں کہی جاتی ہے، اس آیت کی رُو سے ہم اس واقعہ میں امرأۃ العزیز کا لفظ پہلی بار دیکھتے ہیں اور یہ کہ یوسف علیہ السلام کا مصری خریدار عزیز مصر تھا۔ یعنی مصر کا وزیر اعظم۔ اور اس آیت سے پتہ چلا کہ مصر بھر میں اس کی رسوائی ہوگئی، گھر گھر باتیں ہونے لگیں کہ: عزیز کی بیوی اپنے غلام پر ریجھ گئی ہے اور اسے بہلاتی پھسلاتی ہے، اس پر مفتون ہے، اس کی محبت اس کے دل کے اندر تک پہنچ گئی ہے اور اسے پھاڑ ڈالا ہے۔ شغاف القلب سے مراد اس کا اندرونی اور وسطی حصہ ہے، جو اس کے رقیق پردے کو پھاڑ کر آگے آتا ہے، انہوں نے کہا کہ:

"ہم اسے کھلی غلطی پر سمجھتی ہیں۔"

کہ وہ ایک بڑی بیگم ہے، وزیر اعظم کی بیگم ہے، بھلا اسے کیا ضرورت کہ اپنے خریدے ہوئے

Marfat.com

عبرانی غلام پر عاشق ہو جائے۔ مطلب ان کا شاید یہ بھی تھا کہ جلو عشق و محبت کرنا یا بدکاری کی ترغیب دینا تو کوئی بڑی بات نہ تھی۔ اصل بےنصیبی اس کی یہ ہے کہ شہر بھر میں مشہور بھی ہوئی اور ناکام بھی رہی! اگر یہ معاملہ ڈھکا چھپا رہتا تو اس میں ان کے نزدیک اتنا حرج نہ تھا۔ اب چونکہ ظاہر ہو گیا لہٰذا امرأۃ العزیز کے حق میں اچھا نہیں ہوا۔

اونچی بیگمات کی آوارہ مزاجی

یہاں پر بھی اسی چیز کا وقوع ہوا جس کا وقوع اس قسم کے معاشروں اور گھرانوں میں ہوا کرتا ہے، وہ عورت مکّاروں کی مکّار تھی۔ اسے معلوم تھا کہ اپنے جیسی عورتوں کا مقابلہ کیسے ہوتا ہے اور ان کے رُوبرو ہونا کیونکر ممکن بلکہ مناسب ہے۔ لہٰذا یہ ہوا کہ:

"پس جب اس نے ان عورتوں کا خفیہ مشورہ سُنا تو انہیں بلا بھیجا۔ اور ان کے لئے ایک تکیہ گاہ تیار کی۔ اور ان میں سے ہر ایک کو ایک چھری دے دی اور کہا: نکل تو ان کی طرف پس جب انہوں نے اس کو دیکھا تو اس کو بہت بڑا سمجھا اور اپنے ہاتھ کاٹ لئے اور کہا: خدا کی قسم یہ انسان نہیں ہے۔ یہ تو کوئی بزرگ فرشتہ ہے! وہ بولی کہ: پس یہی ہے وہ جس کے بارے میں تم نے مجھے ملامت کی، اور میں نے اس کو نفسانی ترغیب دی تھی مگر یہ بچ گیا اور اگر اس نے میرے حکم کے مطابق نہ کیا تو اس کو ضرور قید کیا جائے گا، اور یہ ضرور ذلیل ہو جانے کا۔ (آیات: ۳۱ ——— ۳۲)

(ہاتھ کاٹ لینے کی دو تاویلیں ہو سکتی ہیں، ایک یہ کہ یوسف علیہ السلام کو اچانک دیکھ کر دہشت زدہ ہو گئیں، اور پھل وغیرہ کاٹنے یا چھری کانٹا کھانے میں چلانے کے بجائے انہوں نے اپنے ہاتھ زخمی کر لیے، دوسری تاویل یہ کہ یوسف کو دیکھ کر یہ اونچے گھرانے کی "خواتین" خود اس کی خریدار بن بیٹھیں اور اس کا دل لبھانے کے لئے چھریاں ہاتھوں پر چلا لیں کہ ہماری طرف دیکھو ورنہ چھریاں دلوں پر چل جائیں گی! اس کا قرینہ آیت کا یہ لفظ ہے کہ: فلما سمعت بمکرھن۔ یعنی اندر سے وہ عورتیں مکّار تھیں اور دیکھنا چاہتی تھیں کہ وہ ہے کون جس پر وزیر اعظم کی بیوی صاحبہ لٹو ہو چکی ہیں؟ پس اصل غرض کچھ اور تھی اور اظہار کسی اور چیز کا کیا تھا۔ اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی امامت کے سلسلے میں ازواج سے فرمائی تھی کہ "بیشک تم یوسف کی ساتھی ہو"! حضرت عائشہ رض اور حفصہ رض بھی دل میں کچھ اور رکھ کر حضرت ابوبکر صدیق رض کی رقتِ قلب کا اظہار کر کے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی اور صحابی کی امامت کا حکم لینا چاہتی تھیں۔ اس پر حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے انہیں بطور زجر و توبیخ یہ فرمایا تھا۔ المترجم)

محل کی پر تکلف دعوت

عزیز کی بیوی نے زنانِ مصر کو دعوت پر اپنے محل میں بلایا۔ اس سے ثابت ہوا کہ وہ عورتیں ترقی یافتہ طبقہ

Marfat.com

سے تعلق رکھتی تھیں کیونکہ محلات میں مکلف دعوتیں انہی کی ہوتی ہیں اور انہی کی خاطر یہ سارے تکلفات کیے جاتے ہیں، جن کا قرآن نے ذکر کیا ہے، اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ وہ تکیوں کا سہارا لے کر کھانے کی عادی تھیں اس زمانے میں مشرقی ممالک کی تہذیب یہی تھی، اور عزیز کی بیوی نے ان میں سے ہر ایک کو کھانے میں استعمال کرنے کے لیے چھریاں دیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس زمانے میں مصری تہذیب و تمدن کس عروج پر پہنچ چکا تھا، اور عیش پرستی محلات میں بہت آگے جا چکی تھی۔ کیونکہ ہزارہا سال قبل کھانے میں چھری کا استعمال اُس وقت کی مصری تہذیب کا آئینہ پیش کرتا ہے۔ اور جس وقت وہ چھریوں سے پھل یا گوشت کاٹ کر کھانے میں مصروف تھیں، امراۃ العزیز نے اچانک یوسفؑ کو حکم دے کر ان کی دعوت گاہ میں بلایا، وہ اسے دیکھ کر مبہوت اور دہشت زدہ ہو گئیں اور اپنے ہاتھ زخمی کر بیٹے اور کہنے لگیں: پاکیزگی اور بزرگی اللہ کے لیے ہے، یہ انسان نہیں یہ تو کوئی بزرگ فرشتہ ہے۔ جو ظاہری حسن و جمال کا اعلیٰ ترین نمونہ ہے اور اس کے ساتھ ساتھ حسنِ اخلاق اور باطنی پاکیزگی سے بھی آراستہ ہے۔ (ان الفاظ سے پتہ چلتا ہے کہ اس وقت کی مصری تہذیب میں توحید کے دین کا کچھ نہ کچھ اثر موجود تھا!)

عزیز مصر کی بیوی نے زنانِ مصر سے ملامت کا بدلہ لے لیا!

اب امراۃ العزیز نے جان لیا کہ اس نے ملامت گر عورتوں کے منہ سے یوسفؑ کے بے مثال حسن و جمال اور پاکیزگی و طہارت کا اعلان کروا کے ان کی ملامت کا بدلہ لے لیا ہے۔ اسے دیکھ کر یہ خود مدہوش و مبہوت ہو گئی ہیں، تو اب ان کی ملامت عزیز کی بیوی کے لیے بالکل بے کار اور بے معنی ہے اب اس نے ایک کامران عورت کی مانند جو اپنے طبقے کی عورتوں کے سامنے اپنے دل کی حالت اور اپنی بداعمالی کے واقعات کے بیان سے نہیں شرماتی، اور یہ بھی ظاہر کرتی ہے کہ یہ مرد میرے ہاتھوں میں ہے۔ اگرچہ وہ ایک بار بچ کر صاف نکل گیا تھا مگر اب ایسا نہ ہوگا۔ وہ بولی کہ یہی ہے وہ جس کے بارے میں تم نے مجھے ملامت کی۔ اب دیکھ لو کہ اسکو دیکھتے ہی تمہارا کیا حال ہوا؟ یہ ابھی ایسا ہی حال ہو چکا ہے، میں نے اس سے خواہش نفس کی پوری کوشش کی مگر یہ بچ نکلا۔ مگر ہمیشہ تو یہی نہ ہوگا، اب اگر اس نے میرا حکم نہ مانا تو اسے قید ہونا اور ذلیل ہونا پڑے گا۔ ان الفاظ میں تو بہت کچھ ہے۔ گذشتہ ناکامی کی ان عورتوں کے سامنے معذرت ہے، اپنے فتنے اور دعوت کا کھلا اظہار ہے۔ یوسفؑ کو دھمکی ہے کہ اب بھی موم ہو جاتے ورنہ اسے انکار کا مزا چکھنا ہوگا۔

یوسفؑ کی دعاء اور قید کو ان عورتوں کی دعوت پر ترجیح دینا

آیت: ۳۳ بتاتی ہے کہ اس دھمکی آمیز اعلان پر یوسفؑ نے دعا کی:

"اس نے کہا: اے میرے رب! قید خانہ مجھے اس بات سے محبوب تر ہے جس کی طرف یہ عورتیں دعوت دیتی ہیں۔"

اس سے نصاً ثابت ہو گیا کہ نہ صرف عزیز کی بیوی بلکہ وہ تمام مصری عورتیں یوسفؑ کو برائی کی طرف

Marfat.com

بلا رہی تھیں، وہ اس دعوت میں مشترک تھیں، زبان سے یا حرکات و سکنات سے اور آنکھوں کے اشاروں سے۔ اور وہ اگرچہ پاکباز اور معصوم نبی تھا مگر اس سے زیادہ کس کو علم تھا کہ نیکی کی طاقت اور برائی سے بچنے کی قوت دراصل اللہ وحدہٗ کی طرف سے ہے، پس اس نے کہا:

"اور اگر تو مجھ سے ان کی خفیہ تدبیروں کو نہ ہٹائے گا تو میں ان کی طرف مائل ہو جاؤں گا اور جاہلوں میں سے ہو جاؤں گا۔" (آیت: ۳۳)

بندہ خواہ کتنا بڑا ہو۔ اللہ وحدہٗ کے آگے تو بہرحال وہ بندہ ہے اور اس سے دعا کے وقت اسے اپنی عاجزی کا اقرار کرنا اور اپنے ضعف کو اس کے سامنے پیش کرنا پڑتا ہے، یہ ایک ایسے انسان کی دعا ہے جو اپنی بشریت سے واقف ہے۔ اپنی عصمت پر مغرور نہیں۔ وہ اللہ کی مزید عنایت اور فضل و کرم کا طالب ہے تاکہ ہر فتنے کا مقابلہ قوت سے کر سکے۔

دعا کی قبولیت

آیت: ۳۴ کا ارشاد ہے کہ:

"پس اس کے رب نے اس کی دعا قبول فرمائی اور اس سے ان عورتوں کے خفیہ مکر و تدبیر کو ہٹا دیا۔ بلاشبہ وہ بہت سننے والا بہت عالم ہے۔"

یہ ہٹانا کس طور سے ہوا؟ یا تو اس طرح کہ وہ عورتیں یوسفؑ سے مایوس ہو گئیں کہ یہ ہماری بات نہ مانے گا۔ اور یا اس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے اسے مزید ثابت قدمی اور قوت بخشی اور وہ ان کے فتنوں اور حملوں کے آگے لوہے کی دیوار بن گیا اور ان کی کسی دعوت، کسی حرکت، کسی بات کا اس پر کوئی اثر نہ ہوا، اسے مزید استقامت بخشی گئی۔ ایک مدت کے لیے اس کو ان کی نگاہوں سے اوجھل کر دیا گیا۔ اور قید گو یوسفؑ کیلئے جسمانی لحاظ سے عارضی طور پر ایک تکلیف دہ تجربہ تھا، مگر اس نے آئندہ کامیابیوں اور سربلندیوں کا دروازہ کھول دیا۔ اللہ تعالیٰ سمیع و علیم تھا اور ہے۔ دشمن کا مکر اس کے علم میں ہے اور دوست کی دعا کو بھی سنتا ہے۔ دشمن کے مکر و فریب کا انجام بھی جانتا ہے اور دوست کی دعا کے انجام کا بھی اس کو علم ہے۔

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے یوسفؑ اپنی دوسری آزمائش سے بھی ثابت و سالم گزر گیا اور اس طرح اس کے قصے کا دوسرا حلقہ انتہا کو پہنچا۔ اب تیسرا حلقہ ہمارے آگے ہے۔

ثُمَّ بَدَا لَهُم مِّن بَعْدِ مَا رَأَوُا الْآيَاتِ لَيَسْجُنُنَّهُ حَتَّىٰ حِينٍ ﴿٣٥﴾ ع ۴/۱۴
وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيَانِ ۖ قَالَ أَحَدُهُمَا إِنِّي أَرَانِي أَعْصِرُ خَمْرًا ۖ
وَقَالَ الْآخَرُ إِنِّي أَرَانِي أَحْمِلُ فَوْقَ رَأْسِي خُبْزًا تَأْكُلُ الطَّيْرُ مِنْهُ ۖ
نَبِّئْنَا بِتَأْوِيلِهِ ۖ إِنَّا نَرَاكَ مِنَ الْمُحْسِنِينَ ﴿٣٦﴾ قَالَ لَا يَأْتِيكُمَا طَعَامٌ

Marfat.com

تُرْزَقٰنِهٖٓ اِلَّا نَبَّاْتُكُمَا بِتَاْوِيْلِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّاْتِيَكُمَا ۭ ذٰلِكُمَا مِمَّا
عَلَّمَنِيْ رَبِّيْ ۭ اِنِّىْ تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَهُمْ
بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿٣٧﴾ وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَاۗءِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ
وَيَعْقُوْبَ ۭ مَا كَانَ لَنَآ اَنْ نُّشْرِكَ بِاللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ۭ ذٰلِكَ مِنْ فَضْلِ
اللّٰهِ عَلَيْنَا وَعَلَي النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿٣٨﴾
يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿٣٩﴾
مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اَسْمَاۗءً سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَاۗؤُكُمْ
مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ۭ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ۭ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا
اِلَّآ اِيَّاهُ ۭ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٤٠﴾
يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ اَمَّآ اَحَدُكُمَا فَيَسْقِيْ رَبَّهٗ خَمْرًا ۚ وَاَمَّا الْاٰخَرُ
فَيُصْلَبُ فَتَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْ رَّاْسِهٖ ۭ قُضِيَ الْاَمْرُ الَّذِيْ فِيْهِ
تَسْتَفْتِيٰنِ ﴿٤١﴾ وَقَالَ لِلَّذِيْ ظَنَّ اَنَّهٗ نَاجٍ مِّنْهُمَا اذْكُرْنِيْ عِنْدَ
رَبِّكَ ۡ فَاَنْسٰىهُ الشَّيْطٰنُ ذِكْرَ رَبِّهٖ فَلَبِثَ فِي السِّجْنِ بِضْعَ سِنِيْنَ ﴿٤٢﴾ ع ٥ ۱۵
وَقَالَ الْمَلِكُ اِنِّىْٓ اَرٰى سَبْعَ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ يَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ
وَّسَبْعَ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّاُخَرَ يٰبِسٰتٍ ۭ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَاُ اَفْتُوْنِيْ فِيْ
رُءْيَايَ اِنْ كُنْتُمْ لِلرُّءْيَا تَعْبُرُوْنَ ﴿٤٣﴾ قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ ۚ وَ
مَا نَحْنُ بِتَاْوِيْلِ الْاَحْلَامِ بِعٰلِمِيْنَ ﴿٤٤﴾ وَقَالَ الَّذِيْ نَجَا مِنْهُمَا
وَادَّكَرَ بَعْدَ اُمَّةٍ اَنَا اُنَبِّئُكُمْ بِتَاْوِيْلِهٖ فَاَرْسِلُوْنِ ﴿٤٥﴾ يُوْسُفُ اَيُّهَا
الصِّدِّيْقُ اَفْتِنَا فِيْ سَبْعِ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ يَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ

Marfat.com

وَّسَبْعِ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّاُخَرَ يٰبِسٰتٍ لَّعَلِّيْٓ اَرْجِعُ اِلَى النَّاسِ
لَعَلَّهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۶﴾ قَالَ تَزْرَعُوْنَ سَبْعَ سِنِيْنَ دَاَبًا ۚ فَمَا حَصَدْتُّمْ
فَذَرُوْهُ فِيْ سُنْۢبُلِهٖٓ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تَاْكُلُوْنَ ﴿۴۷﴾ ثُمَّ يَاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِ
ذٰلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ يَّاْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا
تُحْصِنُوْنَ ﴿۴۸﴾ ثُمَّ يَاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَامٌ فِيْهِ يُغَاثُ النَّاسُ وَ
فِيْهِ يَعْصِرُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِيْ بِهٖ ۚ فَلَمَّا جَآءَهُ ع ۱۴
الرَّسُوْلُ قَالَ ارْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ فَسْـَٔلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ الّٰتِيْ
قَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ ۭ اِنَّ رَبِّيْ بِكَيْدِهِنَّ عَلِيْمٌ ﴿۵۰﴾ قَالَ مَا خَطْبُكُنَّ
اِذْ رَاوَدْتُّنَّ يُوْسُفَ عَنْ نَّفْسِهٖ ۭ قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا عَلِمْنَا
عَلَيْهِ مِنْ سُوْۗءٍ ۭ قَالَتِ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ الْـٰٔنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ ۡ
اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۵۱﴾ ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ
اَنِّيْ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَيْبِ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ كَيْدَ الْخَاۗىِٕنِيْنَ ﴿۵۲﴾

(ترجمہ) پھر دلائل دیکھ لینے کے بعد ہی انہیں یہ خیال آیا کہ اس کو ایک مدت تک ضرور قید رکھیں گے (۳۵) اور اس کے ساتھ قید خانے میں جو دو جوان داخل ہوئے، ان میں سے ایک نے کہا کہ میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ شراب نچوڑ رہا ہوں، اور دوسرا بولا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ اپنے سر پر روٹی اٹھا رہا ہوں جس میں سے پرندے کھاتے تھے، ہمیں اس کا مطلب بتا، ہم دیکھتے ہیں کہ تو نیکوکار شخص ہے (۳۶) یوسفؑ نے کہا کہ جو کھانا تمہیں دیا جاتا ہے، وہ نہ آئے گا مگر یہ کہ اس سے پہلے میں تمہیں اس کی تعبیر بتا دوں گا، یہ وہ علم ہے جو میرے رب نے مجھ کو سکھایا ہے، میں نے ان لوگوں کا طریقہ ترک کر دیا ہے، جو اللہ پر ایمان نہیں لاتے اور وہ آخرت کے منکر ہیں (۳۷) اور میں نے اپنے باپ دادوں کے طریقے کی پیروی کی ہے یعنی ابراہیمؑ، اسحاقؑ اور یعقوبؑ کی، ہمارے لیے جائز نہیں کہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک بنائیں، یہ ہم پر اور لوگوں پر اللہ کا فضل ہے، مگر اکثر لوگ شکر نہیں کرتے (۳۸) اے میرے دو قیدی ساتھیو! کیا متفرق رب

Marfat.com

بہتر ہیں یا ایک زبردست اللہ؟(۳۹) تم اس کے سوا جن کی عبادت کرتے ہو وہ صرف نام ہی نام ہیں جو تم نے اور تمہارے بڑوں نے رکھ لیے ہیں، اللہ نے ان کی کوئی دلیل نہیں اتاری فیصلہ تو صرف اللہ ہی کا ہے۔ اس نے حکم دیا ہے کہ تم اس کے سوا کسی کی بھی عبادت نہ کرو، یہی ہے سیدھا دین مگر اکثر لوگ نہیں جانتے (۴۰) اے میرے دو قیدی ساتھیو! تم میں سے پہلا تو اپنے آقا کو شراب پلائے گا، اور جو دوسرا ہے اس کو سولی دی جائے گی اور پرندے اس کے سر میں سے کھائیں گے، جس معاملے میں تم فتویٰ پوچھتے تھے اس کا فیصلہ ہو گیا (۴۱) اور جس شخص کو اس نے سمجھا کہ ان دونوں میں سے نجات پانے والا ہے، اس سے کہا کہ اپنے آقا کے پاس میرا ذکر کرنا، پس بھلا دیا اس شخص کو شیطان نے اس کے آقا کے پاس ذکر کرنا تو یوسفؑ چند سال قید خانے میں ہی رہا (۴۲) اور بادشاہ نے کہا کہ میں خواب میں سات موٹی گائیں دیکھتا ہوں، جن کو سات دُبلی کھاتی ہیں۔ اور سات سرسبز بالیاں اور کچھ اور خشک۔ اے درباریو! اگر تم خواب کی تعبیر کرتے ہو تو مجھ کو میرے خواب کا مطلب بتاؤ (۴۳) انہوں نے کہا کہ یہ پریشان خواب ہیں اور ہم پریشان خوابوں کی تعبیر کو نہیں جانتے (۴۴) اور اس شخص نے کہا جو ان دونوں میں سے بچ گیا تھا اور اس کو ایک مدت کے بعد یاد آیا تھا: میں تم کو اس کی تعبیر بتاؤں گا پس مجھے بھیجو (قید خانے میں) (۴۵) اے یوسفؑ! اے نہایت سچے! ہمیں فتویٰ دے سات موٹی گایوں میں جن کو سات دبلی پتلی کھاتی ہیں، اور سات سرسبز بالیوں اور دوسری سات خشک بالیوں میں، تاکہ میں لوگوں کی طرف واپس جاؤں، تاکہ ان کو پتہ چل جائے (۴۶) اس نے کہا کہ تم متواتر سات سال زراعت کرو گے، پس جو کچھ تم کاٹو اس کو اس کی بالیوں میں ہی رہنے دو مگر تھوڑا سا جس کو تم کھا لو گے (۴۷) پھر ان کے بعد سات سخت سال آئیں گے، جو تمہارے پیشگی رکھے ہوئے غلے کو کھا جائیں گے مگر وہ تھوڑا سا جس کو تم محفوظ کر لو گے (۴۸) پھر اس کے بعد ایک سال آئے گا جس میں لوگوں پر بارش ہوگی اور اس میں وہ شراب نچوڑیں گے (۴۹) اور بادشاہ نے کہا کہ اس کو میرے پاس لاؤ، پھر جب قاصد اس کے پاس آیا تو اس نے کہا: تو اپنے آقا کے پاس واپس جا اور اس سے پوچھ کہ ان عورتوں کا معاملہ کیا تھا جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹے تھے؟ بلاشبہ میرا رب تو ان کی سازش کو خوب جانتا ہے (۵۰) بادشاہ نے کہا کہ: تمہارا وہ کیا معاملہ تھا، جب کہ تم نے یوسفؑ کو پھسلایا تھا؟ انہوں نے کہا کہ واللہ ہم نے اس میں کوئی برائی نہیں دیکھی، عزیز کی بیوی بولی: اب تو حق کھل کر سامنے آگیا ہے، میں نے اس کو نفسانی ترغیب دی تھی اور وہ یقیناً سچا ہے (۵۱) یہ اس لیے ہے کہ اسے معلوم ہو جائے کہ میں نے پیٹھ پیچھے اس کی خیانت نہیں کی اور یہ کہ اللہ خیانت کاروں کی سازش کو بارآور نہیں کرتا (۵۲)

یہ اس قصے کا تیسرا حلقہ ہے اور یوسفؑ کی زندگی کی تیسری اور آخری مشقت ہے۔ اس کے بعد جو کچھ

Marfat.com

بھی تو راحت و آسائش ہے، اور آسائش پر یوسفؑ کے صبر کی آزمائش ہے، اس سے پہلے شدت پر اس کے صبر کی آزمائش گزر چکی ہے اور اس حلقے کی شدت یہ ہے کہ یوسفؑ کی براءت کے ظہور کے بعد اس کو قید کی مشقت میں مبتلا ہونا پڑا تھا، بے گناہ مظلوم کے لیے قید خانہ نہایت سخت ہوتا ہے، اگرچہ اس کو اطمینان قلب کے اندر تسلی و تعزیت حاصل ہوتی ہے۔ اور مشقت کے اس عرصے میں یوسفؑ پر اللہ کی نعمت جلوہ گر ہوئی جس کا ذریعہ وہ علم لدنی تھا جس سے وہ خوابوں کی تعبیر کرتا تھا، اور بعض ایسی پوشیدہ باتوں کا مطلب ظاہر کرتا تھا جن کی ابتدا ظاہر ہو جاتی تھی پھر یوسفؑ پر اللہ تعالیٰ کی نعمت آخر کار شاہی دربار میں اس کی براءت کے رسمی اعلان کے ساتھ ظاہر ہوئی۔ اس کے بعد اس کو ایک قابلِ رشک مقام ملا جو ایک عظیم اقتدار کی صورت میں تھا۔

پاکیزگی کی سزا

اب یہ بات زنانِ مصر کی دعوت کے بعد سب پر واضح ہو چکی تھی کہ یوسفؑ پاکباز اور بے گناہ ہے اور عزیزِ مصر کی بیوی شہواتِ نفس کے ہاتھوں مجبور رہی مگر پوری کوشش کے باوجود اپنے مذموم مقصد میں کامیاب نہیں ہوئی۔ یہ بات عزیزِ مصر کو بھی وضاحت و صراحت کے ساتھ معلوم تھی، مگر محلاتی فضا اس قسم کی ہوتی ہے کہ قصور کسی کا ہوتا ہے اور سزا کسی اور کو ملتی ہے۔ امراۃ العزیز تو ایک منہ چڑھی، سرکش اور اونچے طبقے کی بگڑی ہوئی عورت تھی، اگر خدانخواستہ یوسفؑ اس کی نفسانی خواہش پوری کر دیتا تو وہ قید و بند کے قابل نہ ٹھہرایا جاتا، مگر اب وہ اس جرم میں قید و بند کے سپرد کیا گیا کہ امراۃ العزیز اس سے اس کی پاکیزگی کا بدلہ لینا چاہتی تھی۔ شاہی احکام ایسے ہی اندھے ہوتے ہیں، اور شاہوں کے درباری، وزراء اور حوالی موالی سب اپنی جگہ پر خدا بنے رہتے ہیں بے شمار بے گناہ مجرم بے گناہی کی سزا پاتے ہیں مگر کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہوتی قید خانے بے گناہوں سے بھرے رہتے ہیں، مگر ظالم، ڈاکو اور چور حکومت کے زیرِ سایہ آرام و آسائش کی زندگی بسر کرتے اور اپنے مذموم اشغال میں مصروف رہتے ہیں، کوئی پوچھنے والا نہیں ہوتا، ارسٹوکریسی کی فضا ایسی ہی ہے۔ جاہلیت کا یہی دستور ہے۔ سو یوسفؑ کی براءت کے کھلے اور روشن دلائل کے بعد، اور عزیز کی بیوی کی آوارگی اور بے خوفی کے اس درجے تک پہنچ جانے کے بعد کہ اس نے دھڑلے سے اپنے طبقے کی "بیگمات" کی دعوت کی، ان پر اپنا عذر واضح کیا، یوسفؑ کو دھمکی دی کہ اب بھی میری بات مان لو ورنہ قید کیے جاؤ گے، زنانِ مصریں سے ہر ایک نے یوسفؑ کو اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کی اور اس شغلِ مذموم میں وہ عزیز کی بیوی کی ہمراز و دمساز بن گئیں۔ یوسفؑ نے ان فتنہ گر عورتوں سے اللہ کی پناہ مانگی اور صاف کہا کہ اس زندگی سے تو قید کی زندگی بہتر ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس عورت نے جب اپنی پوری کوشش کر دیکھی اور مقصد حاصل نہ ہوا تو منہ چڑھی تو تھی ہی، عزیزِ مصر کو اپنے حاکمانہ اختیارات استعمال کرنے پر مجبور کیا اسی دوران میں عزیز کی بیوی کی عشق و محبت کی داستان، داستانِ بزم بن گئی اور اس کے گھر گھر چرچے ہوئے، تو عزیز اور اس کے طبقے کے لوگ اپنی شہوت پرست، آوارہ مزاج بیویوں کے سامنے تو عاجز تھے مگر ایک بیگناہ، پردیسی بکے ہوئے شریف زادے اور پیغمبر پر ظلم و ستم کا ہاتھ چلانے سے تو معذور نہ تھے! اس نوجوان کا جرم فقط یہ تھا کہ

Marfat.com

اس نے بدکاری کی ترغیب کے سامنے جھکنے سے انکار کیا اور " ترقی یافتہ گھرانے " کی عورت جو اس پر مفتون تھی اب اس سے اپنی بے عزتی اور نافرمانی کا بدلہ لینا چاہتی تھی۔

دو قیدیوں کا خواب

عنقریب پتہ چلے گا کہ یہ دونوں جوان بادشاہ کے خاص خدام میں سے تھے۔ قرآنی سیاق نے قید خانے میں یوسفؑ کی نیک شہرت، خوش خلقی، ہمدردئ خلائق، صلاحیت و احسان کے ذکر کو مختصر کر دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہاں پر ہر ایک کی نظریں اس کی طرف اٹھنے لگیں اور وہ قیدیوں میں ایک پُر اعتماد و ثقہ شخصیت مشہور ہو گئے۔ قیدیوں میں بہت سے ایسے لوگ بھی تھے جو بدقسمتی اور سوئے اتفاق سے محلاتی سازشوں، معاشرے کی بے انصافیوں اور اونچے طبقوں کے ظلم و ستم کا شکار ہو کر آنے تھے۔ یہ تو ایک مسلّم بات ہے کہ بڑے طبقوں کے لوگ جن پر ناراض ہوں انہیں بہت جلدی قید خانے کے سپرد کرا دیتے ہیں، ان کی قسمت کا فیصلہ درباریوں اور حاشیہ نشینوں کی چشم و آبرو کا ایک اشارہ کر دیتا ہے۔ مختصر یہ کہ یوسفؑ کے قریب قید خانے میں دو نوجوان تھے جو اس کے ساتھ مانوس ہو گئے تھے۔ انہوں نے اس کو ایک بھلا انسان اور خیر خواہِ خلائق جان کر اپنا اپنا خواب اس کے سامنے بیان کیا اور اس کی تعبیر طلب کی۔ وہ خواب یہ تھا کہ:

> "ان میں سے ایک نے کہا میں نے خواب میں اپنے آپ کو شراب نچوڑتے دیکھا ہے، اور دوسرے نے کہا کہ میں نے دیکھا کہ اپنے سر کے اوپر روٹیاں اٹھا رہا ہوں، جن میں سے پرندے کھا رہے ہیں۔ ہمیں اس خواب کا مطلب بتاؤ، ہم دیکھتے ہیں کہ تم ایک نیکوکار شخص ہو۔" (آیت: ۳۶)

عقیدۂ توحید کی تبلیغ

یوسفؑ نے اس موقع کو غنیمت سمجھا کہ وہ اس کو تبلیغ دین کے لیے استعمال کریں، اپنا صحیح عقیدۂ توحید واضح کریں۔ قیدی ہونے کا مطلب یہ نہ تھا کہ وہ اپنے عقیدے کو بھی ظاہر نہ کر سکتے تھے۔ انہوں نے اپنے ماحول میں جو شرک و کفر دیکھا تھا، اب اس کے رد کا موقع میسر آیا اور انہوں نے اسے خوب استعمال کیا۔ مصری جاہلیت میں اس وقت بت پرستی، حکام پرستی، آباء پرستی اور معلوم نہیں اور کس کس چیز کی پرستش رائج تھی، زمینی حکام کو ربوبیت و الوہیت کا مقام دے دیا گیا تھا۔ یوسفؑ نے ان کے خواب کی تعبیر بتانے کا وعدہ کیا تاکہ وہ مطمئن ہو جائیں اور اس کی بات کو اوّل سے آخر تک ایک بار غور سے سن لیں، اس نے بتایا کہ میرے پروردگار نے اپنے خاص فضل و احسان کے ساتھ مجھے تعبیرِ خواب کا علم بخشا ہے۔ یہ جزا اس بات کی ہے کہ وہ خالصۃً اللہ برحق و واحد کی عبادت کرتا ہے۔ وہ بھی اور اس کے آباء و اجداد بھی اسی دینِ حق کے پیرو تھے اور ہیں۔ یہ کہہ کر یوسفؑ نے بالکل ابتداء سے ان قیدیوں کی توجہ کو پوری طرح اپنی جانب پھیر لیا تاکہ وہ اس کی بات کو خوب غور سے سنیں۔ قیدی جانتے تھے کہ یوسفؑ سچا ہے۔ جو کہتا ہے اس پر عمل کرے گا اور ان کے خواب کی صحیح تعبیر بتائے گا، اسی طرح اُس نے ان کے اعتماد کو اپنے دین کی خاطر بھی حاصل کر لیا، چنانچہ وہ بولے

Marfat.com

تقریر کرنے لگا کہ :

"اس نے کہا تمہیں جو کھانا دیا جاتا ہے، اس کے ملنے سے پہلے پہلے میں تمہارے خوابوں کی تعبیر تم کو بتا دوں گا۔ یہ وہ علم ہے جو میرے پروردگار نے مجھے سکھایا ہے۔ بلاشبہ میں نے ان لوگوں کا طریقہ ترک کر رکھا ہے جو اللہ پر ایمان نہیں رکھتے اور آخرت کا انکار کرتے ہیں۔ اور میں نے اپنے آباؤ اجداد کے طریقے کی پیروی کی، یعنی ابراہیمؑ، اسحاق اور یعقوبؑ کے طریقے کی۔ ہمارے لیئے یہ جائز نہیں ہے کہ ہم اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک بنائیں، یہ اللہ کا فضل ہے ہم پر اور سب انسانوں پر لیکن اکثر لوگ شکریہ ادا نہیں کرتے (آیات: ۳۷-۳۸)

یوسفؑ ماہر نفسیات تھا!

رب کی راہ کی طرف بلانے والے کے لیئے حکمت و موعظت اور جدال حسن کے اسلحہ کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اپنے رسولؐ کو یہی حکم دیا ہے کہ دعوت کے لیئے مواقع کی تلاش کریں اور جیسا موقع و محل ہو، اس کے مناسب دعوت کو پیش کریں۔ یوسفؑ نے جس طرح بات کو شروع کیا اور نبھایا، اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اپنے مخاطب کے دل میں بہت لطیف انداز میں گھس جانے کا طریقہ جانتا تھا، انسانی نفسیات کا خوب ماہر تھا، بات کو سنانے، پیش کرنے اور موثر انداز میں کہنے کا ڈھنگ خوب جانتا تھا، یوسفؑ کی اس واضح شخصیت کی یہ خصوصیت اس پورے قصے میں نظر آتی ہے۔ اس نے بات کے شروع میں پورے وثوق سے کہہ دیا کہ تمہارا کھانا آنے تک میں تمہیں ان خوابوں کی تعبیر تم کو بتا دوں گا، یہ میرے پروردگار کا بخشا ہوا علم ہے۔ اس سے مخاطبین کو پورے تیقن کے ساتھ معلوم ہو گیا کہ یوسفؑ کے پاس علم لدنی ہے اور یہ جو کچھ کہہ رہا ہے پورے اعتماد سے کہہ رہا ہے۔

توحید و آخرت کا عقیدہ

اس نے بتایا کہ میں جس ماحول میں پلا بڑھا ہوں ——— یعنی عزیز مصر کا محل ——— وہاں شرک و کفر کا دور دورہ تھا۔ مگر میں نے اس ماحول کے عقائد کو نہیں اپنایا، میں نے ان کے شرک کو اور آخرت کے انکار کو ترک کر رکھا ہے اس معاملے میں میری اور ان کی راہیں جداگانہ ہیں، میرا راستہ وہ ہے جو میرے آباؤ اجداد ابراہیمؑ، اسحاقؑ اور یعقوبؑ کا ہے، یہ دونوں نوجوان بھی ظاہر ہے کہ اپنی قوم اور حکومت کے دین و مذہب پر تھے، مگر مصلحت تبلیغ و دعوت کے پیش نظر یوسفؑ نے ان کا رُو برُو مقابلہ نہیں کیا مبادا یہ بدک جائیں۔ قرآن و حدیث اور تاریخ رسل سے یہ بات پختہ طور پر ثابت ہے کہ توحید و رسالت کے ساتھ آخرت کا عقیدہ بھی دین انبیاء کا اصلی جزء رہا ہے اسی لیئے یوسفؑ نے بھی صراحتہً اس کا ذکر کیا ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ آخرت کے عقیدے کے بغیر نیکی اور بدی کا تصور بے معنیٰ ہے، جزاء و سزا کا عقیدہ ہی انسان میں نیک و بد کا امتیاز پیدا کرتا ہے، یہی سبب ہے کہ دنیا میں انسانیت کی ابتداء کے ساتھ ہی آخرت کا عقیدہ بھی موجود رہا ہے۔ جدید علمائے تقابل ادیان کا یہ خیال بالکل غلط اور خلاف واقعہ حقیقت ہے کہ

آخرت بطورِ عقیدہ انسان کے عقائد میں بہت دیر سے داخل ہوئی ہے۔ بت پرستانہ اور جاہلی مذاہب و عقائد میں تو آخرت کا عقیدہ بے شک متاخر طور پر آیا ہوگا۔ مگر اللہ کی طرف سے آنے والی رسالتوں کا عقیدہ روزِ اول سے ہی یہی تھا۔ یہ دین کے بنیادی و اصلی عقائد میں سے ہے۔ پس یوسفؑ نے پہلے تو ملتِ کفر کے معالم و آثار اور عقائد پر گفتگو کی اور بعد میں ملتِ اسلام و ایمان کی بات چھیڑی جس پر وہ خود اور اس کے آباؤ اجداد تھے۔ چنانچہ آیت: ۳۸ میں ہے کہ اس نے کہا:

"اور میں نے اپنے آباء ابراہیمؑ و اسحاقؑ و یعقوبؑ کے طریقے کی پیروی کی ہے، ہمارا یہ کام نہیں ہے کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کریں"

اسلام خالص ملّتِ توحید ہے!

اس ملت کا یہ امتیازی نشان ہے کہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں ٹھیراتی، نہ کسی انسان کو نہ حیوان کو، نہ زندہ کو نہ مردہ کو، نہ درخت کو نہ پتھر کو، نہ آسمانی مظاہرِ قدرت کو نہ زمینی مظاہر کو۔ مشرکین نے کسی چیز کو پرستش کے بغیر نہیں چھوڑا لہٰذا یہ فرمایا گیا کہ:

"ہمارے لیے یہ جائز نہیں کہ کسی چیز کو اللہ کے ساتھ شریک بنائیں"

چیز کے لفظ میں ہر معبودِ باطل آجاتا ہے اور ملتِ توحید کی ہدایت اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہے جو سب لوگوں کو حاصل ہو سکتا ہے بشرطیکہ وکفر کو ترک کر کے شکر کی راہ پر چل پڑیں، توحید کے اصول اور فطری آوازیں انسانی ضمیر کے اندر موجود ہیں، اس راہ پر چلنا بہت آسان ہے، اس کے دلائل و علائم وجودِ کائنات کے اندر موجود ہیں۔ سب رسولوں نے اسے زور دے کر بیان کیا ہے، مگر افسوس ہے کہ صحیح انسانی فطرت سے بار بار انحراف ہوتا رہا ہے:

"یہ اللہ کا فضل ہے ہم پر اور سب لوگوں پر۔ مگر اکثر لوگ شکر نہیں کرتے"

ان الفاظ سے بڑی ہم آہنگی، نرمی اور بیچ بچاؤ کے ساتھ یوسفؑ مخاطب جوانوں کے دل میں داخل ہو رہا ہے، پھر وہ دھیرے دھیرے ان کے دل کے اندر تک جاتا ہے، اپنا عقیدہ اور دعوت کامل صفائی اور فصاحت کے ساتھ پیش کرتا ہے مگر حکمت کی حدود کے اندر۔ اور ان کے عقیدے کے فساد کو اور ان کی قوم کے عقیدے کے فساد کو بیان کرتا ہے، مگر اندازِ مشفقانہ ہے جارحانہ نہیں:

"اے میرے دو قیدی ساتھیو! کیا متفرق رب بہتر ہیں یا ایک زبردست اللہ بہتر ہے؟ تم اس کے سوا جن کی عبادت کرتے ہو وہ صرف نام نہاد ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے بنا لیے ہیں۔ اللہ نے ان کے متعلق کوئی دلیل نہیں اتاری، حکم تو صرف اللہ کا ہے۔ اس نے حکم دیا ہے کہ تم اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، یہی ہے سیدھا دین، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے"

ان چند واضح، صاف اور فیصلہ کن الفاظ میں یوسفؑ نے دینِ اسلام کے تمام نشانات بنا دیئے ہیں، اسلامی عقیدے کی سب بنیادیں ظاہر کر دی ہیں، شرک و طاغوت اور جاہلیت کے تمام پائے شدت

Marfat.com

کے ساتھ ملا دیتے ہیں۔ وہ ان دونوں نوجوانوں کو اپنا ساتھی اور دوست کہتا ہے۔ اس پیارے لفظ کے ساتھ ان کے دلوں کو جیت لیتا ہے۔ تاکہ وہ اس راہ سے عقیدے اور دعوت کی مضبوطی اور سچائی کو پیش کرے۔ وہ انہیں براہِ راست دعوت نہیں دیتا، بلکہ ایک موضوعی قضیہ بنا کر ان کے سامنے پیش کرتا ہے کہ:

"کیا متفرق رب بہتر ہیں یا ایک اللہ زبردست خدا بہتر ہے"

ایک ایسا سوال جس کا جواب فطرت کی گہرائیوں سے نکلتا ہے

یہ سوال فطرت پر حملہ آور ہوتا ہے۔ اس کی گہرائیوں میں اترتا ہے اور اس کو سختی کے ساتھ جھنجوڑتا ہے فطرت تو صرف ایک اللہ کو پہچانتی ہے تو پھر یہ متعدد و متفرق رب کیوں ہیں؟ وہ صرف ایک خدائے قہار و الٰہ برحق ہے جو رب ہونے کے باعث عبادت و اطاعت اور اتباع قانون کے لائق ہے، اور جب وجود کائنات کا الٰہ ایک ہے اور اسی کا اقتدار مسلم و ثابت ہے تو ضروری ہے کہ وہی ایک خدا رب بھی ہو، جب الٰہ اور رب ایک ہے تو اس کے سوا کسی کے آگے جھکنا اور اس کے قانون کا اتباع کرنا بھی جائز نہیں ہے، اللہ کے سوا نہ کوئی الٰہ ہے نہ رب، ربِ کائنات کا الٰہِ کائنات ہونا واجب ہے، جو اس سارے سلسلۂ وجود کو چلاتا اور گھماتا ہے جو یہ کام کرنے کی طاقت نہیں رکھتا وہ انسانوں کا رب نہیں ہو سکتا کہ ان پر اپنا حکم چلائے اور کائنات پر اس کا تسلط ہو، اور بہت سے متفرق ارباب کے بجائے یہی بہتر ہے کہ صرف ایک رب کی کی عبادت کی جائے، اس کی ربوبیت کے سامنے جھکا جائے، غیروں کے سامنے جھکنے والا جاہل ہے، اندھا ہے ہوائے نفس کا متبع ہے۔ انسانیت کی سب سے بڑی بدبختی یہی ہے کہ اس نے غیر اللہ کو رب بنایا، بے شمار متفرق ارباب کے آگے سر جھکایا، جس طرح یہ الٰہ و رب متفرق تھے انسان بھی متفرق ہو گئے، انسان ان جعلی ارباب کا بندہ بن کر ہوا و ہوس کے اختلاف کے باعث تنازعے کا شکار رہو گیا۔ پس یہی ہیں وہ زمینی ارباب جو اللہ تعالیٰ کے اقتدار اور اس کی ربوبیت کو غصب کرتے ہیں، یا جاہل لوگ وہم و خرافات اور افسانہ پسندی کی بدولت انہیں یہ اقتدار دیتے ہیں۔ یا پھر یہ اقتدار ان کو دھوکے ... فریب، زبردستی یا رعایت کے باعث حاصل ہوتا ہے۔ یہ زمینی رب ایک لحظہ بھی اس بات کے مالک نہیں ہیں کہ اپنی ہوا و ہوس سے خلاصی پائیں اور اپنی ذات اور بقا پر جو ان کی حرص ہے اس سے نجات پا سکیں، اور اپنے تسلط و تقویت کے باقی رکھنے کی پر اسرار رغبت سے چھٹکارا پائیں۔ وہ ہر اس قوت اور طاقت کو برباد کرنا چاہتے ہیں جو ان کی طاقت و قوت اور اقتدار کو ایک لمحہ کے لیے بھی چیلنج کر سکیں۔ وہ ان تمام طاقتوں اور جھوٹی نمائش کو باقی رکھنے کے لیے ڈھول تاشے پیٹنا اور شور و غل مچانا چاہتے ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ جہان والوں سے غنی ہے وہ صرف یہ چاہتا ہے کہ لوگ تقویٰ شعار ہو جائیں ان میں نیکی اور عمل و عمارت پیدا ہو جائے، ان تمام چیزوں کو وہ ان کی طرف سے عبادت شمار کرتا ہے۔ حتیٰ کہ وہ جو شعائرِ عبادت ان کے لیے مقرر کرتا ہے ان سے بھی اس کی غرض سوائے اصلاحِ قلوب و مشاعر کے اور کچھ نہیں ہے تاکہ ان کی زندگی اور واقعاتی حیات کی اصلاح ہو سکے ورنہ وہ تو اپنے تمام بندوں اور مخلوق سے بہت غنی ہے:

"اے لوگو! تم ہی اللہ کے محتاج ہو اور اللہ تو غنی و حمید ہے"

پس ایک اللہ واحد و قہار کی دینونت میں اور ارباب متفرقہ کی دینونت میں بڑا فرق ہے۔

عقائدِ جاہلیت اور وہم و خرافات کا رد

یوسفؑ نے اس پر ایک قدم اور آگے بڑھایا اور جاہلی شرک اور وہم و خرافات پر چوٹ لگائی کہ:

"تم اس کے سوا جن کی عبادت کرتے ہو وہ صرف نام ہی نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے رکھ لیے ہیں" (۳۹)

ان میں حقیقت کا شائبہ بھی نہیں، یہ محض تمہاری عجائب پرستی اور اوہام و خرافات پسندی ہے، یہ بات سب ارباب من دون اللہ پر صادق آتی ہے۔ چاہے وہ انسان ہوں یا غیر انسان مثلاً ارواح و شیاطین، ملائکہ اور اللہ کے حکم سے مسخر شدہ کائناتی قوتیں، ان میں سے کسی میں بھی کوئی ربوبیت نہیں ہے۔ ان کے پاس حقیقتِ ربوبیت کا بھی کوئی حصہ نہیں۔ ربوبیت فقط ایک اللہ واحد و قہار میں ہو سکتی ہے، جو سب بندوں کو پیدا کرتا ہے اور ان پر غالب ہے۔ مگر مختلف قسم کی جاہلیتوں میں انسان اپنی طرف سے کچھ نام رکھ لیتے ہیں کہ یہ ہمارے معبود ہیں، ان میں کچھ صفات و خصائص عطا کرتے ہیں۔ اور ان میں سے اول درجے کی خصوصیت حکم و سلطنت کی خصوصیت ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان معبودانِ باطل میں نہ کوئی اقتدار رکھا ہے اور نہ کوئی ان کی دلیل اتاری ہے۔

حکم و اقتدار صرف اللہ کا ہے!

اس کے بعد یوسف علیہ السلام نے اپنی آخری ضرب لگائی جو فیصلہ کن تھی، اس ضرب کا مطلب یہ تھا کہ اقتدار و اطاعت۔ اور بالفاظِ دیگر عبادت فقط اللہ وحدہٗ کے لیے ہے، چنانچہ فرمایا ہے کہ:

"فیصلہ اور حکومت و اقتدار صرف اللہ کا ہے، اس نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی اور کی عبادت مت کرو، یہی سیدھا دین ہے لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں" (۴۰)

یہ فرما کر کہ فیصلہ و حکم صرف اللہ کا ہے، پھر یہ فرمانا کہ اس نے یہ حکم دیا ہے کہ اس کے سوا تم کسی کی عبادت نہ کرو، یہ صاف ظاہر کرتا ہے کہ جس کا فیصلہ کارگر اور حتمی مانا جائے، جس کو اقتدار و تسلط کا اختیار دیا جائے، اُسی کی عبادت ہے، بالفاظِ دیگر جس عبادت کے متعلق حکم ہے کہ اللہ کے سوا کسی اور کی نہ کی جائے، وہ یہی ہے کہ تسلط و اقتدار اور قانون صرف اللہ کا ہے، کسی اور کا نہیں، اقتدار کا مالک کسی اور کو ماننا ہی شرک ہے، حکم صرف اللہ کا ہے، کیونکہ وہ صرف اسی کا ہو سکتا ہے جس کی الوہیت ہے، اور جب الوہیت فقط اللہ ہی کی ہے تو اقتدار و اختیار بھی اسی کا ہے۔ حاکمیت الوہیت کے خصائص میں سے ہے، جس نے اس کے بارے میں اللہ سے جھگڑا کیا گویا اس نے الوہیت کی سب سے بڑی خصوصیت کے متعلق اللہ کے ساتھ نزاع کی، اس سے فرق نہیں پڑتا کہ یہ دعویٰ کرنے والا کوئی فرد ہے، طبقہ ہے، جماعت ہے، کمپنی ہے، حکومت ہے، امت ہے یا سب انسان بحیثیت ایک بین الاقوامی پارٹی اور جماعت کے ہیں، یہ ایک واضح کفر ہے، جو بھی اس کا ارتکاب کرے گا وہ کافر ہے۔ اس کا کفر ضروریاتِ دین میں سے ایک ضروری عقیدے کے انکار کی وجہ سے

Marfat.com

ہے۔ اور نصوص کو اگر نہ بھی دیکھیں تو اس کے ثبوت کے لیے یہی ایک نص کافی ہے جو اس وقت ہمارے پیش نظر ہے۔

ادعائے الوہیت و حاکمیت کی کئی صورتیں ہیں!

یہ ادعا صرف کسی ایک معین صورت ہی میں نہیں ہے کہ اس کا مدعی تو اس دین قیم کے دائرے سے باہر ہو جائے اور کسی اور خصوصیت کا مدعی باہر نہ ہو۔ صرف یہ ضروری نہیں کہ وہ کہے :

" میں نہیں جانتا کہ میرے سوا تمہارا کوئی اور بھی الٰہ ہے "

یا مثلاً یوں کہے کہ :

" میں ہوں تمہارا رب اعلیٰ "

یہ دونوں دعوے فرعون نے کیے تھے (موسیٰ والے فرعون نے جس کا نام رعمسیس تھا! اور جو سمندر میں غرق ہوا تھا اور جس کی لاش اسکندریہ کے عجائب گھر میں حنوط شدہ پڑی ہے، اور سنا ہے کہ اب اس کے مصالحے کو کیڑا لگ چکا ہے!) بلکہ اس کے لیے یہی کافی ہے کہ کوئی شخص یا قوم یا جماعت اللہ تعالیٰ کو قانون و شریعت سے الگ کر دے، خدا کو مانتے ہوئے بھی کسی اور کے قانون و شریعت کو انسانی زندگی میں فیصلہ کن عنصر تسلیم کرے، وہ اللہ کے سوا قوانین کا مصدر کسی اور کو جانے۔ مصدر قانون و حاکمیت فقط اللہ تعالیٰ کی ذات واحد ہے۔ پس اس سے بڑا کفر اور کوئی نہیں کہ یہ صفت کسی اور میں مانی جائے۔ اگر ایک ساری قوم یا فرض کیجیے کہ ساری انسانیت یہ کفر و انحراف اختیار کرے تو وہ کافر ہے۔ انسان قانون ساز نہیں ہو سکتا ہاں اللہ کے قانون کو نافذ کرنے والا ہو سکتا ہے۔

اللہ نے حکم دیا ہے کہ عبادت فقط اس کی کرو!

یوسف علیہ السلام کی تقریر توحید میں : ان الحکم الا للہ کی علت یہ بیان ہوئی ہے کہ :

" اس نے حکم دیا ہے کہ تم اس کے سوا کسی اور کی عبادت مت کرو "

جب تک ہم عبادت کا معنیٰ نہ سمجھ لیں اس وقت تک اس تعلیل کو ایک عربی شخص کی مانند نہیں سمجھ سکتے۔ اور اسی وقت یہ پتہ چلے گا کہ عبادت اللہ کے ساتھ کیوں خاص ہے؟ عربی لغت میں عَبَدَ کا معنیٰ ہے : دان، خضع، ذل (جھکا، عاجز ہوا، ذلیل ہوا) اور پہلے پہل اسلامی اصطلاح میں اس کا معنیٰ "شعائر کی ادائیگی" نہ تھا، بلکہ اس لفظ کا لغوی معنیٰ مراد تھا۔ جب یہ نص نازل ہوئی تھی تو شعائر میں سے کوئی چیز ابھی فرض ہی نہ ہوئی تھی کہ لفظ کا وہ معنیٰ مراد لیا جاتا، بلکہ لغوی معنیٰ مراد تھا اور وہی اصطلاحی معنیٰ بن گیا، اس سے مقصود اللہ وحدہ کی دینونت تھی، یعنی اس کے سامنے جھکنا اور صرف اسی کے حکم کا اتباع کرنا، خواہ اس کا تعلق کسی عباداتی رسم کے ساتھ ہو یا کسی اخلاقی توجیہ کے ساتھ یا کسی قانونی ضابطے کے ساتھ، پس ان تمام چیزوں میں اللہ وحدہ کی دینونت ہی عبادت کا وہ مفہوم ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے اور یہ اس نے اپنی مخلوق میں سے کسی اور کو نہیں دیا۔

جب ہم عبادت کا معنی اس طرح پر سمجھ جائیں تو ہمیں معلوم ہو جائے گا کہ یوسف علیہ السلام نے عبادت کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص کرنے کو حکم کو اس کے ساتھ خاص ہونے کی علت کیوں قرار دیا تھا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ عبادت یعنی دینونت قائم نہیں ہو سکتی، جب کہ حکم کسی اور کا ہو، اس میں انسانی زندگی کے اندر اللہ تعالیٰ کا جبری و قہری یعنی کوئی قانون جو انسانی زندگی میں اور وجود کے نظام میں کار فرما ہے۔ اور اس کا شرعی و ارادی قانون خاص انسانی زندگی میں برابر ہیں کیونکہ ان سب کا تعلق دینونت کے ساتھ ہے۔ یعنی انہیں حکم کیا جائیگا جس سے کہ دینونت کا تحقق ہوتا ہے۔ اور یہاں پر ہم ایک مرتبہ پھر کہتے ہیں کہ اللہ کے ساتھ حکم میں نزاع کرنا اللہ کے دین سے خارج کر دیتا ہے۔ یہ ایک ایسا حکم ہے جو لازماً اور ضرورۃً ثابت ہے۔ کیونکہ یہ انسان کو اللہ وحدہٗ کی عبادت سے خارج کر دیتا ہے، یہی وہ شرک ہے جو اپنے ماننے والوں کو قطعی طور پر اللہ کے دین سے نکال دیتا ہے۔ اللہ کا دین کچھ اور ہے اور یہ اس کے برخلاف کچھ اور ہے۔ جو لوگ اس قسم کا دعویٰ کرنے والے کو مانتے ہیں، اس کی تصدیق و توثیق کرتے ہیں، اس کی اطاعت کرتے ہیں، ان کے دل اس اللہ کا حق چھیننے والے کا انکار نہیں کرتے۔ غیر اللہ کی خدائی کو برداشت کرتے ہیں۔ یہ اور وہ پہلے لوگ اللہ کی ترازو میں برابر ہیں۔ یوسف علیہ السلام نے جس چیز کو دینِ قیم قرار دیا ہے، وہی خالص توحید ہے۔ اور یہ جو کہا کہ :

"یہی دینِ قیم ہے۔"

اس تعبیر سے اختصاص اور قصر مراد ہے، یعنی اس دین کے سوا اور کچھ بھی دین نہیں۔ چاہے اسے ماننے والے غلط فہمی یا دھاندلی سے اسی کو دینِ حق ٹھہرائیں، یہی دینِ حق ہے، جس میں حکم اور عبادت اللہ وحدہٗ کے لیئے خاص ہے۔

اور یہ جو فرمایا کہ :

"ولیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔"

اس کا مطلب یہ نہیں کہ ان کی جہالت ان کے حق میں کوئی بہانہ بن سکتی ہے، کیونکہ جو شخص کسی چیز کو جانتا نہ ہو وہ اس کی تحقیق و اعتقاد کا مالک کیسے ہو سکتا ہے؟ اور جب کچھ لوگ ایسے پائے جائیں جو حقیقت دین سے لاعلم ہوں تو عقلاً اور واقعتہً ایسے لوگوں کے متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ اس دین پر ہیں، ان کی جہالت ان پر اسلام کی صفت کو طاری نہ کر سکے گی۔ اور یہ عذر قابل سماعت نہ ہو گا کہ ہمیں معلوم نہ تھا، دین کے تمام ضروری عقائد و اعمال کو جاننا ہر مسلمان کا فرض ہے کسی چیز کا اعتقاد اس کے علم کی فرع ہے، جب علم نہ ہو گا تو اعتقاد کیسے ہو گا؟ عقل اور واقعات کی منطق یہی ہے بلکہ واضح بداہت کا منطق ہے۔

یوسفؑ کی تقریر تمام معالم دین پر حاوی ہے

ان چند واضح اور چمکدار الفاظ میں یوسفؑ نے دین کی حقیقت کا نقشہ کھینچ دیا ہے اور اس کے سب عقائد اور بنیادیں بتا دی ہیں۔ اس طرح انہوں نے شرک و طاغوت کے پائے ہلا دیئے ہیں اور جاہلیت کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا ہے۔ طاغوت زمین میں جب بھی کھڑا ہو گا تو وہ الوہیت کی سب سے بڑی خصوصیت یعنی ربوبیت کا مدعی بن کر اٹھے گا، وہ لوگوں کو اپنے قانون اور غلامی کا حق حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے

Marfat.com

ان پر اپنا حکم چلاتا ہے، اور اللہ کے سوا ہر کسی کا حکم شرک و کفر ہے، جب طاغوت خدائی کرنا چاہتا ہے تو چاہے اپنے لیے خدا کا نام استعمال نہ کرے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا، عملی دلیل قولی دلیل سے قوی تر ہے طاغوت صرف اسی وقت قائم ہوتا ہے جب کہ دینِ قیم اور عقیدۂ خالصہ لوگوں سے غائب ہو، جب لوگوں کے عقیدے میں عملاً یہ حقیقت موجود ہو کہ حکم صرف اللہ وحدہٗ کا ہے تو طاغوت کا قائم ہونا ممکن نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس سورت میں عبادت صرف اللہ وحدہٗ کی ہوگی اور کسی کے آگے جھکنا عبادت ہی ہے، دراصل عبادت کا مدلول ہی یہی ہے۔

خوابوں کی تعبیر

یہاں پر یوسفؑ اپنے درس و وعظ کی چوٹی پر پہنچ چکا تھا، یہ وعظ اس کے قیدی ساتھیوں کے دلی جذبات و خیالات کے ساتھ ربط رکھتا تھا۔ اب درس کے اختتام پر وہ ان کے خواب کی تعبیر پیش کرتا ہے تاکہ اس کے قول اور وعظ پر سننے والوں کو مزید وثوق و اطمینان حاصل ہو جائے، اب وہ آیت: ۴۱ میں تعبیر خواب اور آیت: ۴۲ میں ایک بے انصافی کی بادشاہ وقت سے شکایت کرنے کا مضمون بیان کرتا ہے:

"اے میرے دو قیدی ساتھیو! تم میں سے ایک تو اپنے آقا کو شراب پلائے گا اور دوسرے کو صلیب دی جائے گی اور اس کے سر میں سے پرندے کھائیں گے"!

تعبیر میں از راہِ لطف و تحرج یوسفؑ نے یہ تعیین نہ کی کہ بشارت والا کون ہے اور بُرے انجام والا کون ہے؟ اور یہ بات واضح ہی تھی کہ شراب نچوڑنے والا ہی شراب پلائے گا (یہ شاہی ساقی تھا! جو کسی جرم میں ماخوذ تھا، اور جس کے سر پر سے پرندے روٹیاں کھاتے ہیں، وہ دوسرا ہے۔ تعبیر چونکہ علمِ الٰہی کی بناء پر دی گئی تھی اس لیے یوسفؑ نے کہا کہ:

"جو کچھ تم پوچھتے ہو اس کا فیصلہ ہو گیا!"

یعنی اللہ کے علم و تقدیر میں یہ ایک فیصلہ شدہ امر ہے۔

میرا ذکر اپنے آقا کے پاس کرنا

یوسفؑ کو بے سوچے سمجھے، بلا کسی مقدمہ کے، محض کچھ بڑے لوگوں کو بدنامی سے بچانے یا ان کے خلاف بولتی زبانیں بند کرنے کے لیے محبوس کیا گیا تھا، ہو سکتا ہے کہ اس کی قید کا حکم بادشاہ کے سامنے غلط بیانی کر کے لیا گیا ہو، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بادشاہ کو اس معاملے کا علم تک نہ ہوا اور کسی "صاحب اختیار" نے اپنے اختیار کو غلط استعمال کرتے ہوئے اس بے گناہ کو قید و بند کے سپرد کر دیا ہو، بہرحال یہ بتانے کے لیے کہ اے بادشاہ تیری سرکار کے ماتحت یہ کچھ ہوتا ہے اور اس طرح بے گناہوں کو جرم بے گناہی کی سزا میں جیل کے سپرد کر دیا جاتا ہے، یوسفؑ نے چاہا کہ ان دونوں میں سے بری ہونے والا بادشاہ سے اس کا ذکر کرے؛

"اور یوسفؑ نے اس شخص سے جس کے متعلق اس کا ظن یہ تھا کہ یہ ان دونوں میں سے

پہنچ جانے والا ہے، کہا کہ اپنے آقا کے پاس میرا ذکر کرنا ؎

یعنی میرا حال اور حقیقت اور جو کچھ میرے متعلق جانتا ہے اس کا بیان اپنے حاکم سے کرنا، ربّ کا لفظ مصر میں آقا، سردار، حاکم اور زبردست کے معنوں میں بولا جاتا تھا، یا پھر اس کا یہ مطلب ہے کہ جس کو تو ربّ، قانون ساز اور حاکم مانتا ہے اسے میرا حال بتانا۔ اور یہاں پر یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ چونکہ بادشاہ ربوبیت کے مدعی نہ تھے جیسا کہ فرعون مدعی تھے، اور وہ فرعونوں کی مانند معبودیا معبودوں کی طرف منسوب نہ تھے کہ ان کی نمائندگی میں حکومت واقتدار کے مالک ہونے کا دعویٰ کریں، اور ان کے لیے ربوبیت کے مظاہر میں سے حاکمیت کے سوا کچھ نہ تھا، اور یہ آیت ربوبیت کے معنیٰ میں نص ہے دیہ عہد نامۂ قدیم وجدید کی اس اصطلاح کا ہم معنیٰ لفظ تھا جس کا ترجمہ عہد ناموں کے مصنفین نے "خداوند" کیا ہے۔ اور چھوٹے خداوندوں کے اوپر ایک سب سے بڑا خداوند مانا جاتا تھا، جسے خداوند خدا کہتے تھے۔ یہ لفظ عہد نامۂ جدید میں دیکھیں تو بات بڑی صاف ہو جاتی ہے۔ المترجم)۔

بری ہونے والا یوسفؑ کا ذکر بھول گیا

(سید مرحوم نے تو پروعدہ کیا تھا کہ ان خواب دیکھنے والے قیدیوں کے بارے میں بتائیں گے کہ وہ کون تھے، مگر اب تک انہوں نے اس پر کوئی روشنی نہیں ڈالی۔ عہد نامہ قدیم میں ان میں سے پہلے کو بادشاہ کا ساقی اور دوسرے کو باورچی بتایا گیا ہے اور یہ بات دل کو لگتی ہے کہ وہ ایسے ہی ہوں گے۔ پس رہا ہونے والا جو بادشاہ کا ساقی تھا اور جس کے خلاف تحقیقات نے اسے بے گناہ ٹھہرایا تھا اور رہا کر دیا تھا، بادشاہ کے سامنے یوسفؑ کا ذکر کرنا بھول گیا۔ باہر کی دنیا میں جا کر وہاں کی دلچسپیوں میں کھو گیا ہو گا اور اپنا پہلا وقت بھول گیا ہو گا، اسے قرآن نے یوں کہا ہے:

"پس شیطان نے اس کو اپنے آقا کے سامنے یوسفؑ کا ذکر بھلا دیا"

لبث کا فاعل یوسفؑ ہے اللہ تعالیٰ کی مشیت یہ تھی کہ یوسفؑ ظاہری اسباب سے کٹ کر صرف خدا کا ہو جائے، توحید جب کامل ہو جائے تو درمیانی وسائط ختم ہو جاتے ہیں۔ یوسفؑ کو جب امتحان میں ڈالا گیا تھا اس میں ان کی تربیت مدِنظر تھی، لہٰذا نتیجہ یہ ہوا کہ بادشاہ کا ساقی یوسفؑ کا وہاں ذکر نہ کر سکا، یوسفؑ چند سال قید خانے میں رہا اور جب رہا ہوا تو قید خانے سے اگلا قدم تختِ حکومت پر پڑا۔ قدرتِ الٰہی کی یہ کارفرمائی بھی عجیب تھی، اللہ تعالیٰ یوسفؑ کو کشاں کشاں حکومت کی طرف لے جا رہا تھا، اگر ساقی اس کا ذکر بادشاہ سے کرتا تو یہ صورت پیش نہ آ سکتی تھی جو عمل اور واقعہ میں پیش آئی اور اس کے اسباب خداساز تھے۔

شاہی خواب اور درباری کاہنوں کا اس کی تعبیر سے اظہارِ عجز!

اب ہم شاہِ مصر کی مجلس میں ہیں جس نے ایک عجیب خواب دیکھا ہے اور اس کی تعبیر چاہتا ہے۔ نجومی، کاہن اور حاشیہ نشین اس کی تعبیر سے عاجز آ جاتے ہیں:

"اور بادشاہ نے کہا کہ میں خواب میں سات موٹی تازی گائیں دیکھتا ہوں جن کو سات دبلی پتلی

Marfat.com

کھائی ہیں، اور سات سرسبز خوشے اور دوسرے خشک۔ اے دربار والو! میرے خواب کا مطلب مجھ کو بتاؤ اگر تم خواب کی تعبیر کرتے ہو، انھوں نے کہا کہ یہ پریشان خواب ہیں اور ہم پریشان خوابوں کی تعبیر جاننے والے نہیں۔"

حاشیہ نشینوں اور کاہنوں نے اس خواب کی تعبیر سے اس لیئے گریز کیا کہ یا تو وہ واقعی اس کی تعبیر جا... تھے، یا کوئی ایسی بات منہ سے نہ نکالنا چاہتے تھے جو بادشاہ کو بُری لگے کیونکہ حاشیہ نشینوں کا قاعدہ ... یا شائد ان کے نزدیک واقعی یہ پریشان خواب تھا جو نفسانی خیالات و افکار پر مبنی ہوتا ہے ... کا مطلب کچھ نہیں ہوتا۔

تین خواب اور ان کی تعبیریں

اب تک سورۃ یوسف میں تین خواب گزر چکے ہیں؛

(۱) یوسفؑ کا اپنا خواب جس کی تعبیر ان کے والد یعقوبؑ نبی نے دی۔

(۲) یوسفؑ کے دو قیدی ساتھیوں کا خواب جس کی تعبیر یوسف علیہ السلام نے بیان کی اور ... نے یوسفؑ کو تعبیر خواب کا خاص عطیہ دیا تھا اور یہ معجزہ دیگر انبیاء کے معجزات کی مانند ... کے ماحول اور فضا کے عین مطابق و مناسب تھا۔

(۳) شاہِ مصر کا خواب جو اب تعبیر کے لیئے پیش تھا۔

ان خوابوں سے پتہ چلتا ہے کہ مصر اور اس کے باہر کی فضاء میں خوابوں کو کیا اہمیت حاصل ... ہر زمانے میں لوگوں کو دکھائی دیتے ہیں، مگر بعض زمانے خالص مادی دور ہوتے ہیں، جیسا کہ اس وقت ... زمانہ ہے، اور بعض زمانے ایسے ہوتے ہیں کہ مادیت کے ساتھ ساتھ ان میں کچھ روحانیت کی آمیزش ... ہے۔ مصر کا ماحول اور دور کچھ اسی قسم کا تھا۔ یہاں پر ایک یہ ضروری بحث بھی ہے کہ تعبیر خواب کا علم ... کا معجزہ شمار ہوتا ہے یا نہیں؟ قرآن کے ظاہری الفاظ اور بار بار تعبیر خواب کے علم کو جو الٰہی عطیہ فضل ... گیا ہے اس کا تقاضا تو یہی ہے کہ واقعی یہ ان کا معجزہ تھا، مگر یہ ایک تحقیق طلب بحث ہے اور ... ہمارے موضوع سے خارج ہے۔

یوسفؑ کے قیدی ساتھی کو یاد آگیا!

یوسفؑ کے نجات یافتہ قیدی ساتھی کو رہائی کے بعد مصروفیتوں اور دنیوی دلچسپیوں ... کہ وہ یوسفؑ کے متعلق بادشاہ کو بتانا بھول گیا، اب بادشاہ کے خواب سے اسے گزشتہ واقعا... یہ اس کی رہائی کے چند سال بعد کا واقعہ ہے، اتنا عرصہ وہ محل، حاشیہ نشینوں، شراب نچوڑنے ... پلانے اور خود پینے میں مصروف رہا۔ اب اسے یاد آیا کہ یوسفؑ نے اس کو اور اس کے دوسرے قیدی ... ساتھی کو خوابوں کی تعبیر بتائی تھی۔ اور وہ بالکل درست ثابت ہوئی تھی؛

"اور ان میں سے نجات پانے والے نے کہا، اور اس کو ایک مدت کے بعد یاد آیا، میں تمہ...

Marfat.com

اس کی تعبیر بتاؤں گا، مجھ کو بھیجو۔"

اب یہ بات تو از خود معلوم ہے کہ اسے اس کی حسب خواہش قید خانے میں بھیجا گیا ہو گا اور وہ وہاں گیا ہو گا اور یوسفؑ سے سوال کیا ہو گا۔

یوسفؑ سے تعبیر پوچھی گئی

اس نے یوسفؑ سے پوچھا کہ :

"اے یوسفؑ! اے نہایت سچے انسان! ہمیں فتویٰ دو سات موٹی گائیوں میں جن کو سات دُبلی گائیں کھاتی ہیں، اور سات سبز خوشوں میں اور دوسرے خشک خوشوں میں۔ تاکہ میں لوگوں کی طرف واپس جاؤں تاکہ وہ جان لیں۔"

وہ قید خانے میں خود تجربہ کر چکا تھا کہ یوسفؑ نہایت سچا اور شریف انسان ہے، لہٰذا اسی تجربے کی بنا پر اس نے یوسفؑ کو صدیق کہا۔ پھر اس نے بادشاہ کے خواب کو اس کے الفاظ میں نقل کیا۔ یوسفؑ نے اس بار نہ صرف خواب کی تعبیر بیان کی بلکہ تعبیر کے مطابق آنے والے سالوں میں وہ تدبیر بھی بتا دی جس کے ساتھ قحط کا مقابلہ کیا جا سکے۔ چنانچہ اس نے کہا کہ :

"تم متواتر سات سال تک زراعت کرو گے (سات گائیوں سے اسی کی طرف اشارہ ہے)، پس تم جو کچھ کاٹو اس کو اس کے خوشے میں ہی رہنے دو (یعنی دانے مت نکالو تاکہ بیماریوں اور کیڑوں مکوڑوں سے بچے رہیں) مگر تھوڑا سا غلہ جسے تم کھاؤ گے (اس کو خوشوں سے باہر نکال کر دانے حاصل کر لو اور استعمال کرو، باقی غلہ خوشوں میں رہنے دو تاکہ قحط زدہ سات سالوں میں کام آئے جن کی طرف سات دُبلی گائیوں سے اشارہ کیا گیا ہے) پھر اس کے بعد سات سخت سال آئیں گے، (جن میں کوئی کھیتی نہ ہوگی، وہ تمہارے پہلے سے بچا کر رکھے ہوئے غلے کو کھا جائیں گے (گویا کہ یہ قحط سالی کا سات سالہ عرصہ کھا جائے گا، مگر وہ تھوڑا سا غلہ جس کو تم محفوظ کر لو گے (وہ بچ سکے گا، پھر اس کے بعد ایک سال آئے گا جس میں لوگوں پر بارش ہو گی اور اس میں وہ انگوروں کی شراب نچوڑیں گے۔ (یعنی یہ شدید سات سال گزر جائیں گے جو قحط زدہ ہوں گے اور پھر عام خوشحالی اور آسائش کا وقت آ جائے گا جس میں بارش ہو گی اور پھل پیدا ہوں گے رس نچوڑے جائیں گے۔ اور لوگوں کی شدت کا زمانہ ختم ہو جائے گا۔"

بادشاہ کے خواب میں اس آسائش کے سال کی طرف کوئی رمز و اشارہ نہیں ہے۔ یہ علم لدنی تھا، جس کو اللہ تعالیٰ نے یوسفؑ کے نصیب میں کیا تھا۔ اب شاہی ساقی نے یہ سب کچھ بادشاہ کو آ کر بتا دیا۔ اسے یہ بھی پتہ چل گیا کہ یہ بے گناہ شخص محض چند "آوارہ مزاج بیگمات" کی خوشنودیٔ مزاج اور ضد و انتقام کا نشانہ بنایا گیا ہے۔ پھر کیا ہوا؟ بہت سی درمیانی غیر ضروری باتیں چھوڑ کر اب قرآنی سیاق اگلے رازوں سے پردہ اٹھاتا ہے۔

Marfat.com

شاہی دعوت اور یوسفؑ کا انکار جب تک پوزیشن صاف نہ ہو!

اگر یوسفؑ اپنے اوپر زنانِ مصر اور امراۃ العزیز کے معاملے سے پردہ اٹھائے بغیر شاہی طلب پر باہر آجاتا تو شاید کچھ لوگوں کے دلوں میں شکوک و شبہات باقی رہتے کہ معلوم نہیں اس کو کس گناہ کی پاداش میں جیل بھیجا گیا تھا لہٰذا شاہی طلب پر یوسفؑ نے یہی مطالبہ کیا کہ پہلے میرے خوف جو جرم بیگناہی تھا اور جس کی پاداش میں میں نے اتنی طویل قید کاٹی، اس کی تفتیش ضروری ہے۔ اس میں شک نہیں کہ یوسفؑ کے یہ قید کے چند سال نہایت مشقت اور دل تنگی کے سال تھے۔ مگر رہائی کا حکم ملتے ہی اس نے باہر آنے میں جلدی نہ کی، بلکہ پہلے اپنی صفائی اور تحقیقات کا مطالبہ کیا۔ یہ تحقیقات وقت کے نظام عدل کے منہ پر ایک زناٹے کی چپت تھی اور اس کے ساتھ ساتھ مصر کی معاشرتی زندگی، وہاں کے ارسٹو کریٹ طبقے اور ان کی بیگمات کے خلاف احتجاج کی ایک زبردست چیخ تھی جس سے سارا معاشرہ، سارا شہر اور ملک تھرا گیا ہوگا۔ انہیں پتہ چل گیا ہوگا کہ اخلاق اور صبر و ثبات کو ظلم و ستم اور بد اخلاقی پر کس طرح فتح حاصل ہوتی ہے؟ یوسفؑ کی ربانی تربیت نے اس کو اخلاق کا ایک نہایت اونچا مقام دیا تھا، اور اس میں صبر و قرار اور وثوق و اطمینان کی کیفیتیں بھر دی تھیں، جن کا بھرپور اظہار یوسفؑ کی گزشتہ اور اس کے بعد آئندہ زندگی میں ہوا۔ اس تربیت کا اثر پہلے اس نجات پانے والے قیدی کے ساتھ اس بات میں ہوا کہ :

”میرا ذکر اپنے آقا کے پاس کرنا“

اور جب وہ ذکر ہوا اور برسرعام ہوا، بادشاہ نے یوسفؑ کو ناگزیر جان کر قید سے رہائی کا پروانہ بھیجا، مگر اس نے قاصد سے کہا :

”تو اپنے آقا کے پاس واپس جا اور اس سے پوچھ کہ ان عورتوں کا معاملہ کیا تھا جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹے تھے“

پہلی بار یوسفؑ نے جو کچھ کہا تھا اب اس پر ایک عرصہ گزر چکا تھا اور اس وقفے میں جو ان دونوں باتوں کے اندر گزر چکا تھا، اللہ تعالیٰ نے خود اپنی نگرانی میں یوسفؑ کی تربیت فرمائی، اب چونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یوسفؑ کے سپرد مملکت کا مالیاتی انتظام ہونے والا تھا، جو اعتماد و خلوص چاہتا تھا، اگر بعض اہم لوگوں کے دلوں میں یوسفؑ کی طرف سے شکوک و شبہات رہ جاتے تو اسی سے کئی الجھنیں پڑ جانے کا خدشہ تھا۔ لہٰذا ضروری تھا کہ پہلے اس امر کا تصفیہ کیا جائے کہ یوسفؑ کو محبوس کیوں کیا گیا؟ اس کا قصور کیا تھا؟ اگر اس کا نہیں تو کس کا قصور تھا؟ یہ اس لیے بھی ضروری تھا کہ حکامِ وقت پر یہ ظاہر ہو جائے کہ تمہارے زیر سایہ بے گناہ لوگوں پر کس طرح اور کیسے کیسے ظلم و ستم ہوتے ہیں؟

لفظ ربّ کا استعمال

آیت: ۵۰ میں یوسفؑ کے اس قول میں رب کے لفظ کا دو جگہ استعمال ہوا ہے اور دونوں جگہ اس کے معنی الگ الگ ہیں :

Marfat.com

"اس نے کہا کہ واپس جا تو اپنے رب (آقا) کی طرف اور اس سے پوچھ کہ ان عورتوں کے ہاتھ کاٹنے کا سبب کیا تھا، جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹے تھے؟ بلاشبہ میرا رب تو ان کی سازش کو خوب جانتا ہے۔"

مطلب یہ کہ تیرا رب تو بادشاہ ہے، جس کے حکم و دینونت کو تو مانتا ہے، اور اللہ یوسفؑ کا رب ہے جس کے تسلط و اقتدار کا یوسفؑ قائل ہے، پس اس وجہ سے ہم یہ کہتے ہیں کہ لفظِ رب کا استعمال یہاں پر اس کے پورے مدلول کے ساتھ ہوا ہے۔ ایلچی واپس گیا اور بادشاہ کو یوسفؑ کا جواب بتایا۔ اس نے ان عورتوں کو بلوایا تاکہ ان سے اس سوال کا جواب پوچھے جو یوسفؑ نے اٹھایا تھا۔ بادشاہ نے ان سے پوچھا۔

زنانِ مصر سے معاملے کی تحقیقات

آیت: ۵۱ کہتی ہے کہ:

"اس نے کہا وہ کیا معاملہ تھا جب کہ تم نے یوسفؑ کو نفسانی خواہش کی ترغیب دی تھی۔"

اس سے نصاً یہ ثابت ہو گیا کہ یوسفؑ کا دل لبھانے اور اسے اپنی طرف مائل کرنے میں یہ سب عورتیں شامل تھیں، اور پہلے تو صرف عزیز کی بیوی نے یہ کام کرنے کی کوشش کی تھی مگر اب یہ سب عورتیں اس کی سازش میں شریک ہو گئی تھیں۔ خطب کا معنی ہے: بڑا معاملہ، اہم بات، مصیبت۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہ کو کسی نہ کسی طرح سے اصل معاملے کی خبر ہو گئی تھی اور ان سے دریافت کرنے سے قبل وہ حقیقتِ حال کو پا چکا تھا، اس قسم کے احوال میں عادتاً یوں ہی ہوتا ہے تاکہ معاملے کی تحقیقات سے پہلے بادشاہ کو اصل واقعہ اس کی علت اور نتیجے کی خبر ہو جائے اور وہ تحقیقات میں پورے تیقن کے ساتھ دخل دے سکے، کیونکہ یہ ایک بڑا معاملہ تھا اور بات جہاں تک آ پہنچی تھی ضروری تھا کہ حاکم اعلیٰ کو اس کے مالہ و ماعلیہ کی پوری خبر ہو۔ اور یہاں سے پوری طرح معلوم ہو سکتا ہے کہ عزیز مصر کا گھر کن سازشوں اور کس قسم کے اشغال کا مرکز بن چکا تھا، یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ پہلے تو یوسفؑ کو گمراہ کرنے کی کوشش میں عزیز کی بیوی تنہا تھی، مگر اب "بڑے گھرانوں کی خواتین" "اس کارِ خیر" میں اس کے ساتھ شامل ہو چکی تھیں۔ اب وہ سب اسے لبھانا چاہتی تھیں، ہو سکتا ہے کہ ہاتھ کاٹنے کا فعل ارادۃً ہو تاکہ اس کو مائل کیا جا سکے۔ اس سے یہ عقدہ حل ہو جاتا ہے کہ اس "قسم کی بیگمات" کا فتنہ آج کل ہی خطرناک نہیں، بلکہ ہزارہا سال پہلے بھی ان کا یہی حال رہ چکا ہے جاہلیت قدیم ہو یا جدید بہر صورت جاہلیت ہے، جہاں کہیں عیش پرستی کا دور دورہ ہو گا، محلات ہوں گے حاشیہ نشین اور درباری ہوں گے، اس قسم کے واقعات کا ظہور ہو کر رہے گا۔ (ماضی قریب میں ہمارے ملک میں نوابوں اور راجاؤں کے محلات میں، اور ان کے ماحول اور حاشیہ نشینوں اور درباریوں میں یہی سب کچھ پیش آتا رہا ہے، ہم ذاتی طور پر اس قسم کے پوست کندہ حالات سے آگاہ ہیں) ارسٹوکریسی کے یہ لازمی کرشمے ہیں، اس میں قوم و ملک اور زمان و مکان کا فرق کوئی تبدیلی نہیں کر سکتا۔

Marfat.com

اب انکار کی مجال کہاں؟

تحقیقات کچھ ایسے انداز میں ہوئی کہ عورتوں کو مجال انکار نہ ہو سکی۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوجاتا ہے کہ اس ماحول کی "خواتین" کتنی بے باک اور منہ پھٹ تھیں کہ اپنی بد معاشی اور بے راہ روی کے برملا اعتراف میں انہیں کوئی باک نہ محسوس ہوا۔ اس کا ایک بڑا سبب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مردوں کے نزدیک یہ کوئی معیوب بات نہ تھی، اور وہ اس قسم کے معاملات کو روزانہ پیش آنے والے واقعات سمجھتے تھے (اکبر الٰہ آبادی کا یہ شعر کیسا برجستہ و برمحل ہے کہ ؎

خدا کے فضل سے بیوی میاں دونوں مہذب ہیں حجاب اس کو نہیں آتا حیا اس کو نہیں آتی!

یوسفؑ کی پاکدامنی کی برملا شہادت

ان عورتوں کا جواب یہ تھا کہ:

"انہوں نے کہا کہ واللہ، خدا جانتا ہے کہ ہم نے اُس میں کوئی برائی نہ دیکھی۔"

پس یوسفؑ کا طاہر و مطہر ہونا الم نشرح تھا، اس کے دامن طہارت پر کوئی دھبہ نہ تھا، ان عورتوں کے نزدیک بھی وہ نہایت پاکباز اور نیک خصلت تھا۔ اس کی بلندی شک و شبہ سے بالاتر تھی۔ اب وقت آچکا تھا کہ عزیز کی بیوی اپنے گناہ کا واضح اور کھلا اعتراف کرے، یوسفؑ کی پاکدامنی کا اقرار کرے اور برملا اپنی غلطی اور اس کی بلند اخلاق کو ظاہر کرے، پس وہ آگے بڑھی اور ہر بات کا کھلے بندوں یوں اقرار کیا کہ:

"عزیز کی بیوی بولی! اب حق واضح ہو گیا ہے (بات چھپائے نہیں چھپ سکتی) میں نے ہی اس کو نفسانی خواہش کی ترغیب دی تھی اور بلاشبہ وہ سچا ہے۔"

اُس نے یہ بھی کہا کہ میری وجہ سے اس کو بہت دکھ پہنچا، وہ قید و بند کی مصیبتوں میں مبتلا رہا، لیکن اب جبکہ بات صاف ہو چکی ہے معاملہ نکھر کر سامنے آچکا ہے میں اب اس کی غیر حاضری میں خیانت نہیں کر سکتی، جو ہونا تھا ہو چکا، مگر اب میری طرف سے اس کے خلاف کچھ نہیں ہو سکتا:

"یہ اس لیے ہے کہ اسے معلوم ہو جائے کہ (پہلے جو ہوا سو ہوا) میں نے بغیر حاضری میں اس سے خیانت نہیں کی اور یہ کہ اللہ خیانت کرنے والوں کو کامیابی کی راہ نہیں دیتا۔"

یہ یوسفؑ کی برات و طہارت اور صدق و صفا کی کامل و واضح شہادت ہے۔ اس عورت کی پہلے ہی کافی بدنامی ہو چکی تھی، مگر یوسفؑ کے ذمہ بات ڈالنے کی کوشش ناکام ہو گئی۔ اس نے قید و بند کی مصیبتیں تو جھیلیں مگر اس کے دامن عصمت و طہارت پر کوئی حرف نہ آسکا۔

ندامت کے آنسو اور اعترافِ حق

پارہ ۱۳ کی ابتدائی آیت بھی امراۃ العزیز کے قول و اعتراف میں داخل ہے، اس میں وہ اپنی برائی کا کھلا اعتراف کرتی ہے، اور اللہ کی مغفرت و رحمت کے دامن میں ہاتھ مارتی ہے:

Marfat.com

"اور میں اپنے نفس بری نہیں ٹھہراتی، بلاشبہ نفس تو برائی کا بہت حکم دینے والا ہے، مگر جب میرا رب رحم کرے، بلاشبہ میرا رب بہت بخشنے والا بہت رحم کرنے والا ہے۔"

معلوم ہوتا ہے کہ اس عورت کی مایوسیوں، ناکامیوں، آتشِ انتقام کے فرو ہو جانے اور اب شاہی دربار میں گزشتہ واقعات کے خفیہ پہلوؤں کے کھل کر سامنے آجانے سے۔ نہ صرف سچ بولنے پر بلکہ انسانی فطرت کی گہرائی میں جو عقیدۂ توحید مستور ہے، اسے بھی برملا ظاہر کرنے پر آمادہ کر دیا۔ اب اس کا وہ رغباتِ نفس کا زمانہ بھی نہ رہا تھا، عمر شائد پچاس سال یا اس سے بھی زائد ہو چکی تھی۔ لہٰذا اب اس کے دل کے اندر کا انسان بول پڑا اور اس نے اظہارِ حقیقت میں بخل کرنا مناسب نہ سمجھا۔

یہاں پر بارہواں جزء ختم ہوا اور آگے تیرہواں پارہ شروع ہوتا ہے۔

Marfat.com

فہرست کتب مطبوعات اسلامی اکادمی اُردو بازار، لاہور۲ ۔ فون ٦٤١٦١

ابو داؤد شریف (مکمل تین جلدیں)
ریاض الصالحین (عربی)
ریاض الصالحین (اردو)
تفسیر ترجمان القرآن مکمل تین جلدیں
تفسیر فی ظلال القرآن مجلد
تاریخ فقہ اسلامی (اردو)
حیاۃ الصحابہؓ (اردو) مکمل
حجۃ اللہ البالغہ (اردو) مکمل
حیات طیبہ شاہ اسمٰعیل شہیدؒ
سنن نسائی شریف مکمل
صراطِ مستقیم (مجلد)
کتاب الوسیلہ (مجلد)
قرآن اور علم جدید (مجلد)
مؤطا امام مالکؒ (عربی اردو)
مفردات القرآن مجلد
نخبۃ الاحادیث (اردو، عربی)
موطا امام محمدؒ
المامون (شبلی نعمانی)
الغزالی (شبلی نعمانی)
ام الکتاب (تفسیر سورۃ فاتحہ)
اقبال، قائدِ اعظم اور مودودیؒ

ارواح ثلاثہ (یعنی حکایات الاولیاء)
اعمالِ قرآنی (مجلد پلاسٹک کور)
اسوہ حسنہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
ارکان اسلام
آئینہ نماز
مصباح اللغات
تاجدارِ مدینہ کی شہزادیاں
توحیدی نعتیں (حسب فرمائش)
تعلیم الاسلام (مکمل چار حصے)
تنبیہ الغافلین
تاریخ اہلِ حدیث
تبلیغی کام
تعلیم العربیۃ
جنت کی کنجی (مجلد)
جنت اور اس کی بہاریں
چھ باتیں
حقیقت شکر
حکایات الاولیاء
جزاء الاعمال
دین اسلام
داستان یوسف علیہ السلام

دوزخ کا کھٹکا (مجلد پلاسٹک کور)
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتیں
سیرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا
شفاء العلیل ترجمہ القول الجمیل
شہادت حسینؓ (ابوالکلام آزادؒ)
اللہ کے احکام (مجلد)
طب روحانی (مجلد)
عہدِ نبویؐ کے میدانِ جنگ
عورتوں کی نماز (مجلد)
معرکہ اسلام اور جاہلیت
فضائل تہجد (مجلد)
فلاح دارین (مجلد)
فضائل مسواک
قصص القرآن (مکمل چار حصے)
کمالاتِ عزیزی (مجلد)
گناہوں کا بدلہ دنیا میں
میری نماز (مجلد)
مسلمان خاوند بیوی (مجلد)
مسنون دعائیں (مجلد)
نجوم القرآن لتخریج آیات القرآن
وسیلہ بزرگان (مجلد)

Marfat.com